ہماری ویب ای بُک

قادر خان افغان

QADIR KHAN AFGHAN

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Qadir Khan Afghan"
at Hamariweb.com

افغانستان میں انسداد منشیات پر خدشات

بین الاقوامی قوتیں اپنے مفادات کے لئے ہر ناجائز حربہ استعمال کرنے میں بھی قطعی تامل کا مظاہرہ نہیں کرتے ۔منشیات کے خلاف روس کے وفاقی ادارے کے ڈائریکٹر "وکٹر ایوانوو" نے افغانستان میں نیٹو کے کردار کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے حالیہ افغانستان، پاکستان، روس اور تاجکستان کے منشیات کے خلاف سرگرم اداروں کے اجلاس سے خطاب میں اپنے تحفظات کا اظہار کیا۔افغانستان میں ہر سال کھربوں ڈالر کی سرمایہ کی جاتی ہے اور اس تجارت کے بہت بڑے نیٹ ورک سے حاصل ہونے والی آمدنی سے تقریبا ایک کھرب ڈالر کی رقم صرف بین الاقوامی جرائم میں استعمال ہوتی ہے ۔ افغانستان میں امریکہ کی آمد سے قبل پوست کی کاشت پر طالبان کی جانب سے سخت پابندی عائد کردی گئی تھی جبکہ اس سے قبل جب روس کے خلاف افغان مزاحمت کار مصروف تھے تو پاکستان میں جہاں کلاشنکوف کلچر آیا تو اُس کے ساتھ ہیروئن کی تباہ کاری بھی منشیات کے دیگر جز کے ساتھ مملکت کے طول و عرض میں پھیل گئی ۔افغانستان میں امریکی مداخلت کے گیارہ سالوں میں منشیات کی پیداوار میں دس گنا سے زائد کا اضافہ ہوا ہے۔اس وقت افغانستان میں کسی جگہ گندم کاشت نہیں کی جاتی بلکہ تمام تر توجہ پوست کی کاشت پر مبذول ہے جو سب کچھ مغربی ممالک کی ناک کے نیچے ہو رہا ہے۔ افیون کی کھیپ

سے سب سے زیادہ ، افغانستان ، ایران ، روس اور چین کے مشرقی صوبوں اور مغربی ممالک پہنچتی ہے۔امریکہ میں کوکین کا استعمال زیادہ ہے لیکن اس کی منڈی افغانستان کے بجائے کولمبیا ہے ۔ افغانی پوست منڈی سے امریکہ زیادہ متاثر نہیں ہو رہا اس لئے افغانستان میں دیگر فصلوں کی کاشت کو یقینی نہیں بنایا جاتا کیونکہ اس سے امریکہ کو یہ خدشات لاحق ہیں کہ اگر ان زرخیز میدانوں میں کسان کو کاشت کرنے کی اجازت دے دی گئی تو کسان کے بھیس میں طالبان آجائیں گے اور جہاں وہ پہلے گوریلا جنگ کے نقصانات سے نہیں نکل سکا اگر کاشتکاروں کی صورت میں پوست کے بجائے دیگر اجناس کی اجازت دے دی گئی تو ان کے لئے مشکلات کا پہاڑ کھڑا ہو سکتا ہے۔ منشیات کے خلاف ممالک کو اس سلسلے میں اپنی عوام کے تحفظ کے لئے سماجی ، سیاسی اور مالی مشکلات کے حل کے لئے خطیر رقم مختص کرنے کے علاوہ بے تحاشا مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔چین کے سوشلسٹ انقلاب کے بعد اب چین ماضی کی طرح افیون زدہ قوم نہیں رہی بلکہ محنتی ، جفاکش اور ترقی ممالک کی فہرست اولیں میں امریکہ جیسے ممالک کے لئے پریشانی کا باعث بن چکا ہے۔

افیون جیسے پوست سے کاشت کی جاتی ہے ۔ افیون ، .برصغیر میں سکندر اعظم کی آمد کے ساتھ جرنیلوں اور طبیبوں کی جانب سے باغرض علاج لائے جانے کے تاریخی حوالے موجود ہیں۔منشیات کی پہلی بین الاقوامی تجارت.برطانیہ نے ایسٹ انڈیا

کمپنی کے زیر سایہ شروع کی۔ مشرق بعید جانے والے بحری جہازوں میں افیون کو بطور سامنا تجارت استعمال کیا جاتا تھا۔تاریخ میں برطانیہ کے بنک آف انگلینڈ اور ہالینڈ کے بنک آف ہالینڈ اسی افیون یا منشیات کی تجارت میں پروان چڑھے تھے۔چین نے اپنے مُلک کو تباہی سے بچانے کے لئے ایسٹ انڈیا کمپنی پر پابندی عائد کردی تھی لیکن چین کی کروڑوں عوام کا افیون کی عادی ہونے کے باعث بہت بڑی مارکیٹ،برطانیہ کے لئے سونے کی کان سمجھا جاتا تھا اس لئے چین میں افیون کی تجارت ایسٹ انڈیا کی بنیادی ترجیحات میں شامل تھا اس لئے انھوں نے چین میں داخلے کے لئے افیون زدہ چینیوں کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کردیا اور 1839 میں چینی حکومت کے خلاف لشکر کشی کردی۔ اپنے لوگوں کی غداری اور افیون زدہ قوم ہونے کے باعث 1856 میں چینی حکومت کو شکست کا سامنا کرناپڑا اور شکست فاش ہوئی۔انگریزوں نے منافع کے حصول اور انے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لئے افیون کو چین میں اس قدر رائج کردیا کہ ہر چھوتھا شخص افیون کا غلام بن کر انگریز اور یورپ کا غلام بن چکا تھا۔ معاشی میدان میں ترقی پانے والے مغربی ممالک اپنی معاشی ، سماجی ترقی اور سلامتی کرنے کے لئے اپنے بجٹ کا زیادہ تر حصہ منشیات کے سدباب پر خرچ کررہے ہیں تو دوسری جانب امریکہ کے اتحادی دنیا بھر کی مہم جوئیوں میں بھی عوام کے مالی بوجھ میں اضافے کا سبب بن رہے ہیں جس کا براہ راست اثر خود مغربی ممالک میں ہو رہا ہے اور ان کی عوام عراق اور افغانستان جنگ کو مالی وسائل

کا ضائع ہونا اور اپنے پیاروں کی بلا وجہ اموات پر اپنی حکومتوں پر کھلی تنقید کرتے نظر آتے ہیں۔منشیات کے خلاف روس کے وفاقی ادارے کے ڈائریکٹر "وکٹر ایوانوو" نے منشیات کے خلاف افغانستان،پاکستان،روس اور تاجکستان کے اداروں کے اجلاس میں اس بات پر زور دیا ہے کہ اقوام متحدہ کو افغانستان میں منشیات کی سمگلنگ کے حوالے سے امریکہ اور نیٹو ممالک کی ناکامی کے اسباب پر اجلاس طلب کرکے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے اجلاس میں اٹھایا جانا زیادہ سود مند ہوگا۔روس کے وفد کی جانب سے یہ تجویز جہاں افغانستان میں امریکہ ،برطانیہ کی جانب سے ڈرگ مافیاؤں کے پس پردہ سرپرستی کے مقاصد کو آشکارہ کرنے میں معاون ثابت ہوگا تو دوسری جانب افغانستان میں امریکہ کی جانب سے افغانستان میں 2014ء کے بعد افغانستان میں متحارب گروپوں کے درمیان خانہ جنگی اور طالبان کے حوالے سے افغانستان کا دوبارہ زیر اثر آجانے کے حوالے سے ٹھوس پالیسی بھی منظر عام پر آسکے گی ۔ کیونکہ امریکہ کی جانب سے اس بات کا اظہار کیا جاچکا ہے کہ 2014ء کے بعد بھی امریکہ کی فوج کا کچھ حصہ افغانستان میں موجود رہے گا جو اس بات کا اظہار ہے کہ امریکہ کھربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کے بعد افغانستان کی سرزمین افغانیوں کو باآسانی حوالے نہیں کرے گا اور منشیات کے حوالے سے امریکہ کو ملنے والے فوائد سے محرومی اس ڈر میں تبدیل ہوجائے گی کہ کہیں کولمبیا کی طرح افغانستان کی جانب سے امریکی ریاستیں ہیروئن کی سب سے بڑی مارکیٹ نہ بن جائے۔ اافغانستان میں

پوست کاشت کے خلاف اقدامات عالمی امن پر دور رس نتائج مرتب کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ (نظر ثانی)

بے ہودگی و فحاشی نامنظور

بلاشبہ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پاکستانی فلم انڈسٹری کا آخری سہارا، پشتو فلمیں رہ گئیں ہیں۔انڈین فلم انڈسٹری میں بننے والی فلموں کی لاگت کروڑوں روپےہ ہوتی ہے اور انڈین اداکاروں کے معاوضوں سے کئی پاکستانی فلمیں تیار ہوسکتی ہیں۔پشتو فلم انڈسٹری کے مصروف اداکار شاہد خان کی پرستار شہرت یافتہ تنظیم کے باہر زئی پختون یار چیئرمین آل پاکستان شاہد خان فیڈریشن ننگیالئے گروپ، مرکزی عہدے دار کبر علی، فلمی صحافی زرخیل پشاورے اور نیک محمد ندیم چیئرمین آل پاکستان ہر دل عزیز ہیرو عجب گل فیڈریشن نے، پرنس نور محمد خان ڈپٹی چیف آرگنائزر لائف ٹائم کمبائنڈ فیڈریشن کے توسط سے مجھ سے ملاقات کا وقت مانگا،پہلے میرے انکار کی وجہ میری مصروفیت تھی لیکن احباب کے شدید اصرار کی بناءپر بالآخر ملاقات کرلی، میں پرنس نور محمد خان کی کسی بات کو ٹال نہیں سکتا، حالاں کہ اداکار شاہد خان کی جانب سے لاہور میں ان کے ساتھ بھی نامناسب سلوک کیا گیا تھا لیکن اس کے باوجود اپنی نرم خوئی اور ملنسار طبعیت کے سبب بڑا دل رکھتے ہیں، پرنس نور محمد خان کی بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ ان سے کوئی ناراض نہیں ہوتا اور یہ کسی کو ناراض بھی نہیں کرتے۔میرے پاس آنے والے زرخیل پشاورے، اکبر علی کو دیکھ کر میں حیراں رہ گیا کہ

اداکار شاہد خان کے رویئے سے یہ ہمیشہ شاکی رہتے تھے ابھی کچھ دن قبل ہی لاہور کے ایور نیو اسٹوڈیو میں کراچی سے صرف ان سے ملنے کے لئے آنے والے اکبر علی اور کامران کے ساتھ شاہد خان نے مہمان نوازی کے بجائے شدید نظر انداز کرتے ہوئے ذہنی اذیت و تکلیف پہنچائی تھی لیکن اس کے باوجود بھی جب انھیں شاہد خان کی وکالت کرتے دیکھا تو میری حیرت کی انتہا نہیں تھی کہ پرستار اپنے اسٹاروں سے کس قدر والہانہ چاہت کا اظہار کرتے ہیں، لیکن ان کے فلم اسٹار ان کے دلی جذبات سے بے خبر شہرت کی بلندیوں سے اترنے کا نام نہیں لیتے۔ حالاں کہ میرے علاقے میں شاہد خان کے ایک نام نہاد بڑے پرستار راجا صاحب بھی رہتے ہیں لیکن انھوں نے ابھی تک مجھ سے کسی قسم کا رابطہ نہیں کیا۔ میں نے اپنی سیاسی اور صحافی زندگی میں لاتعداد ایسے کارکنان تو ضرور دیکھے ہیں جو اپنے قائد کے لئے جان تک دینے کو تیار ہوتے ہیں۔ لیکن ایسا منظر میرے سامنے پہلی مرتبہ تھا جس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ انھوں نے مجھے اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کی کہ شاہد خان نے پاکستانی فلم انڈسٹری کو سہارا دیا ہوا ہے، شاہد خان فلمز پروڈکیشن اگر فلمیں بنانا بند کردے تو نگارخانوں کی آخری رونقیں بھی ختم ہوجائے گی۔ شاہد خان نے فون پر مجھ سے تفصیلی گفتگو کی اور اپنی جانب سے یقین دلانے کی کوشش کی، ان کی فلموں میں عریانیت یا پختون ثقافت کے خلاف مواد نہیں ہوتا، طویل بحث مباحثے میں شاہد خان مجھے قائل نہیں کرسکے کہ ان کی فلموں میں بے ہودگی و

عریانیت نہیں ہے، لیکن یہ ضرور قائل کر گئے کہ ان کی مکمل کوشش ہوگی کہ آئندہ فلموں میں پختون ثقافت کے خلاف ایسا کچھ نہ ہو جس سے لاکھوں پختونوں کی دل آزاری ہو۔شاہد خان نے مجھے بتایا کہ جس وقت انھوں نے فلموں میں قدم رکھا تو پشتو فلموں میں فحاشی اپنے عروج پر تھی ،اور انھوں نے اس کلچر کو بدلنے کی بھرپور کوشش کی اور کامیابی بھی ملی۔ شاہد خان کے مطابق شنزٹنگ د بنگڑو، زڑہ لیونے دے، ٹکے خان بنارسی، قلندر رباچا،زڑگیہ خورہ دا غونہ ،افغان شازلے، جیسی فلموں نے معیاری، تفریح مہیا کی۔لیکن فلم میں لاکھوں روپیہ سرمایہ لگتا ہے اور فلمساز نئے تجربے نہیں کر سکتے اس لئے ممکن ہے کہ کچھ ایسی فلمیں نمائش پذیر ہوگئیں ہوں جیسے نقاد اچھا تصور نہیں کرتے ہوں۔شاہد خان کا استدال اپنی جگہ درست ہے کہ پشتو فلموں کو بھی اگر بند کر دیا گیا تو پاکستان کے سنیماؤں میں صرف انڈین اور انگلش فلمیں لگیں گی اور انڈین فلموں میں جس قدر عریانیت ہے اس کا توڑ تو حکومت کے پاس بھی نہیں ۔شاہد خان اور ان کی تنظیم پر میں نے واضح کیا کہ میں شاہد خان کی خلاف نہیں ہوں اور نہ ارباز خان کا مخالف ہوں، بلکہ کسی بھی فنکار کا مخالف نہیں ہوں، لیکن پشتو فلموں میں جس طرح چرس، شراب ،منشیات، عریانیت، فحاشی اور غنڈا کلچر کی ترغیب دی جاتی ہے اور ایسے پختون ثقافت کی نظر سے دیکھایا جاتا ہے وہ نا قابل برداشت ہے۔شائقین فلم اچھی اور معیاری فلمیں دیکھنا چاہتے ہیں، جب انڈیا کی فلموں کو دیکھنے کے لئے ایک ٹکٹ پانچ سو

روپے میں خرید سکتے ہیں تو یقینی طور پر پاکستان میں بھی معیاری فلموں کی کوششوں کو فلم بینوں نے سپر ہٹ کامیاب بناتے ہیں ، جس کی کافی مثالیں ہیں ۔اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ پاکستانی فلم انڈسٹری کو سب سے زیادہ نقصان بھارتی فلموں نے پہنچایا ہے تقسیم کاروں کی جانب سے مہنگے داموں فلم کی خریداری اور فروخت سے پاکستانی فلمسازوں کی حوصلہ شکنی ہوئی ہے۔ بھارتی فلموں کو نمائش میں عریانیت دیکھانے کی اجازت نے پاکستانی فلموں میں بھی عریانیت کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔اردو اور پنجابی فلموں کے اداکار تو پرائیوٹ ڈراموں میں کسی نہ کسی طرح ایڈجسٹ اور فلموں سے زیادہ مصروف اور مالی طور پر مستحکم ہوگئے لیکن پشتو فلموں کے اداکاروں کو خیبر پختونخوا میں عسکرے ت پسندوں کی وجہ سے شدید مسائل کا سامنا کرنا پڑا، جس کی سب سے بڑی مثال چھوٹے بڑے گلوکار و فنکار تھے جنھوں نے عسکرے ت پسندوں کے ڈر کی وجہ سے داڑھیاں رکھ کر اپنی جانیں بچائیں لیکن جو ہاتھ لگے تو انھیں سوات کے گرین چوک پر پھانسی دے دی گئی۔پشتو فلموں میں عریانیت ختم کرنے کے لئے فلم بینوں کو ذوق بھی بدلنے کی ضرورت ہے ۔شاہد خان سے گفتگو کے بعد اندازہ ہوا کہ وہ بھی چاہتے ہیں کہ پشتو فلمیں ، پشتو ثقافت کی آئینہ دار ہوں لیکن حکومت کی جانب سے سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے انھیں شدید دشواریوں کا سامنا ہے۔ بہرحال ہر شخص اپنے فعل کو درست اور ایسے صحیح تسلیم کرنے کے لئے جواز تلاش کرتا ہے۔ میں فلم انڈسٹری کی زبوں حالی اور بحالی کی بحث میں جائے بغیر

توقع رکھتا ہوں کہ شاہد خان نئی فلمیں بناتے وقت، چرسی، پخاوری بدمعاش جیسی فلمیں نہیں بنائیں گے۔ فلموں میں معیاری تفریح اور عریانیت کے سہارے اپنی فلموں کو کامیاب کرانے سے گریز کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ شاہد خان اپنے وعدے کا پاس رکھیں گے۔ لیکن اس مرحلے پر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ میں پشتو فلموں میں پختون ثقافت کو ملیامیٹ کرنے کو کبھی بھی کامیاب نہیں ہونے دونگا اور اپنی روایت و ثقافت کو بچانے کے لئے ہر حد تک جانے کو تیار رہوں گا۔ میرا قلم سچ لکھے گا اور بے رحمانہ تجزیہ کرکے کوشش کرونگا کہ اپنے حصے کا کام کروں۔ شاہد خان آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں پشتو انڈسٹری کو نقصان پہنچانا چاہتا ہوں، بلکہ میری دلی آرزو ہے کہ پختون ثقافت اردو، پنجابی سمیت ہر زبان میں ڈب کرکے دنیا کے کونے کونے میں پہنچائی جائے تاکہ پختون کے ماتھے سے دہشت گرد اور انتہا پسند کا لیبل مٹ سکے اور پختون ایک بار پھر سرخرو ہوسکے۔ میں آل پاکستان سپر اسٹار شاہد خان اینڈ ارشد خان فیڈریشن (چیئرمین فقیر سیلاب)، آل پاکستان سپریم اسٹار ارباز فیڈریشن (مردان) (چیئرمین واجد علی اظہار)، لائف ٹائم کمبائنڈ فیڈریشن (چیئرمین طاہر نواب،)، آل پاکستان جنگجو ہیرو شاہد خان، فرینڈز سوسائٹی (چیئرمین سلیمان خان)، آل پاکستان اسٹوڈنٹ ارباز خان فیڈریشن چیئرمین عارف شاہ)، آل پاکستان عجب گل ایسوسی ایشن (چیئرمین مشتاق گل)، آل) پاکستان لیجنڈ اسٹار آصف خان اینڈ عوامی ہیرو ارباز خان فیڈریشن (چیئرمین رحمت علی شباب)، عجب گل منوال گروپ (چیئرمین

اسد علی)، آل پاکستان بدر منیر فیڈریشن (شرین زادہ بدر)، آل پاکستان ٹرینڈ سینٹر ہدایتکار لیاقت علی خان فیڈریشن (چیئرمین واحد ساگر)، دلبر منیر فیڈریشن (چیئرمین بہادر علی بدر)، اسٹائلش ہیرو عجب گل فرینڈز سوسائٹی (چیئرمین محمد شبیر) اور دیگر علاقائی و ملکی و بیرون ملک فین کلب اور تمام عہدے داران کی محبت کا بھی ممنون ہوں اور اُن فلم بینوں اور تنظیموں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں جنھوں نے اس بار نئی لگنے والی فلم پنچھوری بدمعاش میں عریاں مناظر پر پہلی بار ہوٹنگ اور نا منظور کے نعرے بلند کرتے ہوئے شدید احتجاج کیا۔ مجھے یقین ہے کہ بہت جلد نگار خانوں کی رونقیں بحال اور معیاری فلمیں بھی بنے گی۔ ماضی کی یادگار فلموں کی طرح فیملی کے ساتھ سستی تفریح بھی مہیا ہوگی۔ بس آپ پرستاروں کا ساتھ درکار ہے۔ کیا آپ تیار ہیں ؟؟۔

پاکستانی ہندو برداری کا انتخابی وسیاسی کردار

الیکشن کمیشن پاکستان کی جانب سے جارہ کردہ ووٹر لسٹ میں مذہبی اقلیت کے 28 لاکھ ووٹ درج ہیں ، ان میں سرفہرست ہندو.برادری ہے جن کے چودہ لاکھ سے زائد ووٹ ہیں ۔ہندو.برادری کے نوے فیصد ووٹرز کا تعلق صوبہ سندھ سے ہے یہاں دلچسپ امر یہ ہے کہ ہندو.برادری کے پچانوے فیصد ووٹرز شیڈولڈ کاسٹ کے زمرے میں آتے ہیں جو کہ مزدور اور کسان طبقے سے تعلق رکھتے اور ہندو دھرم کے ورن فلسفے کے اعتبار سے انہیں لوئر کاسٹ یا شوار کہا جاتا ہے ، تاریخی اعتبار سے یہ سندھ کے سب سے قدیمی باشندے اور دراوڑ نسل سے تعلق رکھتے ہیں ۔میگواڑ ، کولہی ، بھیل اور دیگر .برادریوں سے تعلق رکھنے والے سندھ کے ان اوائل اور قدیمی باشندوں کی اکثریت کھیتی باڑی سے وابستہ رہی ہے اور سندھ کی زرعی معیشت میں ان کا اہم کردار رہا ہے۔جاگیردارنہ نظام اور.برہمن ازم کے ستائے ہوئے ان لوگوں کی تاریخ مصائب مشکلات اور مسائل سے بھری ہوئی ہے۔قیام پاکستان کے وقت ان لوگوں کے ایک خاندان نے بھی یہاں سے نقل مکانی نہیں کی بلکہ اپنی دھرتی سے جڑے رہنے کا عزم کا اظہار کرتے ہوئے پاکستان کی حماےت کی۔دراوڑں پر قلم اٹھانے والے لکھاریوں کا کہنا ہے کہ کل یہ لوگ.برہمن ازم کا شکار تھے اور آج نام نہاد جاگیردارانہ نظام کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں۔چونکہ ان لوگوں

کا تعلق سندھ کے دیہی علاقوں اور کھیتی باڑی سے ہے۔ قیام پاکستان کے بعد بانی پاکستان قائد اعظم نے ان کی جانب خصوصی توجہ دی اور پاکستان کے پہلے وزیر قانون کا قلمدان ایک شیڈولڈ کاسٹ رہنما جوگندھ ناتھ منڈل کو سونپا، لیکن بعدازاں ملک میں جاگیر دارانہ نظام کو پروان چڑھاتے ہوئے اپر کاسٹ ہندو اشرافیہ کو اقتدار و ایوانوں میں لاکر شیڈولڈ کاسٹ ہندوؤں کو پیچھے دھکیل دیا گیا۔ ان تمام حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے شیڈولڈ کاسٹ کے لوگوں نے ہمت نہیں ہاری ، محنت مزدوری کے ساتھ تعلیم کی طرف بھی توجہ دی ، آج سینکڑوں ڈاکٹرز ، انجینئرز اور پروفیسرز کے علاوہ سی ایس ایس پاس کرنے والے اعلی افسران بھی ہیں ، اس کے علاوہ سینکڑوں قلمکار ، صحافی، ادیب سندھ میں جانے پہچانے جاتے ہیں جبکہ آج بھی ان کی اکثریت کھیتی باڑی اور مزدورں سے منسلک رہتے ہوئے پسماندہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سندھ کے تمام اضلاع میں یہ لوگ بستے ہیں جبکہ تھرپارکر اور عمرکوٹ میں تمام ووٹرز میں شیڈولڈ کاسٹ ووٹرز کی تعداد 45 فیصد سے بھی زائد بتائی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ سندھ کے تمام انتخابی حلقوں میں ان لوگوں کے ووٹ فیصلہ کن ہوتے ہیں، لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ ان کی حالات زار بدلنے میں کسی کو بھی دلچسپی نہیں ہے اس لئے برسوں سے یہ لوگ آواز اٹھاتے اور جدوجہد کرتے آئے ہیں کہ انھیں ایوانوں میں نمائندگی دی جائے۔ اس وقت بھی سندھ کے مختلف اضلاع خصوصا عمرکوٹ ، مٹھی ، میرپور خاص ، ماتلی ، جھڈو ، ڈگری ، کوٹ غلام احمد ، حیدرآباد ،

سامارو، ٹنڈو الہ یار، سانگھڑ، بدین، ٹنڈو محمد خان اور میٹاری میں شیڈولڈ کاسٹ سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں نے پریس کلب کے سامنے مظاہرے اور بعض جگہوں پر کیمپ قائم کئے ہوئے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ سیاسی جماعتوں نے 95 فیصد ووٹرز کو نظر انداز کرکے اقلیتوں کے لئے قومی اسمبلی کی دس اور سندھ اسمبلی کی 9 نشستوں پر 99 فیصد ٹکٹ اپر کاسٹ سرمایہ دار ہندوؤں کو دیئے ہیں، جبکہ پیپلز پارٹی نے صرف ڈاکٹر کھٹو مل میگواڑ کو نامزد کیا ہے بھی تو صرف ذاتی پسند کی بنیاد پر، جبکہ دوسری جانب متحدہ قومی موومنٹ نے اپنے 27 ورکرز کو فہرست میں رکھا ہے جس میں شیڈولڈ کاسٹ سے تعلق رکھنے والے بھی ہیں۔تاہم کون سی نامزدگیاں حتمی ہونگی اس کا فیصلہ چند دنوں میں ایم کیو ایم کی جانب سے آجائے گا یہاں دلچسپ امر یہ ہے کہ الیکشن 2013ء میں مختلف جنرل نشستوں پر بھی شیڈولڈ کاسٹ سے تعلق رکھنے والے امیدوار سامنے آئے ہیں اس سلسلے میں ضلع عمر کوٹ سے دس اور ضلع تھرپارکر سے 25 امیدوار میدان میں ہیں۔جن کا تعلق میگواڑ، بھیل اور کولہی قبائل سے ہے۔ان میں سب سے زیادہ کا تعلق متحدہ قومی موومنٹ سے ہے جو کہ ضلع تھرپارکر اور عمر کوٹ کے مختلف حلقوں سے نامزدگی فارم جمع کراچکے ہیں لیکن حتمی امیدواران کا فیصلہ ہنوز باقی ہے تاہم پی ایس 61 مٹھی تھرپارکر مقامی اور بین الاقوامی میڈیا کے توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔اس حلقے سے پیپلز پارٹی کے سابق ایم این اے ڈاکٹر مہیش سلانی، پیپلز مسلم لیگ کے امیدوار ارباب نعمت اللہ جو کہ سابق وزیر اعلیٰ سندھ

ارباب غلام رحیم کے بھتیجے اور سابق وزیر بھی تھے، جبکہ تیسرے امیداور مسلم لیگ فنکشنل کے رہنماء اور سابق صوبائی وزیر رانا ہمیر سنگھ ہیں۔ مذکورہ حلقے میں میگواڑ برادری کے چالیس فیصدووٹ درج ہیں جبکہ مجموعی طور پر شیڈولڈ کاسٹ کے ووٹر 48 فیصد ہیں۔مقامی صحافیوں و تجزیہ نگاروں کا ماننا ہے کہ اگر شیڈولڈ کاسٹ خاص طور پر میگواڑ برادری متفق ہوکر اپنے قبیلے کے امیدوار کو ووٹ دینے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو ان کے مقابل ٹھاکر، برہمن اور ارباب امیدواران شکست سے دوچار ہو سکتے ہیں، کیونکہ تجزیہ نگاروں کے مطابق شیڈولڈ کاسٹ برادریوں کے علاوہ دیگر ووٹرز ان تینوں روایتی اور موروثی امیدواران ہیں منقسم ہوگئے ہیں۔ جبکہ شیڈولڈ کاسٹ کے ووٹ کے ایک امیدوار کے انتخابی میدان میں آنے سے اس حلقے کے نتائج ملکی تاریخی میں منفرد اور حیران کن ثابت ہو سکتے ہیں، کیونکہ جس قسم کا جذبہ حلقے کے شیڈولڈ کاسٹ میں پایا جاتا ہے اس سے قوی امید یہی ہے کہ موروثی سیاست کرنے والے سیاست دانوں کو لوہے کے چنے چبانے پڑیں گے۔ شیڈولڈ کاسٹ کے پڑھے لکھے اور باشعور طبقے سے تعلق رکھنے اور بین لاقوامی میڈیا کا متوجہ ہونا ظاہر کررہا ہے کہ شیڈولڈ کاسٹ کے امیدوار دیگر امیدواروں کو پریشانی میں بتلا کر سکتے ہےں۔ گو کہ ایم کیو ایم کی جانب سے کسی حتمی امیدوار کا سامنے نہیں آیا ہے لیکن شیڈولڈ کاسٹ کے امیدواران کے حوالے سے بین الاقوامی میڈیا نے پہلے ہی توجہ حاصل کرلی ہے۔ شیڈولڈ کاسٹ برادری کی جانب سے سندھ بھر میں اپنے ساتھ ہونے

والی نا انصافیوں پر پہلے ہی احتجاج کیا جا رہا ہے اس لئے ممکن ہے کہ روایتی و موروثی سیاست دانوں کے مقابل ان کے اپنے قبیلے کی نامور معروف شخصیت سندھ میں ایک نئی تاریخ رقم کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ کیونکہ شیڈولڈ کاسٹ ایک قدیمی اور اوائلی قبیلے سے ہیں جنہیں سندھ میں صدیوں سے فراموش کیا گیا ہے اس لئے میڈیا کی خصوصی توجہ کا مرکز بن رہے ہیں۔ دیکھنا ہوگا کہ شیڈولڈ کاسٹ امیدوار کامیاب ہوتے ہیں یا پھر روایتی موروثی سیاست دان ؟؟۔۔

پاکستان بدل سکتا ہے، نظریہ نہیں

نظریہ چاہیے کوئی بھی ہو، جبر کے ذریعے کسی پر مسلط کرنے کی اجازت دنیا کا کوئی مذہب اپنے پیروکاروں کو نہیں دیتا۔اسلام تو خود امن و سلامتی کا نام اور مکمل نظام حیات ہے اور دین میں جبر کا از خود سب سے بڑا مخالف ہے لہٰذا کسی بھی قومیت کا شہری اس حوالے سے متضاد رائے نہیں رکھتا کہ اسلام کے نام لیوا کبھی بھی اصلاح کے نام پر فساد کے پھیلاؤ کا سبب نہیں بنیں گے۔پاکستان کی بنیاد صرف دو قومی نظرئےے پر رکھی گئی تھی اور نظریہ کبھی بھی ایک دو سال کی پیداوار نہیں ہوتا کہ متحدہ ہندوستان کے حامی یکدم پاکستان کے بانی بن گئے بلکہ تاریخ میں پسنے والی قوموں میں انقلاب مختلف ادوار میں پیدا ہوتے ہوئے آتش فشاں بن جاتے ہیں اور ایک دن وہ لاوا پھوٹ کر تباہی مچا دیتا ہے۔جنگ آزادی 1857ء کے دس سال بعد 1867ء میں سید احمد خان نے اردو، ہندی جھگڑے کے باعث ہندو، مسلم علیحدہ علیحدہ اور کامل قوموں کا نظریہ پیش کردیا تھا۔یہ نظریہ انڈین نیشنل ازم پر یقین رکھنے والوں کے لئے دو قومی نظریہ صور اسرافیل بن کر گونجا اور پاکستان کی تخلیق کے لئے اس نظریہ کو اخذ کرکے 1947ء میں پاکستان کو ہندوستان سے الگ مملکت میں ڈھالا گیا۔مکتبہ علی گڑھ کے قائدین نے اس دو قومی نظرئےے کو منطقی انجام تک پہنچانے کے لئے 1906ء میں نہ صرف شملہ وفد کو منظم کیا

بلکہ آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے مسلمانان ہند کے لئے ایک الگ نمائندہ سیاسی جماعت بھی قائم کردی۔ دو قومی نظریہ کے خالق کے طور پر علامہ اقبال کا نام بھی ہے جنھوں نے 1930ء الہ آباد کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کے اکیسویں سالانہ اجلاس کی صدارت میں دو قومی نظرئے کا تفصیل سے ذکر کیا گیا۔ 1936ء سے 1938ء تک سر اقبال نے جتنے مکتوب جناح کو بھیجے ہیں اس میں بھی دو قومی نظرئےے کا عکس صاف نظر آتا ہے۔ محمد علی جناح خود دو قومی نظرئےے کے سب سے بڑے حامی تھے انھوں نے نہ صرف آل انڈیا نیشنل کانگریس کی تاحیات صدر بننے کی پیش کش کو مسترد کیا بلکہ علماء دیوبند اور مسلم نیشنلسٹ رہنماؤں کی مخالفت بھی مول لی اور اسی بنیاد پر الیکشن میں حصہ لیا۔ پاکستان مذہبی آزادی کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ جس میں تمام مذاہب کو اپنے عقیدے کے مطابق زندگی گذار سکے۔ قائد اعظم جانتے تھے کہ بیرونی جارحیت کیا ہوتی ہے اور اس کے لئے کن عزم کی ضرورت ہے۔ انگریز مسلمانوں کے خلاف کیا کرنا چاہتا تھا اس کے متعلق قائد اعظم نے اکتوبر 1938ئسندھ مسلم لیگ کی سالانہ کانفرنس میں کہا تھا کہ "برطانیہ ہندوستان کے مسلمانوں کو بھیڑیوں کے حوالے کرنا چاہتا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ برطانیہ سے وہی بازی لے جاسکتا ہے جس میں قوت ہو۔" متحدہ ہندوستان کے مشہور نیشنلسٹ اخبار "مدینہ" (بجنور) کی 17 اپریل 1963 کی اشاعت میں مولانا اسرار احمد آزاد دیوبندی کا ایک مقالہ شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے لکھا تھا "یہ الزام بے بنیاد ہے کہ علماء ہند اس

ملک میں اسلامی حکومت کے لئے کوشاں رہے ہیں ۔دارالعلوم دیوبند سے تعلق رکھنے والے علماء نے کم از کم اس صدی کے آغاز سے ہندوستان میں جمہوری اور سیکولر حکومت کو اپنا واضح نصب العین قرار دے لیا تھا "۔دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور جمعیت العلماء ہند کے صدر (مولانا) حسین احمد (مرحوم) کا ارشاد تھا "ایسی جمہوری حکومت جس میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سب شامل ہوں، حاصل کرنے کے لئے سب کو متحدہ کوشش کرنی چاہیے ایسی مشترکہ آزادی اسلام کے عین مطابق ہے اور اسلام میں اس آزادی کی اجازت ہے۔(زمزم، مورخہ ۷ جولائی 1938 ئ) ۔" مولانا مدنی کا پمفلٹ، متحدہ قومیت اور اسلام کے صفحہ نمبر 61 میں فرماتے ہیں "کانگریس میں ہمیشہ ایسی تجاویز آتی رہتی ہیں اور پاس ہوتی رہتی ہیں جن کی وجہ سے مذہبِ اسلام کے تحفظ ار وقار کو ٹھیس نہ پہنچے ۔" اگست 1948 ئ محمد علی جناح کی جس تقریر کو وجہ جواز بنا کر نظریہ پاکستان ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ہم ایسے بھی موضوع بحث نہیں بناتے کیونکہ نصابی کتابوں سے اس اقتباس کو بھی سیاق و سباق سے ہٹ کر شائع کرنے کے بعد طوطے کی طرح پاکستانیوں کو " نظریہ پاکستان" رٹانے کی کوشش کی جاتی رہی بالاآخر اس اقتباس کو بھی نصاب سے ختم کردیاگیااور قوم کو قیاس آرائیوں پر بحث مباحثہ کے لئے چھوڑ دیاگیا۔لیکن تاریخ یوں آسانی سے مٹائی نہیں جاسکتی۔ کسی شک و شبے سے بالاتر کم از کم یہ بات طے شدہ ہے کہ محمد علی جناح نام نہاد خود ساختہ " مذہبی پیشوائیت" کی اجارہ داری نہیں

چاہتے تھے ۔ پاکستان بننے کے بعد بحیثیت گورنر جنرل ، فروری 1948 ئ میں اہل امریکہ کے نام براڈ کاسٹ پیغام میں واضح طور پر کہا کہ "پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے ابھی پاکستان کا آئین مرتب کرنا ہے ۔ میں نہیں جانتا کہ اس آئین کی آخری شکل کیا ہوگی ۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا آئینہ دار جمہوری انداز کا ہوگا ۔اسلام کے یہ اصول آج بھی اسی طرح عملی زندگی پر منطبق ہو سکتے ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے ہو سکتے تھے۔اسلام نے ہمیں وحدتِ انسانیت اور ہر ایک کے ساتھ عدل و دیانت کی تعلیم دی ہے ۔ آئین پاکستان کے مرتب کرنے کے سلسلہ میں جو ذمہ داریاں اور فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں،ان کا ہم پورا پورا احساس رکھتے ہیں، کچھ بھی ہو، یہ امر مسلمہ ہے کہ پاکستان میں کسی بھی صورت میں بھی تھیا کریسی رائج نہیں ہوگی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے جاتی ہے کہ وہ (بزعم خویش)خدائی مشن کو پورا کریں۔ (تقاریر بحیثیت گورنر جنرل صفحہ 65)"۔ محمد علی جناح نے واضح طور پر بتا دیا کہ وہ تھیا کریسی نظام کو رائج نہیں ہونے دیں گے ۔ محمد علی جناح سے اپریل 1943 ئ میں صوبہ سرحد کی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے ایک پیغام کے لئے درخواست کی ۔ آپ نے جواب میں فرمایا "تم نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہیں کوئی پیغام دوں ، میں تمہیں کیا پیغام دوں جبکہ ہمارے پاس پہلے ہی ایک عظیم پیغام موجود ہے جو ہماری راہنمائی اور بصیرت افروزی کے لئے کافی ہے ، وہ پیغام ہے خدا کی کتاب عظیم ، قرآن کریم ۔" (تقاریر ، جلد اول صفحہ

516)

نومبر 1939 ئ قوم کے نام عید کا پیغام نشر فرمایا۔ (اس زمانے میں ملک میں 13 ہنگامہ اور فساد ہورہے تھے) آپ نے قوم سے کہا "جب ہمارے پاس قرآن کریم ایسی مشعلِ ہدایت موجود ہے تو پھر اس کی روشنی میں ان اختلافات کو کیوں نہیں مٹا سکتے ؟ تقاریر جناح ، شائع کردہ شیخ محمد اشرف ، جلداول صفحہ 108) "وہ بندھن ، وہ رشتہ ، وہ) چٹان ، وہ لنگر ، خدا کی عظیم کتاب ، قرآن مجید ہے ، مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی ۔۔۔ایک خدا ایک کتاب ، ایک رسول ﷺ،فلہذا ایک قوم۔ (تقاریر ، جلد دوم صفحہ 50)۔ ،
اب جو عناصر یہ سمجھتے ہیں کہ بزور طاقت کسی فرقے کے خلاف شدت پسندی کرکے وہ پاکستان کو اسلامی ریاست بنالیں گے تو ایسی سوچ خلاف اسلام ہے کیونکہ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام بزور طاقت نہیں پھیلایا اور اصحاب رسول ﷺ اسلامی حکومتوں یا تمام فقہ کے اماموں نے کبھی کسی فرقے کے خلاف قتل و غارت کو، جائز قرار نہیں دیا تو پھر پاکستان میں فرقہ وارانہ قتل و غارت اور حملوں کا واحد مقصد ، اسلامی نظام کا قیام نہیں بلکہ پاکستان کی بقاء اور سالمیت کو نقصان پہنچانا ہے۔ پاکستان کی بنیاد کو کمزور کرکے

بنگلہ دیش کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کرنا مقصود ہے۔پاکستان کے بانیان اور اکابرین نے کبھی بھی فرقہ وارانہ بنیاد پر انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد نہیں کی۔ایک فلاحی و رفاعی مملکت کا بہترین تصور اسلام کے سوا کون دے سکتا ہے اور دنیا میں لافانی اصولوں اور قوانین پر مشتمل نظام حیات قرآن کریم سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے ؟۔ محمد علی جناح نے کبھی کسی فرقہ وارایت کا پرچار نہیں کیا۔ہمیں قائداعظم کا پاکستان صرف جناح کے اصولوں کے مطابق بنانا ہوگا کیونکہ اساس پاکستان بھی یہی ہے اور نظریہ بھی۔ قائداعظم محمد علی جناح کے لاتعداد تقاریر، ان کے قول و فعل ہی نظریہ پاکستان ہیں۔اب یہ ارباب اختیار کی مجرمانہ کوتاہی ہے کہ انھوں نے قوم کو بے خبر رکھا ہوا ہے۔

پاک، افغان، امریکہ اور مشرف

پرویز جنرل مشرف کی جانب سے امریکی بلاغ میں انٹرویو سامنے آگیا ہے کہ انھوں نے امریکہ کو ڈرون حملوں کی اجازت دے دی تھی اس کی وجوہات کیا تھی اس پر بحث فضول ہے کیونکہ کسی بھی گروپ سے معاہدے کا یہ مطلب ہوتا کہ ہر حکومت دہشت گردی اور انتہا پسندی کو جڑ سے اکھاڑنے کے عزم رکھتی ہے ، لیکن بے گناہوں کے قتل عام کا معاہدہ بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی اور عالمی جرم ہے جس میں امریکہ اور مشرف برابر کے شریک ہیں بظاہر یہ بتایا گیا کہ قبائلی علاقے ہوں یا اندرون ملک یا بیرون ممالک سے ہر قسم کی دہشت گردی کی روک تھام کرنے کے لئے حکومتی رٹ قائم ہوسکے۔ امریکہ و افغانستان جنگ کے دوران دوسرے کئی ذرائع اور ممالک نے سابق صدر پرویز مشرف پر امریکی حمایت کا الزام عائد کیا تھا جیسے بعض وقت مشرف اور صدر بش کے بیانات زائل کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے اور دوسری جانب افغانستان میں تعینات پانچ ممالک امریکہ ، برطانیہ ، کینیڈا ، ڈنمارک اور ہالینڈ کی نیٹو افواج کے کمانڈروں نے اپنی حکومتوں سے یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ طالبان کی حمایت پر پاکستان کے خلاف سخت رویہ اپنایا جائے۔ برطانوی اخبار ٹیلی گراف نے اپنی اشاعت میں طالبان کے خلاف کئے جانے والے "آپریشن میڈوسا" سے متعلق نیٹو رپورٹ میں پاکستانی ایجنسی پر ہتھیار فراہمی کا الزام

عائد کیا تھا۔ مختلف ادوار میں ایسی نوع کی خبروں کو اکٹھا کیا جائے تو تو اس صورتحال کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوتا کہ پاک، امریکہ اور افغانستان کے باہمی تعلقات میں عدم اعتماد کا عنصر زیادہ نمایاں رہا ہے۔ گو کہ 37 ممالک کی اکتیس ہزار سے زائد غیر ملکی افواج نے افغانستان میں قابض رہنے کے لئے بھرپور کوشش کیں لیکن طالبان کی جانب سے انھیں بڑا سخت وقت دیا گیا، پاکستان کی جانب سے جب بھی عسکریت پسندوں کے ساتھ معاہدات کئے جاتے ہیں تو پاکستانی عمل ان ممالک کے لئے پریشانی اور بے چینی کا سبب بن جاتا ہے جو پاکستان میں پائدار امن کے خواہاں نہیں ہوتے۔ سابق صدر پرویز مشرف ہمیشہ امریکہ کے منظور نظر رہے ہیں۔ ایک موقع پر امریکی وزیر خارجہ کونڈا لیزارائس نے امریکی ٹیلی ویژن کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ "انھوں نے ابھی ایسے پاکستان کے بارے میں نہیں سوچا جو صدر جنرل پرویز مشرف کے بغیر ہو۔" امریکہ نے سابق صدر پرویز مشرف کو بطور اتحادی ہمیشہ داد تحسین بخشی ہے کہ نائن الیون کے بعد انھوں نے امریکی مفادات کے لئے ڈرامائی انداز میں ملکی صورتحال میں تبدیلی پیدا کی اور انتہا پسندی کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے بھرپور کوششیں کیں۔ حالاں کہ سابق صدر اس بات کا انکشاف کرچکے تھے کہ انھیں امریکی نائب وزیر خارجہ رچرڈ آرمیٹج نے ان کے ڈائریکٹر انٹیلی جنس کو دھمکی دی تھی کہ ا" گر پاکستان نے امریکہ کا ساتھ نہ دیا تو بمباری کرکے اسے پتھر کے دور میں پہنچا دیا جائے گا۔" گو کہ بعد میں اس انداز کو تبدیل کرکے کہا

گیا کہ پاکستان فیصلہ کرے کہ ہمارے ساتھ ہے کہ خلاف، حیرت ناک بات یہ تھی کہ نیٹو نے اپنی رپورٹ میں جو ڈیلی ٹیلی گراف میں شائع ہوئی تھی ، نیٹو کمانڈر کے حوالے سے ایک بیان شائع کیا تھا کہ "اب وقت آگیا ہے کہ جنرل پرویز مشرف کو اعلیٰ ترین سیاسی سطح پر یہ واضح پیغام پہنچا دیا جائے کہ وہ فیصلہ کریں کہ آیا وہ ہمارے ساتھ ہیں یا ہمارے خلاف "۔ یقینی طور پر اس وقت پرویز مشرف کے فیصلے نے خطے میں صورتحال تبدیل کرکے امریکہ کو افغانستان بیں مداخلت کا جواز فراہم کردیا۔ امریکہ افغانستان میں براہ راست کبھی بھی داخل نہیں ہوسکتا تھا جب تک پاکستان کی حمایت اُس کے ساتھ نہیں ہوتی۔ سابق صدر مشرف کے خدشات اپنے جگہ قابل غور ضرور ہیں کہ اُس وقت کیا جانے والا فیصلہ بڑا سخت تھا کیونکہ انکار کی صورت میں امریکہ بھارت کو استعمال کرسکتا تھا اور پھر پاکستان بیک وقت تین محاذ پر لڑنے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اب ہم ایسے پاکستان کی اپنی مرضی سمجھیں یا زبردستی ، لیکن تاریخ نے یہ ثابت کردیا ہے کہ فیصلہ بہرصورت پاکستان کی سلامتی کے خلاف گیا اور پاکستان بیرونی جنگ میں ایک بار ، کچھ اس طرح الجھا کہ اب اُس کے لئے نکلنے کے راستہ انتہائی دشوار ہوچکا ہے۔امریکہ اپنی ناکامیوں کو چھپانے کے لئے ہر مرتبہ ملبہ پاکستان اور اس کے عسکری اداروں پر ڈالنے کی سعی کرتا رہتا ہے۔جس کا لازمی پہلو یہی ہے کہ ہمیں مستقبل میں انھیں خطوط کو خاص طور پر غور کرنا ہوگا۔پاکستان میں قیام امن کی راہ میں سب سے رکاؤٹ امریکہ اور افغانستان کا

سخت رویہ رہا ہے یہی وجہ ہے کہ افغانستان نے سرحدوں پر باڑ لگانے کی ہمیشہ مخالفت کی کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے افغانستان کا علاقہ کم ہوجائے گا اور سرحد کے دونوں جانب رہنے والے منقسم ہوجائیں گے۔امریکہ ، ملا عمر کی حکومت ختم کرکے پاکستان کی مدد سے افغانستان میں گھسنے میں کامیاب تو ہوگیا،اُس نے جس قسم کے لاجسٹک سپورٹ مانگی ، ہم نے چوں چرا کئے بغیر ان کا ہر مطالبہ پورا کیا اور دنیا کی واحد "سپرپاور "کے آگے لڑے بغیر گھٹنے ٹیک کردئے ے۔مگر افغانوں نے اپنی روایت کے مطابق امریکہ کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیا اور تادم تحریر ہر سطح پر بھرپور مزاحمت جاری ہے۔اب صورتحال یہ ہوچکی ہے کہ افغان حکومت ،ملا عمر کو صدارتی منصب کے لئے انتخاب لڑنے کی پیش کش کر رہے ہیں اور دنیا ورطہ حیرت میں ہے کہ جس حکومت کے خلاف 37 ممالک یکجا ہوئے اور افغانستان کو تہہ وبالا کرڈالا آج وہی ممالک اسی "خطرناك شخصیت" کو صدارتی منصب کے لئے دعوت دے رہے

ہیں۔افغان حکومت کی عملداری صرف کابل تک محدود ہے اس لئے وہ اقتدار پر قابض رہنے کے لئے افغانستان میں ہونے والی ہر کاروائی کا الزام پاکستان پر لگادے تے

ہیں۔سابق صدر پرویز مشرف پر پاکستان سے غداری کا مقدمہ عدالت میں زیر سماعت ہے ، جبکہ اس سے قبل جامعہ حفصہ ،لال مسجد اور اکبر بگٹی قتل کیس جیسے معاملات ان کے لئے درد سربنے ہوئے ہیں۔ یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ پاکستان نے اُن حالات میں جو بھی فیصلہ کیا ، اُس میں سراسر نقصان پاکستان کا ہوا۔مگراس حقیقت کو افغانستان اور امریکہ کی جانب

سے بہت کم تسلیم کیا جاتا ہے۔پاکستان امریکہ مطالبات اور کرزئی الزامات کو بڑی بر باری سے برداشت کر رہا ہے،اب ضرورت اس امر کی ہے کہ امریکہ فیصلہ کرلے کہ ایسے پاکستان کا اتحادی بنے رہنے کے لئے افغانستان کی جانب سے پاکستانی علاقوں میں بم باری چھڑپوں کی حوصلہ شکنی کرنا ہوگی۔اگر امریکہ اور افغانستان اپنا رویہ درست نہیں کرتا تو پھر ایسے اپنی جنگ خود لڑنے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہوجانا چاہیے ، اگر ان کے روئے درست نہیں ہوتے تو مزید نقصان بلا شبہ پاکستان کا بھی ہوگا لیکن اس مضمرات سے افغانستان اور امریکہ بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔پاکستان اس وقت انتخابی عمل کے نازک دور سے گذر رہا ہے ، سابق صدر پرویز مشرف امریکی خوشنودی حاصل کرکے پاکستان میں آچکے ہیں لیکن جس طرح انھیں خلاف توقع عوامی رد عمل کا سامنا ہوا ہے یہ عمل تمام سیاسی جماعتوں کے سربراہان کے لئے سبق آموز ہے کہ امریکہ ہو یا سعودیہ ہو۔پاکستانی امور میں مداخلت ضرور کرسکتا ہے لیکن عوامی راہ عامہ کو ہموار نہیں کرسکتا۔افغانستان امریکہ کو اپنے رویوں میں تبدیلی کرنا ہوگی۔پاکستانی عوام جمہوری شعور کے عمل سے گذر رہی ہے ایسے سبوتاژ کرنے کی کوشش نقصان دہ ہوگی۔مشرف کی جانب سے اس اقرار کے بعد ضروری ہوجاتا ہے کہ اس پر بے گناہوں کے قتل عام پر عالمی عدالت میں دہشت گردی کا مقدمہ چلایا جائے اور امریکی دوستی کے نام پر پاکستان امریکہ سے الگ ہوجائے۔

پختوری بدمعاش سے مست ملنگ تک

بین الاقوامی نشریاتی ادارے بی بی سی اردو کو 07 ستمبر 2003ء میں پشتو فلموں کے نوجوان اداکار شاہد خان نے انٹرویو دیتے ہوئے عریانیت کے الزامات کی تردید کرتے ہوئے کہا تھا کہ ان کی فلموں میں عریاں نہیں بلکہ جنسی جذبات.برانگیختہ کرنے والے رقص ہوتے ہیں ، رقصاؤں نے باقاعدہ کپڑے پہنے ہوتے ہیں ،اس کو آپ عریانیت نہیں کہہ سکتے۔"آج جب 2013 میں اسی ہیرو سے فلموں میں عریانیت کے حوالے سے میں نے سوال پوچھا تو بھی اُن کا وہی جواب تھا کہ آپ نے میری فلمیں نہیں دیکھیں ، یعنی دس سال پہلے جو اُن کا موقف تھا آج بھی انھوں نے اُسی استدال کا اپنایا ہوا ہے۔ یہ پختون ثقافت کا بڑا المیہ ہے کہ اس بیمار صنعت کی واضح سمت کو اختیار کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی گئی ، پشتو فلموں میں عریانیت ، بے پناہ تشدد اور پشتو ثقافت اور روایات کو توڑ موڑ کر غلط رنگ میں پیش کرنے کے الزامات تو اب ایک عام سی بات بن گئی ہے بلکہ پشتو فلم میں کام کرنے والی پنجابی خواتین کو اداکاری کے بجائے اُس کے وزن کے حساب سے منتخب کیا جاتا ہے ، چاہے ہیروئین ہو ، ایکسٹرا ہو ،ناچنے والی ہو یا گھریلو کردار ادا کرنے والی ، اس کا وزن چار سو پاونڈ سے کم نہیں ہوتا اور بے ڈھنگا لباس سونے پر سہاگہ کا کردار ادا کرتا ہے۔ جبکہ فلمی ہیروئین جینز تو ایسی پہنتی ہیں کہ

یورپ والے بھی شرما جاتے ہیں اور ان سے جینز پہنے کا فن پوچھتے ہیں۔ کمال فن یہ ہے کہ جب اُن کے ڈائیلاگ ڈیلیوری کو دیکھا جائے تو سلطان راہی کی بڑکیں بھی طوطی کی آواز بن جاتی ہے۔ لمبے لمبے جوئیں بھرے بالوں والی وگ، بغیر بٹن کے کپڑے، بغیر شمیز کی باریک ٹائٹ قمیض، ننگی برہنہ ٹانگیں، آنکھیں اندھوں کی طرح آسمان کو چھوتی ہوئی، چلتے ایسے جیسے پولیس اسٹیشن سے چھترول کے بعد چلنے میں تکلیف ہو رہی ہو ہاتھ ہلائیں اس طرح جیسے فلم بینوں کی آنکھیں نکال لیں گے، جو حیرانی سے انھیں، ایسے تک رہے ہوتے ہیں کہ اس قسم کی مخلوق دنیا کے کس حصے میں پائی جاتی ہوگی، قانون نافذ کرنے والے ادارے کے افسران کے کندھے پر بیٹھ کر اُن سے چرس بھروانا شراب کی نئی نئی اقسام کی خالی و بھری بوتلیں، فلم بینوں کی ٹپکٹی رال اور سنیما میں، اٹھنے والے چرس کے مرغولے، پورا ہال چرس کے بو سے معطر، کچھ دل جلے شراب تک پی کر ایسے آتے ہیں جیسے فلمی ہیرو کی طرح ساری دنیا کو اپنی ایک مٹھی میں دبوچ لیں گے۔ فحش گانوں کی بھرمار کا یہ عالم ہے کہ اگر ماں مر گئی تو بھی ڈانس، اگر کوئی تبلیغ کر رہا تو بھی ڈانس، کبھی خوشی تو کبھی غم، ایسا لگتا ہے کہ جیسے فلم نہیں بلکہ گیت مالا دیکھی جا رہی ہو۔ بلکہ گیت مالا میں تو پھر بھی شاعری کے کچھ بول ہونگے، اس میں اچھل اچھل کر ڈبلیو ڈبلیو ایف کے ریسلرز کو مات کرنے کا فن موجود ہوتا ہے کہ کبھی یقین نہیں آتا کہ ستر اور اس کی دہائی کو پشتو فلموں کا سنہرا دور کہا جاتا ہوگا۔ فلمسٹار شاہد خان کے

والد لالہ سردار خود بڑے جہاندیدہ اور نامور فلمی شخصیت ہیں، جب ان سے پوچھا گیا تھا کہ پشتو فلموں کی زبوں حالی کی وجوہات کیا ہیں تو ان کا کہنا تھا کہ " جلد منافع کی لالچ اور فلم بنانے کے شوق کی وجہ سے ایرے غیرے نے بھی جس کے پاس چند لاکھ روپے تھے اس میدان میں چھلانگ لگادی"۔ مجلس عمل نے اپنی حکومت کے دوران سرحد صوبے میں اُس وقت سنیما گھروں کے باہر فلمی اشتہارات آویزاں کرنے سے منع کردیا تھا جس کی وجہ سے سنیما مالکان کافی متاثر ہوئے لیکن جب سابقہ حکومت کے بااثر رہنماؤں نے کھل کر اجازت دی جس کے بعد فلموں میں بے لگام گھوڑوں کو روکنے میں کوئی رکاؤٹ حائل نہیں رہی، کراچیکے ایک مقامی سنیما میں ہر پشتو فلم کی نمائش میں ہر فلم بین شراب اور چرس پی کر فلم دیکھتا ہے اور اس سنیما کو مکمل کرپٹ سرکاری سرپرستی حاصل ہے، ہر شو میں لاکھوں روپے کی شراب منسلک شراب خانے و منشیات کے اڈے سے خریدی جاتی ہے جس کے بعد جب فلم نشے کی حالت میں باہر نکلتے ہیں تو ان کی ادھم جوکڑی سے ٹریفک جام ہوجاتا ہے کیونکہ انھیں نشے میں راستہ نہیں دیکھائی دیتا۔ سابقہ کے پی کے حکومت کے کئی بااثر وزراء کے اپنے سنیما گھر اور ان کی دلچپیاں ہونے کے سبب صورتحال اس نہج پر پہنچ گئی کہ پشاور کے معروف علاقے نمک منڈی میں ایک فلم سے متاثر ہوکر ایک ہوٹل کا نام****چرسی تکہ ہوٹل" رکھ دیا گیا۔ اس کے علاوہ پشاور کے ایک مقامی سنیما گھر یں کچھ پرستاروں نے بڑے پینا فلیکس بینر پر گروپ فوٹو لگایا ہوا ہے جس میں ایک شخص

نے شلوار نا فے تک اٹھائی ہوئی ہے تو دوسرے نے ہاتھ میں شراب پکڑی ہوئی ہے تو تیسرے نے چرس بھرنے کا اسٹائل بنایا ہوا ہے۔جب پر ستاروں کی یہ حالت ہو جائے تو بہتری کی کیا امید رکھی جا سکتی ہے۔ سردار لالہ کا کہنا تھا کہ " تعلیم یافتہ طبقے کو گھروں میں سستی تفریح ملنے لگی تو انھوں نے سنیما گھر آنا ترک کر دیا، اس وجہ سے فلموں کا معیار ایسا گرا کہ آج تک نہیں سنبھل سکا۔" پشتو فلموں کو دیکھنے سے قبل ان کے نام پڑھ کر ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ فلمی مواد کیا ہوگا۔ جبکہ ماضی میں جہاں کہانیوں پر توجہ دی جاتی تھی وہاں فلموں کے نام بھی سوچ سمجھ کر منتخب کئے جاتے تھے جس کی مثال فلم ساز عبدالرحیم کی فلم "قمندان" تھی، جو فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی کمانڈو کے ہیں۔اب المیہ یہی ہے کہ بھاری بھر کم ہیروئین پنجاب سے برآمد اس لئے کی جاتی ہیں کیونکہ ان میں وزن کے حساب سے اچھل کود کرنے کی سکت زیادہ ہوتی ہے، معروف فلم اسٹار آصف خان کا بھی ماننا رہا ہے کہ پشتو فلموں میں ہیروئین کا کوئی کردار نہیں ہوتا اس لئے ایسے صرف شو پیش بنا کر پیش کیا جاتا ہے، آصف خان بتاتے ہیں کہ پشتو فلم کا مرکزی کردار اور تمام کہانی ہیرو سے شروع ہو کر ہیرو پر ہی ختم ہو جاتی ہے۔اسلئے کوئی پشتو فلم کسی ہیروئین کی وجہ سے کامیاب نہیں ہوئی ہے۔ پنجابی ہیروئین اس لئے زیادہ مناسب ہیں کیونکہ وہ پروفیشنل اور ڈانس بھی اچھا کر لیتی ہیں، فلموں کا کام سخت اور مختلف ہوتا ہے اس میں پورے پورے اوریجنل ڈانسز ہوتے ہیں جو سی ڈی والی لڑکیوں کے لئے

کرنا ممکن نہیں ہے۔آصف خان فلمی کام کو فائن آرٹس کا درجہ دیتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بیمار ذہنیت نئے ٹیلنٹ کے ابھار میں ایک بنیادی رکاوٹ ہے اور زیادہ تر لوگ ان رکاوٹوں کو نہیں پھلانگ پاتے"۔ عجب گل پختون ثقافت کو بڑی اہمیت دیتے ہیں ان کا واضح کہنا تھا کہ میں چند روپوں کے خاطر اپنی قوم کے سامنے شرمندہ نہیں ہوسکتا، میں صبح شام ان کے سامنے ہوتا ہوں، یہ لوگ میرے حجرے میں آتے ہیں،روایات اور پختون ثقافت ہماری روح میں پیوست ہے۔اس لئے چند روپوں کے خاطر میں ہمیشہ کے لئے اپنی نظریں نہیں جھکا سکتا۔" میں نے شاہد خان کی ایک پرستار تنظیم کے مرکزی عہدے دار اکرم گلو لالہ جو اٹک میں رہتے ہیں ان سے پوچھا کہ کیا آپ کو پشتو آتی ہے، تو انھوں نے جواب دیا کہ نہیں، تو میں نے پوچھا کہ پھر آپ کو پشتو فلمیں کیا سمجھ میں آتی ہونگی؟ تو اس نے جواب دیا کہ دراصل میں شاہد خان کے اخلاق و،مہمان نوازی کی وجہ سے متاثر ہوا ہوں۔انھوں نے مجھے دعوت دی ہے کہ ان کے ساتھ پشتو فلم دیکھوں۔ تو میں نے ان سے کہا کہ یہ میری قوت برداشت کا بڑا امتحان ہوگا، لیکن اس کے باوجود 19 اپریل جمعہ کے دن کراچی کے ایک افشاں سنیما میں نمائش کے لئے پیش کی جانے والی پشتو فلم "مست ملنگ" دیکھنے کی حامی بھر لی گئی۔ میں اس پشتو نہ جاننے والے پرستار سے متاثر ہو کر اعلانیہ فلم دیکھنے کے لئے رضامند ہوا ہوں تاکہ ان کا ساتھ میں بھی سمجھ سکوں کہ ٹریفک کیوں جام ہوجاتا ہے؟۔ ہر فلم سپر ہٹ کیوں کہلائی جاتی ہے؟ ہر فلم کی کہانی بے سروپا کے باوجود

تعریفیں کیوں ہوتی ہے ؟پرستار تنظیمیں ہزاروں روپوں کے اشتہارات دے کر اپنے اسٹارز کو خوش کیوں کرتے ہیں۔ ؟اگر آپ کراچی میں ہیں تو آیئے میرے ساتھ افشاں سنیما میں دیکھیں، اگر نہیں ہیں تو اپنے شہر و علاقے میں دیکھیں اور میری اپیل ہے کہ اگر فحش عریاں رقص ،اور پختون ثقافت کے خلاف منظر دیکھایا جائے تو آپ میری طرح اٹھ کر اس فلم کا بائیکاٹ کردیں اگر نہیں ہے تو پھر کھل کر تعریف یا تنقید کریں۔مجھے تو یہ پختون دشمنوں کی سازش نظر آتی لیکن آپ کو کیا نظر آتا اس سے شائد اس طرح کسی کی سمجھ میں کچھ آجائے۔

انتخابات بے یقینی کے دہانے پر

کاغذات نامزدگی کا مرحلہ مکمل ہونے کے باوجود سیاسی جماعتوں کی جانب سے گہما گہمی نظر نہیں آرہی۔ تبلیغی جماعتوں کی طرح گھر گھر جاکر رشتے داروں اور ایس ایم ایس کے ذریعے الیکشن مہم ڈراور خوف کے سائے میں پاکستانی انتخابات گیارہ مئی کیجانب رواں دواں ہے۔یورپی یونین کے انتخابی مبصرین کے گروپ نے سیکورٹی خدشات کے باعث فاٹا اور بلوچستان میں اپنے مبصرین نہ بھیجنے کا اعلان کرکے دنیا بھر کے لئے پاکستانی انتخابات کو تشویش ناک قرار دے دیا ہے۔یورپی یونین کے مبصرین گروپ کے سربراہ مائیکل گاہلر کا کہنا ہے کہ ہم بلواسطہ طور پر ان علاقوں کی نگرانی کریں گے۔دوسری جانب کچھ خدشات کا اظہار الیکشن کمشنر بلوچستان سید سلطان بایزید نے کیا کہ کوئٹہ سمیت صوبے کے دس اضلاع میں امن وامان کی صورتحال اطمینان بخش نہیں ہے، الیکشن کے موقع پر ان اضلاع میں سیکورٹی کے انتظامات کو بہتر بنانے کے لئے فوج کو طلب کرنے کی تجویز زیر غور رکھی گئی ہے جب کہ صوبے کے گیارہ اضلاع میں ڈسٹرکٹ الیکشن کمشنرز کی تعیناتیوں میں تاخیر اور بی این پی کے سردار اختر مینگل کیجانب سے مسلسل تحفظات وخدشات کے اظہار نے عوام میں بے چینی کی کیفیت میں مبتلا ہیں۔تاہم مسلم لیگ (ن) کے ساتھ بی این پی کی سیٹ ایڈجسٹمنٹ طے ہونے اور امیدوارن کے اعلان کی

بناء پر ان خدشات ییں کچھ کمی واقع ہوئی ہے کہ سردار اختر مینگل الیکشن میں حصہ نہیں لیں گے۔ لیکن انکے بیانات کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ جس قدر الیکشن قریب آتے جائیں گے سردار اختر مینگل، حکومتی اقدامات پر عدم اعتماد اور اپنے مطالبات پورے نہ کئے جانے کی بناء ایک بار پھر الیکشن سے بائیکاٹ کا اعلان کر سکتے ہیں۔ بظاہر ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ سردار اختر مینگل دنیا پر یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ انھوں نے سپریم کورٹ میں پیش اور اپنے چھ نکات دے کر مسئلہ بلوچستان کے حل کے لئے اپنی جانب سے سعی کی لیکن اس پر عمل درآمد نہیں کیا گیا تاہم اب بھی ملکی انتخابات میں آخری کوشش کے طور پر قومی دھارے میں آنے کی کوشش اور ایک بڑی سیاسی جماعت سے سیٹ ایڈجسٹمنٹ کے باوجود انھیں انتخابی عمل سے دور رکھا گیا۔ اس سلسلے ییں طلال بگٹی بھی ہم نوا بن سکتے ہیں کہ اکبر بگٹی کے قاتل کو مکمل پروٹوکول دیا گیا اور ہم نگران حکومت میں بھی اپنے علاقوں میں نہیں جا سکے اس لئے انھیں انتخابات قبول نہیں ہیں۔ بہر حال یہ عوامی خدشات ہیں جو اللہ کرے پورے نہ ہوں، ذاتی طور پر دعا گو ہوں کہ اس قسم کے حالات پیش نہ آئیں اور بلوچستان کے بلوچ بھائی قومی دھارے میں شامل ہو کر بیرونی ایجنڈے و سازش کو ناکام بنا دیں، لیکن بد قسمتی سے ایسا بہت کم ہوا ہے کہ کسی بھی جماعت کو اس کی توقع کے مطابق انتخابی نتائج نہ ملے ہوں اور اُس نے اسے جمہوری بلوغت کا مظاہرہ کرتے ہوئے صدق دل سے قبول کرلیا ہو۔ دوسری جانب کراچی و حیدرآباد میں متحدہ قومی

موومنٹ کی جانب سے واشگاف کہہ دیا گیا ہے کہ ان کے خلاف غیر اعلانیہ آپریشن کیا جارہا ہے ان کے سیکٹر اور یونٹ آفس سے انتخابی مہم میں مصروف سینکڑوں کارکنان کوریاستی ادارے اٹھا لیتے ہیں اور ان پر بے پناہ تشدد کرکے ایم کیو ایم کے آفس بند کرائے جارہے ہیں ، اسی طرح ایم کیو ایم کے پختون امیدوار کا حیدرآباد میں عسکریت پسندوں کی جانب سے قتل کئے جانے پر مزید حملوں کی دھمکیوں نے بھی عوام میں خوف وہراس پیدا کردیا ہے۔ایم کیو ایم کے دو صوبائی اسمبلی ممبران اور ایک امیدوار کے قتل اور ایم کیو ایم کے ہیڈ کوارٹر نائن زیرو پر بم دھماکے کرنے اور سازش کرنے کی ذمے داری عسکریت پسند قبول کرچکے ہیں۔ جبکہ ایم کیو ایم صرف کراچی میں نئی حلقہ بندیوں کو ایم کیو ایم کا ووٹ بنک توڑنے کی سازش قرار دیکر انتخابات پر قبل از وقت شدید تحفظات کا اظہار کر رہی ہے۔ایم کیو ایم برملا اور بار بار اس خدشے کا اظہار کر رہی ہے کہ انھیں انتخابات سے روکا جارہا ہے رابطہ کمیٹی کی جانب سے متواتر رینجرز کے خلاف سخت بیانات نے انتخابی ماحول میں شدید بے یقینی پیدا کردی ہے۔

اسی طرح اے این پی کی جانب سے کراچی کی انتخابی مہم میں گوشہ نشینی اختیار کرلی گئی ہے اور ان کے گنے چنے چند امیدوار اپنے علاقوں میں بھی نہیں پائے جاتے ، پختون عوام کراچی میں اے این پی کی جانب سے حکومت میں شمولیت کے باوجود مسائل حل نہ کرنے اور لسانی قتل وغارت میں مناسب کردار ادا نہ کرنے پر سخت غصے و عدم اطمینان کا اظہار کر رہے ہیں تو دوسری

جانب خیبر پختونخوا میں اے این پی کے امیدواران پر دہشت گردوں کی جانب سے نشانہ بنانے کی کوشش نے باقی ماندہ جماعتوں میں بھی شدید خوف وہراس کا ماحول پیدا کردیا ہے۔ اے این پی کے سربراہ اسفندیار ولی واضح کہہ چکے ہیں کہ اگراب ایک کارکن بھی جاں بحق ہوا تو الیکشن کمیشن کے خلاف ایکشن لوں گا۔ اے این پی نے بھی الیکشن کے شفاف ہونے پر شدید تحفظات کا اظہار کردیا ہے۔ گوکہ عسکریت پسندوں کی ترجمانی کرنے والے نے کچھ دن قبل وضاحت کردی تھی کہ وہ لوگوں کو بزور طاقت انتخابی عمل سے دور نہیں رکھیں گے۔ لیکن موجودہ حالات و واقعات ان کی وضاحت کے منافی دکھائی دے رہے ہیں۔ اہم قابل ذکر بات یہ ہے کہ حزب التحریر، جماعتہ الدعوہ، تحریک نفاذ شریعت محمدی سمیت درجن بھر مذہبی جماعتوں اور تنظیموں نے انتخابی عمل کو اسلامی شریعت کے خلاف قرار دیتے ہوئے اس عمل سے الگ رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس صورتحال سے جے یو آئی، جماعت اسلامی، جے یو پی، سنی تحریک، سنی علما کونسل سمیت انتخابات میں حصہ لینے والی جماعتوں کو بھی شدید خطرات لاحق ہوچکے ہیں جس کا اظہار کالعدم تحریک طالبان (پاکستان) کے امیر حکیم اللہ محسود نے بھی اپنے ویڈیو پیغام میں بھی کیا کہ وہ جمہوری نظام کو کفر کا نظام سمجھتے ہیں۔ مولانا صوفی محمد کی تحریک نفاذ شریعت محمدی نے بھی پہلی بار جمہوریت کے خلاف تحریک شروع کردی ہے، جبکہ حافظ سعید کی سربراہی میں جماعتہ الدعوۃ نے ابھی اپنے آپ کو انتخابی عمل سے دور رکھا ہوا ہے۔ حزب تحریر کے شائع شدہ ایک

جریدے ہیں تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے عوام سے کہا گیا ہے اس نظام کو مسترد کردیں اور قیام خلافت کے لئے کوشش کریں۔ موجودہ الیکشن اپنی تمام تر بے یقینی کے ساتھ سیاسی ومذہبی جماعتوں کے لئے سوہان روح بنا ہوا ہے اور عوام کی جانب سے بھی انتخابات کے حوالے سے اطمینان بخش صورتحال کا نہ پائے جانا ان خدشات کو مزید تقویت دے رہا ہے کہ گیارہ مئی کے انتخابات، عوام کی جان و مال کے لئے بڑے نقصان کا پیش خیمہ ہو سکتے ہیں۔ قوم پرست جماعتوں کی جانب سے الیکشن بائیکاٹ، اور ایم کیو ایم کے خدشات وتحفظات اور تمام امیدواران کو سیکورٹی فراہم نہ کئے جانے پر انتخابات کا منعقد کرانے کی کوشش تباہ کن ہوگی۔ الیکشن کمیشن اور نگراں حکومتوں کے فرائض میں شامل ہے کہ شفاف و منصفانہ انتخابات کے لئے مینڈیٹ رکھنے والی جماعتوں کا احترام کرے۔ کیونکہ یہی ملکی مفاد کی بہتری کے لئے ناگزیر ہے۔ اگر ایم کیو ایم، اے این پی اور بلوچ قوم پرستوں جماعتوں کو قومی دھارے سے دور رکھنے کی کوشش کی تو ملک کی سالمیت خطرات میں گھیر جائے گی۔ نگراں حکومتوں کو ان معاملات کو سنجیدگی سے لینا چاہیے قبل ازوقت انتخابات دھاندلی کے الزامات نے پورے الیکشن کے شفافیت کو مشکوک بنا کر تباہی کے دہانے پر کھڑا کردیا ہے۔ انتخابات کو شفاف، منصفانہ اور حقیقت پسندیدانہ بنانا ہے تو ریاستی اداروں کو بھی مستحکم حکومت کے قیام میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

اے این پی، مشقِ ستم ہی نہیں

عین اس وقت جبکہ ملک کراہ ارض کی تاریخ میں پہلی بار بدترین آمریت کے بعد جمہوریت پر رواں ہے اور جیسی بھی حکومت تھی اب ایک آئینی طریقہ کار کے مطابق اقتدار کا مرحلہ عمل میں لایا جارہا ہے جس میں عوام کارکردگی کی بنیاد پر اپنے نمائندوں کا انتخاب کریں گے اور عوام اپنے اِس عمل سے خود پر مسلط کئے جانے والے مہنگائی کے طوفان اور متوسط طبقے و معاشی بد حالی و بے امنی کا شکار کرنے والے نام نہادلیڈروں کا محاسبہ کرنے کے اُن نمائندوں کا انتظار کر رہے ہیں جو پانچ سال اپنے حلقے سے غائب رہے اور اب شومئی قسمت سے اِن کے دروازے پر ووٹ کی بھیک مانگنے کے لئے آنا چاہتے ہیں تو عوامی نیشنل پارٹی کے نمائندوں کو مظلوم بنانے کے لئے طے شدہ منصوبوں کے مطابق ٹارگٹڈ نشانہ بنایا جارہا ہے اور انھیں اس قدر مظلوم بنانے کی کوشش کی جارہی ہے جیسے ان کے ہاتھ پیر باندھ کر عوام کے پاس جانے سے روکنے کی کوشش کی جارہی ہو۔پانچ سال اقتدار کے مزے اڑانے والے لوڈشیڈنگ کے ایجاد پرست اَب اپنے نامہ اعمال کا حساب دینے کے لئے میدان عمل میں اتریں ہیں تو اِن ہی کے دور میں طاقت پکڑنے والے والے انتہا پسندوں نے انھیں نشانہ بنانے کا ڈرامہ رچایا ہوا ہے۔ شطرنج کا اصول ہے کہ شاہ کو بچانے کے لئے پیادوں، گھڑ سواروں، وزراء کو قربانی دینی

پڑتی ہے ، سیاست کا میدان بھی شطرنج کی چالوں موافق کھیلا جاتا ہے ۔جس میں شاہ کو بچانے کے لئے اپنے پیادے اور وزرا کو مروا کر شاہ کو بچانے کی کوشش کی جارہی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ دہشت گردی کے واقعات قابل مذمت ہیں لیکن موجودہ حالات میں کئے جانے والے دھماکے نہیں انتخابی تماشے ہیں ، کون نہیں جانتا کہ خیبر پختونخواکے با اثر افراد کے تعلقات شدت پسندوں کے ساتھ رہے ہیں ،بنوں جیل کا واقعہ تو اسکی عبرت انگیز مثال ہے جس میں بڑی تعداد میں عسکریت پسندوں کو ناقص سیکورٹی کی نام پر جیل توڑ کر فرار کرایا گیا۔مملکت کی بدترین کرپشن اور اقربا پروری کے واقعات نے باچا خان بابا کی تعلیمات کا سر شرم سے جھکا دیا گیاہے۔لسانیت کے نام پر ایک رکشہ والا ، اربوں روپوں کی تیل چوری ، لینڈ مافیا، ڈرگ اسمگلراور بلٹ پروف گاڑیوں کی افغانستان کے راستے اسمگلنگ کرکے کھرب پتی بن چکا ہے ۔ کراچی کو خون میں ڈوبو کر اپنی تقاریر میں نفرت کی نہ بجھنے والے آگ لگانے کے بعد خود ڈیفنس میں بم پروف بنکر میں رہنے اور گاڑیوں میں کود محفوظ سمجھنے والا ، کراچی کی معروف رہائشی وتجارتی بلڈنگوں پر بے روزگار نوجوانوں سے قبضے کروا کر مختلف جماعتوں سے قومیت کے نام پر جنگ وجدل کرواتا رہا اَب اِن ہی لوگوں کو دہشت گرد اور اپنی لاتعلقی کا اعلان کرتا نظر آتا ہے۔اپنے من پسند افراد کو منشیات چلانے کے اڈے اور ہائی ڈرینٹ کے علاوہ سرکاری املاک پر قبضے کروانے والا آج مظلوم بن کر خود کو حسینی قافلے کا مسافر کہہ رہا ہے۔بے روزگار نوجوانوں کو با

عزت روزگار دینے کے بجائے اے این پی کے ان نام نہاد لیڈروں نے کلاشنکوف تھما کر بھتوں اور اغواکاروں کے آلہ کار بنا دئیے جو آج جیلوں میں سڑ رہے ہیں، نادرا آفسوں میں اپنے اہلکاروں کو ایجنٹ بنا کر افغانیوں اور بنگالیوں کے جعلی شناختی کارڈ بنانے والے آج انھیں پاکستانی شہریت دینے کے بعد بیرونی عناصر کی سازشوں کا رونا روتے ہیں۔ خیبر پختونخوا میں پیپلز پارٹی نے صوبے کو نام دیا تو اس کا کریڈٹ اپنے نام لے لیا لیکن خیبر پختونخوا کی عوام کو اس قدر منقسم کردیا کہ انگریزوں نے ڈیورنڈلائن میں بھی تقسیم نہیں کیا تھا،ہزارہ، فاٹا اور سوات میں علیحدہ صوبے کی تحاریک نے پختون قوم کو تقسیم کردیا ہے۔ سیلاب متاثرین کی پرسان حالی کے بجائے، ان کے فنڈز خرد برد کرنے والے سوات کی حالت زار تو دیکھیں، ملک بھر میں تعلیم کی شرح میں سب سے زیادہ رہنے والے طلبا و طالبات کو جدید تعلیم سے محروم کرتے ہوئے، خواتین کو ووٹ دینے کے حق سے بھی محروم کرنے کی مثالیں میڈیا دیکھا چکا ہے، خیبر پختونخوا تو پانچ سال سے ان نام نہاد مشران کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کو دیکھیں کہ رشوت اور حرامخوری کے بعد ان کے چہروں پو کتنی پھٹکار اور ان کے پیٹ کتنے بڑھ گئے ہیں۔ لیکن انھیں عوام کے سامنے پیش ہونے سے روکنے کے لئے کچھ عناصر ایسی کاروائیاں کر رہے ہیں جس سے ان کی دل میں ترس کے جذبات پیدا ہو رہے ہیں، جب کوئی بھکاری کسی کے دروازے پر آتا ہے تو پھر اپنا رونا دھونا کرکے کسی نہ کسی سے اپنے جھولی میں خیرات

حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔یہ دھماکے اور شدت پسندوں کی کاروائیاں انھیں عوامی رد عمل سے روکنے کی سوچی سمجھی سازش ہے۔ان کے نامہ اعمال ایسے ہے نہیں کہ یہ غیور پختون کا سامنا کرسکیں، انھیں عوام دھماکوں سے نہیں بلکہ اپنے جوتوں سے مارنا چاہتی ہے۔ایس ایم ایس کے ذریعے انقلابی اشعار چلا کر ووٹ نہیں ملا کرتے کیونکہ ایس ایم ایس کے ذریعے صرف لیڈی لوڈ ہی مانگا گیا ہے۔دھمکیوں کے اس، ماحول کو بنا کر یہ لوگ اپنی ناقص اور بدترین کارکردگی سے منہ چھپانے کے بجائے اپنے لئے ووٹ حاصل کرنا اور انتخابی مہم چلانے کو جوئے شیر لانے کے مترادف سمجھتے انہیں مظلومیت کا لبادہ دہشتگرد فراہم کررہے ہیں۔اگر دہشت گرد اے این پی کے، مخالف ہیں تو انھیں انتخابی ماحول میں آزاد چھوڑ دیں، انھیں مظلوم مت بنائیں، انھیں عوام کی عدالت میں جانے دیں جو کام آپ بم دھماکوں سے کرنا چاہتے ہیں کہ یہ انتخابی عمل سے دور ہوجائیں تو عوام پہلے ہی ان پر جلی بھنی بیٹھی ہے،آپ عوام کو موقع دیں کہ ان کی ضمانتیں ضبط کروادیں۔بم دھماکے کرکے انھیں فرار کی راہ فراہم کرنے میں مدد نہ کریں یہ لوگ پانچ سال کھربوں روپوں کی کرپشن کرچکے ہیں،انھیں عوام کے سامنے جواب دہ ہونے دیں، انھوں نے ملائیشا اور دوبئی میں اربوں روپوں کی جائیدایں، شوروم بنا کر اپنے اہل و عیال کو آباد کرکے غریب سے منہ کا نوالہ چھین لیا ہے انھیں پختون روایات کا سامنا کردیں۔انھیں بم سے اڑانے کی ضرورت پیش نہیں آئیگی اگر یہ ولی خان بابا کی طرح غیرت مند ہوئے

تو خود ہی سیاست سے دور ہو جائیں گے حالاں کہ ان سے یہ امید بالکل نہیں ہے۔ پختون حقوق کے لئے قربانیاں ، خدائی خدمتگاروں اور سرخ پوشوں نے دی تھی ، قیام پاکستان پاکستان سے قبل بھی باچا خان بابا کے پیروکاران نے اپنی جاں و مال کی قربانیان باچا خان کی سحر انگیز شخصیت کو دیکھ کر نہیں ان کے عملی کردار کو بھی سامنے رکھ کر دی تھی ، قیام پاکستان کے بعد بھی آمریت کے خلاف باچا خان بابا اور ولی خان بابا نے جیلوں کی صعوبتیں برداشت کیں اور اپنے اصولی موقف سے پیچھے نہیں ہٹے ، باچا خان فرمایا کرتے تھے کہ اگر قوم کی خدمت کرنی ہے تو اقتدار میں آنے کی خواہش مت کرو کیونکہ پھر تم خدمت کے بجائے پرمٹوں ،پلاٹوں اور بد عنوانیوں میں ملوث ہو کر قوم کی خدمت کو بھول جاؤ گے ۔اور ان کا ایک ایک لفظ حرف بہ الحروف سچ ثابت ہوا ہے ،انھیں ایک بار عوام کے سامنے جانے دیں ان کا نوشتہ اعمال عوام کے پاس موجود ہے ان کی سیاسی تقدیر کا فیصلہ عوام کرچکی ہے ۔انھیں سیاسی مظلوم نہ بننے دیں ، انکے ملکی تاریخ کے کرپٹ ترین دور اور لاکھوں پختونوں کی معاشی بد حالی کا حساب کا دن اب آگیا ہے تو انھیں سیاسی شہید بنا کر ان کے گناہوں کو مٹ چھپانے دیں۔ عوام بخوبی سمجھتے ہیں کہ وہ مرنے والوں کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں واقعات کی شدید مذمت کرتے ہیں ، لیکن پٹرول ، ڈیزل چور اور گاڑیوں اور منشیات کے اسمگلروں کے چہرے سے اصل نقاب اتر چکے ہیں ۔پانی چوروں اور سرکاری ٹھیکے لیکر قوم کے نام پر سیاست کرنے والے اب مکمل بے نقاب ہو چکے

ہیں ، دہشت گردی کو بام عروج پر پہنچانے والے اور کرپشن کے شہنشاہوں کو عوامی عدالت میں جواب دہ ہونا ہوگا۔ان کے پاس صرف بائیکاٹ کا راستہ بچا ہے ، جس کا بار بار اظہار کر رہے ہیں ، امریکہ کی گود میں پختون قوم کے خون اور لاشوں کا سودا کرنے والوں کو پختون معاشرے میں کوئی عزت نہیں دی جاتی ۔ نظریہ پاکستان اور موجودہ پاکستان کے مخالفوں کو آج پہلی بار سچ کا سامنا کرنا ہے تو دہشتگرد انھیں مظلوم بنانے کے مشن پر ہیں ،انھیں سیاسی یتیم بنا کر ووٹ کی بھیک مانگنا چاہتے ہیں۔ مجھے دہشت گردی کے ہاتھوں شہید ہونے والوں سے دلی ہمدردی ہے اور تمام پختون قوم ان کے غم میں برابر کی شریک ہیں ، لیکن یہ نوشتہ اعمال ہے کہ انھیں پھر بھی ناکامی ہوگی ، انھیں شرمندگی ہوگی (اگر انھیں شرم آتی ہو)۔ پختون ثقافت کو تاراج کرنے والوں کہیں سے بھی راستہ نہیں ملے گا۔ راہ فرار کی تمام راہئیں مسدود ہوچکی ہیں۔

امریکی عزائم پر مشترکہ حکمت عملی کی ضرورت

امریکہ اپنی ہٹ دھرمی اور عالمی قانون کی خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ پاکستان کے خلاف اپنے جارحانہ عزائم میں تبدیلی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ شمالی وزیرستان میں امریکی ڈرون حملے کے نتیجے میں ایک بار پھر کئی افراد ہلاک جبکہ کئی زخمی ہوگئے۔ امریکی جاسوس طیارے نے اتوار کو دتہ خیل کے علاقے منذرخیل میں واقع ایک مکان پر اُس وقت میزائیل حملہ کیا جب خود امریکہ میں ڈرون حملوں کے خلاف احتجاج کیا جارہا تھا، حالیہ ڈرون حملہ ایک ایسے موقع پر کیا گیا جب سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف نے اعتراف کیا کہ ان کا امریکہ کے ساتھ ڈرون حملوں کا خفیہ معاہدہ ہوا تھا جس میں امریکہ کو ڈرون حملوں کی اجازت دی گئی تھی۔ امریکہ نے اس اخلاقی حرمت کا بھی خیال نہیں کیا کہ پاکستان اس وقت ان کی جنگ کی وجہ سے شدید مالی و سیاسی بحران سے گذر رہا ہے اور ملک میں انتخابی سرگرمیاں خوف وہراس کے سائے میں بڑھ رہی ہیں، لیکن امریکہ کی جانب سے ڈرون حملے اس حقیقت کی غم انگیز عکاسی کرتا ہے کہ انھیں تاحال پاکستان کی جان دہشتگردی، انتہا پسندی اور غیر ملکی جارحیت سے نہیں چھوٹنی۔ اس کی تصدیق امریکی مصنف وتاریخ دان وہسٹر طارپلی نے ایک ٹاک شو میں افغان جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے کیا کہ امریکہ کی ہمیشہ کوشش یہ رہی ہے کہ افغان جنگ کو پاکستان میں ایکسپورٹ کیا

جائے۔ وہسٹر کا کہنا تھا کہ امریکہ اس جنگ کو ایکسپورٹ کرنے میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوا ہے کیونکہ پاکستان میں خودکش حملوں کی لہر سے ملک میں بہت تباہی آئی اور ڈرون حملے بھی اسی سلسلے کی کڑی ہیں، وہسٹر نے انکشاف کیا کہ ہر منگل کو وہائٹ ہاوس کی میٹنگ میں صدر اوباما کو لسٹ فراہم کی جاتی ہے اور سی آئی اے کی اس ہٹ لسٹ میں شامل شخصیات کو قتل کرنے کی اجازت صدر امریکہ خود دیتے ہیں، امریکہ اور پاکستان کے سابق صدر کی جانب سے خفیہ معاہدے کے منظر عام پر آنے کے بعد اب اس سلسلے میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں رہی کہ سابق پاکستانی صدر اور امریکی حکومت جنگی جرائم میں براہ راست ملوث ہیں اور المیہ یہ ہے کہ اپنے ملک کے شہریوں کا قاتل اس ملک کا اپنا صدر رہا ہے، لیکن اس اعتراف کے بعد ڈرون حملوں کے خلاف احتجاجی مظاہرے و دھرنے والوں کی خاموشی بھی بذات خود ایک سوالیہ نشان ہے۔ سپریم کورٹ کی جانب سے اس حیرانی کا اظہار کو بھی سنجیدگی سے لینا ہوگا کہ فیڈریشن سابق صدر پرویز کے غداری کیس میں دلچسپی نہیں لے رہی۔پاکستان پرائی جنگ میں اس بُری طرح الجھ چکا ہے کہ جنگ امریکی منشا کے مطابق پاکستان میں منتقل ہو چکی ہے، اے این پی کے سربراہ اسفندیار ولی خان بھی انکشاف کر چکے ہیں کہ سوات میں امن معاہدے کے خلاف امریکی دباؤ کے باوجود معاہدہ کیا گیا، اُس وقت کی صوبائی حکومت نے عسکریت پسندوں سے مذاکرات کی پالیسی کا اعلان کیا، کالعدم تحریک نفاذ شریعت محمدی امیر صوفی محمد اور قیدیوں کو رہا گیا، شمالی وزیر

ستان میں بھی عسکریت پسندوں کے ساتھ پیش رفت ہوتی رہی لیکن امریکہ نے باجوڑ میں ڈمہ ڈولہ کے مقام پر حملہ کر دیا جس میں خواتین اور بچوں سمیت بیس افراد جاں بحق ہوئے، جس پر عسکریت پسندوں نے مردان چھاؤنی پر حملہ کرکے خودکش حملہ کرکے پانچ فوجیوں سمیت 14 افراد کو جاں بحق اور 25 کو زخمی کر دیا اور اس حملے کو سانحہ ڈمہ ڈولا کا بدلہ قرار دیتے ہوئے ذمے داری قبول کی۔اس امر پر غور کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ امریکہ نے کبھی بھی کوشش نہیں کہ پاکستان عسکریت پسندوں کے ساتھ پر امن مذاکرات میں باہمی اعتماد کو پروان چڑھائے، اس کی مثال سانحہ ڈمہ ڈولا بھی ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ امریکہ پاکستانی حکومت اور عسکریت پسندوں کے درمیاں مذاکرات کو پسند نہیں کرتا تھا اور اس کی تصدیق خود امریکی نامور مصنف و مورخ وہسٹر گذشتہ دنوں امریکی ٹاک شو پروگرام میں برملا کر چکے ہیں کہ امریکہ افغان جنگ کو پاکستان میں دھکیلنے میں کامیاب ہوا، اب ہمارے سامنے جو صورتحال سامنے آرہی ہے اس میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ امریکی پاکستان کے مستقبل کے حوالے سے قطعی مثبت اور مخلصانہ جذبات نہیں رکھتا

ہے۔پاکستان میں دہشتگردی کی تازہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ نئ جمہوری حکومت کے قیام کے لئے انتخابات کو خون آشام بنا کر مخصوص ذہنیت کو لوگوں کو سامنے لایا جا رہا ہے، ملکی سیاسی جماعتیں درپیش خطرات کے نئے معروضی حقائق سے نمٹنے کی ضرورت سے قاصر نظر آتی ہیں اور انتہا پسندی اور دہشت گردی کا سر کچلنے کے لئے بڑی سیاسی

جماعتوں نے اپنے منشور میں بھی امریکہ کے خلاف بڑے محتاط روئیے کو اختیار کیا ہے۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جب تک ملکی سلامتی اور داخلی امن و سکون اور ترقی کو لاحق خطرات کا تدارک نہیں ہوگا تو کسی طور ملک میں پائیدار جمہوری نظام یا موجودی نظام کی تبدیلی کی خواہش پوری نہیں ہوسکے گی اس امر میں کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے کہ اولیت ملکی وقار کی سلامتی اور قومی یکجہتی اور خود مختاری کے تحفظ کو حاصل کرکے دہشت گردوں اور انتہا پسند عناصر کو کھل کر کھیلنے کا موقع نہ دینے کی مشترکہ پالیسی اپنائی چاہیے تھی ، ایک طرف تو مغرب اور یورپی ممالک پاکستان کو دہشت گردوں کی جنت قرار دیتے نہیں تھکتے ، لیکن امریکہ کے کردار کو فراموش کردیتے ہیں کہ اس نے باقاعدہ طے شدہ اوقات کار اور طے شدہ منصوبے کے تحت پاکستان کو ٹکڑنے کرنے لئے اپنے مقامی ایجنٹوں کو ڈالروں کی چھاؤں فراہم کررہا ہے ، مغربی اور یورپی ممالک کے الزمات بذات خوف شرم ناک اور افسوس ناک ہیں کیونکہ ان میں انتہائی درجے کی بزدلی ہے کہ اپنے مفاد کے خاطر امریکی ہٹ دھرمیوں کو مسلسل نظر انداز کرکے پاکستان جیسی نوزائیدہ مملکت کے قیام کے بعد سے مسلسل سازشوں میں مصروف ہے اور کسی ملک میں اتنی جرات نہیں ہوئی کہ امریکہ کو ویٹو کرسکتا۔ امریکہ کو پاکستان کی خود مختاری اور وقار کو پیش نظر رکھنا چاہیے ، پاکستانی انتخابات کے انعقاد کی سازشوں میں ٹانگ اڑانے کے بجائے ایسے علاقے کی حقیقی معروضی صورتحال کے تقاضوں کو اپنی سامراجی سوچ اور جنگی جنون کی سازشوں سے

گریز کرنا چاہیے۔امریکی جاسوس حملوں کی جانب سے دوبارہ ڈرون حملے اقوام متحدہ کی جانب سے مرتب رپورٹ کے باوجود زیک زوردار طمانچہ ہے اور اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اقوام متحدہ امریکہ کے سامنے کس قدر بے بس اور کٹھ پتلی سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔اخلاقی طور پر عالمی برادری کو پاکستان میں عالمی امن کے نام اخلاقی اور مادی امداد کرنی چاہیے اور کم از کم تہذیب یافتہ مملکت کا فرض ادا کرتے ہوئے ملک میں خانہ جنگی پیدا کرنے کی سازشوں سے گریز کی راہ اختیار کرنی چاہیے ، جنوبی، وزیرستان ، سوات ، بلوچستان وغیرہ میں کیثر جہتی ترقی ، روزگار کے بہتر موقع اور خود کش حملوں کے ساتھ دہشت گردی کی روک تھام کے لئے شفاف اور مستحکم حکومت کے قیام کی اشد ضرورت ہے ، امریکہ کے ان مذموم عزائم کی روک تھام کے لئے سیاسی جماعتوں سے زیادہ عوام کو مشترکہ حکمت عملی اپنانے کی ضرورت ہے انھیں صبر و تحمل اور نام نہاد اسکروٹنیکے مرحلے سے گذرنے والے نام نہاد روایتی موروثی سیاست دانوں کو بھاری اکثریت سے مسترد کرنا ہوگا۔خاموش اکثریت کی ناراضگی اپنی جگہ درست ہے لیکن پاکستان کی بقا و سلامتی کا یہ آخری موقع ہے۔انھیں نئی قیادت اور اپنے حلقے یں رہنے والے غریب ، باشعور اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کو ایوانوں میں بھیجنا ہوگا ، اگر عوام اس بار بھی گریزاں ہوئے تو جھرلو پارلیمنٹ کے ذریعے اُن کے ذاتی خزانے بھرتے رہیں گے اور پانچ تو کیا پچاس سال میں بھی نظام و تبدیلی نہیں لا سکتے۔

نام نہاد اسکروٹنی پر خاموش اکثریت کی مایوسی

ملک میں رجسٹرڈ 8 کروڑ 61 لاکھ ووٹرز ملک کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لئے اپنا حق رائے دہی گیارہ مئی کو استعمال کریں گے ۔ لیکن اس سے قبل ہی امیدواران کی جانچ پڑتال کے کمزور عمل کی وجہ سے قرضوں کے نادہندگان بھی کسی روک ٹوک کے بغیر انتخابات میں حصہ لے رہے ہیں ، ریٹرننگ افسران کی غیر سنجیدگی کو پوری دنیا میں تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ بعض سیاسی رہنماؤں کی جانب سے برملا کہا جا رہا ہے کہ انتخابی ٹریبونلز مالی بدعنوانی میں ملوث افراد کے خلاف سخت کاروائی سے گریز کر رہے ہیں ، اسٹیٹ بنک کی جانب سے فراہم نادہندگان کی لسٹ کے مطابق مکمل عمل درآمد نہ ہونے سے عوامی رائے میں الیکشن کمیشن کی ساکھ پر انگلیاں اٹھائی جا رہی ہیں۔ اصغر خان کیس اور بنکوں سے اربوں روپے معاف کرانے والے نادہندگان کی جانب سے ایک بار پارلیمنٹ پر تسلط قائم رکھنے کی تیاری کی جاچکی ہے ۔ امیدواران کے انتخابات کے لئے قانون پہلے سے موجود ہے اور دورآمریت کے بنائے گئے اس قانون پر کسی کو اعتراض بھی نہیں ہے کیونکہ آئین میں جتنی بھی ترامیم ہوئیں اُس میں امیدواران کی قابلیت کو صرف گریجویٹ کی سند ہونے یا نہ ہونے کی حد تک ہی محدود رکھا گیا۔ سب جانتے ہیں کہ حکومتوں میں ان نمائندوں کے لئے مخصوص معیار باوجود معلوم وجوہ کے توجہ کے قابل نہیں

رکھا گیا۔پارلیمنٹ میں موجود موروثی اور روایتی سیاست دانوں سے یہ توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ اسمبلی کے نمائندوں کے لئے مقننہ کی منظوری سے ایک ایسا قانون بنا دیا جائے جو قومی اثاثوں کے امین و صادق ہوں ۔ لیکن پاکستان میں جو بھی پارلیمنٹ بر سر اقتدار ، آئی اس نے اپنے فوائد کو ترجیح دی۔ قومی دولت چوری کرنے جیسے افعال کی رائج الوقت قوانین میں صراحت کے ساتھ کوئی مناسب قانون سازی نہ ہونے کے سبب مفاد پرست عناصر طویل عرصے سے فائدہ اٹھا رہے ہیں جسکے باعث سالانہ اربوں روپوں کا قومی خزانے کو نقصان کا بوجھ عام عوام کی جانب منتقل کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے عام لوگوں کو حکومتی شاہانہ اخراجات کی قیمتیں مہنگائی کی صورت میں ادا کرنا پڑ رہی ہیں۔تو قع تو یہی کی جاتی رہی ہے کہ الیکشن کمیشن اسکروٹنی کے عمل سے اربوں روپے ہڑپ کرنے والوں کو انتخابی عمل سے اُن کے خاندان سمیت دور رکھے گا تاکہ یہ لوگ دوبارہ منتخب ہو کر قومی اثاثوں کو اپنی نجی املاک سمجھ کر استعمال نہ کریں ۔میڈیا کے ذریعے بار بار الیکشن کمیشن کو یہ شعور بھی اجاگر کیا گیا لیکن بعض اوقات میڈیا کی توجہ بھی ریٹرنگ افسران کی جانب سے امیدواران کی تضحیک و توہین پر زیادہ اور مناسب کردار ادا کرنے میں کم رہی۔ عوام کے اصل مسئلے کو درست طریقے سے الیکٹرونک میڈیا سامنے لانے میں ناکام رہا ہے جس کا فائدہ صرف و صرف موروثی اور روایتی سیاست دانوں کو پہنچا۔ہر قسم کی تنصیبات، ریلوے ، سڑکیں ، عمارتیں ، ٹرانسپورٹ قوم کے اثاثے ہیں لیکن معمولی مفادات کے لئے

انھیں بے دریغ نقصان پہنچایا گیا جس سے ایک طرف لاکھوں افراد محروم ہوئے بلکہ اکثر عوامی اشتعال کے نتیجے میں اپنے غصے کے اظہار کے طور پر عوام نے خود انھیں نامناسب طرے تے سے نقصان پہنچایا جس سے پوری قوم کو غیر معمولی معاشی دباؤ کا سامنا رہے گا۔ الیکشن کمیشن کی جانب سے ایسے نمائندوں کو بھی اجازت نامے جاری ہوگئے ہیں جن کا مقصد نوجوان نسل کو معاشی جدوجہد کے لئے تیار کرنا نہیں ہے بلکہ انہیں ذمے دار شہری بنانے سے روکنے کے عمل میں موروثی روایتی سیاست دانوں کی کامیابی میں الیکشن کمیشن کے کردار کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جاسکے گا۔ انتخابات میں اس بار ایسی شخصیات سامنے آچکی ہیں جن کے دیہی علاقوں میں اسکولوں اور اسپتالوں کی عمارتوں کو اوطاقوں اور جانوروں کے باڑے کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے، یہ طبقات قیام پاکستان سے آج تک قومی املاک کی لوٹ مار میں ، قومی امانت کو نقصان پہنچانے کے محرک بنے ہوئے ہیں ، باشعور قوموں میں تبدیلی کے لئے ووٹ کا طریقہ استعمال کیا جاتا ہے اور عوام اپنا احتجاج ووٹ کے ذریعے درج کرکے ایسے ناپسندیدہ عناصر کو قانون ساز اداروں سے دور رکھ کر اپنے ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کردے تے ہیں لیکن ہماری 70 فیصد عوام خاموش ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھے رہتی ہے اور ان کی قسمت کے فیصلے 30 فیصد ایسے ووٹر کررہے ہوتے ہیں ، جو کسی وڈیرے ، جاگیر دار ، خوانین ، ملک ، سردار یا سرمایہ دار کے وارثتی غلام ہوتے ہیں۔ بحیثیت قوم ہم جب احتجاج درج کرنا چاہتے ہیں تو ان مظاہروں میں بھی ان

کی بے ربط اور نظم و ضبط کے فقدان کا مظاہرہ من الحیثیت قومی زبینت کا اظہار ہوتا ہے۔خاموش اکثرے ت کے بارے میں ہر انتخابی مہم میں توقع کی جاتی ہے کہ اس بار خاموش اکثرے ت ، ملکی انتخابات میں اجارہ داری کے جمود کو توڑنے کے لئے اپنا کردار ادا کرے گی ، لیکن ہر انتخابات میں ان کے خاموش رہنے کی ٹھوس وجوہ الیکشن کمیشن کی جانب سے ایسے نمائندوں کو حق نمائندگی دے دینا ہے ، جو خاموش اکثرے ت کے معیار پر پورا نہیں اترتے ، اس لئے وہ بہتر سمجھتے ہوئے ایسی انتخابی عمل سے دور رہتے ہیں ، جس میں انھیں چھوٹے یا بڑے چور کا انتخاب کرتے ہوئے اپنی عاقبت خراب ہونے کا ڈر رہتا ہے، ووٹ ایک مقدس امانت اور اللہ تعالی کے سامنے ایک ٹھوس گو اہی ہے کہ جیسے منتخب کیا جارہا ہے وہ ملک و قوم کا امین اور صادق نمائندہ ہے۔چھوٹے یا بڑے چور کی کوئی اصطلاح اللہ کے قانون میں نہیں پائی جاتی ، سلئے خاموش اکثریت کے سامنے یہ خوف دامن گیر رہتا ہے وہ کرپٹ نمائندوں کے کسی بھی قسم کی ناپسندیدہ کاروائی میں ملوث نہ ہوں ، ان کے ہیرا پھیری کے افعال کا حصہ نہ بن جائیں اور ان کے اس عمل سے ملک و قومکو مطلوب نتائج حاصل نہ ہوسکیں ، جب تک وطن عزیز میں دہرے معیار اور قوانین کا خاتمہ نہیں ہوتا اور ان پر عملدرآمد بلا ماتیز نہیں کیا جاتا تو یہ خدشات بہ اتم رہیں گے کہ ملک کبھی بھی کرپٹ نمائندوں کی وجہ سے ترقی کی منازل تو ایک طرف ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ضرورت اس بات کی ہمیشہ رہی ہے کہ قوانین پر عمل درآمد نہیں کرایا جاتا

اس لئے جب تک قوانین پر کماحقہ عملدآمد نہیں ہوگا اس وقت تک چاہیے کتنی حکومتیں جمہوری مدت پوری کرلیں ، بدترین حکمرانی ہی کہلائے جائے گی۔الیکشن کمیشن نے خاموش اکثریت کو شدید مایوس کیا ہے اس لئے عوام کی مجموعی قوت اس بار بھی انتخابی عمل سے دور رہے گی ، اور خاموش اکثریت کے بجائے فرشتے ان ہی فرشتوں کو دوبارہ منتخب کریں گے جو الیکشن کمیشن کی نام نہاد اسکروٹنی کے عمل سے گذر کر پاکستان کے اقتدار پر ایکبار پھر قبضہ کرلیں گے۔

مشق ستم نہیں یہ مکافات عمل ہے

عین اس وقت جبکہ ملک کرہ ارض کی تاریخ میں پہلی بار بدترین آمریت کے بعد جمہوریت پر رواں ہے اور جیسی بھی حکومت تھی اب ایک آئینی طریقہ کار کے مطابق اقتدار کا مرحلہ عمل میں لایا جا رہا ہے جس میں عوام کارکردگی کی بنیاد پر اپنے نمائندوں کا انتخاب کریں گے اور عوام اپنے اِس عمل سے خود پر مسلط کئے جانے والے مہنگائی کے طوفان اور متوسط طبقے و معاشی بد حالی و بے امنی کا شکار کرنے والے نام نہاد لیڈروں کا محاسبہ کرنے کے اُن نمائندوں کا انتظار کر رہے ہیں جو پانچ سال اپنے حلقے سے غائب رہے اور اب شومئی قسمت سے اِن کے دروازے پر ووٹ کی بھیک مانگنے کے لئے آنا چاہتے ہیں تو نام نہاد قوم پرست و سیاسی نمائندوں کو مظلوم بنانے کے لئے طے شدہ منصوبوں کے مطابق ٹارگٹڈ نشانہ بنایا جا رہا ہے اور انھیں اس قدر مظلوم بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے جیسے ان کے ہاتھ پیر باندھ کر عوام کے پاس جانے سے روکنے کی کوشش کی جا رہی ہو۔پانچ سال اقتدار کے مزے اڑانے والے لنڈی لوڈ و اقربا پروری کے ایجاد پرست اَب اپنے نامہ اعمال کا حساب دینے کے لئے میدان عمل میں اتریں ہیں تو اِن ہی کے دور میں طاقت پکڑنے والے والے انتہا پسندوں نے انھیں نشانہ بنانے کا ڈرامہ رچایا ہوا ہے۔ شطرنج کا اصول ہے کہ شاہ کو بچانے کے لئے پیادوں، گھڑ سواروں، و

زراء کو قربانی دینی پڑتی ہے ، سیاست کا میدان بھی شطرنج کی چالوں موافق کھیلا جاتا ہے ۔جس میں شاہ کو بچانے کے لئے اپنے پیادے اور وزرا کو مروا کر شاہ کو بچانے کی کوشش کی جارہی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ دہشت گردی کے واقعات قابل مذمت ہیں لیکن موجودہ حالات میں کئے جانے والے دھماکے نہیں انتخابی تماشے ہیں ، کون نہیں جانتا کہ خیبر پختونخواکے بااثر افراد کے تعلقات شدت پسندوں کے ساتھ ہیں بنوں جیل کا واقعہ تو اسکی عبرت انگیز مثال ہے جس میں بڑی تعداد میں عسکریت پسندوں کو ناقص سیکورٹی کی نام پر جیل توڑ کر فرار کرایا گیا۔ مملکت کی بدترین کرپشن اور اقربا پروری کے واقعات نے قوم کا سر شرم سے جھکا دیا گیا ہے۔لسانیت کے نام پر ایک رکشہ والا ، اربوں روپوں کی تیل چوری ، لینڈ مافیا، ڈرگ اسمگر اور بلٹ پروف گاڑیوں کی افغانستان کے راستے اسمگلنگ کرکے کھرب پتی بن چکا ہے ۔ کراچی کو خون میں ڈوبو کر اپنی تقاریر میں نفرت کی نہ بجھنے والے آگ لگانے کے بعد خود بم پروف بنکر میں رہنے اور گاڑیوں میں کود محفوظ سمجھنے والا ، کراچی کی معروف رہائشی وتجارتی بلڈنگوں پر بے روزگار نوجوانوں سے قبضے کرواکر مختلف جماعتوں سے قومیت کے نام پر جنگ وجدل کرواتا رہا اَب اِن ہی لوگوں کو دہشت گرد اور اپنی لا تعلّقی کا اعلان کرتا نظر آتا ہے۔اپنے من پسند افراد کو منشیات چلانے کے اڈے اور ہائی ڈرینٹ کے علاوہ سرکاری املاک پر قبضے کروانے والا آج مظلوم بن کر خود کو حسینی قافلے کا مسافر کہہ رہا ہے ۔بے روزگار نوجوانوں کو با

عزت روزگار دینے کے بجائے نام نہاد لیڈروں نے کلاشنکوف تھما کر بھتوں اور اغوا کاروں کے آلہ کار بنا دئے جو آج جیلوں میں سڑ رہے ہیں ، نادرا آفسوں میں اپنے اہلکاروں کو ایجنٹ بنا کر افغانیوں اور بنگالیوں کے جعلی شناختی کارڈ بنانے والے آج انھیں پاکستانی شہریت دینے کے بعد بیرونی عناصر کی سازشوں کا رونا روتے ہیں ۔ خیبر پختونخوا صوبے کو نام دیا تو اس کریڈٹ نے خیبر پختونخوا کی عوام کو اس قدر منقسم کر دیا کہ انگریزوں نے ڈیورنڈلائن میں بھی تقسیم نہیں کیا تھا ، ہزارہ ، فاٹا اور سوات میں علیحدہ صوبے کی تحاریک نے پختون قوم کو تقسیم کر دیا ہے ۔ سیلاب متاثرین کی پرسان حالی کے بجائے ، ان کے فنڈز خرد برد کرنے والے سوات کی حالت زار تو دیکھیں ملک بھر میں تعلیم کی شرح میں سب سے زیادہ رہنے والے طلبا و طالبات کو جدید ، تعلیم سے محروم کرتے ہوئے ، خواتین کو ووٹ دینے کے حق سے بھی محروم کرنے کی مثالیں میڈیا دیکھا چکا ہے ، خیبر پختونخوا تو پانچ سال سے ان نام نہاد مشران کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کو دیکھیں کہ رشوت اور حرامخوری کے بعد ان کے چہروں پر کتنی پھٹکار اور ان کے پیٹ کتنے بڑھ گئے ہیں ۔ لیکن انھیں عوام کے سامنے پیش ہونے سے روکنے کے لئے کچھ عناصر ایسی کاروائیاں کر رہے ہیں جس سے ان کی دل میں ترس کے جذبات پیدا ہو رہے ہیں ، جب کوئی بھکاری کسی کے دروازے پر آتا ہے تو پھر اپنا رونا دھونا کر کے کسی نہ کسی سے اپنے جھولی میں خیرات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے ۔ یہ دھماکے اور شدت پسندوں

کی کاروائیاں انھیں عوامی رد عمل سے روکنے کی سوچی سمجھی سازش ہے۔ ان کے نامہ اعمال ایسے ہے نہیں کہ یہ غیور پختون کا سامنا کر سکیں، انھیں عوام دھماکوں سے نہیں بلکہ اپنے جوتوں سے مارنا چاہتی ہے۔ ایس ایم ایس کے ذریعے انقلابی اشعار چلا کر ووٹ نہیں ملا کرتے، کیونکہ ایس ایم ایس کے ذریعے صرف لنڈی لوڈ ہی مانگا گیا ہے۔ دھمکیوں کے اس ماحول کو بنا کر یہ لوگ اپنی ناقص اور بدترین کارکردگی سے منہ چھپانے کے بجائے اپنے لئے ووٹ حاصل کرنا اور انتخابی مہم چلانے کو جوئے شیر لانے کے مترادف سمجھتے ،انہیں مظلومیت کا لبادہ دہشتگرد فراہم کر رہے ہیں۔ عسکریت پسند ان نام نہاد پختون لیڈروں کو انتخابی ماحول میں آزاد چھوڑ دیں، انھیں مظلوم مت بنائیں، انھیں عوام کی عدالت میں جانے دیں جو کام تم بم دھماکوں سے کرنا چاہتے ہو کہ یہ انتخابی عمل سے دور ہو جائیں تو عوام پہلے ہی ان پر جلی بھنی بیٹھی ہے عوام کو موقع دیں کہ ان کی ضمانتیں ضبط کروادیں۔ بم دھماکے کرکے انھیں فرار کی راہ فراہم کرنے میں مدد نہ کریں یہ لوگ پانچ سال کھربوں روپوں کی کرپشن کر چکے ہیں، انھیں عوام کے سامنے جواب دہ ہونے دیں، انھوں نے ملائیشا اور دوبئ میں اربوں روپوں کی جائیدائیں، شو روم بنا کر اپنے اہل و عیال کو آباد کرکے غریب سے منہ کا نوالہ چھین لیا ہے انھیں پختون روایات کا سامنا کردیں۔ انھیں بم سے اڑانے کی ضرورت پیش نہیں آئیگی اگر یہ غیرت مند ہوئے تو خود ہی سیاست سے دور ہو جائیں گے حالاں کہ ان سے یہ امید بالکل نہیں ہے۔

پختون حقوق کے لئے قربانیاں، پختون قوم نے دی تھی۔ نام نہاد پختون لیڈرون کوایک بار عوام کے سامنے جانے دیں ان کا نوشتہ اعمال عوام کے پاس موجود ہے ان کی سیاسی تقدیر کا فیصلہ عوام کرچکی ہے۔انھیں سیاسی مظلوم نہ بننے دیں، انکے ملکی تاریخ کے کرپٹ ترین دور اور لاکھوں پختونوں کی معاشی بد حالی کا حساب کا دن اب آگیا ہے تو انھیں سیاسی شہید بنا کران کے گناہوں کو مٹ چھپانے دیں۔ عوام بخوبی سمجھتے ہیں کہ وہ مرنے والوں کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں واقعات کی شدید مذمت کرتے ہیں، لیکن پٹرول، ڈیزل چور اور گاڑیوں اور منشیات کے اسمگلروں کے چہرے سے اصل نقاب اتر چکے ہیں۔پانی چوروں اور سرکاری ٹھیکے لیکر قوم کے نام پر سیاست کرنے والے اب مکمل بے نقاب ہوچکے ہیں، دہشت گردی کو بام عروج پر پہنچانے والے اور کرپشن کے شہنشاہوں کو عوامی عدالت میں جواب دہ ہونا ہوگا۔ مریکہ کی گود میں پختون قوم کے خون اور لاشوں کا سودا کرنے والوں کو پختون معاشرے میں کوئی عزت نہیں دی جاتی۔ دہشت گردی کے ہاتھوں شہید ہونے والوں سے دلی ہمدردی، غم اور صدمہ ہے اور تمام پختون سمیت تمام قومیتں ان کے غم میں برابر کی شریک ہیں، لیکن یہ مکافات اعمال ہے کہ انھیں پھر بھی ناکامی ہوگی، انھیں شرمندگی ہوگی (اگر انھیں شرم آتی ہو)۔پختون ثقافت کو تاراج کرنے والوں کہیں سے بھی راستہ نہیں ملے گا۔

مایوس نہیں پریشان ہوں میں

آج مجھے پشتو فلم دیکھنے جانا تھا، مجھے ایک فلم پرستار تنظیم کیجانب سے چیلنج دیا گیا تھا کہ پشتو فلموں میں فحاشی، عریانیت اور پختون ثقافت کے خلاف منظر کشی نہیں کی جاتی، بلکہ پشتو فلمیں پاکستانی فلم انڈسٹری کو بچانے کی واحد کوشش ہے۔انھوں نے بضد ہو کر مجھے دعوت دی تھی کہ میں اُن کے ساتھ پشتو فلم دیکھوں، ان میں ایک ایسے پرستار بھی تھے جنھیں پشتو زبان سے واقفیت نہیں تھی، لیکن وہ اپنے ہیرو کی ملنساری، مہمان نوازی واخلاق کی وجہ سے اُن کے گرویدہ ہوگئے تھے، ان کی پسندیدگی کی اسی وجہ کی بنا ءپر میں نے اکرم بھائی کی دعوت قبول کرلی، اُس وقت میرے پاس اداکار شاہد خان کے سب سے بڑے پرستار راجہ جاوید اقبال بھی "تشریف "فرما تھے، انھوں نے گذشتہ جمعہ کے دن تقریبا چھ گھنٹے میرے ساتھ گزارے اور شاہد خان کی تعریف میں بھرپور قلابے مارتے ہوئے مجھے اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے کہ میں نے اپنے کالم میں ان کا نام لکھا تو شاہد خان اس بات پر ناراض ہوگئے تھے کہ "تم قادر خان کے پڑوسی اور بچپن کے دوست ہو، لیکن اسے میرے) شاہد خان)کے خلاف کالم لکھنے سے نہیں روک سکے" تو اس وقت راجہ صاحب کی حالت پر سکون تھی جب میں نے انھیں بتایا کہ بھائی آپ کو کس نے کہہ دیا کہ میں شاہد خان کے خلاف ہوں، میں تو پختون ثقافت کے خلاف پشتو فلموں میں دیکھائی جانے والی عریانیت، فحاشی، غنڈا کلچر اور فحاشی کے دیوتا

لیاقت علی خان اور نگاہ حسین کے اُن حواریوں کا شدید مخالف ہوں، جنھوں نے لالہ سردار کے مطابق چند روپوں کے خاطر عوام کو سستی اور صاف تفریح سے محروم کر دیا ہے۔اگر شاہد خان ایسی فلموں میں کام کرتا ہے جو پختون ثقافت کی عکاسی کے بجائے پختون قوم کی بدنامی کا سبب بنتی ہے تو آپ لوگ انھیں قائل کریں کہ وہ ایسی فلموں میں کام نہیں کریں اور نہ ہی ایسی فلموں کی پروڈکیشن کریں گے۔اس پر راجہ جاوید اقبال نے کہا کہ یہ اکیلے میرے بس کی بات نہیں ہے ہم سب کو مل کر اجتماعی کوشش کرنا ہوگی، اس بات پر میں نے اُن سے کہا کہ یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں کہ جب تک آپ نہیں کہو گے تو کون پہل کرے گا؟۔اس محفل میں مختلف پرستار تنظیموں کے لوگ بھی بیٹھے تھے، کسی نے کہا کہ فحاشی کے سیلاب سے تو کوئی بھی نہیں بچ سکا۔ بدر منیر جیسا فنکار بھی "گرینگو" جیسی فلم بنا چکا ہے۔ کسی نے کہا کہ آصف خان کے بیٹے ارباز خان کو ہی دیکھ لو، باپ کا کتنا بڑا نام ہے لیکن فحاشی کے دیوتا لیاقت علی خان اور نگاہ حسین جیسے پختون معاشرے کے ناسوروں کے ساتھ کام کرتا ہے، کسی نے اعتراض کیا کہ اگر فلم کا نام چرسی ہے تو عجب گل نے بھی تو اپنی ایک فلم کا نام شرابی رکھا تھا۔ میں نے تمام احباب سے بصد احترام ایک اپیل کی کہ ماضی میں کس نے کیا کام کیا اور کس طرح کام کیا ایسے پردہ سیمیں پر دیکھایا جا چکا ہے، اس پر بحث مباحثہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ،بس آپ مجھے یہ بتاؤ کہ اب کیا کرنا ہے ؟۔راجہ جاوید اقبال مجھے بار بار کہتے رہے کہ شاہد خان فون پر ہیں اُن سے بات کرلو۔ میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ میں اُن سے اُس وقت بات کرونگا جب ان کی کوئی اصلاحی فلم یا بیان منظر عام

پر آئے گا کہ ان کی فلم پروڈکیشن آئندہ ایسی کوئی فلم نہیں بنائے گی، جس میں پختون ثقافت اور قوم کی صدیوں کی روایات کو کچلا گیا ہو۔ جس پر راجہ صاحب نے کہا کہ انھوں نے کل تو آپ سے وعدہ کیا ہے، جس پر میں نے کہا کہ اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ مجھے یہی تو دیکھنا ہے کہ کون اپنے وعدے کی پاسداری کرتا ہے۔ میں نے انھیں پخوری بدمعاش دیکھانے کو کہا تو سب سے زیادہ منع کرنے پر زور راجہ جاوید اقبال نے لگایا کہ نہیں، نئی فلم دیکھیں گے، آج میں اُن کے فون کا انتظار کرتا رہا، پھر اپنی عادت کے برخلاف انھیں فون بھی کیا لیکن انھوں نے میرا فون ہی اٹینڈ نہیں کیا، میں نے اکرم صاحب کے دوست پرنس نیک محمد سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ اکرم نے میرے ساتھ جانے سے انکار کردیا ہے کہ اُس دن ہم تصاویر بنوائیں گے اگر قادر خان کو ہمارے ساتھ کسی نے دیکھ لیا تو غضب ہوجائے گا۔ اس لئے ان کے ساتھ فلم دیکھنا ناممکن ہے۔اب یہ حیران کن بات یہ تھی کہ انکے کہنے پر میں اعلان کرچکا تھا کہ ان کے ساتھ فلم دیکھوں گا اور اگر فلم میں کوئی اخلاق باختہ مناظر اور پختون ثقافت کے خلاف کچھ ہوا تو زبردست احتجاج بھی کرونگا اور فلم کا بائیکاٹ کا علی اعلان بھی میرے مطالبے میں شامل تھا، لیکن پرستار تنظیمیں اس بات پر خوف زدہ ہوگئیں کہ اگر ماضی کی طرح پھر اس پشتو فلم میں بھی کچھ ہوا تو قادر خان کو" روکنا " ممکن نہیں ہوگا۔ مجھے ان کے رویوں سے مایوسی نہیں ہے لیکن میں پریشان ضرور ہوں کہ اگر پرستار تنظیمیں بھی یہی کچھ برداشت کرتی رہیں تو فلمسازوں کو کیسے پتہ چلے گا کہ ان کی فلم فحش، کہانی لغو، اور عکاسی و ہدایتکاری انتہائی غیر معیاری ہے۔ کیونکہ یہی پرستار تنظیمیں ہر فلم

کو سپر ہٹ، ڈوپر ہٹ، کامیاب کہہ کہہ کر انھیں غلط اطلاعات فراہم کرتیں ہیں۔ بلکہ میں تو اور بھی شدید حیران ہوا کہ جب میری توجہ باہر زئی پختون یار نے کرائی کہ ہر شخص اپنے قبیلے اور قوم کا نام اپنے نام کے ساتھ جوڑ کر اپنا تشخص دنیا کے ساتھ ابھارتا ہے لیکن کچھ لوگوں نے اپنے ناموں کے ساتھ فلمی ہیرو کے نام بطور" تخلص" رکھے ہیں، یہ بڑا عجیب اور پر مذاق مظاہرہ ہے کہ ایک پختون اپنے نام کے ساتھ کسی فحش فلم کے ہیرو کا نام لگا کر فخر سے لکھتا اور کہلواتا ہے۔ میں ان لوگوں کے نام نہیں لکھ رہا کیونکہ میرا سر شرم سے جھک گیا ہے کہ ایسے پختون بھی پائے جاتے ہیں جو اپنی قوم، قبیلے اور خیل کے بجائے تخلص کسی اوباش، عیاش فلم ایکٹر کے نام پر رکھتا ہے، یہ شرمناک مثال میرے لئے نہایت پر ندامت ہے، میری ان تمام قدر مند احباب سے اپیل ہے کہ اپنا تشخص پہلے درست کرکے اصل نام رکھیں،۔ فلمی ستاروں سے محبت اپنی جگہ، لیکن اس کی بھی حد ہونی چاہیے۔ بہر حال میں ہمت کرکے اکیلا ہی ناظم آباد میں واقع ایک سنیما گیا تو وہاں دیکھا کہ جمعہ کے دن شراب خانے بند ہونے کے باوجود فلم بینوں کو شراب کچھ لوگ فروخت کرکے دے رہے تھے کچھ لوگ، چرس فروخت کر رہے تھے، میری ہمت جواب دے گئی کہ ان شراب کی چسکیوں اور چرس کے دھواں دار ماحول میں کس طرح اپنے جذبات کو بھٹکنے سے بچاسکوں گا۔اس لئے صدر میں واقع جب دوسرے سنیما میں گیا تو وہاں بھی صورتحال مختلف نظر نہیں آئی۔ میں نے فلم پوسٹر اور تصاویر دیکھ کر کم از کم اتنا ضرور اندازہ لگا لیا کہ فلم کی ٹون کیا ہوگی، وہاں فلم، مست ملنگ نہیں شیر خان لگی تھی۔ کیونکہ میں یہ فلم سوات میں دیکھ چکا تھا اس لئے اس پر دوبارہ

احتجاج اور نہ تبصرہ کروں گا۔ میں پرستار تنظیموں کے عمل سے مایوس نہیں، پریشان ہوں کہ آخر یہ ایسا کیوں کر رہے ہیں ؟۔ لیکن مجھے اس بات کا اطمینان ضرور ہے کہ میری آواز فلم انڈسٹری تک پہنچ رہی ہے کیونکہ معروف اداکار عجب گل نے پشتو فلموں میں عریانیت ، فحاشی اور پختون ثقافت کے خلاف بھرپور بیان جاری کرکے پختون ادبی ثقافتی ٹولنہ کی کوششوں کو تقویت اور امید دلائی ہے کہ بہت جلد سب بدلے گا۔

ملک دشمن عناصر کی سہ جہتی حکمت عملی کے ہوش ربا نتائج

ہم کراچی سمیت پورے پاکستان میں نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں مختلف قومیتوں کے درمیان ملک دشمن عناصر کی بھیانک سازش کی ایک ایک کڑی کھلتی نظر آتی ہے۔ان کڑیوں کو ملک دشمن عناصر کی سہ جہتی حکمت عملی کہا جاتا ہے۔

(۱) آئسولیشن (ISOLATION) یعنی کسی مخصوص قوم کو دیگر تمام قومیتوں اور طبقات سے کاٹ کر علیحدہ کردیا جائے۔

(۲) کرمنلائزیشن (CRIMNALIZATION) یعنی قانون پسند شہری کے بجائے کسی مخصوص قوم کے فرد کو عادی مجرم اور ان کی نمائندہ جماعت کو حقوق کے حصول کے لئے جدوجہد کرنے والی ایک سیاسی جماعت کے بجائے مجرموں اور دہشت گردوں کا گروہ بنا کر پیش کیا جائے اور ان کے ساتھ عادی مجرموں جیسا سلوک کیا جائے ۔

(۳) ڈی مورالائزیشن (DEMORALIZATION) یعنی کسی مخصوص عوام و کارکنان کو کسی مخصوص جماعت سے بد دل اور بدظن کیا جائے اور ان میں مایوسی پیدا کی جائے۔

پاکستان کی بدقسمتی رہی کہ آزادی کے بعد سے عوام اپنے بنیادی حقوق سے

محروم اور ان جاگیر دار، وڈیروں، خوانین، سرمایہ داروں اور سرداروں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے میں ناکام رہے جس کا خواب انگریزوں کی غلامی سے آزادی کے لئے اکابرین برصغیر نے دیکھا تھا۔ جبکہ بھارت کے برعکس پاکستان کی عوام بٹوارہ ہندوستان کی ثمرات سے مستفید ہونے کے بجائے بلا شرکت غیرے کالے انگریزوں کی بیورکریسی کی دلدل میں دھنستی چلے گئی جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ جمہوریت کا پودا کبھی پنپنے ہی نہیں دیا گیا اور آمریت کی شکنجوں نے حاکمیت کی بالادستی کو برقرار رکھتے ہوئے طبقاتی تفریق کی خلیج کو قومیتوں کے درمیان بڑھانے میں توجہ مرکوز رکھی جس کا شکار بھارت سے آنے والے لاکھوں مہاجر بنے۔ حالاں کہ انصار مدینہ کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے پنجاب اور سندھ کی عوام نے پاکستان کے حقیقی خالق کے متاثرین کو دلوں میں جگہ دی اور ان کی بحالی کے لئے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان متاثرین میں بڑی تعداد خیبر پختونخوا میں بھی آباد ہوئی۔ کاروباری و مزدور طبقے نے معاشی صورتحال اور بدامنی کے باعث بھی ہجرت کو ترجیح دی۔ سب سے زیادہ سندھ میں اردو بولنے والے مہاجرین کی بڑی تعداد آباد ہوئی، چونکہ مہاجرین اپنے تعلیمی قابلیت کی بناء پر مساوی حقوق کے حامل تھے لیکن انگریزوں کی غلامی سے مستفید ہونے والے جاگیر دار اور وڈیروں کو بخوبی اندازہ ہو چلا تھا کہ اگر جمہوری اقدار کو پروان چڑھایا گیا تو مراعات یافتہ طبقہ کا نام نہاد حق حکمرانی اور غلامی کے نتیجے میں ملنے والی جائیدادوں اور خزانوں سے محروم ہو کر انھیں بھی عام پاکستانی

کی طرح ٹیکس اور اپنی جاہ و حشمت کا حساب کتاب دینا ہوگا۔ وفاقی دارالحکومت کو پنجاب منتقل کرنا، بیورکریسی اور مختلف محکموں سے مہاجروں کو جبری ریٹائر، تعلیمی اداروں، صنعتوں اور بنکوں کو نیشنلائز اور سندھ میں کوٹہ سسٹم نافذ کرکے روزگار اور دوہرا نظام تعلیم رکھ کر اعلیٰ تعلیم سے محرومی، لسانی فسادات کی بنیاد رکھ کر سب سے پہلے دیہی و شہری تفریق کا نفرت انگیز بیج بو دیا، تاکہ آنے والی نسل تعلیم و شعور سے آگاہی کے بجائے قوم موسیٰ کی طرح خوئے غلامی اختیار کریں اور فرعونیت کے معاشی نظام اور مذہبی پیشوائیت کے خلاف صف آرا ہونے کے قابل نہ بن سکیں اور دیگر قومیتوں کی عوام میں بیداری کی لہر پیدا نہ ہوسکے۔ مخصوص قوتوں نے سب سے پہلے آئسولیشن پر عمل درآمد کرتے ہوئے فاطمہ جناح اور ایوب خان کے صدارتی انتخابات کے دور میں پختون اور مہاجروں کے درمیان لسانی فسادات کرائے، جیسے بڑی شد ومد کے ساتھ آج تک کرائی جانے کی کوشش کی جاتیں رہی ہیں۔ اب آئیسولیشن کے دوسرے مرحلے کا آغاز، کرمنلائزیشن کی دوسرے نقطے پر عمل کرکے شروع کردیا گیا یہ مرحلہ انتہائی خطرناک اور قیمتی جانوں کے عظیم سانحات کا موجب بنا۔ کرمنلائزیشن کی حکمت عملی کے تحت اردو اور پشتو بولنے والوں کو اس قدر متنفر کئے جانے کا سلسلہ شروع کردیا گیا کہ سرکاری زیر اثر میڈیا نے تصویر کا وہی رخ دنیا کے سامنے دکھایا جس سے اچھے اچھے لوگوں کے دلوں میں مہاجروں اور پختونوں کے خلاف منفی تاثر جڑ پکڑنے لگا اور ہر جرم کا ذمے دار مہاجر و پختون کو

ٹھہرائے جانے کی کوشش کی جانے لگی اور جس نے بھی حقیقت تلاش کرنے کی سعی کی اس کی شخصیت کو غدار اور قوم کا دشمن بنا کر داغ دار کردیا گیا۔ مہاجر یا پختون کا نام آتے ہی دیگر قومیتوں میں اصل حقائق کو جاننے کا جذبہ پیدا ہونے کے بجائے اس قدر حوصلہ شکنی کی گئی کہ معاشرتی، خاندانی دباؤ کے تحت باشعور عوام کی خاموش اکثریت نے خاموش رہنے کو ترجیح دی، جس کا نقصان آنے والی نوجوان نسل کو ہوا جنھیں حقیقت کا ادراک کرانے کے بجائے تصویر کا صرف ایک رخ دکھایا جاتا جس سے پختون سمیت دیگر قومیتوں کے تعلیم یافتہ اور نوجوان طبقے میں طے شدہ منصوبے کے مطابق مہاجر اور پختون عوام کو ملک کی دیگر قومیتوں سے آئسولیٹ کرنے کے لئے کرمنلائزیشن کا ایک ایسا منظم منصوبہ جاری رکھا گیا جس کی جڑیں ناپختہ اذہان میں مضبوط ہوتی چلی گئیں اور اس کا فطری نتیجہ متعدد ایسے واقعات کے رونما ہونے پر نکلا جس سے انسانیت شرمسار ہوئی۔ آزاد و خود مختار مملکت کے حصول کے لئے جان و مال کی قربانی دینے والوں کو اینٹی پاکستان بنا کر پیش کئے جانے لگا اور ہر قوم سے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت قومیتوں کو باہم دست و گریبان کردیا گیا کہ ہاتھ چھڑانے والے کم اور آگ لگانے والے زیادہ ہوتے چلے گئے۔ کرمنلائزیشن پالیسی کے تحت ہر اردو بولنے والے کو جرائم پیشہ اور پختون کو طالبان سمجھے جانے لگا۔ نفرتوں کی اس خلیج کو نئی نسل میں اس قدر بڑھا دیا گیا کہ سچ اور جھوٹ کی تمیز مشکل تر ہونے لگی۔ ڈی مورالائزیشن یعنی مخصوص عوام اور کارکنان کو بددل، بدظن

اور مایوسی پیدا کرنے کے اس عمل میں ان گروپوں کو استعمال کیا جارہا ہے جو خدمت کے نام پر عوام کے حقوق سلب کرتے رہے۔تینوں نکات کی منصوبہ بندی کا بنیادی مقصد صرف اور صرف جاگیردارانہ، سرمایہ دارانہ، وڈیرانہ، سرداری اور خوانین کے مفادات کا تحفظ ہے۔ہم سب کو ملکر ان سازشوں کو ملکی سالمیت اور آنے والی نسلوں کی بقاکے لئے ناکام بنانا ہوگا۔ہمیں سمجھنا ہوگا کہ ہم سب کا چولی دامن کا ساتھ ہے ہم سب ایک ایسے معاشرے میں رہتے ہیں جہاں باہمی میل ملاپ اور ہم آہنگی ناگزیر ہے۔ہمارا رہن سہن، کاروبار، وابستگیاں اور مفادات مشترکہ ہیں۔بسیں، رکشہ، ٹیکسی، اگر زیادہ تر پختونوں، پنجابیوں، بلوچوں اور سرائیکیوں کی ہیں تو بیٹھنے والے زیادہ تر اردو بولنے والے ہیں۔چائے اور کپڑے کی دوکانیں پنجابی، پشتونوں اور دیگر قومیتوں کی زیادہ ہیں تو ان سے مستفید افراد کا تعلق اردو بولنے والوں سے ہے۔فیکٹریاں، مل، کارخانے اگر دوسری قومیتوں کی ہیں تو اس میں مزدور پیشہ اور دفتری عملہ اردو بولنے والوں کا ہے۔غرض یہ ہے کہ ہم سب لازم وملزوم ہیں۔کسی قوم کی تعداد سینکڑوں میں نہیں ہے کہ ایسے جبری اور استبدادی قوت سے دبا کر دیوار سے لگا دیا جائے گا۔ہم سب کو متحد ہو کر اپنی قوم اور مملکت کی بقا کی خاطر ملک دشمن عناصر کی سہ جہتی حکمت عملی کو عملی طور پر ناکام بنانا ہوگا۔ورنہ تاریخ میں ایسی قوموں کا اب صرف ذکر کتابوں میں ہی ملتا ہے جنھیں اپنی طاقت پر گھمنڈ اور طرز حکمرانی پر غرور تھا۔جبر اور استعماری قوتیں جب

بھی اپنی طاقت کا ستعمال کرتی ہیں تو کمزور سے کمزور ناتواں جسم میں بھی جان آ جاتی ہے ۔ہمیں اس گرداب سے خود کو باہر نکالنا ہوگا۔ ہمارے لئے ممکن نہیں ہے کہ ایک ساتھ رہتے ہوئے باہم دست و گریبان رہیں ہمیں اب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارے درمیان کوئی عدوات ، کوئی دشمنی کوئی بغض نہیں ہے۔ یہ ایک باہم سازش ہے جیسے باہمی اتفاق و اتحاد سے ناکام بنانا ہم سب کا فرض ہے۔ صدیوں کی تاریخ گواہ ہے کہ جس جس قوم میں نا اتفاقی پیدا ہوتی چلی گئی ان پر ایسے ظالم لوگوں کو مسلط کر دیا گیا جسے فرعونیت اور یزیدیت کے نام نظام سے آج اور تا قیامت یاد کیا جاتا رہے گا۔ لسانی فریب اور ملک دشمن عناصر کی سہ جہتی حکمت عملی کو ہم صرف اپنی یکجہتی حکمت عملی سے ہی ناکام بنا سکتے ہیں۔یکجہتی اور باہمی بھائی چارے کے لئے لسانی نفرتوں کا خاتمہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب ہم ایک دوسرے کے حقوق کو تسلیم کرلیں اور عوام کو ان کا حق دے دیا جائے۔پاکستان کے دولخت اور مملکت میں جاری نئے صوبوں کی تحاریک کا مقصد یہی احساس محرومی ہے جو عوام میں پیدا کیا جارہا ہے اور جسے عوام ہی ناکام بنا سکتے ہیں۔

انتخابی ماحول مساوی کیوں نہیں؟

کراچی کی عوام اس قدر خوف زدہ ہوچکی ہے کہ کراچی بے امنی پر چہ میگوئیاں کرنے سے بھی پرہیز کرنے لگے ہیں۔ کراچی میں انتخابی دہشت گردی حملوں کا ایک نیا نہ رکنے والا سلسلہ جاری ہے۔ کراچی میں جرائم کے انبار میں سینکڑوں جانوں کے جانے پر حکمرانوں کے کان پر جوں نہیں رینگی تو عوام اپنی مدد آپ کے تحت خود حفاظتی انتظامات کرنے سے بھی اس لئے پس و پیش سے کام لیتی رہی کیونکہ خوف دامن گیر رہا کہ وہ کھل کر جرائم پیشہ افراد کی نظروں میں آجائیں گے اور یہ ایک ایسی کھلی جنگ ہوگی جس میں ان کی مدد کے لئے حکومت کی جانب سے کوئی مدد فراہم نہیں کی جاسکے گی۔ کراچی میں بدامنی کی سنگین صورتحال کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ انسانی جان کی کوئی قیمت نہیں کیونکہ پولیس کا کردار سیاسی مداخلت کی وجہ سے مکمل ختم ہوچکا ہے۔ کچھ ماہ پہلے حساس اداروں کیجانب سے کراچی میں بنک ڈکیتوں کے حوالے سے جن تحفظات کا اظہار کیا گیا تھا آج اس کے نتائج ہمارے سامنے آرہے ہیں۔ گرفتار ہونے والے بنک ڈکیتوں نے واضح طور پر بتادیا تھا کہ کراچی میں دہشت گردی کے منصوبوں کے لئے رقوم کا حصول بنک ڈکیتی کی جارہی ہیں۔ کراچی کے مختلف علاقے جرائم پیشہ گروپس نے باہمی اتفاق کے ساتھ تقسیم کرلئے ہیں اور کوئی گروپ کسی دوسرے گروپ کے کام میں مداخلت نہیں کرتا۔ یہی

وجہ ہے کہ جرائم پیشہ افراد کے درمیان کراچی میں عمومی طور پر آئے دن جنگ کا سماں ہوا کرتا تھا جو اب صرف ٹارگٹ کلنگ کی حد تک محدود نہیں رہا بلکہ اب کریکر دھماکوں کے بعد پلانٹڈ دھماکے کئے جانے لگے ہیں جس سے کاروبار زندگی مفلوج ہو جاتی ہے۔ پہلے ان واقعات کی براہ راست ذمے داری کراچی کی بعض سیاسی جماعتوں کے سر پر ڈل دی جاتی تھی اور انتظامیہ ہمیشہ یہ کہہ کر جان چھڑا لیا کرتی تھی کہ جرائم پیشہ گروہ کو سیاسی جماعتوں کا آشیر باد حاصل ہے جس کی وجہ سے پولیس سخت کاروائی نہیں کر سکتی۔ کراچی میں بے امنی سے پریشان تاجر برادری کے صبر کا پیمانہ بھی اس قدر لبریز ہو چکا ہے کہ پریس کانفرنس میں تاجروں نے براہ راست پولیس کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ جرائم پیشہ افراد کو اگر صبح گرفتار کیا جاتا ہے تو شام تک کسی با اثر شخصیت کے کہنے پر انھیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ خود سپریم کورٹ نے سماعت کے دوران اس تاثر کو غلط قرار دیا کہ عدالتیں گرفتار ملزماں کو ضمانت پر رہا کر دیتی ہیں جس کی وجہ سے جرائم پیشہ افراد کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں۔ عدالتیں کسی کو ماورائے آئین ضمانت پر رہا نہیں کرتی ہے۔ اگر واقعات کے مدعی مقدمات میں عدم تحفظ کی بناء پر کیسوں کی عدم پیروی کرنے پر مجبور ہوتے ہیں تو اس کی بنیادی وجہ خود انتظامیہ کا کردار ہے جو مدعی اور گواہان کو سیکورٹی فراہم نہیں کرتا اور صرف ایک پیشی پر ملنے والی دھمکی کے بعد مدعی یا چشم دید گواہ کا اپنے بیان سے منحرف ہو جانا یا عدم پیروی کرنا معمول بن چکا

ہے۔ سپریم کورٹ کی جانب سے کراچی بدامنی کے حوالے سے پہلے ہی سندھ کو ناکام قرار دیا جاچکا ہے ۔ ایک طرف بلوچستان حکومت کو عدلیہ نے نالائقی کا صداقت نامہ دیا ہے تو دوسری جانب کراچی بدامنی کیس میں حکومت سندھ پہلے ہی نا اہل قرار دی جا چکی ہے ۔ سیاسی جماعتوں کیجانب سے کراچی بدامنی پر ایک دوسرے کے خلاف تنقید فیشن اور میڈیا میں ریٹنگ بڑھانے کا درجہ اختیار کرچکی ہے ۔ جبکہ اصل وجہ انتظامی کمزوری اور پولیس کیجانب سے اپنے اختیارات کا کماحقہ استعمال نہ کرنا ہے ۔ سپریم کورٹ کی جانب سے کراچی بدامنی پر کسی مخصوص جماعت یا فرد کے خلاف کاروائی بھی کراچی میں قتل و غارت اور بدامنی کا خاتمہ نہیں کرسکتی ۔ کراچی میں بدامنی کا واحد حل سیاسی اثرات و عمل دخل سے پاک کیمونٹی پولیس کا قیام ہے۔ کراچی شہر مختلف النسل قوم کا ایک مجموعہ ہے ۔ خود ایڈوکیٹ جنرل اس بات کا اقرار کرچکے ہیں کہ کراچی میں بیس لاکھ سے زیادہ جرائم پیشہ افراد سیلاب کی شکل میں داخل ہوچکے ہیں ۔ جب صورتحال اس قدر اندوہناک ہو ، پولیس بے اختیار ہو ، سیاسی مداخلت وطیرہ ہو ، تو پھر کراچی میں امن کا خواب ہزار بار دیکھ لیں امن نہیں آسکتا ۔ان حالات میں جب کراچی گذر رہا ہو تو بھلا کسی بھی جماعت کے لئے اطمینان خیز ریلی نکالنا یا جلسے کرنے کیسے ممکن ہوسکتا ہے ، پشاور کے بعد اب کراچی ہیں اب ایم کیو ایم کو براہ راست ہدف کا نشانہ بنایا جا رہا ہے ، پختونخوا میں امن مخصوص جماعتوں کے لئے ہے ، بلوچستان تو پہلے ہی انتخابی مراحل کے منظر نامے سے

غائب ہے ، اب کراچی میں جس طرح انتخابی مراحل میں روکاٹیں پیدا کیں جارہی ہیں اور صرف پنجاب میں امن ہے تو عوام سوچنے پر مجبور ہیں کہ انتخاب کا عمل سب کے لئے مساوی کیوں نہیں ہے ؟ پنجاب میں اللہ نہ کرے کہ ایسے واقعات ہوں ، لیکن جس طرح پہاڑوں سے لیکر کراچی تک بے امنی ، دہشت گردی ، انتہا پسندی ہے تو پنجاب میں ایسی کون سی قوت ہے کہ جو پاکستان میں مکمل امن صرف پنجاب کی حد تک محدود رکھنا چاہتی ہے ۔ اے این پی ، پی پی پی اور ایم کیو ایم کو ہٹ لسٹ پر رکھنے کا کیا مقصد ہے ۔ اگر انھیں زبردستی الیکشن سے باہر رکھنا مقصود ہے تو عوام ایسی بے وقوف نہیں ہے کہ ملک دشمن عناصر کی ان سازشوں کو سمجھ نہ سکے ۔ مسلم لیگ ،جمیعت علما اسلام ، جماعت اسلامی اور تحریک انصاف سمیت تمام جماعتوں کو کلیئرنس صداقت نامے جاری کرکے پاکستان کے خلاف سوچی سمجھی سازش کی جارہی ہے ، ان جماعتوں کی پچھلے سالوں میں جو بھی کارکردگی رہی ہے ، انھیں اسی کی بنیاد پر عوام کی عدالت میں جانے دیا جائے ۔ جو قوتیں ان جماعتوں کو الیکشن ماحول سے دور رکھنے کی کوشش کررہی ہیں ان کے مقاصد بالکل صاف ہیں کہ وہ ایسی قوتوں کو سامنے لانا چاہتے ہیں جو امریکہ کے افغانستان سے چلے جانے کے بعد ،بننے والی حکومت کے قریب تر ہو ، اور یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ امریکہ مخالف قوتوں کو سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اسمبلیوں میں لانے کی کوشش کی جارہی ہے ، سیکولر اور لبرل کہلائے جانے ولے جماعتوں کو ان کے مینڈیٹ کے برخلاف روکنا اب کھلی سازش کے طور پر سامنے

آچکی ہے۔اب تک انتخابی مہم کے دوران 42افراد سے زائد افراد جاں بحق ہو چکے ہیں، اور تمام نگراں حکومتیں بھی امن قائم کرنے میں مکمل ناکام ہو چکی ہیں۔یقینی طور پر اب اس میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں رہی کہ مخصوص جماعتوں سے بائیکاٹ کی آرزو رکھنے والے جماعتوں کی جانب سے " خواب" دیکھنے کے عمل میں کراچی میں موجودہ دہشت گردی کے عناصر کارفرما نظر آسکتے ہیں اور عوام پوچھنے میں بھی.برحق ہیں کہ انتخابی ماحول مساوی کیوں نہیں ؟۔

PS-93 سے کٹی پہاڑی تک

کراچی کے دو حلقے دہشت گردی سے سب سے زیادہ متاثرہ ہیں، انھیں پی ایس ۹۶ اور پی ایس ۹۳ کے علاوہ عرف عام میں کٹی پہاڑی کے نام سے بھی پوری دنیا میں جانا جاتا ہے۔ کٹی پہاڑی بنیادی طور پر ایک پہاڑی سلسلہ ہے جو پٹھان کالونی سے لیکر منگھو پیر اور پھر بلوچستان تک دراز ہے، یہ بلند و قامت پہاڑ نہیں ہیں، لیکن میڈیا کی وجہ سے انھیں تورا بورا کی طرح ایک ایسا پہاڑی سلسلہ سمجھا جاتا ہے، جس میں غار ہیں اور ان میں عسکریت پسند چھپ کر کراچی میں دہشت گردی کی کاروائیاں کرتے ہوں، جبکہ ایسا بالکل نہیں ہے، کٹی پہاڑی پر چالیس سال زائد عرصے سے مختلف قومیتوں سے وابستہ بڑی تعداد میں ہزاروں خاندان آباد ہیں، جن میں سب سے زیادہ علاقہ صوبہ خیبر پختونخواکے ضلع تور غر سے وابستہ خیلوں کی ہے جو روزگار کے سلسلے میں کراچی آئے تو اپنی روایت کے مطابق یہاں بھی اپنے علاقہ تور غر (کالا ڈھاکہ) کی طرح پہاڑوں پر خود کو آباد کرلیا، اس بات سے بے پروا ہو کر کہ انھیں پانی، بجلی، گیس کی سہولیات میسر آئیں گی یا نہیں، کیونکہ ان کے آبائی علاقوں میں بھی کچھ ایسی ہی صورتحال ہے۔ جبکہ پٹھان کالونی کے علاقے میں سوات کے آباد کار قیام پاکستان سے قبل اس طرح آباد ہوئے کہ اب یہ علاقہ کسی صورت میں پہاڑ پر آباد لگتا ہی نہیں ہے۔ پی ایس ۹۳ اور پی ایس ۹۶ کے پختون آباد علاقوں میں دو باتیں بڑی مشترک ہیں، ایک یہاں عسکریت پسندوں نے بڑی

تعداد میں اپنے مخالفین پر کریکر حملے کئے۔ تحریک طالبان (افغانستان) کے بڑے رہنما
ؤں کو پی ایس ۹۶ کے علاقے کنواری کالونی، پیر آباد، پٹھان کالونی، میٹرول سے
گرفتار کیا گیا، جن میں کچھ طالبان کو پاک ،افغان مفاہمتی عمل میں امریکہ کے احکامات
پر امن کے نام پر کچھ ہفتوں قبل رہا کیا گیا۔اسی طرح ان دونوں حلقوں میں طالبان کے
نام سے پختون برداری کے سرکردہ رہنماؤں سے کروڑوں روپے بھتے بھی مانگے گئے ،
لیکن وزیرستان میں موجود مولوی نذیر گروپ اور حکیم اللہ محسود گروپ نے شدید
تردید کی کہ ان کے نام سے بھتہ وصول کرنے والوں کا ان کی تحریک سے کوئی واسطہ
نہیں ،ان کے مطابق یہ عمل پختون قوم پرست سے تعلق رکھنے والے جرائم پیشہ افراد کر
رہے ہیں۔ ان دونوں حلقوں میں بھتہ نہ دینے پر سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کے گھر پر
کریکر حملے بھی کئے گئے۔ گو کہ پی ایس ۱۲۸، ۹۴ ، ۸۹، ۹۷ اور سلطان آباد، پختون
آباد، کے علاوہ سہراب گوٹھ جیسے علاقوں کے بارے میں خود پولیس کے سینئر افسر نے
میڈیا میں اعتراف کرلیا ہے کہ یہاں عسکریت پسندوں کی حکمرانی اور پولیس اپنا کردار
ادا کرنے سے قاصر ہے۔ لیکن پی ایس ۹۶، پی ایس ۹۳ میں کئی باتیں مشترک اور کٹی
پہاڑی کے حوالے سے سابق وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک انکشاف کرچکے تھے کہ یہاں
طالبان نے مورچے بنالئے تھے جنھیں کلیئر کراکر چوکیاں بنائی گئیں۔ قابل توجہ بات یہ
ہے کہ پیرآباد سے لیکر کنواری کالونی تک پہاڑی پر رینجرز نے آٹھ سے زائد پختہ
چوکیاں بھی بنائی ہوئی ہیں، لیکن ان میں کسی قانون نافذ کرنے والے ادارے کے اہلکار
موجود نہیں ہوتے۔ایک چوکی میں ایف سی کے اہلکار بھی ہوتے ہیں اور رینجرز کے اہلکار
بھی نیچے

پختہ چوکی میں چوبیس گھنٹے موجود ہوتے ہیں، لیکن عوام سمجھنے سے قاصر ہے کہ یہ اہلکار کن "کی حفاظت کیلئے معمور کئے گئے ہیں۔پی ایس ۹۳ میں عوامی نیشنل پارٹی کو ۲۰۰۸" ء کے الیکشن میں جماعت اسلامی کے بائیکاٹ کی وجہ سے اتفاق سے کامیابی ملی تھی، جس کے نتیجے میں صوبائی وزیر امیر نواب.برسر اقتدار آئے اور اتنی" اچھی کارکردگی" کا مظاہرہ کیا کہ اے این پی نے شرم کی وجہ سے اس بار پارٹی ٹکٹ ہی فراہم نہیں کیا، موصوف وزیر کی اقربا پروری، رشوت خوری اور بد عنوانیوں نے کراچی کی تاریخ کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے، پی ایس ۹۳ کے حوالے سے اے این پی کو خوش فہمی ہے وہ" اچھی کارکردگی" کی بنیاد پر ایک بار پھر یہ نشست جیت جائیں گے لیکن عوام یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ان کی کارکردگی کیا ہے، جس کا یہ دعوی کر رہے ہیں ؟۔اگر ان کی کارکردگی اچھی ہوتی تو صوبائی وزیر محنت سندھ کو ٹکٹ فراہم کردیا جاتا، جو کہ سائٹ ٹاؤن کے ٹاؤن ناظم بھی رہ چکے تھے لیکن پی ایس ۹۳ کی عوام بخوبی جانتی ہے کہ جعلی اپائنمنٹ لیٹر جاری کرکے عوام کو بے وقوف بنانے والے اے این پی کے سینئر رہنماء یہ نشست کامیاب تو کیا، اپنی ضمانت بھی نہیں بچا سکتے اس لئے اے این پی سندھ کے جنرل سیکرٹری بشیر جان کو ٹکٹ دیا گیا جو ۲۰۰۸ء میں صوبائی ٹکٹ نہ ملنے پر کچھ عرصہ پارٹی سے کنارہ کش ہوگئے تھے۔پی ایس ۹۳ کی ایک بڑی عجیب بات یہ بھی ہے کہ یہاں اے این پی کے ناظم بھی منتخب ہوتے رہے، جس میں یو سی ۵، یو سی ٦،اور یو سی ۷ سائٹ ٹاؤن شامل ہیں، لیکن ان کی کارکردگیوں کا یہ حال رہا ہے کہ عوام ان کی جماعت کے بینرز اور چاکنگ کو اپنے گھروں سے مٹا کر اے این پی سے شدید بیزاریت کا اظہار کر

رہے ہیں ۔پی ایس ۹۳ کی ایک بڑی خصوصیت اور بھی ہے کہ کراچی کے واٹر مافیا کی وافر قیادت بھی یہاں پائی جاتی ہے جن کی وجہ سے کراچی کی عوام پانی کی بوند بوند کو ترس گئے ہیں ۔پی ایس ۹۳ کی بڑی خصوصیات میں ایک اور بھی ہے کہ یہاں منشیات کے بڑے اڈے بلا خوف وخطر چلائے جاتے ہیں اور کئی مرتبہ علاقہ تھانہ پر عوام نے مظاہرے اور احتجاج بھی کئے لیکن انھیں سیاسی پشت پناہی کی وجہ سے ناکامی کا سامنا پڑا۔پی ایس ۹۳ کی پختون عوام قیام پاکستان سے قبل یہاں آباد ہیں لیکن انھیں زندگی کی بنیادی سہولیات سے ہمیشہ محروم رکھا گیا، یہ بات نہیں ہے کہ یہاں پختون کے علاوہ کسی اور قومیت کا نمائندہ کامیاب ہوتا رہا ہے ،بلکہ جس جماعت کا بھی امیدوار کامیاب ہوا ہے وہ پختون قومیت سے ہی تعلق رکھتا ہے۔اب مذہبی جماعت نے اپنی آبائی کامیاب سیٹ پر ایک افغانی امیدوار کو نامزد کیا ہے ۔، سابقہ بلدیاتی نظام میں یو سی ۴ کے ناظم بھی رہ چکے ہیں مذہبی جماعت کے سابقہ ناظم اعلی کراچی کے منہ بولے بیٹے کہلاتے ہیں۔لیکن یہ بھی پاکستانی سیاست کا المیہ ہے کہ ایک غیر پاکستانی ، بلدیاتی ناظم بھی بن جاتا ہے اور اب صوبائی نشست پر امیدوار بھی ہے اور اسکروٹنی کے عمل سے بھی کامیاب ہو کر ایک افغانی ،پاکستانی شہری بن کر قومی انتخابات میں حصہ لے رہا ہے۔پی ایس ۹۳ کی عوام پریشان ہیں کہ پختون قومیت کے نام پر سیاست کرنے والوں نے انھیں لاشوں ، بے امنی ، بھتہ خوری ، واٹر مافیا، منشیات اور غنڈا کلچر کے علاوہ کچھ نہیں دیا اور ہمیشہ ترقیاتی کاموں سے محروم رہے اور دوسری جانب ایک افغانی کو بھی ووٹ نہیں دینا چاہتے ، کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مذہبی جماعت کا دعوی کرنے والی

جماعتوں نے افغان، روس جنگ میں لاکھوں پختونوں کو جہاد کے نام پر تباہ کرایا اور اب امریکہ کی مخالفت کے نام پر افغانستان میں ہزاروں سواتیوں کے امریکی کلسٹر بموں اور میزائیل سے شہادتوں کی ذمے دار بھی مذہبی جماعتوں کو سمجھتے ہیں، اس لئے ان کے سامنے پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کے امیدوار رہ جاتے ہیں، جو کبھی بھی اس حلقے سے کامیاب نہیں ہوئے، لیکن دونوں امیدواران کا تعلق بھی پختون قوم سے ہے، پیپلز پارٹی کے امیدوار اس سے قبل ۲۰۰۸ء میں پی ایس ۹۶ کے انتخابات میں حصہ لے چکے ہیں اور یو سی ۸ کے ناظم بھی رہ چکے ہیں، لیکن پی ایس ۹۶ کے بجائے پی ایس ۹۳ سے الیکشن لڑ رہے ہیں جبکہ ایم کیو ایم نے پہلی بار ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے پختون امیدوار کو ٹکٹ دیا ہے کہ بار بار آزمائی جانے والی جماعتوں کو آزمانے کے بجائے انھیں موقع فراہم کیا جائے تو پی ایس ۹۶ کی طرح کٹی پہاڑی والے علاقوں میں لاتعداد سرکاری اسکولز، گرلز کالج، کرکٹ اسٹیڈیم، پارک، کیمونٹی سینٹر اور واٹر پمپنگ اسٹیشن بنا کر کراچی کی پختون آبادیوں میں پی ایس ۹۳ کو بھی ایم کیو ایم کے امیدوار مثالی بنا دیں گے۔ ایم کیو ایم پی ایس ۹۳ کی روایتی سیاست کو ختم کرکے یہاں بھی تاریخی ترقیاتی کام کرانا چاہتی ہے لیکندیکھنا یہ ہے کہ پی ایس ۹۳، پی ایس ۹۶ کی کٹی پہاڑی کے پختون عوام ترقیاتی کاموں کے حوالے اور خدمت کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی کس سیاسی بلوغت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ نفرت کی آگ کو محبت سے بجھایا جا سکتا ہے، گیارہ مئی کے انتخابات آپ کے علاقوں کی ترقی، مستقبل کے معماروں کی بقا اور روایتی سیاست کے خاتمے کا دن ہو سکتا ہے اگر پختون عوام اپنے درست نمائندوں کا انتخاب کریں۔

الیکشن کمیشن کی بے بسی قابل رحم ہے

عام انتخابات سے قبل ضمنی الیکشن نے آئندہ انتخابات کے حوالے سے ایک منظر نامہ پیش کر دیا تھا کہ متوقع عام انتخابات کس طرح، اور کس ماحول میں منعقد ہونگے۔ انتخابات کے حوالے سے الیکشن کمیشن کے کردار پر بھی فکر کی ضرورت تھی کہ ضمنی انتخابات میں سیاسی جماعتوں کے امیدواران، اور سپورٹرز نے ضابطہ اخلاق کی دھجیاں اڑائیں اور الیکشن کمیشن سوائے بے بسی کی تصویر بننے کے کوئی کردار ادا نہیں کرسکا۔ دوسری جانب ضمنی انتخابات نے یہ بھی ثابت کر دیا تھا کہ پاکستان کی سیاست میں تشدد و فیوڈل ازم کا خاتمہ بہت جلد ممکن نہیں ہے کیونکہ جتنے بھی امیدواران کامیاب ہوئے وہ برادری، جاگیرداری اور وڈیرانہ نظام کے زیر اثر ہوئے جس بناء پر یہ منظر نامہ آئندہ انتخابات میں تبدیلی ممکن پیدا نہیں کرسکتا، عوام شائد اپنے شعور کے مطابق امیدواران کے انتخاب کے لئے فکری تبدیلی میں یقین نہیں رکھتے اور وہ اب بھی امید رکھتے ہیں کہ جاگیردار اور وڈیرے ہی ان کے مسائل کے حل کے لئے کوئی کردار ادا کرسکتے ہیں۔ ضمنی انتخابات میں جس طرح امن و مان کے حوالے سے ہنگامہ آرایاں ہوئیں اُس سے یقین ہوچکا تھا کہ مستقبل کے انتخابات کے پس منظر میں پر امن انعقاد کے تصور کو ممکن نہیں بنایا جاسکے گا۔ اس لئے بارہا الیکشن کمیشن

کو باور کرایا گیا کہ آیندہ انتخابات پر امن و شفاف منعقد کرنا ہیں تو سیکورٹی اداروں کو ہزاروں پولنگ اسٹیشن اور کروڑوں ووٹرز کے تحفظ کے لئے اقدامات بھی کرنا ہونگے کیونکہ یہی ایک اہم مسئلہ قانون نافذ کرنے والوں کو درپیش ہے لیکن الیکشن کمیشن انتخابات میں انتخابی مہم ، امیدواران، عوام اور ووٹرز کے تحفظ کو یقینی بنانے میں بھی بے بس نظر آتی ہے۔ خیبر پختونخوا میں قوم پرستوں کی سیاست کے دھڑن تختہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قوم پرست جماعت کی مخالف قوتوں نے نئے انتخابات کے لئے جہاں سیاسی صف بندیاں کیں تو دوسری جانب مذہبی قوتوں کی جانب سے بھی شدید مخالفت کا سامنا ہے جبکہ عسکریت پسندوں کی جانب سے انتخابات کے حوالے سے اپنی تیاریاں مکمل کرنے کے اعلان نے بھی ان کے لئے مشکلات پیدا کردیں کہ وہ حکومت سے جدا ہونے کے بعد اُس قسم کی سیکورٹی حاصل نہیں کرسکے جو اُس وقت انھیں حاصل تھی۔ حکومت میں اہم کردار ادا کرنے کے باوجود حکمران جماعتوں نے عوام میں موثر کردار ادا نہیں کیا تو دوسری جانب کرپشن نے جس طرح سیاسیقیادت اور سیاسی رہنماؤں کو طشت ازبام کیا ہے اس سے عوام دوبارہ ان جماعتوں کو موقع دینے کے بجائے ماضی کی طرح اپنی سیاسی رائے تبدیل کرچکی ہے کیونکہ خیبر پختونخوا کی عوام سیاسی بلوغت کی بناء پر ان ہی رہنماؤں کو منتخب کرتی ہیں جو ان کے قریب رہے لیکن اقتدار سے چمٹے رہنے والیحکمراں جماعتوں نے عوامی مسائل کے حل کے بجائے اقربا پروری کو ترجیح دی اور عام کارکنان کو مکمل نظر

انداز کیا جس کی وجہ سے انتخابی سرگرمیوں کے بجائے ان جماعتوں کی کوشش ہے کہ مظلوم بن کر انتخابات میں حصہ لیا جائے اور حالیہ پر تشدد واقعات کو یہ ظاہر کیا جارہا ہے جیسے اس سے پہلے پر تشدد واقعات نہیں ہوئے تھے جبکہ امریکہ نواز پالیسیوں کی وجہ سے عسکریت پسند اور عوام پہلے ہی ان کی مخالف بن چکی تھی۔ کراچی میں اٹھنے والے پر تشدد سیاسی بحران کے حوالے سے ایم کیو ایم گذشتہ کئی سالوں سے خدشات کا اظہار کرتی رہی ہے کہ کراچی میں ایسے عناصر داخل ہو چکے ہیں جو ملک میں امن کے قیام اور انتخابات میں رکاؤٹ پیدا کریں گے ، لیکن ہمیشہ اے این پی اور پیپلز پارٹی نے ایم کیو ایم کے ان تحفظات کو رد کیا ور ایسے لسانیت کا رنگ دیا۔ جس کا نتیجہ آج سب کے سامنے ہے کہ کراچی مکمل طور پر ایسے عناصر کی دسترس میں آچکا ہے کہ پانچ روز میں پانچ دھماکے کرکے حکومتی رٹ کی دھجیاں اڑا دیں گئیں ہیں ۔ اے این پی اور پیپلز پارٹی نے ہمیشہ ایم کیو ایم کی جانب سے کراچی کے مخصوص علاقوں میں مشکوک سرگرمیوں کی نشاندہی پر کھل کر مخالفت کی، ایسے درخواعتنا سمجھ کر نظر انداز کیا اور اپنی سیاسی دوکان چمکانے کی کوشش کی جس کا خمیازہ آج بے گناہ عوام کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ یہ درست ہے کہ موجودہ انتخابات میں اے این پی ، پی پی پی اور ایم کیو ایم کو نقصان پہنچانے کی دھمکیاں دیں گئیں ، لیکن یہ بھی ریکارڈ پر موجود ہے کہ اے این پی اپنی بوئی فصل کاٹ رہی ہے ، ایم کیو ایم کو عسکریت پسندی مخالفت پر نشانہ بنایا جارہا ہے لیکن حیران کن

بات یہ ہے کہ پی پی پی کی امریکہ نواز پالیسوں کے باوجود پی پی پی کو خیبر پختونخوااور کراچی یا سندھ میں اُس طرح نشانہ نہیں بنایا گیا جس طرح اے این پی اور ایم کیو ایم کو بنایا جارہاہے اور پی پی پی کی جانب سے ہی نہیں بلکہ میڈیا میں بھی بلا سوچے سمجھے اس بات کی تشہیر کی جارہی ہے کہ پی پی پی بھی اے این پی اور ایم کیو ایم کی طرح محفوظ نہیں ہے جبکہ حقائق اس کے برعکس اور حیران کن ہیں۔ قابل غور بات یہی ہے کہ پی پی پی کو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اے این پی اور ایم کیو ایم کی طرح نقصان نہیں ہوا ہے۔ ان کی انتخابی ریلیاں ، جلسے اور کارنر میٹنگز محفوظ ہیں اور ان کے امیدواران کھل کر اپنی انتخابی مہم ہر جگہ چلا رہے ہیں۔ لیاری میں ہونے والے دھماکے کو پیپلز پارٹی سے نہیں جوڑا سکتا کیونکہ لیاری رسمی طور پر پیپلز پارٹی سے الگ ہے اور عملی طور پر انتخابات کے لئے امیدواران امن کمیٹی سے وابستہ ہیں۔ پی پی پی کو نہیں بلکہ صرف اے این پی اور ایم کیو ایم کو کھل کر نشانہ بنایا جارہاہے اس لئے عام انتخابات کے حوالے سے عجیب رجحان کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ پرُامن انتخابات میں الیکشن کمیشن کوئی کردار ادا کرسکے گی اس پر بھی اب تک کوئی حوصلہ افزا صورتحال واضح نہیں ہے ، کیونکہ اب تک الیکشن کمیشن کی جانب سے کئے گئے تمام اقدامات مایوس کن اور پر امن انتخابات کے انعقاد کے لئے ارباب اختیار کی بے بسی قابل رحم ہے۔ یہ بات قابل تسلیم ہے کہ الیکشن کمیشن چند دنوں میں ملک گیر بے امنی کو ختم

نہیں کر سکتا لیکن ضمنی انتخابات میں ہونے والی بے قاعدگیوں پر اگر ایکشن لے لیا جاتا تو یقینی طور پر تین صوبوں کی عوام بھی قومی انتخابات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی۔ تین صوبوں کی عوام کو انتخابات میں ملکی استحکام کے بجائے خوف و ہراس نظر آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے انتخابات صرف پنجاب کے لئے ہو رہے ہوں کیونکہ ویسے بھی پنجاب ساٹھ فیصد پاکستان ہے اور مملکت کی بیورو کریسی اور ارباب اختیار کا تعلق بھی زیادہ تر پنجاب سے ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ الیکشن کمیشن پنجابی امن فارمولے کو پاکستان کے تین صوبوں کے لئے کس طرح نافذ کرکے شفاف پر امن انتخابات کو ممکن بنا کر صرف پنجاب میں الیکشن کا تاثر ختم کرے گا۔

(مہ کوہ مجبوری دہ (۲

ملکی اخبارات اور تمام کالم نویس جس طرح الیکشن کے موضوع پر اپنے تجزیات پیش کر رہے ہیں، وہ ایک کالمی صورتحال یہ ہے لیکن الیکشن مہم میں بہتے ہوئے اپنی قومی شناخت اور ثقافت کا ذکر اگر ہفتے میں ایک بار بھی نہ کروں تو یہ میری پختون قوم کے ساتھ بد دیانتی ہوگی۔ پختون ادبی ثقافتی ٹولنہ کے ساتھ کیا گیا وعدہ میرے لئے بہت اہمیت کا حامل ہے کہ تیس دنوں میں اگر چار دن ایسے موضوع پر وقف کروں، جس پر کوئی کالم نویس اس لئے ہاتھ نہیں اٹھا رہا کہ شائد ایسا عجیب محسوس ہوتا ہو، لیکن میری قومی ثقافت کو اگر کوئی ملیا میٹ کرنے کا عزم رکھتا ہے تو مجھے اپنے قلم کی طاقت پر بھروسہ ہے۔ انشاء اللہ اگر میں اپنی ثقافت کو بچانے کے لئے چھوٹا سا کردار ادا نہ کرسکوں تو میرے لئے دیگر موضاعات پر کالم لکھنا، سوہان روح بن جاتا ہے، اس لئے سب سے کہتا ہوں کہ مہ کوہ میری مجبوری دہ (مت کرو مجبوری ہے)۔ سوات کے علاقے جس قدر خوبصورت ہیں ایسی طرح وہاں کے لوگ بھی انتہائی نفیس ہیں، گذشتہ دنوں جب میں سوات تھا تو ایک دل آویز پیاری سی شخصیت شیرین زادہ بدر سے ملاقات ہوئی، ملنسار، خدمت، خلوص کے اس پیکر کو دیکھ یقین نہیں آتا تھا کہ اس قدر سنجیدہ شخصیت، جو فائیو اسٹار ہوٹلز منجمنٹ میں ہو اور سوات کے سب سے خوبصورت مقام مرغزار میں موجود وائٹ پیلس کے مینجنگ ڈائریکٹر اور

پھر بدر منیر کے اس قدر پرستار کہ اُن کے نام سے ایک پرستار تنظیم کی سرپرستی بھی کرتے ہوں ، انھیں دیکھ کر کوئی یقین نہیں کرسکتا کہ شیرین زادہ بدر نے اپنا نام کے آگے تخلص بدر منیر سے متاثر ہو کر لگایا ہے۔ان کی کوششوں سے پشاور کی ایک معروف سڑک کا نام بھی بدر منیر کے نام پر رکھا گیا۔میں نے آج یہی سوچا تھا کہ ان سے بدر منیر کے حوالے سے کوئی بات پوچھوں گا لیکن جب بھی ان کے معصوم چہرے کو سامنے پاتا ہوں تو ان کی دل آزاری والی کفیت نظروں کے سامنے دوڑ جاتی ہے کہ میری تلخ باتوں سے کہیں یہ بھی ناراض نہ ہو جائیں۔جب سے میں نے ہفتہ وار پشتو ثقافت کے حوالے سے کالم لکھنے کا سلسلہ شروع کیا ہے تو مختلف پرستار تنظیموں کی جانب سے ہر اداکار کے حوالے سے ایک شکایات کا پلندہ بھی ہوتا ہے کہ دیکھو قادر خان ، اس نے کیسا کام کیا ہے۔ گزشتہ کالم میں لیاقت علی خان کو فحاشی کا دیوتا کہا تو ان کے پرستاروں پر قیامت گزر گئی کہ لیاقت علی خان اور ڈانس ڈائریکٹر نگاہ حسین بھی میرے قلم کی زد سے نہیں بچ سکے ، ان کی تنظیم کے ایک پرستار واحد ساگر نے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن میرا رابطہ نمبر نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا نہیں کرسکے ، لیکن مجھے اُن کا پیغام مل گیا اس لئے اُن سے بھی وہی گزارش ہے کہ لیاقت علی خان نے پشتو فلموں کے کلچر کو فحش ڈھب میں لانے کا "کارنامہ "انجام دیکر اپنا نام سیاہ باب کا اضافہ کرلیا ہے۔ نگاہ حسین کو ہی دیکھ لیں کہ اپنے نام کی عظمت کے برعکس اس جاہل" کی کرئیوگرافی میں کس قدر بے حیائی اور عریانیت ہے ۔ مصری عربیک ڈانس" میں کمر اور اس کے نچلے حصے

کو اس قدر کمال خوبصورتی کے ساتھ پرفارم کیا جاتا ہے کہ جسم کا ایک ایک حصہ فن موسیقی و رقص کی گواہی دیتا ہے ایسی طرح اطالین رقص میں قدموں کے استعمال کے ساتھ فنکاروں کو کرائیو گراف اس قدر کمال فن سے نبھاتے ہیں کہ اب عش عش کہہ اٹھتے ہیں، لیکن نگاہ حسین، کمر کے نچلے پر اس قدر بدزوقی اور بے حیائی سے کیمرہ اور کرئیو گراف کراتا ہے کہ نگائیں شرم سے جھک جاتیں ہیں، غیر فطری مناظر دیکھا کر نہ جانے کیا ثابت کرنا چاہتا ہے، یہ مجھے آج تک سمجھ نہیں آسکا، کبھی کبھی لگتا ہے کہ یہ کہیں خود بھی تو غیر فطری پیدا نہیں ہوا کہ ایسے پشتو فلموں میں ڈانسرز کے کمر کے نچلے حصے کے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا، یا پھر قدموں کے رقص پر جس طرح جسم کے زیریں حصوں کو عکس بند کیا جاتا ہے اس پر انھیں سوائے لعنت بھیجنے کے اور کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ مجھ سے ایک دوست نے کہا کہ ان لوگوں کو فن ثقافت کا علمبردار کیوں سمجھ کر جی ہلکان کرتے ہو، میں تسلیم کرتا ہوں کہ دنیا جانتی ہے کہ پختون ثقافت میں حیا اور شرم کا جس قدر پاس رکھا جاتا ہے اس سے پشتو فلموں میں کام کرنے والے چھو کر بھی نہیں گزرے ہونگے، یہی وجہ ہے کہ پشتو فلموں کے سب سے مصروف اداکار شاہد خان پر سب سے زیادہ تنقید کی کیونکہ ان کی سب سے زیادہ فلمیں آرہی ہیں اور جس طرح پختون ثقافت کو ان کی فلمیں نقصان پہنچا رہی ہیں اس کا انھیں خود اندازہ بھی نہیں ہوگا۔اب بھی ان کی فلموں کے اشتہارات میں رقصاؤں کی بے باکیاں دیکھ کر نہیں لگتا کہ شاہد خان، اپنے والد لالہ سردار کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں، مجھے آصف خان لالہ سے بھی

گلہ ہے کہ انھوں نے اربار خان کو بھی اس رنگ میں ڈھلنے کی اجازت دے دی، جو پختون معاشرے میں سخت ناپسند کی جاتی ہیں، میری مجبوری ہے کہ میں آصف خان لالہ کا دل سے احترام کرتا ہوں اس لئے ان پر ان کے رتبے کی بناء پر تنقید کرنے سے بڑی مشکل سے خود کو روک پاتا ہوں۔بدرمنیر اور آصف خان پشتو فلموں کی وساطت سے پختون قوم کے ثقافتی ترجمان کہلائے جاتے ہیں، ان کی دانستہ یا غیر دانستہ غلطیوں پر قلم نہیں اٹھاتا لیکن دل خون کے آنسو ضرور روتا ہے کہ جب ان کی فلموں میں بھی مغرب کی نقالی میں بے حیائی سے مزین رقص موجود ہی نہیں بلکہ خود بھی اس کا حصہ ہوتے ہیں۔ کسی نے مجھے کہا کہ یہ کمرشل بزنس ہے، کسی عورت کو برقعہ پہنا کر ڈانس نہیں کرایا جاسکتا۔میں بھی تسلیم کرتا ہوں، لیکن ماضی کی ہیروئینوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ فحاشی کا دفاع کرنے والے دراصل قوم کے ساتھ مخلص نہیں ہیں۔جو تنظیمیں، جھوٹ بناؤٹی فحش فلموں کی تعریف کرتی ہیں، ان کا جرم بھی ناقابل معافی ہے۔فلموں میں عریاں اور فحش گانوں پر سر دھنے والوں کو اپنی اصلاح کی ضرورت ہے اور اس میں سب سے بڑا قصور پشتو فلمیڈائری لکھنے والے فلمی صحافیوں کا ہے جو چند اشتہارات کے لئے جھوٹے بیانات شائع کراتے ہیں، یادگار کردار، لازوال اداکاری، ناقابل فراموش فلم، سپرڈپرہٹ فلمیں وغیرہ وغیرہ لکھ لکھ پوری پختون قوم کے ساتھ بد دیانتی کے مرتکب ایسے لوگ ہی تمام بگاڑ کے ذمے دار ہیں۔زرد صحافت اور چند روپوں کے خاطر اپنے ضمیر کے خلاف لکھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی بازاری عورت کے لئے اُوباش مرد تلاش کرنا والا

دلال۔ یقینی طور پر میں غیر مہذب الفاظ استعمال کر رہا ہوں لیکن کیا کروں کہ ان کی مجبوری ہے کہ یہ جھوٹ کو سچ کہہ کر لکھتے وقت یہ بھی نہیں سوچتے کہ وہ نا قابل معافی و نا قابل تلافی جرم کے مرتکب ہو کر کروڑوں انسانوں کی دل آزاری اور صدیوں کی تاریخ رکھنے والی قوم کی شناخت کو بھیانک طریقے سے مسخ کر رہے ہیں۔ سنسر بورڈ کے اراکین ہوں یا فلمساز کے تقسیم کار، سمیت تمام ایسے بیان لکھنے والے بھی بے حیائی کے فروغ میں اتنے ہی گناہ گار ہیں جتنے ایسی شرمناک فلم بنانے والے ہیں۔ نگاہ حسین ہوں شاہد خان ہوں، ارباز خان ہو، جہانگیر خان ہو، شاہ سوار ہو یا کوئی بھی کتنا بڑا نام، کیوں نہ ہو، یہ اپنی روش تبدیل نہیں کرنا چاہتے تو پھر یہ اپنی قوم کی ثقافت کا کفن بیچنے والے گورکن ہونگے اگر اب بھی انھوں نے اپنی فلموں سے پختون ثقافت کے برخلاف عریانیت، فحاشی اور بدمعاشی کلچر کو جاری رکھا۔۔۔خاص طور پر پشتو فلمی ڈائری لکھنے والے یا پھر بقول عجب گل بی بی سی پاکستان نامی پرنس نیک محمد ندیم کی جولانیاں و شرارتیں!!!

جمہوریت کفر کا نظام ہے؟

معاشرتی اقدار کی پاسداری میں سیاسی مصلحت پذیری اثر انداز ہو چکی ہے۔ جمہوریت کی بدترین خامی یہی ہے کہ غلط بات کو بھی اکثریت کے فیصلوں کے سبب درست تسلیم کیا جاتا ہے، جبکہ اسلام میں عددی قوت کو نہیں بلکہ موقف کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ عسکریت پسندوں نے جب اپنے ویڈیو پیغام میں جمہوریت کو کفر کا نظام قرار دیا تو اس بیان پر سیاسی حلقوں کی جانب سے شدید رد عمل دیکھنے میں آیا اور میکاولے کے نظام کو اسلام پر فوقیت دینے کے لئے لاتعداد دلائل دئے گئے۔ بلا شبہ اسلامی نظام کے سامنے تمام دنیاوی نظام کفری نظام ہیں۔ کفر کے لغوی معنی انکار کرنے کے ہیں ،یعنی اسلامی نظریہ حیات کو جو بصورت نظامِ مفصل تسلیم نہیں کرتا، وہ دراصل اسلامی نظام سے انکار (کفر) کرتا ہے کیونکہ اسلامی نظام میں اس قدر وسعت موجود ہے کہ کسی بھی شخصی نظام کو اس پر فوقیت نہیں دی جا سکتی۔ سچ کو سچ کہنا اور جھوٹ کو جھوٹ کہنا، صرف اسلامی نظام میں ہے جبکہ میکاولے کا نظریہ سیاست جیسے ہم جمہوری اقدار کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، مکمل جھوٹ کی بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے جہاں جھوٹ کو اس قدر خوبی سے بیان کیا جاتا ہے کہ جھوٹ، سچ اور سچ، جھوٹ معلوم ہوتا ہے ۔قرآن کریم بلاشبہ ظاہری باتوں سے بڑھ کر اسلامی نظریہ حیات، نظام صلوۃ، نظام زکوۃ اور نظام ربوبیت کے ساتھ نظام حکومت کا ایک ایسا ڈھانچہ فراہم کرتا ہے جیسے من وعن نافذ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں

سمجھی گئی۔ خلفائے راشدین کا انتخاب، بذریعہ ووٹ نہیں آیا تھا لیکن ہم ایسے اب تک کا بہترین حکمرانی کا نظام سمجھتے ہیں، جبکہ خلافت کے بعد جب ملوکیت بھی آئی تو تاریخ اسلام میں ایسے خلفیہکے سنہرے ادوار گزرے ہیں کہ یقین نہیں آتا کہ کسی شخصی نظام میں اس قدر عوام کی منفعت کے فلاحی و ترقیاتی کام کئے جا سکتے ہیں، لیکن جب جمہوریت کے نام پر ایک ایسا شخصی نظام متعارف کرایا گیا جس میں صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ مقابل کا امیدوار، اپنی جاہ و حشمت، سرمایہ داری، جاگیر داری اور خوانین کے بل بوتے پر عوام کو کس قدر پس سکتا ہے تو لڑاؤ اور حکومت کرو، کی شق نے اسلام سے متصادم نظام جمہوریت کی بنیاد رکھ دی۔ لیکن خرابی یہ رہی کہ امت واحدہ تفرقے کی بنیاد پسند و ناپسند پر منقسم تھی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے بعد امت واحدہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ جس کا سلسلہ اس قدر دراز ہوا کہ اسلام نے نظریۂحیات کو بصورت قرآن متحد اور ایک اللہ کی رسی (قرآن) کو تھامنے کا درس دیا تھا، وہاں مسالک کے فراوانی نے اسلامی تشخص کو پس پشت ڈال کر اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا۔ اسلاف کے کارناموں پر تکیہ کرتے ہوئے، جہاز کے بجائے اونٹ کی سواری کو باعث ثواب سمجھے جانے لگا، ابلاغ کو کفر اور اسلام سے فروعی فتوؤں سے خارج کرنے کا اہم ذریعہ گردانا گیا۔ جس کے سبب ان گروہی و فروعی فتوؤں کی رو سے دیکھا جائے تو دنیا بھر میں ایک شخص بھی مسلماں نہیں ہے۔ کیونکہ فرقہ واریت کے عفریت نے کسی بھی مسلک کے مسلمان کو مسلمان نہ سمجھا، اور کفری فتوؤں نے دنیاکے سامنے اسلام کا تشخص پُرتشدد نظام نافذ کرنے کی ضد کی صورت میں پیش کرنا شروع کر دیا۔ عرب و عجم کی

جانب سے پوری دنیا میں مسلم حکومتوں میں جمہوریت کے نام پر اثر ورسوخ اتنا بڑھا دیا گیا کہ پاکستان جیسی ایٹمی طاقت بھی اپنی داخلی و خارجی پالیسیاں مرتب کرنے سے قاصر ہیں، جس کے نتائج اس صورت میں مل رہے ہیں کہ پاکستانی ریاست کا تصور دنیا کے سامنے ایک دہشت گرد اور دنیا کے امن کو خطرے میں ڈالنے والے عناصر کی محفوظ پناہ گاہ کے طور پر لیا جاتا ہے۔ قیام پاکستان کا مقصد دو قومی نظریے کا احیاء تھا لیکن ایسے جب بنگال میں سمندر بُرد کر دیا گیا تو بچا کچا پاکستان آج خود ساختہ اسلام کے نرغے میں ہے جسمیں کسی عام انسان کی جان و مال کے تحفظ کو یقینی بنانے کے بجائے نقصان پہنچانے پر مکمل توجہ مرکوز رکھی جاتی ہے۔ افغانستان میں طالبان کی جانب سے "آپریشن بہار" غیر ملکی افواج کو اپنی سرزمیں سے نکالنے کے لئے شروع کر دیا گیا تو پاکستان میں عسکریت پسندوں نے عام بے گناہ انسانوں کو نشانہ بنانے کے لئے آپریشن انتخابات" شروع کیا ہوا ہے۔ جمہوریت کو کفر کا نظام قرار دیکر اسلام کے حقیقی" تصور کو پیش کرنے کے بجائے اسلام سے دور مسلمانوں اور اسلامی نظام حیات سے نا واقف اقوام کو اسلام کے نام پر پُر تشدد موقف اپنانے پر قوت صرف کی جا رہی ہے۔ اس وقت عبوری دور ہے اور اسلامی نظام حیات کی کوئی عملی شکل کسی بھی ملک میں موجود نہیں ہے۔ فلاح و اصلاح کے لئے اقوام عالم میں حکومتوں کے قیام کے لئے ایک فرد ایک ووٹ کا طریقہ کار اپنایا جاتا ہے، جس کے بعد اپنے تئیں اُس ملک کی عوام کے نمائندے اپنی حکومت کو دنیا کی دیگر مملکتوں کے سامنے طاقت ور اور معاشرتی اقدار کے نگہبان کے طور پر پیش کرتے ہوئے سپر پاور کی دوڑ میں لگے ہوئے ہیں جبکہ پاکستان جیسے ترقی پذیر ایٹمی

ممالک ایٹم بم بنا کر لاکھوں انسانوں کی جان لینے کے منصوبوں پر اربوں روپے خرچ کر سکتے ہیں لیکن عوام کو ترقی و سکون میسر کرنے کے لئے ایک سیکنڈ کی بجلی پیدا نہیں کر سکتے ۔قدرتی وسائل سے مالامال مملکت کو اقربا پروری ، بد عنوانیوں اور خارجی ممالک کے لئے اپنی سرزمین استعمال کرنے کے پر تشدد رجحان نے ایک عام پاکستانی کو نظام جمہوریت سے اس قدر متنفر کردیا ہے کہ ایسے پاکستان کی کسی بھی سیاسی جماعت پر بھروسہ نہیں رہا، تبدیلی کا کوئی عمل پاکستان میں کامیابی سے پورا ہی نہیں ہونے دیا جاتا جمہورےت کے متصادم آمرانہ نظام نے پاکستان کی پالیساں مرتب کیں تو اب ، پاکستان قیام پاکستان کے بعد تبدیلی کے پہلے ارتقائی منازل سے گذر رہا ہے تو آج بھی عوام کی مرضی کے برخلاف اُن ہی جماعتوں کو دوبارہ مظلومیت کی آکسیجن فراہم کی جارہی ہے ، جو ہمیشہ اقربا پروری ، جاگیرداری ، سرمایہ دارانہ نظام کو کامیاب کرتی رہی ہیں ، عوامی شعور کی پہلی سیڑھی پر ہی اب اتنی مشکلات پیدا کیں جارہی ہیں کہ جن جماعتوں کو عوام مسترد کرکے کرسی، کرسی کے کھیل سے باہر نکالنے کی خواہاں تھیں اب انھیں مظلومیت کا لبادہ اوڑھا کر ایک بار پھر عوامی شعوری جمود کو پاش کرنے کی سعی کو روک دیا گیا ہے۔جمہوریت کو کفر کا نظام قرار دیکر صرف تین سیاسی جماعتوں کو نشانے رکھنے کے مفروضے نے اسلام کے آفاقی نظام کو ایک بار پھر عوام کے سامنے مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اسلام کے نظام میں کہیں بھی ایسا نہیں لکھا کہ سیاسی جماعتوں میں حد بندی رکھ کر ایک ہی انسانی نظام کے ماننے والوں پر اپنی مرضی تھوپ کر کہا جائے کہ دراصل اسلام ، کا اصل نظام تین کے بجائے دیگر جماعتوں میں

ہے۔ جمہوریت کو کفر کا نظام کہہ کر، من پسند سیاسی جماعتوں کے ہاتھ پیر کھلے چھوڑ دیے جائیں اور جب مخلوط، غیر متوازی، غیر مستحکم حکومت کا قیام عمل میں آئے تو بین الاقوامی قوتیں ایسی جمہوری نظام کے بل بوتے پر اپنی مرضی کے قوانین منظور کراتی رہیں اور عوام بین کرتی رہے۔ اگر اس قسم کے نظام کو جمہوریت کا کفری نظام کہا جا رہا ہے تو واقعی یہ ایک ایسا کفری نظام ہے جس میں من پسند جماعتوں کو من و عن آزادنہ سیاسی سرگرمیاں" کرنے کی اجازت دی جائے۔ اجازت دیں تو یکساں، تضاد سے" اسلامی نظام کا مذاق بنے گا۔

ایم کیو ایم، پی پی پی، اے این پی اور کراچی طالبان

بالآخر برف ایک بار پھر پگھل گئی۔سیاست میں واقعی حرف آخر نہیں ہوتا، کب کون کس وقت کیا کہے یا کرے گا شائد اسے خود بھی علم نہیں ہوگا کہ اگلی ساعت میں اس کا کیا کردار ہو سکتا ہے اس لئے بڑے سیانے کہہ گئے ہیں کہ پہلے تولو، پھر بولو۔کراچی میں امن و امان کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے بلکہ کراچی بے امنی کے مسئلے کو مسئلہ کشمیر کی طرح ملحق رکھا جاتا ہے کیونکہ اس مسئلے پر سیاست متعدد جماعتوں کا خاص مشغلہ ہے۔تاہم این پی اور ایم کیو ایم کے حوالے سے تند و تیز بیانات اور گلے شکوؤں کی دوری بھی کسی کے لئے اچھنبے کی بات نہیں رہی ہے، لیکن ایک ایسی اہم پیش رفت ضرور ہوئی ہے کہ جس کے لئے کراچی کی عوام "عسکریت پسندوں" کے شکر گزار ضرور ہونگے کیونکہ جو کام باشعور حلقے، کالم نویس، دانشور، اینکرز پرسن،ادارتی کالم ،الیکٹرونک میڈیا، پرنٹ میڈیا، عدلیہ اور قانون نافذ کرنے والے ادارے نہیں کرسکے اور ماضی میں کئے جانے والے تمام امن معاہدے ردی کی ٹوکری میں گئے اب ایم کیو ایم اور اے این پی کو نزدیک لانے سہرا" کراچی طالبان" کے سر ضرور باندھا جاسکتا ہے کہ آخرکار اے این پی نے اعلانیہ تسلیم کرلیا کہ ایم کیو ایم کراچی کے حوالے سے جن تحفظات کا اظہار گذشتہ کئی سالوں سے کر

رہی تھی وہ درست ہے اور طالبائزیشن اب اتنی مضبوط ہو چکی ہے کہ پیپلز پارٹی ، عوامی نیشنل پارٹی اور متحدہ قومی موومنٹ کو اپنے تمام اختلافات بھلا کر سر جوڑ کر بیٹھنا پڑا۔اے این پی بڑی شد و مد کے ساتھ ہمیشہ کراچی میں ایم کیو ایم کی جانب سے طالبائزیشن کے الزامات کو رد کرتی رہی ہے بلکہ الٹا ایم کیو ایم کو ہی مورد الزام ٹھہرایا کرتی رہی تھی۔ پیپلز پارٹی کی جانب سے ایم کیو ایم کا دوبارہ ہاتھ تھامنا بھی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ان کے سامنے پنجاب سرکٹ ، مکمل نمائش کے لئے موجود ہے لیکن ان کے پاس ایسی کوئی فلم ہی نہیں کہ وہ پنجاب سرکٹ میں لانچ کر سکیں۔ایم کیو ایم اور اے این پی نے پنجاب سے اپنے امیدوار ضرور کھڑے کئے ہیں لیکن پنجاب میں ان کی جڑیں کراچی کی طرح توانا نہیں ہیں ورنہ ایک دو بلاک باسٹر ، اگر نواب شاہ اور حیدرآباد میں ہو سکتے ہیں تو پنجاب میں ضرور کئے جا سکتے ہیں۔شاید ایم کیو ایم کے پروگرام میں کوئی بڑا انتخابی پروگرام پنجاب کے حوالے سے ہو، لیکن اے این پی کے پاس کسی فلم کا ٹوٹا بھی نہیں کہ وہ پنجاب میں دیکھا سکے۔ جبکہ پیپلز پارٹی اپنی ہوم پروڈکشن کے بینر تلے کچھ پروگرام ترتیب دے سکتی ہے لیکن اپنی سابقہ کارکردگی کے سبب پنجاب میں انھیں زندہ" کرنے کے لئے کوئی شہید نہیں مل سکا۔اے این پی کی جانب سے نائن زیرو کا اور" ایم کیو ایم کی جانب سے اے این پی رہنماء کی رہائش گاہ مردان ہاؤس کا دورہ کراچی کی عوام کے لئے ایک جانب حیران کن اور خوشگوار تبدیلی ہے تو دوسری جانب پختون عوام کا غم و غصہ بھی

ہے کہ جب عام انسان کراچی کی سڑکوں پر مارا جارہا تھا تو کراچی میں امن کے لئے ایم کیو ایم کے ساتھ مستحکم اتحاد کیوں نہیں بنایا گیا، اگر یہ کام پہلے کرلیا جاتا اور ایم کیو ایم کی جانب سے کی جانے والی مثبت اقدامات کی پذیرائی کی جاتی تو یقینی طور پر کراچی آج اس قدر بے سکون نہیں ہوتا۔ کراچی میں ایم کیو ایم کے لئے یہ بات تو باعث اطمینان ہے کہ ان کے طالبائزیشن کے موقف کو پی پی پی اور اے این پی نے تسلیم کرلیا ہے لیکن کراچی کی عوام یہ بھی سوچ رہی ہے کہ اے این پی کی جانب سے ایم کیو ایم کی قربت کا مقصد کراچی کی اُن نشستوں پر حمایت حاصل کرنا ہے، جو کبھی ان کی نہیں رہی اور 2008 ءمیں اتفاق سے جیت گئے تھے، چونکہ ایم کیو ایم طالبائزیشن کے حوالے سے کافی سخت موقف رکھتی ہے اس لئے ان سے اس بنیاد پر ووٹ حاصل کئے جائیں کہ اگر اے این پی کامیاب نہیں ہوئی تو پھر "پرو طالبان "جیت جائیں گے، کیونکہ ایم کیو ایم کا ووٹ بنک پختون آبادیوں میں اتنا موثر نہیں کہ وہ نشست نکال سکے اس لئے کراچی میں

طالبائزیشن کے خلاف اے این پی کو درپردہ ووٹ دیکر کامیاب کرایا جائے تاکہ لبرل و سیکولر جماعت مذہبی جماعت کے مقابلے میں کامیاب ہوسکے اور ماضی میں ہونے والی غلطیوں کا ازالہ کیا جاسکے۔ کراچی کے عوامی حلقے اس بات کو بخوبی سمجھ رہے ہیں کہ اے این پی اور پی پی پی کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ انھیں ان کی کراچی نشستوں میں دوبارہ کامیاب ہونے کے لئے ایم کیو ایم سہارا دے۔ کراچی طالبان جتنی شدت سے اے این پی اور ایم کیو ایم کے خلاف

کاروائیاں کریں گے ، دونوں جماعتیں اُسی قدر ایک دوسرے کے نزدیک آئیں گی، جبکہ پیپلز پارٹی اپنے آپ کو نتھی رکھنے کی کوشش کرے گی تاکہ اسے فرار کا محفوظ راستہ مل سکے ۔اگر ایسا نہیں ہے تو پنجاب کے بطن سے پنپنے والی پیپلز پارٹی پنجاب میں بھی مسلم لیگ (ن) اور تحریک انصاف کی طرح جلسے ، جلوس اور ریلیاں نکالے ، اگر خدانخواستہ پنجاب میں ان پر حملہ ہوتا ہے تو پنجاب حکومت کی قلعی کھل جائے گی کہ وہ صرف دو ، تین جماعتوں کو تحفظ دیکر عسکریت پسندوں کی دھمکی کو عملی جامہ پہنا رہی ہے ۔اگر پنجاب میں خیبر پختونخوا کی طرح حالات غیر موافق رہتے ہیں تو پھر کہا جاسکتا ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ لیکن ابھی تک پیپلز پارٹی کی جانب سے کوئی ایسی پلاننگ ہی سامنے نہیں آئی جبکہ وہ کہہ رہی ہے کہ پاکستان میں ان کی جماعت کے لئے انتخابی مہم چلانا ناممکن بنا دیا گیا۔ کراچی میں لیاری کی مخصوص نشستیں اب پیپلز پارٹی کی نہیں رہیں ، بلکہ لیاری امن کمیٹی نے غیر اعلانیہ پیپلز پارٹی کا کراچی سے صفایا کردیا ہے اب پیپلز پارٹی کراچی میں مہم چلائے یا نہ چلائے اس سے ان کے کسی امیدوار کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اس لئے ایم کیو ایم اور اے این پی کے قربتوں میں پیپلز پارٹی نے خود بھی جوت دیا ہے تاکہ واویلا کیا جاسکے کہ ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ الیکشن کے نتائج چرا لئے گئے ہیں۔اصل مسئلہ یہ ہے کہ عسکریت پسند اور کراچی طالبان ان دونوں جماعتوں کو موقع فراہم نہیں کر رہیں کہ اپنی کارکردگی کی بناء پر غصے میں بھری عوام کے

سامنے جاسکیں ۔۔ورنہ اس کا مظاہرہ اگر دیکھنا ہو تو پی ایس 93 میں اے این پی کے امیدوار پر حملے میں عام لوگ اے این پی کی فائرنگ سے شہید اور زخمی ہوئے تو عوام کا غصہ اتنا زیادہ تھا کہ اے این پی کے جھنڈے ، بینرز اتار کر جلا دئے اور گھروں کی دیواروں پر کی گئی چاکنگ مٹا دیں گئیں۔بلکہ میڈیا کے سامنے جاں بحق ہونے والے اور زخمیوں کے اہل خانہ کی جانب سے کہا گیا کہ وہ اس واقعے کی ایف آئی آر اے این پی کے خلاف کٹوائیں گے۔بظاہر اے این پی اور ایم کیو ایم کے درمیان یہ وقتی قربتیں لگتی ہیں ، جو الیکشن کے بعد ختم ہو جائیں گی یا کرادیں جائیں گی ، اگر کراچی میں پائدار امن کے لئے اے این پی سنجیدہ ہے تو پھر اسفندیار ولی خان کو خود اپنے والد کے نقش قدم چلتے ہوئے نائن زیرو آنا ہوگا، جب تک اسفندیار ولی خان خود نائن زیرو نہیں آئیں گے، کراچی میں ان دونوں جماعتوں کے درمیان تمام قربتیں عارضی اور غیر مستحکم ہونگی۔الطاف حسین اور اسفندیار کے درمیان ٹیلی فونک رابطہ خوش آئند ہے لیکن کراچی کی عوام کی نظر میں ان تعلقات کو اُس وقت ہی مضبوطی مل سکتی ہے جب اسفندیار ولی خان خود کراچی میں نائن زیرو تشریف لائیں۔دونوں جماعتوں کو اب طے کرلینا چاہیے کہ سندھ کی سطح پر ان کی مقامی قیادتوں کا باہمی اعتماد انتخابی الائنس کے لئے بڑھا ہے تو ایسے نیچے بھی فوری طور پر منتقل کیا جائے کیونکہ ماضی میں ہمیشہ کامیاب مذاکرات کے بعد ناکامی کی اہم وجہ یہی ہوتی تھی کہ نچلی سطح پر بالا قیادتوں کے مثبت تعلقات کے ثمرات منتقل کرنے

میں پس و پیش سے کام لیا جاتا تھا جس بناء پر کی جانے والی تمام کوششیں ناکام ہوتی رہیں بہرحال کراچی میں امن درکار ہے۔

شیطانی اتحادِ ثلاثہ اور پرو طالبان

پاکستان میں ہونے والی دہشت گردی کے واقعات کے پیچھے خاصہ داروں کا انتخاب ، درست معلومات ، مکمل پلاننگ ، دہشت گردوں کی مہارت میں انتہائی جدت، دہشت پھیلانے اور انسانی جانوں کی قربانی کے لئے نفسیاتی اہداف مقرر کرنا کہ زندگی کے ہر شعبے جات سے وابستہ شخص شدید خوف وہراس کا شکار اور دباؤ میں آجائے کہ متواتر اسی سائے میں رہے۔اس بات کو اچھی طرح تسلیم کرلینا چاہیے کہ ان تمام واقعات میں کسی مقامی جماعت یا تنظیم سے زیادہ بیرونی عناصر اور مکمل تربیت یافتہ ملک دشمن انٹیلی جنس ایجنٹوں کا ہاتھ ہے ، اب ایسے مقامی کہا جائے یا غیر ملکی ، لیکن طے شدہ ہے کہ اس کی وابستگی جہاں اسلام سے نہیں تو دوسری جانب وہ پاکستان سے خیر خواہ بھی نہیں ہیں۔ایسے لوگوں کے نیٹ ورک کسی خاص ایک شہر میں نہیں بلکہ ملک کے طول و عرض میں موجود ہیں اور ایسے نیٹ ورک ہنگامی بنیادوں پر نہیں بلکہ مستقل اور منصوبہ بندی کے ساتھ سالوں سے کام کر رہے ہیں۔ملک دشمن عناصر کے مفاد پر جب بھی ضرب کاری کی تیاری ہوتی ہے تو ان کے ٹاؤٹ اپنے ایجنٹوں کے اشارے پر پہلے سے بنے بنائے پلانز کے ساتھ دہشت گردوں کو میدان میں لے آتے ہیں۔ جنھیں افغانستان، بھارت یا خود ملک میں باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے۔پاکستان

کے داخلی و خارجی معاملات میں امریکی کردار کو کسی بھی طور نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔امریکہ کی ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے کہ پاکستان قلیل ترین معاوضے پر ان کی غلامی کرتا رہے اور اس کا آسان طریقہ یہی ہے کہ پاکستان کو ہمیشہ غیر مستحکم اور بے امن رکھا جائے تاکہ معاشی استحکام میں کمزوری کے باعث پاکستان کبھی اپنے پیروں پر کھڑا نہ ہوسکے۔پاکستان کے حساس ترین اداروں پر حملوں کے مقاصد دنیا کو یہ باور کرانا مقصود رہا کہ پاکستان دنیا کی غیر محفوظ ریاست ہے بلکہ افغانستان سے بھی زیادہ غیر محفوظ۔لازمی مقصد یہی تھا کہ پاکستان میں سرمایہ کاری کا عمل رک جائے اور باقی ماندہ سرمایہ کار اپنا سرمایہ پاکستان سے باہر لے جائیں اور نئے سرمایہ کار پاکستان آنے کا سوچیں بھی نہیں۔پاکستان کی تجارت ، صنعت کو پہلی ترجیح کے طور پر تباہ کردیا اور یہی وہ پہلا اسٹیپ تھا کہ پاکستان کو معاشی طور پر کمزور کرنے کے لئے زمینی نقصان پہنچایا جائے ، جس میں ملک دشمن عناصر مکمل کامیاب ہوچکے ہیں۔پاکستان میں معیشت کا پہیہ رک چکا ہے ، سرمایہ کاری بند ہوچکی ہے اور پاکستان بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے سامنے کچکول لئے پھرتا نظر آتا ہے اور پاکستان کو اپنے مالیاتی اخراجات پورے کرنے کے لئے چار وناچار امریکہ کی جانب رحم کی نظر ڈالنے کے لئے اپیل کی جاتی ہے تو کچھ نہ کچھ پھیلائی ہوئی جھولی ہیں ڈال دیا جاتا ہے لیکن اسکی قیمت پاکستانی عوام کو بڑی بھاری اتارنی پڑتی ہے۔شیطانی اتحاد ثلاثہ میں بھارت ، اسرائیل اور

امریکہ شامل ہیں۔ جن کے گٹھ جوڑ کی وجہ سے پاکستان اپنے تمام وسائل دفاع پر خرچ کرنے پر مجبور ہے۔ ڈیرہ غازی خان میں واقع پاکستان اٹامک انرجی کمیشن پاکستان کی بڑی جوہری تنصیابات میں سے ایک ہے جس کو عسکریت پسندوں کی جانب سے جب پہلی بار سنگین نتائج کی دھمکیاں دیں گئیں تو اس سے مکمل طور پر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستانی دفاع کے خلاف کون سے عناصر کس قدر منظم طریقے سے مصروفِ عمل ہیں۔ پاکستان میں اس طرح کی پہلی سیکورٹی دھمکیعسکریت پسندوں کے اہم لیڈر عبدالغفار قیصرانی کی ہلاکت کے بعد دی گئی تھی جب جنوبی پنجاب کے سربراہ کو پولیس کے ہاتھوں جان سے ہاتھ دھونا پڑے تھے۔ پاکستان اب تک 42000 سے زائد قیمتی جانوں کی قربانی دے چکا ہے، اس جنگ کی وجہ سے جہاں جانی نقصانات نا قابل تلافی ہیں تو دوسری جانب پاکستان سیاسی، معاشرتی اور معاشی عدم استحکام کا شکار بھی ہو چکا ہے۔ دہشت گردی کے اس عذاب سے پاکستانی عوام کو کسی صورت نجات حاصل نہیں ہو رہی اور معیشت کی بحالی کی آخری سانسیں بھی دم توڑتی نظر آ رہی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ دہشت گردی میں ملوث کسی تنظیم یا فرد کا دفاع کرنا دراصل دہشت گردی کا دفاع کرنا ہے۔ جب تک صحیح معنوں میں سزائیں نہیں دیں جاتیں، ان دہشت گردی کے واقعات کو کسی بھی ممکن طریقے سے روکا اور نا کم نہیں بنایا جا سکتا۔ پاک فوج جب بھی جنگجوؤں کے خلاف سخت کاروائی کرنا چاہتی ہے تو ایسے سیاسی مسئلہ بنا کر یہ غلط فہمیاں بھی پھیلائی جاتی رہیں کہ یہ تمام واقعات دراصل ڈرون حملوں کا

رد عمل ہیں جب امریکہ 2014 میں افغانستان سے چلا جائے گا تو پاکستان میں دہشتگردی کے واقعات خود بخود ختم ہو جائیں گے ۔ لیکن اسے تسلیم کرنا آسان نہیں ہے کیونکہ عسکریت پسندوں کا نیٹ ورک بہت پیچیدہ ہے ۔ قبائلی علاقوں میں عسکریت پسندوں کے نیٹ ورک بذات خود ایک پیچیدہ مسئلہ ہے جیسے آسانی سے حل نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے ازبکستان کی اسلامک موومنٹ مرحوم طاہر یولداشیف کی تنظیم ہے جن کے سینکڑوں ازبک اراکین شمالی وزیرستان کے باہر کاروائیاں کر رہے ہیں، جبکہ ایک اور ازبکی حمید اللہ کرغستانی کی علیحدگی پسند تنظیم کے وسطی ایشائی باشندے قبائلی علاقوں سے اپنی کاروائیوں میں مصروف ہیں۔اسی طرح مشرقی ترکستان اسلامک موومنٹ آف یوغور چین کے یوغور ریجن میں ایک اسلامی ریاست کے قیام کے لئے پاکستان کے قبائلی علاقوں میں موجود ہے۔ایک اور ترکش گروپ جو بنیادی طور پر مشرقی ترکی سے تعلق رکھتے ہیں شمالی وزیرستان میں پناہ لیکر اپنے وطن میں ایک اسلامی تحریک کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔پاکستانی طالبان کہلانے والے متعدد گروپ اس کے علاوہ ہیں ۔ اب یہی دیکھنا ہے کہ پاکستان کی سرزمین کو کون سا عنصر کن مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے ۔ اگر امریکہ افغانستان سے چلے جانے کے بعد مقامی تحریک طالبان افغانستان (تحریک اسلامی امارات افغانستان)کے قبضے کا ڈر محسوس کرتا ہے تو دوسری جانب امریکہ مخالف پاکستان عسکریت پسند تنظیم بھی چاہتی ہیں کہ افغانستان میں ان کی پسند کی حکومت قائم ہو ۔پاکستان کی عوام کے لئے دونوں عناصر کی باہمی جنگ و

جدال سے نقصان نا قابل برداشت حد تک بڑھ چکا ہے۔اب سمجھنا اس بات کے لئے ہے کہ پاکستان میں ایسے کون سے گروپس بدامنی پھیلانے میں موجب بن رہے ہیں جو یہ نہیں چاہتے کہ کوئی مستحکم حکومت بنے ، سیاسی عمل مضبوط ہو اور جمہوری ادارے آزاد ہوں۔ امریکہ کے مفادات عسکریت پسندوں سے اگر ہو سکتے ہیں تو کیا یہ سمجھا جائے کہ جس طالبان کے خلاف وہ سات سمندر پار سے آیا، ایسے پکی پکائی روٹی دے دے ، یا پھر یہ سمجھا جائے کہ پاکستانی کچھ ادارے نہیں چاہتے کہ سیاسی عمل مستحکم ہو تاکہ پارلیمانی احکامات پر عمل درآمد کیا جاسکے ، یا پھر پاکستانی عوام پر عسکریت پسندوں کے ساتھ شانہ بہ شانہ غیر ملکی عسکریت پسند تنظیمیں چاہتی ہیں کہ اب پاکستان میں ایسی حکومت آئے جو ان کے مشن کو آگے لے جانے میں مدد فراہم کرے۔یا پھر قوم کے ساتھ وفا نہ کرنے والے جماعتیں اپنی کارکردگی پر پردہ ڈالنے کے لئے ایسا ماحول بنا رہی ہیں جس کا سہارا لیکر وہ مظلوم بن جائیں۔ یقینی طور پر ایسے کئی محرکات ہیں کہ ان پر غور و فکر کی ضرورت ہے کہ اتحاد شیطانی ثلاثہ کو معاونت کا کردار کون ادا کر رہا ہے؟؟۔

پنجاب اسٹیبلشمنٹ پر تحفظات

1893 میں برٹش حکومت کے ساتھ افغانستان کے امیر عبدالرحمٰن اور مورٹیمر ڈیورنڈ نے نے تقسیم افغانستان کے سو سالہ معاہدے پر دستخط کئے۔ یہ معاہدہ تاریخ میں ڈیورنڈ لائن کے نام سے شہرت پایا۔ معاہدے کی رو سے برٹش بلوچستان میں پختون علاقے شامل اور شمال مغربی سرحد علاقے انتظامی طور پر جدا کر دئے گئے جبکہ اس کی مزید تقسیم فاٹا اور پاٹا کے قبائلی علاقے جات بنا کر کردی گئی۔ جہاں فاٹا میں 1901ء کے تحت ایف سی آر کا نفاذ کردیا گیا جو تقسیم ہندوستان بننے کے بعد بھی موجود ہے اور آج تک پاکستانی حکومت کی رٹ وہاں قائم نہیں ہو سکی۔ پشاور کا افغانستان کے شہر ہونے کا دعوی اسی ڈیورنڈ لائن کے معاہدے کی مدت کے خاتمے کے بعد قوم پرستوں کے بنیادی ایجنڈے پر شامل ہے۔ خدائی خدمت گار کی روح رواں خان عبدالغفار خان کی تحریک آزادی کا بنیادی نقطہ بھی یہی ڈیورنڈ لائن کا معاہدہ تھا کہ انگریز ہندوستان سے جانا چاہتا ہے تو جائے لیکن تین جنگوں کی شکست کے بعد جب وہ افغانستان پر تسلط حاصل کرنے میں ناکام رہا اور ایک معاہدے پر عارضی سرحد متعین کرکے انتظامی معالات مخصوص مدت تک کے لئے سنبھالے تو اب استصواب رائے میں ، بھارت یا پاکستان کے علاوہ پختون عوام کی یہ مرضی بھی شامل کی جائے کہ وہ اپنی سابقہ جغرافیائی حیثیت میں واپس جانا چاہتے ہیں کہ نہیں۔ لیکن

کانگریس کی جانب سے دستبرداری کے بعد خدائی خدمت گاروں کا "لر و بر یو افغان" یعنی پختونستان کا خواب پورا نہیں ہو سکا۔چونکہ پختون سرحدی علاقوں کی اہمیت کا اندازہ بین الاقوامی قوتوں کو تھا اس لئے انھیں "ملک" اور پولیٹیکل ایجنٹوں کے ہاتھوں اس قدر کمزور بنا دیا گیا کہ پاکستان کی تشکیل کے بعد بھی انھیں شخصی آزادی نہیں مل سکی۔ارباب اختیار کی جانب سے مسلسل ایسی پالیساں بنائی جاتی رہیں کہ پاک ، افغان سرحد کی عوام سر اٹھانے کے قابل نہ رہے اور اپنے وسائل پر ہمیشہ بے اختیار رہے۔پاکستان مخالف نظریات کے حامل شخصیات کا یہ ماننا ہے کہ ان تمام سازش میں پنجاب اسٹیبلشمنٹ کا سب سے اہم رول ہے۔یہی وجہ ہے کہ نیشلسٹ پختون لیڈروں کی جانب سے پنجاب اسٹیبلشمنٹ کے خلاف شدید نفرت کا اظہار کیا جاتا رہا ہے اور اپنے وسائل پر پنجاب اسٹیبلشمنٹ کے قبضے کے خلاف واحد حل ڈیورنڈ لائن کے معائدے کے مطابق عمل درآمد کے لئے اقوام متحدہ کا پلیٹ فارم تک استعمال کرنے کا عندیہ دیا جاچکا ہے۔افغانستان میں اقوام متحدہ کی موجودگی اور شدت پسندوں کے خلاف کاروائیوں میں پاکستانی حکومت کی جانب سے مطلوبہ نتائج نہ دئے جانے کی صورت میں "مستحکم افغانستان "کے نام پر اپنے علاقے واپس لئے جانے کے لئے پاک افغان جنگ کا خدشہ اور" حق ملکیت " کے لئے بعد از جنگ اقوام متحدہ کی "ثلاثی قرارداد "کے بعد کسی بھی قسم کا غیر متوقع نتیجہ آنے کی صورت میں پاکستانی حکومت اتنی استعداد نہیں رکھتی کہ وہ بین الاقوامی قوتوں کی جنگ برداشت

کر سکے۔یہی صورتحال بلوچستان میں ہے جہاں قبائلی سرداروں کی جانب سے " حقوق بلوچاں " کے لئے جاری جد وجہد آزاد بلوچستان کی تحریک میں تبدیل ہوچکی ہے اور ان کے منشور کے مطابق بلوچستان کی آزادی کے بعد پشتونوں کا حق ہوگا کہ وہ کس کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔کم و بیش کچھ ایسی صورتحال سندھ میں بھی ہے ، جہاں سندھو دیش کی تحریک کو قوم پرست جماعتوں نے سیاسی جماعتوں کی نا اہلیوں کی وجہ سے متحرک کیا ہوا ہے۔ مسلم لیگ (ن) اور سندھ علیحدگی پسندوں کے غیر فطری اتحاد کے علاوہ کچھ حلقے ان خدشات کو ابھارتے ہیں کہ پنجاب اسٹیبلشمنٹ کو اپنی حرکات کی بناء پر خدشہ ہے کہ پختون علاقے جدا نہ ہو جائیں اس لئے صوبہ ہزارہ کا " شوشہ " کھڑا کرکے ، گلگت بلتستان صوبے کی آڑ میں کشمیر تک پنجاب کی سرحد کو محفوظ بنانے حکمت عملی وضع کی گئی ہے۔سندھ قوم پرست جماعت ، یا بلوچستان آزادی کی تحاریک یا خیبر پختونخوا یا قبائلی علاقے جات میں جاری بین الاقوامی مفادات کی جنگ ، ان سب کا یکساں مقصد پاکستان کی وحدت اور یکجہتی کو نقصان پہنچانا ہے۔ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ شودر کوئی قوم نہیں بلکہ کسی قوم کی وہ کمزری اور حماقت ہے جو محکومیت سے غلامی کا باعث بنتی ہے ورنہ ، چندر گپت ، اشک ، کنشک جیسے حکمران شودر تھے ۔برہمن یا آریہ قوم نہیں ، بلکہ طاقت اور دانائی سے بھرپور وہ جوہر ہے جو آزادی سے حاکمیت کا باعث بنتی ہے۔ورنہ انگریزوں کے دور میں ہند کے برہمن اور تاتاریوں کے غلبہ کے وقت اکثر آریہ اقوام شودر سے بدتر مقام حاصل کرچکی

تھیں۔ مقام افسوس یہ ہے کہ کسی بھی حکومت نے محروم طبقے اور علاقوں کے مسائل کو حل کرنے پر توجہ نہیں دی ، بلکہ ان کی تمام تر کوشش اس امر پر رہی کہ کس طرح عوام پر مسلط رہنے کے لئے پالیسیاں مرتب کیں جائیں تاکہ ان میں خوئے غلامی سے آزادی کا ہنر پیدا نہ ہوسکے ، غلام در غلام ، اور غلام در غلام نسل کی آبیاری ہی مراعات یافتہ طبقے کا بنیادی ایجنڈا ہے۔ بداعتمادی ، اور احترامِ انسانیت کے فقدان نے اعتبار کے جذبے کو روند کر رکھ دیا ہے۔ یہ ناقابل یقین تصور ہوگا کہ خدانخواستہ بیرونی جارحیت کے ناپاک قدم پاک سرزمیں پر اترے اور محبِ وطن بلوچی ، سندھی صف اول کے مجاہد نہ بنیں۔ یقینی طور پر پختون بھی اپنی سرشت اور خرود بود و فطرت کے مطابق بیرونی جارحیت کے خلاف کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس کے نزدیک ان کا وطن وہی ہوتا ہے جہاں وہ رہتا ہے ، جیتا و مرتا ہے۔ لیکن حکومت کی جانب سے عوام دشمن پالیسیوں کا تسلسل جاری اور ایسی فضا قائم رکھنے کی کوشش کی جاتی رہے جس میں عوام کا استحصال ہو تو علیحدگی پسند قوتوں کی شر انگیزی کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی، بلوچستان میں اندرونی مداخلت میں بیرونی ہاتھوں کی کارفرمائی سے پیشتر اپنے ہاتھوں سے اپنے لوگوں کا خون صاف کیا جائے۔ سندھ میں چند مفادات کے خاطر ملک کی قسمت داؤ پر لگانے سے گریز کیا جائے جس سے علیحدگی پسندوں کو عوام کی حمایت حاصل ہوجائے مگسی ، بلوچ ، تودرانی پٹھان قومیت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن خود کو سندھ میں رہنے کی وجہ

سے فخر سے سندھی کہتے ہیں اگر پاکستان کی بنیادوں میں لاکھوں انسانوں کا جانوں کی قربانی شامل نہ ہوتی تو ایک کے بعد تمام دیواریں کب کی گر چکی ہوتیں ارباب اختیار ہوش کے ناخن لیں عوام دشمن پالیسیوں کو ترک کر دیں کیونکہ اسی میں مملکت کی بقا شامل ہے۔

کون بنائے گا قائد اعظم کا پاکستان ؟

مملکت میں عام انتخابات کی باتوں پر دل ڈولنے اور شفاف انتخابات کے دعوؤں پر کلیجہ مُنہ کو آنے لگتا ہے۔پاکستان ایسی منفرد مملکت ہے جہاں اقتدار کی منتقلی بارضا و رغبت ممکن کبھی نہیں ہو سکی ہے۔اب بھی" مسلح آئی جے آئی "بنا کر انتخابات کو من پسند بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے ۔ اس کا بھانڈا بھی جلد پھوٹے گا لیکن اصغر خان کیس کی طرح اس کے ملزمان بھی قانون کی گرفت سے بچ جائیں گے ۔ نوابزدہ لیاقت علیخان کے بعد گورنر جنرل ملک غلام محمد ،وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین ، وزیر اعظم محمد علی بوگرا، وزیر اعظم چوہدری محمد علی ، گورنر جنرل اسکندر مرزا وزیر اعظم حسین شہید سہروردی ، وزیر اعظم ابراہیم اسماعیل چندریگر، وزیر اعظم ملک فیروز نون کو مسند اقتدار ملا لیکن قائد اعظم کا پاکستان کوئی بھی نہ بنا سکا۔ 17 سترہ وزراء کے استعفوں کیساتھ صدر اسکندر مرزا نے نون دوزرات کا خاتمہ اور مارشل لاء کا اعلان کرکے پہلی بار جنرل ایوب کی سرکردگی میں مارشل لاء فوجی وزیر اعظم بننے کا اعزاز بھی ایوب خان کو ملا لیکن قائد اعظم کا پاکستان بوٹوں کی زد میں رہا۔ اس وقت کی سپریم کورٹ نے اقدمات درست قرار دیکر عدلیہ کے چہرے پر پہلا انمنٹ بدنما داغ لگا دیا۔ایوب خانی آمریت سے انتقال اقتدار صدر یحیٰی خان کو منتقل ہو گیا نور الامین

وزیراعظم بنے۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد ذوالفقار بھٹو کو ادھر دہم اُدھر تم کے نعرے بعد حکومت دے دی گئی ملک دولخت ہوگیالیکن قائدِ اعظم نہ اِدھر رہے اُدھر۔ بلکہ مسند وزرات پر بیٹھنے والوں وزیر اعظم کا انجام پھانسی اُدھر گولی پر ہوا۔ اللہ میاں کی گائے چوہدری فضل الٰہی نے اپنی صدارت میں شرافت کیساتھ جنرل ضیاالحق کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنادیا اور عدلیہ کے چہرے پر دوسرا بد نما داغ 10 نومبر 1977ء سپریم کورٹ کیجانب سے " نظریہ ضرورت "کی اصطلاح کی ایجاد کیساتھ سجا۔اس بار انتقال اقتدار کا دور طویل رہا اسلام کے نام پر قائدِ اعظم کو جہاد کے نام پر نافذ کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن اوراور جنرل ضیاء طیارہ حادثے میں خود قائدِ اعظم کے خدا کے پاس پہنچ گئے۔ غیر مدافعتی وزیراعظم محمد خان جونیجو زیادہ نہ چل سکے اور آرٹیکل 2/58 B کے تحت اِن کو کابینہ کیساتھ گھر بھیج دیا گیا۔ بینظیر صاحبہ کو دو مرتبہ انتقال اقتدار کا تاج پہنایا گیا لیکن دونوں بار انہی کے صدور نے گھر بھیج دیا نہ بھٹو کا خواب پورا ہوا نہ قائدِ اعظم نوٹوں سے باہر آسکے ۔ نواز شریف بھی دو مرتبہ سہرا اپنے ماتھے پر سجا چکے ہیں لیکن انھیں بھی انہی کے دست راستوں نے رخصت کرا کے جنرل مشرف کو قائدِاعظم کا سب سے پہلے پاکستان بنانے کا موقع ملا لیکن قائدِ اعظم اب بھی انتظار میں تھے کیونکہ سعودیہ جانے والوں نے اگلے وقت کیلئے کراچی میں چھوڑ دیا تھا۔ پرویز کی پاکستان میں ہمیں دہشت گردی کی جنگ میں اربوں ڈالرز کے نقصانات کی صورت میں آج تک مالی اور

جانی نقصان کی صورت میں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ صدر رفیق تارڑ، غلام مصطفیٰ جتوئی، بلخ شیر مزاری، معین قریشی"، ملک معراج خالد، چوہدری شجاعت حسین بھی قائدِ اعظم کا پاکستان نہ بنا سکے۔ صدر زرداری جیسے " مفاہمتی ماہر" کئی سال سے کوشش کر رہے ہیں لیکن جب تک بھٹو زندہ ہے، قائدِ اعظم کا پاکستان نہیں بنا سکتے۔ ا۔اب دوبارہ سب کا دعویٰ ہے ہمیں موقع دے دو ہم قائدِ اعظم کا پاکستان بنا کر رہیں گے۔ باہمی ریشہ دوانیوں، اقتدار کی رسہ کشی، نااہل حکمرانوں کو زبردستی مسلط کرنے کی روایت اور پھر محلاتی سازشوں کے ذریعے پاکستانی حکمران اس قدر تیزی سے تبدیل کئے گئے کہ کسی غریب کے پہننے کا جوڑا بھی پُرانا نہیں ہوتا تھا کہ انتقال اقتدار کے ذریعے " ملکی حکمران" بدل جاتا تھا لیکن قائدِ اعظم نوٹوں پر رنگ ہی بدلنے تک محدود رہے۔ پاکستان ایک طرف سیاست دانوں کی ریشہ دوانیوں سے نہیں نکل سکا تو دوسری جانب انہی سیاست دانوں کی شرمناک غلطیوں کی وجہ سے بار بار ہم پر متعدد جنگیں بھی مسلط ہوئیں، ملک دولخت ہوا اور ڈکٹیٹر گِدھ بن کر " مُردہ عوام" کا گوشت کھاتے رہے۔ مُردہ عوام اس لئے کہ یہی عوام ہی تو ہیں جو کبھی فوجیوں کی بوٹ پر تھرکتے ہوئے رقص کرتے دکھائی دیتے ہیں تو کبھی کوڑے کھا کر تلملاتے ہیں، تو کبھی موروثی سیاست کے جاگیرداروں، وڈیروں، سرمایہ داروں، سرداروں، ملکوں، خوانین اور بیوروکریٹس کو اپنا" مائی باپ "بنا لیتے ہیں، جب یہ بھوکے پیاسے سیاسی درندے عوام کی چیر پھاڑ کرتے ہیں تو یہی عوام، مر گئے،

تباہ ہوگئے ، لوٹ گئے ،کے نعرے بلند کرکے "بیرونی آقاؤں کے غلاموں "کے جوتے صاف کرتے نظر آتے ہیں کہ امریکہ کو کہو ناں کہ ڈرون حملے بند کرے ، بابا ، سائیں چوہدری صاحب ، خانصاحب ہمیں امن دو ناں ، دہشت گردی ختم کراؤ ناں، سائیں بچے، بھوکے ہیں انھیں روزگار دلاؤ ناں ، ڈر لگتا ہے ،ٹارگٹ کلنگ ختم کراؤ ناں، کہیں جا نہیں سکتے اغوا برائے تاوان رکواؤ ناں، بھتہ خوری، جگا ٹیکس پر پابندی لگاؤ ناں، گرمی بہت ہے لوڈ شیڈنگ ختم کراؤ ناں ۔ہم توسب اللہ رسول ﷺ کے ماننے والے ہیں ہمیں مسلک کے نام" شہید "مت کراؤ ناں ، بچے یتیم ہو کر گلی گلی بھیک مانگتے

ہیں۔اصل المیہ یہ ہے کہ موجودہ حکومت جس" بات" پر سب سے زیادہ زور دیتی ہے اُس سے عوام سمجھ جاتی ہے کہ حکومت یہ "کام "نہیں کرے گی ۔ حکومت کہتی ہے کہ امن وامان کی بحالی ،لوڈ شیڈنگ، مہنگائی، گراں فروشی ،بے روزگاری کا خاتمہ، پارلیمنٹ کی بالا دستی ، عدلیہ کے احکامات کی پابندی، آئین کی پاسداری، رشوت ، اغوا برائے تاوان ، بھتہ خوری ، جگا ٹیکس ،پرچی سسٹم ، اقربا پروری کے بجائے میرٹ ، فرقہ پرستی ، لسانیت ،ٹارگٹ کلنگ اور دہشت گردی کا قلع قمع کرنا ، لاپتہ افراد اور بلوچستان کا مسئلہ کے حل ہماری" بنیادی ترجیحات " ہیں ،لیکن ان سب کا دور دور تک نام ونشان نہیں ملتا۔ بلدیاتی انتخابات کراتے ہوئے تمام حکومتوں کی جان نکلتی رہی ۔ شفاف انتخابات کرانے کا حوصلہ کہاں سے لاتے۔ ویسے بھی پاکستان میں تو" اپوزیشن " کا تصور ہی نہیں رہا، جس کا سہرا یقینی طور پر صدر زرداری کو جاتا ہے جنھوں

نے جمہوریت کی تمام اصولوں کو الٹ پلٹ کردیا ہے۔ شدید ترین مخالف کو قریب ترین دوست بنانے میں خصوصی مہارت کا ملکہ حاصل ہے۔یہی وجہ ہے کہ عوام سوچنے پر مجبور اور ڈر لگا ہوا ہے کہ حکومت نے جس جس بات پر زور ڈالا ہے وہ کرنے کے بجائے نہ کرنے پر زیاد قوت صَرف کی ہے۔اس لئے عام انتخابات کے حوالے سے تمام جماعتوں کو تحفظات حاصل ہیں اور اتحادی جماعتوں کے رہنماء تک خود ایک دوسرے سے پوچھتے نظر آتے تھے کہ منظور وسان نے "خواب" دیکھا کہ نہیں ؟۔سچ بات یہ ہے کہ جب سے سیاسی جماعتوں نے عوام کو بے وقوف بنانے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ عوام نے بھی بے وقوف بننے کے تمام ریکارڈ توڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔کیا کبھی کسی نے پوچھا کہ بھائی آپ جو اتنے بڑے بڑے جلسے کر رہے ہو ایسے کون سے خدا ترس لوگ ہیں جو کروڑوں روپے" چندے "کے شکل میں صرف اس لئے دیتے ہیں کہ چند گھنٹے ، مداری ہم سے ٹکٹ ٹکٹ کرکے پوچھتے رہیں، بچہ جو پوچھوں گا، بتلایئے گا۔ جو کہوں کرے گا۔ ہم بھی بندر کی طرح اچھل اچھل کر کہتے ہیں ، بتائیں گے ، جو کہو گے وہ بے سوچ کریں گے ۔ قائداعظم کو پنجابی، سندھی ، اردو ، پشتو، بلوچی ، شیعہ ، سُنی لوگوں کی زبان سمجھ نہیں آتی ۔ پہلے کسی " پاکستانی" کو ڈھونڈو تاکہ وہ انھیں سمجھ کے اور ہاں مشورہ ہے کہ ابھی بھی انتخابات کا مرحلہ باقی ہے کیوں غلام ابن غلام بنتے ہو ؟ نقیبِ انقلاب" بن جاؤ تو سمجھ جاؤ گے۔ ورنہ انتقال اقتدار کے بعد پھر چیخو گے اور پانچ"۔ ، سال تو کیا پچاس چیختے ہی رہو گے لیکن اس چیخنے

دھاڑنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ بس ایک موقع ہے آپکے پاس، گیارہ مئی !! اگر آپ نے قائدِ اعظم کا پاکستان بنانا ہے تو بنالیں گیارہ مئی کو، نئے کپڑے پہنے ہوئے پرانے اُن چہروں کو مسترد کرکے جو صرف نوٹوں پر بنے قائدِ اعظم کو پسند کرتے ہیں۔ قائدِ اعظم کا وہ پاکستان، جو انھوں نے دو قومی نظریئے کے تحت حاصل کیا تھا۔ باقی آپ کی بھی مرضی !!۔۔

پاکستان کو آپ نے اپنے ووٹ سے محفوظ بنایا؟

ذرائع و ابلاغ کے مطابق افغان طالبان کی جانب سے پاکستانی طالبان کو ہدایت ہے کہ 2014ء سے قبل وہ اپنے معاملات نپٹا لے ، اور دوسری جانب 2014ء میں امریکی انخلاء کے بعد افغان حکومت اور پاکستان حکومت کے درمیان معاہدے کے بعد توقع ہے کہ پاکستان اندرونی خطرات کے حوالے سے سخت گیر رویہ اختیار کرے جس کی وجہ سے پاکستانی طالبان کو افغان طالبان کی حمایت نہ ہونے کی وجہ سے شدید پریشانی واقع ہوجائے گی اور ان کے خلاف آپریشن ناگزیر ہوجائے گا اس لئے پاکستانی طالبان بھی چاہتے ہیں کہ انھیں بھی کوئی محفوظ راستہ مل جائے۔ اب ان کے نزدیک کون سا محفوظ راستہ ہے یہ بھی کسی کے سامنے مخفی نہیں رہا ہے۔ گیارہ مئی انتخاب کا دن ہے دیکھنا یہی ہے کہ کون کیسے ، اور کس طرح محفوظ راستہ لیتا یا دیتا ہے۔ پاکستان گذشتہ کئی دہائیوں سے مشکلات کا شکار ہے۔ کبھی ایسے القاعدہ ، تو کبھی طالبان ، حقانی گروپ ، تو کبھی بلیک واٹر ، را ، تو کبھی سی آئی اے کے ملوث ہونے کے امکانات کا مختلف حلقوں کیجانب سے اظہار کیا جاتا رہا ہے۔پاکستان میں ہونے والی تقریبا ہر دہشت گردی کی ذمے داری تحریک طالبان (پاکستان) قبول کرتی رہی ہے تو دوسری جانب افغانستان کی تحریک طالبان اس کی تردید کرتی نظر آتی ہے کہ بے گناہ انسانوں کے قتل اور خود کش حملوں سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ جبکہ القاعدہ امریکی مفادات کے خلاف بڑی سطحوں پر کاروائیوں پر یقین

رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ مغربی میڈیا کی جانب سے کوئٹہ اور کراچی کو کالعدم تنظیموں کے شدت پسندوں کی محفوظ ترین پناہ اور آرام گاہ کے طور پر مسلمہ تصور کرکے کوئٹہ میں طالبان کی مجلس شوری اور کراچی کو فنڈز ریزنگ کے حوالے سے تقسیم کیا گیا ہے۔ کوئٹہ میں طالبان شوری کے موجودگی کی تردید حکومت کی جانب سے متعدد بار کی جاچکی ہے اور ویسے بھی وہاں سب سے اہم مسئلہ فرقہ وارانہ ٹارگٹ کلنگ کے علاوہ لاپتہ کی بازیابی اور بلوچستان کے چند قبائل کا سیکورٹی اداروں کے حد سے تجاوز کرنے پر شدید تحفظات کا ہے جنھیں بتدریج سپریم کورٹ کی ذاتی دلچسپی سے منطقی انجام تک پہنچایا جارہا ہے اور بلوچ قوم پرست رہنماؤں کا اعتماد تاحال عدلیہ سے متزلزل نہیں ہوا اور ہم دعا گو بھی ہیں کہ بلوچستان کی عوام جلد قومی دھارے میں شامل ہوجائے۔ لیکن کراچی کے حوالے سے انٹر نیشنل میڈیا کے متوجہ ہونے کی بنیادی وجوہات میں ایک کالعدم تنظیموں کے کئی اہم رہنماؤں کی گرفتاریاں اور دوسری وجہ حساس اداروں کیجانب سے کراچی کے 28 حساس علاقوں کی نشان دہی، جہاں پولیس داخل نہیں ہوسکتی تو تیسری وجہ کراچی کے مخصوص علاقوں میں وزیرستان، سوات سے تعلق رکھنے والے اہم شخصیات کی اپنے گھروں کے سامنے، محلوں میں ٹارگٹ کلنگ ہے۔ حال ہی میں اسپیشل انوسٹی گیشن یونٹ میں قائم انسدادِ بھتہ خوری سیل کے سربراہ واصف قریشی نے تاجر برادری کیجانب سے 220 شکایات موصول ہونے پر 50 کیسز کو حل کرنے، 100 سے زائد بھتہ خوروں کو گرفتار کرکے پرچیاں، رقم، موبائل فونز اور دیگر سامان برآمد کئے جانے کا دعوی کیا ہے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ کراچی کے کچھ ایسے علاقے ہیں جہاں پولیس فوری کاروائی نہیں کرسکتی اور

حکمت عملی مرتب کرنے کے لئے اعلی حکام کو اعتماد میں لیا جاتا ہے۔انھوں نے یہ انکشاف بھی کیا کہ " بھتہ خوروں کا نیٹ ورک اس قدر منظم ہے کہ تاجروں کو دبئی، ملائیشا اور وزیرستان سے فون کئے جاتے ہیں"۔ جبکہ پولیس ذرائع کے مطابق 2010 سے 2011 تک 40 سے زیادہ ایسے افراد کو گرفتار کیاگیا جو کالعدم تنظیموں کے لئے بنک ڈکیتی کی وارداتوں میں ملوث ہونے کا اعتراف کرچکے ہیں۔ کالعدم تنظیموں کو اپنے مقاصد کے لئے وسائل کی کمی کو دور کرنے کے دو طریقے قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لئے پریشانی کا باعث بنے ہوئے جس میں ایک منظم منصوبہ بندی کے ساتھ بنک ڈکیتی اور پرچی یا فون کے ذریعے بھتہ طلب کرنا۔ جس سے صرف تاجر ہی نہیں بلکہ وزیرستان اور سوات سے تعلق رکھنے والی اہم شخصیات متاثر ہو رہی ہیں۔ جیلوں میں قیدیوں کیجانب سے جرائم کی وارداتوں میں نیٹ ورک کے لئے موبائل فون سے رابطوں کا استعمال اب کوئی نہیں بات نہیں ہے۔جیلوں میں فون جیمر لگانے کی کئی کوششوں کو کبھی سنجیدگی سے نہیں لیاگیا۔وزرات داخلہ کیجانب سے موبائل فون اہم مواقعوں پر بند کرنے کی روش اختیار تو کر لی گئی ہے اگرنیٹ ورک کو سرچ کرنے پر توجہ دی جاتی تو زیادہ بہتر تھا۔تاہم مبینہ اشتہار میں گروہ کے عزائم سے عوام کو آگاہ کرنا پاکستان کی عوام کے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ کئی سالوں سے ایم کیوایم شدت کے ساتھ ایسے عناصر کی متواتر نشان دہی کے باوجود حکومت اور مختلف جماعتوں نے سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کیا لیکن جب انہی جماعتوں کے سرکردہ رہنما، ٹارگٹ کلنگ اور بھتے کی پرچیوں کی زد میں آئے تو پلوں سے پانی گذر چکا تھا اوراب انھیں بہت جلد ایسے خطرات کا سامنا ہے جن کی نشان دہی مقتدر حلقے بہت پہلے

کر چکے تھے ۔ کیاآج پاکستان کی عوام محفوظ ہے ؟ جسکا مشترکہ جواب " نہیں " کی صورت میں ملے گا ۔کیا بھتے کی پرچیاں تاجروں کو انتہا پسند عناصر بھی دے رہے ہیں ؟ ۔ تو اِس کا جواب " ہاں " کی صورت میں ملے گا ، کالعدم تنظیمیں ہیں یا اجرتی قاتل ۔ ڈھکے چھپے نہیں رہے۔سب بخوبی پہچانتے ہیں کہ جو پہلے ہماری صفوں میں مخفی تھے اب باقاعدہ دفاتر میں فیصلے کرتے ہیں۔یقینی طور ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر اسلام بزور طاقت نافذ کیا جا سکتا تو آج پوری دنیا میں صرف مسلمان ہی ہوتے ۔ریاست میں امن صرف سیکورٹی ادارے قائم نہیں کر سکتے، کوئی جنگ عوام کی مدد کے بغیر نہیں جیتی جا سکتی ۔ عوام کو از خود بھی کچھ کرنا ہوگا ۔پاکستان کے منظر نامے میں ایسے انتہا پسند عناصر اپنی جڑیں مضبوط کر چکے ہیں جن کو کاٹنے کے لئے سنجیدہ کوششوں کی ضرورت ہے ، لیکن بد قسمتی سے اب بھی ایسا نہیں ہے ، جس طرح فرقہ وارنہ قتل و غارت کے ساتھ جید علماء و مشائخ کو شہید کیا جارہا ہے وہ ایک بہت بڑے خطرے کی نشاندہی کر رہا ہے ۔ اسی طرح ہزاروں مفرور اور اشتہاری مجرموں کا قانونی گرفت سے بچے رہنا، کراچی کے لئے ہی نہیں بلکہ پورے ملک کے لئے خطرے کی علامت ہے۔ لیکن ایسے جان بوجھ کر نظر انداز کیا جارہا ہے۔پاکستان میں دہشت گردی کے مختلف محاذ کھلے ہوئے ہیں ، انھیں کس طرے تے سے منطقی انجام تک پہنچانا ہے ، اس سے موجودہ حکومت بے بس نظر آتی ہے۔ موجودہ حکومت میں اتنی استعداد کار و قابلیت ہی نہیں ہے کہ وہ ملک کو درپیش مسائل سے کماحقہ نبرد آزما ہوسکے ۔سیاسی جماعتوں کی نا اہلی نے مملکت کو اس بند گلی میں پہنچا دیا ہے کہ عوام کی جان و مال کے تحفظ کے لئے کوئی تیار نہیں ہے۔ ملک میں جمہوریت کا تسلسل

برقرار رہتا تو یقینی طور پر مشکلات کا کوئی حل نکل سکتا تھا، تاہم ماضی کے روایات کے برعکس پہلی بار لولی لنگڑی جمہوریت کے ناتواں جسم میں تھوڑی قوت پیدا ہو رہی ہے تو دوسری جانب اس کمزور قوت کو بھی توڑنے کے لئے پوشیدہ قوت بتدریج اپنے بچھڑے بازوں کو استعمال کر رہی ہے۔مذاکرات کا عمل جب ہی کامیاب ہوگا جب مستحکم حکومت بنے گی۔غیر مستحکم حکومت کے بغیر پاکستان غیر محفوظ ہے۔پاکستان کو محفوظ بنانا ہے تو گھر سے باہر نکلیں اور اپنا فرض ووٹ ڈال کر پورا کریں، کیونکہ آپ جیسے منتخب کیا اسی کے ہاتھ ملک کے بھاگ دوڑ ہوگی۔فیصلہ آپ کے ہاتھ میں رہا کہ پاکستان کو آپ نے اپنے ووٹ سے محفوظ بنایا یا نہیں۔یا پھر یہ کام آپ نے فرشتوں کے لئے چھوڑ دیا تھا۔

"پرانے پاکستان سے انٹرویو"

میرا نام پاکستان ہے۔ میں 14 ، اگست 1947ئ کو دنیا کے نقشے پر معرض الوجود میں آیا۔ میرے بابا، محمد علی جناح تھے ، بہرحال جیسا بھی تھا، جس حال میں بھی تھا اس وقت کے لوگوں نے محسوس کیا کہ اگر انگریز ہندوستان سے چلے گئے تو مسلمان اقلیت میں آجائیں گے اور ہندو اکثریت ان سے اپنے اوپر کئے جانے والی سینکڑوں سالوں کی حکمرانی کا حساب کتاب کرے گی۔ اس لئے علیحدہ ریاست ضروری ہے۔ آخر مسلمانوں نے بھی تو اقلیت میں ہونے کے باوجود اکثریت پر بزور طاقت حکومت کی تھی کہ نہیں ؟ جب مسلمانوں نے حکومت کی تھی اور وہ اکثریت میں بھی نہیں تھے تو اب بھی دنیا کے لاتعداد ایسے ممالک ہیں کہ نہیں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں جہاں وہ اپنی مذہبی رسم و رواج کے ساتھ آزادنہ طرز پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ لیکن مجھے بتاتے ہیں کہ انھیں ہندو¾وں کی بات پر یقین نہیں آتا تھا۔ میرے وجود میں آتے ہی خوشی کے ترانوں کے ساتھ لاکھوں انسانوں کی لاشوں کے ساتھ نوحے بھی پڑھے گئے۔ اب جبکہ ہر طرف مارا ماری، قتل عام ، لوٹ مار، جلاؤ گھیراؤ اور فسادات ہو رہے تھے تو میرے بابا نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو یہ سمجھتا ہے کہ پاکستان کسی مذہبی پیشوایت کی تھیاکریسی کے لئے بنایا گیا ہے تو وہ اپنی غلط فہمی ختم کردے۔

ہندوستان نے تو فوری طور پر جاگیرداروں کی وہ تمام زمینیں قومیائے ملکیت میں لے لی تھی لیکن میرے ساتھ آنے والے نوابوں ، سرداروں ، وڈیروں ، سرداروں ، ملکوں اور خوانین سے کچھ نہیں لیا گیا بلکہ انھیں اور زیادہ نوازا گیا جس کی جہ سے میری غریب عوام بڑی مایوس ہوئی۔اب غریب عوام تو چاہتی تھی مجھے اپنے پیروں پر کھڑا کردے لیکن میری بُری قسمت کہ میرے وزیراعظم نے امریکہ سے قرضہ اور گندم لے لی ، بس اس کے بعد میرا روس بھی دشمن ہوگیا اور ہندستان تو بٹوارے کی وجہ سے ویسے ہی مجھ سے ناراض تھا، میرے ساتھ دینے والے اہل لوگ بھی تو نہیں تھے سب کو کرسیِ اقتدار کی پڑی ہوئی تھی پھر کشمیر پر چھیڑ چھاڑ ہوئی تو ہندوستان نے جوابی کاروائی کرکے مجھ پر حملہ کردیا۔۶۵ء کی جنگ میں مجھے بھی بہت نقصان ہوا امریکہ نے جنگ رکوادی ورنہ مجھ میں تو اتنی سکت نہ تھی کہ سترہ دن بھی مقابلہ کرپاتا کیونکہ میرے دوست ہی کون تھے جو اس جنگ میں میرا ساتھ دیتا، ایران خود کمزور تھا، عرب ممالک میں تو اپنی فوج تھی ہی نہیں ، اسرائیل ان کی جان کو اٹکا ہوا تھا، روس ہمسایہ تھا لیکن میری دوستی سات سمندر پار امریکہ سے کرادی گئی تھی جس کے مفادات مجھ سے زیادہ ہندوستان سے وابستہ تھے کیونکہ تجارتی اعتبار سے تو اب بھی سونے کی چڑیا تھا، ، میرے تعلقات ابھی کہاں کسی سے اچھے ہوئے تھے اسی لئے میں مزید نہیں لڑ سکتا تھا۔ میری بد قسمتی کہ میرے وجود کے ایک حصے کو الگ کردیا گیا۔مجھے طعنہ دیا گیا کہ دیکھا کتنی تکلیف ہوتی ہے جب جسم کے کسی حصے کو کاٹا جاتا ہے، میں اب کیا جواب دیتا۔ خاموش ہوکر تماشہ دیکھنے لگا، کیونکہ زخم بھی تو اپنوں سے لگا تھا میرا خیال تھا کہ اب سب کو نصیحت

آچکی ہوگی اور میرے زخمی جسم پر مرہم رکھنے کی کوشش کریں گے ۔ لیکن ایسا نہیں ہوا ، میرے محافظوں نے نظریہ ضرورت کے تحت مجھے برباد کر دیا اور مجھے غیروں کی جنگ میں بری طرح الجھا دیا ، حالاں کہ کچھ لوگ کہتے رہے کہ پرائے گھر میں پتھر نہ مارو ، آگ نہ لگاؤ لیکن کوئی نہیں سن رہا تھا ، جب نائن الیون کے واقعہ سے میرے باڈی گارڈ گھبرا گئے وہ امریکی دھمکی کا سامنا نہیں کر سکے ، اب خود سوچو کہ اگر ہندوستان امریکہ کے اشارے پر حملہ کر دیتا ، دوسری جانب سے چالیس ممالک کی فوج بھی حملہ کر دیتی تو کیا ہوتا ، بچارا عراق تو ایک جنگی جہاز بھی اڑا نہیں سکا تھا ، افغانستان کو دیکھو ، کہ اس کے پاس جنگی جہاز تک نہیں تھے کہ کروز میزائیل کو روکتے ، جیسے ہم ڈرون میزائیل کو نہیں روک پا رہے ، تو کلسٹر بموں کو کیسے روکتے ، ہمارے پاس تو ایسی ٹیکنالوجی ہی نہیں کہ کوبرا ئیلی کاپٹر کی آنے جانے کی ہمیں خبر ہو پاتی ، کتنا مشکل ہوتا ہے دفاع کرنا ، یہ کوئی آسان کام تو نہیں ہے نہ ، دیکھو اگر آسان کام ہوتا تو بلوچستان میں امن آجاتا ، کراچی میں جرائم پیشہ ٹارگٹ کلرز کو منطقی انجام تک پہنچا دیا جاتا ، جنوبی وزیرستان میں خود کش حملہ آوروں پر قابو پالیا جاتا ، یا کم از کم گوگل پر لیاری کی گینگ وار کے لوگوں کو دیکھنے والے بنوں جیل کے توڑے جانے والے کو دیکھ لیتے ، انھیں پکڑ لیتے ، یا پھر کم از کم اسامہ بن لادن کو ہی میری ناک کے نیچے آرام سے رہنے نہیں دیتے ۔ پہلے مجھے ایشین ٹائیگر بھی کہا جاتا تھا ، اب مجھے سرکس کا ٹائیگر بنا دیا ، جب دیکھو کسی نہ کسی کے اشارے پر میری اٹھک بیٹھک کرائی جاتی ہے ، مجھے تو سچی بات ہے ، کہ اپنی حالت دیکھ کر بڑا رونا آتا ہے

تاریکیوں کی سرزمین بنا دیا گیا، شدت پسندی اور کرپشن کے ناسور نے مجھے ساری دنیا میں رسوا کر دیا ہے۔۔ پتہ نہیں میرے وجود میں پنپنے والے ان ناسوروں کا کب آپریشن کیا جائے گا۔ لیکن کسی کو فرصت کہاں ہے، سب تو انتخابات کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں، سب اقتدار چاہتے ہیں، سب کو مجھ پر حکومت کرنی ہے لیکن میرے لوگوں کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔۔ مجھے بہت دکھ ہوتا ہے لیکن کیا کروں ؟۔ المیوں پر جب ایک قوم بن جاتے تو پھر مجھ پر ظلم کرنے والوں کے خلاف صف آرا کیوں نہیں ہوتے، گھوم گھام کر وہی چہرے حکام بن جاتے ہیں اور خود ان کو بناتے ہو، جب وہ لوٹ مار کرتے ہیں، بیرون ملک سرمایہ لے جاتے ہیں، اپنا سب کچھ غیر ملک منتقل کر دیتے ہیں تو مجھے کیوں بُرا بھلا کہتے ہو کہ ہمیں پاکستان نے کیا دیا۔ اب بھلا میں تمھیں کیا دوں، 65 سالوں سے مجھے کتنا لوٹا جا رہا ہے، میرے ٹکڑے ٹکڑے کئے جا رہے ہیں، کتنی علیحدگی پسندوں کی تحریکیں مجھے زخمی کئے جا رہی ہیں۔فرقہ واریت کی کیسی کسی گھناؤنی سازشیں ہو رہی ہیں، لسانیت کے نام پر شہر خاموشاں میں ماں، بہنوں کی سسکیاں گونج رہی ہیں، بال بال قرض میں جکڑا ہوا ہے، امریکہ ڈرون حملے کرکے عصوم لوگوں کو جلا جلا کر ہلاک کئے جا رہا ہے، ہر ایک خود مختار بنا ہوا ہے دہشت نے میرے گھر میں ڈیرے ڈال دئے ہیں۔ عام انسان کی جان مال محفوظ نہیں،، مجھے کتنا کھوکھلا کر دیا ہے، لیکن آفرین ہے میری بے بس پاکستانی عوام پر، کہ صبر ایوب کا عظیم مظاہرہ کر رہے ہیں۔ کس قدر خاموشی سے اپنے لوٹنے کا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔کیا یہ میری ہمت نہیں ہے کہ اپنے رگ وپے میں ناسوروں کی موجودگی کے باوجود اب تک قائم دائم ہوں۔ سوچتا ہوں کہ ایسا

وقت کب آئے گا کہ میری قوم میں شعور آجائے کہ کہ جو کام لیاقت علی خان نہیں کرسکے ، ہم ان جاگیرداروں ، سرداروں ، صنعت کاروں ، وڈیروں ، ملکوں اور خوانین سمیت ان بیوروکریٹس سے جان چھڑالیں ۔ نہ جانے ایسا کب ایسا وقت آئے گا کہ عوام ان جماعتوں کا خود احتساب کرے کہ پہلے یہ بتاؤ کہ یہ جو جلسہ کر رہے ہو ، اس پر خرچ ہونے والے لاکھوں روپے آئے کہاں سے ؟ ۔ کوئی تو پوچھے کہ کس جماعت نے سال میں کتنے جلسے ، جلوس ، ریلیاں نکالیں اور اس پر کتنی لاگت خرچ ہوئی ؟ ۔ ایک درمیانہ جلسہ بھی پچاس لاکھ روپے کم کی لاگت ے منعقد نہیں ہوتا ، کروڑوں روپے جلسوں پر خرچ کر دئیے جاتے ہیں ، سال کا حساب لگاؤ تو اربوں روپے بن جاتے ہیں ۔ کہاں سے آئے یہ پیسے کون پوچھے گا ۔ میڈیا والوں تم ہی پوچھ لو ، غریب کی قسمت بدلنے کے دعوے دار اور خود کو غریب کا ہمدرد کہنے والی پارٹیاں سال میں کتنے ارب روپے کا جلسے جلوس پر خرچ کرتی ہیں ۔ جس دن میری قوم میں یہ شعور پیدا ہوجائے گا تو کوئی بھی میری جانب میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرات نہیں کرے گا ۔ میری دکھیاری کہانی پر سوچنا ضرور ۔۔ مجھے کچھ ہوا تو بچانے کے لئے کوئی نہیں آئے گا ۔ اگر آپس میں لڑ لڑ کر خود کو اتنا کمزور کرلوگے تو پوری دنیا میں عبرت کا نشان بن جاؤ گے ، پارلیمنٹ ، عدلیہ ، میڈیا سیکورٹی ادارے سب کچھ میرے دم خم سے ہے ، ذرا اتنا سوچ لو کہ ابھی میرا وجود ہے ، تو بھی پاکستانی ہونے کے ناطے گرین پاسپورٹ کی الگ لائن بنادی جاتی ہے ، جب میرا وجود ہ نہیں رہا تو لمحہ بھر سوچو کیا حشر ہوگا ۔ اچھا چلتا ہوں ، دھماکے ہورہے ہیں اپنے فرزندان سے مل لوں ، ذرا انتخابات بھی دیکھ لوں کہ دھماکوں کے سائے میں شفاف

انتخابات کیسے کھلائے جاتے ہیں ، پنجاب کے انتخابات سے میرا نگہبان کون بنتا ہے
۔ویسے میرے فرزندوں میں قوت بہت ہے ان حالات میں بھی ، انتخابات کرادئے
ورنہ ایسا ہوتا کہاں ہے ، ویسے یہ بتاؤ کہ انتخابات کروا کون رہا ہے ، نگران نام کی ،
کوئی حکومت بنائی تو تھی ، لیکن نظر ہی نہیں آئی ۔ خیر چھوڑو ، تم سناؤ ، دھماکوں سے کتنی
بار بچے ؟ ارے معافی چاہتا ہوں میں آپ سے آپ کا نام پوچھنا بھول گیا ۔ چلیں اب پو
چھ لیتے ہیں ۔ السلام علیکم ۔۔ میرا نام پاکستان ہے ۔۔ اور آپ کا ؟؟

پختون قوم کی سیاست بلوغت

پاکستان کے عام انتخابات حسب روایت رہے ، ماسوائے اس تبدیلی کے ساتھ کہ بیس سال قبل مسلم لیگ (ن) نے جاگ پنجابی جاگ کا نعرہ لگایا ، جس کا پھل انھیں پنجاب سے مل گیا اور پنجاب حکومت کے ساتھ وفاق میں بھی حکومت بنانے کی پوزیشن میں آ گئی ۔ پنجابی عوام نے مسلم لیگ (ن) کو نمائندہ جماعت بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر دیا ۔ سندھ میں دیہی علاقوں کی سندھی عوام کی نمائندہ جماعت پیپلز پارٹی اور توقع کے مطابق سندھ شہری علاقوں کی نمائندہ جماعت متحدہ قومی موومنٹ بھی اس بار کامیاب رہی ۔ بلوچستان میں جس قسم کی افراتفری اور انتشار ہے وہ اب بھی قائم رہی اور ہر مکتبہ فکر کو حسب سابق کامیابی ملی ۔ تبدیلی اگر کہیں نظر آئی تو صرف خیبر پختونخوا میں ، جہاں بڑے بڑے برج الٹ دئے گئے ۔ پختون قوم کے حوالے سے یہ بات مسلمہ ہے کہ انھوں نے ہمیشہ کارکردگی کی بنیاد پر ووٹ دئے ہیں ۔ پختون قوم نے ہمیشہ سیاسی بلوغت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ماضی کی روایات کو قائم رکھا اور جس جماعت نے ان کے مسائل حل نہیں کئے انھیں مسند اقتدار سے اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ گزشتہ بیس سال کا ایک عمومی سطح کا جائزہ لیا جائے کہ 1993 میں پی پی پی، 1997 مسلم لیگ (ن)،2002 متحدہ مجلس عمل، 2008 عوامی نیشنل پارٹی اور اب 2013 میں پاکستان تحریک انصاف کی کامیابی نے ثابت کیا

ہے کہ پختون قوم سیاسی بلوغت کی انتہا درجے کی سوچ رکھتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پاکستان کی دوسری سیاسی جماعتوں کی کارکردگی درست نہیں رہی ۔ مسلم لیگ ن) اگرمسلسل پنجاب میں کامیاب ہے تو مخالفین نے اس کی اپنی تئیں وجوہات بھی) بیان کی ہیں ، سندھ میں پی پی پی اور ایم کیو ایم کے درمیاں سندھی بولنے والے سندھی اور اردو بولنے والے سندھیوں کی واضح تفریق کسی سے پوشیدہ نہیں ہے،مذہبی جماعتوں کو اس بار بھی عوام نے مسترد کیا ہے کیونکہ ان کے قول و فعل میں ہمیشہ تضاد رہا، فرقہ واریت یا مسلک کی بنیاد پر ووٹ نہ ملنے کی روایت ، اطمینان بخش ہے کیونکہ یہ صورتحال گروہی تقسیم کی طرح بڑھے گی تو پاکستان میں مذہبی ، مسلکی خانہ جنگیوں کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ ووٹ کے ٹرن آؤٹ کی سب سے اہم وجہ صرف میڈیا ہے جس نے عوام میں شعور پیدا کیا، سوشل میڈیا نے اپر کلاس کے لوگوں کو متحرک کرکے گھروں سے باہر نکالا اور عوامی مسائل میں جن جماعتوں نے عوام کو ریلیف نہیں پہنچایا انھیں سائیڈ میں کر دیا۔ پختون عوام نے تاریخ کی بدترین دہشت گردی کا سامنا کیا۔ لاکھوں افراد کو اپنے ملک میں ہی ہجرت کرنا پڑی، قومیت کے نام پر سیاست کرنے والوں نے پختون قوم کے نام پر ڈالروں سے اپنے ذاتی خزانے بھر لئے، مختلف قومیتوں کو کراچی میں لڑایا، انتہا پسندی کی سپورٹ کی اور جب خود پر یہ عناصر حملہ آور ہوئے تو اختلافات بھلا کر انتخابات کے لئے صلح کرلی ، لیکن جیسے ہی انتخابات میں من پسند نتائج نہیں ملے ، پریس کانفرنس

کرکے الزامات کی بوچھاڑ شروع کردی۔ سندھ یں لسانیت کے نام پر امیدوار کھڑے کئے، پھر کراچی اور حیدرآباد کے علاوہ تمام امیدواروں کو غیر مشروط بیٹھادیا، اگلے دن پھر کراچی اور حیدرآباد سے بھی تین صوبائی اور قومی کے علاوہ تمام نشستوں پر اپنے امیدواروں کو پی پی پی کے حق میں دستبردار کرادیا۔اگر یہی عمل کرنا تھا تو ایم کیو ایم کے لئے بھی کیا جاسکتا تھا، کہ جب نائن زیرو جاکر اپنی غلطیوں کی معافی مانگ رہے تھے اور مستقبل میں آنے والے خطرات کے لئے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر مضبوط اتحاد کے جھوٹے دعوے کئے جارہے تھے، اگراس مرحلے پر کراچی اور حیدرآباد میں اپنے امیدواران کو غیر مشروط بیٹھانا ہی تھا تو ایم کیو ایم کے لئے بیٹھا دیتے، کیونکہ کراچی اور حیدرآباد میں پختون عوام، مہاجروں کے ساتھ رہتی ہے، ماضی میں پیدا ہونے والی کدروتوں کو ختم کرنے کا سنہری موقع تھااس سے باہمی بھائی چارے اور لسانی محاذ آرائی کا بھی خاتمہ ہوتا، لیکن اے این پی نے ایک بار پھر جلد بازی کا مظاہرہ کیا۔تاہم اطمینان بخش عمل یہ ہے کہ کراچی کی پختون عوام بھی خیبر پختونخواکی عوام کی طرح باشعور ہوتی جارہی ہے اور اپنا اچھابُرا سمجھنے لگی ہے۔اس لئے موجودہ انتخابات اے این پی کے لئے خیبر پختونخوا کی طرح نوشتہ دیوارثابت ہوئے۔لاکھوں سلام ہے پختون عوام پر، کہ اتنے نامساعد حالات میں بھی گھروں سے باہر نکلے ،اور طویل لائنوں میں گھنٹوں کھڑے ہوکراس ڈرکے باوجود ووٹ ڈالاکہ کسی وقت بھی دھماکہ ہوسکتا ہے۔سوات کے

عظیم پختونوں کو سرخ سلام کہ انھوں نے اپنی عظمت کو ثابت کیا کہ پختون ایک بہادر قوم ہے اور حالات چاہیے کتنے بھی ناسازگار ہو جائیں انھیں کوئی خوفزدہ نہیں کر سکتا ۔سلام ہے اُن خواتین پر جنھوں نے بڑھ چڑھ کر ووٹ ڈالے ،پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ایسے علاقوں سے ووٹ ڈالے گئے جہاں کی خواتین کو علم ہی نہیں تھا کہ ووٹ کیسے ڈالا جاتا ، یہاں تک کہ انھیں سمجھانے کے لئے پرائیڈنگ آفیسر کو بھی مشکلات کا سامنا تھا تو امیدواروں کو بھی ، اس لئے سیاسی جماعتوں کی خواتیں پولنگ ایجنٹوں نے اپنے من پسند امیدوار کے لئے بیلٹ پیپر پولنگ اسٹیشن سے باہر لے جاکر خواتیں ووٹرز کو بھی دکھائے کہ ووٹ کہاں اور کیسے دینا ہے۔ پختونوں نے ایک تاریخ رقم کر دی ہے۔بلکہ پختون تو ہمیشہ تاریخ رقم کرتے ہیں ۔اسی لئے تو امریکہ اور اس کے اتحادی ان کی قوت ،اتحاد اور سیاسی بلوغت سے خائف رہتے ہیں ۔افغانستان ہو یا پاکستان یا دنیا کا کوئی بھی خطہ ، پختون اپنی روایات کا امین رہا ہے ۔اس موقع پر پنجاب کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ (ن) سے بھی یہی اپیل ہے کہ دیگر صوبوں کی عوام کو ماضی کی طرح تنہا کرنے کے بجائے یکساں سلوک رکھے ، تحریک انصاف متوقع طور پر خیبر پختونخوا میں حکومت بنانے جا رہی ہے ان سے بھی یہی درخواست ہے کہ وہ پختون قوم کو مایوس نہ کریں اگر انھوں نے بھی وہی رویہ اپنایا جو ماضی میں دوسری جماعتیں اپناتی رہی ہیں تو پھر ان کا حشر بھی یاد رکھے ، سندھ میں ایم کیو ایم کی واضح برتری بھی ظاہر کر رہی ہے کہ سندھ حکومت ان کی

جھولی میں ایک بار پھر آ رہی ہے۔اس موقع پر ان سے بھی دردمندانہ اپیل ہے کہ پختون قوم کو محبت دیں ان کے مسائل بھی حل کریں، پوری دنیا میں سب سے زیادہ سے پختون کراچی میں ہیں، جہاں ہر قبیلے اور ذات سے تعلق رکھنے والا پختون رہتا ہے جو مقامی بھی ہے اور غیر مقامی بھی، ماضی میں اے این پی ہمیشہ کراچی کے لاکھوں، پختونوں کو موچی اور نائی سے زیادہ نہیں سمجھتی تھی۔ایسا نہیں ہے یہاں ہر قبیلے کا چھوٹا، بڑا اور ہر ذات کا امیر و غریب، جاہل اور پڑھا لکھا، مزدور اور کاروباری طبقہ رہتا ہے۔انھیں اپنے قریب کریں اور ماضی کی سازشوں کو ناکام بنادیں۔پختون قوم اپنی سیاسی بلوغت کے حوالے سے ناقابل شکست قوم ہے، انھیں دیوار سے کوئی نہیں لگا سکتا ۔امید ہے کہ تمام صوبوں کی نمائندہ جماعتیں اپنی عوام کے ساتھ برابری کے ساتھ سلوک رواں رکھے گی۔لسانیت کے بجائے امت واحدہ اور پاکستانی قومیت کے فروغ کے لئے کوششیں کریں گی۔ایک نئے اور بہتر پاکستان کے لئے ضروری ہے کہ ہم سب ایک دوسرے کا مینڈیٹ تسلیم کریں۔ذاتی مفادات کے بجائے قومی مفاد کو ترجیح دیں ۔خیبر پختونخوا کی عوام ایک عظیم مثال اور مشعل راہ ہے جس پر چل کر ہی نیا پاکستان کامیاب ہوگا۔دنیا بھر میں رہنے والی پختون قوم صرف محبت اور احسن سلوک کی متقاضی ہوتی ہے۔انھیں پیار سے اپنا بنالو، دیکھ لو کہ بم دھماکے انھیں خوفزدہ نہیں کرسکے تو کسی کی سازشیں کیا کریں گی۔پیار سے جہنم بھی جانے کو تیار ہیں، طاقت سے کوئی جنت بھی نہیں لے جاسکتا۔

پاکستان کے بعد افغانستانی انتخابات

افغانستان میں صدارتی انتخابات کے حوالے سے جب افغان الیکشن کمیشن نے اعلان کیا تو پاکستان سمیت پوری دنیا کی توجہ اس اعلان پر ششدر ہو گئیں کہ صدارتی انتخابات میں مزاحمت کار سمیت طالبان بھی حصہ لے سکتے ہیں۔افغانستان کے آزاد انتخابی کمیشن کے سربراہ فاضل احمد مناوی کے اس اعلان کو ماہرین کیجانب سے بڑا معمہ خیز موضوع قرار دیا جارہا ہے۔ماہرین کے مطابق افغانستان کے صدارتی انتخابات کے لئے ماہ اپریل 2014ء کی پانچ تاریخ سے زیادہ اس بات کو اہمیت دی جارہی ہے کہ امریکہ اگر بادل نخواستہ افغانستان سے واقعی جانا چاہتا ہے اور غیر ملکی افواج کا انخلاء اگست یا ستمبر 2014ء میں متوقع ہے تو اس کا مطلب واضح ہے کہ اگر 5 اپریل 2014ء میں افغان صدر کا انتخاب پہلے مرحلے میں ممکن نہیں ہوسکا تو پھر 22 مئی 2014ء کو منعقد دوسرے مرحلے کی نگرانی بھی امریکہ اور نیٹو افواج ہی کریں گی۔افغانستان کے صدر اول فہیم مارشل نے کچھ عرصہ قبل انتخاب کے حوالے سے اپنے تحفظات کا اظہار کیا تھا جس کے مطابق انتخاب کے انعقاد کو ناممکن قرار دیتے ہوئے ہنگامی حالات کے نفاذ کا خدشہ ظاہر کیا گیا تھا۔ ولوسی جرگہ کے رکن سید اسحاق گیلانی کے مطابق ایسا اگر کیا گیا تو اس سے حالات کافی بگڑ سکتے

ہیں۔اس بیان کے پس منظر میں۔برطانیہ کے وزیر دفاع کے اس اعتراف کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے جس میں انھوں نے تسلیم کیا کہ افغانستان کی بیشتر زمین پر مرکزی حکومت کی عملداری نہیں ہے۔گیارہ سال افغانستان کی سرزمین میں رہنے کے باوجود امریکہ اور نیٹو ممالک کے اتحادی افواج افغانستان پر مکمل مرکزی حکومت کی قیام اور امن قائم میں ناکام رہی اور امریکی صدر کی جانب سے اسامہ کی ہلاکت کا کریڈٹ حاصل کرکے ووٹ مانگنا بذات خود شرمندگی کا اقرار نامہ ہے کہ جس اسامہ کی تلاش کے لئے افغانستان میں مہم جوئی کی گئی اس سے امریکہ سمیت نیٹو ممالک کو اربوں ڈالرز کا نقصان اٹھانا پڑا اور اسامہ کے بجائے اب انھیں ہزاروں ایسے شدت پسندوں کا سامنا ہے جو اپنی سرزمین کی حفاظت کے لئے امریکہ کے خلاف جنگ کر رہے ہیں ۔امریکہ اور نیٹو کی جانب سے مہم جوئی کی ناکامی کا سب سے بڑا اور کیا ثبوت ہوگا کہ ان کے الیکشن کمیشن نے مزاحمت کاروں اور طالبان کو بھی صدارتی انتخابات میں حصہ لینے کی دعوت دیکر ان کی حیثیت کو تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن دوسری جانب افغانستان کے موجودہ حالات ایسے نہیں ہیں کہ صدارتی انتخابات بلا خوف وخطر منعقد ہو سکیں اس کے باوجود تحریک طالبان افغانستان نے سیاسی دفتر کے قیام سے غیر ملکی افواج کو یقینی دہانی کی کوشش کی ہے کہ غیر املکی کے انخلا کے بعد افغانستان کا سیاسی نقشہ ماضی کے مقابلے میں مفاہمانہ ہوگا۔ نیز اس عمل کو کچھ حلقوں کی جانب سے حامد کرزئی کی ایک نئی سیاسی چال کے طور پر بھی لیا جارہا ہے کہ کیونکہ وہ

تیسری بار صدر منتخب نہیں ہو سکتے اس لئے کسی ہنگامی حالات کی کیفیت پیدا کرکے اپنی حکمرانی کو مزید طوال دینا چاہ سکتے ہیں لیکن ایسا کرنا افغانستان کے لئے ہی نہیں بلکہ اس کے پڑوسی مہالک کے لئے بھی مناسب نہیں ہوگا کیونکہ اس سے پیشتر اس بات کو مان لیا گیا کہ افغان معاشرہ کیچڑ اچھالنے جانے کے بہت خلاف ہو چکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر امریکہ اپنی افرادی قوت اور مالی پریشانیوں کے بعد باعزت طرے قے سے واپس جانا چاہتا ہے تو اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ افغانستان کی زمیں پر اپنے تسلط کا جلد از جلد خاتمہ کرسکے ۔اور افغانستان جدید جمہوریت کے دور میں داخل ہو کر اپنی ماضی کی غلطیوں کو دوہرانے کے بجائے افغانستان کے انفراسٹرکچر کی بحالی پر توجہ دے ۔یہی وجہ ہے کہ کچھ ماہ قبل طالبان کے ایک اعلی رہنماء قاری دین محمد حنیف اس بات کا اقرار کیا تھا کہ انھیں ایسے اشارے ملے ہیں جن کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ امریکہ اور طالبان کے درمیان مذاکرات بحال ہو سکتے ہیں۔افغانستان سے تعلق رکھنے والے سابقہ طالبان حکومت کے منصوبہ بندی لے وزیر رہ چکے ہیں انھیں طالبان کی سیاسی کمیٹی میں بھی اہم حیثیت حاصل رہی ہے۔ اس بات کا انکشاف قطر میں مقیم جاپان میں منعقدہ کانفرنس کے دوران طالبان کے نمائندے کے طور پر پیش کردہ مقالے میں کیا گیا۔ قاری دین محمد حنیف نے مذاکرات کے حوالے سے پیش رفت میں رکاؤٹ کی بنیادی وجہ قیدیوں کی رہائی کے مطالبات تھے ۔ حالیہ القاعدہ کے لیڈر ایمن الظوہری کی جانب سے بھی غیر ملکی افراد کے اغوا کرنے

کی ترغیب کا مقصد یہی رہا ہے تاکہ امریکہ کی قید میں اہم طالبان رہنماؤں کو آزاد کرایا جاسکے۔ گو کہ بعض اطلاعات کے مطابق طالبان کے کچھ قیدی چند امریکیوں کے بدلے خیر سگالی کے طور پر باہمی تبادلے کی صورت میں آزاد ہوئے تاہم امریکہ کی جانب سے افغانستان کے مستقل حل کی سنجیدگی میں ناکامی کا بنیادی سبب نیت کا فتور قرار دیا جاتا ہے۔جبکہ طالبان کی جانب سے 2014ء میں غیر ملکی افواج کے انخلاء کو بڑی گہری سے نظر دیکھا جارہا ہے کیونکہ افغانستان میں جاری جنگ کی سب اہم اور بڑی بنیادی وجہ غیر ملکی افواج کا افغانستان کی سرزمیں پر قبضہ ہے۔بظاہر پاکستان، امریکہ اور افغانستان کے وزرائے خارجہ پر مشتمل سہ فریقی گروپ کا یہ ماننا رہا ہے کہ افغانستان میں جاری مفاہمتی عمل میں تیزی لانے کے لئے طالبان سے مختلف ذرائع کی مدد سے روابط بڑھانے کی ضرورت اور انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔اس بات کا اظہار ٹوکیو میں 8 جولائی 2012ء میں کور گروپ نے افغانستان کی امداد کے لئے منعقدہ کانفرنس کے موقع پر ملاقات کے بعد جاری ہونے والے ایک مشترکہ بیان میں کیا تھا۔ملاقات میں امریکی وزیر خارجہ ہیلری کلنٹن، پاکستان میں ان کی ہم منصب حنا ربانی کھر اور افغانستان کے زلمے رسول نے افغان حکومت کے خلاف مسلح مزاحمت کرنے والوں سے اپیل کی کہ وہ تشدد کا راستہ چھوڑ کر مذاکرات کا آغاز کریں۔اس کے علاوہ خاص بات یہ بھی تھی کی اس بات میں اتفاق رائے پایا گیا کہ اس بات کا فیصلہ کرنا افغان عوام کو کرنا ہے کہ وہ اکھٹے کیسے رہ سکتے

ہیں۔ان کے ملک کا مستقبل کیسا ہوگا ؟ اور ان کے ملک کا خطے اور باقی دنیا میں کردار کیا ہوگا ۔ گو کہ تحریک طالبان افغانستان نے سیاسی دفتر کے قیام اور مفاہمت کے لئے واحد افشاچینل کا راستہ امریکہ اور اُس کے اتحادیوں کے سامنے رکھ دیا ہے لیکن اس سے قبل افغانستان کی ایک اہم سیاسی جماعت حزب اسلامی نے آئندہ پارلیمانی اور صدارتی انتخابات میں بھرپور حصہ لینے کا اعلان کردیا ہے بعض سیاسی تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ حزب اسلامی طالبان کا زور توڑنے کے لئے قومی لشکر کے ذریعے طالبان کے خلاف نبر آزما ہے اس لئے حکمت یار کی قیادت میں کام کرنے والی حزب اسلامی ایک جانب کرزئی اور امریکیوں سے کئی بار مذاکرات کرچکی ہے بلکہ خود بھی کئی صوبوں میں مسلح جدو جہد بھی کر رہی ہے۔ عبدالہادی کی قیادت میں حزب اسلامی کو ذرائع کے مطابق سیاسی طور پر کافی مضبوط بنا لیا گیا ہے ۔افغانستان کے سابقہ انتخابات کافی متنازعہ رہے اور الیکشن کے حوالے سے اس بار کے انتخابات کافی اہمیت کے علاوہ افغانستان کے حوالے سے جاری کردہ رپورٹس کے مطابق 2014ء میں نیٹو افواج کے بعد افغان حکومت میں انتشار اور ملک میں خانہ جنگی لا شدید خطرہ موجود ہے ۔ حالاں کہ افغان صدر کے نائب ترجمان حامد علمی کہہ چکے ہیں کہ اگر بین الاقوامی برادری مستقبل میں حمایت اور وعدے پورے کرتی ہے تو 2014ء کے بعد غیر ملکی افواج کے انخلاء سے کو ئی فرق نہیں پڑے گا ہمیں امریکی انتخابات کے نتائج سے زیادہ افغانستان میں اپنا سیاسی کردار بڑھانے

کی ضرورت ہے کیونکہ روس اور امریکہ کی جنگ میں بہت نقصان اٹھا چکے ہیں ۔ اس سلسلے کو اب رک جانا چاہیے کیونکہ اب پاکستان مکمل غیر محفوظ ہوچکا ہے۔ پاکستان کی سلامتی اور بقاء کا دارومدار پر امن افغانستان سے وابستہ ہے۔ پاکستان میں مذہبی انتہا پسندی اپنے عروج پر ہے اگر افغانستان کے مسئلے کا حل مدبرانہ طریقے سے نکالنے میں ماضی کی غلطیوں کا اعادہ کیا گیا تو یقینی طور پر شمال مغرب سرحدیں کبھی بھی محفوظ نہیں رہیں گی ۔ بھارت کی جانب سے افغانستان میں اپنا سیاسی اثر رسوخ بڑھانے کا مقصد یہی ہے کہ باآلاخر بین الاقوامی برادری پاکستان کو ٹشو پیپر کی طرح استعمال کرکے اندرونی معاملات میں الجھادی گی اس لئے ذرا توجہ افغانستان پر بھی مرکوز کرلیں ۔

"مولانا عبدالکلام آزاد کا" مفروضہ پچھتاوا

مولانا عبدالکلام آزاد سے منسوب مشہور و معروف پیش گوئی یاد آنے لگی جس میں مولانا عبدالکلام آزاد کا کہنا تھا کہ "بھارت کے جو مسلمان پاکستان چاہتے ہیں انہیں بہت جلد پچھتاوے کا احساس ہوگا کیونکہ وہاں ایسے گروپ ہیں، جو طاقتور ہیں اور وہ "مہاجرین" کو اپنے تسلط سے زیر کریں گے"۔ پھر مجھے تقسیم ہندیا تخلیق پاکستان کے اس حساس اور انتہائی اہم موضوع پر خان عبدالغفار خان کی مخالفت بھی یاد آنے لگی جو پاکستان کے مخالف اور ایسے مسلمانوں کا بٹوارہ سمجھتے تھے، ابھی یہ سوچ رہا تھا کہ جماعت اسلامی اور ان علماء ہند کے نظریات بھی میرے سامنے دوڑنے لگے جنھوں نے پاکستان کے قیام کی شدید مخالفت کی تھی۔ میں سوچنے لگا کہ کیا آج برصغیر کی تاریخ میں پاکستان کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ اس اثرات و مضمرات کی فصلیں اب بھی کاٹی جارہی ہوں لیکن یہ صرف میری سوچ ہے دعا ہے کہ اس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہ ہو۔ لیکن بالآخر انسان ہوں سوچ و فکر سے آزاد کیسے ہو سکتا ہوں جبکہ قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو تمام ذی حیات سے بد تر قرار دیا گیا ہو جو عقل و فکر سے کام نہ لیتے ہوں، سابق وزیر خارجہ بھارت جسونت سنگھ نے "جناح، بھارت، بٹوارہ اور آزادی" کے عنوان سے لکھی کتاب میں

محمد علی جناح اور جواہر لال نہرو کی سیاسی شخصیات کے تجزیے کے تقابل میں جب اپنے تئیں یہ نظریہ اجاگر کرنے کی کوشش کہ ©" قائدِ اعظم تقسیم ہند کے ذمے دار نہیں بلکہ یہ سب پنڈت نہرو کی کارستانی ہے۔" صاحب کتاب نے عام ہندو مورخین سے ہٹ کر "جناح کو سیکولر آدرشوں اور جمہوری روایات کا علمبردار ہی قرار نہیں دیا بلکہ معاہدہ لکھنو کی بنیاد پر انہیں ہندو مسلم ایکتا کا روح رواں بھی جتلایا۔" تمام مباحث سے قطع نظر جب میں نے مشرقی پاکستان میں ہونے والی ناانصافیوں اور ان کی احساس محرومیوں کے نتیجے میں بنگلہ دیش کے قیام کا سوچا تو احساس ہوا کہ اگر بھارتی بنگال کے مہاجر، پاکستانی بنگال میں ہجرت کر گئے اور آج بھی ایک ساتھ رہ رہے ہیں تو مولانا عبدالکلام آزاد کا" مفروضہ پچھتاوا" تو حقیقت پسندانہ نہیں ہوا۔ لیکن " بہار " سے آنے والے ان مہاجرین کے ساتھ بدتر سلوک جب دونوں ممالک (پاکستان اور بنگلہ دیش) کی جانب سے روا رکھا گیا اور انھیں قبول کرنے سے انکار کیا گیا تو خیال ضرور آیا کہ بہاری مہاجرین یہ ضرور سوچتے ہونگے کہ ان کا قصور کیا تھا جو انھیں صرف زبان کی بنیاد پر بنگلہ دیش قبول نہیں کرتا اور پاکستان کا رویہ بھی ان کے ساتھ سوتیلوں جیسا ہے کہ آج بھی لاکھوں مہاجرین بنگلہ دیش کی سرزمین پر پاکستان کی جانب سے قبول کئے جانے کے انتظار میں اپنی نسل کی تیسری پیڑی میں داخل ہوچکے ہیں۔پاکستان میں جب پنجاب کو دیکھا تو وہاں بھارتی پنجاب سے آنے والے پنجابیوں کو پاکستانی پنجابی تسلیم کرلیا گیا لیکن جب سندھ میں

نظر دوڑائی تو سندھ میں آنے والے مہاجر، سندھی تسلیم نہیں کئے گئے اور ایسا لگا جیسے مولانا عبدالکلام آزاد شائد" سندھ میں آباد مہاجروں "کے بارے میں پیش گوئی کر رہے تھے۔طاقت کے زور پر کمزور طبقے کو زیر نگیں کرنے کا عمل میری سوچ سے بڑھ کر ثابت ہونے لگا جب میں نے جنوبی پنجاب میں سرائیکیوں اور خیبر پختون خوا میں ہزارہ وال، سواتیوں، بلوچستان میں بلوچ، پشتون، سندھ میں اردو بولنے والوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں اور احساس محرومیوں کی لمبی فہرست میری نظروں کے سامنے دوڑنے لگی۔ابھی میں خیالات کے جنگلات سے گذرنے کا راستہ تلاش کر رہا تھا کہ مجھے ایسا لگا جیسے میں بھی تو مہاجر ہی ہوں جیسے سوچی سمجھی لسانیت کی سازش کے تحت دیوار سے لگا کر قوموں کو آپس میں لڑایا جا رہا ہے۔ میں پشتو بولنے والا مہاجر ہوں جو افغانستان سے سرد جنگ کے بعد پاکستان آیا۔ میں خیبر پختو خوا سے آنے والا مہاجر ہوں جو اپنے رزق کے حصول کے لئے اپنے جنت نظیر علاقے چھوڑ کر تپتے ، جھلتے میدانوں میں محنت مزدوری کے لئے آیا اور پھر یہاں ہی کا ہو رہا۔ شائد مولانا عبدالکلام آزاد ہمارے بارے میں ہی کہہ رہے تھے کہ " ہمیں طاقت سے سازش سے دبایا جائے گا۔" لیکن ایسا ابھی تو نہیں ہے کیونکہ من الحیث القوم ہم سب ساتھ ساتھ ہیں۔ کیونکہ مہنگائی کے خلاف ہم آواز نہیں اٹھاتے ، لوڈ شیڈنگ کے خلاف ہماری زبان خاموش ہے،اٹھانوے فیصد محروم طبقہ دو فیصد حکمرانوں کے تسلط سے آزادی نہیں چاہتا ۔ وسائل پر قبضہ دو فیصد مراعات یافتہ طبقے کا ہے

اور ہم ظلم سہنے کے لئے باہمی اتفاق کا عملی مظاہرہ کر رہے ہیں۔ ہم خود کو دیکھنے کے بجائے دوسرے کی جانب متوجہ ہیں۔ کیا یہ سب باتیں ہمارے اتفاق و اتحاد کا مظہر نہیں ہیں کہ ہم ظلم سہنے کے لئے ایک قوم ہیں۔ اور ہجرت کرنے کے لئے ایک بار پھر" مہاجر" بننا چاہ رہے ہیں۔ میری نظروں کے سامنے کراچی کا وہ منظر بھی ہے جب اس کی آبادی محض دو لاکھ تھی اور اس کا رقبہ اتنا تھا کہ ہاتھ پھیلا کر سمجھانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی اب حد نظر صرف کراچی ہے۔ بلند بالا منزلیں، کاروباری مراکز، کشادہ سڑکیں، فلائی اوور کا جال، بے ہنگام ٹریفک، بے شمار آبادیاں، مختلف النسل قومیتیں، غرض یہ ہے کہ کراچی تو اب پاکستان ہے پھر ایسا کیا ہے جس نے مجھے اس قدر الجھا دیا ہے کہ میں امت واحدہ کے بجائے کچھ اور ہوں۔ قائد اعظم کا پاکستان کچھ اور تھا یا جسونت سنگھ کا کہنا درست ہے کہ یہ سب کچھ جواہر لال نہرو کی کارستانی ہے جیسے آج کل پاکستان سے علیحدگی پسندوں کی خواہش ہے کہ کٹا پھٹا جیسا بھی ملے لیکن انھیں آزاد مملکت مل جائے۔ ابھی تک تو ہمارے دانشور، مورخ طے ہی نہیں کرپائے کہ قائد اعظم پاکستان کو اسلامی مملکت بنانا چاہتے تھے کہ سیکولر اسٹیٹ ؟۔۔ میں اس دور میں واپس جا کر قائد اعظم سے ضرور پوچھنا چاہتا ہوں کہ بانیان پاکستان کے ساتھ اس وقت جو نا انصافیاں ہو رہی ہیں کیا آپ کے کھوٹے سکے ایک بنگلہ دیش بنا کر خوش نہیں ہوئے ؟ ۔ مجھے پھر یکدم یاد آیا وہ قرار داد پاکستان جس کے پیش کردہ بنگال کے وزیر اعلی مولوی فضل الحق تھے۔ قرارداد

میں کہا گیا کہ " ان علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی عددی اکثریت ہے جیسے کہ ہندوستان کے شمال مغربی اور شمال مشرقی علاقے ، انھیں یکجا کرکے " آزاد مملکتیں " قائم کی جائیں جن میں شامل یونٹوں کو خود مختاری اور حاکیت اعلی حاصل ہو"۔07اپریل 1946 دلی کنونشن میں جب مسلم لیگ کی جانب سے ترمیم کی گئی تو اس قرارداد میں پاکستان میں شامل کیۓ جانے والے علاقوں کی نشاندہی میں شمال مشرق میں بنگال اور آسام اور شمال مغرب میں پنجاب، سرحد، سندھ، بلوچستان کو تو شامل کیا گیا لیکن کشمیر کا ذکر نہیں تھا حالاں کہ شمال مغرب میں مسلم اکثریت والا علاقہ تھا اور پنجاب سے جڑا ہوا تھا۔ یہ بات انتہائی اہم ہے کہ دلی کنونشن کی اس قرارداد میں "آزاد مملکتوں "کا ذکر یکسر حذف کردیا گیا تھا جو قرار داد لاہور میں بہت واضح تھا۔تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ " قرار دادلاہور" کا اصل مسودہ اس زمانہ کے پنجاب کے یونینسٹ وزیر اعلی سر سکندر حیات خان نے تیار کیا تھا، یونینسٹ پارٹی اس زمانے میں مسلم لیگ میں ضم ہو گئی تھی اور سر سکندر حیات مسلم لیگ پنجاب کے صدر تھے۔1946کے دلی کنونشن میں " پاکستان "کے مطالبہ کی قرارداد حسین شہید سہروردی نے پیش کی اور یوپی کے مسلم لیگی رہنما چوہدری خلیق الزماں نے اس کی تائید کی ، قرار داد پیش کرنے والے مولوی فضل الحق اس کنونشن میں شریک نہیں ہوئے کیونکہ انھیں " سن 1941 میں مسلم لیگ سے خارج کردیا گیا تھا"۔اب میرے سمجھنے کے لئے پریشان کن بات یہ تھی کہ قرار داد لاہور تو واحد مملکت کے بجائے دو مختلف

مملکتوں کا تصور دے رہی ہے۔ کیا اس تصور کے تحت ہی بنگلہ دیش کے وجود کو پروان چڑھانے کے لئے قیام پاکستان سے سازش پر عمل شروع کردیا گیا اور کیا اس قراد داد کے مطابق بلوچستان کے عوام ، اپنی مملکت ، سندھ کے عوام اپنی مملکت ، خیبر پختون کی عوام اپنی مملکت کا قیام عمل لانے کے لئے مطالبہ " درست " کر رہے ہیں ؟ یا جو پاکستان مخالف جماعتیں تھیں وہ اس قرارداد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اب منافقت کا لبادہ اوڑھ کر اپنی سازشوں کو کامیاب بنانے کے لئے روبہ عمل ہیں ۔ لیکن میں پریشان ہوں کہ کیا جس طرح مشرقی پاکستان دولخت ہوا اس طرح ہمیں پھر ہجرت کرنا ہوگی ۔ کیا میں ہمیشہ مہاجر رہوں گا یا ہمیں اس گتھی کو سلجھانا ہوگا کہ استعماری قوتیں اپنی استبدادی طاقت کے ساتھ جبر کیوں کر رہی ہیں ؟ ۔ کراچی کو ہی تختہ مشق کیوں بنایا جاتا ہے جبکہ کراچی میں آنے والی ، رہنے والی تمام قومیتں کراچی کو پاکستان کی شہ رگ بناچکی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ چھپی قوت سامنے آگئی ہے جس نے کراچی کی ترقی اور اس کے نتیجے میں پاکستان کی خوشحالی کے بجائے اپنے تئیں احساس کمتری کے تحت سازش کو جنم دیا ہے جس کا عملی مظاہرہ کچھ روز قبل کراچی کے سڑکوں پر ہوا۔ کیا اردو بولنے والے کو اس مارا جاتا ہے کہ وہ بھارت جائیں، پختون ، خیبر پختونخوا اور بلوچ، کچھی بلوچستان چلے جائیں۔ شائد کچھ ایسا ہے !! ۔۔ لیکن اللہ کرے ایسا نہ ہو کیونکہ یہ خوفناک سازش ہے۔

این اے 273

پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ایسے انتخابات ہوئے جس میں این اے 273 کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔این اے 273 ملک کا واحد ایسا حلقہ ہے جہاں بلا مقابلہ ایک امیدوار کامیاب ہوا لیکن افسوس کی بات ہے کہ اس حیرت ناک فتح پر کسی بھی جانب سے کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا۔میڈیا نے کسی بھی قسم کی کوئی کوریج نہیں دی اور پاکستان کی عوام بھی اس اہم حلقے سے بے خبر رہی۔یقینی طور پر عوام کو تجسس ہوگا کہ آخر کس طرح میڈیا کی آنکھ سے یہ حلقہ اس قدر بے خبر رہا کہ دنیا جان ہی نہ سکی کہ اس اہم ترین حلقے پر کوئی امیدوار بلا مقابلہ بھی کامیاب ہوچکا کہ امیدوار کے نام ،پارٹی وابستگی اور قوم قبیلے سے دنیا کس طرح ناواقف رہی ۔میڈیا کو تو وہ ایک ووٹ بھی نظر آگیا جو کسی خاتون نے دیر میں سیاسی جماعتوں کی جانب سے خواتین کو حق رائے دہی نہ دینے کے معاہدے کے برخلاف دیر کی خاتون مجاہدہ جمہوریت نے ڈالا۔لیکن حلقہ 273 کے حوالے سے الیکٹرونک میڈیا کے نامور اینکر پرسن بھی بے خبر رہے۔چونکہ یہ حلقہ اب انتہائی حساس معاملے میں داخل ہوچکا ہے اس لئے اس حلقے کے بلا مقابلہ جیتنے والے امیدوار نے بھی درخواست کی ہے کہ اس کا نام صغیہ راز میں رکھا جائے تو پھر وہ اصل حقائق عوام کے سامنے لائے گا۔کامیاب

امیدوار کو اس بات کی ضمانت دی گئی کہ جب تک وہ خود نہ بتائے اس وقت تک ان کا نام میرے لبوں پر نہیں آئے گا۔ لیکن امیدوار بڑے کائیاں نکلا، کہ صرف لب نہیں، تمھارے قلم سے بھی نہیں ہوگا اور کی بورڈ سے ٹائپ اور موبائل فون سے ایس ایم ایس بھی نہیں کروگے۔ فرار کی تمام راہیں مسدود کرا کر وہ یوں گویا ہوئے کہ جس وقت ملک میں عام انتخابات کا اعلان کیا گیا تو خصوصی طور پر ایوان بالا کی جانب سے ایک پلان ترتیب دیا گیا کہ عوام کی نظروں سے بچا کر مجھے قومی اسمبلی میں بھیجا جائے اور پھر کوشش کی جائے کہ وزیر اعظم بھی بنا دیا۔ میں چونک پڑا کہ قومی اسمبلی میں تو نواز شریف کی اکثریت ہے، پھر بھلا یہ مخفی شخص کس طرح وزیر اعظم بن سکتا ہے ؟۔ میرے استفسار پر جواب دینے کے بجائے مخفی امیدوار نے اپنی کہانی جاری رکھی کہ یہ طے کرلیا گیا تھا کہ مجھے وزیر اعظم بنا دیا جائے گا۔ چونکہ پوری دنیا کی نظر پاکستان کے انتخابات پر تھی اس لئے ایک ایسا حلقہ واضع کیا گیا، جس کی آخری لمحوں تک کسی کو بھی آگاہی حاصل نہیں تھی۔ میں بیرون ملک تھا، اس لئے پہلا مسئلہ یہ تھا کہ میری پاکستان آمد کی کسی کو خبر نہ ہو، اس لئے سابق صدر کو پاکستان آنے کی ترغیبات دیں گئیں۔ سبز باغ اور ہری جھنڈیاں دیکھائیں گئیں۔ سابق صدر اس مسحور کن ماحول میں افیم زدہ ہوگئے اور انھیں ہوش نہ رہا کہ ان کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے اس لئے انھیں اطمینان دلانے کے لئے ان کی عدالت میں پیشی کے بغیر انوکھی ضمانت کرالی گئی۔ ایسا کبھی سننے میں نہیں آیا کہ کسی ملزم کی

اس حالت میں ضمانت لی گئی ہو کہ وہ پاکستان میں موجود بھی نہ ہو اور مفرور بھی ہو۔ بہرحال سابق صدر کو یقین ہوگیا کہ ان کا کوئی بال بھی بیگا نہیں کرسکتا۔ وہ کراچی ایئرپورٹ پر پہنچے تو یہاں پلان کا دوسرا حصہ بھی شروع کردیا گیا کہ سابق صدر کس حلقے سے امیدوار ہونگے۔ اس کے لئے ملک کے سب سے بڑے متاثر اور حساس شہر کراچی کا انتخاب کرتے ہوئے حلقہ 250 پر اتفاق کرلیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی سابق صدر کو نظر آنے لگا کہ ان کی سیاسی قوت صرف گرم دھوپ میں نظر آنے والی گیلی سڑک سے زیادہ کچھ نہیں تو، پلان کے مطابق یہ میڈیا سے خبر نشر کروائی گئی کہ ایک جماعت ان کی حمایت کرے گی۔ میڈیا اب ان خبروں کو نمایاں کوریج دے رہا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس حلقے سے اس جماعت کی کامیابی یقینی ہے اس لئے سابق صدر کی حمایتی بیان سے موصوف اسمبلی میں پہنچ جائیں گے۔ عوام کے اذہان میں حلقہ این اے 250 فکس کرادیا گیا۔ عوام چونکہ شارٹ ٹرم میموری لوز کی مریض نہیں ہے اس لئے انھیں حلقہ کی بین الاقوامی اہمیت کا اندازہ رہے گا۔ یہاں تھوڑی سے گڑبڑ ہوئی کہ اس جماعت 250 نے وضاحت جاری کردی کہ وہ سابق صدر کی حمایت نہیں کررہی اور اپنی کسی بھی امیدوار کو اس نشست سے دستبردار نہیں کرایا جائے گا۔ سابق صدر بھی تھوڑا سٹپٹا گئے اور انھوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے دیگر دو حلقوں سے بھی کاغذات جمع کرادئیے۔ اس وجہ سے انھیں نااہل قرار دلوانا پڑا۔ چترال میں کیمونکیشن کی کمزوری کے باعث احکامات دیر سے پہنچے تھے اس لئے ابتدائی طور

پر وہاں اجازت دے دی لیکن بعد میں وہاں بھی نا اہل قرار دیکر تمام ضمانتیں جو ان کی عدم موجودگی میں ملیں تھیں ، ان کی موجودگی میں منسوخ کرا کر ان کی خواہش پر ان کے فارم ہاؤس کو سب جیل قرار دلوا کر مکمل حفاظتی عملہ فراہم کر دیا گیا کہ ان کا کام پورا ہوا۔اب ایک احکامات کے تحت نئی حلقہ بندیوں کو قانونی قرار دیتے ہوئے کراچی میں نئی مردم شماری کے بغیر نئی حلقہ بندیاں کرلیں گئیں۔اس میں یہ این اے 250 بھی شامل تھا۔سب کی توجہ اس جانب مبذول رہی اور این اے 273 کا ایک نیا حلقہ بھی بنالیا گیا۔پھر پلان کے تحت انتخابات ہونے تک کراچی ، پشاور اور کوئٹہ میں دھماکے ہوتے رہے اور پنجاب میں جلسے ۔طے شدہ پلان کے تحت این اے 250 کو محور بنا لیا گیا کیونکہ اس سے پوری دنیا کی توجہ میرے حلقے کی جانب نہیں جائے گی۔میری وجہ سے پورے پاکستان کی کوریج روک دی گئی اور این اے 250 کو فوکس کرادیا گیا۔اس کے لئے کچھ معروف اور تجربہ کار اینکرز کی خدمات حاصل کیں گئیں جو اس قسم کے حساس ایشوز کو میڈیا میں اٹھانے میں کافی تجربہ رکھتے ہیں اور پھر میرے حلقے سمیت پورے پاکستان پر کسی کی توجہ نہیں رہی ۔بیلٹ پیپر جو میرے حلقے کے لئے تھے انھیں ایک طرف رکھ دیا گیا۔جس طرح عارف علوی کو عدلیہ کے معزز جج جو ریٹرنگ آفسر تھے ، نے بیلٹ بکس اور پیپر دئے گئے ، مجھے بھی عزت مآب ریٹرنگ آفسر نے عدلیہ کی نگرانی میں بیلٹ پیپر میری گاڑی میں رکھوادئے۔میں نے ان کی جگہ بیلٹ پیپر تبدیل کردئے۔جس طرح الیکشن کمیشن نے ار خود ۳۴ پولنگ

اسٹیشن منتخب کئے ۔اسی طرح مجھے بھی من پسند علاقوں میں پولنگ اسٹیشن منتخب کرادئے ے۔ عوام کھڑے کھڑے تھک گئی اے این 250 کی عوام مایوس ہوئی کہ کراچی کے سب سے بڑے پوش علاقوں ، میں فوج کی نگرانی میں عدلیہ نے بیلٹ بکس نہیں پہنچاسکے حالاں کہ معروف لنکرز نے ہی سب کو بتایا تھا کہ بلوچستان میں فوج نے اونٹوں اور ہیلی کاپٹر کے ذریعے بیلٹ پیپر پہنچائے ۔ لیکن کراچی جیسے شہر میں دن تین بجے تک پولنگ شروع تو کیا عملہ ہی نہیں پہنچا۔اب ان سب معروف لنکرز نے ایک جماعت کے سربراہ کو فوکس کیا کہ وہ تو ہر معاملے پر بیان جاری کرتے ہیں اس معاملے پر خاموش کیوں ۔ اس جماعت کی میڈیا ٹیم نے تمام سازشوں کو سمجھنے کے باوجود نوٹس لینے کا بیان جیسے ہی جاری کروایا تو کچھ معروف لنکرز کا جیسے کام ہوگیا کہ اب حالات بدلیں گے۔ پھر یکایک بائیکاٹ سریز شروع ہو گئی اور پاکستان میں میرے حلقے سمیت کسی کو خبر نہ ہوئی کہ میں بھی کس طرح کامیاب ہوگیا۔اب یہی وجہ ہے کہ میری کامیابی میڈیا اور عوام سے اوجھل رہی اور میں پاکستان کے اس نئے حلقے سے عدلیہ کی نگرانی میں کامیاب ہوگیا۔اب میں اسمبلی پہنچ کر وزیر اعظم کا ہمزاد بن جاؤ ں گا ، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ انتخابات کیسے ہوئے اس لئے میرا راز پھر کوئی نیا اصغر خان کھولے میرے مخفی ہونے کی وجہ سے ہر فیصلہ افشا وزیر اعظم کو ماننا ہوگا۔اب دیکھ لو کہ شیر اور شکاری کس طرح شیر وشکر ہوگئے ہیں ۔ غصہ اور اپنے بڑے بڑے دعوے صرف چند منٹ کی ملاقات میں تھوک دئے ے ہیں ، اب پتہ نہیں کہ یہ عوام پر

تھوکا گیا ہے کہ پاکستان کے نظام پر۔۔ بہرحال اس بلا مقابلہ کامیاب امیدوار کی تمام کہانی مجھے سمجھ میں آگئی کہ یہ دراصل مخفی قوت ہے جو ہر الیکشن میں بلا مقابلہ کامیاب ہو کر آتی ہے اور اپنے کامیاب کرانے والے سے من پسند احکامات بجا لاتی ہے۔ کراچی میں جس طرح این اے 250 کے لئے پلاننگ کی گئی اور سابق صدر سے لیکر ۴۳ پولنگ اسٹیشنوں کی ری پولنگ تک ، پھر پورے پاکستان میں بلیم گیم بنایا گیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہم انصاف کے لئے اسی عدلیہ میں جا رہے ہیں جس کے جج ریٹرننگ آفسر تھے۔ عدلیہ کی نگرانی میں انتخابات ہوئے ۔اب کوئی براہ راست عدلیہ کو الزام نہیں لگاتا بلکہ الیکشن کمیشن کو گلے سے پکڑتا ہے ، تو میں صرف یہ پوچھتا ہوں کہ یہ ریٹرننگ آفیسرز کون تھے ؟۔ کیا یہ عدلیہ نہیں تھی ، کیا ان کا پہلا احتساب نہیں ہونا چاہیے۔ جس نے این اے 250 میں بیلٹ پیپر ایک امیدوار کو دیئے اور اس امیدوار نے قبول بھی کیا، تو ان کے لئے کیا سزا ہوگی ؟۔

ڈیورنڈ لائن پر افغانستان کا مطالبہ

پاکستان کے دفتر خارجہ کے ترجمان نے ایک بار پھر افغانستان کی جانب سے ڈیورنڈ لائن کو بین الاقوامی سرحد قرار دیکر پاک افغان سرحدوں کے درمیان سرحدوں کی از سر نو تعین کے مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے کہہ دیا گیا کہ موجودہ سرحدیں بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ ہیں اور اس کے دوبارہ تعین کرنے کے لئے افغانستان کا مطالبہ درست نہیں ہے۔دفتر خارجہ نے واضح انداز میں افغانستان کو باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ان کی جانب سے بار بار ڈیورنڈ لائن کے حوالے سے تواتر کئے جانے والے مطالبے میں کوئی جان نہیں اور ڈیورنڈ لائن کا معاملہ پاکستان کے لئے ختم ہوچکا ہے۔ ڈیورنڈ لائن کو سمجھنے کے لئے ہمیں افغانستان کے کچھ اسباب و تاریخ کے حوالوں میں جانا ہوگا ۔افغانستان میں فرنگی مداخلت کی ابتدا بائیس سالہ زمان شاہ کے دور سے ہوئی جس نے انگریزوں کی بیخ کنی کے لئے 1799ء میں اپنی مملکت میں انتشار اور خانہ جنگیوں کو ختم کئے بغیر روانگی کی ٹھانی لیکن بمشکل ابھی لاہور پہنچا تھا کہ انگریزوں کیا ایماء پر شاہ ایران فتح علی قاچار (1799تا1835) نے پائیندہ خان کے بڑے بیٹے فتح خان کی مالی اور عسکری مدد کی ، فتح خان نے تیسرے بادشاہ گر کی حیثیت سے شاہ زمان کے غیر حقیقی بھائی شاہ محمود کو

بادشاہ بنیا۔ فرنگی بادشاہ گری یا مداخلت کی 1799ء میں ہونے والی ابتدا آج تک جاری ہے۔ محمد زئیوں کی تیسری بادشاہ گری، پہلی بادشاہ گری کی بنا اور افغانستان میں انگریز مداخلت کا باعث بنی۔ شاہ زمان کے سگے بھائی شاہ شجاع نے (1809ء تا 1803) نے محمد زئیوں کے خطرے کے پیش نظر 7 جون 1809ء میں انگریزوں کے ساتھ امن دوستی کا معاہدہ کیا جس سے انگریزوں کو براہ راست افغانستان میں مداغلت کا موقع مل گیا۔ 25 جولائی 1835ء انگریزون اور سکھوں کے ساتھ معاہدے کے تحت انگریز جنرل کاٹن نے 25 اپریل 1839ء میں دوبارہ شاہ شجاع کو افغانستان کا حکمران بنادیا۔ گو کہ 2 نومبر 1840 دوست محمد خان کا فتح کے باوجود انگریزوں کے سامنے ہتھیار ڈالنا اس بات کو تقویت پہنچاتا ہے کہ انگریز شکست کھانے کے باوجود "امیر" پر بھاری تھے۔ انگریزوں نے غازی ایوب خان کے خطرے کے پیش نظر 21 فروری 1879ء یعقوب خان اور 22 جولائی 1880ء کو عبدالرحمان کو افغانستان کا امیر بنادیا ۔امیر عبدالرحمان خان کے انتقال کے بعد 02 اکتوبر 1901 کے بعد اس کے بیٹے امیر حبیب اللہ خان سے انگریزوں کو ہٹانے کی ضرورت اس لئے پیش نہیں آئی کیونکہ وہ اپنے باپ سے زیادہ انگریزوں کا وفادار ثابت ہو رہا تھا۔ امیر حبیب اللہ خان کے قتل کے 20 فروری 1919ء کے بعد امان اللہ خان جب انگریزوں کی توقعات پر پورا نہیں اترا تو خفیہ طور پر حبیب اللہ عرف بچہ سقہ کے ذریعے 17 جنوری 1929ء کو امان اللہ خان کا تختہ الٹ دیا گیا۔ بچہ سقہ کے غیر پشتون، بلکہ غیر محمد زئی ہونے کی بناء پر نادر

خان اور اس کے چار بھائیوں کی انگریزوں سے کھلی معاونت کے ذریعے 16 اکتوبر 1929 کو بچہ سقہ اور اس کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ نادر شاہ جو انگریز بادشاہ گروں کا آٹھواں حکمران تھا۔ انگریزوں کے بعد روسی حکمرانوں نے 27 دسمبر 1979ء ببرک کارمل کو 24 نومبر 1986 تک حکمران رکھا، روس کے بعد امریکہ نے صبغت اللہ مجددی، پھر برہان الدین ربانی کو، حکمران بنایا۔ ملا عمر 27 ستمبر 1996ء سے 16 اپریل 2001ء تک امیر رہے لیکن امریکہ کے خلاف ہونے پر امریکہ نے افغانستان پر نائن الیون کی آڑ میں براہ راست مداخلت کی اور حامد کرزئی کو 22 دسمبر 2001ء میں کٹھ پتلی حکمران بنایا۔ اس طرح 1793ء سے آج تک انگریزوں نے آٹھ، روس نے ایک جبکہ امریکہ نے چار حکمران بنا ڈالے۔ امیر عبدالرحمان نے انگریزوں سے وفاداری اور دوست کا حق ادا کرنے کے لئے انگریز مخالف دشمنوں پر بے پناہ ظلم ڈھائے جس کی مثال نہیں ملتی۔ نادر شاہ اور عبدالرحمان خان کے بدترین مخالفوں میں اتفاق سے قبیلہ غلزئی اور ہزارہ قوم تھی۔ اگر غازی ایوب خان حکمران ہوتا تو Fire in Afghanistan لکھنے کی نوبت نہ آتی یقیناً آج افغانستان کی تاریخ اور جغرافیہ مختلف بلکہ بہتر ہوتے۔ نہ معاہدہ گندمک، نہ ڈیورنڈ لائین کے قضیے ہوتے۔

تمام شہر کو لوٹو کہ نام ہو فاتح
اک آدھ شخص کو جو لوٹتا ہے، ڈاکو ہے

1842ء پہلی افغان انگریز جنگ غازی وزیر اکبر خان محمد زئی 1880 میں دوسری انگریز افغان جنوں کے دوران غیر تربیت یافتہ کم تعداد افغانوں کے اور ٹوٹے پھوٹے ہتھیاروں کے ساتھ دنیا کی سب سے بڑی جدید ترین ہتھیاروں سے لیکن تعداد میں کئی گنا زیادہ انگریز فوج کو عبرتناک شکستیں دیں۔ 32 سالہ نوجوان اکبر خان اور پچیس سالہ ایوب خان خان پیشہ ور اور اعلی تربیت یافتہ نہیں تھے۔ بالا جنگوں میں بہادری کا پلہ ہتھیار پر بھاری رہا۔ افغانستان اور برصغیر کا تناسب ایک اور 200 ہے اس کے باوجود 1757ء سے 1947 تک انگریز جو برصغیر کے حکمران رہے مسلسل اور متعدد کوششوں کے باوجود افغانوں کو تابع نہ کر سکے اور نہ ہی برصغیر کی طرح حکومت کر سکے۔ لیکن اپنی ریشہ دانیوں، خانہ جنگیوں اور سازشوں سے افغانستان میں مداخلت کرنے آج تک باز نہیں آئے۔ 21 مئی 1879ء معاہدہ گندمک کے تحت سبی تک افغان انگریزوں نے اسی سال لارڈ سنڈیمن نے سیوستان کو بلوچستان کا نام دیا۔ 12 نومبر 1893ء کو ڈیورنڈ لائن کی غیر فطری افغان انگریز حد بندی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کابل تک رسائی کے لئے ہنری ڈیورنڈ نے نہایت کیثر التعداد فوج استعمال کے لئے سندھ اور بلوچستان ہی کی گذرہ گاہ استعمال کی تھی، کابل کو گیرے میں لینے اور کابل میں موجود انگریزی فوج نے اپنے پٹھو حکمران امیر عبدالرحمان کو اس غیر فطری عمل کے لئے مجبور کیا، سوات چترال باجوڑ، دیر بونیر وغیرہ افغانستان سے الگ کر لئے گئے .1901ء ڈیورنڈ لائن اور چند، دیگر چند علاقوں کو ملا کر نا قابل فہم ہے

جوڑ اور بے معنی نام دیگر شمال نغربی سرحدی صوبہ بنا کر افغانوں یا پشتونوں کو قومیت کی مناسبت سے نام دینا بھی گورا نہیں کیا تھا۔ ان تواریخ کے حقائق کا مقصد یہی ظاہر کرنا ہے کہ ڈیورنڈ لائن اور معاہدہ گندمک کے جو معاہدات افغان حکمرانوں نے اپنے وقت میں غدار وطن کے ہاتھوں کرکے افغانستان کی وحدت کو تقسیم کرنے کے لئے کئے، اب وہ انگریزوں کے جانے کے بعد ان کے ساتھ ہی ختم ہو چکے ہیں۔ ڈیورنڈ لائن سے متعلق سو سالہ معاہدہ انگریزوں کے ساتھ تھا۔ موجودہ پاکستان ریاست انگریزوں کے باپ کی جاگیر نہیں تھی کہ اب ان کے کہنے پر پھر اس کے حصے بخرے کرکے ہندوستان کی تقسیم کی طرح لڑو اور لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی کو کامیاب کرے۔ بالا سطور میں افغانستان کی سرزمیں پر انگریز مداخلت ی سازشوں کا اختصار کے ساتھ ذکر کرنے کا مقصد یہی ثابت کرنا تھا کہ دفتر خارجہ کے ترجمان کا افغانستان کی جانب سے بار بار پاکستان کے علاقوں کو انگریز غلامی وقت میں کئے جانے والے معاہدات کے تحت واپس لینے کے مطالبہ مسترد کرنا درست اقدام ہے۔ افغانستان پر بہ ظاہر کسی بیرونی جارح نے حکومت نہیں کی لیکن 1799ء سے لیکر آج تک افغانستان میں بیرونی طاقتوں کی پالیسیوں کے تحت کسی نہ کسی شکل میں غیر ملکیوں کی حکمرانی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ غدار وطن شاہ شجاع، امیر عبدالرحمان سے، روس کے خلاف امریکیوں سے ملکر جنگ، اور اب امریکیوں کی پٹھو حکومت کو یہ کہہ کر حقائق نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ افغانستان پر کسی بیرونی جارح نے حکومت

نہیں رہی۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو ڈیورنڈ لائن کا معاہدہ کیا قائداعظم نے کیا تھا جو اس حوالے سے پاکستان سے مطالبات کئے جاتے ہیں۔ معاملے کو متنازعہ یقینی طور پر سازشی عناصر کی دھمکیاں سوائے گیدڑ بھبکیوں سے زیادہ نہیں۔ ڈیورنڈ لائن کی آڑ میں پختونستان بنانے والے امریکی و برطانیہ کے پٹھو بننے کے روش سے بجائے باز آجائیں۔ پاکستان انگریزوں سے آزادی کے بعد اپنی ایک شناخت رکھتا ہے۔ شناخت کو مشکوک بنانے والے پاکستان سے خیر خواہ نہیں۔

افغانستان مسئلے کا منطقی حل

افغانستان میں جنگی مشن کے بعد 2014ء میں امریکہ سمیت زیادہ تر غیر ملکی افواج کو نکالنے میں پیش رفت جاری ہیں۔تاہم اس سلسلے میں امریکہ کی جانب سے موثر حکمت عملی اور بیان سامنے نہیں آیا ہے۔ امریکی قومی سلامتی کے ڈپٹی مشیر بین روڈس کے مطابق امریکہ سال دو ہزار چودہ میں جنگی مشن کے خاتمہ کی بعد بقایا فوج کے لئے "زیرو آپشن "پر غور وفکر کر رہا ہے۔ڈپٹی مشیر کے اس بیان سے واضح ہے کہ امریکہ تاحال افواج کی واپسی کے حوالے سے مربوط پلان کو آشکارہ نہیں کرنا چاہتا۔ جبکہ افغان صدر حامد کرزئی یہ ضرور چاہیں گے کہ امریکہ افغان فوج کے مستقبل کے حوالے سے بھاری فوجی ساز و سامان،جدید فضائیہ اور طبّی امداد کے بارے میں امریکہ افغانستان کو تنہا نہیں چھوڑے۔ افغانستان کے پاس اپنا فوجی ساز وسامان موجود نہیں ہے اسلئے امریکہ کے جانے کے بعد طالبان سمیت اگر دوسرے گروپ افغان صدارتی انتخابات کو تسلیم نہیں کرتے یا سوویت افواج کے انخلاء کی طرح خانہ جنگی کی صورتحال پیش آتی ہے تو اس سے نبر آزما ہونے کے لئے افغانستان استعداد کار نہیں رکھتا اور ایسے غیر ملکی افواج کے ساز و سامان پر تکیہ کرنا ہوگا۔ لیکن اس سلسلے میں یہ خدشات بھی موجود ہونگے کہ امریکہ سمیت دیگر غیر مما لک اپنی ٹیکنالوجی افغانستان میں

منتقل کرنا چاہئیں گے یا نہیں۔ جبکہ امریکہ اب تک 2011ء تک 120ارب ڈالر افغانستان میں خرچ کرچکا ہے تو اس صورت میں بھاری سرمایہ کاری کے بعد امریکہ کا خود کو مطمئن کیئے بغیر افغانستان کی سرزمیں سے جانا آسان نظر نہیں آتا جس کا اظہار امریکی سینٹ کے دو ڈیمو کریٹ ارکان کی جانب سے اپیل میں کیا جاچکا ہے کہ امریکہ تین ہزار سے نو ہزار کے قریب امریکہ فوجی رکھنے پر دوبارہ غور کرے۔ امریکہ فوج کے سطحی اعلان کے بعد افغان فورس کی تعداد تین لاکھ 52ہزار سے کم کرکے 2لاکھ 30ہزار کرنے کے منصوبے بھی زیر غور ہے۔تاہم اس بات کا امکان ظاہر کیا جارہا ہے کہ امریکہ رہ جانے والی فوج کے حوالے سے غور و خوض کرے گا کہ کیا یہ افواج طالبان کے ساتھ لڑیں گی یا تمام توجہ القاعدہ سے لڑنے پر مرکوز ہوگی۔دوسری جانب پاکستان، نیٹو افواج کے کردار اور متعدد بار پاکستانی حدود کی خلاف ورزیوں سمیت پاک افواج پر حملوں کی حوالے سے شدید تحفظات رکھتا ہے۔جبکہ افغان فوج کے استعداد کار کے حوالے سے بھی پاکستان میں شبہات پائے جاتے ہیں کہ افغان فوج میں اتنی پیشہ وارانہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ القاعدہ، طالبان اور غیر ملکی دہشت گردوں کے نیٹ ورک کے خلاف کوئی کاروائی کرسکے؟۔ اگر ایک جانب امریکہ اور افغانستان، نیٹو افواج کی واپسی کے حوالے سے منصوبے بنارہے ہیں تو دوسری جانب پاکستان نمایاں صورتحال نہ ہونے کے سبب کشمکش و پیچ کا شکار ہے اور ایسے افغان فوج کی کارکردگی کے حوالے سے تحفظات ہیں۔جس کی بنیادی وجہ افغانستان کے راستے

پاکستان آنے والے خود کش حملہ آوروں کی کثیر تعداد، ملکی سلامتی سے متعلق اداروں پر غیر ملکیوں کے حملے اور سرحدات کو افغانستان کی جانب سے سیل نہ کئے جانے ہیں غیر سنجیدگی کے علاوہ خود افغانستان کی صورتحال ہے پاکستانی اہداف پر عسکریت پسندوں کے حملوں میں اضافے اور افغان نیشنل سیکورٹی فورس کے موثر ہونے کے حوالے سے پاکستان کے خدشات مناسب اور حل طلب ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں افغان حلقے پاکستان کے اندیشوں کو مسترد کرتے ہیں کہ غیر ملکی افواج کے بعد افغانستان میں کوئی افراتفری نہیں پھیلے گی جیسے 1990ء کی دہائی میں سوویت فوجوں کی واپسی کے بعد پیدا ہوئی تھی۔ افغانستان کے نائب وزیر برائے تجارت، مزمل شنواری کا کہنا ہے کہ افغانستان نے معیشت، سیاست، سیکورٹی اور انسانی حقوق کے شعبوں میں خاصی " پیشرفت کی ہے"۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ "ہم بہت پُر امید ہیں کہ دس سال پہلے کے مقابلے میں، ہمارے وسائل خاص طور پر انسانی وسائل میں خاصی ترقی ہوئی ہے، ہماری فورسز کا نظام بہتر ہوگیا ہے۔ افغانستان ہیں اقتصادی ترقی ہو رہی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ افغانستان ترقی کرے گا۔ میں نہیں سمجھتا کہ مستقبل میں کوئی مسئلہ پیدا ہوگا۔
ءکے بعد خوشحالی آئے گی۔" لیکن اس کے باوجود کہ افغان انتظامیہ پر امید ہے 2014 اور اچھی توقعات سوچتی ہے، غیر جانبدار مبصرین اس حوالے سے افغانستان کے استدال سے متفق نہیں ہیں کہ 2014ءکے بعد افغانستان ملکی بغاوت اور دیگر مسائل سے بخیر خوبی نبرآزما ہوسکے گا۔ جبکہ اس وقت ہزاروں کی تعداد میں جدید

ہتھیاروں کے ساتھ غیر ملکی فوجیوں کی بڑی تعداد موجود ہونے کے باوجود افغانستان
یں استحکام نہیں ہے۔اسی عنصر کے تحت افغان مہاجرین کی واپسی کی تاریخ میں بھی مزید
چھ ماہ کی توسیع کی جاچکی ہے۔غیر جانبدار مبصرین کی طرح امریکہ بھی یہ سمجھتا ہے کہ
پائدار امن کے لئے انھیں طالبان سمیت دیگر گروپوں سے امن مذاکرات کرنا ہونگے۔
اور ایک ایسا امن سمجھوتہ کرنا ہوگا جو تمام فریقین کے لئے قابل قبول ہو۔افغانستان میں
امریکہ کے سفیر، جیمز کننگھم بھی اظہار کرچکے ہیں کہ " امن سمجھوتے کی اشد
ضرورت ہے جیسے علاقے کے دیگر ممالک کی حمایت بھی حاصل ہو"۔ان کا کہنا تھا
کہ " پاکستان کے ساتھ بلکہ علاقے کے دوسرے ممالک کے ساتھ، جو درست سمت میں
حقیقی معنوں میں امن کے عمل کی حمایت سے ہی افغانستان میں امن اور استحکام آئے،
گا۔" گو کہ پاکستان کی جانب افغانستان میں امن کے لئے کی جانے والی پیش رفت تاحال
موثر نظر نہیں آرہی، حالاں کہ پاکستان نے خیر سگالی کے طور طالبان کے دو درجن سے
زیادہ رہنماؤں کو رہا کیا ہے۔اور پاکستان اس بات کا اعلان کرچکا ہے کہ تمام طالبان
رہنماء رہا کر دیئے جائیں گے۔ جس کا امریکہ اور افغانستان نے خطے میں امن
کے لئے اہم پیش رفت قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے مزاحمت کاروں کو
مذاکرات کی میز پر لانے میں مدد ملے گی۔پاکستان ،اپنی سرزمین میں بیرونی مداخلت
کاروں اور افغان جنگ سے کافی متاثر ہوچکا ہے اس لئے وہ افغانستان کے مسئلے کا منطق
حل چاہتا ہے تاکہ خطے میں مستقل وپائدار امن آسکے۔پاکستان

کی کوششیں ، ماضی کے مقابلے اس بار نہایت ذمے دارانہ اور متاثر کن ہے کہ پورے ملک میں بدامنی اور دہشت گرد کاروائیوں کے باوجود پاکستان سنجیدگی کے ساتھ افغانستان میں امن کا خواہاں ہے۔

پلے بوائے عمرانی سیاست

تحریک انصاف کے متعلق کچھ لکھتے ہوئے ڈر لگتا ہے کیونکہ تحریک انصاف کے رہنماؤں میں جس طرح برداشت کا مادہ نہیں ہے اسی طرح عمرانی سیاست کی ڈکشنری میں بھی برادشت کا لفظ موجود نہیں ہے۔ تحریک انصاف سترہ سال قبل جس نظرئے ے کی بنیاد پر اٹھی ، وہ اس قدر مشکل کام تھا کہ انھیں فرشتے نہیں مل رہے تھے لیکن بعدازاں انھوں نے بھی اپنی صفوں میں ایسے لوگوں کو شامل کرلیا جن کے نظریات دوسری سیاسی جماعتوں میں کا وطیرہ رہا ہے۔ یہ بات بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہی ہے کہ تحریک انصاف کو سابقہ سربراہ حساس ایجنسی کی سرپرستی حاصل ہونے کے بعد ایک دم میڈیا میں تبدیلی کا نشان بنانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن درمیان میں جب طاہر القادری وارد ہوئے تو جمہوری نظام کو رڈیل کرنے کی تمام کوششوں کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ، گو کہ موجودہ حالات میں اگر دیکھا جائے تو طاہری القادری کی بعض باتوں پر سخت تنقید کی گئی تھی جس میں ، میں سر فہرست تھا ، لیکن ان کی اچانک آنا اور ان کا انداز بیان اور منصوبے اس قدر ہولناک تھے کہ ان کی درست باتوں پر بھی عوام کو یقین نہیں تھا ۔پھر تحریک انصاف نے جس طرح سوشل میڈیا میں جس قدر بھیانک اور غلیظ سیاسی تشہیر شروع کی اس کا جواب دینے پر بھی شرم محسوس ہوتی ہے۔ سوشل میڈیا میں جس قدر گھٹیا انداز تحریک

انصاف نے شروع کیا اس نے ثابت کر دیا کہ تحریک انصاف میں برداشت کا عنصر بہت کم ہے۔ بعد ازاں عمرانی سیاست کی جانب سے مسلسل قلابازیوں نے عوام میں ان کی مقبولیت کو نہایت کم کر دیا، لیکن ان کے جلسوں میں نیم عریاں لباس اور برگر لوگوں کی آمد نے بن کباب کے منچلے نوجوانوں میں ٹھرکی انقلاب پیدا کر دیا۔ عمرانی سیاست کے تمام جلسے اس بات کے گواہ ہیں کہ ان کے جلسوں میں عریانیت، فحش لباس کے ساتھ، فیشن ایبل برگر فیملوں کی شرکت کی وجہ سے جلسے ڈانس پارٹی کا گمان لگتے تھے۔ گالیاں، فحش جملے اور مغرب زدہ سونامی خان کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے کیونکہ ان کا ماضی ان ہی حرکات کی وجہ سے بھرا پڑا ہے، سوشل میڈیا پر جب عمران خان کے کرتوت باتصویر موجود ہوں تو پھر ان کے پیروکاروں کا ان جیسا ہونا، حیران کن نہیں ہے۔ فیس بک، ٹوئٹر اور دیگر سائیٹس پر دیکھ لیا جائے کہ اپنے مخالفین کو جس طرح تحریک انصاف مخاطب کرتی ہے اس نے انسانیت کا سر شرم سے جھکا دیا ہے۔ بات صرف یہاں تک آ کر ختم نہیں ہوتی بلکہ میں اپنے بیشتر کالم میں سیاسی رہنماؤں کی جانب سے عام پبلک جلسوں میں اخلاق کے دائرے میں مخاطب ہونے کی اپیل کرتا رہا ہوں لیکن ان رہنماؤں کے کانوں پہ جوں بھی نہیں رینگتی، تحریک انصاف کے جتنے جلسے بھی دیکھ لیں اس میں کارکنان کو تشدد کی تعلیم، تلقین اور اشتعال انگیزی کا درس دیا ہی نہیں بلکہ ایک ایسی اشتعال کی فضا پیدا کی جس کی گونج اب تمام ملک میں پھیل چکی ہے۔ مغرب زدہ عریانیت کے دلدادہ عمرانی سیاست کا

محور تمام جلسوں میں صرف تشدد اور اخلاق سے گرے ہوئے ایسے خطابات تھے کہ کہ لگتا ہی نہیں تھا کہ عمران خان کو اخلاقیات چھو کر بھی گذری ہو۔ تحریک انصاف کی پارٹی انتخابات کے موقع پر بھی کارکنان اور عہدران کے جانب سے جس عمل کا مظاہرہ کیا گیا یسے مستقبل کے لئے قطعی حوصلہ افزا قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کرپشن کے خلاف بڑے بڑے دعوے کرنے والوں کی جانب سے خود پارٹی انتخابات میں جس طرح کرپشن کا استعمال ہوا وہ ظاہر کر رہی ہے کہ تحریک انصاف ، اے این پی کے لیڑی لوڈ کا ریکارڈ توڑ کر رہے گی۔ کراچی بذات خود ایک حساس شہر ہے ، سوچھے سمجھے پلان کے تحت ایسے دوبارہ مقتل گاہ بنانے کے لئے اس بار اے این پی کی جگہ تحریک انصاف کو آگے لایا جارہا ہے ۔کیونکہ تحریک انصاف میں برداشت کی سیاست نہیں ہے اس لئے ان کے دھرنوں تقاریر اور خود عمران خان کی جانب سے غیر ذے دار روئے نے کراچی سمیت پورے پاکستان کی عوام کو اضطراب میں بتملا کردیا ہے ، اللہ اللہ کرکے کراچی کی عوام کی جان اے این پی سے چھٹی تھی اور عوام نے سکون کا سانس لینا شروع کیا تھا لیکن ایک بار پھر عدم برداشت کی تحریک انصاف کے ذمے داروں نے جلد بازی کا مظاہرہ کرکے کراچی میں شدید خوف وہراس پیدا کردیا ہے۔زہرہ شاہد حسین کے قتل پر رد عمل کی عجلت ، ایک سوچہ سمجھے سازش ہے ،۔ عریاں ، فحش کلچر کے دلداے کے پیروکاروں کی جماعت نے طبقاتی تفریق میں امتیاز پیدا کرکے کراچی ہی نہیں بلکہ پورے پاکستان میں نفرت کی بنیاد رکھنے کی کوشش کی ہے جس قابل مذمت ہے

عمران خان کو بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے سابقہ ماضی پلے بوائے کو بھول جانا چاہیے تھا۔ لفٹ سے گر کر ہسپتال میں پڑے رہ کر بھی قدرت کی جانب سے مکافات عمل کا احساس نہیں ہو رہا کہ جلسوں میں جھوٹی قسمیں، غیبت، تشدد کی جانب عوام کو مائل کرنے کا الٹی میٹم قدرت نے دیا ہے۔ انھیں اپنے پلے بوائے عمرانی سیاست کو ختم کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ کسی انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل اور کسی انسان کی جان بچانا گویا پوری انسانیت کی جان بچانے کے برابر ہے۔ یہ حکم خداوندی یکساں طور پر تمام بنی نوع انسان کے لئے بلا تفریق رنگ و نسل، زبان و قوم اور کسی مذہبی امتیاز کے بغیر دیا گیا۔ چونکہ قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی لہٰذا کچھنا عاقبت اندیش عناصر کیجانب سے یہ سمجھ لیا گیا کہ اس حکم کا اطلاق صرف مسلمانوں پر ہوگا۔ مسلم امہ میں موجود کسی فرقے کو مسلم، مومن اور کسی کو لادین از خود سمجھ کر تمام فتووں پر من و عن یقین کرلینا کسی ذی حس کے لئے ممکن نہیں۔ احساس محرومی کی بنیاد کسی بھی مفروضے پر ہو کسی کو حق حاصل نہیں کہ مخصوص اوقات میں، مخصوص مفادات کے تحت، مخصوص فقہ یا سیاسی جماعتوں کے پیروکاروں کے خلاف، جان لینے کے لئے فاشزم کے داعی بن جائیں۔ دین اسلام میں کوئی جبر نہیں، فقہی، سیاسی اختلاف کی بنیاد کو علمی، سیاسی اختلاف تو قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اسے بنیاد کر کسی انسان کا خون ناحق کرنے والوں کا تعلق کم از کم دین اسلام سے نہیں ہو سکتا۔ قتل ناحق، فقہ کی بنیاد پر ہو، نسل کی نبیاد پر، زبان کی

بنیاد پر ، قوم کی بنیاد پر یا مذہب کی بنیاد پر دین اسلام کسی کو بھی قطعی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شر پسند اپنے مفادات کی آبیاری کسی بے گناہ کے خون و بربریت سے کرے۔ سفاکیت کی کوئی بھی شکل ہو ، درندیت کی کوئی بھی شکل ہو، ابلیسیت کی کوئی بھی شکل ہو ، دنیا کا سپریم قانون قرآن کریم ایسے عوامل کی شدید الفاظوں میں مذمت اور دین اسلام سے لاتعلقی کا علان روز اول سے کرچکا ہے ۔ بے قصور انسانوں کا قتل، مثل حیوانیت کا مسخ شدہ نمونہ ہے جس کی مثال پاکستان کی تاریخ میں مسلسل دوہرائی جارہی ہے۔ فقہی و سیاسی بنیادوں پر ہلاک کئے جانے کے واقعات کا سد باب نہ ہونے کے باعث اتحاد بین المسلمین اور قومی وحدت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے۔ زبان کے نام پر دیگر قومیتوں کو قتل کئے جانے کے رجحان نے مسئلے کو الجھا کر رکھ دیا ہے۔ لیکن اس امر پر ثابت قدم ہوں کہ کسی انسان کو کسی بھی بنیاد پر جان سے محروم کرنے کا حق کسی کے پاس نہیں، چاہیے نظرئے ے کی بنیاد احساس محرومی پر ہی مبنی کیوں نہ ہو۔ عوام کے مذہبی ، سیاسی جذبات کو بھڑکا کر خود ساختہ اشتعال انگیزی کا کاشاخانہ ہم سب دیکھ رہے ہیں۔ شدت پسندی ، انتہا پسندی ، کے لئے کوئی بھی وجہ جواز ہو، اسلام نے کسی کو یہ حق تفویض نہیں کیا کہ بے قصور انسانوں کے پر خچے اڑادو، خواتین ، مرد ، بچے ار بوڑھوں بے گناہ انسانوں کے اعضاء کو آتش گیر دھماکوں کی زد میں لاکر اسلام کے سلامتی و امن کے پیغام کو اس قدر مسخ کردو کہ پوری دنیا میں پاکستان کا تشخص ماسوائے دہشت گردوں

کے سرپرست کے علاوہ نہ ابھرے۔قرآن و حدیث ، پانچوں فقہی مذاہب یا دین اسلام میں اس بات کے لئے رائی برابر گنجائش موجود نہیں ہے کہ بے گناہ انسانوں کو ہلاک کرنے کے لئے احساس محرومی کو بنیاد بنا لیا جائے ۔یا آتش گیر مادوں کے استعمال سے راہ گیروں اور معصوم جانوں کو ہلاک کرنے کے لئے استعمال کیا جائے۔اس قسم کی سوچ رکھنا فاشسٹ نظریات کا حامل تو ہو سکتا ہے لیکن اسلام کے کسی اخلاقی اصول اسے کبھی چھو کر بھی نہ گذری ہو گی۔ لسانیت کے نام پر ، بھتہ خوری کے نام پر ، سیاسی وابستگی کے نام پر طاقت کے استعمال پر ، مفادات کے نام پر ، قومیت کے نام پر ، تاوان کے نام ،

پر، برادری کے نام ، کاروکاری کے نام ، جاگیردارنہ ، وڈیرانہ سوچ کے نام پر انسانوں کا بھیانک قتال کا تعلق اسلام سے تو کیا انسانیت سے بھی نہیں ہے۔کیا ڈرون حملوں میں جھلس جا کر راکھ بن جانے والے انسان نہیں ، کیا یہ اسی خدا کی مخلوق نہیں جس نے بلوچستان ، سندھ ، پنجاب ، خیبر پختونخوا ، کشمیر اور گلگت ، بلتستانی کی عوام کو پیدا کیا ہے۔فوجی ہوں ، یا پاکستانی عوام ، کسی بھی بیرونی جارحیت کا شکار ہوں ان کے لئے یکساں موقف نیز ملک کے طول و عرض میں انسانوں کا ، لسانیت، فقہ، قومیت ، سیاسی وابستگی، بھتہ خوری یا تاوان کے غرض سے قتل عام اس وقت تک نہیں رکے گا۔جب تک پاکستانی قوم متحد نہیں ہو سکتی ، بیرونی جارحیت کا مقابلہ نہیں کر سکتی ، اگر اندرونی و بیرونی جارحیت کا مقابلہ کرنا ہے تو پارلیمنٹ ، عدلیہ ، قومی و مذہبی قیادت ، عسکری اداروں کو پاکستان میں ہونے

والے ہر سانحے پر قومی یکجہتی کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ انسانیت کا احترام کرنا ہوگا۔ تمام مذاہب کے پیروکاروں اور سیاسی جماعتوں کے کارکنان کو نظریہ کی بنیاد پر فکری طور پر تو مجادلہ کیا جاسکتا ہے لیکن کسی انسان کی جان لینے کا سبب احساس محرومی کے نام پر رکھ کر قیمتی جانوں کو اپنے پیاروں سے محروم کرنا انسانیت نہیں حیوانیت ہے۔ تحریک انصاف پر تشدد سیاست کو ختم کریں، اور سب سے پہلے خیبر پختونخو کی حکومت سے آڈر دلوائیں کہ ڈرون حملے بند ہونے تک تمام سرحدیں سیل ہو نگی۔

شخصی حکومتوں کے ڈسے عوام

مخالفت (Opposition) اور تصادمات (Clashes) کے بغیر انسانی ذات میں استحکام پیدا نہیں ہوسکتا یہ یوں کہیے کہ اس کی قوت و استحکام کا امتحان (Test) نہیں ہوسکتا۔ نہر کی مسلسل روانی کے لئے ٹھوکر (Fall) کا ہونا نہایت ضروری ہے دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ کیا ٹھوکر کے پتھر، نہر کے پانی کے لئے بند بن کر اُسے جوئے رواں سے جوہڑ بنا دیتے ہیں یا نہر کا پانی اپنے زور دروں سے ان پتھروں کو پھاند کر آگے نکل جاتا ہے ؟ ایسے راستے کی تلاش اور اختیار کرنا جن میں پتھر نہ ہو اپنی خودی کی روانی کو اپنے ہاتھوں ختم کرلینا خود فریبی کہلائی جاتی ہے۔ اپنے اپنے اذہان کے مطابق اپنی لئے ایسے نظام کو مد نظر رکھتے ہیں جس میں فروعی مفادات کی بناء پر معاشرتی زندگی کے اجتماعی نظام کے بڑے عمیق حقائق کو نظر انداز کرتے چلے جاتے ہیں۔

عمومی طور تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عوام تو ٹھیک ہوتے ہیں لیکن اربابِ اختیار اور اعیان دولت وثروت کا طبقہ اشرافیہ مکمل بگڑا ہوا ہوتا ہے۔ اُن کے بگاڑ کی وجہ سے ہی سارا نظام نچلی سطح سے لیکر اوپری سطح تک تہس نہس کا شکار ہوجاتا ہے۔ مملکت کے مرکزیت کی کمزوری کی بناء پر نوار بابِ اقتدار

کی تتبع سے ساری قوم میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر ان نو اصلاح کر دی جائے تو قوم میں پیدا شدہ خرابیوں کا از خود سدباب پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے لیکن جب اکابرینِ قوم کے بگاڑ کی تقلید کو عوام اپنا لے تو بد عنوانی کے ساتھ قوم بھی اُس ماحول میں خود کو رچ بسا لیتی ہے۔ عوام، اکابرین کی تقلید کرتے ہیں۔ اگر وہ بد عنوان تو عوام میں بھی بد عنوانی کا عنصر پکڑ کے خوف نہ ہونے سبب پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر اربابِ اختیار کے نقشِ قدم درست راستے پر ہوں تو قوم بھی اُن راستوں پر از خود چلنا شروع ہو جاتی ہے۔
معاشرے میں اکابرین کی تقلید کے علاوہ ایک شکل اربابِ اختیار کے ظلم اور استبداد کی کی کسی حد کا متعین نہ ہونا ہوتا ہے جس میں قوم کے لئے لاقانونیت کا راستہ اختیار کرنے والوں کی تقلید کا دوسرا عمل بھی ناقابل برداشت بن جاتا ہے اور اس رد عمل کے نتیجے میں عوام بھی لاقانونیت پر اُتر آتے ہیں اور اس باہمی تقلید نظام کے ہاتھوں مملکت کے تمام نظم و نسق تباہ ہو جاتا ہے۔ ہمارے سامنے مغربی جمہوریت کی مختلف اشکال ہیں۔ اس ڈیما کریسی کی مختلف شاخیں اپنی توجیہات اور دلائل کے ساتھ سینکڑوں سال سے ارتقائی منازل سے گزر رہے ہیں جس میں عوام کی آراء کو جانچنے کے تمام پیمانوں پر کسی بھی فریق کی شکست کی صورت میں فتح کو بہت کم پایا جاتا ہے۔ ہم انسان کے ابتدائی ادوار کو دورِ جاہلیت کا نام دیکر خود کو ترقی یافتہ دینے کی کوشش کرتے ہیں

لیکن ہم اس بات کا جواب نہیں دے پاتے کہ جہاں حکومت کی علمداری نہ ہو وہاں فریقین کے درمیان تنازعات کے حل کے لئے کیسے ثالث بنایا جائے ، یہی ثالثی نظریہ حکمران بن کر قبائلی نظام سے جدیدیت کیجانب روبہ گامزن ہوا لیکن دور جاہلیت کی سوچوں سے نکلنے کے لئے اب بھی انسان نظریاتی طور پر قبائلی نظام نظریات سے جڑا ہوا ہے جس میں مورث ، اعلی کو اس قدر واجب الاحترام سمجھ لیا جاتا تھا کہ اس کے کسی حکم سے سرتابی سے وہ ڈرنے اور کانپنے لگ جاتا تھا آج بھی ترقی پذیر ممالک میں محکوم و مفلس عوام کی جرات نہیں ہوتی کہ نظام کی تبدیلی کے لئے اپنے ہاتھوں کئے جانے والوں فیصلوں کی اہمیت کو سمجھیں۔مقام المیہ یہی رہا ہے کہ حکومت چاہے.بزور طاقت ہو ، یا بذریعہ ووٹ ، یا باشاہت اسے اپنے اقتدار کو دوائم بخشنے کے لئے تھیا کریسی کی ہمیشہ ضرورت رہتی رہی ہے۔مذہبی پیشوائیت کے بغیر امور اقتدار پر قائم رہنا کسی بھی نظام مملکت کے لئے ناممکن ہے۔مذہبی پیشوائیت اپنی کسی نہ کسی شکل میں اقتدار کی کرسی کے گرد احاطہ بنانے میں کامیاب رہی ہے۔مذہب کی تقلید انسانی فطرت کا نتیجہ ہے کہ ایسے ناقابل فہم توجیہات کو سمجھنے کے لئے ایسے نظریات کی ضرورت رہتی ہے۔ اکابرین کی تقلید میں اب بھی دنیا کے بعض ممالک میں باشاہوں ، مذہبی پیشواؤں نے باہمی سمجھوتے کے تحت ایک ایسا نظام واضح کر رکھا ہے جیسے انسان کی عملی

زندگی میں دوائر اقتدار باٹنے سے تشبیہ دی جاسکتی ہے کہ مذہبی دائرے میں مذہبی پیشوائیت اور دنیاوی معالات میں بادشاہت۔ انداز و اسالیب حکومت کے انداز چاہے کسی بھی شکل میں تبدیل ہوں لیکن اس کے لئے ایک نظریہ شروع تا اخیر موجود رہتا ہے اور وہ نظریہ " انسان کی انسانوں پر حکومت کا"۔ اس نظرئے کو سیکولر اندازِ حکومت کے متصادم بھی قرار جاتا ہے کہ انسان کی ذاتی زندگی کے مذہبی اور دنیاوی معاملات کو اُس کی منشا کے مطابق چھوڑ دیا جائے۔ انسانوں کی انسانوں پر حکومت کے تابع حکمرانوں کے ہاتھوں انسانیت جس وحشت و بربریت کا شکار ہوئے اس کے تصور سے ہی انسانیت کی روح کانپ اٹھتی ہے۔ جس کے خلاف رد عمل میں کچھ مفکرین نے " نظریہ میثاق "کے نام سے ایک ایسا معاہدے کا تصور دنیا کے سامنے رکھا کہ ہر انسان اپنی آزادی کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن تمدنی زندگی میں یہ مشکل امر ہے لہٰذا حکومت افراد کے نمائندگان پر مشتمل ہونی چاہیے اور اگر نمائندوں میں اختلاف پیدا ہو جائے تو فیصلہ اکثریت پر چھوڑ دیا جائے۔ اس عمل کو ڈیماکریسی یا جمہوریت کہتے ہیں۔
شخصی حکومتوں کے ڈسے عوام نے ایسے نعمت سمجھ ستائش کے قصائد نشید کئے اور اس کے نفاذ پر مسرت اور شادمانی کے جشن منا کر سمجھ لیا گیا کہ انسانیت نے آزادی کے گم گشتہ کو پھر سے پالیا گیا ہے۔ دنیا کی قریب قریب تمام اقوام نے

اس نظام کا خیر مقدم کرتے ہوئے بڑھکر استقبال کیا اور کرہ ارض جمہوریت جمہوریت کے نعروں سے گونج اٹھا۔ لیکن اس طرز نظام نے اپنے نظریہ کی فریب انگیزی سے انسانوں پر انسانوں کی حکومت کے تصور سے زیادہ نقصان دیا اور عوام کو اقتدار اعلی کا منبع سمجھنے کی تقلید نے اکثریت کے اُن تمام فیصلوں کو بھی درست قرار دیا جاتا ہے جو کہ زمینی حقائق کے برخلاف ہوں۔

ہمیں اکابرین کی تقلید میں یہ ضرور سوچنا ہوگا کہ اقتدار اعلی کا تصور کیا یہ ہے کہ کسی ایک جماعت کے ہاتھ میں اختیارات کے بھاگ دوڑ دے دی جائے جیسے عوام کی مجموعی اکثریت مسترد کرچکی ہے ؟۔کیا یہ بات درست نہیں ہے کہ اقتدار کی کرسی پر بیٹھنے والی جماعت کے مقابلے میں عوام کیجانب سے مخالفت میں ڈالے جانے والے ووٹوں کی تعداد کئی زیادہ ہوتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم جمہوریت کے اس اصول کو پہلے ہی مرحلے میں اس لئے مسترد کردیتے ہیں کیونکہ قوم کی تقسیم سیاسی ، مذہبی بنیادوں پر بنائے جانے والی پارٹیوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ مذہب کے نام پر خود ساختہ نظریات کی تھیا کریسی زہر قاتل ہے۔ شخصی حکومت کے اثرات عوامی جذبات کے آئینہ بردار نہیں بن سکتے ، ملوکیت اور بادشاہت کے نظرئے میں سیکولر طرز حکومت میں جمہوریت کی بازگشت سوائے خود فریبی کے فسوں سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ تو پھر ایسا کیا کیا جائے کہ اس پر آشوب دور میں عوام اپنی مرضی کے کس نظام ہائے حیات کو ڈھالے جس بناء پر زندگی کے

تفکرات کے مضمرات سے نجات ممکن ہو اور راحت کے لمحات میسر ہوں۔یقینی طور پر ہر مذہب کا ماننے والا اپنے مذہب کی تشریح میں دلائل اور مجادلہ کو اپنا کر خود کو درست اور دوسروں کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرے گا۔لیکن صرف انسان بطور انسان یہ سمجھنے کے لئے خود کو تیار کرلے کہ حقِ حاکمیت اُسی کا ہے جس کی زمین ہے اور جس کی زمیں و فلک ہیں تو نظام حیات بھی اُسی کا ہو اور اِس کارواں میں اپنی حیثیت اس عمل کی ہو جس کے لئے اس کی حدود متعین کردہ ہیں تو پھر معاشرے میں کوئی بھی بگاڑ پیدا نہیں ہوسکتا۔لیکن یہ ناممکن ہے کہ ایسا ہوجائے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالی کو اپنے دیئے گئے آفاقی نظام میں انحراف کرنے والوں کی غلطیوں کی درستگی کے لئے انبیاء اور رسولوں کو مختلف اقوام میں بار بار بھیجنا نہیں پڑتا۔اللہ کی زمیں پر اللہ کا نظام ہی واحد ذریعہ نجات ہے لیکن اس کی خودساختہ ، مطالب اور تشریح کے لئے خود ساختہ جذباتی عناصر سے بے اعتنائی کے بعد ہی ممکن ہے کہ ہم اجتہاد کے راستے پر چل کر درست قدم اٹھائیں۔فی الوقت جو بھی نظام حکومت میسر ہے اس میں عوام کا اصل کردار یہ ہو کہ وہ اپنے جیسے اپنے نمائندوں کو منتخب کرکے اکابر کی تقلید کے سحر کے منفی جمود کو توڑ دیں۔

جمہوریت کے نام پر کھلا مذاق

حقِ انسانیت میں نامعقولیت اچھی نہیں لگتی
جو سچ پُوچھو ہمیں جمہوریت اچھی نہیں لگتی
یہاں فوق البشر اور جانور جیسے انساں ، ایک
کھلی حق تلفیِ انسانیت ، اچھی نہیں لگتی

کسی شخص ، امر یا فَن کو پسند کرنے کا مطلب اُن ہی اشخاص ، امور یا فنون کو پسند کرنا ہے جو ہماری ہوں ۔ ہم اُن کی تمنا رکھتے ، خود سے منسوب سمجھتے یا کروا سکتے ہوں ۔یا اُن کی طرح کردار ادا کرنا چاہتے ہوں ۔یہی حال ہماری ناپسند کا ہے کہ ہم دوسروں کو نہیں خُود کو پسند اور ناپسند کرتے ہیں۔ گویا ہمیں کسی فرد ، قوم ، یا فرقہ سے نہیں ، اُس کے کردار کے اُس حصے سے نفرت یا محبت ہوتی ہے جو ہماری خواہشات یا توقعات کے برعکس یا مطابق ہوتا ہے۔

جمہوریت کے نام پر ایک ایسا کھلا مذاق جاری ہے جہاں جس کا بس چلے اپنے اذہان کے مطابق اپنی پالیسوں کو درست ، اپنے الفاظ کو حتمی اور دوسروں کی رائے پر عدم برداشت کا رویہ اختیار کرتا ہے ۔پاکستان الیکشن کمیشن ایک غیر

جانب دار ادارہ بننے کی کوشش کر رہا ہے اور ایسے اقدامات کو رائج کرنے میں مصروف عمل نظر آرہا ہے کہ جیسے پاکستان کے آئندہ الیکشن پاکستانی تاریخ کے شفاف اور ایسے بے داغ نمائندے منتخب ہونگے کہ پاکستان کی پارلیمانی تاریخ میں ایسی تاریخ کبھی رقم نہیں کی گئی ہوگی۔ یہ ثابت ہوگیا کہ یہ ناممکن ہے کیونکہ پاکستان میں سیاست ایسی انڈسٹری کی حیثیت رکھتا ہے جہاں اربوں روپے لگا کر بھی پسندیدہ نمائندے منتخب نہیں کرائے جاسکتے ، پسندیدہ نمائندوں کی کلیئرنس کے لئے ضروری ہے کہ ایسے اربابِ اختیار نے کتنا آشیر باد دیا ہوا ہے۔ ملکی تاریخ میں جس طرح انتخابات کے نام پر کھلوار کیا گیا اس کا تمام کچا چھٹا عوام کے سامنے آچکا ہے۔ عوام کی بڑی تعداد ووٹ نہ دیکر پہلے ہی مرحلے میں ایسے نظام اور اُس نظام کی بقاء کے لئے آنے والوں نمائشی کرداروں کو ووٹ نہ دیکر مسترد کردیتی ہے۔پاکستان کی پیدائش سے اب تک جمہوریت کے نام پر جو کھیل کھیلا گیا اور اس کھیل میں سیاسی کرداروں نے جتنی جانفشانی سے اپنا کردار نبھایا ، وہ تاریخ بن چکی ہے۔جب جب پاکستان کی سلامتی ، تحفظ اور بقاء کے نام پر عوام کے جذبات کو استعمال کیا گیا تو سب سے پہلے جھوٹے وعدے وعید کرکے عوام کی اکثریت کو بے وقوف بنایا گیا۔ کبھی یکجہتی کے نام پر تو کبھی صوبائیت کے نام پر تو کبھی قومی اتحاد کے نام پر سیاسی جماعتوں نے جمہوریت کو فروغ دینے کے لئے سرحدوں کے محافظوں کو گھر کا چوکیدار بنایا تو کبھی انھیں واپس بھیجنے کے لئے پس پردہ معاہدات کرکے پاکستانی قوم کو غیروں

کے ہاتھوں غلام بنا دیا۔ حق اور اپنے دل کی بات کرنا ایک ایسا جُرم بنا دیا گیا کہ ہر ادارے کی حکمت عملی کو پہلے خوب سراہا گیا اور جب قرعہ فال دوسرے کے نام پر نکلا تو وہ ادارے کے بجائے شخصی غلطی کہلائی ۔جب تحفظ پاکستان کے نام پر اداروں کا استعمال کیا جاتا تواُس وقت ادارے کی پالیسی کہلائی جاتی تھی لیکن جب تاریخ کروٹ بدل جاتی تو وہ ادارہ خود کو بری الزمہ قرار دے کر ایسے ایک فرد کی ذاتی غلطی قرار دے دے تا۔پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ یہاں کوئی ایک ایسا ادارہ نہیں ہے جس نے حق اختیار عوام کو دیا ہو، کبھی نظریہ ضرورت ، تو کبھی اسلامنائزیشن، تو کبھی میثاق جمہورے ت ، تو کبھی این آر او، تو کبھی مفاہمتی پالیسیاں کا گول چکر ہی کولہو کی بیل کی طرح چلتا رہا۔ قوم سے کئے جانے والے کسی وعدے کو کسی بھی سیاسی جماعت نہیں پورا نہیں کیا بلکہ خاص طور پر یہی دیکھا گیا کہ جو جتنا عرصہ اقتدار میں رہا، ایسے عوام کی خدمت کا موقع اس لئے نہیں مل سکا کیونکہ اُن کے بقول انھیں ملنے والے مصائب سابقہ حکومت کا تحفہ ہیں جیسے وہ دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ۔اس لئے جو وقت انھیں ملا ہے وہ کم ہے اور عوام انھیں دوبارہ منتخب کرے تو وہ دودھ کی نہریں بہا دیں گے ، شہد کے دریا نکال دیں گے ، مخملیں قالین بچھا دیں گے ۔ عوام بھی " سادہ گل ماموں" ہے کہ اُن کی چکنی چپڑی باتوں میں آجاتی ہے اور ہونقوں کی طرح اپنی تقدیر بدلنے کی انتظار میں قبر میں اترتے اترتے اپنی اولاد کو بھی نصیحت کر جاتی ہے کہ " بیٹا، جان جائے ، زبان نہ

جائے ۔پرُکھوں کی عزت کا خیال رکھنا"۔کتنے چہرے بدلے ، کتنی پارٹیاں بدلیں ، لیکن بدلا نہیں تو صرف نظام نہیں بدلا کیونکہ یہی نظام ہی تو ہے جس کے بل بوتے پر باپ کی جگہ ، بیٹا آجاتا ، بیٹا نہ ہو تو بیٹی آجاتی ہے ، سیاست کو گھر کی لونڈی بنا کر عوام کو زر خرید غلام بنالینا کی عادت اتنی پختہ ہوچکی ہے کہ اب تو غلام کو بھی اپنے آقاؤں کی تبدیلی منظور نہیں ہے ۔جمہورے ت کے نام پر اداروں کا کردار تو ایک طرف ، صرف پاکستان، میں رجسٹرڈ سیاسی جماعتوں کی تعداد کو دیکھیں تو ایسا لگتا ہے جیسے تمام خدمت کا جذبہ صرف ان میں ہی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے ۔اگر کسی کو کچھ نہیں آتا تو ایسے فوری طور سیاست دان بننے کا مشورہ دیا جاتا ہے کہ اس سے شفاف کاروبار کوئی نہیں ہے کیونکہ اگر جیل کسی بھی جُرم میں جانا پڑے تو بھی فائدے میں ہی ہوگے ۔بیمار پڑے تو بھی فائدے میں ہوگے ، کسی کو ماردیا خود مر جاؤ تو بھی فائدہ، اگر کوئی فائدے مندکاروبار ہے تو صرف سیاست کا ہی ہے ۔ سیاست کو خدمت کا نام دیا ہے لیکن عجیب خدمت ہے کہ خدمت کرنے کے لئے عوامی بہبود کے بجائے اربوں روپے سیاسی جلسوں ، ریلیوں ، بینرز ، پبلسٹی پر خرچ کردئے جاتے ہیں ۔ورنہ مراعات، تنخواہ کے نام پر کوئی بھی اسمبلی، سینٹ کا ممبر اپنے الیکشن کے ایک دن کا خرچہ چار سال کی مدت میں پوری نہیں کرسکتا لیکن جب اربوں روپے خرچ کرکے اسمبلیوں میں پہنچتے ہیں تو انھیں ایک ایسا" پارس" مل جاتا ہے جو کسی بھی چیز پر لگاتے ہی سُونا بن جاتا ہے ۔جس طرح ایک عورت کے کئی روپ ہوتے

ہیں کہ ایک وجود رکھتے ہوئے وہ ماں، بہن، بیوی، وغیرہ وغیرہ بن جاتی ہے ایسی طرح سیاست بھی غریب کے لئے ایک الگ کردار، پارٹی کے لئے الگ، الیکشن کے لئے الگ، حکومت کے لئے الگ، اپوزیشن کے لئے الگ، اتحاد کے لئے الگ، غرض یہ ہے کہ سیاست کی کوئی کیل سیدھی ہی نہیں کہ ہم کہہ سکیں کہ اونٹ رے اونٹ تری کون سی کیل سیدھی ۔۔ اگر ایسے اونٹ کے اُس کوہان سے تشبیہہ دوں کہ وہ اپنے کوہان میں اتنے وافر مقدار میں خوراک اکٹھا کرلیتا ہے کہ ہفتوں پانی، خوراک کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے ایسی طرح پاکستان میں آج کل تو کیا، ماضی سے لیکر اب تک جو کچھ ہوتا آرہا ہے اُس میں جب بھی جمہوریت کی بساط الٹی تو جب تک جمہوریت واپس نہیں آتی اُس وقت تک قومی خزانے لوٹنے والے جگالی کرتے رہتے ہیں۔ جمہوریت نہ ہو گئی ایک تماشہ ہوگیا کہ ایک امیدوار کو سو کے مقابلے میں تیس فیصد ووٹ ملیں تو وہ اکثریت پر کامیاب قرار پاتا ہے ۔ الیکشن کے اخراجات کی حد متعین کرنے کے لئے لاکھوں روپوں کی حدود متعین کئے جاتے ہیں تو یہ نہیں سوچا جاتا کہ اگر کوئی غریب الیکشن میں حصہ لے گا تو کیا ایسے میکرو فنانس بنک جا کر اپنی غربت گروی رکھنی پڑے گی سیدھے سادھے کہتے کیوں نہیں ہو کہ جی ! غریب کو الیکشن یں لڑنے کا حق ہی نہیں ہے ۔ جس غریب کے گھر میں دو وقت کا کھانا نہ ہو، اُسے اپنے بچے فروخت، خود کشی اور جسم کی قیمت لگا کر بچوں کو دودھ پلانا پڑتا ہو وہ کس طرح مہنگے ترین الیکشن کا حصہ بن سکتا ہے ۔ عجیب جمہوری نظام ہے کہ غریب کے نام پر وہ امیر

سرمایہ دار غریب کا ہمدرد بنکر آتا ہے جو اپنی فیکٹری میں غریب مزدور کی جان کے، بجائے اپنے ائیر کنڈیشن کمرے اور فیکٹری کا انشورنس کرواتا ہے۔ بھلا وہ کسی غریب کا غمگسار کیسے بن سکتا ہے؟ جو جاگیر دار، ہاری، کسان کی مشقت کو جبری چھین لیتا ہے اور اُس کو پیٹ بھر اناج نہیں دے پاتا تو پھر وہ اُس کے حقوق کے نام پر اسمبلی میں کیا، اور کیوں آواز اٹھائے گا؟۔ کروڑوں روپے خرچ کرکے سڑکیں بنا دیں جاتیں ہیں، تو اگلے دن ہی کوئی دوسرا ادارہ انھیں ادھیڑ دیتا ہے، جس سڑک پر کروڑوں روپے لگا دئے جاتے تو چند مہینوں بعد ایسی سڑک کو کھود کر فلائی اوور، انڈر پاس بنا دئے جاتے ہیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں، کوئی احتساب نہیں، کوئی پلاننگ نہیں، اربوں روپے خرچ کرکے خانہ شماری کرائی جاتی ہے تو مردم شماری کا دور دور تک نشان نہیں ہوتا۔ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس کے مصداق جس میں قوت ہو حکومتی مشنری کو اپنے مقاصد کے لئے،
استعمال کرجاتا ہے تو پھر عوام کو تکلیف کیوں دیتے ہو، چابی اٹھاؤ اور اُن ٹھنڈے کمروں میں بیٹھنے والوں کی میز پر رکھ کر کہو کہ یہ میرے گھر کی چابی ہے۔ جائیں ذرا ایک وقت کا چولہا جلادیں باتوں سے آگ تو لگائی جا سکتی ہے لیکن کھانا نہیں پکایا جاسکتا ۔جو کام پینسٹھ سالوں سے ہو رہا ہے وہ ہوتا رہے گا۔ جو سوچ اظہار ہے اس پر قدغن لگانی ہے تو لگا دیں۔ سوچ کی قطع بُرید اب ختم کرو، آپ کی سوچ الگ، میری سوچ الگ اسی لئے ہے کیونکہ ہم ایک دوسرے پر جبری سوچ مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ دریا کے بہاؤ کو

روکنے کے بجائے ایسے استعمال کرنے کا طریقہ اپنایا جائے تو تباہی نہیں ہوگی۔ جمہوریت یہ نہیں کہ اختیار آپ کے ہاتھ میں ہے تو کسی کی خاموشی کے دل کو جبر کے پیروں سے روندتے رہیں۔ عوام کمزور سہی لیکن اُس کی شناخت ہے تو ایسے مٹاتے کیوں ہو، وعدے پورے نہیں کر سکتے تو وعدے کرتے کیوں ہو ؟؟۔۔ جمہوریت اگر یہ ہے ایسی جمہوریت مجھے اچھی نہیں لگتی۔ سچ پوچھو۔ واقعی یہ جمہوریت کھلا مذاق ہے۔

جنگ کا آخری حل مذاکرات ہی ہیں

جب تاریخ میں زیادہ تر مغل حکمرانوں کا ہندوستان کے حوالے سے فتوحات اور حکمرانی کا تزکرہ کیا جاتا ہے تو سمجھ نہیں آتا کہ نصاب میں افغانستان کے علاوہ افغانوں کی ایران ، تختِ دہلی اور ہندوستان کے صوبوں پر 3561 سالہ شاندار حکمرانی اور بے شمار بڑی فتوحات کو کی پیش کردہ کا ذکر کرنے میں غفلت سے کام کیوں لیا جاتا ہے۔ اکثر ہندوستان پر حکومت کے حوالے سے مغلوں کا ذکر کیا جاتا ہے جبکہ قطب الدین ایبک ، التمش ، بلبن، اور سکندر لودھی جیسے افغان حکمرانوں کے ذکر کو گول کرلیا جاتا ہے۔
1516ء سوات میں افغانوں سے شکست کھانے کے بعد یوسف زئی قبیلہ کے سب سے بڑے اور مضبوط سردار شاہ منصور نے اپنی لڑکی کا ہاتھ بابر کے ہاتھ میں دے کر اُس کے ہاتھ نہایت مضبوط کردئے ے تھے۔ بابر نے شیبانی خان اُزبک کے حملوں کے خوف سے بھاگ کر1504ء، باجوڑاور1514ء جہلم پر قبضہ کرلیا۔ یوسف زیوں نے اُسے نہ صرف مدد ، بلکہ رشتہ اور رستہ دیکر ہندوستان پر حملے کی راہ ہموار کی۔ بابر کی چوالیس ہزار فوج کو پچیس سال جنگوں کا تجربہ تھا اس کے ساتھ سات سو کلدار توپوں نے ہندوستان کا وہی حال کیا جو دوسری جنگ عظیم میں امریکہ کے ایٹم بم نے غیور اور دلیر جاپانیوں کا کیا تھا۔ بابر کے متعلق ہیرلڈ اپنی کتاب

تاتاریوں کی یلغار میں لکھتا ہے کہ "اگر بابر کو کسی بات میں مہارت تی تو ناکامی کے آثار دیکھتے ہوئے مخالفین کے بھگوڑے ہونے میں" جبکہ افغان سلطان ابراہیم لودھی اپنے رشتے داروں، عالم خان لودھی، علاؤ الدین لودھی اور ہندو راجاؤں کی فتنہ انگیزیوں اور سازشیوں سے گھرا ہوا تھا لیکن اس نے مردانہ وار مقابلہ کیا اس کے لاش سب سے آگے پڑی تھی ایسے کسی مورخ نے بھگوڑا یا بزدل نہیں کہا۔ بابر نے ہندوستان کو کوئی نیا انتظامی ڈھانچہ نہیں دیا بلکہ افغانوں ہی کے بنائے ہوئے لائحہ عمل کو اپنایا۔ بابر کی موت کے بعد اس کے افیون کے عادی بیٹے ہمایوں کو مرتے دم تک افغانوں نے چین سے رہنے نہیں دیا آخر شیر شاہ سوری نے 1539ء میں تخت پر قبضہ کرلیا، اگرچہ وہ بابر سے جنگوں میں زیادہ الجھا رہا۔ بابر نے چار سال آٹھ ماہ چھ یوم حکومت کی جبکہ شیر شاہ سوری نے اُس سے قلیل عرصے یعنی چار سال چار ماہ دس دن اس طرح حکومت کی کہ اکبر اور اورنگزیب نے سو سال کی اپنی حکمرانی میں نہ کرسکے۔ اکبر بادشاہ بھی افغانوں کے انتظامی ڈھانچے کو چلانے پر مجبور رہا کیونکہ اس میں وہ قابلیت تھی ہی نہیں۔ اس نے اسلام میں تفرقہ پیدا کرنے کے لئے دین الٰہی کا نیا مذہب ایجاد کیا۔ جس میں سجدہ صرف شہنشاہ کے لئے، داڑھی رکھنے کی حوصلہ شکنی، خنزیر کو حلال قرار دینا، حج پر پابندی، عربی تعلیم کو نظر انداز کرنا، بارہ سال سے پہلے ختنہ پر پابندی، علماء مشائخ کو دربدر کرنا، اکبر کو خدا کا زمین پر نائب قرار دینا، اکبر کے سامنے زمین بوس

ہو کر سجدہ کرنا، کعبتہ اللہ کی جانب پاؤں رکھ کر سونا، نماز اور اذان کی مخالفت جیسے ایسے ہی ملحدانہ نظریات کی اشاعت اکبر اعظم کے نئے مذہب کا تھا جس کے سب سے بڑے پرچارک ابو الفضل کے خاتمے کے ساتھ کفر اور الحاد مبنی مذہب کا خاتمہ ہوا۔ جہانگیر ہی تھا جس نے سٹورٹ خاندان کے پہلے حکمران جیمز اول کے نمائندے کیپٹن ہاکنز کو سورت میں 1608 ایسٹ انڈیا کھولنے اور 1615ء میں سر تھامس رو کو کمپنی کے لئے بنگال میں بلا محصول کھوٹیاں حاصل کرنے کی اجازت دی۔ انجینئر باشاہ نے اپنے تیس سالہ دور حکومت میں تاج محل، تخت طاوس، شاہ جہان آباد، رنگ محل ممتاز محل۔ مقبرہ جہانگیر، شالامار باغ، نشاط باغ بنانے میں آٹھ کروڑ روپے اور، آٹھ سال ضائع کئے۔ قندھار، بلخ، بدخشاں کے معرکوں میں آٹھ کروڑ روپے اور دوسال ضائع کئے اور پچاس ہزار فوج تباہ کی لیکن ایک انچ پر بھی قبضہ نہیں کرسکا۔ 1650ء میں دس پاؤنڈ سالانہ کرائے پر بمبئی کا جزیرہ انگریزوں کے حوالے کیا۔ بعض مورخین شاہ جہاں کی جانب سے عمارات بنانے کو بے روزگاری ختم کرنے کی تاویل کے طور پر لیتے ہیں اگر واقعی ایسا تھا تو پھر عیاش گاہیں بنانے کے بجائے، لوگوں کے لئے سڑکیں، کنوئیں، شفا خانے، مدرسے یا درس گائیں بنا کر روزگار اور فوائد میسر کرائے جاسکتے تھے۔ جیسا کہ شیر شاہ سوری نے اپنے ساڑھے چار سال دور حکمرانی میں کیا، لیکن ان کے کاموں کی نمود و نمائش اس لئے نہیں ہوتی کیونکہ ان عوامی کاموں پر محافل رقص و سرور نہیں سجائی نہیں جاتی۔ بلکہ شیر شاہ سوری

کی بنائی ہوئی ہزاروں میل لمبی سڑکوں خصوصاً جی ٹی روڈ یا جرنیلی سڑک کو چار سو ستر برسوں سے اربوں کی تعداد میں پاؤ تلے روندنے والوں نے کتنی ستائش کی؟ مغلیہ سلطنت کا شہنشاہ عالمگیر کا تو یہ عالم رہا کہ ایک طرف اس کے قصدے پڑھے جاتے ہیں کہ روزی روٹی کے خاطر قرآن مجید لکھنے اور ٹوپیاں بنانے والے ہاتھ ہی اپنے بھائی شجاع اور ان کے اہل عیال کے قتل سے رنگے ہوئے تھے۔اگر مغل اور افغان فاتحین کا موازنہ ہو تو شہاب الدین غوری، بختار خلیجی، علاو الدین خلجی سے بڑے فاتح، غلوں نے پیدا نہیں کئے بلکہ بہلول لودھی، سکندر لودھی، شیر شاہ سور اور مالوہ کے سلطان محمود خلجی جنہوں نے چورانے سالہ دور حکومت میں بیشتر متعدد کامیاب جنگوں میں گذرا اور مغلوں سے کم فاتح نہیں تھے۔افغانوں نے احمد شاہ ابدالی اور وزیر خان جیسی شخصیات بھی پیدا کیں جس نے صرف 32 برس کی عمر میں غیر تربیت یافتہ غیر منظم افغان قبائل کو منظم کر کے 1842ء میں انگریزوں کو خوفناک شکست دی انگریزوں کی حکمرانی کا سورج پوری دنیا میں کہیں بھی غروب نہیں ہوتا تھا اس کے پاس بہترین فوج کے دستوں اور جدید ترین ہتھیار بھی تھے لیکن انگریزوں کی تیس ہزار فوج میں صرف ایک شخص ڈاکٹر برائیڈن زندہ بچ جانے میں کامیاب ہوا تھا۔ موجودہ دور میں ملا عمر کو افغانستان جیسے سرکش، خودسر، جنگجو اور سر ہتھیلی پہ رکھ کے چلنے والے افغانوں، نیز نہایت پیچیدہ اور دشوار گذار علاقے میں امن و امان قائم کرنے کا ملکہ حاصل رہا ہے۔افغانستان کی سرزمین پر امن کے لئے ان جیسا

ہی جنگجو اور رکھنے والے حکمران کی ضرورت ہے۔افغانوں کی انتظامی طرز حکمرانی سے جب عیاش مغل بادشاہوں نے استفادہ کیا تو اب ملا محمد عمر کی جانب سے دیئے گئے سیاسی طور پر جدوجہد کے واضح پیغام پر بین الاقوامی قوتوں کو سوچ لینا چاہیے کہ جہاں وہ اپنے عید کے پیغام میں قومی تشخص کا ذکر اور امن کے لئے واضح رہنمائی دی جا رہی ہے تو اس لاحاصل جنگ سے کیا فائدہ ہوا جس میں لاکھوں انسانوں کو جان کی قربانی دینی پڑی ۔ ملا عمر کا یہ کہنا قابل غور ہے کہ سیاسی کوششوں کے لئے قائم دفتر کا قیام اور خاص جماعت کا تعین لایا گیا ہے ۔ان کے مطابق اس مذکورہ دفتر کے علاوہ مفاہمت کے لئے کوئی دوسرا چینل نہیں ہے اس لئے خفیہ سیاست کرنے کے بجائے ملا عمر کی اس پیش کش کو مثبت انداز میں لینا چاہیے ۔ابھی تک نیٹو ممالک کی جانب سے سوائے انسانی جان و مال نقصان اور شدت پسندی کے لئے الٹے سیدھے اقدامات سے سوائے نقصان کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں ہوا ہے۔جب امریکہ کی جانب سے جاپان پر ایٹم بم گرا کر لاکھوں معصوم انسانوں کے قتل عام کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے تو پھر امن کے لئے اس سیاسی پیش رفت کا فائدہ اٹھانے میں مغربی ممالک کو کیوں تامل ہے۔بالا سطور میں مغل مسلم حکمرانوں کے تذکرے کا بھی یہی مقصد ہے کہ ہم جب ہندوستان کی سرزمین پر قبضہ کرنے والوں کے گن گاتے رہیں گے تو کل ہمارے قوم کے معماروں کے سامنے اصل حقیقت کون پیش کرے گا کہ افغانستان کی طرح ہندوستان کی سرزمین پر اُن کی مرضی کے بغیر قبضہ کیا گیا۔افغانستان میں

انگریزوں کی مداخلت سالوں سے جاری ہے۔ اپنے پٹھو حکمران بھی بنائے۔ امریکہ نے بھی انگریزوں کی روایت کو دوہرایا لیکن دنیا کا کوئی قانون ایسا نہیں ہے کہ اپنی زمیں کے لئے کی جانے والی جدوجہد کو غیر انسانی فعل قرار دیں۔ یہاں مقصود کسی خاص تنظیم کی ترجمانی نہیں ہے لیکن ہم نے تاریخ سے یہ سبق سیکھا ہے کہ لاکھوں جنگ وجدل کے بعد بھی مذاکرات کے ذریعے ہی امن کا قیام عمل لایا جاتا ہے۔ افغان طالبان کا مسئلہ اگر حل کرلیں تو جو دوسرے گروپ جو پاکستان سمیت پوری دنیا میں امن کی خرابی کا باعث بنے ہوئے ہیں ان کو افغان حکومت کے منتخب حقیقی نمائندے ہی راہ راست پر لا سکتے ہیں اگر سیاسی دفتر کے چینل سے قیام امن کے لئے کوشش کی جائیں تو قیام امن کے لئے یہ کوئی مہنگا سودا نہیں ہوگا، پھر امریکہ آج نہیں تو کل، افغانستان سے نکل جانے پر مجبور ہوگا ہی۔ جبکہ افغانی تو اپنی سرزمیں پر ہمیشہ موجود رہیں گے۔ سوچ لیں مستقل رہنے والوں کو ہمنوا بنایا جائے تو غیر ملکیوں کو ؟

بلوچستان حکومت سازی اور پشتون

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آزاد بلوچستان سے کیا مراد ہے ؟ ۔ کیا ایسا بلوچستان جس میں صوبائی خود مختاری ہو ، یا وہ بلوچستان جس میں مکمل آزادی کے نام پر آزاد مملکت کی تمام بھاگ دوڑ بلوچوں اور براہیوں کے ہاتھوں میں قرار دیتے ہوں ؟ ۔ خدانخواستہ اگر مملکت پاکستان ہر طرح کی عملیات اور اقدامات کے باوجود آزاد بلوچستان کے قیام میں ناکام ہوجاتی ہے تو کیا کسی علیحدگی پسند بلوچ کے پاس یہ فارمولا ہے کہ بلوچستان کے سنتیالیس فیصد کے لگ بھگ پشتون منقسم قبائل پر مشتمل 23 فیصد بلوچوں کی پورے بلوچستان پر بلا شرکت غیرے بالادستی کو قبول کرالیں گے ؟ ۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہمیں مینگل صاحب اور مجیب الرحمٰن کے چھ نکات کا موازنہ کرنا ہی نہیں چاہئے اور مجیب کے چھ نکات کو مینگل کی نشان دہی کے چھ مسائل سے مقابل قرار دیکر بلوچستان کی آزادی کے حوالے سے قیاس آرائیاں کرنا مجموعی طور پر بے وقوفانہ سوچ کی غمازی ہے ۔ گو کہ مینگل سردار کی جانب سے چھ اسباب کے سدباب کی نشان دہی سے کسی باشعور کو انکار نہیں اور بلوچوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کے ازالے کیلئے اِن نکات پر عمل درآمد کو ممکن بنانا ، حکومت کی بنیادی ترجیح ہونی چاہیے لیکن مبالغہ آرائیوں پر مشتمل پوائنٹ اسکورنگ کے سیاسی بیانات سے اصل حقائق کو پس پشت ڈال کر ہم بلوچستان

میں رہنے والے پشتونوں کی حق تلفی اور انھیں احساس محرومی میں مبتلا کرکے دانستہ بھیانک غلطی کر رہے ہیں۔لاپتہ لوگوں کی بازیابی سمیت بلوچستان میں لاقانونیت اور بعض اداروں کی جانب سے حد سے تجاوز کرنا نئی بات نہیں ہے لیکن ہم نے کبھی تاریخ سے سبق نہ سیکھنے کی قسم کھائی ہوئی ہے۔ بلوچستان کے معاملے پر ہمیں یکطرفہ صورتحال پر واویلا کرکے سیاسی پوائنٹ اسکورنگ کرنے کے بجائے اس بات کو مکمل طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ مشرقی پاکستان میں بنگلہ دیش بننے کے محرکات میں سب سے اہم عنصر بنگلہ دیش کی اکثریت پر مشتمل ایک قوم کا وجود تھا جبکہ بلوچستان میں صورتحال اس سے بالکل برعکس ہے بلکہ بلوچوں،براہیوں اور دیگر قبائل کے مابین زبردست اختلافات موجود ہیں۔

ستمبر 2006ء میں نواب اکبر بگٹی کی ہلاکت کے احتجاج کے طور پر نیشنل گرینڈ 18 الائنز کے نام سے قائم کردہ ایک نئی سیاسی جماعت میں حکومت مخالف تمام سیاسی پارٹیاں صادق شہید پارک ، کوئٹہ میں شریک ہوئے۔ جس میں بلوچ ،براہوی اور پشتون رہنماؤں کے علاوہ پنجاب کے راجہ فضل حق اور عمران خان نے بھی شمولیت کی تھی۔اس لئے بلوچستان میں جب بھی بدامنی کے حوالے سے میڈیا، اخبارات اور جلسوں میں تذکرے کئے جاتے ہیں تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ 47 فیصد بلوچستان کے پشتونوں کو کس نظریئے کے تحت نظرانداز کیا جا رہا ہے۔جبکہ افغانستان میں رہنے والے بلوچوں کو کبھی کسی پشتون نے پریشان تک

نہیں کیا۔ یہ بھی سمجھ نہیں آتا کہ نواب بگٹی کی ہلاکت کے بعد فوجی، نیم فوجی اہلکاروں اور غیر بلوچ افراد کو دستی بموں، دھماکوں، ٹارگٹ کلنگ نیز حساس تنصیبات کو نقصان پہنچانے والوں کے مقاصد کی پشت پناہی میں کس کا ہاتھ ملوث ہے ؟۔کتاب "دی بلوچ ".میں برٹش بلوچستان میں بلوچوں اور براہیوں کی 1666ء سے حالات درج ہیں۔ ء کے جدول کے مطابق جدول ص 139 میں درج بلوچوں اور براہیوں کی 1931 آبادی کی تفصیلات یوں ہے۔ بلوچ 226041،براہوی 152588،جبکہ 1931 ء ہی میں افغان قبیلے غلزئی کی آبادی جنوب مشرقی افغانستان میں دس لاکھ تھی۔کتاب مشرقی افغانستان کے خانہ بدوش قبائل" کے مصنف کیپٹن جے۔اے کے مطابق بلوچوں" کے چند بڑے قبائل کی تعداد یوں ہے۔ مری،238834،افشانی،5220،بگٹی رند،26361مکران،19458جبکہ اولف کیرواپنی کتاب "دی،31321 پٹھان" میں کاسی اور شنواری کو "مکران" قبیلے کا بھائی بتاتا ہے،اقوام دشتی، گبول، گوپانگ، گرد، مستوئی عرصہ دراز سے بلوچوں میں ضم یا شامل ہونے کے باعث بلوچ کہلائے۔ رئیسانی قبیلہ، افغان قوم سپین ترین کی شاخ ہے جبکہ لاسی قوم،،برا ہوی ہیں نہ بلوچ،،براہوی اور بلوچ بذات خود الگ اقوام ہیں جیسا کہ "پیکولین" نے کے جدول ص 63 میں الگ حیثیت متعین کی ہے۔قدیم تاریخ میں بلوچستان کے 1931 بجائے بلوچی کے نام سے بلوچ کا ذکر ملتا ہے۔ لفظ "بلوچستان"تاریخ میں پہلی مرتبہ ء میں روشناس کرایا گیا۔لفظ بلوچ کی طرح قدیم تواریخ میں سیوستان کے علاوہ 1879 مکران یا کیچ کے نام تو مل جاتے

لیکنلفقط بلوچستان تاریخ میں درج نہیں ہے۔ مرحوم نواب بگٹی آکسفورڈ یونیورسٹی کے اعلی تعلیم یافتہ اور نہایت صاحب مطالعہ شخصیت تھے ، بلوچستان کی لاکھوں کی بلوچ آبادی میں چند لوگ ہی مرحوم نواب بگٹی کی طرح صاحب مطالعہ ہونگے۔

ان سوالات کے جوابات کوئی دینے کو تیار نہیں کہ بلوچستان کے 47 فیصد کیثر آبادی کو کیوں نظرانداز کیا جارہا ہے اور کیا بلوچستان میں رہنے والے دشتی، گبول، گوپانگ ، گرد، مستوئی، کاسی، شنواری، مری ، مینگل ، رند ، افشانی، بگٹی، مکرانی اور براہوی آپس میں اس قدر متحد ہیں کہ ان کا متفقہ لیڈر ایک ہی ہے جبکہ اس کے برعکس براہوی اور بلوچوں کی آپس میں زبردست ٹھنی ہوئی ہے۔ مری قبیلہ کی اکثریت فراری اور مُجادلوں میں محو ہیں ، بگٹی قبیلہ منتشر و منقسم ہے۔ رند ، رئیسانی ، ڈومکی اور بگٹیوں میں طویل عرصہ سے کشت و خون جاری ہے۔ کئی دیگر بلوچ اور براہوی قبائل آپس میں الجھے ہوئے ہیں۔ سول نافرمانی کیلیے تمام قبائل میں اتفاق رائے ناگزیر ہے لیکن تاریخی حقیقت ہے کہ ایسا کبھی ممکن نہیں ہوسکتا اور سوائے خانہ جنگی اور خوں ریزی کے کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ بلوچستان میں رہنے والے قبائل ہی آپس میں متفق ہونے ے بجائے باہم دست و گریباں ہیں اور ایسا کون مائی کا لال ہے جو یہ گارنٹی دے کہ 47 فیصد پشتون ، خوامخواہ علاقے میں بدامنی ، اپنی قوم کے گلے کاٹے جانے ، محنت کشوں کان کنوں کے قتل پر علیحدگی پسندوں کا

ساتھ دینے کے لئے 23 فیصد ایسے بلوچوں کا ساتھ دیگا جو خود آپس میں متفق نہیں ہیں۔یہ امر سو فیصد طے شدہ ہے کہ خانہ جنگی صرف بلوچ قبائل تک محدود ہوگی، بلوچ قوم کو ہی نقصان پہنچے گااور تباہ کاریاں صرف بلوچ قوم کا ہی مقدر بنے گی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہتمام بلوچ قبائل ایک سیاسی پلیٹ فارم بنالیں، الیکشن میں مشترکہ حصہ لیں،اپنی سول حکومت قائم کرکے صوبے سے ناپسندیدہ عناصر کے خلاف پابندی عائد کرادیں۔سیاسی عمل کا حصہ بن جائیں۔ایسے لوگوں کے لئے میدان مت چھوڑیں جو آپ کی نمائندگی نہیں کرتے۔میدان خالی چھوڑ کرایسے لوگوں کو کیوں آنے دیتے ہیں جو بلوچستان سے مخلص نہیں ہیں۔اگر عوام آپ پر اعتماد کرتی ہے تو سیاسی طور پر بلوچستان پر قبضہ کرلیں۔جب عوام آپ کو ووٹ ہی دینے کے لئے نہیں نکل سکتی تو علیحدگی کی کسی تحریک میں قربانی کیا دے گی۔ پہلے اپنے آپ کو بلوچستان کا متفقہ نمائندہ ثابت کریں۔لاپتہ افراد سنگین مسئلہ ہے جس کی اہمیت سے قطعی انکار نہیں کیا جا سکتا۔لیکن اس کی تمام ترذمے داری صرف سیکورٹی اداروں پر ڈال دینا بھی دانشمندی نہیں ہوگی۔جس کی مثال کراچی ہے جہاں رینجرز کی موجودگی کے باوجود متحارب گروپوں کی باہمی چپقلش سے جتنے بے گناہ روز مارے جاتے ہیں۔اغوا ہوتے ہیں، اتنے پورے پاکستان میں کہیں نہیں ہوتا۔تو کیا کراچی کا واحد حل پاکستان سے علیحدگی ہوگا یا سیاسی طور پر یہاں کے باشندوں کو قومی دھارے کے ساتھ لیکر چلنا۔کراچی میں بلوچ اقلیت میں ہیں، سندھی اقلیت میں ہیں تو کیا اُن

کا کہنا مان لیا جائے ؟ کہ اردو بولنے والا میئر نہیں بن سکتا کیونکہ وہ اردو بولتا ہے، تو ایسا ہی کچھ بلوچستان میں ہے کہ وہاں اکثریت میں جو ہیں ان سے کوئی پوچھتا نہیں، بلکہ اقلیت کو نمائندہ بنا کر ریاستی اداروں اور مملکت کو بدنام کرنے کے لئے ملک توڑنے کی سازش کی جارہی ہے جس میں غیر محسوس طور پر میڈیا ملوث ہوتا جارہا ہے۔ جس کے نتائج یقینی طور پر اچھے نہیں نکلیں گے۔ بلوچستان کے پشتونوں اور بلوچوں کے ان قبائل کو اعتماد لیں جنھیں مخصوص قبائل کی بناء پر بین الاقوامی ایجنڈے کے تحت نظر انداز کیا جارہا ہے۔ اگر پشتونوں کے احساس محرومی کو نظر انداز کئے جانے کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تو پھر یہ ممکن ہے کہ افغانستان سے منسلک افغان، اپنے پشتون بھائیوں کے لئے براہ راست ملوث ہو جائیں۔اس لئے پہلے سمجھ جائیں یا سمجھا دیں۔

معافی شافی

پاکستان کا قیام دو قومی نظریہ کی بنیاد پر عمل میں لایا گیا۔ جیسے علامہ اقبال کی خوابوں کی تعبیر تو کبھی سر سید احمد خان کی جانب سے رکھی جانے والی زبان کی تقسیم کی وجہ سے مسلم اور غیر مسلم کی تفریق کی بنیاد قرار دیا گیا کسی نے پاکستان کی حمایت تو کسی نے مخالفت کی، کسی نے پاکستان کو تسلیم کر لیا تو کسی نے پاکستان کے نظریات کی ہیت کو تبدیل کرتے ہوئے اپنے نظریات کا پاکستان قرار دینے کی کوشش کی۔ پاکستان مسلم و غیر مسلم کے نظریئے کی بنیاد پر بنا لیکن سقوط ڈھاکہ نے دو قومی نظریئے کو دریا ء بدر کر دیا اور اب بنگلہ دیش پاکستان سے اپنے اوپر ہونے والے مظالم پر پاکستان سے باضابطہ معافی کا مطالبہ کرتے ہوئے یہ نہیں سوچتا کہ بنگلہ دیش بھی تو قائد اعظم کی کوششوں سے بنا تھا تو پھر اس وقت کے بنگالیوں کا نظریہ دو قومی کہاں چلا گیا اور کیوں امت واحدہ کے نظریات پر لسانیت کا نظریہ حاوی ہو گیا ؟۔ حکومت پاکستان کی سابقہ وزیر خارجہ کے اس بیان سے مکمل متفق ہوں کہ مشرقی پاکستان میں کی جانے والی زیادتیوں پر کہیں بار معافی مانگی جا چکی ہے اس لئے انھیں بار بار دوہرانا مناسب نہیں ہے۔ لیکن مغربی پاکستان کا ایک ایک فرد کوئی دو رائے نہیں رکھتا کہ بنگلہ دیش کا بننا سب سے بڑا المیہ ہے۔ بھارت جس طرح اب بھی

خواہش رکھتا ہے کہ اکھنڈ بھارت کا خواب دوبارہ شرمندہ تعبیر ہو جائے اسی طرح پاکستان میں بھی اکثریت یہی چاہتی ہے کہ بنگلہ دیش واپس پاکستان کا حصہ بن جائے ۔حکومت کی جانب سے معافی مانگنا ، ایک رسمی روایات ہے ۔ کبھی بلوچستان کے معاملے پر قوم سے معافی مانگتے ہیں تو کبھی اپنی بے بسی پر معافی مانگتے نظر آتے ہیں ۔ سلالہ پر معافی منگوانے کیلئے مملکت میں ہیجان خیزی و عروج پر پہنچا کر الٹا معافی منوانے کے بجائے اپنی غلطی کی معافی مانگ لیتے ہیں۔ اسکولوں کی حالت زار پر اربوں روپوں کی کرپشن پر معافی مانگ لیتے ہیں تو سپریم کورٹ کو گالیاں دینے کے بعد معافی مانگ لیتے ہیں ۔ مانگنے کی یہ عادت اس قدر پختہ ہو چکی ہے کہ افواج پاکستان پر ذو معنی ، تو کبھی حقانی ، تو کبھی ایبٹ آباد کمیشن پر معافی مانگ لیتے وقت بھی نہیں سوچتے کہ اس کا پوری دنیا میں کیا اثر ہوگا۔ سرحدوں پر دراندازیوں پر معافی مانگنا ، کراچی میں قتل و غارت روکنے میں ناکامی پر معافی مانگنا ، بلوچوں کے ساتھ نا انصافی پر معافی مانگنا۔ پارلیمنٹ میں قانون سازی کرکے واپس لینے پر معافی مانگنا ، ماضی کی غلطیوں پر معافی مانگنا۔ اتنی معافی تو کوئی بھکاریوں کو بھیک دیتے وقت نہیں مانگتا کہ بھائی جاؤ ، معاف کرو ۔۔ جتنا ہمارے اربابِ اختیار معافیاں مانگتے نظر آتے ہیں۔ اب دوبارہ معافی ناموں کا سلسلہ کہ قوم کے اعتماد کو جس جس نے دھوکہ دیا وہ معافی مانگے ، ادارے ملوث نہیں ، قصور فرد واحد کا ہے وہ معافی مانگے یا اس پر الزام درست ہو جائے تو پھر معافی

منگوائی جائے ۔ بعض الیکٹرونک جرنلسٹ کی جانب سے عدلیہ کی کردار کشی کے آشکارہ ہونے پر لنکرز کی معافی ، میرے خدا ۔۔ یہ معافی نہیں ہوئی ریوڑیاں ہوگئیں کہ کتنی چاہیے جب بانٹ لو ، جتنی بانٹ لو ۔۔ قائد اعظم کے مزار پر جانے والے ، فاتحہ خوانی کرنے والے بھی معافی مانگتے ہونگے کہ بابا جی معاف کردینا آپ کا پاکستان نہیں بنا سکے ۔ تو بھائی چھوڑو ، یہ معافی شافی کی ڈرامہ بازی ، سب جانتے ہیں کہ ان معافیوں میں کون کتنا چھپا بیٹھا ہے ۔اور ان معافیوں کا مقصد کیا ہے ۔ قوم کو صرف یہ بتاؤ کہ اب پاکستان جیسا بھی ہے ۔ جتنا بھی بچا کچا ہے ، اس کا کیا ، کیا جائے ؟ ۔ دہشت گردوں کو قابو کر نہیں سکتے ، شدت پسندی روک نہیں سکتے ، لسانیت ختم کر نہیں سکتے ،فرقہ واریت کو آسیب بنا دیا ہے ، پاکستان میں نئی حکومت کا جشن کس بات کے لئے منایا جائے گا ۔ بے روزگاری کی شرح سب سے زیادہ اس دور میں ہے ، رشوت خوری میں نمبر اس دور میں ہے ، لسانی سیاست کو عروج حاصل ہے ، لاقانونیت کا عفریت اس جمہوری دور کا تحفۂ خاص ہے ۔ فرقہ واریت میں قتل عام اس جمہوریت کا دین ہے ۔ایک ایسا لمحہ فکریہ ہے کہ پاکستان کس نظریئے پر رواں دواں ہے ۔ اثنا عشری ، آغا خانی (اسمعیلی شیعہ) ، بوہری (برہان الدین فرقہ) ، فاطمی فرقہ ، اہلست ، سنی ، دیوبندی اہل حدیث ،تبلغی جماعت ، دہریہ ، فرقہ اہل قرآن ، قادیانی ، احمدی،لاہوری ، قادیانی اور جانے کتنے مسالک فرقے اور مذاہب ہیں جو پاکستان میں رہ رہے ہیں ۔ طالبان ہیں کہ خود بتیس گروپوں میں

تقسیم ہیں ۔پتہ ہی نہیں چلتا کہ طالبان کا کونسا گروپ کیا کر رہا ہے ، کوئی بلوچوں پر سیاست کر رہا ہے ، کوئی پٹھانوں پر کوئی ، سرائیکوں پر تو کوئی ہزاروال پر ، جو بچ گیا تو کشمیر پر تو کسی کی سیاست گئی نہیں۔ پاکستان نہیں ہوا چوں چوں کا مربہ ہوگیا ، ہر دن پرانا راگ ، قائد اعظم یہ چاہتے تھے ، قائد اعظم وہ چاہتے تھے، پاکستان کا یہ مقصد نہیں تھا ، قاید اعظم کا فلاں مقصد تھا ، ہندوستان کی سرزمین کو تقسیم کرکے پاکستان بنالیا تو بس کر جاؤ نا بھائی ، پاکستان کی سرزمین کو تقسیم کردیا پھر بھی سکون نہیں ملا ، سندھ میں سندھو دیش ، بلوچستان میں گریٹ بلوچستان ، خیبر پختونخوا میں آزاد پختونستان ، پنجاب میں تین صوبے تو کبھی سات صوبے ، مجھے سمجھ نہیں آتا کہ اس سے عوام کو فائدہ کیا مل رہا ہے ؟۔ یہ جو آزمائے ہوئے چہرے ہیں جو کبھی لالی وڈ کے ایکٹر بن جاتے ہیں تو کبھی ہالی وڈ کے ہدایت کار ، بھلا ان نحوست بھرے بار بار آزمائے ہوئے چہروں کو عوام کس بنیاد پر ، کس لئے اور کیوں اپنے آپ پر مسلط کرنے کے لئے بے تاب نظر آتی ہے ۔ کوئی مر جاتا ہے تو زندہ ، زندہ ہے ، کوئی امریکہ جاتا ہے تو امریکی کی غلامی سے آزادی کا نعرہ لگاتے ہوئے کروڑوں روپے جھولی پھیلا کر امریکیوں سے مانگ کر پاکستان میں ڈرامہ بازی کرتا ہے کہ میرے ساتھ فلاں نے زیادتی کی ، حکومت نے معافی نہیں مانگی ، کوئی امریکہ کو اپنی لیڈر کے پھانسی کا ذمے دار سمجھتا ہے تو جب تک امریکہ بابا جی آشیر باد نہ دے س کے چرنوں سے اٹھتے ہی نہیں ، کوئی

برطانوی استعمار پر باچا خان کی قربانیوں کا ذکر کرتا ہے تو لاکھوں پختونوں کو پرائی جنگ میں جھونک کر اپنے رشتے داروں میں سیٹیں بانٹ کر ایوان صدر کے اعتکاف سے باہر نہیں نکلتا۔ قاتل لیگ، قابل لیگ بن جاتی ہے، ہم خیال، لازوال بن جاتے ہیں۔ اقتدار کے لئے رشوت لینے والے الزامات دھرتے نظر آتے ہیں کوئی وفاق گرانے کے لئے پیسے دیتا ہے تو کوئی صوبائی حکومت گرانے کے لئے سرکاری اداروں کو استعمال کرتا ہے۔ سرکاری ملازم، سرکار کا ملازم ہوتا ہے ایسے جو حکم ملے گا وہی کرے گا۔ ایک فوجی اپنے محاذ پر اس وقت تک ڈٹا رہتا ہے جب تک ایسے آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کے احکامات نہیں دیئے جائیں، وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرتا، ایک پولیس والا مظاہرین پر اس وقت تک گولی نہیں چلاتا جب تک اس کا افسر ایسے آرڈر نہیں دے، کوئی اینکر ایسے سوالات نہیں پوچھتا جب تک چینل مالکان ان سے نہ کہے، طوائف کو طوائف ہی کہا جاتا ہے، ایسے ہم فنکارہ کہیں، اداکارہ کہیں، ثقافتی میراث کہیں، جب طوائف ہے تو تو طوائف ہی ہے۔ جسم بیچے یا ضمیر، ڈھرلے سے ببانگ دہل فروخت کرتی ہے۔ خسرا، ہیجڑا ہے، قد و قامت چاہیے کتنا ہی جاذب نظر کیوں نہ ہو لیکن مردانگی نہیں ہے۔ لیکن ان سب باتوں میں پاکستان پہلے کیا تھا اب کیا ہے۔ اور آئندہ کیا ہوگا۔ کہ تین سوالوں کے جواب کون دے گا۔ کسی نے کہا کہ بھائی، اگر ریفرنڈم ہو اور اس میں دو سوال پوچھے جائیں۔۔ قائد اعظم کا پاکستان یا طالبان کا پاکستان ؟۔ دوسرے شخص نے آہستہ سے کہا کہ قائد

اعظم اور طالبان دونوں کو ہی میں نہیں مانتا، میں کیا جواب دوں کہ مجھے کون سا پاکستان کیا چاہیے۔ پوچھا کہ قائدِ اعظم کے پاکستان کو کیوں نہیں مانتے تو کہنے لگا کہ بنگلہ دیش بننے کے بعد ختم، نظریہ جناح ختم۔ پھر میں نے پوچھا کہ طالبان کا کیوں نہیں مانتے ۔ تو کہا کہ بتیس گروپ ہیں، کس کی مانوں، کس کی نہیں؟ پھر پوچھا پھر کس قسم کا پاکستان چاہیے۔ تو اس نے جواب دیا کہ۔ یہی تو وہ سوال ہے کہ پاکستانی، موجودہ پاکستان کو کس قسم کا پاکستان بنانا چاہتے ہیں۔ اب دوبارہ نئے پاکستان کی بات کی جا رہی ہے، معافیاں مانگیں جا رہیں ہیں، ختم کرو یہ معافی شافی کی ڈرامہ بازی !!!۔۔

نئی حکومتوں کو پرانا چیلنج

جب اقوام متحدہ کی جانب سے پہلی مرتبہ لڑکیوں کا عالمی دن منایا گیا تو واشنگٹن کی ایک غیر سرکاری تنظیم کی رپورٹ میں بتایا جارہا تھا کہ دنیا بھر میں گیارہ سے پندرہ برس کی عمر کی لگ بھگ چار کروڑ لڑکیاں بنیادی تعلیم سے محروم ہیں۔ " پلان انٹرنیشنل کے سربراہ" انجیل جیب " کے بقول کم عمر بچیوں میں تعلیم مکمل کرنے سے رکنے کے کئی عوامل ہیں جن میں سرفہرست بچیوں کی کم عمر میں شادی اور تعلیم میں اٹھنے والے اخراجات ہیں۔ طالبان پر افغانستان حکومت کیجانب سے الزام عائد کیا جاتا ہے کہ افغانستان میں حالیہ تشدد اور دہشت گردانہ حملوں کی لہر کے بعد پانچ سو اسکولوں کو بند کردیا گیا اور 30 ہزار سے زائد طلباء علم حاصل کرنے سے محروم ہوگئے ہیں۔
افغانستان کے 16 ہزار اسکولوں میں 83 لاکھ کے قریب طلباء زیر تعلیم ہیں۔ جس میں سے 39 فیصد لڑکیاں ہیں۔ جبکہ افغانستان حکومت نے تحریک طالبان پر یہ بھی الزام لگایا کہ افغانستان کے صوبے نحار میں گذشتہ مہینوں کے دوران لڑکیوں کے چار اسکولوں پر حملے کے دوران پانی میں زہر ملا دیا گیا جس سے سینکڑوں طالبات کو طبّی امداد دینی پڑی۔ ایسی طرح پاکستان میں طالبان پر الزام عائد کیا گیا کہ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں گذشتہ پانچ برس کے

دوران محکمہ تعلیم فاٹا کے ڈپٹی ڈائریکٹر ہاشم خان آفریدی کے مطابق چار سو پچاسی اسکول تباہ کئے گئے جس کی وجہ سے پانچ لاکھ بچوں کا تعلیمی سلسلہ متاثر ہوا۔ جبکہ تحریک طالبان کے مذہبی علماؤں نے اسکولوں کو نذر آتش کرنے کی سختی سے مذمت کرتے ہوئے مذہبی عالم ولی محمد نے کہا کہ "کسی اسکول کو نذر آتش کرنا غیر اسلامی اور غیر انسانی فعل ہے۔ اسکولوں کو نذر آتش کرنے والے افغانستان اور اس کے مستقبل کے دشمن ہیں۔ مساجد، اسکولوں اور ان تمام مقامات کی حفاظت کرنے کی ضرورت ہے جہاں لوگ کچھ نہ کچھ سیکھتے ہوں۔" ایسی طرح ایک سینئر صحافی کے مطابق انھیں طالبان کے سابق ترجمان ذبیح اللہ مجاہد نے ۸۲ مارچ کی ای میل میں ملا عمر کا موقف دیا ہے کہ " ملا عمر تعلیم و تربیت کی اہمیت کو جانتے ہیں اور وہ دنیا اور آخرت کی کامیابی کا ذریعہ علم کے حصول ہی کو سمجھتے ہیں۔ سابق ترجمان کے مطابق طالبان کبھی بھی افغان عوام کے لئے بنائے گئے تعلیمی اداروں، اسپتالوں اور عوامی مقامات کو بموں سے اڑانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ایسا کرنے والوں کا طالبان سے کوئی تعلق نہیں۔"

گزشتہ کئی دہائیوں سے خانہ جنگی اور بیرونی جارحیت کا شکار افغانستان میں امریکی اور نیٹو کی جانب سے فروغ تعلیم کے لئے کی جانے پیش رفت کا بھی جائزہ لے لیتے ہیں۔ افغان وزرات تعلیم کے ترجمان امان اللہ ایمان کے مطابق وزرات

کو نئے نصاب کی تیاری اور نفاذ کے آغاز میں دس سال کا عرصہ لگا ہے لیکن اب بھی ان کی راہ میں رکاوٹیں حائل ہیں۔ان کے مطابق امن و مان کے خراب صورتحال میں پانچ سو اسکولوں کی بندش کے علاوہ تربیت یافتہ اساتذہ کی کمی کا ہونا اہم ترین مسئلہ ہے۔اربوں ڈالرز کی اس جنگ میں تعلیم کے لئے وسائل کی کمی کا شکوہ کرنے والے کہتے ہیں کہ "نئے نصاب کی 45 لاکھ کتابیں اشاعت کی منتظر ہیں جبکہ مزید 50 لاکھ کے قریب نصابی کتب پاکستان میں موجود نیٹو سپلائی کی بندش کی وجہ سے رکی ہوئی ہیں"۔افغانستان میں 30 لاکھ بچوں کو اسکول میسر نہیں جبکہ ملک میں موجود کل سولہ ہزار اسکولوں میں سے لگ بھگ سات ہزار مناسب عمارات سے محروم ہیں اور طلبہ کو خیموں اور کھلی جگہوں پر تعلیم دی جارہی ہے۔افغان خواتین کی فلاح و بہبود کے سرگرم تنظیم "ویمن فار چینج" کی رضاکار آرزو امید کا کہنا ہے کہ ان حالات کے باوجود افغاں لڑکیوں کا اسکول جانا ضروری ہے۔اب آیئے پاکستان کی طرف، جو دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے جہاں اسکول نہ جانے والے بچوں کی شرح سب سے زیادہ ہے اور صوبہ سندھ پاکستان کا وہ صوبہ ہے جہاں اسکولوں میں بنیادی سہولتوں کے اعتبار سے فراہمی کی صورتحال سب سے ابتر ہے۔غیر سرکاری تنظیم "اسپارک" (سوسائٹی فار دی رائٹس آف چلڈرن) کی سالانہ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں ڈھائی کروڑ بچے اسکول نہیں جاتے جبکہ ستر لاکھ ایسے بچے ہیں جو پرائمری اسکول کی تعلیم کی عمر کو پہنچ چکے ہیں۔رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ بنیادی سہولتوں کے حوالے سے ملک بھر میں سب سے

خراب صورتحال سندھ میں دیکھی گئی جہاں 35 فیصد سرکاری اسکولوں کی عمارتیں موجود نہیں اور اگر اسکول ہیں تو چار دیواری نہیں، خیبر پختونخوا میں یہ شرح 23 فیصد، بلوچستان یں اٹھارہ فیصد اور پنجاب میں اٹھارہ فیصد ہے۔

رپورٹ کے مطابق خیبر پختونخوا میں چھ لاکھ ایسے بچے ہیں جن کے ایک یا دو تعلیمی سال بدامنی کی صورتحال کی وجہ سے خراب ہوئے، 710 کے قریب اسکول دہشت گردی کی بھینٹ چڑھے، سوات میں 121 اسکول مکمل طور پر تباہ اور 280اسکولوں کو جزوی نقصان پہنچا۔ سیلاب کی وجہ سے سندھ و بلوچستان میں 9800اسکولوں کو نقصان پہنچا، چار لاکھ دس ہزار بچے تعلیم سے محروم ہوئے، سات لاکھ، انتیس ہزار چھ سو بچوں کے پاس کتابیں نہیں اور لگ بھگ سندھ، بلوچستان میں ایک ہزار دو سو چوالیس ایسے اسکول ہیں جو سیلاب زدگان کے پناہ گاہ کے طور پر استعمال ہو رہی ہیں۔ پاکستان کے سب سے بڑے صوبے پنجاب میں تقریبا ساڑھے 14 ہزار سرکاری اسکول مناسب عمارتی ڈھانچے سے محروم ہیں اور جہاں طلباء و طالبات درختوں تلے زمین پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ صوبائی وزارت تعلیم کی حالیہ جائزہ رپورٹ کے مطابق پنجاب بھر میں قائم لگ بھگ 59 ہزار درسگاہوں میں سے 17 ہزار سے زائد اسکولوں میں بنیادی سہولتیں میسر نہیں ہیں۔ اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق ملک بھر میں اسکول جانے کی عمر کے 72 لاکھ سے زائد بچوں کا اسکولوں میں اندراج نہیں ہے جبکہ

پرائمری اسکولوں میں داخلے کے بعد تعلیم ادھوری چھوڑنے والے بچوں کی شرح 58 فیصد ہے۔پاکستان میں وزرات تعلیم کے عہدے دار کے مطابق دو ہزار ایسے "گھوسٹ" یعنی فرضی اسکول ہیں جن کا وجود صرف کاغذوں میں ہے۔وزیر مملکت برائے تعلیم و تربیت شاہ جہاں یوسف نے ایک بین الاقوامی ادارے کو انٹرویو دے تے ہوئے بتایا کہ حکومت نے ایک ارب روپے کی لاگت سے بیس ہزار کیمونٹی اسکول بنانے تھے لیکن بعض وجوہات کی بناء پر اس منصوبے پر 2010ء میں کام رک گیا۔"گھوسٹ" اسکولوں کے حوالے سے مقدمات درج کرکے نیب اور ایف آئی اے کو بھیج دئے گئے لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلا اس سے ہم سب ابھی تک لاعلم ہیں۔

یہ افغانستان و پاکستان کے حوالے سے تعلیم کے فروغ کے لئے حکومتی کوششوں کا نامہ اعمال ہے۔ایک جانب اربوں ڈالرز امن کے خاطر جنگ کے لئے خرچ کئے جارہے ہیں لیکن تعلیم کے حوالے سے امریکہ سمیت نیٹو کا کردار، ان لوگوں سے بھی زیادہ بھیانک ہے جو اسکولوں کو تباہ کر رہے ہیں۔دراصل درپردہ یہی وہ قوتیں ہیں جو امریکی و نیٹو ممالک کے ایجنڈے کو کسی نہ کسی صورت میں کامیاب بنانے میں مصروف ہیں۔ایجنڈا تعلیم کے نام پر معصوم بچوں کا استحصال کرنا، انھیں بنیادی حقوق سے محروم رکھنا،، نصابی کتب کی عدم فراہمی، سرکاری اسکولوں کی حالت زار، ہر پرائیوٹ اسکول کا من پسند نصاب و دہرا نظام تعلیم اور گھوسٹ اسکول ہیں۔پاکستان میں تعلیم کے لئے بمشکل دو فیصد مختص بجٹ

میں بڑا حصہ بد انتظامی اور بد عنوانی کی نظر ہو جاتا ہے۔اب سوچنا آپکا کام ہے کہ ظلمت و تاریکی والا نظریہ کس کا ہے، کون قوم کے تعلیم یافتہ بننے سے خوف زدہ ہے

امریکہ، نیٹو،طالبان، افغانستان یا پاکستان ؟جنگ میں کھربوں ڈالرز لگا دیئے لیکن قوم کو تعلیم سے محروم رکھنے کے لئے وسائل کی کمی ، دہشت گردی کے جواز کو حقے قت یا بہانہ بنا کر کروڑوں بچوں کو تعلیم سے محروم رکھنے کی سازش کی ہے ؟ ہے۔یا پھر کہیں ایسا تو نہیں کہ اپنی بداعمالیوں ، بد عنوانیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے کچھ عناصر دنیا کی توجہ اس جانب مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ تعلیم کے فروغ میں سب سے بڑی رکاؤ ٹ امریکہ، نیٹو، یا پاک افغان حکومتیں نہیں بلکہ طالبان ہیں ۔اب دیکھنا یہی ہے کہ نئی حکومتیں اس پرانے چیلنج کا مقابلہ کرتی بھی ہیں یا پرانی کا ڈگر پر مسافر بھی صرف منزل کے بجائے ایسے راستے تلاش کرے گا جس میں صرف فروعی مفاد و فوائد مل سکیں۔

پوچھتا ہوں صاحبِ دفتر سے روز
مسئلہ کب میرا حل ہو جائے گا
ایک مدت سے ہے اُس کی ایک بات
"آج ہو جائے گا ' کل ہو جائے گا"

عمران خان ڈسچارج تو ہو گئے لیکن۔۔

گو کہ میرا کام کسی کا انٹرویو لینا ہرگز نہیں ہے لیکن کبھی کبھار، موضوعات میں اتنی یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے کہ کالم نویس کے لئے اپنے لفظوں کی تکرار سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کسی آرٹیکل کا کوئی ری میک لکھ دیا گیا ہو، عمومی طور پر میں کسی بھی ایسی شخصیت کا انٹرویو کرتا ہی نہیں ہوں، جو مجھے جانتا نہ ہو، اسلئے میری جانب سے اُس شخصیت کا انٹرویو کرنا، بعض اوقات ایسا ہو جاتا ہے جیسے میں خود اپنا انٹرویو دینے آیا ہوں ،ملازمت کے لئے انٹرویو ہو یا کسی مشہور و معروف شخصیت کا انٹرویو، دونوں میں ایک بات مشترک ہے کہ انٹرویو کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مہمان نواز کی پیشانی پڑی شکنیں، کہیں میرے جسم پر سرخ لکیروں میں تبدیل نہ ہو جائیں ۔بعض اوقات انٹرویو کے لئے سوال لکھ کر، جواب حاصل کرنے کی کوشش بھی کی تھی تو جس سے سوال کیا، اُس نے کہا کہ یار جواب بھی خود لکھ دو، کیوں مخول کرتے ہو۔۔ اس کے بعد چائے پی کر آنے میں ہی عافیت سمجھی، کیونکہ آنے کے لئے ضروری تھا کہ اپنے قدموں پر چل کر آیا جائے۔حالیہ انتخابات میں دل کا غبار اتارنے کے لئے کسی ایسے سیاسی قدآور شخصیات کی طرف جانے کی ضرورت محسوس تو نہیں ہوئی کیونکہ وہ ٹی وی دستیاب ہو جاتے تھے، پھر ان کی

بار بار کی جانے والی تقریروں پر ہنسنے کے بعد، مسکرانے اور پھر منہ بسورتے ہوئے، چینل تبدیل کرنے کو ہی غنیمت جانا، کیونکہ ان کی تقاریر از قدر ازبر ہو گئی تھیں کہ اپنے کالم بھی میں کبھی کبھار بھڑک مارنے کو دل چاہتا تھا، انتخابات سے چند دن قبل، یعنی جلسے جلسوں پر پابندی سے دو قبل، قائد تحریک انصاف پاکستان، لفٹ پر چڑھتے ہوئے حفاظتی حصار میں مقید اہلکاروں کے دھکے سے نیچے جا گرے، بس اُن کا گرنا کیا تھا کہ، جلسے جلسوں میں، چھینٹی، شیروں کی چنگاڑ، سائیکلوں کی چوں چوں، تیر اندازی سمیت سب کو خاموشی نے یوں آن گھیرا کہ، متشدد لب ولہجہ، یکدم مہذب ہوگیا اور قوم پاکستان، اخوت، اتحاد، عزم عالی شان کا نظارا پیش کرنے لگی، دعاؤں، درودوں فاتحہ اور قرآن خوانیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ خوشی ہوئی کہ چلو کسی حادثے پر تو قوم، متفق ہوجاتی ہے، کسی شر پسند نے سوشل میڈیا میں خبر اڑادی کہ عمران کو جان بوجھ کر دھکا دیا گیا۔ کسی نے ایسے مستقبل کے پاکستان بنانے والے قائد انصاف کی قتل کی سازش قرار دیا تو کسی نے آنے والے وقت میں طالبان کیجانب سے دھماکے کانشانہ بننے سے بچنے کا قدرت کا تحفہ قرار دیا۔ بہر حال میرے لئے یہ بڑا سنہرا موقع تھا کہ فوری طور پر انٹرویو لینے کی تیاری شروع کردوں، لیکن مسئلہ یہی تھا کہ مجھے عمران خان سے ملنے نہیں دیا جائے گا، میں اسلئے شوکت خانم ہسپتال گیا ہی نہیں کیونکہ ان کی سخت سیکورٹی تھی، ملک کی اہم شخصیت سراپا بستر ہوچکی تھی، تحریک انصاف

والوں نے ان کی بیماری کے بھی اشتہار بنا کر اسُی طرح لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹنے کی کوشش کی، جیسے پی پی پی نے بے نظیر کے قتل کے بعد کی تھی۔ لیکن اللہ تعالی کا شکر تھا کہ عمران خان محفوظ رہے، گرنے کے بعد ان سے میرا انٹرویو لینا، خود میرے لئے بھی جان جھوکھم کا کام تھا، کیونکہ گرنے کے بعد ان کی یاد داشت ،کے متاثر ہونے کا بھی خدشہ بہرحال تھا اور میں جلسوں میں ہونے والی ان تقاریر سننے کے بعد ہمت نہیں جٹاپا رہا تھا کہ ان کا انٹرویو کروں، پھر سوچا کہ ان کے سیکورٹی گارڈز کا انٹرویو کرلوں، ویسے بھی ہمارے میڈیا اور قوم کی میموری شارٹ ٹرم لوز ہے، وہ سب تو بھول چکے ہیں کہ عمران خان جب گرے ،تو ان کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی گرے تھے، بلکہ عمران خان گرتے گرتے اُن پر بھی جا گرے تھے، مستقبل کے نئے پاکستان کے بانی کا بوجھ انھوں نے ,برداشت کس طرح کیا ہوگا، اب یہ میرے لئے دل چسپ موضوع بن چکا تھا، اب ان کی تلاش شروع کردی، میڈیا والوں سے لنگرز پرسن سے پوچھا، جواب ندارد۔ تحریک انصاف سے پوچھا،اتنا پوچھا اتنا پوچھا کہ سب پوچھنے لگے کہ بھائی، عمران خان سے کیوں نہیں پوچھ لیتے، تو میں نے اُن سے کہا کہ بھائی میں بہت چھوٹا سا کالم نویس ہوں، قد چھ فٹ کا ہوا تو کیا ہوا، لیکن مجھے تو اُن سے ملنے بھی نہیں دیا جائیگا۔ مجھ سے کہا گیا کہ بھائی نواز شریف جو مل کر آئے ہیں، تو تمھارا کیا مسئلہ ہو۔ میں نے ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے کہ نواز شریف کو میں بہت طرح جانتا ہوں، لیکن بھائی وہ

مجھے نہیں جانتے ۔ اسلئے ان سے کہہ دیتا کہ مجھے بھی ساتھ لے جاؤ ، مجھ سے کہا کہ کچھ اینکرز جو ملے ہیں ، میں نے کہا کہ ارے اینکرز عمران خان سے نہیں ملیں گے تو کس سے ملیں گے ۔ لیکن میں انھیں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ مجھے ساتھ نہیں لے جائیں گے پوچھا کہ کیوں ؟۔ میں نے کہا کہ اس لئے کہ وہ عمران خان کے بڑے اچھے دوست ہیں ، اور عمران خان میرے دوست نہیں ہیں۔ میں نے پھر سوچا کہ چلو اینکر اور ان جیسے ، نامور اینکرز ، عمران خان کے اُن سیکورٹی گارڈز کی خیر خیریت سے بھی کچھ واقفیت رکھتے ہونگے ، جب پروگرام کریں گے تو عوام کو پتہ چل جائے گا۔ لیکن مجھے حیرانی ہوئی کہ کسی بھی چینل نے اُن گارڈز کے بارے میں کوئی خبر نہیں دی اب میرے لئے ضروری ہوگیا کہ بریکنگ انٹرویو لے کر ، کالموں میں لکھوں گا کہ عمران خان کے زخمی گارڈز کا پہلا تفصیلی انٹرویو لیکر پہلے نمبر ۔۔ جیسے مشہور الیکشن سیل نے کیا تھا کہ پہلا نتیجہ شام کو جاری کرکے سب چینلوں پر سبقت لے گئے ، لیکن سب سے پہلے خبر دینے 5.10 والے خود ہی بھول گئے کہ الیکشن کمیشن دو گھنٹے قبل ہی ووٹ کاسٹنگ کا وقت 6 شام بجے کرچکے ہیں ۔ پھر اگلے دن تک یہی ڈرامہ رہا کہ پہلے نمبر اور دوسرے نمبر پر دو فیصد ووٹ کی بنیاد پر قوم کے اذہان میں بیٹھا دیا کہ کون کامیاب ہوا۔ جب الیکشن کے حتمی نتائج آئے تو اس وقت الیکشن میڈیا کام بند کرچکا تھا اور پاکستان بھر میں دھرنوں کا سلسلہ شروع ہوچکا تھا ، جیسے این اے ۲۵۲ کے حلقے کے امیدوار عارف علوی کو خود معلوم نہیں تھا

کہ وہ تیس ہزار ووٹوں سے جیت رہے تھے اور وہ خواہ مخواہ چیختے چلاتے رہے کیپٹل ٹاک کے پروگرام میں ان کی حیرانی قابل دید تھی کہ وہ اپنے حلقے کا الیکشن لڑ رہے ہیں اور ان کو معلوم ہی نہیں کہ انھیں کتنے ووٹ ملے تھے، کس قدر حیرانی کی بات تھی کہ پولنگ اسٹیشنوں کے علاوہ جتنے رزلٹ بھی پولنگ اسٹیشن کے ایجنٹ لیکر آئے تو دنیا کو 43 پتہ تھا کہ کون پانچ سو ووٹوں سے جیت رہا ہے۔ پھر ایک اور کمال یہ بھی آیا کہ ایک چینل پر ری پولنگ میں پہلا نتیجہ 371 ووٹ کا تحریک انصاف کے حق میں پانچ بجکر چھ منٹ میں جاری ہوا۔ یعنی بیلٹ بکس کھلنے، ووٹ گننے، چھانٹی سے پہلے صرف پانچ منٹ میں 371 ووٹوں کا نتیجہ نشر کردیا گیا اور اگلے دن تحریک انصاف کے ساتھ دنیا بھی حیران تھی کہ ہزاروں ووٹوں کی سبقت سے عارف علوی کامیاب ہوئے، دو صوبائی نشستوں سے بھی پی ٹی آئی اسی طرح کامیاب ہوئے، جس طرح پہلے مرحلے میں پی ایس میں 7774 لینے والے اگلے دن اچانک پندرہ ہزار ووٹ لیکر کامیاب ہوگئے۔ میں 93 اپنی اس حیرانی میں انٹرویو کا خیال دماغ سے نکال دیاا، حالاں کہ سب نے کہا کہ عمران خان، اداکارہ میرا سے ملاقات کرچکے ہیں، تم سے بھی کرلیں گے، لیکن اب اداکارہ میرا کے بعد تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ مجھ سے ملاقات اور انٹرویو دےتے۔ اس لئے چپ ہی رہے کہ چھوڑو یہ انٹرویو وغیرہ، دھرنوں مرنوں کی سیاست کو بھی گولی مارو، کسی اچھی خبر پر ہی کچھ لکھوں گا اور پھر پتہ چلا کہ عمران خان ڈسچارج ہو کر ہسپتال سے، گھر شفٹ ہوگئے ہیں

لاہور میں ایک ہفتہ آرام کریں گے پھر اسلام آباد جائیں گے۔ میرے لئے یہی اچھی خبر تھی کہ عمران خان نواز شریف سے ملنے کے بعد جب میرا سے ملے تو امید ہو گئی تھی کہ اب ڈسچارج ہو جائیں گے اور پھر امید سے قبل جلد ڈسچارج ہو گئے۔ اللہ انھیں صحت دے۔ آمین۔ دعا گو ہوں کہ ان زخمی محافظ بھی جلد ڈسچارج ہو جائیں۔ ان کے بارے میں علم نہیں ہے اب اُن کی طبعیت کیسی ہے۔ اب جیسی بھی ہو۔ اللہ ان کو جلد از جلد صحت یاب کرے۔ عمران خان سے بھی یہی امید ہے کہ انھوں نے نواز شریف سے ملاقات کے بعد غصہ تھوک دیا تھا۔ کافی نامور لوگوں ، جیسے امریکیوں ،.بر طانوی سفیروں اور اداکار میرا کے بعد اب وہ ڈسچارج ہو چکے ہیں اس لئے قوم کو امید ہے کہ پاکستان کے حقیقی مسائل پر توجہ دی جائے گی۔ نوز شریف فرینڈ لی میچ کی دعوت تو دے آئے تھے ،.برائے مہربانی عوام سے بھی فرینڈلی ہو جائیں اور حقیقی اپوزیشن کا کردار ادا کریں۔

رضیہ غنڈوں میں کیوں گھِر جاتی ہے؟

اسلاف پرستی کے طلسم نے جس طرح مسلمانوں جیسی یکسر برق تپاں قوم کو جمود و تعطل کے بیکار مجسمے کی طرح مقام عبرت بنا کر رکھ دیا آج اس کی تشریح کسی کی محتاج نہیں۔ جن کے ہاتھوں میں اقوام عالم کی تقدیریں ہوا کرتی تھیں وہ کچکول اٹھائے نظریں جھکائیں دیارِ اغیار ییں ہاتھ باندھے نظر آتی ہیں۔ اپنے عزم و مراحل پر تکیہ کرنے کے بجائے اس منزل کی تلاش میں ہیں جہاں صرف بٹن دبانا پڑے اور باقی سب کچھ غیر معلوم آفاقی قوتیں ان کے لئے خود بخود کریں۔ اسی اسلاف پرستی کی ایک شاخ سیاست پرستی ییں اتباع مورثی نقش غلامی ہے جیسے سب کچھ جاننے کے باوجود محروم طبقہ اپنی گردن سے طوق نکالنے سے گریزاں نظر آتا ہے۔ شخصیت پرستی نے اذہان اجتہاد کو جمود کا اس قدر شکار کر دیا ہے کہ وہ دنیا عمل و حقیقت سے فرار کی راہ تو اختیار کرلیتا ہے لیکن ایسی کوئی کرامات کی روح اپنے وجود میں پنہاں نہیں کرنا چاہتا کہ جس سے انسانیت میں ایک نئی زندگی کی لہر دوڑ جائے۔

کراچی کی عوام مملکت خداداد پاکستان کی سب سے مظلوم عوام ہیں ۔ جنھیں ہر واقعے پر تختہ مشق بنا کر ملک کے ہر سانحے کا انتساب بنا دیا جاتا ہے۔ معاشی شہ رگ پر تیغ زنی کے لئے کراچی کی عوام کا انتخاب تمام منفی قوتوں کے لئے ایک

سہل میدان ہے جہاں مذموم مقاصد کے بے لگام گھوڑے دوڑانے میں پس و پیش سے کام نہیں لیا جاتا۔ "رضیہ" اگر غنڈوں میں گھِر جاتی ہے تو ذمے دار کراچی بن جاتا ہے۔ سانحہ کہیں اور ہوتا ہے تو صرف کراچی میں عصبیت، لسانیت اور فرقہ واریت کے شعلوں کو بھڑکا کر آتش نمرود کا شکار معصوم محنت کشوں کو بنا دیا جاتا ہے۔

بجلی کے بحران پر گرمی کے ایندھن میں پکنے والے فلیٹوں، کچی آبادیوں اور متوسط طبقے کے رہائشی اگر احتجاج کرتے ہیں تو ارباب و اختیار کی توپوں کا رخ بلکتے سسکتے، دہائیاں دیتے عوام کیجانب تو ہو جاتا ہے لیکن لیاری کے "رام گڑھ" ہاؤس میں ڈرل کرتی لاشوں اور بوریوں کی شکل میں پھینکے والے معصوم نہتے انسانوں کے بے رحمانہ قتال کے ذمے داروں کے خلاف انگشت تک اٹھانے سے گریز کیا جاتا ہے۔ ایک روپیہ ڈیزل پر بڑھتا نہیں کہ پانچ روپے کرایہ جبری ٹیکس کی مانند عوام پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔ لیکن جب پٹرولیم مصنوعات کی قیمتیں کم ہوتی ہیں تو ایک پائی بھی کم نہیں کی جاتی بلکہ کسی سود خور کی طرح اصل اپنی جگہ اور سود پر سود کا فارمولا عوام پر مسلط کیا جاتا ہے۔ مقام افسوس یہ ہے کہ اگر اس پر احتجاج کیا جائے تو لسانی سیاست کے مینڈک پدک کر اپنی کرخت نوائی سے تمام ماحول کی سکون پذیری کو تہہ و بالا کرنے میں لمحے بھر کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ اپنے کسب و ہنر سے رزق حاصل کرنے والوں سے بھتہ

ایسا وصول کیا جاتا ہے جیسے کاروبار کے لئے سرمایہ بھتہ خور نے فراہم کیا ہو اور کسی بنک کے قرضے کی طرح نفع و نقصان سے قطع نظر با قاعدہ مخصوص رقم کا وصول کرنا ان کا ویسا ہی حق ہے جیسے کسی سرکاری ادارے کے بااختیار نوکر شاہی کا ستائی ہوئی عوام سے رشوت وصول کرنا ان کا بنیادی فریضہ ہے۔

کچھ قصور عوام کا بھی ہے کہ وہ ان نمائندوں کو منتخب کرتے ہیں جنھوں نے کبھی گرمی کا مزہ نہیں چکھا، توانھیں کیا معلوم کہ ایئر کنڈیشن نہ چلنے پر جہنم کی تپش کو سمجھنا مشکل نہیں ہوتا۔ تھوڑا قصور ہماری برادریوں کا بھی ہے کہ اس جاگیر دار، سرمایہ دار، وڈیروں اور خوانین کے سامنے فرش نوابن جاتے ہیں جنھوں نے کبھی قالین ، سے اتر کر ان گلیوں میں قدم نہیں رکھا جہاں جا کر اب بھی یقین نہیں ہوتا کہ ہم نے اکیسویں صدی میں داخل بھی ہو سکیں گے۔

تعلیم سے بے بہرہ اور اس گوہر نایاب سے محروم عوام اسمبلیوں میں جانے والے ان انگریزی تقاریر کو کیا سمجھے گا جو خود بھی نہیں جانتا کہ اس کا مطلب کیا ہے ؟۔ اب وہ محمد علی جناح تو ہے نہیں کہ کسی ان پڑھ سے پوچھیں کہ بابا کیا آپ کو انگریزی میں تقریر سمجھ میں آرہی ہے تو وہ پر اعتماد ہو کر کہے کہ نہیں سمجھ میں تو نہیں آرہی لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ سوٹ بوٹ والا جو

کہہ رہا ہے سچ کہہ رہا ہے۔دیہات میں رہنے والا کیا سمجھے کہ اس کے گاؤں میں بننے والی عمارت ان کے بچوں کے مستقبل کے لئے نہیں بلکہ اسکول کے نام پر جاگیر دار ،وڈیرے کے اوطاق بن رہی ہے۔

قصور صرف عوام کا ہے کہ وہ خود ایسے لوگوں کو منتخب کرتے ہیں جو رات اندھیرے میں نہیں بلکہ چوبیس گھنٹے ڈریکولا بن کر ان کا خون چوس رہے ہیں۔اگر تبدیلی اور بلند باعزت معیار زندگی کو تلاش کرکے اپنانا چاہتے ہیں تو ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ نگاہوں کے سامنے واضح مقصد، دل میں اس مقصد کی صداقت کا یقین اور اس کے حصول کی تڑپ ،پاؤں میں استقامت ، بازوؤں میں قوت،بڑھتی ہوئی ہمتیں اور اٹھتے ہوئے قدم۔۔

" جہاد زندگی میں ہیں یہی مردوں کی شمشیریں۔"

امن مذاکرات ایک مثبت عمل ہے

دو سال قبل شمالی اتحاد کی جانب سے مفاہمتی عمل کے لئے سنجیدگی کا نہ ہونا تمام افغان طالبان گروپس سے مثبت مذاکرات کرنے میں حائل تھا تاہم پاکستان طالبان سمیت تمام افغان طالبان کو مذاکرت کی میز پر لانے کی پاکستانی کوششوں اور امریکہ،،برطانیہ کی طالبان کے ایسے رہنماؤں کی رہائی کے لئے رضامندی ظاہر کرنے سے ایک فرق بہت نمایاں ہوگیا ہے کہ شدت پسند، عسکرےت پسند یا جو بھی نام دے دیں، اب یہ بین الاقوامی طاقتیں تسلیم کرچکی ہیں کہ جنگ مسئلے کا حل نہیں ہے اور برسا برس کی جنگ کے بعد بھی مذاکرات کے لئے مل بیٹھنا ایک اہم اقدام ہے۔ ہمیں اس بات پر شکوک وشبہات کا اظہار نہیں کرنا چاہیے کہ کیسے رہا کیا جارہا ہے اور کیسے رہا نہیں کیا جارہا، لیکن اس بات پر یقین ضرور ہے کہ جب تک افغانستان کا مسئلہ حل نہیں ہوگا اس کے بغیر پاکستان میں بھی امن قائم نہیں ہوسکے گا۔ گو کہ اطلاعات کے مطابق عسکری میدان مین ڈیڈ لاک کی صورتحال موجود ہے لیکن اس کے باوجود پاکستان کی اہمیت کو بھی سر جھکا کر تسلیم کرلیا گیا ہے چاہیے کتنی بھی طاقت استعمال کرلی جائے، پاکستان کی شمولیت کے بغیر افغانستان میں امن کا قیام ناممکن عمل ہوگا۔امریکہ کی جانب سے سرحدوں کو سیل کرنے کی تمام اطلاعات صرف اخباری بیانات تک محدود ہے کیونکہ

پاک افغان سرحدوں کو سیل کرنے کے لئے اربوں ڈالرز کا سرمایہ لگانے کے علاوہ تیس ہزار فوجی کی تعیناتی بھی ضروری ہوگی اور یہ عمل پاک، افغان اور امریکہ کی جانب سے اس صورتحال میں نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ایک جانب امریکہ 2014ء میں افغانستان چھوڑنے کی باتیں بھی کر رہا ہے وہ فوج میں مزید کمی کا رسک نہیں لے سکتا۔ پاکستان کی جانب سے بھی شمالی افغانستان میں آپریشن کے حوالے یہی تحفظات ہیں کہ آپریشن کامیاب نہیں ہوسکتا کیونکہ طویل ترین سرحدوں کی نگرانی کے لئے افغان فوج کا کردار مناسب نہیں ہے اور دراندازوں کو پاکستان کی سرحد کے ذریعے داخل ہونے میں ناکامی سے پاکستانی فوج کو ایک بڑے معرکے میں فوج کے بڑے حصے کو ملوث کر دینا، مملکت کی دوسری جانب سرحدوں کو کمزور بنا دینے کے مترادف ہوگا جبکہ پاکستان کے طول و عرض میں دہشت گردی کی کاروائیوں کی بناء پر ملکی سلامتی پہلے ہی خطرات میں ہے۔ معاشی طور پر پاکستان کو اربوں ڈالرز کے نقصان کا سامنا ہے، سازش کے تحت اقتصادی شہر میں سرمایہ کاری بند ہوچکی ہے، بلوچستان علیحدگی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ پنجاب میں کالعدم تنظیموں کے بڑے نیٹ ورک کی وجہ سے بھارت اور فرقہ وارانہ مسالک کی حمایتی عرب وعجم کے ساتھ تعلقات کشیدہ تر ہونے کے خدشات ہمہ وقت موجود ہیں تو اس صورتحال میں جب پاکستان آکیلا دوسروں کی جنگ کو لڑ رہا ہے اور اب یہ جنگ اس کی اپنی جنگ بھی بن چکی ہے تو افغانستان میں جلد از جلد امن کا قیام ناگزیر ہوچکا ہے۔پاکستان کی جانب سے افغانستان میں قیام امن

اور مصالحتی کوششوں میں کچھ طالبان نمائندوں کو رہا کرنے کا عمل بین الاقوامی طاقتوں کی جانب سے دباؤ کا ہی نتیجہ ہے کیونکہ امریکہ افغانستان میں امن قائم کرنے میں ناکام ہوچکا ہے۔ اسلام آباد میں موجود افغان وفد کے اہم رکن نصر اللہ سنکزئی نے بات چیت کیتصدیق تو کی ہے کہ لیکن فہرست میں شامل طالبان کے نام ظاہر نہیں کئے ۔تاہم حکومتی ذرائع نے کہا ہے کہ ان میں ملا برادرزکے اہم رہنما ملا عبدالغنی بردرز کو بظاہر رہا نہیں کیا جائے گا لیکن طالبان کے سابق وزیر انصاف ملا ترابی اور انٹیلیجینس کے اہم ارکان کی رہائی کے لئے تصدیق کی جا رہی ہے۔۔پاکستانی وزارت خارجہ نے طالبان کو رہا کرنے کی تصدیق کردی ہے جبکہ غیر جانبدارا حلقوں کی جانب سے حالیہ عمل کو امن کے قیام کے لئے ناگزیر قرار دیا ہے۔خود افغان حکام کے مطابق ملا برادر طالبان کے دوسرے گروپس کو امریکہ کے ساتھ مذاکرت کے لئے ایک پُل بن سکتے ہیں کیونکہ امریکہ افغان کی دس سالہ جنگ میں افغانستان ویسا ہی ہے لیکن امریکہ تباہی کے دہانے پر پہنچ چکا ہے۔ جبکہ پاکستان کو امریکہ اتحادی بننے کی بڑی سزا مل چکی ہے۔ اگر اس صورتحال میں افغان رہنما واپس افغانستان جاکر قیام امن کے لئے کوئی کوشش کر سکتے ہیں تو یہ کوئی مہنگا سودا نہیں ہوگا جبکہ اس صورتحال میں جب ملا عمر کی جانب سے بھی سیاسی دفتر کے قیام کے بعد مذاکرات کے لئے ایک راستہ فراہم کردیا گیا ہے۔خاص طور پر ملا ترابی جو طالبان سوچ اور نظریات کے کٹر حامی بتائے جاتے ہیں ان کی

رہائی اگر ممکن ہوتی ہے تو یہ بہت بڑی مثبت پیش رفت ہوگی ۔ ملا ترابی ، ملا عمر کے انتہائی قریبی ساتھیوں میں بھی شمار کئے جاتے ہیں ۔ ملا ترابی طالبان میں شمولیت سے قبل حرکت انقلاب اسلامی اور مولوی عبدالرسول سیاف کی اتحاد اسلامی سے تعلق رکھتے تھے 80 کی دہائی میں مجاہدین کے ساتھ روسی افواج کے خلاف جہاد میں لڑتے ہوئے وہ اپنی ایک آنکھ اور ایک ٹانگ سے محروم ہوگئے تھے ، ملا ترابی کو کراچی سے 2007ء میں گرفتار کیا گیا تھا۔ حالاں کہ اس سے قبل سابق وزیر خارجہ وکیل احمد متوکل اور پاکستان میں طالبان سفیر ملا ضعیف کو طالبان نے رہائی کے بعد قبول کرنے سے انکار کردیا تھا اب دیکھنا یہ ہوگا کہ کیا ملا ترابی کے بعد طالبان کی جانب سے سابقا رویہ اپنایا جائے گا یا کوئی تبدیلی ممکن ہے۔سب سے اہم بات یہ ہے کہ اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے کے ناظم الامور رچرڈ ہوگلینڈ نے تسلیم کیا ہے کہ افغانستان کے مفاہمتی عمل میں پاکستان کا کردار اہم ہے۔انھوں نے افغان اعلی امن کونسل اور پاکستان عہدے داروں کے کامیابمذاکرات کو مثبت پیش رفت قرار دیا ہے۔امریکہ کی جانب سے طالبان قیدیوں کی رہائی کے عمل کی حمایت سے قبل یقینی طور پر امریکہ نے پس پردہ اس کی حمایت کی ہوگی کیونکہ پاکستان اور افغانستان میں اتنی طاقت فی الحال نہیں ہے کہ امریکہ کی مرضی کے بغیر کچھ کرسکیں ۔ ہمیشہ سفارتی بیک ڈور چینل میں خفیہ سفارت کاری میں کامیابی کے بعد ہی دنیا کے سامنے اداکاری کی جاتی ہے کہ فلاں میٹنگ کے بعد یہ فیصلہ ہوا ہے ۔ تاہم عام

عوام کو اس سے غرض نہیں ہے کہ مذاکرات کی موجودہ صورتحال میں کس کا کیا کردار اہم ہے ، پاک افغان عوام ہر صورت اپنے ممالک میں امن کے خواہاں ہیں اور امریکہ سمیت نیٹو افواج کی اپنے ممالک میں لاحاصل جنگ کے بعد واپسی چاہتے ہیں۔افغانستان میں اب بھی کچھ ایسے عناصر موجود ہیں جن کا مفاد جنگ سے وابستہ ہے ، لیکن اپنی مملکت کے لئے آزادی کی جنگ لڑنے والے یقینی طور پر چاہتے ہیں کہ ان کے ملک میں کسی بھی دوسرے ملک کی دخل اندازی نہ ہو ، افغانستان میں دس سال تو کیا سو سال جنگ کے بعد سب کو مذاکرات کی میز پر بیٹھنا ہوگا۔پاکستان کا وجود جب تک ہے امریکہ سمیت پوری دنیا کو اس کے کردار کو تسلیم کرنا ہوگا اور ماضی میں پاکستان کا جو بھی کردار رہا ہو اس سے قطع نظر آج کا پاکستان ماضی کے مقابلے میں خون میں لت پت اور دہشت گردی کے ریگستان میں دھنسا ہوا ہے۔ 80 کی دہائی میں پاکستان کا کردار جیسا بھی تھا لیکن اب سابقہ پالیسوں کو جاری رکھنے کا مطلب پاکستان کے موجودہ حصے کو بھی کھو دینا ہے۔ اگر پاکستان کو پنجاب تک محدود نہیں رکھنا اور قائد اعظم کے اس بچے کچے پاکستان کو سلامت رکھنا مقصود ہے تو پھر پاکستان کو اپنی خارجہ پالیسوں میں تبدیلی کرنا ہوگی ۔ 80 کی دہائی کے تجربات نے پاکستان کا نقشہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ کراچی ، بلوچستان ۔ خیبر پختونخوا سنگین مسائل کے ساتھ پاکستان کی بقا کے لئے سنجیدگی کے متقاضی ہیں۔اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ بین الاقوامی قوتیں پاکستان کی سلامتی کے خلاف ایسے شر پسند عناصر

کی حوصلہ افزائی کر رہی ہیں جو پاکستان کو غیر مستحکم کرنا چاہتی ہیں۔ پنجاب کا نام اگر پاکستان رکھنا ہے تو پھر جو ماضی میں پاکستانی خارجہ پالیسی رہی تو پھر جاری رکھو۔ لیکن پاکستان کو مضبوط بنانا ہے تو پہلے گھر میں لگی بجھانے کے لئے اسباب پیدا کئے جائیں۔ طاقت کے استعمال میں جب دنیا کے بڑی قوتیں دس سالوں میں ناکام ہو چکی ہیں تو پاکستان اکیلا کس طرح مقابلہ کر سکتا ہے۔ افغان طالبان، افغانستان کے نمائندے ہیں ان سے مذاکرات اہم پیش رفت ہے۔ ہمیں اپنے رویوں میں تبدیلی لانا ہوگی۔ یہ خطے میں امن سے زیادہ خود ہماری سرزمین کے لئے ضروری ہے۔

مذہبی ونسلی اثرات کی جیت

3پاکستان کے متنازعہ انتخابات کے بعد باآلاخر تحریک انصاف خیبر پختونخوا میں، پی پی پی سندھ اور پنجاب میں مسلم لیگ (ن) سادہ اکثریت کے بعد حکومت بنانے میں کامیاب ہوچکی ہے۔ خیبر پختونخوا میں چار اتحادی جماعتوں کے سہارے کھڑی تحریک انصاف، پنجاب اور سندھ میں بھاری مینڈیٹ کے ساتھ سابق حکومت میں رہنے والی جماعتوں کا دوبارہ برسر اقتدار کا آنا ثابت کرتا ہے کہ فی الحال پاکستان کی عوام گروہی، نسلی اور مذہبی سیاسی وارثت کے منجدھار سے باہر نہیں آسکی ہے۔ پنجاب میں جس طرح یکطرفہ طور پر مسلم لیگ (ن) کی حکومت قائم ہوئی ہے اور انھیں انتخابات میں جو غیر متوقع کامیابی ملی اس پر صرف تحریک انصاف ہی حیران نہیں ہوئی بلکہ دنیا بھی حیران ہے کہ کیا عمران خان کے جلسے، ہاتھی کے دانت کی طرح تو نہیں تھے۔ بہرحال نئی حکومتوں کو امریکہ نے اپنا پیغام ڈرون حملے کی صورت میں دے دیا کہ قتدار کی بھاگ دوڑ میں چہرے کتنے ہی بدل جائیں، امریکی پالیسی پاکستان کے حوالے سے کسی صورت تبدیل نہیں ہوگی۔ اسی طرح کالعدم تحریک طالبان پاکستان کیجانب سے اپنی من پسند جماعتوں کو کامیاب کرانے کے بعد مذاکرات کا دروازہ بند کرنے اعلان بھی معنی خیز نکلا کہ کل تک جو عسکریت پسند اپنی ہی ٹیموں کو کامیاب کرانے کیلئے عوام کو الیکشن مہم اور

انتخابات سے دور کرنے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا رہے تھے ، ان کا ایک ڈرون حملے پر مذاکرات نہ کرنے اعلان اُس وقت سامنے آیا جبکہ ان کی پسندیدہ جماعتوں نے حلف بھی نہیں اٹھائے تھے اور امریکہ اپنی پالیسی کی مطابق ڈرون حملے کرکے یہ پیغام دینے میں مصروف تھا کہ اُس کے نزدیک افغانستان کے طالبان ، پاکستان کے عسکریت پسند گروپس سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اور یہی وجہ تھی کہ امریکہ کی جانب سے کالعدم تحریک پاکستان کے نائب امیر ولی الرحمان کی ہلاکت کی تصدیق کے باوجود کسی بھی قسم کا تبصرہ نہیں کیا گیا تو دوسری جانب امریکہ نے غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستانی طالبان کے مذاکرات کی پیش کش واپس لینے کے معاملے پر بھی تبصرہ کرنے سے گریز کی راہ اختیار کی ۔یقنی طور پر یہ عمل پاکستان کی عوام کیلئے جہاں حیران کن تھا تو دوسری جانب طالبان کی پسندیدہ جماعتوں کیلئے ایک زور کا جھٹکا تھا، جو دھیرے سے لگایا گیا تھا ۔تاہم مولانا فضل الرحمٰن اور مولانا سمیع الحق نے کالعدم طالبان پاکستان کی جانب سے اس عمل کی توجہیات تو بیان کیں گئیں ، لیکن پاکستان کی عوام یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ عسکریت پسند جن جماعتوں کو امن مذاکرات کیلئے ضامن بنانا چاہتے تھے ، جس میں ان کی منظورِ نظر مسلم لیگ (ن) ، جماعت اسلامی ، تحریک انصاف اور جمعیت علماء اسلام ف) تھیں تو اب جبکہ ملک کی ایک بڑی عددی سیاسی طاقت بن کر مسلم لیگ (ن)) کے وزیر اعظم نواز شریف اور پاکستان کے ساٹھ فیصد رقبے کے بلا شرکت غیرے مالک شہباز شریف

مسند اقتدار پر براجمان ہو چکے ہیں تو صرف ایک ڈرون حملے پر مذاکرات ختم کرنے کا اعلان نا قابل فہم ہے۔ خاص طور پر تحریک انصاف کیلئے تو یہ اہم مسئلہ درپیش ہے کیونکہ طالبان حمایت میں ان کے بڑے بلند بانگ دعوؤں کے بعد پختون عوام بہرحال یہی دیکھنا چاہتی ہے کہ ان کی جانب سے امن کے نام پر جو مینڈیٹ عمران خان کو سونپا گیا ہے اُس پر یہ کتنا عمل درآمد کرتے ہیں؟۔ یقینی طور پر تحریک انصاف، مسلم لیگ (ن) اور جماعت اسلامی کے پاس ایسی کوئی جادو کی چھڑی نہیں ہے کہ وہ گھومائیں گے اور سب مسائل یکدم حل ہوجائیں گے، حالاں کہ مسلم لیگ اپنا پہلا یوٹرن لے چکی ہے کہ لوڈ شیڈنگ پر اربوں روپوں کی الیکشن مہم، شہباز شریف کی صرف جذباتی تقاریر تھیں، لوڈ شیڈنگ کے خاتمے پر کوئی ٹائم فریم نہیں دیا جا سکتا۔اس بیان سے تو صاف ظاہر ہوگیا کہ ملک کے تیسری بار وزیر اعظم صاحب کے پاس کافی یوٹرن موجود ہیں، زیادہ تر عوامی حلقوں میں یہ بات بھی بازگشت کر رہی ہے کہ مسلم لیگ (ن) چونکہ تحریک طالبان پاکستان) کی پسندیدہ جماعت ہے اس لئے بیک ڈور چینل استعمال کرتے ہوئے پاکستانی) عسکریت پسند قوتوں سے درخواست کی گئی ہے حکومت نے ابھی 700 ارب روپے سے زیادہ معاشی توانائی کا بحران حل کرنے کی درکار ہے اس لئے ان سے مذاکرات کا فوری عمل شروع کیا گیا تو امریکہ ناراض ہو سکتا ہے اور ان کے لئے مشکلات پیدا کر سکتا ہے اس لئے بین الاقوامی اداروں سے قرض حاصل کرنے اور نئے بجٹ کے آنے تک یہ مذاکرات کا عمل کسی طور پر روک دیا

جائے۔اس لئے غالب امکان یہی بنا کہ جس حکومت نے ابھی تک حلف ہی نہیں اٹھایا ، اور جو خیبر پختونخوا، پنجاب اور وفاق میں طالبان کی منظور نظر حکومتیں ہیں ، ان سے مذاکرات کا خاتمے کا علان بھی شائد کسی "چمک "کا نتیجہ ہے۔تاہم اس حوالے سے کوئی بات حتمی نہیں کی جا سکتی۔اسی حوالے سے ایک بڑا گہرا اور قابل غور پہلو یہ ہے کہ اس بار پھر سندھ میں پی پی پی کی حکومت قائم ہوچکی ہے۔اردو بولنے والوں اور سندھی بولنے والوں کے درمیاں ، خلیج اور زیادہ نمایاں ہوچکی ہے کہ شہری علاقوں سے منتخب ہونے والی جماعت ایم کیو ایم اس بار دس سال بعد اپوزیشن میں بیٹھی ہے۔سندھ میں دہشت گردی کے حوالے سے سب سے زیادہ متاثرہ علاقہ کراچی ہے ، جہاں مخصوص انداز میں تحریک انصاف کو کراچی کی دوسری بڑی جماعت ثابت کرانے کے لئے انجنیئرڈ الیکشن کرائے گئے ، لیاری کی نشستیں کالعدم امن کمیٹی کے اراکین کو دے دیں گئیں اور باقی ماندہ سیٹوں پر تحریک انصاف کو شہری کی دوسری بڑی جماعت بنانے کیلئے فرشتوں نے ووٹ ڈالے اور جس جماعت کے پاس پولنگ ایجنٹ بیٹھانے کے لئے کارکناں نہیں تھے وہ حیرت انگیز طریقے سے ایم کیو ایم کے مقابلے پر دوسرے نمبر پر ہی نہیں بلکہ کراچی سے ایک قومی اور تین صوبائی نشستوں پر کامیاب بھی کرادی گئی ۔ اس قبل اے این پی کے صوبائی صدر یہ دعوی کرتے نظر آتے تھے اس بار کراچی میں انھیں چار صوبائی اور ایک قومی نشست ملے گی اور ان کے امیدوار گواہ ہیں کہ ان سے کہاگیا کہ آپ صرف الیکشن میں موجود رہیں یہ

سیٹیں ہمیں مل جائیں گی۔ لیکن توقعات کے برعکس ہوا۔ اس حوالے سے بھی فکر اہل قلم و عوامی تاثر یہی ہے کہ ایم کیو ایم کے مقابلے میں جماعت اسلامی جو تمام اسلامی مکاتب فکر سے ایک الگ اسلامی نقطہ نظر رکھتی ہے اور پی پی آئی کو لسانیت کا پرچارک بنا کر ایم کیو ایم کے خلاف کھڑا کیا تھا جو ناکام ہوئے تو ایم کیو ایم کے مقابلے میں ناکامی کے بعد اے این پی کو موقع دیا گیا کہ وہ بزور طاقت ایم کیو ایم کو پسپا کرے۔ لیکن اے این پی بھی ناکام رہی تو انھیں امن کمیٹی اور سندھی قدامت پسند قوم پرستوں جماعتوں کی کمک بھی فراہم کی گئی، جس سے نالاں ہو کر ایم کیو ایم دو بار حکومت سے الگ تو ہو گئی لیکن انھیں پھر بھی پسپا نہیں کیا جا سکا، اس لئے اس بار تحریک انصاف کی صورت میں ایک نیا مکسچر بنایا گیا، جس میں عسکریت پسند، اے این پی سے ناراض کارکنان قدامت پسند سندھ قوم پرست جماعتیں اور کالعدم امن کمیٹی، کراچی و حیدرآباد میں، ایم کیو ایم کے سامنے کھڑی کر دی گئیں ہیں اور اس بات کا قوی امکان موجود ہے کہ کراچی میں خیبر پختونخوا کی طرح شدت پسندوں کی کاروائیاں، مسلم لیگ (ن) کی جانب سے آپریشن 92 کا ری میک، پی پی پی کی جانب سے امن کمیٹی کو پہلے سے زیادہ بھرپور سپورٹ اور تحریک انصاف میں مختلف قومیتوں کے اُن عناصر کی حوصلہ افزائی، جو ایم کیو ایم کو دیوار سے لگانا چاہتی ہیں۔ اس لئے مملکت میں آنے والی نئی حکومت کی پالیسوں کے خدوخال اور متنازعہ الیکشن کے بعد پیدا ہونے والی صورتحال بین الاقوامی اسٹیبلشمنٹ

کیلئے ایک آئیڈیل ہے۔ جس میں انھیں افغانستان میں اپنی من پسند حکومت کے قیام اور با حفاظت محفوظ واپسی کیلئے طے شدہ اسکرپٹ کامیاب ہوتا نظر آرہا ہے۔ دراصل پاکستان میں پیدا کی جانے والی مذہبی اور نسلی اثرات کی جیت رونما ہوچکی ہے، جس کا سہرا یقینی طور پر بین لاقوامی اسٹیبلشمنٹ کو جاتا ہے۔اب دیکھنا یہی ہے پاکستانی عوام کا حشر کیا ہوگا؟

باہمت افراد، باصلاحیت معاشرے کی بنیاد

اقوام متحدہ کیجانب سے پاکستان سمیت پوری دنیا میں ، بصارت ، سماعت ، گفتار سے جزوی یا کلی متاثر، جسمانی ناہمواری یا ذہنی پسماندگی کے شکار لوگوں کے ساتھ عہد تجدید کے طور پر منائے جاتے ہیں۔ عمومی طور پر قدرت کیجانب سے جسمانی کمی کی کیفیت کو معذورین بھی کہتے ہیں جس سے انہیں باوقار زندگی اور عام افراد سے جداگانہ مخلوق سمجھ کر خصوصی افراد بھی کہا جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں جسمانی طور پر ایسے افراد بھی موجود ہیں جو خصوصی افراد سے زیادہ توجہ کے مستحق ہیں لیکن معاشرے میں ایک خصوصی تصور موجود ہے اس لئے ہمیں جسمانی یا دماغی صلاحیت کے کمی کے شکار فرد کو خصوصی افراد اس بنا پر سمجھا جائے کہ ہمارے ارد گرد کے ماحول میں ایسے باعزم اور حوصلہ مند افراد کی کمی نہیں جنھوں نے اپنی معذوری کو مجبوری سمجھنے کے بجائے عام لوگوں سے بڑھ کر اپنی خداداد صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ یقیناً باہمت افراد اللہ تعالیٰ کیجانب سے کسی بھی قوم کے لئے عطیہ ہوتے ہیں لیکن جب تک ان کی صلاحیتوں کو درست انداز میں استعمال نہ کیا جائے اور انھیں وسائل فراہم نہ ہوں تو عام فرد بھی معاشرے میں عضو معطل بن سکتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں نچلی سطح پر خصوصی افراد کو بوجھ سمجھا جاتا ہے جس کی وجہ سے ایسے لوگ لڑکپن ہی سے احساس محرومی کا شکار ہو کر خود کو عام لوگوں سے مختلف تصور کرنے لگتے ہیں۔ لیکن ہمیں اس بات کو دیکھنا چاہیے کہ صحت مند

افراد ایسے لوگوں کے لئے کیا کر رہے ہیں یا ایسی تنظیمیں خصوصی افراد کے لئے کام کرنے کے بجائے استعمال کرنے پر توجہ نہیں دے رہیں۔ دنیا کی کل آبادی میں ترپین کروڑ سی زائد افراد کسی نہ کسی معذوری میں مبتلا ہیں جن میں نو کروڑ افراد فوری امداد کے مستحق ہیں۔ دس فیصد بچے یا بعد میں مختلف بیماریوں کے باعث معذور ہو جاتے ہیں جن میں صرف دس فیصد ہی امداد حاصل کرپاتے ہیں۔ایک رپورٹ کے مطابق دنیا کی دس فیصد آبادی معذور افراد پر مشتمل ہے جس میں سے دو تہائی کا تعلق ترقی پذیر اور غریب ممالک سے ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں خصوصی افراد کے لئے علاج معالجے اور بحالی کے لئے موثر ادارے قائم کئے گئے ہیں لیکن پاکستان میں اس سلسلے میں پیش رفت کا نہ ہونا بہت مایوس کن عمل ہے۔ خاص طور پر پولیو کی وجہ سے جسمانی معذورین کی شرح سب سے زیادہ ہے لیکن اس اہم معاملے پر دیہاتوں اور کچھ امن و مان کے باعث متاثر علاقوں ہیں پولیو ویکسین مہم کے باوجود مکمل کامیابی ممکن نہیں ہو رہی ہے۔ ایک سروے رپورٹ کے مطابق ملک بھر میں 5 سے 9برس تک تقریبا 20 لاکھ بچے بصارت، سماعت جسمانی ناہمواری یا ذہنی پسماندگی سے جزوی یا کلی طور پر متاثر ہیں ان میں سے صرف، 1.32 فیصد ہی حکومت اور این جی اوز کی طرف سے قائم کردہ خصوصی اداروں سے استفادہ کرپاتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ ان اداروں سے لاعلمی اور عدم توجہی ہے۔ حکومت کیجانب سے اعلان کردہ دو فیصد ملازمت کوٹے پر بھی رشوت خور نوکر شاہی کی وجہ سے عمل درآمد نہیں ہوپاتا اور عام افراد، رشوت کے ذریعے خصوصی افراد کے کوٹے پر خود کو بھرتی کرالیتے ہیں یا پھر ایسے افراد جو جسمانی کسی ایسے نقص کا شکار ہوتے ہیں جن سے ان کے کسی کاروبار زندگی

میں اثر نہیں پڑتا، حکومت کی جانب سے کوئی معیار مقرر نہ ہونے کی وجہ سے بھی خصوصی افراد کی حق تلفی کی جاتی ہے۔ خصوصی افراد میں ایسے لوگوں کو ترجیح دینی چاہیے جو عام فرد کے مقابلے میں سب سے زیادہ متاثر ہوں۔ ایسے خصوصی افراد، معمولی نقائص میں مبتلا افراد کی طرح ہر ادارے میں باآسانی جا بھی نہیں سکتے اس لئے دیگر افراد کے مقابلے میں یہ افراد اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت کی جانب سے ایسی پالیسی بنائی جائے جس میں نادرا شناختی کارڈ میں خصوصی افراد کی کیٹیگری مقرر ہو، اور میڈیکل بورڈ کا ایسا سہل طریقہ میسر ہو جس میں خصوصی افراد کو دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ خصوصی افراد میں سب سے زیادہ توجہ کی شکار خواتین اور بچیاں ہیں جنھیں ہمارے قدامت پسند معاشرے کی بنا پر بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ مرد فرد کے مقابلے میں خواتین کو بالکل توجہ نہیں دی جاتی کیونکہ صحت مند بچی بھی غریب طبقے میں معاشرے پر بوجھ سمجھی جاتی ہے۔ اگر اس صورت میں وہ بچی کسی جسمانی کا نقص کا شکار ہو تو اس کی شادی کے سنگین مسئلے سمیت دیگر مسائل ایسے عبرت کا نشانہ بنا دیتے ہیں۔ خصوصی افراد میں ہمت کی کوئی کمی نہیں بلکہ عام فرد سے بڑھ کر اپنی شخصیت و ذات کو منوانے کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے لیکن اس کے لئے انھیں جب تک وسائل فراہم نہیں کئے جائیں گے وہ معاشرے کا قیمتی فرد بننے کے بجائے زمین پر خود کو بوجھ سمجھنے لگتا ہے۔ کوئی انسان بھی اس کارِ ہستی کائنات میں بلا سبب نہیں پیدا کیا گیا۔ فطرت کے قوانین میں ہر انسان کی پیدائش کا کوئی نہ کوئی قدرتی جواز موجود ہوتا ہے اور ہر انسان کی طرح اس میں فائدہ مند شخص بننے کی مکمل صلاحیت ہوتی

ہے۔ صرف ضرورت اس بات کی ہے ہم انھیں ان کا کیا حصہ دے رہے ہیں ؟۔ المیہ یہ بھی ہے کہ بعض ایسی تنظیمیں بھی ہیں جنھوں نے خصوصی افراد کے نام پر اپنے وسائل اور بنک بیلنس میں اضافہ کیا اور خداترس انسانوں کو دیگر ایسی تنظیموں سے متنفر کرادیا ہے جو کسی نہ کسی حوالے سے خصوصی باہمت فرکے لئے کچھ نہ کچھ کرنا چاہتے تھے۔ عالمی دن کا مقصد صرف اس بات کا اظہار نہ ہو کہ خصوصی افراد پر ترس کیا جائے بلکہ اس تجدید عہد میں خصوصی افراد کے نام پر کام کرنے والی کالی بھیڑوں کی بھی اسکروٹنی کرنے کی ضرورت ہے جو مسلسل حق تلفی اور مجرمانہ غلطی کی مرتکب ہو رہی ہیں۔ صاحب ثروت ، یا ایسی این جی اوز جو خصوصی افراد کے لئے ایسی اسکیموں کی سرپرستی کریں جس سے صرف خصوصی افراد ہی فائدہ اٹھا سکیں۔ ایسی تنظیموں یا صاحب استطاعت افراد سے گذارش بھی یہی ہے کہ وہ کسی تنظیم کے نام یا سیاسی اثر رسوخ پر ے قین کرنے کے بجائے اپنی ذاتی توجہ سے اس امر کو یقینی بنائیں کہ کیا ان کی جانب سے فراہم کردہ سہولیات کا استعمال جائز اور درست طرے قے سے بھی ہو رہا ہے یا نہیں۔ حکومت میں موجود تمام سیاسی جماعتوں سے بھی یہی اپیل ہے کہ خصوصی افراد کے لئے سرکاری سطح پر بہتر سہولیات فراہم کریں۔ بدقسمتی سے جن چند سہولیات کا اعلان کیا گیا تھا اس پر بھی ابھی تک عمل درآمد نہیں ہوا۔ جس میں سب سے بڑھ کر ملازمتیں ، سفری اخراجات میں رعاے ت اور سرکاری اداروں میں ترجیح شامل ہے۔ پرائیوٹ سیکٹر کے تعاون کے بغیر خصوصی افراد معاشرے کا اہم فرد نہیں بن سکتے۔ پرائیوٹ ادارے بھی خصوصی طور اپنی ملازمتوں میں ایسے ہنر مند خصوصی افراد کے لئے کوٹہ مختص کریں تاکہ خصوصی فرد کسی پر بوجھ

بننے کے بجائے معاشرے کا سود مند حصہ بن سکے۔ پرائیوٹ اداروں کو اپنے شعبے جات میں خواتین پر زیادہ توجہ دیں تاکہ ان کی دہری احساس کمی کا سدباب کیا جاسکے۔ حکومت اور ایسے ادارے جو خصوصی باہمت افراد کے لئے کچھ کرنا ہی چاہتے ہیں تو ایسے نمائندہ تنظیموں کے ساتھ تعاون کریں جو سنجیدگی کے ساتھ خصوصی افراد کے لئے کام کر رہے ہوں۔ ایک خصوصی فرد کسی بھی عام فرد کے مقابلے میں زیادہ باصلاحیت ہوتا ہے بس انھیں توجہ کی اور احساس کمی سے نجات دلانے کی ضرورت ہے۔

لیاری کی کچھی برادری پر ظلم کی تاریک وسیاہ رات

کراچی شہر مختلف قومیتوں کا ایک ایسا خوب صورت گلدستہ ہے جس کی مثال بہت کم کسی دوسرے ملک میں پائی جاتی ہے۔خاص طور پر کراچی شہر میں آباد تاریخی قومیت سے تعلق رکھنے والے لاکھوں کی تعداد میں افراد آباد ہیں۔اسی طرح کراچی کے مختلف علاقے مخصوص قومیتوں کی وجہ سے ایک خصوصی امتیاز بھی رکھتے ہیں، جس کی بناء پر ان کی شناخت باآسانی کی جاسکتی ہے۔مثال کے طور پر پٹھان کالونی، قیام پاکستان سے قبل آباد پختونوں کا مسکن ہے، جو اپنے قیام کے بعد سے اب تک اسی طرح قائم و دائم ہے۔پٹھان کالونی جو بڑھتے بڑھتے فرنٹیئر کالونی، بنارس کالونی، میٹرول،، رشید آباد ، بلدیہ، اتحاد ٹاؤن، شیر شاہ، میراں ناکہ، آگرہ تاج کالونی، پیر آباد، دیر کالونی، قصبہ اسلامیہ کالونی، عثمان غنی کالونی، عمر فاروق کالونی، اجمیری نگری سے ہوتے ہوئے پختون آباد اور سلطان آباد تک پھیلتا چلا گیا اور ہزاروں کی تعداد میں رہنے والے پختون لاکھوں کی تعداد میں تبدیل ہوگئے اور ان پر مختلف سیاسی جماعتوں نے پختون قوم کے نام پر سیاست کرتے ہوئے اپنے آپ کو اقتدار تک جا پہنچایا لیکن ان کے مسائل حل کرنے میں اس لئے ناکام ہوئے کیونکہ ان کی تمام تر سیاست کا محور صرف، قومیت کے نام پر کراچی میں سیاسی

اجارہ داری کو قائم کرنا اور لسانیت کی نفرت بھری آگ کو ہوا دینا تھا۔ کراچی میں پختون لانڈھی، شیرپاؤ، کورنگی بلال کالونی، اسٹیل ٹاؤن، سہراب گوٹھ، کیماڑی سمیت مزید کئی علاقوں میں بھی لاکھوں کی تعداد میں آباد ہیں، لیکن پٹھان کالونی اپنی ایک شناخت کی وجہ سے اتنی ہی اہمیت رکھتا ہے جتنی کراچی میں سندھی، بلوچ اور کچھیوں کے لئے لیاری اہمیت رکھتا ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ لیاری کا جب نام آتا ہے تو گینگ وار کا واضح تاثر سامنے آجاتا ہے کہ لیاری کا نام ہی جیسے گینگ وار ہو، یہ درست ہے کہ لیاری دہشت گردوں کی محفوظ پناہ گاہوں میں وہی حیثیت رکھتا ہے جیسے کواری کالونی، پختون آباد، سلطان آباد یا سہراب گوٹھ کے بعض علاقے عسکریت پسندوں کے لئے محفوظ پناہ گاہیں ہیں جنھیں مختلف سیاسی جماعتوں کا مختلف ادوار میں آشیر باد حاصل رہا اور جب ان کے لگائے ہوئے پودے تناور درخت بن گئے تو ان کی لگائی ہوئی فصل، آج کی نسل کاٹنے میں مصروف نظر آتی ہے۔ لیاری بھی اپنی ایک مخصوص شناخت رکھتا ہے اور اس تاریخی قدیم علاقے کو ہمیشہ پیرس بنانے کے دعوے کے پُر فریب نعروں میں رکھ کر پورے علاقے کی حالت زار اس قدر قابل رحم بنادی گئی کہ لیاری میں رہنے والی دیگر قومیتوں کی جانب کسی کا دھیان ہی نہیں جاتا۔ لیاری کے حوالے سے میڈیا میں عمومی طور پر گینگ وار کے حوالے سے کالعدم امن کمیٹی کا نام سامنے آتا ہے جیسے پاکستان پیپلز پارٹی کی بھرپور حمایت حاصل ہے اور اس بار جیسے ہی پی پی سندھ میں حکومت بنانے میں

کامیاب ہوئی تو حلف اٹھاتے ہی سب سے پہلے لیاری کے اُن افراد کے عشایئے میں شرکت کی جن پر اپنے سابق دور میں سر کی قیمت لگاتے رہے اور دن رات ان پر آپریشن کے نام پر نام نہاد آپریشن کرتے رہے، جس سے تنگ آ کر لیاری کی عوام سڑکوں پر سراپا احتجاج بن جاتی تھی۔ لیکن یہ بھی سیاست کی بڑی مقدس مفاہت تھی کہ لیاری کے نامور افراد جنھیں پی پی پی کے حکومت نے سندھ کے سب سے بڑے جرائم پیشہ گروہ سے تعبیر کرکے ان کی تنظیم کو کالعدم قرار دیکر ان کے سربراہ رحمٰن بلوچ ڈکیٹ) کو مار ڈالا تھا، اب اسی کی تصویر کے آگے اُس کی مغفرت کی دعا مانگتے نظر) آتے ہیں۔ لیاری میں ایک طرف ایم کیو ایم کے ساتھ امن کمیٹی کا تصادم رہا جس کی وجہ سے سندھ حکومت میں اکھاڑ پچھاڑ کے ساتھ، حکومت میں شامل اور روٹھ جانے کا عمل بھی شامل تھا، اس نے اتنی سنگین صورتحال اختیار کرلی کہ جب پی پی پی نے امن کمیٹی کے رہنماؤں کے سر قیمت واپس لینے اور ان کے کیس واپس لینے کا سلسلہ شروع کیا تو ایم کیو ایم حکومتی اتحاد سے الگ ہو گئی اور اپوزیشن میں جا بیٹھی، اور اب جیسے ہی حکومت بنی پی پی پی نے فوری طور پر امن کمیٹی کے عشائیے میں شرکت کرکے ایم کیو ایم کو واضح پیغام دے دیا کہ انھیں کراچی میں امن کمیٹی کی خوشنودی زیادہ عزیز ہے۔ میڈیا کی جانب سے لیاری کے حوالے سے جہاں گینگ وار اور پولیس رینجرز کا تنازعہ دیکھایا جاتا رہا تو میڈیا نے لیاری میں آباد سب سے بڑی قدیم آبادی کچھی برادری کو بُری طرح نظر انداز کردیا۔ لیاری میں اس وقت

لاکھوں کی تعداد میں کچھی برداری سے تعلق رکھنے والے افراد آباد ہیں۔ کچھیوں نے اپنے حقوق کے لئے کچھی رابطہ کمیٹی کے نام سے پُرامن جدوجہد کا آغاز کیا۔ کیونکہ لیاری میں رہنے کی وجہ سے انھیں مخصوص سوچ کے تحت دیوار سے لگایا جارہا تھا، اس لئے انھوں نے جب اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کی تو ان کے سرکردہ رہنماؤں کا نہ رکنے والی ٹارگٹ کلنگ کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ بنیادی طور پر کچھی برادری مزدور پیشہ، ماہی گیری، ٹرانسپورٹ کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ ان کی آبادی آگرہ تاج کالونی، ہنگورہ آباد سے لیکر لی مارکیٹ تک آباد ہے جبکہ لیاری کے علاوہ ان کی بڑی تعداد ملیر کے علاقوں میں بھی رہتی ہے۔ تاہم لیاری اپنی قدیم ثقافت کی بنیاد پر کچھی برادری کے لئے ایک خصوصی اہمیت کا حامل ہے اس لئے جرائم پیشہ افراد نے انھیں بھی کراچی کی دوسری قومیتوں کی طرح جوتے کی نوک پر رکھنے کے لئے ظلم کا بازار گرم کیا اور گذشتہ دن یہ افسوس ناک خبر منظر عام پر آئی کہ لیاری میں آباد کچھی برادری کے گھروں پر جرائم پیشہ گینگ وار کے لوگوں نے اسلحے کے زور پر قبضے شروع کردئے ہیں اور کچھیوں کو لیاری اور اُس کے ملحقہ علاقوں سے بید خل کیا جارہا ہے۔ کراچی جیسے اہم شہر میں جہاں دیگر شہر سے آنے والے رزق کے حصول کے لئے بستے ہیں اور اپنے خاندانوں کے لئے رزق حاصل کرتے ہیں، اسی شہر میں کراچی کی سب سے قدیم آبادی کے مستقل شہریوں اور لیاری کے وارثوں کو بیڈل کئے جانا، ایسا روح فرسا واقعہ ہے، جس نے زمانہ جاہلیت کی یاد تازہ کردی

ہے۔ کچھی برادری کی جانب سے کراچی پریس کلب، ماڑی پور روڈ، وزیر اعلیٰ ہاؤس سمیت اہم اداروں کے سامنے احتجاج نئی بات نہیں ہے، کچھی برادری کی جانب سے اپنی قوم پر ہونے والے ظلم کی دادرسی نہ کرنے پر گریہ و ماتم حکومت اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی رٹ پر ایک سوالیہ نشان ہے کہ لاکھوں افراد کے لئے زندگی کی بنیادی سہولتیں کا حصول اس قدر مشکل بنا دیا گیا ہے کہ ان کے لئے سٹی گورنمنٹ کی جانب سے قائم ایک 20 بستروں کا ہسپتال پر بھی اینٹی نارکوٹکس نے آفس قائم کرکے علاقے کی واحد سہولت سے محروم کردیا ہے۔ گذشتہ دنوں تعلیم کے شعبے سے وابستہ ماسٹر رمضان دہشت گردوں کی اندھا دھند گولیوں کا نشانہ بنے، علاقے میں طبّی سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے بروقت ہسپتال نہ پہنچنے پر راستے میں ہی ہلاکت ہو گئی، اسی طرح کچھ برادری کے علاقوں میں قائم اسکولوں میں فائرنگ کرکے اتنا خوف پیدا کردیا گیا ہے اب وہاں کوئی اپنے بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجنے کا تصور نہیں کرسکتا۔ لیاری میں جرائم پیشہ عناصر سے خوف کی بناء پر کچھی برداری کو میڈیا مناسب رپورٹ نہیں کرتا جس کی وجہ سے کچھی برادری میں احساس محرومی ہے اور اب کچھی برداری کے نوجوان بچے اور عورتیں، بزرگ مرد اپنے گھر اور عزت کی حفاظت کے لئے مسلح جدوجہد کی جانب راغب ہو رہے ہیں جس کے نتائج کراچی اور کراچی سے وابستہ پاکستان کے لئے انتہائی تباہ کن ہونگے۔

!! مفلوج راستوں پر اُٹھ باندھ کر کیا ڈرتا ہے

تحریک انصاف کی جانب سے وزیر اعلی خیبر پختونخوا نے واضح بیان دیکر اپنے انتخابی نعرے سے روگردانی کرلی کہ ڈرون حملے گرانا صوبائی حکومت کی نہیں بلکہ وفاقی حکومت کی ذمے داری ہے۔اسی طرح تحریک انصاف کے صدر جاوید ہاشمی نے بھی بڑے واشگاف الفاظوں میں کہہ دیا کہ میاں نواز شریف کل بھی ان کے لیڈر تھے اور آج بھی ہیں۔ مسلم لیگ کیجانب سے لوڈ شیڈنگ پر بھی اطمینان کے ساتھ پالیسی جاری کردی گئی کہ لوڈ شیڈنگ گیارہ سالوں کا ملبہ ہے، اسلئے لوڈ شیڈنگ ختم کرنے کا کوئی ٹائم فریم نہیں دیا جاسکتا۔پی پی پی نے چوڑی والوں کو واپس کردیا کہ وہ چوڑیاں نہیں پہنتے، کیونکہ ممتاز بھٹو صاحب نے بھی بڑے کھلے انداز میں کہہ دیا تھا کہ نواز شریف ایک مرتبہ پھر سندھ میں گورنر راج لگا سکتے ہیں یعنی سندھ حکومت نے حلف اٹھایا ہی نہیں اور ممتاز بھٹو کی دیرینہ آرزو، دل سے برزبان میڈیا کے توسط سے عوام اور دنیا تک پہنچادی گئی ۔ سندھ میں دیہی اور شہری تفریق کا تنازعہ شدت اختیار کرتے ہوئے اس نہج پر پہنچ گیا ہے کہ سندھ کی تمام شہری آبادی، دیہی علاقوں کی کامیاب جماعت کے رحم و کرم پر ہوگی۔یعنی سندھ کے لئے مسلط کیا گیا کوٹہ سسٹم اب مزید ہنگامہ خیزیاں پیدا کرے گا۔اسی طرح بلوچستان میں اکبر بگٹی کے

قبیلے والے اپنے گھر جانے کے لئے اسلام آباد میں دھرنا دئے بیٹھے ہیں، انتخابات سے بائیکاٹ تو وہ پہلے ہی کر چکے تھے، تو دوسری جانب اختر مینگل کے بیانات میں مزید شدت آتی جا رہی ہے کہ مسخ شدہ لاشوں اور اغوا کرنے کی وارداتوں میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ بادی النظر دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ پاکستان میں صوبائیت کے نام پر مملکت کے ٹکڑے کر دئے گئے ہیں ۔ سندھ میں سندھیوں کے نام پر، بڑی سیاسی جماعت پیپلز پارٹی، پنجاب میں پنجابی کے نام پر مسلم لیگ (ن)، خیبر پختونخوا میں صرف چہرے بدلے اور پختونوں کی دوسری جماعت تحریک انصاف ، بلوچستان میں بلوچ کا حق حکمرانی کو تسلیم کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالمالک کو اقلیتی جماعت ہونے کے باوجود وزرات اعلی دے دئے جانا یعنی مسلم لیگ (ن) نے امن و امان کے حوالے سے پریشان کن صوبوں سے اپنی جان چھڑا کر سارا ملبہ ، بلوچوں ، سندھیوں،اور پختونوں کے سر پر ڈال دیا ہے کہ امن و امان قائم کرنے کی ذمے داری صوبائی حکومتوں کی ہے ، اگر صوبائی حکومت ان سے تعاون طلب کرے گی تو" وفاق" ہر ممکن تعاون کرے گا۔ فیصلہ ہو گیا اس لئے ، پنجاب میں امن قائم رہے گا (اللہ کرے ہمیشہ قائم رہے)۔ خیبر پختونخوا میں سیکورٹی اداروں پر حملے ہوتے رہیں گے اور قبائل پر ڈرون حملے بھی متواتر جاری رہیں گے کیونکہ یہ کام وفاق کا ہے۔" عوام" نے اگر تحریک انصاف کو" ووٹ" دیتی تو پھر دیکھتے کہ امریکہ ، ڈرون" کیسے" گراتا ہے۔ تاہم امریکہ ویسے ہی ڈرون گراتا جیسے ان کے حلف لینے والے دن گرایا اور یہ سب بغلیں

بجانے کے علاوہ کچھ کر نہیں سکے۔ سندھ میں ایم کیو ایم اور لیاری امن کمیٹی کے نام پر شہر کا وہی حال رہے گا جو سابقہ حکومت میں دونوں جماعتوں کی اتحادی جماعت ہونے کے باوجود بھی تھا کیونکہ امن کا سوئچ آن و آف ان کے پاس ہے ہی نہیں۔ اب بھی کراچی لہو لہان ہے، روزانہ بے گناہوں کی ٹکڑے شدہ، سر بریدہ، جلائی گئی سوختہ لاشیں ملتی ہیں، وزیر اعلی صاحب گینگ وار کے ساتھ بیٹھ کر دشمنوں کی لاشوں پر کئے جانے والا مخصوص فاتحانہ رقص کرتے ہیں اور باور کراتے ہیں کہ انھیں کراچی والوں سے "کتنی" ہمدردی ہے۔ پختون قوم پرست جماعت کے رہنما بوریا بستر لپیٹ کر واپس اپنے گھروں میں لوٹ گئے ہیں کیونکہ اب ان کے پاس لسانی سیاست کرنے والا فارمولہ بھی ختم ہو چکا ہے۔ اے این پی کی تمام قیادت نائن زیرو جا کر کان پکڑ کر اپنی خطاؤں کو تسلیم کر چکی ہے جس کے بعد پختون قوم نے بھی اے این پی کو اپنی اوقات دلا کر یوم نجات منایا۔ تاہم طالبائزیشن کا ایک سیلاب ضرور کراچی میں امڈ چلا آیا ہے اور ان کی سیاسی سرپرستی اب تحریک انصاف کر رہی ہے۔ کیونکہ تحریک انصاف میں زیادہ تر افراد وہی شامل ہیں جنھوں نے بعض معاویہ میں ایم کیو ایم کی مخالفت کے لئے تحریک انصاف کو جوائن کیا۔ سب جانتے ہیں کہ ان کا تعلق کس نام نہاد امذہبی و سیاسی جماعت سے رہا ہے جس نے لاکھوں پختونوں کو افغانستان میں امریکہ کی ایما پر افغانوں کی جنگ میں ڈالروں کے خاطر معصوم بچوں کو ٹینکوں کے نیچے بارود میں خود کش بنا کر روسی ٹینک اڑانے کی تربیت دی اور پھر سری لنکا کے

تامل باغیوں سے خود کش حملوں کی تربیت حاصل کرکے پاکستانی بےگناہ عوام کو نشانہ بنانا شروع کیا۔ غیر ملکیوں نے پاکستان کا رخ کیا اور طویل پہاڑی علاقوں میں پناہ حاصل کی اور امریکہ کی ایماپر شمالی اتحاد کے حامیوں پر شب و روز حملے کرتے رہے تو انھوں نے جوابی حملوں میں پاکستان کے تمام عسکری اداروں میں گھس کر ملکی دفاعی صلاحیتوں کی رٹ کو چیلنج کیا، جس کے بعد پاک فوج نے اپنی عسکری دفاعی ترجیحات کو تبدیل کرلیا۔
نئیحکومت امریکہ کے ناظم الامور رچرڈ ہوگلینڈ کو دفتر خارجہ طلب کرکے احتجاج کرتی ہے کہ امریکہ کو ڈرون حملوں کے بارے میں اپنی حکمت بدلنا ہوگی۔ اور پاکستان نے وہی سابقہ بیان جاری کیا کہ وہ ان واقعات کی مذمت کرتی ہے کیونکہ اس سے دو طرفہ ممالک میں تعلقات خراب ہو رہے ہیں۔ خود مختاری کا احترام کیا جائے، وغیرہ وغیرہ۔
وہی سب کچھ جو سابقہ حکومتیں دوہراتی رہی ہیں اور جواب بھی وہی ٹکا سا ملا کہ جب امریکی دفتر خارجہ کی ترجمان جنیفر ساکی نے پہلے تو انھیں" مبارک باد "دی، تیسری بار وزیر اعظم بننے کی اور پھر کہا کہ "اسکے لئے اہم بات یہ ہے کہ وہ دہشت گردی کے خاتمے کے سلسلے میں اپنی سرزمیں پر خود ہی دہشت گردی کے خلاف کاروائی کرنے کی استعداد بڑھانے کے لئے اپنے دوست ملکوں کے ساتھ ملکر کام کرے۔" یعنی کھلے الفاظوں میں کہہ دیا گیا کہ پاکستانی اداروں میں یہ استعداد کار اور صلاحیت ہی نہیں ہے کہ وہ دہشت گردی کے لئے اپنی زمیں کے استعمال کو روک سکیں۔ اس لئے امریکہ جو ان کا "دوست "ملک ہے وہ یہ حملے جاری

رکھے گا۔ ایسے اقوام متحدہ کی جانب سے پیش کی جانے والی روپورٹ کی بھی پرواہ نہیں ، نواز شریف آئے یا عمران خان آئے ، اس کے لئے وہ بھی پرویز مشرف اور صدر زرداری جیسے ہی ہیں۔اس لئے واضح طور پر یہ پیغام بھی دے گیا کہ خیبر پختونخوا، بلوچستان، سندھ علیحدگی پسند جماعتوں، کراچی سے پہلے نپٹنے کی صلاحیت اور ہمت پیدا کرو۔ ویسے بھی میاں نواز شریف نے اپنی وزرات عظمی کی پہلے خطاب میں ، بلوچستان میں اغوا، مسخ شدہ لاشوں اور طالبان سے مذاکرات کے حوالے سے مکمل چپ سادھے رکھی اور کچھ نہ بولے تو ڈرون حملوں کی مذمت چہ معنی کشد۔یہی وجہ ہے کہ عمران خان تو اپنی بُری شکست کے بعد حلف تک اٹھانے کے لئے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار نہیں کرسکے ، عوامی حلقوں کا خیال ہے کہ اگر وہ نواز شریف کو حلف.برادری کی تقریب میں شریک ہوتے تو ہو سکتا تھا کہ انھیں دل دورہ پڑ جاتا اس لئے اچھا ہوا کہ وہ نہیں آئے۔ لیکن آنا تو پڑے گا کیونکہ میاں نواز شریف اور عمران خان کسی بند گلی میں نہیں بلکہ مفلوج راستوں میں قدم رنجہ فرما چکے ہیں۔انتخابی مہم کے دوران جو.بڑے.بڑے دعوے کئے ابھی تو انھیں اگلے سالوں تک انھیں عوام کا جواب دینا ہوگا اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے !۔

بدر منیر مرحوم کیلئے منفرد صدارتی ایوارڈ برائے حسن کارکردگی

سوات کے ممتاز سماجی حلقوں میں ایک منفرد مقام رکھنے والے شرین زادہ بدر، خیبر پختونخوا کے باسیوں کے لئے کوئی غیر معروف شخصیت نہیں ہیں۔ شرین زادہ بدر، پختون ثقافت سے اپنے دلی لگاؤ اور منفرد لب ولہجے کی پہچان کی وجہ سے ثقافتی حلقوں کے علاوہ دیگر حلقوں اور سرکاری شخصیات میں معروف مقام رکھتے ہیں۔اس موقع پر ان کی تعریف کرنے یا مداح سرائی کرنے کا مقصد اہلیان سوات کے لئے ایک ایسا منفرد تحفہ ہے جیسے شرین زادہ بدر کی صورت میں ملا۔ معروف فلمی اداکار لیجنڈ بدر منیر مرحوم نے اپنی سادگی، اور دل آویز اداکاری کے ذریعے پختون قوم کے ثقافتی کلچر کو ایک منفرد انداز میں پہچان دی اور بین الاقومی طور پر پختون قوم جو کہ اپنی شناخت و ثقافت کے حوالے سے ممتاز خصوصیات رکھتی ہے، ایسے مزید اجاگر کرنے کے لئے بدر منیر مرحوم کے کردار کو تاریخ فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اتفاقی طور پر فلم انڈسٹری میں آنے والے اس فلمی ستارے نے پختون نوجوانوں میں، فیشن کا وہ سادہ رنگ بھر دیا جیسے آج بھی ہزاروں نوجوان اپنائے ہوئے ہیں۔ ان کا سادہ لباس، ان کے بالوں کا اسٹائل، مخصوص مسکراہٹ اور دل آویز ڈائیلاگ ڈلیوری میں بدر منیر کا ثانی آج تک پشتو فلم انڈسٹری میں پیدا نہیں ہو سکا ہے۔ شرین زادہ بدر بھی ان کے پرستاروں میں ایک ایسے

پرستار ہیں جن کی پرستاری کو حکومت پاکستان نے صدارتی ایوارڈ برائے حسن کارکردگی
دیکر تسلیم کیا ہے۔ بعد از مرگ مرحوم بدر منیر کو صدارتی ایوارڈ برائے حسن کارکردگی
دیا گیا، جو کہ شرین زادہ بدر کے لئے ہی نہیں بلکہ پورے سوات کی عوام کے لئے یہ ایک
اعزاز کی بات ہے کہ بدر منیر مرحوم کے کسی رشتے دار یا بیٹے کو یہ ایوارڈ دینے کے
بجائے بدر منیر کے عظیم پرستار شرین زادہ بدر کو یہ ایوارڈ تفویض کیا گیا جو پاکستان کی
تاریخ میں منفرد اور پہلا واقعہ ہے کہ آج تک ایسا کبھی نہیں ہوا کہ صدارتی ایوارڈ بعد
از مرگ کسی رشتے دار کو دینے کے بجائے، اُس کے پرستار کو دے دیا جائے اور یہ
منفرد اعزاز شرین زادہ بدر کے حصے میں آیا جنھیں پشتو فلمی ثقافت کی عظیم پہچان بدر
منیر کا وارث، اور امین تسلیم کرتے ہوئے پہلی بار صدارتی ایوارڈ برائے حسن کارکردگی
مئی کو دیا گیا۔ جس پر انھیں ہم سب دل کی گہرائیوں سے مبارکباد دے تے ہیں. یہ 26
بات قابلِ ذکر ہے کہ پشتو کے معروف اداکار بدر منیر کے لئے اعلان کردہ ایوارڈ آل
پاکستان بدر منیر فیڈریشن کے بانی و مرکزی چیئرمین شرین زادہ بدر نے وصول کیا۔ یہ
تقریب ایوان صدر اسلام آباد میں منعقد ہوئی تھی۔ قابلِ ذکر بات یہ بھی ہے کہ اس
تقریب میں بدر منیر کے فرزند عقل منیر اور عمران منیر بھی موجود تھے، لیکن شرین
زادہ بدر کی خدمات کی وجہ سے ایوارڈ ان کو دیا گیا۔ یہیں پر ایک اور قابل غور بات یہ
بھی ہے کہ اس ایوارڈ کا اعلان 2008ء میں کیا گیا تھا، لیکن مرحوم کی زندگی نے وفا

نہیں کی اور ان کی وفات کے پانچ سال بعد بالاخر ان کے لئے اعلان کردہ ایوارڈ اور خدمات کے اعتراف میں دی جانے والی امانت شرین زادہ بدر کے حوالے کردی گئی۔ یہ لمحات یقینی طور صرف شرین زادہ بدر کے لئے محسور کُن لمحات ہی نہیں بلکہ ہر اُس پرستار کے لئے اعزاز ہے جو فنکاروں سے دلی محبت و لگاؤ رکھتا ہے۔ شرین زادہ بدر کا کہنا ہے کہ " یہ ایک ایسا منفرد ایوارڈ ہے جو ابھی تک کسی اداکار کے پرستار نے وصول نہیں کیا ہے اس لحاظ سے اس ایوارڈ کو گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ کی زینت بننا چاہیے، کیونکہ یہ دنیا کا واحد ایوارڈ ہے جو بدر منیر کے لئے مختص کیا گیا تھا مگر بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر وہ اپنی زندگی میں وصول نہ کرسکے۔ان کا کہنا تھا کہ وہ ایک پر وقار تقریب کا اہتمام کریں گے "۔ گو کہ فیڈریشن کے بعض ساتھیوں کو ناراضگی بھی ہوگی لیکن انھیں یہ سوچنا چاہیے کہ یہ ایوارڈ ان کی ذاتی شخصیت کو نہیں بلکہ سب بدر منیر کے مداحوں سمیت ہم جیسے غیر فلمی پختون مداحوں کے لئے بھی خوشی کا مقام ہے۔اس موقع پر میں ان فلمی تنظیموں اور نام نہاد فلمی پشتو اداکاروں کو یہ پیغام بھی دینا چاہتا ہوں کہ انھوں نے پشتو فلموں میں جو فحاشی کلچر متعارف کرایا ہے کیا ان کی کارکردگی اسی ہوگی کہ مستقبل میں انھیں صدارتی ایوارڈ جیسے اہم اعزاز سے نوازا جاسکے۔ بدر منیر ایک مثال ہے تمام پشتو۔ فنکاروں کے لئے جنھوں نے پختون ثقافت کے نام پر پختون قوم کا نام پوری دنیا میں بدنام کرنے بیڑا اٹھایا ہوا ہے۔ یقینی طور پر میرے

گذشتہ کئی کالم ان فلمی شخصیات کے حوالے سے بڑی تفصیل کے ساتھ لکھے جا چکے ہیں ،
اس لئے ان پر دوبارہ تنقید کرنے مناسب نہیں سمجھتا، لیکن ان سے اب بھی یہی اپیل
کرتا ہوں کہ اپنا قبلہ درست کرلیں ۔ گو کہ صدارتی ایوارڈ بذات خود ایک بڑا اعزاز
ہے، لیکن اس سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ یہ ایوارڈ ایک ایسی تنظیم اور شخصیت کو دیا گیا
جس نے بدر منیر ہی نہیں بلکہ پختون ثقافت کی ملنساری اور روایات کا پاس بھی رکھا
ہے۔ جھوٹی انا کے فریب میں رہنے والے نام نہاد پرنس بننے والوں ، کب تک جھوٹی
تعریفوں کے پل باندھ کر ان کم بخت لوگوں کی حوصلہ افزائی کروگے جنھوں نے پختون
ثقافت کا بیڑا غرق کردیا ہے۔ یقینی طور پر یہ اعزاز شرین زادہ بدر کا ہی نہیں بلکہ آل
پاکستان بدر منیر فیڈریشن کے تمام اراکین کو مشترکہ ملا ہے۔آل پاکستان بدر منیر
فیڈریشن کے لئے بھی یہ اتنے ہی اعزاز کی بات ہے جتنی ہم سب کے لئے ہے انھیں دل
گرفتہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس لمحات میں بدر منیر مرحوم کے صاحب
زادوں عقل منیر اور عمران منیر سے بھی یہی کہنا چاہتا ہوں کہ بدر منیر ، کی تمام
زندگی ان کے پرستاروں کے نام وقف تھی ۔ اب ان ہی پرستاروں کو ایوارڈ کا منتقل کرنا
خود ان کے لئے بھی اعزاز کی بات ہے۔ لہٰذا آپ بھی آگے بڑھ کر حوصلہ افزائی ،
کریں۔اور ہاں شرین زادہ ہمیں بھول مت جانا، اور اپنی اس پر وقار تقریب کا وعدہ کب
پورا کروگے۔ ہم سب اس کے انتظار میں بھی ہیں۔

مفلوج راستوں پر اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے

تحریک انصاف کی جانب سے وزیر اعلی خیبر پختونخوا نے واضح بیان دیکر اپنے انتخابی نعرے سے روگردانی کرلی کہ ڈرون حملے گرانا صوبائی حکومت کی نہیں بلکہ وفاقی حکومت کی ذمے داری ہے۔اسی طرح تحریک انصاف کے صدر جاوید ہاشمی نے بھی بڑے واشگاف الفاظوں میں کہہ دیا کہ میاں نواز شریف کل بھی ان کے لیڈر تھے اور آج بھی ہیں۔ مسلم لیگ کیجانب سے لوڈ شیڈنگ پر بھی اطمینان کے ساتھ پالیسی جاری کردی گئی کہ لوڈ شیڈنگ گیارہ سالوں کا ملبہ ہے ، اسلئے لوڈ شیڈنگ ختم کرنے کا کوئی ٹائم فریم نہیں دیا جاسکتا۔پی پی پی نے چوڑی والوں کو واپس کردیا کہ وہ چوڑیاں نہیں پہنتے ، کیونکہ ممتاز بھٹو صاحب نے بھی بڑے کھلے انداز میں کہہ دیا تھا کہ نواز شریف ایک مرتبہ پھر سندھ میں گورنر راج لگا سکتے ہیں یعنی سندھ حکومت نے حلف اٹھایا ہی نہیں اور ممتاز بھٹو کی دیرینہ آرزو، دل سے بر زبان میڈیا کے توسط سے عوام اور دنیا تک پہنچا دی گئی ۔ سندھ میں دیہی اور شہری تفریق کا تنازعہ شدت اختیار کرتے ہوئے اس نہج پر پہنچ گیا ہے کہ سندھ کی تمام شہری آبادی ، دیہی علاقوں کی کامیاب جماعت کے رحم و کرم پر ہوگی۔یعنی سندھ کے لئے مسلط کیا گیا کوٹہ سسٹم اب مزید ہنگامہ خیزیاں پیدا کرے گا۔اسی طرح بلوچستان میں اکبر بگٹی کے

قبیلے والے اپنے گھر جانے کے لئے اسلام آباد میں دھرنا دئے بیٹھے ہیں، انتخابات سے بائیکاٹ تو وہ پہلے ہی کرچکے تھے، تو دوسری جانب اختر مینگل کے بیانات میں مزید شدت آتی جارہی ہے کہ مسخ شدہ لاشوں اور اغوا کرنے کی وارداتوں میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ بادی النظر دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ پاکستان میں صوبائیت کے نام پر مملکت کے ٹکڑے کردئے گئے ہیں۔ سندھ میں سندھیوں کے نام پر بڑی سیاسی جماعت پیپلز پارٹی، پنجاب میں پنجابی کے نام پر مسلم لیگ (ن)، خیبر پختونخوا میں صرف چہرے بدلے اور پختونوں کی دوسری جماعت تحریک انصاف، بلوچستان میں بلوچ کا حق حکمرانی کو تسلیم کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالمالک کو اقلیتی جماعت ہونے کے باوجود وزرات اعلی دے دئے جانا یعنی مسلم لیگ (ن) نے امن وامان کے حوالے سے پریشان کن صوبوں سے اپنی جان چھڑا کر سارا ملبہ، بلوچوں، سندھیوں، اور پختونوں کے سر پر ڈال دیا ہے کہ امن وامان قائم کرنے کی ذمے داری صوبائی حکومتوں کی ہے، اگر صوبائی حکومت ان سے تعاون طلب کرے گی تو" وفاق" ہر ممکن تعاون کرے گا۔ فیصلہ ہو گیا اس لئے، پنجاب میں امن قائم رہے گا (اللہ کرے ہمیشہ قائم رہے)۔ خیبر پختونخوا میں سیکورٹی اداروں پر حملے ہوتے رہیں گے اور قبائل پر ڈرون حملے بھی متواتر جاری رہیں گے کیونکہ یہ کام وفاق کا ہے۔" عوام" نے اگر تحریک انصاف کو" ووٹ" دیتی تو پھر دیکھتے کہ امریکہ، ڈرون" کیسے" گراتا ہے۔ تاہم امریکہ ویسے ہی ڈرون گراتا جیسے ان کے حلف لینے والے دن گرایا اور یہ سب بغلیں

بجانے کے علاوہ کچھ کر نہیں سکے۔ سندھ میں ایم کیو ایم اور لیاری امن کمیٹی کے نام پر شہر کا وہی حال رہے گا جو سابقہ حکومت میں دونوں جماعتوں کی اتحادی جماعت ہونے کے باوجود بھی تھا کیونکہ امن کا سوئچ آن و آف ان کے پاس ہے ہی نہیں۔اب بھی کراچی لہو لہان ہے، روزانہ بے گناہوں کی ٹکڑے شدہ، سر بریدہ، جلائی گئی سوختہ لاشیں ملتی ہیں، وزیر اعلی صاحب گینگ وار کے ساتھ بیٹھ کر دشمنوں کی لاشوں پر کئے جانے والا مخصوص فاتحانہ رقص کرتے ہیں اور باور کراتے ہیں کہ انھیں کراچی والوں سے " کتنی" ہمدردی ہے۔ پختون قوم پرست جماعت کے رہنما بوریا بستر لپیٹ کر واپس اپنے گھروں میں لوٹ گئے ہیں کیونکہ اب ان کے پاس لسانی سیاست کرنے والا فارمولہ بھی ختم ہوچکا ہے۔اے این پی کی تمام قیادت نائن زیرو جاکر کان پکڑ کر اپنی خطاؤں کو تسلیم کرچکی ہے جس کے بعد پختون قوم نے بھی اے این پی کو اپنی اوقات دلا کر یوم نجات منایا۔ تاہم طالبائزیشن کا ایک سیلاب ضرور کراچی میں امڈ چلا آیا ہے اور ان کی سیاسی سرپرستی اب تحریک انصاف کر رہی ہے۔ کیونکہ تحریک انصاف میں زیادہ تر افراد وہی شامل ہیں جنھوں نے بعض معاویہ میں ایم کیو ایم کی مخالفت کے لئے تحریک انصاف کو جوائن کیا۔ سب جانتے ہیں کہ ان کا تعلق کس نام نہاد امذہبی و سیاسی جماعت سے رہا ہے جس نے لاکھوں پختونوں کو افغنستان میں امریکہ کی ایما پر افغانوں کی جنگ میں ڈالروں کے خاطر معصوم بچوں کو ٹینکوں کے نیچے بارود میں خود کش بنا کر روسی ٹینک اڑانے کی تربیت دی اور پھر سری لنکا کے

تامل باغیوں سے خود کش حملوں کی تربیت حاصل کرکے پاکستانی بے گناہ عوام کو نشانہ بنانا شروع کیا۔ غیر ملکیوں نے پاکستان کا رخ کیا اور طویل پہاڑی علاقوں میں پناہ حاصل کی اور امریکہ کی ایما پر شمالی اتحاد کے حامیوں پر شب و روز حملے کرتے رہے تو انھوں نے جوابی حملوں میں پاکستان کے تمام عسکری اداروں میں گھس کر ملکی دفاعی صلاحیتوں کی رٹ کو چیلنج کیا، جس کے بعد پاک فوج نے اپنی عسکری دفاعی ترجیحات کو تبدیل کرلیا۔
نئی حکومت امریکہ کے ناظم الامور رچرڈ ہوگلینڈ کو دفتر خارجہ طلب کرکے احتجاج کرتی ہے کہ امریکہ کو ڈرون حملوں کے بارے میں اپنی حکمت بدلنا ہوگی۔ اور پاکستان نے وہی سابقہ بیان جاری کیا کہ وہ ان واقعات کی مذمت کرتی ہے کیونکہ اس سے دو طرفہ ممالک میں تعلقات خراب ہو رہے ہیں۔ خود مختاری کا احترام کیا جائے، وغیر وغیرہ۔
وہی سب کچھ جو سابقہ حکومتیں دوہراتی رہی ہیں اور جواب بھی وہی ٹکا سا ملا کہ جب امریکی دفتر خارجہ کی ترجمان جنیفر ساکی نے پہلے تو انھیں " مبارک باد " دی، تیسری بار وزیر اعظم بننے کی اور پھر کہا کہ "اسکے لئے اہم بات یہ ہے کہ وہ دہشت گردی کے خاتمے کے سلسلے میں اپنی سرزمیں پر خود ہی دہشت گردی کے خلاف کاروائی کرنے کی استعداد بڑھانے کے لئے اپنے دوست ملکوں کے ساتھ ملکر کام کرے۔" یعنی کھلے الفاظوں میں کہہ دیا گیا کہ پاکستانی اداروں میں یہ استعداد کار اور صلاحیت ہی نہیں ہے کہ وہ دہشت گردی کے لئے اپنی زمیں کے استعمال کو روک سکیں۔ اس لئے امریکہ جو ان کا "دوست" ملک ہے وہ یہ حملے جاری

رکھے گا۔ ایسے اقوام متحدہ کی جانب سے پیش کی جانے والی رپورٹ کی بھی پرواہ نہیں، نواز شریف آئے یا عمران خان آئے، اس کے لئے وہ بھی پرویز مشرف اور صدر زرداری جیسے ہی ہیں۔اس لئے واضح طور پر یہ پیغام بھی دے گیا کہ خیبر پختونخوا، بلوچستان، سندھ علیحدگی پسند جماعتوں، کراچی سے پہلے نپٹنے کی صلاحیت اور ہمت پیدا کرو۔ ویسے بھی میاں نواز شریف نے اپنی وزرات عظمی کی پہلے خطاب میں، بلوچستان میں اغوا، مسخ شدہ لاشوں اور طالبان سے مذاکرات کے حوالے سے مکمل چپ سادھے رکھی اور کچھ نہ بولے تو ڈرون حملوں کی مذمت چہ معنی کشد۔یہی وجہ ہے کہ عمران خان تو اپنی بُری شکست کے بعد حلف تک اٹھانے کے لئے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار نہیں کرسکے، عوامی حلقوں کا خیال ہے کہ اگر وہ نواز شریف کو حلف.برادری کی تقریب میں شریک ہوتے تو ہو سکتا تھا کہ انھیں دل دورہ پڑ جاتا اس لئے اچھا ہوا کہ وہ نہیں آئے۔ لیکن آنا تو پڑے گا کیونکہ میاں نواز شریف اور عمران خان کسی بند گلی میں نہیں بلکہ مفلوج راستوں میں قدم رنجہ فرما چکے ہیں۔انتخابی مہم کے دوران جو.بڑے.بڑے دعوے کئے ابھی تو انھیں اگلے سالوں تک انھیں عوام کا جواب دینا ہوگا اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے !۔

پاکستانیت پر صوبائیت غالب

الیکشن 2013ء میں ایک خوش کن خبر یہ رہی کہ کراچی کو پختون قوم پرستی کی آڑ میں لسانی سیاست کرنے والوں سے نجات حاصل ہوئی۔ حلقہ پی ایس 89 میں مسلم لیگ (ن) کے ہمایوں محمد خان، پی ایس 114 سے عرفان اللہ خان مروت، پختون قومیت رکھتے ہیں۔ جبکہ پختونوں کی مستقل کامیاب نشستیں جیتنے والے علاقے ، جس میں پی ایس 128، پی ایس 93 پر پختون قومیت سے تعلق رکھنے والے کامیاب ہوتے رہے تھے۔ 2008ء کے الیکشن میں عوامی نیشنل پارٹی کو ان دونوں حلقوں میں پہلی مرتبہ کامیابی ملی اور صوبائی حکومت کے علاوہ وفاق کا حصہ بھی بنی ، لیکن پختونوں کے دیرینہ مسائل کو حل کرنے کے بجائے اقربا پروری ، رشوت بازاری ، پانی مافیا اور من پسند افراد کو حکومتی ٹھیکے دلانے کے علاوہ ذاتی مفادات کے لئے کام کرنے کی وجہ سے کراچی میں انھیں عبرت ناک شکست کا سامنا ہوا۔ کراچی میں "(کالعدم) امن کمیٹی" کے نامزد افراد کو نشستیں دیگر لیاری سے پیپلز پارٹی صفایا ہونے سے بچ گئی لیکن لیاری کے قدیم آباد لاکھوں کچھی برادری کے ساتھ ان کے تعلقات اس قدر خراب ہو چکے ہیں کہ گینگ وار کے ہاتھوں لیاری روزانہ میدان جنگ بنا ہوا ہے اور وہاں حکومتی رٹ نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے۔ متحدہ قومی موومنٹ اس بار پہلی مرتبہ پی ایس 128 کی مخلوط آبادی

سے نشست لینے میں بڑی جدو جہد کے بعد کامیاب ہوئی ، لیکن یہاں ان کا نمائندہ ہزاروال ہے، چونکہ ہزاروال صوبے کے مطالبے کی بناء پر ہزاروال اپنی الگ قومی شناخت بنانے پر مصر ہیں اس لئے انھیں اب پختون قوم کا نمائندہ نہیں سمجھا جاتا۔ گو کہ ہزار وال سوات کے قدیم باشندے ہیں جو ہجرت کرکے مانسہرہ کے گرد و نواح میں آباد ہوئے اور عوامی نیشنل پارٹی کی جانب سے پختونوں کی شناخت کے حوالے سے صوبے کو نام دیئے جانے پر ہزارہ لفظ شامل نہ کرنے کے سبب ، ہزاروال اب پختونوں میں بادی النظر الگ قومیت شمار کی جانے لگی ہے۔ تحریک انصاف کے لئے فرشتوں کی جانب سے ووٹ ڈلنے کے بعد خالص پختون آبادی پی ایس 93 میں اس بار غیر پختون کو کامیابی ملی اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ موصوف پختون علاقے کے کبھی رہائشی نہیں رہے اس لئے انھیں پختون آبادیوں کے مسائل سے آگاہی نہ ہونا ایک اہم مسئلے کے طور پر درپیش رہے گا۔ متحدہ قومی موومنٹ نے بلوچ اور سندھی قومیت سے تعلق ررکھنے والوں کو کراچی سے کامیاب کرایا ہے ، ساٹھ لاکھ پختونوں کی اس شہر میں پختون قومیت کو اب چند مسائل کا سامنا رہے گا وہ وقت کے ساتھ ساتھ مزید احساس محرومی میں ڈھلتا چلے جائے گا۔ کیونکہ پیپلز پارٹی کی صوبائی حکومت کی وجہ سے مسلم لیگ (ن) کے اراکین ، پختون قومیت کی بناء پر ووٹ لیکر تو کامیاب ہوگئے ہیں لیکن پختون قوم کے لئے سندھ حکومت میں نمائندگی کے طور پر علامت تصور نہیں کئے جاسکتے۔ اسی طرح پی پی پی نے اب تک جن وزارتوں اور مشیروں کو منتخب کیا ہے اس میں بھی سندھ میں

رہنے والے 70 لاکھ سے زائد پختونوں کو نمائندگی کے طور پر کوئی وزارت نہیں دی گئی ۔ سابقہ حکومت میں حبیب اللہ جدون وزیر ٹرانسپورٹ بنائے گئے تھے لیکن اے این پی کی بغل بچہ تنظیم لویہ جرگہ کی حمایت سے کامیاب ہونے والے اس نمائندے نے بھی پختون قومیت کے ساتھ وہی سلوک کیا جو اے این پی نے خیبر پختونخوا اور کراچی میں کیا تھا۔ یہ امر باعث اطمینان ضرور ہے کہ صوبائیت اور لسانیت کے اس سلسلے کو ختم ہو جانا چاہیے ، لیکن پاکستان کی بد قسمتی ہے کہ ابھی تک مملکت صوبائیت اور لسانیت کے زہر قاتل سے باہر ہی نہیں نکل سکی ہے۔اس لئے وفاق کی جانب سے شروع سے چار قومیتوں کے پرچار کے سبب دنیا میں یہی تاثر دیا جاتا رہا ہے کہ پاکستان قومیت کے بجائے ، سندھی، بلوچی، پختون اور پنجابی قوموں پر مشتمل ہے۔پاکستانی قوم کی تشکیل کی کوشش ہی نہیں کی گئی اور اس کا نتیجہ ہمیں بنگلہ دیش کی صورت میں ملا اور صوبائیت ، زبان کے نام پر پاکستان کے قیام کے نظرئےے کو دریائے بنگال یں غرق میں کر دیا گیا۔پاکستان میں جب لسانیت اور قومیتوں کی تشہر اور پہچان ، صوبوں کے نام سے ہونے لگی تو اُن قوموں میں احساس محرومی بڑھنے لگا جو اپنی ایک تاریخ رکھتی ہیں لیکن پاکستان میں صوبہ نہیں رکھتی۔صوبہ ہزارہ، صوبہ شمالی علاقے جات (گلگت بلتستان صوبہ) ، صوبہ سرائیکی ، صوبہ بہاولپور، صوبہ ملاکنڈ، صوبہ جنوبی پختونخوا (بلوچستان کی پشتون علاقے) قبائلستان، جنھیں آج تک شناخت نہیں ملی اور وہ اب بھی ایجنسیاں ، کہلاتی ہیں اور، وفاق کے زیر انتظام

ہیں۔ جنوبی سندھ یا صوبہ کراچی کے عوامی مطالبات دراصل صوبائیت کی ترویج کے سبب ممکن ہوا اور چار قومیتوں کو ہی پاکستان سمجھ لینے کی فاش دانستہ غلطی کی وجہ سے پاکستان میں پاکستانی قوم کا کوئی تصور، ثقافت، روایات پیدا ہی نہیں ہو سکی، یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں بسنے والی تمام قومیتیں اپنے مسائل کے حل کے لئے اپنی زبان و قوم کے افراد پر تکیہ کرتی ہیں اسی لئے پاکستان میں موجودہ انتخابات ،.برادریوں، قومیتوں نسلی، لسانی اور فرقہ وارنہ بنیادوں پر لڑے گئے اور جہاں جہاں سے جن قومی یا علاقائی، جماعتوں کو کامیابی ملی وہ اپنی قوم کے مسائل کے لئے کیا کریں گے، یہ سوال بعد میں پیدا ہوگا، کیونکہ پاکستانی قوم کے نام پر.بڑی سیاسی جماعتوں نے اشتہارات تو بہت چلائے لیکن عملی طور پر صوبائیت کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔ جس کا ثبوت بلوچستان میں گورنر شپ، پشتونوں اور وزارت بلوچوں کو دے دی گئی جیسے مسلم لیگ (ن) میں شامل بلوچوں کا تعلق، بلوچ قوم سے نہیں تھا۔ بلوچستان میں دونوں قومیتوں کو نمائندگی دینے اہم قدم ضرور ہے لیکن اس نے صوبائیت کے مفروضے کو پختہ کردیا ہے۔ جبکہ سندھ میں آباد ستر لاکھ پختونوں کا مستقبل کیا ہوگا، اس پر ملک کی تمام قومی سیاسی جماعتوں کو ضرور سوچنا ہوگا۔ خاص طور پر کراچی، جو مختلف النسل قومیتوں کا مجموعہ ہے اور پوری دنیا میں سب سے زیادہ پختون کراچی میں رہتے ہیں انھیں، ان کے 65 سالہ احساس محرومی سے نجات دلانے کے لئے کون سی جماعت پہل کرے گی۔ کیونکہ پی پی پی حکومت سندھ کی

حکمران جماعت ہے لیکن بد قسمتی سے ان کے چہروں پر قدامت پسندی کی مہر اس قدر ثبت ہے کہ وفاق کی علامت کہلانے والی اس جماعت میں بھی پختون قوم کے لئے کوئی جگہ سندھ میں نہیں ہے۔ مسلم لیگ (ن) کے لئے پنجاب میں نہیں ہے۔ دونوں صوبوں میں ان دونوں جماعتوں کو اکثریت اور بھاری مینڈیٹ حاصل ہے لیکن قومیتوں کو جوڑنے کا رجحان ان دونوں بڑی جماعتوں میں نہیں ہے۔ پاکستان کی پہچان اگر پاکستانی قوم کے حوالے سے ہوتی تو یقینی طور پر ہمیں اپنی پہچان کے لئے صوبائیت کا سہارا نہیں لینا پڑتا۔ لیکن جب پاکستانیت پر صوبائیت غالب ہے تو پھر کیا، کیا جا سکتا ہے۔

احساس تحفظ یا عقل کی عقل سے لڑائی؟

سوال یہ کیا گیا کہ ذات کے Survival کے لئے ، حیات کی بقاء کے لئے جہاں ہوا ، پانی اور خوارک ، وٹامنز اور منرلز اوتر دیگر ضروری اشیاء کا عمل دخل ہے ، وہاں حیات یا زندگی کے لئے کس اہم بات کا احساس ضروری ہے ؟۔ جواب دیا گیا کہ " احساس تحفظ "سب سے پہلے دیکھنا یہ ہے کہ احساس کیا ہے ؟۔ احساس، انسان کی ایک ایسی سوچ ہے کہ وہ کوئی بھی بات سوچے ، وہ اس میں ان ہی نتائج پر پہنچے گا جو اس کے حق میں مفید ہوں یا اس کی ثقافت کے حق یں وار ثتی طور پر لے ہوں یا اس کے حیاتیاتی میلانات کی تائید کرتے ہوں ۔ عقل اپنے فیصلے آزادنہ نہیں کرسکتی اس کا کام جذبات و احساسات کے لئے سامان و ذرائع فراہم کرنا ہوتے ہیں ۔ اسی طرح ہی جبلی جذبات تمام انسانی اعمال کے محرک ہوتے ہیں ، نفس انسان کی تمام پیچیدہ تیرہ افعال ان ہی جبلی جذبات کی تسکین کے لئے اسباب بہم پہنچانے کے ذرائع ہیں ۔ اگر ان جبلی جذبات کو الگ کردیا جائے تو انسانی جسم یکسر معطل ہو کر رہ جائے گا ۔ اسی طرح سو سائٹی یا مملکت کا قیام عقل پر نہیں ہوتا ۔ اس لئے کہ انسانی اعمال کی محرک عقل نہیں بلکہ جذبات و احساس ہوتے ہیں اور ان ہی جبلی جذبات (INSTINCTS) میں سب سے بنیادی جذبہ تحفظ ذات Proservation of self کا ہوتا ہے ۔ جیسے چیونٹی کا راستہ روک کر تجربہ کریں تو اپنی چھوٹی

سی جان بچانے کے لئے کس مضطرب و بے قرار دیکھائی دیتی ہے۔ بلا شبہ ہر جاندار اپنی جان بچانے کے لئے آخری حربہ استعمال کرتا ہے جیسے آپ حکمت عملی یا طاقتور کے سامنے کمزور کی خاموشی بھی کہ سکتے ہیں۔ جیسے یوں سمجھا جائے کہ صحن میں بلی کو "چھی" کیجئے تو وہ بھاگ جاتی ہے، لیکن اسی بلی کو کمرے میں بند کیجئے، جیہاں اسے اپنی جان کا خطرہ محسوس ہو، پھر دیکھئے کہ وہی بلی کس طرح شیر بن کر جھپٹتی ہے۔ یہی جبلت ہے جو ہر حیوان سے انسان میں آتی ہے یعنی "تحفظ خویش" کا جذبہ۔ عقل یہی ہے کہ تحفظ خویش کے لئے ہر ممکن ذریعہ اور فراہم کا احساس پیدا کرے چونکہ عقل افرادی ہوتی ہے اس لئے عقل کا فریضہ صرف اُس شخص کی جان کی حفاظت ہوتا ہے جس کی وہ عقل ہوتی ہے، حیوان اور انسان میں یہی فرق ہے کہ وہ ایک گائے، جب اپنا پیٹ بھر کر آرام سے جگالی کرنے بیٹھ جاتی ہے تو اسے اس کی قطعی پرواہ نہیں ہوتی کہ باقی ماندہ چارہ کون لے جائے گا جس کا جی چاہیے لے جائے۔ اُیسے اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ شام کو کیا ہوگا اور کل کا کیا ہوگا۔ جبکہ انسان کے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ اس کی سوچ حیوان سے بڑھ کر ہے اپنے مستقبل پر ہوتی ہے اس کا پیٹ بھر جانے کے باوجود اُیسے شام کی فکر ہوتی، دن سے رات، اور رات سے پھر صبح کی فکر لاحق ہوتی، ہے۔اب اگر اس تصور کو بہت سے انسانوں پر محیط کریں تو سامان معیشت اکھٹا کریں، ۔ جس کی عقل زیادہBattle of wits ایسے عقل کی عقل سے لڑائی کہا جائے، یعنی کام کرے گی وہ سب کچھ سمیٹ لے گا، جب یہ عقل کا

تقاضا ہو تو اخلاقیات کا معیار کیا ہوگا۔ ایسے سمجھنا مشکل نہی ہے، یہیں اخلاقیات کا معیار تقاحاسب و نہب، اخلاقیات ایثار و قربانی چاہتے ہیں۔اور عقل تحفظ خویش۔اخلاقیات ہمدردی کی جانب راغب کرتے ہیں تو عقل، خود غرضی، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ عقل کوئی قابل مذمت اور باعث نفرت شے ہے۔ رب ذی کائنات، عقل استعمال نہ کرنے والوں کو تمام ذی حیات سے بدتر قرار دیتا ہے تو دوسری جانب مومنین کی شان بھی یہی قرار دیتا ہے کہ آیات قرآنی پر بھی اندھے بن کر نہیں گرتے۔بلکہ غور و فکر کرتے ہیں۔کائنات میں ہر شے اپنے ایک فریضے کے تحت ہے، جیسے آگ کا کام حرات بہم پہنچانا، اگر ہم پانی کے اوپر دیگچی رکھ دیں تو وہ کبھی بھی آگ کا کام سرانجام نہیں دے سکتی۔ تحفظ احساس میں اگر ہم دیکھیں تو اسے اس طرح سمجھنا ہوگا کہ اگر ڈاکو آئے اور چھاتی پر پستول رکھ دے کر تجوری کی چابی مانگے تو اُیسے جھٹ سے چابیاں دے دے گا، لیکن جب بات آ.بروپر آئے تو عزت بچانے کے لئے جان دینے کو فوقیت دی جاتی ہے جبکہ اکثر ہم نے دیکھا ہوگا کہ کسی نے غیرت کے نام پر کسی کو قتل کردیا اور پھر تھانے جاکر اقبال جرم بھی کرلیا اور خوشی خوشی پھانسی کے تختے پر بھی چڑھ گیا، اسی طرح اپنے خلاف ظلم پر چاہے سامنے والا کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو۔ایک چھوٹی چیونٹی بھی اپنی جان بچانے کے لئے ہزار ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کی جاتی ہے۔یہی مثال پاکستان میں آباد مختلف قومیتوں اور مذاہب کی ہے جو اپنی بقا کے لئے اب اسلام کے نام کے بجائے، فرقہ، فقہ، مسلک، قومیت اور

لسانیت کو بچانے کی کوشش کر رہے ہیں اور اپنے سے بڑے دشمن کے مقابلے کے لئے ان کی کوششیں ایسی ہی ہیں جیسے کسی ہاتھی کے سامنے ایک چیونٹی رکھ دی جائے کہ وہ اُس کے کان میں جا کر اُسے ہلاک کردے گی۔ پاکستان میں پاکستانیت کا تصور ختم ہوچکا ہے۔ اسی طرح مختلف شہروں میں رہنے والی مختلف قومیتیں اپنی زباں و اقدار کو بچانے کے لئے اپنے تئیں ہاتھ پاؤں مار رہی ہیں۔ لیکن ان سب کو یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ اگر ان کا احساس تحفظ اس نظریہ کے تحت ہے کہ لسانیت یا وطنیت کے نام پر اپنی قوم کو تو بچا لیا جائے اور فسطائیت کے نظرئےے کے تحت دوسری قوم کو فنا کے درجے پر پہنچا دیا جائے تو پھر اسی سوچ کا کوئی تصور کامیابی حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ کسی مرغی نے کسی دوسرے پرندے کو بچانے کے لئے کبھی اپنی جان کو خطرے میں نہیں ڈالا، کبھی شیر نے بکری کی حفاظت نہیں کی، کبھی کسی جانور نے دوسرے جانور کی طاقت کی وجہ سے خوفزدہ ہو کر اس کا ساتھ نہیں دیا۔ یہ شرف صرف انسان کو حاصل ہے کہ وہ طاقت ور ہو کر کمزوروں کا ساتھ دیتا ہے۔ کمزورں کو ساتھ ملا کر خود اسی ایک طاقت بن جاتا ہے اور فرعونوں اور شداد کی قوتوں کو قوم ثمود و قوم عاد کی طرح مسمار کردےتا ہے۔ اگر مظلوم ہیں اور مظلوم بن کر طاقت ور کے خلاف صف آرا ہونا ہے تو پھر نظریہ انسانیت اخوت بھائی چارے، اور ایثار کو اپنانا ہوگا۔ لسانیت، وطنیت، قومیت کا صرف ایک تشخص سامنے رکھنا ہوگا۔ صوبائیت اور فرقہ وارےت کی نفی کرنا ہوگی، مسالک اور لسانیت کے بجائے ملی اخوت کا

مقابلہ کرنا ہوگا۔ یہ احساس اگر کمزور میں پیدا ہوگا تو طاقت کے محوروں کو فرعون بننے سے روکا جا سکتا ہے۔ ورنہ لسانیت، صوبائیت یا فروعی مفادات کے ہاتھوں وقتی کامیابی تو ممکن ہے لیکن ملی اتحاد اور ایک قوم کے تصور کے بغیر عالمی فرعونوں کا مقابلہ کرنا ناممکن ہوگا۔ عالمی فرعونوں کے ملکی غلاموں سے تحفظ احساس کے لئے ایک ملک، ایک قوم ایک ملت کا تصور دینا ہوگا۔ اگر ہم سب اپنے اپنے گرد اپنائیں خود حفاظتی کا حصار بنا کر سمجھیں گے کہ ہم کسی بیرونی خطرے سے محفوظ ہوگئے ہیں تو یہ عقل خرد کہلائی گی۔
احساس تحفظ کے لئے تمام قومیتوں کو انسانیت کے نام پر اکھٹا ہونے کی خروت ہے۔
مظلوموں کی ترجمانی کے لئے صرف اپنی قوم کو دوسری قوموں کے مظلوموں پر فوقیت دے کر کامیابی نہیں بلکہ دائی ناکامی مقدر بنے کی۔ اس عقل سے عقل کی لڑائی میں ہمیں صرف یہی دیکھنا ہے کہ عقل ہمیں انسانیت کے نزدیک لے جاتی ہے یا گروہ در گروہ ہیں تقسیم کرکے طاقت ور کے سامنے مزید کمزور بنا رہی ہے۔ جب اس بات کا فیصلہ یقین بن جائے تو تحفظ کا احساس کامیاب ہوجائے گا۔

فرقہ وارانہ دہشت گردی میں "بلیک واٹر" کا کردار

امریکی حکام نے جب پاکستان میں قبائلی علاقوں میں ڈرون حملے بند کرنے کا مطالبہ یکسر مسترد کرتے ہوئے کہا کہ سی آئی اے پاکستان میں اپنا آپریشن بند کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ سی آئی اے کے چیف لیون پینٹا نے اپنے اس عزم کا اعادہ کیا تھا کہ سی آئی اے پاکستان میں اپنی کاروائیاں بند نہیں کرے گی اور مشتبہ افراد کے خلاف کارائیاں جاری رہیں گی۔پاکستانی انٹر سروسز انٹیلی جنس کے سابق سربراہ لیفٹیننٹ جنرل احمد شجاع پاشا اور دیگر افسران کے ساتھ کئی گھنٹوں کی ملاقات میں امریکی عہدے داروں نے آگاہ کردیا تھا کہ ایسی کسی کاروئی کو نہیں روکا جائے گا جس سے امریکی عوام کے تحفظ کو یقینی بنانے میں مدد ملتی ہو۔امریکی میڈیا کی رپورٹس کے مطابق لیفٹیننٹ جنرل احمد شجاع پاشا نے لیون پینٹا سے ڈرون حملے روکنے کا مطالبہ کیا تھا، اور امریکی سی آئی اے ایجنٹوں اور سپشل آپریشنز آپریٹرز پر بھی کڑی تنقید کرتے ہوئے انہیں نکالنے کا مطالبہ کیا تھا۔امریکہ نے اپنے مفادات کے لئے سمجھوتہ کرنا سیکھا ہی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں جاری دہشت گردی کے واقعات میں امریکہ کی بدنام زمانہ سیکورٹی ایجنسیوں کے ملوث ہونے کی بازگشت بلند ہوتی رہی۔ جس پر پوری دنیا میں امریکہ کو کڑی

تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ان ایجنسیوں میں سب سے زیادہ بد نام زمانہ نجی سیکورٹی ایجنسی بلیک واٹر ہے جس نے اپنا نام بدل کر ٹام زی سے تبدیل کر کے اکیڈمی رکھ لیا۔ بلیک واٹر عراق میں شہریوں کے قتل عام میں ملوث رہنے کی وجہ سے کافی تنقید کا نشانہ بنی رہی ہے۔ جس پر ظاہری طور پر عالمی دباؤ کے پیش نظر بلیک واٹر کا نیا نام ایکس ای یا زی سروسز ایل ایل سی رکھا گیا۔ کمپنی کے صدر اور چیف ایگزیکٹو ٹیڈ رائٹ نے اپنے ایک انٹرویو میں بتایا تھا کہ زی اب اکیڈمی کے نام سے اپنا کام جاری رکھے گی ، ان کا کہنا تھا کہ اکیڈمی مستقبل میں امریکا کے قومی مزاج کا تعین کرنے کے لئے دانشوروں اور جنگجوؤں کو تربیت دے گی۔بلیک واٹر کے اراکین عراق جنگ مین فلوجہ ، نجف اور بغداد میں غیر قانونی طور پر عام شہریوں کے قتل میں ملوث رہے ہیں ، اس کے کچھ اہلکاروں پر سترہ عراقی شہریوں کے قتل کا مقدمہ بھی امریکہ میں چلایا گیا تھا۔ اس تنظیم کے واضح مقاصد ہیں کہ امریکی سفارت کاروں اور دیگر افراد کا تحفظ اور یہ تنظیم ایسے کاموں میں استعمال ہوتے رہنا ہے جو امریکہ ، عالمی دباؤ کے پیش نظر خود نہیں کرنا چاہتا۔پاکستان میں جب بلیک واٹر کی موجودگی کی گونج سنائی دی تو ہمارے حکمرانوں نے فوری تردید کرنا شروع کر دی ۔ سابق پاکستان کے امریکی سفیر حسین حقانی کا کہنا تھا کہ "بلیک واٹر کا پاکستان مین کوئی وجود نہیں ہے ، بلیک واٹر کی موجودگی محض افوہ ہے ۔ عوام ان افوہوں پر کان نہ دھریں ۔ اگر کسی کے پاس بلیک واٹر کی موجودگی کے ثبوت ہیں

تو وہ فراہم کرے۔ حکومت پاکستان سخت کاروائی کرے گی۔" حیرت ناک بات یہی تھی کہ پاکستان کے بچے بچے کو علم تھا کہ بلیک واٹر پاکستان میں اپنے مذموم مقاصد کے لئے موجود ہی نہیں بلکہ غیر قانونی کاروائیوں میں بھی ملوث ہے لیکن اُس وقت کی حکومت کے کانوں میں جوں تک نہیں رینگی۔ افغانستان اور عراق کے بعد بلیک واٹر کا سب سے مضبوط گڑھ پاکستان ہے۔ حالاں کہ وزرات داخلہ نے 2007ء میں خبردار کیا تھا کہ اس کی سرگرمیوں پر نظر رکھی جائے لیکن بدقسمتی سے اس پر کوئی ایکشن نہیں لیا گیا۔ جس کا نتیجہ اب یہ نکلا ہے کہ بلیک واٹر نے پاکستان میں اپنی جڑیں بہت مضبوط کرلیں ہیں۔ بلیک واٹر کے آفسز پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں موجود ہیں۔ صرف اسلام آباد اور پشاور میں 700 افراد کی رہائش کے لئے 200 سے زائد گھر کرائے پر حاصل کئے گئے تھے، اس کے علاوہ صرف کراچی کے مختلف علاقوں میں 500 سے زائد امریکی موجود ہیں جن کو خفیہ طور پر ملک کے مختلف حصوں ییں ٹرانسپورٹ کیا جاتا ہے۔ 19 اگست 2012ء کو اخبارات میں ہموی بکتر بند کے بارے میں رپورٹ شائع ہوئی تھی کہ یہ گاڑیاں شہروں میں آپریشن کرنے کے لئے انتہائی کارآمد ہوتی ہیں۔ اس کی مالیت پاکستانی کرنسی میں ایک کروڑ چالیس لاکھ روپے بتائی جاتی ہے۔ امریکی اخبار "نیویارک ٹائمز" کے مطابق بلیک واٹر نے افغانستان اور پاکستان میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کے لئے نام تبدیل کرلئے ہیں اب یہ محض ایک امریکی ایجنسی نہیں رہی بلکہ چار پانچ پرائیوٹ امریکی سیکورٹی ایجنسیوں کا روپ

دھار کر چکی ہیں۔ بالکل اس طرح جب جنرل ضیا الحق کے دور حکومت میں یہودیوں کی بد نام زمانہ تنظیم "فری میسن" پر پاکستان میں پابندی عائد کی گئی اور ان کے دفاتر سیل کئے گئے تو یہ پڑوسی ممالک میں جا چھپے، پشاور میں آج جس جگہ درویش مسجد قائم ہے یہ کسی زمانے میں "فری میسن" کا دفتر ہوا کرتا تھا۔ کراچی کے علاقے رنچھوڑ لائن میں ان کا ٹمپلر تھا، بلیک واٹر کی سرگرمیاں بھی اسی طرح دھڑلے سے جاری ہیں اور ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی جاتی۔ اس سے زیادہ خطرناک بات کیا کہی جا سکتی ہے کہ اسلام آباد جیسے حساس علاقے میں سیکٹر ای سیون میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی رہائش کے قریب گھر کرائے پر حاصل کئے گئے، جبکہ سیکر ای سیون میں دو، جی سکس میں 43 ایف سیون میں 47، ایف ایٹ میں 45، ایف ٹین میں 20، ایف گیارہ میں 25، اور آئی، میں 9 اور دیگر سیکٹروں میں گھر کرائے پر لئے گئے۔ کراچی، کوئٹہ اور پشاور میں 18 جس طرح مساجد اور فرقے کے نام پر مسلمانوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے تو اس سے اندازہ لگانے میں کوئی غلطی نہیں کی جا سکتی کہ گذشتہ چند سالوں میں اپنا انفراسٹرکچر مضبوط بنانے والی بد نام زمانہ بلیک واٹر ان واقعات میں ملوث ہو سکتی ہے۔ کالعدم تنظیم سپاہ محمد کیجانب سے کئی مفتیوں اور جید علماء اکرام کو ٹارگٹ کلنگ کرکے ہلاک کیا گیا۔ اس واقعات میں علی رضا عرف لنگڑا گروپ، علی موٹا گروپ، متعدد شدت پسند گروپ، کچھ سیاسی جماعتوں اور طلبا تنظیم کی آڑ میں اپنے مخالفین کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ ملک شام عراق میں جس طرح فرقے کے نام،

پر مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے وہ لمحہ فکریہ ہے اور اس پر مسلمانوں کی خاموشی شرم کا مقام ہے۔ کراچی میں خصوصی طور ان واقعات کا مقصد پوری ملک کے معاشی نظام کو مفلوج کرنا ہے۔بلیک واٹر سے وابستہ اسلام آباد میں ایک شخص کیپٹن (ر) علیزیدی کے بنگلے پر چھاپے میں 61 رائفلیں اور 9 پسٹل برآمد کئے ۔انٹر رسک کمپنی کے مالک کا تعلق علی زیدی کا تعلق مذہبی تنظیم سے ہے۔ یہ کمپنی مبینہ طور پر بلیک واٹر کے لئے بھرتیوں اور امریکی شہریوں کے تحفظ فراہم کرنے کے نام پر قائم کی گئی تھی ۔برآمد ہونے والا تمام اسلحہ امریکی ساختہ تھا، امریکی ترجمان کے مطابق انٹر رسک کے ساتھ میں معائدہ کیا گیا تھا۔ کراچی میں فرقے کے نام پر جید علماء اور مشائخ کا قتل ایک 2009 بین الاقوامی ایجنڈے کا حصہ ہے۔اسی طرح لشکر جھنگوی بھی رد عمل کے طور پر تشدد واقعات میں ملوث پائی گئی ہے جس میں کراچی یونی ورسٹی روڈ سے ڈینئل پرل کیس میں ملوث قاری عبدالحہ عرف اسد اللہ، جو کہ ائیر پورٹ کے قریب امریکی فوجیوں کو نشانہ بنانے میں بھی پایا گیا اسی طرح شوکت سردار عرف عثمان عرف اسامہ، انعام اللہ عرف بارود، توکل عرف وزیر، سمیت لشکر جھنگوی کے امیر، امیر خالد سمیت اہم افراد کی گرفتاریاں ہیں جن پر سنگین الزامات عائد کئے گئے۔اسی طرح کوئٹہ میں عثمان کرد گروپ، قاری عطاالرحمان عرف نعیم بخاری، امان اللہ عرف مفتی الیاس، قاری رضوان اور قاری عبد، کمانڈر آصف عرف چھوٹو اور حافظقاسم رشید عرف گنجا گروپ بھی شدت پسندی کے واقعات میں ملوث پائے

گئے اور ان کی گرفتاریاں کراچی سے ہوئیں۔ ہمیں اس بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ کراچی بین الاقوامی اسٹبلشمنٹ کی سازشوں کا گڑھ بنا ہوا ہے اور بلیک واٹر جیسی بد نام زمانہ تنظیم کا اس میں ملوث ہونا خارج از امکان نہیں ہے۔ خاص طور فرقہ واریت کے نام پر بلیک واٹر کی غیر قانونی سرگرمیاں حکومت کے لئے ایک چیلنج رکھتی ہیں۔ فرقہ وارنہ دہشت گردی صرف تین شہروں کا مسئلہ نہیں بلکہ انٹر نیشنل سازشی ایجنڈا ہے۔

پرویز مشرف کے علاوہ اور کتنے غدارِ وطن ہیں؟

وفاقی حکومت نے سابق فوجی جرنیل و صدر پاکستان پرویز مشرف کیخلاف غداری کا مقدمہ چلانے سے متعلق ایک چار رکنی تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دے دی ہے۔ کمیٹی ایف آئی اے کے چار افسران پر مشتمل ہے جو اس معاملے کا جائزہ لے گی۔پرویز مشرف نے جب وطن واپسی کا فیصلہ کیا تھا تو انھیں اس بات کا اندازہ نہیں ہوگا کہ ماضی کی روایات کے برعکس اس بار عدلیہ اور کوئی سیاسی حکومت کسی فوجی آمر کیخلاف بڑے اقدامات کرنے کیلیئے خود کو نفسیاتی طور پر تیار کرلے گی۔ جنرل ایوب خان سے لیکر آج تک آمریت کو عدلیہ نے ہی توثیق دی اور نظریہ ضرورت کے تحت عوام کی مرضی کے بغیر حکومت کرنے کا اختیار فراہم کیا۔ موجودہ عدلیہ نے پہلی بار این آر او کو خلاف قانون قرار دیکر جہاں ایک طرف صدر پاکستان آصف زرداری کیخلاف سوئس مقدمات کھولنے کے احکامات دیئے بلکہ حکم عدولی پر ایک منتخب وزیر اعظم کو برطرف بھی کرکے نا اہل قرار دے دیا۔ جبکہ سابق حکومت نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے سپائیاں جی کو دوسری چھٹی بھی لکھ ماری تھی تو یقینی طور پر عدلیہ ایک زخمی شیر کی طرح اپنی رٹ چیلنج کئے جانے پر غصے میں ہے اور اب دیکھنا یہ باقی ہے کہ اعلی عدلیہ سابق وزیر اعظم راجہ پرویز کے خلاف کیا ایکشن لے گی۔تاہم مملکت کی تاریخ کے پہلے بڑے مقدمے میں ایک طرف وزیر اعظم

نواز شریف نے ایک بار پھر ملکی ساکھ کو داؤ پر لگا دیا ہے تو دوسری جانب مسلح افواج ے افسران کیلیئے بھی ایک امتحان کی گھڑی شروع ہوچکی ہے کہ اس تمام صورتحال سے کس طرح نپٹا جاسکتا ہے۔سابق سفیر حسین حقانی کی جانب سے میمو گیٹ کے مقدمے میں جس طرح نواز شریف نے ریورس گیئر لیا تھا او عدلیہ بھی اس کیس کو اس کے منطقی انجام تک نہیں پہنچا سکی تو گمان غالب یہی ہے کہ بجٹ کی دھول چھٹنے تک ، میمو گیٹ اسکنڈل کی طرح پرویز مشرف کا ٹرائل بھی" ہوا " ہوجائے گا۔پاکستان میں بڑے اہم مقدمات کبھی بھی اپنے حقیقی اور منطقی انجام تک پہنچائے نہیں جاتے ۔پاکستان توڑے جانے کا مقدمہ سقوط ڈھاکہ کے ذمے داروں کو جب انجام تک نہیں پہنچایا جا سکا تو کس طرح ممکن ہے کہ بین الاقوامی قوتوں کو کمک فراہم کرنے والے پرویز مشرف کے خلاف کمزور معاشی بدحال حکومت کسی بڑے فیصلے کیلیئے بڑا قدم اٹھا سکتی ہے۔جب پی پی اپنی لیڈر ، بے نظیر بھٹو کے قاتلوں کو اپنی طاقتور حکومت میں گرفتار تو کیا ، اس کے خلاف چالان بھی نہیں پیش کر سکی اور اقوام متحدہ کی ٹیم کے تحفظات پر لائحہ عمل مرتب نہیں کر سکی تو نواز شریف حکومت کسی ایسے شخص کے خلاف کیونکر صف آرا ہو سکتی ہے ، جس نے پاکستان کو آکسیجن فراہم کرنے والے ممالک کے کہنے پر نواز شریف کو معاف کرتے ہوئے معاہدے کے تحت سعودی عرب بھیج دیا تھا۔کیا یہ ممالک اس مرحلے پر خاموش ر ہ کر پرویز مشرف کیخلاف کسی بھی ٹرائل کی حمایت کریں گے تو ایسا سوچنا بے وقوفی ہوگی۔یقینی طور پر پرویز مشرف کیخلاف مقدمات درج ہوتے رہیں

گے لیکن جس طرح ماضی میں اہم مقدمات کی فائلوں پر منوں مٹی پڑی رہی، اب بھی ایسا ہی ہوگا اور پرویز مشرف کیخلاف غیر جانبدارنہ قانونی کاروائی ممکن نہیں ہوسکے گی۔ پاکستان کی تاریخ بھری پڑی ہے کہ اہم نوعیت کے تمام معاملات کو سرخ فیتے کی نظر کردیا جاتا ہے۔اب بھی ایسا ہی ہوگا، اکبر بگٹی کیس، لال مسجد کیس سمیت اب غداری کا یہ مقدمہ بھی دنیا بھر میں پاکستان کی جگ ہنسائی کا باعث ہی بنے گا۔ہمارا سارا نظام کرپٹ اور بد عنوان ہے۔ اگر مملکت کیساتھ کسی بھی سیاسی جماعت کو دلی محبت ہوتی تو کبھی بھی اپنے اقتدار کیلئے فوج کا سہارا نہیں لیتے۔وزرات عظمی پانے والی تمام سیاسی جماعتوں نے ہمیشہ فوج کا سہارا لیا اور ان کے آشیر باد کے بعد ہی اقتدار حاصل کیا۔ لٰہذا ان سیاسی جماعتوں سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ جمہوری حکومت میں فوج کے کردار کو پس پشت ڈال کر پارلیمنٹ کو بااختیار بنا کر قومی سلامتی کے فیصلے کرسکتے ہیں۔پاک فوج ملکی انصرام وانتظام میں اس طرح گھل مل چکی ہے کہ کسی بھی سیاسی حکومت کیلئے اسٹبلشمنٹ کی مرضی کے بغیر حکومت چلانا ناممکن ہے۔پاکستان اس وقت دوہرے نظام کے تحت چل رہا ہے اور اس دوہرے نظام میں ظاہری حکومت کسی اور کی تو باطنی عمل داری کسی دوسرے کے اختیار میں ہے۔ہمیں موجودہ نظام میں بہتری کی رائیں تلاش کرتے رہنے کی ضرورت ہے اور مایوسی کے اندھیروں کو دور کرنے کی سعی کرتے رہنا چاہیے کیونکہ اس کے بغیر حقیقی منزل کو نہیں پایا جاسکتا۔پرویز مشرف کے خلاف حالیہ مقدمات فرد

واحد تک محدود نہیں ہیں بلکہ اس میں ان پردہ نشینوں کے نام بھی شامل ہونگے جو کبھی بھی پاکستانی عوام کو جواب دہ نہیں رہے۔ پھر بھلا مشق ناتمام کرنے کا فائدہ کیسے پہنچے گا ؟۔ میڈیا کے ذریعے افواج پاکستان کی سبکی اور جمہوری حکومتوں کے تخت الٹنے کے مباحثوں سے عسکری قوت کے مورال کو نقصان پہنچے گا۔ اس وقت پاکستان کے دو ستون بھرپور قوت کے ساتھ مضبوط ہو رہے ہیں۔ جس میں ایک عدلیہ اور ایک میڈیا ہے۔ لیکن ہمیشہ یہی دیکھا گیا ہے کہ کمزور نے طاقت ور کا ساتھ دیا ہے، کمزور کبھی کمزور کے ساتھ ملکر طاقت ور نہیں بنا، بلکہ اس نے ہمیشہ طاقت ور کے سامنے خود کو شکست خوردہ تسلیم کیا ہے۔ اس وقت سب سے کمزور ترین ادارہ پارلیمنٹ ہے، جس کے وزیر اعظم کو ایک عدلیہ کا جج، توہین عدالت کے جرم میں جب چاہیے گھر بھیج کر نا اہل قرار دے سکتا اور ایک طاقت ور ترین ادارہ فوج ہے۔ جو اندرونی و بیرونی دشمنوں سے بیک وقت الجھی ہوئی ہے، ملکی سلامتی کیلئے جہاں سرحدوں پر جان کی بازی لگائی ہوئی ہے تو ان کے تھنک ٹینک نے پاکستان کی سلامتی کیلئے دیگر اسباب کو بھی سامنے رکھا ہو ہوگا۔ اس لئے ایسا ممکن نہیں ہے کہ ملکی سلامتی و اقتدار کے فیصلے کرنے والی قوت کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اس کے سابق سربراہ کو عوامی عدالت میں کھڑا کیا جاسکے گا۔ یہ صرف خام خیالی ہے۔ میڈیا ٹرائل ہے اور پاکستانی عسکری قوت کو بین الاقوامی دباؤ میں لانے کیلئے ایک چال ہے۔ یقینی طور پر ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ امریکہ اپنے مفادات کیلئے سر دھڑ کی

باری لگا دیتا ہے اس لئے افغانستان کی جنگ سے باہر آنے کیلئے اور خود کو محفوظ راستہ فراہم کرنے کیلئے کسی بھی قسم کی کوئی بھی چال کھیل سکتا ہے اور اس کی شطرنج میں کوئی بھی اس کا مہرہ ہو سکتا ہے۔ عسکری طاقت کو سیاسی دباؤ لانے کیلئے امریکہ اپنے گھوڑوں کی ڈیڑھ چال کھیل کر اپنے مقاصد حاصل کر سکتا ہے۔اس لئے ایسے بھی دوسرے رخ سے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ بھلا امریکہ اپنے اُس اتحادی کو کیسے فراموش کر سکتا ہے جس نے صرف ایک فون پر اپنے گھٹنے ٹیک دیئے اور بے شمار پاکستانیوں کو اُن کے حوالے کیا۔پاکستان نے ماضی سے سبق سیکھا ہے اس لئے اُس کی جانب سے بھی افغانستان کے معاملے میں بڑی باریک بینی سے پھونک پھونک کر قدم اٹھایا جا رہا ہے ، پاکستان یہ بھی جانتا ہے کہ افغانستان میں بھارت کو متحرک کرنے کیلئے امریکہ کے جان کیری کی کوششیں کیوں کی جا رہی ہیں۔اب اگر فوج کو سیاسی دباؤ میں الٹنے کیلئے اُس کے سابق جرنیل کو عوامی عدالت میں میڈیا ٹرائل کرا کر الجھایا جا رہا ہے تو اس کا مقصد پاکستانی عوام میں فوج کیخلاف منفی جذبات پیدا کرنا مقصود ہیں۔اس موقع پر میڈیا کو نہایت احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ معاملہ "ریٹنگ" بڑھانے کا نہیں بلکہ پاکستان کی بقا و سلامتی ہے۔یہ سب جانتے ہیں لیکن پھر بھی پوچھنا چاہتے ہیں کہ پرویز مشرف کے علاوہ اور کتنے غدارِ وطن ہیں ؟۔

راکٹ فیلرز کا عالمی سیاست پر اثر و رسوخ

*بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امریکہ دنیا کی سیاسی ، اقتصادی، عسکری ، فلاحی اور مذہبی دنیا کی ڈوریں ہلا رہا ہے۔ تجارت ، بینکاری ، فلاحی ، ثقافتی ، تعلیم و صحت اور سائنسی تحقیق سے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان سب کاموں کی آڑ لیکر شیطانی منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ، دنیا سے اسلام کا خاتمہ کرکے نئے نظام "نیو ورلڈ آرڈر" کو دنیا میں نافذ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہود مخالف قوتوں کو تباہ کرنا ، ہالی وڈ ، عالمی میڈیا اور آئی ایم ایف و ورلڈ بنک کے ذریعے دنیا کی دولت کو قبضے میں کرنے کیلئے جو مشنری استعمال ہو رہی ہے ایسے اب ترقی پذیر ممالک ، خاص کر اسلامی ممالک اچھی طرح سمجھنے لگے ہیں لیکن ان کے شکنجے سے نکلنے کیلئے ان کے پاس ایسے ذرائع نہیں ہیں جس بنا پر وہ اپنی گرتی معیشت کو سنبھالتے ہوئے اپنی مملکت کو گروی رکھنے سے بچا سکیں۔ جدید ٹیکنالوجی کے مالک راکٹ فیلرز ہیں۔ جانوروں پر تحقیقات ، جراثیمی اور وبائی امراض پھیلانے کے طریقے ، خاندانی منصوبہ بندی، نیشنل جغرافک ، عالمی ادارہ صحت اور خلائی تحقیقاتی ادارے "ناسا" وغیرہ میں راکٹ فیلرز انتہائی موثر کردار ادا کرتے ہیں ۔ان اداروں کو بڑی بڑی رقوم فراہم کی جاتی ہے۔ خلائی ، عسکری ، جنیاتی میدانوں میں جدید ٹیکنالوجی انہی کی تجربہ گاہوں سے نکل کر انہی فیکٹریوں

میں تیار ہو کر امریکی حکومت کو فروخت کر دی جاتی ہے۔ہم کسی ٹیکنالوجی مثلاً ڈرون طیارے یا ٹینک کے بارے میں سنتے ہیں کہ یہ امریکہ کی ملکیت ہیں تو اس سے مراد یہ نہیں کہ یہ واقعی امریکی حکومت کی ملکیت ہونگے بلکہ دیکھا یہی گیا ہے کہ یہ ان یہودیوں کی ملکیت ہوتے ہیں جو وہاں کے چپے چپے کے مالک ہیں ۔جیسے دنیا کی بڑی اسلحہ ساز فیکٹری کے مالک راک فیلر ہیں۔جنگ اول 1914-1918 اور جنگ عظیم دوئم 1939-1945 دونوں میں اتحادیوں کو تیل اور اسلحہ اسی خاندان کی کمپنیوں نے فراہم کیا۔وسط ایشائی ریاستوں کے غیور مسلمانوں کو تباہ کرنے کیلئے ، روس کے اندر کیمونسٹ انقلاب کیلئے رقم فراہم کرنے ولا ڈیوڈ راک فیلر تھا۔افغانستان پر امریکی حملہ اور قبضہ اس تمام آپریشن کی نگرانی اسی خاندان کا ایک بائیس سالہ نوجوان کر رہا تھا۔طالبان کی پسپائی کے بعد سب سے پہلے کابل آنے والا یہی نوجوان تھا جو اپنے ذاتی طیارے سے وہاں پہنچا۔ڈیوڈ راک فیلر نے اپنی خود نوشت 2002ء میں شائع کی اس میں وہ لکھتا ہے کہ "لوگ دعوی کرتے ہیں کہ ہم (راک فیلر خاندان) امریکہ کے سیاسی اور اقتصادی اداروں پر قابض ہیں ، بعض لوگوں کو اس بات کا یقین ہے کہ ہم "خفیہ کبالہ "کا حصہ ہیں جو امریکہ کے مفادات کے خلاف کام کر رہا ہے ، مجھے اور میرے خاندان کو "بین الاقوامیت کا حامی "تصور کرتے ہیں۔نیز وہ یہ تصور بھی کرتے ہیں کہ ہم دنیا میں اوروں کے ساتھ ملکر ، ایک ایسا بین الاقوامی ، سیاسی اور اقتصادی ڈھانچہ کھڑا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو (موجودہ

سے)زیادہ مکمل ہوگا اگر یہی الزام ہے تو میں مجرم ہوں اور مجھے اس پر فخر ہے۔" جان ڈی راک فیلر کے بیٹے نے نیویارک میں اقوام متحدہ کے ہیڈ کواٹر کیلئے زمین چندے میں دی۔ نیلسن راک فیلر نے امریکی اور بین لاقوامی سیاست کو یہودیوں کی لونڈی بنانے کیلئے قائم کیا اس کے علاوہ اقوام متحدہ کے قیام میں اس کا CFRء میں سی ایف آر 1921 بنیادی کردار تھا اسی نے اقوام متحدہ کے دفاتر کیلئے نیویارک میں جگہ دی۔ ورلڈ ٹریڈ سینٹر، ڈیوڈ راک فیلر نے بنوایا تھا ڈیوڈ خود آرٹیکیٹ ہے اس نے دنیا میں ایسے ڈیزائن متعارف کرائے جو قدیم یہودی ثقافت کی نشانیاں ہیں۔ گھروں کے اندر فرش، دیواروں پر چھ اور آٹھ کونے والا ستارہ، سانپ کی طرح بل کھاتی سیڑھیاں، شیطان کا سینگ شیلڈ اور اس طرح کے بہت سارے ڈیزائن جو فن تعمیر میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ گوانتا نو موبے، بگرام اور ابو غریب جیل میں دوران حراست مجاہدین اور عام مسلمانوں پر جو وحشیانہ تشدد کیا گیا اس کے پیچھے جے راک فیلر کا ہاتھ تھا۔ سی آئی اے نے تشدد کے نئے طریقے کے بارے میں صرف دو لوگوں کو بریف کیا جن میں ایک جے راک فیلر بھی تھا، تشدد کے ان مناظر کی ویڈیو سی آئی اے نے بنائیں تھیں، جو ضائع کردی گئیں، اس کے لئے تحقیقاتی کمیٹی بنائی گئ تو جے راک فیلر نے اس کمیٹی کو ختم کرادیا اس نے کہا "یہ انٹیلی جنس کمیٹی کی ذمہ داری ہے"۔ نسل انسانی کو تباہ کرنے کیلئے جتنے پروگرام چل رہے ہیں انکے منصوبہ ساز راک فیلرز ہیں۔ یہ خاندان ترجیحی بنیادوں پر دنیا کی حکومتوں

کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ پانے ملکوں میں اس پالیسی کو بزورِ طاقت نافذ کریں۔راک فیلرز خاندان کا دنیا کے غریب اور اسلامی ممالک پر بڑا اثر رسوخ ہے۔جس بناء پر اسلامی ممالک اپنی کوئی پالیسی نہیں بنا پاتے کیونکہ معاشی طور پر انھیں انہی مالیاتی اداروں کے دست نگر ہونا پڑتا ہے۔ جو راک فیلرز خاندان کی ملکیت ہیں۔ہمارے اسلامی ممالک، صرف نام کی حد تک اسلامی ہیں، جبکہ ان کی مکمل معاشی پالیسی یہودیت کے نظام ربوبیت پر قائم ہے۔یہی وجہ ہے کہ قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود اسلامی ممالک اپنے زرخرید کرایئے کے فوجی مہیا کرنے والوں کے آقا بننے کے باوجود اس جاہل کی طرح ہیں جس نے سمجھ بوجھ تو بہت ہے لیکن جب لکھنے کا مرحلہ آتا ہے تو وہ مجبور ہو جاتا ہے اور تحریر کیلئے پڑھے لکھے کا محتاج بن جاتا ہے۔اسلامی نظام معیشت کو تباہ کرنے کیلئے صرف یہ ایک راک فیلرز خاندان ہی نہیں بلکہ اس جیسے متعدد خاندان ہیں جنھوں نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے عالمی مقتدور اداروں پر اپنا باطنی قبضہ کر رکھاہے۔راک فیلرز، یہودی ہونے کے باعث مسلمانوں سے خصوصی عدوات رکھتے ہیں، اس خاندان نے خلافت عثمانیہ سے لیکر فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام تک میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔عرب حکمرانوں کو اپنے سحر میں جکڑ کر بیت المقدس پر قبضہ بوسنیا کے مسلمانوں کے خون سے ہولی، عراق میں درندگی، افغانستان میں دنیا کا ہر، اسلحہ استعمال کیا۔ابو غریب اور گوانتانا موبے کے پنجروں میں انہی کے حکم سے انسانیت کی

تذلیل کی جاتی ہے۔ مسلم امہ جب تک امت واحدہ نہیں بنتی اور تفرقوں کا شکار رہے گی اس کی اسی طرح تذلیل کی جاتی رہے گی اور اس کے وسائل پر راک فیلرز جیسے لوگ قبضے کرکے مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر اپنے مقاصد پورے کرتے رہیں گے۔ راک فیلرز کے عالمی سیاست میں اثر و رسوخ کو کم کرنے کیلئے ہمیں اپنی بنیاد صرف قرآن پر رکھنی ہوگی۔ تفرقوں اور فروعی اختلافات کو بالاتر رکھ کر یہودیت کے نظام ربوبیت سے اپنی معیشت کو باہر نکالنے کیلئے اسلامی نظام تعلیم و معیشت کو لاگو و رائج کرنا ہوگا۔ یہی واحد حل ہے۔

"حشاشین" (Assassains)

تاریخ انسانی میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی طاقت ور نے اپنی طاقت کو دوائم بخشنے کے لئے غیر قانونی ہتھکنڈے استعمال نہ کئے ہوں۔ اس کے نزدیک سب سے پہلے اپنی ذات کو محفوظ اور مستحکم بنانا اور کمزوروں سے اس بات پر خائف رہنا رہا ہے کہ کہیں وہ اس قدر طاقت ور نہ بن جائیں کہ کل کو اس کا احتساب شروع کردیں۔اس لئے اس نے ہمیشہ کوشش کی کسی بھی طرح اپنے آپ کو کسی مخفی یا ظاہری دشمن کے کاری وار سے بچانے کے لئے ایسا با اعتماد افراد کا گروہ اپنے گرد اکھٹا کرلے ، جو اُس کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اُس کے مفادات کے خاطر کسی کی بھی جان لینے سے دریغ نہ کریں۔ہمیں اس سلسلے میں بہت دور جانے کی ضرورت نہیں ہے ، بلکہ موجودہ اسلامی تاریخ میں ہمیں ٹارگٹ کلرز کا سرغنہ اور اُس کے طریقہ کار کے حوالے سے بڑی مفصل تفصیلات بہم مہیا ہوجاتی ہیں۔ ہم اس ٹارگٹ کلر کو " حسن بن صباح " کے نام سے یاد کرتے اور جانتے ہیں ۔" حسن بن صباح" نے ایران کے شمال مغربی علاقوں میں مختلف قلعوں پر قبضے کے علاوہ اپنا مرکز ایران کے شہر قزوین کے قریں "قلعۃ الموت "میں بنایا۔ اسکے "حشاشین" (Assassains) مسلمانوں کو قتل کرنے میں مشہور رہے۔ان کا کام مسلمانوں کی سیاسی اور دینی قیادت کو قتل کرنا تھا۔ انھوں نے بڑی تعداد میں علماء اور مجاہدین قیادت کو قتل کیا۔

صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کے خلاف صلیبیوں کی مدد کرتے رہے۔ حاجیوں کو لوٹ کر قتل کردے تے ، لیکن یہی نعرہ لگاتے کہ ہم پکے سچے مسلمان ہیں۔ المنتظم فی تاریخ الموک کی جلد ۷ ، س ۴۹۶ ہیں مشہور و معروف واقعہ درج ہے کہ "جب حسن بن صباح کے پاس امیر کا قاصد پہنچا اسے تسلیم کرنے کا پیغام دیا تو حسن بن صباح نے ایک فدائی کو بلایا اور حکم دیا کہ خود کو قتل کرلو۔ اس نے اسی وقت خنجر نکالا اور شہ رگ کاٹ ڈالی اور تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ اس کے بعد دوسرے کو حکم دیا کہ قلعے کی فصیل سے نیچے چھلانگ مارو، اس نے فورا نیچے چھلانگ مار دی ، پھر وہ قصد کی جانب متوجہ ہوا اور کہا کہ اپنے امیر کو جا کر کہو کہ میرے پاس ایسے بیس ہزار جانباز ہیں یہی میرا جواب ہے۔"۔ حسن بن صباح نے اپنی ایک خود ساختہ جنت بنا کر رکھی تھی جس میں اُن فدائین کو حقیقی جنت کا نظارا کرانے کے لئے پیش کیا جاتا تھا، تاریخ یہی بتاتی ہے کہ اس عارضی جنت میں حسین دوشزائیں (جن کو وہ حوریں کہتا تھا) کی کثیر تعداد ایسے لبھانے کے لئے ہوتی اور فدائی کو حشیش کے نشے میں ڈوبے رکھتا تھا۔ طالبان کی جانب سے جب خود کش فدائین کا استعمال بڑی تیزی بڑھا تو ان کے متعلق بھی یہی پروپیگنڈا کیا گیا کہ انھوں نے بھی کوئی حسن بن صباح کی طرح جعلی جنت بنا رکھی ہے۔ لیکن بتدریج خود کش حملہ آوروں کے حوالے سے تحقیقات ہونے لگی تو اندازے غلط ثابت ہوئے۔ بلکہ کبھی انھیں امریکی جارحیت کا رد عمل تو کبھی ڈرون حملوں میں ہلاک ہونے والوں کے رشتے داروں کی جانب سے

انتقام کہا جانے لگا۔امریکی جارحیت جب مسلمان ممالک پر کی گئی تو اس سے پہلے پاک بھارت جنگ میں پاکستانی سپاہیوں نے دشمن کے ٹینکوں کے آگے لیٹ کر انھیں اپنے، جسم میں باندھے بارودی مواد سے شدید نقصانات پہنچائے۔اس عمل کو ایک جنگی حکمت عملی کہا گیا، کیونکہ جب آمنے سامنے جنگ ہو تو اس کا ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے، ایسے ہم، زندہ بچ جانے پر غازی اور مر جانے پر شہید کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔اس وقت ہم بھول جاتے ہیں کہ یہی عمل اس سے پہلے جاپانیوں اور جرمن کے علاوہ ویتنام کے فوجی اور شہریوں نے بھی اپنے بڑے دشمن کے خلاف کیا تھا،جب کہ خود کش حملوں کے حوالے سے تامل ناڈو سے تعلق رکھنے والوں نے اپنے مخالفین کے خلاف یہی سہل طریقہ اختیار کیا جس میں انھوں نے اپنے مخالفین سمیت بڑی بڑی شخصیات کو جانی نقصانات دیئے۔اب عراق، ایران جنگ کے بعد افغانستان اور پھر پاکستان میں جس طرح خود کش دھماکے تواتر کے ساتھ ہونے لگے تو ایسے دنیا کا مہلک ترین ہتھیار سمجھا جانے لگا، جیسے دنیا کی کوئی جدید ٹیکنالوجی بھی روکنے میں ناکام ثابت ہو رہی ہے۔عمومی طور امریکہ مخالف جنگوں میں اب مسلمانوں کی جانب سے ایسے حملوں میں جہاں براہ راست امریکہ اور اس کے اتحادی ممالک کو نقصان پہنچایا جاتا ہے تو اس سے سب سے زیادہ نقصان پاکستان میں ہو رہا ہے جہاں دنیا کا یہ مہلک ترین ہتھیار، مسلسل استعمال کئے جا رہے ہیں اور پاکستانی ارباب و اختیار ایسے روکنے میں سو فیصد ناکام نظر آتے ہیں۔ یقینی طور پر حسن بن صباح کی طرح پاکستان یا

افغانستان میں کوئی نمائشی جنت تو نہیں بنائی گئی ہے جہاں ان فدائین کی دل تسلی کے لئے نظارہ کرایا جاتا ہوگا، لیکن یہ ضرور ہے کہ ان فدائین کو اسلام کے نام پر، تو کبھی حرمت رسول ﷺ یا صحابہ اکرام رضوان اللہ اجمعین کی محبت یا اہل بیت سے دلی لگاؤ کے نام پر، جذبات کو اس قدر مغلوب کردیا جاتا ہے کہ انھیں اس بات کا ہوش بھی نہیں رہتا کہ اس کی قیمتی جان، سانس لینے کے قابل نہیں رہے گی۔جدید تحقیقات کی روشنی میں یہ تو ثابت ہوچکا ہے کہ ایسے فدائین کو خاص ماحول میں رکھ کر ہپناٹز کیا جاتا ہے اور دماغ کو مفقود رکھنے کے خصوصی ادویات کا سہارا لیا جاتا ہے۔ جس کے زیر اثر رہنے کی وجہ سے زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کر لیا جاتا ہے۔دنیا کے اس سب بڑے ہتھیار کو فروخت بھی کیا جاتا ہے اور یہ ثابت شدہ ہے کہ گھر سے لاپتہ معصوم بچے، یا بے گھر بچوں کو اغوا کرکے ایسے مقامات میں خصوصی تربیت دی جاتی ہے جس کو وقت آنے پر استعمال کیا جاتا ہے۔متعدد ایسے واقعات اور ایسے خودکش نوجوان منظر عام پر آچکے ہیں، جن کے انکشافات سے علم ہوا کہ انھیں ورغلا کر، یا پھر پیسوں کی لالچ میں والدین سے درس وتدریس کے لئے حاصل کرکے مخصوص جگہوں میں رکھا جاتا ہے۔
انسانی اسمگلنگ کی طرح خودکش حملہ آوروں کی بھی اسمگلنگ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔قصہ مختصر، دیکھنا صرف یہی ہے کہ اُن مملکت نے اپنی عوام کو ایسی سہولیات و اسباب فراہم کردئیے ہیں کہ وہ مجبور ہوکر اپنے بچوں کو یا ایسے بچے کچھ سمجھ بوجھ نہ رکھنے کے باعث ایسے عمل کے لئے تیار

نہ ہو۔ یقینی طور پر ایسا نہیں ہے۔ غریبی اور معاشی بد حالی ڈرون حملوں سے زیادہ خطرناک ہے، جس نے ملک کے دور درس علاقوں میں ایسے معصوم بچوں کو، ایسے لوگوں کے حوالے کرنے کے بعد کبھی پوچھنا بھی ضروری نہیں سمجھا کہ ان کی کوکھ سے جنم لینے والی زندگی، اب کس حال میں ہے۔ مزارات، مدارس، خانقائیں، یتیم خانے یا اس جیسے متعدد ایسی جگہیں ہیں جہاں دنیا کے یہ سب سے بڑے خطرناک بمبار با آسانی مل جاتے ہیں اور ارباب اختیار خاموش رہتے ہیں۔ حسن بن صباح آج بھی ہمارے درمیان مختلف روپ میں اپنے ایجاد کردہ نظرئے کے ساتھ اور اس کے پاس فدائین کی ہزاروں کی تعداد میں "حشاشین" موجود ہیں۔ ہمیں اُن محرکات اور اسباب کا خاتمہ کرنا ہے، جس کی وجہ سے "حشاشین" تیار ہوتے ہیں اور جدید ترین ٹیکنالوجی کو بھی ناکام کردیتے ہیں۔ یہ "حشاشین" آج کل کسی غیر اسلامی ملک میں نہیں بلکہ مسلم حکومت میں پیدا ہو رہے ہیں۔ اور اُن خاص مسلم ممالک میں جو مسلمانوں کے دیرینہ دشمنوں کے ظاہری اور درپردہ غلام ہیں اور رہنا چاہتے ہیں۔

افغان مہاجرین کی واپسی میں دو سالہ توسیع

افغان مہاجرین کی واپسی کیلئے 30 جون 2013ء کے بعد دوبارہ مزید دو سال کی توسیع کر دی گئی ہے۔ ڈیڈ لائن قریب آنے کے باوجود صوبائی حکومتوں اور وفاق کی جانب سے منظم حکمت عملی کے فقدان سے اس تاثر کو تقویت مل رہی تھی کہ مہاجرین کی وطن واپسی کے عمل میں حکومت کی جانب سے جوش و خروش کا مظاہرہ نہیں کیا جائے گا۔ افغان مہاجرین کی واپسی کے عمل کی کسی مربوط پالیسی کا نہ آنا حیرت انگیز عمل ہے ۔پاکستان حکومت کی جانب سے محض ایک پریس کانفرنس اور ایک اخباری اشتہار کے ذریعے کیمپوں کی تفصیلات تاریخ کیساتھ فراہم کیں گئیں تھیں۔ اس قسم کے اعلانات سے ماضی میں بھی کبھی فائدہ نہیں ہوا تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ مقررہ وقت تک افغان مہاجرین رضاکارانہ واپسی کے لئے از خود تیار ہو جاتے۔ صرف خیبر پختونخوا کے 29 کیمپوں میں چھ لاکھ سے زائد افغان مہاجرین موجود ہیں جبکہ باقاعدہ رجسٹریشن کرانے والے صرف دو لاکھ 65 ہزار ہیں ۔ ایک اندازے کے مطابق صوبے میں غیر رجسٹرڈ افغان مہاجرین کی تعداد پانچ لاکھ کے قریب ہے ۔افغان مہاجرین کی تعداد صرف خیبر پختونخوا میں ہی مقیم نہیں ہے بلکہ ان کی زیادہ تعداد سندھ اور بلوچستان میں بھی آباد ہے اور رجسٹرڈ مہاجروں کی تعداد انتہائی کم ہے۔ خیبر پختونخوا

کی عوام اپنے صوبے سے لاکھوں کی تعداد میں موجود افغان مہاجرین کی باعزت واپسی چاہتے ہیں کیونکہ ان مہاجرین کی موجودگی کی وجہ سے جہاں امن و امان کے مسائل پیدا ہوئے ہیں تو دوسری جانب معاشی مشکلات نے بھی صوبے کی عوام پر دباؤ بڑھایا دیا ہے۔روزگار اور کاروبار کے متعدد وسائل پر افغان مہاجرین نے سرکاری اداروں کی ملی بھگت کے بعد مقامی افراد کیلئے روزگار کے مواقع کم کردیئے ہیں۔صوبے کی عوام دہشتگردی اور شدت پسندی سے سخت نالاں نظر آتی ہے اور برسہابرس سے جاری افغان خانہ جنگیوں کے ہاتھوں لاکھوں افغان مہاجرین کو باعزت طریقے سے اپنے وطن واپس بھیجنے کی خوائش مند ہے۔پاکستانی عوام نے دہشتگردی کی وجہ سے افغانستان سے زیادہ قربانیاں دیں ہیں۔ جبکہ جنگ کا شکار افغانستان مالی طور پر کسی کا مقروض نہیں ہے اس کی عوام کو مختلف ممالک میں مراعات حاصل ہیں۔پاکستان میں رہتے ہوئے سرکاری دستاویزات کے بعد مقامی افراد کے حقوق بھی حاصل کر لئے ہیں اور افغانستان میں جاری صورتحال کے بعد افغان مہاجرین دونوں ممالک میں اربوں روپوں کا کاروبار بھی کررہے ہیں جس سے پاکستان کو ٹیکس کی مد میں کوئی آمدنی نہیں ہوتی، طویل ترین بارڈر اور مناسب نگرانی کی صورتحال نہ ہونے کے سبب اسمگلنگ اور غیر قانونی تجارت کا کاروبار اپنے عروج پر ہے۔افغانستان اپنی غذائی اور دیگر ضروریات پوری کرنے کے لئے ان ہی افغان مہاجرین کو استعمال کرتا ہے جو عرصہ درازپاکستان میں رہنے کی وجہ سے جہاں پاکستان کے محل و وقوع سے واقف

ہو چکے ہیں بلکہ افغانستان میں انھیں کسی شناختی دستاویز کی ضرورت بھی نہیں پڑتی ۔نادرا میں ہزاروں روپے رشوت دیکر غیر قانونی طریقے سے با آسانی شناختی کارڈ حاصل کر لئے جاتے ہیں۔ مقامی سیاسی جماعتوں کے مقرر ایجنٹوں کی ملی بھگت کے ساتھ روزانہ افغانیوں کو نادرا کے شناختی کارڈ فراہم کئے جا رہے ہیں اور بعض سیاسی جماعتوں کے مقرر کردہ کارکنان افغانیوں کو جعلی ، ڈومی سائل ،پی آر سی ،شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کی فراہمی میں مدد فراہم کرتے ہیں جس سے صرف کراچی میں کروڑوں روپے کرپشن کے ذریعے حاصل کرکے افغانی ،برمی اور بنگالیوں کو غیر قانونی طریقے سے قانونی دستاویزات جاری کرکے مقامی افراد کے وسائل پر سوچی سمجھی سازش کے تحت قبضہ کرایا جارہا ہے۔یہی صورتحال خیبر پختونخوا کے شہر پشاور ، ہزارہ ،مانسہرہ کے علاقوں میں ہے جہاں لاکھوں افغانیوں نے جعلی دستاویزات پر پاکستانی شہریت حاصل کرلی ہے اور ووٹر لسٹ میں بھی اپنا اندراج کرا رکھا ہے جس کی وجہ سے جو سیاسی جماعتیں انھیں غیر قانونی تحفظ فراہم کرتی ہیں تو ان سے الیکشن میں اپنے لئے ووٹ بھی حاصل کرتی ہیں ۔پاک افغان سفارتی سطح پر تعلقات کی بہتری خطے میں امن کے لئے ایک اہم پیش رفت ہے خاص کر طالبان رہنماؤں کی پاکستانی جیلوں سے رہائی کے بعد اس بات کی توقع کی جاتی رہی ہے کہ مستقبل میں مزید افغان طالبان رہنماؤں کی آزادی سے دونوں ممالک کے درمیان ایک اہم رابطے کا پل تیار ہو چکا ہوگا۔ سفارت کاری کے دروازے سے امن کے سفیروں کی آمدورفت بڑی

اہم اور وقت کی ضرورت ہے جسکا یقینی طور پر خیر مقدم کیا جانا چاہیے لیکن تمام سفارتی عمل میں اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ مقرر کردہ ڈیڈ لائن میں مزید کوئی نرمی اور اضافہ کرنے کے بجائے افغان مہاجرین کی واپسی کے عمل میں سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستان کو اپنی سرحدی حدود کی حفاظت کیلئے مناسب اقدامات کے لئے توجہ دینا چاہیے۔پاکستان کو اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لئے امریکہ یا افغانستان کی جانب سے پیش قدمی کے بجائے از خود یہ ذمے داری اٹھانا ہوگی جس کے بعد ہی ممکن ہے کہ غیر قانونی طور پر غیر ملکیوں کا راستہ روکا جاسکے۔کھلے میدانوں اور راستوں کے باعث غیر ملکیوں کے لئے ایک سہل راستے کا دستیاب ہونا پاکستان کے مستقبل کے لئے خطرناک ہے۔ جعلی دستاویزات ، رشوت دیکر پاکستانی شہریت رکھنے والے غیر ملکیوں کی مکمل چھان بین کرکے انھیں اہل خانہ کے ساتھ باعزت واپس بھیجنے کیلئے عوام کو بھی اپنا کردار ادا کرتے ہوئے نشاندہی کرنا ہوگی۔مہاجرین کی وجہ سے مقامی وسائل جہاں منقسم ہوچکے ہیں تو ایسے مہاجرین کی وجہ سے ان کی حب الوطنی بھی اطمینان خیز نہیں ہوتی ، کیونکہ ان کے نزدیک واپسی کا راستہ ان کیلئے نہایت آسان حل ہوتا ہے۔افغان مہاجر ، بہ حثیت پڑوسی ملک اور مسلم برداری پاکستانیوں کیلئے باعث احترام رہے ہیں لیکن سالہا سال کی حکومتی بیڈ گورنس کی وجہ سے ، مقامی اور غیر مقامی پہچان ختم ہوچکی ہے اور پاکستانی اداروں کے ممکن نہیں رہا ہے کہ وہ اب ایسے افراد کو بخوشی اپنے اُس ملک واپس بھیج سکیں جہاں سے وہ اپنے

ساتھ بے شمار پریشانیاں بھی ساتھ لائے تھے، پھر احسان فراموش حامد کرزئی جیسے افغانی صدر کو پاکستان کی ہرزہ سرائی کرتے اور الزامات لگاتے ہوئے ہزار بار سوچنا چاہیے کہ اُس پر پاکستانی قوم کا وہ احسان ہے جو اُس کی سات پشتیں بھی نہیں اتار سکتیں۔ افغان صدر کی بدگمانیوں کے باوجود پاکستانی قوم کے صبر اور ان پر دہشت گردی کے عذاب مسلط ہونے کے باوجود پاکستان میں افغان مہاجرین کے خلاف کوئی تحریک نہیں اٹھی۔ صدر حامد کرزئی کو اپنے لب و لہجے کو قابو میں رکھ کر بیانات دیا کریں۔

میں ڈوب رہا ہوں، ابھی ڈوبا نہیں ہوں

انفرادی زندگی سے آگے بڑھ کر انسان کی اجتماعی زندگی پر غور کیجئے تو اس میں بھی یہی نظر آئے گا کہ قوموں کی تگ وتاز اور جد وجہد کے لئے سب سے زیادہ جذبہ محرکہ رزق کا سوال ہوتا ہے۔ رزق کی یہی اہمیت تھی جس کے پیش نظر مارکس اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ " تاریخ انسانیت کی تعبیر ہی معاشی نقطہ نگاہ ہے"۔ حقیقت یہی ہے کہ آج تہذیب ، معاشرت ، سیاست ، قومی مسائل اور بین الاقوامی معاملات سب کی باگ دوڑ معاشیات کے ہاتھ میں ہے اس وقت دنیا عملا جن دو بلاکس میں بٹی ہوئی ہے ، کہنے کو تو خط امتیاز نظامِ حکومت ہے۔۔۔ یعنی ڈکٹیٹر شپ اور جمہوریت ۔۔ لیکن در حقیقت ان میں بنیادی اختلاف نظام معیشت ہی کا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ افراد ہوں یا اقوام ، روٹی کے مسئلہ نے دونوں کی ناک میں نکیل ڈالی ہوئی ہے اور وہ انہیں جدھر جی چاہے کشاں کشاں لئے پھر رہا ہے۔ شائد یہ رزق کے حصول کے لئے غیر فطری طریقہ ہی ہے جس نے قتل و غارت کی جنگ میں انسانوں کی جان لینے کا ٹھیکہ ایسے افراد کو دے دیا گیا ہے جنھیں انسانیت یا اخلاقیات سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ صرف کراچی ہیں رواں سال کے ماہ جون میں پہلے ہفتے میں 43، دوسرے ہفتے میں 66 ، تیسرے ہفتے میں 82, اور چھوتھے ہفتے میں 63افراد کو فائرنگ، دھماکوں

میں 254 افراد کو ہلاک کیا گیا۔ جبکہ چھ ماہ کے دوران ایک ہزار 455 شہری دہشت گردی کا نشانہ بنے۔ چھ ماہ کے دوران جنوری میں 240، فروری میں 220، مارچ میں اپریل میں 217، مئی میں 233 اور جون میں 254 افراد کو ٹارگٹ کلنگ، بم، 286 حملوں اور قتل و غارت کا نشانہ بنایا گیا۔ پولیس اور رینجرز کی بھاری نفری عوام کو تحفظ دینے میں ناکام رہی، جبکہ کراچی میں دو صوبائی اسمبلی کے ممبران جن کا تعلق متحدہ قومی موومنٹ سے تھا ان کی ٹارگٹ کلنگ کی گئی اور عدلیہ کے جسٹس مقبول باقر کو بم دھماکے میں ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی۔ الیکشن کے دنوں میں جس طرح بم دھماکے ہو رہے تھے اس سے لگ ہی نہیں رہا تھا کہ کراچی شہر میں حکومتی رٹ بھی قائم ہے۔ عام انتخابات کے دوران 23 اپریل کو ایم کیو ایم کے انتخابی دفتر پیپلز چورنگی جبکہ 26 اپریل کو اورنگی ٹاؤن قائد عوام کالونی میں اے این پی کی کارنر میٹنگ کے قریب بم دھماکہ کیا گیا۔ اپریل کو پی پی پی کی لیاری کے علاقے کمہار واڑہ میں موٹر سائیکل میں نصب بم سے 27 انسانی جانوں کا نقصان ہوا۔ جبکہ گیارہ مئی انتخابات کے دن قائد آباد لانڈھی، قصبہ اسلامیہ کالونی میں کوسٹر اور اس سے کچھ دن قبل ایم کیو ایم کے دو دفاتر واقع قصبہ کالونی اور بزنس روڈ پر بھی بم دھماکے کئے گئے۔ جبکہ کراچی میں قانون نافذ کرنے والوں کا یہ حال ہے کہ کراچی کی جیل میں بڑے پیمانے پر ماہ جون میں سرچ آپریشن کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں 500 موبائل فون، بیٹریاں، چارجز اور منشیات اور دیگر ممنوعہ اشیاء بر آمد کی گئیں

لیکن جب جسٹس مقبول باقر پر حملے کے بعد رینجرز نے دوبارہ آپریشن کیا جو 9 گھنٹے تک جاری رہا اور جیل انتظامیہ کی جانب سے کئے جانے والے آپریشن کے محض دس دن بعد جیل کے نادر دوبارہ 6 موبائل فون اور دیگر ممنوعہ اشیا کا پائے جانا ثابت کرتا ہے کہ اصل خرابی خود قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اندر بھی موجود ہے، کیونکہ جیل جیسی بند جگہ میں کسی بھی غیر قانونی اشیاء یا موبائل فون کا پہنچنا، سیکورٹی پر مامور اہلکاروں کے بغیر ناممکن ہے۔ لیکن اس کے باوجود حکومتی سطح پر جیل انتظامیہ سے نہ کوئی باز پرس کی گئی اور نہ ہی جیل عملے کے خلاف کوئی محکمہ جاتی کاروائی عمل میں لائی گئی، جو خود حکومت کی کارکردگی پر سوالیہ نشان ہے کہ جب رینجرز نے جیل پر نو گھنٹے سرچ آپریشن کیا تو یہ جواز دیا گیا کہ جسٹس باقر حملے کی پلاننگ جیل کے اندر بنائی گئی تھی جس میں کالعدم تنظیموں سے وابستہ افراد ملوث ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وزارت جیل خانہ جات اور وزیر اعلی سندھ نے اس پر کوئی ایکشن نہیں لیا کہ جیل کے اندر یہ تمام مواد کرپٹ اہلکار کیونکر پہنچا رہے ہیں۔ انتظامیہ کے خلاف کوئی کاروائی کرنے کے بجائے سترہ قیدیوں کو سکھر جیل منتقل کرکے کرپٹ انتظامیہ بری الزمہ ہو گئی کہ انھوں نے کوئی اہم کارنامہ انجام دے دیا ہے۔ چیف جسٹس آف پاکستان کو بھی یہ دیکھنا چاہیے جیل کے اندر بھاری تعداد میں موبائل کا برآمد ہونا اور پنجاب کے وزیر جیل خانہ جات سے اہلکاروں کی جانب سے رشوت وصولی، کس قدر خطرناک رجحان ہے، جو کراچی سمیت

پورے میں امن کے قیام کے لئے ایک اہم مسئلہ کی نشاندہی پر چشم پوشی ہے۔ہم جرائم ، ٹارگٹ کلنگ ، بھتہ خوری سمیت دیگر اہم امور پر کراچی کو زیر بحث اسلئے لاتے ہیں کیونکہ کراچی کو میڈیا کافی ہائی لائٹ کرتا ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ گذشتہ دنوں دو دوستوں کے درمیان ایک لڑکی کے ساتھ ڈانس پارٹی میں چھیڑ خانی پر دورے دوست نے نشے کی حالت میں قتل کردیا، تو اس پر بھی سوشل میڈیا سے وابستہ اور برگر کلاس کے نوجوان شاہ زیب کیس کی طرح، اس نوجوان کی تصاویر اٹھا کر سی ویو پر شمعیں روشن کرتے نظر آئے اور میڈیا ان مظلوموں کو انصاف کی فراہمی کے لئے کوریج دینے پر مجبور اس لئے ہے کیونکہ یہ ان کا مرچ مصالحہ ہے۔ہوسکتا ہے کہ کچھ دنوں بعد چیف جسٹس صاحب اس پر نوٹس لے لیں۔ لیکن اس بات کے لئے کون نوٹس لے گا کہ محض آٹھ ہزار روپے کے خاطر انسان جان لینے والا درندہ، جلد کیفر کردار تک پہنچایا جاسکے۔گذشتہ دنوں ایک ایسے مذہبی جنونی شخص کا اعترافی بیان منظر عام پر آیا جس نے پیسوں کے خاطر اپنے ذاکرین کو بھی ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنایا تھا۔یقینی طور پر یہ سب کچھ ایک ایسا معاملہ ہے جیسے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ الیکٹرونک میڈیا کے نزدیک ، کتے کی جانب سے کاٹنے پر نہیں ، بلکہ کتے کو کاٹنے پر خبر بنتی ہے۔زیادہ تر ٹارگٹ کلرز کے اعترافی بیانات میں دیکھا جائے تو یہی ایک بات مشترکہ نظر آتی ہے کہ معاشی مجبوریوں اور ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اُیسے ایسے عمل کرنے پڑے جس کی وجہ سے کراچی ہی نہیں بلکہ پورے ملک میں امن کا قیام محض

ایک خواب ہیے۔بے روزگاری، خاندانی ضروریات، ازدوجی مجبوریوں اور پسماندگیوں نے زیادہ تر ٹارگٹ کلرز کو محض روٹی کی فراہمی کے وعدے پر انسانیت کا جرم عظیم کرنے پر مجبور کیا ہوا ہے۔حکومت اپنی ذمے داری اور اقربا پروری کے علاوہ رشوت خوری اور سیاسی وابستگیوں کی بناء پر روزگار کی بندر بانٹ کرتی نظر آتی ہے اور میرٹ کے نام پر حقداروں کا حق چھین کر انھیں دے دیا جاتا ہے جو اُس کے حقدار نہیں ہوتے ۔اس لئے جرائم کے خاتمے میں حکومت کے مایوس کن کردار کی وجہ سے المناک خرابیوں کو جنم دیا ہوا ہے۔ ریاست اپنا فرض کماحقہ سرانجام نہیں دیتی اور معاشی بد حالی کے شکار نوجوان غلط سمت میں مجبور کر غلط و ہولناک قدم اٹھانے کے بعد پلٹ کر نہیں دیکھتے کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ" میں ڈوب رہا ہوں، ابھی ڈوبا نہیں ہوں"۔

2014 کا افغانستان

افغانستان میں اتحادی افواج کی موجودگی اور 1979 سے افغان عوام کو درپیش مسائل میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔ بنیادی طور پر افغان عوام اور دنیا کے امن کو امریکی جارحیت کی وجہ سے مسلسل خطرات کا سامنا رہا ہے۔ امریکہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے استبدادی طاقت کا استعمال کرتا رہا ہے یہی وجہ ہے کہ مسلسل امریکی جارحیت کی وجہ سے قیام امن کے لئے کی جانے والی عالمی امن کو مسلسل نقصان پہنچا ہے۔ افغانستان کے لاکھوں عوام سرد جنگ کی وجہ سے بھینٹ چڑھے اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔ دوحہ آفس دراصل افغانستان کے مستقبل کے لئے نہیں بلکہ امریکہ کی شکست کے اثرات سے باہر آنے کے لئے غور وفکر کے لئے بنایا گیا ہے۔ افغان سرزمین پر اتحادی افواج کے لئے ویتنام سے زیادہ تباہی کے بعد مذاکرات کے لئے ایک بار طالبان کو دعوت دینا امریکہ کی پالیسوں کی ناکامی کا اہم اعلان ہے۔ افغانستان کے مستقبل کے نام پر امریکہ کا اپنی شکست سے باہر آنے کے لئے راہ کی تلاش میں پاکستان کو ایک بار پھر قربانی کا بکرا بنایا جارہا ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان نے اپنی ملکی خارجہ پالیسی کے بجائے بیرون درآمد پالیسوں پر زیادہ انحصار کیا، جس کی وجہ سے پاکستان پرائی جنگ کو اپنی جنگ بنانے پر مجبور ہوگیا افغانستان کے

امن کے لئے عالمی برادری نے سوائے لاکھوں عوام کو جنگ کی آگ میں جھونکنے کے کوئی اہم کارنامہ انجام نہیں دیا ہے۔ عالمی برادری کی جانب سے امریکی مفادات کے لئے کسی بھی ملک کے خلاف جارحیت کے لئے امریکہ کو آشیرباد دینا منافقت کی انتہا ہے۔ امریکہ خود کو محفوظ بنانے کے لئے پوری دنیا کو خطرات سے دوچار کر رہا ہے۔ امریکہ سمیت تمام اتحادی ممالک اگر افغانستان میں امن کے قیام میں سنجیدہ ہوتے تو پاکستان کے تحفظات کو ترجیح اور فوقیت دینی چاہیے تھی۔ پاک، امریکہ تعلقات کبھی بھی افغانستان اور پاکستان کی عوام کے لئے سود مند نہیں رہے ہیں۔ زمینی حقائق کے برخلاف امریکہ کو اپنا اتحادی بنانا ملکی خارجہ پالیسی کی سب سے بڑی غلطی ہے جسے دور کرنے کے لئے سالوں سال کا عرصہ درکار ہوگا۔ پاکستان کے خلاف جس منظم انداز میں دنیا بھر میں پروپیگنڈا کیا جارہا ہے ایسے مزید ہوا دینے کے لئے پاکستان میں موجود ایسی لابی بھی سرگرم عمل ہے جسے مملکت سے زیادہ اقتدار کے حصول کا سودا سمایا ہوا ہے۔ پاکستان ماضی میں اپنائی جانے والی خارجہ پالیسی کی آسیب سے باہر نہیں نکل سکتا پاکستانی عوام کو لاتعداد قربانی دینے کے لئے خود ذہنی طور پر تیار کر لینا چاہیے۔ بد قسمتی سے ملکی سیاسی و مذہبی جماعتوں کے درمیان محاذ آرائی اور الزامات کی درشت سیاست کی وجہ سے ملکی وحدت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ اگر پاکستان کے تحفظ کے نام فوجی حکمران جمہوریت کو پنپنے دیتے تو یقینی طور پر پاکستان کبھی دولخت نہ ہوتا اور آج مزید ٹکڑے ہونے کے لئے راہ

ہموار نہیں ہوتی۔ ملکی سالمیت اور خود مختاری کو بد قسمتی سے اپنے ملکی اداروں اور خارجہ پالیسوں نے تاراج کیا۔آج بھی یہ عمل زور و شور سے جاری ہے لیکن کوئی بھی رجوع کے عمل کو اختیار کرنے کے لئے پہل کو تیار نہیں ہے جس کا خمیازہ یقینی طور اچھا نہیں نکلے گا۔امریکہ افغانستان میں مکمل شکست سے دوچار ہو چکا ہے۔ افغانستان اب امریکی معیشت کے گلے میں ہڈی بن پھنس چکا ہے جیسے اگلنا اور نگلنا اس کے لئے ممکن نہیں رہا ہے۔گھوم گھام کر طالبان سے مذاکرت پر سب مجبور نظر آتے ہیں تو یہ ثابت کرجاتا ہے کہ طالبان نے اپنی قوت کی بناء پر نیٹو افواج کو مکمل شکست سے دوچار کردیا ہے اور امریکہ اب راہ فرار اختیار کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے لئے کوئی راہ نہیں مل رہی اور یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ نیٹو افواج کی موجودگی کے باوجود امریکہ اتنا بے بس ہے تو 2014ء کے بعد طالبان کی قوت کا کیا حال ہوگا۔افغانستان کے مستقبل کے نام پر پاکستان کو الجھانے کے لئے امریکہ اپنے مقاصد کا حصول چاہتا ہے لیکن پاکستان اپنے مستقبل کے تحفظ کے لئے ہر امریکی شرط کو ماننے سے گریزاں نظر آتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بار بار عسکری اور سیاسی مسائل دونوں ممالک کے باہمی تنازعات کا شکار نظر آرہے ہیں اور اس نفسیاتی جنگ میں پاکستان اپنی کم قوت کے باوجود امریکہ پر حاوی نظر آرہا ہے اور امریکہ کی جانب سے دانت پیسنے کے علاوہ کوئی دوسرا عمل مجبوراً اختیار کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ طے شدہ امر ہے کہ افغانستان میں قیام امن کے لئے پاکستان کے کردار کو ختم

کرنے تمام کوششیں لاحاصل ہیں۔پاکستان عملی طور پر 32 سال سے افغان سرزمیں پر موجود ہے اور موجودہ زمینی حقائق کے پیش نظر ممکن نہیں کہ پاکستان کے کردار کو یک بہ جنبش ختم کردیا جائے یا عراق کی طرح مہلک ہتھیاروں کی موجودگی کا بہانہ بنا کر پاک سرزمین پر نیٹو افواج کو چھل قدمی کا موقع دیا جائے۔پاکستان اپنی جغرافیائی اہمیت سے بخوبی آگاہ ہے اور تمام تر کمزوریوں کے باوجود آخری پتے تک کھیلنے کی مکمل صلاحیت اور ہمت رکھتا ہے۔امریکہ سمیت عالمی برادری کو پاکستان کی اہمیت اور تحفظات کی دوری کے لئے ایک کے بجائے کئی قدم پیچھے ہٹنا ہونگے ،پاکستان کسی بھی ملک سے براہ راست جنگ کا متحمل نہیں ہوسکتا اور گھاس کھانے کے دعوی محض جذباتے ت سے زیادہ کچھ نہیں ہے لیکن پاکستان گوریلا جنگ کا اسپیشلسٹ بن چکا ہے اور اس کی استعداد کا مقابلہ کرنا آسان عمل نہیں ہے۔مذاکرات کے عمل کے بغیر افغانستان پر ہمیشہ طالبان کے خوف کی تلوار مسلط رہے گی اور طالبان کی موجودگی کو ختم کرنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔القاعدہ سمیت تمام شدت پسند تنظیمیں امریکی صدر کے اس بدعوی کے باجود قلع قمع کردیا ہے ،پریشانی کا سبب بنتی رہیں گی لیکن دوحہ میں مزاکراتی عمل کا انعقاد طالبان کو یکدم ختم کرنے میں نیٹو اور امریکہ افواج کی ناکامی عالمی برادری کے لئے اپنی خامیوں کو تلاش کرنے کا ایک موقع ہے۔کوئی ملک کسی بھی بیرونی ملک کی جارحیت کو زیادہ عرصے برداشت نہیں کرسکتا اور عوام میں بالاآخر کوئی غلط مفروضہ بھی درست بن جانا غیر فطری عمل

نہیں ہے۔ یقینی طور پر دنیا بھر کے تمام بنی نوع انسان جاننا چاہیں گے کہ پاکستان افغانستان میں قیامِ امن کے لئے کیا کردار ادا کر سکتا ہے۔ پاکستان اقوام متحدہ سے الگ تھلگ مملکت کے طور پر نہیں رہ سکتا، خاص طور موجودہ ملکی حالات اور معاشی افراتفری کی بناء پر پاکستان کا اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا عمل خواب و خیال ہی ہو سکتا ہے۔ امریکہ، افغان امن مذاکرات عمل سے خود پاکستان میں مستقل امن آئے گا اور افغانستان کے امن سے پاکستان کا امن پوشیدہ ہے جیسے حکمت عملی سے اختیار کیا جائے تو کروڑوں عوام کی جان و مال کے تحفظ مل سکتا ہے۔پاکستان اس موقع پر مذاکرات کے تمام عمل میں اہم فریق کے طور پر اپنا کردار کرے کیونکہ افغان جنگ کی وجہ سے پاکستان.براہ راست متاثر ہے۔مذاکرات یہی واحد راستہ ہے جس سے تمام فریق اپنے تحفظات دور کرکے جنگ سے نکل سکتے ہیں۔

امریکہ و برطانیہ کو پاکستانی مسائل پر سرد مہری ختم کرنا ہوگی

پاک، طالبان اور امریکہ مذاکرات کے حوالے سے اب تک، حکومتوں کے درمیان معاملات میں "سب ٹھیک ہے". کا پیغام نہیں سمجھا جا سکتا۔خاص طور پر نئی نویلی حکومت کے لئے ڈرون حملوں پر سخت بیانات میں سنجیدگی کا کتنا عنصر شامل ہے ایسے وقت پر چھوڑا جائے تو یقینی طور پر ماضی کی حکومتیں بھی اس طرح صرف سخت بیانات پر ہی اکتفا کرتی رہی ہیں۔ گو کہ امریکی قیادت اس بات کو سمجھتی ہے لیکن پاکستانی موقف کی اصابت کو تسلیم کرنے سے گریزاں نظر آتی ہے۔پاک، افغان سرحد پر دونوں ممالک کی جانب سے خیر سگالی کے پیغامات ،بیں کرزئی حکومت کا حائل ہو جانا قابل غور ہے۔برطانوی وزیر اعظم کا نیٹو افواج کے انخلا کے حوالے سے پاکستان کا دورہ بھی اس وقت پاکستان سمیت دنیا بھر میں موضوعِ بحث بنا ہوا ہے لیکن امریکہ کی جانب سے ڈرون حملوں کا نہ روکے جانا، تمام تر امن کی کوششوں پر پانی پھیرنے کے مترادف بن چکا ہے۔ طالبان اور امریکہ کے درمیان مذاکرات میں افغانستان کے حوالے سے پاکستان نے واضح پیغام دے دیا کہ پاکستان طالبان کو مذاکرات کی میز پر لانے کے لئے جتنی کوشش کر سکتا تھا اس میں وہ کامیاب رہا ہے۔ لہذا پاکستان کو امریکی اتحادی بننے کے بعد جن مشکلات کا سامنا ہے ایسے امریکہ اور اُس

کے اتحادی ممالک حل کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں بلکہ طالبان اور امریکہ کے درمیان دوحہ میں مذاکراتی عمل میں بعض اصول اور تعریفیں متعین کرنے کے بجائے افغانستان حکومت کی جانب سے جس رد عمل کا مظاہرہ کیا گیا۔ وہ خود باعث افسوس اور حیران کن ہے۔پاکستان کا طویل عرصے سے یہ موقف رہا ہے کہ نائن الیون کے واقعہ کے بعد دہشت گردی کے خلاف عالمی مہم میں فرنٹ اتحادی کی حیثیت سے اسے جن چیلنجوں کا سامنا ہے ان سے نمٹنے کے لئے اسے حساس ٹیکنالوجی فراہم کی جائے ، اسی طرح افغان مسئلے اور طالبان مذاکرات کے بارے میں پاکستان کی حیثیت اور کردار ایک ایسا معاملہ ہے جس کے تعین کے بغیر گھتی سلجھانے کی کوششیں بے معنی ہیں۔امریکہ کو افغانستان میں اپنی ناکامیوں کا ملبہ پاکستان پر ڈالنے کے بجائے یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ افغانستان سے باوقار انخلا سمیت کسی بھی معاملے میں پاکستان کے جغرافیائی محل و وقوع اور تاریخی عوامل کے باعث اس کے کردار کی اہمیت سے صرف نظر ممکن نہیں۔

امریکہ کو اس حقیقت کا ادارک کرتے ہوئے پاکستان کا دہشت گردی کے خلاف جنگ میں کردار کا معترف ہونا چاہیے اور پاکستان کے استحکام کے لئے عملی طور پر مثبت اقدامات کو ترجیح دینی چاہیے۔پاکستان میں جمہوریت کے معاملے میں کسی اس قسم کے سمجھوتے سے گریز کرنا چاہیے جس سے پاکستان میں امریکی مخالفت میں روز بہ روز اضافہ ہوتا چلا جائے ۔ امریکہ صدر کو اس بات سے آگاہ ہونا نہایت

ضروری ہے کہ پاکستان کو دہشت گردی کے خلاف مہم میں اپنی بے مثال قربانیوں ، القاعدہ کو نقصان پہنچانے کے باعث اس کی جوابی کاروائیوں کا ہدف بننے اور سیاسی ، سماجی و معاشی عدم استحکام سے دوچار ہونے کے بعد امریکی تعاون کی ضرورت ہے کہ جس میں کم از کم ڈرون حملوں کے حوالوں سے پہل کرتے ہوئے اپنی پالیسوں میں تبدیلی کا عندیہ دے۔امریکی مفادات کے لئے پاکستان کی جانب سے مزید اقدامات کے مطالبات کے لئے برطانوی وزیر اعظم کا پاکستان کا دورہ اہمیت کا حامل ہے ، لیکن اوبامہ انتظامیہ اور برطانوی حکمت کو سمجھنا ہوگا کہ حساس ٹیکنالوجی اور جدید حربی آلات کی غیر موجودگی کے باعث پاکستان کو مشکلات کا سامنا ہے۔شمالی علاقوں میں سرگرم جنگجو عناصر کے مالی و تیکنکی وسائل ، افغانستان میں قائم بھارتی قونصل خانوں کی سرگرمیوں کے بلوچستان سمیت ملک کے مختلف حصوں میں ملنے والے شواہد ، ممبئ حملوں کی آر میں پاکستان کو نئ دہلی اور واشنگٹن سے ملنے والی دھمکیوں کے سبب پاکستانی عوام کا اعتماد مجروح ہوا ہے اور عدم اعتماد کی فضا مزید گھمبیر ہو گئی ہے۔اور یہ تاثر بے وزن نہیں کیونکہ پاکستان نے نامساعد حالات میں جتنی قربانیاں دیں ، امریکی حکومت نے پاکستان کے اعتماد کو اُسی قدر ٹھیس پہنچایا ہے۔امریکہ ، پاکستان میں اپنے بارے میں کوئی رائے تبدیل کرانا چاہتا ہے تو ایسے پاکستان کو نقصان پہنچانے والے عناصر کی درپردہ سازشوں میں آلہ کار بننے سے گریز کی راہ اختیار کرنا ہوگی۔امریکہ اور برطانیہ اگر

یہ سمجھتے ہیں کہ جو پاکستان کا دشمن ، ان کا دشمن ہے تو پھر انھیں اسلام آباد کے عسکری و حربی مسائل کے حل کے لئے مدد کرنا ہوگی۔پاکستان مصنوعات کو اپنی منڈیوں تک کھلی رسائی اور پاکستان کے معاشی و توانائی بحران میں بلاکست و کم مدد فراہم کرنا ہوگی۔ جس میں جائز ٹرانزٹ ڈیوز ، کاٹن ٹیکسٹائل اور مینو فیکچرز اور کسی بھی امدادی پروگرام میں این جیوز کو تقسیم کار بنانے سے گریز کرے۔امریکہ کو بھارت کی آبی جارحیت کی روک تھام پر توجہ دینا ہوگی اور پاکستان کے بڑے پراجیکٹ ، ڈیم کی تعمیر ، پاور اسٹیشن ، روڈز اور پورٹ پر خصوصی توجہ کی ضرورت دینا ہوگی کیونکہ یہ مسلمہ حقیقت بنتی جا رہی ہے کہ اگر خطے میں پاک ، بھارت جنگ کا امکان ہوا تو اس کا محور آبی ذخائر پر بھارتی قبضہ ہوگا۔پورے خطے کو ایٹمی فلیش پوئنٹ بنانے والے مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے دونوں ممالک کی حکومتیں اپنے عوام کی ناراضگی کے سبب کسی بھی جرات مندانہ اقدام کرنے سے گریزاں رہے گی اس لئے عالمی طاقتوں کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق استصواب رائے کے لئے اپنا کردار ادا ہوگا۔عالمی امن ، امریکی و برطانوی مفادات اور خطے میں سوا ارب باشندوں کے معاشی مفادات کو محفوظ بنانے کے لئے کیا امریکہ اور برطانیہ سنجیدگی سے توجہ دینے کو تیار ہے ، شائد اس کا جواب اتنا آسان نہیں ہے۔پاکستان کو افغان ، امریکہ جنگ کے بعد معاشی ایمرجنسی سے باہر نکلنے کے لئے مختصر اور طویل المعیاد مدد کی ضرورت ہوگی۔جس میں سر کر قرض پر قابو پانے کے لئے ،لا ء اور آرڈر کی

صورتحال بہتر بنانے اور روزگار کی فراہمی کے لئے آئی ٹی سیکٹر اور زرعی شعبہ جات میں امداد کے ساتھ دہشت گردی سے نپٹنے کے لئے خصوصی آلات کی فوری فراہمی ہے۔پاکستان ، اپنے بیانات سے بڑھ کر امریکہ کے خلاف کچھ کرنے سے قاصر ہے کیونکہ اس کی معاشی و عسکری صلاحیت اس قدر مستحکم نہیں ہے کہ وہ اپنی خارجہ پالیسوں کو پاکستانی عوام کی امنگوں کے مطابق ڈھال سکے۔ اس لئے خطے میں امریکہ اور اتحادی افواج کے انخلا کے بعد ایک بہت بڑا خلا پیدا ہونے کا خدشہ ہے اور امریکی مہم جوئی کے بعد اس پورے خطے کا امن داؤ پر لگ چکا ہے، جو امریکہ کے جانے کے بعد بھی جلد پُر نہیں ہو سکے گا اور خاص کر پاکستان کے لئے تکلیف دہ حالات کا سامنا، عوام کے لئے سوہان روح ہوگا۔پاکستان کی حکومت ان مشکلات سے تن و تنہا باہر نہیں نکل سکتی اس کے لئے ایسے قومی اتفاق رائے کی اشد ضرورت ہے۔ اس لئے بکھیرتی اور غیر منطقی صوبائی حکومتوں اور سیاسی جماعتوں کے ساتھ مشترکہ حکمت عملی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

غلام ابن غلام

"پختونوں کو آزادی کے معنی اور مفہوم کو سمجھنا ہوگا آزاد قوم کے بچے دوسروں کے بوٹ پالش نہیں کرتے بلکہ آزاد ملکوں میں بچوں پر مزدوری کرنا جرم ہے۔آزاد قوم کی ماؤں کے بال مسافر بچوں کے انتظار میں سفید نہیں ہوتے ،آزاد قوموں کو فیصلوں میں شریک کیا جاتا ہے لیکن پاکستان کی قومی نجی چینلوں پر پختون قوم کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔، پختونوں کے نام پر لطیفے بناتا ہے ،آزاد قوم کا اپنا پرچم ہوتا ہے،ان کی اپنی زبان کا احترام ہوتا ہے ،آزاد قوموں کا داخلہ اور خارجہ پالیسی میں کردار ہوتا ہے ، میں اس اس نام نہاد آزادی کو ماننا اور منانا گناہ کبیرہ سمجھتا ہوں ، جس میں پختون بحیثیت قوم کراچی ، دوبئ اور سعودی شیوخ کا ڈرائیور اور چوکیدار ہو، میں ایسی آزادی پر ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں اور اس استعماری ریاست کے خلاف جد وجہد کو فرض عین سمجھتا ہوں ۔ ہمارے اکابرین نے انگریزوں کے پاس پختونستان کا مقدمہ داخل نہیں کیا۔ جس کے نتیجے میں پختون کانگریس کے باراتی بن گئے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ دلہن کا نکاح باراتی سے کبھی نہیں ہوتا۔ ہم غلام تھے اور 14 اگست 1947ء کو ہمیں گورے آقا نے کالے آقا کے حوالے کیا" ۔یہ تقریر شیر علی باچا مرحوم نے شیرگڑھ میں کی تھی ۔اسی غلام ابن غلام کی نسل سے ایک عمرانی لیڈر اسد عمر کا بیان

منظر عام پر آیا کہ پختونخوا میں شہید ہونے والوں کے جنازے میں شرکت کرنے سے کوئی زندہ نہیں ہوجاتا۔ کیا پختونوا میں رہنے والے اپنی پختون ثقافت کو بھی بھول گئے کہ سیاست، ریاست، حکومت اور مصلحت اپنی جگہ، لیکن پختون معاشرے میں ہی نہیں بلکہ انسانی معاشرے میں یہ فرض کفایہ از خود فرض اولین بن جاتا ہے کہ جب آپ پر ریاست کی ذمے داری عائد کردی جائے تو پھر عوام کے دکھ، غم اور خوشی میں بھی شریک ہونگے۔ اس موقع پر لاکھ اختلافات کے باوجود اے این پی کے میاں افتخار حسین، شہید بشیر بلور، بہت یاد آجاتے ہیں کہ بم بلاسٹ کے بعد میڈیا اور فورس سے پہلے تمام احتیاطی تدابیر بالائے طاق رکھ کر پہنچ جایا کرتے تھے۔ لیکن تحریک انصاف کی جانب سے یہ عمل تو درکنار، جنازے میں شرکت بھی بہت دور کی بات، اُس پر اس قسم کے اسد عمر صاحب کا یہ فتوی زخموں پر نمک چھڑکنے کے برابر ہے۔ کسی بھی گھر میں آگ لگے تو پڑوس میں اس کی چنگاری ضرور جایا کرتی ہے۔ تحریک انصاف اپنے کئے جانے والے وعدوں سے انتخابات کے اگلے دن ہی منہ لپیٹ چکی تھی اس لئے ان سے ایسے ہی بیانات کی توقع تھی۔ بد قسمتی سے ابتلا کے اس دور میں پختون قومیت کی نمائندگی کرنے والی کوئی جماعت نہیں ہے۔ محمود خان اچکزئی، صرف کوئٹہ تک محدود ہوگئے ہیں اور اسفندیار ولی خان تو پہلے ہی امریکہ کی گود میں جا بیٹھے تھے۔ اب پختونخوا میں جماعت اسلامی اور تحریک اسلامی کا ایک ایسا مغلوبہ پختونوں کے سامنے ہے جو نئے پاکستان کے نام پر من پسند شریعت اور یہودی

جمہوریت لانے کے خواہش مند ہیں۔ 1987ء میں بلور ہاؤس پشاور میں پاکستان کی چار
)PNP، (ولی خان) NDP، قوم پرست جماعتوں کی آرگنائزنگ کمیٹی کا اجلاس ہو رہا تھا
لطیف آفریدی)، سندھ عوامی تحریک) رسول بخش پلیجو)، مزدور کسان پارٹی (سردار
شوکت کی پارٹیوں نے آپس میں ادغام کرکے ایک جمہوری، قوم پرست اور ترقی پسند
پارٹی کے قیام کا فیصلہ کیا تھا، اس کے منشور، آئین جھنڈے اور کونشن کے انعقاد کیلئے ہر
NDPپارٹی کے چار چار ممبران پر مشتمل ایک سولہ رکنی آرگنائزنگ کمیٹی بنائی گئی تھی۔
کی نمائندگی ولی خان مرحوم، عبدالخالق خان، حاجی غلام احمد بلور سمیت چار اراکان کر
کی طرف سے کمیٹی کے ممبران میں لطیف آفریدی، مختیار باچا، امتیازPNP رہے تھے
عالم اور محمد جمیل مرغز شامل تھے۔ (ولی خان کے ساتھ مرحوم غوث بخش بزنجو کے
کے ساتھیوں نے لطیف آفریدی کی قیادت میں ان سے الگNPP انکار کے بعد سابقہ
لطیف آفریدی گروپ بنا لیا تھا) رسول بخش پلیجو اور سردار شوکت بھی اپنےPNP ہو کر
ممبران کے ساتھ موجود تھے۔اجلاس کے دوران ولی خان مرحوم نے مختار باچا سے کہا
کا وفد اتحاد کے بارے میں ملاقات کیلئے آرہا ہے، ان کی خواہش ہے کہPMAP کہ
کی طرف سے عبدالرحیمPMAP ملکر ان سے بات چیت کریں۔PNP اورNDP
مندوخیل (جو محمود خان اچکزئی کے زیر زمیں ہونے کی وجہ سے پارٹی چیئرمین تھے)
مرحوم شیر علی باچا، رفیق دوتانی نے دو گھنٹے تک ملاقات کی ان کی خواہش تھی کہ ولی
اس اتحاد کے ساتھ ملکرPNP اور لطیف آفریدی کیNDP خان

پختونوں کی ایک پارٹی بنائیں۔ کیونکہ یہ رائے قائم تھی کہ پختونوں کے حقوق کے لئے ایک پلیٹ فارم ہونا ضروری ہے۔ جبکہ خان عبدالولی خان عوامی نیشنل پارٹی بنانے جا رہے تھے جس میں تمام قومیتوں کے مسئلے سمیت دیگر مسائل کے حل کیلئے ضروری خیال کرتے تھے کہ جمہوری عناصر ملکر جدو جہد کریں۔ ان کی رائے اُس وقت درست تھی لیکن یہ بد قسمتی سے عدم اتفاق کے باعث کامیابی سے ہمنکار نہ ہو سکی اور اے این پی سے سب نے رائیں جدا کرکے قوم پرست جماعتوں کی صورت میں اپنی قوم کے لئے جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ عوامی نیشنل پارٹی، بڑے پلیٹ فارم سے محدود ہو کر اس قدر مختصر ہو گئی کہ اب اس کی جڑیں بھی دم توڑنے لگی ہیں اگر اُس پختونخوا ملی عوامی پارٹی کی تجویز مان لی جاتی تو یقینا اس بات کی امید تھی کہ پاکستان میں پختونوں کے خلاف ہونے والی نسل کشی کی سازشوں کو روکا جاسکتا تھا۔ اس موقع پر اجمل خٹک بابا کے یہ الفاظ یاد آ جاتے ہیں جب انھوں نے جابر حکمران قیوم خان کے سامنے اشعار کے صورت میں پڑھے "میرے ننگے سر دوشیزاؤں کی زندگی گائے بھینس کا اٹھاتے اٹھاتے ختم ہو جاتی ہے، ان حالات میں پرائیطوائفوں کی اداؤں کا تذکرہ ہمارے سامنے مت کرو۔" اس گستاخی کی پاداش میں ان کو جیل کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، انھوں نے سوال کیا کیا میں پاگل تھا؟ "آج سب لوگ انہی آدرشوں کا نعرہ لگا رہے ہیں، آج ہر جماعت" غربت کے خاتمے، سامراج کی مخالفت، طبقاتی نظام کے خاتمے، قومی حقوق، جاگیرداری اور سرمایہ داری کے خاتمے اور ایک سیکولر

اور جمہوری نئے پاکستان کی بات کر رہا ہے۔اجمل خٹک بابا نے کہا تھا۔۔" اوس ٹول خلق دہ هغه محبوبه سندرے وائی ۔۔۔۔خٹک به چے دزان سره ژړله کله کله "(جس محبوبہ کے فراق میں خٹک اکیلا چھپ چھپ کر روتے تھے ۔آج تمام لوگ اسی محبوبہ لے پیچھے دیوانے ہیں۔)۔پختون قوم کے لئے گذشتہ چند دہائیوں سے المناک دور نئی نسل پر بھاری گذر رہا ہے۔پاکستانی قومیت کا تصور قیام پاکستان کے بعد سے پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ، اس لئے نسلی اور لسانی اعتبار سے پاکستان دنیا کا واحد ملک بنا ہے جس میں ،پاکستانیت کو، سندھی ، بلوچی ، پنجابی اور پٹھان کی نمائندگیوں کو سر فہرست رکھا گیا اور میرٹ کے بجائے قوم کو کوٹہ سسٹم کے تحت تقسیم کر دیا گیا۔ان حالات میں دیگر قومیتوں نے بھی اپنی پہچان کو روشناس کرایا اور اپنے حقوق کیلئے قومیت اور لسانیت کے نام پر تحریکیں بنائیں اور ملکی سیاست میں حصہ لیا اب ، قومی اور لسانی سیاست کے ساتھ مذہبی اور ط فرقہ وارانہ سیاست نے بھی اپنی جڑیں مضبوط کرنا شروع کر دی ہیں ۔ ہم اب یہ کہیں کہ پاکستان اس وقت متعدد ذہنیتوں میں تقسیم ہو چکا ہے تو غلط نہ ہوگا۔ہم آج بھی غلام اور ماضی میں بھی غلام تھے ، خود کو بدلنے کی کوشش نہ کرنے کے سبب ہمیں تاریخ میں غلام ابن غلام کے نام سے جائیگا۔فیصلہ پختون کرے یا کوئی بھی قومیت آزادی حاصل کرنے کیلئے غلامی چھوڑنا ہوگی۔

یو ایس ایڈ پر گرام کے امریکی مفادات

امریکی مالیاتی ادارے یو ایس ایڈ کے نام پر ذرائع ابلاغ کے ذریعے پروپیگنڈا مسلسل کیا جارہا ہے کہ امریکہ پاکستان میں اپنے امدادی پروگرام کے ذریعے پاکستان میں توانائی کے شعبے کے ساتھ ساتھ زراعت میں حصہ دار اور معاون ہے۔، جس سے دنیا میں ایک تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ امریکہ ،پاکستان کی معاشی بد حالی کو دور کرنے کیلئے شب و روز ڈالرز صرف کرنے میں مصروف ہے لیکن امریکہ کی ان کاوشوں کو سراہانے کے بجائے چند عناصر امریکہ مخالف مہم کے ذریعے پاکستانی عوام میں غلط فہمیاں پیدا کر رہا ہے۔یو ایس ایڈ پر وگرام کے حوالے سے سب سے بڑا اعتراضات میں ان پر واضح الزام عائد کیا جاتا ہے کہ امریکہ فرقہ وارانہ کشیدگیوں میں اضافے ، جگہ جگہ بم دھماکے اور انفرادی و شخصی آزادی کے نام پر ہم جنس پرستی کے مراکز کے قیام و فروغ دے رہا ہے۔ ایرانی ابلاغ کی جانب سے گلگت بلتستان میں ہونے والی دہشت گردیوں اور علاقے کے بے انتہا قدرتی وسائل سے مالامال ہونے کے سبب الزامات عائد کئے جاتے ہیں کہ امریکہ اپنے عزائم کیلئے خطے میں انارکی کا سبب بن رہا ہے۔یو ایس ایڈ پروگرام کا دائرہ کار صرف خیبر پختو خوا کی حد تک محدود رکھنے کے سبب عوام میں ان خدشات کو تقویت ملی کہ محض پاکستانی ابلاغ کو اشتہارات کی مد میں فائدہ پہنچ رہا ہے

جب کہ زمینی حقائق اس کے برخلاف ہیں کیونکہ یو ایس ایڈ کا فائدہ پاکستانی عوام کو براہ راست نہیں پہنچ رہا۔اسکردو میں سدپارہ ڈیم سمیت زرعی ، دام پروری اور دیہی ترقی کے شعبوں میں امریکی امداد کے حوالے سے آئے روز قومی و علاقائی ابلاغ میں یو ایس ایڈ کے اشتہارات دیئے جارہے ہیں۔ یو ایس ایڈ کا ایسی تنظیموں کا رابطہ کرنا مقصود ہے جو امریکی حکومت کیلئے پس پردہ رہ کر یا ان کی دی جانے والی ہدایات کی روشنی میں کام کرسکے اور امریکہ کی رسائی خطے کے تمام قریوں اور کوچوں تک باآسانی ہوسکے۔اسی طریقہ کار کی بناء پر یو ایس ایڈ سنٹرل ایشاء کے بعض ملکوں میں اپنا اثر و نفوذ ترقی کے نام پر کرچکی ہے۔ خصوصا جمہوریہ آذربائیجان میں یو ایس ایڈ اور اس کی ذیلی تنظیمیں عرصہ دراز سے سرگرم ہیں اس کا شاخسانہ تھا کہ اٹھانوے فیصد مسلم اکثریتی ملک ہونے کے باوجود آذربائیجان کے دارالحکومت "باکو" میں کھلم کھلا سرکاری سرپرستی میں "گے پریڈ" جیسے شرمناک اجتماعات ہوئے جبکہ اس سے قبل بھی اسلام آباد کے سفارتخانے میں امریکی امدادی اداروں، سی آئی اے کے ملکی و غیر ملکی ایجنٹس نے ڈالروں کے سائے میں ہم جنس پرستوں کا اجتماع منعقد کرکے پاکستانی مسلمانوں کی مذہبی و ثقافتی غیرت کا پہلا امتحان لیا تھا۔اب بھی ذرائع کے مطابق یو ایس ایڈ پروگرام کے تحت بننے والی تنظیموں کو ملک کے بعض علاقوں میں مختلف پرکشش ناموں سے کلب قائم کرکے درپردہ ہم جنس پرستی کو فروغ دینے کی مذموم سازش جاری ہے۔ان مقاصد کا دراصل امریکی ایجنڈا ہے کہ اس طرح انھیں

اپنے مفادات کیلئے کام کرنے والے باآسانی مل جاتے ہیں اور چند ڈالرز کے عوض ، جدید ترقی اور آزادی کے نام پر مملکت کی جڑیں کھو کھلا کرنے والے ، جو پہلے ہی معاشرے میں دینی احیا و اقدار کی رمق سے مایوس و بیزار بیٹھے ہیں انھیں استعمال کرکے مذموم مقاصد حاصل کئے جاتے ہیں.."فیری میسن" اور مختلف فاونڈیشن کے علاوہ ان کی ذیلی تنظیمیں اپنے ڈویلپمنٹ نیٹ ورک کے ذریعے پہلے ہی خودڈالروں کی چمک دھمک کے آگے فروخت کرچکی ہیں۔ جبکہ تعلیم کے نام پر کچھ ایسے ادارے بھی امریکی کی پالیسیوں پر کام کر رہے ہیں جن کا مقصد نئی نسل کو جدید علوم کے نام پر اسلاف اور اکابرین اسلام کی جدوجہد سے ناواقف رکھا جائے۔ امریکہ کے بین لاقوامی ادارے یو ایس ایڈ ایسے افراد و ذیلی تنظیموں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس ادارے نے پشاور میں ہیپلپ لائن کے اشتہار کیلئے بڑے بڑے بورڈز تو لگائے ہیں جبکہ احتساب بیورو کی جانب سے بورڈ میں ہیلپ لائن کے بجائے "حرام خوری" جیسے بھاری بھرکم الفاظ کا ستعمال کیا گیا ہے۔ مریکی ادارہ برائے بین الاقوامی ترقی (یو ایس ایڈ) کے دعوے کے مطابق خواتین کیلئے امریکی مالی اعانت کے پروگرام اینٹر پرینور پراجیکٹ کے تحت 2014ء تک پاکستان بھر سے دستکاری کرنے والی 26000 خواتین کی صلاحتیں بہتر بنانے کا دعوی ابھی تک کہیں نظر نہیں آتا۔ جبکہ یو ایس ایڈ کے اپنے بیان کے مطابق اس منصوبے کا مقصد اُن خواتین کو آمدن کے وسائل بڑھانے کیلئے تربیت اور عالمی منڈیوں کے رجحانات کے بارے

میں آگاہی فراہم کرنا ہے۔ بیان میں دعوی کیا گیا کہ ان خواتین کا مقامی مالیاتی اداروں سے رابطہ بھی کروایا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے کاروبار کو وسعت دینے کیلئے قرضے حاصل کرسکیں۔اب اس منصوبے کو کہاں اور کس کے حوالے کیا گیا ہے اس سے عام پاکستانی نا واقف ہے لیکن کروڑوں روپوں کے اشتہاروں میں بتایا جاتا ہے کہ امریکہ پاکستان کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا چاہتا ہے۔اسی طرح یو ایس ایڈ کے ڈائریکٹر ایلکس تھیئر نے توانائی کے شعبے میں تعاون کے حوالے سے پہلے شرائط عائد کردیں کہ بنیادی اصلاحات کے بغیر سرمایہ کاری نہیں ہوگی۔ امریکا اور عالمی ادارے اپنے احکامات کو اصلاحات کی اصطلاح کے پردے میں پیش کرنے کے عادی رہے ہیں اور عوام کو کبھی معلوم نہیں ہوپاتا کہ اصلاحات کیا کی گئیں۔ جبکہ عوام اچھی طرح جانتے ہیں کہ امریکہ، ایران کے ساتھ توانائی اور بجلی کے خریداری کے معاہدوں کا شدید مخالف ہے، اس لئے توانائی کے شعبے میں امریکی تعاون مزید ایک گھساپٹا بیان اور عوام کو اندھیرے میں رکھنے کی ناکام کوشش ہے۔ کیونکہ امریکہ نے تو عالمی پابندیوں کی دھمکیاں دیں ہوئی ہیں۔اگر امریکی ادادرے شمسی توانائی کے ذریعے بجلی تیار کرنے میں اپنے اداروں کا تعاون دے تو ممکن ہے کہ پاکستان میں اس کا مثبت اثر پڑے لیکن امریکیحکومت اور اداروں پر قابض تیل اور گیس کے وسائل پر قبضہ رکھنے والی جنگی مافیا ایسی تجاویز پر کبھی عمل کی اجازت پاکستان کے لئے فراہم نہیں کرنا چائیں گے۔اسی طرح سیف اور یو ایس ایڈ کے زیر اہتمام سال

گرانٹس کے حوالے سے پراجیکٹ منیجر مس بشری انصاری کی جانب سے ایک تقریب میں پریزنٹیشن پیش کی گئی ، جس میں بقول اسٹاک ایکسچینج کے مینجنگ ڈائریکٹر آفتاب احمد چودھری نے امید ظاہر کی کہ جنوبی ایشاء ممالک کی سٹاک مارکیٹوں تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے جس سے یورپی یونین کے سٹاک مارکیٹوں سے باہمی تعلقات قائم ہو سکتے ہیں ان سرمایہ داروں کو کو یقین تھا کہ سیف پراجیکٹ کو اس گرانٹس سے بڑی تقویت ، ملے گی ۔ یہاں بھی صرف امید کا اظہار کیا جس طرح ماضی میں سیکرٹری پانی و بجلی امتیاز قاضی نے سینٹ کی قائمہ کمیٹی کو بریفنگ دیتے ہوئے امید ظاہر کی تھی کہ دیا مر بھاشا ڈیم کے حوالے سے امریکی مالیاتی یو ایس ایڈ ، اسلامی ترقیاتی بنک اور اسلامی ترقیاتی بنک اس منصوبے کیلئے فنڈز فراہم کریں گے ۔جب اراکان نے کہا کہ حکومت سے کہا کہ ایران سے گیس اور تیل خریدے اور تجارتی تعلقات کو فروغ دے اگر بجلی کی قلت 5000 میگا واٹ ہے تو پھر 12، 12 گھنٹے کی کوڈ شیڈنگ کیوں کی جاتی ہے۔ یہ ریمارکس 07 جولائی2011 کو دیئے گئے تھے ۔ جس سے بضخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امریکی ترجیحات میں پاکستانی بیورو کریسی کس قدر ملوث ہے جیسے قریبی ممالک سے زیادہ امریکہ کی خشنودی عزیز ہے۔ یو ایس ایڈ پروگرام صرف نظروں کی ڈھول ہے جو آنکھیں ملنے سے غائب ہو جاتی ہیں۔

آستین میں چھپا سانپ، فری میسن

فری میسن ایک ایسی بین الاقوامی یہودی تنظیم ہے، جس کا مقصد دنیا میں دجال اور دجالی ریاست کی راہ ہموار کرنا ہے۔ اس میں بیس برس سے بڑی عمر کے لوگ ممبر بنائے جاتے ہیں۔ بظاہر تو یہ سوشل رابطوں اور فلاحی کاموں، اسپتالوں، خیراتی اداروں، فلاحی تنظیموں اور یتیموں کے تعلیمی اداروں کی ایک تنظیم ہے۔ امریکہ میں اس کے ممبران کی تعداد اسی لاکھ سے زیادہ ہے، بظاہر یہ ایک خفیہ سلسلۂ خوات ہے، خیرات کرنا اس کے ممبران کے فرائض میں شامل ہے۔ تنظیم کے پاس لاکھوں نہیں بلکہ کھربوں ڈالر کے فنڈ ہیں۔ اس کے پیروکار دنیا کے تمام ممالک میں موجود ہیں، آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ امریکہ کے سابق صدر جارج واشنگٹن اور گوئٹے اس کے سربراہان میں شامل رہے ہیں یہ سنہ 1771ء میں برطانیہ میں قائم ہوئی تھی، برطانیہ کا حکمران خود اس کا سربراہ رہا ہے اس کا ہیڈ آفس اب بھی برطانیہ میں ہی ہے ان خیراتی اور فلاحی اداروں کی آڑ میں مسلم دشمنی اور مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانا اور اس کے اولیں مقاصد میں سے ہے۔ امریکی خفیہ ادارے سی آئی اے میں یہودی خصوصا "فری میسن" ممبران کی اکثریت ہے اور امریکی افواج کے ان دستوں میں جو بیرون امریکہ یعنی عراق، بوسینا، چیچنیا اور

افغانستان میں بھیجے جا رہے ہیں، کثرت سے کٹر یہودی شامل ہیں تاکہ وہ اپنے مذہبی انتقام کے تحت زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب کے لئے مسلمانوں پر دہشت گردی کی انتہا کر سکیں۔ گوانتانا موبے میں جو مظالم مسلمانوں پر ڈھائے جا رہے ہیں اب تو وہ منظر عام پر آچکے ہیں۔ عراق اور افغانستان میں جو کچھ ہو رہا ہے اس میں اسی تنظیم کے ملوث ہونے کے شواہد پائے گئے ہیں۔

پاکستان میں بھی یو ایس ایڈ کی آڑ میں فیری میسن زیادہ سرگرم نظر آنے لگی ہے۔پاکستان بھی فری میسن کی اُن ہی سازشوں کا شکار ہونے لگا ہے جیسے ترکی میں انجمن قائم ہوئی اور اس نے اپنی (comittee of union and Progress) اتحاد و ترقی خفیہ تنظیم فری میسن کے ذریعے سلطنت عثمانیہ کو پارہ پارہ کردیا۔ایک مغربی مصنف آر اپنی کتاب قومیت کی بیداری (مطبوعہ (R.W.Seton watson) ڈبلیو سٹین واٹسن، 1917ء) میں لکھتا ہے" انجمن اتحاد و ترقی (comittee of union and Progress) کی اہم ترین حقیقت یہ ہے کہ بنیادی طور غیر ترک اور غیر مسلم خطوط پر قائم کی گئی تھی اس انجمن کے اہم ترین عہدے داروں میں سے بمشکل ایک فرد ترک تھا ۔"درحقیقت یہودیوں کی فری میسن تنظیم ترکی میں تقریبا سو سال سے زائد عرصے سے سرگرم ہے جب 13 اگست 1878ء کو ایک نوجوان انقلابی علی سوادی، سلطان مراد پنجم کو ترکی کا تخت واپس دلانے میں ناکام ہوگیا اور اسے بمعہ اس کے ساتھیوں کے قتل کردیا گیا تو یہودیوں نے فوراہی

کو اس کام پر مامور (Scaleri cleanthies) اپنے ایک دوسرے گماشتے اسکالیری کردیا۔ یہ شخص ایک یونانی تھا جو استنبول میں رہائش پذیر تھا اور فری میسن میں لاج کا ماسٹر تھا اس نے ترکی کے چند اعلیٰ افسران سے ملکر مراد پنجم کو تخت نشین کروانے کی سازش کی۔ (حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو جارج حداد کی کتاب Revoulutions and Military rule in middle East) یونیورسٹی آف کیلفورنیا مطبوعہ نیویارک صفحہ نمبر ۸۴۔)۔جدید ترکی میں قانونی مقدمات شرعی عدالتوں سے دیوانی معدالتوں میں منتقل ہوئے،ترکی زبان کو رومی رسم الخط میں تبدیل کردیا گیا، قمری مہنیوں کے بجائے شمسی مہینے شروع کرادئے گئے، موسیقی کی درسگائیں، خواتین کو ملازمتوں میں جگہ فراہم کرنا اور ایک زیادہ بیوی رکھنے پر پابندی عائد کردی گئ۔جو ملک اسلامی خلافت کا آخری نشان رہ گیا تھا اور عالم اسلام کے اسخطے سے دنیا بھر میں خلعت اور خلیفہ کو اجازت نامے جاری کئے جاتے تھے وہاں یہ قراراداد پاس کردی گئ کہ اذان اونچی آواز میں نہیں دی جائے گی، طالبات تعلیمی اداروں میں حجاب استعمال نہیں کریں گی۔ یہی وہ سازشیں تھیں جو فری میسن نے یہودی زیمنت کے ساتھ اسلامی ملک میں امداد کے نام پر کروائی ۔ اس کا ثبوت لارڈ کنروس Lord Kinross کی کتاب " اتاترک، ایک قوم کا احیا "میں کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ "ترکی کی انجمن اتحاد و ترقی نے فری میسن تنظیم کے طریقوں کو آزادی سے استعمال کیا اور انجمن کارکن بنانے کے لئے اسی طریقہ کار کو اختیار کیا جو فری میسن کرتے ہیں

انجمن کارکن بنانے کے لئے وہی تقریب منعقد کی جاتی تھی جس میں امیدوار کارکن ، کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر نقاب پوشوں کی سامنے پیش کیا جاتا جو لمبی لمبی عبائیاں پہنے ہوئے ہوتے اور اسے تلوار اور قرآن پر حلف اٹھوایا جاتا کہ وہ اپنے ملک کو آزاد کرائے گا، انجمن کے رازوں کی حفاظت کرے گا اور اس کے احکامات کی تعمیل کرے گا، اس حلف میں یہ بھی شامل تھا کہ اگر انجمن کسی کو قتل کرنے کا حکم دے گی تو اس کی تعمیل بھی کی جائے گی۔" مصطفیٰ کمال پاشا نے اپنے مزاج کے برخلاف یہ حلف اٹھایا انھیں فری میسن کے بجائے قرآن پر حلف اٹھانے پر تامل تھا۔ مصطفیٰ کمال نے تین نقاب پوشوں کے سامنے حلف اٹھایا۔ یہودیوں کی سازش کامیاب ہوئی اور سلطنت عثمانیہ جس کی حدود مغرب سے مشرق تک پھیلی ہوئی تھیں اور جس نے یورپ کی عظیم الشان سلطنتوں کو لرزہ بر اندام کیا ہوا تھا پارہ پارہ ہو گئی۔ ان علاقوں کے مسلمان جو ایک امت واحدہ میں پروئے ہوئے پرسکون اور خوشحال زندگی گزار رہے تھے ان میں علاقائی عصبیت کا زہر داخل کرکے چھوٹی چھوٹی حقیر اکائیوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ بین لاقوامی صہیونیت اسرائیل قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی اور جن عرب ممالک کو آزادی" کی نعمت سے نوازا گیا وہاں اقتدار کے حقدار صرف اسرائیل کے گماشتے قرار" پائے جو صرف آپس میں لڑ کر ایک دوسرے کو تباہ کر سکتے ہیں لیکن اسرائیل کے خلاف متحد نہیں ہو سکتے۔

پاکستان میں بھی کچھ ایسی ہی صورتحال پیدا کی جارہی ہے اور پاکستان جس مقصد کے لئے حاصل کیا گیا تھا وہ دریائے بنگال میں برد کردیا گیا اور باقی کرم خوردہ پاکستان میں علاقائی، صوبائیت، لسانیت اور فرقہ واریت اپنے عروج پر پہنچ چکی ہے کہ پاکستان کے دشمنان پاکستان کے ٹوٹنے کی تاریخیں اور نقشے شائع کرکے پیش گوئیاں کرنے میں مصروف ہیں کہ پاکستان صرف پنجاب کی حد تک رہ جائے گا۔ موجودہ سیاسی و ملکی حالات کا اگر جائزہ لیں تو اندازہ کرنے میں کوئی مشکل نہیں آئے گی کہ نظریات سے بڑھ صوبائیت ہم سب پر غالب آچکی ہے اور اس مملکت میں مسلمانوں پر ٹارگٹڈ حملے، مساجد اور مزارات پر دھماکے سمیت بے گناہ انسانوں کی جان و مال کا عدم تحفظ ہونا ظاہر کرتا ہے کہ ان عوامل کے پسِ پشت بیرونی عناصر کارفرما ہیں۔ فری میسن جیسی متعدد تنظیمیں پاکستان کی جڑیں کھوکھلا کرنے میں مصروف ہیں اور ہم آج بھی پاکستان کی کھوکھلی بنیادوں پر لسانیت، صوبائیت اور فرقہ وارےت کی منزلیں بنانے میں جُتے ہوئے ہیں۔ ہم آزادی نسواں کے حوالے سے اسلامی تواریخ کے بجائے جدید مغرب کی نقالی زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ترکی کو ایک رول ماڈل ملک قرار دیتے ہوئے اُن کی موجودہ ثقافت کو نجی چینلوں میں اردو ڈبنگ کے ساتھ پھیلا کر فری میسن کے مشن کو پورا کر رہے ہیں۔

امان رمضان

کراچی میں علاقہ قبضہ مافیاز کیجانب سے پر تشدد کاروائیوں کی بناء پر عوام میں خوف و ہراس کے ساتھ ملک بھر میں دہشت گردی کی صورتحال نے مزید شدت اختیار کرلی ہے۔ دہشت گرد، قانون نافذ کرنے والے اداروں کی پرواہ کئے بغیر جب چاہتے ہیں کسی بھی انسان کی جان لینے سے دریغ نہیں کرتے ،پولیس اہلکار، سیاسی جماعت سے لیکر بے گناہ عوام کے قتل عام پر حکومتی اداروں کی نااہلی پر اسراے ت میں داخل ہوتی جا رہی ہے اور تمام قانون نافذ کرنے والے اداروں پر عوام کیجانب سے کارکردگی پر انگلیاں اٹھائی جا رہی ہیں، جو باعث تشویش ہے۔حکومت کیجانب سے دہشت گردی کے خلاف قومی پالیسی کی کانفرنس اچانک ملتوی کردی گئی، جو حیران کن ہے۔ملک بھر میں دہشت گردی کی سنگین صورتحال کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مملکت کے ہر گوشے میں عوام نادیدہ قوت کی انتقامی دہشت گردی کا نشانہ بن رہے ہیں۔حکومت کیجانب سے تمام پارلیمانی جماعتوں اور سیکورٹی اداروں کے ساتھ مشترکہ حکمت عملی کے لئے کانفرنس طلب کرنا، وقت کی اہم ترین ضرورت ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہم بیماری کی تشخص درست سمت میں کرنے کے بجائے لاغر ریاستی رٹ کو اینٹی بائی ٹیک دیگر غیر موثر طرے تے اپنانے کی کوشش کرتے ہیں، دہشت گردی کے وائرس کو جڑ سے ختم کرنے کے بجائے وقتی علاج

پر تمام توانائی صرف کر دے تے ہیں جس کی وجہ سے دہشت گردی کا وائرس ، نئی قوت کے ساتھ اثر انداز ہو کر مزید نقصان پہنچاتا ہے۔پاکستانی نوجوان موجودہ حالات کی وجہ سے انتہائی ابتر نفسیاتی اور معاشی بد حالی صورتحال کا شکار ہوتے جا رہے ہیں ۔ ماہ رمضان کی آمد کے ساتھ ہی ملک میں دہشت گردی کی لہر نے عوام میں عدم تحفظ کے احساس کو دوچند کر دیا ہے۔ملک کی ابتر معاشی صورتحال کے باعث ہر فرد کے چہرے پر شادمانی کی چمک، رمضان کی آمد پر مسرت اور ہر سحر و افطار پر اہتمام اور بچوں کی جانب سے خوشیوں بھری چہکاریں مفقود ہو چکی ہیں۔ رمضان کے آغاز پر ہم یہ ضرور دیکھیں گے کہ نماز کے لئے مساجد کی رونقیں ، عوام الناس کی طرف سے روزوں اور تراویح کے اہتمام سمیت وہ سب باتیں نظر آئیں گی جو ایک مسلم معاشرے میں نظر آتا ہے ، لیکن دہشت گردی کے ہاتھوں تباہ ہونے والے خاندانوں کے گھروں میں صف ماتم بچھ جاتی ہے کیونکہ اس کے گھر کا کفیل اس ماہ مقدس کے احترام کے لئے کی جانے والی تقریبات میں ان کے ہمراہ شامل نہیں ہوتا۔ رمضان اللہ تعالی کی جانب سے مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا انعام ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ملکی تاریخ میں اب ہر سال خونی رمضان سے امن و سلامتی کے اس دین کا چہرہ اصلاح کے نام پر فساد پیدا کرنے والوں کی وجہ سے مسخ ہوتا جا رہا ہے۔ بھتہ خوری ، منافع خوری ، چور بازاری ، گراں فروشی اور ذخیرہ اندوزی کے سبب رمضان جیسے متبرک مہینے کو " ناجائز کمائی ، کا سیزن "کا مہینہ قرار دیا جاتا ہے۔ دہشت گردوں کے جو بھی مقاصد ہوں

پاکستان اپنے غریبوں ، محنت کشوں اور کسانوں کی محنت وایثار اور اللہ تعالی کے فضل و کرم کی وجہ سے ابھی تک سلامت ہے۔ شر پسند عناصر اپنے مقاصد کے حصول کے لئے رمضان المبارک کی مقدس ساعتوں میں بھی انسانی خون بہاتے رہیں گے ، کیونکہ ان کے مسلم دنیا کا قلعہ کہلانے والے ملک پاکستان کے دشمنوں کا آلہ کار ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ نیو ورلڈ آرڈر کو نئے معانی دے کر دنیا کا چہرہ بدل دیا گیا ہے۔ سب سے زیادہ متاثر ہونے والے ہم پاکستانی ہیں کہ ہماری زمیں بارود کی فصل اور خود کش بمباروں کی نسل پیدا کرنے لگی ہے اور ہمارے آسمانوں پر میزائل اگلنے والے ڈرون طیارے نمودار ہونے لگے۔ یہ محض اتفاق ہو یا کسی طے شدہ اسکرپٹ کا ٹیکنالوجی شو۔ ہمارا بہت کچھ اس کی نذر ہوگیا۔ ماہ رمضان میں مخیّر حضرات غریب غرباء کو راشن یا امدادی سامان نقد کی صورت میں دےتے ہیں۔ کاش ہمارے سرکاری ادارے اپنی کارکردگی اور رہنمائی کے دعوؤں کو مخصوص ایام سے بڑھا کر اُس حد تک متعین کرلیں کہ وہ جان سکیں کہ اللہ تعالی اُن سے اِن کی حکمرانی کے ایک ایک لمحے کا حساب باریکی اور بے رحمی سے لے گا کیونکہ ریاست کو بطور امانت پانے والے خیانت کے مرتکب پائے جانے والے رب ذوالجلال کی سخت قوانین کی زد سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکیں گے ۔ ملک میں دہشت گردی کا سیلاب اس اٹھان کے ساتھ ہے کہ اترنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ پانی کا سیلاب تو ایک دن اتر ہی جاتا ہے ، مگر دہشت گردی کی وجہ سے دکھوں کا سیلاب جو امڈ آیا ہے اس میں تاخیر سے سوائے نقصان کچھ حاصل

نہیں ہوگا۔ قدرتی وسائل سے مالا مال اس مملکت کے پشتوں کی حفاظت میں بے اعتنائی کی بہت سی کہانیاں بے نقاب ہوچکی ہیں ، ملک اب کسی بھی قسم کی نئی مہم جوئی کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ قیادت کا دعوی کرنے والوں کا اصل امتحان ماہ رمضان ہی ہے جس میں وہ اپنی اور قوم کی درست تربیت حاصل کرکے ریاست کو انصاف کے عین اصولوں کے مطابق چلانے کے قابل ہوسکیں۔ ہمیں اس موقع پر یہ سبق ضرور حاصل کرنا چاہیے کہ ایک دوسرے کے خلاف بیان بازیوں اور امن وامان کے لئے مائشی اقدامات کو کافی سمجھا گیا تو اعتماد کا بحران بڑھ کر عوامی طوفان کی صورت اختیار کرسکتا ہے۔ کراچی سے لیکر خیبر پختونخوا تک امن وامان کی صورتحال پر مربوط اور عملی پالیسیاں ہی نتیجہ خیز ثابت ہوسکتیں ہیں۔ لاپرواہی اور آسمانی مدد کے انتظار میں عوام کو تختہ مشق بنانے کے سلسلے کو مزید دراز کرنے کے بجائے اخوت ، امت واحدہ اور بلا تفریق خدمت کو عین عبادت سمجھ کر ہر قدم پھونک کر اٹھانا ہوگا۔ پاکستانی قوم کا مزاج ، آمرانہ حکومتوں کی وجہ سے جمہوری اور برداشت کی سیاست سے ناآشنا ہے ، جیسے نوزائیدہ جمہوریت میں پنپنے کے لئے تمام سیاسی اکائیوں کو برداشت اور ایک دوسرے کو تسلیم کرنے کی پالیسی اپنانا ہوگی ، صوبائیت ، لسانیت اور فرقہ واریت کو پروان چڑھانے کے بجائے ملی ، بھائی چارے اور اتحاد بین المسلمین کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ ماہ رمضان ، امان کا مہینہ ہے ، جس میں ہر انسان کو امن وسلامتی کی ضمانت فراہم کی جاتی ہے۔ اس مہینے میں بھی اگر شدت

پسندوں، دہشت گردوں اور ٹارگٹ کلرز کی من مانیاں جاری رہیں اور حکومت سیاسی مصلحتوں و مفاہمتوں کے عمل سے گریز کی راہ اختیار نہیں کرتی تو بڑی واضح تفریق سامنے آجائے گی کہ مسلم اور غیر مسلم میں کیا فرق ہے۔ جس شخص یا ادارے یا گروپ میں احترام رمضان میں امان کا تصور نہ ہو اُس کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور ان کے لئے کسی فتوی کی ضرورت۔

ایبٹ آباد کمیشن رپورٹ پر لینگر پرسنز کا منفی کردار

امریکہ کی ایک فیڈرل اپیلز کورٹ ، اسامہ بن لادن کی امریکی نیوی سیلز کی خصوصی ٹیم کی کاروائی میں ہلاکت اور سمندر میں ان کی تدفین جاری کرنے سے متعلق کیس کی سماعت کر رہی تھی تو امریکی حکومت کی جانب سے یہ موقف دیا گیا کہ اسامہ بن لادن کی تدفین سے متعلق تصاویر بہت خطرناک ہیں اور انھیں جاری نہیں کیا جاسکتا اس سے امریکیوں کے خلاف تشدد کو مہمیز ملے گی۔امریکی محکمہ انصاف کے اٹارنی جنرل رابرٹ لویب نے عدالت کے روبرو اپنے بیان میں کہا کہ تصاویر کی اشاعت سے تشدد کو ہوا دینے اور جوابی حملوں کی ترغیب دینے کیلئے بھی استعمال کی جاسکتا ہے۔جوڈیشنل وچ نامی ایک انسانی حقوق کی تنظیم نے ماتحت عدالت 2012ء کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کی تھی جس میں اسامہ بن لادن کے پاکستان کے شہر ایبٹ آباد میں واقع کمپاؤنڈ سے ملنے والی باون تصاویر اور ویڈیوز کے اجراء پر پابندی برقرار رکھی گئی تھی۔جوڈیشنل وچ تنظیم کے وکیل کا موقف تھا کہ امریکی ایجنسی سی آئی اے نے اسامہ بن لادن کی مختلف تصاویر میں تمیز نہیں کی تھی ۔ امریکہ آزادی اطلاعات کا سب سے بڑا دعوی کرتا رہا ہے اور آزادی رائے کو بھی اہمیت دیتا ہے لیکن امریکی ایکٹ کے تحت حاصل استثنی کے تحت تصاویر پر پابندی عائد کردی گئیں اور عدالت کے دو ججوں کوڈٹ راجرز اور میرک گارلینڈ نے واضح طور پر کہہ دیا کہ ان تصاویر کے اجراء سے لیبیا کے دوسرے بڑے بن غازی میں امریکی

قونصل خانے پر حملے کی طرح دوسرے امریکیوں پر مزید حملوں کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔ ستمبر 2011 میں بنغازی میں حملے کے نتیجے میں لیبیا کے متعین امریکی سفیر کرس اسٹیونز سمیت چار اہلکار ہلاک ہو گئے تھے۔ یہ امریکہ کی جانب سے پاکستان میں کاروائی کے بعد کا وہ دوہرا معیار ہے کہ دنیا کو اس بات سے بھی بے خبر رکھا جائے کہ پاکستانی حدود میں کس طرح امریکی جاسوس کام کرتے ہیں اور امریکی مقاصد کیلئے قومی سلامتی کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ دوسری جانب ہمارے الیکٹرونک میڈیا کے اینکر پرسن ہیں جنھیں اپنے پروگراموں میں قومی سلامتی و وقار سے زیادہ اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ انکے چبھتے ہوئے تلخ سوالات کے نتیجے میں عوام کے دل پر کیا گزرے گی، انھیں بس اپنے چینل میں ملکی وقار پر سوال کرنے کا حق ہے۔ ہمیں بھی پوچھنے کا حق ہے کہ کروڑوں عوام کے دلوں میں عسکری قوتوں کا مورال گرانے کیلئے بیرونی کمک تو انھیں مہیا نہیں ہوئی۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ امریکہ نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ کسی نہ کسی طرح پاکستانی عوام کو پاک عسکری قیادت سے متنفر اور بد دل کیا جائے اور عوام کو فوج کے خلاف آواز اٹھانے پر مجبور کیا جائے۔ مبینہ طور پر ایبٹ آباد کمیشن کی رپورٹ جو کہ 336 صفحات پر مبنی ہے، جس میں افغانستان میں 2001ء کے امریکی حملے کے بعد سے اسامہ بن لادن کی روز مرہ زندگی کا احاطہ بھی کیا گیا ہے اس کمیشن کی رپورٹ کے منظر عام پر آنے کی ٹائمنگ بہت اہم ہے کیونکہ ایک طرف امریکہ، طالبان سے تعاون کی بھیک مانگ رہا ہے تو دوسری جانب افغان حکومت میں امریکی غلام پاکستان کیخلاف مسلسل ہرزہ سرائی کرنے میں مصروف ہیں۔ رپورٹ منظر عام آنے سے قبل افغان عسکری فوج کی چیف

کی جانب سے پاکستان پر براہ راست الزام عائد کیا گیا کہ طالبان پاکستان سے افغانستان میں کاروائیاں کرتے ہیں اور طالبان ، پاکستان کے کنٹرول میں ہیں۔ پھر ڈرامائی طور پر پاکستان سے باہر ڈیڑھ سال قبل مرتب ہونے والی کمیشن رپورٹ منظر عام پر آجاتی ہے اور کمیشن کے سربراہ بھی اچانک لب کشائی کرتے ہوئے اس کی تصدیق کرتے ہوئے پنڈورا بکس کھول دیتے ہیں۔پاکستانی الیکٹرونکٹ میڈیا کو تو جیسے مرچ مصالحہ مل گیا اور انھوں نے پاکستانی کی عسکری قوتوں پر لعن طعن کرتے ہوئے ایسے پوری دنیا میں شرمندہ کرنے کا ٹھیکہ اٹھا لیا۔ کسی نے امریکہ کو جدید ترین ٹیکنالوجی کا حامل ہونے کے باوجود نااہل قرار نہیں دیا کہ ان کی تمام تر کوششوں کے باوجود افغانستان سے اسامہ بن لادن کو تلاش کرنے میں اتنے سال کیوں لگے اور ، افغانستان کے سابق امیر ، ملا عمر اب بھی افغانستان میں موجود ہیں لیکن وہ ابی تک ان کی گرد کو پا نہیں سکے ۔ یقینی طور پر کمیشن کی رپورٹ میں بہت کچھ ایسا ہے ، جس پر بحث کی جا سکتی ہے ، لیکن کچھ امور ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن پر خاموشی قوم کے بہترین مفاد میں ہوتی ہے۔ حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ سے لیکر اب ایبٹ آباد کمیشن رپورٹ بھی ملکی سانحات پر مبنی اہم قومی دستاویزات ہے ، لیکن ہمیں اس بات کو سوچنا ہوگا کہ جب ان سانحات پر مبنی رپورٹس کو منظر عام پر اس لئے نہیں لایا جاتا کیونکہ اس سے ملکی قومی اداروں کی سبکی اور مورال کو نقصان پہنچتا ہے ، لیکن اس کے باوجود یہ رپورٹس غیبی ہاتھ سے منظر عام پر آجاتی ہیں تو اس کے مقاصد پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ آخر ان حساس رپورٹس کو کون منظر عام پر کن مقاصد کیلئے لیکر آیا۔ الیکٹرونکٹ میڈیا کے اینکر

پرسن کو یہ حق کسی نے نہیں دیا کہ وہ قومی حساس معاملات پر ٹکے ٹکے کے لوگوں کو میڈیا پر بیٹھا کر اظہار کراتے رہیں۔کیا ان کے سامنے یہی ضروری ہے کہ ملکی وقار داؤ پر لگے تو لگے ، لیکن ان کے لئے ضروری ہے کہ ان کی ریٹنگ بڑھے۔میڈیا پروفیشنل ازم ہے۔پروفیشن کو اردو میں "پیشہ "کہتے ہیں ، اگر پیشہ ور صادق ہو تو پھر اس کا احترام ضروری ہے لیکن ہمارے معاشرے میں ایک اور جنس کو بھی" پیشہ ور" کہا جاتا ہے ، اس لئے انھیں اس بات کا خود فیصلہ کرنا ہوگا کہ یہ اپنے ٹاک شوز میں ملکی حالات کا خیال رکھے بغیر جس قسم کی گفتگو کرتے ہیں اس سے عوام کے اذہان پر کیا رائے مسلط کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ میڈیا ، معاشرے میں پائی جانے والی خرابیوں کی نشاندہی کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے ، لیکن وہ اس بارے میں کیوں بحث نہیں کرتا کہ پاکستان میں ان کے اپنے میڈیا اینکر و صحافی غیر ملکی ایجنٹ اور دشمنوں کا آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔چند روپوں کی ملازمت حاصل کرنے والے آج کروڑوں کے مالک بنے ہوئے ہیں۔یہ اینکرز کبھی اُن صحافیوں کے حق کے لئے بات نہیں کرتے ، جن کی محنت کی وجہ سے وہ اس مقام پر پہنچے ہیں کہ انھیں تو وقت پر بھاری بھر کم مراعات مل جاتی ہیں ، لیکن خوف وجنگ کے ماحول میں کوریج کرنے والے صحافیوں کو مہینوں مہینوں تنخواہیں نہیں ملتی۔ان کیمرے ، عدلیہ کے ان کرداروں کے بارے میں خاموش رہتے ہیں ، جن کی وجہ سے کرپشن میں جوڈیشنل سسٹم پہلے نمبر پر شمار کیا جاتا ہے۔اینکر پرسن بے لگام گھوڑے ہیں کہ جہاں چاہیں دوڑتے چلے جائیں اور جیسے چاہیے روندتے چلے جائیں ، لیکن کسی بھی اینکر نے کسی اینکر یا زرد صحافت کے حامل شخص کے کرپشن اور ملک دشمن

عناصر کی نشان دہی کی ہو۔لشکرِ پر سنز کو بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے، حالات و واقعات پر مثبت انداز اپنانا چاہیے اور سب سے پہلے خود اپنا احتساب کرنا چاہیے۔ عوام کو حقائق کے نام اداروں سے بد ظن کرنے کی کوشش آزادی رائے نہیں بلکہ بلیک میلنگ ہے، جس کا مظاہرہ ہم کئی ہفتوں سے مختلف موضاعات پر دیکھ اور سن رہے ہیں۔انھیں ملکی مفاد کے خاطر حساس موضوعات پر جگت باری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ عوام ایسے عوامل کو قطعی ناپسند کرتی ہے جس سے سوائے نفرت، تشدد اور بد گمانی کو فروغ ملے۔اگر انھوں نے اپنا طرز عمل درست نہیں کیا تو عوامی رد عمل، سبکیلئے خطرناک ہوگا۔

سچائی کے پَر کیوں جلتے ہیں ؟

ذرائع ابلاغ کے حوالے سے جب بھی بات کی جاتی ہے تو دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ پاکستانی الیکٹرونک میڈیا کے بعض ٹاک شوز میں سنسنی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور ایسے ایشوز پر بلا تکان مباحث کئے جاتے ہیں جس سے عوام میں بے چینی اور بے یقینی کی فضا قائم ہو۔ گو کہ پاکستانی الیکٹرونک میڈیا کے حوالے سے بیرونی ملک میڈیا تمسخر اڑاتا رہا ہے کہ اگر کسی چینل کی سٹیلائٹ وین کسی چوک سے اچانک گھوم جائے اور اس کے عقب میں دوسرے چینل کی سٹیلائٹ وین ہو تو وہ بھی اُس کے تعاقب میں لگ جاتی ہے۔۔بریکنگ نیوز کی اس جنگ میں یہ بھی نہیں دیکھا جاتا کہ اس کے مضمرات کیا ہو سکتے ہیں۔لوگوں کی عام عادت ہے کہ کوئی بات کہیں سے اڑتی ہوئی سُنی اور اُسے ، بغیر تحقیق کئے آگے پھیلانا شروع کر دیا۔ قرآن کریم اس سے بڑی سختی سے روکتا ہے ، وہ کہتا ہے کہ "جس بات کا تمھیں یقینی طور پر علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگو ، یاد رکھو تم سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے خود اپنے کانوں سے ایسا سنا تھا ، کیا اپنی آنکھوں سے ایسا دیکھا تھا اور یہ بھی پوچھا جائے جائے گا کہ تم نے سمجھ سوچ کر اس کی تحقیق کر لی تھی اور کود تماہرے اپنے دل نے تو اس کے اندر کھٹ نہیں ملادیا تھا۔" (سورۃ بنی اسرائیل ۱۷/۳۶)۔ حکم خداوندی کہ ہر بات کو اچھی طرح سے سنو ، ہر چیز کو اچھی طرح سے

دیکھو، پھر جو کچھ سنو اور دیکھو اس پر خوب غور و فکر کرو۔ اپنی عقل سے کام لو اور اس کے بعد کسی نتیجے پر پہنچو جو لوگ اپنی عقل و خرد سے کام نہیں لیتے اور آنکھیں بند کرکے دوسروں کے پیچھے چلتے رہتے ہیں وہ انسان نہیں حیوان ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے۔ سورۃ ال اعراف ۱۷۹،۷ میں ایسے افراد کے بارے میں واضح فرمایا گیا کہ "ان کے دل تو ہوتے ہیں لیکن ان سے سمجھنے سوچنے کا کام نہیں لیتے، آنکھیں ہوتی ہیں لیکن ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے، کان ہوتے ہیں مگر ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ یہ انسان نہیں، حیوان ہوتے ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ گم کردہ۔ اس لئے کہ یہ عقل و خرد کے باوجود انجان بنے رہتے ہیں۔" قرآن آداب معاشرت میں ایسے عوامل سے سختی روکتا ہے جس سے معاشرے میں انتشار پھیلے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ "لوگوں کی باتوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو" (سوۃ یوسف ۱۲،۴۹)۔ جو بات سامنے آئے اس پر غور و فکر کرو۔ اچھی باتوں کا محض سُن چھوڑنا کچھ فائدہ نہیں دیتا، اصل فائدہ اُن پر عمل کرنے سے ہوتا ہے۔ اس موقع پر ضرورت اس بات کی ہے ہم اُن باتوں کو کماحقہ آگے پہنچائیں، جن کی تصدیق ہو چکی ہو۔ دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ الیکٹرونک میڈیا میں کسی سیاسی شخصیت کے حوالے سے جب کوئی سنسنی پیدا کی جاتی ہے تو اُس خبر کو اس طریقے سے مزین کیا جاتا ہے کہ دیکھنے والا صرف تصویر کا ایک ہی رخ دیکھتا ہے اور ایسے دیکھنے کے بعد اپنی رائے قائم کرلیتا ہے۔ حقائق اور شواہد کے بغیر خبروں کی ترسیل سے اس شخص کو تو وقتی

فائدہ پہنچ سکتا ہے جو اُسے آگے پھیلا رہا ہے لیکن اس کی اس حرکت سے معاشرے میں اصلاح کے بجائے فساد کا خطرہ بہ اتم رہتا ہے۔ مغرب زدہ ماحول میں آزادی اظہار رائے میں کسی بھی شخص کیلئے اپنی حدود سے آگے بڑھ جانا، ایسی نفرتوں کو جنم دیتا ہے جس کا مدوا جلد ممکن نہیں ہو پاتا۔ میڈیا میں ایسی لاتعداد مثالیں مل جاتیں ہیں جس کی وجہ سے مملکت میں کروڑوں عوام میں بے چینی اور بے یقینی کی کیفیت پیدا ہوئی۔ میڈیا کا ایک رخ یہ بھی تھا کہ ان کی جانب سے سنسنی پیدا کئے جانے کے سبب دوسری جنگ عظیم اور پاک، بھارت کی جنگیں ہوئیں۔ کیا ہم اس بات کا انکار کر سکتے ہیں کہ پاکستان ایک جانب جنگ ہار رہا تھا اور اس کے مسلح فوجی ہتھیار پھینک رہے تھے اور میڈیا دوسری جانب عوام کو یہ خبر پہنچا رہا تھا کہ مشرقی پاکستان میں مغربی پاکستان کی افواج کو کامیابی اور بھارت کو ناکامی ملی ہے۔ یہی میڈیا تھا جس نے بتایا کہ بھٹو نے اِدھر ہم اُدھر تم کا ایسا نعرہ لگایا کہ آج تک ثابت نہیں کیا جاسکا کہ یہ نعرہ درست بھی تھا کہ نہیں۔ سیاچن پر بھارتی قبضے اور کشمیر پر پاکستانی فوجی جوانوں سمیت افغان، روس جنگ میں میڈیا کا کردار کسی سے مخفی نہیں ہے۔ بلا تحقیق اور شواہد کے اطلاعات کی غیر مصدقہ خبروں کی وجہ سے ہم اپنے احساس ذمے داری سے محروم ہیں۔ یہ بھی کوئی پرانی بات نہیں کہ سوات میں جعلی کوڑے مارنے والی ایک ویڈیو کی وجہ سے پورے سوات میں ہیبت ناک آپریشن کیا گیا۔ ملالہ یوسف زئی پر حملے کے بعد جنوبی وزیرستان پر آپریشن کی خبریں بھی

ہمارا میڈیا پھیلاتا رہا۔ میمو گیٹ اسکینڈل سے لیکر ایبٹ آباد آپریشن پر جس طرح کی قیاس آرائیاں کیں جاتی رہیں اس نے سچ کا چہرہ چھپا دیا کہ میڈیا کی کس بات پر یقین کیا جائے۔ سچ اور شواہد کے ساتھ خبروں کو ذمے داری سے آگے بڑھانا، ایک بہت بڑی امانت ہوتی ہے، جس سے ہمارا میڈیا ابھی کافی دور ہے۔ بعض اینکرز پرسن اور بعض معاویہ میں سیاسی مخالفت میں ہم اتنا آگے بڑھ جاتے ہیں کہ سیاسی مخالفین اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کیلئے قرآن کریم کا سہارا لیتے ہوئے ایسے سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ میڈیا میں زرد صحافت کرنے والے نام نہاد صحافیوں کی کمی نہیں ہے، لیکن ایک جانب اگر ہم یہ دیکھیں کہ الیکٹرونک چینل میں ایسے پروگراموں کی میزبانی چند ناپسندیدہ اینکرز کے حوالے کردی جاتی ہے جنھیں صحافت کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا۔ یہ صرف الزامات اور سنسنی پیدا کرنے میں مہارت کے سبب اپنی قیمت بڑھانے کے لئے تمام اخلاقی حدود کو پھلانگ جاتے ہیں اور ہم آئے دن یہ تماشہ دیکھتے ہیں کہ جس نے ان کی قیمت زیادہ لگائی وہ اس چینل میں چلے جاتا ہے اور اس کا طرز عمل مزید متشدد اور غیر یقینی بے بنیاد خبروں کو لچھے دار اور بے بنیاد بنا کر سیاسی جماعتوں اور بعض قلمکاروں کے درمیان جنگ وجدل کا ایسا سماں پیدا کردیتے ہیں کہ عوام میں اس کا تاثر کبھی مثبت کیلئے نہیں کہلایا جاسکتا۔ پیشہ وارنہ مہارت کی کمی اور معلومات کی رسائی میں بھیڑ چال کی روش کی وجہ سے پاکستانی میڈیا ابھی تک اپنی غیر ذمے داری کے خول سے باہر نکلنے میں کامیاب نہیں

ہو سکا۔ ہمیں ان تمام روش پر اپنی اصلاح کی ضرورت ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ میڈیا اپنا احتساب کبھی خود نہیں کرتا کیونکہ ایسا کرنے سے ان کی سچائی کے پَر جلتے ہیں۔ میڈیا میں خود احتسابی کا عمل زیرو ہے۔ ہم آج تک نہیں دیکھ سکے کہ میڈیا نے اپنے کسی صحافی ساتھی کے کرپشن کی کوئی داستان نشر کی ہو، پلاٹ، پرمٹ اور خفیہ فنڈز سے ہاتھ منہ دھونے والے ایسے کتنے صحافیوں کے نام منظر عام پر آ چکے ہیں لیکن کبھی کسی ادارے نے ان پر کوئی ایکشن نہیں لیا۔ ہمیں کسی کا گریبان چاک کرنے کے بجائے جھانکنا ہو گا کہ اس میں کتنے سوراخ ہیں۔ دامن میں لگے چھنٹوں کو رکیک الزامات کی صحافت سے مزید داغدار کرنے کے بجائے اپنی برائیوں پر پہلے نظر رکھ کر دوسروں کی اچھائیوں کو تلاش کرنا ہو گا۔ منفی صحافت (افواہ سازی) ایک ایسا بھیانک جرم ہے جس کی سزا بڑی عبرت ناک ہے کہ ایسے افراد سے معاشرتی بائیکاٹ کیا جائے اور اگر افواہ سازی کرنے والے اپنی روش سے باز نہیں آتے تو سخت سے سخت اقدام کو اپنایا جا سکتا ہے۔

○-قدم قدم پر تضادات کی خاردار جھاڑیاں جن سے ہر رہرو کا دامن اُلجھ کر رہ جائے۔ دائیں کچھ، بائیں کچھ، آگے کچھ، پیچھے کچھ، نیچے کچھ، اُوپر کچھ، تضاد پیہم تضاد، کشمکش، مسلسل کشمکش، تناقض، غیر منقط تناقض یہ ہیں کاروانِ حیاتِ انسانی کے راستے کے مناظر۔ روح اور مادہ میں تضاد، عقل اور عشق میں تضاد، علم اور اعتقاد میں تضاد، تحفظ ذات اور ایثار میں تضاد، محبت خویش اور عالمگیر مودت میں تضاد،، دنیا اور آخرت میں تضاد، خیر و شر میں تضاد، تضاد بالائے تضاد اور انسانی فکر کی تمام جد وجہد، ان تضادات میں توافق کی تلاش، کبھی متضاد عناصر کو پانی اپنی جگہ مستقل بالذات تسلیم کرکے اپنے عجز و بے چارگی کا اعتراف اور کبھیایک وجود سے آنکھیں بند کرکے اس فریب نفس کا نام توافقِ تضاد، انسان کے سامنے درحقیقت سوال ایک ہی رہا ہے اور ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ زندگی کے ان تضادات میں کس طرح توافق پیدا کیا جائے۔ فرینڈز آف سیریا گروپ میں شامل ممالک کا اجلاس قطر کے دارالحکومت دوحہ میں ہوا۔ اس اجلاس میں ان ممالک کے وزرائے خارجہ نے شامی صدر بشار الاسد کے خلاف بر سرپیکار شامی باغیوں کیلئے ٹھوس فوجی امداد کے بارے میں تبادلہ خیال کیا گیا۔ باغیوں کی فری سیرین آرمی FSA نے گزشتہ روز کہا تھا کہ اسکے پاس ہتھیار پہنچ گئے ہیں تاہم باغیوں کے

ترجمان کا کہنا تھا کہ یہ ہتھیار امریکہ سے نہیں آئے ہیں۔فری سیرین آرمی کے ایک ترجمان سمیر النشر نے ایک خبر رساں ادارے ڈی پی اے کو بیان دیتے ہوئے کہا کہ "ہماری طرف سے فرینڈز آف سیریا کے اجلاس میں اس امر کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ شامی حکومت اور اس کی حامی حزب اللہ کے حملوں کا مقابلہ کرنے کیلئے مزید ہتھیاروں اور جنگی ساز و سامان بھیجنے کا عمل کتنا ضروری ہے۔"ان گیارہ رکنی فرینڈز آف سیریا گروپ میں امریکہ ،،برطانیہ ، فرانس ، جرمنی ، اٹلی ، اُردن ، سعودی عرب ، ترکی ، مصر ، متحدہ امارات اور قطر شامل ہیں۔اس اجلاس کے بارے میں امریکی ترجمان کا یہ کہنا تھا کہ قطر میں اس ملاقات کا مقصد اس بات پر غور کرنا ہے کہ عالمی برداری کس طرح شامی باغیوں کیصورتحال بہتر کرسکتی ہے۔اُردن اور امریکہ کی طرف سے اس بات کی تصدیق کی جاچکی ہے کہ عمان اور واشنگٹن نے شامی باغیوں کیلئے ایک سال پرانے تربیتی پروگرام میں توسیع کی تھی۔پہلے یہ پروگرام کیاوی ہتھیاروں کا سراغ لگانے اور انہیں محفوظ رکھنے تک محدود تھاتاہم اب اس میں توسیع کرتے ہوئے اس میں طیارہ اور توپ شکن میزائلوں کا ستعال بھی شامل کردیا گیا ہے۔امریکہ اس جنگ کا نقشہ تبدیل کرنے کیلئے نو فلائی زون اور بفرزون قائم کرنا چاہتا ہے۔امریکی اہلکاروں کے مطابق واشنگٹن نے دو ہزار اضافی عسکری تربیت دہندگان اور مشیر اردن بھیجے جنکاکام فری سیرین آرمی FSAکے پانچ ہزارر کمانڈرز اور افسروں کی تربیت کرنا تھا۔شام میں اقوام متحدہ کی رپورٹ کی مطابق ایک دو

سال میں کم از کم 93ہزار افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔شامی حزب اختلاف کے قومی اتحاد کے عبوری صدر جارج صبرا نے کہا ہے کہ لبنان کی مسلح جنگجو تنظیم حزب اللہ نے شامی عوام کے خلاف جنگ مسلط کر رکھی ہے اور اس کے جنگجو سرحد عبور کرکے ہمارے شہروں اور قصبوں میں داخل ہو رہے ہیں۔عیسائی مذہب سے تعلق رکھنے والے جارج صبرا نظریاتی طور پر کمیونسٹ ہیں ، انھیں شامی صدر بشار الاسد کے والد حافظ الاسد کی حکومت کی مخالفت کی پاداش میں جیل میں ڈال دیا گیا تھا اور آٹھ سال تک جیل میں قید رہے تھے ، بشار الاسد کی حکومت کے خلاف مارچ 2011ء سے جاری احتجاجی تحریک میں قائدانہ کردار ادا کر رہے ہیں۔اسی طرح لبنانی صدر مشعل سلیمان نے شیعہ ملیشیا حزب اللہ پر زور دیا کہ وہ شام میں جاری جنگ میں حصہ لینا بند کر دے اور لبان لوٹ آئے کیونکہ اس کے شام میں کردار کی وجہ سے اندرونِ ملک کشیدگی پیدا ہو رہی ہے۔لبنانی صدر نے یہ بیان حزب اللہ کے سربراہ حسن نصر اللہ کے اس اعلان کے بعد دیا کہ جس میں انھوں نے کہا تھا کہ ان کی تنظیم شامی تنازعے میں شریک رہے گی حزب اللہ نے شام کے وسطی صوبے حمص کے قصبے القصیر پر قبضے کی جنگ میں صدر بشار الاسد کی فوج کا ساتھ دیا ہے اور اب وہ شمالی شہر حلب میں بھی شامی باغیوں کے خلاف ایک نئے محاذ کی تیاریوں میں ہے۔لبنان نے سرکاری طور پر تو شامی تنازعے کے حوالے سے غیر جانبدارانہ موقف اختیار کئے رکھا ہے لیکن حزب اللہ کے جنگجو اس وقت ، شام میں باغیوں کے مقابلے میں صدر بشار الاسد کی کھلم کھلا جنگی ، سفارتی

سیاسی اور اخلاقی حمایت کر رہے ہیں۔ حزب اللہ کے جنگجو علوی فرقے سے تعلق رکھنے والے شامی صدر بشار الاسد کی وفادار فوج کے شانہ بہ شانہ خانہ جنگی کا شکار ملک میں سُنی جنگجوؤں کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ شام کے صدر بشار الاسد کا کہنا ہے کہ شامی حکومت یہ جنگ علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر لڑ رہی ہے۔ ایران کی جانب سے شامی حکومت کی بھرپور حمایت جاری ہے اور عراق کی جانب سے معذوری ظاہر کی گئی کہ وہ ایران کو عراق کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کرنے سے نہیں روک سکتا۔ انہی اطلاعات کے تناظر میں پاکستانی طالبان کی جانب یہ خبر آئی کہ شام میں جاری جہاد پر نظر رکھنے کے لئے وہاں اڈا قائم کرلیا ہے۔ شام کی خانہ جنگی اب مکمل طور پر فرقہ ورانہ جنگ میں تبدیل ہوچکی ہے اور اس فرقہ وارانہ خانہ جنگی کے نتائج خطے میں انتہائی نقصان دہ ثابت ہونگے۔ شام کا اپنی عوام کے خلاف جبری طاقت کا استعمال اور لبنان سے حزب اللہ اور ایران کی جانب سے تعاون حاصل ہونا جہاں شام کی عوام کیلئے مصائب کا سبب بن رہا ہے تو دوسری جانب اب طالبان کی جانب سے شام کی خانہ جنگی میں حصہ لینے کے ساتھ ساتھ عرب ممالک کی جانب سے شام کی حکمران جماعت کے خلاف باغیوں کو ہتھیاروں کی فراہمی اور امریکہ کی جانب سے ایران کو اپنی حدود تک محدود رکھنے کی خواہش نے ہزاروں بے گناہ شامی مسلمانوں کا خون بہا دیا ہے۔ شام کی عوام کی جانب سے تبدیلی حکومت کی مطالبات کے جواب میں حزب اللہ شیعہ ملیشیا کی طرح لبنان کے جنوبی حصے کے سُنی مسلمان عملی طور پر شامل نہیں ہوئے ہیں یہی وجہ

ہے کہ لبنان کے صدر کو پریس کانفرنس میں حزب اللہ سے اور اقوام متحدہ میں یادداشت پیش کئے جانے کی صورت میں حزب اللہ پر زور دیا کہ وہ شام میں جاری جنگ میں حصہ لینا بند کردے اور لبان لوٹ آئے کیونکہ اس کے شام میں کردار کی وجہ سے اندرونِ ملک کشیدگی پیدا ہو رہی ہے۔شام کی صورت حال میں طالبان کی جانب سے " جہاد" کی صورت میں نگرانی کی ساتھ ساتھ عملی طور پر باقاعدہ اعلانیہ آغاز ہوگیا تو پھر اس کے مضمرات سے پاکستان کے ساتھ پورے خطے میں ایک نئی جنگ کا آغاز ہوجائے گا۔دیکھنا یہی ہے کہ اقوام متحدہ کب تک خاموشی سے یہ نظارہ دیکھتی رہی گی اور انسانی حقوق کی کھلم کھلا خلاوف ورزیوں پر اپنے تضاد بھرے ایجنڈے پر کاربند رہے گی۔یقینی طور پر یہ بھی عالمی اسکرپٹ کا وہ حصہ ہے جس میں مسلمانوں کے درمیاں فقہی اختلافات کا فائدہ.براہ راست بین الاقوامی قوتیں اپنے مفادات کے لئے استعمال کرتی ہیں اور تضادات کے اس چومکھی کی لڑائیوں میں مسلمانان عالم اسی طرح کٹتے مرتے رہیں گے۔

کاش ! ملالہ تم یہ سب بھی کہہ پاتی

شام میں لبنان کی ملیشا تنظیم حزب اللہ اور ایران کی مدد سے شامی عوام کے خلاف بشار الاسد کی جانب سے شامی عوام کی آواز کو دبانے کی کوشش میں اب تک پچانوے ہزار سے زائد افراد جاں بحق ہو چکے ہیں۔شام میں دیگر عرب ممالک کی طرح جابر حکران تبدیلی کا عمل شروع ہوا تو اسے بغاوت سے تعبیر کرکے.بزور طاقت دبانے کی کوشش کی گئی اور ہزاروں نہتے اور بے گناہ انسانوں کے خون سے زمین رنگین ہونے لگی۔ذرائع ابلاغ کے توسط سے دنیا میں یہ خبر پہنچی کہ طالبان اور لشکر جھنگوی نے بھی اس "جہاد" میں حصہ لینے کیلئے مانٹرنگ اڈا قائم کردیا ہے۔اس سے پہلے ایک اور خبر جس نے دنیا کی توجہ شام کی جانب مبذول کروائی لیکن اس پر سنجیدگی سے غور کرنے کے بجائے درگذر کردیا۔ وہ خبر تھی کہ شام میں صدر بشار الاسد کے خلاف لڑنے والی " فری سیرین آرمی "میں خواتین کی ایک اچھی خاصی تعداد نے بھی شمولیت اختیار کی ہے جن کی شام کے شہر حلب کے ایک کیمپ میں تربیت جاری ہے، شام میں گذشتہ دو سال سے جاری جنگ کے باعث پچانوے ہزار سے زائد افراد ہلاک ہو چکے ہیں جبکہ لاکھوں افراد نقل مکانی کرنے پر مجبور ہیں۔دوسری جانب اُسی اقوام متحدہ میں پاکستان کے علاقے سوات کی سولہ سالہ لڑکی ،ملالہ یوسف زئی تالیوں کی گونج میں کہہ رہی تھی کہ "یوم ،ملالہ میرا دن نہیں ہے۔ آج کا دن

ہر اس عورت، لڑکی اور لڑکے کا دن ہے جو اپنے حق کیلئے آواز بلند کرتا ہے۔ دنیا میں انسانی حقوق کیلئے کام کرنے والے سینکڑوں ورکر ہیں جو انسانی حقوق کے علاوہ تعلیم عام کرنے اور امن و مساوات کیلئے کام کر رہے ہیں۔ دہشت گردوں کے ہاتھوں ہزاروں لوگ مارے جا رہے گئے ہیں لاکھوں لوگ زخمی ہوئے ہیں۔ میں ان میں سے ایک ہوں۔" نہ جانے ملالہ یوسف زئی نے کیوں ذکر نہیں کیا کہ جس اقوام متحدہ میں کھڑے ہو کر اُن کے ستائشی کلمات اور تالیوں کا شکریہ ادا کر رہی ہیں۔ اسی اقوام متحدہ کی جانب سے ملالہ یوسف زئی کی پختون و مسلم قوم پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے اور ملک بھر کی افواج نے افغانستان کو تاراج کر دیا۔ اپنے مفادات کیلئے امریکہ کی قائم کردہ اس اقوام متحدہ میں بلاامتیاز کاروائی کیوں نہیں کی جاتی؟ ان کی پر اس سچائی پر پَر کیوں جلتے ہیں کہ عرب ممالک میں عوام کو بغاوت کی جانب مائل کرکے اس نے کروڑوں بچوں کو تعلیم کے حق سے محروم کیا۔ افغانستان پر جارحیت کرکے لاکھوں بچے بچیوں کو تعلیم سے دور کیا۔ پاکستان میں اپنی دوہری پالیسی کے سبب تشدد اور ڈرون حملوں کی سبب ان لاتعداد بچوں کو جلا کر خاکستر کر دیا، ملالہ یوسف زئی اقوام متحدہ میں ان سے نہیں پوچھتی کہ ڈرون حملوں کے نتیجے میں کتنی ملالہ شہید ہو چکی ہیں۔ کیا ملالہ یوسف زئی یہ بھی نہیں جانتی کہ اسلام میں تعلیم مر و عورت پر یکساں فرض کی گئی ہے۔ کیا ملالہ یہ بھی نہیں جانتی کہ امت کی مائیں، نو مسلم ہونے والے مسلمانوں کی تربیت وانھیں تعلیم دیا کرتیں تھیں

اور کیا ملالہ یہ بھی نہیں جانتی کہ اسلام کی پہلی فقہ کی مفکر اور مفسر قرآن و سنت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا تھیں۔ یقینی طور پر ملالہ کو وہی تعلیم دی گئی ہے جو اس کے اسکرپٹ لکھنے والوں کی ضرورت تھی۔ ورنہ وہ یہ بھی جانتی کہ جس حکومت کے زیر سایہ وہ تعلیم کی باتیں کر رہی ہے اسی تاج برطانیہ نے جب افغانستان میں بلا سبب لشکر کشی کی تو وہ بھی ایک ملالئی تھی جس نے اپنے ڈوپٹہ کو جھنڈا بنا کر بندوقوں کے آگے سینہ سپر ہوئی اور دنیا کی مضبوط فوج کو مار بھاگایا۔ آج پاکستان میں تعلیمی اداروں میں بچیوں کی تعلیم کے نام پر مدر پدر آزادی دینے کیلئے یو ایس ایڈ اور فری میسن گروپ کیا کردار ادا کر رہا ہے، ملالہ کو اس پر بھی بات کرنی چاہیے تھی۔ اس کے پاس بڑا اچھا موقع تھا کہ وہ اقوام متحدہ میں لارڈ بدھا کے پیروکاروں سے اپیل کرتی کہ برما میں بے گناہ مسلمانوں کے خون سے ہولی مت کھیلو اور انھیں بے دردی سے قتل عام مت کرو۔ باچا خان بابا کی تعلیمات کا ذکر کرتے ہوئے کیوں بھول گئی کہ باچا خان بابا نے تو ساری عمر استعماری قوتوں کے خلاف تعلیمی جہاد کیا اور اپنا حق مانگا۔ لیکن اس کے نام نہاد جانشینیوں نے پختون قوم کا سودا کبھی روس کیلئے کیا تو کبھی امریکہ کیلئے اور آج اسی اقوام متحدہ کیلئے پاکستان کا ذرہ ذرہ دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے۔ جہاں بچیوں کو نہیں بلکہ مسلمانوں کو اسلام کے نام پر، تو کبھی فرقے کے نام پر مارا جا رہا ہے۔ آج شام میں جس طرح فرقے کے نام پر مسلمانوں کو ٹینکوں کے نیچے روندا جا

رہا ہے تو وہاں پر بھی تو کئی معصوم ملالئی ہیں جنھوں نے اپنی نسل کشی کیخلاف بچوں کی زندگیوں کیساتھ اپنی جانوں کا نزرانہ پیش کرنے کیلئے ہتھیار ہاتھوں میں اٹھا لئے ہیں۔ بھلا اقوام متحدہ یہاں امن کیلئے قیام کیلئے پس و پش سے کام کیوں لے رہی ہے۔۔برما میں مسلمانوں کے قتل عام پر خاموش کیوں ہے۔ فلسطین میں اسرئیلی جارحیت کیخلاف اس کے لب کیوں سل جاتے ہیں، مقبوضہ کشمیر میں مسلمانوں کیساتھ بھارتیوں کے ظلم و ستم پر اس کے قدم آگے بڑھنے سے کیوں ہکچا رہے ہیں۔شائد ملالہ یوسف زئی نہیں جانتی کہ انسانی حقوق کی شامی تنظیم آبزرویٹری کے مطابق شام کے شہر حلب کے دریا کیو واقع جو کہ جنوب مغرب میں بہتا ہے وہاں 68 لاشیں ملیں جس میں نوعمر بچوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ان سب کو کیپٹن ابو صدا کے مطابق بشار الاسد کی حکومت نے قتل کیا ۔ملالہ یوسف زئی یہ کوئی پروپیگنڈا نہیں ہے بلکہ انسانی حقوق کی آبزرویٹری نے ایک ویڈیو یوٹیوب پر جاری کی جس میں کیمرہ مین دریا کے کنارے چلتا جا رہا ہے اور کنکریٹ کے راستے پر پچاس لاشیں نظر آ رہی ہیں۔ اکثر لاشوں کے ہاتھ کمر کی پشت پر بندھے ہیں چہرے زرد اور بدن پھولے ہوئے ہیں ان میں سے اکثریت نوعمر لڑکوں کی ہے جو، جینز پہنے ہوئے ہیں۔ملالہ یوسف زئی تم نے درست کہا کہ افغانستان اور پاکستان میں لاتعداد بچے اسکول دہشت گردی کی وجہ سے نہیں جا سکتے، لیکن ان پر یہ دہشت گردی مسلط کس نے کی۔ ویتنام، جاپان، ہندوستان اور افغانستان میں جارحیت کرنے والے کون ہیں۔ کیا یہ سب طالبان

تھے ؟۔ یقینی طور پر تمھارا مطالعہ ابھی کافی کم ہے ورنہ تم اقوام متحدہ کے مندوبین کی تعریف کے ڈونگرے وصول کرنے کرنے لئے حضرت محمد ﷺ کی ذات مبارکہ کو کبھی لارڈ بڈھا، مہماتما گاندھی، لوتھر کنگ، نیلسن مینڈہلا کے ساتھ نہیں ملاتی، تمھارا یہی عمل دیگر مسلمان بچیوں کے دلوں کو مشکوک بنا دیتا ہے کہ جب حضرت محمد ﷺ کی ذات مبارکہ کی توہین پر مبنی گستاخانہ فلم کیخلاف مسلم امت سراپا احتجاج بنی ہوئی تھی تو ایسے وقت میں امریکہ اور ان کے صلیبی اتحادیوں نے توجہ ہٹانے کیلئے تمھارے واقعے کو اس قدر بڑھایا کہ میڈیا میں توہین رسالت ﷺ پر مبنی احتجاج پس پشت چلے گئے، کاش تم اُس گستاخ رسول کا ذکر بھی کر پاتی۔ یو یان او کے فلور پر تمھارا اعتماد قابل دید تھا لیکن تم افغانستان کی ملالئی اور شام میں موجود اُن ملالہ کے اعتماد کو دیکھو جنھوں نے اسلام اور اپنی قوم کی احیاء و بقا کیلئے اپنے نازک ہاتھوں میں قلم کے بجائے ہتھیار اٹھا لئے ہیں۔ کیا تم کبھی ان پر بھی کچھ کہہ سکو گی، کیا گورڈن براؤن تمھارے فنانسر کو تم قائل کر لو گی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف عالمی سازشوں میں ان کی حکومتیں انسانیت کی قوانین کا احترام کریں اور امریکہ کی جانب سے نائن الیوں میں صلیبی جنگوں کے آغاز کے اعلان پر مسلمانوں سے انتقام کی سیاست ترک کرکے قتل عام بند کریں۔ اربوں ملین ڈالر جنگ میں جھونکنے کے بجائے تعلیم کیلئے وقف کر دیں۔ کاش ملالہ تم یہ سب کہہ پاتی !!! ۔۔

ایٹمی کشکول

اس وقت دنیا میں 9 ایسے ممالک ہیں جن کے پاس چھوٹے یا بڑے پیمانے پر ایٹمی ہتھیار موجود ہیں ۔ یہ ممالک امریکہ ، روس ، چین، فرانس ، اسرائیل ، پاکستان اور کوریا ہیں۔ صرف 2011ء میں ان ممالک نے ایٹمی پروگراموں پر ایک سو پانچ ارب ڈالر صرف کئے جو تقریبا ایک کروڑ 20 لاکھ ڈالر فی گھنٹہ بنتے ہیں۔ یہ اتنی بڑی رقم ہے کہ اقوام متحدہ کے مطابق اس کیذریعے پوری دنیا سے غربت کا 2 بار خاتمہ کیا جاسکتا ہے ۔ ہندوستان میں اس وقت 86 کروڑ انسان 25 روپے یومیہ کی آمدن پر زندہ ہیں۔ برصغیر جنوب ایشیا کی آبادی ، دنیا کل آبادی کا بائیس فیصد ہے جبکہ اس خطے میں دنیا کی اکتالیس فیصد غربت پلتی ہے ۔ پاکستان اٹامک انرجی کمیشن میں اس وقت 30 ہزار سے زائد ملازمیں کام کر رہے ہیں ۔ خان ریسرچ لیبارٹرز سمیت ایٹمی ہتھیاروں اور میزائل ٹیکنالوجی پر کام کرنے والے دوسرے کئی ادارے اس کے علاوہ ہیں جبکہ پاکستان میں صرف دو فیصد بجلی ایٹمی توانائی سے حاصل کی جارہی ہے مختلف محتاط اندازوں کے مطابق پاکستان اب تک 90 سے 110 ایٹمی ہتھیار تیار کرچکا ہے جبکہ بھارت کے پاس 80 سے 100 ایٹم بم موجود ہیں۔ اگر دونوں ممالک کے ایٹمی پروگراموں کی بڑھوتی کا جائزہ لیا جائے تو 2021ء تک پاکستان کے پاس 200 جبکہ ہندوستان کے پاس 150 ایٹم بم ہونگے۔ دونوں ممالک

غریب عوام کی محنت و مشقت سے کمائی دولت کو ایک ایسی اندھی جنگ میں جھونکا جا رہا ہے جس سے دونوں ممالک کی عوام کو فائدے کے بجائے سوائے نقصان ہی پہنچے گا اور مہنگائی اور افلاس میں اضافہ ہوگا۔ تباہ کاری کے ان آلات میں عوام کی خون پسینے کی کمائی پانی کی طرح بہائی جا رہی ہے۔ 1940ء کے پہلے نصف حصے میں امریکہ نے دو ارب ڈالر کی لاگت سے ایٹم بم تیار کیا تھا،۔ دنیا کے پہلے ایٹم بم کے لئے یورینیم کی افزودگی پر امریکہ می بجلی کی کل پیداوار کا دس فیصد صرف ہوا تھا۔ 15 مئی 2011ء کو جنرل (ر) پرویز مشرف نے نیوز ویک کو انٹرویو دیتے ہوئے بتایا تھا کہ پاکستان کے 18000 فوجی اہلکار صرف ایٹمی تنصیبات کی حفاظت پر معمور ہیں اگر صرفحفاظتی انتظامات کے اخراجات کا تخمینہ لگایا جائے تو یہ چھ کروڑ ڈالر سالانہ بنتے ہیں۔ گلوبل سیکورٹی نیوز وائر کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر اب تک دو سو ارب ڈالر سے زائد رقم خرچ ہو چکی ہے، جبکہ سالانہ 2.5 ارب ڈالر مزید خرچ کئے جا رہے ہیں۔ یہ اتنی بڑی رقم ہے کہ اس سے پاکستان کا بیرونی قرضہ چار بار اتارا جا سکتا تھا۔ایٹم بم جدید میزائل ٹیکنالوجی کے بغیر بے کار ہیلہذا دور مار بلیسٹک اور کروز میزائلوں کی تیاری پر بھی کھربوں روپے خرچ کئے جا رہےہیں۔ اور یہ سب دوسری جانب ہندوستانی ریاست کے جنون اور وحشت کی وجہ سے برابر بڑھ رہی ہے۔ مئی 2013ء میں شائع ہونے والی ورلڈ بنک کی رپورٹ کے مطابق پاکستان کی ساٹھ فیصد سے زائد آبادی انتہائی غربت کی لکیر سے نیچے رہ

رہی ہے اور اس میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے۔2011ء میں آغا خان یونیورسٹی کے اشتراک سے اقوام متحدہ کے ادادرے یونیسف نے ایک رپورٹ مرتب کی ہے۔جس کے مطابق غذائی قلت کی وجہ سے پاکستان کے چوالیس فیصد بچوں کی ذہنی اور جسمانی ہے۔آنے والے پندرہ سالوں میں ان بچوں (Stunted Growth (نشوونما نامکل کا قد نارمل بچوں سے چھوٹا ہوگا۔سوال یہ ہے کہ ہم سب کیا کر رہے ہیں۔پاکستان و بھارت کا ایٹمی پروگرام عوام کو بھوک اور محرومی سے نجات نہیں دلا سکتا۔نہ ان کو علاج، تعلیم، روزگار۔بجلی، پانی اور دوسری بنیادی ضروریات فراہم کرسکتا ہے۔کیا یہ حکمرانوں کیلئے پر منفعت پروجیکٹ ہے ؟۔جس میں عوام کے تحفظ کے نام پر اربوں روپوں کا بوجھ غریب عوام پر ہی ڈالا جاتا ہے۔اور حکمرانواں کی تجوریاں مزید.برھتی چلی جاتیں ہیں۔ہم اگر یہ فرض بھی کرلیں کہ اگر لاہور پر ایٹم بم گرے گا تو امرتسر اور دہلی بھی تباہ ہوجائیں اگر ممبئی پر گرائے جائیگا تو کراچی اور حیدرآباد بھی اس کی زد میں آئیں گے دونوں ممالک کی عوام تابکاری کے اثرات سے کئی نسلوں تک اپاہج بچے پیدا ہوتے رہے گے۔تابکاروں کے اثرات سے کئی نسلیں سوائے تباہی کے کچھ حاصل نہیں کرسکیں گی تو پھر ایسے ایٹم بموں کا کیا فائدہ ہے جیسے چلنا ہی نہیں ہے، پھر ان کے بنانے کا مقصد کیا ہے ؟۔لیکن کاروبار تو آخر کاروبار ہے۔سرمایہ داری میں آزادی، منڈی اور بیوپاری کی ہوتی ہے۔انسان کی نہیں۔ہمیں اس فریب نظر سے باہر نکل آنا چاہیے کہ ایٹمی طاقت ہونے کے سبب کوئی ہماری جانب

میلی آنکھ سے نہیں دیکھے گا۔ میلی آنکھ تو کیا، دشمنان پاکستان نے تو مملکت کا وہ حال کر دیا ہے کہ ایٹمی طاقت کہلانے میں بھی شرم محسوس ہوتی ہے۔ کشکول لئے ایٹمی طاقت بھیک مانگتی رہتی ہے۔ دفاعی اداروں میں چار افراد گھس جاتے ہیں اور اربوں ڈالرز کا نقصان پہنچا جاتے ہیں۔ امریکی کاپٹر پاکستان میں دندناتے پھرتے ہیں ریڈار، ڈش انٹینا کی طرح گھومتے رہتے ہیں۔ڈرون حملے روکنے کیلئے اہلیت نہیں، معمولی، کیڑے مکوڑے نائن ایم ایم کی پستولیں لیکر دن دیہاڑے معصوم انسانوں کو بم دھماکوں سے اڑاتے، ، ٹارگٹ کلنگ کرتے نظر آتے ہیں اور ایٹمی طاقت کی حامل مملکت، بے بسی کی تصویر نظر آتی ہے۔افغانستان پر تسلط کیلئے بیرونی طاقتوں نے پاکستان میں سازشوں کا جال بُنا ہوا ہے۔جدید تاریخ گریٹ گیمز کی خوں ریزی اور بربادیوں کی المناک داستان عبرت بنی ہوئی ہے۔ سامراجی قوتیں پاکستان، افغانستان کی معدنی دولت اور جغرافیائی اہمیت کے مد نظر اپنا غلبہ برقرار رکھنے کی تگ و دو میں خون کی کھیل اور کھلوار رہی ہیں۔برطانوی جارح ٹی ای لارنس کے ایک مرتبہ لکھا تھا م "سرکشیوں کے خلاف جنگ ۔ چاقو سے شوربا پینے جاناگھمبیر اور سست رفتار عمل ہوتا ہے "پاکستان میں بنیاد پرست اور سفاک آمریت اور کرپٹ جمہوریت نے اپنے امریکی اور بیرونی آقاؤں کا نمک خوب حلال کیا اور مذہبی جنونیت کو پروان چڑھایا اور یہی حال بھارت میں ہے جہاں ہندوازم میں تشدد اور جارحیت اس قدر بڑھ چکی ہے کہ علیحدگی پسند تحریکوں کا سر کچلنے کیلئے

معصوم انسانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ یہ سب عوام کی محنت و مشقت سے کمائی جانے والی دولت کو ایسے پروگراموں میں وقف کرنے کے سبب ہوا جس سے انسانیت کو سوائے تباہی کے کچھ نہیں مل رہا۔ عوام کے خون پسینے کی کمائی کے اربوں ڈالر ہاتھی کو گنے کھیلانا جیسے ہیں جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ بھارت کی جنگی عزائم نے جہاں، اپنی عوام کے لئے عبرت ناک منصوبے پیدا کئے تو پاکستان نے بھی دفاع کے نام پر مفلسی کے کچکول میں چند کے پانے کیلئے اپنی چادر سے پاؤں آگے بڑھائے، اور عوام سوکھے ہونٹوں پر مسکرانے کے کچھ نہ کر سکی۔ کیونکہ اس کے علاوہ وہ اور کچھ کر بھی نہیں کر سکتی، کولہو کی بیل کی طرح کنوئیں کے گرد آنکھوں پر کپڑا ڈال کر خوش ہوتے رہو کہ منزل قریب آ رہی ہے۔

پرانے میدان میں نئی جنگ

یہ بات اب کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ کراچی ، طالبائزیشن کے حوالے سے ایک مضبوط گڑھ بن چکا ہے۔ بے ہنگم قدیم آبادیوں اور غیر قانونی طور پر آباد کچی آبادیوں میں شدت پسندوں کا باآسانی بلاخوف رہنا اب کوئی خفیہ خبر نہیں رہ گئی ہے۔اس میں بھی اب کسی کو شک نہیں رہا ہے کہ طالبان کے نام سے کچھ افراد اور گروہ پختون سرمایہ داروں اور سیاسی رہنماؤں سے لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں پرچی دیگر بھاری بھرکم وصولیاں بھی کرتے ہیں۔ اور اب ان کا دائرہ وسیع ہوتے ہوئے کراچی کی دوسری قومیتوں کی جانب بھی تیزی کے ساتھ بڑھنا شروع ہوگیا ہے۔ کراچی میں ایک ایسی جنگ کی تیاری کیلئے صف بندی عرصہ دراز سے کی جارہی ہے جس کا اظہار مختلف طریقوں سے مختلف جماعتیں اور خاص طور پر ایم کیو ایم واشگاف انداز میں کرتی رہی ہے لیکن اسے کبھی سنجیدہ نہیں لیا گیا۔ اس کی بنیادی طور پر دو وجوہات تھیں ۔اس میں پہلی وجہ یہ تھی کہ نام نہاد پختون قیادت خوف زدہ تھی کہ اگر طالبان کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں تو پھر کراچی میں ان کا رخ ہماری جانب اور ہمارا گھروں سے نکلنا وبال جان بن جائے گا۔ائر کنڈیشن کمروں میں ہونے والے اجلاسوں میں کسی بھی دوسرے شخص کو یہ توفیق نہیں ہوتی تھی کہ وہ شاہی فرمان پر اعتراض کرکے اس

لئے وہ چُپ سادھ لیتے۔ اس لئے جب سوات سے نقل مکانی کی صورت میں عوام کی بڑی تعداد نے کراچی کا رخ کیا تو مناسب اسکریننگ نہ ہونے کے سبب کراچی کی کچی آبادیاں طالبان کیلئے محفوظ پناہ گاہیں بنتی چلیں گئیں اور سوات، دیر، وزیرستان سے آنے والے مہاجرین نے اپنے رشتے داروں کے گھروں کے علاوہ کرایے کے مکانات حاصل کر لئے۔ پولیس کا نظام صرف دکھاوا ہے لیکن جب ان مہاجرین کی مکمل تحقیق کے حوالے سے جب سندھ قوم پرست اور ایم کیو ایم کی جانب سے مطالبہ بلند ہوا تو ایسے جان بوجھ کر لسانی رنگ دے دیا گیا اور اُس وقت اس معاملے میں شدت آگئی جب کشمور میں سوات سے آنے والے 25 گاڑیوں کو زبردستی روک دیا گیا۔ چونکہ اے این پی، سندھ حکومت میں شامل تھی اور اس کے صوبائی صدر اسی دن دبئی جا رہے تھے اس لئے انھیں بڑی مشکل سے روکا گیا کہ کسی طرح ان سوات کے مہاجرین کو کراچی لانے کیلئے حکومت کو مجبور کریں۔ فوری طور پر پریس کانفرنس کی گئی اور حکومت کو الٹی میٹم دیا گیا جس کے بعد 25 بسوں کا قافلہ کراچی پہنچ گیا، لیکن اُس کے بعد عمومی طور پر یہ ہونے لگا کہ سوات یا پشاور سے آنے والی بسوں پر سندھی قوم پرست کے متشدد کارکنان بسوں پر فائرنگ کرتے اور انھیں شدید خوف زدہ کرکے، بعض سندھی ڈاکو اُن لٹے پٹے خاندانوں کا سامان بھی لوٹ لیا کرتے۔ سوات سے آنے والوں کو سندھ حکومت کی جانب سے کوئی سہولت فراہم نہیں کی گئی اور لاکھوں کی تعداد میں آنے والے مجبور و بے کس پختون مہاجرین کو اپنے رشتے داروں کے گھروں پر تکیہ کرنا پڑا

۔ انھیں کام کاج کے حوالے سے شدید مشکلات کا سامنا رہا اور بالآخر جب حکومت کی جانب سے سوات ، دیر کے مہاجرین کی واپسی کا اعلان کیا گیا تو اے این پی نے یہاں بھرپور فائدہ اٹھایا اور بسوں کا کنٹریکٹ اپنے ایک عہدے دار کو دیا جبکہ تمام بسوں کو پابند کیا گیا کہ سوات ، دیر جانے والی بسوں کا ڈیزل صوبائی صدر کے پیٹرول پمپ ، سپر ہائی وے سے بھرا جائے گا تو انھیں بسوں کا معاوضہ دیا جائے گا۔ یہاں ایک فاش غلطی یہ بھی ہوئی کہ جانے والے کسی بھی سواتی عوام کا کوئی ریکارڈ نہ آنے پر اور نہ جانے پر مرتب کیا گیا۔ زیادہ تر ایسے افراد بھی مہاجرین کے روپ میں اُن بسوں میں سوات گئے جو نقل مکانی کرکے نہیں آئے تھے انھیں رشوت لیکر فری ٹکٹ دیئے گئے۔ مہاجرین کو نقد سفری رقم اے این پی کے اکلوتے منسٹر کے سپرد کی گئی جس میں لاکھوں روپوں کی خرد برد کرکے جیبوں میں ڈال دیئے گئے۔ نام نہاد پختون قوم پرستوں کی اس لالچ نے یہ نہیں سوچا کہ مستقبل میں کراچی کا کیا حال ہو سکتا ہے۔ رہ جانے والے ہزاروں ایسے لوگ کراچی میں رک گئے جنھوں نے سوات آپریشن میں مہاجر کا بھیس بدل کر کراچی میں پناہ حاصل کرلی تھی ، یہی صورتحال جنوبی وزیرستان سے تعلق رکھنے والوں کی تھی جنھوں نے ہجرت کے بعد کراچی میں سستے مکانات کرایئے پر حاصل کر لئے ، افغانی تو روس جنگ کے بعد سے کراچی میں کئی نسلوں سے رہ رہے تھے اس لئے انھیں کراچی میں کسی قسم کا پریشانی کا سامنا نہیں تھا۔ طالبان کے نام پر جرائم پیشہ افراد نے مختلف سیاسی پارٹیوں میں

کارکنان کی حیثیت سے جگہ بنالی اور دیکھتے دیکھتے کراچی میں ایک ایسی سیاست شروع ہوئی جس میں بے گناہ انسانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹے جانے لگا۔انسان کی زندگی کی کوئی وقعت نہیں رہ گئی اور اس درندگی کا نشانہ عام طور پر پختون بننے لگے اور پھر اردو بولنے والے اور بلوچ بھی اس طرح عبرت کا نشانہ بننے لگے کہ ان کے درمیان نفرتوں کی خلیج کسی طور کم ہونے کا نام نہیں لیتی۔اس سلسلے میں میڈیا نے جلتی ہر تیلی کا کام کیا اور سنسنی پیدا کرنے کے ریکارڈ قائم کئے۔خوف وہراس کا ماحول بنانے کیلئے لائیو ریکارڈنگ میں ایسے پروگرام آن ایئر کئے جس میں فائرنگ کی گونج سنائی دے رہی ہے، لوگ زمیں پر لیٹے ہوئے ہیں اور اینکر چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ ہم پر دہشت گردوں نے حملہ کردیا ہے، جبکہ پلان کے مطابق اس سے کچھ ہی فاصلے پر چند مسلح افراد ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھر رہے ہوتے تھے۔اُس وقت کسی نے یہ نہیں سوچا تھا کہ یہ سب کچھ جو کیا جارہا ہے اس کے نتائج کس قدر ہولناک نکل سکتے ہیں۔میں ان تمام واقعات نہ صرف چشم دید گواہ ہوں بلکہ معروف اینکرز کے یہ اسکرپٹ بذات خود دیکھتا بھی رہا ہوں۔مجھے ان اینکرز کے طرز عمل پر کوئی حیرانی نہیں ہوتی کیونکہ ان کے فعل و کردار میں شرم ناک تضاد کو میں جتنے قریب سے دیکھ چکا ہوں اس کے بعد بعض اینکرز کو دیکھ کر مجھے ان سے گھن آتی ہے کہ انھوں نے کراچیکی صورتحال کی درست عکاسی کرنے کے بجائے صرف ریٹنگ بڑھانے کیلئے کس قدر اوچھے طریقے اپنائے۔آج کراچی

میں یہ سب اوچھے طریقے حقیقت کا روپ دھار چکے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں جیو کے معروف اینکر پرسن حامد میر کے ساتھ کواری کالونی میں طالبان تلاش کر رہے تھے تو انھیں چند بچوں نے انٹرویو دیا کہ ہمارے علاقے میں ایک بھی سرکاری اسکول نہیں ہے ہم پڑھنا چاہتے ہیں، حامد میر نے پوچھا کہ اگر اسکول میں نہیں پڑھے تو کیا کروگے ؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں پھر تم لوگوں کو مار کر پیسے لوٹوں گا۔ آج تعلیم نہ ملنے کے سبب کراچی کا سب سے خطرناک علاقہ کٹی پہاڑی کا کواری کالونی ہے، اس علاقے میں ایک بھی سرکاری اسکول نہیں۔ آٹھ اسکولوں کچرے کا ڈھیر بن چکے ہیں۔ اور ہم اس کچروں کے ڈھیر سے ملالہ یوسف زئی کو تلاش کر رہے ہیں۔ اب ان علاقوں میں تعلیم کے متلاشی نہیں بلکہ جدید ہتھیاروں سے مسلح نوجوان ملیں گے۔ میدان جنگ پرانا ہے۔ لیکن اب جنگ نئی ہے کیونکہ اب طالبان کے نام پختون ہی نہیں، بلکہ پنجابی، بلوچ، اردو اور دیگر قومیتیں بھی صف آرا ہوچکیں ہیں اور ان کا صرف ایک مقصد ہے کہ کسی بھی طرح کراچی کے علاقوں پر گرفت بھرپور مضبوط کرلی جائے۔ جس کا عملی مظاہرہ حالیہ الیکشن میں ٹریلر کی صورت میں آچکا ہے۔ اب جبکہ سپریم کورٹ کے حکم کے مطابق بلدیاتی الیکشن ہوئے تو اللہ ہم سب کی حفاظت کرے، کیونکہ اب کراچی میں امن کا قیام محض خواب ہے۔

کالی بھیڑوں کی مفاہمت

صبر و تحمل اور برداشت کا ماحول پیدا کرنے کی اجتماعی ذمے داری ان جماعتوں پر عائد ہوتی ہے جنھیں اپنی تربیت اور فکر وفلسفے پر کامل یقین ہو۔ جبر اور تشدد جن کا آئین نہ ہو، میانہ روی اور انسانیت کا احترام مقدس ہو۔ لیکن جب چند مفاد پرست عناصر لاقانونیت کے پیروکار بن کر سفاکیت کا مظاہرہ کرتے ہیں تو روح کانپ جاتی ہے۔
جلادوں کو اس کی خدا ترسی نہ ہونے پر سخت الفاظوں میں یاد کیا جاتا ہے لیکن ان سفاک لوگوں کیلئے کیا نام منتخب کریں جن کے دلوں میں رحم وترس اور انسانیت نام کی معمولی بھی رمق نہیں ہے۔ جہاں استبدادی قوتیں اپنے ظلم ، کفر و فجور سے انسانیت کا نام شرمارہی ہوتی ہیں تو دوسری جانب بے بس عوام کا عزم و صبر ایک نئی سی نئی تاریخ رقم کر رہا ہوتا ہے جیسے الفاظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔انسانیت کے قاتلوں کو اس بات سے سروکار نہیں ہے کہ ان کی لالچ کے عوض کس کا خاندان کمپرسی اور لاچاری کی تصویر بن کر عبرت بن جائے گا بلکہ چند مفادات کے خاطر اپنی لاقانونیت کو عروج پر پہنچانے کیلئے ہر وہ اقدام کرے گا جس کا انسانیت سے کوئی واسطہ نہ ہو۔
لاقانونیت کس لیڈر کا فلسفہ ہے یہ کسی فلسفے کی پیداوار نہیں بلکہ جرم کا ایسا درخت ہے جو خود اپنی قوم کی جڑوں کو نادانستگی میں کاٹ رہے ہیں۔ بازاروں ، محلوں ہوٹلوں ، گاڑیوں ،

بسوں اور موٹر سائیکلوں پر فائرنگ اور انھیں بے گناہ معصوم انسانوں کو موت دینا کسی جماعت کا فلسفہ ہو سکتا ہے۔ یقینی طور پر ایسے احکامات دینا والا انسان کہلانے کے قابل بھی نہیں اور ایسی ظلم کی تاریخ رقم کرنے والا اپنے انجام سے اگر بے خبر ہے تو ایسے شداد، فرعون، ہٹلر جیسے حکمرانوں کا حشر یاد کر لینا چاہیے جن کے صرف ظلم اور فسطائیت کے کارنامے ہی باعث عبرت کا نشان بن گئے ہیں۔ یہ کون ہیں جنھوں نے انسان کے لبادے میں اپنا اندر کا بھیڑیا چھپا لیا ہے ہمیں وہ نظر آتے ہوئے بھی نظر کیوں نہیں آتے کہ ہم درگذر سے کام لیتے ہیں۔ جدوجہد قربانیوں سے ہی پروان چڑھتی ہیں لیکن ایک تحریک کیلئے جان دینا ہوتا اور ایک ان دیکھی گولی کا نشانہ بن جانا۔ ملک میں رہنے والے تمام مختلف النسل قومتیں اپنے اندر اتحاد اور اتفاق کے جذبے کو پروان چڑھاتی ہیں اور اس پر کامل یقین رکھتی ہیں لیکن عصبیت اور لسانیت کی رنگدار عینک پہنا کر فریب نظر دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کسی ایک انسان کی جان ناحق لینا گویا پوری انسانیت کی جان لینے کے برابر قرار دیئے جانے کا حکم الٰہی ہم سب کے سامنے ہے۔ ہمیں ان طاقتوں کے سامنے صف آرا ہونا ہے جو عوام کے حقوق غضب کر رہے ہیں۔ ایسی قوتوں کے خلاف اپنی توانائی صرف کرنی ہے جو محکوم طبقے پر مسلط ہیں۔ حق پرستی کے سمندر میں اس عوام کو اپنی لہریں بنانا ہونگی جو سمندر میں گم ہونے کے بجائے کنارے پہنچ جاتی ہے۔ طاقت کا اصل محور اپنے جذبات اور قوت کا درست استعمال ہے۔ مملکت اس وقت ہولناک

گروپوں کے نرغے میں ہے، خاص طور پر بھتے ساری کی صنعت نے اس قدر ترقی کر لی ہے کہ اس کے حصول کیلئے جدید ترین طریقے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ٹارگٹ کلنگ کی وبا کسی کے کنٹرول میں نہیں آ رہی، کوئی دن ایسا نہیں گذرتا جب کسی نہ کسی جماعت کا ذمے دار یا کارکن ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ نہ بنتا ہو۔ہلکے پھلکے ہتھیاروں کے ساتھ اب دستی بموں کے استعمال نے ایک نیا خوف سب پر مسلط کر دیا ہے۔ ہر جگہ مختلف گینگ وار مصروف ہیں، جس میں اجرتی قاتل، بھتہ گروپ، لینڈ مافیا،ڈرگ مافیا اور وائٹ گولڈ واٹر مافیا سہر فرست ہیں۔پہلے چھوٹی چھوٹی دوکانوں سے بھتہ وصول کیا جاتا تو اب.بڑے کاروبار، تو اب کاروباری ادارے ان کی دست.برد سے محفوظ نہیں ہیں۔بلدیہ ٹاؤن میں لگنے والی آگ کو بھی بھتہ خوری کے پس منظر میں دیکھا گیا۔ لیکن ان تمام حالات وواقعات کا سدباب کیسے ممکن ہوگا؟ شیر شاہ جیسے سانحے میں جس طرح حکومتی کردار رہا اس نے تو عوام میں اعتماد کی دھجیاں اڑا دیں ہیں۔ عدالتوں کا نظام شواہد اور گوائیوں پر چلتا ہے وہ اس قدر اندھا ہوتا ہے کہ اپنے سامنے ہونے والے کسی جرم کے خلاف بھی شواہد کا تقاضا کیا جاتا ہے۔ قانون کے رکھوالے جس شعبے میں بھی ہوں۔ اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے باعث شرمندگی بنے ہوئے ہیں۔ یا پھر ان کے نزدیک پاکستان کا انسانیت کا معیار یہ ہے کہ یہاں تو انسانی جان کی کوئی اہمیت تو ہے نہیں، ہزاروں لوگ بے گناہ بھوکے پیاسے مارے جا رہے ہیں کوئی پوچھنے والا نہیں، ٹارگٹ کلنگ میں کون کیوں مار دیا جاتا اس

کا کوئی معیار نہیں ہے۔ رشوت خوری کی وجہ سے ملک کی جڑیں کمزور ہو رہی ہیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہی پاکستانی معیار ہے، رشتہ جان کا ہو کہ انسان کا معیار دولت کی طبقاتی تفریق کا ہے جس میں انسانیت کی قیمت کم اور حیوانیت کی قدر زیادہ ہے۔ جنگل میں تو پھر ہر عمل قانون فطرت کے مطابق ہوتا ہے، شیر، گوشت کھاتا ہے گھاس نہیں، بکری گھاس کھاتی ہے گوشت نہیں، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ بکری نے شیر سے مفاہمت کی ہو کہ میں تو گوشت نہیں کھاتی اور آپ گھاس نہیں کھاتے، پھر جھگڑا کس بات پر ہے تو شیر کہتا ہے کہ تم گھاس کھاتی ہو، گوشت نہیں لیکن تجھ میں میرا رزق میرے خدا نے رکھا ہے یہ میری جبلت ہے۔ لیکن انسان کی فطرت کیا ہے کہ وہ خود اشرف المخلوقات کہنے کیلئے انسانیت سے گر جاتا ہے، سب خاموش ہیں کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے اور کیوں اور کب تک ہوتا رہے گا۔ ہر جرم کے عقب میں کسی نہ کسی با اثر کا ہاتھ ملتا ہے، لیکن ان چھپے چہروں کو بے نقاب کرنے والا کوئی نہیں۔ کیونکہ حمام میں سب ننگے ہیں۔ اب بھی ہمارے معاشرے میں باضمیر انسانوں کی کمی ہے۔ بے گناہ انسانوں کی جانوں پر آج تک کسی نے ذمے داری کا احساس نہیں کیا، سینکڑوں بے گناہ ہلاک ہوئے لیکن ایک اہلکار بھی ٹس سے مَس نہیں ہوا۔ پاکستان کی تاریخ میں انسانی جانوں سے کھیلنے کی سب سے ہولناک سازش کا پردہ چاک ہوا لیکن کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی سیکورٹی ادارے، کیا کر رہا تھے، اور اب کیا کر رہا ہے، کون احتساب کرے گا۔ اسی لئے تو آج تک

ٹارگٹ

کلنگ ، بھتہ خوری ،اغوا برائے تاوان پر قابو نہیں پایا جاسکا اور لگتا یہی ہے کہ گینگ وار اور قانون نافذ کرنے والے اداروں میں مفاہمت ہوچکی ہے۔ لہٰذا عوام برداشت کرے۔

ایک طرف بندوق، تو دوسری جانب قلم کی مار

میں سوات سے ہجرت کرکے جانے والے ایک ایسے خاندان کی داستان پڑھ کر حیران ہوگیا جیسے دیار غیر میں سیاسی پناہ کے نام پر جا کر کتنی صعوبتیں.برداشت کرنا پڑ رہی ہیں۔ پاکستان سے کبھی مذہبی منافرت کے نام پر کافی تعداد میں ہندوؤں کا بھارت جانا تو کبھی بلوچستان اور خیبر پختونخوا، سوات سے.بڑی تعداد میں مہاجرین کے نقل مکانی اخبارات میں عبرت ناک داستان کی صورت میں سامنے آتی رہتی ہیں۔ بین الاقوامی نشریاتی ادارے میں آسٹریا کے دار لحکومت ویانا میں سیاسی پناہ کے طلب گار ایک مسلم نوجوان سے ملاقات کا احوال بیان کیا گیا ہے کہ جو سیاسی پناہ کی درخواستوں کے حوالے سے حکومت کی جانب سے فیصلہ کا انتظار کرنے کیلئے ایک عیسائی خانقاہ میں پناہ لئے ہوئے ہیں اور کافی عرصے سے ان کے مستقبل فیصلہ نہ ہونے کے سبب بھوک ہڑتال کی وجہ سے خانقاہ کیمطابق اس عمل سے ان کی بدنامی ہو رہی ہے۔ بدقسمتی سے انھیں زندگی کی بنیادی سہولتیں بھی فراہم نہیں کیں جاتیں اور انھیں عارضی طور پر اپنے گذر اوقات کیلئے کام کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ سوات سے تعلق رکھنے والے ایک رہائشی " خان عدالت "، جنھیں سب پناہ گزیں اپنا لیڈر مانتے ہیں ان کے چہروں پر دربدری کی داستان ان کے بے بسی کو عیاں کرتی ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ پناہ گزینوں کی داستانوں کے تمام

تانے بانے پاکستان میں ہونے ولی دہشت گردی سے جڑے نظر آتے ہیں۔خان عدالت کے مطابق سوات سے ان کا سفر 2005ء سے ہوا جب طالبان نے علاقے میں کاروائیاں تیز کردیں تھیں ۔ تووہ غیر قانونی طور پر یونان آگئے اور 2011ء تک یونان میں رہے جب پناہ گزینوں پر نسل پسندوں نے حملے شروع کئے توان کو وہاں سے ہجرت کرنا پڑی ۔ان کے مطابق ان کے خاندان اور کئی دوستوں کو شدت پسندوں نے ہلاک کردیا ور، سکول تباہ کردیئے اور گھروں کو برباد کرڈالا۔خان عدالت کا کہنا تھا کہ کوئی نہیں چاہتا کہ اپنی سرزمین چھوڑے لیکن حالات ایسا کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔انھیں آسٹرین حکام سے بڑا گلہ تھا کہ ہماری قربانیوں کا صلہ اس طرح دے رہے ہیں کہ ۔" پاکستان میں شدت پسندوں کا سسٹم ہمیں بندوق سے مار رہاہے اور یہ قلم سے مار رہے ہیں ، مجھے اس میں کوئی فرق نظر نہیں آتا ہے۔" سوات کے نوجوان خان عدالت کے یہ الفاظ نشتر بن کر دل میں اتر جاتے ہیں کہ ایک طرف بندوق ہے تو دوسری جانب قلم کی مار ، کیمپوں میں انھیں انتہائی برے سلوک کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔جس پر انھوں نے سول سوسائٹی اور آسٹریا کی انسانی حقوق کی تنظیم کے اراکین کے ساتھ ملکر بیس پچیس مل کی مسافت پیدل طے کرکے ویانا پہنچے۔ مختلف کیمپوں میں رکھنے جانے کے سبب ان کی حالے انتہائی ناگفتہ اور خراب ہوچکی۔آزاد کشمیر سے تعلق رکھنے والے میر جہانگیر کے مطابق" یہ سسٹم طالبان سے بھی بُراہے وہ تو ڈائریکٹ بندے کو مار دیتے ہیں ، یہ آہستہ آہستہ مارتے ہیں ۔"ان کیمپوں میں رہنے والوں کا کہنا

تھا کہ "یا ہم انسان نہیں ہیں اور انسانی حقوق کی مد میں نہیں آتے یا پھر ان لوگوں میں انسانیت نہیں ہے۔" جنوبی وزیر ستان سے نے اپنے گھر کے افراد کے ہلاکت کے بعد یورپ میں پناہ حاصل کرلیں۔گذشتہ چند سالوں سے پاکستان کے قبائلی علاقوں اور بلوچستان سے بڑ تعداد محفوظ ممالک میں پناہ لینے کی کوشش کر رہے ہیں، خاص کر ویانا میں پارا چنار، سوات، خیبر ایجنسی اور وزیر ستان سے تعلق رکھنے والے بڑی تعداد میں بڑی تکلیف میں یہاں پناہ لئے ہوئے ہیں لیکن انسانی حقوق کی عالمی تنظیموں کی جانب سے ان کی داد رسی نہ ہونا ان کا دوہرا معیار ہے۔ہ بھی درست ہے کہ ہر ملک اپنے قوانین کے مطابق فیصلہ کرتا ہے ایسے انسانی جذبات کے بجائے اپنے ملکی قوانین کو مد نظر رکھنا پڑتا ہے۔افغان مہاجرین کی بہت بڑی تعداد لاکھوں کی تعداد میں پاکستان میں بس چکی ہے اور انھیں واپس اپنے ملک بھیجنے کیلئے کتنے پاپڑ بیلنے پڑیں گے اس کا اندازہ اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حکومت کی جانب سے از خود جانے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے جو پاکستان میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں۔ہمارے سامنے ایسے نوجوانوں کی بھی داستانیں ہیں جو اپنے بہتر مستقبل کیلئے اپنا ملک چھوڑ کر جانے کے لئے ہر قسم کا جتن کرنے کے لئے ہر قسم کا رسک اٹھانے سے گریز نہیں کرتے۔بلوطستان یونیورسٹی میں شعبہ انفارمیشن میں زیر تعلیم عمران علی، کوئٹہ کے حالات سے تنگ آکر ملک چھوڑنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو ایسے آسٹریلیا جانے کے لئے خطرناک راستوں کا منتخاب

کرنا ہوتا ہے۔ کوئٹہ سے تعلق رکھنے والے علی عمران ہزارہ قبیلے کے ان 53 افراد میں شامل تھے جن کی کشتی انڈونیشا سے آسٹریلیا جاتے بحر ہند میں کرسمس آئی لینڈ کے پاس ڈوب گئی تھی۔ کشتی میں دو سو سے زائد افراد سوار تھے جن میں ترین ہزارہ اور باقی کا تعلق قبائلی علاقے کرم ایجنسی سے تھا۔ علی عمران ان بیں خوش قسمت افراد یں سے تھا جو زندہ بچ گیا تھا۔اسی طرح کا ایک واقعہ آسٹریلیا غیر قانونی طور پر جانے والوں کے ساتھ 2012ء میں بھی پیش آیا۔ آسٹریلیا کے بحر ہند میں ڈوبنے والی اس کشتی میں ایک سو پچیس افراد کو بچا لیا گیا۔ تسلیم شدہ بات یہی ہے کہ خطرناک راستوں سے یورپ جانے والوں کی زیادہ تعداد کا مقصد روزگار اور پر تعیش زندگی کے حصول کے لئے رسک اٹھانا ہوتا ہے۔ ایسے متعدد واقعات منظر عام پر آچکے ہیں کہ کنٹینروں میں تارکین وطن کی بڑی تعداد دم گھٹنے سے ہلاک ہو جاتی ہے۔افغانستان سے لاکھوں کی تعداد میں مہاجرین ایران، پاکستان اور دیگر ممالک گئے ، سوات ، وزیر ستان سے پختونوں کو بے سرو سامانی کی حالت میں ہجرت کرنا پڑی ، سیلاب سے متاثرہ سندھ سے وابستہ افراد کو کراچی میں سرکاری اسکولوں ، کالجوں میں بسایا گیا ، انھیں وہاں انتہائی تنگ دستی اور پریشانی کے عالم میں زندگی گذارانا پڑی ، اسی طرح سوات کے مکینوں کو سیلاب کی تباہ کاریوں اور پھر کشمیر ، ایبٹ آباد میں زلزلوں کی وجہ سے سینکڑوں ہلاکتیں اور اربوں کا جانی مالی نقصان سمیت گھر سے بے سروسامانی کے ساتھ تکلیف دہ حالات میں روز میڈیا

میں دیکھایا جانا کسی سے پوشیدہ نہیں رہا ہے۔ ہمیں یہ نظارے صرف پاکستان میں ہی نہیں بلکہ بیرون ملک، ترقی پذیر ممالک سے لیکر ترقی یافتہ ممالک تک نظر آتے ہیں۔ لیکن مشیت خداوندی سامنے کسی زور نہیں چلتا اور تمام حکمت عملیاں ناکام رہ جاتی ہیں۔ زمیں کی معمولی سے گڑگڑاہٹ بڑی بڑی عمارتوں کو زمیں بوس کر دیتا ہے، لیکن ہم پھر بھی یہ نہیں سوچتے کہ ای قوت بھی ہے جس نے ہمیں مہلت کا لمحہ مہیا کیا ہوا ہے ہمیں اس لمحے سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ معیشت کیلئے خطرناک راہوں کی مہم جوئی ہو یا، پھر قدرتی آفات، یا پھر دہشت گردی کے ہاتھوں معصوم لوگوں کی نقل مکانی و بے سروسامانی، یہ سب قدت کی نشانیاں ہیں۔ ایک طرف اگر بندوق کی مار ہے تو دوسری جانب قلم کی۔ فیصلہ ہم نے کرنا ہے کہ ہم اُن ہاتھوں میں پکڑی جانے والی بندوقوں سے خوفزدہ ہوجائیں یا پھر اُس قلم سے جس کے کاتب نے ہمارے اعمال کے نتیجے میں میزان لکھ دیا ہے۔

آؤ ملالہ ... عراق بھی چلتے ہیں

ملالہ یوسف زئی کی جانب سے اقوام متحدہ میں دوران تقریر ایک منفی یہ بھی تاثر گیا کہ جیسے اسلام ، خواتین کی تعلیم کے خلاف ہے اور سوات کی اس لڑکی نے طالبان نامی گروپ کے سامنے "کربلا سوات" میں قربانی دیکر اسلام کو دوبارہ زندہ کردیا ۔۔دنیا کا ہر ذی شعور شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ اسلام دنیا کا واحد دین ہے جہاں مرد و عورت پر تعلیم کا حصول قدغن کے بجائے فرض قرار دیا گیا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کے عہد مبارک میں مسلم خواتین نے زندگی کے ہر شعبہ میں بھرپور کردار ادا کیا اور بڑی آزادی اور خوشی کے ساتھ علم سیکھنے سے سکھانے کے میدان یا معاشرتی خدمات کا میدان یا جہاد کا موقع یا سیاست وحکومت کے معاملات ہوں سب میں خواتین کا واضح روشن اور اہم کردار ہوا کرتا تھا۔میدان جنگ میں مسلم خواتین مجاہدین کو پانی پلاتی تھیں ، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور اس کار خیر میں کسی بڑے یا چھوٹے کی تفریق و تمیز نہیں تھی، حتی کہ غزوہ احد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا بھی کار خیر میں اپنا کردار ادا کرنے میں موجود تھیں ۔ غروہ خندق کے موقع پر بھی مسلم خواتین نے اپنے ایسے کارہائے خیر انجام دیئے جو تاریخ کا انمول حصہ بن چکے ہیں۔ایکصحابیہ جو طب کا کامل علم رکھتی تھی ان کا خیمہیک ڈسپنری اور ہسپتال کا کام دیتا رہا۔ وصال نبوی

ﷺ کے بعد امہات المومنین رضوان للہ اجمعین نے فروغ تعلیم کیلیئے گراں قدر خدمات انجام دیں ، ام المومنین کا حجرہ ایک درسگاہ نظر آتا تھا۔ علم تدریس کے فروغ میں مسلم خواتین کا سر گرم کردار رہا۔ہم جب مغرب کی جانب سے یہ دیکھتے ہیں کہ وہ کسی ایک ایسی شخصیت کا انتخاب کرلیتے ہیں جس کو میڈیا کے ذریعے اس قدر مشہور کر ادیا جاتا ہے کہ نا پختہ ذہنوں میں اسلام کیخلاف امریکہ و برطانیہ کا بھیانک کردار کا حصہ واضح نظر نہیں آتا۔ مغرب اپنے نظام تعلیم کو اسلام کے مقابلے میں بالاتر سمجھتا ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ لارڈ میکاولے کا دیا گیا دوہرا نظام تعلیم مسلمانوں میں اس طرح رائج ہو کہ مسلمانوں کو اپنی اساس کی جڑیں تلاش کرنا بھی ممکن نہ رہے۔ملالہ یوسف زئی ایک " ماہر مقرر" ہے اور اس میں کوئی دو رائے نہیں ہے کہ اُ انگلش میں تقریر کا فن کمال کا ہے۔ لیکن ہم اس جیسے لاکھوں معصوم بچوں کو دیکھ ہی نہیں پاتے جو ملالہ یوسف زئی سے زیادہ کمال خوبی سے کسی کے لکھے گئے اسکرپٹ کو پڑھ کے کیونکہ بین الاقوامی اسٹبلشمنٹ کو اپنی کہانی کے کردار کیلیئے ایسے فرد کی ضرورت ہوتی ہے جیسے ہالی وڈ کی فلم میں معیاری و تیکنیکی فلموں کو فلمانے کیلیئے کرداروں کا انتخاب کیا جاتا ہے۔اخلاقی انحطاط پذیری مغرب کی بڑھتی ہوئی فصل ہے جیسے اب وہ کاٹ رہے ہیں۔۔برطانیہ کے محکمہ تعلیم کی جانب سے جاری کردہ اعداد وشمار کے مطابق 2009 میں جنسی اشتعال پر سکولوں کے بچوں کو خارج کیا گیا۔2010 کے دوران یہ تعداد 3030 تھی ۔ جبکہ وارننگ 3330 دیئے جانے

بچوں کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔اُس وقت ڈپٹی چلڈرنز کمشنر انگلینڈ سیو.بر سو
وئز کا کہنا تھا کہ اساتذہ بچوں کے جنسی تشدد کے مسئلہ کو اٹھانے کے حق میں نہیں کیونکہ
اگر ایسا کیا گیا تو ان کے اسکولوں کے بارے میں کمیونٹی کو غلط امیج جائے گا۔جبکہ 2010
میں کنیا میں ایک ہزار ٹیچرز کو سکولوں میں لڑکیوں کو جنسی طور پر ہراساں کرنے پر.بر
طرف کردیا گیا تھا، جن لڑکیوں کو جنسی طور ہراساں کیا گیا ان کی عمریں بارہ سے پندرہ
.برس کے درمیان ہیں یہ مغربی تعلیمات کی ایک چھوٹی مثال ہے۔مغرب زدہ ماحول کا
تمام تر زور اس بات پر رہا ہے کہ مسلمانوں کو تعلیم کے نام پر اس قدر بد نام کر دیا
جائے کہ ان کی جانب سے کئے جانے والے تمام پروپیگنڈوں پر آنکھ بند کر کے یقین کیا
جاسکے۔جبکہ مسلمانوں نےاس وقت تعلیم کو عروج پر پہنچایا جس کا مغرب تصور بھینہیں
کرسکتا تھا۔859 میں خواتین کی پہلی یونیورسٹی مراکش میں قائم کی گئی تھی ۔اب جدید
تعلیم سے آراستہ نام نہاد قوتیں امریکہ اور اس کے سابقہ آقا.برطانیہ کیجانب سے جس
طرح مسلم ممالک پر لشکر کشی کی جاتی ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے ۔ان کی جنگجو
پالیسیوں کی وجہ سے ہی مرد اپنے زمیں کے حفاظت کیلئے جہاد کے نام پر اپنی جانیں
قربان کرتا ہے تو دوسری جانب خواتین ان کی عدم موجودگی میں تمام خاندانی نسق و
انتظا سنبھالتی ہیں۔افغانستان میں امریکہ اور نیٹو فورس نے افغان عوام کا جو حال کیا سو
کیا، اس کی.بربادی داستانوں پر اب رویا بھی نہیں۔اسی طرح عراق پر کیمیائی

ہتھیاروں کی موجودگی کے منصوبے پر جب عراق پر جنگ مسلط کی گئی تو طے شدہ منصوبے کے مطابق عراق کو تین حصوں میں تبدیل کردیا گیا، ایک سنی مسلمان، دوسرے شیعہ اور تیسرے کرد۔ امریکہ،،برطانیہ نام نہاد تعلیم فروغ کے نام پر ملالہ یوسف زئی کی شکل میں ایک ایسے پروگرام پر عمل پیرا ہے جس میں اسلام کے تشخص کو طالبان کے نام پر مسخ کیا جاسکے۔اگر عراق میں امریکی جارحیت کے ایک مختصر جائزے میں دیکھا جائے تو عراق نامور مسلم خواتین شخصیات جس میں بغداد یونیورسٹی، فزکس ڈیپارٹمنٹ کی حفیہ الوان ہلالی کو ستمبر2003، ماہا عدیل قادر، بغداد یونیورسٹی، کالج آف ہومنیسٹ، محترمہ محمد جسیم السیدی، بغداد یونیورسٹی کالج آف ایڈمنسٹریشن، سائرہ محمد مشہدنی، یونیورسٹی (مارچ 2006ء) ، امل مہالیجی المنصور یونیورسٹی آئی ٹی پروفیسر (جولائی2008ء) , لئیا عبدالسعاد، موصل یونیورسٹی، ڈین لا کالج،(جون 2004) کفیہ حسین صالح یونیورسٹی آف بصرہ کالج آف ایجوکیشن (28 مئی 2004 ء)زنیبیہ عبدیل حسین یونیورسٹی آف بصرہ، کالج آف وٹینرری میڈیسن (19جولائی 2006) محترمہ لیز مجان ،ڈیلیا یونیر سٹی میڈیشن کالج،(19اپریل 2006)، خولیہ محمد تقی زاوان،کفیہ یونیورسٹی ،کالج آف لا۔(12 مئی2006) صالح النصراوی خفیہ یونیورسٹی کالج آف لاء (22اگست2007)نافیہ معود خلفہ، بغداد یونیورسٹی عربیک ڈیپارٹمنٹ، ریب قلع ، ٹیکنالوجی یونیورسٹی العلم الغوراری، سعاد العابدی، یویورسٹی آف موسل فزکس ڈیپارٹمنٹ ، ایمرہ الربائی، نجات شعالع ، موستنفریہ

یونیورسٹی سائیکالوجی ڈیپارٹمنٹ (1اکتوبر2006)۔یہ تصدیق شدہ دستاویز نو مارچ کو بیلجئیم میں منعقد انٹرنیشنل سیمینار آف عراقی اکیڈمی، جینٹ یونیورسٹی میں 2011 پیش کیا گیا۔اب کیا اقوام متحدہ میں بہترین مقرر یہ بتا سکتا ہے کہ عراق کی جنگی جنونی جنگ میں ان نابغہ روزگار شخصیات کا نعم البدل کون پیدا کرے گا۔ تعلیم کیلئے ایک ایسی لڑکی کو استعمال کرکے اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرنے کی کوشش میں بھلا ذی شعور انسان کس طرح داد و تحسین دے سکتا ہے۔ملالہ یوسف زئی تک ان عراقی بچیوں کی داستان کبھی نہیں پہنچے گی اور نہ ہی لندن جاکر ملاقات کرکے گورڈن براؤن کے تعریف میں قلابے مارنے والے پاکستانی صحافی، تجزیہ نگار اس بات کا جواب دے سکتے ہیں کہ اصل نقصان طالبان، دے رہے ہیں کہ جنگی جنونی امریکہ برطانیہ اور اس کے اتحادی پٹھو دے رہے ہیں؟۔ مضمون کی طوالت کے پیش نظر اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف یہ بتانے کی کوشش ہے کہ خدارا بھیڑ چال پر اپنی رائے مسلط کرنے کے بجائے ہمیں غور و فکر سے بھی کام لینا چاہیے۔پاکستان میں اسکولوں کو کون نقصان پہنچا رہا ہے اور کس طرح اسلامی نظام تعلیم کو مغرب نے اپنے زیر اثر کرکے مسلمانوں کو دوہرے نظام تعلیم کے کنوئیں میں دھکیل دیا ہے تو اس عمل کا سب سے بڑا ذمے دار طالبان سے کہیں زیادہ برطانیہ، امریکہ، ان کے اتحادی اور ہمارے سیاست دان ہیں جو امریکہ اور برطانیہ کے غلامان ہیں۔۔

بین الاقوامی اسٹیبلشمنٹ کا بیک اپ پروگرام

مسلم شخصیات کے علاوہ سیاسی، آمر، غیر مسلم افراد کے محلات و مزارعات بنانے، سنوارنے کی روش آج سے نہیں بلکہ صدیوں سے چلی آرہی ہے۔ قرآن کریم میں متعدد اقوام کے تذکرے میں واضح طور پر بتایا گیا کہ اونچے و پختہ عمارتیں قلعے بنانے والے قوم ثمود و قوم عاد کی تباہی ان کیلئے عبرت کے نشان ہیں۔ لیکن اللہ تعالی نے کبھی کسی غیر اللہ کیلئے توہین آمیز الفاظ کی ادائیگی کی سختی سے ممانعت کرتے ہوئے کہا ہے کہ " کسی کے خدا کو بُرامت بولو تاکہ وہ تمھارے اللہ کو بُرا نہ کہیں۔" شام اور برما میں ہزاروں بے گناہ انسانوں کے قتل عام پر کوئی انسانی حقوق کی تنظیم سراپا احتجاج نہیں ہوئی۔ کسی میڈیا چینل نے اس پر پروگرام نہیں کئے کہ شامی صدر کی جانب سے پچانوے ہزار معصوم افراد کا دو سال کا قتل عام انتہائی مذموم فعل ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ کے مزار کی بے حرمتی پر بھی کسی کی رق مسلمانی نہیں بیدار نہیں۔ لیکن حضرت زینب رض کے مزار پر قابض مسلح حزب اللہ کی شیعہ ملیشیا کے ساتھ دو بدو جنگ میں مقدس جگہ کو نقصان پہنچا تو فرقہ پرست تنظیموں نے اپنا سیاسی کردار چمکانے کیلئے ملک گیر احتجاج کا سلسلہ شروع کردیا۔ یہی تنظیمیں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ کے مزار اقدس پر حملے و مسمار کئے جانے پر احتجاج بلند کرتیں تو

امت مسلمہ میں اتحاد بین المسلمین کا جذبہ فروغ پاتا لیکن ایسا کسی جانب سے نہیں ہوا۔ شام میں فرقہ وارانہ خانہ جنگی اپنے عروج پر پہنچ چکی ہے۔ جسے لبنان کی حزب اللہ اور ایران کی جانب سے مکمل افرادی اور جنگی قوت مہیا کی جا رہی ہے۔ مصر میں فرقہ وارانہ طور پر جمہوری قوت کا تختہ الٹ دئے جانے پر کسی بھی جمہوری حکومت کی جانب سے مذمت اور ان کا بائیکاٹ نہیں کیا گیا۔ امریکہ اپنے مقاصد کیلئے سالوں، سال عراق کو ایران سے فرقے کی بنیاد پر لڑاتا رہا اور پھر کویت پر حملے کی شہ دیکر عراق سیقبضہ کرالیا اور مملکت کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ لیبیا میں فرقہ وارنہ خانہ جنگی میں ہزاروں انسانوں کے خون سے زمین رنگ گئی۔ مصر میں امریکہ کی نا پسندیدہ حکومت کی بناء پر انھیں فوری طور پر فوجی آمریت کا سامنا کرنا پڑا۔ ایران کی جانب سے افغانستان اور پاکستان کی جانب سے طالبان کی پشت پنائیوں نے افغانستان کو بین الاقوامی قوتوں کیلئے ٹریننگ کیمپ بنا دیا ہے۔ افغانستان کو سُنی، شیعہ اسٹیٹ کی حثییت سے تقسیم کی منصوبہ بندی اب کسی سے پوشیدہ نہیں رہی ہے۔ پاکستان میں فرقہ وارانہ دہشت گردی کے واقعات میں جس طرح دونوں کو لڑانے کی کوشش کی جا رہی ہے اب اس جنگ کا میدان تورہ بورا سے کراچی تک وسیع ہوگیا ہے۔ گلگت، کوئٹہ، ہزارہ، سرداری، دیوبند اور بریلوی مکتبہ فکر، کراچی تا پشاور اب ایک ایسی فرنٹ لائن بن چکی ہے جو بین الاقوامی قوتوں کیلئے محفوظ راستے میں آتے ہیں۔ افغانستان سے شکست کے بعد امریکہ اور نیٹو کی واپسی

کیلئے انھیں پاکستان میں کئی محاذ جنگ سے گذرنا ہوگا جس میں سب سے پہلے خیبر پختونخوا کی سرحدیں پھر سندھ میں ان کے حتمی پڑاؤ کیلئے کراچی ، بلوچستان کے راستے کوئٹہ ، چمن اور پھر اس راستے سے کراچی ۔امریکہ اور ان اکے اتحادیوں کو اب محفوظ راستہ درکار ہے لیکن اب ان کے خلاف کھلی جنگ افغانستان سے نکل کر پاکستان کے مرکزی شاہراؤں اور شہروں تک پہنچ گئی ہے۔ بھلا لاہور ، فیصل آباد ، سرگودھا، کشمور، سکھر نواب شاہ جیسے شہروں میں کیا شیعہ ، سنی کم ہیں جو ان کے درمیان خودکش دھماکے اور حملے نہیں ہوتے ۔ یقینی طور پر مقصد کچھ اور ہے ، کراچی کے باون علاقوں کو طالبان نے اندرونی و بیرونی کمک سے اپنے کامل اختیار میں کر لیا ہے ۔ محفوظ علاقوں میں چڑیا بھی پَر نہیں مار سکتی ۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی گاڑیاں تو بہت دور کی بات ۔ حلیے سے سیکورٹی ایجنسی کا اہلکار لگنے والے یا مخبر کو فوری طور پر مار دیا جاتا ہے ۔ ذرائع کے مطابق بین الاقوامی قوتیں کراچی میں طالبان کے سیٹ اپ سے آگاہی حاصل کرنے کیلئے شکیل آفریدی کی طرز پر پولیو مہم چلا رہی ہے ۔ اس لئے کراچی کے مقبوضہ علاقوں میں اور کرز کونشانہ بنانے سے پہلے تنبیہ کر دیتی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود جب امریکی نگرانی میں یو ایس ایڈ ، بلیک واٹر اور فری میسن کے اہلکار معصوم بے روزگار پولیو ورکرز کو آگے کر دیتے ہیں تو ان معصوم ورکرز کو ان امریکیوں اور برطانیوں کی مکروہ پلاننگ کی وجہ سے جان سے ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔اگر یہ نام نہاد فلاحی تنظیمیں اور

راک فیلرز کی نگرانی میں چلنے والا عالمی ادارہ صحت اتنا ہی مخلص ہوتا تو پاکستان بھر میں متعدد ایسے موذی امراض ہیں جن پر قابو پانے کی ضرورت ہے لیکن سینکڑوں بچے ویکسین نہ ملنے کی وجہ سے مر جاتے ہیں لیکن ان کی کان پر جوں نہیں رینگتی۔ پولیو مہم کی نگرانی بین لاقوامی ادارے بذات خود کر رہے ہیں اور ان کا فوکس کراچی کے وہ باون علاقے ہیں جہاں ان کے بقول القاعدہ ، طالبان کے رہنما موجود ہیں۔ چونکہ بین الاقوامی اسٹبلشمنٹ کا بیک ایپ پروگرام بھی ساتھ ساتھ چل رہا ہوتا ہے اس لئے اپنے خفیہ پروگرام کے تحت وہ ملکی استحکام اور بقاکے خلاف ملکی غداروں کے ساتھ ملکر ایسی صورتحال پیدا کر دیتے ہیں کہ ایک امت مسلمہ ، گروہ در گروہ میں بٹ جاتی ہے۔

انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبون کی ایک رپورٹ کے مطابق افغانستان میں غیر املکی افواج ے حوالے سے بعد کے حالات سے نمٹنے کیلئے تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ تو دوسری جانب افغان طالبان نے کُنڑ کے علاقے میں فتوی جاری ہوا ہے کہ " افغان شہریوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ افغان فوجیوں اور پولیس والوں پر حملے کریں کیونکہ یہ کافر ہیں۔ "برگیڈ کمانڈر ایک اسکول کی عمارت میں جمع قبائل سے خطاب کے دوران کہتا ہے کہ "آؤ فیصلہ کریں کہ باغیوں کے برعکس ہم فوجی کیا کرتے ہیں۔۔ ہم امن کے خواہاں ہیں ، ہم پختہ سڑکیں اور بجلی چاہتے ہیں ، لیکن اس کے برعکس باگی کیا کرتے ہیں وہ سڑکیں برباد کر دیتے ہیں اور اسکول تباہ کر دیتے ہیں ہماری مسجدوں میں آ کر خود کشی کرتے ہیں اب آپ خود ہی انساف کریں کہ مسلمان کون ہے

؟۔افغان کمانڈر امریکی غلامی اختیار کرتے ہوئے ، افغان سرزمین کی جنگ پر قابض امریکہ اور برطانیہ کے خلاف جنگ میں مشغول ہیں تو دوسری جانب امریکہ اور نیٹو افواج اپنے انخلاء کے بعد اس پروپیگنڈے کے ذریعے افغانستان میں فرقے کے نام پر خانہ جنگی کرانے کے منصوبے پر تندہی سے مصروف ہے۔ پشاور کوئٹہ کے ساتھ کراچی میں ایک جنگ امریکی مفادات کے خلاف چھیڑنے کی تیاریاں کی جارہی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ امریکہ کو محفوظ راستہ دینے کے لئے یہودی نواز اور چندے سے بننے والی تحریک انصاف کو خیبر پختونخوا میں حکومت سازی ملی ، اور کراچی میں فرشتوں نے انھیں ووٹ دیکر کراچی بڑی قوت بنانے کیلئے طالبان مخالف ایم کیو ایم کے مقابل لاکھڑا کردیا۔ تحریک انصاف خیبر پختونخوا میں اپنی منشور کے مطابق ابھی تک ایک قدم پر آگے نہیں بڑھ سکی ہے لیکن امریکہ اور برطانیہ کی جانب سے کراچی کو مزید بدامنی کی دلدل میں دھکیلنے کیلئے تحریک انصاف کے رہنماؤں کے بیانات عکاسی کررہے ہیں کہ عمران خانصاحب کے کنٹرول میں ان کی پارٹی تک نہیں ہے۔اس لئے ان کے واضح احکامات کی دھجیاں اڑادی جاتیں ہیں۔ عمران خان کی تحریک انصاف خیبر پختونخوا سے امریکی و برطانوی لاؤ لشکر کو محفوظ طریقے سے پنجاب کے حوالے کرے گی اور کراچی کے مقبوضہ علاقوں میں نیٹو کے ساز و سامان پر جنگ کو روکنے کیلئے فرقہ وارانہ سازش پایہ تکمیل تک پہنچائے جارہی ہے۔ کراچی ایک نہایت خطرناک میدان جنگ بنتا جارہا ہے ، اور بین الاقوامی اسٹیبلشمنٹ اپنے مقاصد کے لئے سب کچھ کرسکتی ہے

اور یہ سب جانتے ہیں۔

نیٹو افواج کا آخری محاذ کیا کراچی بنے گا؟

امریکی ادارہ برائے ترقی (یو ایس ایڈ) کے سربراہ کی جانب سے اعلان کیا گیا ہے کہ افغان خواتین کیلئے "پروموٹ "کے عنوان سے اس پروگرام کے تحت 18 سے 30 سال کی خواتین کو روزگار تلاش کرنے کی مہارت، خواتین کو چھوٹے قرضے کی فراہمی سے کاروبار کرنے میں مدد اور پالیسی سازی میں کردار ادا کرنے کرنے میں دلچسپی فراہم کرنے والی خواتین کو فنڈز دیئے جائیں گے۔ ان کے کہنے کے مطابق آسٹریلیا، برطانیہ، جاپان، اور یورپی یونین نے اس پروگرام کیلئے رقم فراہم کرنے میں تعاون کی یقین دہانی کرائی ہے۔اس پروگرام کی مالیت اکتالیس کروڑ ساٹھ لاکھ ڈالرز ہو سکتی ہے۔۔ان کا یہ عمل افغانستان سے انخلاء کے تناظر میں خواتین کیساتھ غیر مساوی سلوک رکھے جانے کی خدشات کے پیش نظر کیا جا رہا ہے۔ حالاں کہ امریکہ اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ پختون معاشرے میں خواتین کیساتھ روزگار کیلئے امریکیوں سے فنڈز حاصل کرنے کے بعد کیا صورتحال پیش آ سکتی ہے۔ لیکن اس کے باجود افغانستان کو خانہ جنگی سمیت قدامت پسند اور خواتین کے حقوق کے مخالف پروپیگنڈے کو عمل جامہ پہنانے کے لئے یو ایس ایڈ پروگرام کے تحت باقاعدہ پلاننگ اور تشہیر شروع کر دی گئی ہے۔ا۔مریکہ کو اپنی واپسی کیلئے افغان فوج پر تکیہ کرنے کے سبب، سب سے بڑی پریشانی افغانیوں اور امریکی

مخالف گروپ کا باہمی طور پر ایک دوسرے سے واقفیت و تمدن و ثقافت ہے۔ جس بناء پر وہ افغان فوجیوں پر بھی اعتماد کرنے سے تامل برت رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کو اپنا سات ارب ڈالر مالیت کا وہ عسکری سامان تلف کرنا پڑیگا جو وہ پاکستان اور افغانستان میں کسی کو بھی نہیں دینا چاہتا۔اندازے کے مطابق امریکی فوجی ستر ہزار ٹن مجموعی وزن کے حامل ساز و سامان کو سکریپ میں بدل گے۔ جس میں سات ارب ڈالر کی خطیر مالیت کے سامان کو تلف کردیا جائیگا جن میں بارودی سرنگوں کے خطرے سے محفوظ تقریبا دو ہزار مشینوں کے علاوہ تعداد لاکھوں میں ہوگی۔ اس لئے ان کی جانب سے "پروموٹ" نامی پروگرام پر یہ خام خیالی ہے کہ اس طرح وہ افغانیوں کی دل جیت پائیں گے تو یقینی طور پر امریکہ احمقوں کی جنت میں رہتا ہے۔ کیونکہ جب وہ افغانیوں کو دفاع کیلئے ساز و سامان نہیں دے رہا اور اس کو اسکریپ میں تبدیل کر رہا ہے تو امریکہ کے دل جیتنے کی تمام ای کوششیں بھی لاحاصل ہونگی کہ فوجی انخلا سے بیشتر پورے ملک میں ایسے مذہبی و تمدنی امور سے متعلق افسر مقرر کئے جائیں جو امریکیوں اور ان کے بعد افغان فوجیوں کے راہ میں رائے ہموار کریں۔ کیونکہ ان کے خیال میں فوجی انخلا کے بعد سب سے بڑا چیلنج مقامی لیڈروں کا اعتماد حاصل کرنا ہے۔ جس میں امریکہ، برطانیہ اور نیٹو ممالک ناکام نظر آتے ہیں۔امریکہ اپنے تئیں ایسی پلاننگ اپناتا ہے جس میں اس کی دانست کے مطابق ایسے سو فیصد کامیابی مل سکتی ہے۔ گو کہ وقتی طور پر جبر کے ذریعے وہ قابض تو ہو جاتا ہے لیکن

کسی کے دل پر راج کرنا ان کیلئے ممکن نہیں ہے۔ بین الاقوامی تنظیم فرینڈز کمیٹی آف نیشنل لیجسلیشن کے مائیک شینک کہتے ہیں کہ" ایسا کرنا ماحولیات کے نقصان دہ اور خوفناک ہے۔اوراس ملک کیلئے بُرا،جہاں یہ کیا جائیگا۔لیکن ایسا کرنا اسلحہ سازوں کیلئے سودمند ہوگا کیونکہ انھیں مستقبل میں نئی فرمائیشیں مل جائیں گی۔لیکن یہ امریکہ کے ٹیکس دہندگان کے سات ارب ڈالر کا نقصان ہوگا۔"اور یہ سب امریکہ کیخلاف اٹھنے والی تحریک مدارس کے طلبا سے ہوا۔ جنھیں طالبان کا نام دیاگیا۔ کیونکہ اسلحہ تلف کرنے کا معاملہ عراق اور کویت جنگ میں نہیں ہوا تھا یہ صرف افغانستان میں ہو رہا ہے کیونکہ امریکہ جانتا ہے کہ افغانستان میں علمی و مذہبی لحاظ سے جڑیں انتہائی مضبوط ہیں۔

پاکستان میں مدارس میں ڈرون حملے کرنے سے وہ اپنے خلاف جہاں پاکستان میں نفرتیں پیدا کر رہا ہے تو دوسری جانب ایسے نہیں بھولنا چاہیے کہ جب اس نے ویتنام پر حملہ کیا تو اس قوم نے تعلیم کو اپنا سب سے بڑا ہتھیار بنایا۔ شمالی ویت نام یں تعلیم اور جنگ ساتھ ساتھ چل رہے تھے ، انھیں شروع شروع میں بڑی دقت ہوئی ، کبھی گولہ باری سے تعلیمی سلسلہ منقطع ہو جاتا لہٰذا ویت نام کے وزارت تعلیم نے فیصلہ کیا کہ جو کچھ بھی ہو تعلیم اور جنگ دونوں جاری رہیں گی۔ امریکی بم باری کے سبب درسگا ئیں ، دیہاتی علاقوں اور مضافات میں منتقل کر دی گئیں۔دیہاتی آبادی شہروں میں چلی جاتی اور اسکول تک پہنچنے کیلئے سرنگیں بنا دی گئیں تھیں۔طالب علم گھر سے زیر زمیں راستوں کیذریعے

اسکول پہنچتا ان خندقوں کی چھتیں گھاس کے تنکوں کی بنائی جاتی تھیں بموں کی کرچیاں ان تنکوں میں پھنس جاتی تھی اس طرح جنگ بھی ہو رہی تھی اور تعلیم بھی۔ اتنے برس امریکی جارحیت اور جنگی جاری کے باوجود تعلیمی شرح میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ شمالی ویتنام کے وزرات تعلیم نے اس وقت کے پاکستان کے وزیر تعلیم عبدالحفیظ پیرزادہ کو جو یادگاری تحفہ دیا تھا وہ شمالی ویت نام والوں کی بہادری کو ظاہر کرتا ہے۔ایک تباہ شدہ جہاز کے پچھلے حصے کا ماڈل بنایا گیا اور ایک بیل کو ایسے کھینچتے ہوئے ظاہر کیا گیا اس طرح علامتی طور پر یہ بتایا گیا کہ ایک کمزور جانور ایک طاقتور مشین کو کھینچے لئے جا رہا ہے۔ یعنی شمالی ویت نام کے غریب اور کم ترقی یافتہ لوگ امریکہ جیسی بڑی قوت و طاقت کو لگام دے چکے ہیں۔ تو اس بات کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ ویتنام جیسی قوم نے جنگ کے باوجود تعلیم جاری رکھی، تو کیا جن کی رگ رگ میں اسلامی تعلیمات و جہاد موجود ہے انھیں "پروموٹ" جیسے پروگراموں سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ تعلیم کو جتنا نقصان امریکہ، برطانیہ اور نیٹو افواج نے افغانستان میں پہنچایا اس سے کئی زیادہ بڑی بڑی بلڈنگوں والوں نے نہیں دیا بلکہ اب کچے مدارس میں جدید علوم کیساتھ ایک ایسے طالبان کی فوج تیار ہو چکی ہے جو افغانستان سے لیکر پاکستان تک امریکہ کو انخلا میں اسی طرح ناکوں چنوں چبا دی گی۔ نیٹو اب بھی افغانستان کے مخصوص علاقوں کے علاوہ آزادی ساتھ کہیں نہیں جا سکتے، خودکشیوں کے بے تحاشا واقعات نے امریکی فوجیوں کو

نفسیاتی مریض بنا دیا ہے۔ افغانستان اور پاکستان کے مسلمان جانتے ہیں کہ برطانیہ دوغلے پن کا مظاہرہ کرتے ہیں ۔ اسی طرح یورپ بھی ان کے نقشِ قدم پر ہے۔ فرانس کے وزیر داخلہ نے 2012ء میں فرانس کے شہر سٹراس برگ میں ایک مسجد کے افتتاح کے موقع پر متعصبانہ بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ نہیں چاہتے "کہ اسلام زیر زمین پھیلنے والے مذہب بن جائے۔" قابل ذکر بات یہ ہے کہ فرانس یورپ میں سب سے زیادہ مسلمانوں کا ملک ہے جہاں پچاس لاکھ سے زیادہ مسلمان آباد ہیں۔ فرانس کیلئے یہ بہت پریشان کن بات ہے کہ اسلام تیزی کے ساتھ یورپ میں پھیل رہا ہے اور ان کے منفی پروپیگنڈے ناکام ہو رہے ہیں ۔۔ برطانیہ اور امریکہ کے مکروہ چہرے یورپ کے پڑھے لکھے عوام کے سامنے آ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ مسلم ممالک بھی سمجھ چکے ہیں ہمیں ان کی طلسمی شکنجے سے باہر نکلنا ہے لیکن بد قسمتی سے مسلمانوں کے درمیان مسلکی اور فقہی اختلافات کا بھرپور فائدہ اٹھانے میں یورپ ماہر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب امریکہ میں بننے والی گستاخانہ فلم نے مسلمانوں کے جذبات مشتعل کر دیئے تھے تو انھیں اسے فرو کرنے کیلئے ایسے ھتکنڈے استعمال کرنے پڑے جس کے بعد میڈیا میں اس گستاخانہ فلم کی گونج کم ہو گئی ۔ امریکہ اور افغانستان میں قرآن کریم کی بے حرمتی اور ناروے میں گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کے بعد اب شام میں مذہبی مقامات پر متحارب گروپوں سے حملوں کا مقصد مسلم امہ میں ایک ایسی انارکی پیدا کرنا ہے کہ جس میں فرقوں کے نام پر بٹے مسلمان آپس میں لڑنے مرنے پر تیار

ہو جائیں۔اور امریکہ اس کوشش میں کامیاب نظر آتا ہے ورنہ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ فوجی آمریت کے خلاف نام نہاد جمہوری حکومتیں پابندیاں عائد نہ کریں۔ یقینی طور پر امریکہ اور اس کے اتحاد افغانستان کی زبوں حالی کا فائدہ اٹھانے کی کوشش میں اب افغانستان میں ایسا ماحول پیدا کرنا چاہتے ہیں جو پختون رواج کے برخلاف ہو۔ یقینی طور پر اس پر جہاں چہ میگوئیاں ہونگی وہاں پختون اپنی روایات کی بناء پر مشتعل بھی ہوسکتا ہے اور اور امریکہ کو مزید رکنے کے لئے بہانہ مل سکتا ہے کہ افغانستان اب بھی محفوظ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ امریکہ کی جانب سے اپنی فوج اور اسلحے کے انتقال کا مکمل ٹائم فریم نہیں دیا جائے کبھی وہ اسلحہ تلف کرنے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے تو کبھی اسے دیگر افغانستان کے ساتھ جڑے اور مخالف ممالک کو دینے کیلئے پلاننگ بناتا ہے۔ پاکستان جس نے لاتعداد جانی و مالی قربانیاں دیں اس پر ایسے یقین نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ افغانستان کے طالبان ، پاکستانی کی سمندری حدود تک ایسی پلاننگ بنا چکے ہیں کہ جہاں امریکہ کو زیادہ سے زیادہ نقصان ملے۔ کوئٹہ ، پشاور کا آخری پڑاؤ اب بین الاقوامی اسٹبلشمنٹ کیلئے درد سر بنا ہوا ہے اور یہی اہم میدان جنگ ہے۔ کراچی نیٹو افواج کے ساز وسامان کی ترسیل کے حوالے سے شدید درد سر بنا ہوا ہے۔ دیکھنا تو یہ ہے کراچی کی سرحدوں پر بیٹھنے والے حکومتی طالبان ہیں یا انکا اپنا کوئی افغانستان سے دیا گیا اجنڈا ہے جس میں امریکہ کی جانب سے آخری لمحوں تک یہ خطرہ موجود رہے گا کہ کراچی کے مقبوضہ علاقوں

میں امریکہ اپنے مفادات کے لئے ڈرون حملے کرنے، افغانستان کی جانب سے پاکستان پر حملے سمیت کچھ بھی کر سکتا ہے کیونکہ جنگ میں سب جائز ہے۔

دہشت گردی کے خلاف مہم کے تقاضے اور امریکی اقدامات

پاکستان نے ہمیشہ اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ افغانستان میں امن کیلئے وہ اپنا مثبت و غیر جانبدار کردار ادا کرتا رہے گا۔پاکستان میں اعلی سیاسی و فوجی قیادت سے مذاکرات ہوں یا پھر بیک ڈور چینل پاکستان کی عسکری قوت کا ہمیشہ پیام پیغام دنیا عالم کو دیا چکا ہے۔پاکستان کا امن افغانستان کے امن سے مشروط ہے اور افغانستان سے جب بھی امریکہ افواج کا انخلا دیانت داری سے نہیں ہوتا اور افغان کٹھ پتلی حکومت پاکستانی حدود کی خلاف ورزیوں سے ہاتھ نہیں اٹھاتی اور اپنی سرحدوں کو بیرونی عسکریت پسندوں کیلئے کھلی چراگاہ استعمال کرنے سے نہیں روکتی اُس وقت تک مستقل امن کی ضمانت کوئی فریق نہیں دے سکتا۔پاکستانی مملکت امریکہ ، روس اور افغان جنگ میں معاشی بدحالی کی انتہاء کو پہنچ چکی ہے اسے کشکول میں خیرات کی نہیں بلکہ پاکستان کو معاشی بدحالی سے نکالنے کیلئے مارشل پلان کی ضرورت ہے۔پاکستانی اداروں کو امریکہ اور نیٹو افواج کے اسکریپ کئے جانیوالے اسلحہ وساز وسامان سے زیادہ اداروں کی تعمیر نو کیلئے اربوں ڈالر کی ضرورت ہے ،چونکہ یہ پاکستان کی جنگ نہیں تھی بلکہ بین الاقوامی قوتوں کی بنا پر پاکستان اپنے ملکی مفاد پرست عناصروں کی وجہ سے دھنس چکا ہے اور ایسے اب شدید مالیاتی بحران کا سامنا ہے۔روس کے بعد امریکہ و برطانیہ کی مہم

جوئیوں کی وجہ سے پاکستان کو دہشت گردی کے خلاف لڑی جانے والی جنگ میں بھاری اخراجات کا سامنا ہے اسلئے قانونی و اخلاقی مدد کرنا بین الاقوامی قوتوں کا فرض بنتا ہے۔ لیکن ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ امریکہ کو اس معاملے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ امریکی آٹے میں نمک کے برابر معمولی امداد دیکر ڈو مور کا مطالبہ کرنے لگتا ہے جبکہ کوئی مالیاتی پیکیج دینے سے گریزاں نظر آتا ہے۔ انفرااسٹرکچر کی بحالی دہشت گردی کی وجہ سے تباہ شدہ و متاثرہ گھر اور متاثرین کی بحالی کیلئے امریکہ کی جانب سے متاثرینکو پاکستان کے دوسرے علاقوں سے واپسی کے معاملات میں شدید مشکلات کا سامنا ہے اور ان کیلئے فوری طور پر اپنے معمولات زندگی کو بحال کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ جس کا براہ راست پاکستان کی معیشت اور ہونے والی دہشت گردی پر پڑتا ہے کیونکہ ان متاثرین کی آڑ میں ہی یہ دہشت گرد پناہ حاصل کئے ہوئے ہیں اور انھیں اپنے بلوں سے باہر نکالنے کیلئے اپنے آبائی گھروں میں واپس جانے والوں کو باعزت طریقے سے واپس مکمل اسکریننگ کرکے بھجوانا ہوگا۔ اس کے بعد ہی قیام امن کا کوئی منصوبہ کامیابی کا ایک زینہ بھی چڑھ سکے گا۔ امریکہ کی جانب سے پاکستان کے لئے کسی بڑی امداد کا اعلان نہ کرنا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ پاکستان اپنی معیشت کو سود خور مالیاتی اداروں کے آگے گروی رکھ دیا اور نواز حکومت کو بالآخر یہی کرنا پڑا اور آئی ایم ایف کی کڑی شرائط قرضے حاصلکرنے کیلئے ٹیکسوں کا بھاری بوجھ جی ایس ٹی کی صورت میں منتقل کر دیا۔ بجلی کے نرخوں میں اضافے پر توجہ

مبذول کی جاتی ہے لیکن گیس وبجلی چوروں کی گرن پکڑنیکے بجائے ان قانون کے کٹھہرے میں کھڑا کرنے سے گریز کیا جاتا ہے۔پاکستان کی اس راگنی کا امریکہ پر کوئی اثر نہیں ہوتا کہ امریکہ ڈرون ٹیکنالوجی پاکستان کو مہیا کرے اور یہ حملے بند کرے۔ڈرون حملے بند کرانے ،نیٹو سپلائی بند کرانے اور یکساں تعلیمی نظام نافذ کرنے والے وزیر اعلی ہاوس کی عیش وعشرت اور مراعات چھوڑنے سے گریزاں ہیں اور صرف چند دن میں ہی قوم سے کئے جانے والے وعدے بھول گئے۔بھلا پھرکیسے ممکن ہے کہ دہشت گردی کے منصوبوں کے ہیڈ کواٹر شمالی وزیرستان میں کسی بھی قسم کے آپریشن کی امریکی مطالبات کو ممکن بنایا جاسکتا ہے۔شمال ومغربی علاقوں میں کئے جانے والے فوجی آپریشن سے عوام میں منفی جذبات پیدا ہوئے اور یہی امریکی خوائش تھی کہ فوج کا مورال کم کرنے کیلئے ایسے اس کی عوام کے سامنے ہی کھڑا کردیا جائے۔امریکہ کو پاکستان کی مالی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے از خود اقدامات کرنے چاہیے،انخلاکے بعد افغانستان ایک زخمی شیر کی طرح ہوگااور امریکہ کیلئے ممکن نہیں ہوگا کہ وہ دوبارہ افغانستان میں چڑھائی کرے اسلئے اس کی مسلسل کوشش ہے کہ افغانستان اورپاکستان کی ثقافتی وتمدنی دوستانہ تعلقات کواس قدر تلخ کرادیا جائے کہ بھارت سے زیادہ پاکستان کو اپنے سرحدوں کی حفاظت کرنے کیلئے اپنی افواج کوحرکت میں لانا پڑے۔اگرچہ پاکستان خود بھی دہشت گردی کا شکار ہے لیکن اس کے سامنے یہ امریکی منصوبے پہلے بھی سامنے آچکے ہیں کہ مغربی ومشرقی پاکستان کو توڑنے میں اس کا

اہم کردار رہا ہے۔ لیکن امریکہ کو یہ بات یاد رکھنا ہوگی کہ پاکستان دہشت گردی کے خلاف مہم میں چار و نا چار شامل تو ہو گیا لیکن عالمی برادری کو بھی اس حوالے سے متحرک ہونا ہوگا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ اور یہ مہم صرف پاکستان کی نہیں ہے بلکہ اس کی کامیابی میں عالمی امن کا مستقبل پوشیدہ ہے۔ لہٰذا دیگر ممالک کو بھی دہشت گردی کے خلاف جاری اس مہم، جسمیں پاکستان فرنٹ لائن سٹیٹ کا
کردار ادا کر رہا ہے، میں اپنے حصے کا کردار ادا کرنا چاہیے۔ اور دیگر ممالک یہ کردار پاکستان کی مالی مدد اور تجارتی تعاونکی صورت میں کر سکتا ہے۔ پاکستان ہر سال اربوں ڈالر اسجنگ میں جھونک رہا ہے تاکہ پوری دنیا میں پائیدار امن کو یقینی بنایا جاسکت لہٰذا دیگر ممالک کی ذمے داری بنتی ہیکہ وہ پاکستان کا یہ نقصان پورا کرنے کے لئے خالی وعدے دعوے نہیں بلکہ عمل اقدامات کریں۔ پاک افغان سرحد پر طالبان کی بلا عوک آمد و رفت جاری ہے۔ پاکستان نے بیرونی عسکریت پسندوں سے نجات کے لئے عملی اقدامات کئے جس سے انتہا پسندوں کا زور ٹوٹ رہا ہے، لیکن پاکستان کیلئے یہ سب اکیلا کرنا ممکن نہیں ہے۔ پاکستان سے طالبان کا زور مستقل بنیادوں پر ختم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کی جڑیں پاکستان بھر اسطرح امریکہ مخالف جذبات کے تحت پھیل چکی ہیں کہ تمام تر جانی و مالی نقصانات کا مکمل ذمے دار، طالبان کے بجائے امریکہ کو ہی سمجھا
جاتا ہے۔ امریکی اخبار نیویارک ٹائمز کی ایک رپورٹ کیجائزےسے امریکی عزائمکا علم ہو جاتا ہے کہ امریکہ اس افغان جنگ کو بلوچستان اور ایران تک لے

جانا چاہتا ہے۔پاکستانی حکام اوبامہ حکومت پر واضح کر چکے ہیں کہ جنوبی افغانستان میں طالبانکے خلاف آپریشن سے طالبان جہاں ایکطرف پاکستان میں داخل ہونگیتو دوسری جانب صوبہ بلوچستان میں شورش کو مزید ہوا ملیگی۔امریکی اوراسکے اتحادی ڈیورنڈ لائن پر سخت سیکورٹی کرنے سے تامل برت رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں شورشوں کو ختم کرنے میں عسکری قوتوں کو دقت کا سامنا ہے۔اگر شدت پسندوں کو افغان باڈر پر ہی روکے جانیکے اقدامات وقت پر مکمل کر لئے جاتے پاکستان میں ان کا داخلہ آسان نہیں ہوتا اورانھیں مستقبل میں اپنے فوجیوں اور سازوسامان کی حفاظت کیلیے دردسر نہیں اٹھانا پڑتا۔اتحادی افواج طالبان کو ختم کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں اوراب امریکہ کی گرد انکا حصار تنگ و گھیرا ہوچکاہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ امریکہ، کوئٹہ تا کراچی تمام اسٹیک ہولڈر کو اعتماد میں لینا ہوگا۔پاکستان کے مختلف شہروں میں دہشتگردی کی کاروائیاں، بلیک واٹر سیکرو کر امریکہ اپنی اس خام خیالی سے باہر نکل آئے کہ وہ چندہزار فوج افغانستان میں رکھ کر پورے خطے کو کنٹرول کرلیگا۔یا پھراپنے من پسند لوگوں کو مختلف صوبوں میں حکومتیں دلاکرپاکستانی اداروں کی مدد سے پاکستان سے باحفاظت نکل سکے۔ تحریک انصاف، خیبر پختونخوا، بلوچستان میپ، سندھ میں پی پی پی اور پنجاب ووفاق میں مسلم لیگ کوحکومتیں دلاکرامریکہ غلط فہمی کا شکار ہے ان کی پٹھو حکومتیں انکی باحفاظت رہائی کیلیے کوئی قابل عمل کردار ادا کرسکیں گے۔افغانستان

میں دو محاذ سے پاکستان کے خلاف حملوں کی منصوبہ بندی اور بھارتی جارحیت کیلئے ان
کو آشیر باد دینا،امریکہ کی باقی ماندہ معیشت کو بھی تباہ کردے گا۔ امریکہ ،پاکستان میں
ہونے والی دہشت گردی کے تقاضوں کو سمجھے اور اسکے لئے مثبت اور نیک نیتی سے
اقدامات کرے۔

پی ٹی آئی، کیا "پیٹی آئی" بن چکی ہے؟

فیس بک پر کچھ احباب اس طرح کے ریمارکس دیتے ہیں جو عوام کی ذوق او سیاست و سماجی شعور کی آگاہی کا درجہ بھی حاصل کر جاتے ہیں۔پاکستان کے تجربہ کار وزیر اعظم ابھی تک قوم سے خطاب نہیں کر سکے۔پاکستان کے وزیر اعظم جناب نواز شریف کی ایک تصویر پر تحریر لکھی ہوئی تھی۔"قوم سے خطاب کرنے سے نہیں گھبرا رہا، لیکن ابھی میرے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔اس پر کسی دل جلے نے وزیر اعظم کو سلیس انداز میں مخاطب ہوتے ہوئے کہا: "کھتے وڑ گیا تجربہ ؟؟"۔اسی طرح ایک دوسری تصویر پر نواز شریف صاحب پر جملہ کسا گیا کہ مسلمان مصیبت میں گھبرایا نہیں کرتے، بس قوم سے خطاب کرتے ہوئے تھوڑا سا گھبراتے ہیں۔" لیڈر آف ہاؤس کی پارلیمنٹ کے بارے میں ایک دل چسپ تبصرہ کچھ یوں لکھا گیا کہ "بے شرمی کی حد جہاں ختم ہو جاتی ہے وہاں سے ایک کلو میٹر آگے جا کر سیدھے ہاتھ پر پارلیمنٹ ہاؤس ہے۔" کچھ اسی طرح سونامی خان کے حوالے سے خیبر پختونخوا میں میرٹ کا ڈھنڈورا اور کرپشن ختم کرنے کے لبڑی لوڈ دعوؤں پر ایک خبر نے ہلچل مچا دی کہ "خیبر پختونخوا میں میرٹ !کی دھجیاں،. ہسپتالوں میں افطاری کا ٹھیکہ سرحد کیٹرنگ کو دے دیا گیا جس کا مالک کوئی اور نہیں تحریک انصاف کے ایم پی اے یسین خلیل کا بھائی ہے۔اس پر ایک

دوست نے لکھا کہ" تبدیلی کا آغاز اپنوں سے ہی ہوتا ہے۔ تبدیلی آ گئی ہے۔ مگر صرف اپنوں کے لئے"۔کچھ اسی سے ملتی جلتی خبر میڈیا میں آئی کہ افطاری کے بعد پشاور کے سب سے بڑے سرکاری لیڈی ریڈنگ ہسپتال میں ایک تیمار دار کو وہاں موجود ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر سے بات چیت کرنے کا موقع ملا تو صوبائی حکومت کی جانب سے مریضوں کیلیئے " افطار پیکٹ " جس کی قیمت 200 روپے تھی، کا ذکر شروع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب سے پوچھا گیا کہ ڈاکٹر صاحب " سنا ہے کہ مریضوں کیلیئے جو افطار پیکٹ آتے ہیں وہ آپ لوگ آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔"اتنا سنتے ہی ڈاکٹر صاحب غصے میں آ گئے۔کہنے لگے، دیکھو بچہ، یہ افطار پیکٹ وغیرہ مریضوں کیلیئے نہیں ہے بلکہ ہمارے لئے ہے۔ کیونکہ ہم ہی اس کے حقیقی حقدار ہیں۔ ہمارے انتہائی ذہین وزیر اعلی خٹک صاحب نے مریضوں کیلیئے افطار پیکٹ کا انتظام تو شروع کر دیا لیکن شائد ان کی عقل کو داد سے زیادہ کچھ دینا پڑے ۔ کیونکہ ہسپتالوں میں نوے فیصد مریضوں کا روزہ نہیں ہوتا اور ویسے بھی مریض اپنے علاج کی غرض سے روزہ نہیں رکھتے، نو کروڑ روپے فنڈ سے ہسپتالوں میں مفت افطاری کے نام پر لوٹ کھسوٹ تحریک انصاف کی تبدیلی کا بڑا پر فریب عمل ہے کہ قوم کی دولت لٹنے کے لئے نت نئے طریقے بھی ایجاد ہونگے، جنھیں یہ تبدیلی کا نام دیا کریں گے۔ لیڈی ریڈنگ ہسپتال، خیبر ٹیچنگ ہسپتال اور حیات میڈیکل سنٹر سمیت دیگر ہسپتالوں میں افطاری کے پیکٹ ہسپتال کے ڈاکٹر و اسٹاف بندر بانٹ کر لیتے ہیں۔اسی طرح مساجد میں نمازیوں کی حفاظت کیلیئے

نفری نہ ہونے کی خبر نے بھی ہلچل پیدا کردی کیونکہ ساری نفری پی ٹی آئی کے وزیروں کو تحفظ دینے میں مصروف ہیں۔جو سوتے رہتے ہیں اور سب جانتے ہیں کہ سونا کتنا قیمتی ہے۔خیبر پختونخوا کی عوام پہلے لالٹین کو کوستے تھے اب بیٹ اٹھا اٹھا کرایک دوسرے کے سر پر مارتے ہیں کہ انھیں ووٹ کو کیوں دلوایا گیا۔۔اب خیبر پختونخوا میں تحریک انصاف کی تعریف تو کرنی پڑی گی کہ ان کے پاس کتنے ذہین و فطینشخصیات موجود ہیں۔ اسی طرح ایک خبر اخباروں کی زینت بنی ."پشاور میں مردہ اور بچھڑوں کی کھلی عام فروخت ، انتظامیہ خاموش ، عوام کو 3 سے 4 دنوں کے بچھڑوں کو ذبح کرکے ان کا گوشت کھلایا جارہا ہے۔ کم عمر جانوروں کے گوشت کی فروخت بھی عروج پر ہے۔ بغیر تصدیق کے گوشت فروخت کرنے والوں کو کھلی چھوٹ ، ذمہ دار عناصر نے چند ٹکوں کی خاطر اپنے ایمان کا سودا کرلیا۔" خیبر پختونخوا کو رول ماڈل بنانے والوں کی جانب سے کتنی کوشش کی جارہی ہے یہ اس کا چھوٹا سا کرپشن کا مظاہرہ ہے۔امن وامان کے قیام حوالے سے تحریک انصاف کی صوبائی حکومت بالکل ناکام نظر آتی ہے حسب معمول پشاور میں دہشتگردوں کی فائرنگ سے ڈپٹی کمانڈر ایف آر پی زخمیجب کہ ان کے محافظ اور ڈرائیور جاں بحق ہوگئے۔اس پر کے پی کے انصاف پرست وزیر اعلی صاحب فرماتے ہیں کہ پولیس پر سے عوام کا اعتماد اٹھ چکا ہے۔اور یہ اسوقت تک بحال نہیں ہوگا جب تک تھانے کی سطح پر پولیس کا عوام کے ساتھ رویہ تبدیل نہیں ہوتا۔ایک اور خبر نے دل دہلا دیا کہ خیبر ایجنسی باڑہ اکاخیل سے اکیس

نامعلوم افراد کی قتل شدہ لاشیں برآمد ہوئیں تمام افراد کو گولیاں مار کر قتل کیاگیا،
کسی کی شناخت نہ ہو سکی ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ تحریک انصاف اپنے انتخابی وعدوں پر
عملپیرا ہونے کیلئے ابتدا کب کرے گی۔حالاں کہ پی ٹی آئی اچھی طرح جانتی ہے کہ
پختون قوم وعدہ خلاف سیاسی جماعتوں کو باربار موقع نہیں دیتی۔لیکن اسکے باوجود یہ
قول و فعل کے تضاد سے باہر کیوں نہیں نکل رہی۔ڈرون حملوں کو روکنے کیلئے تو پشاور
تا کراچی دھرنے دیا کرتی تھی اب گونگی کیوں ہوگئیے کہ حکومت تو ان کی ہے، اپنی
بارڈر سے نیٹو سپلائی روکنے کا حکم کیوں نہیں دیتے۔ وزیراعلی ہاوس کو یونیورسٹی بنانے کا
دعوی صرف چند دن میں بھول گئے۔اب تو محترم صوبائی قیادت چھوڑنے کو تیار
نہیں، بھلا پر شکوہ عمارت کیسے چھوڑیں۔ خیر یوٹرن ماسٹر جن کے لیڈر ہوں ، انکے
حواریوں سے اسی قسم کی توقع رکھی جاتی جاسکتی ہے۔اب میرے کہنے کا یہ مقصد بھی نہیں
ہے کہ پی ٹی آئی چھڑی گھوماتے ہی سب کچھ ٹھیک کردے گی لیکن عمارت کی تیاری میں
کھڑا کئے جانے والا ڈھانچہ بتادیتاہے کہ اس عمارت کے خدوخال کیا ہو سکتے ہیں۔بھائی
خالی خولی باتوں سے کسی کا پیٹ بھرتا نہیں ہے ۔ میرٹ اور پارٹی الیکشن کے نام پر جس،
قسم کے افراد اسمبلیوں میں آئے ہیں ،ان کے نتائج سب کے سامنے آرہے
ہیں۔دردمندانہ درخواست ہے کہ اُوچھی سیاست اورماضی کی جماعت اے این پی کی
لنڈی لوڈ کی تقلید کرنے کے بجائے عوام کی خدمت پر توجہ مرکوز کریں ۔ ایک تو مسئلہ یہ
ہے کہ پٹی آئی کے سامنے کوئی

رول ماڈل بھی تونہیں ہے۔ اے این پی،کے پاس باچا خان بابا جیسی عظیم الشان ہستی کے افکار اور شخصیت ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن بذات خود ہی کافی ہیں لیکن مولانا مودودی صاحب جیسے نامور سپوت ہیں۔پی پی کے پاس کل بھی بھٹوزندہ تھا آج بھی بھٹو زندہ والا بھٹوہے۔ کسی نے پوچھاکہ بھٹو صاحب زکوۃ کس کو دیتے ہیں ۔رہ دے کے عمران خان ہی پی آئی کے پھٹا پوسٹر نکلا ہیرو ہیں۔ ان کے رہنماء جنرل حمید گل سے شجاع پاشا ہیں ،اورانکے بارے میں جوکچھ لکھا جاتا ہے ،میں تو رمضان کے احترام میں اسکاایک لفظ بھی نہیں لکھوں گا۔باقی آپ خود سمجھ دار ہیں۔ نواز شریف ،جماعت اسلامی،اوردیگر سیاسی جماعتیں دودھ میں دھلی نہیں ہیں ،لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ووٹ کے لئے جتنا جھوٹ پی ٹی آئی نے پختون اور پاکستانی قوم کے ساتھ بلا،ہلا ہلا کر بولا ہے دل تو چاہتاہے کہ اب اسی بلے سے جو یہ دوسروں کو چھینٹی لگانے کے فلک شگاف دعوے کرتے تھے ،ان کے یہی کارکن ان کے ایسے چوکے چھکے لگائیں کہ جسطرح ورلڈکپ کی ٹیم کی جیت پر تمام انعامات از خود شوکت خانم کودینیکا اعلان جذبات میں کردیا تھااوراپنے انتخاب میں شیر پر مہرلگانے کی درخواست کی تھی۔ اس جذباتی انسان سے کیا توقع رکھی جاسکتی ہے۔ تحریک انصاف اپنی کرپشن اور انتخابی وعدوں کوپورا کرنے کیلئے عملی اقدامات کرے۔ڈرون حملے،لوڈشیڈنگ،بم دھماکے روکنے کیلئے کچھ توکرے۔ ان کے بیانات سے توایسالگتاہے کہ جیسے نواز شریف کے بیانات ایوان زرداری اور عمران خان کے بیانات باچاخان مرکز سے جاری ہوتے

ہوں۔ ویسے انکے کرتوت دیکھ کر وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ پشاوری اس بار انھیں پانچ سال بعد نہیں بلکہ ضمنی الیکشن میں ہی چھٹیاں دلا دیں گے کہ، باز آجاؤ، جب ہم بلور خاندان جیسے لوگوں کا محاسبہ کرسکتے ہیں تو تم کس کھیت کی مولی ہو۔ ؟؟؟ یعنی پٹی ہو !

نئے بحران پیدا کرنے سے گریز کریں

عدلیہ کی جانب سے صدارتی الیکشن کے فیصلے پر بعض جماعتوں کی جانب سے صدارتی انتخابات کے حوالے سے ایک نیا سیاسی بحران پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ گو کہ تمام سیاسی جماعتیں عدلیہ کا انتہائی احترام کرتی ہیں اور حکومت کا کوئی ادارہ نہیں چاہتا کہ مملکت کے دیگر ستونوں کے ساتھ کسی قسم کی محاذ آرائی کا تاثر بھی جائے۔ عدلیہ سمیت تمام اداروں کی اولیں ترجیح ملک بھر میں عوام کی فلاح و بہبود کے حوالے سے کئے جانے والے اقدامات کو پھلنا پھولنا ہونی چاہیے۔ سسٹم کے استحکام اور اچھی حکمرانی وانصاف صرف اسی صورت بحال رہ سکتا ہے جب قانون کا احترام تمام ادارے اپنی حدود میں رہتے ہوئے کریں۔ ملک میں صدارتی انتخاب کے حوالے سے آئینی ترمیم کے بعد اس وقت مملکت کو 1980ء اور 1990ء کی دہائیوں جیسی صورتحال کا سامنا نہیں ہے کہ جب لوگ حکومت کی بساط الٹنے کے لئے صدر جانب سے دفعہ 58 (ٹو) بی کے استعمال کرنے کی آس لگاتے تھے یا پھر مارشل کے نفاذ کیلئے فوج کی طرف دیکھتے تھے۔ اب یہ دونوں راستے بند ہوچکے ہیں ۔ تمام ادارے جمہوری طریقے سے انتقال اقتدار کی جانب پرامن طریقے اور سیاسی تلخیوں کے باوجود تیزی سے گامزن ہیں۔ عوام ملکی استحکام و تبدیلی کی خوائش لئے ہر آنے والے دن ، خواب دیکھتی ہے۔ تمام اداروں کیذمے داری بھی

بنتی ہے کہ نظام میں استحکام لائیں۔ موجودہ حکومت تمام تر مشکلات کے باوجود اپنی آئینی مدت ذمے داری کے ساتھ پوری کرے۔ بحران بھی آتے رہیں گے، مسائل بھی پیدا ہوتے رہیں گے لیکن تمام سیاسی جماعتوں کو مستقل مزاجی کے ساتھ صبر و برداشت کا ماحول برقرار رکھنا ہوگا اور عوام کی خدمت کے وعدے کو ہر صورت پورا کرنا ہوگا۔ جب تک اداروں کے درمیان ہم آہنگی، سسٹم کے استحکام اور اچھی حکمرانی کے ذریعے ملک کی خدمت کے عزم کو کامل کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہ موجودہ حالات سے بددل اور مسائل و مشکلات میں گھرے ہوئے عوام اپنے لئے امید افزا امید رکھتے ہیں۔ ہمارا المیہ ہی یہ رہا ہے کہ مملکت کے باختیار ادارے اپنی اپنی حدود میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کے معاون و مددگار بننے کے بجائے اپنی خواہشات اور مفادات کی پاسداری کرنے لگ جاتے ہیں اور بعض سیاسی جماعتیں ایسے اپنی پوائنٹ اسکورنگ کے لئے استعمال کرتی ہیں جس سے عوام میں بے چینی اور بداعتمادی بڑھ جاتی ہے۔ مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ میں ہمیشہ ٹکراؤ کی کیفیت پیدا ہوتی رہی ہے جس سے نظام میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور پاکستان کی سرزمیں ام نا اتفاقیوں کی بناء پر ایک مدت تک بے آئین اور طالع آزماؤں کی آماجگاہ بنا رہا۔ حتیٰکہ دو ٹکڑے ہوگیا۔ مملکت کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ انتقال اقتدار کا مرحلہ پر امن طریقے سے ہوا اور اب صدارتی انتخاب بھی اسی عمل کے تحت ہونے جارہا ہے۔ تمام تر اعتراضات و خامیوں کے باوجود پاکستان پیپلز پارٹی اور ان کی اتحادی جماعتوں قابل تعریف

ہیں کہ پاکستان میں جمہوری عمل کو درست پٹری پر لانے کیلئے صبر کا دامن تھامے رکھا اور غیر آئینی قوتوں کو مداخلت کا جواز فراہم نہیں کیا۔ اس مرحلے پر افواج پاکستان نے پہلی بار ایسا کردار ادا کیا جو کسی بھی ترقی یافتہ اور باشعور عوام کی حفاظت کرنے والے ادارے کا کردار ہوتا ہےحکومتِ وقت پر اس وقت بہت ذمے داریاں عائد ہیں کیونکہ انھوں نے ہی اداروں کو مزید مضبوط بنانا اور ان کے درمیان ہم آہنگی کو فروغ دینا ہے۔ ماضی میں نواز و پی پی پی حکومت کا جو بھی طرز عمل رہا انھیں اب اپنی خامیوں کو خود ہی دور کرنا ہوگا۔ میڈیا اس وقت ایک اہم ستون کے طور پر حکومت کے تمام اداروں اور سیاسی جماعتوں کا بے رحم احتساب کرتا نظر آتا ہے، کیا ہی اچھا ہوتا کہ میڈیا اپنا احتسابی عمل بھی خود پر لاگو کرلے تاکہ میڈیا کی ساکھ عوام میں مثبت برقرار رہے۔ کسی ادارے کو اپنی انا کا مسئلہ بنائے بغیر تصادم اور محاذ آرائی سے بچنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ حکومتوں کی غلطیوں کا خمیازہ کسی فرد واحد کو نہیں بلکہ پوری قوم کو اٹھانا پڑتا۔ماضی کی پرویز مشرف کی خارجہ و داخلہ پالیسیوں کی بناء پر مملکت ایک ایسی جنگ میں اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہے جہاں ایسے اندرونی و بیرونی دونوں جانب سے خطرات کا سامنا ہے۔ افغانستان کی جانب سے بار بار الزامات اور بھارت کی جانب سے کشمیر و دیگر حساس سیکٹر پر بلا جواز اشتعال انگیز واقعات کے سدباب کے لئے تمام سیاسی جماعتوں اور اداروں کو ایک ملکی یکجہتی کے پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر اتحاد کا

مظاہرہ کرنا ہوگا۔ صرف نہ چلائے جانے والے ایٹمی ہتھیاروں کو ہاتھی کی دانت کی طرح دکھانے سے ملکی مسائل کم نہیں ہو جائیں گے۔ افغانستان اپنے داخلی مسائل اور بھارت اپنی مملکت میں علیحدگی پسند تحریکوں کو کچلنے کے لئے پاکستان کی آڑ لیتے ہیں اور پاکستان کی جانب سے تمام مثبت خیر سگالی کے جذبات کو یکسر سرد مہری کے نظر کر دیتے ہیں۔ جس سے خطے میں امن کے بجائے عدم استحکام کو ہی فروغ مل رہا ہے اور مہنگائی میں پسی ہوئی عوام کو اسلحے کی دوڑ میں متواتر پسا جا رہا ہے۔ بہ حیثیت قوم ابھی تک ہم صوبائیت، لسانیت کے گورکھ دھندے سے نہیں نکل پائے ہیں۔ وزیر اعظم نوز شریف کی جانب سے چھوٹے صوبوں میں پائی جانے والی اس احساس محرومی کے خاتمے کے لئے عملی اقدامات کرنا ہونگے۔ وزیر اعظم پاکستان کی جانب سے ابھی تک قوم سے خطاب نہ کرنے، قومی پالیسی کے تعین میں ناکامی اور انتخابات میں کئے گئے وعدوں کا پاس رکھنا اور انھیں پورا کرنا، عوام کے اعتماد کو جلا بخشے گا۔ دہشت گردی کے خلاف آل پارٹیز کانفرنس کے انعقاد میں ناکامی نے عوام میں دہشت گردی کے خلاف حکومتی دعوؤں پر عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے تو دوسری جانب تحریک انصاف کی جانب سے محض پوائنٹ اسلورنگ کے لئے اے پی سی میں عدم شرکت کی تاویل حیران کن ہے کہ قوم سے کئے جانے والے وعدے اگر پارلیمنٹ میں موجود سیاسی جماعتیں نہیں کریں گی تو پھر عوام سے دہشت گردی کے خلاف سخت موقف اپنانے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر دہشت گردی کے خلاف کسی متفقہ پالیسی میں کسی

بھی شخص یا ادارے کو کوئی تحفظات ہیں تو پھر قوم کو اس سے آگاہ کیا جائے۔ محض بیانات پر اکتفا کرنے کے بجائے ملکی کو درپیش مسائل کے حل کیلئے اپنی تجاویز کو قوم کے سامنے لائیں، ابھی اقتدار کے نئے، مرحلے کے لئے سب کو پانچ سال انتظار کرنا ہوگا۔ ہر سیاسی جماعت کو اپنے مینڈیٹ کے تحت عوام کی خدمت کا فرض سونپا گیا ہے۔ اس روگردانی قوم کے ووٹ سے اور آئین سے غداری کے مترادف قرار دیا جائے گا۔ لسانیت، صوبائیت اور فرقہ واریت کے آسیب کی دنیا سے باہر نکل کر مملکت کو نئے بحرانوں سے بچانے کے لئے مثبت و اجتماعی جدوجہد میں ہی کامیابی ہے۔اس کے باوجود ہمیں اپنی ذمے داریوں کا احساس نہیں ہوا تو تاریخ، سنبھلنے کیلئے بار بار موقع نہیں دیتی۔ مملکت کی وحدت پارہ پارہ ہوچکی ہے۔ایسے یکجا کرنے کیلئے مل کر ہی کوشش کرنا ہوگی۔اندرونی خلفشار سے بیرونی طاقتیں ہی فائدہ اٹھاتی ہیں، ہمیں مصر، لبنان، شام اور عراق کی مثال اپنے سامنے رکھ کر ایک بار سوچنا ضرور ہوگا۔ہوسکتا ہے کہ پھر موقع نہ ملے۔

مولانا عبدالحمید بھاشانی، مولانا غلام بخش ہزاروی آپ سچ کہتے تھے

طلباء و نوجوانوں میں پھیلنے والے اضطراب کا کیا حل ہے ؟۔اس سوال کا جواب تلاش کرنیکے لئے ہمیں کسی اہم شخصیت سے رائے یا ڈگری لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ہمیں اب یہ سب کچھ اپنے قرب و جوار میں باآسانی نظرآ جاتا ہے۔ چونکہ ہم زیادہ تر سیاسی و سماجی مسائل پر گفت وشیند کے عادی بن چکے ہیں تو اس لئے اس کا جواب دینے کی دلیل میں ہمیں سیاسی جماعتوں کے کارکنان کی ایک بڑی ایسی تعداد نظر آتی ہے جو شب و روز، اپنے لیڈروں کیلئے نعرے لگانے، بینر لگانے اور شہر کی دیواریں کالی کرنے کے علاوہ سیکورٹی اداروں کے سامنے احتجاج کی صورت میں ڈنڈے کھاتے اور جیل میں بھی جاتے گھبراتے نہیں ہیں۔ جبکہ اس کے متضاد ان ہی نوجوانوں کے لیڈر ان کے بل بوتوں پر اپنے لیڈری چمکانے کیلئے کبھی مفاہمت کے نام پر، تو کبھی قومی مفاد کے نام پر اپنے اختلافات ختم یا پھر مفاہمتوں میں ڈیڈ لاک پیدا کرکے خبروں کی زینیتں بن کر اپنے مفادات کو پورا کرنے کیلئے قوم کو قربانی کا بکرا بنانے سے نہیں چوکتے۔۔برطانیہ نے ہندوستان میں : پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو"کے آزمودہ اور تیر باہدف فارمولے پر عمل کیا اور سینکڑوں سال مسندِ ہندوستان کا تاج سر پر سرکھ کر جاتے جاتے بھی ہندوستان کی لنگوٹی ، کوہ نور لیکر و تفرقہ چھوڑ کر چلا گیا۔ کرم خوردہ پاکستان کو پا کر ہم

مسلمان اس بات پر خوش تھے کہ اب ہمیں گورے انگریز، ہندو بنیا و سامراجی قوتوں سے نجات مل گئی اور اب ہم آزادی کیساتھ اپنی زندگی بسر کریں گے۔ لیکن جب پاکستان نے سات سمندر پار اپنا کاسہ امریکہ کے سامنے گندم کے حصول کیلئے پھیلایا تو کسی نے بھی نہیں سوچا تھا کہ امریکہ پاکستان کی پالیسوں پر اس قدر حاوی ہو جائے گا کہ وزیر اعظم ہاوس میں چپڑاسی کی نوکری بھی وائٹ ہاوس کی مرضی کے بغیر نہیں لگائی جاسکے گی۔پاکستان بننے کے بعد بھارت کی پیش گوئیاں سب کے سامنے تھی کہ پاکستان کے نام پر حاصل کئے جانے والا ملک چند سالوں میں ختم ہوجائے گا اور اس کے دو نظریئے کی بنیادیں سمندر میں ڈھے جائیں گی۔ امریکہ کی واضح پالیسی رہی ہے کہ بے شک پاکستانی بن کر تم لوگ اس خطے میں رہو لیکن غلام میرے ہی بنے رہو۔ہم سب " امریکی بنیا کے مقروض بن چکے ہیں آنے والا دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے امریکہ کا غلام پہلے اور" پاکستانی بعد میں پیدا ہوتا ہے۔ سی آئی اے امریکی مفادات کے لئے کام کرتی اور کرنا بھی چاہیے کیونکہ حساس ادارے ہوتے ہی اس لئے ہیں کہ اپنی مملکت کی بقا کے لئے اندرونی و بیرونی خطرات کا مقابلہ اور لائحہ عمل طے و عمل کرسکیں۔ مولانا عبدالحمید بھاشانی نے 1969 میں اپنے انٹرویو میں کہا تھا کہ "وہ (سی آئی اے) یہاں پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کے فارمولے پر عمل کر رہی ہے۔ہمارا ملک غریب ہے۔ تھوڑا پیسا مل جائے تو ایجنٹ بن جاتے ہیں۔ہم نے ایشیا افریقہ میں کئی سامراج دیکھا، مگر امریکہ جیسا مریکہ سامراج آج تک نہیں دیکھا، وہ

تو چاہتا ہے کہ ہم سب مقروض رہیں، اس ملک میں رہیں لیکن اس کا غلام بن کر رہیں۔ یہ تو exploitation میں برٹش سامراج سے بھی آگے بھی بڑھ گیا ہے۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ ایسی پالیسیوں اور اعمال سے خود امریکہ میں زلزلہ پیدا ہوگا اور ایسا خوفناک کہ شاید خدا امریکہ میں اپنا حساب کتاب اس دنیا میں ہی ختم کردے۔ CIA کے بارے میں ایک بیان میں دے چکا ہوں اور میرے پاس اس کا مسودہ محفوظ ہے جس میں سی آئی کے مشرقی پاکستان کو الگ کرنے کا منصوبہ درج ہے۔ سی آئی اے نے مختلف سیاسی عناصر اور افسروں کی مدد سے مشرقی پاکستان سے مشرقی پاکستان، بھوٹان، آسام کو ملا کر ایک خود مختار ملک بنانے کے لئے یکم اگست 1969ء کی تاریخ مقرر کی تھی۔ اس کے لئے وہ کئی برس سے سرگرم کار تھی لیکن بین الاقوامی معاملات اور کچھ پاکستان کے اندرونی حالات کے باعث اس کا یہ منصوبہ شرمندہ تکمیل نہ ہو سکا۔" مولانا عبدالحمید بھاشانی 1969ء میں جب یہ انٹرویو دے رہے تھے تو شاید انھوں نے بھی مستقبل کا آئینہ دیکھ لیا تھا کہ مشرقی پاکستان کو توڑنے والے خاموش نہیں بیٹھیں گے اور بالآخر مشرقی پاکستان کو ہم سے الگ کرکے بنگلہ دیش بنا دیا گیا اور اس " کارشر" میں پاکستانی غداروں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ چند دنوں بعد چودہ اگست بڑی دھوم دھام سے منائی جائے گی، لیکن ہمیں اس دن کو یوم آزادی کے بجائے " یوم شرمندگی "کے طور پر منانا چاہیے کیونکہ ہم آج تک قیام پاکستان کی غرض و غایت کو اَپنا تو کیا، سمجھ بھی نہیں سکے۔ مشرقی پاکستان کو جس طرح پاکستان

سے الگ کیا گیا۔ آج بھی وہی مناظر ہمیں کراچی سے لیکر کوئٹہ، پشاور اور ملک کے طول و عرض میں نظر آتے ہیں۔ جناب مولانا غلام بخش ہزاروی سے جب یہی سوال طلباء و نوجوانوں میں پھیلنے والے اضطراب کا کیا حل ہے ؟۔" دوہرایا گیا تو انکا بڑا معنی خیز جواب سامنے آیا کہ " طلبا کو غیر ملکی ایجنٹوں کے اشارے پر اسلامی جمعیت طلبہ یا دوسرے ناموں سے کوئی جماعت قائم کرنے کی اجازت نہ جائے، لیکن جو طالب علم اور ان کی انجمنیں غیر ملکی تعلقات سے بَری ہیں۔ ان کی دینی اور ملکی خدمات پر کوئی قدغن نہ لگائی جائے، بلکہ ان کے مطالبات منظور کرکے ان کی عزت افزائی کی جائے کیونکہ مستقبل میں یہی قوم کے معمار بننے والے ہیں۔" انھوں نے انٹرویو دیتے ہوئے اس کی مزید وضاحت کی کہ " میرے خلاف مودودی جماعت، ضمیر فروش افراد اور موشے دایان گروپ نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ میں سوشلسٹ ہوں، میں بیسوں بار اس کی تردید کرچکا ہوں لیکن اپنی مخصوص اغراض کی خاطر یہ رٹ لگائے چلے جارہے ہیں۔ اب میں مودودی صاحب کو چیلنج کرتا ہوں کہ اس امریکہ نے یہود کو ہوائی جہاز دے کر ستر کروڑ مسلمانوں کی غیرت کو چیلنج کیا ہے۔ میں سوشلزم اور کیمونزم کے خلاف تقریر کرونگا اوہ امریکہ سے سفارتی اور تجارتی منقطع کرنے کیلئے نہ صرف حکومت پاکستان بلکہ تمام مسلم ممالک سے مطالبہ کریں۔ اس طریق کار سے نہ کوئی مجھے سوشلسٹ کہہ سکے گا اور نہ مودودی جماعت کو امریکہ کا ایجنٹ اور مسلمانوں کی وقتی ضرورت بھی پورا ہوجائے گی"۔ جناب مولانا غلام بخش ہزاوری

نے یہ انٹرویو بھی 1969ء میں محمود شام صاحب کو ہی دیا تھا۔ مولانا صاحب نے ایک بات قابل غور کی کہ "ایک صاف بات جو حقائق پر پڑا ہوا پردہ ہٹا سکتی ہے یہ ہے کہ ہر ادارہ، ہر وہ جماعت یا ہر وہ عالم جو امریکی سیاست کو اسلام دشمنی کی وجہ سے بُرا سمجھتا ہے اس کے خلاف مودودی جماعت جھوٹا پروپیگنڈا شروع کر دیتی ہے۔ خاص کر اس کی نگا کرم جمعیت علما سلام اور اس کے کارکنوں اور اس کے اداروں پر ہے۔ آج بھی اگر ہم غور کریں تو پاکستان کی یہی صورتحال ہے۔ فروعی مفادات کے خلاف کام کرنے والوں کو ملک دشمن اور جھوٹے پروپیگنڈے کے ذریعے عوام سے دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ عوام کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ تو دوسری جانب مولانا عبدالحمید بھاشانی کی پیش گوہیاں حرف بہ حرف درست ثابت ہو چکی ہے کہ خدا، امریکہ سے دنیا میں ہی اس کے ظلم و ستم کا حساب کر رہا ہے، اس کی معیشت تباہ و برباد، خوف کا یہ عالم کہ افغانستان میں حکومت کے بجائے امریکہ اور اس کے اتحادی بھاگنے کیلئے بہانے تراش کر ایک بار پھر پاکستان توڑنے کی سازشیں کر رہے ہیں۔ یہ بات اب کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہی ہے کہ امریکہ پاکستان میں صوبائیت، لسانیت اور فرقہ واریت کو پروان چڑھا رہا ہے اور نئے پاکستان و افغانستان و شام کا نقشہ بھی عراق کی طرح بنا چکا ہے۔ واقعی مولانا آپ سچ کہتے تھے۔ تاریخ بہت تلخ لیکن سچی ہے۔

! اسلامی نظام تعلیم کیخلاف صہیونی سازشیں۔ ذرا آپ بھی سوچئے

اسلام باحیثیت دین مکمل ضابطِ حیات کا عکاس ہے اس لئے اسلام نے جو آئیڈیالوجی پیش کی وہ زندگی کے تمام شعبوں ، سیاست ، اخلاقیات، معاشرت ، معاشیات اور تعلیم پر محیط ہے۔پاکستان کے ایک معروف چینل " جیو " میں " ذرا سوچئے "کے عنوان سے سلسل پروگرام کچھ عرصہ قبل نشر کیا جاتا رہا جس میں مغرب کو تعلیم کی جانب اور اہل اسلام کو عیش و عشرت اور صرف تعمیرات کی جانب راغب دیکھانے سے غلط فہمی پیدا ہوتی تھی ۔اب سپریم کورٹ میں میڈیا رپورٹ کمیشن میں جب اس پروگرام پر براہ راست الزامات لگے، (کرپشن کے الزامات عموعی طور پر ثابت نہیں ہوتے) تو اس پرگرام کے رخ کو تبدیل کرلیا گیا اور اب مسلمانوں کی جانب سے ایجادات و تعلیم کے فروغ کیلیئے کاوشوں کو نشر کئے جانے لگا۔ زیر نظر مضمون ایسی تناظر میں اختصار کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے کہ خدارا ذرا سوچئے ۔آج اسلامی نظریہ حیات دورِ جدید کے دو بڑے نظریات اشتراکت اور سرمایہ دارانہ کے سامنے چیلنج بنے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں ۔ کبھی لارڈ میکاولے کا نظام مسلمانوں پر لاد دیتے ہیں ، تو کبھی مسلم ممالک پر چڑھائیاں کرکے ان کی معیشت کو اس قدر کمزور کردیتے ہیں کہ جدید تعلیم کے حصول کے بجائے دفاع کے لئے سارا سرمایہ خرچ ہونے لگتا ہے۔ مسلم ممالک کو

دہشت گردی کا شکار بنا دیا جاتا ہے تو صرف سرکاری اسکولوں کو بموں سے نامعلوم دہشت گردی کے ہاتھوں تباہ کیا جاتا ہے تو پرائیوٹ اور حیا باختہ تعلیم دینے والے فری میسن کے حلف یافتہ پرائیوٹ اسکول ان دہشت گردی کے نشانوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ اسلام کی آفاقی سوچ و فکر سے خائف دوہرا نظام تعلیم مسلمانوں کیلئے متعارف کرایا گیا جس کی وجہ سے مسلمان دورِ جدید کے علمی تقاضوں سے خود دور نہیں ہوا بلکہ سوچی سمجھی سازش کے تحت دور کرادیا گیا۔آغازِ اسلام میں قرآن و حدیث ، فقہ و ہیت ، علم الانساب ، خوشنویسی وغیرہ شامل نصاب تھے۔نبی اکرم ﷺ کے دور میں عربی زبان اور قرآن مجید نصاب کا حصہ تھے ۔ خلفائے راشدین کے دور میں تفسیر، حدیث، علم الانساب ، اسماء الرجال ، عربی محاوارت اور جغرافی شامل تھے ۔عباسی دور تک پہنچتے پہنچتے نصابِ تعلیم قرآن، قرات و تفسیر ، فقہ ، خطاطی، جغرافیہ ، تاریخ، ریاضی، جغرافیہ ، علم نجوم ، نظم ، گرامر، کیمیا، فن تعمیر ، سنگ تراشی ، عسکری فنون، صنعتی فنون اور فن خطابت شامل ہوگئے۔جب اسلامی سلطنت وسیع ہوئیں تو مساجد کے ساتھ مکاتب نے لے لی، سرکاری اور نجی تعلیمی ادارے کھلے گئے علوم کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا.بڑے.بڑے کتب خانے قائم ہوئے۔امام غزالی پہلے مفکر تھے جنھوں نے لازمی اور اختیاری ، مضامین کے تصور سے آشنا کیا اور علوم شرعیہ کیساتھ علوم دنیویہ کو شامل نصاب کرکے فنی اور پیشہ وارانہ تعلیم کو باقاعدہ رواج دیا۔بابائے عمرانیات ابن خلدون نے علوم کی دو قسمیں د

یں۔پہلے طبعی علوم یا علوم عقلیہ ، طبعی علم میں منطق ،حساب ، ہیئت ، موسیقی ، طبعیات الہیات دوسرے تقلیدی علم یا علوم نقلیہ میں تفسیر ، قرات ، حدیث ، فقہ اصول فقہ ، ، علم االکلام ، لغت ، صرف و نحو، اور ادب کے ساتھ پیشہ وارانہ علوم مثلا موسیقی ، مصری، نقاشی ، فن حرب غیرہ بھی نصاب میں تجویز کئے۔ سلطان محمود غزنوی کے زمانے سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور حکومت تک ..برصغیر پاک و ہند میں فارسی سرکاری زبان رہی، ایران کے بعد ہندوستان کو فارسی کا گھر سمجھا جاتا تھا۔ یہ ماننا قطعی غلط ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے تعلیم کیجانب توجہ نہیں دی ۔ شمالی ہندوستان میں کوئی ایسا بڑا شہر اور تمدنی مرکز نہیں تھا جسے ہندو تہذیبی اقدار کا سرچشمہ قرار دیا جا سکتا۔ تعلیم مندروں میں پاٹ شالوں میں دی جاتی تھی۔ڈاکٹر سی پی رائے نے مسلم علی گڑھ یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ "یہ صحیح نہیں کہ مسلمان ہندوستان میں آکر صرف بس گئے۔ وہ لباس زرین جو مسلمانوں نے ہندوستان کی دیوی کو پہنایا ، اگر اتار لیا جائے تو وہ کیسی بد نما لگے گی۔" سر جادو ناتھ سرکار اپنی تصنیف "انڈیا تھرو دی ایجز" میں اعتراف کرتے ہیں کہ "کتابوں کی نقل کرکے تقسیم کرنے اور علم کی عام اشاعت کے رواج کیلئے ہم اسلامی اثرات کے رہن منت ہیں ورنہ پرانے ہندو تو اپنی لکھی کتابوں کو خفیہ رکھنا پسند کرتے تھے ۔ غزنوی عہد کے دو سو برس (۹۷۶ء تا ۱۱۸۶ء) میں ماوراالنہر توران) اصفہان وشیراز اور دوسرے علمی مراکز سے عالموں کی بڑی تعداد جمع ہو گئی) تھی۔

جن میں ابو ریحان البیرونی، فردوسی، عنصری، فرخی، مسعود، سعد سلیمان، اور عسجدی قابل ذکر ہیں۔ مساجد کیساتھ مدارس کی تعمیر مسلم حکمرانوں کی روایت رہی ہے۔ محمود غزنوی نے عظیم الشان کتب خانہ تعمیر کرایا اگر یہ مدرسہ علاؤالدین جہاں سوز کی آگ سے جل کر تباہ نہ ہوتا تو یقیناً اس کی اہمیت آج کے جامعہ ازہر سے بڑھ کر ہوتی۔ سلاطین دہلی کے عہد میں بھی کثرت سے مساجد و مدارس تعمیر ہوئے۔ قطب الدین ایبک اور اس کے جانشین التمش کے عہد حکومت میں " مدرسہ معزی" کی تاسیس و تعمیر ہوئی جسے قرامطہ نے رضیہ سلطانہ کے عہد میں یورش کرکے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ فیروز شاہ تغلق نے اس برباد شدہ مدرسے کو از سر نو بحال کرکے حصول مرکز بنایا۔ رضیہ سلطانہ نے اپنے عہد میں شہزادہ ناصر الدین کے نام سے "مدرسہ ناصریہ" بنایا یہ بھی زمانے کی دست برد زمانہ سے نہ بچ سکا۔ ناصر الدین نے بھی طبقات ناصری کے نام سے بڑا تعلیمی ادارہ قائم کیا۔ علاؤالدین کے دور میں درگاہ نظام الدین اولیاء کی مسجد اور مدرسے کی دانش گاہیں تھیں۔ محمد تغلق نے شہر دہلی آباد کیا تو اس نے مدرسے اور مساجد بھی تعمیر کیں۔ تغلق دور کا سب اہم مدرسہ "مدرسہ فیروز شاہی" تھا۔ یہ ایک عظیم الشان ہندوستان کی پہلی تکنیکی تعلیم کا کامیاب تجربہ تھا جہاں تفسیر، حدیث، فقہ، فلسفہ، ہیئت اور ریاضی کے علیحدہ شعبے جات تھے۔ فیروز شاہ نے سلطان خلجی کے " حوض خاص "پر تاریخی مدرسہ قائم کیا۔ سکندر لودھی نے آگرہ میں مساجد بنوائیں۔ اسنے ہندوستان، توران، خراسان

اور بلاد اسلامیہ سے طبیبوں کی ایک ایسی جماعت کو یکجا کیا جنھوں نے فن طب پر مستند کتاب مرتب کی جو طب سکندری کہلائی۔ جون پور فیروز تغلق کے نام پر آباد علم و فن کا اہم مرکز بنا۔ جون پور میں "مدرسہ بی بی راجہ بیگم "کے نام سے بڑی تعلیم گاہ تھی جو امتداد زمانہ تباہ ہوئی۔ سلاطین مشرقی نے نئے نئے مدرسں کا اضافہ کیا، "اٹالہ مسجد اور مدرسہ "ہندوستان کا اہم تعلیمی ادارہ تھا۔ محمد شاہ بہمنی دوم نے ایک بڑی علمی درسگاہ مدرسہ محمود گاواں "کے نام سے قائم کی۔ مغلیہ دور میں اکبر نے بڑے بڑے شہروں" میں مدرسے قائم کئے جہاں علوم و فنون کی ترویج درجہ کمال کو پہنچ گئی تھی۔ ابوالفضل نے نصاب کی جو تفصیل لکھی ہے اس کے مطابق علم الحساب، علم الہندسہ، فن زراعت، علم المساحت، علم ہیت، رمل، معاشیات، انتظام ملکی، طبعیات، منطق، ریاضیات، الہیات اور تاریخ کی شعبوں میں ہندو مسلم ملکر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ شاہ جہاں نے مدرسہ دارلبقا" کے نام سے عظیم الشان مدرسہ قائم کیا۔ اورنگزیب کے دور" میں "مدرسہ رحیمیہ" شاہ ولی اللہ کے والد عبد الرحیم نے عہد ساز تعلیمی ادارہ قائم ہوا۔ بد قسمتی سے چودھویں صدی میں کے آخری عشرے میں تیمور اور منگولوں نے جو تباہ کاریاں میں مالی، جانی اور ادبی نا قابل تلافی نقصان پہنچایا۔ اسی طرح انگریزوں نے ہندوستان پر قبضے کے بعد دہلی، آگرہ اور مسلمانوں کے دوسرے علمی اور ثقافتی مراکز کو تباہ و برباد کردیا۔ لاکھوں گراں قدر کتابیں ضائع ہوئیں۔ انگریزوں نے سینکڑوں سال کی محنت سے لکھے جانے

والا قیمتی اثاثہ چُرا لیا جو آج بھی یورپی کتب خانوں کی زینت ہیں اور آج بھی بڑی بڑی علمی درسگاہوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ سر سید احمد خان کے علی گڑھ دارلعلوم کو قائدِ اعظم نے اسلامی ہند کا اسلحہ خانہ اور اس کے طلبہ کو بہترین سپاہی قرار دیا تھا۔ انگریزوں نے دوہرا نظام تعلیم متعارف کرایا جس کی وجہ سے مسلمان دور جدید کے تقاضوں کے مطابق خود کو جلد نہیں ڈھال سکے۔ اس کے علاوہ برطانیہ، امریکہ اور دیگر یورپی ممالک نے فلاح انسانیت کے بجائے فساد فی الارض کے لئے تباہی کا سامان ایجاد کیا۔ تمام تعمیری ایجادات مسلمانوں کی ہیں۔ جدید سائنس کی بنیاد مسلمانوں نے رکھی۔ آج مسلمان تعلیم کیجانب متوجہ نہیں ہیں کیونکہ ایسے خانہ جنگیوں، بدامنی، دہشت گردی اور ملکی بغاوتوں میں الجھا دیا گیا ہے۔ معاشی طور پر مضبوط مسلم حکومتیں عیاشیوں میں مصروف ہیں۔ ترقی پذیر مملکتیں معاشی الجھنوں و مفاہمتی سیاست و تعلیم پر مجرمانہ عدم توجہ کا شکار ہیں۔ سینکڑوں اسکول شدت پسندوں نے تباہ کرڈالے۔ مسلم دنیا کو اقوام عالم پر ماضی کی طرح فکری تسلط چاہیے تو انھیں تعلیم کی ترویج پر توجہ دینا ہوگی جو اصل اسلامی اساس ہے۔ ہم موجودہ مدارس کو جدید تقاضوں کیمطابق ہم آہنگ کرکے مسلم امہ کی شان و شوکت بحال کرکے اسلام کیخلاف تعلیمی سازش ناکام بنانا ہوگا۔ تعلیمی فروغ کے لئے اپنے اسلاف کی پیروی کریں۔ کیونکہ یہی واحد حل ہے، غلامی سے نجات کا۔ مغرب کے گن گانے سے بہتر ہے کہ اربوں روپے غریب بچوں کو تعلیم کیلئے فراہم کریں۔۔

پاک ، امریکہ سٹریٹیجک ڈائیلاگ یا احکامات ؟؟

اقوام متحدہ کی جانب سے جاری کردہ حالیہ اعداد و شمار کے مطابق جولائی کو عراق میں اب تک سب سے بدترین مہینہ قرار دیا گیا ہے ۔ اس رپورٹ کے مطابق اس مہینے میں عراق میں ہونے والے پر تشدد واقعات میں 1057 افراد اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ۔ جس میں 928 شہری تھے جبکہ پر تشدد واقعات میں 2326 افراد زخمی ہوئے جس میں اکثریت شہریوں ہی کی تھی ۔ رپورٹ کے مطابق سال 2013 کے آغاز سے اب تک عراق میں 4137 شہری ہلاک اور 9865 سے زائد زخمی ہو چکے ہیں۔امریکہ کے وزیر خارجہ جان کیری کی پاکستان آمد پر حکمرانوں نے خوشی کا اظہار کیا اور ایسے اپنے لئے "باعث فخر" سمجھا۔ دراصل تین سال بعد امریکہسٹریٹیجکٹ ڈائیلاگ کرنے نہیں بلکہ پاکستان کو احکامات دینے آیا تھا کہ ڈرون حملے بند نہیں ہونگے ، ایران سے گیس لائن پر بھی کوئی سمجھوتہ اور نظرثانی بھی نہیں ہوگی ۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انکل سام نے یہ بھی فرما دیا کہ افغانستان سے امریکہ و نیٹو افواج 2014 کے بعد بھی موجود رہیں گی۔ ویسے بھی امریکہ کی تاریخ رہی ہے کہ اس نے جس ملک پر بھی جارحیت کی اور پھر وہاں سے اپنے فوجیوں کی واپسی کا اعلان کیا تو اس کا مطلب کبھی یہ نہیں رہا کہ وہ اپنی نوآبادی کو اتنا کثیر سرمایہ خرچ کرنے کے بعد دوبارہ خالی چھوڑ جائے گا۔ زر ، زمین ، عورت پر فساد

کی اصطلاح اور محبت وجنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے ، کافی مشہور ضرب المثل ہے۔پاکستان میں امریکی وزیر خارجہ جان کیری کی آمد پر خوشی کے شادیانے بجائے گئے سرخ کارپیٹ پر اپنی پلکوں کو بچھا کر استقبال کیا گیا۔ جیسے امریکہ لارڈان کی گود بھر دے ، گا۔ اجڑی مانگ میں سندور ڈال کر انھیں پھر سے بھاگوان بنا دیگا۔ لیکن جناب محترم نے پاکستان کو صاف جواب دے دیا۔ امریکہ تین سال بعد نیٹو سپلائی پاکستان کی جانب سے روکتے جانے کے بعد سٹریٹیجکٹ ڈائیلاگ کی بحالی کیلئے نہیں بلکہ امریکی صدر اوبامہ کی جانب سے واضح احکامات دینے آیا تھا کہ پاکستانیوں تمھیں امریکی احکامات کا پالن کرنا ہوگا۔امریکہ نے پاکستان کی اس خوشی پر بھی پانی انڈیل دیا کہ تم لوگ خواب غفلت میں ہو کہ سالوں سال لڑائی جانے والی جنگ میں اربوں ، کھربوں ڈالرز خرچ کرنے کے بعد وہ افغانستان سے خواہ مخواہ خالی ہاتھ اپنے ستر ارب ڈالرز کے ساز و سامان کو تباہ کرنے کے بعد واپس چلا جائے گا۔ ایسا سوچنا یقینا ہماری خام خیالی ہے۔ عراق پر کیمیاوی ہتھیاروں کی موجودگی کا بہانہ بنا کر ابھی تک امریکی جارحیت جاری ہے تو دوسری جانب افغانستان میں اسامہ بن لادن کی تلاش کے نام پر لاکھوں بے گناہ پختونوں کے خون سے پاکستان اور افغانستان کی سرزمین سرخ کرنے والے امریکہ سے کس بات کی توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ کسی جمہوری روایات یا انسانی اقدار کا خیال رکھے گا ؟۔ ایسا سوچنے والے یقینی طور پر اب جان گئے ہونگے کہ مصر میں عوامی حکومت کو فوجی انقلاب

کے ذریعے الٹنے کے پس پشت امریکہ کا ہاتھ تھا۔ کیونکہ امریکہ نے اپنے حالیہ بیان میں واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ "مصر میں جمہوریت کو بحال کرنے کیلئے فوج کو حکومت کا تختہ الٹنا پڑا"۔ لہٰذا پاکستان میں آنے والی اور گزرے جانے والی تمام حکومتوں میں امریکی اثر و رسوخ کا ایک اہم نظارہ گذشتہ دنوں، تحریک انصاف کے چیئر مین عمران خان کی جانب سے چوری چھپے امریکی سفیر سے ملاقات تھا، اگر نجی چینل اس کو نمایاں نہ کرتا تو یقینی طور پر چوری سے کی جانے والی ملاقات کبھی بھی عوام کے سامنے ظاہر نہیں ہوتی۔ امریکہ اپنی جنگ پاکستان پر مسلط کرنے کے بعد ڈو مور کے مطالبات سے کبھی پیچھے ہٹا ہی نہیں۔ پاکستانی حکمرانوں کو امریکی مطالبات کے آگے ہمیشہ سر جھکانے کے عادت جو پڑ گئی ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کسی بات کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے کہ امریکہ اسلام پسندی کا انتہائی مخالف اور نائن الیون میں صدر امریکہ کیجانب سےصلیبی جنگ شروع کرنے کے اعلان پر بڑی شد و مد سے عمل پیرا ہوا جا رہا ہے۔ امریکہ صرف اپنی من مانی چاہتا ہے۔ اس کا بھی ایک مظاہرہ امریکا نے روس کی جانب سے ایڈورڈ سنوڈن کو عارضی سیاسی پناہ دینے کے فیصلے پر اپنے سخت رد عمل پر کیا امریکی ری پبلکن کے سینٹرز تو روس کے اس فیصلے پر انتہائی برہم نظر آتے ہیں اور انھوں نے ایسے امریکیوں کی تذلیل قرار دیا ہے۔ جبکہ خود دنیا بھر میں دوسرے ممالک کے خفیہ راز حاصل کرنے کیلئے ایسے جائز اور جاری رکھنے کو ضروری سمجھتا ہے پھر امریکہ بھلا پاکستان میں اسامہ بن لادن کو

پناہ دینے والے عناصر کی کھوج سے کیونکر باز رہ سکے گا جبکہ وہ جانتا ہے کہ اسامہ کو نہایت با اثر حلقوں نے اپنی چھتری میں پناہ دے رکھی تھی۔ بلاشبہ امریکہ، صرف مسلمانوں کی تباہی چاہتا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک انسانی جان کی قیمت کم اور ہیروشیما و ناگاساکی پر گرائے جانے والے بموں کی قیمت زیادہ ہے۔ اقوام متحدہ کی حالیہ ایک تازہ رپورٹ کے مطابق افغانستان میں شہری ہلاکتوں کی تعداد میں گذشتہ سالوں کی با نسبت تیزی سے اضافہ دیکھنے کو ملا ہے۔ رواں برس جنوری سے جون تک ایک ہزار تین سو انیس افراد ہلاک اور ڈھائی ہزار کے قریب زخمی ہوئے ہیں۔ 2012 کی پہلی ششماہی میں ایک ہزار ایک سو اٹھاون افراد ہلاک اور ایک ہزار نو سو چھتر زخمی ہوئے تھے۔ نو فیصد ہلاکتیں افغان سیکورٹی فورسز اور نیٹو افواج کے ہاتھوں ہوئیں جبکہ بارہ فیصد شہری سیکورٹی فورسز اور عسکریت پسندوں کے دوران زمینی جھڑپوں کے دوران ہلاک ہوئے۔ امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی ترجمان میری ہارف کا کہنا ہے کہ افغانستان میں شہری ہلاکتوں میں اضافہ اس لئے ہو رہا ہے کیونکہ سیکورٹی فورسز، طالبان کے خلاف زیادہ کاروائیاں کر رہی ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ اس صورت حال میں شہری ہلاکتوں میں اضافے سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ یہ امریکہ کی جانب سے پہلا ایسا بیان نہیں ہے کہ معصوم شہری ان کے ہاتھوں اس لئے ہلاک ہوتے رہیں کیونکہ ان کے نزدیک سب ہی ان کے دشمن ہیں، ڈرون حملوں میں جاں بحق ہونے والوں کی تعداد سب سے زیادہ بے گناہ معصوم افراد کی ہے جس میں بچوں کی

تعداد سب سے زیادہ ہے۔ بعض حلقوں نے اس بات کی نشاندہی بھی کی پاکستان میں اس کی من پسند حکومت میں دیگر تبدیلیاں بھی امریکہ کی مرضی کے مطابق کی جائیں۔ سربراہ پاک فوج کو اپنے عہدے میں تجدید ملے گی یا نہیں، کچھ عرصے میں یہ بھی سامنے آجائے گا۔ ویسے بھی موجودہ پاک فوج کے سربراہ نے پاکستان میں ہونے والی نوزائیدہ جمہوریت کے راہ میں بامشرف روڑے اٹکانے سے گریز ہی کیا ہے۔ لیکن ایسا ہم اب یہ سوچیں کہ فوج کا اقتدار میں دوبارہ آنا ناممکن ہے تو یہ بھی بڑی خوش فہمی ہے، امریکہ کی جانب سے مصر کے حوالے سے واضح پالیسی بیان آچکا ہے کہ اگر فوج جمہوریت کو بچانے کے لئے کردار ادا کرنا چاہیے تو امریکہ ایسے بُرا نہیں سمجھتا۔ لہذا ہمارا آئین یا عدالتی نظام یا بیوروکریٹس صرف نظریہ ضرورت کو سمجھتے ہوئے سب کچھ دھڑلے سے الٹ سکتی ہے اور یہ کوئی بعد از قیاس بھی نہیں ہے کہ امریکہ جو چاہتا وہی ہوتا ہے۔ لہذا پاکستانیوں کو امریکہ کی غلامی سے آزادی کے لئے ذہنی طور پر تحریک پاکستان جیسی عملی جدو جہد کی تیاری کے لئے تیار ہو جانا چاہیے، کیونکہ پاکستان امریکہ کی نو آبادی بن چکا ہے اور تحریک پاکستان میں انگریزوں کی غلامی سے آزادی کیلئے جس طرح تن، من دھن کی بازیاں لگائی گئیں تھیں اب اس وقت قریب آچکا ہے۔

2014ء جنگ آزادی کا سال ہے۔ سینکڑوں سال امریکہ کی غلامی میں رہنا قبول ہے تو گھر بیٹھ کر امن کی آشا کے گیت گاتے رہو کیونکہ سکھایا بھی اور سکھایا بھی یہی جا رہا ہے۔ مسئلہ صرف پاکستان کا نہیں ہے بلکہ

افغانستان ہو، ایران ہو یا بھارت، ان سب کا تعلق صرف پاکستان سے ہے۔

... تم سے نہیں، اپنوں سے ڈر لگتا ہے

پاکستان میں دہشت گردی کی مثال ایک ایسے بھڑیئے کی ہے جیسے خونخوار بنانے والوں نے اپنے سائے تلے اپنوں کا خون فراہم کیا۔ بھڑیئے کے منہ پہ لگے خون کے داغ خود ہمیں اپنی آستین میں لگے نظر آ جائیں گے۔ ہم نے خود بھڑیئے کو سر اٹھانے کا موقع دیا اگر بھڑیئے کا سر اٹھانے سے پہلے کاٹ دیا جاتا تو آج وہ ہماری بکریوں کا پیٹ چاک نہ کرتا۔ جو عوام اپنی مملکت میں اپنوں کے ہاتھوں محفوظ نہ ہو، وہ قوم اپنی سرحدوں کی حفاظت بھی نہیں کر سکتی۔ عوام کو اس قدر کمزور کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنی کلائیموڑنے والے کی گرفت سے آزادی کی قوت بھی نہیں رکھ پا رہی۔ وہ مملکت تباہ و برباد ہوا جایا کرتی ہیں جس میں شر پھیلانے والے اپنا شر پھیلانے میں اس مصروف ہوتے ہیں کہ انھیں اس بات کی پرواہ بھی نہیں ہوتی کہ بچھو بھی ڈنک مارنے کے بعد اپنے بل میں واپس آ جاتا ہے۔ دہشت گردی ملک کا پہلا مسئلہ بن چکی ہے یا صنعتی ترقی کیلئے توانائی کی ضرورت، اب عوام کے سامنے جان و مال کا غم ہے تو دوسری جانب خود پر اپنے ہاتھوں مسلط کئے جانے والوں حکمرانوں کی وجہ سے رزق کی تنگی کا عذاب کے ہاتھوں، اطمینان کی نیند بھی میسر نہیں۔ پاکستان کی داخلہ پالیسی سازوں نے اپنے حکمت عملیوں سے دوست کم اور دشمن زیادہ بنا لئے ہیں۔ اور یہ بات یقینی

ہے کہ وہ دشمن تازہ دم اور دوست زخمی ہوگا جس کے دشمن دوستوں سے زیادہ ہونگے ۔بقول شیخ سعدی ۔حذرا کن زپیکار کمتر کسے ، کہ از قطرہ سیلاب ویدم بسے ("کم درجہ کے آدمی سے لڑنے سے بچ اس لئے کہ بسا اوقات میں نے قطرہ سے سیلاب بنتا دیکھا ہے۔")۔تاریخ پاکستان میں یہ بات دیکھنے کو نمایاں ملے گی کہ ہم نے اپنے دوستوں کے انتخاب میں ہمیشہ قوم کو دھوکا دیا کیونکہ ہمیں خارجہ پالیسیوں میں اپنے ذاتی مفادات کی وجہ سے دھوکہ ہی ملا۔ زمینی حقائق کے برخلاف پاکستان کی پالیسی سازوں کی کوتاہ بینی نے اپنے جسم سے جڑے حصوں کو ہی اپنا دشمن بنا دیا۔آج خیبر پختونخوا، بلوچستان اور سندھ کسی اور کی آگ میں نہیں بلکہ اپنے ہاتھوں اُس آگ میں جھلس رہے ہیں جیسے ہم نے وقتی مفاد کے خاطر ٹھنڈ میں پڑنے والی سردی سے بچانے والی آگ سے ہاتھ سانپے جیسا سمجھا تھا، آج اُسی آگ کی چنگاریاں ہرے بھرے جنگل میں اڑ جا گری ہیں جس وجہ سے پوری مملکت میں صوبائیت، فرقہ واریت، لسانیت کی آگ کے لپیٹے آسمان کو چھو رہے ہیں۔ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو رہی کیونکہ ہم نے مرض سمجھنے کے بجائے ، بغیر تشخص دوائیوں کے تحت وقتی افاقے کی روش جو اپنا لی ہے۔رمضان کا مہینہ امان کا ماہ احترام ہے۔ جس کی پابندی ہر مکتبہ فکر ومذہب کی جانب سے ہمیشہ کی جاتی رہی ہے ۔ امت مسلمہ کا کوئی دور اتنا پر آشوب نہیں گذرا، جتنا موجودہ وقت گذر رہا ہے۔ امت مسلمہ نے بڑے کڑے اور سخت وقت دیکھے ہیں لیکن آج جس قدر مسلم امہ کو مطعون قرار دیکر دنیا کے کونے کونے میں عالمی

استعمار کے ہاتھوں زخمی کیا جارہا ہے ایسا کبھی دیکھنے کو نہیں ملا تھا کہ ایک مسلم مملکت تکلیف میں ہو اور دوسری مسلم قوت خاموشی سے بیٹھ جائے کہ دار رسی کی طاقت رکھنے کے باوجود بھی، خود کو مفلوج سمجھتی

ہو۔ مصر، ترکی، لیبیا، شام، یمن، عراق، افغانستان اور پاکستان عالمی استعماری قوتوں کے ہاتھوں بے بسی کی تصویر نظر آتے ہیں۔ مسلم ممالک کی پہلی ایٹمی قوت رکھنے والے پاکستان کو اس قدر کمزور کردیا گیا ہے کہ اب اس کے سامنے سمندر میں تیرنے کیلئے یہی راستہ بچا ہے کہ وہ اپنی پیٹھ پر لادے بوجھ کو سمندر میں پھینک کر اپنے آپ کو بچائے یا پیٹھ پر رکھے بوجھ کے ساتھ خود بھی تھک ہار کر بُرد ہوجائے۔ پاکستان کے ناتوان جسم پر بڑا بوجھ اس وقت ہی رکھ دیا گیا تھا جب پاکستان میں مسلم ممالک کی سربراہ کانفرنس ہوئی اور پاکستان ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کے قابل ہوگیا۔ پاکستان کی کمر پر ایک بوجھ افغان جنگ میں عالمی طاقتوں کے درمیان پنجہ آزمائی میں رکھ دیا تھا کہ خود پاکستان نے خیال نہ رکھا کہ اس کا حتمی نتیجہ کیا ہوسکتا ہے۔ پاکستان کی پیٹھ پر بوجھ اس کے حکمرانوں نے رکھا جب نائن الیون کا ملبہ افغانستان پر گرا اور نہ چاہتے ہوئے بھی پاکستان نے اس گراں بوجھ کو اپنے کندھوں پر اٹھانے کی بے وقوفی کر ڈالی۔ آج پھر پاکستان ایسے بوجھ کو اپنی کمر پر لادے گہرے سمندر میں اکیلا تیراکی کر رہا، جس میں اسے ساحل دکھائی نہیں دے رہا اور اس کے بازو اب بوجھ اٹھائے اٹھائے شل ہوتے نظر آرہے ہیں۔ بے مقصود کی جنگ میں دنیا

کو فتح کرنے کا خواب دیکھنے والوں کی تعبیر سے فائدہ اٹھانے کی سوچ نے پاکستان میں ایسے بھیڑوں کو جنم دے دیا کہ اب ان کے سامنے منزل بھی کچھ اور اور رہنماء بھی کچھ اور ہیں۔ بے گناہ انسانوں کا قتل، معصوم محنت کشوں کو بسوں سے اتار کر چن چن کر شہید کرنا، کسی بھی جنگ میں روا نہیں ہیں۔ کیا کہا جائے کہ کسی مسلم کو اس کی مسجد میں عین عبادت کے دوران، کوئی خود کو مسلمان کہلانے والا ہی نقصان پہنچائے، ایک مسلمان کس طرح گوارا کر سکتا ہے کہ محنت کش جو رزق حلال کے لئے اپنے گھر، بال بچوں سے سینکڑوں کلو میٹر دور آتا ہو اور ایسے صوبائیت کے نام پر مار ڈالا جاتا ہو، اسلام کی ایسی تعلیمات بھلا کس مسلم نے پائی ہو گی؟۔ کیا خود کش دھماکوں کا سیاسی مخالفت سے بھی اسلام کا رشتہ ہے کہ کسی سیاسی جماعت کے نام لیواؤں کو مارا جاتا ہو۔؟۔ کیا فرق ہے فدائین اور خود کش میں، کہ سمجھ نہ آتا ہو کہ اب کونسا ایسا اصول بچا ہے کہ گناہ گار اور بے گناہ میں تخصیص بھی نہ کی جاتی ہو۔ کیوں ہم صرف یہ سوچتے ہیں کہ ایسا سب کچھ کوئی اسلام کا نام لیوا کر رہا ہے ؟۔ کیا اسلام اور پاکستان کو خاک میں ملانے والوں نے ماضی میں کی جانے والی سازشیں چھوڑ دیں ہیں کہ ہم اپنے ملک میں اپنے ہی لوگوں کو اب ان کا آلہ کار بننے سے نہیں روک پا رہے۔ ماضی میں سازشیں کرنے والے اپنی کامیاب ہوتی سازشوں کے بعد مزید جنونیت کے ساتھ آج بھی مصروف عمل ہیں، ان کے ایجنٹ، خونخوار بھیڑیئے کے روپ میں ہماری کمزور ہوتی معیشت کا خون پینے

میں مشغول ہیں۔ کمزور عوام کا پیٹ چاک کر کرکے حکمران صرف اپنے پیٹ کو پالنے کی فکر میں بتلا ہیں۔ چہرے بدلنے سے نظام نہیں بدلتا، نظام جب ابلیست کا ہو تو شر رکنے کی توقع کرنا عبث ہے۔ عوام کی سوچ اس نہج پر جا پہنچی ہے کہ جب ان کی مملکت ان کی حفاظت کرنے میں ناکام ہوچکی ہے تو خدانخواستہ اگر ملکی سرحدوں پر دشمن کی یلغار ہوئی تو کیا ان میں اتنی قوت ہوگی کہ جنگ کے اس عمل کو سختی سے ناکام بنانے میں کامیاب ہوجائیں ؟۔ایک مملکت ایک قوم، ایک ملت کے تصور کے بغیر سرحدوں کی حفاظت نہیں کی جاسکتی۔جب کہ ملک کے اندر عرصہ سے گوریلا جنگ لڑی جارہی ہو اور اس جنگ میں عوام خاموشی کے ساتھ اپنا کردار ادا کرنے کے بجائے آسمان کی طرف دیکھنے میں مگن ہوں کہ انھیں بچانے کیلیے کوئی اور مخلوق آئے گی۔

کراچی میں طالبان عدالتی نظام

کراچی میں اس وقت پاکستانی عدالتی نظام کے متوازی طالبان عدالتی نظام مختلف علاقوں میں قائم ہو چکے ہیں اور کراچی کے ان حساس علاقوں میں باقاعدہ طالبان عدالتیں قائم کرکے فیصلے بھی دے رہے ہیں اور اپنے احکامات و فیصلوں پر عمل درآمد کرانے کے لئے اپنی رٹ بھی قائم کئے ہوئے ہیں۔ کراچی کے مختلف علاقوں میں طالبان کا سب سے اہم اثر و رسوخ ، کواری کالونی، سلطان آباد ، اسلامیہ کالونی ، پیرآباد، پختون آباد ، رشید آباد ، نیو سلطان آباد ، کیماڑی ، مچھر کالونی ،پٹھان کالونی، بنارس کالونی ، فرنٹئیر کالونی ، دیر کالونی ، عثمان غنی کالونی ، عمر فاروق کالونی ، پہاڑ گنج ،اجمیر نگری ، میٹرول، اتحاد ٹاؤن، طوری بنگش کالونی، شیرپاؤ کالونی، لانڈھی داؤد چورنگی، سہراب گوٹھ، گلشن معمار ، منگھوپیر سمیت کئی اور غیر معروف علاقوں میں موجود ہے۔ طالبان ان علاقوں میں دفاتر صبح و شام کام کرتے ہیں تو دوسری جانب سیکورٹی اداروں کی جانب سے شدت پسندوں کی گرفتاری کی اطلاعات بھی منظر عام پر آتی ہیں لیکن اس سے حالات میں کسی قسم کی تبدیلی رونما نہیں ہو رہی ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ ان علاقوں کے رہائشی اپنے علاقائی و گھریلو مسائل کے حل کیلئے بھی باقاعدہ درخواستیں دیتے ہیں جہاں موقع پر ان کے درخواستوں پر عمل درآمد کرایا جاتا ہے۔ کراچی میں طالبان کی

جانب سے عدالتی نظام اب باقاعدہ عوامی مسائل حل کر رہا ہے اور خواتین کی بڑی تعداد اپنے گھریلو مسائل کے حل کیلئے بھی ان دفاتر کی جانب رخ کرتی ہیں۔ کراچی میں پہلے مرحلیکے طور پر پختون گنجان آباد آبادیوں میں طالبان کا اثر قائم کیا جاچکا ہے اور کراچی کی کوئی بھی ایک ایسی آبادی نہیں ہے جہاں طالبان کا اثر و نفوذ موجود نہ ہو۔طالبان اس سے قبل افغانستان میں امریکی جنگ کی بناء پر پاکستان کے اہم شہروں اور گنجان آباد علاقوں کی جانب راغب ہوئے اور آخری پناہ گاہ کے طور پر کوئٹہ ، کراچی کے ایسے علاقوں کو منتخب کیا جہاں پہلے سے لسانی کشیدگی اپنے عروج پر تھی۔ لسانی کشیدگی کی بناء پر سیاسی پوائنٹ اسکورنگ کیلئے سیکورٹی اداروں کی جانب سے کسی بھی ممکنہ آپریشن کو روکوا دیا جاتا تھا، لیکن ان سیاسی عناصر کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ یہ آگ ان کے اپنے گھروں کو بھی جلا سکتی ہے۔ کراچی میں بد قسمتی سے ایسے عناصر اپنے جگہ بنانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں جو عرصہ دراز سے ترقیاتی محرومی کے شکار طبقے کو احساس محرومی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ کراچی کی قدیم آباد آبادیوں کو کچی آبادی ہونے کے سبب کم و بیش تمام حکومتوں نے نظر انداز کیا اور وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کی بنا پر ایسے عناصر کو پنپنے کا موقع ملا جنھیں اپنے ذاتی مفادات کیلئے ان آبادیوں کو استعمال کرنا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد سے آباد آبادیاں جب ترقیاتی طور پر وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کا شکار بنی تو عوام کے درمیاں سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مختلف

قومیتوں کے درمیان غلط فہمیوں نے جگہ پانا شروع کردیں۔ عوام کی جانب سے مناسب نمائندگی کے تصور نے بھی کچی آبادیوں کی محرومی کو دور نہیں کیا اور سالوں سال گذر جانے کے باوجود قدیم آبادیاں زندگی کی بنیادی ضروریات سے محروم ہوگئیں۔ ہسپتال، سرکاری اسکول، ڈسپنسریاں، پارک، میدان، کیمونٹی سینٹر پختہ گلیاں سڑکیں، گندے و صاف پانی کا انتظام اور اسٹریٹ لائیٹس جب صرف پختہ آبادیوں تک محدود ہوگئیں تو بتدریج ان کچی آبادیوں میں کسی خورد رو پودے کی طرح ناجائز تجاوازت اور بنا کسی پلاننگ کی آبادی کاری کے سبب آمد و رفت کے تمام راستے بند ہوتے چلے گئے اور ان آبادیوں کی شکل ایک ایسے جنگل کی طرح ہوگئیں جہاں سے آنے جانے کا کوئی راستہ واضح نہیں تھا کہ ایسے کسی پختہ آبادی کے مثل قرار دیا جاسکتا۔ اس سبب عوام کے اس بڑے طبقے میں لسانی، فرقہ وارانہ اور دیگر گروہ بندیوں کو پنپنے میں دشواری کا سامنا نہیں ہوا۔ ترقی نہ ہونے کے سبب اور عوام کے اس بڑے حلقے کو تعلیم و صحت نہ ملنے کی وجہ سے لاکھوں کی تعداد میں ایسے بچے، نوجوانی کی عمر سے بڑھاپے کی جانب گامزن ہوئے جن کے لبوں پر نئی نسل کی آبیاری کیلئے اپنے احساس محرومی اور طبقاتی شکوے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ قانون نافذ کرنے والوں اداروں کی جانب سے ان علاقوں سے چشم پوشی ان عناصر کے لئے جنت نظیر بن گئی جو کسی نہ کسی طور اپنے ناپسندیدہ فعل کے سبب قانون نافذ کرنے والے اداروں سے چھپنے کے لئے محفوظ پناہ گائیں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ کراچی ان محروم آبادیوں

میں محنت کش طبقہ ، جہاں اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کی بناپر صدائے احتجاج بلند کرتے تو انھیں مسلسل نظرانداز کئے جانے کے سبب اب کالعدم مذہبی جماعتوں نے کراچی کی صرف پختون آبادیوں میں ہی نہیں بلکہ کراچی کی تمام کچی آبادیوں میں اپنا مضبوط نیٹ ورک قائم کرلیا ہے۔طالبان کی جانب سے پختون آبادیوں میں عدالتی نظام کا رائج کئے جانا دراصل حکومت کی جانب سے ان آبادیوں کی محرومیوں کو بھی نظرانداز کئے جانے کا ردعمل ہے۔کیونکہ مشاہدے میں یہ بات سامنے آچکی ہے کہ بلدیاتی نظام کے طرح پنچائتی سسٹم پر ان علاقوں کے رہائشیوں کو اعتراض نہیں ہے کیونکہ ان کے مسائل اور گھریلو جھگڑے بغیر کسی وکیل یا مہنگے اور سست پاکستانی عدالتی نظام کی بہ نسبت جلد اور فوری حل ہو رہے ہیں۔جب ضیاالحق کے مارشل لاء میں اسلام کے نام پر روس زار کے خلاف مجاہدین صف آرا ہوئے تو خود امریکہ کو بھی یقین نہیں تھا کہ ایک دن ایسا بھی آسکتا ہے کہ اس کے تربیت یافتہ پسندیدہ طالبان اس کے خود اتنے شدید مخالف بن جائیں گے کہ اس کا وسطی ایشا ممالک ، ایران اور چین کو زیر کرنے کا خواب ادھورا رہے گا لہذا جب 11/9 کے واقعے کے بعد امریکہ کو دخل اندازی کا سنہرا موقع ملا تو اس نے ایک لمحے کا انتظار کئے بغیر نیٹو سمیت اپنی مسلح افواج کو افغانستان کی سرزمین میں اتار دیا اور پاکستان کی امریکہ نواز حامی حکومت جس کی پہلی بنیاد جنرل ایوب کے مارشل لاء کے بعد اس کے حواریوں، جنرل یحی، جنرل ضیاء الحق اور جنرل مشرف نے پالیسی جاری رکھ

کر پرائی جنگ میں 34 لاکھ سے زائد افغانیوں سمیت ہزاروں پاکستانیوں کو جھونک دیا۔ جس کا فطری نتیجہ امریکہ مخالف جذبات کی شکل میں نکلا۔ جیسے جہادی تنظیموں نے بھرپور اپنے مفادات کے لئے استعمال کیا اور اسلام کے نام پر سرشار ہونے والے سادہ لوح مسلمانوں کو مسالک، فقہ، شریعت اور دین کے نام پر.بروا ختہ کرکے امریکہ سے فروعی مفادات حاصل کئے جاتے رہے۔ نیٹو سپلائی سے قبل متعدد ایسے امور سامنے آئے جس نے سب کو سوچنے پر مجبور کردیا کہ حکومتی ایسے عناصر جو کل تک امریکہ نواز پالیسوں کے ہمنوا رہے اب قوم کو حقائق سے بے خبر رکھ کر ایسے عوامل مصنوعی طور پر رونما کر رہے ہیں جس کے سبب عوام آنے والے اہم اور خطرناک خطرے سے اس وقت آگاہ ہو جب پلوں سے پانی گذر جائے۔ پاکستان کے قیام کے بعد سے لیکر آج تک کسی حکومت نے اپنی غلطیوں سے سبق حاصل نہیں کیا اور ملک کے دو لخت ہونے کے باوجود نوکر شاہی کے طرز عمل میں تبدیلی کا کوئی عنصر نہیں پایا گیا۔ جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے کہ ملک کو درپیش خطرات کا ادراک کرنے کے بجائے ملک کی تمام سیاسی، مذہبی جماعتیں اقتدار کے حصول کی رسہ کشی میں مصروف ہیں۔ آج بھی وقت ہے کہ افغانستان میں در اندازی، حقانی گروپ، کوئٹہ میں طالبان شوری کی موجودگی اور جنوبی وزیرستان میں جہادی کیمپوں کو بنیاد بنا کر پاکستان پر حملہ کیا جا سکتا ہے اور یہ تمام امور کسی سے پوشیدہ بھی نہیں ہے۔ بلوچستان کی ناگفتہ صورتحال کو اگر کنٹرول نہیں کیا گیا تو بنگلہ دیش کے طرح امریکہ کو بلوچستان اپنے

مفادات کے حصول کیلئے اہم بیس میسر آ جائے گا اور افغانستان میں بیٹھ کر چین ، ایران اور وسطی ایشاکے مہالک کو کنٹرول کرنے کے ساتھ ساتھ پاکستان کی ناک میں نکیل ڈال دیگا۔ ہمیں ان خطرات ، اور ماضی کی غلط پالیسوں کا ادارک کرکے اقتدار کی رسہ کشی کے بجائے اخوت ، اتحاد اور ملی قومی جذبے کا عملی مظاہرہ کرنا ہوگا کیونکہ پاکستان ہوگا تو سب کچھ ہے۔ ہماری سیاسی ، شخصی ، اجتماعی اور انفرادی آزادی پاکستان کی بقا سے وابستہ ہے۔ کوئی قوم جب غلام بن جاتی ہے تو صدیاں لگتیں ہیں اس کو خوئے غلامی سے نکالنے کیلئے ، لہٰذا اپیل ہے کہ بلا امتیاز رنگ و نسل ،مذہب پاکستان کی سلامتی کے لئے تن من دھن سے یکجہتی کا مظاہرہ کریں۔ کیونکہ یہ ناگزیر ہے ہمیں اپنا فرض ادا کرنا ہے کہ تمام اختلافات پس پشت ڈال کر کس طرح بیرونی خطرات کا مقابلہ کیا جاسکتا

ہے۔ کراچی میں طالبان کی جانب سے عدالتی نظام پر حکومت کی جانب سے خاموشی بھی ایک لمحہ فکریہ ہے کہ بھلا ملک بھر کی ایجنسیوں کی موجودگی کے باوجود کس طرح طالبان کراچی میں اپنے قدم جمانے میں کامیاب ہوچکے ہیں۔ ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ عرصہ دراز سے محروم طبقہ اپنے مسائل کا حل چاہتا ہے۔ایسے اپنے مسائل کا حل جہاں سے ملے گا وہ اس جانب تیزی سے راغب ہونگے۔ سرکاری مراعات مخصوص علاقوں تک محدود ہونے کے سبب ،ان احساس محرومی کے شکار علاقوں میں طالبان کے قدم مضبوط کرانے کا بھی سبب بنا ہے۔ عوام کے دیرینہ مسائل حل کئے بغیر کسی بھی قوت سے مقابلہ ممکن نہیں۔

فلم سنسر بورڈ کا متعصبانہ و مجرمانہ کردار

پاکستانی اور پشتو فلموں کی زبوں حالی کا نوحہ و گریہ کرتے کرتے میرا قلم کند ہو چلا ہے لیکن پشتو فلمیں بنانے والے پختون ثقافت و روایات کے برخلاف اپنے من مانی اور بے حیائی کے کارنامے سرانجام دینے میں مصروفِ عمل ہیں۔ یہاں تک کہ میں اپنے گذشتہ کئی کالموں میں پشتو فلموں میں غیر پختون طوائفوں کی جانب سے پختون ثقافت و روایات کی پامالی و فحاشی پر صدائے احتجاج اس قدر بلند کرتا رہا کہ اس کی گونج نگار خانوں، سنیما گھروں میں بیٹھے فلم بینوں تک اس انداز میں جا پہنچی کہ کسی بھی عریاں سین پر " قادر، کو بتاؤ، قادر خان آجائے گا "کی صدائیں بلند ہوتیں اور فلم اسٹاروں کے پرستار اپنے مخالففلم بینوں کی پھبکیوں پر کھسیایا جاتے۔ فلم اسٹاروں کی کئی تنظیموں نے فلموں میں پختون ثقافت کیخلاف برپا فحاشی پر میرا ساتھ دیا اور اپنے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ میرے کالموں نے کئی ہدایتکاروں اور فلم سازوں کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ اگر عوام کی جانب سے ماضی کی طرح " بیگم جان " جیسی فلم پر اشتعال انگیزی پیدا ہوئی تو یہ بچے کچے سنیما بھی نہیں بچیں گے۔ نامور پشتو فلمی ہیروز کی جانب سے مجھے دھمکیاں تک دیں گئیں لیکن میں نے سچ کا اظہار کرنے سے گریز کی راہ اختیار نہیں کی، یہیں پر کچھ نامور ہیروز نے وعدہ بھی کیا

کہ آئندہ آنے والی فلموں میں عریانیت و فحاشی کیساتھ پختون ثقافت کے برخلاف فلمیں بنانے سے گریز کیا جائے گا۔ان کی پرستار تنظیموں نے بھی وعدہ کیا کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا، میں نے کراچی میں موجود فلم سنسر بورڈ کے واحد پختون رکن عمر خطاب سے عید سے کچھ دن پہلے تفصیلی گفتگو میں شکایت کی کہ آپ لوگ فحش پشتو فلموں کو اجازت نامے کس طرح جاری کردیتے ہو، جب کہ ایسی روایات ہمارے پختون معاشرے میں موجود نہیں ہے، انھوں نے عاجزی سے جواب دیا کہ کہ نہیں، جب سے میں آیا ہوں، اس کسی فلم کو اجازت نامہ فراہم نہیں کیا۔اُس وقت پشاور اور سوات میں فلم لوفر"اور بھنگئے لیونے"کے ٹریلر مقامی طور پر سی ڈی میں چل رہے تھے، سنسر بورڈ کی" رکن کا اصرار تھا کہ انھوں نے ان فلموں کو اجازت نامے نہیں دیئے اور اب تک یہ فلمیں سنسر کیلئے بھی ان کے پاس نہیں آئی ہیں۔سی ڈی پر چلنے والے ٹریلر اور کیبل آپریٹرز پر ان کا اختیار نہیں ہے اس لئے ان کی ذمے داری پیمرا پر عائد ہوتی ہے۔میں نے ان کا استدال تسلیم کرتے ہوئے استدعا کی چونکہ بقول ان کے وہ سنسر بورڈ کے واحد پختون رکن ہیں اور ان کی اجازت کے بغیر پشتو فلموں کو سنسر کی اجازت کوئی اور نہیں دے سکتا اس لئے، گذارش ہے کہ وہ پختون ثقافت و روایات کے خلاف بننے والے عریاں و فحش فلموں کی حوصلہ شکنی کریں، جس کا انھوں نے وعدہ بھی فرمایا۔لیکن عید سے ایک دن قبل جمعرات کے روز پشتو فحش فلم "لوفر" اور قربانی کو سنسر بورڈ نے نمائش کیلئے اجازت فراہم کردی اور پوری دنیا نے

دیکھا کہ ان فلموں میں انتہائی بے ہودہ ڈانس و فحاشی موجود تھے۔اس سے قبل بھی میں اپنے کئی کالموں میں بتاچکا تھاکہ پشو فلمیں سنسر بورڈ کی اجازت کے بغیر بھی نمائش پذیر ہوتی ہیں اور حکومت چشم پوشی سے کام لیتی ہے۔پشاور اور سوات سرکٹ میں اخلاق باختہ فلموں کی نمائش کی ایک بنیادی وجہ پشاور کے سابق حکمران جماعت کے ایک اہم سیاسی رہنما کیذاتیسنیما گھر تھے جہاں برہنہ انگلش فلموں سے لیکر فحش پشتو فلموں کی نمائش بغیر سنسر ایک عام سی بات تھی۔اس بار کے پی کے کی جانب سے عید کے ایک ہفتے بعد ریلیز ہونے والی پانچ فلموں ، لوفر، بھنگئی لیونے،قربانی،زما ارمان اور شرق پرپابندی عائد کردی تو کراچی میں سنسر بورڈ کو بھی ہوش آیا اور مقامی سنیما میں چھاپا مار کر جہانگیر خان پر فلمایا گیا ہدایت کار ارباز خان کی قربانی فلم کاایک عریاں وفحش نمائش پذیر رقص قبضے میں لے لیا اور دو لاکھ روپے جرمانہ عائد کردیا۔عمر خطاب سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ اسلام آباد مرکزی سنسر بورڈ کراچی کے علاوہ نمائش کیلئے اجازت نامے دیتا ہے لیکن جب ذرائع سے اس بات کی تصدیق کی تو پتہ چلا کہ اسلام آباد میں مرکزی سنسر بورڈ غیر فعال ہے اور کراچی سے ہی فلموں کی نمائش کے حقوق جاری کئے جاتے ہیں۔بہرحال سنسر بورڈ نے یہ وطیرہ بنالیا ہے کہ پشتو فلموں میں کام کرنے والی پنجابی طوائفوں کے عریاں و فحش ڈانسوں اور نام نہاد پشتو ہیرو کے بے ڈھنگے اسٹائل کو پشتو فلموں کے ذریعے اجازت دیکرایک غیور قوم کو بدنام کیا جائے۔ چند

روپوں کے عوض اپنا دین ایمان و غیرت فروخت کرنے والے سنسر بورڈ کو صرف رشوت سے غرض ہے۔ مجھ سے پشتو فلموں کے سب سے مصروف ہیرو شاہد خان نے کہا کہ پشتو فلموں نے پاکستانی فلم انڈسٹری کو سنبھالا ہوا ہے تم اس کو بند کرانا چاہتے ہو۔ سنسر بورڈ کے قابل قدر عمر خطاب نے بھی فرمایا کہ تمھاری جدوجہد اس وقت ہی کامیاب ہو سکتی ہے جب پشتو فلم انڈسٹری بند کرا دو (یعنی سنسر بورڈ کچھ نہیں کر سکتا) ۔ میرا جواب ان دونوں اور تمام سنسر بورڈ کے ساتھ ان عریاں پشتو فلموں کے کرداروں سے ہے کہ صرف پشتو بولنے والا پختون نہیں کہلاتا بلکہ پختون ثقافت کی حفاظت کرنے والا ہی دراصل پختون ہے۔ میں اسلامی نقطہ نظر کی بات ہی نہیں کر رہا کیونکہ اسلام میں تو ان باتوں کی اجازت ہی نہیں ہے۔ لیکن جب بہ حیثیت قوم اپنی روایات پر گنڈاسہ چلاتے رہوگے تو کوئی سر پھرا کچھ بھی کر سکتا ہے۔ پھر میڈیا لاکھ شور مچاتا رہے لیکن ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ پشتو فلموں میں دکھائے جانے والے اخلاق باختہ مناظر ، شاہد خان ، ارباز خان ، جہانگیر خان، ارشد خان کی خاندانی میراث تو ہو سکتے ہیں لیکن پختون معاشرے میں ایسا کچھ نہیں ہے کہ فحش رقص کے ساتھ نیم لباس ہو کر پوری قوم کیلئے شرمندگی کا باعث بنیں۔ اس پورے عمل کا باقاعدہ ذمے دار سنسر بورڈ ہے، جو چند روپوں کی رشوت کے عوض ایک غیور قوم کو پوری دنیا میں بدنام کرتا ہے۔ کیا ایسی فلمیں بنانے اور نمائش کے لئے اجازت نامے دینے والے اپنے گھر والوں ، بیوی بچوں ، بہنوں اور اپنی گھریلو عورتوں کے ساتھ ، چرس کے

مرغولوں اور شراب کی بوتلوں کے ساتھ سنیما میں بیٹھ کر پشتو فلم دیکھ سکتے ہیں ؟۔بے ہودہ فلمیں بنانے والوں کی آنکھوں سے شرم کا پانی مرچکا ہے اس لئے ان سے بعید نہیں کہ یہ ان کے گھروں کی میراث ہو۔سنسر بورڈ کی مثال ، کسی ہیرا منڈی کی دلال کی سی ہے جیسے شرم وحیاکے بجائے صرف اپنی غیرت نیلام کرنے سے سروکار ہو۔لعنت ہے ایسی پرستار تنظیموں اور ان کی فلموں کی جھوٹی تعریف کرنے والوں پر جو اپنی ضد میں اس قدر اندھے ہوچکے ہیں کہ انھیں برائی ، برائی نظر نہیں آتی۔مجھے بتایا گیاکہ میں نے ہدایت کار لیاقت علی خان پر شدید تنقید کی تھی ، لیکن اُس نے اس بار بالکل مختلف اور اچھی فلم بنائی ہے جو قابل تعریف بات ہے اور مجھے ذاتی طور پر خوشی ہوئی ہے۔خاص کر ایک فلم زمارارمان کے حوالے سے یہ بات سامنے آئی ہے ۔ موجودہ روایات کے برخلاف ماضی میں بننے والی پشتو فلموں کی یادتازہ کردی ہے چونکہ فلم ایچ ڈی ٹیکنالوجی پر بنائی گئی ہے اس لئے اس کی حوصلہ افزائی سب کو کرنی چاہیے۔یقینی طور پر یہ قابل ستائش بات ہوگی کہ اگر کوئی اصلاح کی جانب گامزن ہوتا ہے۔سنسر بورڈ کو اپنی اصلاح کرنی چاہیے اور بے ہودہ فلموں پر ایک بار سختی کردیں۔ہمارا کام تنقید برائے تنقید نہیں ہے ، بلکہ اصلاح اور پختون سمیت تمام قومیتوں کی درست نمائندگی ہے۔ لیکن کوئی اس کے برخلاف چلے گا تو ملک میں عدالتیں آزاد اور عوام کو اپنے جمہوری احتجاج کا حق حاصل ہے۔تو پھر بعد میں گلہ کرنا فضول ہوگا۔پشتو فلمی بنانے اور سنسر کرنے والے اپنے متعصبانہ و

مجرمانہ رویے پر نظر ثانی کریں۔

پی پی پی اور ایم کیو ایم کی تلخیاں

سندھ بالخصوص سندھ کے حوالے سے موجودہ سیاسی صورتحال، ماضی کے موجب غیر سنجیدگی کی عکاس نظر آتی ہے۔جس طرح آج وفاق اور سندھ کی جانب سے کراچی کی موجودہ سیاسی صورتحال، امن وامان اور دہشت گردی کے واقعات تشویش ناک ہوچکے ہیں، یہی صورتحال ماضی میں بھی تھی اور برسراقتدار حکمران جماعت پیپلز پارٹی اپنے ماضی کی روایتی سابقہ رویئے کی غمازی کرتا نظر آتا ہے۔تاریخ ہمیشہ نصیحت اور اپنی غلطیوں کو نہ دوُہرانے کیلئے لکھی جاتی ہے تاکہ آنے والی نئی نسلیں جان سکیں کہ قوم کے مستقبل کے ساتھ کس کس طور، کس نے مجرمانہ غفلت اختیار کی۔تاریخ کے جھروکوں میں جانے کے بعد انکشاف یہی ہوتا ہے کہ ہم نے ماضی سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا اور اب بھی "سب ٹھیک ہے" کی گھسٹی پٹی روایات پر گامزن نظر آتے ہیں۔31اکتوبر1993ء کو پروفیسر غفور احمد نے اپنے ایک بیان میں واضح کہا تھاکہ "صوبے کراچی میں بدامنی کا واحد سبب شہری و دیہی طبقات کے درمیان تفریق ہے۔وزیر اعلی سندھ عبداللہ شاہ کو چاہیے کہ شہری علاقوں سے متعلق ترقیاتی اسکیموں اور فنڈز کی فراہمی کیلئے حکومت ایم کیو ایم کو اعتماد میں لے تاکہ کراچی میں احساس محرومی پیدا نہ ہو۔ان کا مزید کہنا تھا کہ مہاجر، سندھیوں سے بہتر تعلقات کے خواہاں ہیں، اس سلسلے میں حکومت اپنی کوششیں تیز کرے۔" معروف وزیرک سیاست دان اجمل خٹک مرحوم نے یکم جنوری1994 کو جنگ پینل کو ایک انٹرویو دیتے

ہوئے کہا کہ "سندھ بالخصوص کراچی میں پائیدار امن کیلئے ضروری ہے کہ یہاں کے شہریوں بالخصوص مہاجروں میں پائے جانے والے احساس محرومی کو ختم کرنے کیلئے دور رس نتائج کے حامل اقتصادی، سماجی، معاشی اور سیاسی اقدامات کئے جائیں۔ انھوں نے ایم کیو ایم کی سیاسی قوت کو تسلیم کرنے کا بھی مطالبہ کیا تھا۔" انیس جولائی1994ء کو اے این پی کی صوبائی صدر اور اُس وقت کی صوبہ سرحد کی قائد حزب اختلاف بیگم نسیم ولی خان نے بھی اپنے ایک انٹرویو میں کہا کہ "کراچی کا مسئلہ سیاسی ہے۔اور سیاسی معاملات مذاکرات سے حل کئے جاتے ہیں۔ لیکن ایک جانب حکومت (پی پی پی) ایم کیو ایم سے مذاکرات کر رہی ہے تو دوسری جانب ان کو دہشت گرد قرار دیکر اُن کے خلاف آپریشن کیا جارہا ہے۔انھوں نے جنگ پینل کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ "الطاف خود چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ انھوں نے علیحدہ صوبے کا مطالبہ نہیں کیا، لیکن ایک شخص پر اقتصادی اور جسمانی اور ذہنی طور پر تشدد کریں گے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ خود ایسے انتہا تک لے جانے پر مجبور کر رہے ہیں۔انھوں نے مستقبل کیلئے ایک پیش گوئی کرتے ہوئے اپنے سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا کہ "ایف سی کے جوانوں کو کراچی بھیجنا کراچی میں میں مقیم لاکھوں پختون کے خلاف سازش ہوگی اور اس سے مہاجروں اور پختونوں کے درمیان نفرت پیدا ہوگی۔" اور ان سیاسی رہنماؤں کی سیاسی بصیرت ہی تھی جس نے کراچی میں لسانی نفرت کے بیج بونے والے عناصر کے عزائم کو بھانپ لیا تھا۔28اپریل 1994ء کو مقتول رہنما بے نظیر بھٹو صاحبہ نے راولپنڈی میں زیر تربیت فوجی افسران سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "جب تک سندھ میں ایم کیو ایم کا ووٹ بنک تقسیم نہیں کیا جائے گا، سندھ کا مسئلہ

حل نہیں ہوگا۔" جبکہ اس مرحلے پر پختون رہنماؤں کی سیاسی بصیرت اپنے عروج پر تھی۔ 28 نومبر 1995 کو پختون اسٹوڈینس فیڈریشن کے زیر اہتمام کراچی میں باچا خان امن کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اجمل خٹک بابا نے کہا کہ "حکمران ،الطاف حسین کو دہشت گرد کہہ رہے ہیں اور پھر ان ہی سے منت سماجت کیلئے لندن اور کبھی عزیزآباد جاتے ہیں۔یہ واضح رہے کہ ریاستی جبر اور طاقت کے ذریعے ایم کیو ایم کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ الطاف حسین کو یہ لوگ غدار کہہ رہے ہیں ، لیکن ہمیں ان (الطاف حسین) پر فخر ہے ، وہ ہمارا بھائی ہے"۔1972 میں ایک لسانی معائدے کیا گیا تھا کہ سندھ کا گورنر مہاجر ہوگا۔ قابل ذکر اور دلچسپ بات یہ ہے کہ کراچی میں موجودہ وزیر اعلی قائم علی شاہ کا رویہ اپنے سابقہ پی پی پی کے وزیر اعلی عبداللہ شاہ سے مطابقت رکھتا ہے۔سابقہ وزیر اعلی سندھ عبداللہ شاہ نے ایم کیو ایم مخالفت میں پی پی آئی اور مہاجر قومی موومنٹ (حقیقی) کو مکمل سرکاری سرپرستی فراہم کی تواب موجودہ وزیر اعلی قائم علی شاہ پر بھی یہی الزام ہے کہ لیاری گینگ وار کو کراچی میں بے نظیر بھٹو کے وژن کو مکمل کرنے کیلئے استعمال کیا جارہا ہے۔ماضی میں بھی ایم کیو ایم اپنے کارکنان کے اغوا، تشدد ، جھوٹے مقدمات اور شہر میں ریاستی آپریشن پر احتجاج کرتی رہی ہے۔02 جنوری 1994ء کو ایم کیو ایم رابطہ کمیٹی کے کنوینر سنیٹیر اشتیاق اظہر نے صدر مملکت کو بھیجے گئے خطوط میں الزام عائد کیا کہ پیپلز پارٹی کی سندھ حکومت دہشت گردوں کو تحفظ فراہم کررہی ہے اور انھیں ایم کیو ایم پر تشدد کرنے اور شہر میں خوف وہراس پھیلانے کی اجازت دے رکھی ہے " تواب بھی انیس سال بعد بھی ایم کیو ایم اپنی لاتعداد پریس

کانفرنسوں میں اپنے کارکنان کے اغوا، گرفتاریوں، جھوٹے مقدمات اور غیر اعلانیہ آپریشن کی دہائی دیتے نظر آتی ہے ماضی میں بھی دیہی و شہری تفریق کے سبب پی پی پی دیہی علاقوں تک محدود ہو گئی تھی اور اس بار بھی پی پی پی شہری علاقوں میں نمائندگی سے محروم ہے۔ سندھ کی تقسیم کے حوالے سے مہاجر قومی موومنٹ حقیقی کے چیئرمین آفاق احمد کا بیان ریکارڈ پر موجود ہے کہ جو انھوں نے یکم فروری 1994ء کو دیا تھا کہ "اگر ملیر ضلع قائم رہا تو سندھ کی تقسیم اور علیحدہ اسمبلی کی جدوجہد کوئی نہیں روک سکتا" اسی طرح 18 فروری 1994ء مہاجر رابطہ کونسل کے کنونشن میں مرکزی مجلس عاملہ کے رکن سید مسعود نقوی ایڈوکیٹ نے قرارداد میں پیپلز پارٹی کی جانب سے امتیازی سلوک، جانبدارنہ اقدامات اور لسانی بنیادوں پر سندھ کی جغرافیائی تقسیم کی شدید مذمت کی گئی اور مردم شماری کے مطالبے کے ساتھ مہاجر گورنر کیلئے 1972ء کے معاہدے کے تحت عمل درآمد کے مطالبات کئے گئے۔ سندھ میں ایک بار پھر بلدیاتی نظام کے حوالے سے مختلف سیاسی جماعتوں کے ساتھ ایم کیو ایم اور پی پی پی کے درمیان تنازعہ دوبارہ اپنے عروج پر پہنچ رہا ہے۔ ماضی میں پی پی پی نے شہری علاقوں کو نظر انداز کیا اور اپنی پالیسوں کی بناء پر کراچی میں رہنے والی مختلف قومیتوں کے درمیاں غلط فہمیاں پیدا کرکے لسانی فسادات کو ہوا دی۔ سندھ میں صرف کراچی متاثر رہا۔ لیکن پختون سیاسی سمجھ بوجھ رکھنے والی قیادتوں نے اپنے واضح بیانات میں پی پی پی کی سازشوں کو آشکارہ کیا۔ سندھ میں رہنے والے جن کا جینا و مرنا سندھ کی دھرتی کے ساتھ ہے اور ان کے مفادات، سندھ کے وسائل سے حاصل و خرچ ہوتے ہیں ان کے درمیاں نفرتیں پیدا کرنے والے

ناعاقبت اندیش اور ملک سے مخلص نہیں ہیں۔پی پی پی شہری و دیہی تفریق کے خاتمے کے لئے ماضی کی روش ختم کرے اور مخلصانہ طور پر ہر سیاسی جماعت کا مینڈیٹ تسلیم کرے، لیکن اپنی مخالفت میں کسی بھی جماعت کو دیوار سے لگانے کے بجائے سینے سے لگائے تو بہتر ہوگا۔ریاستی جبر، سازشیں اور سیاسی متشدد دشمنیاں ملک کو کھوکھلا اور ملک دشمن عناصر کو مضبوط بنانے کا سبب بنتی ہے۔ہمیں ماضی سے سبق حاصل کرکے کسی کو کمزور کرنے کیلئے سیاسی حکمت عملی کے بجائے ریاستی طاقت کے استعمال سے گریز کرنا ہوگااور یہی واحد حل ہے۔

ضروری نہیں کہ ہر افغان پشتون اور ہر پشتون افغان ہو، مثلاافغانستان میں رہنے والی ہر قوم افغان ہے خواہ وہ پشتون نہ ہو، مثلاتاجک، ترکمن، ہزارہ، بلوچ وغیرہ،اس کے برعکس ہر پشتون افغان نہیں ہوتا۔ مثلاپاکستان، ایران، بنگلہ دیش اور دنیاکے دیگر ممالک کے پشتون جو عرصہ دراز سے اُن ممالک کی شہریت رکھتے ہیں۔یا وہ پشتون جو ان علاقوں میں جو معاہدہ گندمک 1879ء کے تحت افغانستا ن سے کٹ گئے ہیں یا وہ افغانی مقبوضات جن پر غیر پشتون قابض ہیں یعنی جموں وکشمیر، مشرقی پنجاب، مشہد، اصفہان، سیستان اور کرمان وغیرہ مندرجہ بالا تمام علاقوں اور ممالک کے مستقل پشتون باشندے افغانستان کے رہنے والے پشتونوں سے کہیں زیادہ ہیں۔اس کے برعکس افغانستان میں رہنے والے مستقل پشتون قبائل بیک وقت نہ صرف پشتون بلکہ افغان بھی کہلائے جاتے ہیں۔اپنی سرزمین کی حفاظت کرنا ہر اُس ملک کے شہری اور فوجی کا فرض ہے جس کی وہ عوام ہے۔ عراق اور افغانستان میں بیرونی عناصر خصوصا امریکہ یا اُن فوجیوں کے خلاف جو بیرونی طاقتوں کے حاشیہ بردار ہیں ایسا ہی ہوتا چلا آ رہا ہے، آج بھی افغانستان میں عسکری جدوجہد جاری ہے اور اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک صحیح معنوں میں افغانستان آزاد نہیں ہو جاتا۔طالبان کی خلافت کے بعد 22 دسمبر 2001ء امریکہ نے شجاع پاشا یعنی حامد کرزئی کو افغانستان کا کٹھ پتلی حکمران بنا ڈالا، حسن اتفاق دیکھئے حامد کرزئی بھی

شاہ شجاع غدار، ننگِ افغان کا ہم قبیلہ ہے۔ ستمبر 2004 تک حامد کرزئی کو جوں توں کرکے چند ابن الوقت کاسہ لیسوں کے علاوہ افغانستان کے ڈھائی کروڑ حریت پسندوں اور غیور افغانوں کے سرپر مسلط رکھا۔ پھر دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے انتخابات کا ڈھونگ رچایا، افغنستان ایسی سرزمین ہے جہاں اس سے قبل انتخابات نہیں ہوئے تھے اور وہ موجودہ جمہوری نظام سے نا آشنا تھے، یہاں بذریعہ ووٹ کسی کا انتخاب ایسا ہی ہے جیسے امریکہ یا برطانیہ میں افغانستان کی طرح لوئے جرگہ منعقد کرا کر حکمران منتخب کرادیا جائے۔ انتخابی عمل سے نا آشنا حقیقت پسند اور کھرے افغان آزادنہ اور کھلم کھلا بادشاہ یا سربراہ منتخب کرتے رہے ہیں۔ افغنستان کے گزشتہ انتخابات میں جس طور دھاندلی کی گئی اس نے یہ آشکارہ کردیا تھا کہ افغان عوام مغرب کی ایجاد کردہ جمہوریت سے نا واقف ہیں۔ 20 اگست 2009ء دوبارہ انتخابات میں نا قابل بیان دھاندلی ہوئی، سرکاری طور پر حامد کرزئی 65 فیصد ووٹوں سے کامیاب قرار دیئے گئے تھے۔ کئی مد مقابل امیدواروں میں تاجک نژاد ڈاکٹر عبداللہ اور اشرف غنی احمد زئی نے احتجاج کیا اقوام متحدہ نے تحقیقات کیں تو ثابت ہوا کہ حامد کرزئی نے پچاس فیصد سے کم ووٹ حاصل کئے تھے۔ لیکن امریکہ نے اپنے پرانے کاسہ لیس کو مسلط کرنا تھا۔ سو کردیا۔ موزوں ترین امیدوار ڈاکٹر عبداللہ اگر اقتدار میں آجاتا تو افغانستان کے ساٹھ فیصد پشتون اور طالبان کی شدید مخالفت کے سبب زیادہ عرصہ ٹھہر نہیں سکتا تھا جس کی وجہ یہ بھی تھی کہ تاجک نژاد کمانڈر احمد شاہ مسعود کی ہلاکت کے بعد شمالی اتحاد نے رشید دوستم ازبک اور اپنے حامیوں کے ساتھ ملکر امریکہ کی ہم رکابی میں

طالبان کے خلاف لشکر کشی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔امریکہ بظاہر افغانستان سے نکلنا چاہ رہا ہے لیکن ملک کے آئندہ انتخابات ہی فیصلہ کریں گے کہ کیا افغانی انتخابی عمل پر اعتماد کا اظہار بھی کرتے ہیں یا نہیں۔جب پاکستان جیسے ملک میں کبھی انتخابات منصفانہ اور شفاف نہیں ہوسکے اور بیرونی طاقتوں کی کٹھ پتلی حکومتیں آتی جاتی رہیں تو بین الاقوامی سازشوں کا مرکز افغانستان ، بھلا شفاف انتخابات کا متحمل کس طرح ہوسکتا ہے۔امریکہ اور نیٹو کی 46 ممالک کی فوجیں اس غلط فہمی میں رہیں کہ دو ماہ میں مکمل طور پر طالبان کا صفایا کردیا جائے گا، لیکن یہ ان کی خام خیالی رہی اور بارہ سال بعد بھی مکمل کامیابی ان کے حصے میں نہیں آسکی اور اپنے اہداف کو حاصل کئے بغیر انھیں افغانستان کے پڑوسی ملک پاکستان میں اپنے لئے واپسی کے لئے محفوظ راستے کیلئے بے پناہ مسائل کا سامنا ہے۔افغان امریکی جنگ کے بعدپُر امید تھے اب شائد بہتری کے آثار پیدا ہوں لیکن حامد کرزئی اور اس کے دست راست مارشل فہیم ، بھائی احمد ولی بد عنوان ، خائن راشی اور نااہل نکلے اور کابل میں امن قائم کرنے میں ناکام رہے بلکہ حالات کو مزید خراب کرنے میں بیشتر کابینہ اور 34 صوبوں کے گورنروں نے افغان عوام کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ان کا نام دنیا کے سب سے بڑے منشیات فروشوں کی فہرست اول میں آگیا اور امریکہ کی جانب سے بدترین بمباریوں کی وجہ سے افغان عوام میں نفرت کا لاوا شدت کیساتھ امریکہ اور امریکہ نوازوں کیلئے ابھرا۔امریکی مفادات پورے نہیں ہورہے اور غیر جانب دار مبصرین سمجھ رہے ہیں کہ امریکہ کی جانب سے 2014ء کے صدارتی انتخابات میں ایک بار پھر حامد کرزئی جیسے کسی

دوسرے پٹھو کو لا کر افغانستان کی پالیسوں پر اثر انداز ہونے کی روش قائم رکھی جائے گی۔روس کے انخلاکے بعد 28اپریل1992ء کو صبغت اللہ مجددی کو قائم مقام صدر بنایا گیا تھا، اُس وقت کے وزیر اعظم مجددی کی دل جوئی اور مدد کی یقین دہانی کیلئے کابل پہنچے تھے ۔ افغان گوریلا جنگ میں ان کی جماعت اخوان المسلمین نے بھرپور حصہ لیا تھا وہ صرف دو ماہ تک نگران حکمران رہا۔28 جون1992ء کو برہان الدین ربانی کو صدر اور این حکمت یار کو وزیر اعظم بنا دیا گیا۔جن کا تعلق تاجک قوم سے تھا۔وزیر دفاع، احمد شاہ مسعود کو بنایا جن کی زمانہ طالب علمی سے ہی این حکمت یار سے سخت ان بن چلی آ رہی تھی۔ان دونوں نے کابل یونیورسٹی میں انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ان کے ساتھ ہی کمانڈر ازبک ملیشا رشید دوستم بھی اسی شعبے میں پڑھتے رہے اور اس کے تعلقات بھی حکمت یار سے کشیدہ تھے رشید دوستم کو ربانی نے کابل میں اپنے ہی دستے کا جنرل بنا دیا تھا۔خود ربانی کے تاجک ہونے اور صدر بن کر حکمت یار پر اولیت حاصل کرنے کی بناء پر حکمت یار کو ربانی ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا، جس کا لازمی نتیجہ خانہ جنگی کی صورت میں نکلا اور ربانی کا تمام دور حکومت خانہ جنگیوں اور کشت و خون کی نذر ہوگیا۔جس کے بعد طالبان نے رہی سہی کسر پوری کر دی اور ملا عمر کی قیادت میں26 ستمبر1996ء کو کابل پر طالبان کا قبضہ ہوگیا۔جو20اکتوبر2001ء تک جاری رہا۔ملا محمد عمر اور حکمت یار غلزئی پشتون ہیں اور غلزئیوں کی حکمرانی نہ کل قبول کی گئی اور آئندہ بھی یہی توقع ہے کہ جس طرح 2001ء سے امریکہ کیساتھ شانہ بہ شانہ لڑ کر اپنی تین سو سالہ تاریخ کو غلزئی قبیلے کے مخالف دوہرا رہے ہیں ۔ اس سے خدشات یہی

ہیں کہ حامد کرزئی جو پوپلزئی درانیوں کی باقیات سے ہے وہ امریکہ کے بادل نخواستہ جانے کے بعد افغانستان میں امن وسکون نہیں رہنے دے گا۔ اس کے ساتھ تاجک و ازبک بھی ماضی کی طرح افغانستان پر غلبہ حاصل کرنے کیلئے اپنی ریشہ دیوانیوں سے باز نہیں آئیں گے۔ افغانستان کی جانب سے متواتر پاکستان پر الزامات ، در اندازی اور گولہ باری کی اشتعال انگیز مستقبل کے افغانستان کے عزائم ظاہر کر رہے ہیں کہ امریکہ پاکستان اور افغانستان کے سرحدوں میں بے یقینی اور عدم استحکام چاہتا ہے یہی وجہ ہے کہ افغانستان کے فوجی جنرل یا صدر پاکستان پر براہ راست الزامات لگانے سے نہیں چوکتے اور دراندازوں کے پاکستان میں داخلے کیلئے موثر اقدامات کرنے سے گریزاں نظر آتے ہیں۔ افغانستان کا جو بھی مستقبل ہو ، تمام اسٹیک ہولڈر تسلیم کرچکے ہیں کہ افغانستان کا امن ، پاکستان کے امن سے وابستہ ہے اور اگر پاکستان غیر مستحکم رہا تو افغانستان بھی عدم استحکام کا شکار رہے گا اور اس کا نقصان امریکہ کو بھی ہوتا رہے گا۔

سندھ آدھا تمھارا، آدھا ہمارا

جب تک کراچی و حیدرآباد، سندھ کے شہری آبادیوں کے شہریوں کو ان کے بنیادی حقوق نہیں دیئے جاتے ، مستقل امن کے قیام کا امکان ممکن نہیں ہے۔بنیادی اور آئینی حقوق کی سلبی اور سیاسی مینڈیٹ کو دیوار سے لگانے کی کوششیں کبھیبار آور نہیں ہوتیں۔سندھ میں اب صرف سندھی بولنے والے اکثریت میں نہیں ہے بلکہ دیگر قومتیں کروڑوں کی تعداد میں رہتی ہیں۔اس حقیقت کو اب تسلیم کرلینا چاہیے کہ سندھ کسی گروپ یا جماعت کا نہیں ہے بلکہ سندھ میں رہنے والی تمام قومتیں بھی اسی طرح حقوق کیلئے اہل ہیں جس طرح دیہی علاقوں کیلئے بات کی جاتی ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ 75 فیصد صوبائی محاصل کراچی ، حیدرآباد اور سکھر سے وصول کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بے روزگاری اور قدیم کچی آبادیوں کو بنیادی سہولیات سے محرومی شہری آبادیوں کی مقدر بن گئی ہے۔ کراچی ایکسائز ڈیوٹی کی مد میں 70 فیصد سے زیادہ سندھ کو دیتا ہے۔ جبکہ وفاق کو 60 فیصد سے زیادہ ریونیو سے زیادہ کراچی سے جاتا ہے۔ کسٹم ڈیوٹی کی مد میں اربوں روپے کراچی، پورے پاکستان کی اقتصادیات کو مضبوط کرنے کیلئے فراہم کرتا ہے۔ جبکہ مردم شماری نہ ہونے کے سبب انتخابی حلقہ بندیاں بھی کراچی میں نہیں کیں جا رہیں، کیونکہ اس سے کراچی کی صوبائی و قومی نشستوں میں اضافہ ہوگا، جو ارباب اختیار کرنا نہیں

چاہتے۔ کراچی کی آبادی میں گذشتہ سالوں میں خاطر خواہ اضافہ ہوچکا ہے اور دیہی علاقوں کے رہائشیوں نے بھی شہر کی جانب رخ کرلیا ہے جس سے شہر کی اقتصادی صورتحال پر بڑا فرق پڑا ہے۔ مردم شماری کے بعد کراچی کی نئی حلقہ بندیوں کے سبب انتخابی نشستوں میں اضافہ کے بعد یقینی طور ملکی سیاسی صورتحال میں تبدیلی کا بڑا عمل ہوگا۔ قابل افسوس بات یہ ہے کہ کراچی میں اعلانیہ و غیر اعلانیہ آپریشن کی وجہ سے مختلف قومیتوں میں حکومتی اداروں پر اعتماد میں کمی اور احساس محرومی میں اضافہ ہوا ہے۔ رینجرز کے بھاری بھرکم اخراجات کے باوجود کراچی میں امن ایک خواب کی طرح ہے جس کی تعبیر نظر نہیں آتی۔ کراچی میں متناسب نمائندگی کیلئے غیر جانبدارانہ مردم شماری اولین ضرورت ہے۔ سندھ بالخصوص کراچی میں پیدا شدہ سیاسی صورتحال اور امن و امان کے سبب انتظامی تبدیلیوں کیلئے مخلصانہ مردم شماری ناگزیر ہے لیکن حکومت کی جانب سے پہلو تہی سے حالات میں سنگینی پیدا ہو رہی ہے۔ سندھ ملک کے دوسرے صوبوں کی بہ نسبت نسلی و لسانی تفریق کا شکار صوبہ ہے، جہاں صرف سندھی زبان بولنے والے کو ہی مقامی تصور کیا جاتا ہے۔ جبکہ سندھ میں رہنے والی مختلف زبان و ثقافت رکھنے والی قومیتیں مستقل طور پر آباد ہیں اور ان کا جینا مرنا، سندھ کے ساتھ وابستہ ہے، لیکن 1972ء کے لسانی معاہدے کے بل میں گورنر اور وزیر اعلی کیلئے مہاجر و سندھی کی پابندی نے کروڑوں سندھی نہ بولنے والے سندھیوں میں زبردست احساس کمتری و محرومی پیدا کردیا ہے کہ کہ

سندھ حکومت و وفاق کو سب سے زیادہ ریونیو و ٹیکس دینے کے باوجود مالیاتی حب کے حامل شہر کے عوام اپنے مسائل کے حل کیلئے اپنے علاقے کے نمائندے کے بجائے کفالت لینے والوں کا دست نگر ہوتے ہیں۔ جس سے لسانی اکائیوں میں دوریاں اور ایک پاکستانی قومیت کا تصور ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ جو ملکی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے مترادف ہے۔ سندھ کے اہم انتظامی اداروں میں کوٹہ سسٹم کے تحت جعلی ڈومی سائل و پی آر سی کے ذریعے جہاں سرکاری و نیم سرکاری ملازمتوں میں کراچی کی عوام کی حق تلفی کا سلسلہ جاری ہے تو دوسری جانب تعلیم کے دروازے بھی مستقل مقامی شہریوں کے لئے بند کئے جا رہے ہیں۔ رشوت اور اقربا پروری کے باعث کراچی کے شہری اپنے حقوق سے لسانی بل کی وجہ سے محروم ہو رہے ہیں اور ان کو اپنے وسائل پر اختیار حاصل نہیں ہے یہی وجوہات سندھ میں لسانی و طبقاتی تفریق کا سبب بن رہا ہے۔ دیگر علاقوں میں ، روزگار کی عدم فراہمی کے سبب ، کراچی کے مقامی افراد کو بے روزگاری کا سامنا ہے اور ستم ظریفی یہ ہے کہ دوسرے علاقوں کے رہنے والے باآسانی کراچی حیدرآباد میں روزگار حاصل کر لیتے ہیں لیکن کراچی حیدرآباد کے مقامیوں کو دیگر صوبے تو دور کی بات ، اپنے سندھ صوبے میں لسانی تفریق کی وجہ سے روزگار ملنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا ہے۔ اس کا واضح نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جب انھیں اپنے شہر میں روزگار و تعلیم کی سہولیات مہیا نہیں ہو رہی تو دوسرے صوبوں کے علاقوں میں ان سے متعصبانہ سلوک ، قومیتوں کے درمیان بد

گمانی و تفریق کا سبب بن رہا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام صوبائی حکومتیں اپنے وفاقی، صوبائی محکموں، نیم سرکاری اداروں، سول سروسز اور فوج میں مقامی افراد کو بھرتی کرنے کیلئے ضلعی بنیاد پر تقرری کا شفاف طریقہ کار اختیار کریں۔ سندھی غیر سندھی کی لسانی تفریق میں سندھ حکومت اور تمام سیاسی جماعتوں و تنظیموں کو یہ بھی سوچنا ہوگا کہ، سندھ میں مستقل آباد، سندھی بولنے والے، اردو، پختون، بلوچ، پنجابی، بنگالی، سرائیکی، کچھی قومیتوں کے ساتھ میانہ روی کس طرح اختیار کی جاسکتی ہے۔ حالیہ بلدیاتی بل کے حوالے سے ایک بار پھر دیہی و شہری تفریق کے واضح فرق نے شہری آبادیوں کو دیوار سے لگانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ سیاسی جماعتوں کے درمیان اختلافات کی وجہ سے عوام بے چینی و بے یقینی کا شکار ہیں۔ کسی بھی سیاسی جماعت کو مخصوص علاقوں تک محدود رکھنے کی 40 سالہ کوششوں کو اب ختم ہوجانا چاہیے۔ اس روش نے پہلے بھی کوئی فائدہ نہیں دیا تو اب بھی اس سے صرف انارکی ہی پھیلے گی۔ سندھ میں شہری و دیہی تفریق کا نتیجہ کسی طور بھی نکل سکتا ہے۔ بدقسمتی سے ارباب اختیار نے مشرقی پاکستان والی روش اختیار کر رکھی ہے اور قانون کی رٹ کو صرف اپنے مقاصد کے تحت استعمال کرتے ہیں۔ کراچی پاکستان کا ایک معاشی حب اور اقتصادی شہ رگ ہے، گذشتہ چار دہائیوں سے کراچی کو تجربات کی بھینٹ چڑھایا جارہا ہے۔ جس کا نتیجہ ملک کے مفاد کے خلاف نکلے گا تو پھر چاہیے کتنے صوبے، بنالیں، اگر عوام میں احساس محرومی نے عروج حاصل کرلیا اور ان کے صبر کا

پیانہ لبریز ہوگیا تو تمام سعی بیکار ہو جائیں گی۔ کراچی میں تمام سیاسی اکائیوں کو ان کے
مینڈیٹ کے مطابق تسلیم کرنے میں ہی مملکت کی بھلائی کا راز چھپا ہوا ہے، جیسے ہم
جانتے بوجھتے نظر انداز کر رہے ہیں۔ پیپلز پارٹی کو اپنے ابتدا میں پنجاب سے کامیابیاں ملا
کرتی تھیں لیکن ان کی لسانی محدود سوچ کی وجہ سے ان کا انتخابی کارڈ سندھ تک محدود
ہوگیا، اسی طرح اب مسلسل شہری و دیہی تفریق و طبقاتی حدود بندیوں کی وجہ سے واضح
طور پر سندھ کی تقسیم کی بنیاد کوئی اور نہیں بلکہ پیپلز پارٹی اپنے بے سوچے سمجھے
پالیسیوں سے رکھ رہی ہے، سندھ آدھا تمھارا، آدھا ہمارا کا نعرہ، آج کا نہیں بلکہ اس کی
بنیاد پیپلز پارٹی نے ہی 1972ء لسانی بل کی منظوری کے بعد رکھ دی تھی، پیپلز پارٹی کو
بردباری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔انکے جذباتی رویوں کی وجہ سے پاکستان، ادھر ہم اُدھر
تم کے نعرے پر منقسم ہوچکا ہے، ملکی ترقی کی اہم بندرگاہ ہم سے الگ ہو گئی اور اب
پاکستان کی واحد بندرگاہ والے شہر میں سندھ آدھا تمھارا، آدھا ہمارا کی روش و پالیسی
اپنانے سے مملکت کا وجود ہی خطرے میں پڑ جائیگا۔ہمیں اپنے رویوں میں تبدیلی کی اشد
ضرورت ہے، ملک کی موجودہ صورتحال، کسی سیاسی محاذ آرائی کا متحمل نہیں ہوسکتا اور
قوموں کو مہلت کا وقفہ بھی قدرت مخصوص مدت تک دیتی ہے۔جس کی قدر نہ کرنے
پر قدرت خداوندی اپنے عذاب کو مختلف شکلوں میں اتار دیتی ہے، جس کا ہم آج بھی
شکار ہیں۔

پختون ثقافت کے خلاف، سنسر بورڈ کی مجرمانہ دانستہ سازش

گذشتہ دنوں عیدالفطر پر ریلیز ہونے پانچ پشتو فلموں کی نمائش پر خیبر پختونخوا حکومت نے پابندی عائد کردی۔ وجہ یہ تھی کہ انھوں نے فلم سنسر بورڈ سے اجازت نامہ حاصل نہیں کیا تھا۔پابندی عائد ہونے کے باوجود پشاور میں پشتو فلموں کی نمائش جاری ہونے پر جب پروڈیوسر مظفر خان سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے بتایا کہ پانچوں فلموں کے نمائش کے اجازت نامے کراچی سے حاصل کئے گئے ہیں، اسلام آباد اجازت نامے جاری نہیں کر رہا (غیر فعال ہے) اور خیبر پختونخوا میں سنسر بورڈ ہی نہیں ہے۔ جیو نیوز کو دیئے جانے والے اس انٹرویو نے سندھ سنسر بورڈ کے اس جھوٹ کا پول کھول دیا کہ کراچی سرکٹ کے علاوہ کسی دوسرے صوبے کیلئے نمائش کی اجازت نامے نہیں دیئے جاتے۔تادم تحریر فلموں کی نمائش جاری ہے، جیو نیوز میں کراچی سے سندھ سنسر بورڈ کی جانب سے جاری کردہ اجازت نامے بھی دیکھائے گئےاور فلم پروڈیوسر مظفر خان نے دعوی کیا کہ ان (فحش) فلموں کو فیملی بھی دیکھ سکتی ہیں ۔مرکزی سنسر فلم بورڈ (CBFC) موشن پکچرز 1979 ریگولیٹری ایکٹ کے تحت قائم کیا گیا ہے جس کا بنیادی مقصد فلموں کی سنسر شپ ہے۔موشن پکچرز آرڈیننس 1979 کے تحت چیرمین کی سربراہی اسلام آباد میں ہیڈ آفس کیساتھ لاہور اور کراچی میں دو شاخیں ہیں جو سی بی ایف سی وفاقی حکومت کی طرف سے فراہم

سنسر شپ کے کوڈ کی روشنی میں معائنہ کرنے کے بعد نمائش کی اجازت دینے کی ذمے دار ہیں۔ فلم سنسر سینٹرل بورڈ کا بنیادی کام عوامی نمائش یا دوسری صورت کیلئے فلموں کی مناسب جانچ پڑتال کرنے کیلئے اپنی ذمے داری ایمانداری سے ادا کرنا ہے۔ مقامی طور پر تیار ہونے والی فلموں کے پروڈیوسر درآمد کی جانے فلموں کی نمائش کی اجازت کیلئے اسلام آباد میں بورڈ سے جانچ پڑتال کے بعد اجازت نامے جاری کرتے ہیں جبکہ اسلام آباد، لاہور اور کراچی میں بورڈ کے کسی بھی دفتر سے کسی بھی فلموں کی سنسر شپ کرنے کیلئے درخواست بھی دے سکتے ہیں۔ موشن تصاویر آرڈینس 1979 اور وسیع پالیسی فریم ورک اور عوامی نمائش کیلئے فلموں انتظامی طریقہ کار کے تحت قوانین اپنے تصدیقی عمل میں مرتب قوانین میں فلمسنسر شپ کوڈ معاشرے کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے اور فلم پاکستان میں بنانے کیلئے رہنما اصول بھی رائج کرتی ہے۔ فلم انڈسٹری سنسر شپ کے لئے کوڈ پر عمل کرنے کیلئے سخت پالیسی اقدامات، تصدیق فلموں جبکہ ہر ممکن کوشش قبول اخلاقی معیار آمیز ہے جس کے ذریعے کوئی منظر، رقص یا بات چیت کے حوالے سے اس بات کو یقینی بنایا جاتا ہے کہ وہ معاشرے کے عین مطابق ہے یا نہیں۔ فلموں کی تحقیقات کرتے ہوئے سیفیسی کسی بھی فلم کے حصے یا فلم کے قابل اعتراض ہونے پر عوامی نمائش کو ختم کرنے کے احکامات دے سکتی ہے۔ فلم میں اخلاقی معیار، جرم کی جانب راغب رجحان یا کسی بھی طبقے کے جذبات زخمی و متاثر، قومی جذبات کو ٹھیس پہنچے اور ظاہر فحش لباس یا مناسب، ڈائیلاگ

گانے ، نغمے ، رقص ، مذاق یا ایسے اخلاق باختہ اشاروں، یا کسی بھی مذہبی فرقے ، ، ذات اور مذہب پر حملے پر بھی فلم کو نمائش کے اختیار حاصل نہیں۔پاکستان کے فلم سنسر نوٹیفیکشن جاری کردہ وفاقی حکومت کے Vide کے ارکان سینٹرل بورڈ (ترمیم) پاکستان تاریخ 12اکتوبر2012 ء کو یہ واضح احکامات F.76(2)/2012-SO آرڈر نمبر دیئے گئے۔24 مئی 2013ء کو سندھ کیلئے نیا فلم سنسر بورد تشکیل دیا گیا سولہ ممبران پر مشتمل سندھ سنسر بورڈ میں بارہ اعزازی اور چار سرکاری ممبران شامل ہیں۔سندھ سنسر بورڈ کے چیئرمین ذوالفقار رمزی اور ڈپٹی چیئرمین سنسر بورڈ کے سیکرٹری امجد شاہ معصومی مقرر کیئے گئے ، اعزازی ممبران میں اداکار ندیم ،زیبا بختیار ، عدنان خان ، منظور قریشی ،ثانیہ سعید ، سعید رضوی ، رمیش نانا ، محمد علی مانجی ، سعید شیراز ، عمر خطاب ، ذوالفقار رمزی قابل ذکر ہیں ، نئے سنسر بورڈ کی تشکیل کے بعد بورڈ نے فلموں کو سنسر کرنے کاکام شروع کردیا، سنسر بورڈ سندھ کے سیکرٹری امجد شاہ معصومی نے بتایا کہ فلم پروڈیوسر اور تقسیم کاروں کا پر زور مطالبہ تھا کہ کراچی میں فلموں کو سنسر کیا جائے ، کیونکہ اسلام آباد جاکر فلم سنسر کرانے کے اخراجات بہت زیادہ ہو جاتے ہیں ، اس سنسر بورڈ کا نوٹیفیکشن نگران حکومت نے جاری کیا اور اسے مکمل اختیارات کے ساتھ فعال کردیا۔سینٹرل بورڈ آف سنسر عید الفطر کی تعطیلات کے سلسلے میں آٹھ اگست سے دس اگست تک بند رہا۔ تمام مقامی فلمساز اور فارن فلمز کو تاکید کی گئی تھی کہ چھ اگست کے بعد

کسی بھی فلم کو نمائش کے اجازت نامے نہیں دیئے جائیں گے ، لیکن اس کے باوجود کراچی میں عید سے ایک دن پہلے فحش پشتو فلموں کو اجازت نامے فراہم کئے ، بلکہ مورخہ انیس اگست ۲۱۰۳ء کو ایک اور پشتو فلم " شرط " کو نمائش کیلئے اجازت نامہ جاری کیا گیا جو عید کے دن سے پشاور سرکٹ میں چل رہی ہے جیسے نمائش کیلئے اجازت نامہ جاری نہیں کیا تھا۔ پنجاب میں انڈسٹری کی بحالی کیلئے وزیر اعلی پنجاب نے ہنگامی بنیادوں پر کمیٹی قائم کی ، سینئیر اداکار ندیم سے جب اس حوالے سے بات ہوئی تو انھوں نے کہا کہ فلم انڈسٹری ختم نہیں ہوئی بلکہ ابھی بھی سانسیں لے رہی ہے اسے توانا اور عروج پر لے جانے کیلئے سب کو ایک پلیٹ فارم پر متحد ہونا ہوگا۔ حکومت کی طرف سے ہمیں انڈسٹری کی بحالی کیلئے کمیٹی کے قیام کا اعلان کیا گیا ہے ہمیں مثبت سوچ رکھتے ہوئے اس کا خیر مقدم کرنا چاہیے ، انڈسٹری کی بحالی کیلئے حکومتی سرپرستی ناگزیر ہے لیکن ہمیں بھی تو اس کے کچھ کرنا چاہیے۔ " مرکزی سنسر بورڈ کی تمام تر توجہ غیر ملکی فلموں کی جانب مبذول ہے اور پاکستانی فلموں کیلئے اس کا کردار غیر فعال ہے۔ جس کا ثبوت اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سنسر بورڈ نے پہلے "ڈرٹی گرل" کو پاس کیا ، لیکن ریلیز کے بعد پھر پابندی لگادی ، عدالت کے روبرو ڈی سی لاہور کے نمائندے نے بتایا کہ پنجاب میں سنسر بورڈ نہیں ہے اس لئے پروڈیوسر وفاقی سنسر بورڈ اور سندھ سنسر بورڈ سے این او سی لیکر فلم کی نمائش کرواتا ہے ، لیکن ڈرٹی گرل کی نمائش کیلئے سندھ سنسر بورڈ سے اجازت

لی گئی تھی۔ یہ مقدمہ لاہور ہائی کورٹ کے مسٹر ناصر سعید شیخ کی عدالت میں چل رہا ہے جنھوں نے عیدالفطر پر ریلیز ہونے والی فلم ڈرٹی گرل کی نمائش روکنے کے خلاف وفاقی سنسر بورڈ اور وفاقی حکومت کو نوٹس جاری کرتے ہوئے تحریری جواب مزید سماعت 23 اگست تک ملتوی کرتے ہوئے طلب کرلیا ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ پنجاب میں ابھی تک فلم سنسر بورڈ ہی تشکیل نہیں دیا جاسکا، پنجاب میں فلم سازوں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ پنجاب میں جلد از جلد سنسر بورڈ قائم کیا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں ہر وہ تخلیق اور تحریر سنسر ہوسکتی ہے جو مخرب اخلاق ہو یا اس سے کسی کے مذہبی اور قومی تشخص کو ٹھیس پہنچے، 1965 کی جنگ کے بعد بھارتی فلموں کی نمائش روک دی گئی تھی لیکن سنسر بورڈ اب بھارتی فلموں کو بے ڈھرک نمائش کی اجازت اسی طرح دے رہا ہے جیسے فحش پشتو فلموں کو اجازت دی جارہی ہے۔ سنسر بورڈ کے اراکین اس کا ملبہ اسلام آباد پر ڈالتے ہیں تو اُن سے رابطے کے بعد علم ہوتا ہے کہ کراچی مقامی اور مرکزی سنسر بورڈ غیر ملکی فلموں کے اجازت نامے جاری کرتا ہے، مقامی فلموں کیلئے مرکزی بورڈ غیر فعال کردار ادا کر رہا ہے۔ سندھ سنسر بورڈ کی جانب سے بھی پشتو کی ایسی فلموں کو نمائش کی اجازت نامے دے دیئے جاتے ہیں کہ جو پختون ثقافت کے برخلاف اور عریاں رقصوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ گذشتہ دنوں سندھ سنسر بورڈ کے ایک اعزازی رکن عمر خطاب سے بات چیت ہوئی تو انھیں اس بات پر اصرار تھا کہ ان کی جانب سے ایسی کسی فلم کو اجازت نامے نہیں

دیئے جاتے، جو کراچی سے باہر نمائش پذیر ہوں، ان کی اس بات کو غلط ثابت کرنے کیلئے لاہور ہائی کورٹ میں چلنے والے مقدمے ڈرٹی گرل اور جیو نیوز کی رپورٹ کا حوالہ دینا ضروری ہوگیا، جیسے لاہور پشاور سرکٹ میں نمائش کیلئے کراچی سے اجازت نامہ فراہم کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی پشاور میں چلنے والی بغیر سنسر شدہ فلم " شرط" کو بھی مورخہ 20 اگست کو جاری کئے، حالاں کہ فلم پشاور میں چل رہی ہے، یہی عمل عید سے ایک دن قبل پشتو فحش فلموں کو اجازت دیکر دوہرایا گیا، ایک پشتو فلم میں اس قدر عریاں اور فحش مناظر تھے کہ عوام کے شدید اعتراض پر سنسر بورڈ نے چھاپہ مار کر ایسے ضبط کرلیا، لیکن یہ عمل پہلے بھی جاری تھا اور اب بھی جاری ہے کہ پشتو فلموں پر سنسر کے کسی قانون کا اطلاق نہیں ہوتا اور چند مفادات کے خاطر پشتو ثقافت کے خلاف بننے والی فلموں کو لسانی تعصب کی بناء نمائش کی اجازت فراہم کرکے اپنی جیبیں گرم کر لی جاتی ہیں۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ سنسر بورڈ کی جانب سے بھارتی فلموں میں عریانیت کی وجہ سے نمائش پر پابندی لگا دی جاتی ہے جیسے شوٹ آوٹ اوڈلہ، لارا دتہ کی فلم ڈیوڈ، ایک تھا ٹائیگر، بھارتی فلم رانجھنا، ونود ایجنٹ جیسی کئی فلمیں شامل ہیں، لیکن پشتو فلموں میں پختون ثقافت کے خلاف بننے والی فلموں کو اجازت اور عریانیت کی فروغ کے لئے سنسر بورڈ کا کردار قطعی جانبدارانہ ہے۔ مرکزی سنسر فلم بورڈ کی شاخ کراچی میں باقاعدہ کام کر رہی ہے لیکن انکی جانب سے فحش و پختون ثقافت کے خلاف بننے والی فلموں کو

اجازت نامے دینا انتہائی شرم اور ان کیلئے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ فلم سنسر بورڈ غیر ملکی فلموں میں پاکستانی ثقافت کے خلاف جب ایکشن لے سکتا ہے تو پھر پاکستانی فحش پشتو فلموں سے روگردانی کیوں؟ سنسر بورڈ کو اپنی مجرمانہ روش کا خاتمہ کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہ پختون ثقافت کے خلاف سازش ہے۔ سنسر بورڈ اپنی روش کو تبدیل کرے کیونکہ یہی بہتر ہے

امریکہ کا افغانستان سے انخلاء پر پاکستان کو نظر انداز کرنا غلطی ہوگی

جیسے جیسے امریکہ کی جانب سے افغانستان کی انخلاء کی متعین تاریخ نزدیک آ رہی ہے، امریکہ کی پریشانی میں متواتر اضافہ ہوتا جارہا ہے۔افغان جنگ میں استعمال ہونے والا 50ارب ڈالر کا ساز و سامان امریکہ کیلیے وبال اور بھاری نقصان کا باعث بن رہا ہے۔رپورٹ کے مطابق سامان کی واپسی کیلیے 6ارب ڈالر لاگت آئے گی، امریکی حکام اپنا ساز سامان افغانستان میں چھوڑنے کے حامی نہیں ہیں۔ کیونکہ انھیں اس بات کا خدشہ ہے کہ امریکہ کی واپسی کے بعد طالبان افغانستان پر باآسانی غالب ہوجائیں گے اور ان کا تمام ساز و سامان طالبان کے زیر استعمال آجائے گا۔افغان جنگ کے بارہ سال بعد امریکی حکام انخلاء سے قبل فوجی ساز و سامان طالبان سے بچانے کیلیے مختلف آپشن پر غور کر رہے ہیں، گوکہ پینٹاگون عندیہ دے چکا ہے کہ افغانستان میں مستقل امن کے قیام تک اُس کی مکمل فوج واپس نہیں جائے گی اور امریکہ کی ماضی کی تاریخ بھی گواہ ہے کہ اُس نے جس بھی ملک میں لشکر کشی کی ہے، وہاں سے جنگ بندی کے بعد بھی امریکی فوجی اڈے اور فوجی موجود رہیں ہیں، اس لئے یہ ناممکن ہے کہ افغانستان کی سرزمین پر امریکہ کا کوئی فوجی نہیں ہوگا، ابتدائی طور پر پینٹاگون کی جانب سے بیان میں پانچ ہزار فوجی افغانستان میں رہنے کا ارادہ

ظاہر کیا گیا تھا لیکن بعد ازاں تعداد کی ضرورت کی لحاظ سے مزید اضافے کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا گیا۔تاہم امریکہ کی نقل و حرکت میں کمی ضرور واقع ہوجائے گی اور ان کیلئے دیگر مشکلات میں سب سے اہم مسئلہ جنگی گاڑیوں ، ڈائنگ روم ، جم اور کپڑے اور دیگر اشیاء کو واپس لے جانا ہے۔ دسمبر 2014ء تک 35 ہزار فوجی گاڑیاں اور 95 ہزار کنٹینرز امریکہ، فوجی وطن واپس لے جانا چاہتے ہیں اور اس کی ترسیل کی لاگت کا تخمینہ 6 ارب ڈالر کے قریب لگایا جا رہا ہے۔ بھاری فوجی ساز سامان کی اس ترسیل کو تاریخ کی سب سےبڑی فوجی سازو سامان کی ترسیل قرار دیا جا رہا ہے۔امریکی فوج کیلئے مسئلہ اول یہی ہے کہ افغانستان میں کوئی بندرگاہ نہیں ، فضائی یا مشرق وسطی کا راستہ استعمال کرنے سے لاگت میں بے تحاشا اضافہ ہوجائے گا اس لئے ان کی تمام توجہ پاکستان کے راستے اپنے فوجی سامان کو لے جانے پر مرکوز ہے، جنھیں پاکستان میں کسٹم فیس ادا کرکے نکالا جاسکے گا۔افغان جنگ میں صرف کنٹینرز کو نکالنے کی لاگت 237 ملین ڈالر لگائی جا رہی ہے ، جبکہ ایک ملین ڈالر سے زیادہ قیمت والے 2 ہزار ٹرکوں کو افغانستان میں چھوڑنے پر غور کیا جا رہا ہے ۔ذرائع کے مطابق ایسی چوبیں ہزار گاڑیاں پہلے ہی امریکی فوج کے استعمال میں ہیں۔8 ٹن وزنی یہ ٹرک فوجیوں کو لانے جانے کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں اور سڑک کے کنارے نصب بم ان پر اثر نہیں کرتے۔امریکہ کیلئے یہ بھی پریشانی کا باعث ہے کہ انھیں لے جانے کے بجائے اسکریپ کردیا جائے اور اس کی نیلامی کرکے ان

ساز و سامان کو افغانستان اور پاکستان سمیت کسی ملک کے حوالے نہیں کیا جائے۔ جنگی ساز و سامان کی فروخت اور نیلامی کیلئے ایک ویب سائٹ پر اشتہار دینے کا پروگرام پیش کیا جارہا ہے۔ من پسند افراد اس سائٹ سے اپنی پسند کے جنگی ساز و سامان کو حاصل کرسکیں گے۔ لیکن بھاری فوجی ساز و سامان کو فروخت سے قبل تباہ کردیا جائے گا تاکہ کسی کے استعمال میں اس کی ٹیکنالوجی نہ آسکے۔ اس لئے لکڑی کے تختے سے ٹرک اور فائر انجن سے روٹی پکانے والی مشین تک ہر روز اس سائٹ پر نئے آئٹمز پیش کئے جارہے ہیں، گو کہ امریکہ چاہتا ہے کہ فوجی ساز و سامان جو افغان جنگ میں استعمال ہوا ایسے واپس لا کر کیلی فورنیا میں قائم 35 ہزار ایکڑ پر محیط ڈپو میں اسٹور کیا جائے۔ یہاں پہلے ہی لاکھوں جنگی گاڑیاں اور ایک ارب ڈالر مالیت کے کپڑے موجود ہیں، اٹلانٹک کونسل کے سینئیر فیلو جم ہاسک کے مطابق اتنا زیادہ ساز و سامان واپس لانے کے بجائے وہیں تباہ کردیا جائے گا۔ امریکہ اپنے فوجی ساز و سامان کو پاکستان کے حوالے بھی نہیں کرنا چاہتا کیونکہ دونوں ممالک کے درمیان اعتماد کی کمی واقع ہے لیکن امریکہ کو یہ ضرور سوچنا چاہیے کہ اگر پاکستان دفاعی ساز و سامان کے ساتھ مضبوط ہوگا تو شدت پسندوں کے خلاف کاروائی کرنے میں دشواری کا کم سامنا کرنا ہوگا۔ اگر امریکہ نے افغانستان سے باقاعدہ انخلاء شروع کردیا ہے تو قوی امکان یہی ہے کہ طالبان کے تمام گروپ اجتماعی طور پر مال غنیمت کو حاصل کرنے کیلئے امریکی قافلے پر دھاوا بولیں گے اور کابل سے لیکر

کراچی تک امریکی قافلیکی باحفاظت واپسی کی گارنٹی نہیں دی جا سکتی۔اس کیلئے امریکہ کو پاکستان کی فوجی امداد کے طور پر اپنا سازو سامان پاک فوج کے حوالے کرنا زیادہ مناسب ہوگا کیونکہ اس سے خطے میں طاقت کا توازن برقرار رہ سکتا ہے اور افغان جنگ میں چالیس ہزار سے زائد معصوم پاکستانیوں کی ہلاکتیں، صرف امریکی جارحیت کی بناء پر ردعمل کے طور پر ہوئیں۔اصل حقائق یہی ہیں کہ پاک عسکری قوت کی قربانیوں کا کوئی مالی تعاون مدوا نہیں کرسکتا لیکن دنیا میں امن کے خاطر اور افغانستان کی ترقی کیلئے ضروری ہے کہ پاکستان اپنے طویل ترین بارڈر پر دراندازوں کو روک سکنے کی اہلیت حاصل کرے۔ گو کہ امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کی قربانیوں کو نظرانداز کرتے ہوئے مطالبات در مطالبات کی پالیسی اپنائی، جس کے سبب پاکستانی عوام میں امریکہ کے خلاف اعتماد کی فضا پیدا نہیں ہوسکی۔پاکستان کی تضحیک اور بھارت کی ہمنوائی کے ساتھ سی آئی اے کی جانب سے بلا روک ٹوک کاروائیوں اورڈرون حملوں نے پاکستانی عوام کے جذبات کو شدید مشتعل کیا، خاص کر امریکی فوج کی جانب سے قرآن پاک کی بے حرمتی اور امریکی پادری کی جانب سے قرآن پاک شہید کرنے کے واقعے سمیت متعدد ایسے مواقعے آئے جس میں امریکہ اگر انسانیت اور مذاہب کے احترام کے طور پر اپنا مدبرانہ کردار ادا کرتا تو یقینی طور پر افغانستان سے ایسے ہزیمت اٹھا کر جانے کیلئے محفوظ راستے کی تلاش میں پریشانی اور اربوں ڈالر کا نقصان نہیں اٹھانا پڑتا۔ طورخم بارڈر وباب

دوستی سے لیکر کراچی کے ساحلوں تک طالبان نے اپنے نیٹ ورک کو اس قدر مضبوط بنالیا ہے کہ عسکری قیادت ، سیاسی جماعتوں کی نا اتفاقیوں کی بناء پر ٹھوس حکمت عملی کرنے سے قاصر رہی اور طالبان کو اپنے قدم جمانے کا بھرپور موقع مل گیا۔امریکہ اس زعم میں اگر ہے کہ طالبان کا باب ختم ہوگیا تو اس کی خام خیالی ہے کیونکہ طالبان ایک ایسی قوت کا نام ہے جس میں اپنی سرزمین کے خلاف لڑنے جذبہ اسلامی غلبے کیوجہ سے مستحکم و متفق ہے۔شواہد یہی بتاتے ہیں کہ پاکستان میں بدامنی کیلئے امریکہ کی جانب سے سی آئی اے ، اپنے زیر خرید ایجنٹوں کے ساتھ مکروہ کردار ادا کر رہی ہے اور اس کے پاکستان توڑنے کے کئی منصوبے منظر عام پر آچکے ہیں ، لیکن مسلمانوں کے ساتھ یہ مصیبت ہے کہ غیر مسلم کو زندگی سے پیار ہوتا ہے لیکنمسلمان ، اپنے رب کی رضا کیلئے موت کو بلند ترین اعزاز کا درجہ سمجھتا ہے۔امریکہ کی جانب سے پہلی بار کسی مدرسے پر پابندی عائد کرنے کے عملکے سبب امریکہ کے خلاف نفرت میں مزید اضافہ ہوا ہے۔پاکستانی حکمران بلا شبہ امریکی خوشنودی چاہتے ہیں لیکن پاکستانی اور افغانی عوام اپنے تمام تر اختلافات کے باوجود امریکہ کے ہر عمل کو شک و شبے کی روشنی سے دیکھتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی تمام تر کوششوں کے باوجود پولیو خاتمے کی مہم بُری طرح ناکام ہو رہی ہے اور شکیل آفریدی کی ایک عمل کی وجہ سے پورے ملک میں اس مہم کے خلاف شک و شبے کا اظہار کیا جاتا ہے اور شدت پسند اب کبھی نہیں چاہئیں گے کہ این جی اوز کسی

بھی بہانے سے ان کے علاقوں میں داخل ہوں، اس لئے امریکی مفادات کے بجائے صحت عامہ کیلئے بھی کی جانے والی کوششیں امریکی طرز عمل کی وجہ سے ناکام ہو رہی ہیں اور بے قصور پولیو ورکر، شدت پسندوں کا کھلم کھلا نشانہ بن رہے ہیں۔حکومت کی جانب سے دہشت گردی کے خلاف واضح پالیسی نہ ہونے کے سبب مسلم لیگ (ن) جو طالبان کے نزدیک پسندیدہ جماعت تھی اب انھیں بھی اے این پی کی طرح سبق سکھانے کا الٹی میٹم دیا جا رہا ہے جو ایک خطرناک رجحان کی نشان دہی کر رہا ہے۔امریکہ، اگر پاکستان میں اپنے لئے ہمدردی حاصل کرنے کیلئے مخلص ہے تو ایسے اپنے عمل سے ثابت کرنا ہوگا۔افغانستان سے انخلاء کیلئے پاکستان کو دفاعی لحاظ سے مضبوط کرنا خود امریکہ کے مفاد میں ہے، جدید ترین ساز وسامان کو اسکریپ کرنے کے بجائے پاک عسکری قوت کو دینے سے مستقبل میں پاکستانی سرحدوں کی حفاظت، دراصل پورے عالمی خطے کی حفاظت کیلئے ہوگی۔چند ارب ڈالر کیلئے کھربوں ڈالر کی دوبارہ مہم جوئی امریکی کی رہی سہی معیشت کو تباہ کردے گا۔افغانستان کو پاکستان کے بغیر کوئی دوسرا ملک اس لئے کنٹرول نہیں کرسکتا کیونکہ ان کی جغرافیائی و ثقافتی راویات ایک جیسی ہیں اس لئے پاکستان کو افغانستان کی جانب سے دراندزیوں اور غیر ملکی شدت پسندوں کی روک تھام اور ان کے خلاف بھرپور کاروائی کیلئے عسکری مضبوطی ناگزیر ہے، ملک کی مشرقی سرحدیں پر بھارتی جنگی جنونی مہم جوئی کا مسلسل اثر پورے پاکستان پر ہو رہا ہے اسی طرح پاکستان کو غیر مستحکم کرنے والے

عناصر اپنی اس روش سے یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کمزور ہو جائے گا تو ان کے مقاصد پورے میں کامیابی کا تناسب بڑھ جائے گا تو یقینی طور پر یہ ایک غلط فیصلہ ہوگا۔ پاکستان، اپنی دفاعی قوت کے حوالے سے دنیا میں مضبوط ترین عسکری قوت تسلیم کی جاتی ہے، امریکہ کے افغانستان سے جانے کے بعد افغانی افواج کی جانب سے مہم جوئی کا شوق، اور مشرقی حصوں پر بھارتی جنونیت کا مقابلہ تو پاکستان جیسے تیسے کر لے گا لیکن امریکہ اگر یہ سمجھتا ہے کہ پرویز مشروف کی طرح ایک فون کی دھمکی پر پاکستان ایک بار پھر گھٹنے دوبارہ ٹیک دے گا تو یہ غلط فہمی ہو گی اور اسکا نا قابل تلافی نقصان ہوگا۔ امریکہ عالمی امن و امان کیلئے اپنے طرز عمل میں گنجائش پیدا کرے جو خطے کیلئے بہتری کا مثبت قدم ہوگا۔

تحریک انصاف: یہ کیوں ہوا، کیسے ہوا، کس طرح سے ہوا؟؟

ضمنی انتخابات میں بیشتر سیاسی لیڈروں کا بخار اتر گیا اور عوام کی جانب سے نتائج کی جو توقعات تھیں ، وہ ویسے ہی آئیں۔ملک بھر کے ضمنی نتائج کے حوالے سے قابل توجہ عمران خان کی چھوڑی گئی نشستیں اور کراچی میں ایم کیو ایم کی جانب دنیا بھر کی توجہ مرکوز تھی۔ ضمنی انتخابات میں اس بار انتخابات فوج کی نگرانی میں ہوئے ، اس لئے ماضی کے مقابلے میں کسی جماعت کے پاس یہ کہنے کو یہ حربہ نہیں رہ گیا تھا کہ کسی جماعت نے ٹھپے لگا کر اپنے امیدوار کو کامیاب کروایا ہے۔کراچی گذشتہ انتخابات میں مختلف قیاس آرائیوں کی وجہ سے توجہ کا مرکز تھا کہ فوج کی موجودگی کے باعث ایم کیو ایم کی کامیابی مشکوک ہوگی ، لیکن ایم کیو ایم نے ضمنی انتخابات میں اپنی قومی اور صوبائی نشستوں پر از سرنو کامیابی حاصل کرکے نقادوں کو خاموش کردیا۔اسی طرح پنجاب میں اور خیبر پختونخوا میں سب سے زیادہ توجہ غلام احمد بلور اور میانوالی کی نشست پر تھی ، مجھ سمیت پختون فطرت کے حامل کیلئے ضروری تھا کہ اس نے سمجھنے میں کوئی غلطی نہیں کی کہ تحریک انصاف کی جانب سے کئے گئے تمام وعدے پہلے دو ماہ میں ہی بدل چکے تھے اور خیبر پختونخوا میں پشاور کی عوام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا کہ انھوں نے جذبات کی رو میں بہہ کر غلام احمد بلور اور شہید بشیر احمد بلور

کی قربانیوں کو نظر انداز کرکے ایک ایسے شخص کو ووٹ دیئے تھے، جس نے پختون روایات کا خیال نہیں رکھا۔ عمران خان کو یہ مشورہ دیا جاچکا تھا کہ پشاور سیٹ پر پختونوں نے اس پر بڑے اعتماد کا اظہار کیا ہے لہٰذا عوامی نیشنل پارٹی کے ساتھ ہونے والے سلوک کو وہ یاد رکھے اور اپنے راہ کو درست رکھے، لیکن پارٹی تبدیل کرنے والی روایتی لوٹے سیاستدانوں کے نرغے میں پھنسے عمران خان حسب عادت پختون روایات کو نظر انداز کرگئے اور پشاور کی عوام کو اپنی غلطی درست کرنے کیلئے پانچ سال کا انتظار نہیں کرنا پڑا اور دو ماہ بعد ہی عمران خان نے خود ہی موقع فراہم کردیا اور پشاور کی عوام سے سر کا بوجھ ہلکا ہوا۔ پختون عوام کو اے این پی کی سابقہ پالیسوں سے کوئی سروکار نہیں تھا، لیکن یہاں جذبات کا شکار ہو کر اپنے درمیان رہنے والے بلور خاندان اور میاں افتخار حسین کے ساتھ نا انصافی ہونے کے سبب ایک عام شہری کی یہی رائے تھی کہ عمران خان کو ووٹ دینا ہماری پہلی اور آخری غلطی تھی۔ عمران خان پاکستان کے وزیر اعظم تو بن نہیں سکے، خیبر پختونخوا کے وزیر اعظم ضرور بن گئے اور میڈیا میں ان کی صوبائی حکومت میں مداخلت کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا۔ پاکستان تحریک انصاف کا تکبر انھیں لیکر ڈوبا، خاص طور پر جب وزیر اعلی خیبر پختونخوا کو سیاسی عہدہ چھوڑنے کا کہا گیا تو عمران خان کی حکم عدولی نے ثابت کردیا کہ عمران خان کی گرفت اپنی پارٹی کے رہنماؤں اور کارکنان پر مضبوط نہیں ہے۔ عوام سے کئے جانے والوں وعدوں میں

سب سے اہم دعوی امن لانے کا تھا، جیسے پہلے ہفتے یہ کہہ کر اپنے آپ کو بری الزما کرا لیا گیا کہ یہ وفاقی حکومت کی ذمے داری ہے۔ڈرون حملوں کے خلاف ان کا ایک عمل بھی سنجیدہ نہیں تھا اور تحریک انصاف کی جانب سے اس دعوے کو بھی پورا نہیں کیا گیا کہ وہ اقتدار میں آنے کے بعد وزیر اعلی ہاؤس کو تعلیم کی درس گاہ میں تبدیل کر دی گی۔بلکہ تحریک انصاف نے اپنی اقربا پروری و سہل پسندی کی مثالیں قائم کرنا شروع کر دیں جس کا ایک عملی مظاہرہ وزیر اعلی کی جانب سے عمران خان سے ملاقات کیلئے ہیلی کاپٹر کا غیر ضروری استعمال اور ٹکٹوں کی تقسیم میں وزیر اعلی کی جانب سے اپنے داماد عمران خٹک خیبر پختونخوا کے اسپیکر اسد قیصر کے بھائی عاقب اللہ کو ترجیح دینا شامل تھا۔ علاوہ ازیں عمران خان نے اپنی روایت کو قائم رکھتے ہوئے مولانا فضل الرحمٰن کے خلاف وہی لب و لہجہ استعمال کیا جو اس سے قبل نواز شریف وشہباز شریف کے لئے رکیک اور اخلاق سی گری بیان بازی میں کر چکے تھے۔مولانا فضل الرحمٰن ایک نامور اور اہم مذہبی سیاسی شخصیت ہیں اور مذہبی حلقوں کے علاوہ پختونوں میں ان کا بڑا احترام کیا جاتا ہے، لیکن عمران خان نے اپنی سیاسی ناپختگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جس لب و لہجے کا استعمال کیا وہ عوام میں ناپسندیدہ رہا۔اس کے ساتھ ہی عمران خان نے اپنے بیانات کے یوٹرن میں جس طرح سپریم کورٹ کو گالیاں دیں اور پھر ریٹرننگ افسران کو اپنی بیان بازی کا نشانہ بنایا، وہ بھی عمران خان کو غیر مقبول کرنے میں اہم کردار ادا کر گیا ،

لیکن سب سے بڑا مرحلہ اس وقت سامنے آیا جب امریکہ کے سب سے بڑے مخالف ہونے کے دعوے دار عمران خان نے عوام سے چھپ کر امریکی سفیر سے ملاقات کی۔ جس کے طشت از بام ہوتے ہیں عمران خان کے دوہرے رویئے کی تمام پول پٹیاں کھلتی چلیں گئیں۔ کراچی میں تحریک انصاف پی ایس ۹۳ کی سیٹ جس طرح جیتی، اگر عمران خان پاکستان کے تمام حلقوں کے بجائے صرف اپنے اسی حلقے کی بائیو میٹرک سسٹم کے تحت چیکنگ کروالیں تو انھیں اپنے وائٹ پیپر شائع کرنے پر شدید شرمندگی کا سامنا کرنا ہوگا۔ تحریک انصاف نے صرف سیٹوں کیلئے کراچی میں لسانی سیاست کو فروغ دینے کی کوشش کی اور کراچی کی عوام کو پی پی آئی، اے این پی، پی پی پی، نام نہاد سندھی قوم پرست اور لیاری گینگ وار کی طرح تحریک انصاف کا مقصد کراچی میں امن نہیں بلکہ شر کے ذریعے صرف اپنی سیاست کو چمکا کر کامیابی حاصل کرنی تھی۔ کراچی میں آنے والے سیلاب میں جس طرح ہزاروں لوگ رمضان المبارک میں دربدر و تباہ ہوئے اور ان کی عید کی خوشیاں، آنسوؤں میں بسر ہوئیں، ان کی دادرسی کیلئے تحریک انصاف، اے این پی، پی پی پی اور دیگر جماعتوں کا نام و نشان تک نہیں تھا، لیکن متحدہ قومی موومنٹ نے انھیں راشن تقسیم کیا اور وہاں عارضی کیمپ قائم کرکے بیمار بچوں اور مرد و عورتوں کا علاج کیا۔ کراچی کی عوام کا تعلق کسی بھی طبقے سے ہو، وہ اب اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ انھیں آپس میں لڑانے والے صرف اپنے مفادات کے خاطر ایک ہو جاتے ہیں۔ پی پی پی حکومت کی جانب سے حالیہ بلدیاتی

نظام کو اپنی عددی قوت کے ذریعے منظور کروانے پر تمام سیاسی جماعتوں نے یک زبان ہو کر ایسے مسترد کردیا۔ جماعت اسلامی نے بھی ایم کیو ایم کی طرح بلدیاتی بل کو کراچی کے خلاف سازش قرار دیکر ثابت کردیا کہ پی پی پی کو کراچی شہری آبادیوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ تحریک انصاف کو بھی اے این پی کی طرح کراچی میں کامیاب کروانے کیلئے فرشتوں نے ووٹ ڈالے تھے، لیکن صرف سیٹ جیتنے سے کچھ نہیں ہوتا، اصل خدمت عوام کے دکھ سکھ میں ساتھ رہنا ہوتا ہے۔ جس طرح خیبر پختونخوا میں تحریک انصاف کا یہ کہنا تھا کہ " بم دھماکے ہی تو ہوئے ہیں، کوئی قیامت تو نہیں آئی، جنازے میں شرکت کرنا ضروری تو نہیں"۔ تو اُس بیان سے پختون عوام نے میاں افتخار حسین اور بشیر احمد بلور کو شدت سے یاد کرتے ہوئے بین کی کہ اب ہمیں اب یتیمی کا احساس ہوا ہے۔ اسی طرح ایم کیو ایم کے خلاف تحریک انصاف نے لسانی محاذ بنا کر ایک ایسی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی تھی کہ جیسے برگر کھانے والے بن کباب کھانے والوں کو اپنی فیکٹری کا ملازم سمجھتے ہوں۔ پاکستان پر حکومت کرنے والے دونوں بھائیوں کو نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ پنجاب کے نمائندے نہیں بلکہ پورے پاکستان کے نمائندے ہیں، سیلاب سے 14 لاکھ افراد متاثر اور 169 افراد ہلاک ہوئے لیکن ان کی داد رسی میں تحریک انصاف کا نام و نشان تک نہیں۔ کراچی کے عوام امن چاہتے ہیں اور کراچی کے مینڈیٹ کو سیاسی افہام تفہیم سے حل کئے بغیر ملک کی معیشت اپنے پیروں پر کبھی کھڑی نہیں ہو سکتی۔ تحریک انصاف کو

اپنا مستقبل صرف دو ماہ کی حکومت میں ہی نظر آگیا ہے ، ابھی تو پوری پانچ سال ان کے سامنے ہیں ، اگر اب بھی انھوں نے ہوش کے ناخن نہیں لئے تو ، شائد ان کی حکومت بقول مولانا فضل الرحمٰن " گولڈ اسمتھ "کے ایجنڈے کے ساتھ جلد ہی دفن ہو جائے گی۔ تحریک انصاف اپنے انتخابی وعدوں کو پورا کرنے کیلئے اپنی مثبت توجہ و عملی کردار پر مرکوز کرے اور جب اُن سے کوئی یہ سوال پوچھے کہ ان کی حکومتی کارکردگی کیا ہے ؟ تو اپنی کارکردگی کا جواب دیں ، خاتون آہن بشریٰ گوہر کو دیئے جانے والے ذاتیات پر جواب کی طرح قدامت پرستی اور کارکردگی سے راہ فرار کا مظاہرہ نہ کریں ۔نوشہرہ اور لکی مروت میں خواتین کو ووٹ کے حق سے محروم کرنے کا کلنک تحریک انصاف کیلئے سب سے بڑا ایشو بن چکا ہے ۔ مجموعی طور پی ٹی آئی ، کو اصلاح کی ضرورت ہے۔اے این پی کو اقتدار ملنے کے بعد یہی نصیحت کی جاتی رہیں تھیں کہ انھیں موقع ملا ہے تو اپنی خدمت کی مثال قائم کریں ۔ اور یہی مشورہ ہم سب کی جانب سے عمران خان کو بھی ہے۔وقت کی ڈور اب بھی پی ٹی آئی ، پی پی پی ، مسلم لیگ (ن) کے ہاتھ میں ہے ۔بس سمجھنا ہوگا اور خدمت اختلاف کے بجائے ملکی مفاد کو مقدم اور اقربا پروری کو ختم کرنا ہوگا۔

فرقہ وارانہ عالمی جنگ کے اہداف

دنیا کے مختلف ممالک کے امن و مان کی صورتحال کا سرسری جائزہ لیں تو یہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی کہ اس وقت دنیا کے مسلم ممالک میں عالمی جنگ کا آغاز ہو چکا ہے اور ماضی کی عالمی جنگوں میں اس بار اس جنگ کا ہدف مسلمان ہیں اور انھیں اپنے مسلکی اختلافات کے بناء پر پوری دنیا میں نشانہ بنایا جارہا ہے۔ سعودی عرب اور ایران کی جانب سے شام میں کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کے خلاف مذمتی بیان سامنے آیا۔ امام کعبہ نے شام کے واقعات کی شدید مذمت کی تو دوسری جانب ایرانی صدر حسن روحانی نے بھی پہلی بار کہا کہ " کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال جس نے بھی کیا ہو اس کے سدباب کیلئے عالمی برادری کو طاقت بروئے کار لانی چاہیے۔" شام میں کیمیائی ہتھیاروں سے معصوم جانوں کی جس قدر بھیانک ہلاکتیں ہوئیں ہیں اس کی بربریت کی مثالیں تاریخ انسانی میں بہت کم ملتی ہیں سعودی عرب اور ایران کی جانب سے مذمتی بیانات یکساں اور واضح تھے۔ ایران کی جانب سے اس بات کی تصدیق کی گئی ہے کہ " شام میں 1300 سے زائد ہلاتیں کیمیائی ہتھیاروں ہی کی وجہ سے ہوئی ہیں" ، حسن روحانی کا کہنا تھا کہ " اسلامی جمہوریہ ایران نے عالمی برداری سے مطالبہ کیا ہے کہ اپنی تمام تر طاقت کیمیائی ہتھیاروں کے خلاف بروئے کار

لائے ، خواہ یہ دنیاکے کسی بھی حصے میں استعمال کئے گئے ہوں"۔1980اور1988 کی ایران عراق جنگ میں بھی کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال ہوا تھا اس لئے ایران کی جانب سے کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کی شدید مذمت کی گئی ہے۔حیران کن بات یہ ہے کہ کیمیائی ہتھیاروں کا بہانہ بنا کر امریکہ کی جانب سے عراق پر لشکر کشی کی گئی تھی اور فرقہ وارانہ قتل عام کے الزام میں صدام حسین کو سزائے موت بھی دے دی گئی لیکن شام کی جانب سے سفاکانہ طور پر کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کے بعد بھی امریکہ اور روس کی جانب سے شام سے اپیل کی جارہی ہے کہ اس معاملے کی غیر جانب دارانہ تحقیقات کیلئے اجازت دے، امریکی بیڑا صدر امریکہ کی جانب سے اجازت کا منتظر ہے۔شامی حکومت کی جانب سے اس اپیل پر کوئی عندیہ نہیں دیاگیا اور معائنہ کاروں کو مبینہ مقام تک جانے کی کوئی اجازت نہیں دی جارہی ۔ دمشق کے علاقے غوطہ میں کیمیائی ہتھیاروں کے حملے میں سینکڑوں ہلاکتوں پر اقوام متحدہ کی بے حسی و ستم روی۔بڑی حیران کن ہے کہ جہاں ان کے اپنے مفادات ہوتے ہیں وہاں سلامتی کونسل کا اجلاس بلا کر کسی بھی ملک پر بغیر ثبوت چڑھائی کرنے کی امریکہ کو اجازت دے دی جاتی ہے لیکن جب ان کے نزدیک مسلمانوں کی تباہی و بربادی ہو رہی ہو تو پھر انھیں کسی بھی معاملے پر جلد رد عمل کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ شام میں خانہ جنگی کے نتیجے میں دس لاکھ کے قریب بچے نقل مکانی کرنے پر مجبور ہوئے ہیں اور یونیسف کی رپورٹ کے مطابق بیس لاکھ بچے اپنے ملک میں اپنے گھر

وں سے بے گھر اور دربدر ہو چکے ہیں۔ دوسری جانب لبنان کے شہر طرابلس کی دو مساجد میں ہونے والے دھماکوں کے نتیجے میں بیس افراد سے زائد افراد جاں بحق اور پانچ سو سے زائد زخمی ہو چکے ہیں۔ میڈیا رپورٹ کے مطابق لبنان کے ہمسایہ ملک شام میں جاری فرقہ وارانہ جنگ کے اثرات لبنان پر بھی مرتب ہو رہے ہیں اور دونوں مذہبی گروہوں کے درمیان کشیدگی میں اضافہ ہوا ہے۔ کچھ ایسی ہی صورتحال پاکستان میں بھی دیکھنے کو آئی جب پنجاب کے ضلع بھکر میں فرقہ وارانہ تشدد کے نتیجے میں 11 افراد ہلاک ہوئے جبکہ کوئٹہ، ہنگو، کوہاٹ، بنوں، پشاور، کراچی اور دیگر شہر دہشت گردی کا نشانہ بن رہے ہیں حالیہ اسلام آباد میں ایک مدرسے پر فائرنگ کے بعد صورتحال مزید کشیدہ ہو گئی، جمعہ کی نماز کے بعد ہونے والی فائرنگ سے 3 افراد جاں بحق ہوئے۔ فرزندان اسلام کا ہولناک قتل عام مذہبی اختلاف کی بناء پر دنیا کے سامنے آ رہا ہے اور اسلام کا ایک غلط رخ غیر مسلم دنیا میں پیدا ہو رہا ہے کہ مسلک اور فرقہ کے نام پر جب مسلمانوں میں متشدد اختلاف موجود ہے تو پھر اسلام، امن و آشتی کا مذہب کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ مصر میں جس طرح جمہوریت پر امریکہ کی آشیر باد پر شب خون مارا گیا اور نہتے نمازیوں پر فوجی ٹینکوں سے چڑھائی کی گئی اس نے ہلاکو خان کی چنگیزیت کو شرما دیا تو کسی نے ایسے فرعون کی واپسی قرار دیا یہاں بھی امریکہ جیسے ممالک فوج کے آمرانہ اقدام پر لب سلے بیٹھے ہیں۔ جامعہ الازہر کے سربراہ ڈاکٹر احمد الطیب نے امریکہ پر زور دیا

ہے کہ وہ مصر میں افراتفری کی حمایت سے گریز کرے، ان کا کہنا تھا کہ مصر ایک نازک دور سے گذر رہا ہے عالمی برادری کو اس نزاکت کا احساس کرنا چاہیے"۔ عالمی استعماری قوتوں کی جانب سے مسلمانوں کے درمیان اختلافات کو جواز بنا کر ملت کو جس طرح تباہ و برباد کیا جارہا ہے اس کی مثال تاریخ اسلامی میں بہت کم ملتی ہے۔ فرقہ وارنہ کشیدگی عراق میں جس قدر ہیبت ناک طریقے سے پھیل رہی ہے ایسے عالمی طاقتوں کی جانب سے کنٹرول کے بجائے اشتعال انگیزی کو فروغ دیا جارہا ہے۔ صرف رمضان المبارک کے مہینے میں عراق میں دہشت گردی کے واقعات کی بناء پر کم از کم 670 افراد ہلاک ہوئے۔ اس سال تقریبا چار ہزار افراد ہلاک جبکہ ساڑھے نو ہزار سے زائد زخمی ہوئے ہیں، بغداد میں عید کے دن 11 دھماکے ہوئے جس میں 60 افراد جاں بحق اور 170 زخمی ہوئے۔ 2003ء کے بعد رواں سال سب سے زیادہ خونی قرار دیا گیا ہے اور امریکی انخلاء کے بعد اس سال فرقہ وارنہ تشدد کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے۔ عراق میں خود کش حملوں میں تیزی اور متشدد رجحان نے عام مسلمانوں کی زندگیوں کو خطرے میں ڈال دیا ہے، ماہ جولائی میں دیالی صوبے کے وجیہیہ شہر کی ابوبکر الصادق مسجد میں خود کش دھماکے سے کم از کم 20 افراد جاں بحق اور چالیس زخمی ہوئے۔ دیالی صوبے کے حوالے سے صورتحال یہ ہے کہ تمام مسالک دہشت گردی کے نشانے پر ہیں، دو مذہبی گروہوں کی مساجد، جنازے اور فٹ بال کے میدان دہشت گردی کا نشانہ بنتے ہیں، اس صوبے کو مسلکی جنگ کا اکھاڑہ بھی کہا جاتا

ہے۔ عراق میں فرقہ وارنہ تشدد کا ذمے دار وزیر اعظم نوری مالکی کو قرار دیا جاتا ہے جن پر الزام ہے کہ وہ ایک مخصوص گروہ کی قیادت کرتے ہیں ، 2011ء میں امریکی انخلاء کے بعد تشدد کی حالیہ لہر کو بدترین تشدد قرار دیا جارہا ہے۔اسی طرح عراق کے شمالی شہر کرکوک میں ماہ جولائی میں متعدد بم دھماکوں اور فائرنگ واقعات میں تیس افراد سے زائد ہلاک ہوئے ، شام کے صدر بشار الاسد کی طرح عراق کے وزیر اعظم نوی المالکی کو فرقہ وارنہ متشدد واقعات کا ذمے دار سمجھا جاتا ہے۔اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق اپریل سے جولائی 2013 تک ڈھائی ہزار عراقی مارے جاچکے ہیں۔ عراق کے شہر بغداد ، موصل ، کرکوک ،تاکی ، تکریت میں خود کش دھماکے میں ان گنت جانیں فرقہ ، وارنہ تشدد کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں۔پاکستان بھی عالمی سازشوں کا شکار ہے اور یہاں بھی کالعدم فرقہ وارانہ تنظیموں کی وجہ سے آئے دن مساجد ، جنازوں اور بے گناہ عوام کے ساتھ سیکورٹی اداروں کے اہلکاروں کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔مذہبی انتہا پسندی صرف پاکستان کا مسئلہ نہیں ہے کہ ایسے کوئی دو فریق بیٹھ کر حل کرلیں گے بلکہ یہ ایک عالمی اسلامی ممالک کے درمیان اختلافات کا سب سے متشدد مسئلہ ہے جس کا فائدہ امریکہ اور اسلام دشمن قوتیں اٹھا رہی ہیں۔وزیر اعظم کی جانب سے طالبان کو مذاکرات کی پیش کش اور طالبان کی جانب سے مذاکرات پر منقسم ہو جانا اور جماعت اسلامی کے ساتھ جمعیت علما اسلام (ف) پر عدم اعتماد کا اظہار بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ ایک جانب

طالبان کا ایک گروپ مذاکرات کا خیر مقدم کرتا ہے تو دوسری جانب وزیر اعظم کی تقریر کو اعلان جنگ قرار دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے درمیان باہمی چپقلش کو دور کرنے کیلئے تمام اسلامی ممالک کو اسلامی سربراہ کانفرنس کا انعقاد کرنا چاہیے اور نیٹو کے طرز پر اپنی اسلامی فوج بنا کر متاثرہ ممالک میں امن کے قیام کیلئے اپنا کردار ادا چاہیے۔ شام، لبنان، مصر، عراق، افغانستان اور پاکستان میں فرقوں اور مسالک کے نام پر جدال کا سدباب اسلامی ممالک کو خود ہی حل کرنا ہوگا۔ یہ ایک عالمی جنگ ہے جو مسلمانوں کے درمیان اختلافات کے سبب مسلم ممالک میں لڑی جا رہی ہے۔ مسلم ممالک اپنے وسائل و دولت کو باہمی اختلافات کی اس عالمی جنگ میں جھونک رہے ہیں، کوئی بھی ایک اسلامی ملک اس آگ سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ سب اتحاد بین المسلمین کا مظاہر کریں۔ تاکہ فرقہ وارنہ عالمی جنگ کا خاتمہ ہو۔ لیکن عالمی استعماری قوتیں بھی یہ یاد رکھیں کہ اس جنگ کا رخ ضرور ان کی جانب منتقل ہوگا وہ غلط فہمی میں بتلا نہ رہیں کہ یہ جنگ مسلم ممالک تک محدود رہے گی۔

خیبر پختونخواحکومت اور پختون ثقافتی ورثہ

Ž+ خیبر پختونخواکے وزیر اطلاعات و ثقافت شاہ فرمان نے دعوی کیا ہے کہ صوبے میں سنسر بورڈکے قیام کیلئے جلد قانون سازی کی جائے گی۔ان کے مطابق سنسر بورڈ کے قیام کیلئے ایک ڈرافٹ بل تیار کرلیاگیا جو کابینہ کی منظوری کے بعد اسمبلی میں قانون سازی کیلئے پیش کردیا جائے گا۔18ویں ترمیم سے قبل موشن پکچرز آرڈیننس کے تحت صوبے میں سنیماؤں میں پیش کی جانے والی پکچرز کیلئے وفاقی بورڈ سے اجازت ضروری تھی لیکن اٹھارویں ترمیم کے بعد یہ اختیار صوبوں کو تفویض ہوگیا۔نئے قانون کے تحت صوبوں کی ذمے داری ہے کہ وہ سنسر بورڈکے تحت بننے والی فلموں اور سی ڈی ڈراموں کی مکمل نگرانی کرے۔سندھ میں سنسر بورڈ بنایا جاچکا ہے اور سندھ سنسر بورڈ نے اپنے اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے دیگر صوبوں میں بھی فلموں کی نمائش کیلئے این او سی جاری کئے۔ سندھ سنسر بورڈ پہلے تو اس بات سے انکار کرتا رہا کہ وہ کراچی (سندھ) سرکٹ کے علاوہ کسی دوسرے صوبے کو این او سی جاری نہیں کرتا، لیکن عید پر جاری ہونے والی فلموں میں جب ان ہی کالموں میں پشتو فلموں میں فحاشی و ثقافت کے خلاف آواز بلند کی گئی تو سندھ سنسر بورڈکے ایک اعزازی رکن کی جانب سے شدید ردعمل سامنے آیا۔بذات خود اس رکن کو جنھیں پشتو

بھی نہیں آتی، اس بات کا زعم ہے کہ چونکہ وہ واحد "پختون" رکن ہیں اس لئے ان کے بغیر کسی بھی پشتو فلم کو این او سی جاری نہیں ہو سکتی، عملی طور پر ان کی بات درست بھی تھی، چونکہ سندھ سنسر بورڈ میں کوئی دوسرا ایسا کوئی رکن ہی نہیں جو خود کو پختون" ہونے کا دعوے دار کہلاتا ہو، تاہم جب میں نے ان سے اس بات پر استفسار" کیا کہ پشتو فلموں کو سندھ سے باہر نمائش کیلئے این او سی کیوں جاری کئے تو موصوف یکسر منکر ہو گئے اور ان کا لب و لہجہ کرخت اور غیر مہذبانہ ہو گیا، تاہم خیبر پختونخوا میں وزرات داخلہ کی جانب سے جب پانچوں پشتو فلموں پر پابندی عائد کی گئ تو میڈیا میں یہ واضح طور پر سامنے آیا کہ سندھ سنسر بورڈ نے ان فلموں کو این او سی جاری کیا ہے، الیکٹرونکٹ میڈیا نے فلمسازوں کے انٹرویو اور سندھ سنسر بورڈ کی جانب سے جاری کردہ این او سی آن ائیر کئے تو جھوٹ کا پردہ فاش ہوا صرف یہی نہیں بلکہ خیبر پختونخوا کے علاوہ، پنجاب میں بھی پشتو فلم" لوفر"، جس کی اردو ڈبنگ" ڈرٹی گرل"کی نام سے کی گئ ایسے بھی سندھ سنسر بورڈ نے ہی این او سی جاری کی تھی، لاہور ہائی کورٹ میں ڈرٹی گرل پر بھی پابندی عائد کی۔ سندھ سنسر بورڈ کی جانب سے پختون ثقافت کے خلاف فحش فلموں کے اجازت ناموں کے اسکنڈل کے بعد خیبر پختونخوا حکومت پر دباؤ بڑھایا گیا کہ وہ اس سلسلے میں قانونی قدم اٹھائے، خیبر پختونخوا کے وزیر اطلاعات و ثقافت شاہ فرمان نے اب یہ عندیہ دیا ہے کہ خیبر پختونخوا حکومت ماضی کے برخلاف روایت شکن عمل اپناتے

ہوئے صوبے میں پشتو فلموں، ڈراموں اور سی ڈی بنائے جانے والے پر گراموں کیلئے سنسر بورڈ تشکیل دیگا۔جب تک خیبر پختونخوا میں قانون سازی کا عمل مکمل نہیں ہو جاتا، اس وقت تک موشن پکچرز آرڈیننس 1979ء کے تحت فلمساز نمائش کیلئے وفاقی سنسر بورڈ سے این او سی حاصل کریں گے۔پشتو فلموں، سی ڈی ڈراموں اور شوز میں فحاشی کے بڑھتے طوفان کے خلاف اگر خیبر پختونخوا کی حکومت موثر قانون سازی اور باقاعدہ طریقہ کار اپنانے و رائج کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو یہ پختون قوم پر ایک احسان ہوگا کہ وہ ایسے عناصر سے چھٹکارہ پا سکتے ہیں جو پختون ثقافت کی پوری دنیا میں رسوائی کے سبب بن رہے ہیں۔ماضی میں صوبہ خیبر پختونخوا سے پختون روایات کے خلاف اور اقدار سے متصادم مواد ختم کرنے کے بڑے دعوے کئے گئے تھے لیکن اس پر عمل درآمد ممکن نہیں ہوا اور بے حس ضمیر وطن فروش عناصر کی وجہ سے پختون قوم کو سبکی اور شرمندگی کا مسلسل سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔پختون روایات واقدار کے نام پر سیاست کرنے والوں نے تمام تر تنقید کے باوجود سنسر بورڈ اور قانون کی عمل داری خواب شرمندہ تعبیر کرنے کے بجائے اپنے سینماؤں کے کاروبار اور دوستوں کو نوازنے اور خوش کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔خیبر پختونخوا کے وزیر اطلاعات و ثقافت شاہ فرمان اگر ماضی کے مقابلے میں موجودہ حالات میں جلد از جلد ایسے سنسر بورڈ کا قیام عمل میں لائیں، جو پختون اقدار کے خلاف بننے والی فلموں اور پشتو فلموں میں دکھائے جانے والے فحش گانوں کیساتھ ساتھ، سی ڈی

پر تیار ہونے والے ڈراموں، مجروں، بیرونی ملک منعقد کئے جانے والے مجروں کی حوصلہ شکنی کیلئے ایسے افراد کا انتخاب کریں جو صدیوں سے اپنی ثقافت پر ناز کرنے والی قوم کے امین ثابت ہو سکیں۔ اگر سندھ سنسر بورڈ کی طرح، شراب خانوں کے اڈے کے مالکان کے بینر تلے بننے والی فلموں کو این او سی جاری کرتے رہے تو پھر تبدیلی کے نعرے کے بجائے تحریک انصاف کو ضمنی انتخابات میں عوامی رجحان اور اہل دانش و سول سوسائٹی کا نوشتہ دیوار پڑھ لینا چاہیے۔تاہم اس بات کا قوی امکان ہے کہ تحریک انصاف کے ساتھ اتحادی جماعت، جماعت اسلامی جو ایک مذہبی جماعت ہونے کا دعوی کرتی ہے، وہ اس سلسلے میں اپنی اتحادی جماعت پر دباؤ بڑھانے کے لئے مثبت کردار ادا کریگی۔ فحاشی اور لغو باتوں پر اسلام میں ویسے ہی پابندی ہے، تاہم فلموں اور ڈراموں کے حوالے سے موجودہ حالات میں مکمل بندش کے بجائے اجتماعی اصلاح کیلئے جدید ٹیکنالوجی کا استعمال وقت کی اہم ناگزیز ضرورت بن چکا ہے۔ فحش اور عریاں مناظر و بے باک رقص سے مزین عکس بندی پر مکمل پابندی عائد ہونے میں ہی فلاح کا راستہ پنہاں ہے، ثقافت کے نام پر اسلام کی دھجیاں بکھیرنے کی اجازت دینا بذات خود ناپسندیدہ اقدام ہے جس کی پزیرائی، مغرب کی تقلید میں نہیں کی جاسکتی۔ وفاقی سنسر بورڈ کی جانب سے ماضی میں جس طرح پشتو فلموں میں فحش مناظر اور پختون اقدار کے خلاف سازشوں پر خاموشی سے این او سی جاری کئے جاتے رہے ہیں، اس حوالے سے خیبر پختونخوا حکومت کو ترجیحی بنیادوں پر قانون

سازی کرنا ہوگی۔ کیونکہ جس طرح سندھ سنسر بورڈ میں پختون روایات واقدار اور زبان سے ناواقف بورڈ نے اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے اگر یہ سلسلہ مستقبل میں بھی جاری رہا تو آنے والی نئی نسل اپنی ثقافت، چرسی، بھنگی لالپیا، لوفر، پخاوری بدمعاش، جیسی فلموں میں تلاش کرتے رہے گی۔ پشتو فلموں میں فحش شاعری پر مبنی گانے روایتی نظموں وترانوں کی جگہ لے لیں گے اور ایک غیور قوم کے نوجوان کا امیج، کھلے گریبان، اونچے پائنچوں، تیڑھے میڑھے چلنے، ہاتھ سے ہر وقت لعنت دینے کے اسٹائل ہاتھ میں شراب، چرس کی سگریٹ اور بغل میں طوائف کے ساتھ عیاش شخص کا۔ ابھرے گا۔ یقینی طور پر خیبر پختونخوا کی حکومت پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ پختون قوم کی ثقافت کے احیاء اور باکردار نوجوان کیلئے عملی اقدامات اور ثقافتی ورثے کی حفاظت کرے۔

پاک، افغان ملاقات کے اہم نقطات و تحفظات

افغان صدر حامد کرزئی ، پاکستان کے اہم دورے پر تشریف لائے اور ان کی صدر پاکستان آصف علی زرداری سے الودعی اور وزیر اعظم پاکستان سے ابتدائی ملاقات ہوئی۔ صدر افغان ، پاکستان کے بارے رجحان سے تمام دنیا بہ بخوبی واقف ہے کہ وہ پاکستان کیلئے کس قسم کے " جذبات " رکھتے ہیں۔ یقینی طور پر ان کے دل میں پاکستان کیلئے نرم گوشے کا فقدان ہے ، متعدد بار ان کی جانب سے پاکستان پر الزامات اور افغانستان کی جانب سے پاکستانی حدود کی مسلسل خلاف ورزی معمول اور تواتر جاری رہتے ہیں۔ بظاہر یہ ظاہر کیا گیا کہ افغان صدر کرزئی نے پاکستان سے متعدد ترقیاتی منصوبوں ، طورخم اور جلال آباد سے ریلوے لائن ملانے اور شاہراؤں کی تعمیر سمیت دہشت گردی سے نمٹنے سمیت تمام امور پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ پاک ، افغان کی جانب سے کچھ معاہدوں پر دستخط بھی کئے گئے۔ تاہم پاک ، افغان مذاکرات کا اہم قابل توجہ نقطہ ، افغانستان سے امریکی اور نیٹو افواج کے انخلاء کے بعد اور پہلے پیدا شدہ صورتحال پر تبادلہ خیال اور لائحہ عمل پر غور و فکر تھا۔ دورے کی اہمیت دوچند اس صورت بھی ہوچکی تھی کیونکہ انخلاء کے بعد افغانستان میں تشکیل حکومت کے لئے صدارتی انتخابات اور طالبان کے حوالے سے پاکستان کا تعاون افغانستان کیلئے ناگزیر تھا۔ پاکستان ، امریکہ اور طالبان

کے حوالے سے مذاکرات کیلئے اپنے مثبت کردار ادا کرچکا ہے اور پاکستان نے واضح بھی کیا ہے کہ مثبت اقدامات کیلئے پاکستان اپنا کردار خطے میں امن کیلئے ادا کرتا رہے گا۔پاکستان پہلے ہی قطر میں طالبان کو امن کیلئے مذاکرات کی میز تک لانے کیلئے اپنا بھرپور مثبت کردار کرچکا ہے اور اپنی سرزمین میں گرفتار متعدد طالبان رہنماؤں کو خطے میں امن کے خاطر خیر سگالی کے جذبے کے تحت رہا بھی کر چکا ہے۔پاکستان کے اس اقدام کو پوری دنیا میں سراہا بھی گیا۔لیکن بد قسمتی سے افغانستان کے صدر کرزئی کی جانب سے قطر دفتر کے نام اور جھنڈے کو بہانہ بنا کر مذاکرات کو معطل کرکے تمام امن کوششوں پر پانی پھیر دیا گیا ور پاکستان کی جانب سے تمام امن اقدامات کو آناًفاناً تعطل کا شکار کردیا۔افغان صدر کے علاوہ افغانستان کے مسلح فوج کے سربراہ کی جانب سے بھی پاکستان پر عسکریت پسندوں کے ساتھ تعاون اور پے در پے الزامات، افغان فوج کی جانب سے گولہ باریاں، دراندازیاں اور غیر ملکیوں کو پاکستان میں دہشت گردی کیلئے باآسانی رسائی نے ہمیشہ امن مذاکرات کو متاثر کیا ہے۔لیکن اس کے باوجود پاکستان نے ہمیشہ صبر و تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے افغانستان سے ہر امور پر تعاون کو یقینی بنایا ہے۔پاکستان کے ترجمان دفتر خارجہ نے بھی افغانستان سے کہا کہ وہ اپنی سرزمیں کو دہشت گردوں کے لئے استعمال سے روکے۔اس میں کوئی دو رائے نہیں ہے کہ روس زار اور افغان جنگ کے بعد مجاہدین اور اب بھی موجودہ طالبان

کے کچھ گروپس پر پاکستان کا اثر و نفوذ موجود ہے۔اس لئے نوز شریف حکومت سے حامد کرزئی کی جانب سے تعاون کی اپیل اور مذاکرات کیلئے افغان صدر کا لب و لہجہ تبدیل محسوس ہوا۔افغنستان اگر پاکستان کو اپنا ہمسایہ اور بھرپور معاون ملک سمجھے تو اس کے لئے افغنستان کو بھی کچھ عوامل پر سنجیدگی سے عمل کرنا ہوگا۔چونکہ دونوں ممالک کے ثقافتی اقدار ایک دوسرے جڑے ہوئے ہیں اس لئے دونوں ممالک میں باہمی ہم آہنگی، اور خطے میں عوام کے بہتر مستقبل کیلئے افغنستان کو بھی ایک قدم بڑھانا ہوگا۔چونکہ حامد کرزئی حکومت نے دورے سے قبل پاکستان پر طالبان کے حوالے سے قول وفعل کے تضاد اور مزید طالبان رہنماؤں کی رہائی کے مطالبات کیلئے دباؤ بڑھایا تھاتاہم اس سلسلے میں افغنستان کی صدر کو اپنے رویئے میں بھی لچک پیدا کرنا ہوگی اور پاکستانی اُن افراد کو پاکستان کے حوالے کرنا ہوگا جو پاکستان میں دہشت گردی کا سبب بن رہے ہیں اور براہ راست بلوچستان ، سمیت پورے ملک کے امن و معیشت پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔افغنستان کی جانب سے پر امن عملی اقدامات کی روایات پاکستان کیلئے کافی کم رہی ہیں اس لئے افغان صدر کی حکومت کو پاکستان سے گلے شکوے کرنے کے بجائے اپنے ماضی کے رویوں کو درست کرنا ہوگا۔پاکستان افغنستان میں پہلے روس اور پھر امریکہ کی جنگ کی وجہ سے براہ راست متاثر ہونے والا واحد ملک ہے جس نے بڑی قربانیاں دیں ہیں۔افغانستان کی کرزئی حکومت کے بعد سے پاکستان میں امن کے قیام کیلئے کبھی ٹھوس اقدامات

نہیں اٹھائے گئے جس کی وجہ سے غیر ملکی شدت پسندوں نے پاکستان میں جہاں اپنے محفوظ ٹھکانے بنائے تو دوسری جانب پاکستان کی معصوم عوام اور عسکری اداروں کو بھی شدید مالی و جانی نقصان پہنچایا۔دونوں ممالک کو باہمی اعتماد کو پروان چڑھانا ہوگا۔اپنے خطے کو بین الاقوامی قوتوں کے جنگ اکھاڑہ بنانے کے بجائے اپنی ملکی ترجیحات کو فوقیت دینا ہوگی۔حکومت کابل نے امریکہ اور نیٹو ممالک سے کھربوں ڈالر بٹورے ہیں لیکن اس کے مثبت ثمرات دینے کے بجائے شدت پسندی میں اضافہ ، در اندزوں کی ، مسلسل دخل اندازی ، بھارت کی طرح سرحدی علاقوں پر خلاف ورزی ، تجارتی راستوں پر افغان فوجیوں کے منفی رویئے اور اسمگلنگ سمیت منشیات کی فروغ جیسے اقدامات سے افغانی صدر کو آنے والے انتخابات اور امریکہ و نیٹو افواج کے انخلاء کے بعد پاکستان کی اہمیت کا اندازہ ہوچکا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے دورے کو بڑی اہمیت دی گئی۔ قابل ذکر ایک نقطہ یہ بھی ہے کہ افغان کرزئی حکومت چاہتی ہے کہ پاکستان ، کسی بھی اسلامی ملک یا اسلام آباد میں علماء اور مسلمان ممالک کا مشترکہ اجلاس طلب کرکے عسکریت پسندوں کے خلاف عالمی رائے عامہ ہموار کرے۔تاہم اس سلسلے میں بین الاقوامی حالات کا ایک سرسری جائزہ لیا جائے تو ایک جانب مشرق وسطی میں تیزی سے تبدیل ہوتی صورتحال ، مسلم ممالک میں شورشیں ،اور فرقہ وارنہ خانہ جنگیوں کے سبب خود مسلم ممالک کا فرقہ وارنہ بلاک میں بٹ جانا ، باہمی اتفاق رائے کیلئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ایران کے ساتھ پاکستان کے تجارتی

معاہدوں، مصر میں مصری افواج کی سعودی حکومت کی حمایت ، شام میں کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کے بعد امریکہ کا نیا کردار ، عراق میں امریکہ انخلاء کے بعد بدترین ریاستی فرقہ وارانہ تشدد آمیز واقعات سمیت بھارتی جارحیت کے مذموم عزائم افغان کرزئی حکومت کے خوائش کو پورے کرنے میں حائل نظر آتی ہے۔ ویسے بھی پاکستان اپنی تاریخ کے بدترین دور سے گذر رہا ہے جہاں ایک طرف امن وامان اور دوسری جانب معیشت اور اہم سبب سیاسی جماعتوں کے درمیان اتفاق رائے و ہم آہنگی کے فقدان نے کافی مسائل پیدا کئے ہوئے ہیں۔پاکستان کی اولین خوائش یہ بھی ہے جلد از جلد لاکھوں افغان مہاجرین اپنے وطن با عزت طریقے سے واپس چلے جائیں ، لیکن کرزئی حکومت کی جانب سے اس معاملے میں ست روی کے سبب پاکستان بار بار اقوام متحدہ کی جانب سے مہاجرین کی بحالی کیلئے کی جانے والی اپیل پر تاریخ بڑھانے پر مجبور ہے۔افغان اور پاکستان کی عوام پہل طور امریکہ اور نیٹو افواج کا انخلاء چاہتے ہیں لیکن امریکہ کی جانب سے پاکستان کو ٹشو پیپر کی طرح استعمال کرنے کی عادت نے عدم اعتماد کی فضا میں اضافہ کیا ہوا ہے اس لئے افغان صدر کو اپنے آقاؤں کی طرح نہیں بلکہ خطے میں عوامی امنگوں کے مطابق یہ فیصلہ افغان عوام پر چھوڑ دینا چاہیے کہ وہ کس قسم کے نظام حکومت کے خواہاں ہیں۔ یقینی طور پر اس بار طالبان کے تمام گروپس نے ماضی میں روس کے جانے کے بعد کی جانے والی غلطیوں سے سبق حاصل کیا ہے، لیکن حامد کرزئی کے حوالے سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ پاکستان کو

زک پہنچانے کیلیے افغان صدر کچھ بھی کر سکتا ہے۔پاکستان کی عوام اور غیور افغان حامد کرزئی کو قابل اعتماد نہیں سمجھتے ، خاص طور پر بھارت کی جانب جھکاؤ اور پاک ، افغان سرحد پر چھیڑ چھاڑ کے عمل نے حامد کرزئی کی ساکھ کو اور گدیلا کر دیا ہے۔پاکستان ، اپنے مسلم ہمسایہ ملک کی عوام کے لئے ماضی کی طرح بڑھ چڑھ کر تعاون کرتا رہے گا کیونکہ پختون بیلٹ صدیوں سے آپس میں جڑے ہوئے ہیں، انھیں لیکروں پر پابند کی گئیں سرحدوں کی کبھی ضرورت نہیں رہی اس لئے اہم نقطہ امن افغانستان کو اپنے رویئے کی درستگی میں ہے۔افغانستان کو سنجیدگی سے پاکستان کے تحفظات کو بھی دور کرنا ہوگا جو خطے کیلیے اہم ہے۔

کراچی میں فوج طلبی سے راہ فرار کیوں؟

متحدہ قومی موومنٹ کی جانب سے کراچی میں فوج طلب کرنے کے مطالبے کو اس طرح لیا جارہا ہے جیسے یہ پہلی بار کسی سیاسی جماعت نے حکومت سے مطالبہ کیا ہو ۔ پیپلزپارٹی کی اہم اتحادی جماعت عوامی نیشنل پارٹی کا تو تکیہ کلام ہی کراچی میں فوج کو طلب کرنا رہا ہے اے این پی سندھ قیادت کیساتھ ساتھ خیبر پختونخوا کی قیادت بھی فوج بلانے پر مسلسل اصرار کرتی رہی تھی اور مختلف سیاسی اور قوم پرست جماعتوں کی جانب سے کراچی میں فوج طلب کرنے کے مطالبات اس قدر زور پکڑ چکے تھے کہ کوئی بھی ایم کیو ایم کی بات سننے کو تیار نہیں تھا۔ قوم پرست تو کراچی میں فوج طلب کرنے کے زبردست حامی رہے ہیں اور حالیہ دنوں میں بڑی شد ومد کے ساتھ اپنے اس مطالبے کو دوہراتے رہے ہیں۔تاجروں نے بھی فوج طلب کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے دھرنا دیا ، جبکہ کراچی میں کوئی پہلی بار فوج طلب نہیں کی جارہی ، جنرل ایوب خان کے انتخابات کے وقت بھی کراچی میں ان کے بیٹے گوہر ایوب خان کے جلوس کے بعد فوج طلب کی گئی تھی ، ذوالفقار علی بھٹو نے جن تین شہروں میں مارشل لاء لگایا ان میں کراچی بھی شامل تھا اور پھر بے نظیر بھٹو کے علاوہ نواز شریف کے دور میں جنرل آصف نواز کا فوجی آپریشن تو آج کی کراچی کی نئی نسل کے ذہنوں میں زندہ ہے۔ مسلم لیگ فنکشنل کے سربراہ اور حروں کے روحانی پیشوا پیر

صاحب پگارا نے کراچی کو فوج کے حوالے کرنے کا مطالبہ مورخہ 10 جولائی 2011ء کو کیا۔ کنگری ہاؤس میں وفاقی وزیر داخلہ رحمان ملک سے ملاقات ے بعد پیر صاحب پگاڑا نے کہا کہ کراچی کے حالات اتنے زیادہ خراب ہو چکے ہیں کہ گھر سے روزی کمانے والے مزدور کو یقین نہیں کہ وہ شام کو زندہ واپس جائے گا یا نہیں ، لہٰذا ایسی صورتحال میں ان کی خواہش ہے کہ شہر میں فوج کو طلب کیا جائے"۔ 20 اگست 2011ء کو بھی تاجر تنظیموں کی جانب سے کراچی کو فوج کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ کورنگی ایسوسی ایشن آف ٹریڈ اینڈ انڈسٹری کے ترجمان ایس ایم منیر نے کہا تھا کہ کراچی کے حالات بظاہر مقامی انتظامیہ کے ہاتھوں سے نکل گئے ہیں، شہریوں ، تاجروں اور صنعت کاروں کی جان و مال کے تحفظ اور شہر میں قیام امن کے لئے فوج کو طلب کرنا لازمی ہوگیا ہے۔ ایسوسی ایشن کے چیئرمین سید جوہر علی قندھاری کا کہنا تھا کہ ملک کے مفاد اور شہریوں کی قیمتی جانوں کو بچانے کیلئے ہماری حکومت سے درخواست ہے کہ کراچی کا کنٹرول فوج کے حوالے کیا جائے، جو امن کے قائم ہونے تک اپنی خدمات سرانجام دیتی رہی"۔ سنی اتحاد کونسل کے چیئرمین اور قومی اسمبلی کے رکن صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم نے کراچی کی المناک صورتحال پر وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کو تفصیلی خط لکھتے لکھا تھا کہ "کراچی میں جاری خونریزی خطرے کی حدوں کو چھونے لگی ہے، اس لئے ضروری ہوگیا ہے کہ کراچی کو ایک ماہ کیلئے فوج کے حوالے کردیا جائے۔"۔ آل تاجر اتحاد کے چیئرمین عتیق میر نے وائس آف امریکا کو انٹرویو

دیتے ہوئے کہا تھا کہ شہر میں روزانہ 3 ارب سے زائد کی یومیہ تجارت ہوتی ہے، جس میں اب 80 فیصد کمی آچکی ہے۔"۔یہاں یہ بات اہم ہے کہ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کی جانب سے کراچی میں امن کیلئے دہشت گردوں کے خلاف پاک فوج سے کاروائی کی اپیل بھی کرچکے ہیں۔04اگست 2011ء کو الطاف حسین نے کراچی میں قیام امن کیلئے حکومت کو 48 گھنٹے کا نوٹس دیتے ہوئے کہا تھا کہ حکومت کی ذمے داری ہے کہ کراچی میں قتل وغارت بند کرائے، انھوں نے فوج سے مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ کراچی آئے اور سب کیخلاف بلا امتیاز کاروائی کرے، فوج آئے اور دیکھے کہ کون دہشت گردی اور جرائم میں ملوث ہے" ۔21اگست 2011ء کو بری فوج کے سربراہ جنرل اشفاق پرویز کیانی نے مختلف سیاسی و تجارتی تنظیموں کی جانب سے کراچی میں فوج طلب کرنے کے جواب میں کہا کہ فوج کا کام ہی خدمت انجام دینا ہے حکومت نے کراچی میں فوج طلب کی تو فوج تیار ہے۔جنرل کیانی کا کہنا تھا کہ کراچی پاکستان کی معاشی شہ رگ ہے اور وہاں پر صورتحال کا زیادہ عرصہ تک خراب رہنا مناسب نہیں ہے کہ کراچی میں بےگناہ لوگ موت کا شکار کئے جارہے ہیں، جنرل کیانی کے ساتھ گفتگو کے موقع پر اس وقت کے چیئرمین سینٹ فاروق نائیک، ڈی جی آئی ایس پی آر میجر جنرل اطہر عباس بھی موجود تھے۔25 اگست 2011 کو وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات نے کہا تھا کہ "میڈیا کراچی میں فوج کو آنے کے لئے اکسا رہا ہے ."۔ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ایم کیو ایم کی جانب سے اگر شہر کراچی میں اس وقت فوج طلب کرنے کا مطالبہ

کیا جارہا ہے تو یقینی طور پر اس کی ایسی وجوہات ہونگی، جو خود ماضی میں فوجی آپریشن کے تلخ تجربے سے گذر چکی ہو لیکن اس کے باوجود کراچی میں بدامنی اور سندھ حکومت کی نااہلی کے بعد واحد حل فوج کے حوالے کرنا ہی ہے ایم کیو ایم یہ مطالبے 4 اگست ء اور اب دوبارہ 26 اگست 2013ء کو کرچکے ہیں۔ مئی 2013ء کے انتخابات 2011 میں طالبان کی جانب سے جب ایم کیو ایم، اے این پی کے دفاتر اور انتخابی جلسوں کو نشانہ بنایا جارہا تھا تو ان پے در پے واقعات نے کراچی تا خیبر پختونخوا تک عوام کو خوفزدہ کردیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ متاثرہ علاقوں میں انتخابات فوج کی نگرانی میں کرانے کا مطالبہ شدت پکڑ گیا تھا۔ ضمنی انتخابات فوج کی نگرانی میں کرائے گئے تو شدت پسندوں کی جانب سے دھمکیوں وکاروائیوں کے بعد پہلی بار پاکستان ریلوے کی جانب سے کراچی کینٹ اسٹیشن سے لاہور آنے والی شالیمار ایکسپریس میں چھٹیانہروالے اسٹیشن کے قریب بم دھماکے کے بعد کراچی ریلوے اسٹیشن پر سیکورٹی کیلئے فوج کی مدد طلب کی گئی۔ سیکرٹری الیکشن کمیشن نے کراچی میں ووٹر لسٹ کی گھر گھر تصدیق کیلئے فوج کی مدد حاصل کی ۔حالیہ ضمنی انتخابات فوج کی نگرانی میں ہوئے۔۔02فروری 2013 کو عوامی نیشنل پارٹی کے سینئر نائب صدر سینیٹر حاجی عدیل نے پارلیمنٹ ہاؤس کے باہر میڈیا سے گفتگو کرتے کہا کہ اے این پی کا تین سال سے یہ مطالبہ رہا ہے کہ کراچی میں امن و امان کیلئے فوج طلب کرکے آپریشن کیا جائے"۔ عوامی نیشنل پارٹی کے شہید رہنما بشیر بلور بھی کہہ چکے

تھے کہ " صوبائی حکومت امن قائم کرنے میں ناکام ہوچکی ہے اس لئے کراچی میں فوج طلب کی جائے "۔ حالاں کہ اُس وقت عوامی نیشنل پارٹی سندھ و فاق کے علاوہ خیبر پختونخوااور بلوچستان میں پی پی پی کی اتحادی جماعت اور ان کا ایک وزیر سندھ حکومت میں شامل تھااور اے این پی سندھ کی صوبائی قیادت کا" ترانہ " ہی کراچی میں فوج کو طلب کرنے سے شروع ہوتا تھا۔لیکن اب عوامی نیشنل پارٹی کی طرح ماضی میں کراچی کے حل کیلئے فوج طلب کرنے کے مطالبات کرنے والے ایم کیو ایم کی مخالفت پر اُتر آئے ہیں۔اے این پی کے مرکزی ترجمان زاہد خان نے ایم کیو ایم کی جانب سے کراچی میں فوج طلب کرنے کی شدید مذمت کی اور پی پی پی نے ایسے جمہوریت کے منہ طمانچہ قرار دیا ہے جبکہ خود پیپلز پارٹی کے قائد ذوالفقار علی بھٹو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر رہ چکے ہیں، ملک کے تین شہروں (کراچی سمیت) میں مارشل لاء نافذ کرچکے ہیں۔پاک فوج ابھی سے خیبر پختونخوایا قبائلی علاقوں میں نہیں ہے بلکہ نائن الیون کے بعد سے پیدا شدہ صورتحال کے بعد سے پاک فوج بیرونی عناصر سے نبرد آزما ہے۔اس کے علاوہ پاک فوج نے اپنی آپریشنل ترجیحات تبدیل کرتے ہوئے اندرونی ملک دشمن عناصر کی سرکوبی پہلی ترجیح قرار دی ہے۔ بلوچستان میں ایف سی کی موجودگی ے باوجود علیحدگی پسند عناصر کی جانب سے اب کراچی میں لاشوں کیپھینکنے کا سلسلہ بھیانک سازش بن چکا ہے۔ لیاری گینگ وار کے نو گو ایریا میں کئی دنوں تک پولیس اور رینجرز کی بھاری نفری بھاری بھر کم ہتھیاروں کے ساتھ نہیں جا

سکی اور میڈیا کئی دن تک دکھاتا رہا کہ پولیس ایک قدم بھی پیش قدمی نہیں کر سکی تھی ۔ پھر اچانک سپریم کورٹ کی جانب سے سخت احکامات کے بعد پولیس اُن علاقوں میں باحفاظت بھی چلی گئی ، چند افراد کو گرفتار بھی کرلیا، شائد پھر اُن کو چھوڑ بھی دیا گیا ۔رسمی کاروائی کے لئے علاقہ ایس او ایچ کو معطل بھی کر دیا گیا اور سپریم کورٹ کو رپورٹ پیش کر دی گئی ۔جب قانون نافذ کرنے والوں کا یہ حال ہو کہ رمضان المبارک سے بے گھر ہونے والوں کو دو ماہ بعد واپس اندرون سندھ سے اس ضمانت کے ساتھ لایا جاتا ہو کہ اب کچھ نہیں ہوگا اور اس کے چند گھنٹے کے اندر ہی کئی لاشیں گرادی جاتی ہیں اور راکٹ لانچروں کا آزادنہ استعمال ہوتا ہو تو حکومت کی بے حسی اور رٹ کو کیا نام دیا جائے ۔تاجر برادری حکومت کی تلاش کیلئے اشتہار گم شدگی دیکر انھیں تلاش کرنے کیلئے انعام رکھتی ہو تو کوئی بھی غیر جانبدار مبصر یا کسی بھی شہری سے پوچھ لیں تو اس کا یہی ایک جواب ہوگا کہ کراچی میں بے امنی کا واحد حل فوج کو آئینی حدود میں کراچی شہر حوالے کرنا ہے جیسے سوات ، ملاکنڈ کو کیا گیا تھا اور اب قبائلی علاقوں میں کیا جارہا ہے ۔پاک فوج کی خدمات حاصل کرنے کیلئے ہمیشہ آئین کا سہارا لیا جاتا ہے جبکہ بعض آئینی ماہرین تو کچھ ماہ قبل سپریم کورٹ کو مشورہ دیتے تھے کہ کس شق کے تحت کراچی فوج کے حوالے کیا جائے ۔اب کیا وجہ ہے کہ یہی لوگ ایم کیو ایم کے مطالبے کے بعد راہ فرار اختیار کر رہے ہیں ؟؟؟۔

کراچی سیاست ماضی سے حال تک

919 اکتوبر1993ء جو پاکستان پیپلز پارٹی کی شریک چیئر پرسن بے نظیر بھٹو نے دوسری بار وزیر اعظم کی حیثیت سے قائم مقام صدر وسیم سجاد نے حلف اٹھایا۔20 اکتوبر1993ء کو سندھ کے وزیر اعلی عبداللہ شاہ منتخب ہوئے۔ گورنر محمد سعید نے اُن سے حلف لیا۔ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین نے پی پی پی سے خلوص دل سے بات چیت کرنے کیلئے سیاسی معاملات کو افہام و تفہیم سے حل کرنے پر اپنی آمادگی کا اظہار کیا تو سندھ کے وزیر اعلی عبداللہ شاہ نے ان کے اس بیان کا خیر مقدم کیا۔ان خیر مقدمی بیانات میں 22 اکتوبر1993ء نے متنازعہ بیان دیا کہ" مہاجر اپنی شناخت سے دستبردار ہوجائیں اگر مہاجروں نے اپنی شناخت برقرار رکھا تو پھر پاکستان میں ان کا کوئی کردار باقی نہیں رہے گا۔"۔وزیر اعلی سندھ کی جانب سے ایم کیو ایم کی عدوات کے سلسلے میں 25 اکتوبر1993ء کو بیان جاری کیا کہ صوبے میں فوجی آپریشن کی معیاد بڑھانے کیلئے وفاق سے درخواست کی جائیگی اور جلد از جلد مردم شماری کرکے بلدیاتی انتخابات کرانے کی کوشش کی جائے گی۔اس وقت کراچی میں فوجی آپریشن جاری تھا ۔اور حالیہ انتخابات کی طرح ایم کیو ایم کو شہری علاقوں سے اور پی پی پی کو دیہی علاقوں میں کامیابی ملی تھی۔جماعت اسلامی کے نائب امیر پروفیسر غفور احمد نے وزیر اعلی سندھ سے ملاقات میں

واضح کیا تھا کہجب تک صوبے میں شہری اور دہی طبقات برقرار رہیں گے اور بد امنی رہے گی ، صوبے کے حالات بہتر نہیں ہوں گے۔فوجی آپرین کے حوالے سے جماعت اسلامی کا موقف تھا کہ فوجی جوانوں کو شہریوں سے مہذب طریقے سے پیش آنے کی ہدایت کی جائے۔" صدارتی انتخابات کی تاریخ قریب آنے اور دونوں بڑی جماعتوں پی پی پی اور مسلم لیگ کے امیدواران کی جانب سے کراچی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا اور پی پی پی کے فاروق لغاری نے ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین سے تقریباً پونے گھنٹے بات چیت کی اور ایم کیو ایم ارکان اسمبلی کلے ووٹ ان کے حق میں استعمال میں کرنے کی اپیل کی۔ایم کیو ایم کے ووٹ نہایت اہمیت کے حامل تھے ، اس بناء پر فاروق لغاری اور وسیم سجاد ایم کیو ایم سے براہ راست ملاقات کیلئے کراچی پہنچے۔دوسری جانب الطاف حسین نے بے نظیر بھٹو کے حوالے سے کہا کہ انھوں نے مجھے (بھائی) کہا ہے اس رشتے کے تحت میں محترمہ بے نظیر بھٹو کو بہن کا درجہ دیتا ہوں۔اور ان کی کامیابی کے لئے دعا گو ہوں۔انھوں نے اس بات کی تصدیق کی فاروق لغاری کے ساتھ ان کے مذاکرات مکمل ہوگئے ہیں فیصلہ اب ہماری بہن کو کرنا ہے۔12 نومبر کو نواب نصر اللہ ، اکبر بگٹی،اور اصغر خان کی جانب سے فاروق لغاری کے حق میں دست برداری کے بعد ایم کیو ایم نے پی ڈی ایف کے مشترکہ امیدوار فاروق لغاری کی حمایت کا اعلان کیا یہ اعلان سینیٹر اشتیاق اظہر نے کیا کہ وہ 13 نومبر 1993ء کے صدارتی انتخابات میں فاروق لغاری کی حمایت کریں گے اور ایم کیو ایم کے

اراکان اسمبلی انھیں ووٹ دیں گے۔ انھوں نے کہا کہ یہ حقیقت ریکارڈ پر ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کو اپنے غیر مشروط تعاون کا یقین دلایا لیکن وزیر اعلی سندھ عبد اللہ شاہ ایم کیو ایم کے خلاف مسلسل بیانات اور سرکاری ہینڈ آؤٹ جاری کرتے رہتے ہیں۔ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو اور نو منتخب صدر فاروق لغاری نے ٹیلی فون پر الطاف حسین سے بات کرکے صدارتی انتخابات میں پیپلز پارٹی کی حمایت پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ 21 نومبر 1993 کو عسکری ذرائع سے یہ خبر اخبارات میں آئی کہ کراچی کے کور کمانڈر جنرل محمد نصیر نے وزیر اعظم کو ایک اہم بریفنگ دی جس میں وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر، وزیر اعلی سندھ عبد اللہ شاہ، جنرل عبد الوحید اور سندھ آپریشن سے تعلق رکھنے والے اعلی حکام نے شرکت کی۔ بریفنگ میں بتایا گیا کہ سندھ میں آپریشن مارچ تک جاری رہے گا۔ جس طرح آج پی پی پی، ایم کیو ایم کو سندھ حکومت میں شامل کرنے کے لئے بے چین نظر آتی ہے اسی طرح بے نظیر حکومت میں بھی ایم کیو ایم اور پی پی پی کے رہنماؤں کے درمیان سندھ میں مخلوط حکومت کیلئے مذاکرات کا عمل جاری تھا لیکن ایم کیو ایم کا موقف یہی تھا کہ پی پی پی کو اپنا رویہ درست کرنا ہوگا، کیونکہ پی پی پی سندھ کونسل کے ارکان نے پی پی پی، ایم کیو ایم معاہدے پر اعتراض کر دیا تھا۔ متعدد ارکان نے اس متوقع معاہدے کی شدید مخالفت کی۔ جس بناء پر ایم کیو ایم نے اپوزیشن میں بیٹھنے کا فیصلہ کرلیا۔ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے مدیران اخبارات و جرائد سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ایم کیو ایم

سے بات چیت جاری ہے انھوں نے پی پی پی کے صدارتی امیدوار کو ووٹ دیا، ان کی سندھ حکومت میں طاقت کے مطابق نمائندگی دینے کو تیار ہیں۔ انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالت (کراچی) نے 1991ء میں کے ڈی اے بلڈنگ نزد سندھ سیکرٹریٹ میں بم دھماکے میں ملوث شاہ نواز ڈاڈا کی ضمانت منظور کرلی۔ ان کی ضمانت پی پی پی کی شریک چیئرمین نصرت بھٹو نے داخل کی، اپنے وکیل کے ہمراہ انھوں نے ایک لاکھ روپے کے سیونگ سرٹیفکیٹ داخل کئے۔ پی پی پی کے تنازعات ایم کیو ایم سے روز بہ روز تلخ ہوتے چلے گئے۔ 5 دسمبر 1993ء کو اس کا اظہار جماعت اسلامی کے نائب امیر پروفیسر غفور احمد کے اس بیان سے ہوجاتا ہے کہ سندھ حکومت میں شہریوں علاقوں کی عدم شرکت سے موجودہ حکومت کو پورے صوبے کی نمائندہ حکومت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ایم کیو ایم سے شدید اختلافات کے باوجود یہ حقیقت فراموش نہیں کی جاسکتی کہ طویل آپریشن، سیاسی دباؤ کے باجود شہری آبادی نے اپنی نمائندگی کیلئے پھر ایم کیو ایم ہی پر اعتماد کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر پی پی پی اپنی ایک حلیف جماعت کو اس کے ارکان کی قلیل تعداد کے باوجود مرکز میں وزارت خارجہ اور پنجاب میں وزرات اعلی جیسے اہم عہدے دے سکتی ہے تو سندھ میں بھی وہ فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے ایم کیو ایم کو وزارتیں دے سکتی ہے۔ سندھ کی حکومت اس وقت ایک ٹانگپر کھڑی ہے۔ گورنراور مشیر اس خلا کوپُر نہیں کرسکتے"۔ پی پی پی کی حکومت اقتدار کے زعم میں اس قدر مبتلا ہوگئیں تھیں کہ ان کی شریک چیئرپرسن نصرت بھٹو کو

جنوری 1994ء کی پریس کانفرنس میں کہناپڑا کہ آخر وزیر اعظم کیا چاہتی ہیں 5
؟۔انسانی حقوق کی بات کرنے والے ریاستی دہشت گردی میں کیوں مبتلا ہوگئے
ہیں۔جنرل ضیاء کے زمانے میں اتنی سختیاں اور ظالمانہ کاروائیاں نہیں کی گئیں جتنی آج
بے نظیر کی حکومت میں کی جارہی ہے۔انھوں نے کہاکہ جنرل ضیا کی ڈکٹیٹر شپ اور
بے نظیر کی نام نہاد جموریت میں کیافرق ہے"۔ 3فروری 1994ء کو بے نظیر بھٹو کا
ایک اہم متنازعہ اعتراف بھی سامنے آیا جس میں انھوں نے کہاکہ "ان کی پچھلی
حکموت نے بھارتی حکموت کے صوبہ پنجاب میں سکھوں کی شورش دبانے میں راجیو
گاندھی کی مدد کی تھی "۔انھوں نے یہ اعتراف بی بی سی کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے
کیا۔پی پی کی حکومت نے ایم کیو ایم کی نمائندگی کے مطابق وزارتیں نہ دینے اور ایم
کیو ایم کی حکومت میں شامل نہ کے بعد گورنر سندھ نے اعلان کیاکہ شہری علاقوں میں
مزید چھ ماہ تک آپریشن جاری رہے گا۔10اپریل 1994ء کو انسانی حقوق کی بین
الاقوامی تنظیم ایمنسٹی انٹر نیشنل نے حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتے ہوئے "ضمیر کے
قیدیوں"کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ایمنسٹی کی تفصیلی رپورٹ میں خاص طور پر صوبہ سندھ
میں ایم کیو ایم کے ارکان اور ان کے رشتے داروں کی بڑے پیانے پر گرفتاریوں کا ذکر
کرتے ہوئے کہاکہ گیاکہ گرفتاریوں کی حالیہ مہم میں کارکنان کے رپورش ہونے پر
پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں نے ان کے رشتے دار اور دوستوں حتی کہ
ہمسایوں کو بھی گرفتار کرلیا۔ایمنسٹی نے

بلاجواز الزام اور بلا وارنٹ گرفتاریوں کے اس عمل پر شدید یشویش کا اظہار کیا۔
رپورٹ میں مزید کہا گیا کہایم کیو ایم کے بہت سے اراکان کو مبینہ طور پر غیر قانونی گرفتار کرکے تشدد کیا گیا حتیٰ کہ بعض افراد کی دوران حراست تشدد سے موت بھی واقع ہوئی ہے۔2 مئی 1994ء کو ایم کیو ایم کے مرکز نائن زیرو پر چھاپہ مار کر خالد مقبول سدیقی ، شہود ہاشمی ، پروفیسر اے کے شمس، سہیل ایس محی الدین اور قاضی خالد علی کو حراست میں لے لیا گیا۔جس پر سینئر رہنماء معراج محمد خان نے شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ " نائن زیرو پر چھاپہ طاقت کا ظالمانہ استعمال ہے ، ایم کیو ایم کے ساتھ فوراً سیاسی ڈائیلاگ شروع کئے جائیں "۔پی پی پی کی جانب سے ایک بار پھر وہی رویہ اختیار کیا جارہا ہے جو ان کی لیڈر نے اپنی دوسری نامکمل حکومت میں کیا تھا لیکن اس کے نتائج کل بھی بہتر نہیں نکلے تھے اور آج بھی پی پی پی کا رویہ سندھ خاص طور پر کراچی کیلئے ماضی کی غمازی کرتا ہے۔پی پی پی نے اپنی سابقہ بے نظیر حکومت سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا ۔ سابقہ زرداری گروپ کی حکومت نے جیسے تیسے پانچ سال پورے کرلئے ، اب چاہیے ایسے زرداری گروپ عزت سے رخصتی قرار دے یا عوام ایسے یوم نجات قرار دے ، لیکن یہ طے شدہ کہ ماضی کبھی ختم نہیں ہوتا ، لاکھ معافی تلافیوں کے باوجود اگر عوام کو اُن کے حقوق نہ ملیں تو عوام کسی کو معاف نہیں کرتی۔پی پی پی کراچی میں قیام امن کے لئے ماضی سے سبق حاصل کرے۔

! کراچی کو اَنا کا مسئلہ نہ بنائیں

بعض سیاسی مبصرین، تجزیہ نگاروں اور ذمے دار حلقوں کا یہ ماننا رہا ہے کہ پاکستان دشمن عناصر جو دہشت گردی کے واقعات کی سرپرستی کر رہے ہیں دراصل اپنے مخصوص مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔انہوں نے بعض لوگوں کو یہ ذمے داری سونپ رکھی ہے کہ جونہی کوئی ایسا سانحہ رونما ہو تو وہ اسے اپنی کارکردگی قرار دے کر اس کے اسباب و عوامل بیان کرنے کیساتھ ساتھ آئندہ کی مفروضہ منصوبہ بندی کا بھی اعلان کردیں تاکہ اصل محرکات اسباب اور ذمے داروں حکومتی حلقوں اور خاص طور پر تحقیقاتی اداروں کی توجہ ہٹائی جاسکے۔لیکن جب اداروں کے نام سے ایسی چیزیں منظر عام پر سامنے آئیں کہ جس کی تصدیق اور پھر تردید سے عوام میں بے چینی پیدا ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ عوام کی توجہ کسی خاص نقطے کی جانب مبذول کرائی جا رہی ہے۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے پاکستان کے حصول کا مقصد ہندو اور انگریز کے پنجہ ء استبداد سے نجات کیلئے بنایا تھا۔انھوں نے مسلسل دس سال یہ لڑائی ، ہندوؤں اور انگریزوں سے ہی نہیں بلکہ خود نیشنلسٹ مسلمانوں ، جمعیت العلماء ، جمعیت الانصار ، سرحد کے سرخ پوش مجلس احرار ، نیز جماعت اسلامی اور یونینسٹ پارٹی کی مسلسل مخالفت کے علی الرغم پاکستان حاصل کیا۔ مخالفین پاکستان کے دلوں کا اضطراب کے اندازہ لگانے کیلئے ہمیں اِن کے

خیالات اور اِن کے مذموم اعزائم کو سامنے رکھنا ہوگا۔ڈاکٹر شیام پرشاد مکرجی کا کہنا تھا کہ "ہمارا نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ پاکستان کو پھر سے ہندوستان کا حصہ بنالیا جائے، اس حقیقت کے متعلق میرے دل میں ذرا سا بھی شبہ نہیں کہ ایسا ہو کر رہے گا، خواہ یہ معاشی دباؤ سے ہو یا سیاسی دباؤ سے یا اس کیلئے دیگر ذرائع استعمال کئے جائیں۔" دیوان چمن لال جیسے (بظاہر اعتدال پسند ہندو) یہ کہہ کر ہندوؤں کی ڈھارس بندھا رہے تھے کہ "میں نا امید ہونے والوں میں سے نہیں ہوں، اس لئے مجھے یقین ہے کہ تقسیم ہند ایک عارضی حادثہ ہے، اس کے باوجود ہمیں تیس کروڑ ہندوؤں کو اس مقصد کے حصول کیلئے جان تک دے دینے کیلئے تیار رہنا چاہیے، یہ بہت غلط ہوگا کہ ہم (اپنی قوم کو) امن اور شانتی کی لوریاں دے دیکر اسی طرح سلائے رکھیں جس طرح ہم نے انہیں اِس وقت سلائے رکھا اور جس کا نتیجہ اب ہمارے سامنے ہے۔ ہم میں بنیادی نقص یہ ہے کہ ہم ضرورت سے زیادہ امن پسند واقع ہوئے ہیں"۔ (آرگنائزر)۔ تقسیم ہند کیلئے جب بل برطانوی پارلیمان میں پیش ہوا تو انگریزوں کی دلی آرزو اس کے لبوں تک کچھ اس طرح آئی جب برطانیہ کے وزیر اعظم لارڈ اٹیلی (جو اس وقت میجر اٹیلی تھے) نے اپنی تقریر میں کہا کہ "ہندوستان تقسیم ہو رہا ہے، لیکن مجھے امید واثق ہے کہ یہ تقسیم زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکے گی اور یہ دونوں مملکتیں جنہیں ہم اس وقت الگ کر رہے ہیں، ایک دن پھر آپس میں مل کر رہیں گی"۔ (آرگنائزر)۔ ۳جون ۱۹۴۷ء کو

تقسیم ہند کا اعلان ہوا اور ۱۶ء جون کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ، حسب ذیل ریزولیوشن پاس کیا۔ "آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو پورا پورا یقین ہے کہ جب موجودہ جذبات کی شدت میں کمی آجائے گی تو ہندوستان کے مسئلہ کا حل صحیح صحیح پس منظر میں دریافت کرلیا جائے گا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے دو الگ الگ قومیں ہونے کا باطل نظریہ مردود قرار پا جائے گا"۔ تقسیم ہند کے فیصلے پر دستخط کرنے والے جواہر لال نہرو اپنی قوم کو یہ کہہ رہے تھے کہ "ہماری اسکیم یہ ہے کہ ہم اس وقت جناح کو پاکستان بنا لینے دیں اور اس کے بعد معاشی طور یا دیگر انداز سے ایسے حالات پیدا کرتے چلیں جائیں جن سے مجبور ہو کر مسلمان گھٹنوں کے بل جھک کر ہم سے درخواست کرے کہ ہمیں پھر سے ہندوستان میں مدغم کر لیجئے"۔ (پاکستان فیسز انڈیا صفحہ ۹۹)

۔راجہ مہندر پرتاپ نے ۱۹۵۰ء میں اپنی قوم کو مشورہ دیا کہ "جب تک پاکستان کا وجود ختم نہیں ہو جاتا ہمارا ملک کوئی ترقی نہیں کر سکتا ، حالات اس طرح بدل رہے ہیں کہ مجھے یقین ہوتا چلا جا رہا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان میں جنگ لائیفک ہو گئی ہے بنا بریں میں حکومت ہند کو مشورہ دونگا کہ وہ افغانستان کو اپنے ساتھ ملا کر پاکستان کو ختم کردے"۔ (ویر بھارت ، ۲۱ دسمبر ۱۹۵۰ء) سوشلسٹ پارٹی کے لیڈر ڈاکٹر رام منوہر لوہیا نے اپنی کتاب "اگلا قدم" میں لکھتے ہیں کہ "ہم زیادہ عرصہ انتظار نہیں کر سکتے ، شائد دو تین سال کے عرصہ ہی میں امرتسر اور پاکستان کی درمیانی حدِ فاصل مٹ جائے گی ، ہمیں پاکستان کے اس زہر کو

ختم کرکے تقسیم ہند کو معدوم کردینا چاہیے ، مجھے یقین ہے کہ مصنوعی تقسیم ختم ہوجائے گی اور پاکستان اور ہندوستان پھر سے ایک ملک ہوجائیں گے "۔گاندھی نے پاکستان بننے سے تین دن قبل بڑے دعوے کے ساتھ کہا تھا کہ "اگر سارا ہندوستان جل کر راکھ ہوجائے ہم پھر بھی مطالبہ ٔپاکستان کو منظور نہیں کریں گے خواہ مسلمان اسے بزور شمشیر ہی کیوں نہ طلب کریں"۔ (دی ٹرانسفر دف پاورِان انڈیامصنفہ ای، ڈبلیو آر. لوبی)۔پاکستان کی تشکیل کی بعد قربانی دینے والوں نے نقل مکانی کی اور لاکھوں کی تعداد میں نئی سرزمین پاکستان کا رخ کیا اور اسی طرح پاکستان سے نئے ہندوستان کی جانب لاکھوں ہندو ہجرت کرگئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد معاشی طور پر کمزور اور دفاعی طور پر ناتواں مملکت تھی اور معاشی و سرکاری دفاتر میں تعلیم یافتہ افراد کی کمی کو ہندوستان سے آنے والوں مہاجروں نے پُر کرکے سندھ بالعموم اور بالخصوص کراچی جیسے سندھ سے الگ کرکے وفاق کا درجہ دے دیا تھا، دن رات محنت کرکے نوزائیدہ ملک کو اپنے پیروں پر کھڑا کردیا۔ کراچی ،پاکستان کا دارالخلافہ بنا اور کراچی نے پاکستان کے اخراجات پورا کرنے کیلئے اپنی تمام افرادی قوت کو بروئے کار لاکر اس قابل بنادیا کہ کراچی ، پاکستان کو 70 فیصد ریونیو فراہم کرنے لگ گیا۔ مخصوص متعصبانہ سوچ کے تحت پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان کے قتل کے بعد کراچی کے باسیوں کو اپنے اُن رشتے داروں کی وجہ سے معتوب اور ناقابلِ اعتبار سمجھنا شروع کردیا گیا

جنھیں 1951ء کے بعد پاکستان میں داخل ہونے سے روک دیا گیا تھا اور جھنوں نے دو قومی نظریہ کے تحت بننے والے ملک میں اپنے لئے گنجائش نہ ملنے کے سبب بھارت میں ہی سکونت اختیار کرلی۔ پھر ایک آمرانہ سازش کے تحت دارالخلافہ کراچی کو ختم کرکے اسلام آباد منتقل کردیا گیا۔ ون یونٹ میں بھی مغربی پاکستان کا درالخلافہ لاہور کو بنا دیا گیا، جس سے کراچی کے احساس محرومی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ تیئیس سال، سندھ سے الگ رہنے والے کراچی کو جب دوبارہ سندھ میں شامل کیا گیا تو اُس وقت تک کراچی ایک اقتصادی ماں کے طور پر پورے پاکستان کا بوجھ اٹھا رہا تھا لیکن اس کے احساس محرومی کو ختم کرنے کے بجائے خاص منصوبہ بندی کرکے ۱۹۷۲ء میں لسانی تفریق وکوٹہ سسٹم بل منظور کرلیا گیا اور کراچی کے باسیوں کو یہ احساس باور کرایا گیا کہ سندھ میں دو قومیتیں آباد ہیں جنھیں دیہی سندھی اور شہری سندھی کہا جاتا ہے، جیسے عرفِ عام میں اب مقامی اور غیر مقامی اصطلاح کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح سندھی کو صوبائی سرکاری زبان قرار دینے کے قانون سازی کرنے کی کوشش نے بھی کراچی و حیدرآباد سندھ بھر کے اردو بولنے والے مہاجروں کو احساس دلایا کہ انھیں دل وجاں سے تسلیم نہیں کیا گیا۔ سرکاری ملازمتوں سے مہاجروں کی بیدخلی اور پی پی کے زیڈ اے بھٹو، بے نظیر بھٹو سے لیکر زرداری گروپ تک نے شہری اور دیہی تفریق کو فروغ دیا یہاں تک کہ مہاجرستان، جناح پور، اردو صوبہ، جنوبی سندھ جیسے ہوائی منصوبوں کو فروغ دینے کی کوشش میں

طبقاتی تفریق کو مزید پھیلا دیا۔اب مہاجر لبریشن آرمی کے نئے شوشے نے تمام پاکستانیو ں کو متفکر اور خود کراچی والوں کو حیراں کردیا کہ کیا انھیں کوئی لائن آف ایکشن دی جارہی ہے۔پاکستان کو صفحہ ہستی سے مٹانے والوں کے دعوؤں کو کراچی والوں نے خاک میں ملا دیا تھا۔اس لئے ہمیں اور خاص طورپاکستان سے محبت کرنے والے تمام اداروں کے اہلکاروں کو کراچی کی عوام یا سیاسی مینڈیٹ حاصل کرنے والی تمام سیاسی قوتوں کے مینڈیٹ کے برخلاف افوہ سازی سے گریز کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ماضی سے افوہ سازیوں اور انا پرستیوں کی بناء پر ہی کراچی بے امنی کا شکار ہے، اس لئے بہی خواہوں سے یہی درخواست ہے کہ کراچی کو اپنی انا کا مسئلہ نہ بنائیں اور ایسی سوچیں عوام میں پیدا نہ کریں جس سے ٦٧ سالوں سے احساس محرومی کے شکار عوام میں منفی سوچ ابھرے۔مشرقی پاکستان کا بنگلہ دیش بننے کی بھی یہی وجوہات اور منفی روش تھی جو اب سندھ کے شہری علاقوں کے لئے روا رکھی جارہی ہے۔اس عمل سے گریز ملکی مفاد میں ہوگا۔

کراچی میں قیام امن کیلئے راست اقدامات کی ضرورت

97 کراچی میں ایک بار پھر حکومت کی جانب سے جرائم پیشہ عناصر کے خلاف ٹارگٹڈ آپریشن کرنے کا فیصلہ ہوااور وزیر اعظم پاکستان کے مطابق 458افراد نے کراچی کو یرغمال بنایا ہوا ہے اور ان سنگین جرائم پیشہ عناصر کے خلاف سیاسی وابستگی سے بالاتر ہو کر سخت ترین کاروائی کی جائے گی۔اس کے ساتھ ہی ڈی جی رینجرز کی جانب سے بھی بیان سامنے آیا کہ اگر سیاسی جماعتیں" شور "نہ کریں تو صرف ایک ماہ میں کراچی کے حالات بہتر کئے جاسکتے ہیں۔ان حالات میں آئی جی سندھ کی تبدیلی خبر جب منظر عام آچکی تھی توسندھ حکومت کے ترجمان نے اسے سندھ کے معاملات میں وفاقی مداخلت قرار دیکر ایک گرما گرم ماحول پیدا کردیا۔ وفاق کی جانب سے تردید جاری ہوئی کہ ذوالفقار چیمہ کو آئی جی سندھ نہیں بنایا جارہا۔ان حالات میں ایک بات تو یہ ثابت ہو گئی کہ جب سندھ کی مرضی کے بغیر آئی جی کی تبدیلی وزیر اعلی سندھ کو منظور نہیں ہے تو ایم کیو ایم کیجانب سے کراچی میں فوج کی طلبی کے مطالبے کو منظور کرنا تو بہت دور کی بات تھی۔ حسب سابق بے گناہ انسانوں کی لاشیں گرتی رہیں اور اعلی سطح پر ہونے والے اجلاسوں اور حکومتی رٹ کومسلسل چیلنج یا جاتا رہا۔ایک عام پاکستانی ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کیلئے یہ ایک حیران

کن بات تھی کہ 458 افراد کی وجہ سے ہزاروں انسان موت کی گھاٹ اتار دیئے گئے، جبکہ کھربوں روپوں کا ملک کو مالی نقصان اس کے علاوہ ہوا۔ کم از کم ایک عام انسان یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے کہ جس جماعت کی گذشتہ پانچ سال حکومت رہی اور اب وہ بلا شرکت غیرے سندھ حکومت کی مالک ہے، وہ سیاسی وابستگی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کس طرح غیر جانبدارنہ آپریشن کی کمانڈ کرے گی۔ خاص طور پر جب نئ حکومت بنتے ہی محترم جناب وزیر اعلی سندھ جناح مزار پر جانے کے بجائے قبرستان بھرنے والے لیاری، گینگ وار کے عشایئے میں شرکت کرنے پہنچ گئے۔ بلاشبہ لیاری کبھی پیپلز پارٹی کا گڑھ ہوا کرتا تھا، اسے " پیرس " بنانے کے دعوے بھی کئے جاتے تھے۔. لیکن جب سے لیاری میں مسلح گینگ وار نے ملکی سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تو اس کے بعد کراچی کو اسی حالت میں واپس پہنچا دیا گیا جب پاکستان کا قیام عمل آیا تو اس کا ریونیو اس قدر کم تھا کہ ہندوستان کو یقین تھا کہ چند سال کے اندر ہی پاکستان معاشی طور پر اس قدر مایوس و مجبور ہو جائے گا کہ وہ خود اکھنڈ بھارت میں شامل ہو جائے گا۔ لیکن صورتحال ملک دشمن عناصر کیلیئے مکمل آئیڈیل نہ بن سکی اور کراچی میں ترقی کا سنہرا دور شروع ہوا اور بتدریج کراچی نے پاکستان کو اپنے پیروں پر کھڑا کرکے خود کفیل بنا دیا۔ کراچی کے کسی وزیر یا مشیر نے نہیں بلکہ بیرون کراچی کے حکمرانوں نے فروعی مفادات، بد عنوانیوں سے پاکستان کو غیر ملکی اداروں اور مالیاتی مافیاز کا غلام بنا دیا۔ آج بھی پاکستان کے ساتھ سندھ

کو کراچی ہی پال رہا ہے۔ لاکھوں گاڑیاں کراچی میں چلتی ہیں اور ان کے ٹیکس کے پیسوں سے محلات و سڑکیں کئی اور بنتی ہیں۔ قیام امن کیلئے 1990ء سے رینجرز بلائی گئی ہے۔ اس وقت 12500 رینجرز اور ایف سی اہلکار کراچی میں موجود ہیں۔ لیکن انھیں پانی فروخت اور واٹر ٹینکروں کی رکھوالی، سیاست دانوں اور دیگر معروف شخصیات کیلئے سرحدوں کی حفاظت کرنے والی فورس کو چوکیداری پر لگا دیا۔ ایف سی فورس کو بنگلوں کے باہر باوردی چوکیدار بنا کر سیاست دانوں اور اَپر کلاس طبقے کے دروازوں پر کھڑا کر دیا گیا۔ پولیس میں سیاسی بھرتیاں کرکے سفارشی جماعتوں نے حکومت کے خرچ پر ذاتی فورس بنالیں۔ تھانے نیلام ہونے لگے، پُرکشش عہدوں کے ٹینڈر کھولے جانے لگے۔ تقرریاں من پسند نااہل افراد کو دیئے جانے سے ریاست کا تمام توازن بگڑ گیا۔ ہزاروں افراد سفارشوں اور رشوت لیکر بھرتی ہوئے اور انھوں نے جھوٹ کے سہارے سب سے پہلے میرٹ کا قتل کرکے کراچی میں جرائم پیشہ عناصر کی کھلی سرپرستی شروع کردی۔ سرکاری محکموں میں میرٹ کا قتل کرکے من پسند افراد بھرتی کئے گئے اور حکومتی انفرااسٹرکچر کو کھوکھلا کر دیا گیا۔ بے امنی کی زد میں عوام آئے اور چند افراد کی گرفتاری کیلئے فورسز کو چھوٹی بڑی آبادیوں میں غیر اعلانیہ کرفیو لگا کر محاصروں میں گھر گھر تلاشی لینے پڑی۔ جرائم پیشہ افراد کو پہلے ہی اطلاع مل جاتی اس لئے وہ باآسانی فرار ہو جاتا، لیکن بے گناہ عوام کو تکلیف دہ مرحلے سے گذرنا پڑتا ہے۔ دوہرے عذاب کے شکار عوام، ایک طرف بے امنی، قتل وغارت، تو

دوسری جانب قانون نافذ کرنے والے اداروں کی جانب سے محاصروں اور سرچ کے مرحلے میں اذیت سے گذرتے ہیں۔ڈی جی رینجرز کی جانب سے ایک ماہ میں کراچی میں امن لانے کا دعوی عملی ہو سکتا ہے لیکن اس کیلئے حکومت کو سب سے پہلے پولیس کے ادارے میں آپریشن کرنا ہوگا۔سیاسی و سفارشی بھرتیوں کو ایک طرف رکھ کر مخلصانہ نیتوں کے ساتھ شفاف ادارہ بنانے پر توجہ دینا ہوگی۔ پولیس کے اعلی عہدوں پر سیاسی اثر و رسوخ کو ختم کرنا ہوگا۔جب پولیس کا آئی جی اُس وزیر اعلی کی جانب سے تعینات و ہٹایا جاتا ہو جو کسی سیاسی جماعت سے تعلق رکھتا ہے تو یقینی طور پر اس کے مفادات بھی اُسی حکمراں جماعت سے وابستہ ہونگے اسکی ترجیحات بھی اُسی حکمراں جماعت کا منشور ہوگا۔ وہ آزادنہ اختیار کا مالک ہی نہیں ہو سکتا۔جس طرح عدلیہ میں کسی جسٹس کے خلاف یا تقرری کرنے کیلئے کمیشن موجود ہیں جو حکومتی دباؤ کے بغیر فیصلہ کرنیکا آئینی حق رکھتے ہیں تو اسی طرح پولیس میں بھی اصلاحات لانا ہونگی۔کراچی میں ایک ماہ تو کیا، ایک ہزار سال میں بھی موجودہ پولیس سسٹم ہوتے ہوئے امن قائم نہیں کیا جاسکتا۔1992ء کے آپریشن میں پولیس کے کردار کو بہت سراہا جاتا ہے لیکن ملکی و غیر ملکی انسانی حقوق کی تنظیموں نے جس طرح 92ء کے کراچی آپریشن میں پولیس کے کردار پر کھلی تنقید کی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ 1993ء سے 1996ء بے نظیر بھٹو حکومت اور پھر 1992ء سے 1993ء اور پھر1993ء سے 1999ء تک نواز شریف کی حکومت میں ماورائے عدالت سینکڑوں افراد قتل کئے گئے۔پھر اس کا

سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ سیاسی اثر و رسوخ کی وجہ سے کراچی کی صورتحال بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔جرائم پیشہ عناصر کا خاتمہ، ناممکن ہے کیونکہ دو کروڑ سے زائد آبادی رکھنے والے اس شہر میں پولیس کی تعداد ناکافی اور جدید اسلحے کیساتھ مہارت اور ٹیکنالوجی کی کمی کا سامنا ہے۔پولیس اہلکار خود عدم تحفظ کا شکار ہیں۔کم تنخواہوں اور سیاسی وابستگیوں کی بناء پر ان کی تمام تر توجہ کم وقت میں زیادہ دولت کمانا رہ گیا ہے اور انھیں اس بات سے کوئی عار نہیں ہے کہ اس کیلئے وہ کون سے ذرائع واسباب اختیار کرتے ہیں۔قانون کا ڈر، رشوت کا سانپ نگل چکا ہے۔وقتی طور پر کراچی کے مسئلے کے حل نکلے گا کیونکہ آپریشن کا نام سنتے ہی اور میڈیا کے گلے پھاڑنے سے کیا کوئی مجرم کراچی میں موجود ملے گا۔؟ یہ خام خیالی اور ماضی کی وہی پرانی روش ہے جو اب دوبارہ اختیار کی گئی ہے۔لیکن دہشت گردی کے خلاف لڑنے والی ایک نئی فورس کے قیام کا اعلان ضرور خوش آئند ہے۔لیکن ملکی سیاسی رواج ہی ایسا ہے کہ جیسے پنجاب میں ایلیٹ فورس بنا کر انھیں چوکیداریوں پر لگا دیا تو اس حکومت سے کیا بعید ہے کہ جو سرحدوں کی حفاظت کرنے والے جوانوں کو پانی کی چوکیداری وفروخت کرنے کے کام میں لگا کر حقیقی معنوں میں قیام امن کا کام نہیں لے سکی۔انسداد دہشت گردی فورس میں جتنی بھرتیاں کیں جائیں انھیں سیاسی اثر و رسوخ سے دور رکھا جائے۔انسداد دہشت گردی کی عدالتوں کی تعداد دس کرنا اچھا قدم ہے لیکن گواہوں کو تحفظ کی قانون سازی اور سزاؤں پر عمل درآمد ہی

اہم قدم ہوگا۔پولیس حکام واہلکاروں کی تطہیر اور نئی قانون سازی کرکے پولیس کو سیاسی اثر ورسوخ سے بالاتر آزاد ادارہ بنایا جائے۔غیر مقامیوں کی بھرتی پر پابندی لگائی جائے۔پاک فوج کے ادارے میں جوانوں اور افسران کی تربیت کا جو عمل ہے اسی طرح پولیس کیلئے مراعات کے ساتھ نافذ کیا جائے۔پولیس کو بھی وہی مراعات دیں جائیں جو فوج کو دیں جاتیں ہیں۔پولیس کی تطہیر کے عمل میں سیاسی انتقام شامل نہ کیا جائے۔پولیس عوام کی حفاظت کرنے کیلئے معمور ہے لیکن بد قسمتی سے پولیس کی حفاظت اب خود پولیس کو کرنا پڑ رہی ہے۔کراچی میں ہی نہیں بلکہ ملک بھر میں تمام پولیس کو فوج کی طرح بنادو، پھر کوئی امن کے لئے فوج کو طلب کرنے کا مطالبہ نہیں کرے گا۔بس جرائم پیشہ عناصر کی سرکوبی کرنے کیلئے یہی واحد حل ہے۔کراچی کے حالات بہتر کرنے کیلئے چہرے ہی نہیں نظام کو بھی بدلنا ہوگا۔پولیس کا مورال بلند کرنا ہوگا اور پولیس کو فوج کی طرح معاشرے میں اپنے لئے قابل عزت اعزاز واعتماد حاصل کرنے کیلئے پہلے خود میں بھی تبدیلی لانی ہوگی۔

پاکستان امن کا جس قدر خواہاں ہے۔ ملک دشمن قوتیں اُسی قدر اس کے خلاف سازشیں کرتی نظر آتی ہیں۔ امریکہ جو پاکستان کے دوستی ترانے پڑھنے میں مصروف رہتا ہے۔ اس کا اصل چہرہ پاکستان میں دنیا کے کسی بھی ملک کے مقابلے میں جاسوسی کا نظام کا راز افشا ہونے پر مزید کھل کر سامنے آچکا ہے۔ پاکستان کے تمام تر داخلی انتشار کے باوجود یہ قابل فخر بات ہے کہ پاکستان کے قیمتی ایٹمی اثاثوں تک امریکہ سمیت کسی بھی ملک کی رسائی نہیں ہو سکی ہے۔ چار دہائیوں پر مشتمل ان اثاثوں کی حفاظت جس طرح کی جارہی ہے وہ ایک قابل فخر کارنامہ ہے۔ اسی طرح عالمی قوتوں نے اپنے مفادات کیلئے جس طرح افغان سرزمیں کو استعمال کیا اور لاکھوں انسانوں کو اپنی مفادات کی بھینٹ چڑھایا وہ بھی ایک قابل مذمت سیاہ تاریخ ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ قابل افسوس مقام یہ ہے کہ پختون بیلٹ کو انگریز سامراج نے تقسیم کیا اور یہ سمجھ بیٹھا کہ اُس نے پختون قوم کو تقسیم کرکے اہم کارنامہ انجام دیا ہے تو یہ اس کی سب سے بڑی بھول تھی اور ہے۔ لیکن یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ پختون کو اسلام کے نام پر استعمال کرنے کی روش موجودہ نہیں بلکہ سینکڑوں سال سے پختون قوم کو اسلام کے نام پر استعمال کیا گیا جس کا سلسلہ ہنوز

جاری ہے۔اسی وجہ سے جب تقسیم ہندوستان عمل میں آیا تو انتہا پسند ہندوؤں کا یہ خیال تھا کہ پاکستان کو ختم کرنے کیلئے اگر افغانستان کو ساتھ ملا لیا جائے تو ان کے اکھنڈ بھارت کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے۔اسی لئے افغانستان کے پاکستان کے ساتھ تعلقات ہمیشہ کسی نہ کسی سبب کشیدہ رہے اور اب بھی بعض تجزیہ نگاروں کا بھی یہی خیال ہے کہ پاکستان پر افغانستان سے حملہ کیا جا سکتا ہے اور امریکہ جانے سے پہلے پاک، افغان عوام کو خانہ جنگیوں میں جھونکنا چاہتا ہے۔اس کے لئے امریکہ کا ایک بڑا واضح کردار سامنے ہے کہ جب وہ خود طالبان سے مذاکرات کرتا ہے تو اس کے قصیدے فرش تا عرش پڑھتا ہے، لیکن جب یہی پاکستان امریکی جنگ کے سبب، اپنے ملک میں دہشت گردی کے خاتمے کے لئے کسی گروپ سے مذاکرات کرتا ہے تو اس کے امن کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کیلئے کبھی افغان بارڈر تو کبھی ڈرون حملے کرکے پورے عمل کو سبوتاژ کر دیتا ہے۔حقیقت کے آئینے میں اصلیت کا چہرہ دیکھنے سے اور تلخ حقیقت دیکھانے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔خال خال لوگ ہی سچ سننے اور پڑھنے کی ہمت جُتا پاتے ہیں۔مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ مجھے اپنے دین اسلام اور اپنی قومیت افغان پختون) ہونے پر فخر ہے۔لیکن پختونوں کے خلاف جس قسم کا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے تو) اس کے جواب میں باقول "حاوی اعظم "آپ اندھے کو اندھا، جُھوٹے کو جُھوٹا، نائی کو نائی، تَرکھان کو تَرکھان یا طوائف کو کہہ کر دیکھ لیجئے کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے "اس لئے جب پختون کی خدمات اور

صلاحیتوں کے برخلاف آراء پیدا کرنے کی کوشش کی جائیں تو اس کا جواب بھی اسی طرح دینا پختون کی سرشت میں شامل ہے۔

خدا کے قہر و غضب کا اگر خیال نہ ہو
مرے سوا مجھے کوئی ڈرا نہیں سکتا

یہاں اس بات کو سمجھ لینا ضروری ہے افغان، اغوان، اغان، پٹھان، پشتون یا پختون ایک ہی قوم کے لسانی، علاقائی، جغرافیائی اور تاریخی بنا پر مختلف علاقوں میں کئی ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں۔ یہاں مقصود پختون قومیت کے حوالے سے تعریفیں مقصود نہیں ہے بلکہ اس اہم معاملے کو زیر بحث لانا ہے کہ غیر مسلم ممالک، خاص طور پر امریکہ لابی مسلم ممالک کو اپنے زیر نگیں رکھنے کی خواہش مند ہے، 11/9 کے بعد امریکہ کی جانب سے صلیبی جنگوں کا اعلان ان کی نیت کی غمازی کرتا ہے۔ لیکن مسلم ممالک کی یہ حالت ہے کہ قدرتی دولت و معاشی طور پر مضبوط ہونے کے باوجود محض ایک ٹیلی فون کی دھمکی پر ڈر نے کپکپانے لگتے ہیں۔ جہاں مسلم ممالک کو امریکی بلاک اپنے لئے خطرہ سمجھتا ہے تو ان مسلم ممالک میں سب سے زیادہ خطرہ اسے پختونوں سے ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ سب کی آنکھوں میں پٹی باندھی جاسکتی ہے لیکن پختون کو اپنے زیر اثر رکھنے کیلئے ایسے لوہے کے چنے چبانا پڑیں گے۔ اس کی چھوٹی سی مثال خود "اسلامی ممالک" کی سب سے بڑی ایٹمی طاقت کی حامل فوجی قوت کے جنرل (ر) پرویز مشروف

اور 22 ستمبر 2006ء امریکی دورے کے دوران In The line of Fire کا اپنی کتاب اعتراف ہے کہ اسے امریکہ نے دھمکی دی تھی کہ اگر امریکہ کے بجائے طالبان کا ساتھ دیا تو پاکستان کو ملامیٹ کرکے پتھر کے زمانے میں پہنچا دیگا۔ جبکہ ایک پختون نے اپنی روایت کے مطابق امریکہ کے سب سے مطلوب شخص کو اربوں ڈالر کے لالچ اور پانچ سال جنگ کے باوجود حوالے کرنے سے انکار کیا۔ اقتدار اس لئے چھوڑ دیا کہ امریکہ نے جس طرح جاپان میں ایٹم بم گرا کر فوج کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا اسی طرح امریکہ اور نیٹو کی جانب سے نہتے افغانیوں پر "کلسٹر" بموں کی برسات تھی جس نے ہیروشیما اور ناگاساکی جیسے اہم جاپانی شہروں کے عوام سے زیادہ پختونوں کو جانی و مالی نقصان پہنچایا۔ ایٹمی طاقت کے حامل جنرل کیلئے ڈوب مرنے کا مقام ہے حالاں کہ افغانستان جیسا ملک جو روس کے جانے کے بعد، خانہ جنگیوں سے معاشی طور پر تباہ حال ہوچکا تھا لیکن پختون نے اصولوں کے برخلاف اربوں ڈالروں کی پیش کش ٹھکرادی لیکن صرف چند ہزار ڈالر کے عوض پرویز مشرف نے 600 سے زائد پاکستانیوں کو امریکہ کے سپرد کردیا جبکہ حالیہ حکومت بھی اسی روش پر قائم ہے اور اس قوم کی بے قصور بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی تک نہیں چھڑائی جاسکی۔ آخر وہ کس منہ سے امریکہ کو کہے گا جب کہ خود اس نے اپنی عزت امریکہ کے ہاتھوں پامال کی ہو۔

2011 تک دنیا میں پختونوں کی تعداد بارہ کروڑ سے زیادہ ہے جبکہ عربوں کے

علاوہ دنیا بھر کے اسرائیلوں کی تعداد پختونوں سے کم ہے۔ افغان افغانستان سے کہیں زیادہ برصغیر اور دیگر ممالک میں آباد ہیں۔افغانستان سے زیادہ پاکستان اور پاکستان سے زیادہ بھارت میں بسنے والے افغان اُن افغانوں کے علاوہ ہیں جو کہیں زیادہ تعداد میں دنیا کے دوسرے ممالک میں بستے ہیں۔ صرف پاکستان میں 3 کروڑ سے زائد پختون بستے ہیں جبکہ افغانستان میں ایک کروڑ ستائس لاکھ سے زائد پختون آباد ہیں۔ پختون کے بودوباش کی خاصیت پانی کی مانند ہے اور وجود پتھر جیسا ہے۔ پانی اپنے وجود کیلئے ہر کہیں سے راستہ اوور جگہ بنالیتا ہے اور پتھر، چٹان یا پہاڑ کی صورت میں پانی سے بنے ہوئے بڑے سے بڑے سیلاب تند موجوں یا طوفان کا رخ موڑ دیتا ہے۔ منفی بیس سینٹی گریڈ ہو یا باون سینٹی گریڈ کی گرمی، سنگلاخ پہاڑ ہوں یا سرسبز میدان یا پتھریلی زمین، صدیوں کی سکونت ہو یا خانہ بدوشی۔ پٹھان ہر جگہ، ہر حالت میں یکساں رہنے کی سکت اور صلاحیت رکھتا ہے۔ پٹھان معدودے چند اقوام میں سے ہے کہ جہاں جاتا ہے وہاں کی زبان سیکھ لیتا ہے۔ مثال کے طور پر اردو کے بیسوں بڑے ادیب اور شاعر پٹھان ہیں مستثنات چھوڑ کر کوئی بتائے کہ اردو بولنے والا یا سندھی یا پنجابی، پشتو زبان میں شعر یا کوئی سطر ہی بول دے۔ برصغیر کے بیشتر اولیا کا تعلق افغانسان، خصوصا غزنی سے ہے۔

بقول شاعر۔۔

نہ زندگی کی ہے پروا، نہ موت کا ڈر ہے

حیات موت ہمارے لئے برابر ہے

پختون کو اس کی خداداد صلاحیتوں کی بناء پر فوائد اور انسانی فلاح و بہبود کیلئے پیار سے تو استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن زبردستی اس سے کلمہ بھی کوئی نہیں پڑھوا سکتا۔ پختون بھائی چارے، اخوت اور محبت سے اپنا حق تک دے سکتا ہے۔ پختون قوم کسی قومیت کی دشمن نہیں ہے بلکہ ایسے بین الاقوامی سازش کا نشانہ بنا کر دنیا بھر میں تنہا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ آئسولیٹ کا یہ عمل کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ صدیوں کی روایات اور تاریخ رکھنے والی دنیا بھر کے چپے چپے میں رہنے والی قوم اُس سرزمیں کو اپنی ماں مان لیتی ہے جو ایسے رزق فراہم کرتی ہو۔ پھر وہ پختون کسی بھی ملک کا شہری ہو اس کی سرحدوں کی حفاظت کیلئے تن من دھن کی بازی لگانے میں توقف نہیں کریگا ۔ چاہیے (خدانخوستہ) افغانستان، پاکستان پر حملہ کرے تو پاکستانی پختون صف اول کا سپاہی بن کر اپنی مملکت پاکستان کی حفاظت کریگا۔ کیونکہ دنیا کا آدھا خطہ آریاہا کے نام سے پختونوں کی سرزمیں ہی تھی اور میں استاد محترم حاوی اعظم سے مکمل متفق ہوں کہ افغانستان دل ہے تو پاکستان روح، لیکن عزت ننگ ناموس پاکستان سے وابستہ ہے۔ مقصد طالبان دوستی، افغانستان سے دشمنی نہیں البتہ افغانستان کو پاکستان پر فوقیت دینے کا مطلب اپنے وطن کا وفادار نہ ہونا یا غدار ہونا ہے۔

بنے ہیں اہل ہوس منصف بھی مدعی بھی

انسان مفاد پرست واقع ہوا ہے۔ذاتی مفاد کا خیال اس کے دل سے نکالا نہیں جاسکتا۔وہ مفاد خویش کی پرواہ نہیں کرتا کہ اسے ان اقدار کی نگہبانی میں اپنا کوئی فائدہ دکھائی نہیں دیتا۔اگر اسے اس امر کا یقین ہوجائے کہ انسانی اقدار کا تحفظ ، حیوانی تقاضوں کی تسکین کے مقابلے میں زیادہ منفعت بخش ہے تو وہ یقیناً ان اقدار کے تحفظ کیلئے وہ سب کچھ کر گذرے گا جو وہ آج اپنے حیوانی مفاد کے لئے کرتا ہے۔بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس حقیقت کو اس ایک مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ "ایک شخص کئی دنوں کا بھوکا ہے، اتنا بھوکا کہ نقاہت کی وجہ سے اس سے اٹھاتک نہیں جاتا، اتنے میں ایک آدمی گرم گرم پلاؤ کا قاب اس کے سامنے لاکر رکھ دیتا ہے ظاہر ہے وہ اس قاب پر جھپٹ پڑے گا۔ وہ جلدی سے لقمہ اٹھاتا ہے اُسے منہ کے قریب لے جاتا ہے کہ دوسرا شخص اس سے کہتا ہے کہ اس پلاؤ میں اور تو ہر چیز عمدہ اور خالص ہے لیکن غلطی سے اس میں نمک کی جگہ سنکھیا پڑ گیا ہے۔آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ یہ سننے کے بعد بھی لقمہ منہ میں ڈال لے گا یا قاب اٹھا کر کر باہر پھینک دیگا ؟۔یقیناً وہ قاب کو ہاتھ بھی نہیں لگائے گا اور اس پلاؤ کو ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔کیونکہ اسے اس بات کا یقین ہے کہ اس کے کھانے سے اس کی موت واقع ہوجائے

گی۔وہ بھوک کی تکلیف اور زندگی کے زیاں کا مقابلہ کرے گا اور اپنا فائدہ اسی میں دیکھے گا کہ بھوک کی تکلیف برداشت کرلے لیکن اپنی جان ضائع نہ کرے"۔لیکن بدقسمتی سے مسلم حکمرانوں میں اکثریت ناعاقبت اندیش اُس کھانے کو بھی کھا لیتے ہیں کہ کہنے والا شائد مذاق کر رہا ہے یا پھر جھوٹ کہہ رہا ہے۔امریکہ " عالمی تھانیدار" بن کر کسی بھی مملکت کے خلاف ایف آئی آر کاٹ کرایسے چھترلگانے کیلئے بے کل نظر آتا ہے۔عراق میں کیمیائی ہتھیار کے برآمدگی کی آڑ میں مسلمانوں کی نسل کشی اور فرقہ واریت کو فروغ کے بعد امریکہ بہادر سے مسلم عوام کا اعتبار اٹھ چکا ہے کہ وہ کسی مسلم ملک کیلئے نیک خواہشات رکھتا ہوگا۔نائن الیون میں صلیبی جنگ کے آغاز کا اعلان کرنے والے امریکی اپنی جنگی جنونیت میں انتہا سے آگے بڑھتے جارہے ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ ملک شام میں تمام تر تحفظات کے باوجود امریکہ کو عالمی دنیا میں پزیرائی نہیں مل رہی حالاں کہ ایران خود تسلیم کرچکا ہے کہ شام میں کیمیائی ہتھیار استعمال کئے گئے جو قابل مذمت ہے۔روس ایرانی بلاک میں شامل ہوچکا ہے کہ اگر شام پر حملہ کیا گیا تو ایسے روس پر حملہ تصور کیا جائے گا۔سعودی عرب کی جانب سے ایک بار پھر کویت جنگ کی تاریخ دوہرائی جارہی ہے کہ " امریکہ تم حملہ کرو، خرچہ ہم دیں گے"۔جس طرح افغانستان میں روس کے خلاف امریکیوں نے پاکستانیوں کو کہا کہ " لڑو تم خرچہ ہم کریں گے"۔امت مسلمہ سب جانتی ہے کہ امریکہ دوہرا معیار رکھنے والا مسلم دشمن ملک ہے جیسے اپنی واحد سپرپاور

ہونے کا زعم ہے۔یہی وجہ ہے کہ امریکہ نے جب بھی پاکستان کیلئے سیکورٹی کے نام پر امداد نما سود دیا تو ایسے القاعدہ اور اس کے حامی شدت پسندوں کے خلاف کارکردگی سے مشروط کیا۔ تین سال قبل امریکی اخبارات میں یہ خبر آئی تھی کہ امریکہ نے اس سلسلے میں تعاون کا حساب رکھنے اور اپنے مفادات پر مبنی ایک اسکور کارڈ تشکیل دیا ہے جسے پاکستان میں اسامہ بن لادن کی ہلاکت کیلئے کی جانیوالی کاروائی کے بعد نافذ کردیا گیا ہے۔ اس لئے مستقبل میں اسی اسکور کارڈ کی بنیاد پر پاکستان کو فوجی امداد ملے گی۔اب تین سال بعد دوبارہ امریکی اخبارات میں اس بات کا چرچا اور یہ راز افشا ہوا کہ امریکہ نے پوری دنیاکے مقابلے میں پاکستان کیلئے خفیہ رازوں کی چوری و جاسوسی نظام میں بے تحاشا سرمایہ کاری کی ہے۔ گوکہ ایسے اس کے مقاصد و فوائد حاصل ہورہے ہیں لیکن ایٹمی اثاثوں کے حوالے سے اسرار تک پہنچنے میں امریکہ ناکام ہے۔شام کا محاذ امریکی مفادات کیلئے بھی بہت ضروری ہے کیونکہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر ہزاروں بے گناہ لوگوں کا خون بہانے اور امریکی خزانے سے کھربوں ڈالر لٹانے کے باوجود افغانستان سے امریکہ محروم ہاتھوں میں اپنے ارمانوں کا خوں لئے واپس جارہا ہے۔اوباما انتظامیہ اس حولے سے شدید تنقید کا شکار بنتی رہی ہے اور وہ اپنی ناکامیوں کا غصہ پاکستانیوں پر اتارنا چاہتے ہیں اور اس لئے بھی اہم ہے کہ افغانستان جنگ میں ناکامی پر ایک نئے عالمی محاذ کی بناء پر پردہ بھی پڑ جائے گا اور امریکی عوام کی توجہ

افغانستان سے ہٹ کر نئی عالمی جنگ جوئی کی جانب متوجہ ہوجائے گی ، چونکہ امریکہ پر اسرائیل کا اثر و رسوخ زیادہ ہے اس لئے فلسطین ،ایران اور شام کو سبق سکھانے کیلئے اس سے بہتر موقع امریکہ کیلئے کیا ہوسکتا ہے کہ اس کی تمام جنگ کے اخراجات عرب برداشت کر رہے ہیں۔ سعودی عرب کی جانب سے پُر کشش پیش کش کے بعد امریکہ کے منہ سے رال ٹپکنا شروع ہو گئی ہے اور اس کیلئے عالمی برادری کی حمایت بھی ضروری نہیں ہے۔ بد قسمتی یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنی ریشہ دوانیوں سے امریکہ کو خود موقع فراہم کیا کہ وہ ان کے گھر میں داخل ہوکر ان کے گھر میں ہی آگ لگائے۔ کویت عراق جنگ کے بعد عراق پر قبضے کے بعد امریکہ نے تمام جنگی اخراجات کو عراق کے تیل سے حاصل ہونے والی آمدنی سے وصول کرنے کا معاہدہ کیا اور عراق کے تیل کے ذریعے اپنے جنگی اخراجات اور تاوان وصول کر رہا ہے۔ تو دوسری جانب سعودی عرب کی حفاظت کے نام پر کھربوں ڈالرز اور تیل میں مراعات اس کے علاوہ حاصل کر رہا ہے۔ اس دوران افغانستان کے محاذ نے امریکہ کو دیوالیہ کردیا اور اس کے بڑے بڑے مالیاتی ادارے کریش کرگئے۔ افغانستان کے زمینی محاذ سے باہر آنے کیلئے اس کی تگ ودو میں بے چینی پائی جاتی ہے۔ جنگ افغان اور امریکہ کے درمیان تھی لیکن اس کا خمیازہ پاکستان کو بھگتنا پڑا اور چالیس ہزار سے زائد شہری اور فوجی جوانوں کی جانیں اس جنگ کی نذر ہوگئیں۔ اتنی بڑی و عملی قربانی کے باوجود امریکی مطالبات میں ٹھہراؤ آنے کے بجائے ڈو مور کا اضافہ ہوتا چلا گیا اور اب بھی

فوج اور اقتصادی امداد کو بطور ہتھیار استعمال کر رہا ہے۔ 9 ستمبر 2013ء کو حکومت پاکستان کی جانب سے دہشت گردی کے خلاگ ان کیمرہ کے نتائج سابقہ اے پی سی کی طرح ہونگے یا کوئی تبدیلی آئے گی یہ وقت ثابت کرے گا۔ تاہم اس سلسلے میں کانفرنس سے پہلے تقریباً تمام سیاسی جماعتوں کا واضح موقف آچکا تھا کہ پاکستانی شدت پسند گروپس سے معاملات مذاکرات کے ذریعے حل کئے جائیں۔ جبکہ فوج کی جانب سے اسٹریٹجک پالیسی کی تبدیلی میں پہلی بار اندرون ملک دشمنوں کو سر فہرست رکھا ہوا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ پاکستانی انتہا پسند گروپس کے تعداد اور ان کے درمیان اختلافات بھی مسائل کے حل کیلئے دشوار گذار عمل ہے۔ اس لئے سیاسی جماعتوں کی جانب سے پاک فوج کو یہ مشورہ نہیں دیا جا سکتا ہے کہ مغربی سرحدوں اور شمالی سرحدوں سے صرفِ نظر کرکے اپنی پوری توانائی اندرونی جنگ میں جھونک دے لیکن یہ بھی اہم مسئلہ ہے کہ جب تک ملک کے اندر امن قائم نہیں ہوتا بیرونی عناصر سے نبرالزما نہیں ہوا جاسکتا۔ ہمیں اب سمجھ لینا چاہیے کہ امریکہ سے مراد ایک گرما گرم پلاؤ ہے لیکن اس میں سنکھیا موجود ہونے کی وجہ سے تمام تر لوازمات ہونے کے باوجود مسلم ممالک اور بالخصوص پاکستان کیلئے زہر قاتل ہے۔ امریکہ کے کسی منفی اقدام سے ہمیں خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ ماضی میں متعدد بار پاکستان مشکلات سے دوچار ہوا ہے لیکن اللہ تعالی نے ہمیں بار بار مہلت دی ہے کہ ہم اپنے آپ کو سنبھال سکیں۔ افغانستان سے امریکی انخلاء کے بعد کی صورتحال سے امریکہ

کی پالیسوں سے ہمیں نہیں گھبرانا چاہیے ، ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام سیاسی قیادت صبر و تحمل اور سکون سے صورتحال کا سامنا کرنے کیلیۓ اپنی مربوط و مستحکم پالیسی بنا ئے۔پہلے پاکستان میں امن کو ترجیح دے۔پڑوسی ممالک کی اشتعال انگیزیوں اور دباو میں آئے بغیر جو بھی فیصلہ کرے اُس کا مقصود پاکستان کی سلامتی اور خود مختاری ہو۔پاکستان کی سیاسی جماعتوں میں جمہوری بلوغت کی کمی ہے اور اس نے ابھی تمام فیصلے اپنے کندھوں پر اٹھانے کی سکت کم رکھی ہے۔بیرون ممالک پر انحصار کی پالیسی نے پاکستان کو صرف امریکہ کی ذیلی ریاست بننے تک محدود کردیا ہے۔ جس کے ایک حکم پر حکمران اپنا سر تسلیم خم کرلیتے ہیں۔ عراق، لبنان، لیبیا،شام،ترکی ، مصر، افغانستان اور یمن میں امریکی جارحانہ پالیسوں کے بعد کسی بھی عام مسلمان کیلیۓ یہ جواز نہیں رہتا کہ عالمی تھانیدار کا مقصد بلا شرکت غیرے پوری دنیاپر حکومت قائم کرکے مسلمانوں سے اس کا خراج وصول کرنا ہے۔ماضی میں مسلم حکمرانوں کو دیۓ جانے والے خراج کو سود سمیت واپس لیا جارہا ہے لیکن ہم ایسے جانتے بوجھتے ہوئے بھی زہر کو قند سمجھ کر کھانے پر مصر نظر آتے ہیں۔

کل جماعتی کانفرنس کی ممکنہ خوش فہمیاں

پاکستان میں دہشت گردی کے خلاف حکومتی سطح پر ایک بار پھر کل جماعتی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔اس بار قومی پالیسی مرتب کرنے کے حوالے سے ان افوہوں کو ختم کیا گیا کہ پاکستانی افواج ، سیاسی جماعتوں کے ساتھ شانہ بہ شانہ نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ تاثر بڑی شد ومد کیساتھ موجود تھا کہ عسکری قوت ، شدت پسندی کے خلاف تمام جماعتوں کی اتفاق رائے چاہتی ہے لیکن بد قسمتی سے ماسوائے سوات آپریشن کے ، پاکستان کی سیاسی جماعتیں ملک میں جاری دہشت گردی کے حوالے سے واضح موقف اپنانے سے گریز کی راہ اختیار کرتی رہیں ، جس کا بڑا مظاہرہ مولانا فضل الرحمٰن کیجانب سے منعقدہ اے پی سی میں "دہشت گردی" کی جگہ عین وقت پر "بد امنی" کا شامل کئے جانا تھا۔اس کے علاوہ بیشتر جماعتیں پاکستان میں ہونے والی دہشت گردی کے واقعات کو مخصوص نقطہ نظر سے دیکھنے کے سبب بھی واضح موقف اپنانے سے قاصر رہیں تھیں اور ان عوامل کی مذمت کرنے میں پس وپیش سے کام لیتی رہی ، جو بے گناہ انسانوں ، جنازوں ، مزارات ، جلوس ، جلسے اور مساجد کو نشانہ بناتے رہے۔ کل جماعتی کانفرنس میں قابل ذکر صرف یہی بات ہے کہ تحریک طالبان نے پہلی بار مشترکہ اعلامیہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس بات کا عندیہ دیا ہے کہ جلد ہی طالبان شوری کا اجلاس منعقد ہوگا اور اُس کے بعد لائحہ عمل کا اعلان

کیا جائے گا۔ یقینی طور موجودہ حکومت نے گذشتہ ماہ ملتوی کردہ کانفرنس کے بعد ہوم ورک کیا ہوگا اور اطلاعات کے مطابق دونوں فریقین کی جانب سے رابطے بھی ہوئے، تاہم اس حوالے سے یہ بات حوصلہ افزا ہے کہ ماضی کے برعکس طالبان کی جانب سے اعلامیہ پر تنقید نہیں کی گئی اور اب اس بات کی امید پیدا ہو گئی ہے کہ عسکری و سیاست قوتوں کے درمیان مفاہمت کے بعد طالبان کی جانب سے مثبت رد عمل کا آغاز ہوگا۔ گو کہ مذاکرات میں حکومت کی جانب سے یہ تو واضح علامتی پالیسی موجود ہے کہ شدت پسندوں کو پاکستانی آئین، پارلیمنٹ اور حکومتی رٹ کو تسلیم کرنا ہوگا۔ لیکن طالبان پاکستان) کی جانب سے پاکستان سے کیا مطالبات کئے جاتے ہیں ہنوز اس کی تفصیلات) کا صرف اندازہ کیا جا سکتا کیونکہ ابتدائی طور پر طالبان (پاکستان) کی جانب سے یہ مطالبہ سامنے آچکا تھا کہ ان کے گرفتار رہنماؤں کو رہا کیا جائے تو مذاکرات میں سنجیدگی سامنے آئے گی۔ پاکستان طالبان (افغانستان) کے 33 رہنماؤں کو افغانستان میں امن کی مفاہمتی پالیسی کے تحت رہا کرچکا ہے گو کہ افغانستان چاہتا تو یہی رہا ہے کہ ان رہا کردہ طالبان رہنماؤں کو من پسند علاقوں میں جانے کی اجازت دینے کے بجائے، افغان حکومت کے حوالے کیا جائے، لیکن پاکستان نے ان کا یہ مطالبہ منظور نہیں کیا، تاہم افغانستان میں امن کے خاطر اپنا کردار ادا کرتے ہوئے ماورائے عدالت رہائی دیتا رہا ہے۔ اعلامیہ میں قبائلی رہنماؤں کی طالبان سے مذاکرات کے حوالے سے اعتماد سازی کا عندیہ بھی حوصلہ افزا امر ہے

۔بادی النظر طالبان سے مذاکرات کے حوالے سے تقریباً تمام سیاسی و غیر سیاسی قوتوں نے مثبت رد عمل اور نیک خواہشات کا اظہار کیا ہے۔دہشت گردی کے خلاف قومی پالیسی میں خیبر پختونخوا، بلوچستان اور سندھ کے وزراء اعلی کو اختیارات تفویض کرنے کا اعلان ایک اچھا اقدام ہے اس سے صوبائی حکومتوں کا یہ الاپ ختم ہوجائے گا کہ امن و امان کے مکمل ذمے داری وفاقی حکومت پر عائد ہوتی ہے اور وفاق کی جانب سے صوبائی حکومت پر ذمے داری عائد کرنے کا سلسلہ بھی موقوف ہوجانا چاہیے۔ تحریک طالبان پاکستان کے علاوہ متعدد گروپس مختلف ناموں سے پاکستان میں مصروفِ عمل ہیں۔جن کے اپنے مقاصد اور طریقہ کار ہے۔ لیکن بین الاقوامی طور پر یہ بات مسلمہ تصور کی جاتی ہے کہ پاکستان میں جتنے بھی چھوٹے انتہا پسند گروپس ہیں وہ دراصل افغانستان و پاکستانی طالبان کے انڈے ہیں، جنھیں طالبان نے اپنے پروں میں سمیٹ کر سیچنے کا عمل جاری رکھا ہوا ہے، اگر اس مرغی کو ان انڈوں سے اُٹھا دیا جائے تو ان انڈوں سے مزید چوزے پیدا نہیں ہونگے۔یہ امر بھی بڑی دلچسپی کا باعث ہے کہ بلوچستان کے حوالے سے پاک فوج کا یہ بیان سامنے آیا تھا کہ بلوچستان میں ایک پاک فوج کا ایک فوجی بھی آپریشن میں حصہ نہیں لے رہا، تاہم ایف سی اور رینجرز کے حوالے بلوچ عوام کے تحفظات سے اس غلط فہمی کو پروان چڑھایا جا رہا تھا کہ جیسے پاک فوج، بلوچستان کے معاملات کو حل کرنے میں دل چسپی نہیں لے رہی۔اس حوالے سے وزیر اعلی بلوچستان کو مکمل اختیار دیئے جانا کہ آپ بیرون ملک

ناراض بلوچوں سے مذاکرات کرنے میں آزاد ہیں، اس کے بعد بلوچستان کے مسئلے پر، وزیر اعلی بلوچستان کو تیزی کے ساتھ کسی غیر متوقع صورتحال سے قبل اپنا کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ خیبر پختونخوا اور بلوچستان کے ساتھ کراچی میں امن و امان کی صورتحال بڑی سنگین ہے، لیکن کراچی کو صرف سیاسی جماعتوں کے درمیان لڑائی کے بجائے ایسے بین الاقوامی تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ طالبان کی تمام "بی" ٹیم اس وقت کراچی میں موجود ہیں۔ فرقہ واریت آگ بھڑکانے کی سازشوں میں بین الاقوامی طاقتوں کا بھیانک کردار رہا ہے، وہ اپنے مفادات اور مقاصد کی تکمیل کیلئے عموماً کمزور و ترقی پذیر ممالک کو نشانہ پر رکھتے ہیں اور خصوصاً مسلمانوں کو صدقہ کا بکرا بناتے ہیں۔ جن جن قوموں اور ممالک سے ان کے مقاصد پورے ہوتے چلے جاتے ہیں یہ ان سے نظریں پھیرنا شروع کردیتے ہیں۔ جن اقوام و افراد کی ناز برداریاں کی جاتی ہیں وقت کیساتھ ساتھ ان میں نقائص بھی دکھائی دینا شروع کردیتے ہیں۔ کل کے ہیرو آج کے دہشت گرد بنا دیئے جاتے ہیں، جیسے عراق، کویت، لبنان، ترکی، مصر، شام، لیبیا کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں کہ کل تک ان کے حکمراں امریکہ اور ان کی اتحادی قوتوں کے آنکھ کے تارے تھے، لیکن پھر بدلتے وقت کے ساتھ ان کے حلیف بدترین حریف بن گئے۔ جب امریکہ نے اپنے مقاصد پورے کرلئے تو افغانستان کے مجاہدین معتوب ٹھہرے اور عالمی دہشت گرد کے طور پر انھیں متعارف کرائے جانے لگا۔ افغان قوم کو روس کے مد مقابل جہاد کے نام ہر قسم کی مدد کی تو جب یہی

لوگ افغانستان کے حکمران بنے تو امریکہ کی آنکھ میں کھٹکنے لگے اور پھر خود ساختہ نائن الیون نے افغانستان کو ایک بار پھر عالمی طاقتوں کا میدان جنگ بنا دیا۔امریکہ اپنی خود ساختہ پالیسوں کی وجہ سے عراق اور افغانستان میں پھنس گیا تو اس نے پاکستان کو آنکھیں دکھانا شروع کردیں، پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کیلئے ہر صورت وہی اقدامات کئے جیسے صدر صدام کو پھانسی لگائے جانے وقت نقاب پوشوں نے "مقتدا الصدر زندہ باد "کے نعرے لگوائے۔ایران مسلکی اعتبار سے اسلام کے دوسرے مسالک سے جدا ملک سہی، لیکن امریکہ یہ کبھی ہمت نہیں کرسکا کہ براہ راست ایران پر حملہ آور ہو، کیونکہ ایسے اس بات کا ڈر تھا کہ دنیا بھر کے مسلمان اس کے خلاف ہو جائیں گے اس لئے اس نے فرقہ وارانہ سازش کا ایک ایسا سلسلہ شروع کیا جس کی ابتدا عراق سے ہوتے ہوئے عرب ممالک میں تبدیلی کی لہر قرار دیکر شام میں کیمیاوی ہتھیاروں تک پہنچا کر اس پر حملے کا جواز پیدا کردیا۔یہاں سعودی حکومت بھی امریکی بلاک میں دولت کے انبار لئے سامنے آگئی، یہی وہ سازش تھی جس نے مسلمانوں کو دو بڑے واضح گروہ میں منقسم کردیا اور دنیا میں امت واحدہ کے بجائے شیعہ، سنی مسلمان کی اصطلاح اب اس قدر عام ہوگئی کہ امریکہ کیلئے کوئی مشکل نہیں رہی کہ وہ کسی بھی مسلم ملک کے خلاف مسلک کی بنیاد پر حملہ کرنے کیلئے کسی بھی دوسرے مسلک کے مسلم ملک کی حمایت حاصل نہ کرسکے۔پاکستان افغانستان جنگ کے حوالے سے امریکہ کیلئے بڑے چیلنجوں کا مسئلہ رہا ہے اس لئے یہاں بھی ایک سوچی

سمجھی سازش کے تحت ایسے گروپس کی سرپرستی کی گئی، جس نے فرقہ واریت کو ہوا دی اور تشدد کو فروغ دیا۔ حالات و واقعات اور آثار کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پاکستان دشمن عناصر اپنے مفادات کی تحصیل و تکمیل کیلئے مسلمانوں کو اپنے مقاصد کی قرباں گاہ پر ذبح کرنا چاہتے ہیں۔ جس میں سب سے زیادہ متاثر کراچی لسانی خانہ جنگی کے ساتھ فرقہ وارنہ جنگ کے دہانے پر کھڑا ہے۔ تحریک طالبان پاکستان کے علاوہ کراچی میں لشکر جھنگوی کے پانچ گروپس کام کر رہے ہیں، جن کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ ان کے ماسٹر مائنڈ جنوبی وزیرستان میں ہیں، کراچی میں سب سے مضبوط گروپ عطالرحمان عرف نعیم بخاری گروپ ہے۔ جبکہ کوئٹہ سے کنٹرول کئے جانے والا عثمان کرد گروپ بھی کراچی میں شدت سے سرگرم ہے۔ اس کے علاوہ قاری ظفر عرف ابو تیافہ گروپ ،امان اللہ عرف مفتی الیاس قاری رضوان گروپ، موجود ہیں۔ قاری عابد جھنگوی گروپ کو بم دھماکوں کا ماسٹر مائند جبکہ قاری اسلم گروپ کو جلوسوں پر حملوں کا ذمے دار سمجھا جاتا ہے۔ کراچی جیل کے 4800 قیدیوں میں 200 کے قریب لشکر جھنگوی، طالبان اوور جنداللہ کے عسکریت پسند شامل ہیں۔ کراچی میں عسکریت پسندوں کے یہ خود رو گروپس میں جند اللہ کے علاوہ بدر منصور گروپ، خروج گروپ، المختار گروپ پنجابی طالبان، الفرقان گروپ، القتال گروپ اور لشکر بلوچستان کے اراکین بڑی تعداد میں گرفتار ہوئے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ لراچی میں عسکریت پسندوں کی کثیر تعداد مختلف گروپس میں موجود ہیں۔ قابل ذکر بات یہ

بھی سامنے آئی ہے کہ لشکر جھنگوی سے الگ ہونے گروپس جند اللہ ، ایشین ٹائیگر ، لشکر جھگنوی العالمی ، جند الحفصہ گروپس کے کراچی سے ملک کے دیگر حصوں میں بھی کاروائیوں میں مصروف ہیں۔ اکچھ ایسے گروپ بھی ہیں جب ان کے اراکان گرفتار ہوتے ہیں تو ان کا علم ہوتا ہے جیسے 13 جنوری 2011 کو پولیس کے سینئر عہدے دار راجہ عمر خطاب کی پریس کانفرنس کے مطابق 28 دسمبر 2010 کے کراچی یونیورسٹی بم دھماکے میں تحریک طالبان کے المنصور گروپ کا نام سامنے آیا ، ان کے تین اراکان گرفتار ہوئے ۔ راجہ عمر خطاب کے مطابق ان کا ماضیمیں تعلق جماعت اسلامی کی ذیلی تنظیم اسلامی جمعیت طلبہ سے تھا لیکن بعد میں 2007ء سے قائم پنجابی طالبان کے گروپ میں شامل ہوگئے، حساس اداروں کی رپورٹ کے مطابق یونیورسٹیوں میں بھی بڑی تعداد میں تحریک طالبان سے تعلق رکھنے والے نوجوان موجود ہیں ۔ ن تمام گروپس کے حوالے سے ان کا نقطہ نظر یہی سامنے آتا ہے کہ وہ عظمت صحابہ رضوان اللہ اجمعین پر نعوذ باللہ توہین آمیز کلمات کے رد عمل کے طور پر کاروائیاں کرتے ہیں۔ اس لئے ہمیں یہ بھی سمجھنا ہوگا کہ صدائے معصومین ، لشکر عباس، سپاہ مہدی اور سپاہ محمد، کے سربراہ ڈاکٹر منتظر علی گروپ کے حماد ریاض نقوی، عسکری ، روئف ، قلب عباس نے مفتی نظام الدین شامزئی، مفتی جمیل، مولانا اعظم طارق، مولانا نذیر تونسوی سیکرٹری اطلاعات عالمی مجلس ختم نبوت ،مذہبی اسکالر عتیق الرحمٰن ، عمار عتیق الرحمٰن، لولانا ارشاد الحق، ہارون قاسمی ، اسحٰق قاسمی جیسے جید مشائخ کو شہید کیا فرقہ

وارانہ ان جیسی تنظیمیں بھی کراچی سمیت ملک بھر میں تقویت پکڑ چکی ہیں۔ ان کی جڑیں کراچی سے باہر پنجاب کے شہروں میں ملتی ہیں۔ خاص طور باوا اسد احسین گروپ کو ملنگ گروپ کے نام سے بھی وجہ شہرت حاصل ہے جبکہ سپاہ محمد کے سپریم کمانڈر غلام رضا نقوی گروپ کو بھی فرقہ وارانہ سرگرمیوں میں ملوث قرار دیا جاتا ہے۔ تمام تنظیمیں اپنی کاروائیوں کو ایک دوسرے کے خلاف ردعمل قرار دیتی ہیں۔ مسالک، فقہ اور فرقہ وارانہ تعصب کے علاوہ نسلی بنیادوں پر عسکری تنظیمیں اس کے علاوہ ہیں، جن کے مفادات کسی نہ کسی طرح ملک دشمن عناصر سے وابستہ ہیں اور بیرونی مداخلت ثابت شدہ ہے ان کو ملک میں امن و امان کے حوالے سے کسی طرح لایا جائے یہ بھی بہت پیچیدہ مسئلہ ہے۔ طالبان پاکستان کے امیر حکیم اللہ محسود کی گرفت کیا ان فرقہ وارنہ گروپس پر بھی موجود ہے یا نہیں؟۔ اس کا مظاہرہ پنجابی طالبان کے امیر عصمت اللہ معاویہ کی صورت میں آگیا تھا جس میں انھوں نے اپنا دھڑا وزیرستان سے الگ بتلایا اور حکیم اللہ محسود کے حکم کو ماننے سے انکار کردیا۔ ہمیں اس مرحلے پر یہ نہیں دیکھنا کہ کتنے گروپس کی کون کتنی سرپرستی کرتا ہے بلکہ جتنے بھی گروپس ہیں اگر وہ مذاکرات میں باہمی طور پر یہ گارنٹی دینے کو تیار ہیں کہ مذاکرات میں ان کے جائز مطالبات تسلیم کرنے کے بعد کوئی دوسرا گروپ حکم عدولی کریگا تو وہ حکومت کے ساتھ ملکر کام کریں گے تو پھر توقع کی جاسکتی ہے کہ مذاکرات کامیاب ہونگے تو پھر ہی امن قائم ہوگا۔ کل جماعتی کانفرنس میں دہشت گردی کے

خلاف امریکی جنگ سے خود سے خود الگ رکھنا ہی سب سے بڑا چیلنج ہے کیونکہ جب تک بیرونی جنگ کے اثرات، اپنے ملک سے دور نہیں کئے جائیں گے کسی طور پر مملکت میں امن و امان قائم ہونے میں کامیابی کے امکانات بہت کم ہیں۔

نئے صوبے قومی یکجہتی کی ضرورت

1955ء میں مغربی پاکستان کے جاگیرداروں، مذہبی قیادت، افسر شاہی اور اسٹیبلشمنٹ نے گٹھ جوڑ کرکے تمام صوبوں کو تحلیل کردیا تھاتاکہ مشرقی پاکستان سے آبادی کی بنیاد پر برابری کا تقابل کرسکیں۔1969ء میں نافذ کردہ لیگل فریم ورک آرڈر کے تحت بلوچستان، شمالی مغربی صوبہ سرحد، پنجاب اور سندھ کی صوبائی حیثیت بحال کردی گئی تھی لیکن اس کے بعد متواتر آبادی کے اضافے کے باوجود پاکستان کے وفاقی نقشے میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔اٹھارویں ترمیم کے تحت صوبہ سرحد کا نام تبدیل کرکے خیبر پختونخوا رکھا گیا تو پاکستان میں ایک سیاسی تبدیلی کے بعد فوراً ہزارہ ڈویژن کا ردعمل سامنے آیا جو صوبہ خیبر پختونخوا کو تقسیم کرکے ہزارہ ڈویژن کو الگ صوبہ بنانے کا مطالبہ کررہے تھے۔ عملی اقدام کے طور پر پنجاب اسمبلی میں بہاولپور صوبہ کی بحالی اور جنوبی پنجاب صوبے کی تشکیل کی دو الگ الگ قراردادیں 9 مئی 2012 کو منظور کی گئی دونوں قراردادیں پنجاب کے وزیر قانون ثنا اللہ نے پیش کی تھی جسے متفقہ طور پر ایوان نے منظور کرلیا۔دونوں قراردادوں کی مسلم لیگ (ن)، پیپلزپارٹی، مسلم لیگ (ق) سمیت تمام سیاسی جماعتوں نے حمایت کرتے وفاقی حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ حکومت ایک قومی کمیشن تشکیل دے جو پانی، دیگر وسائل اور جغرافیائی حدود کا تعین کرکے صوبے

کے قیام کو عملی جامہ پہنائے۔ صوبہ بہاول پور کے حوالے سے قرارداد میں یہ کہا گیا کہ وہ کسی نئے صوبے کی تشکیل کا نہیں بلکہ اپنے صوبے کی بحالی کا مطالبہ کر رہے ہیں اس لئے وفاقی حکومت فوری اقدامات کرے۔ دونوں قراردوں کو پنجاب میں الگ صوبے کے قیام کے حق میں تحریک چلانے والوں قائدین نے خوش آئند اقدام قرار دیا تھا جس سے واضح ہوگیا کہ تمام قومی جماعتیں پنجاب کی تقسیم پر متفق ہیں، لیکن وسائل کی منصفانہ تقسیم کیلئے قومی کمیشن کا مطالبہ ہر دو سیاسی جماعت کی جانب سے کیا گیا۔ پی پی پی کے وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی تو باقاعدہ اپنے جلسوں میں سرائیکی صوبہ بنانے کی خوش خبریاں سناتے، پنجاب کی حکومت اور میاں نواز شریف پر شدید تنقید کرتے کہ ان کی پنجاب حکومت، جنوبی پنجاب کے وسائل پر قابض ہو کر احساس محرومی کو فروغ دے رہی ہے۔ سندھ میں علیحدہ صوبہ کی پہلی باقاعدہ بازگشت تو کافی عرصہ سے موجود ہے، جس میں کراچی کی اردو صوبہ تحریک محدود حد تک مطالبہ کرتی رہی ہے۔ لیکن بین الاقوامی طور پر 11 مئی 2012ء کو نیویارک شہر میں ایم کیو ایم کے سابق وزراء سابق اراکین رابطہ کمیٹی اور سابق اراکین اسمبلی نے سندھ کو انتظامی بنیادوں پر تقسیم، کرکے جنوبی سندھ نامی صوبہ بنانے کا مطالبہ کیا تھا۔ ایم کیو ایم کے ان سابق منتخب نمائندوں کا کہنا تھا کہ سندھ میں شہری علاقوں کی آبادی پچاس فیصد سے زیادہ ہے اور سندھ کی شہری آبادی محصولات کا پچانوے فیصد پیدا کرتا ہے، لیکن اختیارات میں اس کا حصہ پانچ

فیصد سے بھی کم ہے "۔امریکہ کے شہر نیویارک میں کی گئی پریس کانفرنس پر پاکستان میں موجود ایم کیو ایم کے رہنما اور سندھ کے صوبائی وزیر فیصل سبزواری نے مطالبے سے لاتعلقی کا اعلان کرتے ہوئے ، سابق نمائندوں کے حوالے سے اس موقف کو دوہرایا تھا کہ یہ ان کی ذاتی رائے ہو سکتی ہے ، متحدہ قومی موومنٹ کا کوئی موجودہ رکن اسمبلی ، رہنماء کارکن ایسی بات کرے تو پھر ایم کیو ایم کی ذمے داری ہو گی۔"ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کی جانب سے مملکت میں نئے صوبوں کے پر اتفاق رائے پیدا کرنے کیلئے آل پارٹیز کانفرنس کے انعقاد کے مطالبے کے بعد سندھ میں ایک بار پھر صورتحال کشیدہ اور سیاسی گرمی میں اضافہ ہوگیا۔تاہم حیران کن بات یہی ہے کہ پاکستان کی تمام سیاسی جماعتیں پنجاب ، بلوچستان ، خیبر پختونخوا کی تقسیم پر پاکستان کے آئین کے مطابق متفق نظر آتی ہیں لیکن جب بات سندھ کی آتی ہے تو یہاں پاکستان کے آئین کے بجائے ماں دھرتی کی بات کرتے ہوئے لسانی سیاست کو ہوا دیتے ہوئے بھول جاتے ہیں ، کراچی سندھ دھرتی کا حصہ نہیں بلکہ وفاقی دارالحکومت تھا اور قیام پاکستان کے بعد 23 سال تک کراچی صوبہ سندھ کا حصہ نہیں تھا۔جبکہ سندھ میں بالخصوص کراچی میں دو کروڑ سے زائد آبادی رکھنے والے شہر میں روز افزوں اضافے کیلئے بس یہی بیان دیا جاتا ہے کہ یا تو ،" مہاجروں کو بھارت واپس بھیج دو یا ان کی جگہ سمندر میں ہے" ، اسی طرح اگر پختون ہیں ، جن کا رہنا ، جینا مرنا اور تمام اجداد و جائیداد کراچی میں ہیں "ان سے کہا جاتا ہے کہ

تم پٹھان لوگ اپنے صوبے خیبر پختونخوا واپس جاؤ"۔ماہر سیاسیات پروفیسر رسول بخش رئیس کے مطابق کہ "جب تک تمام سیاسی جماعتوں میں چاروں صوبوں کو دوبارہ سے ترتیب دینے میں اتفاق رائے نہیں ہوگا، اس وقت تک اس طرح کی تجاویز آگے نہیں بڑھ سکتیں، اس پر کچھ لوگ سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش تو ضرور کریں گے تاہم اس طرح سے نئے صوبے بننا ممکن ہے "۔نئے صوبوں کے مطالبے میں 20 مئی 2102ء کو فاٹا گرینڈ الائینس کی جانب سے پاکستان میں قبائلی علاقوں کے مستقبل کے بارے میں بحث کی گئی۔خیبر پختونخوا اسمبلی میں قبائلی علاقوں کو نمائندگی کے حوالے سے اس تنظیم کے سربراہ خان مرجان نے خیبر پختونخوا اسمبلی میں نمائندگی کی قرارداد کو مسترد کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے وہ پسماندہ رہیں گے"۔خان مرجان کے مطابق قبائلی علاقوں کے بیس کے لگ بھگ نمائندے قومی اسمبلی اور سینٹ میں موجود ہیں لیکن انھیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ آئینی ترامیم میں کوئی حصہ لے سکیں اس لئے صوبائی اسمبلی میں ان کی نمائندگی سے انھیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا"۔فاٹا گرینڈ الائینس کی جانب سے یہ موقف اُس وقت سامنے آیا تھاجب خیبر پختونخوا حکومت نے قبائلی علاقوں کو اسمبلی میں نمائندگی اور ایف سی آر کے حوالے سے قرارداد منظور کی۔تاہم یہاں بھی بعض قبائلی رہنماؤں کی جانب سے اعتراض کیا گیا کہ اس حوالے سے ایک کمیشن تشکیل دینا چاہیے کیونکہ وسائل و دیگر بنیادی مسائل کے حل کے ادارے خیبر پختونخوا میں ہیں اس لئے قبائلستان کے حوالے سے اتفاق رائے پیدا

کیا جائے ورنہ اس مطالبہ کو قابل عمل بنانا ممکن نہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کے علاوہ پنجاب کے وزیر اعلی میاں شہباز شریف نے وفاق کو یہی تجویز دی تھی کہ قومی سطح پر ایک کمیٹی تشکیل دی جائے ۔ ان کے بقول یہ کمیٹی ملک میں نئے صوبوں کے حوالے سے اتفاق رائے پیدا کرے اور اپنی سفارشات مرتب کرے اور جس طرح اٹھارویں آئینی ترمیم اتفاق رائے سے منظور ہوئی اس طرح یہ معاملہ بھی طے ہو۔" آئین کے مطابق ، شق 248 کی ذیلی شق ، چار نئے صوبے بنانے یا کسی صوبے کی حدود کا از سر نو تشکیل دینے کے بارے میں رہنمائی کرتی ہے۔تاہم سابق صدر آصف زرداری نے اس حوالے سے ایک پارلیمانی کمیٹی بھی تشکیل دی تھی جس کا مسلم لیگ (ن) نے بائیکاٹ کیا تھا۔ یہاں اس بات ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ پاکستان میں بلوچستان ، پنجاب ، خیبر پختونخوا میں نئے صوبوں کے حوالوں سے پر تشدد واقعات دیکھنے میں نہیں آتے لیکن جب بھی نئے صوبوں کے حوالے سے ایم کیو ایم کے بیانات سامنے آتے ہیں تو سندھ کے اندرونی علاقوں میں پر تشدد کے واقعات میں اضافہ ہو جاتا ہے اور سندھی نام نہاد قوم پرست جماعتیں مشتعل ہو جاتی ہیں۔ بعض سیاسی جماعتوں کی جانب سے یہ اعتراض کیا جا رہا ہے کہ ایم کیو ایم کی جانب سے اے پی سی کے انعقاد کے بعد قبل از وقت مطالبہ کیا ہے تو یہ بھی عوام نے دیکھا ہے نئے صوبوں کی تشکیل کے حوالے سے نئے انتخابات کے موقع پر سیاست کی جاتی ہے اور ووٹ و اقتدار حاصل کرنے کے بعد تمام بڑی جماعتیں اگلے پانچ سال کیلئے

خاموش ہو کر بیٹھ جاتی ہیں، غیر جانبدارانہ قومی سیاسی تناظر میں دیکھا جائے کہ اگر امن وامان کے حوالے سے جس قدر انتظامی یونٹس زیادہ ہونگے، وفاق پر انحصار کم ہوگا اور نئے تشکیل پانے والے یونٹس اپنی علاقائی ضروریات کے مطابق تشکیل نو کر سکیں گے۔ مردم شماری کی غیر جانبدارانہ شماری اور بائیو میٹرک سسٹم کے تحت ڈیٹا کو محفوظ کرنے سے ملکی وسائل کی تقسیم اور صوبائی خودمختاری میں مدد ملے گی۔ قومی پالیسی کے تحت تمام سیاسی جماعتوں کی متفقہ رائے سے پاکستان کی مکمل تنظیم نو اور نئے یونٹس ہی امن وامان اور معیشت کی بحالی کیلئے اہم قدم ہے۔ نئے صوبوں کے حوالے سے قومی اتفاق رائے ضروری ہے۔

افغانستان کو اپنے فیصلے خود کرنے دیں

مسلمانوں کی حکمرانی کی تاریخ کے حوالے سے جب تذکرہ کیا جاتا ہے تو عمومی طور پر مغلوں کی حکمرانی کو سب سے طویل دور کے طور پر یاد کیا جاتا ہے، جو غلط فہمی ہے۔ مورخین کی تحقیق کی مطابق افغانوں کی حکمرانی کی ابتدا کا تعین 300ء سے ہوتا ہے، تاہم یہ قدیم تر تو ہو سکتی ہے لیکن اس کے بعد اگر ہو بھی صدیوں کا نہیں دہائیوں کا فرق ممکن ہے۔ ہر چند حکمرانی کا آغاز 300ء سے ہوا تھا لیکن 1700 برسوں میں افغانستان، ایران، سلطنت دہلی اور برصغیر کے مختلف علاقوں میں یہ مدت 3561 سال ہے۔ جو اہل روم کی لگ بھگ 250ق م سے شروع ہونے والی 1530ء اختتام تک پہنچنے پر چھوٹی چھوٹی برائے نام رہاستوں پر بھی فرانس نے 1768ء میں قبضہ کر لیا 1841ء میں پاپائیت کی حکومت کی بحالی کے بعد آج تک حکمرانی کی مدت دو ہزار دو سو دس 2010 برس بنتی ہے (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد اول)۔ افغانستان جنگی بد حالی کے بعد پسماندہ، کنگال، نصف سے زیادہ غلام اور کچھ مکمل غلام ایک ہی مملکت کے افغانوں کی آج کی بقایا دنیا کی ترقی یافتہ طاقتور، دولت مند صنعت و حرفت، سائنس اور ٹیکنالوجی کے اعتبار سے بام عروج پر دنیا کی کافی مملکتوں کا افغانوں کی حکمرانی کی ابتداء کے دوران نام و نشان تک نہیں تھا۔ جاپان میں باقاعدہ

حکومت کا آغاز 360ء میں ہوا۔ ہسپانیہ 507ء، عرب میں خلافت 632ء میں شروع ہوئی 1258ء میں ہلاکو خان نے اس حکومت کا خاتمہ کرڈالا۔ 756ء ہشام کے پوتے عبد الرحمان نے اموی حکمرانی کی بنیاد ڈالی، 1492ء بو عبداللہ حاکم غرناطہ کو فرڈننڈ نے شکست دی۔ اموی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ بیسویں صدی میں سعودی عرب کے علاوہ چھوٹی موٹی عرب حکومتیں 1928ء میں معرض وجود میں آئیں، ان ریاستوں میں اب بھی عرب کی حکمرانی ہے، عربوں کی حکمرانی کی مدت 1441ء برس بنتی ہے۔ ایران میں با قاعدہ حکمرانی کا آغاز 550 ق م تا 330 ق م، دوسرا دور 226ء تا 651ء تیسرا دور 1500ء تا 1700ء رہا، کل ملا کر 2071 برس ایرانی حکومت کا راج رہا۔ یہاں ذکر مسلمانوں کی حکمرانی کے اعتبار سے کیا جارہا ہے، کیونکہ تاریخ سے ناواقفیت کی بناء پر یہی خیال گردانا جاتا ہے کہ مغلیہ دور سب سے زیادہ مسلمانوں کی حکمرانی کا تھا جبکہ پوری دنیا میں رومیوں کے حوالے سے سمجھا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے طویل حکومت 2210ء برس رومیوں نے کی۔ حالاں کہ افغانیوں نے 3561 سال حکومت کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے سپہ سالار سعد بن اب وقاص نے ایران کو 635ء میں فتح کیا اور افغان حکومت حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے ادوارِ خلافت 644-656ء اور اس کے بعد 661ء میں مشرف بہ اسلام ہوئی، اس طرح ایرانیوں نے بہ حیثیت مسلمان 500 برس اور افغانوں نے 3200 برس حکومت کی۔ فرانس میں مستقل حکمرانی کا آغاز چارلس اعظم یا شارلیمان کے عہد 771ء تا 814ء سے ہوا۔

لیکن چارلس اعظم نے اپنی وسیع وغریض مملکت کو اپنی ہی زندگی میں خانہ جنگی سے روکنے کی غرض سے تین بیٹوں میں تقسیم کردیا۔ وینس میں 687ء میں باقاعدہ حکمرانی کا آغاز ہوا۔ اس سے قبل جرمن کے قبیلے کارولنجی کے پیپن دوئم نے 687ء میں، اس کے بعد چارلس مارٹل نے741ء تک حکومت کی، مستقل حکمرانی شارلیمان کے پوتے لوئی کے دور میں 843ء جرمن حکومت کے آنے والے حصے ہوا۔برطانیہ میں مستقل حکمرانی کا آغاز الفریڈ اعظم کے دور (871ء۔899ء) سے ہوا البتہ جو خاندان.برطانیہ میں اب تک حکمران چلا آرہا ہے، اس کا بانی نارمنڈی کا ناجائز جرمن نژاد نواب ولیم فاتح تھا جس نے1066ء.برطانیہ پر قبضہ کیا تھا۔ ناروے، ڈنمارک، سویڈن میں نوے نے حکمرانی کا آغاز کیا۔ سسلی میں جرمنvikings اور دسویں صدی کے دوران جرمن نارمن قبیلے نے دسویں صدی میں حکمرانی کا آغاز کیا، روس، سرویاہنگری، بلغاریہ اور پولینڈ میں بالترتیب 880ء، 906ء اور1036ء میں باقاعدہ حکمرانی کا آغاز ہوا۔ آئیر لینڈ میں جرمن قبیلے نے جو.برطانیہ کے حکمران تھے 1171ء میں حکمرانی کا آغاز کیا۔ منگول یاتاتار نے1206ء تموچن کے چنگیز خان (اعظم) بن جانے کے عہد سے حکمرانی کا آغاز کیا۔ پرتگال میں 14اگست 1385ء میں حکمرانی کا آغاز ہوا۔ (حوالے جات ولیم ایل الینگر کی تاریخ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم مترجم غلام رسول مہر ناشر، شیخ غلام علی سنز لاہور۔ لاہور جلد اول و دوئم تصنیف 1940ء ترجمہ1958ء)۔ مغل حکمرانیوں میں 1526ء،1538ء،1567ء زنانہ حکومت کے خاتمے

کے بعد 1712ء سے 1722ء تک عبد اللہ برادران بادشاہ گروں کے تسلط میں رہے شاہ عالم ثانی 1762ء سے بہادر شاہ ثانی 1857ء تک مغل وظیفہ خوار تھے، خود مختیار اور مضبوط حکمرانی 1564ء سے اورنگ زیب کی وفات 1707ء تک 133برس کی رہی۔(تاریخ پاک وہند ص 13 تا 188)۔امریکہ 1789ء جارج واشنگٹن نے پہلے صدر کی حیثیت سے حکمرانی کا آغاز کیا۔پاکستان 1947ء بنگلہ دیش 1971ء جبکہ بھارت میں 1762ء مغلوں کے وظیفہ خور بننے کے سبب پاکستان کو 14اگست 1947ء میں 181برس بعد خود مختیار آزاد حکمرانی ملی۔شمالی کوریا اور جنوبی کوریا 15اگست ء میں قائم ہوئیں۔دیگر ممالک آسٹریلیا، جنوبی افریقہ، الاسکا، کیوبا، کولیمبیا، 1948 وینزیلا، پیرو، ارجنٹائن، ویتنام وغیرہ میں بھی بعد میں اس ضمن میں آتے ہیں لیکن مقصود یہاں افغانوں کی حکمرانی کا ہے اس لئے اجمالی جائزے میں بالا ممالک کا ذکر کیا۔ افغانوں نے 300ء سے 2001ء تک 3561ء برس حکومت کی۔افغانستان پر قبیلہ سوری کے مختصر ذکر تاریخ فرشتہ جلد اول میں مل جاتا ہے۔(افغانستان کا قدیم نام آریانا ہے)۔موجودہ افغانستان کے بانی میں قطب خان، حاجی جلال خان، عمر خان اور دیگر سے شجرہ شروع ہوتا ہے جو 1708ء سے 2001ء تک پھیلا ہوا ہے۔افغان انقلاب میں نور محمد ترکئی کو بانی انقلاب 1978-1979ء، حفیظ اللہ امین صدر روزہ حاکم 1979ء۔روس کی جارحیت کے بعد افغانوں نے اپنی سرزمین کی حفاظت کیلئے جنگیں لڑیں، ڈاکٹر نجیب اللہ 1987ء تا 1992ء تک رہے جبکہ گلبدین حکمت یار بحثیت وزیراعظم 1993 -1994

پھر افغانستان میں طالبان مسند حکمرانی پر براجمان ہوئے جن کا دور 1994ء سے
ء تک رہا۔2001ء امریکی جارحیت کے بعد سے افغانستان میں حامد کرزئی کی 2001
شکل میں امریکی پھٹو حکومت افغانستان کی آزادی میں حائل ہے اور اپنے ہی افغانوں کا
خون ڈالروں کی لالچ میں بہاتی ہے۔13 سالہ امریکہ جنگ میں شکست کے بعد پسپا ہو کر
ء تک افغانستان سے واپسی کی راہ تک رہے ہیں اور ان کے زیر استعمال سامان 2014
پشاور کے بارار میں فروخت ہونا شروع ہو چکے ہیں۔مسلمانوں میں مغلیہ دور حکومت
اصل حکمرانی ماہم انگا حمیدہ بیگم کی زنانہ حکومت سے شروع ہوئی۔مغلیہ حکمرانی میں اکبر
بادشاہ،جہانگیر اور شاہجہاں کے علاوہ عالمی معیار کے کسی حکمران کا تذکرہ نہیں آتا۔
زیادہ تر حکمران وظیفہ خور اور لال قلعہ کی حد تک محدود تھے ، جبکہ عالمی سطح پر سائرس
اعظم ، سکندر اعظم ،ہینی بال، اشوکا، چنگیز خان ، نپولین ، لینن، اسٹالن یا ہٹلر تو کیا
علاؤالدین خلجی یا شیر شاہ سوری تک کو پیدا نہیں کر سکے۔ہندوستان میں ہی افغانوں نے
مختلف ادوار میں سلطنت دہلی پر 137برس کے علاوہ ہندوستان کے بیشتر علاقوں پر
برس حکومت کی، مثلاً بنگال ، اڑیسہ مالوہ ، مکمل پنجاب ، مکمل کشمیر ، جون پورہ، 2180
بوپال اور جوناگڑھ وغیرہ شامل ہیں۔مندرجہ بالا حکمرانی کے علاوہ افغانستان پر
برس ، ایران پر 8برس اور ایران کے بعض علاقوں پر 51برس کل ملا کر 11853561
برس افغان حکمران رہے ہیں۔اس مختصر سے ثقیل تاریخ کا ذکر کرنا اس لئے مقصود تھا
کہ امریکہ یہاں زمینی حقائق کے برعکس

مغربی نظام لانے کا خواہاں ہے اور اس کی ایک کوشش وہ پہلے بھی کرچکا ہے، جو بدترین کالے انتخابات کے طور پر افغانستان کی تاریخ کا سیاہ باب بن چکے ہیں۔افغانستان کی عوام کو اپنی فیصلوں اور طرز حکمرانی کا اختیار ہے اس لئے یہاں انتشار کیلئے لڑو اور حکومت کا فارمولہ دینے کے بجائے، دنیا میں امن کا خواہاں ہے تو افغانستان کی عوام کو اپنے حکمران کے لئے صدیوں کی روایات کے مطابق فیصلہ کرنے دیں اور خاموشی سے اپنے بچے کچے فوجیوں اور اتحادیوں کو واپس ان کے بچوں کے پاس ویڈیو گیم کھیلنے کیلئے گھروں میں بھیج دیں۔افغانستان دنیا کی قدیم ترین حکمرانی کی مسلسل ریاست کا نام ہے ۔وہ اپنے فیصلے کرنے بخوبی جانتے ہیں امن کیلئے یہی بات اہم ہے کہ امریکہ سازشیں رچانا بند کردے۔ سلیقہ حکمرانی صدیاں حکمراں رہنے والوں کو خود غلام و محکوم رہنے والے ممالک کیا سکھا سکتے ہیں

!!! کراچی آپریشن کو متنازعہ نہ بنائیں

حکومت سندھ کی دلی آرزو کی تکمیل موجودہ کراچی آپریشن میں پوری ہو رہی ہے۔ سندھ حکومت کی پی پی پی کی یہ خواہش ابھی سے نہیں بلکہ اُس وقت سے ہے جب سے ایم کیو ایم وجود میں آئی ہے، کراچی میں پی پی پی کو واضح طور پر کبھی مینڈیٹ نہیں ملا وہ ہمیشہ لیاری اور کچھ نواحی آبادی تک محدود رہی۔ یہ بھی زمینی حقیقت ہے کہ پی پی پی نے ہمیشہ یہ کوشش ضرور کی کہ کسی طرح بھی ملک کی شہ رگ کراچی کو مقبوضہ بنا لیا جائے۔ جس طرح بے نظیر بھٹو کی سربراہی میں نصر اللہ بابر نے آپریشن کیا تھا، اس کی یادیں ایم کیو ایم کیلئے اس قدر تلخ ہیں کہ انھوں نے کراچی میں فوجی آپریشن مطالبوں پر ہمیشہ محتاط رویہ اختیار کیا، لیکن جب کراچی سب سیاسی جماعتوں کے ہاتھ سے باہر نکلنے لگا تو ایم کیو ایم نے بالآخر کراچی میں فوجی آپریشن کا مطالبہ کر دیا لیکن خلاف توقع ماضی میں فوجی آپریشن کی حمایت کرنے والوں نے مخالفت شروع کر دی۔ اپنے گذشتہ کالموں میں، میں نے واضح طور پر خدشات واضح کر دیئے تھے کہ جس پارٹی (پی پی پی) کی سندھ میں پانچ سال حکومت رہی، اور اب بلا شرکت غیرے سندھ کی مالک ہے، وہ غیر جانبدارنہ آپریشن کس طور کروا سکتی ہے۔ یہی سوال سب پوچھتے ہیں کہ جو وزیر اعلی اپنے انتخاب کے بعد مزار قائد

جانے کے بعد لیاری گینگ وار کی پارٹی میں شرکت کیلئے پہنچ جائے تو اُس سے سب کچھ واضح ہو جاتا ہے کہ وزیر اعلی سندھ ماضی کی مفاہمتی پالیسی کے بجائے جارحانہ عزائم رکھتے ہیں۔پی پی پی کی جانب سے ماضی کی طرح کوشش کی جاتی رہی کہ کسی طرح ایم کیو ایم دوبارہ شریک اقتدار ہوجائے لیکن ایم کیو ایم کی جانب سے کارکنان کے ریفرنڈم کے بعد یہ صورتحال نمایاں ہوچکی تھی کہ کارکنان ماضی میں پی پی پی کی جانب سے مسلسل وعدہ خلاف ورزیوں کی وجہ سے اس بار پی پی پی حکومت میں ایم کیو ایم کی شراکت نہیں چاہتے ۔ گو کہ اُس ریفرنڈم نتائج کا باقاعدہ اعلان نہیں کیا گیا کیونکہ ایم کیو ایم کے ایک سندھ اسمبلی کے رکن ساجد قریشی اور ان کے بیٹے کی ٹارگٹ کلنگ کے بعد کراچی کے حالات مزید کشیدہ ہوگئے تھے ۔ اعلانیہ طور پر جب مسلم لیگ (ن) کو ایم کیو ایم کی جانب سے ووٹ دیئے تو ظاہر ہوچکا تھا کہ ایم کیو ایم ، اس بار پی پی پی سے مفاہمت کیلئے رضامند نہیں ہے ، تاہم اس کے باوجود بھی پی پی پی کی جانب سے کوشش اور میڈیا میں دعوے کئے گئے ، لیکن عملی طور پر پی پی پی سنجیدہ نہیں تھی کیونکہ جس طرح پی پی پی نے بلدیاتی بل کو اسمبلی سے منظور کرایا تو اس عمل نے جلتی پر تیل کا کام کیااور ایم کیو ایم کے پی پی پی سے اتحاد کے توقعات کے امکانات کافی معدوم ہوگئے۔ایم کیو ایم نے جب کراچی میں فوجی آپریشن کا مطالبہ کیا تو کراچی کے بعض حلقے ان کے اس فیصلے پر کافی حیران بھی تھے لیکن شہر میں قیام امن کیلئے انھوں نے ایم کیو ایم کی جانب

سے اس مطالبے کا خیر مقدم کیا لیکن کراچی کی تمام قومیتوں کو حیرانی ہوئی کہ جب تمام سیاسی جماعتوں نے کراچی میں فوجی آپریشن کی شدید مخالفت کردی۔تاہم اس سلسلے میں وفاق کی جانب کراچی میں کابینہ اجلاس اور اقدامات کا بظاہر پی پی پی نے خیر مقدم کیا لیکن اس بات کا خدشہ بہر صورت موجود تھا کہ رینجرز کی جانب سے آپریشن کو ماضی میں بھی سیاسی مداخلتوں کی وجہ سے ناکامیاں ملیں ہیں اور عوام کی اکثریت 1990ء سے تعینات رینجرز کے اقدامات سے مطمئن نہیں ہیں، خاص طور پر پولیس میں سیاسی مداخلتوں اور دس ہزار اہلکاروں کی سیاسی بھرتیوں کی وجہ سے یقین تھا کہ کراچی آپریشن غیر جانبدار نہیں رہے گا۔چار دن بعد وفاقی وزیر داخلہ نے جب فخریہ انداز میں پریس کانفرنس کرکے ٹارگٹ کلنگ کی تعداد میں کمی کو کامیابی قرار دیا تو سنجیدہ حلقوں میں کی جانے والی بحث درست ثابت ہوئی کہ پی پی پی کبھی نہیں چاہے گی کہ کراچی میں امن وامان کا کریڈٹ مسلم لیگ (ن) کو مل جائے ،پریس کانفرنس کی سیاہی ابھی سوکھنے بھی نہیں پائی تھی کہ کراچی میں 14افراد کو ٹارگٹ کلنگ کرکے وفاق کو جواب دے دیا گیا۔کراچی کو معتوب رکھنے والے جو بھی عناصر ہیں ان کا ایجنڈا واضح ہے کہ کراچی میں بدامنی کو جاری رکھنا ہے۔رینجرز وفاق کے ماتحت ادارہ ہے اور 1990ء سے سندھ بالخصوص کراچی میں موجود ہے۔بعض عناصر کراچی میں سیاسی انارکی پیدا کرکے کراچی میں مزید بے چینی وانتشار پیدا کرنا چاہتے ہیں۔کراچی میں ایم کیو ایم کے سابق ایم پی اے اور ناظم کے خلاف جس طرح

پولیس کی جانب سے فوری کاروائی کی گئی اس پر ایم کیو ایم کے تحفظات نے کراچی آپریشن کو مکمل متنازعہ بنا دیا ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ کراچی میں ابھی سے نہیں بلکہ کافی عرصے سے متواتر ٹارگٹڈ آپریشن کئے جاتے رہے ہیں ، 2011ء میں جب عوامی نیشنل پارٹی کے کارکنان اور پختون آبادیوں میں آپریشن کیا جارہا تھا تو ان کا کوئی پرسان حال نہیں تھا،تاہم اس حوالے سے کراچی میں کئے گئے جتنے بھی آپریشن کئے گئے اُس کے نتائج اس لئے مثبت نہیں نکلے کیونکہ عدم گواہی و ناکافی ثبوت کی وجہ سے کسی بھی ملزم کو سزا نہیں دی جا سکی۔ کراچی میں قیام امن کیلئے کسی بھی شہری کو کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن جب کسی فرد واحد کیلئے پوری آبادی کا محاصرہ کرلیا جاتا ہے اور گھر گھر تلاشی میں چادر و چار دیواری کا تقدس پامال ہوتا ہے تو اس سے عوام میں منفی جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ کراچی میں کبھی بھی منظم انداز میں قیام امن کیلئے سنجیدہ کوششیں نہیں کیئں گئیں۔ ہمیں کراچی کے حوالے سے بھی بیرونی ملک اخبارات و میڈیا کی رپورٹوں پر انحصار و یقین کرنا پڑتا ہے۔ کراچی میں قیام امن کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بے تحاشا اسلحہ ہے جو لائسنس اور بغیر لائسنس ریوڑیوں کی طرح بانٹے گئے ہیں۔ سابق وزیر داخلہ سندھ تو خود اقرار کرچکے ہیں کہ لاکھوں کی تعداد میں اسلحہ لائسنس شادی بیاہ میں استعمال کیلئے نہیں دیئے تھے۔ کراچی میں سمندر کے علاوہ تینوں بیرونی راستے انتہا پسند وں ،کالعدم جماعتوں، اسمگلرز اور منشیات فروشوں کے زیر اثر محفوظ ترین

ہیں ۔کراچی میں داخلے اور خروج کیلیۓ کسی بھی قسم کی کوئی اسکریننگ نظام ہی موجود نہیں ہے۔اس کے علاوہ کراچی کے 52 نو گو ایریاز میں لیاری ، منگھو پیر ، اتحاد ٹاؤن ، سہراب گوٹھ ، گلشن معمار ، گلشن حدید ، لانڈھی ، جیسے شہری سرحدی علاقے شامل ہیں ۔کراچی میں ایسے عناصر موجود ہیں جو اداروں اور سیاسی جماعتوں کے درمیان غلط فہمیوں کو بڑھا کر اپنے مفادات کی تکمیل چاہتے ہیں۔رینجرز کو ایک بار پھر کراچی میں قیام امن کیلیۓ ٹاسک دیا گیا ہے لیکن کراچی میں جس طرح آپریشن کا رخ سیاسی انداز میں موڑ دیا گیا ہے اس سے کراچی کے حالات بہتر ہونے کے بجائے مزید خراب ہونگے ۔پولیس اعلی عہدے داروں کی مکمل تبدیلی اور رینجرز کی حکمت عملی سے کراچی کی حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں ، کراچی کی عوام فی الحال عدم اطمینان کا شکار ہیں ۔ایم کیو ایم کیجانب سے آپریشن کے ابتدا میں خاموشی کے بعد اب احتجاج نے کراچی میں بڑی بے یقینی کی کیفیت پیدا کردی ہے ۔ وزیر اعظم اور وفاق وزیر داخلہ کو اس معاملے پر خاموش رہنے کے بجائے فوری طور پر مانیٹرنگ ٹیم تشکیل دینی چاہیے ، اس مانٹرنگ ٹیم میں میڈیا سے وابستہ شفاف شخصیات کو شامل کرنا بے حد ضروری ہے کیونکہ میڈیا اس وقت بنیادی اور کلیدی کردار ادا کر رہا ہے۔ ماضی کے مقابلے میں میڈیا کا کردار بہت حساس اور انتہائی ذمے دارانہ ہوگیا ہے۔ اپنے چینل سے وابستگی اپنی جگہ ، لیکن اس وقت کروڑوں انسانوں کو میڈیا کے مثبت کردار کی ضرورت ہے۔ میڈیا اس وقت مکمل ، آزاد اور ہر قسم کی پابندی سے بالاتر ہے

میڈیا کو کراچی کے حالات اور موجودہ آپریشن پر جنگی بنیادوں پر متوازن اور غیر جانبدارانہ کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔حکومت ہوں یا حساس ترین ادارے، میڈیا کے اثر و نفوذ سے محتاط رہتے ہیں۔ کسی بھی سیاسی جماعت کے خلاف یکطرفہ سیاسی انتقام پر ٹاک شوز کرنے کے بجائے انوسٹی گیشن رپورٹنگ کو فروغ دینا چاہیے۔میڈیا اس وقت جتنی قوت کے ساتھ پاکستان میں اپنا وجود تسلیم کراچکا ہے، اس لئے اس پر لازم ہے کہ ماضی کی غلطیوں سے وہ بھی سبق سیکھے اور اپنی حیثیت سے پاکستان کی عوام کو حقیقت سے آگاہ کرے۔بلا شبہ موجودہ دور 1992ء نہیں ہے۔دیگر ملکی ستون بھی طاقت ور ہوئے ہیں جس میں الیکٹرونک میڈیا نے ملکی سیاست اور عوامی رجحان کا تمام انداز تبدیل کردیا ہے۔میڈیا پر آج تاریخی ذمے داری عائد ہے۔تاریخ میں اس کا کردار ویسے بھی یاد رکھا جائے گا لیکن موجودہ حالات میں کراچی میں امن کے لئے میڈیا نے سنسنی کے بجائے انوسٹی گیشن رپورٹنگ اور سیاسی پوائنٹ اسکورنگ یا ریٹنگ کے بجائے حقائق اور مثبت درست مانٹرنگ کی تو یقینی طور پر یہ نئے کراچی کی بنیاد بنے گا۔پی پی پی حکومت ایسے اقدامات نہ کرے جس سے سیاسی انتقام کی بو آئے اور عوام میں قومی اداروں کا اعتماد مجروح ہو۔ہمیں سیاسی مفادات سے بالاتر ہونا ہوگا۔

کراچی میں نو گو ایریاز اور ٹارگٹڈ آپریشن

اردو لغت کے مطابق نو گو ایریا اسم نکرہ ہے، جس کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ " کسی ایک جماعت یا مسلک وغیرہ کے لوگوں کا علاقہ جہاں کسی دوسرے مسلک یا جماعت کے لوگوں کو خطرہ ہو"۔ پولیس کی لغت میں "ایسے علاقے جہاں حکومت کی رٹ نہ ہو، جہاں ایک مخصوص لسانی گروہ سے تعلق رکھنے والے طبقے کا قبضہ ہو اور دوسرے مکتبہ فکر کے لوگ آزادنہ طور پر وہاں نہ تو گھوم پھیر سکیں اور نہ کاروبار کر سکیں"۔ کراچی میں نو گو ایریاز کا بڑی شد ومد کے ساتھ تذکرہ کیا جاتا ہے۔ سپریم کورٹ میں کراچی بد امنی کیس کی سماعت کے دوران بھی کئی مرتبہ نو گو ایریاز کا ذکر ہوا۔ کراچی پولیس کے ترجمان عمران شوکت نے لیاری کے حوالے سے سپریم کورٹ میں بیان دیا تھا کہ لیاری میں اس وقت پولیس کی عملداری صرف ڈنڈے کے زور پر ہے"۔ پولیس نے " عدلیہ کے سامنے کراچی کے 42 علاقوں کا اعتراف کیا جس میں لیاری بھی شامل ہے۔ نو گو ایریاز جرائم پیشہ عناصر کیلئے آئیڈیل ہیں۔ نو گو ایریا کی مثال لیاری کے حوالے سے دیتے ہوئے عمران شوکت نے کہا کہ "لیاری کی تنگ وتاریک گلیاں جرائم پیشہ عناصر کیلئے فائدہ مند اور پولیس کیلئے نقصان دہ ہے کیونکہ ان گلیوں کی بھول بھلیوں میں نہ تو پولیس موبائل داخل ہو سکتی ہے نہ ہی موٹر سائیکل سوار گشت کر سکتا ہے "۔ پولیس ریکارڈ کے مطابق اعلی عدلیہ

میں دی گئی پہلی رپورٹ میں کراچی کے سات تھانوں کی حدود میں نو گو ایریاز کا اعتراف کیا گیا کہ جس میں سندھی، بلوچی، پنجابی اور پختون آباد ہیں۔ کراچی میں سپریم کورٹ کی سماعت کے دوران چاکی واڑا کے ایس ایچ او نے بیان حلفی جمع کرایا تھا جس کے مطابق " ان کے تھانے کے حدود میں جرائم کی سرپرستی حکمران جماعت پیپلز پارٹی کر رہی ہے"۔ کراچی میں پولیس رپورٹ کے مطابق تھانوں کی کل تعداد 106 ہے جس میں 99 تھانوں کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ ان کی حدود میں نو گو ایریاز نہیں ہیں۔ سپریم کورٹ ہر بار پولیس رپورٹ کو مسترد کر دیتی ہے اور فوری طور پر نو گو ایریا ختم کرنے کے احکامات دیتی رہتی ہے۔ کراچی میں جرائم کی متعدد آماجگاہیں ہیں جہاں قانون کی رٹ کی عملداری بڑی مشکل ہے جہاں قانون نافذ کرنے والے ادارے باآسانی جاسکیں۔ کراچی میں کسی بھی علاقے میں کسی بھی سیاسی جماعت کی جانب سے سیاسی قبضے کا تصور اب مفقود ہوچکا ہے، کیونکہ کراچی اس وقت مختلف جرائم پیشہ عناصر، کالعدم تنظیموں اور منظم مسلح گروہوں کے درمیان تقسیم ہوچکا ہے۔ عمومی طور پر یہ ثابت شدہ ہے کہ مختلف سیاسی جماعتوں کی آشیرباد سے ہی مختلف علاقے مخالفین کیلئے نو گو ایریا کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔ لیاری ابھی سے نہیں بلکہ مختلف ادوار میں بھی حکومتی رٹ کی وجہ سے متنازعہ بنا رہا ہے۔ فیلڈ مارشل ایوب خان کے دور میں دادل نامی فرد جو لیاری انڈر ورلڈ کے پہلا ڈان تھا) کو سیاسی پناہ حاصل ہوئی، جنرل ضیا الحق کی) حکومت

میں دادل کو گرفتار کیا گیا، جو جیل میں چل بسا جبکہ اس کا بھائی شیرل مخالف گروہ کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔ لیاری میں 2008ء میں جب لیاری امن کمیٹی قائم ہوئی تو اس کے بعد کبھی پیپلز پارٹی کی جانب سے ایسے ذیلی تنظیم قرار دیا جاتا تو کبھی اس سے لاتعلقی کا اعلان کرکے اس کو کالعدم قرار دے دیا جاتا، کبھی ان کے سرکردہ لیڈروں کے سر کی قیمت رکھی جاتی تو کبھی انھیں معافی دیکر اسمبلیوں میں بھیج دیا جاتا۔ آج پی پی پی حکومت کراچی میں امن قائم کرنے کے دعوے کر رہی ہے، لیکن ماضی سے لیکر حال تک پی پی پی کا کردار متنازعہ رہا۔ جس کی وجہ سے پورے شہر میں بدامنی کا راج ہے۔ 5 اپریل 2013ء کو جب پولیس نے اپنی پہلی رپورٹیں سپریم کورٹ میں مسترد ہونے کے بعد نئی رپورٹ جمع کرائی تو اس بار انھوں نے اعتراف کیا کہ شہر میں 29 جزوی اور 13 مکمل نو گو ایریاز ہیں۔ کراچی میں پولیس رینجرز نے کراچی کے متعدد علاقوں میں حالیہ ٹارگٹڈ آپریشن کرکے سینکڑوں ملزمان کو گرفتار کیا ہے۔ لیکن کیا ان کے ان آپریشنوں سے کراچی میں مستقل امن قائم ہوسکتا ہے، جب کہ مصدقہ اطلاعات یہی ہیں کہ سنگین جرائم میں ملوث افراد اندرونِ ملک یا بیرون ملک فرار ہوچکے ہیں۔ اس کے باوجود ہم اجمالی جائزہ اُن علاقوں کا لیں جہاں پولیس اور رینجرز نے ٹارگٹڈ آپریشن کئے ہیں تو بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ موجودہ کاروائیاں عارضی ہیں، مستقل و مربوط منصوبہ بندیاں کئے بغیر جرائم کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ بین السطور یہ وہ علاقے ہیں جہاں ایک ہفتے سے

پولیس و رینجرز بھرپور آپریشن کر رہی ہے بلکہ 1990ء سے کر رہی ہے۔ منگھو پیر روڈ پر واقع پختون آباد، جہاں چادر فیکٹری کی کچی سڑک سے اجمیر نگری کی جانب اور منگھو پیر گرم چشمہ سے سرجانی ٹاؤن اور بلوچستان کیلئے خروج کے راستے موجود ہیں۔اور نگی ٹاؤن نمبر ساڑھے آٹھ سے اجتماع گراؤنڈ، جہاں بند شراب فیکٹری ایریا سے منگھو پیر بابا مزار، سلطان آباد محمد خان کالونی قبائل چوک۔تک تمام ایریا ویران، بیابان اور محفوظ پناہ گاہیں ہیں۔ان پہاڑیاں میں کسی بھی قانون نافذ کرنے والے ادارے کیگاڑیاں نہیں جا سکتی۔ااسی راستے سے بلوچ گوٹھ قبرستان ایریا سے ہوتے ہوئے کٹی پہاڑی سے متصل ایم پی آر کالونی، بلوچ کالونی، پیر آباد، فرنٹیئر کالونی، شاہی آباد، بنارس، پٹھان کالونی، باوانی چالی، میٹرول، جہان آباد، ضیا کالونی، نارتھ ناظم آباد کے دیر کالونی، عثمان کالونی عمر فاروق کالونی، رانگڑ کالونی اور اجمیر نگری کے حساس علاقے بھی باآسانی جڑے ہوئے ہیں،اسلام چوک، بلدیہ کالونی، اتحاد ٹاؤن، گلشن غازی، فرید کالونی، پریشان چوک، طوری بنگش کالونی، موچکو،،شیر شاہ کالونی، ،کلاکوٹ جمن شاہ پلاٹ، بلوچ ہال۔ بلال کالونی کورنگی، بنگالی پاڑہ، قائد آباد شیرپاؤ کالونی، پہلوان گوٹھ، سرجانی، تیسر ٹاؤن، گلشن معمار، شاہ لطیف ٹاؤن، شاہ فیصل کالونی، الفلاح کالونی، ڈرگ کالونی، سادات کالونی کورنگی،، مہران ٹاؤن، داؤد گوٹھ، سکھن کالونی، بھینس کالونی، شرافی گوٹھ،، فیڈرل بی ایریا جنجال پورہ، جہاں سے رستہ نیشنل

ہائی وے جانکلتا ہے۔ جیسے حساس علاقے مضبوط گڑھ اور کالعدم تنظیموں اور طالبان کے زیر کنٹرول میں ہیں۔ جبکہ یہ علاقے ہمیشہ سے متحارب کالعدم جماعتوں کے درمیاں بھی کشیدہ رہے ہیں۔ مچھر کالونی، کیماڑی، شیرین جناح کالونی، نیلم کالونی، موسیٰ کالونی، محمد خان گوٹھ، پرانا گولی مار، رضویہ کالونی، کشمیری بارگاہ کالونی، گنجھی گراؤنڈ۔ قذافی چوک اورنگی رئیس امروہوی کالونی، بختاور گوٹھ اورنگی، گارڈن مچھانی روڈ، مچھر کالونی جدگال چوک،، ابوالحسن اصفہانی روڈ، مبینہ ٹاؤن قائداعظم کالونی، نصیرآباد، سرجانی، تیسر ٹاؤن، گلشن معمار، شاہ لطیف ٹاؤن، سچل کے علاقے صفورا گوٹھ، لاشاری گوٹھ، گلستان جوہر، پہلوان گوٹھ، حب ریور روڈ نزد مرشد ہسپتال، لیاقت الکرم اسکوئر، الیسرا اپارٹمنٹ، یوسف پلازہ، گلستان جوہر، رابعہ سٹی، ملیر عبداللہ شاہ غازی گوٹھ کورنگی پی اینڈ ٹی کالونی، بلدیہ، صدر، گھاس منڈی سالار کمپاؤنڈ، نارتھ کراچی، انچولی،، لیاری سریا گلی، کلری کے علاقے نیاآباد کریم جی روڈ، رنچھوڑ لائن، گڑ باغیچہ، شو مارکیٹ، ٹمبر مارکیٹ، غفور بستی، سنگولین، کھڈا مارکیٹ، موسیٰ لین، گل محمد لائن بہار کالونی، چاکیوڑہ، رامسوامی، اولڈ کمہار واڑہ، بکرا پیری، میوا شاہ قبرستان ایریا،، مبینہ ٹاؤن قائداعظم کالونی، کلاکوٹ جمن شاہ پلاٹ، بلوچ ہال۔ چھوٹا ناظم آباد، پاپوش اشرف نگر، ندی ایریا، منگھو پیر روڈ نکلنے کا محفوظ راستہ، اورنگی ساڑھے گیارہ ون ڈی ایریا، پاکستان بازار، ڈبہ موڑ، علی

گڑھ کالونی، کالی پہاڑی ، نیو کراچی ، گودھرا کیمپ ، بسم اللہ کالونی ، بنگالی پاڑہ، صنعتی ایریا نالہ اسٹاپ ، صبا ایریا روڈ سے محفوظ راستہ سہراب گوٹھ اور سپر ہائی وے کی جانب جا ، نکلتے ہیں۔، نارتھ ناظم آباد کے دیر کالونی ، عثمان کالونی عمر فاروق کالونی ، آصف آباد ، پاک کالونی ، رانگڑ کالونی ،، گلبہار کالونی کے علاقے حسن کالونی، سولجر بازار، لائنز ایریا، محمود آباد کے علاقے چینسر گوٹھ کے علاقوں میں پولیس اور رینجرز ٹارگٹڈ آپریشن کر چکی اور مسلسل کر رہی ہے لیکن ابھی تک کوئی ہائی پروفائل ملزم گرفتار نہیں ہوا۔ قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ کالعدم جماعتوں اور طالبان کے زیر کنٹرول علاقوں میں خائف زندگی کی چہل پہل ضرور ہے لیکن حکومتی رٹ قائم نہیں ہے۔ وقتی طور پر کسی مخبر کی اطلاع پر کاروائی تو کر لی جاتی ہے لیکن ان کاروائیوں سے کراچی کے مسئلے کا مستقل حل کسی صورت نہیں نکل سکتا۔ کراچی میں امن کے قیام کیلئے مستقل بنیادوں پر مضبوط و ٹھوس منصوبہ بندی کی ضرورت ہے جو ابھی تک نظر نہیں آئی۔ بالا سطور میں صرف اُن تمام علاقوں کا ذکر کیا گیا ہے جہاں قانون نافذ کرنے والے اداروں نے ٹارگٹڈ آپریشن کئے اور میڈیا کو خبر دی گئی ، اس کے علاوہ پوش ، رہائشی علاقوں و سیاسی جماعتوں کے دفاتر میں بھی ٹارگٹڈ آپریشن کئے گئے ہیں چونکہ میڈیا کو اس کی تفصیلات نہیں دی گئیں اس لئےیہاں بھی اُن علاقوں اور سیاسی جماعتوں کے دفاتر کا تذکرہ فی الحال نہیں کیا جا رہا۔

طالبان کی رہائیوں پر کرزئی کی رسوائیاں

افغانستان میں طالبان کی جانب سے امن مذاکرات کے خلاف عسکریت پسندوں کی جانب سے شدید مخالفت کا سامنا ہے۔ذرائع کے مطابق طالبان کے بعض اراکین نہیں چاہتے کہ افغانستان میں مصالحتی عمل یا امن کا حصہ بننے کے خاطر ہتھیارڈال دیئے جائیں۔رہا ہونے والے اور سابق طالبان اراکین نے حکام سے مطالبہ کیا کہ اُن کے تحفظ کیلئے زیادہ توجہ دی جائے۔کیونکہ اعلی امن شوری کے اہم رکن مولوی ارسلام رحمانی کو13 مئی 2012ء کو کابل میں ہلاک کردیا گیا تھا۔طالبان افغانستان کے دور میں وزیر۔برائے اعلی تعلیم کی حیثیت سے خدمات سرانجام دینے والے مولوی ارسلا رحمانی ، اعلی امن شوری کے تیسرے رکن تھے جنھیں عسکریت پسندوں نے ہلاک کیا۔جبکہ گذشتہ سال ستمبر 2011ء میں اعلی امن شوری کے اُس وقت کے چیئرمین اور طالبان کے اقتدار سنبھالنے سے قبل افغانستان کے صدر پروفیسر۔برہان الدین ربانی کو بھی ایک خود کش حملہ آور نے اپنی پگڑی میں چھپائے بم کی مدد سے ہلاک کردیا تھا۔ جبکہ اعلی امن شوری میں صوبہ کنٹر کی نمائندگی کرنے والے مولوی محمد ہاشم منیب کو 6 اپریل2012 میں خود کش حملے میں ہلاک کیا گیا۔یہی وجہ ہے کہ عسکریت پسندوں کی جانب سے اس قسم کی کاروائیوں پر دیگر سابق عسکریت پسندوں کو بھی اپنے

تحفظ کے بارے میں بڑے خدشات لاحق ہیں۔ ملا عبدالسلام ضیعف نے اپنی اسیری سے رہائی کے بعد العربیہ ٹی وی کے پروگرام "صناعہ الموت" میں کہا تھا کہ " افغانستان پر امریکی حملے اور طالبان حکومت کے خاتمے کے وقت وہ پاکستان میں طالبان حکومت کے سفیر کے طور پر فرائض انجام دے رہے تھے انھوں نے پاکستان سے سفارتی پناہ کی درخواست کی تھی کیونکہ وہ جنگ زدہ ملک واپس نہیں جا سکتے تھے۔" ان کے مطابق پاکستان نے انھیں پناہ دینے کے بجائے امریکہ کے حوالے کر دیا جس پر وہ کافی حیران ہوئے تھے۔ ملا عبدالسلام ضعیف نے یہ بھی بتایا کہا نھیں افغانستان میں قیام امن کی خاطر طالبان کے ساتھ مذاکرات میں ثالثی کی پیش کش کی گئی تھی تاہم انھوں نے یہ پیش کش مسترد کر دی کیونکہ انھیں یقین تھا کہ غیر ملکی حقیقی امن میں دلچسپی نہیں رکھتے۔ ان کا ماننا رہا ہے کہ طالبان کو اپنے ملک پر غیر ملکی فوج سے اصل مسئلہ ہے ، یہی وجہ ہے کہ وہ ان کے افغانستان سے نکلے بغیر کسی قسم کے مذاکرات نہیں کرنا چاہتے"۔ ملا عبدالسلام ضیعف نے 2010ء میں ٹی وی پروگرام میں اپنے ان خیالات کا اظہار کیا تھا، جس کے بعد ان کے تحفظات درست ثابت ہوئے اور عالمی طاقتوں نے پاکستان سمیت افغانستان میں قیام امن کے بجائے ایسی کاروائیاں کرنی شروع کر دیں جس سے افغانستان میں امن مذاکرات کیلئے حالات سازگار نہیں رہے۔ تاہم قطر مذاکرات کیلئے پاکستان کی جانب سے مثبت کردار کے سبب ایک بار امید بر آئی کہ امریکی حکومت اور طالبان کے درمیان مذاکرات میں پیش رفت ہو گی ، لیکن

کرزئی حکومت کی جانب سے تمام عمل کو سبوتاژ کردیا گیا اور اس میں فل الوقت تعطل موجود ہے۔ گرچہ کہا یہی جاتا ہے کہ طالبان کے سابق اراکین کے تحفظ کیلئے سلامتی کے مناسب اقدامات کئے گئے ہیں لیکن پے در پے ایسے کئی واقعات ہوئے جس کے سبب بعض عسکریت پسند اپنی اپنے اہل خانہ کی زندگیوں کو لاحق خطرات کے سبب ہتھیار ڈالنے سے ہچکچا رہے ہیں۔ دوسری جانب پاکستان کے خلاف افغانستان حکومت کی ہزا سرائی غیر سنجیدگی میں داخل ہوچکی ہے۔ کرازئی حکومت اور امریکی حکومت کی جانب سے درخواست پر ہی پاکستان حکومت کی جانب سے ماورائے عدالت 33 طالبان رہنماء رہا کئے جاچکے ہیں، لیکن کرزئی حکومت چاہتی ہے کہ انھیں من پسند جگہ جانے کے بجائے افغان حکومت کے حوالے کیا جائے، جنوبی صوبہ غزنی کے پولیس سربراہ سرور زاہد کہتے ہیں کہ "۔ جن طالبان کو رہا کیا گیا تھا وہ میدان جنگ میں ہمارے خلاف لر رہے ہیں ہم ان کو گرفتار کرنے کیلئے اپنی جانیں خطرے میں ڈالے ہوئے ہیں لیکن مرکزی، حکومت (افغانستان) مختلف بہانے بنا کر ان کو رہا کر رہی ہے، سرور زاید نے بتایا کہ صدر کرزئی کے حکم پر غزنی کی مرکزی جیل سے چالیس سے زائد طالبان کو رہا کیا گیا تھا اور اب یہ دوبارہ میدان جنگ میں لڑرہے ہیں "۔پاکستان سے افغان طالبان کی رہائی کے طریقہ پر بھی افغان امن کونسل کے سینئر رکن اسماعیل قاسم یار کا کہنا ہے کہ "افغان طالبان کو پیشگی اطلاع اور افغان حکام کے حوالے کئے بغیر رہا کردیا جاتا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ رہائی کے بعد ان کے ساتھ کیا ہوتا ہے

اور وہ کدھر جاتے ہیں۔جب وہ (پاکستانی حکام) طالبان رہنماؤں کی رہائی کا فیصلہ کرتے ہیں تو صرف چند گھنٹے پہلے افغان حکموت کو مطلع کیا جاتا ہے۔"پاکستان کے مشیر قومی سلامتی و خارجہ امور کے مطابق ہفتے بھر میں افغان طالبان کے امیر ملا عمر کے سابق نائب سربراہ ملا عبدالغنی برادر کو رہا کردیا جائے گا۔پاکستان کا بھی یہ موقف ہے کہ جن طالبان کو رہا کیا جارہا ہے اُن کی مرضی پر منحصر ہے کہ انھیں کہاں جانا ہے ،

افغانستان میں قیام امن کے اعلی سطح کے امن شوری کے اراکین کی ہلاکتوں کے بعد اعلانیہ انھیں افغانستان حکومت کے حوالے کرنا ان کی اپنی زندگیوں کیلئے بڑا خطرہ ہے ، جب پروفیسر ربانی جیسے سابق صدر افغانستان ، افغان حکومت میں محفوظ نہی رہے تو یقینی طور پر یہ خدشات جنم لیتے ہیں کہ پاکستان کی جانب سے جن طالبان رہنماؤں کو رہا کیا جارہاہے اگر انھیں براہ راست افغان حکومت کے حوالے کردیا گیا تو پاکستان کے مثبت کردار کو بعض عناصر نقصان پہنچا سکتے ہیں۔اس لئے امریکہ جو افغانستان کا براہ راست مداخلت کار ہے ، امریکہ ہی ان طالبان رہنماؤں سے مذاکرات کر سکتا ہے کیونکہ افغانستان کا مستقبل کا فیصلہ کرزئی حکومت کے پاس نہیں بلکہ امریکہ اور اس کی اتحادی افواج کے پاس ہے جو 13 سالوں سے افغانستان میں طالبان کے خلاف صف آرا ہیں ۔ کرزئی حکومت امریکہ کی پٹھو حکومت ہے ، اس کے پاس قیام امن کیلئے اختیارات کامل نہیں ہیں ، اس لئے افغان حکومت کی جانب سے پاکستان کی کی جانب سے رہا کئے جانے والے

طالبان رہنماؤں پر شور شرابا فضول ہے۔ گو کہ افغان صدر حامد کرزئی نے وزیر اعظم پاکستان سے ملا عبدالغنی برادر کی رہائی اور افغان طالبان سے مذاکرات کیلئے براہ راست درخواست کی تھی اور اسی ضمن میں ملا عبدالغنی برادر کی رہائی ممکن ہو پائی ہے لیکن پاکستان، افغانستان کی موجودہ صورتحال کے سبب یہ رسک نہیں لے سکتا کہ پاکستان میں گرفتار ہونے والے طالبان کو، طالبان مخالف کرزئی حکومت کے حوالے کردے، حامد کرزئی ویسے بھی پاکستان سے بغض رکھتے ہیں، جس طرح پروفیسر ربانی کی ہلاکت پر افغان حکومت نے شور شرابا اور پاکستان پر الزام تراشیاں کیں تھیں، اس لئے بعید نہیں کہ افغانستان میں موجود امریکی پٹھو کرزئی حکومت سازش کرکے پاکستان کو نقصان پہنچانے کیلئے ناپسندیدہ عمل کر گذرے۔ ملا عبدالغنی برادر کو کراچی میں 2010ء میں گرفتار کیا گیا تھا، جب کراچی میں ملا برادر کی گرفتاری عمل میں آئی تو افغان حکام کی جانب سے الزام تراشی کا ایک سلسلہ شروع ہوا تھا کہ ملا برادر، کابل حکومتکے ساتھ خفیہ مزاکرات کر رہے تھے اور پاکستان نے ان مزاکرات کو سبوتاژ کرنے کیلئے ملا برادر کو گرفتار کیا تھا۔" لیکن اب ان افغان حکام کا رویہ بدل چکا ہے اور افغان امن کونسل کے سیکریٹری محمد اسماعیل داسم یار نے پاکستان کے اس فیصلے کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا ہے کہ " میرے خیال میں پاکستان اور افغانستان کے مابین اعتماد کی فضا دوبارہ پیدا ہو گی۔ رہائی انتہائی اہمیت کی حامل ہے"۔ پاکستان افغان، امریکہ جنگ سے براہ راست متاثر

ہے اس لئے وہ کود چاہتا ہے کہ جلد از جلد طالبان رہنماؤں کے مذاکرات کامیاب ہوں تاکہ امریکی فوج کا جلد از جلد انخلا ہو اور پاکستان میں افغانستان کی وجہ سے جو دہشت گردی فضا بنی ہوئی ہے اس مین کمی واقع ہو۔دوسری جانب کو دافغان حکومت کے اعلی عہدے دار اس بات کا اعتراف کر رہے ہیں کہ کرزئی حکومت کی جانب سے جن طالبان رہنماؤں کو افغانستان کی جیلوں سے رہا کیا جارہا ہے وہ امن مذاکرات کے بجائے ،
دوبارہ جنگ کا حصہ بن رہے ہیں۔اسلئے کرزئی حکومت کو اپنی فکر کرنی چاہیے کہ وہ ایسے اقدامات نہ کریں کہ طالبان اور امریکہ کے درمیان مذاکرتی عمل متاثر ہو۔

امن آساں نہیں

امریکہ پاکستان طالبان کیساتھ پاکستانی حکومت کے مذاکراتی عمل پر خوش نہیں ، اسلئے مغربی ذرائع ابلاغ کا کہنا ہے کہ پاک فوج کے تیسرے جنرل کی شہادت کے بعد مذاکراتی عمل میں کامیابی کا امکان کم ہوگیا ہے۔طالبان پاکستان سے بات چیت نہایت پیچیدہ مرحلے میں ہے، کیونکہ کسی ایک گروپ سے بات چیت کے عمل سے امن قائم نہیں ہوسکتا۔ملاکنڈ ڈویژن سے خیبر پختونخواسے فوج کے انخلاء کے روٹ میپ سے ملاکنڈ دوشرن کے سات اضلاع میں بے یقینی پائی جاتی ہے کیونکہ دیر بالا میں پاک فوج کے اعلی افسران کی شہادت اُس وقت عمل میں آئی جب صوبائی حکومت کیجانب سے فوج کی بتدریج واپسی کی اصولی طور پر منظوری دی گئی اور اسلام آباد میں منعقد کل جماعتی کانفرنس میں طالبان کیساتھ سیاسی و عسکری قیادت نے متفقہ طور پر مذاکرات پر اتفاق رائے پایا گیا۔اس وقت پاکستان مذہبی وسیاسی جماعتیں دیر بالا کے اس واقعے کے بعد طالبان کیجانب سے ذمے داری قبول کئے جانے کے باوجود یہ کہنے پر مصر ہیں کہ بیرونی عناصر ، طالبان اور حکومت کے درمیان مذاکرات کا عمل نہیں چاہتے ،لیکن نہ سمجھنے والی بات ہے کہ جب ستمبر2011ء میں دیر بالا کی تحصیل بروال کے علاقے میں جنرل آفسیر کمانڈنگ میجر جنرل جاوید اقبال کے ہیلی کاپٹر

پر فائرنگ کی گئی تھی جس میں میجر جنرل زخمی ہوئے تھے تو اس وقت بھی تحریک طالبان پاکستان نے اُسی طرح ذمے داری قبول کی تھی جس طرح حالیہ واقعے کیلئے کی ہے۔ملاکنڈ ڈویژن سے فوجی انخلاء سے پیشتر اتنے بڑے واقعے کے بعد ظاہر یہی ہو رہا ہے کہ مولانا فضل اللہ کا طالبان گروپ ابھی تک ملاکنڈ ڈویژن میں متحرک اور عملی طور پر کاروائیوں کیلئے فعال ہے۔ طالبان کی جانب سے فاٹا سے فوج واپس بلانے اور اپنے ہزاروں قیدیوں کی رہائی کیلئے حکومتی اخلاص کا مظاہرہ کرنے کا مطالبہ آنے والے دنوں میں خطرناک صورتحال اختیار کر سکتے ہیں ۔اگرچہ فاٹا میں سینکڑوں ڈرون حملوں اور کئی بار کی زمینی کاروائی کے بعد آنے والے وقتوں کیلئے کسی خوش فہمی کی گنجائش نہیں رہتی کہ مستقبل میں کسی بھی فریق کیجانب سے معاہدے کی خلاف ورزی کا الزام عائد کرکے مزید سنگین صورتحال ہو سکتی ہے۔دوسری جانب امریکہ یقینی طور پر ان مذاکرات کے حوالے سے خوش نہیں ہے کیونکہ امریکہ کی جانب سے ابھی تک اس کا خیر مقدم نہیں کیا گیا۔ دنیا کی واحد سپر پاور کہلانے والے ملک اپنے مفادات کو مقدم رکھتا ہے اور انہیں بروئے کار لانے کیلئے ہر حد سے گزر سکتا ہے۔ایسی موقعوں پر دوستی یا اسٹرٹیجک پارٹنر شپ جیسی باتیں بے معنی ہوجاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاک امریکہ تعلقات " پیچیدگی "کے عمل سے گذر رہے ہیں ۔ دونوں ممالک کی سیاسی اور فوجی طاقتیں افغانستان کے مستقبل کے حوالے سے اپنی پالیسیوں کیساتھ میدان میں ہیں ۔امریکہ قبائلی علاقوں میں بھرپور اور منطقی کاروائی چاہتا ہے تو

دوسری جانب پاکستانی عسکریت پسند، حکومت کو کوئی موقع دینے کو تیار نہیں ہیں اور ان کے عوامل کی وجہ سے اندرونِ اور بیرون ملک یہ تاثر کامیاب نہیں جارہا ہے کہ پاکستان کے عسکریت پسند، آئندہ افغانستان و پاکستان میں دخل اندازی نہیں کریں گے۔پاکستان کیلئے مغرب کی یہ بات ماننا بھی مشکل ہے کہ افغانستان سے ملحق مغربی فوجوں کی تعداد بڑھانے کیلئے بھارت سے ملنے والی مشرقی سرحدوں کی نگہبانی میں کمی کردے۔ جبکہ طالبان کے مطالبہ مان کر فوج کا مکمل انخلاء، عسکریت پسندوں کو تمام علاقوں کا بلا شرکت غیرے مالک بنادے۔ جہاں وہ اپنی مرضی سے حکومت کرسکیں۔کچھ عرصہ قبل امریکی کانگریس میں ایک رپورٹ پیش کی گئی تھی جس میں پاکستانی فوج کی دہشت گردوں سے نمٹنے کی صلاحیوں پر شبے پر اظہار کرتے ہوئے یہ تک کہہ دیا گیا تھا کہ ان کے پاس دہشت گردی سے نمٹنے کیلئے کوئی منصوبہ بندی ہی نہیں ہے۔پاکستانی حکومت کی جانب سے جب دہشت گردی کے خلاف قومی پالیسی مرتب کرنے کیلئے کل جماعتی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا تو نواز حکومت کا بھی یہی کہنا نکلا کہ ابھی تک کسی نے بھی دہشت گردی کے خلاف قومی پالیسی نہیں بنائی ہے۔ جبکہ عسکری قیادت کی جانب سے اپنی اسٹریجک پالیسی میں اندرونی دشمنوں کو بھارت سے بھی پہلے سرفہرست رکھنے کے بعد اظہر من الشمس عیاں ہوگیا تھا کہ پاکستانی فوج اپنا مورال نیچے نہیں گرنے دیگی اس لئے وہ اندرونی خطرات کے مقابلہ کرنے کیلئے مربوط پالیسی پر گامزن ہے۔حالیہ کل جماعتی کانفرنس کے بعد طالبان پاکستان

کی پوزیشن، حکومت سے بہتر اور جارحانہ ہے، جبکہ سیاسی و مذہبی جماعتوں کی وجہ سے حکومت دفاعی اور پسپائی کا شکار ہے، اس لئے کالعدم تحریک کی جانب سے مطالبات کی جو شرط پیش کی گئی وہ مذاکرات کیلئے ڈیڈ لاک ہے کیونکہ جب نیک نیتی واخلاص کے ساتھ، حکومتی اختیار جانچنے کے یہ مطالبات ہیں تو پھر عملی طور پر دونوں فریقین مذاکرات کی میز پر بیٹھیں گے تو پاکستانی حکومت کے پاس، طالبان سے مطالبات منوانے کیلئے کوئی ہتھیار نہیں، جب کہ پہاڑی کے اونچے مورچے پر صرف طالبان پاکستان ہیں جو پسپائی اختیار کرنے والوں سے اپنے مطالبات تسلیم کرانے کیلئے بہتر پوزیشن میں دکھائی دیتے ہیں۔سیاسی جماعتیں، سیاسی قوتوں سے ہی مذاکرات کر سکتیں ہیں، لیکن سیاسی جماعتوں کی جانب سے عسکری قوتوں سے ہتھیار کے بجائے بات چیت کے مینڈیٹ میں کامیابی کا امکان کم ہی ہوتا ہے۔ملاکنڈ ڈویژن میں آنے والا وقت ثابت کرے گا کہ پچیس لاکھ افراد کی اپنے ملک میں نقل مکانی اور ہزاروں افراد کی جانی قربانیوں کے بعد کیا حقیقی معنوں میں امن قائم ہوچکا ہے ؟.بادی النظر سابقہ صوبائی اور وفاق کی جانب سے ملاکنڈ ڈویژن سے فوج کے انخلاء کے حوالے سے تحمل کا مظاہرہ کیا جارہا تھا۔ گو کہ اس وقت فوج کی چھاؤنیاں قائم ہوچکی ہیں اور کسی خراب حالات کی صورت میں دوبارہ فوج آسکتی ہے، لیکن کیا یہ اسی طرح چلتا رہے گا ؟۔پاک فوج کے میجر جنرل کی دیر بالا میں شہادت کے بعد تو یہ نتیجہ سامنے آیا ہے کہ صوبائی حکومت جلد بازی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ ق

الوقت ابھی حالات حتمی طور پر سازگار نہیں ہوئے ہیں ۔ سوات میں امن اسی وقت تک ہے جب تک افغانستان اور امریکہ کا معاملہ پاکستان کے ساتھ حقیقی معنوں میں طے نہیں ہو جاتا۔ سابق طالبان کا کراچی جیسے شہروں میں محفوظ رہنے کے بعد باآسانی واپس اپنے علاقوں میں جا کر اپنے احکامات کی عملداری قائم کرنے کیلئے کوشش خارج ازامکان نہیں ہے۔ کراچی سمیت ملک کے دیگر حصوں میں خاموشی سے بیٹھ جانے والے طالبان فوج کے انخلاء کے ساتھ فوری طور پر واپس ملاکنڈ ڈویژن واپس آجائیں گے۔ چونکہ قانون نافذ کرنے والے ادارے سیاسی اثر ونفوذ کے سبب متاثر ہو چکے ہیں نیز سوات میں طالبان اور فوج کے درمیان محاذ آرائی میں ایسے افراد بھی مخالفین کی فہرست میں ہیں جنھوں نے فوج کیلئے طالبان کیخلاف ، یا پھر طالبان کیلئے فوج کے خلاف مخبریاں کیں اور کسی نہ کسی صورت میں جانی و مالی نقصان پہنچایا۔ اس لئے فوج کے انخلاء کے بعد ایک انتقامی روایتی جنگ کا آغاز بھی شروع ہو جائے گا۔ جس کا نتیجہ یقینی طور پر پورے ملک پر پڑے گا کیونکہ امن آساں نہیں اور جنگ ابھی باقی ہے !!

کراچی جل رہا ہے

سپریم کورٹ میں انکشاف ہوا کہ کراچی پولیس کے چار سو افسران سنگین جرائم میں ملوث ہیں ،۔ایم آئی ٹی رپورٹ کے مطابق 400افسران سنگین جرائم میں ملوث ہیں ، قابل ذکر بات یہ ہے کہ آئی جی سندھ کو یہ رپورٹ سپریم کورٹ کی جانب سے فراہم کی گئی جس کا مطلب یہ ہے کہ سندھ پولیس اپنی صفوں میں موجود کالی بھیڑ سے دانستہ ناواقف ہے۔یہ افسران قتل ، ڈکیتی اور دیگر جرائم میں ملوث ہیں اور ان کی چالان بھی عدالتوں میں پیش کئے جاچکے ہیں لیکن حیرت ناک بات یہ ہے کہ آئی جی سندھ ان پولیس افسران کی تعیناتی سے لاعلمی کا اظہار کر رہے ہیں۔ ایک اور حیرت خیز انکشاف ایڈیشنل چیف سیکرٹری داخلہ وسیم احمد نے کیا تھا کہ محکمہ داخلہ کے پاس 1985 سے کی گئی جوڈیشنل انکوئریز کا ریکارڈ موجود نہیں صرف پندرہ دن کا ریکارڈز مل سکا ہے۔ کراچی جل رہا ہے اور اُس کے محافظین سوائے مراعات میں اضافے کے کوئی کارکردگی دکھانے کیلئے سنجیدہ نظر نہیں آتے ۔ رینجرز اور پولیس کی کارکردگی صفر اور ان کے بجٹ میں اضافہ سو فیصد ہے۔ بجٹ سال 2008-09 میں پولیس کا بجٹ 20ارب روپے تھا جو کہ سال 2002-13 میں بڑھ بڑھ کر 39ارب روپے سے زائد ہوچکا ہے۔ رینجرز کو سال 2008-09 میں 51 کروڑ کے فنڈ ملے جو کہ سال 2012-13 میں بڑھ کر ایک ارب 29 کروڑ ہوگئے ۔ اس کے علاوہ پولیس کیلئے

میں 26 ارب روپے، 2010-11 میں 31 ارب روپے، 2011-12 2009-10
میں 38 ارب روپے کا بجٹ مختص کیا گیا جبکہ رینجرز کے لئے 2009-10 میں 97 کروڑ
روپے، 2010-11 میں ایک ارب 19 کروڑ روپے، 2011-12 میں ایک ارب
تیرہ کروڑ روپے رکھے گئے۔

حساس اداروں کی جانب سے رپورٹ کے مطابق سندھ پولیس میں جرائم پیشہ عناصر
موجود ہیں جس پر سی پی ایل سی نے 02 اکتوبر 2019 کو لیٹر نمبر CCPO/Discp
میں دو ہزار کانسٹیبلز کے ریکارڈ میں سے چھ سو مشکوک افراد 72-87968 (PC)
کے ریکارڈ کو اپنی رپورٹ کے ساتھ آئی جی سندھ کو بھیج دیا جن کی ہدایت پر ڈی آئی
جی ساؤتھ غلام نبی میمن کو ان جرائم پیشہ کانسٹیبلز کے خلاف تحقیقات کا حکم دیا گیا تھا
لیکن اُس تحقیقات کا کیا کیا نتیجہ نکلا اس سے آج تک عوام بے خبر ہیں۔ حالاں کہ اس
وقت اسلام آباد میں لرزاں طاری ہوگیا تھا کہ خطرناک جرائم میں ملوث افراد شہداد
پور، اور کراچی میں ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں۔ سی پی ایل سی کے اُس وقت کے چیف
شرف الدین میمن نے رپورٹ کی تصدیق کی تھی۔ تاہم اس حوالے سے اس موقف کو
بھی دوہرایا تھا کہ ممکن ہے کہ اس فہرست میں کچھ ایسے افراد بھی شامل ہوگئے ہوں جو
نام و ولدیت کی مماثلت کی وجہ سے بے گناہ ہوں تاہم اس سلسلے میں حتمی بات
تحقیقات کے بعد ہی کہی جا سکتی ہے۔ لیکن سندھ حکومت نے ابھی تک اس اہم معاملے کو
زیر التوا رکھا ہوا ہے۔ ایڈیشنل آئی جی کراچی اقبال محمود، گارڈن پولیس ہیڈ کواٹر میں
دربار سے

دوران خطاب انکشاف کیا کہ نارتھ ناظم آباد کے ایس پی لطیف صدیقی نے ٹریننگ کے بعد سے اب تک اسلحے کو ہاتھ نہیں لگایا اور اگر کبھی جرائم پیشہ افراد سے سامنا ہو جائے تو وہ ملزمان سے مقابلہ کرنے کے بجائے انھیں پتھر مار کر بھگائیں گے۔ اس موقع پر ڈی آئی جی سی آئی ڈی منظور مغل ، ضلع کے ڈی آئی جیز کے علاوہ ڈی آئی جی ایڈ من عمران یعقب منہاس بھی موجود تھے۔ایڈیشنل آئی جی کراچی اقبال محمود کا کہنا تھا کہ اگر پولیس اہلکار زخمی ہو جائے تو ٹاؤن کے ایس پیز اس لئے جانے سے کتراتے ہیں کہ کہیں انھیں عیادت کے دوران پیسے نہ دینے پڑ جائیں ۔ کرائم سین پر دیر سے پہنچ کر افسران کے منہ تکتے ہیں اور جائے وقوع دیر سے پہنچنے کی عادت کی وجہ سے شواہد ہی مٹ جاتے ہیں اور تفتیشی عمل میں کوئی پیش رفت نہیں ہوتی۔ایس ایچ او سیاسی شخصیات اور بیوروکریسی سے سفارشی فون کراتے ہیں ۔ افسران وردی کے بجائے کاٹن کے کپڑوں میں علاقوں میں گھومتے ہیں اور جرائم کی بیخ کنی کے بجائے انھیں منشیات اور جرائم کے اڈے چلانے سے فرصت نہیں۔ جواری سر عام پولیس کو زد و کوب کرتے ہیں اور ایس ایچ اوز کی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ جواری کو پکڑ کر بند کریں ۔ ایڈیشنل آئی جی کراچی اقبال محمود کے یہ انکشافات لمحہ فکریہ ہیں بقول خود ان کے ایسا نہ ہو جرائم پیشہ عناصر تھانوں میں گھس کر پولیس کو ماریں اور شہر میں پولیس کی رٹ ختم ہو جائے۔ پولیس کی یہ کارکردگی خود ان کے اعلیٰ ترین افسر کے جانب سے کی گئی ہے۔ لیکن پولیس کا یہ نظام کوئی آج کا بگاڑ کا نتیجہ نہیں ہے

۔کراچی جلے گا نہیں تو کیوں نہیں جلے گا۔

کراچی میں پچھلی بار چیف جسٹس آف پاکستان کی سربراہی میں پانچ رکنی بینچ کے ساتھ کراچی بدامنی کیس کی سماعت ہوئی تو دوران سماعت ایڈوکیٹ جنرل سندھ کیجانب سے پیش کردہ رپورٹ پر سپریم کورٹ نے مکمل عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے آئی جی سندھ کو سرزنش کی کہ بغیر اسکوڈ کے چار دن کراچی میں گھوم کر دکھائیں، اگر ڈر لگتا ہے تو عہدہ چھوڑ دیں۔ایڈوکیٹ جنرل نے بتایا تھا کہ 80 پولیس اہلکاروں کے ساتھ 1900 افراد اس سال قتل کئے جاچکے ہیں۔عدالت نے سیکورٹی اداروں کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا کہ کیا ایجنسیاں صرف محفلیں سجانے کا کام کرتی ہیں۔بلاول ہاؤس کی سیکورٹی کیلیئے پچاس فٹ بلند حفاظتی دیوار اور پورے علاقے کو نو گو ایریا بنانے پر بھی سپریم کورٹ نے برہمی کا اظہار کیا تھا کہ صدر زرداری بلاول ہاؤس جانے والی سڑک خرید کیوں نہیں لیتے۔عدلیہ کیجانب سے انتظامیہ کی کارکردگی پر برہمی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب ایڈوکیٹ جنرل سندھ نے کہا کہ پولیس اہلکار بھی شہید ہوئے ہیں تو عدالت نے ریمارکس دیئے کہ زیادہ تر پولیس اہلکار ذاتی دشمنی میں ہلاک ہوئے اور کوئی بڑا افسر شہید نہیں ہوا صرف غریب اہلکار ہی ہلاک ہوا۔

کراچی کا سب سے بڑا ہولناک انکشاف کراچی سیکورٹی کے حوالے سے ایک سرکاری رپورٹ میں کیا گیا کہ دہشت گردی کا عفریت کراچی پر پوری طرح چھایا ہوا ہے اور کراچی کے بعض علاقے "وزیرستان" بن گئے ہیں، جبکہ ایک غیر ملکی رپورٹ جو حکومت پاکستان کے پاس ریکارڈ میں یہ ہوش ربا انکشاف کیا گیا کہ "پاکستانوں" کے پاس دو کروڑ مہلک ترین ہتھیار ہیں اور جدید ترین ہتھیار رکھنے والے 178 ملکوں کی فہرست میں پاکستان کا ساتواں نمبر ہے۔اوسطا 20 بیگناہ شہری ہلاک ہوتے ہیں۔وزرات داخلہ کی رپورٹ کے مطابق کراچی میں بھتہ خور، اسلحہ مافیا، قبضہ گروپ، لسانی، مذہبی، گروہی اور فرقہ واریت میں ملوث گروپوں سمیت 49 کالعدم شدت پسند تنظیمیں بے گناہوں کا خون بہا رہی ہیں اور شہریوں کا کوئی غمگسار اور پُرسان حال نہیں۔

ادارے، سیاسی جماعتیں اور ارباب اختیار سب جانتے ہیں، سمجھتے ہیں، لیکن کراچی کے حالات پر کسی نے بھی سنجیدگی اختیار نہیں کی۔ پولیس رینجرز سے لیکر حکومتی ایوانوں تک صرف کراچی پر پوائنٹ اسکورنگ کی جاتی ہے، کراچی آج دہشت گردی کی آگ میں جل رہا لیکن اس آگ کو بجھانے والا کوئی نہیں ہے۔آگ میں تیل ڈال کر ہوا دینے والے، زخموں پر مرہم رکھنے والے کم اور کفن پہنانے والے بہت ہیں۔گولیاں چلانے والوں کو روکنے والے کم اور اسلحہ لائسنس جاری کرنیوالے بہت ہیں۔کراچی کا غم بانٹنے والے کم، کراچی پر دکھاوا کرنے والے

بہت ہیں۔آج کراچی جل رہا ہے اور اس کا کوئی غمگسار نہیں ہے۔یاد رکھو، کراچی سے مت کھیلو، سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا۔۔۔اس آگ سے ایک کا نہیں سب کا گھر جلے گا۔صرف راکھ ہی مقدر بنے گی۔

!! کنواری کالونی

کنواری کالونی، کراچی کے دور افتادہ علاقے منگھو پیر کے قریب 1980ء سے قائم آبادی ہے۔ کنواری کالونی، یونین کونسل ۹ سائٹ ٹاؤن ضلع غربی میں واقع ہے۔ محسود برادری کی اکثریت آبادی والا یہ علاقہ دنیا بھر میں طالبائزیشن کے حوالے سے وجہ شہرت رکھتا ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا، جب کنواری کالونی میں حساس اداروں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی جانب سے دعوی نہ کیا جاتا ہو کہ تحریک طالبان سے تعلق رکھنے والے کسی نہ کسی طالبان کو گرفتار نہ کیا گیا ہو۔ کٹی پہاڑی سے ایک کلومیٹر کی مسافت پر کے ڈی اے اسکیم ۳۳ کے سیکٹر ۶ میں آباد علاقے میں پاکستان کا سب سے بڑا ماربل فیکٹریوں کا صنعتی زون بھی واقع ہے، جہاں سینکڑوں چھوٹی بڑی فیکٹریاں سنگ مرمر کی مصنوعات کی تیاریوں میں چوبیس گھنٹے لاکھوں مزدوروں کے ساتھ مصروف رہتے ہیں۔ کنواری کالونی کے نام کا وجہ تسمیہ واٹر بورڈ کیجانب سے قائم ایک آفس ہے جیسیاںکوری آفس کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ کنواری کالونی دراصل میٹرول ۲ کہلائی جاتی ہے جو کے ڈی اے اسکیم ۳۳ میں کچی آبادی کے طور پر لیز کی گئی ہے۔ پانی کی فروانی اور بلوچستان کے نزدیک ہونے کی وجہ سے منگھو پیر روڈ پر ماربل انڈسٹری زون قائم کیا گیا تھا، جس کی وجہ سے روزگار کے مواقع

زیادہ ہونے کی وجہ سے بیرون کراچی سے آنے والوں نے اس ایریا کے نزدیک اپنی رہائش اختیار کرلی اور قصبہ کالونی کے منصوبے کے ساتھ ہی نیو میانوالی کالونی ، اسلامیہ کالونی میں نیازی برادری اور پختون برداری نے آباد ہونا شروع کردیا۔یہ علاقے ویلکا سیمنٹ فیکٹری کے زیر استعمال تھے جہاں سیمنٹ کی تیاری کیلئے پہاڑی کو کاٹ کر پتھر نکالے جاتے تھے ۔ مقامی ٹھیکدار جیسے جیسے پہاڑی کو کاٹتے جاتے وہاں حکومت کی اجازت کے بغیر پلاٹوں کی شکل میں انتہائی کم قیمت پر بیرون کراچی سے آنے والے محنت کشوں کو وہ زمین فروخت کردیا کرتے ، جس کی وجہ سے آبادی میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوا اور ویلکا سیمنٹ فیکٹری کو آبادی کے بڑھ جانے کے سبب اپنا کام روکنا پڑا، کیونکہ انھیں پتھر سپلائی کرنے کیلئے پہاڑ میں بارود سے دھماکے کرنے پڑتے تھے جس سے آس پاس کی آبادیوں اور انسانی جانوں کو نقصان پہنچنے کے خطرات میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ قصبہ کالونی کراچی کے ادارے کے ڈی اے سے منظور شدہ پراجیکٹ تھا جو سعودی حکومت کی جانب سے 1965ء میں کم آمدنی والے خاندانوں کے لئے منظور کیا گیا تھا، یہاں پاکستان میں ہجرت کرکے آنے والے مہاجروں نے آبادکاری کی۔ قصبہ کالونی میں بتدریج مختلف زبان بولنے والوں نے ارد گرد کی خالی جگھوں پر آبادکاری شروع کردی اور قصبہ کالونی کی گرد و نواح کی پہاڑیوں میں ایک نئے پہاڑی آبادی کا اضافہ ہوا جیسے پیر آباد، مسلم آباد اور غریب نواز کالونی کے نام سے آباد کیا گیا۔ 15 اکتوبر 2009ء میں گورنر سندھ عشرت

العباد کے ہمراہ ناظم کراچی مصطفیٰ کمال نے نارتھ ناظم آباد اور اورنگی ٹاؤن کو آپس میں ملانے والے منصوبے جیسے عرف عام میں کٹی پہاڑی کہا جاتا ہے، افتتاح کیا۔ یہ منصوبہ قصبہ کالونی میں آبادی کاری کے وقت سے موجود تھا لیکن پہاڑی میں سرنگ بنانے کے منصوبے پر حکومت کی جانب سے فنڈز مہیا نہیں کئے جاتے تھے۔ نارتھ ناظم آباد جو کہ ایک بنیادی سہولیاتی منصوبے پر مشتمل آبادی کے طور پر آباد کیا گیا، قیام پاکستان کے بعد کراچی وفاقی دارالحکومت تھا اس لئے نارتھ ناظم آباد کو جدید علاقے کے طور پر منتخب کیا گیا جہاں کی آبادی منصوبہ بندی کے تحت ہوئی جس سے علاقے کی قدر وقیمت میں قابل ذکر اضافہ ہوا۔ قصبہ کالونی کی آبادی کاری کے وقت پہاڑی کو کاٹنے کا منصوبہ زد عام تھا اس لئے ارزاں رہائش کے خواہاں خاندانوں نے بہتر مستقبل کیلئے یہاں آبادی کاری، لیکن پہاڑ میں سرنگ نہ نکلنے کی وجہ کی بناء پر نصرت بھٹو کالونی کی پہاڑی کو کاٹ کر نارتھ ناظم آباد سے منگھوپیر کو ملا دیا گیا۔ اسی روڈ پر ماربل زون ہونے کے سبب اور شہری علاقے میں پہاڑی کٹ جانے کے بعد تیزی کے ساتھ علاقے آباد ہونا شروع ہوئے اور کے ڈی اے کی جانب سے میٹرول ۲ کی بنیاد پڑی، جنوبی وزیرستان سے ہجرت کرکے آنے والوں نے بڑی تیزی کے ساتھ سستے پلاٹوں پر اپنی آبادیاں قائم کرلیں۔ کراچی میں ترقیاتی کاموں کیلئے ڈمپر، لوڈر، کرین کی ضروریات کو محسود قبائل کے کاروباری افراد نے پورا کرنا شروع کیا۔ روزگار کے وافر مقدار میں ذرائع میسر آنے کے

سبب وزیرستان سے تعلق رکھنے والوں نے سہراب گوٹھ کے ساتھ کنواری کالونی کا رخ کیا کیونکہ یہاں ماربل فیکٹریوں کو بھی اپنی ضروریات کیلئے بھاری مشینری کی ضرورت پڑتی تھی اس وجہ سے وزیرستان سے تعلق رکھنے والے ٹرانسپورٹرز نے اربوں روپیہ کی سرمایہ کاری کرکے کراچی کے ترقیاتی کاموں میں حصہ لینا شروع کیا اور کراچی کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ میٹرول ۲ کی یہ آبادی اعوان کالونی اور پھر مسیحی برادری کی آبادیوں میں بھی آباد ہونا شروع ہوئی اور کنواری کالونی کے اطراف میں بڑی تعداد میں غیر مسلم آباد ہوئے۔ تاہم آج تک کوئی ایسا واقعہ رونما نہیں ہوا، جو کسی ناخوش گوار واقعے کی بنیاد بنتا۔ محسود برادری، غول اور گروہ کی شکل میں رہنے کی عادی رہی ہے اور اپنی قبائلی راویات کے مطابق اپنے فیصلے بھی اپنے مقرر کردہ جرگوں میں کرنے پر قائم رہی ہے۔ ایک لاکھ سے زائد نفوس کی اس آبادی میں صرف ایک سرکاری اسکول، جو مسجد صفا کے نام سے مدرسہ اسکول اسکیم کے تحت قائم ہوا تھا، لیکن حکومت کی عدم توجہ کے سبب مسجد صفا سے منسلک یہ اسکول حوادث زمانہ کی نظر ہوگیا اور کنواری کالونی کے بچوں کو اسکول کی واحد سہولت بھی نہیں رہی۔ قبائلی روایات کے مطابق مساجد کے ساتھ قائم مدارس میں دینی تعلیم مہیا کی جاتی تاہم یہ بھی محدود حد تک تھی جس میں ناظرہ قرآن پاک کی تعلیم اور حفظ قرآن تک تھی ۔ با قاعدہ مذہبی تعلیم کے لئے ان بچوں کو سہراب گوٹھ کے بڑے مدارس یا پھر زیادہ تر وزیرستان ہی بھیج دیا جاتا تھا۔ سرکاری سہولت کے طور

پر یہاں کوئی پارک، میدان، کیمونٹی سینٹر، ڈسپنسری، ہسپتال، اسکول، یا کوئی دوسری سہولت میسر نہیں ہے۔جس سے ان آبادیوں میں احساس محرومی و معاشرتی مسائل میں اضافہ ہوا۔نائن الیون کے بعدپاکستان کی جنگی کیفیت مکمل تبدیل ہوگئی اور پاکستان کے تمام قبائلی علاقے افغانستان سے منسلک ہونے کے سبب امریکی جنگ کی لپیٹ میں آگئے۔افغانستان کی سرحدوں کے ساتھ منسلک ان قبائلیوں کے تعلقات ایک دوسرے سے کئی عشروں سے قائم ہیں۔روس کے خلاف جنگ میں قبائلی عوام نے امریکہ کی شہ پر بھرپور کردار ادا کیا تھا اس لئے طالبائزیشن 1980ء میں ہی ان علاقوں میں قائم ہوچکی تھی۔افغانستان پر امریکی قبضے کے بعد بڑی تعداد میں طالبان نے محفوظ پناہ گاہوں کا رخ کیا جس میں جنوبی و شمالی وزیر ستان قریب تر تھے، تاہم جن جنوبی وزیر ستان میں فوجی آپریشن کیا گیا تو وہاں کی عوام کی نقل مکانی کیساتھ ہی بڑی تعداد میں طالبان بھی منتقل ہوگئے اور خاموشی سے زندگی گزارنے لگے، کیونکہ کراچی کے دور افتادہ علاقہ ہونے کے سبب قانون نافذ کرنے والے اداروں کی توجہ کم مرکوز تھی اور منگھو پیر پولیس اسٹیشن کی حدود نہایت وسیع اور نفری کم تھی اس بناء پر قانون کی عملداری کم ہونے لگی، بعد ازاں منگھو پیر پولیس اسٹیشن کی حدود سے ان علاقوں کو پیرآباد پولیس اسٹیشن میں شامل کردیا گیا، لیکن اس تھانے کی حدود کاآخری علاقہ ہونے کے سبب اور کم نفری کے باعث مختلف انواع کے افراد کو یہاں پنپنے کا موقع مل گیا۔پاکستان میں طالبان کی

جانب سے متعدد متواتر واقعات کے سبب طالبان پاکستان کی بڑی شخصیات ، بیت اللہ محسود نے یہاں کافی دل چسپی لی اور اب حکیم اللہ محسود گروپ کا یہاں کافی اثر و نفوذ ہے۔حساس اداروں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی جانب سے طالبان سے تعلق رکھنے والے افراد کو بڑی تعداد میں اس علاقے سے گرفتار کیا گیا ہے۔اس وقت یہ علاقہ عملی طور پر نو گو ایریا ہے جہاں کسی بھی سیاسی یا مذہبی جماعت کو اپنی سرگرمی کی اجازت نہیں ہے۔طالبان کی جانب سے قبائلی روایات کے مطابق جرگہ سسٹم نافذ ہے جو اسلامی قوانین کے مطابق فیصلے دیتا ہے۔چونکہ علاقہ قبائلی روایات کو اپنے مستقل علاقے وزیرستان کی بناء پر تعلق رکھتا ہے اس لئے انھیں طالبان کی جانب سے عدالتی نظام کے قیام پر کوئی اعتراض نہیں ہے ، کنواری کالونی میں طالبان رہنماؤں کی موجودگی کے سبب مقامی آبادی میں اثر ونفوذ رکھنے والوں نے ایک ایسا سسٹم بھی رکھا ہوا ہے جس میں ان کی مخبری کرنے والوں کو ہلاک بھی کیا گیا۔ سیاسی جماعتوں کے نقل و حرکت پر پابندی کے سبب سیاسی ہلاکتیں بھی ہوئیں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ساتھ مقابلے بھی ہوئے۔ماربل فیکٹریوں سے پہلے بھتہ نہیں لیا جاتا تھا لیکن بعد میں کراچی میں جس طرح طالبان کی جانب سے بھتہ وصول کئے جانے لگا تو یہاں بھی کاروبار کرنا مشکل ہوگیا۔تاہم طالبان کے بعض گروپ نے اس عمل کی مذمت کی۔ کنواری کالونی اس وقت بین الاقوامی قوتوں کی توجہ کا مرکز ہے لیکن حکومت کی جانب سے مستقل بنیادوں پر کوئی انتظام موجود نہیں ہے۔ کنواری

کالونی کے حالات وزیرستان کے امن کیساتھ منسلک ہیں۔

اب قلم سے ، ازار بند ہی ڈال

کچھ دانشور اعظم دہشت گردی کے خلاف جنگ کا تمسخر اڑاتے ہوئے بقول شخصے "جنگ کے تمام ہتھیار سمندر میں پھینک دو" کا مشورہ دے رہے ہیں۔الفاظوں کا پیچھا کرنے والی ان امن پسندوں کے پرچارک کی واہ واہ سے ہال اور ٹی وی نیوز چینلوں میں جنگ کا سا سماں بندھ جاتا ہے۔لیکن بقول حاوی اعظم کہ "خیال آیا کہ یہ حوالہ جاتی جنگجو چاہتے ہیں کہ مہلک ترین ہتھیاروں کی سہل ترین موت کی بجائے کتوں یا گِدھوں کی طرح ایک دوسرے کو نوچ نوچ کر اذیت ناک موت مر جائیں۔ہاں ان کی یہ نیک تمنا ان کی تمام بربریت اور وحشت سمندر میں ڈالنے سے برآ سکتی ہے لیکن بزگوار کی بد بختی کہ ایسا ممکن نہیں۔"افریقہ میں دوسری جنگ عظیم کے دوران اتحادی فوجوں کا سپہ سالار جنرل c.J Acuhin-Leck ڈسمنڈیونگDes,od-tung کی کتاب رومیل میں اپنے دشمن کے متعلق لکھتا ہے کہ "رومیل ہر گز مافوق البشر نہیں حالاں کہ قوی اور قابل ہے۔تاہم اگر وہ مافوق البشر ہوتا تو بھی اُس کے لئے انتہائی قابل ستائش بات ہوتی کہ ہمارے جوان اُسے مافوق الفطرت طاقتوں سے نوازتے ہیں"۔اگر معاشرے میں دہشت گردی کے ناسور سے بے قصور عوام کو نجات دلانی ہے تو سچائی، اصولوں اور خلق خدا کی بھلائی کی اس جنگ کو سمجھنے کے بعد، دہشت گردوں کے خلاف جنگ میں

دیر نہیں کرنی چاہیے، کل جو کرنا ہے آج کر ڈالیں اور جو آج کرنا ہے ابھی کریں۔اس جنگ میں سب کچھ داؤ پر لگادیں، کسی مصلحت سے کام نہ لیں، ماں باپ، بہن بھائی،اولاد کسی کی پرواہ نہ کریں، یقیناً بڑی مشکلات درپیش ہونگی، معاشی دشواریاں آئیں گی۔انگلیاں اٹھیں گی۔سب کچھ بالائے طاق رکھ دیں۔ہر بات سے بے نیاز ہوجائیں۔لیکن دہشت گردی کے خلاف جنگ کون کرے گا؟۔کیا دہشت گردی کے خلاف جنگ کرنے کی استطاعت بھی ہے ہم میں؟۔صرف حوالہ جاتی علاؤں کی طرح ہم لفاظی میں اپنے مورال کو بلند کرنے کی ناتمام کوشش کرتے رہتے ہیں۔ہم میں اگر یہ قوت ہوتی تو دہشت گردی کی یہ جنگ ہم پر مسلط ہی کیوں ہوتی؟۔ہم بہ حیثیت قوم وجود نہیں رکھتے، یہی وجہ تو ہے کہ ایک دھمکی میں ہی گھٹنے ٹیک دیتے ہیں کہ ہمیں پتھروں کے دور میں نہ پہنچایا جائے۔پاکستان میں اُن قوتوں کے خلاف ہم میں جنگ کی صلاحیت ہی نہیں، کیونکہ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی جدید ترین ٹیکنالوجی، اربوں کھربوں ڈالرز، افرادی قوت، غلام ممالک کی کمک کے باوجود افغانستان میں امن قائم نہیں کیا جاسکا تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ 13 سال سے اس جنگ میں اتحادی بننے کے بعد ہم باآسانی اپنے ملک میں جنگ جیت جائیں گے۔ گوریلا جنگ تو افغانستان کے ساتھ پاکستان میں بھی ہو رہی ہے۔ وہاں 30 سے زائد ممالک کی ٹانگوں کی نیچے سے پسینہ نکل آیا ہے لیکن اپنے من پسند نتائج حاصل نہیں کرسکے اور یہاں بکھری، رشوت خور، ذخیرہ اندوز، مفاد پرست عناصر پر مشتمل نام نہاد قوم اکیلی کس طرح اس

خطرناک جنگ کی متحمل ہو سکتی ہے۔ ہم میں اتنی اخلاقی جرات ہی نہیں کہ ہم اپنی ہار کو تسلیم کرلیں، سیاچن ہم سے گیا، کارگل میں شکست کھائی، مشرقی پاکستان کھو دیا، لیکن ہم نے کبھی بھی اپنی ہار تسلیم نہیں کی۔شکست تسلیم کرنے کے بجائے ہم اُن فتوحات کے ترانے گاتے ہیں جو ان عبرت ناک شکست کے بعد قصہ پارینہ بن چکے ہیں۔ ہم 1971 کو بھول کر1965 کی خوشیاں مانتے ہیں، لیکن 1971ء کا نوحہ اور ماتم کیوں نہیں کرتے ۔ کم از کم اتنا بھی نہیں کر سکتے تو دوسروں کی جنگ میں اپنے آپ کو کیوں داخل کر لیتے ہیں جب داخل کرلیتے ہیں تو پھر اپنے ملک میں آگ کیوں لگا دیتے ہیں، جب آگ لگا ہی دیتے ہیں تو آگ بجھانے کے لئے اُن لوگوں کی جانب کیوں دیکھتے ہیں جن کے ہاتھوں میں آگ بجھانے کیلئے پانی نہیں بلکہ آگ لگانے کیلئے تیل ضرور موجود ہے۔جنگ کا معیار بدل چکا ہے، جنگ اب اسلحہ لیکر ریگ زاروں میں نہیں بلکہ اندرون خانہ گھر کے اندر لڑی جاتی ہے۔کیا ہم میں وہ قوت ہے کہ ہم مل کر یکجا ہو کر کسی بھی دشمن کا مقابلہ کر سکیں ؟۔ ہمیں تو ابھی تک اقربا پروری، رشوت خوری، ذخیرہ اندوزی، بھتوں، غندہ گردیوں اور سرکاری مراعات سے لطف اندوز ہونے سے ہی فرصت نہیں ہے۔ کیا ہمیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ ہمیں بہ حیثیت پاکستانی قوم دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ایک سو ارب ڈالرز سے زائد کا نقصان ہو چکا ہے۔ کیا ہماری عیش و عشرت و ناز برادری دیکھ ، کر لگتا ہے کہ معاشی بد حالی ملک کی تاریخ کی بلند ترین سطح پر ہیں ۔کیا ہمارے فلاسفر

دانشور، پالیسی میکر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم میں ایک قوم بننے کی کوئی صلاحیت موجود ہے تو معافی چاہتا ہوں کہ ہمیں اس غلط فہمی سے باہر آجانا چاہیے کہ ہم نازک اندام، نازنیوں کی طرح لچک لچک کر مٹکنے والوں میں، جری اور خود دار قوم بننے کی رمق باقی بچی ہے۔کیا ملک کو درپیش مسائل کیلئے نوجوانوں کی اتنی بڑی قطاریں کسی نے دیکھی ہیں کہ وہ کالج، یونیورسٹیوں کے باہر فنی تعلیم کیلئے پاکستان آئیڈیل کی طرح کھڑے ہوں۔ یا کبھی ہم نے ان سیاست دانوں اور دانشوروں کرنے والوں کو دیکھا ہے کہ انھوں نے قوم کی اس تباہ حالی پر آنسو بہائے ہوں۔ قوموں میں انقلاب پیدا ہوتا ہے جب وہ بہ حیثیت قوم ہوں۔ لیکن یہاں ہم بہ حیثیت قوم ہی کب ہیں، سب سے پہلے ہم نے اپنے امت واحدہ کے ٹکڑے کرڈالے، پھر ہم نے وطنیت کو بیخ سے اکھاڑ پھینکا، پھر ہم نے نسلی منافرت کو فروغ دیا اور جب کچھ بن نہ پڑا تو ہم نے اپنی روایات ہی کچل دیا۔ خیبر پختونخوا حکومت نے سرمایہ دار اور غریب بچوں کو یکساں تعلیم دلانے کیلئے سرکاری زبان انگریزی قرار دے دی۔ وجہ بیان کی کہ اب غریب کا بچہ اور سرمایہ دار ایک ہی نصاب پڑے گا۔ غریب کو سرمایہ دار کے تابع کرنے کیلئے ایک اور کاری ضرب لگائی جا رہی ہے، کسی سرمایہ دار کو کیوں نہیں کہا جاتا کہ غریب کا بچہ جو تعلیم لے رہا ہے اور اس تعلیم کے بل بوتے پر اپنی زندگی کی گاڑی کو چلانے کیلئے جہاد کرتا ہے ذرا تم بھی اس میدانِ کارزار میں آجاؤ۔ جس بچے کے گھر میں اردو کا ایک لفظ نہ بولا جاتا ہو جبکہ وہ قومی زبان ہے اور

چہار اطراف اس کا شہرہ ہے اس سے کہا جائے کہ اب تم وہ زبان اختیار کرو، جو تمھارے باپ دادا، انگریزوں کی دور غلامی میں نہیں سیکھ سکے۔شائد سرمایہ دار اب اتنے ماڈرن ہو چکے ہیں کہ انھیں اپنی مادری زبان ہی نہیں آتی اس لئے کالے انگریزوں کو اپنی غلامی کیلئے ایسی رٹے باز غلاموں و لونڈیوں کی ضرورت ہے جو ان کے گیٹ آؤٹ اور شٹ اپ کو سمجھ سکیں۔ نقالی اور تعلیمی انحطاط نے قوم کو اس حال پر تو پہنچا دیا ہے۔ جو قوم قلم کو انقلاب کیلئے نہیں بلکہ بطور ازار بند کیلئے استعمال کرنے کی عادی ہو چکی ہے۔ اب اس قوم سے کیا توقع کی جائے کہ وہ اس دور غلامی میں قوم موسی کا کردار ادا کرے۔ وقت کے فرعونوں نے 65 لاکھ بچوں کو اسکول کی شکل تک دیکھنے سے محروم تو کر دیا اب کیا اس خوئے غلامی میں اجتہاد کی کوئی حس موجود بھی ہے کہ نہیں ۔قصور کسی کا نہیں اس غلام قوم کا ہے جو ہر ظالم کو خود پر مسلط کرنے کے بعد اپنے سابقہ ظالم سے ہی موازنہ کرتے ہوئے اپنی اصلاح کے بجائے سابقہ ظالم کو اچھا کہتی ہے ۔چوروں میں سے بڑے اور چھوٹے چور کا ہی انتخاب کرتی ہے، چھوٹا چور اس لئے چھوٹا چور ہے کیونکہ ایسے بڑا چور بننے کے مواقع نہیں تھے ہم ہی انھیں یہ موقع فراہم کرتے ہیں کہ یہ انقلاب بھی لائیں گے۔، حیف ہے اس قوم پر جو اب بھی یہ سمجھتی ہے کہ حرام کی دولت سے حلال کا رزق، زکوۃ فطرہ، صدقہ عمرہ، حج کرکے حلال کی جنت حاصل کر پائی گی۔

قوم کی بہتری کا چھوڑ خیال ۔۔ فکر تعمیر ملک، دل سے نکال

تیرا پرچم، ہے تیرا دستِ سوال۔۔۔بے ضمیری کا اور کیا ہو مال ؟
اب قلم سے ، ازار بند ہی ڈال
آمریت کی ہمنوائی میں ۔۔۔ تیرا ہمسر نہیں خدائی میں
بادشاہوں کی رہنمائی میں ۔۔۔روز اسلام کے جلوس نکال
اب قلم سے ، ازار بند ہی ڈال

کرچی کرچی کراچی کی ایک مہکتی شام

کراچی کے ایک مقامی ریسٹورینٹ میں فلم کالم نگار طاہر نواب کے اعزاز میں ایک تقریب پذیرائی ہوئی ۔واجد علی اظہار جو مختلف شہروں میں ارباز خان کی پرستار تنظیموں کے علاوہ سپریم اسٹار دل ارباز خان فرینڈز سوسائٹی کراچی کے بانی ہیں، کیجانب سے ایک سادہ وپروقار تقریب میں ایوارڈز تقسیم کئے گئے۔ تقریب کے منتظم بہادر خان ، علی خان تھے جبکہ لائف ٹائم کمبائنڈ فیڈریشن سے سیلم ٹونہ بندھانی، رنگ وروپ کے ایڈیٹر ایس ایم شاکر،ڈپٹی ایڈیٹر سرفراز فرید ، فلمی پرچہ کراچی پشتو ڈائری کے انچارج امان اللہ سواتی،انور بیگ ، ہفت روزہ نگار سے علی احمد بلوچ،ہر دل عزیز شیخ لیاقت حسین،پاکستانی فلموں کے دیگر تجزیہ نگاروں میں گٹو،اکبر باریو، کھتری ، زرخیل پشاورے، راجہ جاوید اقبال ،پرنس نور محمد خان،پشتو ڈراموں کے معروف اداکار ناصر خان بونیری ، اظہار باچا ، گلزار ،میٹرو لائف میگزین کے ایڈیٹر وسندھ فلم سنسر بورڈ کے رکن عمر خطاب سمیت کثیر تعداد میں مختلف فلم پرستار تنظیموں کے عہدے داروں نے شرکت وخطاب بھی کیا۔ میرے لئے کسی فلمی پرستار تنظیم کے حوالے سے منعقد کی جانے والی تقریب میں شرکت کا پہلا موقع اور ایک انوکھا و دلچسپ تجربہ بھی تھا کیونکہ اس سے قبل ہزاروں اور لاکھوں

کے مجمع اور عوام کے سمندر جیسے سیاسی و سماجی جلسوں پریس کانفرنسوں میں شرکت کرتا رہا ہوں جہاں بین الاقوامی شہرت کے حامل سیاست داں، وزراء، مشیر جیسی ہستیاں لاکھوں عوام کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے مختلف نعروں سے ہجوم غفیر میں جذبات کے سمندر پیدا کردیتے ہیں۔ میں اپنی خاموش تنہائی پسند طبعیت و متلون مزاجی کے سبب اور موجودہ فلمی ماحول میں بننے والی فلموں کی وجہ سے ہمیشہ ایسی کسی تقریب سے کتراتا رہا ہوں گو کہ کراچی پریس کلب میں کراچی سے وابستہ پختون صحافیوں کا پروگرام پختون کارنز اور پی ای ایس ایچ میں "اوشو" مکتبہ فکر کی فکری ادبی نشست میں شرکت کرنا تھی۔ لیکن پرنس نور محمد خان اور زرخیل پشاورے نے اتنے خلوص سے دعوت دی کہ مجھ سے انکار نہ ہوسکا اور میں کراچی کے پُرخوف، گھٹے آپریشن زدہ ماحول میں اس نیت کے ساتھ روانہ ہوگیا کہ " چلو یہ بھی کرکے دیکھتے ہیں"۔ پہلے اپنے ہم رفیق پرنس نور محمد خان کیساتھ کراچی کے سب سے بارونق علاقے ایم اے جناح روڈ نمائش سے ہوتے ہوئے پٹیل پاڑہ پہنچے، جہاں ارباز خان گروپ کے چیئرمین جمال، سرپرست اعلی حمید خان نے ہمارا پُرتپاک استقبال کیا پٹیل پاڑہ علاقے کی اندرونی گلیوں میں داخل ہوتے ہی پختونوں کے کراچی کی روایتی طرز زندگی کا منظر سامنے تھا، تنگ و چھوٹی گلیوں میں بسے لاکھوں پختون، کچے پکے بے ربط مکانات، جہاں مختلف سیاسی جماعتوں کے جھنڈوں اوپُرانے بینرز نے اس بات کا اظہار کیا کہ اس علاقے میں فی الوقت سیاسی نقل و حرکت کی آزادی

ہے۔ میزبان کے ہمراہ جب ان کے فین کلب کے دفتر پہنچے تو ارباز خان کے قد آدم پوسٹر اور مختلف تصاویر نے خیر مقدم کیا، ہمارا میزبان جمال خود نوخیز اور نوجوان تھا، میں نے ازراہ مذاق پوچھا کہ کیا فین کلب اسلئے بنایا ہے کہ فلم میں چانس ملے تو، وہ ہنس پڑا کہ قادر بھائی نہیں، ایسی بات نہیں، بس ارباز خان سے محبت سے اظہار کیلئے اس کلب کو چلا رہا ہوں، پھر اُس نے مختلف اخبارات میں ارباز خان کیساتھ فلمی اداکار سعود کیلئے مبارکباد کے اشتہارات بھی دکھائے، جس کے اخراجات یہ خود برداشت کرتے ہیں۔ میرے لئے حیرانی کی بات تھی کہ ارباز خان پشتو فلموں کے حوالے سے تو کسی کیلئے موجب تعریف ہوسکتا ہے لیکن سعود کا کسی پشتو فین کلب کیساتھ کیا واسطہ ہوسکتا ہے۔ بہرحال میزبانوں کیساتھ مقامی ریسٹورینٹ کے ہال کی تقریب میں جا پہنچے، جہاں رفتہ رفتہ مہمانوں کی آمد شروع ہوچکی تھی۔ میرے لئے یہ بات دیدنی تھی کہ میں تقریب میں صرف پشتو بولنے والوں کی آمد کی توقعات رکھ رہا تھا، لیکن تقریب میں جیسے جیسے مہمان آتے چلے گئے تو ان میں تمام قومیتوں سے تعلق رکھنے والے چیدہ چیدہ افراد تھے، چونکہ طوالت کے پیش نظر میں ان سب کا تذکرہ اور نام نہیں لکھ سکتا، لیکن پشتو فلموں کے پرستار تنظیموں کے نمایاں عہدے داران کے ساتھ انھیں بھی اس پروگرام میں ہمراہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی اور جب پروگرام کا باقاعدہ آغاز پرنس نور محمد خان نے اردو میں شروع کردیا تو میں سمجھ چکا تھا کہ تمام حاضرین سے یکساں رابطے کیلئے قومی

زبان کا انتخاب کیا گیا ہے جو قابل ستائش عمل تھا۔ تقریب میں شرکت کیلئے آنے والے راستے میں افشاں سینما میں پشتو فلم کا ایک بڑا پوسٹر دیکھا تھا، پوسٹر میں ارباز خان تھے، لیکن ساتھ میں نیم برہنہ رقاصہ سدرہ نور کی تصویر دیکھ کر میرا تمام موڈ آف اور طبعیت مکدر ہو چکی تھی، اگر آداب مہمانی حائل نہیں ہوتے تو میں یقینی طور پر اس تقریب میں شرکت نہ کرتا، لیکن تقریب میں مختلف قومیتیوں کے مہکتے پھولوں کے گلدستوں اور ان کے درمیان محبت دیکھ کر طبعیت ہشاش بشاش ہو چکی تھی۔ حالاں کہ میں نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ میں تقریر نہیں کرونگا لیکن اختتامی تقریر کیلئے مجھ عزت افزائی بخشی گئی۔ میں نے تقریب سے قبل طاہر نواب سے دریافت کیا تھا کہ آپ کے اعزاز میں جو یہ تقریب منعقد ہو رہی ہے اور مختلف ایوارڈ بھی رکھے گئے ہیں، اس کا کیا فائدہ ہے تو انھوں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے، ایسے ملنے جلنے اور باہمی تعلقات کے فروغ کا اک بہانہ قرار دیا۔ میں نے اس بات کو رسمًا گردانا لیکن جب مختلف فلمی اخبارات سے تعلق رکھنے والے ایڈیٹرز کیساتھ اردو بولنے والے ٹی وی ڈرامہ رائٹرز کو بھی دیکھا اور ان کے خیالات سنے تو بے اختیار صدائے آفرین نکلی کہ کراچی، جہاں لسانی اور فرقہ وارانہ سازشوں نے عوام کو تقسیم کردیا ہے وہاں واجد علی اظہار کی تنظیم کی جانب سے چھوٹی سی جگہ پر بڑے دلوں والوں کی بھاری بھرکھم تقریب کو خارج تحسین دینا حق بنتا ہے۔ خاص طور پر حیدرآباد کے رہائشی پشتو ڈراموں کے معروف فنکار

ناصر خان بونیری نے جذباتی سماں باندھ دیا کہ ثقافت کسی لسانی تعصب کی محتاج نہیں بلکہ ان سب سوچوں سے بلند تر دل جوڑنے کا ذریعہ ہے ، انھوں نے ہلکا سے گلہ بھی کیا کہ پشتو بولنے فنکاروں کو پرائیوٹ پروڈکشنز میں بھی موقع فراہم کرنا چاہیے تاکہ اخوتیں اور پیار بڑھے، اس پر معروف ڈرامہ نویس سہیل عالم نے وعدہ کیا وہ اپنی اگلی سریل میں ناصر خان بونیری کو موقع دیں گے ۔ تقریب مختلف زبان بولنے والوں کا ایک خوب صورت گلدستہ تھی ، جس کے مختلف رنگ وبو کے پھولوں نے ایک قومیت کی خوشبو مہکا دی تھی ۔اس موقع پر میں نے تمام حاضرین مجلس و مختلف فلمی تنظیموں سے یہی اپیل کی ان کی تقریب اور جدو جہد ایک مثالی ہے اور اسے کراچی کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جاری وساری رکھنی چاہیے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے اُن سے یہ بھی درخواست کی وہ پشتو فلموں میں فحاشی و ثقافت کیخلاف عکاسی پر اپنا مثبت کردار ادا کریں کیونکہ ان کے تعاون کے بغیر موجودہ فلمی رجحان تبدیل نہیں ہوسکتا۔ پنجابی فلموں کے گنڈاسہ کلچر نے ایسا گنڈاسہ چلایا کہ پنجابی فلم انڈسٹری دوبارہ اٹھ نہ سکی اب فلموں کی زبوں حالی اور اخلاق باختہ منظر کشیوں نے پختون قومیت کے حوالے سے بے ہودہ تاثر کو جنم دیا ہے جیسے پرستار تنظیمیں ہی ختم کر سکتی ہیں۔ میں نے تلخ اور ترش باتوں سے اجتناب برتا کیونکہ لسانیت کے بجائے یکجہتی کی جو فضا وہاں قائم تھی میں اس احساس کو قائم رکھنا چاہتا تھا اور خوشگوار یادیں لے کر واپس جانا چاہتا تھا۔ کم از کم

کراچی کی سادہ تقریب نے مختلف زبانیں بولنے والے ثقافت و روایات کے نام پر ایک جگہ بیٹھے اور مختلف الخیال تنظیموں سے وابستہ افراد نے مل بیٹھنے کیلئے قومی یکجہتی کا پیغام کرچی کرچی کراچی سے دیا گیا۔ جو قابل آفرین و قابل تقلید ہے۔ لیکن پشاور میں مسیحی برادری کے گرجا گھر میں دھماکے کے بعد سوچتا رہ گیا کہ ایسے کیا نام دیا جائے۔ اسلام تو غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی حفاظت کا نام ہے، ایسا گھناؤنا عمل کم از کم مسلمان کہلانے والا تو نہیں کر سکتا، اگر امریکہ ڈرون حملے کرکے یہ سوچے کہ ایسا ردعمل میں ہوا ہے تو میں ایسے نہیں مانتا۔ کیونکہ جہاں امریکہ کی سوچ ختم ہوتی ہے وہاں سے اسلام کی سوچ بلند ہوتی ہے۔

امن کیلئے جنگ ضروری ہے

کام میں لانے کو یہ ہتھیار، جُرات چاہیے
علم استعمال کرنے کو بھی حکمت چاہئے
عام انسان سے برتَر عقل و ہمت چاہیے
حُکمراں کو حُکمراں جیسی فضیلت چاہیے
ہانپتا دل،کانپتے ہاتھ اور یہ ڈانوں ڈول پاؤں
کو عظمت تک رسائی، استقامت چاہیے
کیامُروت سے بنا سکتے چیتے کو ہَرن
بد معاش و بدزُباں کو درسِ عبرت چاہیے

استاد محترم حاوی اعظم کے امن کیلئے جنگ کے فلسفے پر مجھے کامل یقین ہے، ان کی یہ انقلابی نظم ہم سب کو ایک دعوت فکر دیتی ہے کہ بھلا جہاں ایک فریق سوائے جنگ کے، کسی دوسری بات پر آمادہ ہی نہیں ہے تو پھر اس سے اس کی ہی زبان میں بات کرنے کیلئے اُسے کہاں سے جُرات کا ہتھیار فراہم کیا جائے۔آپ فرماتے ہیں کہ "اس فیصلے سے پہلے کہ علم طاقت سے بہتر ہے یا طاقت علم پر حاوی، یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ مسئلے کا حل طاقت سے ممکن ہے کہ علم سے ؟۔" بے شک علم کا مثبت استعمال ایک بڑی طاقت ہے لیکن طاقت کا منظم مثبت اور

بر محل استعمال کہیں کامیاب تر، بہتر اور اعلی علم ہے۔ عقل کا اثر سب پر یکساں نہیں ہوتا ۔ یہ طاقت ور کے ساتھ میں لاٹھی اور کمزور کے ہاتھ میں عصا بنتی ہے۔ لہٰذا جب عقل کا تقاضا طاقت سے کام لینے کا ہو، وہاں ایسا نہ کرنا کم عقلی ہے۔ آپ یہ فرماتے ہیں کہ "یہ کوئی نئی بات نہیں، بارہا ایسا ہو چکا ہے، ہوتا رہے گا، یعنی عقل انسان کی سلامتی کیلئے اخلاق اور قانون وضع کرتی ہے، طاقت اس پر عمل درآمد کرواتی ہے، ورنہ دوسرے علوم کی طرح قانون کو بھی درس دینے کی محدود رکھا جاتا۔ آخر وجہ کیا ہے، اقوام اور مملکتوں کو قانون، فوج یا طاقت پر دوسرے اداروں کی نسبت زیادہ سرمایہ لگانے کی"۔

یقینی طور پر ہمیں یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں کہ فطرت کے بیشتر امور میں سختی اور تشدد کا عمل کارفرما ہے۔ جانداروں کے پیدائش کا عمل شروع سے آخر تک سختی پر مبنی ہے۔ زمین کا سینہ چھید یا چیر کر جو بیج ڈالا جاتا ہے، وہی زمین کا جگر پھاڑ کا نکل آتا ہے، پہاڑوں وغیرہ کا اندر پھٹ کا معدنیات نکلتی ہے۔ امن کیلئے جنگ کا یہ فلسفہ کسی فرد واحد کی ذہنی اختراع نہیں ہے کہ ہم ایسے انسانی جذبے عمل سے تعبیر کر دیں۔ بلکہ جب ہم تاریخ میں نظر دوڑاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ نہ صرف عام لوگ، بلکہ نابغہ ترین اور نہایت مقدس ہستیاں پر بیشتر اہم مسائل جہاد، جنگ یا طاقت کے ذریعے حل کئے بغیر نہ رہ سکیں۔

خمسہ موسی" میں حضرت موسی علیہ السلام سے منسوب ہے کہ آپ نے فرمایا "خدا مرد جنگ ہے، اُس نے میرے ہاتھ کو جنگ سکھائی"۔ پھر تحریر ہے "یہواہ کوئی امن پسندانہ بے وقوفی نہیں کرتا"۔ (کتاب عرب مصنف وڈیورنٹ)۔

حضرت عیسی علیہ السلام سے منسوب ہے کہ آپ نے فرمایا "میں امن کیلئے نہیں، تلوار چلانے آیا ہوں"۔ (زندہ کلام متی انجیل مقدس صفحہ ۱۴ باب ۱۰)۔ شری کرشن سے منسوب ہے کہ انھوں نے ارجن سے کہا کہ "کھتری کیلئے سب سے نیک کام جنگ ہے۔ گویا کتاب گیتا نے بھی مہا بھارت (جنگ عظیم) کی کوکھ سے جنم لیا۔ (کتاب مقدس" شریمد بھگوت گیتا۔ مصنف کشور داس، ناشر رتن اینڈ کو کلاں دہلی صفحہ ۴۷)۔ سکھوں کے آخری گرو گوبند سنگھ نے سکھوں کیلئے کرپان باندھنا لازمی قرار دیا تھا۔ آج بھی ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ جنگ اور تباہی کا پیش خیمہ بننے والے امن کی خاطر "نوبل پرائز" کے بجائے امن و سلامتی کا سبب بننے والی جنگ میں "آئرن کراس Meritr وکٹوریہ کراس" "میڈل آف آنرز" اور" نشان حیدر" کو مقدم سمجھا گیا" Pourle ہے۔

قرآن کریم میں رب کائنات اللہ تعالی نے فولاد (اسلحہ) کو انسانیت کی فلاح کے لئے بھی فائدہ مند قرار دیا۔ اور مختلف جگہوں پر ظلم کے خلاف بزور طاقت قوت استعمال کرنے کا حکم دیا۔ اسلام کی تعلیمات میں یہ کہیں نہیں کہ کوئی

تمھارے گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال بھی آگے کردو، بلکہ قوت و سطوت کے لئے مختلف انبیا علیہ صلواۃ السلام کے قصاص بیان کئے جس میں انھوں نے ظالم کے خلاف اپنی بھرپور قوت کا استعمال کیا۔ حضرت سیلمان علیہ اسلام، حضرت موسیٰ علیہ اسلام، حضرت یوسف علیہ اسلام جنھوں نے بڑی بڑی حکومتیں بھی قائم کیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ بھی جتنے انبیاء اور رسولوں کے تذکروں میں صبر و استقامت کیساتھ ساتھ قوت کے استعمال کیلئے بھرپور طاقت کے حوالے بھی تواتر سے ملتے ہیں۔ تاہم اسلام کمزور، غیر مسلم کی جانوں کی تحفظ و عبادت گاہوں کی حفاظت کیلئے مومنین کو سختی سے احکامات بھی دیتا ہے۔ علاوہ ازیں صحابہ اکرام رضوان اللہ اجمعین نے بھی باوجود کم افرادی قوت کے اپنے اسلامی جذبے کے تحت جہاد کے ذریعے پوری دنیا میں امن کا قیام کیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ سے لیکر بنو امیہ، بنو عباس، اور آخری سلطنت خلاف عثمانیہ تک مسلم حکمرانوں نے اسلامی ممالک کی وسعت میں اضافہ کیا اور جہاد کے ذریعے پوری دنیا میں امن کے نام پر فتح کے پرچم لہرائے۔ جنگ عظیم اول و دوئم میں نو آبادیاتی کے اضافے کی روش نے دنیا کو جنگ کی آگ میں جھونکا تو بین الاقوامی طور پر لیگ آف نیشن وجود میں آئی۔ جس کے بعد موجودہ اقوام متحدہ ابھی تک قائم ہے جو امن کے قیام کے نام پر امریکہ کے مفادات کو ترجیح دیتی آرہی ہے اور امریکہ نے امن کے نام پر متعدد ممالک پر

چڑھائی کی۔طاقت کے تمام اصول امن کے قیام کے نام پر کئے گئے ۔آج بھی امریکہ بہادر شام میں جا داخل ہوتا لیکن طاقت کے مقابلے میں جب روس کے طاقت سامنے آئی تو امریکہ تیسری جنگ عظیم کی ابتدا کرنے سے باز آیا۔تاہم یہ بھی تلخ حقیقت ہے کہ امریکہ امن کے نام پر کمزور ممالک پر حملہ آور اس لئے ہوتا رہے گا کیونکہ کمزور ممالک میں امن کے نام فساد فی الارض کرنے والوں کی آجاماگاہیں وافر تعداد میں موجود ہیں۔

پاکستان میں دہشت گردوں سے بات چیت کے نام پر امن قائم کرنے کی سالوں سال سے کوشش کی جا رہی ہے ، لیکن اس میں انھیں اس لئے ناکامی ہے کیونکہ اصلاح کے نام پر فساد کرنے والوں سے زبانی بات چیت کرنے کا مفروضہ ہمیں کسی بھی مذہب یا نظام میں نہیں ملتا۔ عفو و در گزر کا عمل انفرادی تو ہو سکتا ہے لیکن اجتماعی مفادات کیلئے ہاتھ اٹھانے میں ہی فلاح کا راز پوشیدہ ہے۔

ریاست کیلئے ضروری نہیں کہ اُیسے چند افراد کو سبق سکھانے کیلئے کروڑوں انسانوں کی زندگی داؤ میں لگانے والوں کے لئے لفاظی مشاورت کی جائے ۔جب ظاہر ہوچکا ہے کہ دہشت گردوں کے نزدیک پاکستان میں اللہ کے گھر مساجد ، مسالک کے مزارات ،امام بارگائیں ، غیر مسلم کی عبادت گائیں ، سیاسی دفاتر، جلسے ، جلوس ، مذہبی اقدار، خطاوار اور بے گناہ انسانوں میں کوئی تخصیص نہیں ہے تو

پھر پاکستان میں اربوں ڈالرز کے اخراجات پر مبنی فوج کیا صرف انڈیا سے مقابلے کیلئے تیار کی گئی ہے؟۔ فوج کا کام مملکت کی حفاظت کرنا ہے، جب ملک کے اندر ان کے ہیڈ کوارٹرز، اعلی افسران، ٹریننگ سینٹر، چھاؤنیاں اور ملک کی جملہ عوام بلا تفریق رنگ و نسل و مذہب محفوظ نہیں تو انھیں (دہشت گردوں) کو سبق سیکھانے کا مرحلہ کیا اُس وقت آیگا جب مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بن گیا تھا،حکومت پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کیلئے کس کے اشارے کا انتظار کر رہی ہے؟۔امن پسندی، صبر و تحمل اور برداشت ایک بہت بڑی طاقت ہے لیکن موجودہ حالات میں یہ سب چیزیں بزدلی اور کمزوری کی علامات ہیں، جس سے باہر آنے کیلئے ہمت، جرات اور قوت کی ضرورت ہے۔

تین عشروں سے ہم دوسروں کیلئے لڑ رہے ہیں ایک بار اپنے لئے بھی لڑ لیں۔پاکستان بننے کے بعد سے اب تک دوسروں کی غلامی ہی کی ہے ایک بار قائد اعظم کے پاکستان کی غلامی کرلیں تو یقین ہے کہ امن کے لئے نوبل پرائز کے بجائے لاتعداد نشان حیدر والے مل جائیں گے۔

پاکستان میں نوبل پرائز لینے والوں کو کوئی نہیں جانتا لیکن نشان حیدر لینے والوں کو دل میں بسایا جاتا ہے۔امن کیلئے جنگ ضروری ہے۔

امن کیلئے جنگ ضروری ہے

کام میں لانے کو یہ ہتھیار، جُرات چاہیے
علم استعمال کرنے کو بھی حکمت چاہئے
عام انسان سے برتَر عقل و ہمت چاہیے
حُکمراں کو حُکمراں جیسی فضیلت چاہیے
ہانپتا دل،کانپتے ہاتھ اور یہ ڈانوں ڈول پاؤں
کو عظمت تک رسائی، استقامت چاہیے
کیامُروت سے بنا سکتے چیتے کوہَرن
بد معاش و بدزُباں کو درسِ عبرت چاہیے

امن کیلئے جنگ کے فلسفے پر مجھے کامل یقین ہے اس فلسفے میں ایک دعوت فکر ہے کہ بھلا جہاں ایک فریق سوائے جنگ کے ، کسی دوسری بات پر آمادہ ہی نہیں ہے تو پھر اس سے اس کی ہی زبان میں بات کرنے کیلئے اُسے کہاں سے جُرات کا ہتھیار فراہم کیا جائے۔اس فیصلے سے پہلے کہ علم طاقت سے بہتر ہے یا طاقت علم پر حاوی، یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ مسئلے کا حل طاقت سے ممکن ہے کہ علم سے ؟۔" بے شک علم کا مثبت استعمال ایک بڑی طاقت ہے لیکن طاقت کا منظم مثبت اور برمحل استعمال کہیں کامیاب تر، بہتر اور اعلیٰ علم ہے۔ عقل کا اثر

سب پر یکساں نہیں ہوتا۔ یہ طاقت ور کے ساتھ میں لاٹھی اور کمزور کے ہاتھ میں عصا بنتی ہے۔ لہٰذا جب عقل کا تقاضا طاقت سے کام لینے کا ہو، وہاں ایسا نہ کرنا کم عقلی ہے" یہ کوئی نئی بات نہیں، بارہا ایسا ہو چکا ہے، ہوتا رہے گا، یعنی عقل انسان کی سلامتی کیلئے اخلاق اور قانون وضع کرتی ہے، طاقت اس پر عمل درآمد کرواتی ہے، ورنہ دوسرے علوم کی طرح قانون کو بھی درس دینے کی محدود رکھا جاتا۔ آخر وجہ کیا ہے، اقوام اور مملکتوں کو قانون، فوج یا طاقت پر دوسرے اداروں کی نسبت زیادہ سرمایہ لگانے کی"۔ یقینی طور پر ہمیں یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں کہ فطرت کے بیشتر امور میں سختی اور تشدد کا عمل کارفرما ہے۔ جانداروں کے پیدائش کا عمل شروع سے آخر تک سختی پر مبنی ہے۔ زمین کا سینہ چھید یا چیر کر جو بیج ڈالا جاتا ہے، وہی زمین کا جگر پھاڑ کا نکل آتا ہے، پہاڑوں وغیرہ کا اندر پھٹ کا معدنیات نکلتی ہے۔ امن کیلئے جنگ کا یہ فلسفہ کسی فرد واحد کی ذہنی اختراع نہیں ہے کہ ہم ایسے انسانی جذبے عمل سے تعبیر کردیں۔ بلکہ جب ہم تاریخ میں نظر دوڑاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ نہ صرف عام لوگ، بلکہ نابغہ ترین اور نہایت مقدس ہستیاں پر بیشتر اہم مسائل جہاد، جنگ یا طاقت کے ذریعے حل کئے بغیر نہ رہ سکیں۔

خمسہ موسی" میں حضرت موسی علیہ السلام سے منسوب ہے کہ آپ نے فرمایا "خدا مرد جنگ ہے، اُس نے میرے ہاتھ کو جنگ سکھائی"۔ پھر تحریر ہے "یہواہ کوئی امن پسندانہ بے وقوفی نہیں کرتا"۔ (کتاب عرب مصنف وڈیورنٹ)۔

حضرت عیسی علیہ السلام سے منسوب ہے کہ آپ نے فرمایا "میں امن کیلئے نہیں، تلوار چلانے آیا ہوں"۔ (زندہ کلام متی انجیل مقدس صفحہ ۱۴ باب ۱۰)۔ شری کرشن سے منسوب ہے کہ انھوں نے ارجن سے کہا کہ "کھتری کیلئے سب سے نیک کام جنگ ہے ۔ گویا کتاب گیتا نے بھی مہا بھارت (جنگ عظیم) کی کوکھ سے جنم لیا۔ (کتاب مقدس" شریمد بھگوت گیتا۔ مصنف کشور داس، ناشر رتن اینڈ کو کلاں دہلی صفحہ ۴۷)۔ سکھوں کے آخری گرو گوبند سنگھ نے سکھوں کیلئے کرپان باندھنا لازمی قرار دیا تھا۔ آج بھی ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ جنگ اور تباہی کا پیش خیمہ بننے والے امن کی خاطر "نوبل پرائز" کے بجائے امن و سلامتی کا سبب بننے والی جنگ میں "آئرن کراس Meritr وکٹوریہ کراس" "میڈل آف آنرز" اور" نشان حیدر" کو مقدم سمجھا گیا" Pourle ہے۔

قرآن کریم میں رب کائنات اللہ تعالی نے فولاد (اسلحہ) کو انسانیت کی فلاح کے لئے بھی فائدہ مند قرار دیا۔ اور مختلف جگہوں پر ظلم کے خلاف بزور طاقت قوت استعمال کرنے کا حکم دیا۔ اسلام کی تعلیمات میں یہ کہیں نہیں کہ کوئی

تمھارے گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال بھی آگے کردو، بلکہ قوت و سطوت کے لئے مختلف انبیا علیہ صلواۃ السلام کے قصاص بیان کئے جس میں انھوں نے ظالم کے خلاف اپنی بھرپور قوت کا استعمال کیا۔ حضرت سیلمان علیہ اسلام، حضرت موسی علیہ اسلام، حضرت یوسف علیہ اسلام جنھوں نے بڑی بڑی حکومتیں بھی قائم کیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ بھی جتنے انبیاء اور رسولوں کے تذکروں میں صبر و استقامت کیساتھ ساتھ قوت کے استعمال کیلئے بھرپور طاقت کے حوالے بھی تواتر سے ملتے ہیں۔ تاہم اسلام کمزور، غیر مسلم کی جانوں کی تحفظ و عبادت گاہوں کی حفاظت کیلئے مومنین کو سختی سے احکامات بھی دیتا ہے۔ علاوہ ازیں صحابہ اکرام رضوان اللہ اجمعین نے بھی باوجود کم افرادی قوت کے اپنے اسلامی جذبے کے تحت جہاد کے ذریعے پوری دنیا میں امن کا قیام کیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ سے لیکر بنو امیہ، بنو عباس، اور آخری سلطنت خلاف عثمانیہ تک مسلم حکمرانوں نے اسلامی ممالک کی وسعت میں اضافہ کیا اور جہاد کے ذریعے پوری دنیا میں امن کے نام پر فتح کے پرچم لہرائے۔ جنگ عظیم اول و دوئم میں نو آبادیاتی کے اضافے کی روش نے دنیا کو جنگ کی آگ میں جھونکا تو بین الاقوامی طور پر لیگ آف نیشن وجود میں آئی۔ جس کے بعد موجودہ اقوام متحدہ ابھی تک قائم ہے جو امن کے قیام کے نام پر امریکہ کے مفادات کو ترجیح دیتی آرہی ہے اور امریکہ نے امن کے نام پر متعدد ممالک پر

چڑھائی کی۔طاقت کے تمام اصول امن کے قیام کے نام پر کئے گئے ۔آج بھی امریکہ بہادر شام میں جا داخل ہوتا لیکن طاقت کے مقابلے میں جب روس کے طاقت سامنے آئی تو امریکہ تیسری جنگ عظیم کی ابتدا کرنے سے باز آیا۔تاہم یہ بھی تلخ حقیقت ہے کہ امریکہ امن کے نام پر کمزور ممالک پر حملہ آور اس لئے ہوتا رہے گا کیونکہ کمزور ممالک میں امن کے نام فساد فی الارض کرنے والوں کی آ جاماگاہیں وافر تعداد میں موجود ہیں۔

پاکستان میں دہشت گردوں سے بات چیت کے نام پر امن قائم کرنے کی سالوں سال سے کوشش کی جا رہی ہے، لیکن اس میں انھیں اس لئے ناکامی ہے کیونکہ اصلاح کے نام پر فساد کرنے والوں سے زبانی بات چیت کرنے کا مفروضہ ہمیں کسی بھی مذہب یا نظام میں نہیں ملتا۔ عفو و در گزر کا عمل انفرادی تو ہو سکتا ہے لیکن اجتماعی مفادات کیلئے ہاتھ اٹھانے میں ہی فلاح کا راز پوشیدہ ہے۔

ریاست کیلئے ضروری نہیں کہ اُیسے چند افراد کو سبق سکھانے کیلئے کروڑوں انسانوں کی زندگی داؤ میں لگانے والوں کے لئے لفاظی مشاورت کی جائے ۔جب ظاہر ہو چکا ہے کہ دہشت گردوں کے نزدیک پاکستان میں اللہ کے گھر مساجد، مسالک کے مزارات ،امام بارگائیں، غیر مسلم کی عبادت گائیں، سیاسی دفاتر، جلسے، جلوس، مذہبی اقدار، خطاوار اور بے گناہ انسانوں میں کوئی تخصیص نہیں ہے تو

پھر پاکستان میں اربوں ڈالرز کے اخراجات پر مبنی فوج کیا صرف انڈیا سے مقابلے کیلئے تیار کی گئی ہے؟۔ فوج کا کام مملکت کی حفاظت کرنا ہے، جب ملک کے اندر ان کے ہیڈ کوارٹرز، اعلی افسران، ٹریننگ سینٹر، چھاؤنیاں اور ملک کی جملہ عوام بلا تفریق رنگ و نسل و مذہب محفوظ نہیں تو انھیں (دہشت گردوں) کو سبق سکھانے کا مرحلہ کیا اُس وقت آیگا جب مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بن گیا تھا، حکومت پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کیلئے کس کے اشارے کا انتظار کر رہی ہے؟۔امن پسندی، صبر و تحمل اور برداشت ایک بہت بڑی طاقت ہے لیکن موجودہ حالات میں یہ سب چیزیں بزدلی اور کمزوری کی علامات ہیں، جس سے باہر آنے کیلئے ہمت، جرات اور قوت کی ضرورت ہے۔

تین عشروں سے ہم دوسروں کیلئے لڑ رہے ہیں ایک بار اپنے لئے بھی لڑلیں۔ پاکستان بننے کے بعد سے اب تک دوسروں کی غلامی ہی کی ہے ایک بار قائد اعظم کے پاکستان کی غلامی کرلیں تو یقین ہے کہ امن کے لئے نوبل پرائز کے بجائے لاتعداد نشان حیدر والے مل جائیں گے۔

پاکستان میں نوبل پرائز لینے والوں کو کوئی نہیں جانتا لیکن نشان حیدر لینے والوں کو دل میں بسایا جاتا ہے۔امن کیلئے جنگ ضروری ہے۔

منظورِ نظر

کسی بھی گروپ سے معائدے کا یہ مطلب ہوتا کہ ہر حکومت دہشت گردی اور انتہا پسندی کو جڑ سے اکھاڑنے کے عزم رکھتی ہے، لیکن بے گناہوں کے قتل عام کا معائدہ بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی اور عالمی جرم ہے، بظاہر یہ بتایا گیا کہ قبائلی علاقے ہوں یا اندرون ملک یا بیرون ممالک سے ہر قسم کی دہشت گردی کی روک تھام کرنے کیلئے حکومتی رٹ قائم ہوسکے۔ امریکہ وافغانستان جنگ کے دوران دوسرے کئی ذرائع اور ممالک نے سابق صدر پرویز مشرف پر امریکی حمایت کا الزام عائد کیا تھا جیسے بعض وقت مشرف اور صدر بش کے بیانات زائل کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے اور دوسری جانب افغانستان میں تعینات پانچ ممالک امریکہ، برطانیہ، کینیڈا، ڈنمارک اور ہالینڈ کی نیٹو افواج کے کمانڈروں نے اپنی حکومتوں سے یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ طالبان کی حمایت پر پاکستان کے خلاف سخت رویہ اپنایا جائے۔ برطانوی اخبار ٹیلی گراف نے اپنی اشاعت میں طالبان کے خلاف کئے جانے والے "آپریشن میڈوسا" سے متعلق نیٹو رپورٹ میں پاکستانی ایجنسی پر ہتھیار فراہمی کا الزام عائد کیا تھا۔ مختلف ادوار میں ایسی نوع کی خبروں کو اکٹھا کیا جائے تو تو اس صورتحال کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوتا کہ پاک، امریکہ اور افغانستان کے باہمی تعلقات میں

عدم اعتماد کا عنصر زیادہ نمایاں رہا ہے۔ گو کہ 37 ممالک کی اکتیس ہزار سے زائد غیر ملکی افواج نے افغانستان میں قابض رہنے کیلئے بھرپور کوشش کیں لیکن طالبان کی جانب سے انھیں بڑا سخت وقت دیا گیا، پاکستان کی جانب سے جب بھی عسکریت پسندوں کے ساتھ معاہدات کئے جاتے ہیں تو پاکستانی عمل ان ممالک کیلئے پریشانی اور بے چینی کا سبب بن جاتا ہے جو پاکستان میں پائدار امن کے خواہاں نہیں ہوتے۔ سابق صدر پرویز مشرف ہمیشہ امریکہ کے منظور نظر رہے ہیں ۔ ایک موقع پر امریکی وزیر خارجہ کونڈا لیزا رائس نے امریکی ٹیلی ویژن کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ "انھوں نے ابھی ایسے پاکستان کے بارے میں نہیں سوچا جو صدر جنرل پرویز مشرف کے بغیر ہو۔" امریکہ نے سابق صدر پرویز مشرف کو بطور اتحادی ہمیشہ داد تحسین بخشی ہے کہ نائن الیون کے بعد انھوں نے امریکی مفادات کے لئے ڈرامائی انداز میں ملکی صورتحال میں تبدیلی پیدا کی اور انتہا پسندی کو جڑ سے اکھاڑنے کیلئے بھرپور کوششیں کیں۔ حالاں کہ سابق صدر اس بات کا انکشاف کرچکے تھے کہ انھیں امریکی نائب وزیر خارجہ رچرڈ آرمیٹج نے ان کے ڈائریکٹر انٹیلی جنس کو دھمکی دی تھی کہ ا" گر پاکستان نے امریکہ کا ساتھ نہ دیا تو بمباری کرکے اسے پتھر کے دور میں پہنچا دیا جائے گا۔" گو کہ بعد میں اس انداز کو تبدیل کرکے کہا گیا کہ پاکستان فیصلہ کرے کہ ہمارے ساتھ ہے کہ خلاف، حیرت ناک بات یہ تھی کہ نیٹو نے اپنی رپورٹ میں جو ڈیلی ٹیلی گراف میں شائع ہوئی تھی ، نیٹو کمانڈر کے حوالے سے ایک بیان شائع کیا

تھا کہ "اب وقت آگیا ہے کہ جنرل پرویز مشرف کو اعلیٰ ترین سیاسی سطح پر یہ واضح پیغام پہنچا دیا جائے کہ وہ فیصلہ کریں کہ آیا وہ ہمارے ساتھ ہیں یا ہمارے خلاف"۔ یقینی طور پر اس وقت پرویز مشرف کے فیصلے نے خطے میں صورتحال تبدیل کرکے امریکہ کو افغانستان میں مداخلت کا جواز فراہم کردیا۔ امریکہ افغانستان میں براہ راست کبھی بھی داخل نہیں ہوسکتا تھا جب تک پاکستان کی حمایت اُس کے ساتھ نہیں ہوتی۔ سابق صدر مشرف کے خدشات اپنی جگہ قابل غور ضرور ہیں کہ اُس وقت کیا جانے والا فیصلہ بڑا سخت تھا کیونکہ انکار کی صورت میں امریکہ بھارت کو استعمال کرسکتا تھا اور پھر پاکستان بیک وقت تین محاذ پر لڑنے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اب ہم ایسے پاکستان کی اپنی مرضی سمجھیں یا زبردستی، لیکن تاریخ نے یہ ثابت کردیا ہے کہ فیصلہ بہرصورت پاکستان کی سلامتی کے خلاف گیا اور پاکستان بیرونی جنگ میں ایک بار، کچھ اس طرح الجھا کہ اب اُس کیلئے نکلنے کے راستہ انتہائی دشوار ہوچکا ہے۔ امریکہ اپنی ناکامیوں کو چھپانے کے لئے ہر مرتبہ ملبہ پاکستان اور اس کے عسکری اداروں پر ڈالنے کی سعی کرتا رہتا ہے۔ جس کا لازمی پہلو یہی ہے کہ ہمیں مستقبل میں انھیں خطوط کو خاص طور پر غور کرنا ہوگا۔ پاکستان میں قیام امن کی راہ میں سب سے رکاوٹ امریکہ اور افغانستان کا سخت رویہ رہا ہے یہی وجہ ہے کہ افغانستان نے سرحدوں پر باڑ لگانے کی ہمیشہ مخالفت کی کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے افغانستان کا علاقہ کم ہوجائے گا اور سرحد کے دونوں

جانب رہنے والے منقسم ہو جائیں گے۔امریکہ ،ملا عمر کی حکومت ختم کرکے پاکستان کی مدد سے افغانستان میں گھسنے میں کامیاب تو ہوگیا،اُس نے جس قسم کے لاجسٹک سپورٹ مانگی ، ہم نے چوں چرا کئے بغیر ان کا ہر مطالبہ پورا کیا اور دنیا کی واحد "سپر پاور "کے آگے لڑے بغیر گھٹنے ٹیک کردیئے۔مگر افغانوں نے اپنی روایت کے مطابق امریکہ کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیا اور تادم تحریر ہر سطح پر بھرپور مزاحمت جاری ہے۔افغان حکومت کی عمل داری صرف کابل تک محدود ہے اس لئے وہ اقتدار پر قابض رہنے کیلئے افغانستان میں ہونے والی ہر کاروائی کا الزام پاکستان پر لگا دیتے ہیں۔سابق صدر پرویز مشرف پر پاکستان سے غداری کا مقدمہ عدالت میں زیر سماعت ہے ، جبکہ اس سے قبل جامعہ حفصہ ،لال مسجد اور اکبر بگٹی قتل کیس جیسے معاملات ان کیلئے درد سر بنے ہوئے ہیں۔ یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ پاکستان نے اُن حالات میں جو بھی فیصلہ کیا ،اُس میں سراسر نقصان پاکستان کا ہوا۔مگر اس حقیقت کو افغانستان اور امریکہ کی جانب سے بہت کم تسلیم کیا جاتا ہے۔پاکستان امریکہ مطالبات اور کرزئی الزامات کو بڑی بردباری سے برداشت کر رہا ہے،اب ضرورت اس امر کی ہے کہ امریکہ فیصلہ کرلے کہ ایسے پاکستان کا اتحادی بنے رہنے کیلئے افغانستان کی جانب سے پاکستانی علاقوں میں بم باری جھڑپوں کی حوصلہ شکنی کرنا ہوگی۔اگر امریکہ اور افغانستان اپنا رویہ درست نہیں کرتا تو پھر ایسے اپنی جنگ خود لڑنے کیلئے ذہنی طور پر تیار ہو جانا چاہیے ، اگر ان کے رویئے درست

نہیں ہوتے تو مزید نقصان بلا شبہ پاکستان کا بھی ہوگا لیکن اس مضمرات سے افغانستان اور امریکہ بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔پاکستان اس وقت نازک دور سے گذر رہا ہے، سابق صدر پرویز مشرف امریکی خوشنودی حاصل کرکے پاکستان میں آ چکے ہیں لیکن جس طرح انھیں خلاف توقع عوامی رد عمل کا سامنا ہوا ہے یہ عمل تمام سیاسی جماعتوں کے سربراہان کے لئے سبق آموز ہے کہ امریکہ ہو یا سعودیہ ہو۔پاکستانی امور میں مداخلت ضرور کرسکتا ہے لیکن عوامی راہ عامہ کو ہموار نہیں کرسکتا۔افغانستان امریکہ کو اپنے رویوں میں تبدیلی کرنا ہوگی۔پاکستانی عوام جمہوری شعور کے عمل سے گذر رہی ہے ایسے سبوتاژ کرنے کی کوشش نقصان دہ ہوگی۔

اساسِ پاکستان

نظریہ چاہیے کوئی بھی ہو، جبر کے ذریعے کسی پر مسلط کرنے کی اجازت دنیا کا کوئی مذہب اپنے پیروکاروں کو نہیں دیتا۔اسلام تو خود امن و سلامتی کا نام اور مکمل نظام حیات ہے اور دین میں جبر کا از خود سب سے بڑا مخالف ہے لہٰذا کسی بھی قومیت کا شہری اس حوالے سے متضاد رائے نہیں رکھتا کہ اسلام کے نام لیوا کبھی بھی اصلاح کے نام پر فساد کے پھیلاؤ کا سبب نہیں بنیں گے۔پاکستان کی بنیاد صرف دو قومی نظریئے پر رکھی گئی تھی اور نظریہ کبھی بھی ایک دو سال کی پیداوار نہیں ہوتا کہ متحدہ ہندوستان کے حامی یکدم پاکستان کے بانی بن گئے بلکہ تاریخ میں پسنے والی قوموں میں انقلاب مختلف ادوار میں پیدا ہوتے ہوئے آتش فشاں بن جاتے ہیں اور ایک دن وہ لاوا پھوٹ کر تباہی مچا دیتا ہے۔جنگ آزادی 1857ء کے دس سال بعد 1867ء میں سید احمد خان نے اردو، ہندی جھگڑے کے باعث ہندو، مسلم علیحدہ علیحدہ اور کامل قوموں کا نظریہ پیش کر دیا تھا۔یہ نظریہ انڈین نیشنل ازم پر یقین رکھنے والوں کے لئے دو قومی نظریہ صور اسرافیل بن کر گونجا اور پاکستان کی تخلیق کیلئے اس نظریہ کو اخذ کر کے 1947ء میں پاکستان کو ہندوستان سے الگ مملکت میں ڈھالا گیا۔مکتبہ علی گڑھ کے قائدین نے اس دو قومی نظریئے کو منطقی انجام تک

پہنچانے کیلئے 1906ء میں نہ صرف شملہ وفد کو منظم کیا بلکہ آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے مسلمانان ہند کیلئے ایک الگ نمائندہ سیاسی جماعت بھی قائم کردی۔ دو قومی نظریہ کے خالق کے طور پر علامہ اقبال کا نام بھی ہے جنھوں نے 1930ء الہ آباد کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کے اکیسویں سالانہ اجلاس کی صدارت میں دو قومی نظریئے کا تفصیل سے ذکر کیا گیا۔ 1936ء سے 1938ء تک سر اقبال نے جتنے مکتوب جناح کو بھیجے ہیں اس میں بھی دو قومی نظریئے کا عکس صاف نظر آتا ہے۔ محمد علی جناح خود دو قومی نظریئے کے سب سے بڑے حامی تھے انھوں نے نہ صرف آل انڈیا نیشنل کانگریس کی تاحیات صدر بننے کی پیش کش کو مسترد کیا بلکہ علماء دیوبند اور مسلم نیشنلسٹ رہنماؤں کی مخالفت بھی مول لی اور اسی بنیاد پر الیکشن میں حصہ لیا۔ پاکستان مذہبی آزادی کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ جس میں تمام مذاہب کو اپنے عقیدے کے مطابق زندگی گذار سکے۔ قائداعظم جانتے تھے کہ بیرونی جارحیت کیا ہوتی ہے اور اس کے لئے کن عزم کی ضرورت ہے۔ انگریز مسلمانوں کے خلاف کیا کرنا چاہتا تھا اس کے متعلق قائداعظم نے اکتوبر 1938ء سندھ مسلم لیگ کی سالانہ کانفرنس میں کہا تھا کہ "برطانیہ ہندوستان کے مسلمانوں کو بھیڑیوں کے حوالے کرنا چاہتا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ برطانیہ سے وہی بازی لے جاسکتا ہے جس میں قوت ہو۔" متحدہ ہندوستان کے مشہور نیشنلسٹ اخبار "مدینہ" (بجنور) کی ۱۷ اپریل ۱۹۶۳ء کی اشاعت میں مولانا اسرار احمد آزاد دیوبندی کا ایک مقالہ شائع ہوا تھا جس

میں انہوں نے لکھا تھا "یہ الزام بے بنیاد ہے کہ علماء ہند اُس ملک میں اسلامی حکومت کیلئے کوشاں رہے ہیں۔دارالعلوم دیوبند سے تعلق رکھنے والے علماء نے کم از کم اس صدی کے آغاز سے ہندوستان میں جمہوری اور سیکولر حکومت کو اپنا واضح نصب العین قرار دے لیا تھا"۔دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور جمیعت العلماء ہند کے صدر مولانا) حسین احمد (مرحوم) کا ارشاد تھا "ایسی جمہوری حکومت جس میں ہندو،) مسلمان، سکھ، عیسائی سب شامل ہوں، حاصل کرنے کیلئے سب کو متحدہ کوشش کرنی چاہیے ایسی مشترکہ آزادی اسلام کے عین مطابق ہے اور اسلام میں اس آزادی کی اجازت ہے۔(زمزم، مورخہ ۷ جولائی ۱۹۳۸ء) ۔" مولانا مدنی کا پمفلٹ، متحدہ قومیت اور اسلام کے صفحہ نمبر ۶۱ میں فرماتے ہیں "کانگریس میں ہمیشہ ایسی تجاویز آتی رہتی ہیں اور پاس ہوتی رہتی ہیں جن کی وجہ سے مذہبِ اسلام کے تحفظ اور وقار کو ٹھیس نہ پہنچے۔" اگست ۱۹۴۸ء محمد علی جناح کی جس تقریر کو وجہ جواز بنا کر نظریہ پاکستان ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ہم ایسے بھی موضوع بحث نہیں بناتے کیونکہ نصابی کتابوں سے اس اقتباس کو بھی سیاق و سباق سے ہٹ کر شائع کرنے کے بعد طوطے کی طرح پاکستانیوں کو "نظریہ پاکستان" رٹانے کی کوشش کی جاتی رہی بالاآخر اس اقتباس کو بھی نصاب سے ختم کردیا گیا اور قوم کو قیاس آرائیوں پر بحث مباحثے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔لیکن تاریخ یوں آسانی سے مٹائی نہیں جاسکتی۔ کسی شک و شبے سے بالاتر کم از کم یہ بات طے شدہ ہے کہ

محمد علی جناح نام نہاد خود ساختہ " مذہبی پیشوائیت" کی اجارہ داری نہیں چاہتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد بحیثیت گورنر جنرل، فروری ۱۹۴۸ء میں اہل امریکہ کے نام براڈ کاسٹ پیغام میں واضح طور پر کہا کہ "پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے ابھی پاکستان کا آئین مرتب کرنا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس آئین کی آخری شکل کیا ہوگی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا آئینہ دار جمہوری انداز کا ہوگا۔ اسلام کے یہ اصول آج بھی اسی طرح عملی زندگی پر منطبق ہو سکتے ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے ہو سکتے تھے۔ اسلام نے ہمیں وحدتِ انسانیت اور ہر ایک کے ساتھ عدل و دیانت کی تعلیم دی ہے۔ آئین پاکستان کے مرتب کرنے کے سلسلہ میں جو ذمہ داریاں اور فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں ان کا ہم پورا پورا احساس رکھتے ہیں، کچھ بھی ہو، یہ امر مسلمہ ہے کہ پاکستان میں کسی بھی صورت میں بھی تھیا کریسی رائج نہیں ہوگی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے جاتی ہے کہ وہ (بزعم خویش) خدائی مشن کو پورا کریں۔ (تقاریر بحیثیت گورنر جنرل صفحہ ۶۵)"۔ محمد علی جناح نے واضح طور پر بتا دیا کہ وہ تھیا کریسی نظام کو رائج نہیں ہونے دیں گے۔ محمد علی جناح سے اپریل ۱۹۴۳ء میں صوبہ سرحد کی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے ایک پیغام کیلئے درخواست کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا "تم نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمھیں کوئی پیغام دوں، میں تمھیں کیا پیغام دوں جبکہ ہمارے پاس پہلے ہی ایک عظیم پیغام موجود ہے جو ہماری راہنمائی اور بصیرت افروزی کیلئے

(کافی ہے، وہ پیغام ہے خدا کی کتاب عظیم، قرآن کریم۔" (تقاریر، جلد اول صفحہ ۵۱۶
نومبر ۱۹۳۹ء قوم کے نام عید کا پیغام نشر فرمایا۔ (اس زمانے میں ملک میں ہنگامہ ۱۳
اور فساد ہو رہے تھے) آپ نے قوم سے کہا "جب ہمارے پاس قرآن کریم ایسی مشعلِ
ہدایت موجود ہے تو پھر اس کی روشنی میں ان اختلافات کو کیوں نہیں مٹا سکتے؟ (تقاریر
جناح، شائع کردہ شیخ محمد اشرف، جلد اول صفحہ ۱۰۸) "وہ بندھن، وہ رشتہ، وہ چٹان،
وہ لنگر، خدا کی عظیم کتاب، قرآن مجید ہے، مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے
جائیں گے ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی۔۔۔ایک خدا، ایک
کتاب، ایک رسول ﷺ، فلہذا ایک قوم۔ (تقاریر، جلد دوم صفحہ ۵۰)۔

اب جو عناصر یہ سمجھتے ہیں کہ بزور طاقت کسی فرقے کے خلاف شدت پسندی کرکے وہ
پاکستان کو اسلامی ریاست بنالیں گے تو ایسی سوچ خلاف اسلام ہے کیونکہ جب حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام بزور طاقت نہیں پھیلایا اور اصحاب رسول ﷺ
اسلامی حکومتوں یا تمام فقہ کے اماموں نے کبھی کسی فرقے کے خلاف قتل و غارت کو
جائز قرار نہیں دیا تو پھر پاکستان میں فرقہ وارانہ قتل و غارت اور حملوں کا واحد مقصد،
اسلامی نظام کا قیام نہیں بلکہ پاکستان کی

بقاء اور سالمیت کو نقصان پہنچانا ہے۔پاکستان کی بنیاد کو کمزور کرکے بنگلہ دیش کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کرنا مقصود ہے۔پاکستان کے بانیان اور اکابرین نے کبھی بھی فرقہ وارانہ بنیاد پر انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد نہیں کی۔ایک فلاحی و رفاعی مملکت کا بہترین تصور اسلام کے سوا کون دے سکتا ہے اور دنیا میں لافانی اصولوں اور قوانین پر مشتمل نظام حیات قرآن کریم سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے ؟۔ محمد علی جناح نے کبھی کسی فرقہ وارایت کا پرچار نہیں کیا۔ہمیں قائدا عظم کا پاکستان صرف جناح کے اصولوں کے مطابق بنانا ہوگا کیونکہ اساس پاکستان بھی یہی ہے اور نظریہ بھی۔ قائدا عظم محمد علی جناح کے لاتعداد تقاریر، ان کے قول و فعل ہی نظریہ پاکستان ہیں۔اب یہ ارباب اختیار کی مجرمانہ کوتاہی ہے کہ انھوں نے قوم کو بے خبر رکھا ہوا ہے۔

سندھ کے مقامی پختون

خاص طور سندھ بالعموم کراچی وحیدرآباد میں جب لسانی سازشوں کا سلسلہ چل نکلتا ہے تو وہی مقامی ،ان لوگوں کی نظروں میں غیر مقامی بن جاتے ہیں جنھوں نے اپنے خون کی آبیاری سے خاص طور شہر کراچی کو مملکت کا معاشی شہہ رگ بنا دیا تھا۔ جبکہ یہی شہر تو اس وقت بھی موجود تھا، جب تقسیم ہند نہیں ہوئی تھی۔ معاشی حب ممبئی اور کلکتہ تھے جہاں سندھی اور بنگالی موجود تھے لیکن سندھ میں ہزاروں سال سے رہنے والوں کے دعوؤں کو اس وقت کیا ہوا تھا جب کراچی ساحلی بندرگاہ ہونے کے باوجود محض چند لاکھ نفوس پر مشتمل آبادی تھی اور اس وقت کوئی اردو اور پشتو بولنے والا ان کے درمیاں اکثریت میں نہیں تھا۔

جب رب کائنات کا ابدی قانون موجود ہے کہ خدا اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جیسے خود خیال نہ ہو اپنی حالت بدلنے کا۔ تو پھر دنیا کی تمام قوتیں بھی یکجا ہوجائیں ناممکن ہے کہ وہ نشو ونما دینے والے رب کے قانون ربوبیت کو اپنی جگہ سے سرکا بھی سکیں۔ سلطنت ایران نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ ان کی ہزاروں سال کا آتش کدہ ان بدوں عربوں کے ہاتھ سے بجھے جائے گا جن سے یہ لڑنا تک گوارہ نہیں کرتے تھے۔ سندھ کے ان سپوتوں نے بھی کبھی یہ نہیں سوچا

تھا کہ عرب کے ریگستانوں سے ایک سترہ سالہ نوجوان آئے گا اور ان کے راجہ داہر کو شکست دیکر ایک نئے مذہب کا جھنڈا بھی لہرا دیگا، جھانسی کی رانی نے بھی کوشش کی کہ کسی طرح غیر ملکیوں سے آزادی کرلی جائے لیکن جب عرب صوفیا نے دلوں کو فتح کرنا شروع کیا تو انھیں کوئی عجمی یا عربی نہیں بلکہ سندھ کا عظیم صوفی بزرگ کہہ کر اپنا سر فخر سے بلند کرلیتا ہے۔ تقسیم ہند سے پہلے پنجاب تھا تو کسی نے تصور نہیں کیا تھا کہ پنجاب میں سرحدیں حائل ہوجائیں گی، افغانستان میں ڈیورنڈ لائن کے بعد پختون علاقوں کو افغانستان، پاکستان، میں تقسیم کردیا جائے گا، پاکستان بننے سے قبل سو سال تک جب مسلم حکمران ہندوستان میں ہندو اقلیت پر حکمرانی کر رہے تھے تو کسی نے سوچا نہیں تھا کہ سات سمندر پار سے غیر ملکی آئیں گے اور ان پر حکومت کریں گے۔

کراچی کو اندرون ملک سے یہاں مستقل یا عارضی بسنے والوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ دیکر اور دن رات محنت اور تمام تر تعصب اور ناانصافیوں کے باوجود پوری مملکت خدادا پاکستان کی معاشی سانس چلانے کیلئے اپنی محنت اور جانفشانی سے شہر کا نقشہ بدل دیا اور کروڑوں لوگوں کو روزگار فراہم کیا لیکن اب ان کا قصور یہ بن گیا ہے کہ ان کے جائز حقوق اس لئے نہیں دیئے جارہے کیونکہ قصور صرف اتنا ہے کہ سندھ کی زمین پر سندھی زبان نہیں بولتا کیونکہ اکثریتی علاقوں میں سندھی بولنے آبادیاں نہیں ورنہ جہاں ہیں وہاں

اپنی مادری زبان کے ساتھ سندھی بھی اچھی طرح بول سکتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ جس نے سندھ کی زمین پر جنم لیا لیکن قوت گویائی سے محروم ہے تو اس کی کوئی پہچان نہیں ہوگی ؟؟۔ بدلنا ہے تو اپنے گلی کوچوں میں ہونے والی قارونی نظام کو بدلنے کے لئے کوشش کرو، کیا ہم نہیں جانتے کہ ہم جنہیں اپنے ووٹوں سے منتخب کرتے ہیں تو ان سے اپنے مسائل کے حل کیلئے بھکاریوں کی طرح ان کے شاہی محلات کے باہر گھنٹوں گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں اور صرف چند سیکنڈ کی ملاقات کیلئے سفارشیں، رشوتیں اور منت سماجتیں کرتے رہتے ہیں، ایک چھوٹی سی ملاقات کیلئے پولیس، اور سیکورٹی گارڈز کے ڈنڈے اور ان نام نہاد لیڈروں کے چمچوں کی گالیاں تک سنتے ہیں، کیا آپ کے قیمتی ووٹ سے منتخب ہونے والوں کا غریب ووٹر کے ساتھ ایسے سلوک کا متقاضی ہے۔ جبکہ پختون کسی کی بات کا بھی کیونکر اعتبار کر سکتے ہیں، جس کا مقصد لسانی بنیادوں پر قومیتوں کے درمیاں خون آشام تصادم مقصود ہو ایسی منافقت اور جھوٹ کی تمام تر عمارتیں سچائی کی بلندی کے سامنے ہیچ ہیں اور کوئی ایسا نظریہ جو کسی قوم کو دیوار سے لگانا چاہتا ہو کبھی دیرپا اور مستقل کامیابی نہیں پا سکتا۔

خاص طور سندھ سمیت ملک بھر میں رہنے والے پختونوں کو یہ بات سمجھنا ہوگی کہ ان کے کندھے پر بندوق رکھ کر وہ نام نہاد لیڈر اپنے ذاتی مفادات کو حاصل کر رہے ہیں۔ جن کا کراچی، حیدرآباد، سندھ سمیت پورے پاکستان میں ذاتی سرمایہ

موجود نہیں ہے، ان کے کاروبار، سعودیہ، امارات، ملائشیا، لندن، امریکہ اور دیگر ممالک میں ہیں، جن کے بچے اور اہل خانہ بیرون ملک محفوظ اور پر آسائش زندگی گذار رہے ہیں۔

پختون قوم کو ٹھنڈے دل سے یہ ضرور سوچنا ہوگا کہ جب ان کی کئی نسلیں سندھ میں آباد ہیں تو ان کے مفاد بھی اسی دھرتی سے وابستہ ہیں۔ کراچی میں روزگار کیلئے آنے والوں کی حیثیت صرف رزق کے متلاشی اور مہمان کی ہے جو اس دھرتی پر حق ملکیت کا دعویدار نہیں۔ اگر اس دھرتی پر حق ملکیت کا حق نہیں رکھتا اور یہی حق وہ اپنی دھرتی پر کسی اور کو بھی نہیں دینا چاہتا تو اسٹیبلشمنٹ کی جانب سے تنخواہ دار ایسے نام نہاد قوم پرستوں کے آلہ کار کیوں بنتے ہیں جنھیں کسی قوم سے تو کیا اپنی ہم زبان و نسل سے بھی کوئی واسطہ نہیں بلکہ بیگناہ انسانوں کو جرائم پیشہ عناصر کے ہاتھوں انسانیت سوز ظلم کا شکار بنا کر اپنے مفادات کو تحفظ دیتے ہیں۔

پختونوں سمیت تمام قومیتوں کو یہ فیصلہ کرنا ناگزیر ہے کہ ہمیں استحصالی گروہ سے نجات حاصل کرنی ہے، ہمیں حقیقت پسندی سے دیکھنے کی ضرورت ہے، ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ لاکھوں انسان جس کے گرویدہ ہوں اور اس کے ایک اشارے پر جان نچھاور کرنے کیلئے تیار رہتے ہوں، جن کے فکری نظریاتی

ساتھیوں کو سالوں سال کی استعماری اور ریاستی طاقت دبانے میں ناکام رہی ہو، جس کا صبر و تحمل مثالی ہو اور جو خود ایک عام انسان اور کارکن سے بڑھ کر شب وروز غریب عوام کے حقوق کیلئے مصروف ہو، جس کے نزدیک دن اور رات کا تصور ختم ہوچکا ہو اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ ایک ایسی قوم کے خلاف سرگرم ہو جنہیں صرف اپنے روزگار اور اولاد کے مستقبل کی فکر ہے۔ہمیں اسی بات کو سوچنا ہوگا اور اپنی صفوں میں ایسے لوگوں کو تلاش کرنا ہوگا جو اپنی قوم کا درد اپنے دل میں رکھتے ہوں۔

کراچی وحیدرآباد سمیت پورے سندھ میں آباد اگر ہم پختون خود کو یہاں کا مقامی سمجھتے ہیں تو پھر اپنا سرمایہ اپنے وسائل سب کچھ اس ہی دھرتی پر ہی خرچ کرنا ہونگے اور یہی سندھ کے علاوہ باقی صوبوں کیلئے بھی معیار اپنانا ہوگا۔اگر ہماری یہ سوچ رہی کہ ہمیں واپس اپنے آبائی علاقوں میں جانا ہے تو پھر ہمیں ان نام نہاد قوم پرستوں کا آلہ کار بننے سے گریز کرنا چاہیے جن کا مفاد کراچی سے تو کیا پاکستان کے ساتھ نہیں ، ہم اسی دھرتی کے باسی ہیں ، ہم یہاں کے مقامی ہیں، زبانیں سمجھ اور اظہار کیلئے ہوتی ہیں، لاکھوں کی تعداد میں ایسے پختون بھی ہیں جو اپنے ماحول کی جہ سے پشتو نہیں بول پاتے ، تو کیا وہ پختون نہیں کہلائے جائیں گے ؟۔۔اس لئے اگر ہمیں سندھی نہیں آتی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم سندھ کے رہنے والے سندھی نہیں، سندھ کے مقامی

سندھی تھے اور سندھی ہی رہیں گے۔ اب چاہے سندھی آتی ہو یا نہ آتی ہو۔ یہ مسلمہ اصول ہے جو مستقل بس گیا وہ مقامی بن گیا۔

تقسیمِ افغانستان کے منصوبے

(افغانستان میں 1793ء سے آج تک انگریزوں نے آٹھ ، روس نے ایک جبکہ امریکہ نے چار حکمران بناڈالے ۔امیر عبدالرحمان نے انگریزوں سے وفاداری اور دوست کا حق ادا کرنے کیلئے انگریز مخالف دشمنوں پر بے پناہ ظلم ڈھائے جس کی مثال نہیں ملتی ۔ نادرشاہ اور عبدالرحمان خان کے بدترین مخالفوں میں اتفاق سے قبیلہ غلزئی اور ہزارہ قوم تھی ۔ اگر غازی ایوب خان حکمران ہوتا توFire in Afghanistanلکھنے کی نوبت نہ آتی اوریقینا آج افغانستان کی تاریخ اور جغرافیہ مختلف بلکہ بہتر ہوتے اور معاہدہ گندمک ، نہ ڈیورنڈ لائن کے قضیے ہوتے۔1842ء پہلی افغان انگریز جنگ غازی وزیر اکبر خان محمد زئی 1880 اور دوسری انگریز افغان جنگ کے دوران غیر تربیت یافتہ کم تعداد افغانوں نے ٹوٹے پھوٹے ہتھیاروں کیساتھ دنیا کی سب سے بڑی جدید ترین ہتھیاروں سے لیس تعداد میں کئی گنا زیادہ انگریز فوج کو عبرتناک شکستیں دیں۔ 32 سالہ نوجوان اکبر خان اور پچیس سالہ ایوب خان خان پیشہ ور اور اعلی تربیت یافتہ نہیں تھے ۔ بالا جنگوں میں بہادری کا پلہ ہتھیار پر بھاری رہا۔ افغانستان اور برصغیر کا تناسب ایک اور 200 ہے اس کے باوجود 1757ء سے 1947تک انگریز جو برصغیر کے حکمران رہے مسلسل اور متعدد کوششوں کے باوجود افغانوں کو تابع نہ کرسکے اور نہ ہی

برصغیر کی طرح حکومت کرسکے۔ لیکن اپنی ریشہ دانیوں، خانہ جنگیوں اور سازشوں سے افغانستان میں مداخلت کرنے آج تک باز نہیں آئے۔ 21 مئی 1879ء معاہدہ گندمک کے تحت سبی تک افغان انگریزوں نے اسی سال لارڈ سنڈیمن نے سیوستان کو بلوچستان کا نام دیا۔ 12 نومبر 1893ء کو ڈیورنڈ لائن کی غیر فطری افغان انگریز حد بندی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کابل تک رسائی کیلئے ہنری ڈیونرنڈ نے نہایت کثیر التعداد فوج استعمال کیلئے سندھ اور بلوچستان ہی کی گذرہ گاہ استعمال کی تھی، کابل کو گیرے میں لینے اور کابل میں موجود انگریزی فوج نے اپنے پٹھو حکمران امیر عبدالرحمان کو اس غیر فطری عمل کیلئے مجبور کیا، سوات چترال، باجوڑ، دیر بونیر وغیرہ افغانستان سے الگ کر لئے گئے. 1901ء ڈیورنڈ لائن اور چند دیگر چند علاقوں کو ملا کر ناقابل فہم بے جوڑ اور بے معنی نام دیکر شمال مغربی سرحدی صوبہ بنا کر افغانوں یا پشتونوں کو قومیت کی مناسبت سے نام دینا بھی گورا نہیں کیا تھا۔ ان تواریخ کے حقائق کا مقصد یہی ظاہر کرنا ہے کہ ڈیورنڈ لائن اور معاہدہ گندمک کے معاہدات افغان حکمرانوں نے اپنے وقت میں غدار وطن کے ہاتھوں کرکے افغانستان کی وحدت کو تقسیم کرنے کیلئے کئے، افغانستان پر بہ ظاہر کسی بیرونی جارح نے حکومت نہیں کی لیکن 1799ء سے لیکر آج تک افغانستان میں بیرونی طاقتوں کی پالیسیوں کے تحت کسی نہ کسی شکل میں غیر ملکیوں کی حکمرانی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ غدار وطن شاہ شجاع، امیر عبدالرحمان سے، روس کیخلاف امریکیوں سے ملکر

جنگ ، اور اب امریکیوں کی پٹھو حکومت کو یہ کہہ کر حقائق نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ افغانستان پر کسی بیرونی جارح نے حکومت نہیں رہی۔اب امریکہ اپنی زمینی ، اخلاقی شکست کے بعد افغانستان جانے سے قبل وہاں کی عوام کو منقسم کرنا چاہتا ہے۔طالبان اور مزاحمت کاروں کو بھی صدارتی الیکشن میں حصہ لینے کی اجازت اور تحریک طالبان افغانستان کیجانب سے سیاسی دفتر کا قیام بھی مستقبل کے افغانستان کے نئے خدوخال کو بتدریج واضح کر رہے ہیں اطلاعات کے مطابق امریکہ طالبان کو رعایت دیکر افغانستان کو نسلی بنیادوں پر تقسیم کرنے کا خواہاں بھی ہے اور یہی تجویز منظر عام پر لائی جارہی ہے کہ طالبان شمالی اتحاد کے علاقوں سے دست.برداری اختیار کرلیں اور پشتون علاقوں میں طالبان ، سیاسی بنیادوں پر صدارتی الیکشن میں حصہ لیکر معتدل افراد کو حکومت کا حصہ بنیں۔ موجودہ افغانستان میں مختلف اقوام کی آبادیوں کا تناسب پشتون ساٹھ فیصد، تاجک بیس فیصد ، اُزبک اور ترکمن دس فیصد، ہزارہ پانچ فیصد اور بلوچ دو فیصد ہے۔بنیادی طور پر قبائل کے لحاظ سے موجودہ افغانستان کو مشرقی افغانستان اور مغربی افغانستان میں تقسیم کے منصوبے منظر عام پر آرہے ہیں۔ لیکن امریکہ کیجانب سے انخلا سے قبل افغان امن کونسل کے پاکستان میں مذاکرات کے عمل میں ایک بین الاقوامی علماء کانفرنس بلانے کی تجویز دی گئی تھی جس کا مقصد طالبان حملوں کے خلاف معتبر علماء سے فتوے حاصل کرنا تھا۔ افغان طالبان کے ترجمان ذبیح اللہ مجاہد نے اپنے جاری ایک بیان میں کانفرنس

کو سراسر امریکی ایماء پر محض گیارہ سالہ جہاد کے بعد افغان جہاد کے متعلق علماء کے نقطہ نظر کو معلوم کرنا اور اور امریکہ کو اپنی ناکامی کے دباؤ کے باعث اس خوائش کا اظہار کہ وہ مذہبی رہنماؤں سے توقع رکھتے ہیں کہ اسے "نجات دلائی جائے"۔ لیکن تحریک طالبان کی جانب سے دنیا بھر کے مدارس اور ممالک خصوصا افغانستان، سعودی عرب پاکستان، ہندوستان، دارلعلوم دیوبند اور جامعہ الازہر کے علماء کو مخاطب کرتے ہوئے، انہیں اس کانفرنس میں شرکت کرنے سے منع کیا گیا۔ 2014ء امریکی افواج کے انخلا کی ڈیڈ لائن جیسے جیسے قریب آرہی افغان قضیے کے حل کی کوششوں کو تیز کیا جارہا ہے، کہیں دوحہ مذاکرات تو کہیں پیرس، تو کہیں قطر تو کہیں ترکی کے بعد اب قندھار میں طالبان کے دفاتر کھولنے کے مشورے جاری رہے۔ امریکہ جانے سے قبل مستقبل کے افغانستان کے حوالے سے جہاں پاکستان نے اپنے فوجی آپریشنل ترجیحات کو تبدیل کیا ہے تو دوسری جانب قبائلی علاقوں اور خیبر پختونخوا کے بعض شہری علاقوں میں قائم امن لشکروں کا کردار بھی تبدیل کیا جارہا ہے جس کی ابتدا پشاور کے مضافات میں بڈھ پیر کے علاقے سے شروع کرکے بڈھ پیر امن لشکر کے سربراہ سے مسلح گارڈز واپس لے لئے گئے ہیں۔ 2007 کے بعد سے اب امن لشکر کے کردار میں اس تبدیلی کو امریکہ کی جانب سے افغانستان میں امن کے لئے پانچ مراحل پر مبنی منصوبے کا حصہ سمجھا جارہا ہے۔ افغانستان کی تاریخی حیثیت کو مزید تاراج کرنے کے بجائے امریکہ امن کے نام پر جنگ اور لڑو لڑوا، حکومت کرو کی پالیسی ختم

کرکے افغانستان کے مستقبل کا فیصلہ افغان عوام پر چھوڑ کر چلا جائے تو یہ خطے کے امن کے لئے اہم اقدام ہوگا۔ منقسم افغانستان کسی بھی طور مفاد عامہ میں نہیں بلکہ مزید انتشار کا سبب بن سکتا ہے۔ جو کسی طور مناسب اقدام تصور نہیں کیا جائیگا۔

اکابرین کی تقلید

مخالفت (Opposition) اور تصادمات (Clashes) کے بغیر انسانی ذات میں استحکام پیدا نہیں ہو سکتا یہ یوں کہیے کہ اس کی قوت و استحکام کا امتحان (Test) نہیں ہو سکتا۔ نہر کی مسلسل روانی کیلئے ٹھوکر (Fall) کا ہونا نہایت ضروری ہے دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ کیا ٹھوکر کے پتھر، نہر کے پانی کیلئے بند بن کر اُسے جوئے رواں سے جوہڑ بنا دیتے ہیں یا نہر کا پانی اپنے زور دروں سے ان پتھروں کو پھاند کر آگے نکل جاتا ہے ؟ ایسے راستے کی تلاش اور اختیار کرنا جن میں پتھر نہ ہو اپنی خودی کی روانی کو اپنے ہاتھوں ختم کرلینا خود فریبی کہلائی جاتی ہے۔ اپنے اپنے اذہان کے مطابق اپنی لئے ایسے نظام کو مد نظر رکھتے ہیں جس میں فروعی مفادات کی بناء پر معاشرتی زندگی کے اجتماعی نظام کے بڑے عمیق حقائق کو نظر انداز کرتے چلے جاتے ہیں۔

عمومی طور تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عوام تو ٹھیک ہوتے ہیں لیکن اربابِ اختیار اور اعیان دولت و ثروت کا طبقہ اشرافیہ مکمل بگڑا ہوا ہوتا ہے۔ اُن کے بگاڑ کی وجہ سے ہی سارا نظام نچلی سطح سے لیکر اوپری سطح تک تہس نہس کا شکار ہو جاتا ہے۔ مملکت کے مرکزیت کی کمزوری کی بناء پر نوار بابِ اقتدار

کی تتبع سے ساری قوم میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر اِن نو اصلاح کر دی جائے تو قوم میں پیدا شدہ خرابیوں کا از خود سدباب پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے لیکن جب اکابرینِ قوم کے بگاڑ کی تقلید کو عوام اپنا لے تو بد عنوانی کے ساتھ قوم بھی اُس ماحول میں خود کو رچ بسا لیتی ہے۔ عوام ، اکابرین کی تقلید کرتے ہیں۔ اگر وہ بد عنوان تو عوام میں بھی بد عنوانی کا عنصر پکڑ کے خوف نہ ہونے سبب پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر اربابِ اختیار کے نقشِ قدم درست راستے پر ہوں تو قوم بھی اُن راستوں پر از خود چلنا شروع ہو جاتی ہے۔

معاشرے میں اکابرین کی تقلید کے علاوہ ایک شکل اربابِ اختیار کے ظلم اور استبداد کی کی کسی حد کا متعین نہ ہونا ہوتا ہے جس میں قوم کیلئے لاقانونیت کا راستہ اختیار کرنے والوں کی تقلید کا دوسرا عمل بھی ناقابل برداشت بن جاتا ہے اور اس ردعمل کے نتیجے میں عوام بھی لاقانونیت پر اُتر آتے ہیں اور اس باہمی تقلید نظام کے ہاتھوں مملکت کے تمام نظم و نسق تباہ ہو جاتا ہے۔ ہمارے سامنے مغربی جمہوریت کی مختلف اشکال ہیں۔ اس ڈیما کریسی کی مختلف شاخیں اپنی توجیہات اور دلائل کے ساتھ سینکڑوں سال سے ارتقائی منازل سے گزر رہے ہیں جس میں عوام کی آراء کو جانچنے کے تمام پیمانوں پر کسی بھی فریق کی شکست کی صورت میں فتح کو بہت کم پایا جاتا ہے۔ ہم انسان کے ابتدائی ادوار کو دور جاہلیت کا نام دیکر خود کو ترقی یافتہ دینے کی کوشش

کرتے ہیں لیکن ہم اس بات کا جواب نہیں دے پاتے کہ جہاں حکومت کی عملداری نہ ہو وہاں فریقین کے درمیان تنازعات کے حل کیلئے کیسے ثالث بنایا جائے ۔ یہی ثالثی نظریہ حکمران بن کر قبائلی نظام سے جدیدیت کیجانب روبہ گامزن ہوا لیکن دور جاہلیت کی سوچوں سے نکلنے کیلئے اب بھی انسان نظریاتی طور پر قبائلی نظام نظریات سے جڑا ہوا ہے جس میں مورث ، اعلی کو اس قدر واجب الاحترام سمجھ لیا جاتا تھا کہ اس کے کسی حکم سے سرتابی سے وہ ڈرنے اور کانپنے لگ جاتا تھا آج بھی ترقی پزیر ممالک میں محکوم و مفلس عوام کی جرات نہیں ہوتی کہ نظام کی تبدیلی کیلئے اپنے ہاتھوں کئے جانے والوں فیصلوں کی اہمیت کو سمجھیں۔مقام المیہ یہی رہا ہے کہ حکومت چاہے.بزور طاقت ہو ، یا بذریعہ ووٹ ، یا باشاہت اسے اپنے اقتدار کو دوائم بخشنے کیلئے تھیا کریسی کی ہمیشہ ضرورت رہتی رہی ہے۔مذہبی پیشوائیت کے بغیر امور اقتدار پر قائم رہنا کسی بھی نظام مملکت کیلئے ناممکن ہے۔مذہبی پیشوائیت اپنی کسی نہ کسی شکل میں اقتدار کی کرسی کے گرد احاطہ بنانے میں کامیاب رہی ہے ۔ مذہب کی تقلید انسانی فطرت کا نتیجہ ہے کہ ایسے ناقابل فہم توجہیات کو سمجھنے کیلئے ایسے نظریات کی ضرورت رہتی ہے ۔

اکابرین کی تقلید میں اب بھی دنیاکے بعض ممالک میں باشاہوں ، مذہبی پیشواؤں نے باہمی سمجھوتے کے تحت ایک ایسا نظام واضح کر رکھا ہے جیسے انسان

کی عملی زندگی میں دوائر اقتدار بانٹنے سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے کہ مذہبی دائرے میں مذہبی پیشوائیت اور دنیاوی معالات میں بادشاہت۔ انداز و اسالیب حکومت کے انداز چاہے کسی بھی شکل میں تبدیل ہوں لیکن اس کیلئے ایک نظریہ شروع تا اخیر موجود رہتا ہے اور وہ نظریہ " انسان کی انسانوں پر حکومت کا"۔ اس نظریئے کو سیکولر اندازِ حکومت کے متصادم بھی قرار جاتا ہے کہ انسان کی ذاتی زندگی کے مذہبی اور دنیاوی معاملات کو اُس کی منشا کے مطابق چھوڑ دیا جائے۔ انسانوں کی انسانوں پر حکومت کے تابع حکمرانوں کے ہاتھوں انسانیت جس وحشت و بربریت کا شکار ہوئے اس کے تصور سے ہی انسانیت کی روح کانپ اٹھتی ہے۔ جس کے خلاف رد عمل میں کچھ مفکرین نے " نظریہ میثاق کے نام سے ایک ایسا معاہدے کا تصور دنیا کے سامنے رکھا کہ ہر انسان اپنی آزادی کو" برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن تمدنی زندگی میں یہ مشکل امر ہے لہذا حکومت افراد کے نمائندگان پر مشتمل ہونی چاہیے اور اگر نمائندوں میں اختلاف پیدا ہو جائے تو فیصلہ اکثریت پر چھوڑ دیا جائے۔ اس عمل کو ڈیما کریسی یا جمہوریت کہتے ہیں۔

شخصی حکومتوں کے ڈسے عوام نے ایسے نعمت سمجھ ستائش کے قصائد نشید کئے اور اس کے نفاذ پر مسرت اور شادمانی کے جشن منا کر سمجھ لیا گیا کہ انسانیت نے آزادی کے گم گشتہ کو پھر سے پا لیا گیا ہے۔ دنیا کی قریب قریب تمام اقوام نے

اس نظام کا خیر مقدم کرتے ہوئے بڑھکر استقبال کیا اور کرہ ارض جمہوریت جمہوریت کے نعروں سے گونج اٹھا۔ لیکن اس طرز نظام نے اپنے نظریہ کی فریب انگیزی سے انسانوں پر انسانوں کی حکومت کے تصور سے زیادہ نقصان دیا اور عوام کو اقتدار اعلی کا منبع سمجھنے کی تقلید نے اکثریت کے اُن تمام فیصلوں کو بھی درست قرار دیا جاتا ہے جو کہ زمینی حقائق کے برخلاف ہوں۔

ہمیں اکابرین کی تقلید میں یہ ضرور سوچنا ہوگا کہ اقتدار اعلی کا تصور کیا یہ ہے کہ کسی ایک جماعت کے ہاتھ میں اختیارات کے بھاگ دوڑ دے دی جائے جیسے عوام کی مجموعی اکثریت مسترد کرچکی ہے ؟۔ کیا یہ بات درست نہیں ہے کہ اقتدار کی کرسی پر بیٹھنے والی جماعت کے مقابلے میں عوام کیجانب سے مخالفت میں ڈالے جانے والے ووٹوں کی تعداد کئی زیادہ ہوتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم جمہوریت کے اس اصول کو پہلے ہی مرحلے میں اس لئے مسترد کردیتے ہیں کیونکہ قوم کی تقسیم سیاسی ، مذہبی بنیادوں پر بنائے جانے والی پارٹیوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ مذہب کے نام پر خود ساختہ نظریات کی تھیاکریسی زہر قاتل ہے۔ شخصی حکومت کے اثرات عوامی جذبات کے آئینہ بردار نہیں بن سکتے ، ملوکیت اور بادشاہت کے نظریئے میں سیکولر طرز حکومت میں جمہوریت کی بازگشت سوائے خود فریبی کے فسوں سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ تو پھر ایسا کیا کیا جائے کہ اس پر آشوب دور میں عوام اپنی مرضی کے کس نظام ہائے حیات کو ڈھالے جس بناء پر زندگی

کے تفکرات کے مضمرات سے نجات ممکن ہو اور راحت کے لمحات میسر ہوں۔ یقینی طور پر ہر مذہب کا ماننے والا اپنے مذہب کی تشریح میں دلائل اور مجادلہ کو اپنا کر خود کو درست اور دوسروں کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن صرف انسان بطور انسان یہ سمجھنے کیلئے خود کو تیار کرلے کہ حقِ حاکمیت اُسی کا ہے جس کی زمین ہے اور جس کی زمیں و فلک ہیں تو نظام حیات بھی اُسی کا ہو اور اِس کارواں میں اپنی حیثیت اس عمل کی ہو جس کیلئے اس کی حدود متعین کردہ ہیں تو پھر معاشرے میں کوئی بھی بگاڑ پیدا نہیں ہوسکتا۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ ایسا ہوجائے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالی کو اپنے دیئے گئے آفاقی نظام میں انحراف کرنے والوں کی غلطیوں کی درستگی کیلئے انبیاء اور رسولوں کو مختلف اقوام میں بار بار بھیجنا نہیں پڑتا۔ اللہ کی زمیں پر اللہ کا نظام ہی واحد ذریعہ نجات ہے لیکن اس کی خودساختہ، مطالب اور تشریح کیلئے خود ساختہ جذباتی عناصر سے بے اعتنائی کے بعد ہی ممکن ہے کہ ہم اجتہاد کے راستے پر چل کر درست قدم اٹھائیں۔ فی الوقت جو بھی نظام حکومت میسر ہے اس میں عوام کا اصل کردار یہ ہو کہ وہ اپنے جیسے اپنے نمائندوں کو منتخب کرکے اکابر کی تقلید کے سحر کے منفی جمود کو توڑدیں۔

امن کیلئے خطرناک راہوں کی مہم جوئی

"، میں سوات سے ہجرت کرکے جانے والے ایک ایسے خاندان کی داستان پڑھ کر حیران ہوگیا جیسے دیار غیر میں سیاسی پناہ کے نام پر جا کر کتنی صعوبتیں .برداشت کرنا پڑ رہی ہیں۔ پاکستان سے کبھی مذہبی منافرت کے نام پر کافی تعداد میں ہندوؤں کا بھارت جانا تو کبھی بلوچستان اور خیبر پختونخوا، سوات سے بڑی تعداد میں مہاجرین کے نقل مکانی اخبارات میں عبرت ناک داستان کی صورت میں سامنے آتی رہتی ہیں۔ آسٹریا کے دار لحکومت ویانا میں سیاسی پناہ کے طلب گار ایک مسلم نوجوان سے ملاقات کا احوال قابل عبرت ہے کہ جو سیاسی پناہ کی درخواستوں کے حوالے سے حکومت کی جانب سے فیصلہ کا انتظار کرنے کیلئے ایک عیسائی خانقاہ میں پناہ لئے ہوئے ہیں اور کافی عرصے سے ان کے مستقبل فیصلہ نہ ہونے کے سبب بھوک ہڑتال کی وجہ سے خانقاہ کیمطابق اس عمل سے ان کی بدنامی ہو رہی ہے۔ بدقسمتی سے انھیں زندگی کی بنیادی سہولتیں بھی فراہم نہیں کیں جاتیں اور انھیں عارضی طور پر اپنے گذر اوقات کیلئے کام کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ سوات سے تعلق رکھنے والے ایک رہائشی" خان عدالت "، جنھیں سب پناہ گزیں اپنا لیڈر مانتے ہیں ان کے چہروں پر دربدری کی داستان ان کے بے بسی کو عیاں کرتی ہیں ۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ پناہ گزینوں کی داستانوں کے تمام تانے بانے پاکستان میں ہونے ولی

دہشت گردی سے جڑے نظر آتے ہیں۔خان عدالت کے مطابق سوات سے ان کا سفر 2005ء سے ہوا جب طالبان نے علاقے میں کاروائیاں تیز کردیں تھیں ۔ تووہ غیر قانونی طور پر یونان آگئے اور 2011ء تک یونان میں رہے جب پناہ گزینوں پر نسل پسندوں نے حملے شروع کئے تو ان کو وہاں سے ہجرت کرنا پڑی ۔ان کے مطابق ان کے خاندان اور کئی دوستوں کو شدت پسندوں نے ہلاک کردیا ور ، سکول تباہ کردیئے اور گھروں کو برباد کرڈالا۔خان عدالت کا کہنا تھا کہ کوئی نہیں چاہتا کہ اپنی سرزمین چھوڑے لیکن حالات ایسا کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔انھیں آسٹرین حکام سے بڑا گلہ تھا کہ ہماری قربانیوں کا صلہ اس طرح دے رہے ہیں کہ ۔" پاکستان میں شدت پسندوں کا سسٹم ہمیں بندوق سے مار رہا ہے اور یہ قلم سے مار رہے ہیں ، مجھے اس میں کوئی فرق نظر نہیں آتا ہے۔" سوات کے نوجوان خان عدالت کے یہ الفاظ نشتر بن کر دل میں اتر جاتے ہیں کہ ایک طرف بندوق ہے تو دوسری جانب قلم کی مار ، کیمپوں میں انھیں انتہائی برے سلوک کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔جس پر انھوں نے سول سوسائٹی اور آسٹریا کی انسانی حقوق کی تنظیم کے اراکین کے ساتھ ملکر بیس پچیس مل کی مسافت پیدل طے کرکے ویانا پہنچے۔ مختلف کیمپوں میں رکھنے جانے کے سبب ان کی حالے انتہائی ناگفتہ اور خراب ہوچکی۔آزاد کشمیر سے تعلق رکھنے والے میر جہانگیر کے مطابق" یہ سسٹم طالبان سے بھی بُرا ہے وہ تو ڈائریکٹ بندے کو مار دیتے ہیں ، یہ آہستہ آہستہ مارتے ہیں ۔" ان کیمپوں میں رہنے والوں کا کہنا تھا کہ "یا ہم انسان

نہیں ہیں اور انسانی حقوق کی مد میں نہیں آتے یا پھر ان لوگوں میں انسانیت نہیں ہے۔" جنوبی وزیرستان سے اپنے گھر کے افراد کے ہلاکت کے بعد یورپ میں پناہ حاصل کرلیں۔گذشتہ چند سالوں سے پاکستان کے قبائلی علاقوں اور بلوچستان سے سے بڑ تعداد محفوظ ممالک میں پناہ لینے کی کوشش کر رہے ہیں، خاص کر ویاہا میں پارا چنار، سوات خیبر ایجنسی اور وزیرستان سے تعلق رکھنے والے بڑی تعداد میں بڑی تکلیف میں یہاں، پناہ لئے ہوئے ہیں لیکن انسانی حقوق کی عالمی تنظیموں کی جانب سے ان کی داد رسی نہ ہونا ان کا دوہرا معیار ہے۔ہ بھی درست ہے کہ ہر ملک اپنے قوانین کے مطابق فیصلہ کرتا ہے ایسے انسانی جذبات کے بجائے اپنے ملکی قوانین کو مد نظر رکھنا پڑتا ہے۔افغان مہاجرین کی بہت بڑی تعداد لاکھوں کی تعداد میں پاکستان میں بس چکی ہے اور انھیں واپس اپنے ملک بھیجنے کیلئے کتنے پاپڑ بیلنے پڑیں گے اس کا اندازہ اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حکومت کی جانب سے از خود جانے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے جو پاکستان میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں۔ہمارے سامنے ایسے نوجوانوں کی بھی داستانیں ہیں جو اپنے بہتر مستقبل کیلئے اپنا ملک چھوڑ کر جانے کے لئے ہر قسم کا جتن کرنے کے لئے ہر قسم کا رسک اٹھانے سے گریز نہیں کرتے۔بلوچستان یونیورسٹی میں شعبہ انفارمیشن میں زیر تعلیم عمران علی، کوئٹہ کے حالات سے تنگ آ کر ملک چھوڑنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو ایسے آسٹریلیا جانے کے لئے خطرناک راستوں کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔کوئٹہ سے

تعلق رکھنے والے علی عمران ہزارہ قبیلے کے ان 53افراد میں شامل تھے جن کی کشتی انڈونیشا سے آسٹریلیا جاتے بحر ہند میں کرسمس آئی لینڈ کے پاس ڈوب گئی تھی۔ کشتی میں دو سو سے زائد افراد سوار تھے جن میں ترپن ہزارہ اور باقی کا تعلق قبائلی علاقے کرم ایجنسی سے تھا۔ علی عمران ان بیں خوش قسمت افراد میں سے تھا جو زندہ بچ گیا تھا۔اسی طرح کا ایک واقعہ آسٹریلیا غیر قانونی طور پر جانے والوں کے ساتھ 2012ء میں بھی پیش آیا۔آسٹریلیا کے بحر ہند میں ڈوبنے والی اس کشتی میں ایک سو پچیس افراد کو بچالیاگیا۔ تسلیم شدہ بات یہی ہے کہ خطرناک راستوں سے یورپ جانے والوں کی زیادہ تعداد کا مقصد روزگار اور پر تعیش زندگی کے حصول کے لئے رسک اٹھانا ہوتا ہے۔ ایسے متعدد واقعات منظر عام پر آچکے ہیں کہ کنٹینروں میں تارکین وطن کی بڑی تعداد دم گھٹنے سے ہلاک ہو جاتی ہے۔افغانستان سے لاکھوں کی تعداد میں مہاجرین ایران، پاکستان اور دیگر ممالک گئے ، سوات ، وزیرستان سے پختونوں کو بے سروسامانی کی حالت میں ہجرت کرنا پڑی ، سیلاب سے متاثرہ سندھ سے وابستہ افراد کو کراچی میں سرکاری اسکولوں ، کالجوں میں بسایا گیا ، انھیں وہاں انتہائی تنگ دستی اور پریشانی کے عالم میں زندگی گذارنا پڑی ، اسی طرح سوات کے مکنیوں کو سیلاب کی تباہ کاریوں اور پھر کشمیر ، ایبٹ آباد میں زلزلوں کی وجہ سے سینکڑوں ہلاکتیں اور اربوں کا جانی مالی نقصان سمیت گھر سے بے سروسامانی کے ساتھ تکلیف دہ حالات میں روز میڈیا میں دیکھایا جانا کسی سے

پوشیدہ نہیں رہا ہے۔ ہمیں یہ نظارے صرف پاکستان میں ہی نہیں بلکہ بیرون ملک ، ترقی پذیر ممالک سے لیکر ترقی یافتہ ممالک تک نظر آتے ہیں ۔ لیکن مشیت خداوندی سامنے کسی زور نہیں چلتا اور تمام حکمت عملیاں ناکام رہ جاتی ہیں۔ زمین کی معمولی سے گڑگڑاہٹ بڑی بڑی عمارتوں کو زمیں بوس کردیتا ہے ، لیکن ہم پھر بھی یہ نہیں سوچتے کہ اسی قوت بھی ہے جس نے ہمیں مہلت کا لمحہ مہیا کیا ہوا ہے ، ہمیں اس لمحے سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ معیشت کیلئے خطرناک راہوں کی مہم جوئی ہو یا پھر قدرتی آفات ، یا پھر دہشت گردی کے ہاتھوں معصوم لوگوں کی نقل مکانی و بے سروسامانی ، یہ سب قدت کی نشانیاں ہیں۔ ایک طرف اگر بندوق کی مار ہے تو دوسری جانب قلم کی۔ فیصلہ ہم نے کرنا ہے کہ ہم اُن ہاتھوں میں پکڑی جانے والی بندوقوں سے خوفزدہ ہوجائیں یا پھر اُس قلم سے جس کے کاتب نے ہمارے اعمال کے نتیجے میں میزان لکھ دیا ہے۔

خدارا ! ۔۔۔ بجٹ میں عوام پر رحم کیا جائے

انگریزوں کی دور غلامی سے آزادی کے بعد ہندوستان نے برٹش حکومت کی جانب سے تاج برطانیہ سے وفاداری کرنے والے ضمیر فروشوں کو اعزازت کے ساتھ مال مفت دل بے رحم کے مصداق ہزاروں، لاکھوں ایکڑ اراضیوں کو " نہرو قومی پالیسی " کے تحت قومی ملکیت میں لینا شروع کردیا اور انگریز سرکار کی دی جانے والی تمام اراضی کو قومی تحویل میں لے لیا جبکہ ہندوستان کے برعکس پاکستان میں نہ صرف جاگیرداروں نے اپنی جائیدایں ضبط ہونے سے بچالیں بلکہ مسند اقتدار پر بھی قابض ہوگئے اور رفتہ رفتہ مملکت کی تمام بھاگ دوڑ صرف چند خاندانوں کے ہاتھوں میں محدود ہو کر رہ گئی جس کا سلسلہ ہنوز سیاسی جانشینوں کی صورت میں جاری ہے۔

پاکستان کے عوام کی ستم ظرفی یہ رہی کہ تاج برطانیہ کے وفاداروں نے ان تربیت یافتہ جرنیلوں کو بھی اپنے اقتدار میں شامل کرنا شروع کردیا جن کی تمام تر تربیت فرنگی طرز حکومت کے تحت ہوئی تھی اور بیورو کریٹس نے اپنی ان پالیسوں کے تسلسل کو قائم رکھا جس کی انھیں بطور خاص تربیت دی جاتی ہے کہ عوام محض کیڑے مکوڑوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔پاکستان کا تمام بیورو کریسی اور طرز حکمرانی کا ڈھانچہ ماسوائے خطے کے نقشے میں نئے نام کے اضافے سے

زیادہ تبدیل نہ ہو سکا اور عوام پر بار بار" میرے ہم وطنوں" کہہ کر آمروں نے حکومت کی جنھیں خود ان سیاست دانوں نے دعوت دیکر تخت خلافت تک پہنچایا جو پاکستان کے وجود میں آنے سے قبل اور بعد میں صرف اپنے جاگیر دارانہ نظام کا تحفظ چاہتے تھے۔

آزاد پاکستان ہمیشہ سرمایہ داروں، جاگیرداروں، وڈیروں اور خوانین کے ہاتھوں محکوم بنا رہا اور اپنے مفادات کے تحفظ کیلئے کالے قوانین کا اطلاق صرف جاگیرداری نظام اور جرنیلی استحصالی نظام کے تحت محنت کش، بے بس، لاچارگی اور موت سے زیادہ اذیت ناک زندگی بسر کرنے والے عوام پر ہی ہوتا رہا۔ محنت کش طبقے کی وجہ سے ہی پاکستان کی صنعتی اور زرعی پیداوار میں ترقی کا راز موجود تھا لیکن ہمارے جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کو بدقسمتی سے راشی کارندوں نے کبھی فوج کے کندھے پر، تو کبھی عدلیہ کے میزان پر اپنے شاندار کوٹھیوں اور لاکھوں روپوں کی تنخواہ اور مراعات کو دوائم بخشا اور عوام کی رگوں سے اس کی محنت کا خون آخری حد تک نچوڑا گیا۔

ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ جہاں اس استحصالی طبقے نے قومی دولت کو طوائف پر لٹائے جانے والا مفت خزانہ سمجھ کر لوٹا تو دوسری جانب پاکستان کا سرمایہ بھی باہر ملک منتقل کرنا شروع کر دیا اور ان لوگوں کی عیاشیوں کا خمیازہ

پاکستان کو ذلیل ترین حد تک مقروض ہونے کی صورت میں ملا اور اندرونی بیرونی قرضوں نے صرف عوام کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا۔

لوٹ کھسوٹ اور کرپشن کی گالی ان سیاست دانوں کیلئے اعزاز بن گئی اور پاکستان کی بقا اور مساوات کے پر فریب نعروں کی وجہ سے ایک غریب شخص کیلئے عزت سے کفن لینا بھی دشوار ہو گیا۔پاکستان کی معیشت پر سب سے بڑا بوجھ یہی لوگ ہیں جو کبھی دفاع پاکستان کے نام پر، تو کبھی معاشی استحکام کے نام پر عوام سے جینے کا حق بھی چھین رہے ہیں۔پاکستان کو معاشی ترقی پر گامزن کرنے کیلئے ضروری ہے کہ عوام ایسی قیادت منتخب کریں جو کم از کم یہ تو جانتی ہو کہ آٹا کتنے روپے کلو میں بکتا ہے۔۔

ملکی بجٹ میں کتنا خسارہ ہوا اور کتنے ملین کا بجٹ ہے اس سے غریب عوام کو سروکار نہیں ہے۔ بلکہ عوام چاہتی ہے کہ جس طرح پارلیمنٹ کے کیفے ٹیریا میں لاکھوں روپوں کی تنخواہ اور مراعات حاصل کرنے والوں ایوان کے نمائندگان کو سبسڈی دے کر سستا کھانا فراہم کیا جاتا ہے اسی طرح بلکتے، روتے محنت کش پاکستانی عوام کو مہنگائی سے بچایا جائے اور شاہانہ اخراجات کم کرکے عوام کو ریلیف دیا جائے۔جاگیر دارانہ نظام کو ٹیکس کے دائرے کار میں لائے بغیر ملکی معیشت کو بیرونی قرضوں سے نجات نہیں مل سکتی۔ عوام کو خود سوچنا ہوگا کہ آخر

کب تک اربوں روپے کلف لگے کپڑوں کے لئے مختص ہوتے رہیں گے اور ان کے پاس سر ڈھاپنے کیلیے دو گز کی چادر تک میسر نہ ہوگی۔ عوام ایک بار جاگیرداروں کو ٹیکس نظام میں لانے کیلیے پاکستان بچاؤ پالیسی اپنالیں تو کوئی وجہ نہیں کہ محکوم پاکستان آزاد نہ ہوسکے۔خدارا! ۔۔۔ بجٹ میں عوام پر رحم کیا جائے !!!

پاکستان کو تنہا کرنے کی پالیسی

جنگ مسئلے کا حل نہیں ہے اور برسا برس کی جنگ کے بعد بھی مذاکرات کے لئے مل بیٹھنا ایک اہم اقدام ہے۔ ہمیں اس بات پر شکوک و شبہات کا اظہار نہیں کرنا چاہیے کہ کیسے رہا کیا جا رہا ہے اور کیسے رہا نہیں کیا جا رہا، لیکن اس بات پر یقین ضرور ہے کہ جب تک سنجیدگی نہیں ہوگی اس کے بغیر پاکستان میں امن قائمنہیں ہو سکے گا۔ گو کہ اطلاعات کے مطابق عسکری و سیاسی میدان مین ڈیڈ لاک کی صورتحال موجود ہے لیکن اس کے باوجود سر جھکا کر تسلیم کر لیا گیا ہے چاہیے کتنی بھی طاقت استعمال کر لی جائے ،مذاکرات کے بغیر پاکستان و افغانستان میں امن کا قیام نا ممکن عمل ہوگا۔ امریکہ کی جانب سے سرحدوں کو سیل کرنے کی تمام اطلاعات صرف اخباری بیانات تک محدود رہی کیونکہ پاک افغان سرحدوں کو سیل کرنے کے لئے اربوں ڈالرز کا سرمایہ لگانے کے علاوہ تیس ہزار فوجی کی تعیناتی بھی ضروریتھی اور یہ عمل پاک، افغان اور امریکہ کی جانب سے اس صورتحال میں نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ایک جانب امریکہ 2014ء میں افغانستان چھوڑنے کی باتیں بھی کر رہا ہے وہ فوج میں مزید کمی کا رسک نہیں لے سکتا

۔

افغان سرحدوں سے پاکستانی علاقوں میں بمباریوں سے ہلاکتیں جہاں ماحول کو کشیدہ بنا رہی ہیں۔ ایک بار پھر باجوڑ کے سرحدی علاقے میں پاکستانی سیکورٹی اہلکاروں پر فائرنگ سے ایک سیکورٹی اہلکار جاں بحق اور ایک زخمی ہوگیا تو دوسری جانب امریکہ کی جانب سے ایک بار پھر پاکستان پر دراندازی کے الزامات اور مدارس کو ملوث کرنے سے امن کے قیام میں مشکلات درپیش آرہی ہیں۔ پاکستان کی جانب سے بھی شمالی وزیرستان میں آپریشن کے حوالے یہی تحفظات ہیں کہ آپریشن کامیاب نہیں ہوسکتا کیونکہ طویل ترین سرحدوں کی نگرانی کے لئے افغان فوج کا کردار مناسب نہیں ہے اور دراندازوں کو پاکستان کی سرحد کے ذریعے داخل ہونے میں ناکامی سے پاکستانی فوج کو ایک بڑے معرکے میں فوج کے بڑے حصے کو ملوث کردینا، مملکت کی دوسری جانب سرحدوں کو کمزور بنا دینے کے مترادف ہوگا جبکہ پاکستان کے طول و عرض میں دہشت گردی کی کارروائیوں کی بناء پر ملکی سلامتی پہلے ہی خطرات میں ہے۔

معاشی طور پر پاکستان کو اربوں ڈالرز کے نقصان کا سامنا ہے، سازش کے تحت اقتصادی شہر کراچی میں سرمایہ کاری بند ہوچکی ہے، بلوچستان علیحدگی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ پنجاب میں کالعدم تنظیموں کے بڑے نیٹ ورک کی وجہ سے بھارت اور فرقہ وارانہ مسالک کی حمایتی عرب وعجم کے ساتھ تعلقات کشیدہ تر ہونے کے خدشات ہمہ وقت موجود ہیں تو اس صورتحال میں جب پاکستان آکیلا

دوسروں کی جنگ کو لڑ رہا ہے اور اب یہ جنگ اس کی اپنی جنگ بھی بن چکی ہے تو افغانستان میں جلد از جلد ار امن کا قیام نا گزیر ہو چکا ہے۔

پاکستان کی جانب سے افغانستان میں قیام امن اور مصالحتی کوششوں میں کچھ طالبان نمائندوں کو رہا کرنے کا عمل بین الاقوامی طاقتوں کی جانب سے دباؤ کا ہی نتیجہ تھی کیونکہ امریکہ افغانستان میں امن قائم کرنے میں ناکام ہو چکا تھا۔ اسلام آباد میں موجود افغان وفد کے اہم رکن نصر اللہ سنکزئی نے بات چیت کیتصدیق تو کی کہ لیکن فہرست میں شامل طالبان کے نام ظاہر نہیں کئے۔ پاکستانی وزارت خارجہ نے طالبان کو رہا کرنے کی تصدیق کردی ہے جبکہ غیر جانبدارا حلقوں کی جانب سے حالیہ عمل کو امن کے قیام کیلئے ناگزیر قرار دیا ہے۔ خود افغان حکام کے مطابق ملا برادر طالبان کے دوسرے گروپس کو امریکہ کے ساتھ مذاکرت کے لئے ایک پُل بن سکتے ہیں کیونکہ امریکہ افغان کی دس سالہ جنگ میں افغانستان ویسا ہی ہے لیکن امریکہ تباہی کے دہانے پر پہنچ چکا ہے۔ جبکہ پاکستان کو امریکہ اتحادی بننے کی بڑی سزا مل چکی ہے۔ اگر اس صورتحال میں افغان رہنما واپس افغانستان جاکر قیام امن کے لئے کوئی کوشش کر سکتے تو یہ کوئی مہنگا سودا نہیں تھا۔ خاص طور پر ملا ترابی جو طالبان سوچ اور نظریات کے کٹر حامی بتائے جاتے ہیں۔ ملا ترابی، ملا عمر کے انتہائی قریبی ساتھیوں میں بھی شمار کئے جاتے ہیں۔ ملا ترابی طالبان میں شمولیت سے قبل

حرکت انقلاب اسلامی اور مولوی عبدالرسول سیاف کی اتحاد اسلامی سے تعلق رکھتے تھے 80 کی دہائی میں مجاہدین کے ساتھ روسی افواج کے خلاف جہاد میں لڑتے ہوئے وہ اپنی ایک آنکھ اور ایک ٹانگ سے محروم ہوگئے تھے۔ ملا ترابی کو کراچی سے 2007ء میں گرفتار کیا گیا تھا۔حالاں کہ اس سے قبل سابق وزیر خارجہ وکیل احمد متوکل اور پاکستان میں طالبان سفیر ملا ضعیف کو طالبان نے رہائی کے بعد قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے کے ناظم الامور رچرڈ ہوگلینڈ نے تسلیم کیا ہے کہ افغانستان کے مفاہمتی عمل میں پاکستان کا کردار اہم ہے۔انھوں نے افغان اعلی امن کونسل اور پاکستان عہدے داروں کے کامیابمذاکرات کو مثبت پیش رفت قرار دیا ہے۔امریکہ کی جانب سے طالبان قیدیوں کی رہائی کے عمل کی حمایت سے قبل یقینی طور پر امریکہ نے پس پردہ اس کی حمایت کی ہوگی کیونکہ پاکستان اور افغانستان میں اتنی طاقت فی الحال نہیں ہے کہ امریکہ کی مرضی کے بغیر کچھ کر سکیں ۔ ہمیشہ سفارتی بیک ڈور چینل میں خفیہ سفارت کاری میں کامیابی کے بعد ہی دنیا کے سامنے اداکاری کی جاتی ہے کہ فلاں میٹنگ کے بعد یہ فیصلہ ہوا ہے ۔ تاہم عام عوام کو اس سے غرض نہیں ہے کہ مذاکرات کی موجودہ صورتحال میں کس کا کیا کردار اہم ہے۔

پاک افغان عوام ہر صورت اپنے ممالک میں امن کے خواہاں ہیں اور امریکہ سمیت نیٹو افواج کی اپنے ممالک میں لاحاصل جنگ کے بعد واپسی چاہتے ہیں۔افغانستان میں اب بھی کچھ ایسے عناصر موجود ہیں جن کا مفاد جنگ سے وابستہ ہے، لیکن اپنی مملکت کے لئے آزادی کی جنگ لڑنے والے یقینی طور پر چاہتے ہیں کہ ان کے ملک میں کسی بھی دوسرے ملک کی دخل اندازی نہ ہو، افغانستان میں دس سال تو کیا سو سال جنگ کے بعد سب کو مذاکرات کی میز پر بیٹھنا ہوگا۔

پاکستان کا وجود جب تک ہے امریکہ سمیت پوری دنیا کو اس کے کردار کو تسلیم کرنا ہوگا اور ماضی میں پاکستان کا جو بھی کردار رہا ہو اس سے قطع نظر آج کا پاکستان ماضی کے مقابلے میں خون میں لت پت اور دہشت گردی کے ریگستان میں دھنسا ہوا ہے۔ 80 کی دہائی میں پاکستان کا کردار جیسا بھی تھا لیکن اب سابقہ پالیسوں کو جاری رکھنے کا مطلب پاکستان کے موجودہ حصے کو بھی کھو دینا ہے۔ اگر پاکستان کو پنجاب تک محدود نہیں رکھنا اور قائداعظم کے اس بچے کچے پاکستان کو سلامت رکھنا مقصود ہے تو پھر پاکستان کو اپنی خارجہ پالیسوں میں تبدیلی کرنا ہوگی۔ 80 کی دہائی کے تجربات نے پاکستان کا نقشہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ کراچی، بلوچستان، خیبر پختونخوا سنگین مسائل کے ساتھ پاکستان کی بقا کے لئے سنجیدگی کے متقاضی ہیں۔

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ بین الاقوامی قوتیں پاکستان کی سلامتی کے خلاف ایسے شر پسند عناصر کی حوصلہ افزائی کر رہی ہیں جو پاکستان کو غیر مستحکم کرنا چاہتی ہیں۔ پنجاب کا نام اگر پاکستان رکھنا ہے تو پھر جو ماضی میں پاکستانی خارجہ پالیسی رہی تو پھر جاری رکھو ۔ لیکن پاکستان کو مضبوط بنانا ہے تو پہلے گھر میں لگی بجھانے کے لئے اسباب پیدا کئے جائیں ۔ طاقت کے استعمال میں جب دنیا کے بڑی قوتیں دس سالوں میں ناکام ہو چکی ہیں تو پاکستان آکیلا کس طرح مقابلہ کر سکتا ہے ۔افغان طالبان ، افغانستان کے نمائندے ہیں ان سے مذاکرات اہم پیش رفت ہے ۔ ہمیں اپنے رویوں میں تبدیلی لانا ہوگی ۔ یہ خطے میں امن سے زیادہ خود ہماری سر زمین کے لئے ضروری ہے۔

ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ افغان صدارتی انتخابات میں پاکستانی حامی گروپ کو کامیابی نہیں مل رہی اور بھارت ایشیا میں افغانستان کو سب سے زیادہ امداد دینے والا ملک ہی نہیں بن چکا بلکہ افغانستان میں لاتعداد حساس پراجیکٹ پر افرادی و عسکری معاونت بھی فراہم کر رہا ہے ، بلکہ افغانستان کو روس کی جانب سے اسلحہ مہیا کرنے پر اپنے خزانے سے رقم دینے کا معاہدہ بھی منظر عام پر آچکا ہے لہذا جہاں ایک طرف بھارت، پاکستان کو تنہا کرنے کی پالیسی پر کاربند ہے تو ہمیں بھی اس معاملے پر سنجیدگی اختیار کرنی چاہیے اور جلد از جلد اندرونی معاملات کو نپٹا کر بیرونی خدشات پر توجہ مرکوز کر

لینی چاہیے۔

پولیو کا خطرناک میدانِ جنگ

ٓعالمی ادارہ صحت نے پاکستان پر پولیو وائرس کے پھیلاؤ کے حوالے سے خطرناک ملک قرار دیتے ہوئے سفری پابندیاں عائد کر دیں ہیں۔ڈبلیو ایچ او نے پولیو کے پھیلاؤ کو صحت عامہ کے معاملے میں عالمی ایمرجنسی قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان کے شہریوں پر بیرونِ ملک سفر سے قبل پولیو سے بچاؤ کی ویکسین پینا لازم قرار دیا جائے۔دلچسپ بات یہ ہے کہ ادارے نے نئی ہدایات دیں ہیں بیرون ملک سفر کرنے والے افراد کم از کم چار ہفتے اور زیادہ سے زیادہ ایک برس قبل انسداد پولیو کی ویکسین لازمی پینی ہو گی اور انھیں تصدیقی سرٹیفیکیٹ بھی لینا ہوگا۔ وجہ اس کی یہ بتائی گئی اور یہ رپورٹ منظر عام پر لائیں گئیں کہ پاکستان میں 600 فیصد پولیو کیسوں کا اضافہ ہوا ہے۔سنہ 2013ء اپریل میں کل آٹھ کیس منظر عام پر آئے تھے جبکہ اس کے بعد 56 کیسز منظر عام پر آ چکے ہیں۔

پاکستان گذشتہ کئی دہائیوں سے عالمی جنگ کا میدان بنا ہوا ہے اور اس ناگفتہ صورتحال کے سبب خیبر پختونخوا اور خاص طور قبائلی و کراچی کے مخصوص علاقے شدت پسندی کے آسیب میں بُری طرح جکڑے ہوئے ہیں۔ کراچی کے باون علاقوں کو

طالبان نے اندرونی و بیرونی کمک سے اپنے کامل اختیار میں کر لیا ہے۔ محفوظ علاقوں میں چڑیا بھی پَر نہیں مار سکتی۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی گاڑیاں تو بہت دور کی بات ہے۔ حیلیے سے سیکورٹی ایجنسی کا اہلکار لگنے والے یا مخبر کو فوری طور پر مار دیا جاتا ہے۔ عام رائے کیمطابق بین الاقوامی قوتیں کراچی میں طالبان کے سیٹ اپ سے آگاہی حاصل کرنے کیلئے شکیل آفریدی کی طرز پر پولیو مہم چلا رہی ہے۔ اس لئے کراچی کے مقبوضہ علاقوں میں پولیو ورکرز کو نشانہ بنانے سے پہلے تنبیہ کر دیتی جاتی ہے، ادراہ عالمی صحت کے مطابق ابھی تک پولیو ٹیموں پر مختلف حملوں میں 59 ورکروں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ لیکن اس کے باوجود بھی امریکی نگرانی میں یو ایس ایڈ، بلیک واٹر اور فری میسن کے اہلکار معصوم بے روزگار پولیو ورکرز کو آگے کر دیتے ہیں۔ جبکہ خیبر پختونخوا میں جب سے شکیل آفریدی نے پولیو مہم کے آڑ میں جاسوسی کی، جب سے عوام کے درمیان ان عالمی اداروں پر اعتماد ختم ہو چکا ہے۔ ان عالمی اداروں نے پولیو ویکسین کے حوالے سے تمام پروگرامنگ کو اپنے ہاتھوں میں ہی رکھا ہوا ہے اور گھر گھر پولیو کے ویکسین پلانے کے ذمے داری خود عالمی صحت کے ادارے نے اٹھائی ہوئی ہے، اس صورتحال میں حکومت کی جانب سے سیکورٹی طلب کرنے پر انھیں سیکورٹی بھی مہیا کی جاتی رہی ہے، پولیو ٹیموں کو سیکورٹی دینے کیلئے قانون نافذ کرنے والے اداروں نے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا ہے۔ جس کی مثال پاکستان کے قبائلی علاقے خیبر ایجنسی کی تحصیل

جمرود کے دور افتادہ علاقے لاشوڑہ ہے جہاں دو بم دھماکوں سے 13 سیکورٹی اہلکاروں شہید ہوئے جو پولیو ٹیم کی حفاظت پر معمور تھے۔

بد قسمتی سے ملک میں امن و امان کے حوالے سے پیدا شدہ یہ تمام صورتحال بھی اقوام متحدہ کی امریکہ نواز پالیسوں کی پیدا کردہ ہی ہے جنھوں نے پاکستان کو عالمی جنگ کا اکھاڑہ بنا ڈالا ہے۔بدامنی کے سبب علاقوں سے مسلسل نقل مکانی کا سلسلہ بھی ان ہی وجوہات کی بنا پر ممکن ہوا ہے، نیز عالمی ادارہ صحت کی جانب سے پولیو کے حوالے سے مذہبی حلقوں کو اعتماد میں نہ لینا بھی سب بڑی خرابی و خامی کی صورت میں سامنے آچکی ہے۔اگر یہ نام نہاد فلاحی تنظیمیں اور راک فیلرز کی نگرانی میں چلنے والا عالمی ادارہ صحت اتنا ہی مخلص ہوتا تو پاکستان بھر میں متعدد ایسے موذی امراض ہیں جن پر قابو پانے کی ضرورت ہے لیکن سینکڑوں بچے ویکسین نہ ملنے کی وجہ سے مر جاتے ہیں لیکن ان کی کان پر جوں نہیں رینگتی۔پولیو مہم کی نگرانی بین لااقوامی ادارے بذات خود کر رہے ہیں، پولیو کے گڑھ پشاور اور قبائلی جنگ زدہ علاقوں کا علاوہ ان کا فوکس کراچی کے وہ باون علاقے ہیں جہاں ان کے بقول القاعدہ، طالبان کے رہنما موجود ہیں۔

چونکہ بین الاقوامی اسٹیبلشمنٹ کا بیک ایپ پروگرام بھی ساتھ ساتھ چل رہا

ہوتا ہے اس لئے اپنے خفیہ پروگرام کے تحت وہ ملکی استحکام اور بقا کے خلاف ملکی غداروں کے ساتھ ملکر ایسی صورتحال پیدا کر دیتے ہیں کہ ایک امت مسلمہ، گروہ در گروہ میں بٹ جاتی ہے۔ انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبیون کی ایک رپورٹ کے مطابق افغانستان میں غیر ملکی افواج ے حوالے سے بعد کے حالات سے نمٹنے کیلئے تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ تو دوسری جانب افغان طالبان نے کُنڑ کے علاقے میں فتوی جاری ہوا ہے کہ " افغان شہریوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ افغان فوجیوں اور پولیس والوں پر حملے کریں کیونکہ یہ کافر ہیں۔" برگیڈ کمانڈر ایک اسکول کی عمارت میں جمع قبائل سے خطاب کے دوران کہتا ہے کہ "آؤ فیصلہ کریں کہ باغیوں کے برعکس ہم فوجی کیا کرتے ہیں۔۔ ہم امن کے خواہاں ہیں، ہم پختہ سڑکیں اور بجلی چاہتے ہیں، لیکن اس کے برعکس باقی کیا کرتے ہیں وہ سڑکیں برباد کر دیتے ہیں اور اسکول تباہ کر دیتے ہیں ہماری مسجدوں میں آکر خود کشی کرتے ہیں اب آپ خود ہی انصاف کریں کہ مسلمان کون ہے ؟۔ افغان کمانڈر امریکی غلامی اختیار کرتے ہوئے، افغان سرزمین کی جنگ پر قابض امریکہ اور برطانیہ کے ساتھ جنگ میں مشغول ہیں تو دوسری جانب امریکہ اور نیٹو افواج اپنے انخلاء کے بعد اس پروپیگنڈے کے ذریعے افغانستان میں فرقے کے نام پر خانہ جنگی کرانے کے منصوبے پر تندہی سے مصروف ہے۔ افغانستان میں بھی پولیو مہم کی ناکامی کی سب سے اہم وجہ جنگی حالات ہیں۔

پشاور، کوئٹہ کے ساتھ کراچی میں ایک جنگ امریکی مفادات کے خلاف چھیڑنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ امریکہ کو محفوظ راستہ دینے کے لئے یہودی نواز اور چندے سے بننے والی تحریک انصاف کو خیبر پختونخوا میں حکومت سازی ملی ۔ تحریک انصاف خیبر پختونخوا میں اپنی منشور کے مطابق ابھی تک ایک قدم پر آگے نہیں بڑھ سکی ہے ۔ عمران خان کی تحریک انصاف خیبر پختونخوا سے امریکی و برطانوی لاؤ لشکر کو محفوظ طریقے سے پنجاب سے پار کرا رہی ہے تو دوسری جانب کراچی کے مقبوضہ علاقوں میں نیٹو کے ساز و سامان پر جنگ کو روکنے کیلئے فرقہ وارانہ سازش پایہ تکمیل تک پہنچائے جا رہی ہے۔

پولیو ویکسین مہم کی ناکامی بنیادی سب اہم وجہ با قاعدہ محکمے کا قیام نہ ہونا بھی ہے ، چھوٹی عمر کے بچوں کو معمولی معاوضے کے عوض گھر گھر بھیجا جاتا ہے ،یا پھر اسکول میں تعینات ٹیچرز کو زبردستی اس مہم میں جھونک دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کارکنوں میں بد دلی پھیلی ہوتی ہے اور وہ کماحقہ اپنی خدمات سرانجام دینے سے کتراتے ہیں۔غیر تربیت بچوں کے ہاتھوں اس اہم ذمے داری کو سرانجام دینے کی روش نے بھی پاکستانی عوام میں غیر سنجیدگی کو جنم دیا اور ٹیچرز کی جانب سے اپنی ڈیوٹیوں کے بجائے معمولی مشاہرے پر گھر گھر جا کر فیلڈ ورک کرنے سے بھی اس مہم کو نقصان پہنچا ہے۔عالمی ادارہ صحت نے پاکستان کے زمینی حقائق کے برخلاف عام دیگر ممالک کے طرز پر از خود پولیو

مہم چلانے کی کوشش کی اور اب اپنی ناکامی کا ملبہ پاکستان کی جملہ عوام پر ڈال کر اپنی سبکی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

عالمی ادارہ صحت کو پاکستان سے جڑے ملک افغانستان کا معاملہ بھی ساتھ دیکھنا چاہیے تھا کہ امریکہ اور نیٹو افواج کی جارحیت کی وجہ سے افغان سرزمیں مسلسل بدامنی کی لپیٹ میں ہے اور وہاں کی عوام کو گوشہ سکون میسر نہیں ہے۔ لہٰذا اس صورتحال میں کہ جب افغان مہاجرین کی بہت بڑی تعداد پاکستان میں موجود ہے اور پاک، افغان کی 2600 کلومیٹر سرحد سیل نہیں ہے تو اس صورتحال میں سو سال بھی پولیو مہم کماحقہ کامیاب نہیں ہو سکتی۔ عالمی ادارہ صحت کو سب سے پہلے دونوں ممالک میں قیام امن کے لئے اپنا کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ امریکہ اور نیٹو ممالک کو ترقی پذیر ممالک میں جارحیت کرنے سے اس لئے روکے کیونکہ اس عمل سے کروڑوں کی آبادی نقل مکانی پر مجبور ہوتی ہے اور صرف پولیو ہی نہیں بلکہ دیگر موروثی بیماریوں کے پھیلاؤ کا سبب بھی بنتی ہیں۔ قانونی طور پر سفر کرنے والے پہلے ہی کئی موذی بیماریوں کے حوالے سے بین الاقوامی قوانین کی پاسداری کر رہے ہیں، ایک اور سرٹیفیکٹ سہی، لیکن جو غیر قانونی طور پر نقل مکانی کا سبب بنتے ہیں اس کے لئے عالمی ادارے کیا کوئی ٹھوس منصوبہ بندی رکھتے ہیں ؟۔

افغان ساڑھے تین ہزار سال سے زائد کے حکمران

مسلمانوں کی حکمرانی کی تاریخ کے حوالے سے جب تذکرہ کیا جاتا ہے تو عمومی طور پر مغلوں کی حکمرانی کو سب سے طویل دور کے طور پر یاد کیا جاتا ہے، جو غلط فہمی پر مبنی ہے۔ مورخین کی تحقیق کی مطابق افغانوں کی حکمرانی کی ابتدا کا تعین 300ء سے ہوتا ہے، تاہم یہ قدیم تر تو ہو سکتی ہے لیکن اس کے بعد اگر ہو بھی صدیوں کا نہیں دہائیوں کا فرق ممکن ہے۔ ہر چند حکمرانی کا آغاز 300ء سے ہوا تھا لیکن 1700.برسوں میں افغانستان، ایران، سلطنت دہلی اور برصغیر کے مختلف علاقوں میں یہ مدت 3561 سال ہے۔ جو اہل روم کی لگ بھگ 250 ق م سے شروع ہونے والی 1530ء اختتام تک پہنچنے پر چھوٹی چھوٹی برائے نام رہاستوں پر بھی فرانس نے 1768ء میں قبضہ کرلیا 1841ء میں پاپائیت کی حکومت کی بحالی کے بعد آج تک حکمرانی کی مدت دو ہزار دو سو دس 2010.برس بنتی ہے (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد اول)۔ افغانستان جنگی بد حالی کے بعد پسماندہ، کنگال، نصف سے زیادہ غلام اور کچھ مکمل غلام ایک ہی مملکت کے افغانوں کی آج کی بقایا دنیا کی ترقی یافتہ طاقتور، دولت مند صنعت و حرفت، سائنس اور ٹیکنالوجی کے اعتبار سے بام عروج پر دنیا کی کافی مملکتوں کا افغانوں کی حکمرانی کی ابتداء کے دوران نام و نشان تک نہیں تھا۔ جاپان میں باقاعدہ

حکومت کا آغاز 360ء میں ہوا۔ ہسپانیہ 507ء ، عرب میں خلافت 632ء میں شروع ہوئی 1258ء میں ہلاکو خان نے اس حکومت کا خاتمہ کرڈالا۔ 756ء ہشام کے پوتے عبد الرحمان نے اموی حکمرانی کی بنیاد ڈالی، 1492ء بو عبداللہ حاکم غرناطہ کو فرڈننڈ نے شکست دی۔ اموی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ بیسویں صدی میں سعودی عرب کے علاوہ چھوٹی موٹی عرب حکومتیں 1928ء میں معرض وجود میں آئیں ، ان ریاستوں میں اب بھی عرب کی حکمرانی ہے، عربوں کی حکمرانی کی مدت 1441ء برس بنتی ہے۔ ایران میں با قاعدہ حکمرانی کا آغاز 550ق م تا 330ق م ، دوسرا دور 226ء تا 651ء تیسرا دور 1500ء تا 1700ء رہا، کل ملا کر 2071 برس ایرانی حکومت کا راج رہا۔ یہاں ذکر مسلمانوں کی حکمرانی کے اعتبار سے کیا جارہا ہے ، کیونکہ تاریخ سے ناواقفیت کی بناء پر یہی خیال گردانا جاتا ہے کہ مغلیہ دور سب سے زیادہ مسلمانوں کی حکمرانی کا تھا جبکہ پوری دنیا میں رومیوں کے حوالے سے سمجھا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے طویل حکومت 2210ء برس رومیوں نے کی۔ حالاں کہ افغانیوں نے 3561 سال حکومت کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے سپہ سالار سعد بن اب وقاص نے ایران کو 635ء میں فتح کیا اور افغان حکومت حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے ادوارِ خلافت 644-656ء اور اس کے بعد 661 ء میں مشرف بہ اسلام ہوئی، اس طرح ایرانیوں نے بہ حیثیت مسلمان 500 برس اور افغانوں نے 3200 برس حکومت کی۔ فرانس میں مستقل حکمرانی کا آغاز چارلس اعظم یا شارلیمان کے عہد 771ء تا 814ء سے ہوا۔

لیکن چارلس اعظم نے اپنی وسیع وعریض مملکت کو اپنی ہی زندگی میں خانہ جنگی سے روکنے کی غرض سے تین بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ وینس میں 687ء میں باقاعدہ حکمرانی کا آغاز ہوا۔ اس سے قبل جرمن کے قبیلے کارولنجی کے پیپن دوئم نے 687ء میں، اس کے بعد چارلس مارٹل نے 741ء تک حکومت کی۔ مستقل حکمرانی شارلیمان کے پوتے لوئی کے دور میں 843ء جرمن حکومت کے آنے والے حصے ہوا۔ برطانیہ میں مستقل حکمرانی کا آغاز الفریڈ اعظم کے دور (871ء ۔ 899ء) سے ہوا البتہ جو خاندان برطانیہ میں اب تک حکمران چلا آ رہا ہے، اس کا بانی نارمنڈی کا ناجائز جرمن نژاد نواب ولیم فاتح تھا جس نے 1066ء برطانیہ پر قبضہ کیا تھا۔ ناروے، ڈنمارک، سویڈن میں نوے نے حکمرانی کا آغاز کیا۔ سسلی میں جرمن vikings اور دسویں صدی کے دوران جرمن نارمن قبیلے نے دسویں صدی میں حکمرانی کا آغاز کیا، روس، سرویا ہنگری، بلغاریہ اور پولینڈ میں بالترتیب 880ء، 906ء اور 1036ء میں باقاعدہ حکمرانی کا آغاز ہوا۔ آئیر لینڈ میں جرمن قبیلے نے جو برطانیہ کے حکمران تھے 1171ء میں حکمرانی کا آغاز کیا۔ منگول یا تاتار نے 1206ء تموچن کے چنگیز خان (اعظم) بن جانے کے عہد سے حکمرانی کا آغاز کیا۔ پرتگال میں 14 اگست 1385ء میں حکمرانی کا آغاز ہوا۔ (حوالے جات ولیم ایل ایلنگر کی تاریخ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم مترجم غلام رسول مہر ناشر، شیخ غلام علی سنز لاہور۔ لاہور جلد اول و دوئم تصنیف 1940ء ترجمہ 1958ء)۔ مغل حکمرانیوں میں 1526ء، 1538ء، 1567ء زنانہ حکومت کے خاتمے

کے بعد 1712ء سے 1722ء تک عبد اللہ برادران بادشاہ گروں کے تسلط میں رہے شاہ عالم ثانی 1762ء سے بہادر شاہ ثانی 1857ء تک مغل وظیفہ خوار تھے، خود مختیار اور مضبوط حکمرانی 1564ء سے اورنگ زیب کی وفات 1707ء تک 133 برس کی رہی۔ (تاریخ پاک و ہند ص 13 تا 188)۔ امریکہ 1789ء جارج واشنگٹن نے پہلے صدر کی حیثیت سے حکمرانی کا آغاز کیا۔ پاکستان 1947ء بنگلہ دیش 1971ء جبکہ بھارت میں 1762ء مغلوں کے وظیفہ خور بننے کے سبب پاکستان کو 14 اگست 1947ء میں 181 برس بعد خود مختیار آزاد حکمرانی ملی۔ شمالی کوریا اور جنوبی کوریا 15 اگست 1948ء میں قائم ہوئیں۔ دیگر ممالک آسٹریلیا، جنوبی افریقہ، الاسکا، کیوبا، کولمبیا، وینزیلا، پیرو، ارجنٹائن، ویتنام وغیرہ میں بھی بعد میں اس ضمن میں آتے ہیں لیکن مقصود یہاں افغانوں کی حکمرانی کا ہے اس لئے اجمالی جائزے میں بالا ممالک کا ذکر کیا۔ افغانوں نے 300ء سے 2001ء تک 3561ء برس حکومت کی۔ افغانستان پر قبیلہ سوری کے مختصر ذکر تاریخ فرشتہ جلد اول میں مل جاتا ہے۔ (افغانستان کا قدیم نام آریانا ہے)۔ موجودہ افغانستان کے بانی میں قطب خان، حاجی جلال خان، عمر خان اور دیگر سے شجرہ شروع ہوتا ہے جو 1708ء سے 2001ء تک پھیلا ہوا ہے۔ افغان انقلاب میں نور محمد ترکئ کو بانی انقلاب 1978-1979ء، حفیظ اللہ امین صدر روزہ حاکم 1979ء۔ روس کی جارحیت کے بعد افغانوں نے اپنی سرزمین کی حفاظت کیلئے جنگیں لڑیں، ڈاکٹر نجیب اللہ 1987ء تا 1992ء تک رہے جبکہ گلبدین حکمت یار بحثیت وزیر اعظم 1993 - 1994ء

پھر افغانستان میں طالبان مسند حکمرانی پر براجمان ہوئے جن کا دور 1994ء سے
ء تک رہا۔2001ء امریکی جارحیت کے بعد سے افغانستان میں حامد کرزئی کی 2001
شکل میں امریکی پھٹو حکومت افغانستان کی آزادی میں حائلے اور اپنے ہی افغانوں کا
خون ڈالروں کی لالچ میں بہاتے۔13 سالہ امریکہ جنگ میں شکست کے بعد پسپا ہو کر
ء تک افغانستان سے واپسی کی راہ تک رہے ہیں اور ان کے زیر استعمال سامان 2014
پشاور کے بارار میں فروخت ہونا شروع ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں میں مغلیہ دور حکومت
اصل حکمرانی ماہم انگا حمیدہ بیگم کی زنانہ حکومت سے شروع ہوئی۔ مغلیہ حکمرانی میں اکبر
بادشاہ، جہانگیر اور شاہجہاں کے علاوہ عالمی معیار کے کسی حکمران کا تذکرہ نہیں آتا۔
زیادہ تر حکمران وظیفہ خور اور لال قلعہ کی حد تک محدود تھے، جبکہ عالمی سطح پر سائرس
اعظم، سکندر اعظم، ہینی پال، اشوکا، چنگیز خان، نپولین، لینن، اسٹالن یا ہٹلر تو کیا
علاؤالدین خلجی یا شیر شاہ سوری تک کو پیدا نہیں کر سکے۔ ہندوستان میں ہی افغانوں نے
مختلف ادوار میں سلطنت دہلی پر 137 برس کے علاوہ ہندوستان کے بیشتر علاقوں پر
برس حکومت کی، مثلاً بنگال، اڑیسہ مالوہ، مکمل پنجاب، مکمل کشمیر، جون پورہ، 2180
بوپال اور جوناگڑھ وغیرہ شامل ہیں۔ مندرجہ بالا حکمرانی کے علاوہ افغانستان پر
برس، ایران پر 8 برس اور ایران کے بعض علاقوں پر 51 برس کل ملا کر 11853561
برس افغان حکمران رہے ہیں۔ اس مختصر سے ثقیل تاریخ کا ذکر کرنا اس لئے مقصود تھا
کہ امریکہ یہاں زمینی حقائق کے برعکس

مغربی نظام لانے کا خواہاں ہے اور اس کی ایک کوشش وہ پہلے بھی کرچکا ہے، جو بدترین کالے انتخابات کے طور پر افغانستان کی تاریخ کا سیاہ باب بن چکے ہیں۔افغانستان کی عوام کو اپنی فیصلوں اور طرز حکمرانی کا اختیار ہے اس لئے یہاں انتشار کیلئے لڑو اور حکومت کا فارمولہ دینے کے بجائے، دنیا میں امن کا خواہاں ہے تو افغانستان کی عوام کو اپنے حکمران کے لئے صدیوں کی روایات کے مطابق فیصلہ کرنے دیں اور خاموشی سے اپنے بچے کچے فوجیوں اور اتحادیوں کو واپس ان کے بچوں کے پاس ویڈیو گیم کھیلنے کیلئے گھروں میں بھیج دیں۔افغانستان دنیا کی قدیم ترین حکمرانی کی مسلسل ریاست کا نام ہے ۔وہ اپنے فیصلے کرنے بخوبی جانتے ہیں امن کیلئے یہی بات اہم ہے کہ سلیقہ حکمرانی صدیاں حکمراں رہنے والے جانتے ہیں لہذا خود غلام و محکوم رہنے والے ممالک انھیں کیا سیکھا سکتے ہیں۔

پاک فوج کو متنازع بنانے سے گریز کریں

دنیا بھر میں کسی سیاسی حکومت میں اُس مملکت کی فوج کی مداخلت کا تصور صرف پاکستان تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ایسا کبھی اور کہیں بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ پاکستان کے علاوہ کسی اور مملکت کی فوج نے اپنی ریاست میں سیاسی مداخلت نہ کی ہو۔امریکہ جیسے ملکمیں 1960ء کی دہائی میں جب امریکہ اور سوویت یونین کے تعلقات انتہائی کشیدہ تھے تو سوویت یونین نے کیوبا میں میزائل نصب کرادیئے ، جس سے امریکہ کی سلامتی کو سنگین خطرات درپیش ہوگئے ، اس مسئلے نے امریکہ کی سیاسی اور فوجی قیادت کے درمیان بحران پیدا کردیااور شدید تناؤ کی کیفیت پیدا ہوگئی۔امریکی صدر کینڈی مسئلے کاپُرامن حل چاہتے تھے جبکہ امریکی فوج کے جرنیل انھیں کیوبا پر ایٹمی حملہ کا مشورہ دیتے رہے لیکن صدر کینڈی کے انکار کی وجہ سے وہ امریکی فوج میں انتہائی غیر مقبول بن گئے یہاں تک کہ صدر کینڈی کو روسینژاد امریکی نوجوان اوسوالڈ نے گولی مار کرہلاک کردیا۔امریکہ میں فوج ، سی آئی اے اور دیگر خفیہ ادارے اتنے طاقتور ہیں کہ صدر اوباما اپنے وعدے کے مطابق بدنام زمانہ گوانتا موبے کا نسانیت سوز قید خانہ بھی نہیں بند کراسکے۔

دیکھنا یہ ہے کہ پاکستان میں فوجی مداخلت کے اسباب کہاں سے پیدا ہوئے ؟۔ تحریک پاکستان کے وقت تاجِ برطانیہ کی وفادار فوج، عوام کی حفاظت کے بجائے تاج برطانیہ کے دفاع کے لئے تخلیق کردہ اور تربیت یافتہ تھی، چنانچہ فوج میں آقا اور غلام کی مناسبت سے تربیت بھی ایسی نوع کی گئی تھی، 1947ء میں جب بٹوارہ ہوا تو پاکستان کے پاس کوئی خفیہ ایجنسی تک نہیں تھی بلکہ ایک انٹیلی جنس اسکول تھا، جس کے سربراہ نے بعد میں آئی ایس آئی کی بنیاد رکھی۔ 1947ء کے صرف دس بعد جنرل ایوب نے 1958ء میں ملک کا پہلا مارشل لاء ایجاد کردیا، بلاشبہ ملک سیاسی عدم استحکام کا شکار تھا، اور سیاسی عدم استحکام پاکستان کا جزو لاینفک بن چکا ہے اور بد قسمتی سے ابھی تک ایسا موقع قوم کو میسر نہیں آیا کہ " ملک نازک دور سے اب نکل چکا ہے"۔ سیاسی عدم استحکام کی بنا پر ہی جنرل ایوب، جنرل ضیاء الحق اور جنرل مشرف نے اپنی اپنی مسلم لیگیں " ایجاد" کیں، جنرل یحیٰی نے 1970ء میں انتخابات کرائے لیکن خود ہی اس کے نتائج تسلیم نہیں کئے اور اکثریتی جماعت عوامی لیگ کو اقتدار منتقل نہیں کیا۔ یہ ناقابل تردید ہے کہ فوج نے پاکستان کے اقتدار کے تخت پر سیاسی جماعتوں سے زیادہ حکمرانی کی حالاں کہ پاکستان کی تخلیق میں عسکری فوج کا کوئی کردار نہیں تھا، لیکن عمومی طور پر پاکستان کی زمینی سرحدوں کے ساتھ نظریاتی سرحدوں کی حفاظت پاک فوج کے کندھوں پر رکھے جانے کی روش برقرار رکھی گئی، جیسے لاکھوں انسانوں کی جانوں کی قربانی میں تاج

برطانیہ کی وفادار فوج نے بھی قائدِاعظم کا ساتھ دیا ہو۔ دراصل ہمیشہ سیاسی قیادت اور سیاسی جماعتوں کی کمزوری نے فوج کو اقتدار پر قبضے کیلئے اکسایا، قائدِاعظم کی وفات کے بعد لیاقت علی خان کی شہادت نے مملکت میں قومی سیاسی قیادت کا بہت بڑا بحران پیدا کردیا جو ہنوز پُر نہیں ہو سکا ہے۔

پاک فوج کے ساتھ پاکستان عوام کی جذباتی والہانہ وابستگی کی بنیاد وجہ پاک، بھارت جنگیں ہیں جس نے پاکستانی عوام کو فوج کے انتہائی قریب کردیا۔ خاص طور پر 1965ء کی جنگ میں غیر معمولی فتح کے بعد پاکستانی عوام اپنے متعدد مسائل کے حل کیلئے فوج کی جانب دیکھنے پر مجبور ہوئی، حالاں کہ 1971ء کی جنگ میں پاکستان کو مشرقی محاذ پر ہولناک شکست ہوئی کہ اُس کا ایک بازو بھی کٹا اور نظریہ پاکستان بھی دریائے بنگال میں بُرد ہوا، نیز سیاچن اور کارگل کے محاذ پر بھی ہزیمت کا سامنا ہوا لیکن میڈیا نے پاک فوج کا امیج 1965ء کی سطح پر برقرار رکھا اور عوام کے سامنے پاک فوج کا تصور ایک ناقابل تسخیر فاتح کی صورت میں ہی رہا۔ یہی وجہ تھی کہ ملک کی بیشتر سیاسی جماعتوں نے فوج کی آشیرباد سے اقتدار حاصل کیا، یہاں تک کہ بین الاقوامی جنگ کا محاذ بھی پاکستان میں جنرل ضیاء الحق کے دورِ آمریت میں کھول دیا گیا اور مسلمانوں کو اسلام کے نام پر امریکہ کے ہاتھوں فروخت کرکے پرائے گھر میں آگ لگا دی جس کی چنگاریوں سے اب پاکستان کا آشیانہ بھی جھلس رہا

ہے۔

معاشرتی زندگی میں حکومتی اداروں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن کس ملک میں کس قسم کی مملکت ہونی چاہیے اور حکومت و عوام کے درمیان کا تعلق کیا ہونا چاہیے اس قسم کے سوالات کے جوابات کم و بیش مغربی ممالک نے حل کردیئے ہیں لیکن بد قسمتی سے پاکستان میں سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے حل طلب ہیں۔اگر اکتوبر1958ء میں اسکندر مرزا حکومت برطرف کرکے مارشل لاء نہ لگاتے تو ان کے ساتھ صرف تین ہفتے بعد ایسا ہی واقعہ درپیش نہ ہوتا اور جنرل ایوب مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے ساتھ ساتھ صدر پاکستان کبھی نہ بنتے۔سقوط ڈھاکہ سے لیکر بھٹو کے سیاسی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بننے اور پھر اس کے بعد ان کے چہیتے جنرل ضیاالحق کا طویل گیارہ سالہ دور اور نواز شریف کے چہیتے جنرل پرویز مشرف کا 12 اکتوبر کو اقتدار پر قابض ہونا، یہ سب سیاسی عدم استحکام کی سبب ہی ممکن ہوا۔

ہمیں ماضی سے سبق حاصل کرنا چاہیے کہ پہلی بار جمہوری حکومت نے اپنی مدت معیاد مکمل کرکے جیسے تیسے اگلی جمہوری حکومت کو اقتدار پُرامن طریقے سے منتقل کیا۔اب ہمیں ہوش کے ناخن لیتے ہوئے نوزائیدہ جمہوری حکومت کی مضبوطی کیلیے کوشش کرنی چاہیے لیکن دوسری جانب شیخ صاحب اور خان صاحب نے وہی اطوار

دوبارہ اختیار کر لئے ہیں جس کا خمیارہ ہمیشہ عوام بھگتی آئی ہے۔ بلاشبہ پاک فوج دنیا کی بہترین افواج میں شمار ہوتی ہے، آئی ایس آئی دنیا کی نمبر ون خفیہ ایجنسی ہے، افواجِ پاکستان کے تمام ادارے محبِ وطن اور دشمنوں کے دانت کھٹے کرنے کی اعلیٰ ترین صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہماری بہادر فوج کے ہر جوان میں جام شہادت نوش کرنے جذبہ اتم موجود ہے اور پاک فوج قوم کے ہر فرد کی آنکھوں کا تارا اور سر کا تاج ہے اور قوم ہر قسم کے حالات میں پاک فوج کے شانہ بہ شانہ کھڑی ہے۔ لیکن فوج کے ساتھ ایک میڈیا گروپ کے حوالے سے جس طرح گلیوں، سڑکوں میں چھوٹی بڑی ریلیاں نکال کر اظہار یکجہتی کیا جا رہا ہے اس سے چند افراد یا گروپ یا جماعتوں کو تو وقتی طور پر فائدہ مل سکتا ہے لیکن سیاسی عدم استحکام کا جواز پیدا کرکے پاک فوج کو ایک گروپ کے مقابلے میں لاکر مقدس عسکری ادارے کا قد چھوٹا کرنے کی مذموم سازش کی جا رہی ہے۔ اس عمل سے پاک فوج کو متنازعہ بنایا جا رہا ہے، فوج کے سربراہان کے تصویر والے بینرز سے یہ تاثر جا رہا ہے کہ فوج بھی کوئی " سیاسی جماعت " ہے۔ فوج سے اظہار یکجہتی لفظوں کی محتاج نہیں ہے، جب جب فوج کو قوم کی ضرورت پڑی ہے، پاکستانی قوم نے اپنے خون کی آبیاری سے پاک فوج کے حوصلوں کو جلا بخشی ہے۔ 1965ء کے علاوہ سوات آپریشن میں اگر قوم فوج کے ساتھ نہ ہوتی تو یقینی طور پر ان جنگوں کا حشر بھی 1971ء کی طرح ہوتا، جب قوم بٹ جاتی ہے اور اُس میں گروہی تفریق پیدا ہوجاتی ہے تو جنگیں ہتھیاروں سے نہیں جیتی جاسکتیں۔

آئی ایس آئی مملکت کا انتہائی قابل اعتماد ادارہ ہے ایسے سڑکوں پر لاکر سیاسی بنانے سے گریز کرنا چاہے، دنیا بھر میں آئی ایس آئی کا بھرپور امیج ہے ایسے سطحی بنیادوں پر لاکر کسی میڈیا گروپ سے نبرالزما کرانے کی کوشش دراصل آئی ایس آئی کے کردار کو محدود اور غیر فعال بنانے کی کوشش ہے۔ماضی میں ایوان صدر میں سیاسی مداخلت کیلئے سیاسی سیل بنایا گیا تھام اب دوبارہ اس عمل سے جمہوریت کو ہی نقصان پہنچے گا۔ فوج کو سیاسی انداز میں گلیوں ، سڑکوں پر لاکر کوئی خدمت سرانجام نہیں دی جارہی بلکہ اس عمل سے پاک فوج کے پیشہ وارانہ کردار و سرگرمیوں پر دنیا بھر میں انگشت اٹھائی جارہی ہیں۔ ضرورت اس بات کہ فوج کو اپنا کردار ادا کرنے دیں اور سیاسی جماعتیں اپنا کردار ادا کریں ۔ کسی خاص میڈیا گروپ کے حوالے سے عوامی رد عمل بڑی شدت سے سامنے آچکا ہے ، معاملات عدالتوں اور موقر اداروں میں جا چکے ہیں ،میڈیا گروپ بندی کرکے خود اپنے پیروں پر کہلاڑی نہ مارے توزیادہ بہتر ہوگا۔پاک فوج کو متنازع بنانے کی روش انتہائی تباہ کن و نقصان دہ ہوگی۔پاک فوج سیاست سے دور رہنے کا عزم کر چکی ہے۔ کاکول اکیڈمی میں کیڈٹ کی جانب سے حلف برداری کی تقریب میں بیانگ دہل سب نے پاک فوج کا حلف سُنا ہے کہ پاک فوج کا کوئی سپاہی سیاسی کردار ادا نہیں کرے گا۔ توپھر اس کے بعد یہ کس طرح ممکن ہے کہ پاک فوج اپنے حلف سے روگردانی کرے ، لہٰذا ہمیں سیاسی بلوغت کا

مظاہرہ کرتے ہوئے لولی لنگڑی جمہوریت کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی کوشش کرنی
چاہیے۔ ملکی وحدت کو نقصان فروعی جذبوں اور انفرادی فیصلوں سے پڑتا ہے،
اجتماعیت کے تصور کو اپنا کر ہی قوم کو منزل حق کے راستے پر ڈالا جا سکتا ہے۔

حساس ادارے اور ہماری قومی ذمہ داری

سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف نے اپنے دور اقتدار میں امریکی ٹی وی این بی سی کے پروگرام "میٹ دی پریس" میں کہا تھا کہ انھیں ایسی اطلاعات ملی ہیں کہ بعض ایسے اہلکار اور آفیسر یا کچھ اور لوگ جو 1979ء سے 1989ء تک آئی ایس آئی میں اہم عہدوں پر فائز تھے اور اب معزول یا ریٹائر ہو چکے ہیں وہ ہو سکتا ہے، یہاں اور وہاں (پاکستان اور افغانستان میں مغربی ممالک کے ناپسندیدہ) افراد کی مدد کر رہے ہوں، ۔انھوں نے یہ جواب اِس سوال پر دیا کہ کیا آئی ایس آئی افغانستان میں معزول کی گئی طالبان حکومت کی حامیوں اور اہم کرداروں کی مدد کر رہی ہے ؟۔سابق صدر نے اس عزم کا بھی اعادہ کیا تھا کہ اگرایسے لوگ، ایسی سرگرمیوں میں بتملا پائے گئے تو ان پر جلد قابو پالیا جائے گا۔ یقینی طور پر ایسے الزامات کا سامنا، پاکستانی حساس ادارے کو امریکہ اور برطانیہ کیجانب سے رہتا ہے، کیونکہ حساس ایجنسیوں کے فارغ شدہ اہلکاروں کی، اگر ایسی کوئی مصروفیات ہوتی ہیں تو، بادی النظر یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ افراد حکومت کی ڈیوٹی سرانجام دے رہے ہیں۔

کچھ اسی قسم کی رپورٹ کچھ عرصہ قبل برطانوی وزرات داخلہ کی جانب سے جاری

کرتے ہوئے ، آئی ایس آئی کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا کہ آئی ایس آئی کے بعض معزول یا ریٹائر کئے گئے عہدیداروں کیخلاف القاعدہ کی پشت پناہی کے شواہد ملے ہیں۔تاہم پاکستان کیجانب سے اِن تمام الزامات کی سختی سے تردید کرتے ہوئے ، ایسی تمام رپورٹس کو لغو اور بے بنیاد قرار دیا گیا تھا ، یہی وطیرہ ہمیشہ بھارت کیجانب سے بھی روا رکھا جاتا ہے کہ وہ اپنے ملک میں ہونے والی ہر دہشت گردی کے واقعات میں بنا تحقیق ، پاکستانی ایجنسیوں کو ملوث قرار دیتا آ رہا ہے ۔۔دہشت گردی کے عفریت سے پاکستان اس خطے میں سب سے زیادہ متاثر ہے اور اس کی بنیادی وجہ افغانستان میں بے امنی اور امریکی جارحیت ہے ، لیکن اس کے باوجود کہ پاکستان ، دہشت گردی کی پرائی جنگ اپنی جنگ میں تبدیل ہونے سے سب سے زیادہ متاثر ہے ، تو افغانستان کیجانب سے بھی اس حقیقت کا ادارک کئے بغیر ، دہشت گردی کی کاروائیوں میں پاکستان کو ملوث کرنے کے الزامات آتے رہتے ہیں۔

پاکستانی ایجنسیوں کو صرف بیرون ملک ، عالمی طاقتوں اور ممالک کیجانب سے ہی الزامات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ، بلکہ بلوچستان کی بدامنی کا عمومی ذمے دار بھی ایجنسیوں کو قرار دیا جاتا ہے۔یہ درست ہے کہ کسی بھی عسکری طاقت کیلئے محض اسلحے کی بہتات یا ٹیکنالوجی کا حاصل کرلینا کافی نہیں ہوتا ، بلکہ اس کی استعداد کار کا تمام تر دارومدار ، ایجنسیوں کی رپورٹ پر مشتمل ہوتا

ہے۔پاکستانی ایجنسیوں پر الزامات کا بنیادی وجہ، انھیں متنازعہ بنا کر عوام کے اعتماد میں کمی اور دہشت گردی کی مختلف کاروائیوں میں پاکستانی حساس اداروں کو ملوث کرنے کا بنیادی مقصد، اور حساس ادارے کی مخالفت کی آڑ میں پاکستانی ریاستی نظام کو نقصان پہنچانا ہوتا ہے۔حساس ادارے ملک و قوم کے رازوں کے امین ہوتے ہیں، حساس اداروں کے ذمے داران، ملک دشمن عناصر کی لحہ بہ لحہ سرگرمیوں پر نظر رکھنے کیلئے اپنے جاسوسوں کے ذریعے، ملک دشمنوں کے رہن سہن، تمدنی اور سیاسی انتظامی معاملات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔اگر یہ محکمہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں کمزور ہو جائے تو ملک دشمن عناصر کو اپنی مذموم کاروائیاں کرنے کا بھرپور موقع مل جاتا ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ کسی بھی قوم کے سُپر بننے میں تمام شعبوں میں مہارت اور عبور پانا ضروری ہے، جب تک تمام ضروری شعبوں، مثلاً جنگی فنون، تعلیم، انتظامی اور نظام جاسوسی وغیرہ میں دوسری اقوام کے مقابلے میں خود کفالت پیدا نہیں کی جائے، اُس وقت تک ایک ترقی یافتہ مملکت بننے کا خواب بھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

امریکی ادارے سی آئی اے، جو کئی دہائیوں پر مشتمل ایک تاریخ رکھتی ہے، اس کی پالیسوں کی بناء پر امریکہ کے دفاع کا دارومدار ہے۔ایسی طرح اسرائیل کو دیکھ لیں تو، صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ، وہ بھی اپنے حساس اداروں کی بناء

پر مشرق وسطی میں اپنی مرضی چلا رہا ہے اور عرب ممالک ، دولت سے مالا مال ہونے کے باوجود ، اسرائیل کی ہٹ دھرمیوں کو روکنے میں صرف ایسی لئے ناکام نظر آتے ہیں کیونکہ ان کا بنیادی شعبہ جاسوسی کمزوری کا شکار ہے ، ان ممالک کے حساس اداروں کی تمام تر توجہ صرف اپنے عوام کی جانب مبذول رہتی ہے کہ کہیں ، عوام بادشاہت کے خلاف بغاوت کی جانب توگامزن نہیں ہیں۔ اگر ان کے ادارے بھی اسرائیل اور امریکہ کے طرح فعال ہوتے تو ، کم افرادی قوت والوں کو اپنی حدود میں رکھنے اور خطے میں امن کے قائم رکھنے میں کامیاب ہوجاتے۔

پاکستانی کی آئی ایس آئی ایجنسی دنیا کی بہترین انٹیلی جنس شمار کی جاتی ہے ، بھارت تو اس ادارے سے اس قدر خوف زدہ ہے کہ ایسے بھارت میں ہونے والی ہر کاروائی میں صرف آئی ایس آئی کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ بھارت میں علیحدگی پسند تحریکوں اور اقلیتوں کیساتھ کی جانے والی ناانصافیوں کی بناء پر بھارت کو اپنا نظم و نسق چلانے میں ناکامی کا سامنا ہے ، جبکہ افغانستان کو یہ سوچنا چاہیے کہ ،پاکستان اس کا ہمسایہ مسلم ملک ہے ، افغانستان کے امن سے ،پاکستان کا امن وابستہ ہے،اور افغانستان کی سرزمین پر امریکہ سمیت نیٹو ممالک، جارحیت کرکے قابض ہوئے ہیں ، تو افغانستان کی اپنی تاریخ کے مطابق ، پختون عوام اپنی سرزمین پر بیرونی جارحیت برداشت نہیں کرتے ، اسلئے نیٹو ممالک اور امریکہ نوا افغان حکومت کے

خلاف ، وہاں کے عوام کا فطری رد عمل ہے، جسکی روک تھام میں ناکامی پاکستان کے سر ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔انہی کے پروپیگنڈوں اور ملکی غداروں کے ساتھ ملکر ، ملک سالمیت کے خلاف ، ملکی دہشتگردی کی کاروائیوں کو بھی پاکستانی اداروں کے سر پر ڈال کر ملک میں افراتفری اور اداروں سے عوام کا اعتماد ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ، جیسے بد قسمتی سے ، ملک کے چند مقتدور شخصیات کی حمایت بھی ہوتی ہے۔

ہمیں تمام ملبہ صرف حساس اداروں پر ڈال کر یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ مملکت کو بیرونی خطرات سے بچالیا گیا۔یقینی طور ہر انسان سے انفرادی غلطیاں بھی ہوتی ہیں ، اور اس امکان کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کیونکہ عوام کی جانب سے اداروں کے ساتھ تعاون مثالی نہیں ہے ، حساس اداروں کو معلومات پہنچانے کا بہم ذریعہ بھی عوام ہی ہیں اگر عوام اپنے ارد گرد ہونے والے واقعات ، اور مشکوک عناصر کی نشان دہی کرنے ، سے کوتاہی برتیں گے تو، ملک میں ہونے والی بے امنی اور دہشت گردی کے واقعات کو صرف چند افراد پر مشتمل ادارے روکنے میں قطعی کامیاب نہیں ہو سکتے ، دہشت گردی ، کا خاتمہ کرنا ہے تو عوام کو اپنے ذمے داری کا حساس کرنا ہوگا اور اس جنگ کو محض ، کسی فریق کی جنگ کے بجائے اپنی جنگ سمجھنا ہوگی۔جب تک عوام متفق ہو کر باہمی اتحاد کا مظاہرہ نہیں کریگی ، اُس وقت تک دہشت گردی کا قلع قمع کرنا محض

ایک خواب بے تعبیر ہی رہیگا۔

حساس ادارے مملکت کی دفاع کیلئے فرنٹ لائن ہے ایسے سطحی بنیادوں پر تنقید کا نشانہ بنانے سے ارضِ پاک کے دشمنوں کو تو فائدہ پہنچ سکتا ہے لیکن اس عمل سے ملک وقوم کی کوئی خدمت سرانجام نہیں دی جا سکتی ہمیں بیرونی ایجنڈوں کا دانستہ یا غیر دانستہ آلہ کار بننے سے گریز کی راہ اختیار کرنی چاہیے اور اپنے عسکری اداروں کی نیتوں پر شکوک کرکے ملکی بنیادوں کو کمزور کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔

بیرونی جارحیت اور نظریہ پاکستان، ایک تاریخی آئینہ

تاریخی طور پر تو جنگ آزادی 1857ء کے دس سال بعد ہی 1867ء میں سید احمد خان نے اردو، ہندی جھگڑے کے باعث ہندو، مسلم علیحدہ علیحدہ اور کامل قوموں کا نظریہ پیش کردیا تھا۔ یہ نظریہ انڈین نیشنل ازم پر یقین رکھنے والوں کے لئے دو قومی نظریہ صور اسرافیل بن کر گونجا اور پاکستان کی تخلیق کیلئے اس نظریہ کو اخذ کرکے 1947ء میں پاکستان کو ہندوستان سے الگ مملکت میں ڈھالا گیا۔ مکتبہ علی گڑھ کے قائدین نے اس دو قومی نظریئے کو منطقی انجام تک پہنچانے کیلئے 1906ء میں نہ صرف شملہ وفد کو منظم کیا بلکہ آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے مسلمانان ہند کیلئے ایک الگ نمائندہ سیاسی جماعت بھی قائم کردی علامہ اقبال نے بھی 1930ء الہ آباد کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کے اکیسویں سالانہ اجلاس کی صدارت میں دو قومی نظریئے کا تفصیل سے ذکر کیا گیا۔ 1936ء سے 1938ء تک سر اقبال نے جتنے مکتوب جناح کو بھیجے ہیں اس میں بھی دو قومی نظریئے کا عکس صاف نظر آتا ہے۔

محمد علی جناح خود دو قومی نظریئے کے سب سے بڑے حامی تھے انھوں نے نہ صرف آل انڈیا نیشنل کانگریس کی تاحیات صدر بننے کی پیش کش کو مسترد کیا بلکہ

علماء دیو بند اور مسلم نیشنلسٹ رہنماؤں کی مخالفت بھی مول لی اور اسی بنیاد پر الیکشن میں حصہ لیا۔ قائدِ اعظم کے نظریات وہی ہیں جو اسلام کے ہیں ۔ اسلام تمام مذاہب کا احترام ، عبادات کی مکمل آزادی ، تفرقوں سے نفرت اور امن و سلامتی کا درس دیتا ہے اور 11 اگست کی تقریر بھی اسی نظریئے کے متن کے تحت تھی ۔ قائدِ اعظم نے کبھی یہ نہیں کہا کہ پاکستان بننے کے بعد فلاں فرقے یا مسلک کی حکمرانی پر مبنی آئین بنایا جائے گا اور اگر کوئی نہیں مانے گا تو اس پر جبر سے نافذ کیا جائے گا۔ قصور صرف اُن مورخوں کا ہے جنھوں نے دو قومی نظریئے کو متشدد بنا کر قوم کے سامنے پیش کیا۔ شدت پسند طبقہ جیسے ہم باہمی نفاق کے باوجود ایک سمجھتے ہیں وہ بھی دو قومی نظریئے کے تحت اپنے اپنے مسلک کی اجارہ داری اس طرح چاہتا ہے کہ اس کے مسلک والے مسلم ، باقی دوسرے غیر مسلم ہیں۔ پاکستان میں جو لہر شدت پسندی کی ابھری ہے وہ بھی چند مہینوں کی پیدوار نہیں ہے بلکہ غلط ملکی خارجہ پالیسوں نے آج قائدِ اعظم کے گھر میں آگ لگا دی ہے۔

"خدائے عظیم و برتر کی قسم ، جب تک ہمارے دشمن ہمیں اٹھا کر بحیرہ عرب میں نہ پھینک دیں ، ہم ہار نہ مانیں گے ، پاکستان کی حفاظت کیلئے میں تنہا لڑوں گا ، اسوقت تک لڑوں گا جب تک میرے ہاتھوں میں سکت ہے اور جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی موجود ہے مجھے آپ سے کہنا ہے کہ اگر کوئی ایسا وقت آجائے کہ

پاکستان کی حفاظت کیلئے جنگ لڑنے پڑے تو کسی صورت ہتھیار نہ ڈالیں، پہاڑوں میں، جنگلوں میں اور دریاؤں میں جنگ جاری رکھیں۔" (ڈاکٹر ریاض علی شاہ کی کتاب، قائد اعظم کے آخری ایام)۔ قائد اعظم جانتے تھے کہ بیرونی جارحیت کیا ہوتی ہے اور اس کیلئے کس عزم کی ضرورت ہے۔ انگریز مسلمانوں کے خلاف کیا کرنا چاہتا تھا اس کے متعلق قائد اعظم نے اکتوبر 1938ء سندھ مسلم لیگ کی سالانہ کانفرنس میں کہا تھا کہ برطانیہ ہندوستان کے مسلمانوں کو بھیڑیوں کے حوالے کرنا چاہتا ہے، اس میں شبہ" نہیں کہ برطانیہ سے وہی بازی لے جا سکتا ہے جس میں قوت ہو۔

اب انھیں کیا معلوم تھا کہ ایسا وقت بھی آئے گا جب پاکستان کی سرزمیں ایسے" بھیڑیوں کے ہاتھوں پامال ہوگی جہاں ڈالروں کے عوض سینکڑوں پاکستانیوں کو امریکہ کے حوالے کردیا گیا، جہاں امریکہ کی خوشنودی کیلئے اقتدار اسی قوتوں کو دے دیا گیا جن کے نزدیک پاکستانی جان کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ اپنے اقتدار کی طوالت کے لئے رسہ کشی سال سے غریب عوام کی بدحالی کا موجب بن رہی ہے۔64

متحدہ ہندوستان کے مشہور نیشنلسٹ اخبار "مدینہ" (بجنور) کی ۷ اپریل ۱۹۶۳ء کی اشاعت میں مولانا اسرار احمد آزاد دیوبندی کا ایک مقالہ شائع ہوا تھا

جس میں انہوں نے لکھا تھا "یہ الزام بے بنیاد ہے کہ علماء ہند اُس ملک میں اسلامی حکومت کیلئے کوشاں رہے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے تعلق رکھنے والے علماء نے کم از کم اس صدی کے آغاز سے ہندوستان میں جمہوری اور سیکولر حکومت کو اپنا واضح نصب العین قرار دے لیا تھا"۔

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور جمعیت العلماء ہند کے صدر (مولانا) حسین احمد مرحوم) کا ارشاد تھا "ایسی جمہوری حکومت جس میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سب) شامل ہوں، حاصل کرنے کیلئے سب کو متحدہ کوشش کرنی چاہیے ایسی مشترکہ آزادی اسلام کے عین مطابق ہے اور اسلام میں اس آزادی کی اجازت ہے۔ (زمزم، مورخہ ۷ جولائی ۱۹۳۸ء) ۔" مولانا مدنی کا پمفلٹ، متحدہ قومیت اور اسلام کے صفحہ نمبر ۶۱ میں فرماتے ہیں "کانگریس میں ہمیشہ ایسی تجاویز آتی رہتی ہیں اور پاس ہوتی رہتی ہیں جن "کی وجہ سے مذہبِ اسلام کے تحفظ ار وقار کو ٹھیس نہ پہنچے۔

غیر مسلم پاکستانیوں کے حوالے سے ۱۹۶۴ء میں محمد منیر (ریٹائرڈ) چیف جسٹس آف پاکستان نے روزنامہ "پاکستان ٹائمز" کے ایک مقالے میں لکھا جس کا عنوان تھا Day to Remember جسے ۱۹۷۹ء اپنی کتاب From Jinnah to Zia میں دوہرایا گیا کہ " تشکیل پاکستان کے وقت کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ

"پاکستان ایک اسلامی مملکت ہو گی۔

پاکستان بننے کے بعد بحیثیت گورنر جنرل، فروری ۱۹۴۸ء میں اہل امریکہ کے نام براڈ کاسٹ پیغام میں واضح طور پر کہا کہ "پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے ابھی پاکستان کا آئین مرتب کرنا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس آئین کی آخری شکل کیا ہو گی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا آئینہ دار جمہوری انداز کا ہو گا۔ اسلام کے یہ اصول آج بھی اسی طرح عملی زندگی پر منطبق ہو سکتے ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے ہو سکتے تھے۔ اسلام نے ہمیں وحدتِ انسانیت اور ہر ایک کے ساتھ عدل و دیانت کی تعلیم دی ہے۔ آئین پاکستان کے مرتب کرنے کے سلسلہ میں جو ذمہ داریاں اور فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں ان کا ہم پورا پورا احساس رکھتے ہیں، کچھ بھی ہو، یہ امر مسلمہ ہے کہ پاکستان میں کسی بھی صورت میں بھی تھیا کریسی رائج نہیں ہو گی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے جاتی ہے کہ وہ (بزعم خویش) خدائی مشن کو پورا کریں۔ (تقاریر بحیثیت گورنر جنرل صفحہ ۶۵ "

محمد علی جناح نے واضح طور پر بتا دیا کہ وہ تھیا کریسی نظام کو رائج نہیں ہونے دیں گے۔ اس سے پہلے ۵ فروری ۱۹۳۸ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی یونین سے خطاب کرتے ہوئے نوجوان طالب علموں سے کہا تھا "اس میں کوئی شک و

شبہ نہیں کہ مسلم لیگ نے تمہیں اس ناپسندیدہ عنصر کی جکڑ بندیوں سے آزاد کر دیا ہے جیسے مولوی یا مولانا کہتے ہیں (تقاریرِ قائدِ اعظم حصہ اول صفحہ ۴۸)۔ "یہ ناپسندیدہ عنصر کی جکڑ بندیاں فرقہ واریت تھی جو تھیاکریسی کی بنیاد ہے۔ ۱۱ اپریل ۱۹۴۶ء کو دہلی میں مسلم لیجسلیٹر کنونشن کے آخری اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے محمد علی جناح نے وضاحت کی "اِسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہم کس مقصد کیلئے یہ جنگ کر رہے ہیں۔ ہمارا نصب العین تھیاکریسی نہیں۔ ہم تھیاکریٹک سٹیٹ نہیں بنانا چاہتے۔ (تقاریر جناح، " (شائع کردہ شیخ محمد اشرف، جلد دوم صفحہ ۳۸۶

محمد علی جناح سے اپریل ۱۹۴۳ء میں صوبہ سرحد کی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے ایک پیغام کیلئے درخواست کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا "تم نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہیں کوئی پیغام دوں، میں تمہیں کیا پیغام دوں جبکہ ہمارے پاس پہلے ہی ایک عظیم پیغام موجود ہے جو ہماری راہنمائی اور بصیرت افروزی کیلئے کافی ہے، وہ پیغام ہے خدا کی کتاب عظیم، قرآن کریم۔" (تقاریر، جلد اول صفحہ ۵۱۶

نومبر ۱۹۳۹ء قوم کے نام عید کا پیغام نشر فرمایا۔ (اس زمانے میں ملک میں ہنگامہ ۱۳ اور فساد ہو رہے تھے) آپ نے قوم سے کہا "جب ہمارے پاس قرآن

کریم ایسی مشعلِ ہدایت موجود ہے تو پھر اس کی روشنی میں ان اختلافات کو کیوں نہیں مٹا سکتے ؟ (تقاریر جناح ، شائع کردہ شیخ محمد اشرف ، جلداول صفحہ ۱۰۸) "وہ بندھن ، وہ رشتہ ، وہ چٹان ، وہ لنگر ، خدا کی عظیم کتاب ، قرآن مجید ہے ، مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی ۔۔۔ایک خدا ، ایک کتاب ، ایک رسول ﷺ ،فلہذا ایک قوم۔ (تقاریر ، جلد دوم صفحہ ۵۰)۔

لندن ٹائمز جیسے اخبار نے لکھا۔"انھوں نے اپنی ذات کو ایک بہترین نمونہ پیش کرکے اپنے اس دعوی کو ثابت کردیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہے۔ ان میں وہ ذہنی لچک نہیں تھی جو انگریز کے نزدیک ہندوستانیوں کا خاصہ ہے۔ان کے خیالات ہیرے کی طرح قیمتی مگر سخت ، واضح اور بین ہوتے تھے ۔ ان کے دلائل میں ہندو لیڈروں جیسی حیلہ سازی نہ تھی بلکہ وہ جس نقطہ نظر کو ہدف بناتے تھے اس پر براہ راست نشانہ باندھ کر وار کرتے تھے وہ ایک ناقابل تسخیر حریف تھے ." قائدِ اعظم نے پاکستان بڑی مشقت اور لازوال قربانیوں کے بعد حاصل کیا پاکستان کو لگنے والے زخم کسی پرائے کے دَین نہیں بلکہ اپنے ہی لوگوں کی کارستانیاں ہیں ۔ اگر ہمیں پاکستان کو قائدِ اعظم کے خوابوں و افکار کے مطابق بنانا ہے تو ہمیں عملی طور پر اپنی ذات کو اُن کے افکار کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔ قائدِ اعظم کا پاکستان صرف ان کے نظریات کی روشنی میں ہی کامیاب ہو سکتا

ہے۔

"جیل کے سفاک عقوبت خانے" کرائم

ہمت و استقلال کی میراث جس قدر وافر مقدار میں جیل کے قیدیوں میں دیکھی جا سکتی ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ بالعموم قیدیوں میں برداشت کا مادہ کم پایا جاتا ہے لیکن اس عمل میں ان کی بے بسی کا عنصر بہت نمایاں ہے۔ پاکستانی جیلوں میں قیدیوں پر تشدد، ناقص خوراک اور علاج معالجے کی عدم فراہمی ایک معمول کا عمل ہے لیکن اس عمل کے علاوہ ایک ہ؛بت ناک صورت کا سامنا اُن قیدیوں کو زیادہ کرنا پڑتا ہے جو پہلی بار جیل میں جوڈیشنل ریمانڈ پر لائے جاتے ہیں۔

ضلعی عدالتوں کی جانب سے پولیس کسٹڈی کے بعد چودہ دن کے جوڈیشنل ریمانڈ پر مختلف الزامات کے تحت قیدیوں کو مقامی جیلوں کے حوالے کیا جاتا ہے۔ جب قیدی بھیڑ بکریوں سے بھی بُری بدتر حالت میں لاک اپ سے بصورت پولیس گاڑی میں منتقل کئے جاتے ہیں تو ان کی حالت قابل رحم و دیدنی ہوتی ہے، ایک کے اوپر ایک چڑھائے جانے والے انسان نما جانور، لدے ہوئے کسمپرسی کی تصویر بنے، انتہائی قابل رحم حالت میں ٹھونس دیئے جاتے ہیں، پولیس تھانوں میں پہلے ہی اُن پر انسانیت سوز سلوک و تشدد کیا جاتا ہے جس کے بعد کورٹ لاک اپ میں رہی

سہی کسر پوری کردی جاتی ہے، لیکن بد قسمتی کا سفر یہیں پر آ کر ختم نہیں ہوتا بلکہ جیسے تیسے، کسی نہ کسی جب یہ قیدی جیل پہنچ جاتے ہیں تو ان قیدی کی چھانٹی شروع ہو جاتی ہے۔ یہ عمل "ملاحظہ" کہلایا جاتا ہے جو عموماً جیلر یا ڈپٹی سپریڈینٹ لیتا ہے، لیکن ا سے پیشتر جیل انتظامیہ کی جانب سے معمور قیدی انھیں جانوروں کی طرح ہانکتے ہوئے کبھی ایک سرکل، تو کبھی دوسرے سرکل لے جاتے ہیں، انھیں ایڑیوں کے بل گھٹنوں بیٹھا کر قمیض کا پچھلا دامن ہاتھوں میں پکڑایا جاتا ہے۔ جوڑی کی شکل میں ترتیب کے ساتھ انھیں گالیوں اور تھپڑوں کی مار سے جیل کے نظم و ضبط کے حوالے سے بتایا جاتا ہے، بعد نماز مغرب جب جیل انتظامیہ ملاحظہ کے بعد ان سے کیس پوزیشن کے ساتھ، ان کے معاشی حالات کا تخمینہ اپنے لئے لگاتی ہے تو قیدی کے تصور میں بھی نہیں ہوتا کہ ان کے ساتھ آگے چل کر کیا ہونے والا ہے۔ قیدی سمجھتا ہے کہ شائد اس کی آزمائش پوری ہو گئی ہے لیکن وہ بے خبر نہیں جانتا کہ اس کی اصل آزمائش تو اب شروع ہوئی ہے، اسے "کرائتین" المعروف چکر میں لے جایا جاتا ہے اور پھر وحشی، جلاد و سفاک پُرانے قیدیوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے جسے جیل انتظامیہ نے خصوصی طور پر مقرر کیا ہوتا ہے، عمومی طور پر یہ مخصوص بیرکیں کرائتین کہلائی جاتی ہیں اور انھیں ایک صوبیدار کے ہاتھوں ہفتہ وار بھاری رقم پر فروخت کر دیا جاتا ہے، وہ صوبے دار انتہائی معمولی کمیشن پر یہ ٹھیکہ جیل کے ہی ایک ایسے قیدی کو فروخت کر دیتا ہے جو سفاکیت اور ظلم و ستم میں مہارت

رکھتا ہو۔

پٹیل کہلائے جانے والے یہ قیدی ٹھیکدار ان پر ظلم کے جتنے پہاڑ توڑ سکتا ہے وہ ستم ڈھاتا ہے۔ رقم کے تقاضے کیلئے نئے آنے والے قیدیوں کے سر کے بال پکڑ کر زمیں پر مارا جاتا ہے، لیٹرین کی صفائی، بیرک میں جھاڑ پونچھ کرانا، جھاڑو لگانا، غلاظتوں کا صاف کرنا، رفع حاجت کے لئے جانے سے روکنا، منہ ہاتھ دھونے پر پابندی، کمر، کنپٹی پر سخت دوہتھڑ مارنا، کہنیوں سے پشت پر ضربیں لگانا، پاؤں کے تلوں پر بید مارنا ہاتھوں کی انگلیوں کو پیروں تلے دبانا، غرض یہ ہے کہ تشدد کے جتنے ہتھیار کسی کے علم میں ہے وہ اس نئے آنے والے قیدی پر آزمائے جاتے رہتے ہیں اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک اس کے گھر والے ان کی مطلوبہ رقم ان کو فراہم نہیں کر دیتے۔

حیران کن بات یہ ہے کہ ویسے تو اکثر جیلوں میں قیدیوں کے فوم کی سہولت میسر نہیں ہے لیکن کراٹین میں روزانہ کی بنیادوں پر فون لایا جاتا ہے اور قیدی کے ذریعے فون کرا کر ان کے اہل خانہ کو دھمکیاں دی جاتی ہے کہ اگر ان کی مطلوبہ رقم فراہم نہیں کی گئی تو وہ اس قیدی کے ساتھ وی سلوک کریں گے جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے، پھر اس قیدی پر اس قدر تشدد کیا جاتا ہے کہ اس چیخیں آسمان تک سنائی دیتی ہیں اور جب اس قیدی کے اہل خانہ اپنے پیارے کی

چیخیں ٹیلی فون ریسور پر سنتے ہیں تو ان پر قیامت طاری ہو جاتی ہے۔ان کی بے بسی کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ کس طرح ایسی وقت اُڑ کر جیل پہنچ جائیں اور اپنے عزیز کو جیل میں ہونے والے انسانیت سوز ظلم سے بچالیں۔

عمومی طور پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی غریب قیدی اُتنی رقم کا بندوبست نہیں کرپاتا جو کرائین انچارج کی جانب سے ڈیمانڈ کی جاتی ہے تو ملاقات روم میں سرعام ایسے گھر والوں کے سامنے انتہائی سفاکیت کے ساتھ تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور ملاقات روم کے باہر ایک پولیس اہلکار کھڑا ہو کر انکے پاس جتنی بھی رقم ہوتی ہے زبردستی چھین لیتا ہے کہ باقی رقم کا اگلے دن بندوبست کرو، ورنہ اس سے بھی بُرا سلوک کیا جاتا رہے گا۔ قیدی کے گھر والے انتہائی مجبوری میں جیسے تیسے رقم کا بندوبست کرتے ہیں، منت ساجت کرتے ہیں اور ہاتھ پاؤں پڑ کر اپنے عزیز قیدی کی جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں، روتے ہیں پیٹتے ہیں، آہ و فغاں کرتے ہیں، لیکن ان کی دادرسی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

راقم کو خود ایک جیل اہلکار، جو کہ ایک کرائین کا انچارج ہے، بتایا کہ ایک بار لیاقت آباد سے تعلق رکھنے والے تین بہنوں نے اپنے بھائی کو کرائین میں تشدد سے بچانے کیلئے رقم نہ ہونے کے سبب اپنی عزتیں فروخت کرنے کا

فیصلہ کرلیا تھا، جس پر اسے رحم آیا۔لاتعداد ایسے واقعات ہیں جن کا تذکرہ محدود سطور میں نہیں کیا جاسکتا، ایسے واقعات کیشکایات بھی متعلقہ اداروں میں نہیں کی جاسکتی کیونکہ قیدی جیل میں اس انتظامیہ کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جیل کسٹڈی بھیجنے والے جج و مجسٹریٹ کا فرض بنتا ہے کہ چودہ دن کے جوڈیشنل ریمانڈ کے بعد جیل جانے والے قیدیوں کی اپنے کورٹس میں حاضری کو یقینی بنائیں اور جس طرح تھانے سے لائے جانے والے ملزمان سے پولیس تشدد کے حوالے سے دریافت کرکے فائل میں لکھا جاتا ہے، ایسی طرح جیل سے لائے جانے والے قیدیوں سے بھی پوچھا جائے کہ انھیں وہاں مارا پیٹا گیا ہے کہ نہیں ؟۔ان سے بھتہ رشوت وصول کی گئی ہے کہ نہیں ؟انھیں جیل منیوئل کے مطابق سہولت دی گئی ہے کہ نہیں ؟۔

کرائین سمیت عام بیرکوں کی حالت زار سے ہر جج، مجسٹریٹ، ہائی کورٹس، سپریم کورٹس کے جسٹس و چیف جسٹس صاحبان اچھی طرح آگاہ ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کی چشم پوشی کو کیا کہا جائے ؟۔ضرورت اس بات کی ہے کہ قیدیوں کے حقوق کا خیال اسلئے رکھا جائے کیونکہ انھیں دوبارہ اسی معاشرے میں واپس آنا ہے اور انھیں اپنے احساس محرومی کا انتقامی جذبہ ابھارنے کے لئے جواز فراہم نہ ہواور جیل انتظامیہ کو بھی خوف خدا کرے انھیں زندگی بھر زندہ نہیں رہنا، بلکہ مر کر اللہ تعالی کو جواب بھی دینا ہے۔اپنے اعمال کو دنیاوی مفاد

تک محدود رکھ اپنی آخرت کو تباہ مت کریں۔اللہ تعالی بھی ان ہی لوگوں پر رحم کرتا ہے جو اس کی مخلوق پر رحم کرتے ہیں۔ڈسٹرکٹ جج ، ہائی کورٹ کے جسٹس صاحبان کم از کم ہفتے میں ایک بار اچانک جیل میں کراٹین کا دورہ ضرور کیا کریں۔آپ کا یہ عمل قیدیوں پر ہونے والے انتہائی انسانیت سوز ظلم کو روکنے میں معاون ہوگا بلکہ ملزمان کے احساس انتقام کے جذبے کو بھی سرد کرکے ختم کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔

جیلوں میں سہ فریقی طبقاتی نظام

کسی شخص کیلئے سب سے تکلیف دہ مرحلہ جب آتا ہے جب اس کے دوست ، احباب اور ساتھی اسے تکلیف ، دکھ پریشانی کے موقع پر ایسے آکیلا چھوڑ دیں ۔ آزاد دنیا اور جیل کی نگری میں واضح تفریق یہیں پیدا ہوتی ہے کہ جیل کو اصلاح خانے کے طور پر وہی لیتا ہے جسے اندازہ ہوجائے، کہ اُس کے عمل سے اِس کے ، قریب کتنے آئے اور دُور کتنے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول ہے کہ "جب تم پر مشکل وقت آئے تو یہ نہ دیکھو کہ کون کون کام آئے گا، بلکہ یہ دیکھو کہ چھوڑ کر کون کون جائے گا"۔ قید کی جیل کہانیوں میں مختلف کرداروں میں ملزمان آتے جاتے رہتے ہیں۔ ویسے تو کسی قیدی کیلئے جیل میں وقت گزارنا، دو معنوں میں لئے جاتے ہیں۔ایک تو کسی عادی مجرم کیلئے بہ حیثیت آرام گاہ اور دوسرا عام قیدیوں کیلئے خود کو جلد از جلد آزاد کروا کر اپنے مقدمات کو ختم کرنا۔

آزاد دنیا کی طرح جیل میں بھی تین طبقاتی نظام رائج ہیں جسے ہم بیرونی آزاد دنیا کی امثال سے سمجھ سکتے ہیں۔ جیسے لوئر کلاس ، مڈل کلاس اور اپر کلاس ۔ اسی طرح جیلوں کا انتظام بھی ان ہی تین طبقاتی نظام کے تحت قائم ہے جہاں لوئر کلاس سے تعلق رکھنے والے وہ قیدی ہیں جن کی عمومی طور پر ملاقاتیں

نہیں آتیں، ان کا پُرسان حال کوئی نہیں ہوتا، رشتے دار ان سے یا تو تنگ ہوتے ہیں یا پھر ان کی مالی استطاعت ہی نہیں ہوتی کہ وہ جیلوں میں جا کر اپنے قیدیوں سے ملاقات کے دوران پولیس کو بھاری رشوت دینے کے علاوہ، اپنے قیدی کو اچھے خورد نوش یا شیا ضروریہ دے سکیں۔ ان لوئر کلاس قیدیوں کی حالت زار میں اکثر ان کے اپنے جرائم کا تعلق بھی ہوتا ہے، جسے ہم آسان الفاظوں میں اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ آرام کیلئے جیلوں میں آتے ہیں، دوئم اس ہی کیٹگری میں ایسے قیدی بھی ہیں جنھیں پولیس راہ چلتے پوائنٹ اسکورنگ کرنے کے لئے اٹھا کر مختلف نوعیت کے الزامات میں دھر کر بند کردیتی ہے۔ اسی بناء پر نئے آنے والے قیدی عدالتی بھیٹر چال سے واقف ہی نہیں ہوتے اور ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ مقمات کی سماعتیں نہ ہونے کے سبب معمولی نوعیت کے الزامات کے قیدی، مقررہ جرم کی سزا کی حد سے بڑھ کر کئی گنا زیادہ سزا پالیتے ہیں۔ زیادہ تر ایسے قیدی معمولی جرائم کی ذمے داریاں قبول کرکے کچھ مہنیوں میں رہائی پا لیتے ہیں یا پھر این جی او ان کے جرمانے بھر دیتی، یا کسی خوشی یا اہم دن کے تہوار کے موقع پر حکومت کی جانب سے معافی بھی معمولی جرائم میں سزا یافتہ قیدیوں کو رہائی دلا دیتی ہے۔

سہہ فریقی طبقاتی نظام میں "مڈل کلاس قیدی" وہ ہیں جو پہلی بار کسی الزام کے تحت جیلوں میں آتے ہیں، بے گناہ یا گناہ گار ہوں، لیکن ان کی وجہ سے ان

کے لواحقین کو کافی اذیت اور سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، سست عدالتی نظام کی بھیڑ چا میں اپنی معصومیت، نادانی کی وجہ سے شاطر اور پیشہ ور وکیلوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں ۔نا دانستگی ی دانستی کا کوئی لفظ جیل کی ڈکشنری میں نہیں ہے۔یہاں مڈل کلاس قیدی کو عدالت کے رحم وکرم پر رہتے ہوئے اپنی ضمانتوں اور مقدمے سے.بری ہونے کیلئے اپنی کل جائیداد سے محروم ہونا پڑتا ہے۔عموماً مڈل کلاس طبقے سے تعلق رکھنے والے یہ قیدی پیشہ ور اور عادی جرائم پیشہ قیدیوں سے خائف رہتے ہیں اور ان کے ہر حکم کے آگے سر بجا لاتے ہیں۔عدالتوں تک جیل سے روانگی، لاک اپ ، عدالتوں سمیت جیل کے ہر موڑ پر انھیں اپنی عزت نفس کا خیال ہوتا ہے۔جو انھیں ہر موڑ پر بھاری رقم رشوت دیکر حاصل کرنی پڑتی ہے۔ہر کس و ناکس کے جائز و نائز مطالبا کو پورا کرنا انکی مجبوری و دردسری کا سبب بھی بن جاتا ہے۔ یہ عمومی طور پر سب سے مظلوم قیدی طبقہ ہوتا ہے جسے طحا لتمجبوری جرائم پیشہ قیدیوں کے ساتھ ہی رہنا ہوتا ہے کیونکہ وہ خود بھی قیدی ہی ہوتا ہے۔انتہائی مجبوری میں ان کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا پڑتا ہے، ج اس کی ساری زندگی کی شریف پوشی کا بھرم تاراج ہو جاتا ہے ۔جب حاضری کیلئے س کے کندھے سے کندھا ملا کر جوڑی میں ایسا قیدی بھی جڑ جاتا ہے جو اپنی بدبودار جسامت اور نشے کی بھبھکیوں سے اس کی عزت فس کو چورا چورا کر دیتے ہیں۔اس لمحے اس کے دل سے صرف ایک دعا نکلتی ہے کہ کاش زمیں پھٹ جائے یا آسمان اسے نگل لے کہ عام زنادگی میں وہ

ایسے افراد کے ساتھ بیٹھنا تو درکنار، اگر وہ قریب سے بھی گذرتے تو بدبو کی وجہ سے ناک پر رومال رکھ لیا کرتے تھے۔ لیکن آج شومئی قسمت ان ہی کے ساتھ ایک لائن میں کھڑے ہو کر چائے، کھانا اور سُونا پڑتا ہے۔ شریف النفس قیدی تو اسے اپنے لئے باعث عبرت سمجھ لیتے ہیں لیکن انتقام اور ذلے کے احساس کے تلے دبے اکثر قیدی اپنی رہائی کے بعد اپنی جل کی فرسٹریشن کو اپنے خود ساختہ اصولوں کے ساتھ خود پر لاگو کرکے وہی راستہ اختیار کر لیتے ہیں، جس کا انھوں نے اس سے پیشتر کبھی تصور نہیں کیا تھا۔

سہہ فریقی طبقاتی جیل کے نظام میں "اپر کلاس" وہ قیدی کہلائے جاتے ہیں جنھوں نے جیل میں بھی اپنے لئے زندگی کی ہر آسائش کا بندوبست، دولت کی طاقت یا سیاسی اثر رسوخ سے حاصل کیا ہوتا ہے۔ عادی مجرموں اور مڈل کلاس قیدیوں سے ہٹ کر انھوں نے جیل مینوئل کے برخلاف اپنے لئے اچھی کوٹھریاں، بیرکیں حاصل کیں ہوتیں ہیں۔ سیاسی، مذہبی جماعتوں نے اپنے کارکنان کے لئے الگ سیٹ اپ بنایا ہوتا ہے جس میں وہ عام قیدیوں سے ہٹ کر رہتے ہیں، ان کی جماعتیں یا تنظیمیں انھیں زندگی کی ہر اہم ضرورت ہر صورت بہم پہنچاتی ہیں۔ صاف ستھرے لباس، اچھے صاف کھانے سمیت ان قیدیوں کی اسیری، دیگر جیل کے قیدیوں کے لئے قابل رشک و حسد ہوتی ہے۔ ایسے قیدیوں کو جیل میں "سیاسی" کہا جاتا ہے۔ یہاں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس کے جرم کی نوعیت کیا ہے، وہ گناہ گار ہے یا

بے گناہ ہے، وہ پڑھا لکھا ہے یا جاہل، وہ غنڈا ہے یا شریف ہے، اس کا معیار ان تما باتوں سے بالاتر ہے یونکہ وہ لوَر کلاس طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔عادی مجرم یا سیاسی قیدی بار بار جیل میں آنے جانے کی بناء پر جیل کے تمام قوانین اور مروجہ اصولوں سے مکمل واقف ہوتے ہیں اور وہ ہمیشہ اپنے جیل میں آنے کے بعد نئے دورے یں دوبارہ وہ تم،آ سائشیں اس طرح حاصل کرلیتے ہیں کہ جیسے یہ سب ان کا بنیادی حق، اور جیل انتظامیہ کا انھیں سہولیات فراہم کرنا فرض اولیں ہے۔

سہ طبقاتی نظام کا ثر آزاد و قید کی دنیا میں با آسانی نظر آتا ہے اور اسے محسوس کیا جات ہے، اسے ذہنوں میں اتار لیا جاتا ہے اور جذباتی ہو کر سوچا جاتا ہے کہ "جیل تو جیل ہوتی ہے،اس میں آزاد دنیا سے زیادہ طبقاتی تفریق زیادہ کیوں ہے؟۔لیکن میرے تئیں یہاں تما قصور سسٹم کا ہے، ہم نے اپنے گرد جو حصار بنایا ہوا ہے اور پوری دنیا کو جن طبقاتی تفریق میں بانٹا ہوا ہے وہ دراصل اپنے مکمل اثر و نفوذ کے ساتھ زدگی کے ہر شعبے میں قائم دائم ہے،جس طرح زندہ انسان اپنے طبقاتی فرق کے ساتھ مرنے کے بعد دفن ہونے کیلئے بھی طبقاتی قبرستانوں کا انتخاب کرتا ہے اسی طرح اس طبقاتی فرق کا مظاہرہ جیل کی دنیا میں بہ اتم نظر آتا ہے۔

سہ فریقی طبقاتی تفریق کو نہ تو جیل میں ختم کرنا آسان ہے اور نہ ہی اسے اپنی زندگی سے باہر نکال پھینکا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہی تو وہ طبقاتی کشمکش ہے جس سے ایک غریب مڈل کلا، لوئر کلاس انسان برسرپیکار ہے، اپر کلاس طبقے نے جہاں زندگی اور نشوونما کے ہر چشمے پر ان کا حق غضب کر رکھا ہے اسے صرف ایک جگہ سے ختم کرنا ناممکن ہوگا۔ سہ فریقی طبقاتی نظام کو صرف اسلام کے رہنما اصلوں سے ہی بدلا جاسکتا ہے ۔اسلام نے ہی محمود وایاز کو ایک صف میں کھڑا کیا اور اسلامنے ہی گوروں کو کالوں پر فوقیت دینے سے روکا۔اسلام نے ہی معیشت کے بہتے سرچشموں پر سب نوع انسانی کیلئے برابر کا حق رکھا اور اسلام نے ہی سرمایہ داری و جبر کے نظام کو ختم کرنے کیلئے حقوق انسانیت کا درس دیا، اسلام نے ہی احترام انسانیت میں بلا تخصیص یکسانیت کا قانون دیا۔ جیلوں میں ہزاروں لاکھوں قیدیوں کو جوڈیشنل ریمانڈ کے قانون کے نام پر سالوں سال بغیر سماعت رکھنا بنیادی حقوق کی کھلی خلاف ورزی ہے، اسلام کے دیئے گئے سزا و جزا کے قوانین اور اصولوں کو اگر اپنا لیا جائے تو ہر انسان کو سستا اور جلد انصاف میسر آسکتا ہے، جیلیں اصلاح خانوں میں تبدیل ہوسکتی ہیں، ملزمان اور مدعیوں کو انصاف کے حصول میں حائل رکاوٹیں اور اپنا حق ملنے کیلئے سالوں کا انتظار ختم ہوسکتا ہے۔ سوچنا فضول نہیں ہے اگر اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرلی جائے تو گھر کے دروازے پر ہی ہر کسی کو انصاف مل سکتا ہے۔ اسلام ایک آفاقی اور لاثانی دین ہے جو مصلحتوں سے

بالاتر عام انسان سے لیکر خاص فرد تک بلا تخصیص، رنگ و نسل انصاف بہم پہنچاتا ہے۔

امریکہ کا افغانستان سے انخلاء

جیسے جیسے امریکہ کی جانب سے افغانستان کی انخلاء کی اعلان کردہ تاریخ نزدیک آ رہی ہے، امریکہ کی پریشانی میں متواتر اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ افغان جنگ میں استعمال ہونے والا 50 ارب ڈالر کا ساز و سامان۔ واپسی کے سبب امریکہ کیلئے وبال اور بھاری نقصان کا باعث بن رہا ہے۔ رپورٹ کے مطابق سامان کی واپسی کیلئے 6 ارب ڈالر لاگت آئے گی، امریکی حکام اپنا ساز و سامان افغانستان میں چھوڑنے کے حامی نہیں ہیں۔ کیونکہ انھیں اس بات کا خدشہ ہے کہ امریکہ کی واپسی کے بعد طالبان افغانستان پر با آسانی غالب ہو جائیں گے اور ان کا تمام ساز و سامان طالبان کے زیر استعمال آ جائے گا ۔افغان جنگ کے بارہ سال بعد امریکی حکام انخلاء سے قبل فوجی ساز و سامان طالبان سے بچانے کیلئے مختلف آپشن پر غور کر رہے ہیں، گو کہ پینٹاگون عندیہ دے چکا ہے کہ افغانستان میں مستقل امن کے قیام تک اُس کی مکمل فوج واپس نہیں جائے گی اور امریکہ کی ماضی کی تاریخ بھی گواہ ہے کہ اُس نے جس بھی ملک میں لشکر کشی کی ہے، وہاں سے جنگ بندی کے بعد بھی امریکی فوجی اڈے اور فوجی موجود رہیں ہیں، اس لئے یہ ناممکن ہے کہ افغانستان کی سرزمین پر امریکہ کا کوئی فوجی نہیں ہوگا، ابتدائی طور پر پینٹاگون کی جانب سے بیان میں پانچ ہزار فوجی افغانستان میں رہنے کا ارادہ

ظاہر کیا گیا تھا لیکن بعد ازاں تعداد کی ضرورت کی لحاظ سے مزید اضافے کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا گیا۔تاہم امریکہ کی نقل و حرکت میں کمی ضرور واقع ہو جائے گی اور ان کیلئے دیگر مشکلات میں سب سے اہم مسئلہ جنگی گاڑیوں ، ڈائنگ روم ، جم اور کپڑے اور دیگر اشیاء کو واپس لے جانا ہے۔ دسمبر 2014ء تک 35 ہزار فوجی گاڑیاں اور 95 ہزار کنٹینرز امریکہ، فوجی وطن واپس لے جانا چاہتے ہیں اور اس کی ترسیل کی لاگت کا تخمینہ 6 ارب ڈالر کے قریب لگایا جا رہا ہے۔ بھاری فوجی ساز سامان کی اس واپسی کو تاریخ کی سب بڑی فوجی ساز و سامان کی ترسیل قرار دیا جا رہا ہے۔امریکی فوج کیلئے مسئلہ اول یہی ہے کہ افغانستان میں کوئی بندرگاہ نہیں ، فضائی یا مشرق وسطی کا راستہ استعمال کرنے سے لاگت میں بے تحاشا اضافہ ہو جائے گا اس لئے ان کی تمام توجہ پاکستان کے راستے اپنے فوجی سامان کو لے جانے پر مرکوز ہے، جنھیں پاکستان میں کسٹم فیس ادا کر کے نکالا جاسکے گا۔افغان جنگ میں صرف کنٹینرز کو نکالنے کی لاگت 237 ملین ڈالر لگائی جا رہی ہے ، جبکہ ایک ملین ڈالر سے زیادہ قیمت والے 2 ہزار ٹرکوں کو افغانستان میں چھوڑنے پر غور کیا جا رہا ہے ۔ذرائع کے مطابق ایسی چوبیس ہزار گاڑیاں پہلے ہی امریکی فوج کے استعمال میں ہیں۔8 ٹن وزنی یہ ٹرک فوجیوں کو لانے جانے کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں اور سڑک کے کنارے نصب بم ان پر اثر نہیں کرتے۔ امریکہ کا یہ ارادہ بھی ہے کہ انھیں لے جانے کے بجائے اسکریپ کر کے نیلامی کرے اور ان ساز و سامان کو افغانستان اور

پاکستان سمیت کسی ملک کے حوالے نہیں کیا جائے۔ جنگی ساز و سامان کی فروخت اور نیلامی کیلئے ایک ویب سائٹ پر اشتہار دینے کا پروگرام پیش کیا گیا۔ تاکہ من پسند افراد اس ویب سائٹ سے اپنی پسند کے جنگی ساز و سامان کو حاصل کر سکیں گے ۔ جبکہ بھاری فوجی ساز و سامان کو فروخت سے قبل تباہ کردیا جائے گا تاکہ کسی کے استعمال میں اس کی ٹیکنالوجی نہ آسکے ، اس لئے لکڑی کے تختے سے ٹرک اور فائر انجن سے روٹی پکانے والی مشین تک ہر روز اس سائٹ پر نئے آئٹمز پیش کئے جا رہے ہیں ، گو کہ امریکہ چاہتا ہے کہ فوجی ساز و سامان جو افغان جنگ میں استعمال ہوا ایسے واپس لا کر کیلی فورنیا میں قائم 35 ہزار ایکڑ پر محیط ڈپو میں اسٹور کیا جائے۔ یہاں پہلے ہی لاکھوں جنگی گاڑیاں اور ایک ارب ڈالر مالیت کے کپڑے موجود ہیں ، اٹلانٹک کونسل کے سنئیر فیلو جم ہاسک کے مطابق اتنا زیادہ ساز و سامان واپس لانے کے بجائے وہیں تباہ کردیا جائے گا۔ امریکہ اپنے فوجی ساز و سامان کو پاکستان کے حوالے بھی نہیں کرنا چاہتا کیونکہ دونوں ممالک کے درمیان اعتماد کی کمی واقع ہے لیکن امریکہ کو یہ ضرور سوچنا چاہیے کہ اگر پاکستان دفاعی ساز و سامان کے ساتھ مضبوط ہوگا تو شدت پسندوں کے خلاف کاروائی کرنے میں دشواری کا کم سامنا کرنا ہوگا۔ اگرچہ رسمی طور پر امریکہ نے افغانستان سے باقاعدہ انخلاء شروع کردیا ہے لیکن قوی امکان یہی ہے کہ طالبان کے تمام گروپ اجتماعی طور پر مال غنیمت کو حاصل کرنے کیلئے امریکی قافلے پر دھاوا بولیں گے اور کابل سے لیکر کراچی تک

امریکی قافلیکی باحفاظت واپسی کی گارنٹی نہیں دی جاسکتی۔اس کیلئے امریکہ کو پاکستان کی فوجی امداد کے طور پر اپنا سازو سامان پاک فوج کے حوالے کرنا زیادہ مناسب ہوگا کیونکہ اس سے خطے میں طاقت کا توازن برقرار رہ سکتا ہے اور افغان جنگ میں چالیس ہزار سے زائد معصوم پاکستانیوں کی ہلاکتیں، صرف امریکی جارحیت کی بناء پر رد عمل کے طور پر ہوئیں ۔اصل حقائق یہی ہیں کہ پاک عسکری قوت کی قربانیوں کا کوئی مالی تعاون مدوا نہیں کرسکتا لیکن دنیا میں امن کے خاطر اور افغانستان کی ترقی کیلئے ضروری ہے کہ پاکستان اپنے طویل ترین بارڈر پر دراندازوں کو روک سکنے کی اہلیت حاصل کرے۔ گو کہ امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کی قربانیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے مطالبات در مطالبات کی پالیسی اپنائی، جس کے سبب پاکستانی عوام میں امریکہ کے خلاف اعتماد کی فضا پیدا نہیں ہوسکی ۔پاکستان کی تضحیک اور بھارت کی ہمنوائی کے ساتھ سی آئی اے کی جانب سے بلا روک ٹوک کاروائیوں اور ڈرون حملوں نے پاکستانی عوام کے جذبات کو شدید مشتعل کیا، خاص کر امریکی فوج کی جانب سے قرآن پاک کی بے حرمتی اور امریکی پادری کی جانب سے قرآن پاک شہید کرنے کے واقعے سمیت متعدد ایسے مواقعے آئے جس میں امریکہ اگر انسانیت اور مذاہب کے احترام کے طور پر اپنا مذبرانہ کردار ادا کرتا تو یقینی طور پر افغانستان سے ایسے ہزیمت اٹھا کر جانے کیلئے محفوظ راستے کی تلاش میں پریشانی اور اربوں ڈالر کا نقصان نہیں اٹھانا پڑتا۔ طورخم بارڈروباب

دوستی سے لیکر کراچی کے ساحلوں تک طالبان نے اپنے نیٹ ورک کو اس قدر مضبوط بنالیا ہے کہ عسکری قیادت ، سیاسی جماعتوں کی نااتفاقیوں کی بناء پر ٹھوس حکمت عملی کرنے سے قاصر رہی اور طالبان کو اپنے قدم جمانے کا بھرپور موقع مل گیا۔امریکہ اس زعم میں اگر ہے کہ طالبان کا باب ختم ہوگیا تو اس کی خام خیالی ہے کیونکہ طالبان ایک ایسی قوت کا نام ہے جس میں اپنی سرزمین کے خلاف لڑنے جذبہ اسلامی غلبے کیوجہ سے مستحکم و متفق ہے۔شواہد یہی بتاتے ہیں کہ پاکستان میں بدامنی کیلئے امریکہ کی جانب سے سی آئی اے ، اپنے زیر خرید ایجنٹوں کے ساتھ مکروہ کردار ادا کر رہی ہے اور اس کے پاکستان توڑنے کے کئی منصوبے منظر عام پر آچکے ہیں ، لیکن مسلمانوں کے ساتھ یہ مصیبت ہے کہ غیر مسلم کو زندگی سے پیار ہوتا ہے لیکنمسلمان ، اپنے رب کی رضا کیلئے موت کو بلند ترین اعزاز کا درجہ سمجھتا ہے۔امریکہ کی جانب سے پہلی بار کسی مدرسے پر پابندی عائد کرنے کے عملکے سبب امریکہ کے خلاف نفرت میں مزید اضافہ ہوا ہے۔پاکستانی حکمران بلا شبہ امریکی خوشنودی چاہتے ہیں لیکن پاکستانی اور افغانی عوام اپنے تمام تر اختلافات کے باوجود امریکہ کے ہر عمل کو شک و شبے کی روشنی سے دیکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تمام تر کوششوں کے باوجود پولیو خاتمے کی مہم بُری طرح ناکام ہو رہی ہے اور شکیل آفریدی کی ایک عمل کی وجہ سے پورے ملک میں اس مہم کے خلاف شک و شبے کا اظہار کیا جاتا ہے اور شدت پسند اب کبھی نہیں چائیں گے کہ این جی اوز کسی

بھی بہانے سے ان کے علاقوں میں داخل ہوں، اس لئے امریکی مفادات کے بجائے صحت عامہ کیلئے بھی کی جانے والی کوششیں امریکی طرز عمل کی وجہ سے ناکام ہو رہی ہیں اور بے قصور پولیو ورکر، شدت پسندوں کا کھلم کھلا نشانہ بن رہے ہیں۔حکومت کی جانب سے دہشت گردی کے خلاف واضح پالیسی نہ ہونے کے سبب مسلم لیگ (ن) جو طالبان کے نزدیک پسندیدہ جماعت تھی اب انھیں بھی اے این پی کی طرح سبق سیکھانے کا الٹی میٹم دیا جا رہا ہے جو ایک خطرناک رجحان کی نشان دہی کر رہا ہے۔امریکہ، اگر پاکستان میں اپنے لئے ہمدردی حاصل کرنے کیلئے مخلص ہے تو ایسے اپنے عمل سے ثابت کرنا ہوگا۔افغانستان سے انخلاء کیلئے پاکستان کو دفاعی لحاظ سے مضبوط کرنا خود امریکہ کے مفاد میں ہے، جدید ترین ساز وسامان کو اسکریپ کرنے کے بجائے پاک عسکری قوت کو دینے سے مستقبل میں پاکستانی سرحدوں کی حفاظت، دراصل پورے عالمی خطے کی حفاظت کیلئے ہوگی۔چند ارب ڈالر کیلئے کھربوں ڈالر کی دوبارہ مہم جوئی امریکی کی رہی سہی معیشت کو تباہ کردے گا۔افغانستان کو پاکستان کے بغیر کوئی دوسرا ملک اس لئے کنٹرول نہیں کرسکتا کیونکہ ان کی جغرافیائی و ثقافتی راویات ایک جیسی ہیں اس لئے پاکستان کو افغانستان کی جانب سے دراندزیوں اور غیر ملکی شدت پسندوں کی روک تھام اور ان کے خلاف بھرپور کاروائی کیلئے عسکری مضبوطی ناگزیر ہے، ملک کی مشرقی سرحدیں پر بھارتی جنگی جنونی مہم جوئی کا مسلسل اثر پورے پاکستان پر ہو رہا ہے اسی طرح پاکستان کو غیر مستحکم کرنے والے

عناصر اپنی اس روش سے یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کمزور ہو جائے گا تو ان کے مقاصد پورے میں کامیابی کا تناسب بڑھ جائے گا تو یقینی طور پر یہ ایک غلط فیصلہ ہوگا۔ پاکستان ، اپنی دفاعی قوت کے حوالے سے دنیا میں مضبوط ترین عسکری قوت تسلیم کی جاتی ہے ، امریکہ کے افغانستان سے جانے کے بعد افغانی افواج کی جانب سے مہم جوئی کا شوق ، اور مشرقی حصوں پر بھارتی جنونیت کا مقابلہ تو پاکستان جیسے تیسے کرلے گا لیکن امریکہ اگر یہ سمجھتا ہے کہ پرویز مشروف کی طرح ایک فون کی دھمکی پر پاکستان ایک بار پھر گھٹنے دوبارہ ٹیک دے گا تو یہ غلط فہمی ہوگی اور اسکا ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔ امریکہ عالمی امن و امان کیلئے اپنے طرز عمل میں گنجائش پیدا کرے جو خطے کیلئے بہتری کا مثبت قدم ہوگا۔

نیو ورلڈ آرڈر کی ریشہ دوانیاں

بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امریکہ دنیا کی سیاسی ، اقتصادی، عسکری ، فلاحی اور مذہبی دنیا کی ڈوریں ہلا رہا ہے۔ تجارت ، بینکاری ، فلاحی ، ثقافتی ، تعلیم و صحت اور سائنسی تحقیق سے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان سب کاموں کی آڑ لیکر شیطانی منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ، دنیا سے اسلام کا خاتمہ کرکے نئے نظام "نیو ورلڈ آرڈر" کو دنیا میں نافذ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہود مخالف قوتوں کو تباہ کرنا ، ہالی وڈ ، عالمی میڈیا اور آئی ایم ایف و ورلڈ بنک کے ذریعے دنیا کی دولت کو قبضے میں کرنے کیلئے جو مشنری استعمال ہو رہی ہے ایسے اب ترقی پذیر ممالک ، خاص کر اسلامی ممالک اچھی طرح سمجھنے لگے ہیں لیکن ان کے شکنجے سے نکلنے کیلئے ان کے پاس ایسے ذرائع نہیں ہیں جس بنا پر وہ اپنی گرتی معیشت کو سنبھالتے ہوئے اپنی مملکت کو گروی رکھنے سے بچا سکیں۔

جدید ٹیکنالوجی کے مالک راک فیلرز سمجھے جاتے ہیں۔ جانوروں پر تحقیقات ، جراثیمی اور وبائی امراض پھیلانے کے طریقے ، خاندانی منصوبہ بندی، نیشنل جغرافیک ، عالمی ادارہ صحت اور خلائی تحقیقاتی ادارے "ناسا" وغیرہ میں راک

فیلرز انتہائی موثر کردار ادا کرتے ہیں۔ان اداروں کو بڑی بڑی رقوم فراہم کی جاتی ہے۔ خلائی، عسکری، جنیاتی میدانوں میں جدید ٹیکنالوجی انہی کی تجربہ گاہوں سے نکل کر انہی فیکٹریوں میں تیار ہو کر امریکی حکومت کو فروخت کر دی جاتی ہے۔ہم کسی ٹیکنالوجی مثلاً ڈرون طیارے یا ٹینک کے بارے میں سنتے ہیں کہ یہ امریکہ کی ملکیت ہیں تو اس سے مراد یہ نہیں کہ یہ واقعی امریکی حکومت کی ملکیت ہونگے بلکہ دیکھا یہی گیا ہے کہ یہ اُن یہودیوں کی ملکیت ہوتے ہیں جو وہاں کے چپے چپے کے مالک ہیں۔
جیسے دنیا کی بڑی اسلحہ ساز فیکٹری کے مالک راک فیلر ہیں۔جنگ اول 1914-1918 اور جنگ عظیم دوئم 1939-1945 دونوں میں اتحادیوں کو تیل اور اسلحہ اسی خاندان کی کمپنیوں نے فراہم کیا۔وسط ایشائی ریاستوں کے غیور مسلمانوں کو تباہ کرنے کیلئے، روس کے اندر کیمونسٹ انقلاب کیلئے رقم فراہم کرنے والا ڈیوڈ راک فیلر تھا۔افغانستان پر امریکی حملہ اور قبضہ اس تمام آپریشن کی نگرانی اسی خاندان کا ایک بائیس سالہ نوجوان کر رہا تھا۔ طالبان کی پسپائی کے بعد سب سے پہلے کابل آنے والا یہی نوجوان تھا جو اپنے ذاتی طیارے سے وہاں پہنچا۔ڈیوڈ راک فیلر نے اپنی خود نوشت 2002ء میں شائع کی اس میں وہ لکھتا ہے کہ "لوگ دعوی کرتے ہیں کہ ہم (راک فیلر خاندان) امریکہ کے سیاسی اور اقتصادی اداروں پر قابض ہیں، بعض لوگوں کو اس بات کا یقین ہے کہ ہم

خفیہ کبالہ "کا حصہ ہیں جو امریکہ کے مفادات کے خلاف کام کر رہا ہے، مجھے اور میرے" خاندان کو "بین الاقوامیت کا حامی" تصور کرتے ہیں۔ نیز وہ یہ تصور بھی کرتے ہیں کہ ہم دنیا میں اوروں کے ساتھ ملکر، ایک ایسا بین الاقوامی، سیاسی اور اقتصادی ڈھانچہ کھڑا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو (موجودہ سے) زیادہ مکمل ہوگا اگر یہی الزام ہے تو میں "مجرم ہوں اور مجھے اس پر فخر ہے۔

جان ڈی راک فیلر کے بیٹے نے نیویارک میں اقوام متحدہ کے ہیڈ کواٹر کیلئے زمین چندے میں دی۔ نیلسن راک فیلر نے امریکی اور بین لاقوامی سیاست کو یہودیوں کی لونڈی بنانے قائم کیا اس کے علاوہ اقوام متحدہ کے قیام میں اس کا CFR کیلئے 1921ء میں سی ایف آر بنیادی کردار تھا اسی نے اقوام متحدہ کے دفاتر کیلئے نیویارک میں جگہ دی۔ ورلڈ ٹریڈ سینٹر، ڈیوڈ راک فیلر نے بنوایا تھا ڈیوڈ خود آرٹیکیٹ ہے اس نے دنیا میں ایسے ڈیزائن متعارف کرائے جو قدیم یہودی ثقافت کی نشانیاں ہیں۔ گھروں کے اندر فرش، دیواروں پر چھ اور آٹھ کونے والا ستارہ، سانپ کی طرح بل کھاتی سیڑھیاں، شیطان کا سینگ شیلڈ اور اس طرح کے بہت سارے ڈیزائن جو فن تعمیر میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ گوانتا نو موبے، بگرام اور ابو غریب جیل میں دوران حراست مجاہدین اور عام مسلمانوں پر جو وحشیانہ تشدد کیا گیا اس کے پیچھے جے راک فیلر کا ہاتھ

تھا۔ سی آئی اے نے تشدد کے نئے طریقے کے بارے میں صرف دو لوگوں کو بریف کیا جن میں ایک جے راک فیلر بھی تھا، تشدد کے ان مناظر کی ویڈیو سی آئی اے نے بنائیں تھیں، جو ضائع کردی گئیں، اس کے لئے تحقیقاتی کمیٹی بنائی گئی تو جے راک فیلر نے اس کمیٹی کو ختم کرادیا اس نے کہا "یہ انٹیلی جنس کمیٹی کی ذمہ داری ہے"۔

نسل انسانی کو تباہ کرنے کیلئے جتنے پروگرام چل رہے ہیں انکے منصوبہ ساز راک فیلرز ہیں۔ یہ خاندان ترجیحی بنیادوں پر دنیا کی حکومتوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنے ملکوں میں اس پالیسی کو بزورِ طاقت نافذ کریں۔ راک فیلرز خاندان کا دنیا کے غریب اور اسلامی ممالک پر بڑا اثر رسوخ ہے۔ اسی بناء پر اسلامی ممالک اپنی کوئی پالیسی نہیں بنا پاتے کیونکہ معاشی طور پر انھیں انہی مالیاتی اداروں کے دست نگر ہونا پڑتا ہے، جو راک فیلرز خاندان کی ملکیت ہیں۔ ہمارے اسلامی ممالک، صرف نام کی حد تک اسلامی ہیں، جبکہ ان کی مکمل معاشی پالیسی یہودیت کے نظام ربوبیت پر قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود اسلامی ممالک اپنے زر خرید کرائے کے فوجی مہیا کرنے والوں کے آقا بننے کے باوجود اس جاہل کی طرح ہیں جس نے سمجھ بوجھ تو بہت ہے لیکن جب لکھنے کا مرحلہ آتا ہے تو وہ مجبور ہو جاتا ہے اور تحریر کیلئے پڑھے لکھے کا محتاج بن جاتا ہے۔ اسلامی نظام معیشت کو تباہ

کرنے کیلئے صرف یہ ایک راک فیلرز خاندان ہی نہیں بلکہ اس جیسے متعدد خاندان ہیں جنھوں نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے عالمی مقتدور اداروں پر اپنا باطنی قبضہ کر رکھا ہے۔ راک فیلرز، یہودی ہونے کے باعث مسلمانوں سے خصوصی عدوات رکھتے ہیں، اس خاندان نے خلافت عثمانیہ سے لیکر فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام تک میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ عرب حکمرانوں کو اپنے سحر میں جکڑ کر بیت المقدس پر قبضہ، بوسنیا کے مسلمانوں کے خون سے ہولی، عراق میں درندگی، افغانستان میں دنیا کا ہر اسلحہ استعمال کیا۔ ابو غریب اور گوانتانا موبے کے پنجروں میں انہی کے حکم سے انسانیت کی تذلیل کی جاتی ہے۔ مسلم امہ جب تک امت واحدہ نہیں بنتی اور تفرقوں کا شکار رہے گی اس کی اسی طرح تذلیل کی جاتی رہے گی اور اس کے وسائل پر راک فیلرز جیسے لوگ قبضے کرکے مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر اپنے مقاصد پورے کرتے رہیں گے۔ راک فیلرز کے عالمی سیاست میں اثر و رسوخ کو کم کرنے کیلئے ہمیں اپنی بنیاد صرف قرآن پر رکھنی ہوگی۔ تفرقوں اور فروعی اختلافات کو بالاتر رکھ کر یہودیت کے نظام ربوبیتسے اپنی معیشت کو باہر نکالنے کیلئے اسلامی نظام تعلیم و معیشت کو لاگو و رائج کرنا ہوگا۔ یہی واحد حل ہے۔

بہ شکریہ روزنامہ ایکسپریس ۔ اشاعت 17 مئی

نادرا بی بی" کی کارستانیاں"

صوبہ پنجاب میں ایک اندازے کے مطابق اس وقت ڈیڑھ کروڑ پختون صوبے کی تعمیر وترقی میں اپنا حصہ ادا کر رہے ہیں اور با قاعدہ صوبہ پنجاب کے مقامی شہری ہیں۔ جب متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین کو شناختی کارڈ کے حصول کے سلسلے میں نادرا کی جانب سے رکاوٹوں کے معاملات ، مظاہرے ، دھرنے اور احتجاج کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ سامنے آیا تو دوسری جانب پختون قوم کی سالوں سال سے اس بے چینی کو توثیق مل گئی ہے کہ نادرا کا عملہ متعصب، لسانیت اور جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے حقدار کو قومی شناختی کارڈ سے محروم رکھنے کی مکمل کوشش کرتا رہاہے۔ جس کی وجہ سے پوری پختون قوم برادری میں شدید بے چینی پائی جاتی رہی ہے لیکن ان کا کوئی پرسان حال نہیں کوئی نہیں رہاہے ۔نادرا قومی شناختی اُس کے حقداروں کو بغیر کسی تکلیف اور رشوت کے بغیر جاری نہیں کرتا۔ ضلع چکوال میں گیارہ ہزارپٹھان تقریبا 40 سالوں سے آباد رہائش پذیر ہیں لیکن بد قسمتی کہیں یا عصبیت کا رویہ ، کہ تمام قانونی دستاویزات پوری ہونے کے باوجود انھیں قومی شناختی کارڈ جاری نہیں کیاگیا، جس کی وجہ سے ان بچوں کے " ب فارم "نہیں بن سکے اور ان لاکھوں پختون بچوں کو اسکولوں میں بھی داخلے سے محروم کردیاگیا، جبکہ

حکومتی اداروں کو اگر رشوت دی جائے تو 20 ہزار روپے میں پاسپورٹ تک فوری بن جاتا ہے اور غریب پختون کئی سالوں تک نادرا اور پاسپورٹ آفس کے چکر لگاتے رہتے ہیں۔

نادرا بی بی کا یہ معتصبانہ رویہ صرف ملک کے ایک صوبے میں نہیں ہے بلکہ پنجاب، سندھ بالخصوص کراچی میں تو نادرا بی بی نے یہ وطیرہ بنالیا ہے، کبھی پختون کی شرعی داڑھی طالبان ہونے کے شکوک کے زمرے میں آجاتی ہے تو کبھی سرپر رکھے شملہ کو وجہ اعتراض بنا دیا جاتا ہے۔پاکستان کے قیام کیلئے صرف ایک طبقے نے ہی قربانی نہیں دی بلکہ پختون قوم نے بھی قیام پاکستان کے وقت بے پناہ قربانیاں دیکر تاریخ رقم کی۔ سکندراعظم نے افغانستان کی فتح کے بعد کہا تھا کہ " پوری دینا کو فتح کرنے والا ایک سکندراعظم ہے، جبکہ افغانستان کے ہر گھر میں سکندراعظم موجود ہے" ۔ یہ حقیقت ساری دنیا جانتی ہے کہ پٹھان ایک غیرت مند قوم ہے، پہلے روس جیسی عالمی طاقت کو ناکوں چنے چبوائے اب امریکہ بھی ذلیل و خوار بن کر خطے سے رسوا ہو کر نکل رہا ہے بدقسمتی سے پاکستان میں پختونوں کے ساتھ ہمیشہ سوتیلی ماں کا سلوک کیا جاتا ہے، اگر، پختون اتنے ہی بُرے لگتے ہیں تو افغانستان اور انگریز حکومت کے درمیان ڈیورنڈلائن پر سو سال مکمل ہونے کے معائدے کے بعد وعدے پر عمل درآمد کرتے ہوئے،
افغانستان کے وہ تمام علاقے جو غدار وطن امیر عبدالرحمٰن

نے ڈیورنڈ لائن معاہدے کے تحت انگریز حکومت کو دے دیئے تھے ، واپس افغانستان کو واپس کردیں، لیکن اب ایسا کوئی کرنا بھی چاہیے تو پاکستانی غیرت مند پختون اپنی جان پر کھیل جائیں گے اور پاکستان کی تقسیم کی ہر سازش کو ناکام بنادیں گے ۔

نادرا آفس میں خصوصی طور پر پختون قوم کے ساتھ انتہائی متعصبانہ رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔لوگوں کو لمبی لمبی قطاریں لگانے پڑتی ہیں اور عملہ رشوت لیکر صرف ان ایجنٹ کے کام کرتے ہیں جو انھیں بھاری رشوت دیتے ہیں۔پشاور تک میں نادرا کا عملہ مختلف حیلوں بہانوں سے عوام کو کبھی حیات آباد، کبھی پشاور اور کبھی اسلام آباد بھیج دیتا ہے۔پیدائشی سرٹیفیکٹ ہونے کے باجود لوگوں سے اسٹام پیپر پر حلف نامے لکھوائے جاتے ہیں، ان سے ان کے باپ کا ہی نہیں بلکہ دادا، اور بیشتر نادرا کا عملہ پر دادا کا بھی شناختی کارڈ مانگتا ہے، اگر رشوت دے دی جائے تو پھر وہ کسی کے باپ کی نہیں سنتا، صرف" بابائے قوم" کی سنتا ہے۔ہری پور میں افغان مہاجرین کو اڑھائی لاکھ روپے رشوت کے عوض قومی شناختی اور پاسپورٹ بنانے کا اسکینڈل بھی کسی سے پوشیدہ نہیں رہا اور وہ بھی منظر عام پر آچکا ہے، بس مشکلات ان کیلئے ہیں جن کے پاس پیسہ اور سفارش نہیں ہے۔

پختون قوم کے ساتھ ہونے والی بے انصاف میں سب زیادہ تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ پختون اپنے رواج کے مطابق زبانی نکاح پڑھائے کرتے ہیں، لیکن پختون قوم کی تضحیک کا یہ عمل اتنا شرمناک ہے کہ بوڑھی ضیعف خواتین کو دوبارہ نکاح نامے کیلئے رجسٹرڈ نکاح خواں کے پاس بھیجا جاتا ہے۔زبانی پختون رواج کی شادیوں کا مذاق اُڑانا تو نادرا کا ایک فیشن بن گیا ہے۔نادرا کے سیکورٹی گارڈز بلا تخصیص مرو عورت کے ساتھ انتہائی بد تمیزی سے پیش آتا ہے، اب چاہیے آپ ارجنٹ کارڈ کے ہزار روپے سرکاری طور پر کیوں ہی نہ جمع کرانا چاہتے ہوں، لیکن اس کے لئے بھی گھنٹوں میں قطار می لگنا لازمی ہے۔کراچی میں تسلیم شدہ پچاس لاکھ سے زائد مقامی پختون آباد ہیں اور یہ وہ لاکھوں پختون سندھ کے مقامی پختون ہیں جن کا مرنا جینا، رہنا سہنا سب کچھ کراچی و سندھ سے وابستہ ہے،، یہ تعداد افغانیوں اور روزگار کیلئے آنے والے پختونوں سے ہٹ کر ہے لیکن نادرا کی جانب سے انھیں بھی شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کے حصول کیلئے خیبر پختونخوا جانے کا مشورہ دیا جاتا ہے، یا پھر ان سے 1969ء سے قبل کے مکان کے کاغذات، راشن کارڈ اور بجلی کے بل سمیت ان کے پورے خاندان کے اصل شناختی کارڈ طلب کئے جاتے ہیں۔کرایئے کے مکان میں رہنے والے ہوں یا کچی آبادی کے رہائشی، ان کے لئے تو شناختی کارڈ کا حصول جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔

پختون قوم سخت محنتی ہے اور بیرون ملک جا کر قیمتی کیثر زر مبادلہ پاکستان ارسال کرکے اپنی حب الوطنی کا ثبوت دیتی ہے، لیکن جب سے 11/9 کا واقعہ ہوا ہے، کسی پختون کے نام کے ساتھ لفظ "خان" کا جڑا ہوا اور یا پھر اس کے چہرے پر داڑھی کا ہونا، سوہان روح بن جاتا ہے، جبکہ کراچی جیسے شہر میں نادرا کے کئی دفاتر میں باقاعدہ نوٹس بورڈ پر لکھا جاتا رہا کہ فاٹا اور پاٹا کے عوام زحمت نہ کریں، ایسا لگتا کہ جیسے پختون پاکستان کا حصہ ہی نہیں ہیں۔ مقامی پختونوں کو محض اس لئے پریشان کیا جاتا کیونکہ ان کے آباء خیبر پختونخوا میں ہیں، لیکن کراچی کی ترقی کیلئے جس طرح مہاجروں نے لکھنے پڑھنے کا کام سنبھالا، اسی طرح مشقت اور ٹرانسپورٹ کی تمام ذمے داری پختونوں کے سر پر آگئی اور پختون قوم نے اپنی محنت سے ایک چھوٹی مائی کلاچی کو بین الاقوامی شہر میں تبدیل کردیا۔ اب اگر علاقے ریگولرائز نہیں ہوئے تو یہ ان رشوت خور محکموں کے عملوں کا کام تھا جن کی ذمے داری تھی، ورنہ کراچی کے تمام انڈسٹریل ایریا کی تمام پختون آبادیاں قیام پاکستان سے وہاں آباد لیکن آج تک انھیں زندگی کی بنیادی سہولیات سے محروم رکھا گیا اور کبھی بھی مربوط پلاننگ نہیں کی گئی بلکہ لسانیت اور قوم پرستی کی سیاست کرکے کراچی کو لہو لہو کرڈالا۔ آج پختونوں کی تیسری نسل کراچی میں آباد ہے، اور ایسے بھی ہیں جنھوں نے آج تک خیبر پختونخوا یا افغانستان نہیں دیکھا، لیکن اس کے باوجود ان کا مینڈیٹ کسی نے بھی تسلیم نہیں کیا۔

سعودی عرب میں پاکستانی وزارت داخلہ ، میں کی نا اہلی کی وجہ سے 25 لاکھ کے قریب اوورسیز پاکستانیوں کو پاسپورٹ کی تجدید یا بنانے کی صورت میں شدید مشکلات کا سامنا ہے ، جبکہ MRP) مشین ریڈ ایبل پاسپورٹ) بنانے کی سہولت صرف جدہ اور ریاض میں ہے سابق وفاقی وزیر داخلہ رحمان ملک نے مدینہ منورہ میں نادرا کا ذیلی ونگ کھولنے کا اعلان کیا اور احکامات جاری کئے تھے لیکن وہ ہمیشہ کی طرح اپنا وعدہ وفا نہ کر سکے ، سعودی عرب کا رقبہ پاکستان سے تین گنا بڑا ہے اور MRPکی سہولت صرف ریاض اور جدہ تک ہے ۔ جس سے سعودی عرب میں مقیم پاکستانی کمیونٹی کی تکلیف کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

کمال کی بات یہ ہے کہ نادرا کو اپنے سسٹم پر اندھا اعتماد ہے ، نیشنل ڈیٹا بیس رجسٹریشن اتھارٹی 21 نے مارچ2013ء کو خیبر پختونخوا اور قبائلی علاقہ جات میں تیس ہزار سے زائد افغان مہاجرین کے شناختی کارڈ بلاک کردیئے-

نادرا کے ذرائع کے مطابق خیبر پختونخوا کے 25 اضلاع میں بیس ہزار اور قبائلی علاقہ جات میں پانچ ہزار شناختی کارڈز کو بلاک کیا گیا ، ذرائع کے مطابق نادرا نے غیر ملکیوں کے ملٹی بائیو میٹرک لسٹ تیار کی ہے جس میں 25 لاکھ سے زائد غیر ملکی افراد کا ریکارڈ موجود ہے جس میں ان کی تصویر اور فنگر پرنٹس

بھی شامل ہیں، اس کے باوجود خیبر پختونخوا سمیت ملک بھر میں افغان مہاجرین نے جعل سازی کے ذریعے اثاثے جات اور گاڑیاں بھی خریدی ہیں۔پاکستان میں قانون کی عملداری کی مثال کا اندازہ 30برس سے زائد زیر التوا اس مقدمے سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ 30برس گذرنے کے باجود ہزاروں خواتین کے قومی شناختی کارڈ چوری کرنے کا فیصلہ نہیں سنایا جاسکا تھا۔مقدمہ 30برس سے زیر سماعت، موکلان جوانی میں عدالتوں میں آتے تھے اب بڑھاپے کی گود میں اتر چکے ہیں، تفتیشی افسر بھی اس دنیا سے کوچ کرگیا، ایک ملزم سکندر فالج کا شکار ہوکر ہسپتال میں زیر علاج ہے۔طویل عرصہ گذرنے کے باوجود استغاثہ موکلان کے خلاف کوئی شواہد پیش نہ کرسکا، جبکہ ایف آئی اے کا دعوی تھا کہ اس نے ملزم غلام حیدر کے گھر پر چھاپہ مار کر ہزاروں کارڈ اور پاس پورٹ برآمد کئے، لیکن ایسے گرفتار کرنے کے بجائے انچارج اور جس کی نگرانی اور تحویل میں قومی شناختی کارڈ تھے ایسے ملزم بنایا گیا اور نہ ہی استغاثہ کا گواہ بنایا گیا۔اس مثال کے بعد ہمیں اپنے نظام کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

بھارتی ہندو انتہا پسندی کے مسلمانوں پر اثرات

معروف صحافی کلدیپ نیر نے اپنے ایک مضمون میں لکھا کہ "ہندوستان کی موجودہ نسل تقسیم ہند کی صلیب اپنے کاندھوں پر اٹھائے جی رہی ہے۔" تلخ حقیقت بھی یہی ہے کہ بھارت میں مسلمانوں کو" بھارت ماتا" کا مجرم بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور مسلمان نام کی پاداش میں ظلم و ستم اور جبر کو روا رکھنا "دیش بھگتی "کا تقاضا قرار پایا جاتا ہے۔

گیوار، گولوالکر اور ساورکر کے نظریات کے مطالعہ سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ دیش بھگتی کے نام پر بھارت میں اقلیتیوں اور خاص طور پر مسلمانوں کیخلاف جارحانہ روش اپنائی گئی ہے۔ بھارت میں رہنے والے مسلمان سمجھتے ہیں کہ پینسٹھ سال سے زیادہ گزر جانے کے باوجود مسلم امت اور اس کی قیادت لاکھ کوششوں کے باوجود غیر مسلم ذہنوں کو خاطر خواہ انداز میں مسلمانوں کے حق میں بدلنے میں کامیاب نہیں ہوسکے ہیں۔ ہندو دہشت گردی کے پرچارک اپنی مخالفتوں اور مخاصمت کے میدان میں روز بروز اضافہ کرنے کیساتھ ساتھ بھارتی مسلمانوں کی حب الوطنی کو علی اعلان اپنی جوتی کی نوک پر رکھنے اور ہر سطح پر مسلمانوں کے معاشی اور سماجی حقوق کا گلہ گھونٹنے میں مصروف ہیں۔ کرناٹک میں مسلم

نوجوانوں اور انسانی حقوق کیلیئے لڑنے والا پر عزم اور حوصلہ مند جواں سال وکیل نوشاد قاسمجی کے قتل میں ریاست کے ملوث کے شواہد پائے گئے اور پھر اسی سلسلے کی دوسری کڑی ممبئی کے جواں سال شاہد اعظمی کو بھی نوشاد قاسمجی کیطرح اُس کے گھر کے احاطے میں مسلمانوں کے حقوق کیلیئے آواز اٹھانے پر قتل کردیا گیا۔ پولیس نے حسب روایت اس قتل کو بھی ڈان روی پجاری کے کھاتے میں ڈال دیا۔ ان کا قصور یہی تھا کہ انھوں نے قانونی محاذ میں سینکڑوں بے گناہ افراد کی وکالت کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔

مسلمانوں نے آزادی کی جنگ میں انگریزوں کیخلاف ایک طویل جدوجہد رقم کی ہے جبکہ پاکستان کی مخالفت کرنے میں مولانا ابوالکلام آزاد جیسی ہستیوں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور تقسیم ہند کے سلسلے میں مسلمانوں کی ہجرت روکنے کی جان توڑ مشقت کی تھیں۔ لیکن سنگھ پریوار والوں نے جہاں گاندھی جیسے لیڈر کو قتل کر ڈالا تو ان کی یہ عصبیت بھارتی مسلم رہنماؤں کیلیئے بھی رہی اور انھیں ہمیشہ شک کے دائرے میں کھڑا کیا۔ ڈاکٹر حنیف شہاب کہتے ہیں کہ بھٹکل فسادات کی تحقیقات کرنے والے جگن ناتھ شیٹی کمیشن میں سنگھ پریوار کے وکلاء مجھ پر جرح کرتے ہوئے یکدم مجھ سے تقسیم ہند اور تشکیل پاکستان کے تعلق پر سوال کر بیٹھے تو میں نے کہا کہ "وہ لوگ بیوقوف تھے جو یہاں سے نکل گئے، یہاں ہمیں اس کا عذاب بھگتنا پڑ رہا ہے" تو اس نے دوسرا سوال کیا کہ "تو تم

ہندوستان مین ہی رہ کر ہندوستان کا اسلامائزیشن کرنا چاہتے ہو، جیسے کہ مولانا آزاد کا منصوبہ تھا"۔

بھارت میں ہندو دہشت گردی کے کرتا دھرتاؤں کا مشن یہی ہے کہ بھارت کے کونے کونے میں یہ تاثر پیدا کردیا جائے کہ مسلمان اس ملک کے سب سے بڑے دشمن ہیں اور روئے زمین پر ان سے بڑا خطرہ کوئی نہیں ہو سکتا، لہذا انھیں نیست و نابود کرنا ہی دیش بھگت "کا اصل مشن ہونا چاہیے۔ بھارت میں ان ہی فسطائیت نظریات کے تحت" روزانہ مسلمانوں کو "پاکستان" یا "قبرستان" بھیجنے کیلئے غیر مسلموں کو اکسایا جاتا ہے۔ اسی ذہنیت کی وجہ سے امرتسر پنجاب میں "پروین توگاڑیا" کے حوالے سے آیا تھا کہ مسلمانوں کو ہر سطح پر نوکریوں سے محروم رکھا جائے اور انھیں اس حد تک فاقہ کشی پر " مجبور کیا جائے کہ ان کیلئے "پاکستان" چلے جانے کے سوا کوئی چارہ نہ بچے۔

گورکھشا " کے نام پر مسلمانوں کو جس طرح تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اس کی مثال" بھی نہیں ملتی، سنگھ پریوار کے مسلح افراد کا گائے کی رکھوالی کے نام، پولیس کی طرح ناکہ بندی کرنا یا چیک پوسٹ قائم کرکے تاجروں کو زدوکوب کرنا ایک معمول کی بات بن گئی ہے اور بے حال مسلمان تاجروں کو پولیس کے حوالے کرکے مقدمات قائم کرنا بھی ایک عام سی بات ہو گئی ہے۔ شرمناک بات یہ

ہے کہ پولیس اس پورے عمل میں برابر کی شریک ہوتی ہے، جس کی وجہ سے مسلمان مالی اور جسمانی نقصان کے باوجود بھی سارا خسارا برداشت کرکے یا تو خاموش رہ جاتا ہے یا پھر قانونی چارہ جوئی کے صبر آزما دور سے گذرتے ہوئے نفسیاتی طور پر بھی تباہ ہوجاتا ہے۔آر ایس ایس اور کانگریس کے کردار پر جب بھی تقسیم ہند کے حوالے سے مباحث سامنے آتے ہیں تو ان کے پاس اس بات کا جواب نہیں ہوتا کہ 1925ء سے 1947ء تک بھارت کی آزادی کے حوالے سے برٹش راج کے ساتھ قربتیں اکھنڈ بھارت کے کس تصور کے تحت تھی ؟۔یہی وجہ ہے کہ بھارت کی بڑی سیاسی جماعتیں، جب متحدہ ہندوستان کی تقسیم کے حوالے سے بات کرتی ہیں تو اس تقسیم کی تمام ذمے داری محمد علی جناح اور مسلم لیگ پر ڈال دیتی ہیں۔ محمد علی جناح یقینی طور پر ہندو ذہنیت کو پڑھ چکے تھے اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ ہندو، اپنی سینکڑوں برس کی غلامی اور مسلم حکمرانوں کا دہلی تخت پر بیٹھنے کا بدلہ جمہوریت کے نام پر موجودہ مسلمانوں سے لیں گے اس لئے ان کی تمام تر توجہ اس بات پر تھی کہ پاکستان ایسی مسلم مملکت معرض الوجود میں آجائے جو مسلمانوں کے حقوق کیلئے عالمی برادری میں موثرآواز اٹھا سکے۔پاکستان، محمد علی جناح کے خوابوں کی تعبیر تو نہیں بن سکا اور اکھنڈ بھارت کا خواب دیکھنے والوں نے پاکستان میں تفرقے، صوبائیت، فرقہ واریت واریت اور نسل پرستی کو اتنا فروغ دیا کہ پاکستان کے مسلمانوں کو دنیا بھر کے مسلمانوں کے بجائے اپنے شہریوں کی بقا اور سلامتی کے مصائب لاحق ہوچکے ہیں۔ بھارتی

مسلمانوں کو پاکستان بننے کے بعد سے مسائل کا سامنا ہے اور ان کی حب الوطنی پر شک کی بنیادی وجہ بھارتیوں کا اندرونی ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ماضی کی روایتوں کی طرح پھر مسلمان ان پر حکمرانی کرنے کے قابل ہو سکیں اس لئے مسلمانوں کی ذہنی و جسمانی حالت اتنی پسماندہ کردی جائے کہ قوم موسی کی طرح ان میں خوئے مردانگی ہی ختم ہو جائے۔پاکستان میں امن کی آشا کے نام پر مقتدر حلقے کوشش کرتے رہتے ہیں لیکن ان کی تمام تر کوششیں لائن آف کنٹرول پر ایک گولی چلنے سے ہی رائیگاں چلی جاتی ہے۔

ویزا پالیسی اور تجارتی معائدوں کو ختم کرنے ،ہاکی کھلاڑیوں کو واپس کرنے ، ادب سے وابستہ اور فنکاروں کو طے شدہ پروگراموں میں شرکت سے روکنا،سمیت چھوٹے چھوٹے واقعات اس کے علاوہ ہیں لیکن سب سے شرمناک بات یہ ہے کہ بھارتی حکومت صرف اپنے حب الوطن مسلم شہریوں یا پاکستان سے ہی خوفزدہ نہیں ہے بلکہ پاکستانی، معصوم خواتین کرکٹرز سے بھی اتنے خوفزدہ تھے کہ انھیں اپنی سرزمیں پر.برداشت نہیں کرپارہے تھے اور ہندو انتہا پسندوں کی جانب سے پاکستانی خواتین کرکٹرز کے خلاف ملک کے کونے کونے سے مظاہرین کو اکھٹا کرکے خوفزدہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔ بھارت مسلمانوں سے خوفزدہ ہے، لیکن مودی سرکار کے بعد ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ مسلمان ہندو انتہا پسندوں سے خوفزدہ ہیں، جبکہ مسلمانوں کی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان پر جب بھی بُرا وقت آیا ہے

.تو پھر ایک مومن ، ہزار کافر پر بھاری ہو جاتا ہے

قائد اعظم ہند انتہا پسند ذہیت کو جانتے تھے اس لئے پاکستان کیلئے کوشش کو کامیاب بنایا مودی سرکار ، بھارت کو گجرات سمجھنے کی غلطی نہ کرے ، کہیں ایسا نہ ہو ، وہ تو صرف اسلامی جمہوریہ پاکستان سے خوفزدہ ہے ، کہیں ان کی انتہا پسند کاروائیوں سے ہندوستان میں کئی پاکستان جنم لے لیں ۔ مودی سرکار کی خام خیالی ہو گی کہ دو قومی نظریہ ختم ہو چکا ہے ، جب جب ظلم بڑھا ہے مظلوم اپنے حقوق کے لئے خون کی ہولی کھیل گیا ہے ، اس لئے مودی سرکار بھارتی مسلمانوں کے حقوق کا خیال رکھے ورنہ 1947ء میں تخلیق پاکستان، کو بھولے تو نہیں ہونگے !!!۔

کراچی چھن گیا تو؟؟

سابق وفاقی وزیر داخلہ عبد الرحمٰن ملک کی یہ خوبی رہی ہے کہ انھیں اپنے بیانات کی وجہ سے میڈیا میں سنجیدگی سے نہیں لیا جاتا، ویسے تو پاکستان میں کسی بھی سیاسی جماعت یا لیڈر کو سنجیدہ لینا ہی نہیں چاہیے کیونکہ اُن میں خود سنجیدگی کا عنصر کم ہوتا ہے۔ لیکن عبد الرحمٰن ملک صاحب اپنے متنازعہ اور مزاحیہ بیانات کی وجہ سے کافی غیر سنجیدہ لئے جاتے رہے ہیں اور اب بھی سوشل میڈیا میں بھی ان کا بڑا چرچا رہتا ہے ،لیکن کہتے ہیں کہ کبھی کبھار کسی بات کو بھی سنجیدہ لے لینا چاہیے کیونکہ ہزار باتوں میں ایک بات تو عقل کی ہو سکتی ہے۔ لیکن ان کا ہمیں یہ سمجھ نہیں آتا تھا کہ بیانات دینے سے پہلے ہوش میں ہوتے ہیں یا بیان دینے کے بعد ہوش کھو بیٹھتے ہیں۔ بہر حال ان کا معاملہ فی الحال انہی پر چھوڑ دیتے ہیں اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

گزشتہ دور حکومت میں ان کا دل دہلانے والا ایک بیان اخبارات میں نمایاں شہ سر خیوں کے ساتھ شائع ہوا تھا کہ " کراچی چھین گیا تو حکومت کے ساتھ خفیہ ادارے بھی ذمے دار ہونگے "اس میں قابل ذکر بات یہ تھی کہ انھوں نے طالبان کو کلین چٹ دیتے ہوئے "انکشاف "کیا تھا کہ شہر قائد میں طالبان دہشتگردی نہیں

کر رہے۔انھیں خفیہ اداروں سے یہ شکوہ تھا کہ "خفیہ ادارے صرف رپورٹ دیکر بری الزمہ ہوجاتے ہیں،انھیں سازش کا مقام ،وقت اور تیاری کے حوالے سے بھی بروقت آگاہ کرنا چاہیے۔اگر دشمن کی سازشوں کو بروقت روکنے کے اقدامات نہیں کئے گئے تو تاریخ ،مجھے انٹیلی جنس اداروں کے سربراہوں کو معاف نہیں کرے گی"۔انھوں نے ان باتوں کی وضاحت تو کی نہیں کہ ان کے نزدیک سرحد پار دشمن کون ہیں۔؟ بھارت ، امریکہ ، روس یا اسرائیل ؟۔۔وفاقی وزیر داخلہ کے بیان میں خفیہ اداروں پر عدم اعتماد کا اظہار خود ایک بڑا سوالیہ نشان تو ہے ہی لیکن سب سے بڑا حیران کن لمحہ یہ تھا کہ کراچی میں طالبائزیشن کے حوالے سے بڑھ چڑھ کر بیانات اور اطلاعات دینے والے ملک صاحب نے یکدم طالبان کو کراچی کے حالات سے بری الزمایوں قرار دے دیا تھا ؟۔ ملک صاحب یہ تو بتاتے رہے کہ کالعدم تنظیمیں کراچی میں خوں ریزی کا بازار گرم کریں گی لیکن یہ نہیں بتاتے تھے کہ جب انھیں یہ تمام معلومات ہیں توپھر ان کالعدم تنظیموں کے خلاف سخت کاروائی کرنے میں تامل کیوں برت رہے ہیں؟۔ کراچی کے حوالے سے پوری دنیا کویہ معلوم ہے کہ انتہا پسند جماعتیں و تنظیمیں اپنی جڑیں مضبوط کرچکی ہیں اور انھیں اپنے قدم جمانے کیلئے قوم پرست اور مذہبی جماعتوں نے طالبائزیشن کے حوالے سے مخالفت کرنے کی بناء پر اہم کردار کیا۔ کراچی کی مختلف آبادیوں میں شدت پسندوں نے پناہ حاصل کیں اور

بتدریج اپنے قدم جمانے کے علاوہ اپنے مقامی نیٹ ورک کو مضبوط کیا اور بعض علاقوں میں ان کے اپنے عدالتی نظام ہیں جہاں وہ فیصلے کرتے اور سزا و جزا دیتے ہیں۔

طالبان" کا صیغہ استعمال کرنے کے بجائے انھیں " دہشت گرد" کہنا زیادہ مناسب ہے" کیونکہ اس سے کسی خاص قومیت کی جانب نشاندہی ہونے کے بجائے مخصوص مائنڈ سیٹ کا پتہ چلتا ہے۔ کراچی میں کئی دھماکے ہوچکے ہیں جس میں اب خود کش دھماکے بھی شامل ہیں۔زیادہ تر دھماکے پختون آبادیوں کے نزدیک ہوئے۔ان دھماکوں میں بخاری کالونی، پیر آباد، قصبہ کالونی،اورنگی میٹرو سنیما، سائٹ میٹرول سیکٹر 5، بنارس مظفر آباد ،اتحاد ٹاؤن ، طوری بنگش ، منگھو پیر کے علاوہ موچکو، گلشن جمال، گلشن بونیر،، گلشن حدید ، گلشن اقبال ، سبزی منڈی ماڑی پور، کھارادر،، عزیز آباد، لانڈھی اور سرجانی ودیگر علاقے شامل ہیں۔ کراچی میں حساس اداروں نے 28 ایسے علاقوں کی نشاندہی کی ہے کہ جہاں ملک دشمن عناصر پوری قوت کے ساتھ موجود ہیں اور پولیس کا ان علاقوں میں بلا روک ٹوک جا کر رٹ قائم کرنا ممکن نہیں ہے۔بلکہ پولیس اور رینجرز کی سپورٹ کے بغیر بچوں کو پولیو کے قطرے تک نہیں پلائے جا سکتے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ کراچی کی مخصوص آبادیوں میں انتہا پسند عناصر کی

موجودگی ظاہر کی جاتی ہے کیونکہ ان آبادیوں میں کراچی کے دوسرے علاقوں کی بہ نسبت خود حفاظتی اقدامات نہیں کئے گئے۔ کوئی بھی ان آبادیوں میں آ کر بس جاتا ہے اور اس کے بارے میں کوئی تفصیلات اکٹھا نہیں کی جاتی کہ آنے والا نووارد شخص کون ہے؟۔ کراچی کی مختلف آبادیوں میں دہشتگردی کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن کسی بھی دہشت گرد کیلیئے سب سے محفوظ جگہ وہ علاقے ہوتے ہیں جہاں پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کا عمل دخل کم ہو اور ان علاقوں کی سرحدیں شہر کے داخلی راستوں سے اس طرح جڑی ہوں کہ بلا روک ٹوک ، ان علاقوں سے نقل مکانی کر سکیں ، کراچی کے تینوں داخلی راستے انتہا پسندوں کے کنٹرول میں ہیں۔

رحمان ملک صاحب مسئلے کی نشان دہی تو کرتے تھے لیکن انکے پاس موبائل فون بند کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا اور ابھی تک موجودہ حکومتیں بھی اسی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ کراچی میں روزگار کے لئے آنیوالے کا نہ تو سیاست سے کوئی واسطہ ہے اور نہ ہی وہ مقامی سیاست میں حصہ لیتے ہیں۔ رکشہ، ٹیکسی ، بس ،مزدا چلانے والا ، مزدور پیشہ ، ملازمت پیشہ جب فجر کی اذان کے وقت گھر سے نکلتا تو رات گئے واپس آتا ہے۔ فیکٹری میں کام کرنے ولا یا محنت کش جب گھر آتا ہے تو تھکن سے اتنا چورچور ہوچکا ہوتا ہے کہ ایسے سوائے نیند کے دوسرا کوئی کام نہیں سوجتا۔ پس ماندہ معاشرے میں خواتین

کا کردار انتہائی محدود ہوتا ہے اس لئے ان کی بڑی تعداد عملی طور پر دنیا کی سرگرمیوں سے بے خبر رہتی ہے۔ تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم اعلی تعلیم تک پہنچنے سے قبل روزگار کی تلاش میں رہتے ہیں اس لئے ان کا رجحان دیگر سرگرمیوں تک کم رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قوم پرست اور مذہبی جماعتیں اپنے مقاصد کیلئے ان کا استعمال کرتی ہیں۔
کراچی میں رہنے والوں کو اب خود غور و فکر کی ضرورت ہے کہ آنیوالے دنوں میں ان کا استعمال پھر کون اور کس مقصد کیلئے کرنا چاہتا ہے اس لئے کراچی والوں کو مشورہ یہی ہے کہ وہ محتاط رہیں، کیونکہ کالعدم تنظیموں اور قوم پرستوں نے اُن کو آلہ کار بنا کر ہمیشہ جانی و مالی نقصان دیا ہے اور انھیں استعمال کیا ہے۔ عبد الرحمان ملک کے بیانات اور رضا ربانی کی جانب سے موجودہ سیٹ اپ کے حوالے سے کئے جانے والے انکشافات "معمولی نوعیت کے نہیں کہ انھیں ماضی کی طرح غیر سنجیدگی سے دیکھا جاتا" رہے، لیکن افسوس کا مقام یہی ہے کہ آج تک ان معاملات کو خود عوام نے بھی سنجیدہ نہیں لیا، انھوں نے اپنے علاقوں میں ہونے والی پر اسرار سرگرمیوں پر آنکھیں موند لیں ہیں۔ گو کہ عبدالرحمٰن ملک سراسیمگی پھیلانے میں یکتا ہیں اور شائد اسی وجہ سے انھیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی ہے لیکن ان کے انکشافات سے کراچی کی عوام میں شدید خوف و ہراس پیدا ہوگیا تھا۔

آج بھی کاروباری طبقہ ویسے ہی پریشان ہے جیسے گزشتہ حکومت کی غیر یقینی صورتحال اور اہم حکومتی ارکان کی جانب سے دل دہلانے والے بیانات سے مزید خوف زدہ رہتے تھے۔ کراچی کی عوام تو ویسے ہی رسی کو سانپ سمجھ لیتی ہے۔ کراچی میں سازشوں کا کوئی نیا جال نہیں بُنا جارہا ہے، بلکہ پرانے جال کو مزید تیزی سے پھیلایا جارہا ہے، ہم محسوس کرکے بھی خاموش ہیں، دیکھ کر بھی آنکھیں بند کرچکے ہیں، سن کر بھی بہرے ہیں، ہمیں خود کو بدلنا ہوگا، اپنی نسل اپنے بچوں کو بچانا ہوگا اور ماضی کی طرح بھینٹ چڑھانے کیلئے کراچی کی مختلف قومیتوں کو قربان گاہ کی طرف ہانکا جارہا ہے، یہ تمام قومیتوں کو سمجھنا ہوگا۔ صرف اتنا سوچ لیں کہ اگر کراچی کو چھین لیا تو پھر کیا ہوگا؟ اس لئے پاکستان کے ساتھ، کراچی ۔۔ ہوشیار باش!!

ایمنسٹی انٹر نیشنل کی پاک افواج کیخلاف گھناؤنی سازشیں

ایمنسٹی انٹر نیشنل کی بنیاد ایک وکیل پیٹر بینسین نے بظاہر اُن مملکتوں کو زجر و توبیخ کو نشانہ بنانے کیلئے رکھی جو اپنی حکومتوں میں مختلف طریقوں سے انسانوں پر ظلم و ستم کرتے ۔ پیٹر بینسین کا جذبہ محرکہ 1961ء کی پرتگالی حکومت کے ایک آمر انتونیو سالازار بنا، جس نے اپنے ملک میں آزادی رائے پر قدغن لگا رکھی تھی ۔ واقعہ مشہور ہے کہ لزبن شہر کے ایک ریستوران میں دو طلبہ نے آزادی کا نعرہ لگاتے ہوئے جام چڑھائے تھے ، جس پر حکومت مشتعل ہوئی اور انھیں سات سال کی سزا سنا دی گئی ۔ لندن کے وکیل پیٹر بینسین نے اس واقعے سے متاثر ہو کر ایمنسٹی انٹر نیشنل کی بنیاد رکھی۔ لیکن اس تنظیم پر بھی آہستہ آہستہ تعصب کے شکار سیاسی لوگ قابض ہو گئے ۔ اظہار رائے اور صحافت کے عالمی دن کی مناسبت سے ایمنسٹی انٹر نیشنل نے ایک بار پھر متنازعہ رپورٹ جاری کی ، جس پر مقتدر حلقوں و سیاسی جماعتوں نے شدید اعتراضات کئے۔ صحافت سے وابستہ ہونے کے سبب میرے لئے ضروری تھا کہ میں ایمنسٹی انٹر نیشنل کی رپورٹ کو غیر جانبداری کے توازن میں پرکھوں ، کہ پاکستان کے حوالے سے ماضی میں ایمنسٹی انٹر نیشنل نے جس طرح متنازعہ رپورٹنگ کرکے مملکت کے عسکری اداروں کو دنیا بھر میں بدنام کرنے کی جسارت کی ہے ، آیا حالیہ رپورٹ میں ایمنسٹی انٹر نیشنل کی روش

برقرار ہے یا نہیں۔ کیونکہ ایمنسٹی انٹر نیشنل کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ قومی سلامتی کے اداروں کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔

دسمبر 2012ء میں ایمنسٹی انٹر نیشنل کی جانب سے 93 صفحات پر مشتمل ایک متنازعہ رپورٹ جاری کی گئی تھی، جس میں خاص طور پر پاکستانی افواج اور حساس اداروں کو نشانہ بنانے کی کوشش کی گئی،خاص طور پر عسکری اداروں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا گیا کہ "پاکستان انسانی حقوق کی پامالی روکنے میں ناکام ہے۔"ایمنسٹی انٹر نیشنل بحرالکاہل کی ڈپٹی ڈائرکٹر ٹرواسکاٹ نے وائس آف امریکہ سے اپنی خصوصی گفتگو میں قبائلی عوام کے حوالے سے ایسا تاثر دیا کہ جیسے پاکستانی فوج وہاں کی عوام پر ظلم و ستم ڈھارہی ہو اور یہ علاقے پاکستان کا حصہ نہ ہوں بلکہ ان پر جبری طور پر قبضہ کیا گیا ہو، ان کا مزید کہنا تھا کہ " پاکستانی فوج کو 2011ء میں بغیر کسی جرم کے غیر معینہ مدت تک گرفتار کرنے جیسے قوانین اور اختیارات سے قبائلی عوام پریشان اور مصیبت میں مبتلا ہیں۔"ایمنسٹی انٹر نیشنل نے دعوی کیا کہ " فاٹا کے اکثر علاقوں میں پاکستانی افواج اپنا کنٹرول کرنے میں کامیاب ہوئی ہیں لیکن ہزاروں کی تعداد میں لاپتا قبائلی نوجوانوں کی اکثریت ایسے کیسز میں پاکستانی حکام پر ملوث ہونے کے سنگین الزمات بھی عائد ہیں"۔2012ء میں برطانیہ میں پاکستانی ہائی کمشنر واجد شمس الحسن نے ایمنسٹی انٹر نیشنل کی

رپورٹ پر تبصرے سے گریز کرتے ہوئے وزرات خارجہ سے رجوع کرنے کو کہا لیکن ملکی سلامتی کے ادارے نے فوری طور پر ایمنسٹی انٹر نیشنل کی من گھڑت رپورٹ کا پردہ چاک کیا۔

دسمبر2012ء کو فوج کے شعبہ تعلقات عامہ (آئی ایس پی آر) کی طرف سے فوج13 پر لگائے جانے والے الزامات کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیتے ہوئے اس رپورٹ کو پاکستان اور اس کی مسلح افواج کے خلاف گھناؤنی سازش وپروپیگنڈے کا حصہ قرار دیا،بیان کے مطابق مزید کہا گیا کہ " ایمنسٹی انٹر نیشنل نے یہ ایک ایجنڈے کے تحت من گھڑت کہانیوں کو توڑ مروڑ کر تیار کیا ہے"۔

اپریل2014ء میں ایمنسٹی انٹر نیشنل نے دوبارہ حامد میر کیس کو بنیاد بناتے ہوئے حساس اداروں پر الزام عائد کیا کہ صحافیوں کو ایجنسیوں سے بھی خطرات لاحق ہیں، ایمنسٹی انٹر نیشنل کے ایشا بحر الکاہل کے ڈپٹی ڈائرکٹر ڈیوڈ گریفتھس کے مطابق اس رپورٹ کی تیاری کیلیے70 واقعات کی تفصیل سے تحقیقات کی ہیں اور 100 سے زیادہ صحافتی کارکنوں کے انٹرویو کئے گئے، جبکہ 34 قتل ہونے والے صحافیوں کی روداد بھی شامل کیں ہیں ، رپورٹ میں دعوی کیا گیا کہ متعدد صحافیوں نے ایمنسٹی کیساتھ انٹرویو میں یہ شکایت کی کہ انھیں ایسے افراد کیجانب سے ہراساں یا حملوں کا نشانہ بنایا گیا جو ان کے بقول خفیہ فوجی

ایجنسی آئی ایس آئی سے تعلق رکھتے ہیں۔
آئی ایس آئی پر سنگین الزام ایک بار پھر لگایا گیا کہ وہ دھمکی آمیز فون سے لیکر تشدد، اغوا، عقوبت خانے، بدسلوکیوں اور بعض صورتوں میں ہلاکت میں بھی ملوث ہیں۔ دسمبر 2012ء میں بھی عسکری اداروں کو مشکوک بنانے اور بین الاقوامی طور پر بدنام کرنے کی سازش کی گئی تھی جس کی شدید مذمت کرتے ہوئے ایسی نام نہاد رپورٹوں کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا گیا۔ جبکہ آئی ایس پی آر نے پاکستانی صحافی سلیم شہزاد قتل کیس میں ہیومن رائٹس واچ کے ڈائرکٹر برائے ایشا بریڈ ایڈمز پر سخت تنقید کرتے ہوئے قتل میں ISI کے ملوث ہونے کے الزام کی سختی سے تردید کی اور کہا کہ انھوں نے نہ صرف عدالتی کمیشن کی ساکھ کو خراب کیا بلکہ آئی ایس آئی کو بدنام کیا، یہ واضح ہے کہ مسٹر ایڈمز کی سوچ اور تجزیہ کرنے کی صلاحیت تعصب کا شکار ہے۔
ایمنسٹی انٹر نیشنل کی جانبداری کی ایک مثال اور جھوٹ کے پلندے کے حوالے سے بطور گواہ آپ سب کے سامنے خود کو ذاتی طور پر پیش کرونگا کہ 16 نومبر 2012ء میں کٹی پہاڑی کراچی میں ایک دہشت گردی کے واقعے میں مجھے نشانہ بنایا گیا، جس میں ایک گولی پیشانی، ایک جبڑے، ایک گردن اور ایک کندھے میں لگنے سے شدید زخمی ہوا اور کئی ماہ بستر علالت پر رہا، قابل ذکر بات یہ ہے کہ میں

اُس وقت روزنامہ جنگ کا باقاعدہ ادارتی لکھاری، کالم نویس تھا اور اپنے اوپر ہونے والے حملے کی مکمل روداد بھی روزنامہ جنگ کے ادارتی صفحے پر شایع کی، لیکن اس واقعے پر، منافقت کے تحت خاموشی اختیار کرلی گئی، وگر جنگ کے ادارتی صفحے کے کالم نویس کے شدید زخمی ہونے پر اعلاج تو درکنار دارے کے کسی بھی ایک فرد کا نہ پوچھنا، میڈیا ہاؤس کی" نیک نیتی" کی روشن مثال ہے۔ایمنسٹی انٹر نیشنل کہاں سو رہی تھی کہ مجھ سے انٹرویو نہیں لیا، اس لئے کہ میں فوج اور اپنے عسکری اداروں کے بجائے جنگ کے خلاف بیان دیتا۔جنگ و جیو گروپ کس مصلحت کے تحت خاموش رہے اور کیا مفادات حاصل کئے اس سے آج تک مجھ سمیت سب لاعلم ہیں۔

میرا کالم روزنامہ جنگ میں "جوئے شیر تیشہ سنگ.ِراں ہے زندگی"اشاعت 27 نومبر 2012ء کو روزنامہ جنگ میں شائع ہوا اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ انھیں میرے ساتھ ہونے والے دہشت گردی کا پتہ نہ تھا، اس لنک

http://e.jang.com.pk/pic.asp?npic=11-27-2012%2FLahore%2Fimages%2F11_05.gif پر مکمل کالم بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

ایمنسٹی انٹر نیشنل کا یہ رویہ انفرادی ہی نہیں بلکہ عالمی طور پر مسلم امہ کے ساتھ یکساں روا رکھا جاتا ہے، ایمنسٹی انٹر نیشنل تصویر کا صرف وہی رخ

دکھاتا ہے جو اس کی ضرورت کے عین مطابق ہو۔ مثال کے طور 2006ء میں اسرائیل نے لبنان پر حملہ کیا اور سینکڑوں فلسطینی و لبنانی مسلمان شہید کرڈالے۔ لیکن اسرائیل کی اس وحشیانہ جارحیت پر ایمنسٹی انٹر نیشنل خاموش رہی۔2010ء میں مقبوضہ کشمیر میں بھارت کے خلاف مظاہروں میں بھی تنظیم کو کوئی ظلم و ستم نظر نہیں آیا۔ مغربی ممالک کیجانب سے مسلم ممالک پر جارحیت پر ایمنسٹی انٹر نیشنل خاموش رہتی ہے لیکن مسلم ممالک، ایران، سوڈان، شام، لیبیا حکومتوں کے خلاف آئے دن ایمنسٹی انٹر نیشنل تحقیقی رپورٹس "جاری کرتی رہتی ہے۔ The hands of cruelty -abuses by armed forces and Taliban in Pakistan Tribal areas جیسی نام نہاد رپورٹس میں پاکستانی افواں کو بدنام کرنے کی بین الاواقوم سازش کا حصہ بنائی جاتی ہے کہ جیسے پاکستانی افواج کے ہاتھوں قبائلی عوام اور پاکستانی شہریوں کی جان و مال کا خطرہ اور ان پر ظلم و ستم کیا جا رہا ہے۔

ایمنسٹی انٹر نیشنل کی تحقیقاتی رپورٹس میں پاک فوج کو منفی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے جبکہ امریکہ،برطانوی اور نیٹو افواج کی جارحیت، ابو غریب جیل، گوانتا نو مو جیل اور افغانستان میں امریکی فوجیوں کی غیر انسانی حرکات پر کوئی رپورٹ تیار و جاری نہیں کی جاتی۔ ایمنسٹی انٹر نیشنل کی یہ تنظیم امریکہ و مغربی استعمال کی آلہ کار بن چکی ہے مثلا ایمنسٹی انٹر نیشنل

سابق نائب امریکی وزیر داخلہ ،Suzanne Nossolامریکہ کی سربراہ، سوشین نونسل اور اپنے دور میں امریکی جنگوں کی حامی تھیں۔مسنگ پرسن کے حوالے سے بھی ایمنسٹی انٹر نیشنل کی یکطرفہ رپورٹس جانبدارنہ ہیں ، ایمنسٹی انٹر نیشنل خودساختہ کرداروں پر مشتمل رپورٹس بناتی ہے اور اپنی رپورٹس کے ذریعے سیاسی مقاصد اور خطے میں عدم استحکام کو فروغ دینے پر یقین رکھتی ہے۔ ایمنسٹی انٹر نیشنل کی جانب سے بار بار عسکری اداروں اور فوج پر انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے منفی پروپیگنڈے کا مقصد وہی ہے جو جنگ وجیو گروپ نے حامد میر پر حملے کے بعدپاک فوج کے خلاف روا رکھ کردنیا میں پاکستان کی بدنامی کا سبب بنا۔ ایمنسٹی انٹر نیشنل کو اپنی گھناؤنی سازشوں سے باز رہنا اور خاص طور پر صحافیوں کے کندھے پر بندوق رکھ کرنشانہ لگانے کی احمقانہ حرکت سے گریز کرنا چاہیے۔

اِسلامی آفاقی سوچ و فکر سے خائف دُوہرا نظام تعلیم

اسلام باحیثیت دین مکمل ضابطہ حیات کا عکاس ہے اس لئے اسلام نے جو آئیڈیالوجی پیش کی وہ زندگی کے تمام شعبوں ، سیاست ، اخلاقیات، معاشرت ، معاشیات اور تعلیم پر محیط ہے۔ آج اسلامی نظریہ حیات دورِ جدید کے دو بڑے نظریات اشتراکت اور سرمایہ دارانہ کے سامنے چیلنج بنے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں ۔ کبھی لارڈ میکاولے کا نظام مسلمانوں پر لاد دیتے ہیں ، تو کبھی مسلم ممالک پر چڑھائیاں کرکے ان کی معیشت کو اس قدر کمزور کردیتے ہیں کہ جدید تعلیم کے حصول کے بجائے دفاع کے لئے سارا سرمایہ خرچ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ مسلم ممالک میں تعلیمی شدت پسندی کانشانہ بنایا جائے تو صرف سرکاری اسکولوں کو بموں سے دہشت گردی کے ہاتھوں تباہ کیا جاتا ہے، جبکہ پرائیوٹ اور حیا باختہ تعلیم دینے والے فری میسن کے حلف یافتہ پرائیوٹ اسکول ان دہشت گردی کے نشانوں سے محفوظ رہتے ہیں ۔

اسلام کی آفاقی سوچ و فکر سے خائف دوہرا نظام تعلیم مسلمانوں کیلئے متعارف کرایا گیا جس کی وجہ سے مسلمان دورِ جدید کے علمی تقاضوں سے خود دور نہیں ہوا بلکہ سوچی سمجھی سازش کے تحت دور کرادیا گیا۔ آغازِ اسلام میں قرآن و

حدیث ، فقہ و ہیت ، علم الانساب ، خوشنویسی وغیرہ شامل نصاب تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے دور میں عربی زبان اور قرآن مجید نصاب کا حصہ تھے ۔ خلفائے راشدین کے دور میں تفسیر، حدیث، علم الانساب ، اسماء الرجال ، عربی محاوارت اور جغرافی شامل تھے ۔عباسی دورتک پہنچتے پہنچتے نصابِ تعلیم قرآن، قرات و تفسیر ، فقہ ، خطاطی، جغرافیہ ، تاریخ، ریاضی، جغرافیہ ، علم نجوم ، نظم ، گرامر ، کیمیا، فن تعمیر ، سنگ تراشی ، عسکری فنون، صنعتی فنون اور فن خطابت شامل ہو گئے۔

جب اسلامی سلطنت وسیع ہوئیں تو مساجد کے ساتھ مکاتب نے لے لی، سرکاری اور نجی تعلیمی ادارے کھلے گئے علوم کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا۔بڑے بڑے کتب خانے قائم ہوئے۔امام غزالی پہلے مفکر تھے جنھوں نے لازمی اور اختیاری ، مضامین کے تصور سے آشنا کیا اور علوم شرعیہ کیساتھ علوم دنیویہ کو شامل نصاب کرکے فنی اور پیشہ وارانہ تعلیم کو باقاعدہ رواج دیا۔ بابائے عمرانیات ابن خلدون نے علوم کی دو قسمیں دیں۔پہلے طبعی علوم یا علوم عقلیہ ، طبعی علم میں منطق، حساب، ہیت، موسیقی ، طبعیات الھیات دوسرے تقلیدی علم یا علوم نقلیہ میں تفسیر ، قرات ، حدیث ، فقہ اصول فقہ ، ، علم االکلام ، لغت ، صرف و نحو، اور ادب کے ساتھ پیشہ وارانہ علوم مثلا موسیقی ، مصری، نقاشی ، فن حرب غیرہ بھی نصاب میں تجویز کیے۔

سلطان محمود غزنوی کے زمانے سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور حکومت تک ، برصغیر پاک و ہند میں فارسی سرکاری زبان رہی، ایران کے بعد ہندوستان کو فارسی کا گھر سمجھا جاتا تھا۔ یہ ماننا قطعی غلط ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے تعلیم کیجانب توجہ نہیں دی ۔ شمالی ہندوستان میں کوئی ایسا بڑا شہر اور تمدنی مرکز نہیں تھا جسے ہندو تہذیبی اقدار کا سرچشمہ قرار دیا جا سکتا۔ تعلیم مندروں میں پاٹ شالوں میں دی جاتی تھی۔ ڈاکٹر سی پی رائے نے مسلم علی گڑھ یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ "یہ صحیح نہیں کہ مسلمان ہندوستان میں آ کر صرف بس گئے، وہ لباس زرین جو مسلمانوں نے ہندوستان کی دیوی کو پہنایا، اگر اتار لیا جائے تو وہ کیسی بد نما لگے گی۔" سر جادو ناتھ سرکار اپنی تصنیف انڈیا تھرو دی ایجز" میں اعتراف کرتے ہیں کہ "کتابوں کی نقل کر کے تقسیم کرنے اور" علم کی عام اشاعت کے رواج کیلیے ہم اسلامی اثرات کے رہن منت ہیں ورنہ پرانے ہندو تو اپنی لکھی کتابوں کو خفیہ رکھنا پسند کرتے تھے۔

غزنوی عہد کے دو سو برس (۹۷۶ء تا ۱۱۸۶ء) میں ماوراالنہر (توران) اصفہان وشیراز اور دوسرے علمی مراکز سے عالموں کی بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی۔ جن میں ابو ریحان البیرونی، فردوسی، عنصری، فرخی، مسعود، سعد سلیمان، اور عسجدی قابل ذکر ہیں۔

مساجد کیساتھ مدارس کی تعمیر مسلم حکمرانوں کی روایت رہی ہے

۔ محمود غزنوی نے عظیم الشان کتب خانہ تعمیر کرایا اگر یہ مدرسہ علاؤالدین جہاں سوز کی آگ سے جل کر تباہ نہ ہوتا تو یقیناً اس کی اہمیت آج کے جامعہ ازہر سے بڑھ کر ہوتی۔ سلاطین دہلی کے عہد میں بھی کثرت سے مساجد و مدارس تعمیر ہوئے۔ قطب الدین ایبک اور اس کے جانشین التمش کے عہد حکومت میں " مدرسہ معزی" کی تاسیس و تعمیر ہوئی جیسے قرامطہ نے رضیہ سلطانہ کے عہد میں یورش کرکے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ فیروز شاہ تغلق نے اس برباد شدہ مدرسے کو از سر نو بحال کرکے حصول مرکز بنایا۔ رضیہ سلطانہ نے اپنے عہد میں شہزادہ ناصر الدین کے نام سے "مدرسہ ناصریہ" بنایا یہ بھی زمانے کی دست برد زمانہ سے نہ بچ سکا۔ ناصر الدین نے بھی طبقات ناصری کے نام سے بڑا تعلیمی ادارہ قائم کیا۔ علاؤالدین کے دور میں درگاہ نظام الدین اولیاء کی مسجد اور مدرسے کی دانش گاہیں تھیں۔ محمد تغلق نے شہر دہلی آباد کیا تو اس نے مدرسے اور مساجد بھی تعمیر کیں۔

تغلق دور کا سب اہم مدرسہ "مدرسہ فیروز شاہی" تھا۔ یہ ایک عظیم الشان ہندوستان کی پہلی تکنیکی تعلیم کا کامیاب تجربہ تھا جہاں تفسیر، حدیث، فقہ، فلسفہ، ہیئت اور ریاضی کے علیحدہ شعبے جات تھے۔ فیروز شاہ نے سلطان خلجی کے " حوض خاص" پر تاریخی مدرسہ قائم کیا۔ سکندر لودھی نے آگرہ میں مساجد بنوائیں۔ اسنے ہندوستان، توران، خراسان اور بلاد اسلامیہ سے طبیبوں کی ایک

ایسی جماعت کو یکجا کیا جنہوں نے فن طب پر مستند کتاب مرتب کی جو طب سکندری کہلائی۔ جون پور فیروز تغلق کے نام پر آباد علم و فن کا اہم مرکز بنا۔ جون پور میں مدرسہ بی بی راجہ بیگم "کے نام سے بڑی تعلیم گاہ تھی جو امتداد زمانہ تباہ ہوئی۔" سلاطین مشرقی نے نئے نئے مدرسں کا اضافہ کیا، "اٹالہ مسجد اور مدرسہ "ہندوستان کا اہم تعلیمی ادارہ تھا۔ محمد شاہ بہمنی دوم نے ایک بڑی علمی درسگاہ "مدرسہ محمود گاواں "کے نام سے قائم کی۔

مغلیہ دور میں اکبر نے بڑے بڑے شہروں میں مدرسے قائم کئے جہاں علوم و فنون کی ترویج درجہ کمال کو پہنچ گئی تھی۔ ابوالفضل نے نصاب کی جو تفصیل لکھی ہے اس کے مطابق علم الحساب ، علم الہندسہ، فن زراعت، علم المساحت، علم ہیت، رمل، معاشیات، انتظام ملکی، طبعیات، منطق، ریاضیات، الہیات اور تاریخ کی شعبوں میں ہندو مسلم ملکر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ شاہ جہاں نے "مدرسہ دارلبقا" کے نام سے عظیم الشان مدرسہ قائم کیا۔ اورنگزیب کے دور میں "مدرسہ رحیمیہ" شاہ ولی اللہ کے والد عبد الرحیم نے عہد ساز تعلیمی ادارہ قائم ہوا۔

بد قسمتی سے چودھویں صدی میں کے آخری عشرے میں تیمور اور منگولوں نے جو تباہ کاریاں میں مالی ، جانی اور ادبی نا قابل تلافی نقصان پہنچایا۔ اسی طرح انگریزوں نے ہندوستان پر قبضے کے بعد دہلی ،آگرہ اور مسلمانوں کے دوسرے علمی اور ثقافتی مراکز کو تباہ و برباد کردیا۔ لاکھوں گراں قدر کتابیں

ضائع ہوئیں۔انگریزوں نے سینکڑوں سال کی محنت سے لکھے جانے والا قیمتی اثاثہ چرالیا جو آج بھی یورپی کتب خانوں کی زینت ہیں اور آج بھی بڑی بڑی علمی درسگاہوں میں پڑھایا جاتا ہے۔سرسید احمد خان کے علی گڑھ دارلعلوم کو قائد اعظم نے اسلامی ہند کا اسلحہ خانہ اور اس کے طلبہ کو بہترین سپاہی قرار دیا تھا۔انگریزوں نے دوہرا نظام تعلیم متعارف کرایا جس کی وجہ سے مسلمان دورجدید کے تقاضوں کے مطابق خود کو جلد نہیں ڈھال سکے ۔اس کے علاوہ برطانیہ ، امریکہ اور دیگر یورپی ممالک نے فلاح انسانیت کے بجائے فساد فی الارض کے لئے تباہی کا سامان ایجاد کیا۔

تمام تعمیریں ایجادات مسلمانوں کی ہیں۔جدید سائنس کی بنیاد مسلمانوں نے رکھی۔آج مسلمان تعلیم کیجانب متوجہ نہیں ہیں کیونکہ ایسے خانہ جنگیوں ، بدامنی ، دہشت گردی اور ملکی بغاوتوں میں الجھا دیا گیا ہے۔معاشی طور پر مضبوط مسلم حکومتیں عیاشیوں میں مصروف ہیں۔ترقی پذیر مملکتیں معاشی الجھنوں و مفاہمتی سیاست و تعلیم پر مجرمانہ عدم توجہ کا شکار ہیں۔ سینکڑوں اسکول شدت پسندوں نے تباہ کرڈالے۔مسلم دنیا کو اقوام عالم پر ماضی کی طرح فکری تسلط چاہیے تو انھیں تعلیم کی ترجیح پر توجہ دینا ہوگی جو اصل اسلامی اساس ہے۔ہم موجودہ مدارس کو جدید تقاضوں کیمطابق ہم آہنگ کرکے مسلم امہ کی شان و شوکت بحال کرکے اسلام کیخلاف تعلیمی سازش ناکام بنانا ہوگا۔تعلیمی

فروغ کے لئے اپنے اسلاف کی پیروی کریں۔ کیونکہ یہی واحد حل ہے، غلامی سے نجات کا
۔مغرب کے گن گانے سے بہتر اور جنگ کے نام پر کھربوں روپے آسمانوں پر اڑانے
سے کہیں بہتر ہے کہ اربوں روپے غریب بچوں کو تعلیم پر خرچ کریں۔

بجٹ سال 2008-09 میں سندھ پولیس کا بجٹ 20ارب روپے تھا جو کہ سال 2002-13 میں بڑھ کر 39ارب روپے سے زائد ہو چکا تھا۔ رینجرز کو سال 2008 -09 میں 51 کروڑ کے فنڈ ملے جو کہ سال 2012-13 میں بڑھ کر ایک ارب 29 کروڑ ہو گئے۔ اس کے علاوہ پولیس کیلئے 2009-10 میں 26ارب روپے، 2010-11 میں 31ارب روپے، 2011-12 میں 38ارب روپے کا بجٹ مختص کیا گیا جبکہ رینجرز کے لئے 2009-10 میں 97 کروڑ روپے، 2010-11 میں ایک ارب 19 کروڑ روپے، 2011-12 میں ایک ارب تیرہ کروڑ روپے رکھے گئے۔ امسال 2014-2015 میں سندھ حکومت سندھ پولیس کیلئے تقریبا 50ارب روپے مختص کئے جا رہے ہیں۔ غیر ترقیاتی مد میں تقریبا 41ارب روپے، جبکہ ترقیاتیمد میں تقریبا 10 ارب روپے خرچ کئے جائیں گے۔ جبکہ آئندہ مالی سال کے بجٹ میں پولیس میں 10 ہزار نئی اسامیوں کیلئے بھی ایک ارب روپے کی رقم مختص کی جا رہی ہے۔ ذرائع کے مطابق رواں مالی سال کا میزانیہ 38ارب روپے رکھا گیا تھا جبکہ سندھ پولیس کو آؤٹ بجٹ تقریبا 9ارب دیئے گئے اس طرح مجموعی طور پر سندھ پولیس کو سال 2013-2014کے دوران تقریبا47ارب روپے دیئے گئے، تاہم مختلف تھانوں کی تعمیرات اور تزئین و آرائش کے 50 کرور روپے تاحال نہیں مل سکے، مالی سال 2013-2014کے دوران 5ارب روپے سے بلٹ پروف جیکٹس، بلٹ پروف گاڑیاں اور

دیگر جدید اسلحے کی خریداری کیلئے بھی پولیس کو 100 بلٹ پروف گاڑیوں کا عمل جاری ہے۔

سپریم کورٹ میں انکشاف ہوا کہ کراچی پولیس کے چار سو افسران سنگین جرائم میں ملوث ہیں، حکومتی بے حسی کا عالم ہے کہ کراچی جل رہا ہے اور وفاقی و صوبائی حکومت کو کوئی دلچسپی نہیں۔ ایم آئی ٹی رپورٹ کے مطابق 400 افسران سنگین جرائم میں ملوث ہیں، قابل ذکر بات یہ ہے کہ آئی جی سندھ کو یہ رپورٹ سپریم کورٹ کی جانب سے فراہم کی گئی تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ سندھ پولیس اپنی صفوں میں موجود کالی بھیڑ سے دانستہ ناواقف ہیں۔ یہ افسران قتل، ڈکیتی اور دیگر جرائم میں ملوث ہیں اور ان کی چالان بھی عدالتوں میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ ایک اور حیرت خیز انکشاف سابق ایڈیشنل چیف سیکرٹری داخلہ وسیم احمد نے کیا تھا کہ محکمہ داخلہ کے پاس 1985 سے کی گئی جوڈیشنل انکوئیریز کا ریکارڈ موجود نہیں صرف پندرہ دن کا ریکارڈز مل سکا ہے۔

حساس اداروں کی جانب سے رپورٹ کے مطابق سندھ پولیس میں جرائم پیشہ عناصر موجود ہیں جس پر سی پی ایل سی نے 02 اکتوبر 2019 کو لیٹر نمبر CCPO/Discp میں دو ہزار کانسٹیبلز کے ریکارڈ میں سے چھ سو مشکوک افراد 72-87968 (PC) کے ریکارڈ کو اپنی رپورٹ کے ساتھ آئی جی سندھ کو بھیج دیا جن کی ہدایت پر ڈی

آئی جی ساؤتھ غلام نبی میمن کو ان جرائم پیشہ کانسٹیبلز کے خلاف تحقیقات کا حکم دیا گیا تھا لیکن اُس تحقیقات کا کیا کیا نتیجہ نکلا اس سے آج تک عوام بے خبر ہیں۔ حالاں کہ اس وقت اسلام آباد میں لرزاں طاری ہوگیا تھا کہ خطرناک جرائم میں ملوث افراد شہداد پور، اور کراچی میں ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں۔ سی پی ایل سی کے اُس وقت کے چیف شرف الدین میمن نے رپورٹ کی تصدیق کی تھی۔تاہم اس حوالے سے اس موقف کو بھی دوہرایا تھا کہ ممکن ہے کہ اس فہرست میں کچھ ایسے افراد بھی شامل ہوگئے ہوں جو نام و ولدیت کی مماثلت کی وجہ سے بے گناہ ہوں تاہم اس سلسلے میں حتمی بات تحقیقات کے بعد ہی کہی جا سکتی ہے۔ لیکن سندھ حکومت نے ابھی تک اس اہم معاملے کو زیر التوا رکھا ہوا ہے۔

آئی جی سندھ اقبال محمود نے گارڈن پولیس ہیڈ کواٹر میں دربار سے دوران خطاب اس وقت انکشاف کیا تھاجب وہ ایڈیشنل آئی جی کراچی پولیس تھے،ان کا کہنا تھاکہ نارتھ ناظم آباد کے ایس پی لطیف صدیقی نے ٹرینگ کے بعد سے اب تک اسلحے کو ہاتھ نہیں لگایااور اگر کبھی جرائم پیشہ افراد سے سامنا ہو جائے تو وہ ملزمان سے مقابلہ کرنے کے بجائے انھیں پتھر مار کر بھگائیں گے۔ اس موقع پر ڈی آئی جی سی آئی ڈی منظور مغل، ضلع کے ڈی آئی جیز کے علاوہ ڈی آئی جی ایڈمن عمران یعقوب منہاس بھی موجود تھے۔اس وقت کے ایڈیشنل آئی جی کراچی اور موجودہ آئی جی سندھ اقبال محمود کا کہنا تھا کہ اگر پولیس اہلکار

زخمی ہوجائے تو ٹاؤن کے ایس پیز اس لئے جانے سے کتراتے ہیں کہ کہیں انھیں عیادت کے دوران پیسے نہ دینے پڑ جائیں۔ کرائم سین پر دیر سے پہنچ کر افسران کے منہ تکتے ہیں اور جائے وقوع دیر سے پہنچنے کی عادت کی وجہ سے شواہد ہی مٹ جاتے ہیں اور تفتیشی عمل میں کوئی پیش رفت نہیں ہوتی۔ایس او ایچ سیاسی شخصیات اور بیوروکریسی سے سفارشی فون کراتے ہیں۔ افسران وردی کے بجائے کاٹن کے کپڑوں میں علاقوں میں گھومتے ہیں اور جرائم کی بیخ کنی کے بجائے انھیں منشیات اور جرائم کے اڈے چلانے سے فرصت نہیں۔ جواری سرعام پولیس کو زدوکوب کرتے ہیں اور ایس ایچ اوز کی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ جواری کو پکڑ کر بند کریں۔ آئی جی سندھ اقبال محمود کے یہ انکشافات لمحہ فکریہ ہیں اور وہ اپنا یہ خطاب بھولے بھی نہیں ہونگے۔ بقول خود ان کے ایسا نہ ہو جرائم پیشہ عناصر تھانوں میں گھس کر پولیس کو ماریں اور شہر میں پولیس کی رٹ ختم ہوجائے۔ پولیس کی یہ کارکردگی خود ان کے اعلیٰ ترین افسر کے جانب سے کی گئی ہے۔ لیکن پولیس کا یہ نظام کوئی آج کا بگاڑ کا نتیجہ نہیں ہے۔ کراچی جلے گا نہیں تو کیوں نہیں جلے گا۔

کراچی میں سابق چیف جسٹس آف پاکستان کی سربراہی میں پانچ رکنی بینچ کے ساتھ کراچی بدامنی کیس کی سماعت ہوئی تھی تو دوران سماعت ایڈوکیٹ جنرل سندھ کیجانب سے پیش کردہ رپورٹ پر سپریم کورٹ نے مکمل عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے آئی جی سندھ کو سرزنش کی کہ بغیر اسکوڈ کے چار دن کراچی میں گھوم کر

دکھائیں، اگر ڈر لگتا ہے تو عہدہ چھوڑ دیں۔ کراچی کا سب سے بڑا ہولناک انکشاف کراچی سیکورٹی کے حوالے سے ایک سرکاری رپورٹ میں کیا گیا کہ دہشت گردی کا عفریت کراچی پر پوری طرح چھایا ہوا ہے اور کراچی کے بعض علاقے "وزیرستان" بن گئے ہیں، جبکہ ایک غیر ملکی رپورٹ جو حکومت پاکستان کے پاس ریکارڈ میں یہ ہوش ربا انکشاف کیا گیا کہ "پاکستانوں "کے پاس دو کروڑ مہلک ترین ہتھیار ہیں اور جدید ترین ہتھیار رکھنے والے 178 ملکوں کی فہرست میں پاکستان کا ساتواں نمبر ہے۔اوسطا 20 بیگناہ شہری ہلاک ہوتے ہیں۔وزرات داخلہ کی رپورٹ کے مطابق کراچی میں بھتہ خور، اسلحہ مافیا، قبضہ گروپ ، لسانی ، مذہبی ، گروہی اور فرقہ واریت میں ملوث گروپوں سمیت کالعدم شدت پسند تنظیمیں بے گناہوں کا خون بہا رہی ہیں اور شہریوں کا کوئی 49 غمگسار اور پُرسان حال نہیں۔

ادارے، سیاسی جماعتیں اور ارباب اختیار سب جانتے ہیں ، سمجھتے ہیں، لیکن کراچی کے حالات پر کسی نے بھی سنجیدگی اختیار نہیں کی ۔ حکومتی ایوانوں تک صرف کراچی پر پوائنٹ اسکورنگ کی جاتی رہی ہے ، کراچی آج دہشت گردی کی آگ میں جل رہا لیکن اس آگ کو بجھانے والا کوئی نہیں ہے۔آگ میں تیل ڈال کر ہوا دینے والے ، زخموں پر مرہم رکھنے والے کم اور کفن پہنانے والے بہت ہیں۔گولیاں چلانے والوں کو روکنے والے کم اور اسلحہ لائسنس جاری کرنیوالے

بہت ہیں۔ کراچی کا غم باٹنے والے کم ، کراچی پر دکھاوا کرنے والے بہت ہیں۔آج کراچی جل رہا ہے اور اس کا کوئی غمگسار نہیں ہے۔یاد رکھو، کراچی سے مت کھیلو، سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا۔۔۔اس آگ سے ایک کا نہیں سب کا گھر جلے گا۔صرف راکھ ہی مقدر بنے گی ۔ کراچی ابھی مکمل وزیرستان بنا نہیں ہے۔ یہ خبر بھی تصدیق نہیں چاہتی کہ کراچی کے دس فیصد حصے پر شدت پسند تنظیموں کا عملی قبضہ ہو چکا ہے۔وال اسٹریٹ کی تحقیق کے مطابق کراچی کی ایک تہائی رقبے یعنی 470 مربع میل کے علاقے پر شدت پسندوں کا قبضہ ہے جہاں کم از کم 25 لاکھ نفوس آباد ہیں۔کراچی کی 178 یونین کونسلوں میں سے 33 یونین کونسلیں منی وزیرستان بن گئے ہیں جس میں اب غیر پشتون لیاری جیسے علاقے بھی شامل ہیں۔کراچی صرف چند مخصوص علاقوں میں بدامنی کا نام نہیں ہے، قانون شکن جب چاہتے ہیں، جہاں چاہتے ہیں، جس طرح چاہتے ہیں اپنا کام کرتے ہیں، انھیں کسی قانون نافذ کرنے والے ادارے کا خوف بھی نہیں۔

قانون نافذ کرنے والوں اداروں کو عوام کے ٹیکس سے اربوں روپے دیئے جارہے ہیں اور عوام اس کا نتیجہ مانگتے ہیں، لیکن عوام کو خود بھی اپنی اصلاح کرنی ہوگی، قانون نافذ کرنے والے اداروں کا ساتھ دینا ہوگا، بلا شبہ کالی بھیڑوں سے کوئی ادارہ، کوئی سیاسی و مذہبی جماعت صاف نہیں ہے، لیکن عوام کو خود بھی آگے بڑھنا ہوگا، اس روز روز کے تماشے کو ختم کرنے کیلئے اپنے

علاقوں میں خود کو منظم کرکے قانون کے ہاتھ مضبوط کرنا ہونگے ۔نووارد، پراسرار اور مشکوک افراد سے اپنے علاقوں کو صاف کرنا عوام کی طاقت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ہم سب ذمے داری پولیس ، رینجرز پر ڈال کر بری الزمانہیں ہو سکتے ، کوئی جنگ عوام کی طاقت کے بغیر نہیں جیتی جا سکتی ، جہاں ایک طرف اداروں میں ضرورت اس بات کی ہے کہ تطہیر کا عمل کیا جائے تو دوسری جانب سیاسی جماعتوں کا بھی جرائم پیشہ افراد سے لاتعلقی کا اعلان انتہائی حوصلہ افزا ہے ، لیکن اس کے لئے نیتوں کی پاکیزگی ضروری ہے ، اگرایک طرف قانون نافذ کرنے والوں کے ہاتھ کسی بے گناہ یا سیاسی وابستگی کی بناء پر محض شک کی بنیاد پر جھوٹے کیسوں کی بنیاد نہ بنیں تو یقینی طور پر عوام کا اعتماد ان اداروں پر بڑھے گا اور کالی بھیڑوں کو اپنی صفوں سے باہر نکالنے کیلئے عوام ہر قسم کی مدد کو تیار اس لئے ہوگی کیونکہ اس عمل میں ان کی بقا ہے۔ کراچی کے امن میں عوام کی نسل کی تعلیم وتربیت و عزت نفس سمیت غیرت کے تحفظ پوشیدہ ہے۔اپنی نسلوں کو محفوظ بنانا ہے ، اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرنی ہے اور اپنے رب کے آگے سرخرو ہونا ہے تو ہمیں ایک مٹھی ہو کر طاقت بنانا ہوگی ، بکھرے ہوئے عوام کبھی بھی قوم نہیں کہلائی جاتی اور یہی عین کمزوری ہے۔

سر سید سا غدار

بات تو رسوائی کی ہے لیکن بات کہنا بھی ضروری ہے۔ موجودہ حالات میں فضا کچھ غداری کی چلی ہوئی ہے۔ ہر طرف شور ہے کہ غدار کون ہے؟۔ لیکن سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ہم کسی کو غدار کہہ کیوں رہے ہیں؟۔ ویسے بھی غداری کچھ فیشن سا بنتا جا رہا ہے۔ جنگ آزادی کو غدر قرار دیکر پہلے مسلمانوں کی جدوجہد کو غداری سے موسوم کیا گیا تھا تو پھر انگریز سرکار نے ہندوستان پر قبضے کے بعد جدوجہد کرنے والوں کو غدار کہہ کر سزائیں دیں۔

1857ء کے سانحہ ء ہوشربا کے بعد مسلمانانِ ہند کی حالت بد سے بدتر ہو چکی تھی سلطنت، دولت و حشمت اور عزت ناموس کو غارت و تباہ و برباد کر دیا گیا، ابنائے قوم کو چن چن کو قتل کیا گیا۔ صلیبی جنگوں کا بدلہ لینے کیلئے جہاں ایک طرف انگریز شعلہ نفرت میں ملبوس تھا تو دوسری جانب ہندو پنڈت اپنی ہزار سالہ غلامی کا بدلہ لینے کے لئے دانت پیس رہا تھا۔ سر سید احمد خان نے جب اپنا مشہور رسالہ "اسباب بغاوتِ ہند" لکھا تو اس رسالے نے ہندوستان اور انگلستان کے سیاسی حلقوں میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ اسی طرح سر سید احمد خان "لائل محمڈنز آف انڈیا" میں لکھتے ہیں کہ "اس وقت کوئی آفت ایسی برپا نہیں

جس کے متعلق یہ نہ کہا گیا ہو کہ ایسے مسلمانوں نے برپا کیا ہے۔ خواہ وہ کسی رام دین یا ماتا دین ہی نے کیوں نہ برپا کی ہو، کوئی بلا آسمان سے نہیں آئی، جس نے سب سے پہلے مسلمان کا گھر نہ تاکا ہو، کوئی کانٹوں والا درخت اس زمانے میں نہیں اگا جس کی نسبت یہ نہ کہا گیا ہو کہ اسے مسلمانوں نے بویا ہے، کوئی آتشیں بگولہ نہیں اٹھا جس کے متعلق یہ نہ مشہور کیا گیا ہو کہ اسے مسلمانوں نے اٹھایا"۔

اسباب بغاوت ہند کے رسالے پر انگریز حکومت کے جوشِ غیظ و غضب کا اندازہ ان الفاظ سے لگایئے جو گورنمنٹ آف انڈیا کے فارن سیکرٹری مسٹر بیڈن نے کہے "اِس شخص نے بہت باغیانہ مضمون لکھا ہے، اس سے حسب ضابطہ فورا باز پرس کی جائے اور اگر کوئی معقول جواب نہ دے سکے تو سخت سزا دی جائے"۔ سر سید احمد خان اس وقت انگریز ملازمت میں تھے، ان کی دلیرانہ ہمت پر انگلستان کے مشہور اخبار "ہوم نیوز" نے اس رسالے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ "سر سید نے انتہائی دلیری سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور یہ بات محتاجِ بیان نہیں کہ ان کی اس جرات مندانہ رائے نے حکمران طبقہ کو بے حد متاثر کیا ہے"۔

بغاوت ہند کے ایک ہی سال بعد یعنی 1858ء میں کلکتہ، بمبئی اور مدارس میں جدید علوم کی یونیورسٹیاں قائم ہوگئیں تھیں جن میں ہندو جوق در جوق داخل

ہو رہے تھے لیکن مسلمانوں کے علماء اکرام نے فتوی دے رکھا تھا کہ انگریزی پڑھنا حرام ہے۔ اس لئے مسلمانوں نے ایسے شجر ممنوعہ سمجھا، جس کا نتیجہ یہ رہا کہ بیس سال میں صرف بیس مسلمان گریجویٹس ہوسکے۔ ان یونیورسٹیوں سے نکلے ہوئے غیر مسلم ، حکومت کی مشنری میں داخل ہوتے رہے، بالآخر سر سید احمد خان نے 1863ء میں سائینٹیفک سوسائٹی کی بنیاد رکھی جس کا اولیں مقصد تھا کہ عصر حاضر کے علوم سے متعلق جو کتابیں انگریزی میں شائع ہوں ، ان کا اردو میں ترجمہ کیا جاسکے۔

اپریل 1869ء یورپ کے سفر کے بعد جب اکتوبر 1870ء میں سر سید احمد خان واپس ہندوستان پہنچے تو انھوں نے مسلمانوں کی تعلیمی زبوں حالی پر ایک کمیٹی" خواستگار ترقی تعلیم "بنائی جس کا فریضہ تھا کہ وہ تحقیق کرے کہ مسلمان تعلیم میں پیچھے کیوں ہیں۔ 24 مئی 1875ء کو سر سید احمد خان نے مدرسہ کی بنیاد رکھی ، جو درحقیقت کسی مدرسہ کی نہیں بلکہ قیام پاکستان کی پہلی اینٹ تھی۔ سر سید احمد خان یہاں یہ کوشش کر رہے تھے تو دوسری جانب مولوی حضرات ان کے پیچھے کفر کا ڈنڈا لئے پھر رہے تھے ، فتوی جاری ہوا کہ "جو لوگ مدرستہ العلوم قائم کرنا چاہتے ہیں وہ درحقیقت مسلمان نہیں" ایک مفتی صاحب مولوی کریم اللہ نے فتوی دیا کہ "ایسے ناپاک کا نام مدرسہ رکھنا اور محل تعلیم و تحصیل سمجھنا، آدمیت سے نکلنا ہے اور زمرہ حیوانیت میں داخل ہونا ہے ،

بالکل عاطل بلکہ صرف کرنا مال کا، ایسے محل میں موجب کندہ ہونا جہنم اور ایسے ہے بے محل میں مساعی ہونا ہیمہ اور مطب بننا لازم، الحاصل معاونت ایسے غارتی ایمان اور مال کی اور للہ سمجھنا اپنے مال کا خیالِ خام ہے، نے یوں سمجھو کہ اپنے ہاتھ سے جہنم میں مکان بنانا ہے۔" سر سید احمد خان ملاؤں کو جواب بھی دیتے رہے اور مدرسہ علی گڑھ کی بنیاد بھی رکھی۔

ملک میں قریب ساڑھے آٹھ سو ہندو گریجویٹس تھے اور صرف بیس مسلمان، علی گڑھ کالج 1878ء میں کھلا اور اس کے بیس سال بعد جب سر سید کی فات ہوئی تو ملک میں گریجوایٹس مسلمان تھے اور 174 انڈر گریجویٹس تھے، اس کالج نے اتنا ہی نہیں کیا126 بلکہ اس دیوار کو بھی گرایا جو مسلمانوں کے اور علوم عہد حاضرہ کے درمیان کفر کا ہوا بن کر حائل تھی۔ نتیجہ ملک میں دیگر مقامات مثلاً لاہور، امرتسر، کراچی، حیدر آباد، بہاول پور وغیرہ میں مسلمانوں کے اسکول اور کالج کھلنے شروع ہوگئے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں1881ء تک ملک میں صرف 43 مسلمان گریجویٹس تھے1893ء تک ان کی تعداد339تک پہنچ گئی 1894ء سے1898ء تک صرف الہ آباد اور پنجاب میں ان کی تعداد 185 تھی، عام تعلیم کی یہ حالت تھی کہ بنگال میں1881ء میں کالجوں اور اسکولوں میں ایک لاکھ پچاسی ہزار مسلمان طالب علم تھے اور 1894ء تک ان کی تعداد چار لاکھ نوے ہزار تک پہنچ گئی۔ یہ نتیجہ تھا ایک مرد درویش دیدہ ور کی دور نگہی اور جرات آموزی کا۔

بات یہ نہیں تھی کہ غیر مسلم کے مقابلے میں کتنے مسلم گریجویٹس پیدا کئے جا رہے ہیں بلکہ زنجیر غلامی کو توڑنے کی ایک ایسی کوشش تھی جس نے وقت کے ساتھ یہ ثابت کر دیا کہ، بقول سر سید احمد خان نے 1865ء میں فرمایا تھا کہ " ہندوستان میں ایک قوم نہیں بستی ، مسلمان اور ہندو دو الگ الگ قومیں بستی ہیں"۔ سر سید احمد خان نے غدار، کافر، نیچری جیسے فتوؤں کے باوجود مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کیلئے مسلمانوں کو جدید تعلیم سے منور کیا اور اس جدوجہد نے آگے چل کر مسلمانوں کی جداگانہ تنظیم کی شکل اختیار کی اور 1906ء میں مسلم لیگ کا وجود عمل میں آیا۔ جس کے جوائنٹ سیکرٹری علی گڑھ تحریک کے روح رواں نواب محسن الملک اور وقار الملک تھے ، لیگ کا صدر مقام بھی علی گڑھ ہی تھا، یہی وہ تنظیم تھی جو آگے بڑھتے بڑھتے تحریک پاکستان کی صورت اختیار کر گئی اور 1947ء میں ، یعنی سر سید احمد خان کے وفات کے پچاسی سال بعد۔۔۔ مسلمانوں کی جداگانہ مملکت ، پاکستان کے حسین پیکر میں نمودار ہوئی۔ اگر غدار سر سید احمد خان کچھ نہ کرپاتا تو محمد علی جوہر نہ ہوتا، شوکت علی جوہر نہ ہوتا، نہ اقبال ہوتا، نہ جناح ہوتے اور ہم آج ہندوستان میں شودروں سے بھی بدتر زندگی بسر کر رہے ہوتے۔

مدرسۃ العلوم کی تعلیم سے سر سید کا پیش نظر کیا تھا اس کا اندازہ ان کے اس خطاب سے لگایئے جو انھوں نے طلبا سے کیا تھا"یاد رکھو! سب سے سچا کلمہ

لا الہ الااللہ محمد رسول اللہ ہے۔ اس پر یقین رکھنے کی بدولت ہماری قوم ، ہماری قوم ہے اگر تم نے سب کچھ کیا اور اس پر یقین نہ کیا تو تم ہماری قوم نہ رہے ، پھر اگر تم آسمان ، کے ستارے بھی ہوگئے تو کیا۔ مجھے امید ہے کہ تم علم اور اسلام دونوں کے نمونے ہوگے "اور جبھی ہماری قوم کو حقیقی عزت نصیب ہوگی۔

سر سید احمد خان اپنے حصے کا کام کر گئے ، ہمیں اپنے حصے کا کام کرنا ہے۔ مغربی ممالک ہمارے تعلیمی نظام میں رخنہ ڈالنے میں کامیاب ہوچکے ہیں اور ہم ایک جانب نہ تو انگلش میڈیم ہیں اور نہ ہی اردو میڈیم ہیں۔ نقل مافیا نے رہی سہی کسر پوری کردی ہے اور کسی حکومت نے اعلی تعلیمی ادارے بنا کر قوم میں نشاۃ ثانیہ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ غداروں کی فیکٹریوں سے کوئی تو سید احمد خان کی طرح " غدار" نکال کر قوم کی خدمت کرے۔

کراچی سے دہشتگردی کا سدباب ممکن ہے

3 حساس اداروں کی جانب سے رپورٹ کے مطابق سندھ پولیس میں جرائم پیشہ عناصر موجود ہیں جس پر سی پی ایل سی نے 02 اکتوبر 2019 کو لیٹر نمبر CCPO/Discp (PC) 87968-72 میں دو ہزار کانسٹیبلز کے ریکارڈ میں سے چھ سو مشکوک افراد کے ریکارڈ کو اپنی رپورٹ کے ساتھ آئی جی سندھ کو بھیج دیا جن کی ہدایت پر ڈی آئی جی ساؤتھ غلام نبی میمن کو ان جرائم پیشہ کانسٹیبلز کے خلاف تحقیقات کا حکم دیا گیا تھا لیکن اُس تحقیقات کا کیا کیا نتیجہ نکلا اس سے آج تک عوام بے خبر ہیں۔ حالاں کہ اس وقت اسلام آباد میں لرزاں طاری ہوگیا تھا کہ خطرناک جرائم میں ملوث افراد شہداد پور، اور کراچی میں ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں۔ سی پی ایل سی کے اُس وقت کے چیف شرف الدین میمن نے رپورٹ کی تصدیق کی تھی۔ تاہم اس حوالے سے اس موقف کو بھی دوہرایا تھا کہ ممکن ہے کہ اس فہرست میں کچھ ایسے افراد بھی شامل ہوگئے ہوں جو نام و ولدیت کی مماثلت کی وجہ سے بے گناہ ہوں تاہم اس سلسلے میں حتمی بات تحقیقات کے بعد ہی کہی جا سکتی ہے۔ لیکن سندھ حکومت نے ابھی تک اس اہم معاملے کو زیر التوا رکھا ہوا ہے۔

آئی جی سندھ اقبال محمود نے گارڈن پولیس ہیڈ کوارٹر میں دربار سے دوران خطاب

اس وقت انکشاف کیا تھا جب وہ ایڈیشنل آئی جی کراچی پولیس تھے ،ان کا کہنا تھا کہ نارتھ ناظم آباد کے ایس پی لطیف صدیقی نے ٹریننگ کے بعد سے اب تک اسلحے کو ہاتھ نہیں لگایا اور اگر کبھی جرائم پیشہ افراد سے سامنا ہو جائے تو وہ ملزمان سے مقابلہ کرنے کے بجائے انھیں پتھر مار کر بھگائیں گے۔ اس موقع پر ڈی آئی جی سی آئی ڈی منظور مغل ضلع کے ڈی آئی جیز کے علاوہ ڈی آئی جی ایڈمن عمران یعقوب منہاس بھی موجود، تھے۔اس وقت کے ایڈیشنل آئی جی کراچی اور موجودہ آئی جی سندھ اقبال محمود کا کہنا تھا کہ اگر پولیس اہلکار زخمی ہوجائے تو ٹاؤن کے ایس پیز اس لئے جانے سے کتراتے ہیں کہ کہیں انھیں عیادت کے دوران پیسے نہ دینے پڑ جائیں۔ کرائم سین پر دیر سے پہنچ کرافسران کے منہ تکتے ہیں اور جائے وقوع دیر سے پہنچنے کی عادت کی وجہ سے شواہد ہی مٹ جاتے ہیں اور تفتیشی عمل میں کوئی پیش رفت نہیں ہوتی۔ایس او ایچ سیاسی شخصیات اور بیوروکریسی سے سفارشی فون کراتے ہیں۔ افسران وردی کے بجائے کاٹن کے کپڑوں میں علاقوں میں گھومتے ہیں اور جرائم کی بیخ کنی کے بجائے انھیں منشیات اور جرائم کے اڈے چلانے سے فرصت نہیں۔ جواری سر عام پولیس کو زد و کوب کرتے ہیں اور ایس ایچ اوز کی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ جواری کو پکڑ کر بند کریں۔ آئی جی سندھ اقبال محمود کے یہ انکشافات لمحہ فکریہ ہیں اور وہ اپنا یہ خطاب بھولے بھی نہیں ہونگے۔ بقول خود ان کے ایسا نہ ہو جرائم پیشہ عناصر تھانوں میں گھس کر پولیس کو ماریں اور شہر میں پولیس کی رٹ ختم

ہو جائے۔ پولیس کی یہ کارکردگی خود ان کے اعلیٰ ترین افسر کے جانب سے کی گئی ہے۔ لیکن پولیس کا یہ نظام کوئی آج کا بگاڑ کا نتیجہ نہیں ہے۔ کراچی جلے گا نہیں تو کیوں نہیں جلے گا۔ پولیس کی اس کارکردگی پر سپریم کورٹ کا ایک ریمارکس تاریخ کا حصہ بن گیا، کراچی میں سابق چیف جسٹس آف پاکستان کی سربراہی میں پانچ رکنی بینچ کے ساتھ کراچی بدامنی کیس کی سماعت ہوئی تھی تو دوران سماعت ایڈوکیٹ جنرل سندھ کی جانب سے پیش کردہ رپورٹ پر سپریم کورٹ نے مکمل عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے آئی جی سندھ کو سرزنش کی کہ بغیر اسکوڈ کے چار دن کراچی میں گھوم کر دکھائیں، اگر ڈر لگتا ہے تو عہدہ چھوڑ دیں۔

کراچی بدامنی کا سب سے بڑا ہولناک انکشاف کراچی سیکورٹی کے حوالے سے ایک سرکاری رپورٹ میں کیا گیا کہ دہشت گردی کا عفریت کراچی پر پوری طرح چھایا ہوا ہے اور کراچی کے بعض علاقے "وزیرستان" بن گئے ہیں، جبکہ ایک غیر ملکی رپورٹ جو حکومت پاکستان کے پاس ریکارڈ میں یہ ہوش ربا انکشاف کیا گیا کہ "پاکستانوں" کے پاس دو کروڑ مہلک ترین ہتھیار ہیں اور جدید ترین ہتھیار رکھنے والے 178 ملکوں کی فہرست میں پاکستان کا ساتواں نمبر ہے۔اوسطا 20 بیگناہ شہری ہلاک ہوتے ہیں۔ وزرات داخلہ کی رپورٹ کے مطابق کراچی میں بھتہ خور، اسلحہ مافیا، قبضہ گروپ ، لسانی ، مذہبی ، گروہی اور فرقہ واریت میں ملوث گروپوں سمیت 49 کالعدم

شدت پسند تنظیمیں بے گناہوں کا خون بہا رہی ہیں ا، شہریوں سے طالبان کے نام پر کوئی بھی بھتہ مانگ سکتا ہے، اس میں طالبان ملوث ہیں یا ان کا سنام استعمال کیا جاتا ہے پولیس بھی ابھی تک واضح نہیں کر سکی۔

ادارے، سیاسی جماعتیں اور ارباب اختیار سب جانتے ہیں، سمجھتے ہیں، لیکن کراچی کے حالات پر کسی نے بھی سنجیدگی اختیار نہیں کی۔ حکومتی ایوانوں تک صرف کراچی پر پوائنٹ اسکورنگ کی جاتی رہی ہے، کراچی آج دہشت گردی کی آگ میں جل رہا لیکن اس آگ کو بجھانے والا کوئی نہیں ہے۔ آگ میں تیل ڈال کر ہوا دینے والے، زخموں پر مرہم رکھنے والے کم اور کفن پہنانے والے بہت ہیں۔ گولیاں چلانے والوں کو روکنے والے کم اور اسلحہ لائسنس جاری کرنیوالے بہت ہیں۔ کراچی کا غم بانٹنے والے کم، کراچی پر دکھاوا کرنے والے بہت ہیں۔ آج کراچی جل رہا ہے اور اس کا کوئی غمگسار نہیں ہے۔ یاد رکھو، کراچی سے مت کھیلو، سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا۔۔۔ اس آگ سے ایک کا نہیں سب کا گھر جلے گا۔ صرف راکھ ہی مقدر بنے گی۔ کراچی ابھی مکمل وزیرستان بنا نہیں ہے۔ یہ خبر بھی تصدیق نہیں چاہتی کہ کراچی کے دس فیصد حصے پر شدت پسند تنظیموں کا عملی قبضہ ہوچکا ہے۔ وال اسٹریٹ کی تحقیق کے مطابق کراچی کی ایک تہائی رقبے یعنی 470 مربع میل کے علاقے پر شدت پسندوں کا قبضہ ہے جہاں کم از کم 25 لاکھ نفوس آباد ہیں۔ کراچی کا خدوخال ہی بدلتا جارہا ہے بین الاقوامی طور پر

کراچی کی شناخت انتہائی خطرناک ترین شہروں میں کئے جانے لگا ہے اور کہا جاتا ہے کہ کراچی کی 178 یونین کونسلوں میں سے 33 یونین کونسلیں منی وزیرستان بن گئے ہیں جس میں اب غیر پشتون لیاری جیسے علاقے بھی شامل ہیں۔ کراچی صرف چند مخصوص علاقوں میں بد امنی کا نام نہیں ہے، قانون شکن جب چاہتے ہیں، جہاں چاہتے ہیں، جس طرح چاہتے ہیں اپنا کام کرتے ہیں، انھیں کسی قانون نافذ کرنے والے ادارے کا خوف بھی نہیں۔

قانون نافذ کرنے والوں اداروں کو عوام کے ٹیکس سے اربوں روپے دیئے جا رہے ہیں اور عوام اس کا نتیجہ مانگتے ہیں، لیکن عوام کو خود بھی اپنی اصلاح کرنی ہوگی، قانون نافذ کرنے والے اداروں کا ساتھ دینا ہوگا، بلا شبہ کالی بھیڑوں سے کوئی ادارہ، کوئی سیاسی و مذہبی جماعت صاف نہیں ہے، لیکن عوام کو خود بھی آگے بڑھنا ہوگا، اس روز روز کے تماشے کو ختم کرنے کیلئے اپنے علاقوں میں خود کو منظم کرکے قانون کے ہاتھ مضبوط کرنا ہونگے۔ نووارد، پر اسرار اور مشکوک افراد سے اپنے علاقوں کو صاف کرنا عوام کی طاقت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ہم سب ذمے داری پولیس، رینجرز پر ڈال کر بری الزما نہیں ہو سکتے، کوئی جنگ عوام کی طاقت کے بغیر نہیں جیتی جا سکتی، جہاں ایک طرف اداروں میں ضرورت اس بات کی ہے کہ تطہیر کا عمل کیا جائے تو دوسری جانب سیاسی جماعتوں کا بھی جرائم پیشہ افراد سے لاتعلقی کا اعلان انتہائی حوصلہ

افزا ہے ، لیکن اس کے لئے نیتوں کی پاکیزگی ضروری ہے ، اگر ایک طرف قانون نافذ کرنے والوں کے ہاتھ کسی بے گناہ یا سیاسی وابستگی کی بناء پر محض شک کی بنیاد پر جھوٹے کیسوں کی بنیاد نہ بنیں تو یقینی طور پر عوام کا اعتماد ان اداروں پر بڑھے گا اور کالی بھیڑوں کو اپنی صفوں سے باہر نکالنے کیلئے عوام ہر قسم کی مدد کو تیار اس لئے ہوگی کیونکہ اس عمل میں ان کی بقا ہے۔ کراچی کے امن میں عوام کی نسل کی تعلیم وتربیت و عزت نفس سمیت غیرت کے تحفظ پوشیدہ ہے۔ اپنی نسلوں کو محفوظ بنانا ہے ، اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرنی ہے اور اپنے رب کے آگے سرخرو ہونا ہے تو ہمیں ایک مٹھی ہو کر طاقت بنا ہوگی ، بکھرے ہوئے عوام کبھی بھی قوم نہیں کہلائی جاتی اور یہی عین کمزوری ہے۔ ایک قوم بننا ہے تو نظریہ پاکستان کے تحت ایک مسلم ، ایک اسلام ، ایک قرآن اور ایک نبی آخری الزماں ﷺ پر یقین رکھتے ہوئے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔

عالمی بھارتی ہندو، شدت وانتہا پسند موذی حکومت

بھارت میں پارلیمانی انتخابات میں ووٹوں کی گنتی سے دو روز قبل بے جے پی کے ایک سئینر رہنماء گری راج سنگھ واضح طور پر کہہ چکے تھے کہ "کیا یہ درست نہیں ہے کہ جتنے دہشت گرد گرفتار کئے جاتے ہیں وہ سبھی مسلمان ہیں، میں یہ نہیں کہہ رہا کہ سبھی مسلمان دہشت گرد ہیں، لیکن جو بھی پکڑا جاتا ہے، اس دہشت گرد کا تعلق مسلم برادری سے ہوتا ہے"۔ان کا مزید کہنا تھا کہ پاکستان دہشت گردوں کا مکہ مدینہ ہے۔"انتخابی مہم کے دوران نریندر مودی کے انتخابی جلسے میں بم دھماکے کے الزام میں صرف مسلمانوں کو گرفتار کیا گیا تھا۔بے جی پی اور سنگھ رانماؤں نے اپنی انتخابی مہم میں صرف بھارتی مسلمانوں اور پاکستان کیخلاف زہر آلود مواد بھارتی ذہینوں میں اتارا۔جبکہ بھارتی ہائی کورٹ کو بعض مسلم نوجوانوں کیخلاف جھوٹے مقدمات واپس لینے کے 8جون 2013ء کو دوسری بار روکنے کا حکم دیا۔نریندر مودی بھارت کے "پواسٹر بوائے "مانے جاتے ہیں۔وشو ہنو پریشد کے رہنما کی پالیسی ہے کہ بھارت میں مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے لہٰذا ہر دو ہندو کو کم از کم پانچ بچے پیدا کرنا چاہیں۔"نریندر مودی کا اس سلسلے میں تجربہ نہیں کیونکہ وہ جوانی ہی میں اپنی بیوی سے الگ ہوگئے تھے، انھیں بچے پیدا کرنے تجربہ یا "صلاحیت" نہیں ہے۔ جبکہ بھارت

کے کاروباری مرکز میں جب کوئی ہندو اپنی جائیداد فروخت کرتا ہے تو اپنے اشتہار میں واضح لکھتا ہے کہ "فلیٹ فرنشڈ اور روشن ہے لیکن مسلمانوں کیلئے نہیں" ۔ مسلمانوں سے بھارت میں کھلا تلخ مذاق یہ ہے کہ ایک طرف کانگریس کے راہل گاندھی کہتے ہیں ہے "کہ بے جے پی نے ہندو مسلم فسادات کو ہوا دی۔ جبکہ کانگریس نے اپنے دس سالہ دور حکومت میں ہزاروں بے گناہ معصوم مسلمانوں کو دہشت گردی کے الزام میں گرفتار کیا ور ان کی کسی نے شنوائی نہیں کی، سینکڑوں مسلمانوں کے بارے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ بے گناہ ہیں لیکن اب بھی ناکردہ گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں اور کے مقدمات ابھی تک عدالتوں میں سیاسی دباؤ کے تحت.بریت ہونے کے " ڈر" سے رکوائے گئے ہیں۔

یہ انتخابی مہم کا یہ انتہائی معمولی حصہ تھا کہ بی جے پی مسلمانوں کے بارے میں کیا مستقبل کی پالیسی رکھتی ہے جبکہ خود بھارت میں بے جی پی اور دیگر انتہا پسند ہندو دہشت گردی کے حوالے سے دیگر بھارتی سرکار و جماعتوں کا کیا کہنا ہے یہ بھی دیکھ لیتے ہیں۔" بھارتی مرکزی وزیر داخلہ شنڈے نے تسلیم کیا کہ ہندوستان میں دہشتگردی کے سازشی عمل میں درپردہ ہاتھ بی جے پی اور آر ایس ایس کا ہے"۔ وزیر داخلہ کا یہ بیان خفیہ رپورٹس کی بنیاد پر ہے۔اس سازشی اور سیاسی کھیل میں دہشتگردی کے حوالے سے باقاعدہ سرکاری سطح پر پہلی بار اعتراف کیا گیا کہ بھارت میں دہشت گردی کی تربیت کے کیمپ ہیں جس میں فرقہ

پرستانہ فروغ کیلئے مذموم تربیت فراہم کی جاتی ہے۔انھوں نے اعتراف کیا کہ " سمجھوتہ ایکسپریس،مکہ مسجد اور مالیگاؤں میں جو دہشت گردانہ دھماکے میں بے شمار افراد ہلاک ہوئے ان کاروائیوں میں بی جے پی اور آر ایس ایس ملوث ہیں"۔سرکاری سطح تو پہلی بار یہ اعتراف سامنے آیا،اس سے پہلے بھی متعدد مواقع پر یہ حقیقت سامنے آچکی تھی کہ بی جے پی اور آر ایس ایس بھگوا دہشت گردی (ہندو دہشتگردی) پھیلا رہی ہیں اور انھوں نے اپنی سازشی سیاست اور عمل سے بدامنی پھیلائی ہوئی ہے۔بھارتی لیڈر آنجہانی بال ٹھاکرے کا بیان قابل غور رہا ہے کہ "جب تک ہندو بم ہندوستان میں مسلمانوں کیخلاف استعمال نہیں کئے جائیں گے اسوقت ہندوستان میں ہندوؤں کیخلاف مسلم بم بنتے رہیں گے اور استعمال ہوتے رہیں گے۔" بال ٹھاکرے کے اس بیان کے بعد بی جے پی اور آر ایس ایس کیجانب سے متشدد کاروائیاں بڑھتی چلی گئیں اور دہشت گردی کے تربیت کیمپوں میں اضافہ ہوا۔بھارت میں سنجیدہ طبقہ بی جے پی اور آر ایس ایس کی اس قسم کی کاروائیوں پر متفکر نظر آتا ہے اسی لئے پی جے پی اور آر ایس ایس کے مسلم نمائندوں عباس نقوی اور شاہنواز حسین کیجانب سے صفائی پیش کرنے پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئےنوے فیصد مسلمانوں نے بذریعہ ووٹ ناقابل قبول قرار دیا۔ بھارت کے مرکزی معتمدِ داخلہ آر کے سنگھ نے بھی بھارت کے مختلف علاقوں میں

دہشت پسندانہ حملوں میں ایسے 10 دہشتگردوں کی نشاندہی کی جو آر ایس ایس اور اُس سے ملحقہ تنظیموں سے راوبط رکھتے ہیں۔انھوں نے سمجھوتہ ایکسپریس، مکہ مسجد حیدرآباد) اور اجمیر درگاہ شریف میں دھماکوں کی تحقیقات میں انکشاف کیا کہ انکے) پاس ثبوت موجود ہیں کہ آر ایس ایس ان واقعات میں ملوث ہے۔آر کے سنگھ کے مطابق سنیل جوشی دیواس (متوفی) اور مہو میں 1990 ء سے 2003 ء تک کارکن رہنے والا سمجھوتہ ایکسپریس واقعے میں ملوث تھا۔سندیپ ڈانگے (مفرور)، رام جی کلسنگر (مفرور) سمجھوتہ ایکسپریس،مکہ مسجد اور درگاہ اجمیر شریف کے دھماکوں میں ملوث ہیں۔ یہ 1990ء سے 2006ء تک مہو،اندور،اترکاشی اور ساجھاپور میں آر ایس ایس کے کارکن ہیں۔ معتمد داخلہ نے آر ایس ایس کے گرفتار شدہ کارکنان لوکیش شرما، سوامی اسیمانند، ومکیش باشانی دیویندر گپتا، شندر سیکھر لیوے اور کمل چوہان کا بھی ذکر کیا جو دہشتگردی کے واقعات میں ملوث اور حکومتی تحویل میں ہیں۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ جب معتمد داخلہ آر کے سنگھ نے پہلی بار سرکاری سطح پر ہندو دہشت گردی کے حوالے سے انکشافات کئے تو آر ایس ایس نے اپنے دس کارکنان کے تعلق جڑے جانے پر آر کے سنگھ پر شدید تنقید کی ۔آر ایس ایس کے ترجمان رام مادھو کا کہنا تھا کہ بیوروکریسی کے افسر نے اپنے آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے بڑی عجلت پسندی سے مشتبہ افراد کے نام ظاہر کئے

ہیں ۔آرایس ایس نے آر کے سنگھ کیخلاف قانونی چارہ جوئی کی دھمکی بھی دی ہے۔دوسری جانب "ہندو دہشت گردی" کی اصطلاح استعمال کرنے پر وزیر داخلہ سشل کمار شنڈے کے خلاف ایک گرم محاذ کھل گیا اور عوامی دباؤ سے مجبورر ہو کر کانگریس نے شنڈے کے بیان سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا"۔بھارتی جنتا پارٹی نے بھی حکومت کو دھمکی دی تھی کہ اگر سشیل کمار شنڈے اپنا الزام ثابت نہیں کریں گے یا معافی نہیں مانگیں تو ان کیخلاف ملک گیر احتجاجی تحریک چلائی جائے گی۔جس سے کانگریس قیادت خائف ہو گئی اور کانگریس کے جنرل سیکرٹری جنار دھن وریدی کو وضاحت پیش کرنا پڑی کہ "کانگریس نے کبھی بھی ہندو دہشت گردی "یا "زعفرانی دہشتگردی "کے الفاظ استعمال نہیں۔جنار دھن وریدی" نے میڈیا سے بات کرتے ہوئے یہ وضاحت پیش کی کہ اُن کے نزدیک ایسا محسوس ہوتا ہے کہ " وزیر داخلہ کیجانب سے شایدزبانی لغزش ہوئی ہے, اس لئے کہ مالیگاؤں اور مکہ مسجد دھماکوں میں جو لوگ ملوث پائے گئے ہیں ،وہ آر ایس ایس سے جڑے ہیں"۔جنار دھن وریدی کے اس بیان کے بعد ، وزیر داخلہ کو بھی موقع مل گیا کہ وہ اپنے بیان سے منحرف ہوجائیں لہذا انھوں نے بھی اپنے جنرل سیکرٹری کے بیان کو درست قرار دیا کہ " یہ ان کی زبان کی لغزش تھی۔اے آئی سی سی نے جو کچھ کہا وہ بالکل درست ہے"۔کانگریس اور وزیر داخلہ کے بیانات کی یہ تبدیلی ایسے وقت سامنے آئی جب بھارتی وزیر خارجہ سلمان خورشید بھی سشیل کمار شنڈے کے انکشاف کے حوالے سے تصدیق کرچکے

تھے۔جنار دھن وریدی سے جب یہ پوچھا گیا کہ وزیر داخلہ نے "ہندو دہشتگردی "کا لفظ کیوں استعمال کیا؟ تو ان کہنا تھا کہ "اُن کا یہ مطلب نہیں تھا، کوئی بھی کانگریسی لیڈر اس طرح کا بیان نہیں دے سکتا، بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی اظہارِ خیال کیلئے مناسب الفاظ نہ ملنے پر زبانی لغزش ہو جاتی ہے۔اب یہ تنازعہ یہیں پر ختم ہونا چاہیے"۔یہ کہتے ہوئے کانگریس کے جنرل سیکرٹری اس بات کو بھی نظرانداز کر گئے کہ دہلی صوبہ کے کانگریس صدر اور شمالی مشرقی دہلی سے ممبرپارلیمنٹ جے پی اگروال بھی وزیر داخلہ کے بیان کی تصدیق وحمایت کرتے ہوئے کہہ چکے تھے کہ "ملک کا وزیر داخلہ کوئی بھی بات بنا ثبوت کے نہیں بولتا اور ان کے پاس مکمل ثبوت ہیں جن کی بنیاد پر انھوں نے ہندو دہشتگردی کی بات کہی ہے"۔اب چاہے بھارتی حکومت اپنے اقرار اور اعتراف پر مکر جائے لیکن دنیا پر واضح طور پر یہ بات سامنے آچکی ہے کہ بھارت میں انتہا پسندی کے تربیت کیمپ موجود ہیں۔جو ہندو انتہا پسندی کو فروغ دے رہے ہیں جس سے خطے میں امن کو خطرات لاحق ہیں۔انتہا پسند ہندو حکومت آنے سے اب خطے میں تصادم کے شدید خطرات بھی بڑھ چکے ہیں لیکن اس بار مغرب کا رویہ ، افغانستان کے برعکس ہوگا کیونکہ بھارت سے ان کی مالی مفادات وابستہ ہیں۔

،پاکستان کے وزیر اعظم کو اس نریندر مودی نے تقریب حلف برداری میں دعوت دی

جس پر امن کے خاطر وہ شریک ہوگئے، جبکہ پاکستان نے جب بھی دعوت دی، وہاں سے انکار کردیا گیا۔ بھارتی سرکار بہار میں بے جے پی کے معروف رہنماء گری راج سنگھ کا کہنا تھا کہ، جو لوگ مودی کے مخالف ہیں انھیں پاکستان چلے جانا چاہیے، جو لوگ مودی کو روکنا چاہ چاہتے ہیں وہ پاکستان کی راہ دیکھ رہے ہیں آنے والے دنوں میں ان کے لئے بھارت میں کوئی جگہ نہیں ہوگی، ان کے لئے صرف پاکستان میں جگہ بچے گی "ان کیامزید یہ بھی کہنا تھا کہ نریندر مودی کو پاکستان وزیر اعظم بننے سے روکنا چاہتا تھا اس لئے ہندوستان کا نمبر ون دشمن پاکستان ہے۔" اب ہماری سرکار پاکستان کو اپنی خارجہ پالیسی میں یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ بھارت سے اچھے تعلقات استوار کس طرح کرے، ایک طرف ملک میں خانہ جنگی اور پاکستانی حکومت سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کر رہی اور دوسری طرف دنیا کی سب سے بڑی انتہا پسند ہندو حکومت قائم ہوچکی ہے۔ بھارت سے دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کا اعزاز چھین چکا ہے اس لئے مودی سرکار کی ہر وقت اشتعال انگیزی کاروائیوں سے پہلے مناسب یہی ہے کہ پاکستان اندرونی خانہ معاملات، امن و امان اور افغانستان، ایران سمیت تمام معاملات کو ایک پیج پر لے آئے۔

پاکستانی عوام اپنے عسکری اداروں پر اعتماد کرتی ہے لیکن سیاسی حکومت پر نہیں کرتی، اور دونوں اداروں کے ساتھ ریاست کے چوتھے ستون میں بھی دراڑیں پڑ چکیں ہیں اس لئے جو فیصلہ کرنا ہے سوچ سمجھ کر کیجئے اور جذبات کے بجائے ہوش مندی کا مظاہرہ کرنا ہی عقل مندی ہے۔

پنجابستان بننے سے روکو

اسٹیبلشمنٹ خان کہتے ہیں کہ وزیرستان میں آپریشن کے بعد عوام کی نقل مکانی سے لگتا ہے کہ وزیرستان تقسیم ہورہا ہے۔ پتہ نہیں انھیں یاد ہو کہ نہ ہو کہ 2006 میں Ralph Peters نامی ایک شخص نے امریکہ کے معروف جریدے Armed Forces Journal میں ایک آرٹیکل شائع کیا تھا جس کا عنوان تھا Blood Borders; How a better Middeleast would look اس میں ایران افغانستان اور پاکستان کا ایک نیا نقشہ پیش کیا گیا تھا، پھر یہی نقشہ نیویارک ٹائمز نے 2008 میں بھی چھاپا جس میں پاکستان کا نقشہ بنا کر بتایا گیا تھا کہ آئندہ کا پاکستان کیسا ہوگا، اس نقشے میں پاکستان محض صوبہ سندھ اور پنجاب پر مشتمل جبکہ بلوچستان کو آزاد اور شمالی علاقوں اور خیبر پختونخوا کو افغانستان کا حصہ دکھایا گیا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ میاں صاحب اس نقشے پر عملد درآمد اور خلیفہ پنجابستان بننے کیلئے کچھ زیادہ جلدی میں نظر آرہے ہیں اس لئے دہلی سرکار سے یاترا کے بعد میاں نواز شریف کے رویئے میں بڑی تبدیلی دیکھی گئی ہے، ویسے دختر اول مریم نواز بھی ساتھ چلیں جاتیں تو بھارتی میڈیا کی ساری توجہ ان کے فیشن پر ہوتی جیسے حنا ربانی کھر کے ساتھ ہوا تھا، حنا کھر صاحبہ کی عینک، خوش لباسی اور جیولری بھارتی میڈیا اہم موضوع تھا اور میاں کو چارٹ شیٹ بھی نہ ملتی

اور پاکستانی میڈیا اور عوام تنقید بھی نہیں کرتی۔

سنا ہے کہ رائے ونڈ محل میں زنجیر عدل لگا دی جائے گی بہرحال یہ بات باعث اطمینان ہے کہ زنجیر عدل خود میاں صاحبان کے اتفاق سے بنی ہوگی، مطلب باہمی اتفاق نہیں بلکہ، اتفاق فاونڈری ہے، انھیں اس بات کا ادراک ہے کہ پاکستان اسٹیل مل میں اربوں روپوں کی غبن، چوری اور بیل آوٹ پلان کے تحت اربوں کھربوں روپے دینے کے باوجود ناقص میٹریل لیا جاتا ہے اس لئے مضبوط اسٹیل کی ضمانت صرف میاں صاحب ہی دے سکتے ہیں، جیسے میٹرو سروس کیلئے مہیا کردہ اسٹیل کی فراہمی ہے۔ گو کہ انھوں نے اپنے لئے جو تخت اقتدار بنوانے کا آرڈر ایک سال قبل دیا تھا، اس کے متعلق باخبر ذرائع نے اطلاع فراہم کی ہے کہ اس بار بھی کوشش کی باوجود اس میں مضبوطی واقع نہیں ہو رہی اور بار بار اس میں دراڑیں پڑ رہی ہیں۔ حوادثِ زمانہ کا مقابلہ کرنے کی سکت بھی بہت کم ہے، سونامی کے معمولی جھٹکوں سے ہی ہلنے لگتا ہے اور اقتدارِ تخت پر بیٹھے تمام لوگ فورا تخت اقتدار سے اتر آتے ہیں کہ اس بار سعودیہ بھیجے جانے سے بہتر ہے کہ از خود قطر، دبئی چل دیا جائے، سنا ہے کہ شائستہ لودھی اور وینا ملک بھی آج کل وہیں ہیں۔

یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ اتفاق فاونڈری سے بننے والے سخت فولادی ڈنڈے بھی

تیار رکھے گئے ہیں جو صرف پنجاب کے شہروں کیلیئے ہیں، پاکستان بھر میں دہشت گردی سے عوام کی حفاظت کرنے میں ناکام ہونے والی تینوں حکومتوں کے وزراء اعلی پنجاب حکومت کی جانب دیکھ رہے ہیں کہ ان کے پاس ایسا کون سا فولادی ڈنڈا ہے جس کی وجہ سے پنجاب دہشت گردی کی ہولناکیوں سے محفوظ ہے، میاں برادران ایسے کون سے ڈنڈے سے کام لیتے ہیں کہ دہشت گردوں کے بجائے بیرونِ ممالک کے سفیران، تاجران، سرمایہ کار اور وغیران وغیران پنجاب کا ہی رخ کرتے ہیں۔

کراچی ملک کو 70 فیصد اور سندھ حکومت کو 98 فیصد سے زائد ٹیکس ریونیو دینے والا شہر ناپرساں ہے۔ملک کی سب سے بڑی آبادی یہاں رہتی ہے، پاکستان کے سب سے بڑے کاروباری مراکز کراچی میں ہیں، اور سب سے بڑی بات سمندر بھی رہتاہے، ہم سب اب یہی کہتے ہی کہ سمندر کراچی میں رہتا ہے۔لیکن یہاں امن نام کی چڑیا نہیں رہتی، جب سے وہ سیٹھی صاحب کے پاس گئی ہے، سیٹی بجانے پر بھی وہ واپس آنے کا نام ہی نہیں لے رہی، چڑیا سیٹھی صاحب کو بتاتی بھی ہے کہ کراچی کے ماس ٹرانزٹ منصوبے کو ختم کردیا گیا، میاں جی کو بتاؤ، لیکن وہ چڑیا کو پنکچر لگا دیتے ہیں۔چڑیا پھر کہتی ہے کہ کراچی پاکستان کی معاشی شہ رگ ہے، گرین بس، اورنج میٹرو ٹرین، پہلے کراچی میں بنی چاہیے، آخر وہ بھی کبھی دارالخلافہ رہ چکا ہے پاکستان کا، ۔ لیکن نجم سیٹھی پھر

چڑیا کے منہ پر پنکچر لگا دیتے ہیں ، بقول اسٹیبلشمنٹ خان سیٹھی صاحب پنکچر لگانے کے ماہر ہیں اس لئے ہمیں بھی یقین ہوتا جا رہا ہے کہ چڑیا کی کیا مجال کہ اس کا منہ دوبارہ کھل سکے۔

خیر اسٹیبلشمنٹ خان ٹیسٹ میچ کھیلتے کھیلتے یکدم ٹونٹی ٹونٹی میچ پر آ گئے ہیں بلکہ ان کے ساتھ سیاسی کبوتر جو بیٹھے ہیں ان کا تو یہ مشورہ ہے کہ چھوڑیں جی الیکشن ، ٹاس پر فیصلہ کرا لیتے ہیں کہ حکومت کون بنائے گا ، اس کیلئے بھارت سے بچن صاحب کی خدمات بھی لی جا سکتی ہیں کیونکہ وہ اس کھیل کے ماہر ہیں۔ ویسے تحریک انصاف کو عوام کی غربت کا بہت ادراک ہے اس لئے انھوں نے الیکشن کے نام پر اربوں کھربوں روپے خرچ کر کے قومی خزانے کو نقصان پہنچانے سے گریز کی راہ نکالی ہے اس لئے انھوں نے نیوٹرل ایمپائرز کو بھی مشورہ دے ڈالا ہے کہ اس بار اقتدار ٹورنامنٹ ماضی کی دو سابق ٹیموں کے بجائے ان کے ساتھ کھیلا جائے ، ویسے بھی خیبر پختونخوا میں حکومت حکومت کھیلنے کے بعد انھیں وفاق ٹیسٹ کیپ ملنے کا بھی حق مل گیا ہے اس لئے وہ اگلی بار (چند مہینوں) اقتدار میں (بقول انکے) آ جائیں گے ، اسٹیبلشمنٹ خان تو ویسے بھی میاں صاحب کو کہہ رہے ہیں کہ میاں تُسی تو بار بار جلدی جانے دے عادی او ، اس بار سانوں کھیلن دا موقع دو۔ لیکن میاں صاحب کا استدلال ہے کہ نہیں ، ان کا جو معاہدہ عربی میں لکھا گیا تھا اس کے مطابق انھوں نے بڑے

صبر و تحمل کے ساتھ جناب زرداری، جو کہ سب پر بھاری تھے انھیں پانچ سال حکومت کرنے دی ہے، لہٰذا میں بھی پانچ سالہ ٹیسٹ میچ کھیل کر ہی رہونگا۔

اسٹیبلشمنٹ خان نے اپنا تمام رخ نیوٹرل ایمپائر کی جانب کرلیا ہے لیکن بد قسمتی سے لوڈ شیڈنگ کی بناء پر انھیں اسکرین اقتدار سے " ریوو " لینے میں مشکلات کا سامنا ہے اس لئے فیصلہ " التوا " میں رکھا گیا ہے۔ شائد اسی وجہ سے اسٹیبلشمنٹ خان نے چودہ اگست تک ڈیڈ لائن بھی بڑھادی ہے کہ کچھ ہوگا یا نہ ہوگا، بس دھرنا ہوگا، دھرنا ہوگا۔ ویسے کبھی کینیڈا سے کوئی جمہوریت پروف کنٹینر لے کر آجاتا ہے اور غریب عوام کو سردی میں ٹھٹھر کر مرنے کیلئے خود "کافی" پی رہا ہوتا ہے تو ایک اسٹیبلشمنٹ خان ہیں جو شدید گرمی میں دھرنے، جلسے جلوس لے کر بیٹھ گئے ہیں، لوگوں کے جسم تو ویسے ہی دہشت گردی، غنڈہ کلچر، بھتہ خوری، جگا ٹیکس، اغوا برائے تاوان، مہنگائی، بے روزگاری، لوڈ شیڈنگ، رشوت خوری، اقربا پروری جیسے لاتعداد مسائل سے جھلس رہے ہیں، لوگ خود کو انصاف کیلئے پیڑول چھڑک کر بھسم کر رہے ہیں، تو بھلا آپ کو اتنی تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن اس بات پر خوش ہیں کہ خیبر پختونخوا کی حکومت ناکام ہوچکی ہے، وفاق فی الحال اس لئے کامیاب ہے کیونکہ وہ وفاق کے ساتھ ہیں۔ ورنہ

وہ بھی ناکام ہوجاتے ، طالبان کے ساتھ مذاکرات ناکام ہو چکے ہیں ، طالبان میں دراڑیں ڈالنے میں حکومتی رابطہ کار کمیٹی کامیاب ہو چکی ہے ، چونکہ اس کمیٹی میں دو صاحبان اُس میڈیا ہاؤس کے ملازمین بھی ہیں جنھوں نے پورے میڈیا کو تقسیم در تقسیم کردیا ہے اس لئے انھیں تقسیم کرنے کا بھرپور تجربہ تھا۔باواثق ذرائع کے مطابق جس کا پورا پورا فائدہ انھوں نے میاں صاحب کو پہنچایا۔

بہرحال یہ تو جملہ متنازعہ ہے اس لئے اس سے صرف نظر کرتے ہیں اور طالبان کی تقسیم پر پھر کبھی بات کریں گے۔اس وقت تو بات صرف اتنی ہے کہ میاں صاحب نے بلاشک و شبہ پنجابستان (پراناپاکستان) کو ترقی یافتہ بنانے کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے۔ اربوں روپوں کا ٹیکس کراچی اور ملک کے دیگر معاشی حب سے لے رہے ہیں ، لگا پنجابستان میں رہے ہیں، عالمی بنکوں سے کھربوں ڈالرز پاکستان کے نام پر لے کر پنجابستان میں لگا رہے ہیں ، پورا ملک دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے اور امن معاہدوں پر صرف پنجابستان میں عمل درآمد ہوتا ہے۔

غیر اعلانیہ طور پرپاکستان ، پنجابستان بن چکا ہے۔ ملک بھر کی عوام کے خون پسینے اور دہشت گردی سے ملنے والی بیرون ملک سے کمائی صرف پنجابستان میں لگائی جاتی ہے ۔اس لئے سب پاکستانیوں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ وہ فوری طور

پر پنجابستان میں رجسٹریشن کروالیں، کیونکہ اب ایسا وقت بھی آنے والا ہے جب پنجابستان میں داخلے کیلئے ویزا لینا ہوگا، جس طرح اب پاکستان کے دوسرے شہروں سے پنجاب میں آنے والوں کو پولیو ویکسین کا سٹریفیکٹ لینا لازمی قرار دے دیا گیا ہے۔ لیکن اس سے پیشتر تمام وطن پرست پاکستانی سیاست دانوں سے اپیل کی جاتی ہے کہ پنجابستان بننے سے روکو!!۔۔

کراچی آنا منع ہے

شمالی وزیر ستان میں پاکستانی افواج کی جانب سے وہاں کے مکینوں کو ہدایات دیں گئیں ہیں کہ وہ اپنے گھروں پر پاکستانی پرچم لہرا دیں ۔ذرائع کے مطابق شمالی وزیر ستان میں ممکنہ آپریشن کو حتمی شکل دے دی گئی ہے، حافظ گل بہادر گروپ نے بھی حکومت کو امن معاہدے کی پاسداری کیلئے 10 جون کی ڈیڈ لائن دیتے ہوئے اعلان جنگ اور عوام میں پمفلٹ تقسیم کرتے ہوئے نقل مکانی کرنے کا کہا ہے۔ جبکہ حکومت نے بھی ممکنہ کاروائیوں کا جواب دینے کیلئے حکمت عملی تیار کرلی ہے اور طالبان کی گروپ بندیوں کے بعد اس موقعٔ غنیمت بھی سمجھا جارہا ہے کہ کیونکہ کالعدم طالبان پاکستان میں دراڑیں پڑ چکی ہیں اور واضح طور پر گروپ بندی منظر عام پر آچکی ہے، لہٰذا اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور شمالی وزیر ستان میں موجود غیر ملکیوں، شدت پسندوں اور دہشت گردوں کو گرفتار یا ہلاک کرکے پاکستان میں بد امنی کی فضا کو کم کیا جاسکے اور بین الاقوامی طور پر حکومت پر جو دباؤ ہے وہ بھی کم ہوسکے۔ جنوبی وزیر ستان و قبائلی علاقوں سے 16 لاکھ افراد نے نقل مکانی کی تھی جو ابھی شروع کئے جانے والے آپریشن کے نتیجے میں تاحال قبائلیوں کی واپسی ممکن نہیں ہو سکی ہے اور ان کی جانب سے متعدد بار مظاہرے بھی کئے جاتے رہے ہیں کہ جنوبی وزیر ستان میں اگر فوج نے اپنی

عملداری قائم کردی ہے تو پھر انھیں واپس اپنے گھروں میں جانے کیوں نہیں دیا جارہا انھیں امداد کیوں نہیں دی جارہی۔طالبان کے ساتھ حکومتی کمیٹی کے مذاکرات وقت کا ضایع ثابت ہوئے اور کسی نتیجہ کے بغیر میڈیا کے ذریعے دونوں جانب سے الزام تراشیوں کا سلسلہ اور میڈیا میں آن ایئر آنا کا شوق پورا کیا گیا اور بالآخر شمالی وزیر ستان میں فوجی آپریشن کی اطلاعات کے بعد قبائلیوں کو نئے مصائب کا سامنا ہے۔

سوات ، دیر و ملحقہ علاقوں سے جب لاکھوں کی تعداد میں جنگ سے متاثرہ خاندان اپنے آبائی علاقوں سے نکلے تو اکثریت کا رخ کراچی کی سمت بھی تھا، کیونکہ یہاں ان کے رشتے دار لاکھوں کی تعداد میں کئی عشروں سے رہ رہے تھے ، روزگار کیلئے آنے والے لاکھوں پختون آبادیاں قیام پاکستان سے قبل بھی صنعتی علاقوں سے ملحق علاقوں میں رہتی تھی جبکہ سوات کے پاکستان سے الحاق کے بعد ریاست سوات سے تعلق رکھنے والے ہزاروں ،لاکھوں افراد کراچی و حیدرآباد میں ہی بس گئے اور بتدریج سندھ میں پشتو بولنے والے " مقامی سندھی" بن گئے ۔گو کہ سوات اور ملحقہ علاقوں سے نقل مکانی کرنے والے کی بڑی تعداد ، صوابی کے علاقہ کنڈ ، مردان کے شیخ شہزاد کیمپ ، جلالہ کیمپ ، جلوزئی کیمپ، صوابی کے شاہ منصور کیمپ، چھوٹا لاہور کیمپ ، چارسدہ میں قائم کیمپوں میں بھی موجود تھے لیکن انسانی خدمت کی بڑی مثال اس وقت سامنے آئی تھی جب مردان صوابی کے گاؤں

کے مکینوں نے اپنے گھروں کے دروازے سوات کی عوام کے لئے کھول کر انصار مدینہ کی سنت پوری کردی تھی۔

کراچی میں سوات کے ہنر منداور حالات کے ستائے ہوئے عوام کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، حکومت سندھ کی جانب سے انھیں امداد فراہم نہیں کی گئی اور پورے سندھ میں انھیں کوئی کیمپ نہیں دیا گیا، ماسوائے کراچی کے دور افتادہ سپرہائی وے کے ایک علاقے خلیجی گوٹھ میں ایک ایسا عارضی کیمپ بنایا گیا تھا جس میں ضروریات زندگی کی کوئی شے موجود نہ تھی۔حکومت سندھ کی جانب سے ان سے یہی کہا جاتا تھا کہ انھیں اتنی دور آنے کے بجائے خیبر پختونخوا میں ہی رہنا چاہیے تھا کیونکہ وفاق اور عالمی ادارے وہاں آئی دی پیز کی مدد کر رہے ہیں۔لیکن پختونوں کی روایات میں یہ کہاں لکھا تھا کہ ان کے رشتے دار ان کے شہر آئیں اور وہ کیمپوں میں بے سروسامان رہیں اس لئے ہزاروں پختونوں نے اپنے رشتے داروں کے گھروں میں اس طرح پناہ حاصل کی کہ ایک ایک کمرے میں کئی کئی خاندان رہتے تھے۔چونکہ روزگار کا مسئلہ سب کو درپیش تھا اس لئے جب وہ غم روزگار کیلئے باہر نکلتے تو نئے آنے والے افراد کو یکدم روزگار کی فراہمی ممکن نہیں ہو سکی جس کی وجہ سے بہت سے مسائل نے جنم لینا شروع کر دیا۔

جب حکومت سندھ نے عوامی نیشنل پارٹی کے ساتھ ملکر ٹرانسپورٹ اور فی خاندان پانچ سو روپیہ سفر خرچ مہیا کیا کہ اب آئی ڈی پیز سوات ، دیر اور جن علاقوں

سے آئے ہیں، انھیں واپس چلے جانا چاہیے ۔ گو کہ سوات آپریشن کے بعد حالات اب بھی بہتر نہیں ہوئے تھے لیکن جس قدر تکلیف کی زندگی یہاں بسر کی جا رہی تھی اس پر انھوں نے یہی فیصلہ کیا کہ اپنے گھر سے باہر مرنے سے بہتر ہے کہ اپنے گھروں میں ہی مرا جائے، کم از کم قبرستان میں تو جگہ مل جائے گی، یہاں تو قبرستانوں میں دفنانے بھی کوئی نہیں دے گا۔ اس لئے روزانہ کی تعداد میں سینکڑوں آئی ڈی پیز کی واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔ لیکن ایک بہت بڑی تعداد پھر بھی رکی رہی اور اس میں خاص طور وہ افراد بھی رک گئے جو سوات آپریشن میں اپنے خلاف کاروائیوں کے ڈر سے بھاگ آئے تھے ، چونکہ کراچی میں اس وقت قوم پرستی اور لسانی سیاست بام عروج پر تھی اس لئے مختلف جماعتوں کے تحفظات کو اے این پی نے یکسر رد کردیا، جس کا خمیازہ بعد میں کراچی کے مقامی پختونوں کو بھگتنا پڑا۔ لسانی ، گروہی اور قوم پرستی کی سیاست نے کراچی کو مقتل گاہ بنا دیا ، جہاں بھی غریب ریڑھی فروش ، چائے بیچنے والے ، مونگ پھلی والے کچرا چننے والے دہشت گردوں کو نظر آتے ، انھیں چن چن کر مار دیا جاتا ، ٹارگٹ کلنگ کے خوفناک عفریت نے کراچی کو اپنے مضبوط شکنجے میں پھنسا لیا اور اس مکڑی کے خونی جال سے صرف خون آلود لاشیں ہی باہر نکلتی رہیں اور اپنے آبائی شہروں کو روانہ کی جاتی تو نفرتیں آسمان کی حد بھی پار کرجاتیں ۔ آہستہ آہستہ کراچی شہر سے چائے کے رات بھر کھلنے ولاے ہوٹل 80 فیصد بند کرادیئے گئے ، بازاروں میں ریڑھی پر سبزیاں ، منگل ، بدھ ، جمعہ بازاروں میں

ٹھیلوں پر پابندی عائد کردی گئی ، مارکیٹوں سے کئی دہائیوں سے کام کرنے والوں کو باہر نکال کر ان کی کپڑوں اور قالین کی دوکانوں کو جلا دیا گیا یا تو قبضہ کرلیا گیا۔شناختی کارڈ کے ایڈریس پر علاقے پہچان کرکے ٹارگٹ کلنگ روز کا معمول بن گئی ، کراچی میں پختونوں کا واحد ذریعہ معاش ٹرانسپورٹ تھا ، منی بسوں ، ٹیکسیوں ، رکشوں کو جلا کر تقریبا 80 فیصد کاروبار ختم کردیا گیا اور اب کراچی میں صرف چنگ چی رکشوں کا راج ہے۔

سوات طالبان کے نام پر سب سے پہلے سوات کے پختونوں کا جینا حرام کرکے کروڑوں روپیہ بھتہ لیا گیا اور بیشتر نے تنگ آکر اپنی جائیدادوں کو تالے لگا کر دوسرے شہروں میں پناہ لی۔ کراچی کے مقامی پختون شہریوں پر فیکٹریوں میں ملازمت اور کالجوں میں تعلیم کے دروازے بند ہوگئے, سرکاری اسکولوں میں اساتذہ نہیں آتے، انھیں ان کے گھر جاکر منتیں کرکے تحفظ کی یقین دہانی پر لایا جاتا ، کراچی کے لاتعداد علاقے میدانِ جنگ بن گئے ،گناہ گار اور بے گناہ کی پہچان ختم ہوگئی اور صرف زبان و قوم کے نام پر قتل وغارت کا بازار گرم رہنے لگا۔پختون علاقوں میں ترقیاتی کام بند ہوگئے ، سرکاری اسکولوں پر لینڈ مافیاؤں نے قبضہ کرلیا اور تنگ آکر پختون نوجوانوں کی بڑی تعداد جرائم میں ملوث ہوتی جا رہی ہے۔ شمالی وزیرستان میں آپریشن کا شور ہے لیکن ان سے اپیل ہے کہ کراچی کا رخ نہ کریں یہاں سوائے بدامنی، خونی ندیوں اور نفرتوں

کے علاوہ کچھ نہیں ہے، یہاں صرف ٹارگٹ کلنگ، فرقہ واریت، لسانیت اور انسانیت فروشی باقی رہ گئی ہے، ملک کو 70 فیصد ریونیو دینے اس شہر کی صنعتیں بند ہیں اور کئی عشروں سے کوئی نئی صنعت نہیں لگی۔مزدوری کا تصور ختم ہوچکا ہے، جس کو جو کام کرنا ہے وہ مہنگائی کی وجہ سے خود کرتا ہے، علاقوں میں خوف کی وجہ سے نووراد شخص کی لاش ہی آتی کہ پتہ چلتا کہ مخبری کے شبے میں مارڈالا گیا۔شمالی وزیر ستان میں خانہ جنگی کے نتیجے میں ممکنہ طور پر کراچی میں آباد قبائلی عوام کے رشتے دار کے پاس دوبارہ یہ مصیبت کے ستائے عوام آئیں گے، مفادپرست پھر احتجاج کریں گے، دوبارہ ان گروہوں میں پناہ کی آڑ میں جرائم پیشہ و شدت پسند آئیں گے، دوبارہ پختونوں کے گھروں کی آپریشن کی آڑ میں پامالی اورلوگ رسوا ہونگے، لہذا انکی آمد سے قبل حکومت سندھ کو چاہیے کہ ابھی سے پنجاب، سندھ کی بارڈر پر لکھ دے کہ کراچی آنا منع ہے۔

فلسفۂ محبت

محبت کیا ہے ؟ یہ جاننا اور سمجھنا ضروری ہے کہ آیا محبت کوئی خوشنما لفظ ہے یا کسی عمل کا ردِ عمل ہے۔ میری دانست میں محبت دراصل معاشرتی معاہدے کا ایک جز ہے جس پر عمل پیرا ہونے والے کامیاب کہلائے جا سکتے ہیں۔ محبت کو کسی فطرت کے حصے کے طور پر نہیں لیا جا سکتا، بلکہ محبت کا احساس و جزبہ مکافاتِ عمل سے ہے جس میں عمل کے ردِ عمل میں جذبے پیدا ہوتے ہیں۔ جب حضرت انسان کی بات آئے تو اسے محبت میں " آزادی " حاصل ہے۔ لیکن جب بات حیوان یا شعوری پابندِ حیات کی آئے تو وہ "پابند" محبت ہو جاتا ہے۔

محبت کرنے والے اور چاہنے کی خواہش از خود پیدا کردہ نہیں ہے بلکہ جہاں زندگی کی نمو ہے وہاں فطرت کے دیگر تقاضوں کی طرح بنی نوع انسان کے علاوہ چرند، پرند، درخت پانی، ہوا، آگ میں قدرت نے تقاضوں کو پابند کر دیا ہے کہ اسے چاہنے کی خواہش اور صلاحیت کیا معنی رکھتی ہے۔

آگ سے محبت رکھنے والا، اس سے پرستش کی حد تک محبت و عقیدت رکھتا ہے، لیکن آگ کی فطرت میں محبت نہیں بلکہ جلانا ہے۔ اسے خود سے محبت کرنے والے کے

جذبات کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ آگ کے آگے ہاتھ جوڑنے والا جب آگ میں ہاتھ ڈالے گا تو اس کا انجام جلنا ہی نکلے گا۔ ہوا میں زندگی کی نمود ہے لیکن انسان کے چاہنے والے اور مسخر کرنے کے باوجود اس کی مقررہ فطرت کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح پانی میں بھی زندگی کی نمود ہے، لیکن چاہے جانے کی خواہش اس کی فطرت میں نہیں ہے، پانی کو ماں کا درجہ دینے والے، اگر پانی میں زیادہ دیر سانس روکیں تو نتیجہ موت ہے، یہاں تک تو ہم اس بات پر مقدم ہیں کہ محبت کا جزبہ انسان کی فطرت تک محدود ہے لیکن ہر زندہ چیز میں محبت کے جزبے اور صلاحیت کو تلاش کرنا، ہونا ممکن نہیں ہے۔

آگ، ہوا، پانی، زمین، ستاروں کی طرح لاتعداد اجزا ہیں، جس میں زندگی کی نمود ہیں ۔ لیکن اختیار کی صلاحیت نہ ہونے کے سبب محبت کے جذبے کو ان میں تلاش نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح جانوروں میں محبت کا جزبہ اختیاری نہیں بلکہ متعین ہے، صنف مخالف سے اپنی خواہشات کی تکمیل یا قدر کے متعین کردہ اصولوں کو پورا کرنا محبت نہیں کہلائی جاسکتی، اسی طرح جانوروں کا انسان سے محبت کرنے کا کوئی تصور نہیں بلکہ یہ عادات ہیں جو انسان اپنے طریقوں سے تبدیل کرادیتا ہے، لہذا اس ضمن میں تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ محبت کا یہ جذبہ صرف انسانوں تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ ہر زندہ چیز میں محبت کرنے اور چاہے جانے کی "خواہش" اور صلاحیت ہوتی ہے۔

محبت کی قسمیں یا شکلوں میں خونی رشتوں کی محبت جینٹک میک اپ (Genetic
Makeup)، کا تصور انسان کا از خود پیدا کردہ ہے، انسان کیونکہ ایک سماجی جانور ہے،
اس لئے وہ اس ماحول میں خود کو جلد ڈھال لیتا ہے، جس میں وہ رہ رہا ہوتا ہے۔ ماہر
سماجیات نے انسان پر مختلف تجربات میں یہ ثابت کیا ہے کہ اگر انسان کو کسی جانور کی
صحبت میں پرورش دی جائے تو وہ جانوروں (حیوانوں) کی طرح عادات واطوارو
خصلت اختیار کرلے گا۔ والدین کا اپنے بچوں سے پیار کا تصور، مذہب اور سماج سے جڑا
ہے۔ اس کو اس طرح سمجھا جاسکتا کہ جس کوکھ سے بچہ جنم لیتا ہے، اگر وہ قاعدے و
قانون کے مطابق کسی ازدوجی معاہدے کے تحت پیدا ہوا ہے تو وہ والدین کا جگر اور دل
ٹوٹا ہوتا ہے، لیکن یہ "ماں" جب یہ دیکھتی کہ اس کا "لختِ جگر" کسی معاشرتی معاہدے
کے برعکس نفسانی خواہشات کے تحت دنیا میں آیا ہے تو وہ اسے کچرے کے ڈھیر میں
پھینک دیتی ہے، یتیم خانوں میں ڈال دیتی ہے۔

خون کا یہ رشتہ، سماجی معاہدے کے عدم وجود کی بنا پر ناکام ہوجاتا ہے اور کون کے رشتے
کی حیثیت ثانوی ہوجاتی ہے، محبت پر سماج غالب آجاتا ہے، کون سا یہ رشتہ اسے اپنانے
سے روک دیتا ہے، لہذا خون کے رشتوں میں محبت کی افزائش کا اہم عنصر "ازدوجی
معاہدہ" ہے، اگر ازدوجین کے مدرمیان ازدوجی

معاہدہ نہ ہو تو سماجی قیود اسے محبت کو چاہنے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ اگر ایک بچہ ازدوجی معاہدے اور دوسرا بچہ خواہش نفسانی کے تحت دنیا میں آیا ہو، تو واضح طور پر یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ یہاں محبت کا جذبہ، خونی رشتہ ہونے کے باوجود پیدا نہیں ہوتا، سماجی اور ازدوجی معاہدے کے بغیر خونی رشتوں کی کوئی وقعت نہیں ہے، یہی معاہدے ثابت کرتے ہیں کہ رشتے کہاں پائیدار ہوتے ہیں۔

خونی رشتوں کو محبت کا جواز نہیں دیا جاسکتا، خونی رشتہ باہمی تعلق، ایک دوسرے کے ساتھ مستقل رہنے، کھانے پینے، سماجی روایات کی پابندی اور ثقافت سے جڑا ہے۔مثال کے طور پر ہندو معاشرے میں دیکھا گیا ہے کہ ایک عورت نے پانچ مردوں سے شادی کی تو سی طرح ان میں ایک شادی شدی عورت کو زوج میں رکھنے کے بعد دوسری بیوی کا تصور، داشتہ سے بڑھ کر نہیں، بیوہ کو زندہ جلادیا جاتا تھا، بھائی، والدین، رشتے دار خونی رشتے کے باوجود "ستی" کی رسم کو خود سرانجام دیتے۔اس لئے خونی رشتوں میں احترام کا واحد سبب معاشرتی طور پر مل جل کر رہنا اور ساتھ کھانے پینے سے ہے، کیونکہ انسان سماجی جانور ہے جو ہر ماحول میں خود کو ایڈجسٹ کرلیتا ہے۔ مرد اور عورت یا لڑکے اور لڑکی میں محبت کے تصور کیلئے ماحول کا اثر نفوذ

اہم ہوتا ہے، جنس مخالف کی جانب سے سج دھج ہی خواہشات نفسانی کی بیداری کا سبب بنتی ہے۔ محبت کے لطیف گداز جزبے کو جزبہ نفسانی ہوس کے مقابل قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لئے جب ہم اسلام میں دیئے گئے حدود و قیود کو جدید سائنس کے میزان میں تولتے ہیں تو واضح طور پر قریبی خونی رشتوں کے جرثوموں سے آئندہ نسل کو درپیش مسائل کا احاطہ کرنے میں دشواری محسوس نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ اسلام معاشرتی و اخلاقی اقدار کے ایسے تمام رشتوں کے احترام کے حوالے سے حدود وقیود متعین کردیتا ہے اور یہی اخلاقی ضابطے، مذہبی روزیات کے تحت ایمان کا درجہ اختیار کرلیتے ہیں، انسان اپنی پیدائش سے لیکر دور جوانی اور بڑھاپے تک اخلاقیات اور سماجی بندھنوں میں جکڑا رہتا ہے تو اس کے نزدیک جب مذہب کا تصور ختم ہوجاتا ہے تو دوسدری جانب اخلاقیات کا کوئی جواز نہیں رہتا، لہذا خونی رشتوں میں محبت سے زیادہ اخلاقی اور سماجی اقدار کا تصور زیادہ ہوتا ہے۔

محبت اور نفسانی خواہش کے فرق میں یہی نقطہ لطیف ہے جسے عمومی طور پر نہیں سمجھا جاتا کہ خواہشات کی تکمیل کے لئے سب کو جائز سمجھنے کے تصور نے ہی تباہ کن سماجی اقدار کو کمزوری کو جنم دیا ہے، سچی محبت کا تصور، ایثار کی امید، خلوص کی توقع اور مطلب سے طلب، جو اصل دراصل محبت کی پہلی سیڑھی ضرور ہے لیکن حقیقی محبت نہیں ہے، کیونکہ یہ صرف خواہشات ہیں اور محبت خود

بذات خواہش نفس ہے، اگر دوسروں کیلیئے وہ چاہا جائے جو وہ چاہتا ہے تو دراصل یہی
محبت ہے۔
سچی محبت کا تصور اور سماجی معاہدے کے تحت زندگی بس کرنا الگ الگ معاملات ہیں، سچی
محبت کو ایثار م خوشی اور آرام کے ساتھ جوڑ کر انسان طلبِ آسانی کی خواہش کو ترویج
دیتا ہے، محبت کے جذبے کو خواہشات کے ہی تابع کر دینا حقیقی محبت کا تصور نہیں،
محبت کی اصلی شکل سے ہم ناواقف ہیں۔

حکومت مخالف گرینڈ الائنس یا ایک نیا سیاسی بحران

موجودہ حکومت کے خلاف بعض جماعتوں کی جانب سے سابقہ انتخابات کے حوالے سے حکومت مخالف گرینڈ الائنس بنا کر ایک نیا سیاسی بحران پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ گو کہ تمام سیاسی جماعتیں جمہوریت کا انتہائی احترام کا دعوی کرتی ہیں اور حکومت کا بھی کوئی ادارہ نہیں چاہتا کہ مملکت کے دیگر ستونوں کے ساتھ کسی قسم کی محاذ آرائی کا تاثر بھی جائے۔ تمام چھوٹی بڑی سیاسی جماعتوں سمیت تمام اداروں کی اولین ترجیح ملک بھر میں عوام کی فلاح و بہبود کے حوالے سے کئے جانے والے اقدامات کو پھلنا پھولنا ہونی چاہیے۔ سسٹم کے استحکام اور اچھی حکمرانی و انصاف صرف اسی صورت بحال رہ سکتا ہے جب قانون کا احترام تمام ادارے اپنی حدود میں رہتے ہوئے کریں۔ ملک میں انتخاب کے حوالے سے آئینی ترمیم کے بعد اس وقت مملکت کو 1980ء اور 1990ء کی دہائیوں جیسی صورتحال کا سامنا نہیں ہے کہ جب لوگ حکومت کی بساط الٹنے کے لئے صدر جانب سے دفعہ 58 (ٹو) بی کے استعمال کرنے کی آس لگاتے تھے یا پھر مارشل کے نفاذ کیلئے فوج کی طرف دیکھتے تھے۔ اب یہ دونوں راستے بند ہو چکے ہیں۔ تمام ادارے جمہوری طریقے سے انتقال اقتدار کی جانب پر امن طریقے اور سیاسی تلخیوں کے باوجود تیزی سے گامزن ہیں۔

عوام ملکی استحکام و تبدیلی کی خواہش لئے ہر آنے والے دن، خواب دیکھتی ہے۔ تمام اداروں کی ذمے داری بھی بنتی ہے کہ نظام میں استحکام لائیں۔ موجودہ حکومت تمام تر مشکلات کے باوجود اپنی آئینی مدت ذمے داری کے ساتھ پوری کرے۔ بحران بھی آتے رہیں گے، مسائل بھی پیدا ہوتے رہیں گے لیکن تمام سیاسی جماعتوں کو مستقل مزاجی کے ساتھ صبر و برداشت کا ماحول برقرار رکھنا ہوگا اور عوام کی خدمت کے وعدے کو ہر صورت پورا کرنا ہوگا۔ جب تک اداروں کے درمیان ہم آہنگی، سسٹم کے استحکام اور اچھی حکمرانی کے ذریعے ملک کی خدمت کے عزم کو کامل کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہ موجودہ حالات سے بددل اور مسائل و مشکلات میں گھرے ہوئے عوام اپنے لئے امید افزا امید رکھتے ہیں۔

ہمارا المیہ ہی یہ رہا ہے کہ مملکت کے بااختیار ادارے اپنی اپنی حدود میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کے معاون و مددگار بننے کے بجائے اپنی خواہشات اور مفادات کی پاسداری کرنے لگ جاتے ہیں اور بعض سیاسی جماعتیں ایسے اپنی پوائنٹ اسکورنگ کے لئے استعمال کرتی ہیں جس سے عوام میں بے چینی اور بداعتمادی بڑھ جاتی ہے۔ مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ میں ہمیشہ ٹکراؤ کی کیفیت پیدا ہوتی رہی ہے جس سے نظام میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور پاکستان کی سرزمیں نااتفاقیوں کی بناء پر ایک مدت تک بے آئین اور طالع آزماؤں کی

آماجگاہ بنا رہا۔ حتیٰ کہ دو ٹکڑے ہوگیا۔ مملکت کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ انتقال اقتدار کا مرحلہ پرامن طریقے سے ہوا اور اب انتخابات کے بعد بھی اسی سلسلے کو اسی عمل کے تحت ہونے دیتے رہنا چاہیے۔ تمام تر اعتراضات و خامیوں کے باوجود پاکستان پیپلز پارٹی اور ان کی اتحادی جماعتیں قابل تعریف ہیں کہ پاکستان میں جمہوری عمل کو درست پٹری پر لانے کیلئے صبر کا دامن تھامے رکھا اور غیر آئینی قوتوں کو مداخلت کا جواز فراہم نہیں کیا، مسلم لیگ کی حکومت کو بھی اسی بردباری کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ ہر مرحلے پر افواج پاکستان نے خصوصی کردار ادا کیا جو کسی بھی ترقی یافتہ اور باشعور عوام کی حفاظت کرنے والے ادارے کا کردار ہوتا ہے۔

حکومتِ وقت پر اس وقت بہت ذمے داریاں عائد ہیں کیونکہ انھوں نے ہی اداروں کو مزید مضبوط بنانا اور ان کے درمیان ہم آہنگی کو فروغ دینا ہے۔ ماضی میں نواز و پی پی پی حکومت کا جو بھی طرز عمل رہا انھیں اب اپنی خامیوں کو خود ہی دور کرنا ہوگا۔

تحریک انصاف کو بھی صبر و تحمل کو اپنانا ہوگا۔ میڈیا اس وقت ایک اہم ستون کے طور پر حکومت کے تمام اداروں اور سیاسی جماعتوں کا بے رحم احتساب کرتا نظر آتا ہے، کیا ہی اچھا ہوتا کہ میڈیا اپنا احتسابی عمل بھی خود پر لاگو کرلے تاکہ میڈیا کی ساکھ عوام میں مثبت برقرار رہے۔ کسی ادارے کو اپنی انا کا مسئلہ بنائے بغیر تصادم اور محاذ آرائی سے بچنے کی

ضرورت ہے۔ کیونکہ حکومتوں کی غلطیوں کا خمیازہ کسی فرد واحد کو نہیں بلکہ پوری قوم کو اٹھانا پڑتا۔

ماضی کی پرویز مشرف کی خارجہ و داخلہ پالیسیوں کی بناء پر مملکت ایک ایسی جنگ میں اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہے جہاں ایسے اندرونی و بیرونی دونوں جانب سے خطرات کا سامنا ہے۔ افغانستان کی جانب سے بار بار الزامات اور بھارت کی جانب سے کشمیر ودیگر حساس سیکٹر پر بلا جواز اشتعال انگیز واقعات کے سدباب کے لئے تمام سیاسی جماعتوں اور اداروں کو ایک ملکییکجہتی کے پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر اتحاد کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔

صرف نہ چلائے جانے والے ایٹمی ہتھیاروں کو ہاتھی کی دانت کی طرح دکھانے سے ملکی مسائل کم نہیں ہو جائیں گے۔ افغانستان اپنے داخلی مسائل اور بھارت اپنی مملکت میں علیحدگی پسند تحریکوں کو کچلنے کے لئے پاکستان کی آڑ لیتے ہیں اور پاکستان کی جانب سے تمام مثبت خیر سگالی کے جذبات کو یکسر سرد مہری کے نظر کر دیتے ہیں۔ جس سے خطے میں امن کے بجائے عدم استحکام کو ہی فروغ مل رہا ہے اور مہنگائی میں پسی ہوئی عوام کو اسلحے کی دوڑ میں متواتر پسا جا رہا ہے۔

با حیثیت قوم ابھی تک ہم صوبائیت، لسانیت کے گورکھ دھندے سے نہیں نکل پائے ہیں ۔ وزیر اعظم نوز شریف کی جانب سے چھوٹے صوبوں میں پائی جانے والی اس

احساس محرومی کے خاتمے کے لئے عملی اقدامات کرنا ہونگے۔ وزیر اعظم پاکستان کی جانب سے ابھی تک سینیٹ سے خطاب نہ کرنا، قومی پالیسی کے تعین میں ناکامی تصور کیا جائیگا جبکہ انتخابات میں کئے گئے وعدوں کا پاس رکھنا اور انھیں پورا کرنا، عوام کے اعتماد کو جلا بخشے گا۔ دہشت گردی کے خلاف آل پارٹیز کانفرنسوں کے انعقاد میں کے باوجود ناکامیوں نے عوام میں دہشت گردی کے خلاف حکومتی دعوؤں پر عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے تو دوسری جانب تحریک انصاف کی جانب سے محض پوائنٹ اسکورنگ کے لئے، جمہوریت کو رے ڈیل کرنا اور لندن میں بننے واالا ابھرلو سیاسی اتحاد حیران کن ہے کہ قوم سے کئے جانے والے وعدے اگر پارلیمنٹ میں موجود سیاسی جماعتیں نہیں کریں گی تو پھر عوام سے دہشت گردی کے خلاف سخت موقف اپنانے کی کیا ضرورت تھی ۔پارلیمنٹ اگر پسند نہیں تو انتخابات میں حصہ کیوں لیتے ہیں، ہار جاؤ تو دھاندلی، جیت پر جمہوریت کی فتح قرار دینے کی روش کو ختم کرنا ہوگا۔

اگر دہشت گردی کے خلاف کسی متفقہ پالیسی میں کسی بھی شخص یا ادارے کو کوئی تحفظات ہیں تو پھر قوم کو اس سے آگاہ کیا جائے۔ محض بیانات پر اکتفا کرنے کے بجائے ملکی کو درپیش مسائل کے حل کیلئے اپنی تجاویز کو قوم کے سامنے لائیں، ابھی اقتدار کے نئے، مرحلے کے لئے سب کو مقررہ مدت تک انتظار کرنا ہوگا۔ ہر سیاسی جماعت کو اپنے مینڈیٹ کے تحت عوام کی خدمت کا فرض سونپا

گیا ہے۔ اس روگردانی قوم کے ووٹ سے اور آئین سے غداری کے مترادف قرار دیا جائے گا۔ لسانیت، صوبائیت اور فرقہ واریت کے آسیب کی دنیا سے باہر نکل کر مملکت کو نئے بحرانوں سے بچانے کے لئے مثبت و اجتماعی جدوجہد میں ہی کامیابی ہے۔ اس کے باوجود ہمیں اپنی ذمے داریوں کا احساس نہیں ہوا تو تاریخ، سنبھلنے کیلئے بار بار موقع نہیں دیتی۔ مملکت کی وحدت پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ ایسے یکجا کرنے کیلئے مل کر ہی کوشش کرنا ہوگی۔ اندرونی خلفشار سے بیرونی طاقتیں ہی فائدہ اٹھاتی ہیں، ہمیں مصر، لبنان، شام اور عراق کی مثال اپنے سامنے رکھ کر ایک بار سوچنا ضرور ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ پھر موقع نہ ملے۔ لہذا قوم کو اس پر آشوب دور میں مزید امتحانات میں نہ ڈالیں۔ قوم کو ویسے ہی پر آشوب مصائب اور تکالیف کا سامنا ہے، قوم و مملکت کی بقا اس وقت خطرے میں ہے، ملکی سلامتی کے ادارے پل صراط سے گذر رہے ہیں، ہمیں اپنے رویوں میں تبدیلی لانا ہوگی۔

شام میں خانہ جنگی کی المناک صورتحال

شام کی بگڑتی صورتحال کے سبب ہجرت کرنے والے شامی عوام کی بہت بڑی تعداد ہمسایہ ممالک میں پناہ لینے پر مجبور ہیں۔UNHCRکے مطابق 6مارچ 2014 تکلبنان میں , 957,773 جبکہ لبنانی حکومت کے مطابق 21نومبر 2013 ء تک تعداد 1.400,000جبکہ UNRWA کے مطابق 52,788 شامی فلسطینی مہاجرین رجسٹرڈ ہوئے۔ مصر اور نارتھ افریقہ میں UNHCRکے مطابق 10مارچ 2014 ء تک 154,728جبکہ مصر حکومت کے مطابق 27فروری 2014ء تک300,000 مہاجرین نے شام سے ہجرت کی۔ عراق میںUNHCR کے مطابق 5مارچ 2014ء تک226,934شامی عوام نے ہجرت کی۔اردن میں UNHCR کے مطابق 10 مارچ 2014تک584,600جبکہ حکومت اردن کے مطابق 27فروری2014ء تک600,000مہاجرین نے ہجرت کی جبکہUNRWA کے مطابق 3مارچ2014 تک11,438شامی فلسطینی مہاجرین کو رجسٹرڈ کیا گیا۔ جبکہ اعداد وشمار کے مطابق 2,558,379 شامی عوام نے ہجرت کی ہے جس میں مصر و نارتھ افریقہ میں 6 فیصد، ترکی میں 23فیصد،اردن میں 25فیصد، لبنان میں 37فیصد ہیں۔ مارچ 2013میں مہاجرین کی تعداد 1,184,948 تھی جو کہ مارچ2014 میں 2,558,379ہو چکی ہے۔

یہ انسانی تاریخ کا بہت بڑا المیہ ہے جس پر مسلم امہ خاموش بیٹھی ہوئی ہے

اور شامی عوام مسلمانوں کو ایک طرف صحت ، تعلیم ، خوراک کی کمی کا سامنا ہے تو دوسری طرف کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال نے بھی بڑی تباہی مچا دی ہے ۔

فرینڈز آف سیریا گروپ میں شامل ممالک کا اجلاس قطر کے دارالحکومت دوحہ میں ہوا ۔ اس اجلاس میں ان ممالک کے وزرائے خارجہ نے شامی صدر بشار الاسد کے خلاف برسرپیکار شامی باغیوں کیلئے ٹھوس فوجی امداد کے بارے میں تبادلہ خیال کیا گیا۔ باغیوں کا ماننا تھا کہ انکے پاس ہتھیار پہنچ گئے ہیں تاہم باغیوں کے FSA فری سیرین آرمی ترجمان کا کہنا تھا کہ یہ ہتھیار امریکہ سے نہیں آئے ہیں۔ فری سیرین آرمی کے ایک ترجمان سمیر النشر نے ایک خبر رساں ادارے ڈی پی اے کو بیان دیتے ہوئے کہا کہ "ہماری طرف سے فرینڈز آف سیریا کے اجلاس میں اس امر کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ شامی حکومت اور اس کی حامی حزب اللہ کے حملوں کا مقابلہ کرنے کیلئے مزید ہتھیاروں اور جنگی ساز و سامان بھیجنے کا عمل کتنا ضروری ہے۔" ان گیارہ رکنی فرینڈز آف سیریا گروپ میں امریکہ ، برطانیہ ، فرانس ، جرمنی ، اٹلی ، اُردن ، سعودی عرب ، ترکی ، مصر ، متحدہ امارات اور قطر شامل ہیں۔ اس اجلاس کے بارے میں امریکی ترجمان کا یہ کہنا تھا کہ قطر میں اس ملاقات کا مقصد اس بات پر غور کرنا ہے کہ عالمی برداری کس طرح شامی باغیوں کیصورتحال بہتر کر سکتی ہے۔ اُردن اور امریکہ کی طرف سے اس بات کی تصدیق کی جا چکی ہے کہ عمان اور

واشنگٹن نے شامی باغیوں کیلئے ایک سال پرانے تربیتی پروگرام میں توسیع کی تھی۔پہلے یہ پروگرام کیمیائی ہتھیاروں کا سراغ لگانے اور انہیں محفوظ رکھنے تک محدود تھاتاہم اب اس میں توسیع کرتے ہوئے اس میں طیارہ اور توپ شکن میزائلوں کا ستعمال بھی شامل کردیاگیا ہے۔امریکہ اس جنگ کا نقشہ تبدیل کرنے کیلئے نوفلائی زون اور بفرزون قائم کرنا چاہتا ہے۔امریکی اہلکاروں کے مطابق واشنگٹن نے دوہزار اضافی عسکری تربیت کے پانچ ہزارر کمانڈرزاورFSA دہندگان اور مشیر اردن بھیجے جنکاکام فری سیرین آرمی افسروں کی تربیت کرنا تھا۔

شام میں اقوام متحدہ کی رپورٹ کی مطابق دو سال میں کم از کم 93ہزار افرادہلاک ہوچکے ہیں۔شامی حزب اختلاف کے قومی اتحادکے عبوری صدر جارج صبرا نے کہا ہے کہ لبنان کی مسلح جنگجو تنظیم حزب اللہ نے شامی عوام کے خلاف جنگ مسلط کر رکھی ہے اور اس کے جنگجو سرحد عبور کرکے ہمارے شہروں اور قصبوں میں داخل ہو رہے ہیں۔عیسائی مذہب سے تعلق رکھنے والے جارج صبرا نظریاتی طور پر کمیونسٹ ہیں ، انھیں شامی صدر بشار الاسدکے والد حافظ الاسد کی حکومت کی مخالفت کی پاداش میں جیل میں ڈال دیاگیا تھااور آٹھ سال تک جیل میں قید رہے تھے ، بشار الاسد کی حکومت کے خلاف مارچ 2011ء سے جاری احتجاجی تحریک میں قائدانہ کردار ادا کر رہے ہیں۔اسی طرح لبنانی صدر مشعل سلیمان نے شیعہ

ملیشیا حزب اللہ پر زور دیا کہ وہ شام میں جاری جنگ میں حصہ لینا بند کردے اور لبنان لوٹ آئے کیونکہ اس کے شام میں کردار کی وجہ سے اندرونِ ملک کشیدگی پیدا ہو رہی ہے۔لبنانی صدر نے یہ بیان حزب اللہ کے سربراہ حسن نصر اللہ کے اس اعلان کے بعد دیا کہ جس میں انھوں نے کہا تھا کہ ان کی تنظیم شامی تنازعے میں شریک رہے گی حزب اللہ نے شام کے وسطی صوبے حمص کے قصبے القصیر پر قبضے کی جنگ میں صدر بشار الاسد کی فوج کا ساتھ دیا اور اب وہ شمالی شہر حلب میں بھی شامی باغیوں کے خلاف ایک نئے محاذ کی تیاریوں میں ہے۔

لبنان نے سرکاری طور پر تو شامی تنازعے کے حوالے سے غیر جانبدارانہ موقف اختیار کئے رکھا ہے لیکن حزب اللہ کے جنگجو اس وقت شام میں باغیوں کے مقابلے میں صدر بشار الاسد کی کھلم کھلا جنگی ، سفارتی ، سیاسی اور اخلاقی حمایت کر رہے ہیں۔حزب اللہ کے جنگجوعلوی فرقے سے تعلق رکھنے والے شامی صدر بشار الاسد کی وفادار فوج کے شانہ بہ شانہ خانہ جنگی کا شکار ملک میں سُنی جنگجوؤں کے خلاف لڑ رہے ہیں۔شام کے صدر بشار الاسد کا کہنا ہے کہ شامی حکومت یہ جنگ علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر لڑ رہی ہے۔ایران کی جانب سے شامی حکومت کی بھرپور حمایت جاری ہے اور عراق کی جانب سے معذوری ظاہر کی گئی کہ وہ ایران کو عراق کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کرنے سے نہیں روک سکتا۔انہی اطلاعات کے تناظر میں پاکستانی طالبان کی جانب یہ خبر آئی کہ شام

میں جاری جہاد پر نظر رکھنے کے لئے وہاں اڈا قائم کرلیا ہے۔ اور میڈیا کی جانب سے یہ اطلاعات بھی موصول ہو رہی ہیں کہ شام کی حکومت کے خلاف جہاں طالبان باغیوں کا ساتھ دیں گے تو دوسری جانب کالعدم لشکر جھنگوی بھی اس محاذ میں بھرپور حصہ لے گی۔ گو کہ پاکستان نے اس کی تردید کی ہے۔تاہم شام کی خانہ جنگی اب مکمل طور پر فرقہ ورانہ جنگ میں تبدیل ہوچکی ہے اور اس فرقہ وارانہ خانہ جنگی کے نتائج خطے میں انتہائی نقصان دہ ثابت ہونگے۔

شام کا اپنی عوام کے خلاف جبری طاقت کا استعمال اور لبنان سے حزب اللہ اور ایران کی جانب سے تعاون حاصل ہونا جہاں شام کی عوام کیلئے مصائب کا سبب بن رہا ہے تو دوسری جانب اب طالبان کی جانب سے شام کی خانہ جنگی میں حصہ لینے کے ساتھ ساتھ عرب ممالک کی جانب سے شام کی حکمران جماعت کے خلاف باغیوں کو ہتھیاروں کی فراہمی اور امریکہ کی جانب سے ایران کو اپنی حدود تک محدود رکھنے کی خواہش نے ہزاروں بے گناہ شامی مسلمانوں کا خون بہا دیا ہے۔شام کی عوام کی جانب سے تبدیلی حکومت کی مطالبات کے جواب میں حزب اللہ شیعہ ملیشیا کی طرح لبنان کے جنوبی حصے کے سُنی مسلمان عملی طور پر شامل نہیں ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ لبنان کے صدر کو پریس کانفرنس میں حزب اللہ سے اور اقوام متحدہ میں یادداشت پیش کئے جانے کی صورت میں حزب اللہ پر زور دیا کہ وہ شام میں جاری جنگ میں حصہ لینا بند کردے اور لبنان لوٹ آئے کیونکہ اس کے شام میں

کردار کی وجہ سے اندرونِ ملک کشیدگی پیدا ہو رہی ہے۔

شام کی صورت حال میں طالبان کی جانب سے " جہاد" کی صورت میں نگرانی کی ساتھ ساتھ عملی طور پر باقاعدہ اعلانیہ آغاز ہوگیا تو پھر اس کے مضمرات سے پاکستان کے ساتھ پورے خطے میں ایک نئی جنگ کا آغاز ہوجائے گا۔دیکھنا یہی ہے کہ اقوام متحدہ کب تک خاموشی سے یہ نظارہ دیکھتی رہی گی اور انسانی حقوق کی کھلم کھلا خلاوف ورزیوں پر اپنے تضاد بھرے ایجنڈے پر کاربند رہے گی۔یقینی طور پر یہ بھی عالمی اسکرپٹ کا وہ حصہ ہے جس میں مسلمانوں کے درمیاں فقہی اختلافات کا فائدہ.براہ راست بین الاقوامی قوتیں اپنے مفادات کے لئے استعمال کرتی ہیں اور تضادات کے اس چومکھی کی لڑائیوں میں مسلمانان عالم اسی طرح کٹتے مرتے رہیں گے۔

خان عبدالغفار خان باچا خان بابا کا تعلیمی جہاد

" 1969ء میں خان عبدالغفار خان المعروف باچا خان کو ہندوستان سے دعوت نامہ ملا کہ گاندھی جی کی برسی میں شمولیت کریں، باچا خان کا پاکستانی پاسپورٹ جو ایک سال کیلئے تھا اُس کی معیاد ختم ہوچکی تھی ، افغان حکومت نے پیشکش کی آپ کو ہم افغان پاسپورٹ دے دیتے ہیں لیکن، باچا خان نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ "وہ ایک پاکستانی کی حیثیت سے پاکستان ہی کے پاسپورٹ پر سفر کریں گے" ، کابل میں ہندوستان کے سفیر نے کہا کہ وہ اُن کیلئے ایک معزز ہستی ہیں اُنہیں کسی پاسپورٹ ، ویزہ کی ضرورت نہیں ، باچا خان نہ مانے ۔باچا خان نے اپنا پاسپورٹ پاکستانی سفارتخانے کو بھیجا اور ساتھ ہی ایک خط بزبان پشتو سردار عبدالرشید وزیر داخلہ جس میں تجدید پاسپورٹ کی خواہش ظاہر کی گئ تھی ، بحثیت کونسلر آفیسر میں باچا خان کی درخواست مع خط اپنی وزرات خارجہ کو ارسال کیا وہاں سے منظوری آئی اور انھیں نیا پاسپورٹ جاری کردیا گیا، انڈیا میں باچا خان کو جواہر لال نہرو ایوارڈ دیا گیا اور اس کے ساتھ اسی لاکھ ہندی روپے بھی تھے ۔ واپسی پر ایس فدا حسین جن کا تعلق کرک سے تھا، ان کے ہمراہ ان کی ملاقات محمد علی لونگین کے گھر ہوئی ، باچا خان نے اسی (80) لاکھ روپے افغان نیشنل بنک میں جمع وہ چاہتے

تھے کہ اس رقم سے پشتون ٹرسٹ قائم کیا جائے جو پشتونوں کی فلاح و بہبود کیلئے کام کرے اس ٹرسٹ کیلئے انہوں نے اپنی جائیداد میں سے پانچ جزیب زمین بھی وقف کی تھی ، ٹرسٹ کے منتظم کے طور پر عبدالخالق کا نام زیر غور آیا تھا، جب مشرقی پاکستان میں سیلاب نے کافی تباہی مچادی صدر جنرل یحیٰ خان نے ریلیف فنڈ قائم کیا تو باچا خان نے پانچ ہزار امریکی ڈالر بطور چندہ پاکستانی سفارت خانے کو دیئے۔ (بحوالہ کتاب " تھانے سے سفارت خانے تک " ، مصنف ایس فدا حسین)۔

یہ وہی باچا خان ہیں جن پر ہمیشہ پاکستان سے غداری کا الزام لگایا جاتا رہاہے ، شائد بہت کم لوگوں کو یہ علم ہوگا کہ باچا خان نے اپنی عملی جدوجہد کا آغاز تعلیم کے میدان سے کیا تھا۔ یہ باچا خان ہی تھے جو انگریز اور اس کے پروردہ قوم فروشوں کے خلاف تعلیمی جہاد رکھنے کے واحد علمبردار تھے ۔ ہندوستان نژاد امریکی مصنف ایکنات سوارن اپنی کتاب A Man to Match his Mountains (معروف ادیب غنی خٹک نے جس کا پشتو میں ترجمہ کیا ہے (لکھتے ہیں کہ " باچا خان نے اپنے اصلاحی اور تعلیمی پروگرام کو عوام تک پہنچانے کیلئے کندھے پر چادر ڈالے ہزاروں میل کا سفر کیا اور تین سال میں صوبہ سرحد کے تمام 500 بندوبستی گاؤں کا دورہ کیا" ۔ یہ صورتحال دیکھ کر چیف کمشنر سرجان میفی نے باچا خان کے والد بہرام خان کو بلا کر کہا کہ " جب پورے صوبے میں

کوئی اور اس کام میں دلچسپی نہیں لیتا تو تمہارا لڑکا ہی اسکول قائم کرنے پر کیوں تلا ہوا ہے" ۔

بہرام خان نے باچا خان سے اس کا تذکرہ کیا تو باچا خان نے کہا کہ" بابا فرض کیجئے، لوگ نماز پڑھنا چھوڑ دیں تو کیا آپ مجھ سے یہ فرمائیں گے کہ میں بھی نماز نہ پڑھوں" والد نے کہا کہ نماز تو فرض ہے، باچا خان نے جواب دیا کہ " علم کا حصول بھی تو، فرض ہے، جس پر بہرام خان نے بیٹے کے کندھے پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ پھر تو میں بھی تمھارے ساتھ ہوں،" چنانچہ 17 دسمبر 1921ء کو جب باچا خان مدرسے (اسکول) میں فٹ بال گراؤنڈ بنا رہے تھے تو انھیں گرفتار کرلیا گیا۔ باچا خان مجموعی طور پر 35 سال پسِ زنداں گذارے، لیکن یہ ایک منفرد واقعہ ہے کہ آپ نے زندگی کی پہلی قید قوم کے بچوں کو زیور تعلیم کرنے کے "جُرم" میں کاٹی، 1924ء میں رہا ہوئے تو آپ کا والہانہ استقبال پختون روایات کے مطابق کیا گیا اور انواع واقسام کے کھانے پیش خدمت کئے جانے کیلئے تقریبات میں مدعو کرنے کی کوشش کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ" جو رقم آپ لوگ کھانے اور دیگر تقریبات پر خرچ کرنا چاہتے ہیں، وہ گاؤں کے اسکول کے فنڈ میں جمع کرادیں اور اسی موقع پر باچا خان نے غلط رسومات کے خاتمے اور تعلیمی پروگرام کو منظم خطوط پر چلانے کیلئے "انجمن اصلاح افغانیہ" کی بنیاد ڈالی اور پشتون کے نام سے ادبی رسالہ بھی جاری کیا۔

اللہ بخش یوسف اپنی کتاب "صوبہ سرحد اور جدوجہد آزادی" میں ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ جب باچا خان کے والد بہرام خان جو علاقے کے بہت.بڑے خان تھے ، انتقال ہوا تو دور دور سے مولوی صاحبان اس توقع کے ساتھ آئے کہ انہیں بہت "خیرات" ملے گی لیکن جب تدفین کے بعد "خیرات "کا موقع آیا تو مولوی صاحبان کو مخاطب کرتے ہوئے باچا خان گویا ہوئے کہ" احادیث میں صدقہ جاریہ کی تلقین کی گئی ہے لہٰذا میں والد صاحب کے ایصال ثواب کیلئے دو ہزار روپے گاؤں کے مدرسے میں بطور صدقہ جاریہ دیتا ہوں۔"ظاہر ہے کہ اس کے بعد اُن مولوی صاحبان کے غم وغصے کا کیا حال ہوا ہوگا۔انگریز جانتا تھا کہ اگر تلوار کے ماہر قلم کے شیدائی بن گئے تو پھر انھیں زیر کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ لہٰذا انگریز ڈپٹی کمشنر سر ہملٹن گرانٹ نے باچا خان کے قائم مدارس اسکولوں) کے خلاف کاروائی کیلئے اپنے ایجنٹ دلاور خان کو اسسٹنٹ کمشنر بنا کر بھیجا) جس نے تحریک خلافت کو کچلنے کے باعث شہرت پائی تھی لیکن یہاں ایسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا باچا خان کے ان مدرسوں (اسکولوں) نے بیرون صوبوں میں کافی شہرت پالی تھی لہٰذا ہندوستان کے کونے کونے سے اور خاص طور بلوچستان سے آپ کو مدعو کیا جانے لگا۔جس پر انگریز سرکار نے چراغ پا ہو اس اسکولوں کے خلاف کریک ڈاؤن کرڈالا اور باچا خان کے مدارس (اسکولوں) کے خلاف بھرپور کاروائیوں کا آغاز کرتے ہوئے جگہ جگہ اساتذہ کو گرفتار کئے جانے لگا۔ دیر کے

علاقے میں قائم اخوانزادوں اور پراچوں کے تعاون سے قائم ایک بڑے مدرسے اسکول) جس میں 450 طالب علم زیر تعلیم تھے، ملاکنڈ ایجنسی کے پولیٹکل ایجنٹ مسٹر) کیب نے انگریز حکومت کے کہنے پر دیر کے نواب کو مدرسہ (اسکول) تباہ کرنے کا حکم دیا جس پر دیر کے نواب نے وہ مدرسہ (اسکول) نذر آتش کرڈالا، گو کہ بعد میں معذرت کرتے ہوئے کہا کہ وہ انگریز حکومت کے احکامات کی وجہ سے مجبور تھا۔انگریز نے مرکزی مدرسے (اسکول) کے خلاف کاروائی کے لئے پولیس کپتان حافظ زین العابدین، جس کا تعلق امرتسر سے تھا، باچا خان کو گرفتار کرنے کیلئے بھیجا، لیکن انھیں گرفتار کرنے کے بجائے اُس کپتان نے بتایا کہ آپ کی تعلیمی تحریک سے متاثر ہوکر امرتسر میں بھی مدرسے (اسکول) قائم ہوگئے ہیں اور قربانی کی کھالوں کے ذریعے سے ان کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں۔ گو کہ باچا خان کو گرفتار تو نہیں کیا لیکن مدرسہ اسکول) بند کرادیا گیا، یہی وہ زمانہ تھا کہ باچا خان تعلیمی جد وجہد میں انگریز حکومت) کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتے رہتے اور انگریز حکومت انھیں غدار سمجھ کر گرفتار اور مدارس اسکول) بند کرانے کی تگ ودو میں لگے رہتے، اور بالآخر خوشحال خان خٹک بابا کی) طرح انھوں نے بھی انگریزوں کے خلاف طبل جنگ بجادیا اور مجبورا میدان سیاست میں آگئے۔

افغانستان میں باچا خان کی تعلیمی خدمات سے متاثر ہوکر 2010ء کا سال اعتراف

کے طور پر منایا گیا، جبکہ باچا خان جس نے پاکستانی پاسپورٹ کے بغیر انڈیا جانے سے انکار کر دیا تھا کہ وہ پاکستانی شہریت کے بغیر انڈیا نہیں جائیں گے۔ آج بھی اکثر ناعاقبت اندیش انھیں غدار کہہ کر آسمان پر تھوکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انھوں نے 104 سال قبل قوم کو اندھیروں کا راہی بننے سے روکنے کی خاطر آزاد مدرسوں (اسکولوں) کے قیام کا بیڑا اٹھایا اور علمائے حق کے قافلے میں مولوی عبدالعزیز کے ہمراہ 1910ء میں اپنے گاؤں اتمانزئی میں پہلے مدرسے (اسکول) کی بنیاد رکھی جس میں دین و دنیا دونوں کی تعلیم کو نصاب کا حصہ بنایا، ممتاز کلاسیکل شاعر غنی خان اسی مدرسے (اسکول) سے فارغ التحصیل تھے۔ انھیں کمسٹری کی تعلیم کیلئے امریکہ باچا خان نے بھجوایا لیکن جب انگریز حکومت نے 1931ء میں باچا خان کو گرفتار کیا تو ان کی ساری جائیداد بنجر ہو گئی اور ان حالات کی وجہ سے انھیں تعلیم ادھوری چھوڑ کر واپس آنا پڑا۔ جبکہ خان عبدالولی خان حجروں اور مساجد کے اجتماعات میں خوش الحانی سے قرات کرتے تھے۔ جبکہ تیسرے صاحبزادے اور سابق سیکرٹری تعلیم عبدالعلی خان عرف لالی کی تعلیمی خدمات کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں، انھوں نے آکسفورڈ سے ایم اے کیا۔ باچا خان کی تین نواسیاں ڈاکٹر ہیں باقی نواسیوں میں کوئی بھی ایم اے، کوئی بی اے ہے۔ شائد یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ باچا خان کو ان کے بھائی خان صاحب فوج میں بھرتی کرانا چاہتے تھے لیکن باچا خان کی والدہ کو انگریز فوج کی ملازمت پسند نہ تھی اس لئے انھوں نے سختی سے منع

کردیا، اس لئے انھوں نے باچا کو کیبل پور (اٹک شہر) کے سکول میں داخلہ دلادیا اس کے بعد وہ علی گڑھ چلے گئے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب علی گڑھ میں مسلم طلباء میں، سیاسی بیداری پیدا ہورہی تھی اور اور ہندانگریز حکومت سے مطالبہ کیا جارہا تھا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا درجہ دیا جائے۔ڈاکٹر خانصاحب نے باچا خان کو انگلینڈ آنے کی دعوت دی کہ وہ یہاں آکر انجنئیرنگ کی تعلیم مکمل کرلیں لیکن باچا خان نے ملک و قوم کے خاطر ان کی پیشکش کو ٹھکرادیا۔ مسلم قوم میں تعلیم کا شعور پیدا کرکے برطانوی استعمار کے خلاف جدوجہد کرنے والوں کو تاریخ میں مخالفین نے ہمیشہ غدار کا نام دیا ہے۔ سر سید احمد خان ہوں یا خان عبدالغفار خان باچا خان، انھیں قوم سے محبت تھی اور وہ یہی چاہتے تھے کہ اگر ترقی کرنی ہے تو تعلیم کو اپنا ہتھیار بنانا ہوگا۔ ابتدائی پیرائے میں باچا خان کی پاکستان سے محبت کا اس سے بڑااور کیا ثبوت ہوگا کہ انھوں نے پاکستان کو دل سے تسلیم کیا اور ایسے اپنا وطن سمجھا، اگرایس انہیں ہوتا تو وہ کبھی بھی پاکستانی پاسپورٹ کی ضد نہ کرتے اور ان جیسی شخصیات کو کسی شناخت کی ضرورت بھی نہیں ہوتی، لیکن باچا خان ایک اصول پسند اور محب وطن عظیم لیڈر تھے جنھوں نے اپنی انا کے بجائے پاکستانیت کی پہچان کو ترجیح دیکر تاریخ میں خود کو امر کردیا۔ ہم نے غداری کے سٹریفیکٹ تقسیم کرنے اور کفر کے فتوے لگانے کے کارخانے لگائے ہوئے ہیں ۔ باچا خان کی زندگی کا یہ غیر معمولی گوشہ ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے۔

غذائی قلت

گذشتہ دنوں خوراک اور زراعت کی تنظیم (ایف اے او) نے ایک رپورٹ جاری کی، جس میں یہ خیال پیش کیا گیا کہ "دنیا کو کیڑے کھانے پر قائل کیا جائے تاکہ بڑے پیمانے کی بھوک سے بچا سکے۔" دراصل یہ نظریہ مالتھس کے مقابلے میں پیدا کیا گیا ہے، تقریبا دو صدیوں پہلے مالتھس نے یہ خیال پیش کیا "کہ غریبوں کی مدد کرنا غلطی ہے ان کو فاقوں سے مر جانا چاہیے کیونکہ فطرت سب کی ضروریات پوری نہیں کر سکتی" ،بہت سے مفکرین، بشمول مارکس اور اینگلز نے اس نظریئے کو رد کیا اور بورژوازی نے عملا اس نظریئے کو مسترد کردیا کہ مالکان کو مختلف شعبوں، میدانِ جنگ ،کارخانوں اور فیکٹریوں کیلئے انسانی قوت محنت کی ضرورت ہے۔ خود دو سو سال کے سائنسی ثبوت مالتھس کے نظریئے کو جھٹلانے کیلئے کافی ہیں ۔مالتھس کے پیروکار ہر بار قیامت آنے کے پیشگوئیوں کے ساتھ دنیا کی آبادی کو ایک ارب سے دو، اور پھر تین ارب تک لے جانے کے ساتھ دو سو پچاس تک دنیا کی آبادی 9ارب ہو جانے کا دعوی پیش کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ چالیس سالوں میں طلب کو پورا کرنے کیلئے غذائی پیداوار میں 60 فیصد اضافہ درکار ہوگا۔ خوراک اور زراعت کی تنظیم (ایف اے او) کی رپورٹ کے مطابق "آج بھی انسانیت کو دائی غذائی کمی کی تلخ حقیقت کا

سامنا ہے ، جو 800 ملین لوگوں کو متاثر کر رہی ہے جس میں 17 فیصد ترقی پذیر ممالک ، 34 فیصد افریقہ اور کچھ دیگر ممالک میں ہیں۔"امریکی ادارہ برائے خوراک کے مطابق 2012ء میں تقریبا1 کروڑ 80 گھرانے خوراک کی کمی کا شکار تھے اور 70 لاکھ گھرانے مشکل سے اپنی غذائی ضروریات پوری کرتے تھے"۔یہ امریکہ جیسے ملک کی اپنی مملکت کے بارے رپورٹ ہے ، وہ امریکہ جو خوراک کا بڑا برآمد کنندہ ہے اور اپنے لوگوں کو ان کی ضروریات سے زیادہ غذا فراہم کر سکتا ہے۔جب امریکہ جیسے مستقبل منصوبہ ساز ملک وترقی یافتہ مملکت کا یہ حال ہو تو ذرا سوچیں کہ ترقی پذیر اور غریب ممالک کی عوام کا کیا حال ہوگا۔

خوراک اور زراعت کی تنظیم (ایف اے او) کی رپورٹ میں کہا گیا کہ "دنیا میں 1900 اقسام کے خوردنی کیڑے ہیں جن میں سینکڑوں آج بھی بہت سے ممالک میں غذا کا حصہ ہیں۔در حقیقت دو ارب لوگ باقاعدگی سے مختلف اقسام کے کیڑے پکا کر یا خام حالت میں کھاتے ہیں ، رپورٹ کے مصنفین کے مطابق" غذائی نکتہ نظر سے کیڑے کھانے سے عمومی نفرت کا کوئی جواز نہیں"۔دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مغربی ممالک میں جیسے فرانسیسی ، اطالوی پنیر میں کیڑے شامل کئے جاتے ہیں، کیلیفورنیا اور فرانس میں کچھ ریستوانوں میں کیڑے دستیاب ہیں ، کچھ کمپنیاں کیڑے مکوڑوں سے بنی غذا فروخت کرتی ہیں 1996ء میں چینی حکام نے درجنوں ایسی غذائی اجناس کی منظوری دی ، جن کے اجزا میں چیونٹیاں شامل تھیں

تھائی لینڈ میں انہیں پکوان کا درجہ حاصل ہے ، چین میں لاروا اور پیوپا عمومی طور پر کھایا جاتا ہے ، لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ سب بچارے غریبوں کی قسمت میں اس لئے ہے کیونکہ سرمایہ داری نظام نے انھیں اچھی خوراکوں سے محروم رکھا ہے اور یہ حقیقت خوراک اور زراعت کی تنظیم (ایف اے او) بہت اچھی طرح جانتی ہے کہ کروڑوں انسانوں نے ایک بار بھی اچھی خوراک زندگی بھر نہیں چکھی۔

صحت اور تعلیم کے ساتھ اسباب زرق کے ذرائع یعنی روزگار فراہم کرنا ریاست کی ذمے داری ہے لیکن اس کے باوجود ہر روز 1130 بچے قابل علاج بیماریوں سے مر جاتے ہیں جبکہ 60 فیصد بچے اسکول ہی نہیں جا پاتے۔آئین پاکستان کے آرٹیکل 3 کے مطابق ریاست ہر شہری کو روزگار دینے کی پابند ہے۔ لیکن اس کے برخلاف سرمایہ دار کیلئے بس شرح منافع بڑھنی چاہیے۔ اوزن لیئر کمزور ہو یا ختم ہو جائے ، گلوبل وارمنگ بڑھتی رہے ، انسان مرتا رہے تو مرتا رہے ، جنگیں ضروری ہیں تاکہ امریکہ ، روس ، جرمنی وغیرہ کی اسلحہ ساز فیکٹریاں چلتی رہیں ، دہشت گردی ختم تو میڈیا کا کاروبار ہی ختم ہو جائے ، دہشت گردی کے تازہ لہر سے پہلے پاکستانی میڈیا "تھنک ٹینکوں" میں یہ پلان کر رہا ہوتا تھا کہ کس طرح اسٹار پلس کے ڈراموں کا زور توڑا جائے ، لیکن دہشت گردی کی چکا چوند اور بریکنگ نیوز کی سنسنی نے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے ، حالاں کہ میڈیا کے سامنے

دہشت گردی سے بھی بڑے مسائل سامنے موجود ہیں ، بھوک ، بے روزگاری ، صحت کی سہولتوں کی عدم فراہمی سے مرنے والوں کی تعداد دہشت گردی سے مرنے والوں سے کئی زیادہ ہے۔دراصل جب انسان نے رزق کے قدرتی سرچشموں پر اپنی اجارہ داری قائم کرنا شروع کردی اور انسان کو اپنا غلام بنانا شروع کردیا تو اس وقت سے ہی، سرمایہ دار اور غریب انسان کے درمیان تصادم شروع ہوا۔سرمایہ دار نے دولت کو ایک جگہ اپنے تصرف میں رکھنے کیلئے طرح طرح کی منصوبہ بندیاں کیں اور اپنی مرضی کی حکومتیں بنانا شروع کردیں تاکہ اس کے مفادات پورے ہو سکیں ،ایک ملک اگر طاقتور ہوا تو اس نے دوسرے کمزور ملک کو اپنی غلامی میں جکڑنے کیلئے استعماری جال بچھا کر ایسے اپنا معاشی غلام بنا لیا۔ اسی طرح پاکستان میں آنے والی ہر حکومت میں کسی غریب کیلئے کوئی جگہ نہیں بچتی کیونکہ ہر حکومت نے دو فیصد مراعات یافتہ طبقے کے مفادات کو پیش نظر رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ مراعات یافتہ طبقے کے دو سو ارب ڈالرز صرف سوئس بنکوں میں ہیں ، جبکہ پوری دنیا میں کالے دھن کا کتنا ذخیرہ ہوگا جو ، وڈیروں ، جاگیرداروں ، صنعتکاروں ، ملکوں اور خوانین نے اپنی کمزور عایا پر ظلم کرکے ملک سے باہر جمع کیا ہوگا؟۔ اس کا حساب سالوں کا لیا جائے تو مشینیں بھی گنگ ہو جائیں۔

دراصل ہم نے اساس پاکستان ہی نہیں بلکہ دین اسلام کے لازوال و سنہرے قوانین و اصولوں کو پس پشت اس لئے ڈال دیئے کیونکہ ہم نے مغرب کی نقالی کا

ٹھیکہ جو اٹھا رکھا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ قیام پاکستان بننے کیا نگریزوں سے وفاداری نبھانے والوں کو تحفے میں ملیں تمام زمینیں، جاگیریں قومیائے ملکیت میں لے لی جاتی اور بھارت کی طرح تمام زمینوں کی ملکیت کسی فرد واحد کے پاس نہیں رہنے دی جاتی یا پھر زرعی ٹیکس کا نفاذ ہوتا۔ بلکہ پاکستان بننے کے بعد ایسا معاشرہ قائم ہونا چاہیے تھا، کہ اسلام کے نام پر تخلیق کئے گئے ملک میں زکوۃ کے اسلامی نظام سے خیرات دینے کی رسم کے بجائے ایسا نظام قائم کیا جاتا جس کا مقصد نوع انساں کیلئے سامان نشو ونما مہیا کرنا ہوتا۔ اللہ تعالی کے ساتھ مومنین کا ایک معاہدہ ہوا ہے کہ "اللہ نے خرید لیا ہے مومنین سے ان کا جان اور مال بعوض جنت کے" یہ اللہ تعالی کا دیا گیا وعدہ ہی ہے جس میں رب کائنات کا ارشاد ہے کہ "تم لوگ اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کردیا کرو، ہم تمھارے رزق کے بھی ذمے دار ہیں اور تمہاری اولاد کے بھی" لیکن یہ ہمارے مشاہدے میں روز آتا ہے کہ قحط کی وجہ سے، تو کبھی غربت کی وجہ سے کروڑوں انسان مر جاتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ خوراک اور زراعت کی تنظیم (ایف اے او) کو کہنا پڑتا ہے کہ انسان کو کیڑے کھانے چاہیں۔ حقیقت میں قصور ہمارا ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ رزق کے بہتے سرچشموں پر چند خاندانوں نے قبضہ کر رکھا ہے، سرمایہ داری نظام میں کسی غریب کو اس لئے جینے کا حق ہ نہیں کہ ایسے زندہ رہنے کیلئے خوراک کی ضرورت ہے بلکہ سرمایہ دار کو غریب کی اس لئے ضرورت ہے تاکہ وہ اس سے اپنا

سرمایہ بڑھانے کیلئے کام لے سکے اور اس کی بنیادی اجرت بھی پوری نہ کرے تاکہ وہ اپنی ضروریات کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہمیشہ سرمایہ دار کا غلام بنا رہے۔ حکومتوں کے بجٹ ان کی مالیاتی پالیسیاں ان کی ترجیحیات ، سب کچھ سرمایہ دارانہ نظام کے تابع ہوتا ہے۔ جو نظام (حکومت) اللہ کے نام پر قائم ہوتا ہے تو انسانوں کی تمام ذمے داریاں اس حکومت کے فرائض میں شامل ہو کر ترجیحات بن جاتی ہیں، اللہ کے دیئے گئے نظام کے تحت قائم حکومت میں ربوبیت کے تمام انتظامات انسان ، اللہ تعالی کے دیئے گئے احکامات و اصولوں کے تحت اپنے ذمے لے کر ایسے پورا کرتا ہے۔ لیکن جب انسان اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کیلئے سود کے سرمایہ دارانہ نظام کو اپنا لیتے ہیں تو ، اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کی جانے والی جنگ میں کامیابی کا تصور خام خیالی ہوگا اور ایسا نظام جو سرمایہ داری طبقاتی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے تو پھر غریب انسانوں کو زندہ رہنے کیلئے کیڑے مکوڑے کھانے پڑتے ہیں ، پانی کے ایک گندے گھاٹ پر کتے ، جانور اور انسان ایک ساتھ پلید پانی پیتے ہیں، ایسے ہوشربا نظارے اس جدید میڈیا کی دنیا میں روز دیکھائے جاتے ہیں۔ لیکن سرمایہ دارنہ نظام کے سرخیل خود کو بچانے کیلئے ایک ہو جاتے ہیں لیکن غریب عوام میں پھر بھی انتشار اور افرا تفری رہتی ہے۔ جب تک غریب اپنے جینے کے حق کو اپنے ہاتھوں خود حاصل نہیں کرے گا اس وقت تک سرمایہ داری نظام کے مورثی طبقہ ان کی محنت ، خون پسینے کی کمائی سے محلات بناتے رہیں گے اور غریب عوام کیڑے کھائیں گے۔

بھارت میں کئی پاکستان

ہندوستان میں مسلم اکثریتی آبادی والے علاقوں بالخصوص مسلم علاقوں کو عام طور پر " چھوٹا پاکستان " کہا جاتا ہے ۔ گذشتہ دنوں پہلی مرتبہ کسی سرکاری کاغذ پر یہ اصطلاح شائع ہوئی۔ مہاراشٹرا کے ریاستی الیکٹرک بورڈ (ایم ایس ای بی) کیجانب سے شائع کئے گئے بجلی بلوں پر ضلع تھانہ میں نالہ سوپارا کے سنتوش بھوان علاقہ کو " چھوٹا پاکستان " کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا۔اس " سنگین غلطی " پر ریاستی اقلیتی کمیشن نے بورڈ کو نوٹس جاری کرتے ہوئے وضاحت طلب کی ہے۔ ریاستی اقلیتی کمیشن کے چیئرمین مناف حکیم نے ایم ایس ای بی کے سربراہ کو موسومہ ایک مکتوب میں کہا کہ " یہ ایک سنگین معاملہ ہے۔ اس کے بارے میں تحقیقات کراویئے اور اپنے تحقیقاتی نتائج سے کمیشن کو واقف کروایئے "۔ مکتوب میں مزید کہا گیا " ہمیں بتایا جائے کہ اس علاقہ کو " چھوٹا پاکستان " قرار دینے کی ہدایت کس عہدیدار کیجانب سے دی گئی۔ "پہلی مرتبہ کسی سرکاری کاغذ پر یہ اصطلاح کا ریاستی اقلیتی کمیشن نے ایم ایس ای بی سے سختی کیساتھ وضاحت طلب کی ہے۔ نظم و نسق کی لاپرواہی کے اس ایک حیران کن واقعہ میں نالہ پور سوپارہ میں سنتوش بھوان علاقہ کے رہنے والوں کو ایسے بجلی کے بل موصول رہے ہیں جن میں ان کے رہائشی پتہ کے مقام پر محلّہ کا نام " چھوٹا پاکستان " چھپا ہوا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ

مہارشٹر ریاستی الکٹرسٹی ڈسٹری بیوشن کمپنی لمٹیڈ کیجانب سے گذشتہ کم از کم 14 ماہ سے اس طرح کے بلس بھیجے جارہے ہیں ۔ ایم ایس ای بی نے کہا ہے کہ وہ اس غلطی سے واقف نہیں ہے اور اس غلطی کا انکشاف اسوقت ہوا جب آدھار ریکارڈس کی درخواستوں کے ساتھ رہائشی پتہ کی تصدیق کے لئے بجلی کے بل قبول کئے جارہے تھے۔ مقامی افراد نے آدھار فارمس کے ساتھ ان بلوں کو منسلک کیا جس کے بعد یہ معاملہ بے نقاب ہوا۔ یہ صورتحال صرف اس وجہ سے ہے کہ ہندوستان کے بٹورے کا مقصد دو قومی نظریہ کی بنیاد تھا کہ جہاں مسلم اکثریتی علاقے ہونگے وہاں پاکستان بنادیا جائے۔ اس لئے بھارت میں مسلم اکثریتی علاقوں کے لئے " چھوٹا پاکستان " کا نام توہین آمیز طریقے سے لیا جاتا ہے۔ اور متحدہ پاکستان میں بٹوارے کا احساس بھارتیوں کے دل و دماغ سے محو نہیں ہوسکا ہے۔ پاکستان کیجانب سے بھارت کو پسندیدہ ملک قرار دینے کیلئے حکومت کی ترجیحات کو پاکستان میں بھارت مخالف حلقے اسی وجہ سے بھارت کو تجارت کیلئے پسندیدہ ترین ملک قرار دینے پر شدید اعتراض کررہے ہیں ۔ لیکنبد قسمتی یہ صورتحال مسلمانوں کیساتھ صرف بھارت میں نہیں بلکہ پورا یورپ اور امریکہ اس وقت "اسلاموفوبیا" اور صلیبی جنگوں کے ایوانجلسٹ نعروں سے گونج رہا ہے۔ اور ان کے غلام اپنے آقاؤں کی ہاں میں ہاں کے سوا اور کیا کرسکتے ہیں۔ بھارت کے " ان تواری "اور" ابھی مینو شیتو لے " کی مسلم دشمن ، اسلام دشمن رپورٹوں اور ڈنمارک کے توہین رسالت کارٹونوں ہالینڈ کے ممبر پارلیمنٹ "گیرٹ ورلڈرز" اور امریکہ کے ،

ایوانجلسٹ پادریوں" جیری فالویل" اور" ٹیری جونس "کے بیانات میں کوئی فرق نہیں ہے۔"انل تواری"، آروی بھسین اور" ابھی مینو" تو اسلام دشمنی کے گندے تالاب کی محض چھوٹی مچھلیاں ہیں۔ بال ٹھاکرے اور دیورس کو ماضی میں اور نریندر مودی اور یوگی آدتیہ کو حال میں بھارت میں فرقہ وارانہ سکون اور یکجہتی کو غارت کرتے رہنے کی پوری آزادی حاصل تھی اور ہے۔بھارت میں اکثریتی مسلم علاقوں کو توہین آمیز انداز میں "چھوٹا پاکستان" کہنا اور سرکاری دستاویزتک میں لکھے جانا ایسی ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے۔اقوام متحدہ کی ایک تازہ رپورٹ کیمطابق 2050 تک دنیا کی آبادی نو ارب بیس کروڑ ہوجانے کی توقع ہے۔اگلے 37 برسوں میں دنیا کی آبادی میں مزید ڈھائی ارب نفوس کا اضافہ متوقع ہے۔ اس وقت دنیا کی آبادی سات ارب سے کچھ ہی کم ہے۔ مغرب کی پریشانی کا سبب یہ ہے کہ یورپ ،امریکہ ،آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ وغیرہ میں تو شرح پیدائش گھٹتی جارہی ہے لیکن ایشا، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں بڑھ رہی ہے۔اس میں مسلمانوں کی تعداد میں رفتار دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔اس کے دو اسباب بتائے جاتے ہیں ایک تو یہ ہے کہ عام مسلمانوں میں دختر کشی ، اولاد کشی کی روایات مغرب کی طرح نہیں ہیں دوسرا اہم سبب تبدیلی مذہب کی عالمی رفتار میں مسلمانوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہورہاہے۔ہندوستان بھی اسلام دشمن اور پاکستان مخالفت میں یورپ کی تقلید پر کررہاہے۔بھارت میں مسلم دشمن ذہنیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ میڈیکل کالج کی ایک طالبہ کی

آبروزی کے بعد احتجاج کے دوران مظاہریں کو منتشر کرتے ہوئے ایک پولیس حوالدار "
تومر" دل کا دورہ پڑنے سے جاں بحق ہوا لیکن پولیس نے ایسے مظاہرین کیجانب سے
تشدد میں منہ پر چوٹ لگنے کے بعد دل کا دورہ قرار دیا جس کے بعد آٹھ لڑکوں کو
گرفتار کیا گیا۔ جس میں سات لڑکے ہندو ہیں ۔ان کی گرفتاری کیا ہوئی کہ پورے
بھارت میں گویا سارے دانشور، سیات دان، سماجی کارکن میدان میں آگئے اور اس
کیساتھ جب معاملہ عدالت میں پیش ہوا توجج صاحب بھی پولیس پر برس پڑے اور معلوم
کیا کہ انہیں ایک ہی جگہ سے پکڑا ہے یا لگ الگ جگہ سے ۔پولیس نے مانا کہ الگ الگ
جگہ سے توان سے سوال کیا گیا کہ ان پر تینا لزام ہیں ۔ پتھراؤ، اقدام قتل، قتل، ان
آٹھ میں بتاؤ کہ کس کس نے کیا کیا تھا ؟۔ یہی بہادر پولیس اب تکسینکڑوں مسلمان
لڑکوں کو پیش کرچکی ہے اور عدالت نے خاموشی سے جیل بھیج دیا۔ لیکن سات ہندو
لڑکے قانون اور پولیس کے چکر میں پھنس گئے۔ہر ٹی وی چینل ان پر مذاکرے کر رہا ہے
ان لڑکوں کی حمایت کر رہے ہیں کہ باعزت بری بھی ہوگئے توان کا مستقبل تباہ،
ہوجائے گا لیکن ان کے ہر جملہ میں مسلمانوں کے سات سو سے کہیں زیادہ مسلمان
لڑکوں پر کسی نے بحث نہیں کی، جو پولیس نے کہہ دیا عدالت نے بسروچشم تسلیم
کرلیا۔کچھ عرصہ قبل 13 مسلماں نوجوان عمر کے مسلمانوں کو پولیس پکڑ کر لاتی ہے توان
پر الزام لگایا جاتا ہے کہ ایک مندر کے اڑانے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے ان کے پاس
چالیس اے کے 47 رائفلیں، ایک بڑا بکس کارتوس سے بھرا ہوا، ہنڈ گرینڈ اور

ریوالور برآمد ہوئے لیکن معزز متعصب جج نے یہ معلوم کرنے کی کوشش تو کیا ضرورت ہی محسوس نہیں کی کہ اتنا سامان ان پر کیسے لڈا ہوا تھا لاد کر دکھاؤ اور منصوبہ بندی کا علم تمھیں کیسے ہوا؟ اس کے باوجود انھیں جیل بھیج دیا اور اٹھارہ برس جیل میں رکھکر باعزت بری کردیا۔ اب ادھیڑ عمر کے لڑکے پوچھ رہے ہیں کہ وہ عزت کہاں ہے جو جج صاحب نے دی تھی۔ بھارت کو تجارت کیلئے پسندیدہ ملک قرار دینا، تجارتی مجبوری ہو سکتی ہے لیکن امن کی آشا کا راگ الاپنے سے بھارت اور پاکستان میں دوریاں ختم نہیں ہو سکتی۔ جنگ بھی مسئلے کا حل نہیں ہے، لیکن بھارتی ثقافت کو فلموں ڈراموں اور الیکٹرونک میڈیا کے توسط سے ہمارے گھر گھر میں پہنچ رہی ہے اس کے، مقابلے میں پاکستان مقابلہ کرنے میں مشکلات کا شکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایٹمی طاقت ہونے کے باوجود پاکستان کو اندرونی خلفشار اور بیرونی سازشوں کے جال میں اس قدر الجھا دیا گیا ہے کہ پاکستان کیلئے بھارت سے تجارتی تعلقات میں اضافے کے سوا کوئی چارہ کار بھی نہیں ہے۔ لیکن اس کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ پاکستانی صنعت کاروں کا تحفظ اور پاکستانی مصنوعات کو بھارت بھی ترجیح دے لیکن بدقسمتی ایسا ہونا بھی بہت مشکل ہے کیونکہ ملکی بدامنی کی صورتحال سمیت لوڈ شیڈنگ اور مہنگائی کے سبب بھارتی مصنوعات کا مقابلہ کرنا آسان نہیں ہوگا اور رہی سہی معیشت بھی تباہ ہوجائے گی۔ بھارت کیلئے موجودہ پاکستان بھی "چھوٹا پاکستان "ہے جیسے مسلمانوں اور جناح کی" سنگین غلطی قرار دیا جاتا"

ہے۔ موجودہ سیاسی ملکی صورتحال میں ارباب اختیار سمیت کسی کو ادارک نہیں ہے کہ ہم اپنی پالیسوں اور بے حسی کے سبب غیر ذمے دارانہ بار باراس " سنگین غلطی " کو درست قرار دے رہے ہیں ۔ اب مملکت کے کونے کونے میں نا اتفاقی ، فرقہ واریت ، نسل پرستی، لسانیت ، صوبائیت کے نعرے مشرقی پاکستان کی طرح " سنگین غلطی کا " شکار ہورہے ہیں۔اب بھارت کے وزیر اعظم مودی سرکار بنیں ہیں ، کیا انھیں نہیں معلوم کہ بھارت میں اب بھی کئی پاکستان ہیں۔

حسن بن صباح کبھی مرا نہیں

تاریخ انسانی میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی طاقت ور نے اپنی طاقت کو دوائم بخشنے کیلئے غیر قانونی ھتکنڈے استعمال نہ کئے ہوں۔ اس کے نزدیک سب سے پہلے اپنی ذات کو محفوظ اور مستحکم بنانا اور کمزوروں سے اس بات پر خائف رہنا رہا ہے کہ کہیں وہ اس قدر طاقت ور نہ بن جائیں کہ کل کو اس کا احتساب شروع کر دیں۔ اس لئے اس نے ہمیشہ کوشش کی کسی بھی طرح اپنے آپ کو کسی مخفی یا ظاہری دشمن کے کاری وار سے بچانے کیلئے ایسا با اعتماد افراد کا گروہ اپنے گرد اکھٹا کرلے، جو اُس کی حفاظت کیساتھ ساتھ اُس کے مفادات کے خاطر کسی کی بھی جان لینے سے دریغ نہ کریں۔

ہمیں اس سلسلے میں بہت دور جانے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ موجودہ اسلامی تاریخ میں ہمیں ٹارگٹ کلرز کے سرغنہ اور اُس کے طریقہ کار کے حوالے سے بڑی مفصل تفصیلات بہم مہیا ہو جاتی ہیں۔ ہم اس ٹارگٹ کلر کو " حسن بن صباح" کے نام سے یاد کرتے اور جانتے ہیں۔ " حسن بن صباح" نے ایران کے شمال مغربی علاقوں میں مختلف قلعوں پر قبضے کے علاوہ اپنا مرکز ایران کے شہر قزوین کے قرین "قلعۃ الموت" میں بنایا۔ اسکے ٹارگٹ کلرز مسلمانوں کو قتل کرنے میں

مشہور رہے۔ان کا کام مسلمانوں کی سیاسی اور دینی قیادت کو قتل کرنا تھا۔انھوں نے بڑی تعداد میں علماء اور مجاہدین قیادت کو قتل کیا۔ صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کیخلاف صلیبیوں کی مدد کرتے رہے۔ حاجیوں کو لوٹ کر قتل کردیتے ، لیکن یہی نعرہ لگاتے کہم پکے سچےمسلمان ہیں۔المنتظم فی تاریخ الموک کی جلد ۷ ، س ۶۴ میں مشہور و معروف واقعہ درج ہے کہ "جب حسن بن صباح کے پاس امیر کا قاصد پہنچا اسے تسلیم کرنے کا پیغام دیا تو حسن بن صباح نے ایک فدائی کو بلایا اور حکم دیا کہ خود کو قتل کرلو۔ اس نے اسی وقت خنجر نکالا اور شہ رگ کاٹ ڈالی اور تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ اس کے بعد دوسرے کو حکم دیا کہ قلعے کی فصیل سے نیچے چھلانگ مارو ، اس نے فورا نیچے چھلانگ مار دی ، پھر وہ قاصد کی جانب متوجہ ہوا اور کہا کہ اپنے امیر کو جا کر کہو کہ میرے پاس ایسے بیس ہزار جانباز ہیں یہی میرا جواب ہے۔"۔ حسن بن صباح نے اپنی ایک خود ساختہ جنت بنا کر رکھی تھی جس میں اُن ٹارگٹ کلرز جن کو وہ فدائین کہا جاتا ہے، کو حقیقی جنت کا نظارا کرانے کیلیے پیش کیا جاتا تھا،تاریخ یہی بتاتی ہے کہ اس عارضی جنت میں حسین دوشیزائیں (جن کو وہ حوریں کہتا تھا) کی کثیر تعداد ایسے لبھانے کیلیے ہوتی اور فدائی کو حشیش کے نشے میں ڈوبے رکھتا تھا۔

شدت پسندوں کی جانب سے جب خود کش فدائین کا استعمال بڑی تیزی بڑھا تو ان کے

متعلق بھی یہی پروپیگنڈا کیا گیا کہ انھوں نے بھی کوئی حسن بن صباح کی طرح جعلی جنت بنا رکھی ہے۔ لیکن بتدریج خودکش حملہ آوروں کے حوالے سے تحقیقات ہونے لگی تو اندازے غلط ثابت ہوئے ۔ بلکہ کبھی انھیں امریکی جارحیت کا ردعمل تو کبھی ڈرون حملوں میں ہلاک ہونے والوں کے رشتے داروں کی جانب سے انتقام کہا جانے لگا، کسی نے ایسے امریکی نواز پالیسی یا امریکی پٹھو حکومت کو سبق سکھانے کیلئے جواز بنایا تو کسی بھی مسلک کے نام پر فرقہ واریت میں ایسے سند سمجھا، غرض جس رنگ کی عینک ویسی دنیا۔ ہمیں تاریخ بتاتی ہے کہ کمزوروں نے طاقتور سے مقابلے کیلئے کبھی بھی اپنی جان کی پروا نہیں کی ، مثال کے طور پر کم جنگی وسائل کے ممالک پر جب کبھی مسلم ممالک پر جارحیت کی تو افغانستان، روس یا امریکہ جنگ سے پہلے پاک ، بھارت جنگ میں پاکستانی سپائیوں نے دشمن کے ٹینکوں کے آگے لیٹ کر انھیں اپنے جسم میں باندھے بارودی مواد سے شدید نقصانات پہنچائے۔ اس عمل کو ایک جنگی حکمت عملی کہا گیا، کیونکہ جب آمنے سامنے جنگ ہو تو اس کا ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے ، ایسے ہم ، زندہ بچ جانے پر غازی اور مر جانے پر شہید کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ اس وقت ہم بھول جاتے ہیں کہ یہی عمل اس سے پہلے جاپانیوں اور جرمن کے علاوہ ویتنام کے فوجی اور شہریوں نے بھی اپنے بڑے دشمن کے خلاف کیا تھا، جب کہ خودکش حملوں کے حوالے سے تامل ناڈو سے تعلق رکھنے والوں نے اپنے مخالفین کیخلاف یہی سہل طریقہ اختیار کیا جس میں انھوں نے اپنے مخالفین

سمیت بڑی بڑی شخصیات کو جانی نقصانات دیئے۔اب عراق ، ایران جنگ کے بعد افغانستان اور پھر پاکستان میں جس طرح خود کش دھماکے تواتر کے ساتھ ہونے لگے تو ایسے دنیا کا مہلک ترین ہتھیار سمجھا جانے لگا ، جیسے دنیا کی کوئی جدید ٹیکنالوجی بھی روکنے میں ناکام ثابت ہو رہی ہے۔

عمومی طور امریکہ مخالف جنگوں میں اب مسلمانوں کی جانب سے ایسے حملوں میں جہاں براہ راست امریکہ اور اس کے اتحادی ممالک کو نقصان پہنچایا جاتا ہے تو اس سے سب سے زیادہ نقصان پاکستان میں ہو رہا ہے جہاں دنیا کا یہ مہلک ترین ہتھیار ، مسلسل استعمال کئے جا رہے ہیں اور پاکستانی ارباب و اختیار ایسے روکنے میں سو فیصد ناکام نظر آتے ہیں۔ یقینی طور پر حسن بن صباح کی طرح پاکستان یا افغانستان میں کوئی نمائشی جنت تو نہیں بنائی گئی ہے جہاں ان فدائین کی دل تسلی کیلئے نظارہ کرایا جاتا ہوگا ، لیکن یہ ضرور ہے کہ ان فدائین کو اسلام ، مذہب ، مسلک کے نام پر ، تو کبھی حرمت رسول ﷺ یا صحابہ اکرام رضوان اللہ اجمعین کی محبت یا اہل بیت سے دلی لگاؤ کے نام پر ، جذبات کو اس قدر مغلوب کر دیا جاتا ہے کہ انھیں اس بات کا ہوش بھی نہیں رہتا کہ اس کی قیمتی جان ، سانس لینے کے قابل نہیں رہے گی ، اس کے نزدیک صرف اس کے مقربین کی خوشنودی رہ جاتی ہے ، ایسے اس قدر پرُ تاثر کر دیا جاتا ہے کہ ایسے اپنی زندگی کا یہی مقصد نظر آتا ہے۔

جدید تحقیقات کی روشنی میں یہ توثابت ہوچکا ہے کہ ایسے خودکش حملہ آوروں کو خاص ماحول میں رکھ کرہپناٹز کیا جاتا ہے اور دماغ کو مفقود رکھنے کے خصوصی ادویات کا سہارا لیا جاتا ہے۔ جس کے زیر اثر رہنے کی وجہ سے زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کر لیا جاتا ہے۔دنیاکے اس سب بڑے ہتھیار کو فروخت بھی کیا جاتا ہے اور یہ ثابت شدہ ہے کہ گھرسے لاپتہ معصوم بچے ،یا بے گھر بچوں کو اغوا کرکے ایسے مقامات میں خصوصی تربیت دی جاتی ہے جس کو وقت آنے پر استعمال کیا جاتا ہے۔ متعدد ایسے واقعات اور ایسے خودکش نوجوان منظر عام پر آچکے ہیں ، جن کے انکشافات سے علم ہوا کہ انھیں ورغلا کر یا پھر پیسوں کی لالچ میں والدین سے درس وتدریس کیلئے حاصل کرکے مخصوص جگہوں ، میں رکھا جاتا ہے یا انھیں پُر تعیش نوکریوں کا لالچ دیا جاتا ہے۔

انسانی اسمگلنگ کی طرح خودکش حملہ آوروں کی بھی اسمگلنگ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔قصہ مختصر ، دیکھنا صرف یہی ہے کہ اُن مملکت نے اپنی عوام کو ایسی سہولیات و اسباب فراہم کردیئے ہیں کہ وہ مجبور ہو کر اپنے بچوں کو یا ایسے بچے کجو سمجھ بوجھ نہ رکھنے کے باعث ایسے عمل کے لئے تیار نہ ہو۔یقینی طور پر ایسا نہیں ہے۔ غریبی اور معاشی بدحالی ڈرون حملوں سے زیادہ خطرناک ہے ، جس نے ملک کے دور درس علاقوں میں ایسے معصوم بچوں کو ، ایسے لوگوں کے

حوالے کرنے کے بعد کبھی پوچھنا بھی ضروری نہیں سمجھا کہ ان کی کوکھ سے جنم لینے والی زندگی، اب کس حال میں ہے۔مزارات، مدارس، خانقائیں، یتیم خانے یا اس جیسی متعدد جگہیں ہیں جہاں دنیا کے یہ سب سے بڑے خطرناک بمبار باآسانی مل جاتے ہیں اور ارباب اختیار خاموش رہتے ہیں۔ ماڈرن حسن بن صباح آج بھی ہمارے درمیاںمختلف روپ میں اپنے ایجاد کردہ نظریئے کے ساتھ اور اس کے پاس فدائین کی ہزاروں کی تعداد میں " ٹارگٹ کلرز" موجود ہیں۔ہمیں اُن محرکات اور اسباب کا خاتمہ کرنا ہے، جس کی وجہ سے "ٹارگٹ کلرز" تیار ہوتے ہیں اور جدید ترین ٹیکنالوجی کو بھی ناکام کردیتے ہیں۔ یہ "ٹارگٹ کلرز" آج صرف غیر مسلم ممالک میں نہیں بلکہ مسلم حکومت میں بھی پیدا ہو رہے ہیں اور اُن خاص ممالک میں جو مسلمانوں کے دیرینہ دشمنوں کے ظاہری اور درپردہ غلام ہیں اور رہنا چاہتے ہیں۔پاکستان، افغانستان، عراق شام سمیت دیگر ایسے ممالک جہاں امریکہ نے اپنے مفادات کیلئے وہاں کی معصوم عوام، کو جنگ کی آگ میں جھونک دیا ہے، گوریلا جنگ، خانہ جنگیوں سے انکے معاشی حالت دگرگوں ہوچکے ہوں، نوجوانوں کو اپنے مستقبل کا کوئی راستہ نظر نہ آتا ہو تو پھر حسن بن صباح کبھی مرتا نہیں ہے، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیا مسلم مملکت نے اپنی ذمے داریاں پوری کی یا بھوکے کے چوری کرنے پر ہی ہاتھ کاٹنے کا نام اسلام ہے۔اسلام کے نام پر ممالک، ان حملوں کا جواب آگاہی علم اور زیادہ تعلیمی شعور سے دے سکتے ہیں۔

ایٹم بم اور پاک و ہند کے غریب عوام

ایٹمی دہشتگردی کو روکنے اور جوہری مواد کو محفوظ بنانے کیلئے ہالینڈ کے دارالحکومت ہیگ میں پاکستان کی سربراہی میں دو روزہ کانفرنس مارچ 2014ء میں منعقد ہوئی، کانفرنس کی صدارت پاکستان کے وزیر اعظم میاں نواز شریف نے کی۔ اس کانفرنس میں 53 ممالک کے صدور اور وفود نے شرکت کی تھی۔کانفرنس کے دوران بارہ ممالک نے اعلان کیا کہ وہ سب سے زیادہ افزودہ یورینیم کو اپنی سرحدوں کے اندر ہی ختم کردیں گے، جبکہ جاپان نے اعلان کیا کہ وہ ایٹمی ہتھیار بنانے میں استعمال ہونے والا پلوٹونیم امریکہ کو فروخت کرے گا۔اس وقت دنیا میں 9 ایسے ممالک ہیں جن کے پاس چھوٹے یا بڑے پیانے پر ایٹمی ہتھیار موجود ہیں۔ یہ ممالک امریکہ، روس، چین، فرانس، اسرائیل، پاکستان، ہندوستان، ایران اور کوریا ہیں۔صرف 2011ء میں ان ممالک نے ایٹمی پروگراموں پر ایک سو پانچ ارب ڈالر صرف کئے جو تقریبا ایک کروڑ 20 لاکھ ڈالر فی گھنٹہ بنتے ہیں۔یہ اتنی بڑی رقم ہے کہ اقوام متحدہ کے مطابق اس کے ذریعے پوری دنیا سے غربت کا 2 بار خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ہندوستان میں اس وقت 86 کروڑ انسان 25 روپے یومیہ کی آمدن پر زندہ ہیں۔برصغیر جنوب ایشیا کی آبادی، دنیا کل آبادی کا بائیس فیصد ہے جبکہ اس خطے میں دنیا کی

اکتالیس فیصد غربت میں پلتی ہے۔

پاکستان اٹامک انرجی کمیشن میں اس وقت 30 ہزار سے زائد ملازمین کام کر رہے ہیں۔ خان ریسرچ لیبارٹرز سمیت ایٹمی ہتھیاروں اور میزائل ٹیکنالوجی پر کام کرنے والے دوسرے کئی ادارے اس کے علاوہ ہیں جبکہ پاکستان میں صرف دو فیصد بجلی ایٹمی توانائی سے حاصل کی جارہی ہے مختلف محتاط اندازوں کے مطابق پاکستان اب تک 90 سے ایٹمی ہتھیار تیار کرچکا ہے جبکہ بھارت کے پاس 80 سے 100 ایٹم بم موجود 110 ہیں۔ اگر دونوں ممالک کے ایٹمی پروگراموں کی بڑھوتی کا جائزہ لیا جائے تو 2021ء تک پاکستان کے پاس 200 جبکہ ہندوستان کے پاس 150 ایٹم بم ہونگے۔ دونوں ممالک غریب عوام کی محنت و مشقت سے کمائی دولت کو ایک ایسی اندھی جنگ میں جھونکا جارہا ہے جس سے دونوں ممالک کی عوام کو فائدے کے بجائے سوائے نقصان ہی پہنچے گا اور مہنگائی اور افلاس میں اضافہ ہوگا۔ تباہ کاری کے ان آلات میں عوام کی خون پسینے کی کمائی پانی کی طرح بہائی جارہی ہے۔ 1940ء کے پہلے نصف حصے میں امریکہ نے دو ارب ڈالر کی لاگت سے ایٹم بم تیار کیا تھا۔۔ دنیا کے پہلے ایٹم بم کے لئے یورینیم کی افزودگی پر امریکہ میں بجلی کی کل پیداوار کا دس فیصد صرف ہوا تھا۔

مئی 2011ء کو جنرل (ر) پرویز مشرف نے نیوز ویک کو انٹرویو دیتے ہوئے 15

بتایا تھا کہ " پاکستان کے 18000 فوجی اہلکار صرف ایٹمی تنصیبات کی حفاظت پر معمور ہیں "۔ اگر صرف حفاظتی انتظامات کے اخراجات کا تخمینہ لگایا جائے تو یہ چھ کروڑ ڈالر سالانہ بنتے ہیں۔ گلوبل سیکورٹی نیوز وائر کی ایک رپورٹ کے مطابق " پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر اب تک دو سو ارب ڈالر سے زائد رقم خرچ ہوچکی ہے، جبکہ سالانہ 2.5 ارب ڈالر مزید خرچ کئے جارہے ہیں " ۔ یہ اتنی بڑی رقم ہے کہ اس سے پاکستان کا بیرونی قرضہ چار بار اتارا جاسکتا تھا۔ایٹم بم جدید میزائل ٹیکنالوجی کے بغیر بے کار ہے لہٰذا دور مار بلیسٹک اور کروز میزائلوں کی تیاری پر بھی کھربوں روپے خرچ کئے جا رہے ہیں ۔ اور یہ سب دوسری جانب ہندوستانی ریاست کے جنون اور وحشت کی وجہ سے برابر بڑھ رہی ہے۔ مئی 2013ء میں شائع ہونے والی ورلڈ بنک کی رپورٹ کے مطابق پاکستان کی ساٹھ فیصد سے زائد آبادی انتہائی غربت کی لکیر سے نیچے رہ رہی ہے اور اس میں مسلسل اضافہ ہورہاہے۔2011ء میں آغا خان یونیورسٹی کے اشتراک سے اقوام متحدہ کے ادارے یونیسف نے ایک رپورٹ مرتب کی ہے۔ جس کے مطابق غذائی قلت کی وجہ سے پاکستان کے چوالیس فیصد بچوں کی ذہنی اور جسمانی نشوونما نامکمل (Stunted Growth) ہے۔آنے والے پندرہ سالوں میں ان بچوں کا قد نارمل بچوں سے چھوٹا ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ ہم سب کیا کر رہے ہیں۔

پاکستان و بھارت کا ایٹمی پروگرام عوام کو بھوک اور محرومی سے نجات نہیں

دلا سکتا۔ نہ ان کو علاج، تعلیم، روزگار، بجلی، پانی اور دوسری بنیادی ضروریات فراہم کر سکتا ہے۔کیا یہ حکمرانوں کیلئے پر منفعت پروجیکٹ ہے ؟۔ جس میں عوام کے تحفظ کے نام پر اربوں روپوں کا بوجھ غریب عوام پر ہی ڈالا جاتا ہے اور حکمرانواں کی تجوریاں مزید بڑھتی چلی جاتیں ہیں۔ ہم اگر یہ فرض بھی کرلیں کہ اگر لاہور پر ایٹم بم گرے تو امرتسر اور دہلی بھی تباہ ہوجائیں گے، اگر ممبئ پر گرائے جائیگا تو کراچی اور حیدرآباد بھی اس کی زد میں آئیں گے، دونوں ممالک کی عوام تابکاری کے اثرات سے کئی نسلوں تک اپاہج بچے پیدا ہوتے رہے گے۔تابکاروں کے اثرات سے کئی نسلیں سوائے تباہی کے کچھ حاصل نہیں کرسکیں گی تو پھر ایسے ایٹم بموں کا کیا فائدہ ہے جیسے چلنا ہی نہیں ہے، پھر ان کے بنانے کا مقصد کیا ہے ؟۔بظاہر مقصد صرف ایک ہی ہے کہ کاروبار تو آخر کاروبار ہے، چاہے سیاست ہو یا ایٹم بم کے نام پر۔

سرمایہ داری میں آزادی، منڈی اور بیوپاری کی ہوتی ہے۔ انسان کی نہیں۔ ہمیں اس فریب نظر سے باہر نکل آنا چاہیے کہ ایٹمی طاقت ہونے کے سبب کوئی ہماری جانب میلی آنکھ سے نہیں دیکھے گا۔ میلی آنکھ تو کیا، دشمنان پاکستان نے تو مملکت کا وہ حال کردیا ہے کہ ایٹمی طاقت کہلانے میں بھی شرم محسوس ہوتی ہے۔ کشکول لئے "ایٹمی طاقت" بھیک مانگتی رہتی ہے۔ دفاعی اداروں میں چار افراد گھس جاتے ہیں اور اربوں ڈالرز کا نقصان پہنچا جاتے ہیں۔ امریکی

ہیلی کاپٹر پاکستان میں دندناتے پھرتے ہیں ریڈار، ڈش انٹینا کی طرح گھومتے رہتے ہیں۔ڈرون حملے روکنے کیلئے اہلیت نہیں، معمولی، کیڑے مکوڑے، نائن ایم ایم کی پستولیں لیکر دن دیہاڑے معصوم انسانوں کو بم دھماکوں سے اڑاتے، ٹارگٹ کلنگ کرتے نظر آتے ہیں اور ایٹمی طاقت کی حامل مملکت، بے بسی کی تصویر نظر آتی ہے۔افغانستان پر تسلط کیلئے بیرونی طاقتوں نے پاکستان میں سازشوں کا جال بُنا ہوا ہے۔جدید تاریخ گریٹ گیمز کی خوں ریزی اور بربادیوں کی المناک داستان عبرت بنی ہوئی ہے۔سامراجی قوتیں پاکستان، افغانستان کی معدنی دولت اور جغرافیائی اہمیت کے مد نظر اپنا غلبہ برقرار رکھنے کی تگ و دو میں خون کی کھیل اور کھلوار رہی ہیں۔برطانوی جارح ٹی ای لارنس نے ایک مرتبہ لکھا تھا "سرکشیوں کے خلاف جنگ ۔ چاقو سے شوربا پینے جاتا گھمبیر اور سست رفتار عمل ہوتا ہے "پاکستان میں بنیاد پرست اور سفاک آمریت اور کرپٹ جمہوریت نے اپنے امریکی اور بیرونی آقاؤں کا نمک خوب حلال کیا اور مذہبی جنونیت کو پروان چڑھایا اور یہی حال بھارت میں ہے جہاں ہندوازم میں تشدد اور جارحیت اس قدر بڑھ چکی ہے کہ علیحدگی پسند تحریکوں کا سر کچلنے کیلئے معصوم انسانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے۔

یہ سب عوام کی محنت و مشقت سے کمائی جانے والی دولت کو ایسے پروگراموں میں وقف کرنے کے سبب ہوا جس سے انسانیت کو سوائے تباہی کے کچھ نہیں مل رہا۔

عوام کے خون پسینے کی کمائی کے اربوں ڈالر، ہاتھی کو گنے کھلانا جیسے ہیں، جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ بھارت کی جنگی عزائم نے جہاں اپنی عوام کے لئے عبرت ناک منصوبے پیدا کئے تو پاکستان نے بھی دفاع کے نام پر مفلسی کے کچکول میں چندے کے پانے کیلئے اپنی چادر سے پاؤں آگے بڑھائے، اور عوام سوکھے ہونٹوں پر مسکرانے کے کچھ نہ کر سکی۔ کیونکہ اس کے علاوہ وہ اور کچھ کر بھی نہیں کر سکتی، کولہو کی بیل کی طرح کنوئیں کے گرد آنکھوں پر کپڑا ڈال کر خوش ہوتے رہو کہ منزل قریب آ رہی ہے۔ طاقت ور بننے کیلئے پہلے عوام کو طاقتور بنانا ضروری ہے، اگر کمزور اور لاغر قوم کے ساتھ کسی جارح و طاقتور کا مقابلہ کیا جائے گا تو بھوک سے بلکتے بچوں کے ہاتھ ہتھیار نہیں بلکہ روٹی مانگیں گے اور افلاس کے ماری عوام گدھ کی طرح مردار کھانے کیلئے اپنے ہی بھائی کی موت کا انتظار کرے گی، پاک، ہند میں جنگیں صرف استعماری قوتوں کیلئے پر منعفت رہیں، انھیں اسلحہ فروختگی سے کھربوں ڈالرز کی آمدنی ہوئی لیکن ان ممالک کی عوام کو کیا ملا، بدامنی، ڈر، بھوک، افلاس، دہشت گردی، بے یقینی اور ترقی کے پائیدار مستقبل سے محرومی۔۔اس سے تو اچھا ہے کہ عوام کو سسک سسک کر مرتے ہوئے دن گننے پڑیں نامعلوم دشمن کے ان دیکھے خوف زدہ زندگی سے بہتر ہے کہ عوام کے ساتھ ایک، بھلائی و نیکی کر دی جائے کہ ایٹم بم کو عوام پر ہی گرا دیا جائے کچھ تو غریب کم ہونگے

۔۔

عراق، شام اور اب پاکستان

فرقہ وارنہ کشیدگی عراق میں جس قدر ہیبت ناک طریقے سے پھیل رہی ہے اسے عالمی طاقتوں کی جانب سے کنٹرول کرنے کے بجائے اشتعال انگیزی کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ صرف گذشتہ رمضان المبارک کے مہینے میں عراق میں دہشت گردی کے واقعات کی بناء پر کم از کم 670 افراد ہلاک ہوئے۔ اس سال تقریبا چار ہزار افراد ہلاک جبکہ ساڑھے نو ہزار سے زائد زخمی ہوئے ہیں، بغداد میں عید کے دن 11 دھماکے ہوئے جس میں 60 افراد جاں بحق اور 170 زخمی ہوئے۔ 2003ء کے بعد 2013 کو سال کا سب سے زیادہ خونی قرار دیا گیا ہے اور امریکی انخلاء کے بعد افرقہ وارنہ تشدد کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے۔ عراق میں خود کش حملوں میں تیزی اور متشدد رجحان نے عام مسلمانوں کی زندگیوں کو خطرے میں ڈال دیا ہے، ماہ جولائی میں دیالی صوبے کے وجیہیہ شہر کی ابوبکر الصادق مسجد میں خود کش دھماکے سے کم از کم 20 افراد جاں بحق اور چالیس زخمی ہوئے۔ دیالی صوبے کے حوالے سے صورتحال یہ ہے کہ تمام مسالک دہشت گردی کے نشانے پر ہیں، دو مذہبی گروہوں کی مساجد، جنازے اور فٹ بال کے میدان دہشت گردی کا نشانہ بنتے ہیں، اس صوبے کو مسلکی جنگ کا اکھاڑہ بھی کہا جاتا ہے۔ عراق میں فرقہ وارنہ تشدد کا ذمے دار وزیر اعظم نوری مالکی کو قرار دیا

جاتا رہاہے جن پر الزام ہے کہ وہ ایک مخصوص گروہ کی قیادت کرتے ہیں، 2011ء میں امریکی انخلاء کے بعد تشدد کی حالیہ لہر کو بدترین تشدد قرار دیا جارہاہے۔اسی طرح عراق کے شمالی شہر کرکوک میں ماہ جولائی میں متعدد بم دھماکوں اور فائرنگ کے واقعات میں تیس افراد سے زائد ہلاک ہوئے، شام کے صدر بشار الاسد کی طرح عراق کے وزیر اعظم نوی المالکی کو فرقہ وارنہ متشدد واقعات کا ذمے دار سمجھا جاتا رہاہے۔اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق اپریل سے جولائی 2013 تک ڈھائی ہزار عراقی مارے جاچکے ہیں۔عراق کے شہر، بغداد، موصل، کرکوک، تاکی، تکریت میں خود کش دھماکے میں ان گنت جانیں فرقہ وارنہ تشدد کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں۔اب اسلامی شدت پسند تنظیم دولت اسلامیہ عراق و شام (آئی ایس آئی ایس داعش) کی جانب سے عراق کے مختلف شہروں میں قبضوں کا سلسلہ شروع ہے اور اس کی افواج بغداد تک پہنچ چکی ہیں اور اور ایران کی جانب سے بلواسطہ اور امریکہ کی جانب سے بلا واسطہ شیعہ عراقی عوام کو بغاوت کے خلاف ہتھیار اٹھانے کیلئے کہا جارہا ہے۔عراقی فوج کو شکست کا سامنا ہے لیکن دوسری جانب وہ بھی دعوے کر رہی ہے کہ اس نے داعش سے کئی علاقے چھڑا لئے ہیں۔

اسلامی شدت پسند تنظیم دولت اسلامیہ عراق و شام (آئی ایس آئی ایس داعش) ایک جہادی گروہ ہے جو شام کے بعد عراق میں مسلح کاروائیاں کر رہا ہے۔اس تنظیم کو القاعدہ سے بھی زیادہ خطرناک اور منظم جہادی تنظیم کیا جاتا ہے جس کے

اصل ارکان کی تعداد کسی کو نہیں معلوم ۔اس تنظیم کے سربراہ ابوبکر بغدادی ہیں ۔ سامرامی پیدا ہوئے اور 2003ء سے امریکی مزاحمت کے خلاف برسرپیکار ہیں۔پہلے عراقی القاعدہ کے رہنما کے طور پر ان کا نام آیا تھا لیکن 2010ء میں انھوں نے اسلامی شدت پسند تنظیم دولت اسلامیہ عراق و شام (آئی ایس آئی ایس داعش) بنا لی۔آئی ایس آئی ایس یہ دعوی کرتی ہے کہ اس کے ساتھ مغربی ممالک کے مسلمان بھی مزاحمتی تحریک میں شامل ہیں جبکہایک اندازے کے مطابق 80فیصد شامی شدت پسند اس تحریک کا حصہ ہیں۔یہ تنظیم عراق میں بھرپور قوت کے ساتھ ابھر کر سامنے آئی ہے۔ دنیاکے مختلف ممالک کے امن و مان کی صورتحال کا سرسری جائزہ لیں تو یہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی کہ اس وقت دنیاکے مسلم ممالک میں عالمی جنگ کا آغاز ہوچکا ہے اور ماضی کی عالمی جنگوں میں اس بار اس جنگ کا ہدف مسلمان ہیں اور انھیں اپنے مسلکی اختلافات کے بناء پر پوری دنیا میں نشانہ بنایا جارہا ہے۔سعودی عرب اورایران کی جانب سے شام میں کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کے خلاف مذمتی بیان سامنے آیا۔ امام کعبہ نے شام کے واقعات کی شدید مذمت کی تو دوسری جانب ایرانی صدر حسن روحانی نے بھی پہلی بار کہاکہ" کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال جس نے بھی کیا ہو اس کے سدباب کیلئے عالمی برادری کو طاقت بروئے کار لانی چاہیے۔"شام میں کیمیائی ہتھیاروں سے معصوم

جانوں کی جس قدر بھیانک ہلاکتیں ہوئیں ہیں اس کی بربریت کی مثالیں تاریخ انسانی میں بہت کم ملتی ہیں ۔سعودی عرب اور ایران کی جانب سے مذمتی بیانات یکساں اور واضح تھے۔ ایران کی جانب سے اس بات کی تصدیق کی گئی ہے کہ " شام میں 1300 سے زائد ہلاتیں کیمیائی ہتھیاروں ہی کی وجہ سے ہوئی ہیں" ، حسن روحانی کا کہنا تھا کہ " اسلامی جمہوریہ ایران نے عالمی برداری سے مطالبہ کیا ہے کہ اپنی تمام تر طاقت کیمیائی ہتھیاروں کے خلاف بروئے کار لائے ، خواہ یہ دنیاکے کسی بھی حصے میں استعمال کئے گئے ہوں"۔1980اور1988 کی ایران عراق جنگ میں بھی کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال ہوا تھااس لئے ایران کی جانب سے کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ کیمیائی ہتھیاروں کا بہانہ بنا کر امریکہ کی جانب سے عراق پر لشکر کشی کی گئی تھی اور فرقہ وارانہ قتل عام کے الزام میں صدام حسین کو سزائے موت بھی دے دی گئی لیکن شام کی جانب سے سفاکانہ طور پر کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کے بعد بھی امریکہ اور روس کی جانب سے شام سے اپیل کی گئی کہ اس معاملے کی غیر جانب دارانہ تحقیقات کیلئے اجازت دے، امریکی بیڑا صدر امریکہ کی جانب سے اجازت کا منتظر رہا۔ شامی حکومت کی جانب سے اس اپیل پر کوئی عندیہ نہیں دیا گیااور معائنہ کاروں کو مبینہ مقام تک جانے کی کوئی اجازت نہیں دی گئی ۔ دمشق کے علاقے غوطہ میں کیمیائی ہتھیاروں کے حملے میں سینکڑوں ہلاکتوں پر اقوام متحدہ کی بے حسی و سست روی بڑی حیران

کن ہے کہ جہاں ان کے اپنے مفادات ہوتے ہیں وہاں سلامتی کونسل کا اجلاس بلا کر کسی بھی ملک پر بغیر ثبوت چڑھائی کرنے کی امریکہ کو اجازت دے دی جاتی ہے لیکن جب ان کے نزدیک مسلمانوں کی تباہی و بربادی ہو رہی ہو تو پھر انھیں کسی بھی معاملے پر جلد رد عمل کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ شام میں خانہ جنگی کے نتیجے میں یونیسف کی رپورٹ کے مطابق لاکھوں بچے اپنے ملک میں اپنے گھروں سے بے گھر اور دربدر ہو چکے ہیں۔ دوسری جانب لبنان کے شہر طرابلس کی دو مساجد میں ہونے والے دھماکوں کے نتیجے میں بیس افراد سے زائد افراد جاں بحق اور پانچ سو سے زائد زخمی ہو چکے ہیں۔ میڈیا رپورٹ کے مطابق لبنان کے ہمسایہ ملک شام میں جاری فرقہ وارانہ جنگ کے اثرات لبنان پر بھی مرتب ہو رہے ہیں اور دونوں مذہبی گروہوں کے درمیان کشیدگی میں اضافہ ہوا ہے۔

کچھ ایسی ہی صورتحال پاکستان میں بھی دیکھنے کو آئی جب پنجاب کے ضلع بھکر میں فرقہ وارانہ تشدد کے نتیجے میں 11 افراد ہلاک ہوئے جبکہ کوئٹہ ،ہنگو، کوہاٹ ، بنوں ، پشاور ، کراچی اور دیگر شہر دہشت گردی کا نشانہ بن رہے ہیں ۔فرزندان اسلام کا ہولناک قتل عام مذہبی اختلاف کی بناء پر دنیا کے سامنے آ رہا ہے اور اسلام کا ایک غلط رخ غیر مسلم دنیا میں پیدا ہو رہا ہے کہ مسلک اور فرقہ کے نام پر جب مسلمانوں میں متشدد اختلاف موجود ہے تو پھر اسلام ، امن و آشتی کا مذہب کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔ مصر میں جس طرح جمہوریت پر

امریکہ کی آشیر باد پر شبِ خون مارا گیا اور نہتے نمازیوں پر فوجی ٹینکوں سے چڑھائی کی گئی اس نے ہلاکو خان کی چنگیزیت کو شرما دیا تو کسی نے ایسے فرعون کی واپسی قرار دیا یہاں بھی امریکہ جیسے ممالک فوج کے آمرانہ اقدام پر اب سلے بیٹھے ہیں۔جامعہ الازھر کے سربراہ ڈاکٹر احمد الطیب نے امریکہ پر زور دیا ہے کہ وہ مصر میں افراتفری کی حمایت سے گریز کرے، ان کا کہنا تھا کہ مصر ایک نازک دور سے گذر رہا ہے عالمی برادری کو اس نزاکت کا احساس کرنا چاہیے"۔

عالمی استعماری قوتوں کی جانب سے مسلمانوں کے درمیان اختلافات کو جواز بنا کر ملت کو جس طرح تباہ و برباد کیا جارہا ہے اس کی مثال تاریخ اسلامی میں بہت کم ملتی ہے۔پاکستان بھی عالمی سازشوں کا شکار ہے اور یہاں بھی کالعدم فرقہ وارانہ تنظیموں کی وجہ سے آئے دن مساجد، جنازوں اور بے گناہ عوام کے ساتھ سیکورٹی اداروں کے اہلکاروں کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔مذہبی انتہا پسندی صرف پاکستان کا مسئلہ نہیں ہے کہ ایسے کوئی دو فریق بیٹھ کر حل کرلیں گے بلکہ یہ ایک عالمی اسلامی ممالک کے درمیان اختلافات کا سب سے متشدد مسئلہ ہے جس کا فائدہ امریکہ اور اسلام دشمن قوتیں اٹھا رہی ہیں۔وزیر اعظم کی جانب سے طالبان کو مذاکرات کی پیش کش اور طالبان کی جانب سے مذاکرات پر منقسم ہو جانا اور جماعت اسلامی کے ساتھ جمعیت علما اسلام (ف) پر عدم اعتماد

کا اظہار بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ ایک جانب طالبان کا ایک گروپ مذاکرات کا خیر مقدم کرتا ہے تو دوسری جانب وزیر اعظم کی تقریر کو اعلان جنگ قرار دیا جاتا رہا ہے۔ مسلمانوں کے درمیان باہمی چپقلش کو دور کرنے کیلئے تمام اسلامی ممالک کو اسلامی سربراہ کانفرنس کا انعقاد کرنا چاہیے اور نیٹو کے طرز پر اپنی اسلامی فوج بنا کر متاثرہ ممالک میں امن کے قیام کیلئے اپنا کردار ادا چاہیے۔ شام، لبنان، مصر، عراق، افغانستان اور پاکستان میں فرقوں اور مسالک کے نام پر جدال کا سدباب اسلامی ممالک کو خود ہی حل کرنا ہوگا۔ یہ ایک عالمی جنگ ہے جو مسلمانوں کے درمیان اختلافات کے سبب مسلم ممالک میں لڑی جا رہی ہے۔ مسلم ممالک اپنے وسائل و دولت کو باہمی اختلافات کی اس عالمی جنگ میں جھونک رہے ہیں، کوئی بھی ایک اسلامی ملک اس آگ سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ سب اتحاد بین المسلمین کا مظاہر کریں۔ تاکہ فرقہ وارنہ عالمی جنگ کا خاتمہ ہو۔ لیکن عالمی استعماری قوتیں بھی یہ یاد رکھیں کہ اس جنگ کا رخ ضرور ان کی جانب منتقل ہوگا وہ غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں کہ یہ جنگ مسلم ممالک تک محدود رہے گی۔

وزیرستان آپریشن کے بعد کراچی مزید حساس ہوگیا

"آپریشن ضرب عضب "کے بعد ملک بھر سمیت خاص طور پر کراچی میں ایک خاص سراسیمگی دکھائی دے رہی ہے۔ بے یقینی اور خوف کی ایک ایسی فضا ہے جس میں کراچی کی عوام کو یقین ہے کہ شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن کا سب سے سخت ری ایکشن کراچی میں " طالبان "کی جانب سے ہوگا اور کراچی چونکہ دو کروڑ سے زائد آبادی والا مختلف النسل اور بغیر پلاننگ آباد ہونے والے شہر ہے جہاں کی پولیس سیاست زدہ اور حکومت نااہل معتصب ہے اس لئے ہمیشہ سے کراچی جرائم پیشہ افراد سے لیکر ملکی اور غیر ملکی مطلوب شخصیات کیلئے محفوظ کمین گاہ کے طور پر سمجھا جاتا رہا ہے۔ کراچی کی بد قسمتی بھی یہی رہی ہے کہ جب سے لسانی بنیادوں پر کراچی کی وفاقی حیثیت ختم کرکے دارلخلافے کو اسلام آباد منتقل کیا گیا ، لسانیت ، قوم پرستی ، گروہی اور فرقہ وارانہ کشیدگیوں نے کراچی کو منقسم کرنا شروع کردیا اور غیر محسوس طور پر مختلف قومیتوں سے تعلق رکھنے افراد نے اسی بستیوں میں خانہ آبادیاں کیں جو ان کے قبیلے ، ذات ، فرقے ، نسل یا زبان سے تعلق رکھتی تھیں۔

گوکہ " آپریشن ضرب غضب "کے بعد شمالی وزیرستان سے خاندانوں کی نقل مکانی

تیزی شروع ہوچکی ہے اور ابتدائی دنوں میں تین لاکھ افراد کی نقل مکانی کرچکے ہیں جب کہ کرفیو میں پابندی کی نرمی ہوتے ہی شمالی وزیرستان کے لاکھوں عوام تیزی سے ، افغانستان یا پاکستان کے مختلف شہروں وعلاقوں کے ساتھ عارضی طور پر قائم آئی ڈی پیز کیمپوں میں منتقل ہوجائیں گے ، گوکہ آئی ایس پی آر کے مطابق ابھی مقامی افراد کے محفوظ انخلا ہونے تک آبادیوں میں آپریشن شروع نہیں کیا گیا ہے۔ گوکہ بتایا یہی جا رہا ہے کہ " آپریشن ضرب غضب " سے ایک ہفتہ قبل ہی اہم مطلوب شخصیات افغانستان منتقل ہوچکی تھیں اور اب ممکنہ جنگ کے بعد انھیں اس بات کا انتظار ہے کہ شمالی وزیرستان میں فوج مکمل طور پر داخل ہوجائے تو گوریلا جنگ کا ایک سلسلہ شروع کردیا نیز پاکستان کے اہم شہروں کو نشانہ بنانے کیلئے ان کے نیٹ ورک پہلے ہی اپنی جڑیں مختلف شہروں میں مضبوط کرچکے ہیں۔ تمام صوبائی حکومتوں نے پیش بندی کے طور پر حساس شہروں کی انتہائی حساس مقامات اور تنصیبات پر فوج کی تعیناتی کا عمل شروع کردیا ہے جبکہ خاص طور پر کراچی میں جس کے حوالے سے بین الاقوامی میڈیا شروع سے یہی کہتا آرہا ہے کہ کراچی کے ایک چوتھائی حصے پر شدت پسند تنظیموں کا مضبوط نیٹ ورک اور قبضہ ہے،مزید حساس ہوگیا ہے۔ تمام حساس اور اہم مقامات وتنصیبات کو تین حصاروں میں تقسیم کیا جارہا ہے جو پولیس ، رینجرز اور فوج کا ہوگا۔ لیکن کراچی میں اصل دراومدار حساس اداروں سمیت مقامی پولیس ، رینجرز کی انٹیلی جنس رپورٹس اور مقامی مخبروں کے ساتھ

مقامی آبادی کی جانب سے تعاون پر ہوگا۔
تاہم ابھی تک کراچی کے وہ علاقے جہاں بغیر کسی جانچ پڑتال کے آبادی کاریاں حکومتی اداروں کے اہلکاروں کی رشوت ستانی کے سبب ممکن ہوئیں ، ان علاقوں کی بابت مربوط پلاننگ کا نظر نہ آنا، اہم معاملہ ہے۔بین الاقوامی رپورٹس کے مطابق مجموعی طور پر کراچی کے 39 علاقے انتہائی حساس قرار دیئے جاتے ہیں ، جہاں عسکریت پسند عناصر بڑی تعداد میں موجود ہیں اور ان علاقوں میں قانون کی عمل داری بھی بہت کم ہے۔
رینجرز اور پولیس پر حملے اور بم دھماکوں کے بعد آزادنہ نقل و حرکت ان اداروں کیلئے آسان نہیں ہے۔ کراچی کا سب سے اہم اور خطرناک علاقہ کٹی پہاڑی سے منسلک کواری کالونی ، پیرآباد ،پٹھان کالونی ، حسین ڈی سلوا، پہاڑ گنج ، دیر کالونی ، عثمان غنی کالونی ، عمر فاروق کالونی ، اسلامیہ کالونی ، پیرآباد، مسلم آباد پختون آباد ، سلطان آباد منگھو پیر اور ایم پی آرکالونی ہیں۔ ان علاقوں سے متصل بنارس ،پٹھان کالونی ، فرنٹیئر کالونی ، بخاری کالونی ، شاہی آباد ، میٹرول ، ضیا کالونی،فرید کالونی ، طوری بنگش کالونی ، مجیب آباد گوٹھ، اجتماع گاہ کالونی ، خیر آباد ، رئیس امروہی کالونی ،اورنگی اتحاد ٹاؤن ، محمد خان کالونی ، سوات کالونی، دریا آباد ، لیاری ، مرزا آدم خان پنکھا ہوٹل ، شیر شاہ کالونی، بکرا پیڑی ، میراں ناکہ، چاکیواڑہ ، لی مارکیٹ ، افشانی گلی، دبئ

چوک ، سلطان آباد مولوی تمیز الدین روڈ، ماڑی پور ، مچھر کالونی ، کیماڑی ، مسان روڈ، ریلوے کالونی، لائنز ایریا، ابی سینا لائن، ٹنکی والی علاقہ ، محمود آباد، چنیسر گوٹھ، کورنگی کراسنگ، قیوم آباد، عوامی کالونی ، بلال کالونی، لانڈھی ، بنگالی پاڑہ، آفتاب شیرپاؤ کالونی، بھینس کالونی، گلشن بونیر، گلشن حدید ، ضلع ایسٹ میں گلشن اقبال میں پرانی سبزی منڈی ، پی آئی بی کالونی، شیر خان کالونی، ضیاD/بنگالی پاڑہ ، 13 کالونی، موسمیات، حسین گوٹھ، گلستان جوہر ، پہلوان گوٹھ، جوہر چورنگی ، متعدد فلیٹس، شاہ فیصل کالونی پٹھان کالونی، ملیر ٹنکی، سعود آباد، بکرمنڈی ، میمن گوٹھ، اصفہانی کالونی، اسکاؤٹ کالونی ، قائد اعظم کالونی، سہراب گوٹھ ،جنت گل کالونی، افغان کیمپ ، گلشن معمار ایف بی ایریا، دستگیر، نیو کراچی ، گودھرا کیمپ، اللہ والی ، سرسید ٹاؤن ، اجمیر نگری کالونی، سرجانی ٹاؤن، خدا کی بستی ، پٹیل پارہ ، رامسوامی ، گولی مار ، رضویہ کالونی ، جنجال پورہ ، سندھی ہوٹل ، غریب نواز کالونی لیاقت آباد سمیت متعدد ایسے علاقے ہیں جہاں سیکورٹی کے انتظامات قطعی طور پر نہیں کئے گئے ہیں۔

کراچی میں وزیرستان سے تعلق رکھنے والوں کی بہت بڑی تعداد ، کراچی کی ترقی کے سلسلے میں گذشتہ کئی سالوں سے آباد ہے ، کراچی کے تمام بڑے ترقیاتی پراجیکٹ میں استعمال ہونے والی تمام بھاری مشنریوں کی ملکیت ان وزیر ، محسود دونوں قبائل کے پاس ، ہوتے رہے ہیں، شہری حکومت کے پاس ، ڈمپر ، لوڈر

کرینیں سمیت سڑکوں کی تعمیر کیلئے کرش ، ریتی ، سمیت تمام تر بھاری ساز و سامان ان دونوں قبائل کے سرمایہ دار محنت کشوں نے فراہم کئے اور کراچی کی ترقی میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ کھربوں روپوں کی سرمایہ کاری کے ساتھ مہمند ، دیر سے تعلق رکھنے والی عوام نے افرادی قوت مہیا کی اور جہاں بھاری مشنری استعمال نہیں ہوپاتی وہاں یہ افرادی قوت سخت سے سخت ، اور تنگ سے تنگ جگہ پر دشوار گذار علاقوں میں محنت پسینے سے شہر کی خوب صورتی میں اضافہ کرتے ، آفریدی قبائل ، سوات ، ملاکنڈ دوڈشن اور تورغر ضلع سے تعلق رکھنے والوں نے کھربوں روپوں کی سرمایہ کاری کرکے کراچی کیلئے پاکستان کی بہترین ، سہل اور فوری ٹرانسپورٹ مہیا کی اور بڑی بسوں سے لیکر رکشہ ٹیکسی ، سوزوکی تک کراچی کے عوام کی خدمت کیلئے صرف کردی۔ پشاور ، بنوں ، کوہاٹ ، کے افراد نے کراچی کی بڑی مارکیٹوں کو کامیاب بنانے کیلئے کپڑے ، قالین کے کاروبار سے کھربوں روپوں کی سرمایہ کاری اور کہا جاتا تھا کہ کسی بھی مارکیٹ کی کامیابی کا دارومدار پٹھانوں کی دوکانوں پر ہے ، کہ وہ جس مارکیٹ میں دوکان لیں گے وہ سو فیصد کامیاب ہوگی ، طارق روڈ ، جامع کلاتھ ، بولٹن مارکیٹ ، صدر ، ناظم آباد ، پاپوش نگر ، علی گڑھ جیسے مارکیٹیں اس کی بڑی مثالیں ہیں۔ اسی طرح کراچی کی جان ومال کی حفاظت کیلئے پٹھانوں کو خاص طور پر گھروں ، فلیٹس اور مارکیٹوں کی چوکیداری کیلئے رکھا جاتا تھا جو اس پورے علاقے کی چوکیدار ایک سیٹی اور ایک ڈنڈے کی مدد سے کرتا تھا ، کراچی کی رات

کی رونقوں میں کوئٹہ ،پشین اور پشاور سے تعلق رکھنے والوں نے کروڑوں روپوں کی سرمایہ داری کرکے کراچی کے کونے کونے میں چائے کے ہوٹل کھولے جہاں صبح تک کراچی کے منچلے نوجوان ،،بڑے بوڑھے بیٹھ کر دن بھر کی تھکان اتارتے تھے اب کراچی میں ان کیلئے کچھ نہیں باقی بچا، 80 فیصد تمام کاروبار ختم ہوگیا یار،سردستی ختم کرادیا گیا۔اہم بات یہی ہے کہ جیسے جیسے لسانی سیاست غالب آتی گئی سب کچھ سمیٹتا چلا گیا ، نقصانات میں جانی و مالی کی تفصیلات میں جانے کیلئے صفحات نہیں بلکہ سمندر جتنی روشنائی اور آسمان جتنی طویل صفحات درکار ہونگے ، بلاشبہ اربوں روپے ان پختونوں نے لگائے ، تو کھربوں کمائے بھی ، لیکن ایک انسان کی جان کی قیمت کیا ہوگی ، کہ اسے قیمت دیکر لوٹا دیا جائے ، اس کا کوئی مول نہیں دے سکتا ، آپریشن راہ نجات اور راہ راست کے نتیجے میں آئی ڈی پیز کے جانے کے بعد مقامی پختونوں کی اسکی قیمت ادا کرنی پڑی۔ اب وزیرستان سے تعلق رکھنے والے مقامی محسود اور وزیر قبائل کے عوام نے اپنے علاقوں میں رشتے داروں کیلئے اپنے مکانات خالی کرانا شروع کردیئے ہیں، کرایئے داروں کو نوٹس اور اپنے گھروں میں پارٹیشن بنادیئے ہیں، اب بھی کوئی وزیرستان کا مہاجر ، بوسیدہ کیمپوں میں نہیں رہے گا،۔ سندھ حکومت ان مجبور اور حالات کے ستائے ہوئے عوام کو اپنے صوبے میں آنے سے بھرپور کوشش کرے گی ، بلاشبہ ایک تہائی کراچی پر قانون نافذ کرنے والے اداروں کی عملداری نہیں ، لیکن یہ سب " آپریشن ضرب غضب " کی وجہ سے تو نہیں

ہوا ہے نا اس میں بھی تو وقت لگا ہوگا، کسی گروپ نے اجارہ داری کی ہوگی، مفادات حاصل کئے ہونگے، رشوتیں کھائیں ہونگی۔ کراچی میں مکمل قانون کی رٹ کیلئے پہلے اداروں سے کالی بھیڑوں کا صفایا کیا جائے تو بہتر ہوگا۔جب تک کراچی میں کربٹ مافیا، موجود ہے جو چند سکوں کی خاطر اپنی قوم کو فروخت کرنے میں تامل نہیں برتتی اس وقت تک کراچی کا امن دراصل پاکستان کی بقا کا اصل محاذ ہے۔

امن مذاکرات تابوت کی آخری کیلیں

لندن سے تعلق رکھنے والے مانیٹرنگ ادارے آکشن آن آرمڈ وائلنس کے پالیسی ڈائریکٹر اوورٹن نے ایک کانفرنس میں انکشاف کیا کہ پاکستان بم دھماکوں میں ہونے والے تشدد کے حوالے سے دنیا کا تیسرا بڑا ملک بن گیا ہے، جہاں اوسطا روزانہ 2 بڑے دھماکے ہوتے ہیں جن میں کم از کم 5 افراد ہلاک یا زخمی ہو جاتے ہیں، تشدد کے واقعات کی بڑی وجہ افغانستان سے اسمگل ہو کر پاکستان پہنچنے والا اسلحہ ہے۔پاکستان اس وقت بارودی سرنگوں سمیت دیگر حملوں کے سبب دنیا بھر میں ایک خطرناک ملک کی صورت میں سامنے آیا ہے جس کی بنیادی وجہ افغانستان میں جاری تشدد قرار دیا جاتا ہے۔ دیسی ساختہ بموں کے دھماکوں اور خود کش حملوں کی شرح کے حوالے سے پاکستان دنیا کا تیسرا بڑا ملک بن چکا ہے اور بد قسمتی سے یہ شرح جنگ زدہ پڑوسی ملک افغانستان سے بھی بڑھ گئی ہے گنجان آباد علاقوں میں نصب کئے جانے والے دھماکہ خیز مواد کا سب سے زیادہ نشانہ عام شہری بنتے ہیں، پاکستان میں بم پریشر ککر کے ساتھ چھوٹی مقناطیسی ڈیوائس لگائی جاتی ہے جیسے گاڑیوں یا پھر خود کش جیکٹس اور بیلٹس میں اس کا استعمال بذریعہ ٹائمنگ یا موبائل فون کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

جون کو کراچی ائیر پورٹ اک بار پھر سیکورٹی اداروں کے لئے چیلنج بنا جب غیر ملکی 09 حملہ آوروں نے ائیر پورٹ میں داخل ہو کر ائیر پورٹ سیکورٹی فورس کے اہلکاروں سمیت کم سے کم 28 افراد کو ہلاک ہوئے۔ گو کہ آئی ایس پی آر کے مطابق علاقہ کلئیر آپریشن میں تمام اثاثے محفوظ رہے، جبکہ 10 حملہ آور دہشت گرد مارے گئے۔اسی دن تفتان کے علاقے میں زائرین پر دہشت گردی کے حملے سے 10 عورتوں سمیت 25 زائرین بھی ہلاک ہوئے اور شمالی وزیرستان میں ایک خود کش بمبار نے بارود سے بھرا ٹرک فوجی چوکی سے ٹکرا دیا جس سے چار اہلکار شہید اور سات زخمی ہو گئے۔اس سے قبل اہم واقعات میں اکتوبر 2009ء میں پاکستانی فوج کے راولپنڈی میں صدر دفتر پر شدت پسندوں نے حملہ کیا تھا۔ بائیس گھنٹوں تک جھڑپیں رہیں اور بائیس افراد ہلاک ہوئے۔ مئی 2011ء میں کراچی میں پاکستانی بحریہ کی مہران بیس پر حملہ ہوا، جس میں ایک درجن کے قریب دہشت گردوں نے پاکستانی بحریہ کا ایک اہم جہاز اورکیپن کو تباہ کرڈالا تھا، کاروائی میں دس اہلکار شہید اور تین شدت پسند ہلاک ہوئے۔اگست 2012ء میں ضلع اٹک میں پاک فضائیہ کی کامرہ اء بیس کو شدت پسندوں نے منظم کاروائی کا نشانہ بنایا، حملے میں فضائیہ کے دو اہلکار شہید اور نو حملہ آور مارے گئے۔ جبکہ دسمبر 2012ء میں باچہ خانہ ہوائی اڈے پر شدت پسندوں نے دھماکہ خیز مواد اور بھاری اسلحہ کے ساتھ حملہ کیا تھا جس میں حملہ آور سمیت 9 افراد

ہلاک ہوئے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ مہران بیس حملے اور کراچی ایئر پورٹ حملے میں غیر ملکی حملہ آور ملوث تھے۔ جبکہ شمالی وزیرستان میں ان ہی وجوہات کی بنا پر کور کمانڈر کی جانب سے 15 دن کی مہلت دی گئی ہے کہ علاقے سے غیر ملکیوں کو بیدخل کردیا جائے۔ ان میں بڑی تعداد ازبک، چیچین باشندوں کی ہے جو روس، افغان جنگ میں آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے اور اسلام کے نام پر شدت پسند کاروائیوں میں ملوث رہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ کراچی میں گذشتہ دس ماہ سے سخت ٹارگٹڈ آپریشن پولیس اور رینجرز کی نگرانی میں بڑی شدمد کے ساتھ چل رہا ہے اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی جانب سے ہزاروں کی تعداد میں ملزمان کی گرفتاریا بھی کیں گئیں اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ کراچی کا کوئی بھی ایک ایسا علاقہ نہیں ہے جو کراچی آپریشن کی زد میں نہ آیا ہو اور گھر گھر تلاشی یا اسنیپ چیکنگ نہ کی جاتی ہو۔ روزانہ پریس بریفنگ میں وزیر اعلی سندھ سید قائم علی شاہ اور وزیر اطلاعات سندہ شرجیل میمن اور ان کے اراکین و ہم رکاب وزراء یہ بیان میڈیا میں دیتے نہیں تھکتے کہ آپریشن کے بعد سے کراچی میں امن و امان میں بہتری آئی ہے اور کوئی ٹائم فریم تو نہیں دیا جاسکتا لیکن حالات کنٹرول میں ہیں اور جلد ہی کراچی کی رونقیں واپس لوٹ آئیں گی۔

چونکہ حکومتی اراکین چوبیس گھنٹے " روشنی" میں رہتے ہیں اس لئے ان کا دعوی

درست معلوم ہوتا ہے کہ کراچی میں اندھیرا نہیں بلکہ روشنیاں ہی روشنیاں ہیں ،۔ بس دیکھنے والوں کا قصور ہے کہ وہ آنکھوں کے ساتھ عقل کے بھی اندھے نظر آتے ہیں۔ صوبے میں امن وامان کیلئے 55 ارب کا بجٹ تخمینہ لگایا گیا ہے جبکہ محکمہ پولیس میں 10 ہزار اسامیوں کی بھرتی کیلئے فنڈ مختص کئے گئے ہیں ، جو کہ رواں مالی کے 46 ارب 16 کروڑ روپے کے بجٹ تخمینہ کے مقابلے میں تقریبا 19.56 فیصد زیادہ ہونگے۔ 47 ارب سندھ پولیس کیلئے جبکہ تو عدالتوں ، رینجرز ، ایف سی ، محکمہ جیل خانہ جات کیلئے 8 ارب روپے رکھے گئے ہیں۔ اعداد و شمار اور تخمینے کی ایک لمبی چوڑی فہرست ہے لیکن ان سب سے عوام کو کیا فائدہ مل رہا ہے ، اس کے بجائے ہم واضح طور پر دیکھ رہے ہیں کہ دہشت گرد اس قدر منظم اور انتہائی تربیت یافتہ ہیں کہ چند گھنٹوں کے اندر پر ائیر پورٹ میں داخل ہو کر اپنی کاروائیاں شروع کردیں ۔ یہ سب کچھ کراچی آپریشن پر ایک سوالیہ نشان ہے کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے دراصل درست سمت پر نہیں ہیں ، یہی وجہ ہے کہ چھوٹے موٹے جرائم میں ملوث افراد کو پکڑ کر سمجھا جا رہا ہے کہ مملکت کی شہہ رگ کو شدت پسندی سے محفوظ بنا لیا جائے گا۔ ہمیں اس غلط فہمی سے نکل آنا چاہیے ، کسی سیاسی پارٹی کے کارکنان کی آپس کی لڑائیوں میں قتل و غارت کوئی نئی بات نہیں ہے ، کہ علاقے و وسائل پر قبضے کی جنگ میں متحارب گروپوں ، تنظیموں اور جماعتوں نے کراچی کی عوام کو اس قدر یرغمال بنا دیا کہ چوبیں ہزار افراد کی ہلاکتیں ہونے پر بھی حکومت سب کو سب کچھ ٹھیک

ٹھاک نظر آتا ہے۔

ملک بھر کی عوام میں اگر امن و امان کے حوالے سے سکھ کا سانس کسی صوبے کی عوام لیتی ہے تو وہ صرف پنجاب کی ہے جہاں کی حکومت کی گڈ گورنس کی وجہ سے صوبے میں افراتفری کی وہ صورتحال نہیں ہے جو ملک کے دیگر تین صوبوں میں ہے ، بقول میاں صاحب کہ" جن سے ایک صوبہ نہیں سنبھالا جارہا وہ ملک کیسے سنبھالیں گے "۔بات تو درست ہے اب چاہے اس کے لئے خیبر پختونخوا حکومت ، بلوچستان یا سندھ حکومت نے کوئی ٹھوس منصوبہ بندی نہیں کی ہے تو اس میں ہم سیاسی پوائنٹ اسکورنگ کے لئے جو چاہے الزام دے سکتے ہیں لیکن سمجھنے کی بات ضرور ہے کہ کالعدم جماعتوں و تنظیموں کے اڈے ، صرف پنجاب میں ہی نہیں بلکہ بلوچستان اور خیبر پختونخوا کے قبائلی سرحدی علاقوں میں موجود ہیں۔وفاق کی جانب سے ایسا اگر ہے کہ کسی کالعدم جماعت کے ساتھ پنجاب میں امن کے لئے کوئی معاہدہ کیا ہے تو پھر اس صورت میں اپوزیشن جماعتوں کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے ، لیکن اس کے باوجود حسنِ ظن سے کام لینا ضروری ہے کیونکہ بات یہاں عسکری اداروں پر حملوں کی ہے ، جنھیں شمالی وزیرستان میں اس لئے نشانہ بنایا جارہا ہے کیونکہ ان کے بقول افواج پاکستان ان کے لوگوں کو مار رہی ہے اور جیلوں میں ان کے قیدیوں کیساتھ ناروا سلوک کیا جارہا ہے یا پھر غیر اعلانیہ جنگ میں علاقوں میں بمباریاں کرکے متعدد افراد کی جانیں ضائع ہوتیں

ہیں اس لئے یہ کاروائیاں اس کا ری ایکشن ہے ، اسی طرح عسکری فوج کی جانب سے جب کاروائی کی جاتی ہے تو ان کا استدال بھی یہی ہوتا ہے کہ شدت پسند کاروائیوں کے نتیجے میں ان کے فوجی افسران اور اہلکار شہید ہوتے ہیں اس لئے دہشت گردوں کے خلاف کاروائی کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔

بہرحال دیکھا یہی گیا ہے کہ حملوں کی صورت میں جہاں مالی نقصانات زیادہ ہوتے ہیں تو ان حملوں سے متاثرہ افراد کو بھی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔دو طرفہ حملوں میں ہم ایسے واقعات میں یہ نہیں دیکھتے کہ بے گناہ افراد کے خاندانوں پر کیا بیتی ہے ، اس کی کفالت کرنے والا مارا یا زخمی ہوجاتا ہے تو حکومت کی جانب سے فوری ریلیف نہ ملنے کے سبب اس کے خاندان پر کیا بیتی ہے اور یہ سلسلہ یہیں آکر ختم نہیں ہوتا بلکہ جب تک وہ زخمی تندرست نہیں ہوتا ، ہسپتالوں میں چکر در چکر لگانے سے اس کی نفسیاتی کیفیت اور طبّی علاج کے لئے مالی پریشانیوں کی دوری کیلیے حکومتی سطح پر کبھی کوئی کاروائی نہیں کی جاتی ، صرف دھماکے کے پہلے روز ایمبولینس میں ڈالکر زخمی کو ہسپتال تک پہنچا دینا اور میڈیا کو بتانا کہ اتنے ہلاک اور اتنے زخمی ہوگئے ہیں اسی کو کافی سمجھ لیا جاتا ہے ۔حیرت تو اس بات پر ہوتی ہے کہ تمام تر دہشت گرد واقعات کے باوجود بعض جماعتیں مذاکرات کے حق میں ہیں ، لیکن اس بات کی کوئی ضمانت نہیں دیتا کہ معاہدہ ختم یا توڑنے والے کے خلاف

کیا کچھ کیا جاسکتا ہے، لازمی بات ہے کہ معاہدے کی خلاف ورزی کسی بھی فریق کی جانب سے ہو، اس کا خمیازہ تو بے گناہ عوام کو ہی بھگتنا پڑتا ہے۔ حکومت کو اب ایک حتمی فیصلہ بہرحال کرچکی ہے کہ ایسے کیا کرنا چاہیے۔ امن مذاکرات کے تابوت میں آخری کیلیں بھی بہرحال خود عسکریت پسندوں نے ٹھونکیں تھیں اب انھیں آپریشن ضرب عضب کے کاری وار کو برداشت کرنا ہی ہوگا ہتھیار ڈالنے تک۔

آپریشن ضرب عضب اور ڈرون حملے

ساڑھے پانچ ماہ بعد یکدم دوبارہ امریکہ کی جانب سے ڈرون اٹیک کی پالیسی ختم کرنے باوجود پاکستان کے شمالی علاقوں میں حملہ یقینی طور پر کئی محرکات اور خدشات کو ابھار رہا ہے۔اس کیلئے ہمیں جذباتی ہونے کے بجائے زمینی حقائق کو دیکھنا ہونگے کہ کیا وجہ ہے کہ کراچی ائیرپورٹ حملے کے بعد پاکستان کے بجائے امریکہ کی جانب سے ڈرون حملہ شمالی وزیرستان میں دوبارہ ہوجاتا ہے۔جبکہ اس سے قبل امریکہ کی جانب سے واضح کردیا گیا تھا کہ ڈرون حملے اب نہیں کئے جائیں گے کیونکہ اس سے شدت پسندی کے رجحان میں اضافہ ہورہا ہے اس لئے اوبامہ انتظامیہ نے ڈرون اٹیک کی پالیسی تبدیل کردی ہے۔لیکن اچانک دوبارہ غیر متوقع طور پر ڈرون حملہ کئے جانا ماضی کے اس امریکی رویئے کی عکاسی کررہا ہے جب امریکی انتظامیہ متواتر کوشش کرتی رہتی تھی کہ طالبان کوئٹہ شوری کے نام پر بلوچستان اور پاکستان کے بعض پرامن قبائلی علاقوں میں ڈرون حملوں کیلئے حکومت پاکستان سے توسیع حاصل کرلی جائے ، کچھ عرصہ قبل جب امریکی اخبار واشنگٹن پوسٹ نے یہ خبر شائع کی تھی تو ترجمان وزارت خارجہ کے سختی سے واضح الفاظ میں کہا کہ "پاکستان اپنے علاقے میں امریکہ کو ڈرون حملے" بڑھانے "کی کبھی اجازت نہیں دے گا، کیونکہ یہ ایک سخت گیر نسل کو جنم دینے کا موجب بن رہے ہیں۔اس

لئے امریکی حکومت کو اپنی پالیسی پر نظرثانی کرنے چاہیے اور یہ حملے بند کردینے چاہیے،"۔

2012ء میں ایک امریکی ریڈیو کی رپورٹ میں دعوی کیا گیا تھا کہ " امریکی ڈرون حملوں کو چھ ماہ قبل تک پاکستانی حکومت کی خاموش حمایت حاصل تھی "، جبکہ سابق فوجی آمر پرویز مشرف نے تو پہلے امریکی درون حملے کو چھپاتے ہوئے اسے پاکستانی کاروائی بتایا تھا اور ہ بھی کہا کہ " امریکہ کو پاکستان پر ڈرون حملوں کا بین الاقوامی قانونی جواز حاصل ہے "۔امریکی ریڈیو این پی آر یا نیشنل پبلک ریڈیو نے یہ دعوی پاکستان میں ڈرون حملوں سے متعلق امریکی حکومت کے ساتھ منسلک رہنے والے سابق عملداروں کے حوالے سے کیا۔ ریڈیو نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ " گذشتہ آٹھ سال سے پاکستان میں ہونے والے امریکی ڈرون حملوں کو فوجی صدر جنرل پرویز مشرف سے لیکر صرف چھ ماہ قبل تک موجودہ (سابقا پی پی پی) حکومت کی بھی تائید حاصل رہی ہے"۔

ڈرون حملوں کے حوالے سے یہ عمومی تاثر رہا ہے کہ ڈرون حملوں کو پاکستانی حکومت کا آشیر باد حاصل رہا ہے ،ظاہری طور پر پرویز مشرف کے علاوہ کسی بھی حکمران نے اس حقیقت کو تسلیم نہیں کیا لیکن ممکنہ حد تک یہ بات خارج ازامکان نہیں رہی ہے کہ لاجسٹک سپورٹ سے لیکر حساس معلومات کی شراکت تک

ڈرونز کی آمد اور واپسی کے تمام شیڈول کسی خفیہ معاہدے کے تحت ہی ممکن ہیں۔ گو کہ ایبٹ آباد واقعے میں اسامہ بن لادن کی ہلاکت ، سلالہ چیک پوسٹ پر حملے سمیت امریکی جاسوس ریمنڈ ڈیوس کی گرفتاری کے واقعات کے بعد دونوں ممالک کے اسٹریٹجک معاملات میں تلخی اور دوری پیدا ہوئی ، لیکن اس کے باوجود ڈرون حملوں کی مکمل ممانعت اور تنبیہ کا عمل نہیں اپنایا گیا۔حکومت کی جانب سے ظاہری طور پر دوٹوک رویہ دکھایا گیا پارلیمنٹ میں قراردادیں اور عوامی احتجاج کے ساتھ سرکاری تمام مذمتوں کو امریکہ نے جوتے کی نوک پر رکھا اور ہمیشہ اپنی من مانی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ جب بھی پاکستان نے پاکستانی عسکریت پسند طالبان سے امن مذاکرات شروع کئے تو بیت اللہ محسود ، حکیم اللہ محسود کو ڈرون حملوں میں ہلاک کرکے ڈیڈ لاک پیدا کردیا گیا اور پاکستانی حکومت نے امریکی انتظامیہ سے شدید احتجاج بھی کیا ، لیکن امریکہ کی جانب سے سنی ان سنی کا عمل دوہرایا جاتا رہا۔

امریکی ڈرون طیاروں نے 2014ء کی پہلی کاروائی میں شمالی وزیرستان میں چھ گھنٹوں کے دوران دو ڈرون حملے کئے جس میں 16 افراد جاں بحق ہوئے۔ اسی ماہ دوسری کاروائی میں امریکی ڈرون طیاروں نے درگاہ منڈی اور طوری خیل میں ایک مکان اور گاڑی پر چار میزائل داغے جس میں چھ ازبک ہلاک اور متعدد زخمی ہوئے ۔ یقینی طور پر امریکی ڈرون حملوں نے حکومتی دعوؤں کی قلعی بھی کھول دی کہ

ان کی حکومت نے ڈرون حملوں کے مکمل خاتمے کیلئے امریکی انتظامیہ کو قائل کرلیا ہے۔ مگر امریکہ کی جانب سے ڈرون حملہ پاکستانی خود مختاری پر، اس کے حکمرانوں پر زوردار طمانچہ ثابت ہوا ہے۔ مختلف سیاسی و مذہبی جماعتوں کی جانب سے ڈرون حملوں کی بھرپور مذمت کرتے ہوئے یہ بھی کہا گیا کہ امریکہ کی روش اس بات کی غمازی کر رہی ہے کہ امریکہ پاکستان میں دہشت گردی کی مذمت کے بجائے حمایت کر رہا ہے، ورنہ امریکہ کو کراچی ایئرپورٹ حملے کے بعد اس قسم کی کاروائی سے گریز کرنا چاہیے تھا جس میں موجودہ حکومت کو محفوظ راستہ مل جاتا ہے کہ عسکریت پسندوں کے ساتھ امن مذاکرات میں امریکی پالیسی حائل ہے یہی وجہ ہے کہ پاکستانی طالبان کے ساتھ مذاکرات کامیاب نہیں ہو رہے۔ سابقہ پی پی حکومت کے حوالے سے یہ انکشاف بھی ہوا تھا کہ انھوں نے امریکہ کو یقین دہانی کروادی تھی کہ آپ حملے جاری رکھیں ہم عوام کو ملک کی سالمیت اور خود مختیاری پر حملے قرار دیکر مذمتی بیانات جاری کر دیا کریں گے۔ پہلے تو یہ ہی تسلیم نہیں کیا جاتا تھا کہ ڈرون حملوں کیلئے امریکی طیاروں کو پاکستانی سرزمین استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی گئی، لیکن جب یہ منکشف ہوگیا کہ پاکستانی سرزمین سے ہی حملے کروائے جاتے ہیں تو حکومت کے پاس کوئی جواب نہ تھا، لیکن سلالہ چیک پوسٹ پر امریکی حملے کے نتیجے میں 24 فوجیوں کی شہادت کے بعد پاکستانی عسکری قیادت نے پاکستانی حکومت کے ساتھ امریکی حکومت کو بھی مجبور کردیا کہ ڈرونز کا سیٹ اپ پاکستان سے منتقل کردیا جائے

اس کیلیئے فوج کے دباؤ پر نیٹو سپلائی کی بندش کی گئی اور یہ ایک اہم کامیابی تو حاصل کرلی گئی لیکن ڈرون حملوں میں کمی واقع نہیں ہوئی اور امریکہ وقتاً فوقتاً ڈرون حملے کرتا رہا۔ پاک فوج عسکریت پسندوں کی جانب سے پاکستان میں کی جانے والی ہر کاروائی پر جوابی رد عمل دے رہی ہے اور ٹارگٹڈ اپریشن میں سرجیکل سٹرائیکس کیلیئے پاک فوج نے بھی ڈرون استعمال کیئے لیکن شدت پسندوں کے خلاف پاک فوج کی جانب سے مسلسل کاروائیوں کے بعد، امریکہ کے لئے کوئی جواز نہیں بنتا تھا کہ وہ اپنی پالیسی میں تبدیلی کے اعلان کے باوجود پاکستان کی مشکلات میں مزید اضافہ کا موجب بنے۔ بظاہر ایسا بھی کہا جاتا ہے کہ " شریف حکومت " نے طالبان کے ساتھ امن مذاکرات میں ناکامی کے بعد امریکی انتظامیہ کو دوبارہ گرین سگنل دے دیا ہو، لیکن بعض دفاعی تجزیہ نگار اس سے اتفاق نہیں کرتے، لیکن آپریشن ضرب عضب کے دوران دوبارہ ڈرون حملہ دفاعی تجزیہ نگاروں کو غلط ثابت کر رہا ہے۔

ان تمام معاملات اور صورتحال میں ایک بات نہایت وضاحت کے ساتھ سامنے آئی ہے کہ شمالی وزیرستان میں آپریشن کیلیئے بعض ملکی و غیر ملکی قوتوں کی جانب سے دباؤ تھا اب اس پر عمل پیرا ہونے کا وقت قریب آچکا ہے اور پاکستان کے شمالی علاقوں کی صورتحال میں پاک فوج حتمی آپریشن کی عملی تیاریوں میں مصروف

ہو چکی ہے لیکن اس کے سامنے افغانستان حکومت کی جانب سے عدم تعاون کا وہی پرانا مسئلہ درپیش ہے جس میں افغانستان ، پاک سرحدی علاقوں کو سیل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا اور وقتاً فوقتاً پاکستانی علاقوں پر گولہ باری اور افغانستان میں ہونے والی کاروائیوں پر پاکستان کو موردِ الزام ٹھہرانے کی پالیسی اختیار کئے ہوئے ہے ، لیکن اب اطلاعات یہی ہیں کہ افغانستان نے اپنے تعاون کی یقین دہانی کرادی ہے اور امریکہ نے بھی متاثرین کے لئے امداد کا اعلان کردیا ہے لیکن و دوسری جانب دوغلی پالیسیوں کی بنا ء پر پاکستانی اداروں کو کسی ممکنہ فیصلے تک پہنچنے میں حائل نظر آتی ہے، ایک جانب امریکہ پاکستان کو یقین دلاتا ہے کہ شمالی وزیر ستان آپریشن میں امریکہ پاکستان کی مدد کریگا تو دوسری جانب پاکستانی عوام میں آپریشن کیلئے فضا سازگار بنانے کے بجائے ڈرون حملے کرکے سیاسی جماعتوں اور مذہبی تنظیموں میں اختلافات پیدا کردیتا ہے ، جس کی وجہ سے پاکستانی قوم بھی یکسو ہوکر کوئی فیصلہ کرانے کی پوزیشن میں نہیں ہے گو کہ پاکستانی عوام کی اکثریت شدت پسندی کے خلاف پاک فوج کو فری ہینڈ دینے کے لئے تیار نظر آتی ہے لیکن وفاق اور کے پی کے کی صوبائی حکومت کو شمالی وزیر ستان آپریشن اب بھی تامل تھا اور وہ حتمی فیصلے کرنے سے کترا رہی تھی۔ دوغلی پالیسی کے ساتھ ڈرون حملے پاکستان کی بقا اور سلامتی کیلئے ایک ایسا ڈراؤنا خواب ہے جس کی تعبیر بھی خوفناک ہے۔

لیکن اب آپریشن جاری ہے ۔بڑی تعداد میں متاثرین نقل مکانی کر رہے ہیں ، کرفیو میں نرمی کے ساتھ ہی عوام شورش زدہ علاقے سے باہر نکل آئے گی۔ عسکری اداروں کی بھرپور کوشش ہے کہ آئی ڈی پیز کے لبادے میں کوئی عسکریت پسند محاصرے سے باہر نہ نکل جائے اور ان کی یہ بھی کوشش ہے کہ کوئی بے گناہ آپریشن میں نقصان نہ اٹھا لے ، لیکن وزیرستان کی عوام کو بھی سمجھنا ہوگا کہ انھیں یہ سب اس لئے.برداشت کرنا ہوگا، کیونکہ انھوں نے غیر ملکی اور ملکی عسکریت و شدت پسندوں کو کافی عرصہ .برداشت کیا تھا اگر عوام تھوڑی ہمت سے کام لے لیتی تو دوبارہ آپریشن کی نوبت نہ آتی اور انھیں ایک بار پھر تکالیف.برداشت نہ کرنا پڑتی۔

آپریشن ضرب عضب اور ڈرون حملے

ساڑھے پانچ ماہ بعد یکدم دوبارہ امریکہ کی جانب سے ڈرون اٹیک کی پالیسی ختم کرنے باوجود پاکستان کے شمالی علاقوں میں حملہ یقینی طور پر کئی محرکات اور خدشات کو ابھار رہا ہے۔ اس کیلئے ہمیں جذباتی ہونے کے بجائے زمینی حقائق کو دیکھنا ہونگے کہ کیا وجہ ہے کہ کراچی ایئرپورٹ حملے کے بعد پاکستان کے بجائے امریکہ کی جانب سے ڈرون حملہ شمالی وزیرستان میں دوبارہ ہوجاتا ہے۔ جبکہ اس سے قبل امریکہ کی جانب سے واضح کردیا گیا تھا کہ ڈرون حملے اب نہیں کئے جائیں گے کیونکہ اس سے شدت پسندی کے رجحان میں اضافہ ہورہا ہے اس لئے اوبامہ انتظامیہ نے ڈرون اٹیک کی پالیسی تبدیل کردی ہے۔ لیکن اچانک دوبارہ غیر متوقع طور پر ڈرون حملہ کئے جانا ماضی کے اس امریکی رویئے کی عکاسی کررہا ہے جب امریکی انتظامیہ متواتر کوشش کرتی رہتی تھی کہ طالبان کوئٹہ شوری کے نام پر بلوچستان اور پاکستان کے بعض پر امن قبائلی علاقوں میں ڈرون حملوں کیلئے حکومت پاکستان سے توسیع حاصل کرلی جائے، کچھ عرصہ قبل جب امریکی اخبار واشنگٹن پوسٹ نے یہ خبر شائع کی تھی تو ترجمان وزارت خارجہ کے سختی سے واضح الفاظ میں کہا کہ "پاکستان اپنے علاقے میں امریکہ کو ڈرون حملے بڑھانے" کی کبھی اجازت نہیں دے گا، کیونکہ یہ ایک سخت گیر نسل کو جنم دینے کا موجب بن رہے ہیں۔ اس

لئے امریکی حکومت کو اپنی پالیسی پر نظرثانی کرنے چاہیے اور یہ حملے بند کردینے چاہیے،"۔

2012ء میں ایک امریکی ریڈیو کی رپورٹ میں دعوی کیا گیا تھا کہ " امریکی ڈرون حملوں کو چھ ماہ قبل تک پاکستانی حکومت کی خاموش حمایت حاصل تھی "، جبکہ سابق فوجی آمر پرویز مشرف نے تو پہلے امریکی درون حملے کو چھپاتے ہوئے اسے پاکستانی کاروائی بتایا تھا اور وہ بھی کہا کہ " امریکہ کو پاکستان پر ڈرون حملوں کا بین الاقوامی قانونی جواز حاصل ہے "۔امریکی ریڈیو این پی آر یا نیشنل پبلک ریڈیو نے یہ دعوی پاکستان میں ڈرون حملوں سے متعلق امریکی حکومت کے ساتھ منسلک رہنے والے سابق عملداروں کے حوالے سے کیا۔ ریڈیو نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ " گذشتہ آٹھ سال سے پاکستان میں ہونے والے امریکی ڈرون حملوں کو فوجی صدر جنرل پرویز مشرف سے لیکر صرف چھ ماہ قبل تک موجودہ (سابقا پی پی پی) حکومت کی بھی تائید حاصل رہی ہے"۔

ڈرون حملوں کے حوالے سے یہ عمومی تاثر رہا ہے کہ ڈرون حملوں کو پاکستانی حکومت کا آشیر باد حاصل رہا ہے، ظاہری طور پر پرویز مشرف کے علاوہ کسی بھی حکمران نے اس حقیقت کو تسلیم نہیں کیا لیکن ممکنہ حد تک یہ بات خارج از امکان نہیں رہی ہے کہ لاجسٹک سپورٹ سے لیکر حساس معلومات کی شراکت تک

ڈرونز کی آمد اور واپسی کے تمام شیڈول کسی خفیہ معاہدے کے تحت ہی ممکن ہیں۔ گو کہ ایبٹ آباد واقعے میں اسامہ بن لادن کی ہلاکت، سلالہ چیک پوسٹ پر حملے سمیت امریکی جاسوس ریمنڈ ڈیوس کی گرفتاری کے واقعات کے بعد دونوں ممالک کے اسٹریجک معاملات میں تلخی اور دوری پیدا ہوئی، لیکن اس کے باوجود ڈرون حملوں کی مکمل ممانعت اور تنبیہ کا عمل نہیں اپنایا گیا۔ حکومت کی جانب سے ظاہری طور پر دوٹوک رویہ دکھایا گیا پارلیمنٹ میں قراردادیں اور عوامی احتجاج کے ساتھ سرکاری تمام مذمتوں کو امریکہ نے جوتے کی نوک پر رکھا اور ہمیشہ اپنی من مانی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ جب بھی پاکستان نے پاکستانی عسکریت پسند طالبان سے امن مذاکرات شروع کئے تو بیت اللہ محسود، حکیم اللہ محسود کو ڈرون حملوں میں ہلاک کرکے ڈیڈ لاک پیدا کردیا گیا اور پاکستانی حکومت نے امریکی انتظامیہ سے شدید احتجاج بھی کیا، لیکن امریکہ کی جانب سے سنی ان سنی کا عمل دوہرایا جاتا رہا۔

امریکی ڈرون طیاروں نے 2014ء کی پہلی کاروائی میں شمالی وزیرستان میں چھ گھنٹوں کے دوران دو ڈرون حملے کئے جس میں 16 افراد جاں بحق ہوئے۔ اسی ماہ دوسری کاروائی میں امریکی ڈرون طیاروں نے درگاہ منڈی اور طوری خیل میں ایک مکان اور گاڑی پر چار میزائل داغے جس میں چھ ازبک ہلاک اور متعدد زخمی ہوئے۔ یقینی طور پر امریکی ڈرون حملوں نے حکومتی دعوؤں کی قلعی بھی کھول دی کہ

ان کی حکومت نے ڈرون حملوں کے مکمل خاتمے کیلئے امریکی انتظامیہ کو قائل کرلیا ہے۔ مگر امریکہ کی جانب سے ڈرون حملہ پاکستانی خود مختاری پر، اس کے حکمرانوں پر زوردار طمانچہ ثابت ہوا ہے۔ مختلف سیاسی و مذہبی جماعتوں کی جانب سے ڈرون حملوں کی بھرپور مذمت کرتے ہوئے یہ بھی کہا گیا کہ امریکہ کی روش اس بات کی غمازی کر رہی ہے کہ امریکہ پاکستان میں دہشت گردی کی مذمت کے بجائے حمایت کر رہا ہے، ورنہ امریکہ کو کراچی ایئر پورٹ حملے کے بعد اس قسم کی کاروائی سے گریز کرنا چاہیے تھا جس میں موجودہ حکومت کو محفوظ راستہ مل جاتا ہے کہ عسکریت پسندوں کے ساتھ امن مذاکرات میں امریکی پالیسی حائل ہے یہی وجہ ہے کہ پاکستانی طالبان کے ساتھ مذاکرات کامیاب نہیں ہو رہے۔ سابقہ پی پی حکومت کے حوالے سے یہ انکشاف بھی ہوا تھا کہ انھوں نے امریکہ کو یقین دہانی کروادی تھی کہ آپ حملے جاری رکھیں ہم عوام کو ملک کی سالمیت اور خود مختیاری پر حملے قرار دیکر مذمتی بیانات جاری کردیا کریں گے۔ پہلے تو یہ ہی تسلیم نہیں کیا جاتا تھا کہ ڈرون حملوں کیلئے امریکی طیاروں کو پاکستانی سرزمین استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی گئی، لیکن جب یہ منکشف ہوگیا کہ پاکستانی سرزمین سے ہی حملے کروائے جاتے ہیں تو حکومت کے پاس کوئی جواب نہ تھا، لیکن سلالہ چیک پوسٹ پر امریکی حملے کے نتیجے میں 24 فوجیوں کی شہادت کے بعد پاکستانی عسکری قیادت نے پاکستانی حکومت کے ساتھ امریکی حکومت کو بھی مجبور کردیا کہ ڈرونز کا سیٹ اپ پاکستان سے منتقل کردیا جائے

اس کیلئے فوج کے دباؤ پر نیٹو سپلائی کی بندش کی گئی اور یہ ایک اہم کامیابی تو حاصل کرلی، گئی لیکن ڈرون حملوں میں کمی واقع نہیں ہوئی اور امریکہ وقتاً فوقتاً ڈرون حملے کرتا رہا۔ پاک فوج عسکریت پسندوں کی جانب سے پاکستان میں کی جانے والی ہر کاروائی پر جوابی ردعمل دے رہی ہے اور ٹارگٹڈ اپریشن میں سرجیکل سٹرائیکس کیلئے پاک فوج نے بھی ڈرون استعمال کئے لیکن شدت پسندوں کے خلاف پاک فوج کی جانب سے مسلسل کاروائیوں کے بعد، امریکہ کے لئے کوئی جواز نہیں بنتا تھا کہ وہ اپنی پالیسی میں تبدیلی کے اعلان کے باوجود پاکستان کی مشکلات میں مزید اضافہ کا موجب بنے۔ بظاہر ایسا بھی کہا جاتا ہے کہ " شریف حکومت " نے طالبان کے ساتھ امن مذاکرات میں ناکامی کے بعد امریکی انتظامیہ کو دوبارہ گرین سگنل دے دیا ہو، لیکن بعض دفاعی تجزیہ نگار اس سے اتفاق نہیں کرتے، لیکن آپریشن ضرب عضب کے دوران دوبارہ ڈرون حملہ دفاعی تجزیہ نگاروں کو غلط ثابت کر رہا ہے۔

ان تمام معاملات اور صورتحال میں ایک بات نہایت وضاحت کے ساتھ سامنے آئی ہے کہ شمالی وزیرستان میں آپریشن کیلئے بعض ملکی و غیر ملکی قوتوں کی جانب سے دباؤ تھا اب اس پر عمل پیرا ہونے کا وقت قریب آچکا ہے اور پاکستان کے شمالی

علاقوں کی صورتحال میں پاک فوج حتمی آپریشن کی عملی تیاریوں میں مصروف ہوچکی ہے لیکن اس کے سامنے افغانستان حکومت کی جانب سے عدم تعاون کا وہی پرانا مسئلہ درپیش ہے جس میں افغانستان ، پاک سرحدی علاقوں کو سیل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا اور وقتاً فوقتاً پاکستانی علاقوں پر گولہ باری اور افغانستان میں ہونے والی کاروائیوں پر پاکستان کو مورد الزام ٹھہرانے کی پالیسی اختیار کئے ہوئے ہے ، لیکن اب اطلاعات یہی ہیں کہ افغانستان نے اپنے تعاون کی یقین دہانی کرادی ہے اور امریکہ نے بھی متاثرین کے لئے امداد کا اعلان کردیا ہے لیکن و دوسری جانب دوغلی پالیسیوں کی بنا ء پر پاکستانی اداروں کو کسی ممکنہ فیصلے تک پہنچنے میں حائل نظر آتی ہے، ایک جانب امریکہ پاکستان کو یقین دلاتا ہے کہ شمالی وزیرستان آپریشن میں امریکہ پاکستان کی مدد کریگا تو دوسری جانب پاکستانی عوام میں آپریشن کیلئے فضا سازگار بنانے کے بجائے ڈرون حملے کرکے سیاسی جماعتوں اور مذہبی تنظیموں میں اختلافات پیدا کردیتا ہے ، جس کی وجہ سے پاکستانی قوم بھی یکسو ہوکر کوئی فیصلہ کرانے کی پوزیشن میں نہیں ہے گو کہ پاکستانی عوام کی اکثریت شدت پسندی کے خلاف پاک فوج کو فری ہینڈ دینے کے لئے تیار نظر آتی ہے لیکن وفاق اور کے پی کے کی صوبائی حکومت کو شمالی وزیرستان آپریشن اب بھی تامل تھا اور وہ حتمی فیصلے کرنے سے کترا رہی تھی۔ دوغلی پالیسی کے ساتھ ڈرون حملے پاکستان کی بقا اور سلامتی کیلئے ایک ایسا ڈراؤنا خواب ہے جس کی تعبیر بھی خوفناک ہے۔

لیکن اب آپریشن جاری ہے ،بڑی تعداد میں متاثرین نقل مکانی کر رہے ہیں ، کرفیو میں نرمی کے ساتھ ہی عوام شورش زدہ علاقے سے باہر نکل آئے گی۔ عسکری اداروں کی بھرپور کوشش ہے کہ آئی ڈی پیز کے لبادے میں کوئی عسکریت پسند محاصرے سے باہر نہ نکل جائے اوران کی یہ بھی کوشش ہے کہ کوئی بےگناہ آپریشن میں نقصان نہ اٹھا لے ، لیکن وزیرستان کی عوام کو بھی سمجھنا ہوگا کہ انھیں یہ سب اس لئے.برداشت کرنا ہوگا، کیونکہ انھوں نے غیر ملکی اور ملکی عسکریت و شدت پسندوں کو کافی عرصہ .برداشت کیا تھااگر عوام تھوڑی ہمت سے کام لے لیتی تو دوبارہ آپریشن کی نوبت نہ آتی اورانھیں ایک بار پھر تکالیف.برداشت نہ کرناپڑتی۔

شیخ صاحبان آپکا ایجنڈا فکس ہے

پاکستان کے شہر جھنگ میں پیدا ہونے والے دور حاضر کے مفکر "شیخ اسلام "پروفیر ڈاکٹر محمد طاہر القادری پنجاب لاء یونیورسٹی کے استاد رہے ہیں اور مختلف ممالک میں ہزاروں لیکچر دے چکے ہیں ، سینکڑوں موضوعات پر پانچ ہزار سے زائد ریکارڈ لیکچرز آڈیو کیسٹس ،CDsاورDVDکی صورت میں ، جن میں ایک ایک سو سے زائد خطابات کی سریز کی شکل میں ہیں ۔ محترم کی کتب کی تعداد کم وبیش ایک ہزار ، جن میں سے چار سو پچیس زائد کتب انگریزی سمیت دیگر زبانوں میں طبع ہو چکی ہے۔ چھ سو تیس کتب کے مسودات طباعت کے مختلف مراحل میں میں ہیں۔ کل خطابات کی تعداد ڈھائی ہزار سے زائد ہے پاکستان میں " عوامی تعلیمی منصوبہ "کی بنیاد رکھی اور ان کے مطابق سینکڑوں اسکولز اور کالجز کا قیام عمل میں لایا جاچکا ہے ۔ایک یونیورسٹی ، چار کالج ،ماڈل اسکول 257اور پبلک سکولز310جس میں مجموعی طور پر 42000 طلباء وطالبات زیر تعلیم ہیں لیکن تعلیم مفت نہیں دی جاتی ۔ تمام مضامین کے امتحانات خود منہاج القرآن بورڈ ہی لیتا ہے۔MESکے قائم کردہ سکولز اور ملحق اداروں میں 41 کتب جو ڈائریکٹوریٹ آف کریکولم ریسرچ کے تحت تدوین واشاعت کی گئی ،بطور نصاب شامل ہے۔ تمام تر تحقیق میں صرف " سائنس "کے نام پر ایک کتاب ہے ، باقی عربی ، اسلامیات،اردو پر مشتمل کتب ہیں۔ جو مسالک عقائد پر

ہیں۔ کیونکہ اسلام کا ہر فرقہ اپنے مسلک کے مطابق ترتیب کو درست قرار دیتا ہے اس لئے اس پر بھی بحث مقصود نہیں۔ تحریک منہاج القرآن محض این جی او تنظیم ہے جس کے زیر اہتمام تعلیمی ادارے قائم ہیں۔ لیکن ان تعلیمی نیٹ ورک سے کتنے طالب علموں نے جدید دور کے مطابق میڈیکل، فلکیات، معاشیات یا سائنسی علوم میں کون سی نامور شخصیات فارغ التحصیل ہو کر پاکستان کی خدمت کر رہی ہیں ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ تحریک منہاج القرآن کو مختلف مذہبی مسالک نے ان کے عقائد اور طریقہ کار پر "طاہریہ فرقہ "کے نام سے بھی موسوم کیا ہے۔ اس لئے مسلکی اختلافات سے بچنے کیلئے تفصیلات میں جانا مقصود نہیں ہے، عوام خود فیصلہ کریں تو زیادہ بہتر ہے۔ تاہم گمان یہی تھا کہ ہزاروں طالب علموں کی کوئی ایسی کھیپ تیار ہو چکی ہو گی جو، مسلم امہ کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کیلئے اسلامی رنگ کیساتھ جدید تقاضوں کے مطابق ہنر مند، اور اسلام مخالف قوتوں کیخلاف سائنس کے میدان میں کارہائے کارنامے سرانجام دیکر مسلمانوں کو اپنے اسلاف کا جانشین بنا دے گی۔ نبی اکرم ﷺ کے دور میں عربی زبان اور قرآن مجید نصاب کا حصہ تھے۔ خلفائے راشدین کے دور میں تفسیر، حدیث، علم الانساب، اسماء الرجال، عربی محاورات اور جغرافی شامل تھے۔ عباسی دور تک پہنچتے پہنچتے نصابِ تعلیم قرآن، قرات و تفسیر، فقہ، خطاطی، جغرافیہ، تاریخ، ریاضی، جغرافیہ، علم نجوم، نظم، گرامر، کیمیا، فن تعمیر، سنگ تراشی، عسکری فنون، صنعتی فنون اور فن خطابت شامل ہوگئیابن

الخلدون کی طرح طبعی علوم یا علوم عقلیہ ، طبعی علم میں منطق، حساب، ہیت، موسیقی ، طبعیات ، الہیات ،ابوالفضل کے مرتب نصاب کے مطابق علم الحساب ، علم الہندسہ، فن زراعت، علم المساحت، علم ہیت، رمل، معاشیات، انتظام ملکی، طبعیات، منطق، ریاضیات، الہیات اور تاریخ کی شعبوں میں کام کیا گیا تو مسلمانوں نے ترقی بھی کی اور یورپ کو جدید تعلیم سے آراستہ بھی کیا، لیکن بد قسمتی سے مختلف وجوہات کی بناء پر جدید تعلیم سے محروم کردی گئی۔ لیکن انقلاب کے نام پر کسی بھی مفکر نے سو کروڑ روپے سے زائد خرچ کرکے جلسے کا ہتمام نہیں کیا۔ کل کو بیکن ، فیلکن ہاؤس ، ماماپارسی سمیت انگلش نظام تعلیم کے ہزاروں ادارے جن کی شاخیں پوری دنیا میں پاکستان سمیت موجود ہیں وہ بھی اپنے لاکھوں طالب علموں کے ساتھ میدان میں اتر آئیں گے تو کیا ہوگا۔ دیو بند، بریلوی مسلک اپنے ہزاروں مدارس کے دنیا بھر میں پھیلے نیٹ ورک کے ساتھ مینارِ پاکستان آگئے تو پھر کیا دوسرے مسالک انھیں تسلیم کریں گے ؟ کیا آغا خانیوں سے بڑھ کر جدید ترین تعلیمی سیٹ اپ کسی کے پاس ہے ، پیسوں کی بھی کمی نہیں ، پاکستان کے خالقوں میں سے بھی ہیں ۔ اگر وہ دنیا بھر کے سینکڑوں قائم اداروں کی طرح اپنی اصلاحات دینے کیلئے دھمکی دینے آگئے تو کیا سب کو ماننا ہوگا ؟ ۔ اور پھر تحریک طالبان بھی تو لاکھوں فدائیوں کیساتھ ایک سسٹم کا مطالبہ کر رہی ہے جیسے وہ اپنے تئیں درست سمجھتی ہے تو پھر اس پر اعتراض کرنے کا کیا جواز رہ جائے گا ؟۔ متحدہ ہندوستان میں جب

عطا اللہ شاہ بخاری رات کو تقریر شروع کرتے تو صبح تک لوگ بیٹھے رہتے لیکن ان کا گلہ ہمیشہ یہی ہوتا کہ مسلمان تقریر میری سنتے ہیں اور ووٹ مسلم لیگ کو دیتے ہیں۔ شیخ صاحب مسئلہ یہ ہے کہ آپ جیسے بہت سارے شیوخ آتے رہیں گے لیکن نظام مصطفیٰ اور انقلاب کے نام پر ہونے والی جبری آمریت کو ابھی تک عوام نہیں بھول سکے۔ جلسوں کیلئے اربوں روپے خرچ کرنے کے بجائے ایسے البرونی، ابن الخلدون، ابو الفصل کے افکار کے مطابق تعلیمی میدان میں کامیاب کار آمد انسان کی تشکیل میں صرف کرتے ہوئے دوہرے نظام تعلیم کو ختم کرتے تو تو عوام میں انقلاب آچکا ہوتا اور ڈاکٹر عبدالسلام، ڈاکٹر عبدالقدیر جیسے مزید سائنس داں پیلے ٹاٹ والے سرکاری اسکول سے ہی مزید پیدا ہوجاتے اور دنیا میں ایک بار پھر مسلم امہ کا سکہ گونجتا۔ ویسے بھی طاہر صاحب نے اپنی خوائش کا اظہار کرکے ثابت کردیا ہے کہ ان کے آئندہ کے کیامقاصد ہونگے۔ یہ مصر نہیں، پاکستان ہے جہاں مختلف النسل قومیت میں پٹھان، سندھی، بلوچ مہاجر، پنجابی، سنی، مسالک میں شیعہ، دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث وغیرہ، ہیں۔ یہاں کوئی پاکستانی اور خالص مسلم نہیں ہے۔ اگر کسی کو میری تنقید پر اعتراض ہے تو سروے کروالیں کہ طاہر القادری کی کتنی کتب، کتنے پاکستانیوں نے آج تک پڑھی ہیں۔ کتنے لوگوں نے ان کے خطبات اور مہنگی کتابیں خرید کر تحقیق کی ہے۔ عام غریب پاکستانی کو موٹی موٹی کتابوں سے زیادہ اپنے مسائل کا حل درکار ہے۔ ایسی جوشیلی تقاریر ہر جمعے کے خطبے میں سنتے ہیں۔ بچارا

غریب اپنی سال بھر کی کمائی اکھٹی بھی کرلے تو شیخ صاحب کی ایک کتاب بھی خرید نہیں سکتا۔ المیہ یہی ہے کہ آج مسلمان تعلیم کیجانب متوجہ نہیں ہیں کیونکہ ایسے خانہ جنگیوں، بدامنی، دہشت گردی اور ملکی بغاوتوں میں الجھا دیا گیا ہے۔ معاشی طور پر مضبوط مسلم حکومتیں عیاشیوں میں مصروف ہیں۔ ترقی پذیر مملکتیں معاشی الجھنوں و مفاہمتی سیاست و تعلیم پر مجرمانہ عدم توجہ کا شکار ہیں۔ سینکڑوں اسکول شدت پسندوں نے تباہ کرڈالے۔ مسلم دنیا کو اقوام عالم پر ماضی کی طرح فکری تسلط چاہیے تو انھیں تعلیم کی ترجیح پر توجہ دینا ہوگی جو اصل اسلامی اساس ہے۔ ہم موجودہ مدارس کو جدید تقاضوں کیمطابق ہم آہنگ کرکے مسلم امہ کی شان و شوکت بحال کرکے اسلام کیخلاف تعلیمی سازش ناکام بنانا ہوگا۔ تعلیمی فروغ کیلئے اپنے اسلاف کی پیروی کریں۔ کیونکہ یہی واحد حل ہے، غلامی سے نجات کا۔ لیکن جو دوہری تعلیم دی جارہی ہے اسکی تفریق تو سب سے پہلے ختم کریں کہ یہ دنیاوی تعلیم ہے اور یہ دینی تعلیم ہے۔ کروڑوں روپے خرچ کرکے ریلی بھی کرلیں گے وہ بھی کامیاب ہوگی۔ لیکن شیخ طاہر القادری صاحب اور شیخ رشید صاحب آپکا ایجنڈا فکس ہے کہ انقلاب پیدا کرنے کے بجائے ملک کو انتشار اور انارکی کی آگ میں جھونک دیا جائے، ۔ سیاست میں ناکامی کے بعد بیرونی قوتوں کے کندھوں پر بیٹھ کر پاکستانی قوم کی مشکلات میں اضافہ کر رہے ہیں۔ شیخ طاہر القادری کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ وہ پہلے بھی اپنے مقصد میں ناکام ہو کر جا چکے ہیں اور اب دوبارہ

انھیں اپنا مذموم مقاصد میں ناکامی ہی ہوگی، ضرورت صرف بات کی ہے پنجاب اور وفاق کی شریف برادران کی حکومت ذرا تحمل اور بردباری سے کام لے۔ماڈل ٹاؤن والے جیسے فیصلے کرکے اپنی مدت حکومت کوز خود کم نہ کرے تو سب کیلئے بہتر ہے۔ سادگی پر اس کی، مر جانے کی حسرت دل میں ہے بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ " ، " قاتل میں ہے۔

طاہری ایجنڈا۔امن سے یا جنگ سے

ملکی تاریخ میں جب پہلی بار سیاسی جماعتوں کیجانب سے سیاسی طور اقتدار کی پرامن منتقلی کا نیا باب لکھا جانا تھا تو اچانک طاہر القادری آئین کی تبدیلی کیلئے غیر آئینی طریقے پر "انوکھاانقلاب" لانے کیلئے پاکستانی عوام پر تجربے کرنے کیلئے وارد ہوئے تو تمام سیاسی و مذہبی جماعتیں ششدر رہ گئیں کہ ایسے وقت جب بم دھماکے، دہشت گردی، کرپشن، سیاسی بے یقینی، خودکش حملے، ٹارگٹ کلنگ، فرقہ وارانہ اور لسانی بنیادوں پر قتل، سیاسی رہنماؤں کو نشانہ بنانا، بدترین مہنگائی، لوڈشیڈنگ، توانائی بحران، افراط زر، دہشت گردوں کیجانب سے پاکستانی فوجیوں کا اغوااور سر قلم کرنے کے سفاکانہ واقعات، سندھ، خیبر پختونخوااور صوبہ بلوچستان میں حکومتی رٹ کی ناکامی جیسی بدترین صورت حال سے دوچار ہے،انتخابی اصلاحات کا نعرہ لیکر آنے والے طاہر القادری نے پاکستانی سیاست میں ایسا بھونچال پیدا کردیا کہ اپوزیشن اور حکومتی اتحادی جماعتیں تک طاہری ایجنڈے کیخلاف یکجا ہوگئیں۔ تحریک انصاف، مسلم لیگ (ق)، اور ایم کیو ایم نے اخلاقی حمایت کا اعلان کیا۔بلکہ ایم کیو ایم تو باقاعدہ لانگ مارچ میں بھی شامل ہونے کیلئے حتمی طور پر میدان میں اُتر آئی تھی، لیکن عین وقت پر کوئٹہ، سوات اور کراچی میں ہونے والی بدترین دہشت گردی کو "جواز" بنا

کر لانگ مارچ میں شرکت سے معذرت کرکے طاہری ایجنڈے کو زبردست جھٹکا دیا۔ اُس وقت ملکی اور غیر ملکی میڈیا سمیت ایک ایک ذی حس بخوبی سمجھ نہیں رہا تھا کہ جب حکومت ختم ہونے میں صرف دو ماہ رہ گئے ہیں ،طاہر القادری انتہائی رسک کی سرگرمی کیلئے مایوس کن حدتک کیوں سرگرم ہیں ؟۔طاہری ایجنڈے کے نزدیک کمیشن کے چار اراکین جانبدار اور ایک غیر جانبدار تھے ،۔ قابل ذکر بات یہ ایک اور بھی تھی کہ جب طاہری صاحب سے پیپلز پارٹی نے بڑے احسن انداز میں کامیاب مذاکرات اسلام آباد میں سینکڑوں بے گناہوں کے خون پر سیاست کرنے کی سازش ناکام بنائی اور طاہر القادری کو بند گلی سے باہر آنے کا راستہ فراہم کیا تو پاکستان کی جان بھی اس کینڈین مولوی سے چھوٹی۔ ورنہ قادری کی رعونت اور غرور کا یہ حال تھا کہ مذاکرات کے دوسرے دور میں عدالتی ایکنڈل کے روح رواں ملک ریاض کے ڈپٹی وزیر اعظم پاکستان چوہدری پرویز الہی اور سابقہ وزیر اعظم چوہدری شجاعت کیساتھ آنے پر اتنے چراغ پا ہوئے کہ تمام برداشت و تحمل کے بند ٹوٹ گئے اور جب تک انھیں میڈیا کی موجودگی میں گھر سے باہر نکال نہیں دیا اس وقت تک مذاکراتی ٹیم سے " بات " کرنے کیلئے تیار نہیں ہوئے۔ یہ نہایت خطرناک صورتحال ہے کہ جس جماعت کی سیاسی نمائندگی تک پاکستان میں نہیں ، وہ نظام تبدیل کرنے کیلئے عوام میں ہیجان پیدا کر رہی ہے اور قوم بم دھماکوں سے اتنی پریشان ہوچکی ہے کہ ملک نازک ترین صورتحال سے گذر رہا ہے ۔آپریشن ضرب عضب محض علاقائی آپریشن نہیں بلکہ سب اچھی طرح

جانتے ہیں کہ اس علاقے میں آپریشن کیلئے پاکستان پر کس قدر غیر ملکی قوتوں کے ساتھ پاکستان کے کچھ حلقوں کی جانب سے شدید دباؤ تھا، اب وہاں پاکستان کی افواج داخل ہوچکیں ہیں اور لاکھوں مہاجریں نقل مکانی کرچکے ہیں ، ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے ان کی بحالی کی کوشش کی جائے ، سب کچھ فوج پر نہیں چھوڑ دیا جائے ، قبائلی عوام سوات کی عوام کی طرح زیادہ صبر کا مظاہرہ نہیں کرتے ، اس سے قبل بھی جب شمالی وزیرستان میں آپریشن کیا گیا تھا تو آئی ڈی پیز کی جانب سے اداروں کو شدید مشکلات کا سامنا تھا، ڈر اس بات کا بھی ہے کہ آئی ڈی پیز کا سہارا لیکر نامعلوم قوتیں ملکی انتشار کا سبب نہ بنیں، ایسے وقت میں عمراں خان ، چوہدری برادران ، شیخ رشید اور طاہر القادری کا گٹھ جوڑ ملک میں نئے انتخابات کا متحمل کس طرح ہو سکتا ہے، لازمی بات ہے کہ وہ ایسے حالات پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ فوج مداخلت کرے ، لیکن آئینی ترامیم کے بعد فوج کے لئے اقتدار سنبھالنا ناممکن ہے نیز اگر وہ ایسا کر بھی جاتے ہیں اور ملک میں مصری نظام طرز کی حکومت قائم کرنا کا کواب دیکھ رہے ہیں تو انھیں عراق و شام کی صورتحال بھی سامنے رکھنا ہوگی کہ بہرحال جب معاملات مسلک کے اعتبار سے دیکھے جائیں گے تو پھر پاکستان میں بھی ایسی مذہبی قوتیں ہیں جو پاکستان میں بھی ایک آئی ایس آئی ایس داعش کو جنم دے سکتی ہیں ۔۔ قوم حیران ہے کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے ؟۔ سیاست دان کسی کھیل کا حصہ بن چکے ہیں یا کسی کھیل میں حصہ نہ بننے کی وجہ سے

طاہری ایجنڈا دوبارہ پوری قوت

کیساتھ حملہ آور ہو رہا ہے۔ مشرقی سرحدیں غیر محفوظ ، بھارتی جارحیت اپنے مذموم عزائم کیساتھ 71ء کا کھیل ہر وقت کھیلنے کیلئے تیار ہے۔ شمالی مغربی سرحدیں بھی غیر محفوظ ، غیر ملکی عناصر ملکی غداروں کیساتھ ملکر پاکستان کی جڑیں کھو کھلی کر چکے ہیں۔ بلوچستان علیحدگی کے دہانے پر کھڑا ہے ، سندھ میں لسانی تقسیم کا ایشو کسی کروٹ بیٹھنے کو تیار نہیں ہے۔ کوئی یہ سمجھ نہیں پا رہا کہ جو حکومت بلدیاتی الیکشن کرانے کی استطاعت و ہمت نہیں رکھتی وہ بیک وقت قومی و صوبائی الیکشن اس خطرناک دہشت گردی کے ماحول میں کیونکر کرانے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ پانچ سال کی مدت دوبارہ پورے ہونے کا جشن ، لاتعداد ناکامیوں پر یا اقتدار پر عوام کی مرضی و منشاء کے بغیر جعلی ووٹ لسٹوں کی بنیاد پر مسلط رہنے پر منایا جائیگا۔ طاہری ایجنڈا کیسے لانا چاہتا ہے یہ تو ان کو ہی معلوم ہے کیونکہ تادم تحریر ان کے سینے میں سربستہ راز عوام کے سامنے نہیں آسکا ہے۔ لیکن جس طرح طاہر القادری گرج رہے تھے وہ اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ انھیں بھرپور قوت کا مکمل آشیر باد حاصل ہے۔ جبکہ پاکستان کی تمام بے بس سیاسی و مذہبی قوتیں صرف بیان کی حد تک قوت صرف کر رہے ہیں۔ پنجاب تو ویسے ہی طاہری ایجنڈے پر آگ بگولہ ہو رہا ہے۔ فوج کیجانب سے پہلے بھی طاہر القادری سے لاتعلقی کا اعلان پہلے ہی کیا جا چکا تھا یقینی طور پر فوج اب بھی اس جنونی کے عقب میں نہیں ہوگی۔ صرف رہ جاتی ہے۔ عدلیہ ، نے پہلے مختلف درخواستوں پر طاہری ایجنڈے کی تمام درخواستیں رد

کردیں تھیں۔ عدلیہ، جس نے سندھ حکومت کو کراچی بدامنی کیس میں ناکامی کا ذمے دار قرار دیا ہے۔ عدلیہ، جس نے بلوچستان میں حکومت کو حق حکمرانی کا نااہل قرار دیا ہے۔ عدلیہ، جس نے تمام مقدمات میں وفاق اور صوبائی حکومتوں کو عوام کی تحفظ میں ناکامی کا ذمے دار ٹھہرایا ہے۔ پنجاب ہائی کورٹ کا فیصلہ جس نے تین صوبوں میں کالا باغ ڈیم بننے کے حکم کو پاکستان توڑنے کے مترادف قرار دیا۔ صرف عدلیہ ہی ایک ایسا کردار رہ گیا ہے جس پر سب خاموش ہیں۔ عدلیہ کے سامنے حکومت بھی جھکی اوراسٹیبلشمنٹ بھی، وزیراعظم بھی گھر گیا تو بڑے بڑے نام والے بھی سر جھکا کر معافی کے خواستگار ہوئے۔ بڑی بڑی سیاسی جماعتیں صوبوں تک، صوبائی جماعتیں شہروں تک محدود ہو چکی ہیں۔ قومی یکجہتی ختم، مشرقی، شمالی، مغربی کوئی سرحد محفوظ نہیں، انارکی، انتشار، لسانیت، فرقہ واریت، دہشت گردی، معاشی بدحالی اور بدامنی صوبائیت عروج پر اور دو "غیر سیاسی قوتوں" کو اسٹیک ہولڈر بنانے ہی اصل میں طاہری ایجنڈا ہے۔ لاہور جانے کے بجائے اسلام آباد آنے پھر وہاں سے لاہور جانی کی ضد سے، اس ایجنڈے کی تکمیل کیلئے کون سی قوت سرگرم ہے اس کا تعین مشکل ہے۔ مرضی سے مانو یا زبردستی سے، امن سے یا جنگ سے۔ پاکستان میں چار اطراف ایسا ماحول ترتیب دیا جا چکا ہے کہ چاروناچار پاکستان کی بقا و سلامتی کیلئے تلخ فیصلے بھی تسلیم کرنا ہونگے اور اگر تسلیم نہ کئے گئے تو کرا دیئے جائیں گے۔ اس موقع پر جمہوریت کے لئے قربانی دینے والی جماعتوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ ایک

بار پھر اپنی سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کرکے طاہری ایجنڈے کو ناکام بنادیں۔

امریکی "پروموٹ" پروگرام کے مقاصد

امریکی ادارہ برائے ترقی (یو ایس ایڈ) کے سربراہ کی جانب سے اعلان کیا گیا ہے کہ افغان خواتین کیلئے "پروموٹ" کے عنوان سے اس پروگرام کے تحت 18 سے 30 سال کی خواتین کو روزگار تلاش کرنے کی مہارت، خواتین کو چھوٹے قرضے کی فراہمی سے کاروبار کرنے میں مدد اور پالیسی سازی میں کردار ادا کرنے کرنے میں دلچسپی فراہم کرنے والی خواتین کو فنڈز دیئے جائیں گے۔ ان کے کہنے کے مطابق آسٹریلیا، برطانیہ، جاپان، اور یورپی یونین نے اس پروگرام کیلئے رقم فراہم کرنے میں تعاون کی یقین دہانی کرائی ہے۔ اس پروگرام کی مالیت اکتالیس کروڑ ساٹھ لاکھ ڈالرز ہو سکتی ہے۔۔ ان کا یہ عمل افغانستان سے انخلاء کے تناظر میں خواتین کیساتھ غیر مساوی سلوک رکھنے جانے کی خدشات کے پیش نظر کیا جارہا ہے۔ حالاں کہ امریکہ اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ پختون معاشرے میں خواتین کیساتھ روزگار کیلئے امریکیوں سے فنڈز حاصل کرنے کے بعد کیا صورتحال پیش آسکتی ہے۔ لیکن اس کے باجود افغانستان کو خانہ جنگی سمیت قدامت پسند اور خواتین کے حقوق کے مخالف پروپیگنڈے کو عمل جامہ پہنانے کے لئے یو ایس ایڈ پروگرام کے تحت باقاعدہ پلاننگ اور تشہیر شروع کردی گئی ہے۔

امریکہ کو اپنی واپسی کیلئے افغان فوج پر تکیہ کرنے کے سبب، سب سے بڑی پریشانی افغانیوں اور امریکی مخالف گروپ کا باہمی طور پر ایک دوسرے سے واقفیت و تمدن و ثقافت ہے۔ جس بناء پر وہ افغان فوجیوں پر بھی اعتماد کرنے سے تامل برت رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کو اپنا سات ارب ڈالر مالیت کا وہ عسکری سامان تلف کرنا پڑیگا جو وہ پاکستان اور افغانستان میں کسی کو بھی نہیں دینا چاہتا۔ اندازے کے مطابق امریکی فوجی ستر ہزار ٹن مجموعی وزن کے حامل ساز و سامان کو سکریپ میں بدل گے۔ جس میں سات ارب ڈالر کی خطیر مالیت کے سامان کو تلف کردیا جائیگا جن میں بارودی سرنگوں کے خطرے سے محفوظ تقریبا دو ہزار مشینوں کے علاوہ تعداد لاکھوں میں ہوگی۔ اس لئے ان کی جانب سے "پروموٹ" نامی پروگرام پر یہ خام خیالی ہے کہ اس طرح وہ افغانیوں کی دل جیت پائیں گے تو یقینی طور پر امریکہ احمقوں کی جنت میں رہتا ہے۔ کیونکہ جب وہ افغانیوں کو دفاع کیلئے ساز و سامان نہیں دے رہا اور اس کو اسکریپ میں تبدیل کر رہا ہے تو امریکہ کے دل جیتنے کی تمام ای کوششیں بھی لاحاصل ہونگی کہ فوجی انخلا سے بیشتر پورے ملک میں ایسے مذہبی و تمدنی امور سے متعلق افسر مقرر کئے جائیں جو امریکیوں اور ان کے بعد افغان فوجیوں کے راہ میں رائے ہموار کریں۔ کیونکہ ان کے خیال میں فوجی انخلا کے بعد سب سے بڑا چیلنج مقامی لیڈروں کا اعتماد حاصل کرنا ہے۔ جس میں امریکہ،، برطانیہ اور نیٹو ممالک ناکام نظر آتے

ہیں۔

امریکہ اپنے تئیں ایسی پلاننگ اپناتا ہے جس میں اس کی دانست کے مطابق ایسے سو فیصد کامیابی مل سکتی ہے گو کہ وقتی طور پر جبر کے ذریعے وہ قابض تو ہو جاتا ہے لیکن کسی کے دل پر راج کرنا ان کیلئے ممکن نہیں ہے۔بین الاقوامی تنظیم فرینڈز کمیٹی آف نیشنل لیجسلیشن کے مائیک شینک کہتے ہیں کہ" ایسا کرنا ماحولیات کے نقصان دہ اور خوفناک ہے۔اور اس ملک کیلئے بُرا، جہاں یہ کیا جائیگا۔لیکن ایسا کرنا اسلحہ سازوں کیلئے سود مند ہوگا کیونکہ انھیں مستقبل میں نئی فرمائیشیں مل جائیں گی۔لیکن یہ امریکہ کے ٹیکس دہندگان کے سات ارب ڈالر کا نقصان ہوگا۔"اور یہ سب امریکہ کیخلاف اٹھنے والی تحریک مدارس کے طلبا سے ہوا۔ جنھیں طالبان کا نام دیا گیا۔ کیونکہ اسلحہ تلف کرنے کا معاملہ عراق اور کویت جنگ میں نہیں ہوا تھا یہ صرف افغانستان میں ہو رہا ہے کیونکہ امریکہ جانتا ہے کہ افغانستان میں علمی و مذہبی لحاظ سے جڑیں انتہائی مضبوط ہیں۔

پاکستان میں مدارس میں ڈرون حملے کرنے سے وہ اپنے خلاف جہاں پاکستان میں نفرتیں پیدا کر رہا ہے تو دوسری جانب ایسے نہیں بھولنا چاہیے کہ جب اس نے ویتنام پر حملہ کیا تو اس قوم نے تعلیم کو اپنا سب سے بڑا ہتھیار بنایا۔ شمالی ویت نام یں تعلیم اور جنگ ساتھ ساتھ چل رہے تھے، انھیں شروع شروع

میں بڑی دقت ہوئی ، کبھی گولہ باری سے تعلیمی سلسلہ منقطع ہو جاتا لہٰذا ویت نام کے وزارت تعلیم نے فیصلہ کیا کہ جو کچھ بھی ہو تعلیم اور جنگ دونوں جاری رہیں گی۔

امریکی بم باری کے سبب درسگاہیں ، دیہاتی علاقوں اور مضافات میں منتقل کر دی گئیں۔دیہاتی آبادی شہروں میں چلی جاتی اور اسکول تک پہنچنے کیلئے سرنگیں بنا دی گئیں تھیں۔طالب علم گھر سے زیر زمیں راستوں کے ذریعے اسکول پہنچتا ان خندقوں کی چھتیں گھاس کے تنکوں کی بنائی جاتی تھیں بموں کی کرچیاں ان تنکوں میں پھنس جاتی تھی اس طرح جنگ بھی ہو رہی تھی اور تعلیم بھی۔

اتنے برس امریکی جارحیت اور جنگی جاری کے باوجود تعلیمی شرح میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ شمالی ویتنام کے وزرات تعلیم نے اس وقت کے پاکستان کے وزیر تعلیم عبدالحفیظ پیرزادہ کو جو یادگاری تحفہ دیا تھا وہ شمالی ویت نام والوں کی بہادری کو ظاہر کرتا ہے۔ایک تباہ شدہ جہاز کے پچھلے حصے کا ماڈل بنایا گیا اور ایک بیل کو ایسے کھینچتے ہوئے ظاہر کیا گیا اس طرح علامتی طور پر یہ بتایا گیا کہ ایک کمزور جانور ایک طاقتور مشین کو کھینچے لئے جا رہا ہے۔ یعنی شمالی ویت نام کے غریب اور کم ترقی یافتہ لوگ امریکہ جیسی بڑی قوت وطاقت کو لگام دے چکے ہیں۔تو اس بات کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ ویتنام جیسی قوم نے جنگ کے باوجود تعلیم جاری رکھی، تو کیا جن کی رگ رگ میں اسلامی

تعلیمات و جہاد موجود ہے انھیں "پروموٹ" جیسے پروگراموں سے ختم کیا جاسکتا ہے۔ تعلیم کو جتنا نقصان امریکہ ،برطانیہ اور نیٹو افواج نے افغانستان میں پہنچایا اس سے کئی زیادہ بڑی بڑی بلڈنگوں والوں نے نہیں دیا بلکہ اب کچے مدارس میں جدید علوم کیساتھ ایک ایسے طالبان کی فوج تیار ہوچکی ہے جو افغانستان سے لیکر پاکستان تک امریکہ کو انخلا میں اسی طرح ناکوں چنوں چبادی گی۔

نیٹو اب بھی افغانستان کے مخصوص علاقوں کے علاوہ آزادی سا تھ کہیں نہیں جا سکتے ، خودکشیوں کے بے تحاشا واقعات نے امریکی فوجیوں کو نفسیاتیمریض بنادیا ہے۔

افغانستان اور پاکستان کے مسلمان جانتے ہیں کہ برطانیہ دوغلے پن کا مظاہرہ کرتے ہیں ۔اسی طرح یورپ بھی ان کے نقش قدم پر ہے۔فرانس کے وزیر داخلہ نے 2012ء میں فرانس کے شہر سٹراس بگ میں ایک مسجد کے افتتاح کے موقع پر متعصبانہ بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ نہیں چاہتے "کہ اسلام زیر زمین پھیلنے والے مذہب بن جائے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ فرانس یورپ میں سب سے زیادہ مسلمانوں کا ملک ہے جہاں" پچاس لاکھ سے زیادہ مسلمان آباد ہیں۔ فرانس کیلئے یہ بہت پریشان کن بات ہے کہ اسلام تیزی کے ساتھ یورپ میں پھیل رہا ہے اور ان کے منفی پروپیگنڈے ناکام ہورہے ہیں ۔۔برطانیہ اور امریکہ کے مکروہ چہرے یورپ کے پڑھے لکھے عوام کے سامنے آچکے ہیں۔اس کے علاوہ مسلم ممالک بھی

سمجھ چکے ہیں ہمیں ان کی طلسمی شکنجے سے باہر نکلنا ہے لیکن بد قسمتی سے مسلمانوں کے درمیان مسلکی اور فقہی اختلافات کا بھرپور فائدہ اٹھانے میں یورپ ماہر ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب امریکہ میں بننے والی گستاخانہ فلم نے مسلمانوں کے جذبات مشتعل کردیئے تھے تو انھیں اسے فرو کرنے کیلئے ایسے ہتھکنڈے استعمال کرنے پڑے جس کے بعد میڈیا میں اس گستاخانہ فلم کی گونج کم ہو گئی ۔ امریکہ اور افغانستان میں قرآن کریم کی بے حرمتی اور ناروے میں گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کے بعد اب شام میں مذہبی مقامات پر متحارب گروپوں سے حملوں کا مقصد مسلم امہ میں ایک ایسی انارکی پیدا کرنا ہے کہ جس میں فرقوں کے نام پر بٹے مسلمان آپس میں لڑنے مرنے پر تیار ہو جائیں اور امریکہ اس کوشش میں کامیاب نظر آتا ہے ورنہ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ فوجی آمریت کے خلاف نام نہاد جمہوری حکومتیں پابندیاں عائد نہ کریں ۔ یقینی طور پر امریکہ اور اس کے اتحاد افغانستان کی زبوں حالی کا فائدہ اٹھانے کی کوشش میں اب افغانستان میں ایسا ماحول پیدا کرنا چاہتے ہیں جو پختون رواج کے برخلاف ہو ۔ یقینی طور پر اس پر جہاں چہ میگوئیاں ہونگی وہاں پختون اپنی روایات کی بناء پر مشتعل بھی ہو سکتا ہے اور اور امریکہ کو مزید رکنے کے لئے بہانہ مل سکتا ہے کہ افغانستان اب بھی محفوظ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ امریکہ کی جانب سے اپنی

فوج اور اسلحے کے انتقال کا مکمل ٹام فریم نہیں دیا تھا کبھی وہ اسلحہ تلف کرنے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے تو کبھی اسے دیگر افغانستان کے ساتھ جڑے اور مخالف ممالک کو دینے کیلئے پلاننگ بناتا ہے۔ پاکستان جس نے لاتعداد جانی و مالی قربانیاں دیں اس پر ایسے یقین نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ افغانستان کے طالبان ، پاکستانی کی سمندری حدود تک ایسی پلاننگ بنا چکے ہیں کہ جہاں امریکہ کو زیادہ سے زیادہ نقصان ملے۔ کوئٹہ ، پشاور کا آخری پڑاؤ اب بین الاقوامی اسٹیبلشمنٹ کیلئے درد سر بنا ہوا ہے اور یہی اہم میدان جنگ ہے۔ کراچی نیٹو افواج کے ساز وسامان کی ترسیل کے حوالے سے شدید درد سر بنا ہوا ہے۔ دیکھنا تو یہ ہے کراچی کی سرحدوں پر بیٹھنے والے حکومتی طالبان ہیں یا انکا اپنا کوئی افغانستان سے دیا گیا ایجنڈا ہے جس میں امریکہ کی جانب سے آخری لمحوں تک یہ خطرہ موجود رہے گا کہ کراچی کے مقبوضہ علاقوں میں امریکہ اپنے مفادات کے لئے ڈرون حملے کرنے،افغانستان کی جانب سے پاکستان پر حملے سمیت کچھ بھی کرسکتا ہے کیونکہ جنگ میں سب جائز ہے۔

مسلم دنیا پر قبضے کا نقشہ

مغرب ، صیہونی طاقتوں اور ان سے وابستہ مفاد پرست گروپوں نے دنیائے اسلام میں تفرقہ ڈالنے اور اسے بحران میں مبتلا کرنے کیلئے گھناؤنی سازشوں کا جال بُنا ہوا ہے۔ صیہونی طاقتیں مشرق وسطی سمیت پوری دنیا کے مسلم ممالک کا نقشہ اپنے مفادات کیلئے اپنے طور مرتب کرکے ایسے دنیا بھر کے مسلمانوں پر عائد کرنا چاہتیں ہیں۔ صیہونی طاقتیں یہ بھی اچھی طرح جانتی ہیں کہ جب تک امت واحدہ کے تصور کو ختم نہیں کیا جائے گا، اس وقت تک ان کے مقاصد پورے نہیں ہو سکتے یہی وجہ ہے اسلام کے نام پر فقہی ، گروہی اور فرقہ وارانہ چپقلشوں اور اختلافات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے صیہونی طاقتیں اپنا من پسند کھیل ، کھیل رہی ہیں ۔اس سازش کی ابتدا برطانیہ اور فرانس نے اس وقت کی تھی جب 1916ء میں فرینکوئس جارجیس پکٹ اور مارک سائکس نے سلطنت عثمانیہ کی تقسیم کے ایک معاہدہ پر دستخط کئے تھے اور موجودہ مشرق وسطی کا نقشہ کھنچا تھا اس معاہدہ کے تحت سرزمیں عرب و اسلام کے قلب میں یہودیوں کو لاکر آباد کرنا مقصود تھا، یورپی ممالک اور اسرائیل آج بھی اپنے منصوبوں پر کامیابی سے عمل پیرا ہیں کیونکہ ان کی نظر میں مشرق وسطی کی جو سرحدیں یورپ سے متصل ہیں ، وہ کافی نہیں ہیں۔

2006ء میں امریکی فوج کے لیفٹیننٹ کرنل (ر) رالف پیٹرس نے اپنی بد نام زمانہ
کتاب "بلڈ باڈرس" (خونی
سرحدیں) میں مشرق وسطی کا از سر نو نقشہ بنانے کے صیہونی دلائل پیش کئے تھے تاکہ یہاں مغربی طاقتوں کو پانے مقاصد پانے میں کوئی پریشانی نہ ہو۔ پیٹرس نے لکھا تھا کہ غیر فعال سرحدوں کی وجہ سے مشرق وسطی کیلئے جو مسائل پیدا ہو رہے ہیں، ان سے " بھی بڑے مسائل کا تعلق اس خطے پر طاری ہونے والی تہذیبی جمود اور یہاں سر ابھارنے والی مذہبی شدت پسندی سے ہے۔ اس خطے کی ناکامی کی وجہ صرف اسلام نہیں ہے (نعوذباللہ) بلکہ وہ بین الاقوامی سرحدیں ہیں، ہمارے سفارتکار جن کا حد درجے احترام کرتے ہیں۔" یہ مسلم دنیا پر قبضہ کا بلیو پرنٹ ہے اور اس کے نشانے پر عرب جزیرہ نما سے لیکر ایران، عراق، شام، ترکی، افغانستان اور پاکستان سے لیکر مشرقی ایشا کے سبھی مسلم ممالک شامل ہیں۔ جبکہ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرنے والے ٹونی بلیئر کا کہنا ہے کہ " عراق میں حالیہ شورش کا الزام 2003ء میں عراق پر اتحادی فوجوں کی چڑھائی پر نہیں لگایا جاسکتا، اگر اس وقت صدام حسین کا تختہ نہ بھی الٹا جاتا تب بھی عراق کو آج بڑے مسئلے کا سامنا ہوتا۔ " جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ امریکہ اور اس کے حواریوں نے عراق اور افغانستان میں فوج کشی کرکے وہاں عدم استحکام کی جو بنیاد رکھی ہے اس کا مداوا کسی کے پاس نہیں ہے۔ جب بھی عراق کی تباہی کی تاریخ رقم کی جائے تو سب سے پہلے امریکہ اور اس کے

اتحادیوں کا نام لکھا جائے گا۔ گو کہ عراق کو اس صورتحال سے دوچار کرنے میں صدام حسین کی پالیسوں کا بھی ہاتھ ہے کہ دس سال ایران سے امریکہ کی ایما پر لاحاصل، بے مقصد اور فضول جنگ لڑی، اس دوران دونوں اطراف کے دس لاکھ فوجی ہلاک ہوئے۔ امریکہ کی ایما پر کویت پر لشکر کشی کرڈالی ار مشرق وسطی کو نئے بحران سے دوچار کرکے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو عراق میں قدم رکھنے کا جواز فراہم کردیا۔

دولت اسلامیہ فی العراق والشام (آئی ایس آئی ایس) یا داعش کا وجود، راصل کٹھ پتلی وزیر اعظم نوری المالکی کی فرقہ وارانہ پالیسوں کی پیداوار ہے اس عسکریت پسند گروہ نے اپنے سرگرمیاں عراق اور شام میں جاری رکھی ہوئی ہیں اور مبصرین درست سوچنے میں حق بجانب ہیں کہ داعش القائدہ کو پیچھے چھوڑ کر دنیا کا سب سے خطرناک گروپ بنتا جارہا ہے۔ عراق کو آمریت کے چنگل سے نکال کر کیمیائی ہتھیاروں کے خاتمے کے دعوے داروں نے بظاہر عراقی عوام کو صدام حسین سے نجات دلانے کیلئے عراق پر لشکر کشی کی تو اُن کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ اس جنگ جوئی میں کم و بیش پندرہ لاکھ انسانوں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ عراق کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی، جنگ کا تمام تعاون عراق سے وصول کرنے کیلئے سو سال معاہدے بنائے گئے، تیل کے ذخائر کو اپنے تصرف میں لانے کیلئے ارزاں ترین نرخوں پر عراق کے تیل کے وسائل پر قبضہ

کرلیا گیا، جنگ خود مسلط کی اور تمام تر خراج عراق کی عوام سے وصول کیا جا رہا ہے، کویت کو ہرجانے کے طور اربوں ڈالرز مالیت کے تیل کے ذخائر کی آمدنی وقف کردی کردی گئی۔ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے بعد امریکہ مالیاتی دیوالیہ ہونے سے بچ گیا اور اس نے نمائشی بنیادوں پر 2011ء میں لاکھوں انسانوں کی لاشوں پر کٹھ پتلی جمہوریت کا کتبہ رکھ دیا کہ یہاں جمہوریت کیلئے بے دریغ ہلاک کئے جانے والوں کی لاشیں ہیں۔ایک کٹھ پتلی وزیراعظم نوری المالکی کو ایک تربیت یافتہ فوج فراہم کرتے وقت یہ خوش فہمی تھی کہ ان کے اقتدار کو قائم و دائم رکھنے کا واحد وسیلہ ثابت ہوگی لیکن نوری کی فرقہ وارانہ پالیسیوں کی بنا پر گزشتہ چند دنوں کے دوران عراق میں داعش جنگجوؤں نے ایسی کاروائیاں سرانجام دیں کہ نوری المالکی کی فوج ریت کی دیوار ثابت ہوئی اور ایک جھٹکے میں نوری المالکی کے پیروں سے زمیں نکل گئی اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ ""القاعدہ اور داعش کی افرادی قوت سرکاری فوج اور پولیس کے مقابلے میں انتہائی کم تھی لیکن پھر کیا ہوا اور کیوں کر ہوا، فوجی یونٹ آنا فانا ہتھیار کیوں ڈالتے چلے گئے۔" عراقی فوج کے ترجمان لیفٹیننٹ جنرل قاسم عطاء کا کہنا ہے کہ القائم، راد اور عناہ سے عراقی فوج کی پسپائی حکمت عملی کے تحت کی گئی۔

عراقی عسکریت پسندوں نے 1932ء کی نوآبادتی طاقتوں کی طرف سے شام اور عراق

کے درمیان کھینچی گئی سرحدی لکیر ختم کرکے القاعدہ کے متحارب گروپ کے پانچ جنگجوؤں نے عراق اور شام کو ایک مملکت بنانے کا دعوے اور اگلی ہدف اردن اور لبنان کو قرار دیا ہے۔ جبکہ ان کے مقابلے پر مقتدی الصدر کی اپیل پر شیعہ ملیشا گروپ "مہدی آرمی" قائم کردی گئی ہے۔ بصرہ اور العمارہ میں انھوں نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا۔ ایران کے سپریم لیڈر آیت اللہ خامنہ ای نے عراق میں امریکی مداخلت کرتے ہوئے کہا ہے" واشنگٹن عراق پر اپنا تسلط چاہتا ہے اس لئے امریکہ کے بجائے عراقی عوام خود تشدد کا خاتمہ کردیں گے"۔ جبکہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے کہا ہے کہ عراق میں متحدہ حکومت سازی سے قبل باغیوں کے خلاف امریکی فضائی کاروائی بے سود رہے گی"۔ مقتدی الصدر کے حامی شیعہ عالم ناصر السعیدی نے امریکی فوجی ایڈوئزرز کو دھمکی دی ہے کہ "اگر امریکی فورسز نے عراق میں قدم رکھا تو اس کا انجام ٹھیک نہیں ہوگا"۔ جبکہ عراق کے شیعہ عالم آیت اللہ علی سیستانی نے نورالمالکی پر زور دیا ہے کہ" وہ ملک میں قومی حکومت تشکیل دیں"۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ نوری المالکی کے پاس امریکی ساخت کے اپاچی ہیلی کاپٹر، گن شپ، ایف سولہ لڑاکا طیارے اور جدید ترین ٹینکوں اور اسلحہ کی بھرمار ہیں لیکن اس کے باوجود اس نے امریکہ سے مدد کی درخواست کی جسے امریکہ نے فوری طور پر رد کردیا اور اپنے سفارتخانے کی حفاظت کے لئے تین سو

فوجی بھیج دیئے۔امریکی حکام نے عراقی فوج کی تعمیر نو پر سولہ ارب ڈالر خرچ کئے تھے لیکن اس کے باوجود امریکہ کی تمام منصوبہ بندیوں کو بظاہر ناکامی کا سامنا ہے مجموعی طور پر اس وقت خانہ جنگی کی بدترین صورتحال ہے، جس کی تمام تر ذمے داری امریکہ اور اس کے اتحادیوں پر عائد ہوتی ہے۔دراصل یہ امریکہ کا مسلم دنیا پر قبضہ کا بلیو پرنٹ ہے. سنی شیعہ ایک دوسرے خلاف صف آرا ہوئے ہیں، عالم اسلام کو مسلک اور عقیدے کی بنیاد پر تقسیم کرنے کا اس سے بہتر منصوبہ اور کیا ہوسکتا ہے جو اس وقت عراق، شام میں ہورہاہے۔اتحاد بین المسلمین کیلئے دونوں طرف کے سیاسی قائدین، حکومتیں، مذہبی علماء اور سماجی ادارے اس تفریق کو جڑ سے اکھاڑنے کیلئے سر جوڑ کر نہیں بیٹھیں گے اس کا سلسلہ چلتا رہے گا اور یہ بہت بڑی مصیبت صرف عراق تک محدود نہیں رہے گی اور کوئی بھی ایسا مسلم ملک اس سے محفوظ نہیں رہ سکے گا لیکن جب بھی صیہونی طاقتیں پوری دنیا کے مسلم ممالک کا نقشہ اپنے مفادات کیلئے تبدیل کرنے کی کوشش کرتیں ہیں تو تمام اختلافات پس پشت ڈال کر باہمی اتفاق واتحاد سے اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ صلیبی جنگوں کی شکست کا داغ ابھی تک ان کے دلوں سے نہیں جارہا اور مسلم دنیا پر قبضہ کرنے کیلئے مصروف ہیں۔

شدت اختیار کرتا سیاسی بحران

عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری نے سانحہ ماڈل ٹاؤن پر تمام سیاسی جماعتوں کو اے پی سی میں شرکت کی دعوت دی تھی تاہم پیپلز پارٹی اور عوامی نیشنل پارٹی نے شرکت سے معذرت کر لی جبکہ قادری صاحب کے گھر میں دنیا کے سامنے میڈیا کے توسط سے بدترین بے عزتی کے باوجود مسلم لیگ (ق) کے رہنما چوہدری برادران ، ڈاکٹر طاہر القادری کی بلائی گئی اے پی سی میں یقینی شرکت پر کمر کس لی جبکہ توقع کے مطابق متحدہ قومی موومنٹ نے شرکت پر آمادہ ہوئی تو بالآخر تحریک انصاف نے بھی انقلاب ٹرین میں سیٹ ریزرو کرانے کیلئے رضامندی ظاہر کردی۔ بظاہر اے پی سی کا واحد ایجنڈا ڈاکٹر طاہر القادری کی رہائش گاہ کے باہر تجاوزات ہٹانے کی غرض سے پولیس اور تحریک منہاج القرآن کے درمیان جھڑپوں میں 12 افراد کی ہلاکت اور 80 سے زائد افراد کے زخمی ہونے کا تھا لیکن پس پردہ جمہوریت کی ٹرین کو پٹری سے اتار کر رائے ونڈ سے ماڈل ٹاؤن لانے کا منصوبہ ہے۔

اس موقع پر قابل تحسین پی پی پی (پاکستان پیپلز پارٹی) اور اے این پی (عوامی نیشنل پارٹی) کا جمہوری فیصلہ ہے کہ انھوں نے طاہری اے پی سی میں شرکت سے

انکار کرکے صائب فیصلہ کیا اور طاہری ایجنڈے سے گریز کی راہ اختیار کی۔طاہر القادری کی جنونی کیفیت کی بناء پر عوام میں سخت بے یقینی پائی جاتی ہے کیونکہ پاکستان میں ایک طرف شدت پسندی بڑھتی جارہی ہے جس کے خلاف پاک افواج حالت جنگ میں تو دوسری جانب روز بہ روز سیاسی بحران بھی شدت اختیار کرتا جارہا ہے اور لاکھوں آئی پی ڈیز کی بحالی سنگین انسانی مسئلہ بنتا جارہا ہے۔اس سے تمام سیاسی حلقوں اور عوام میں بے چینی پیدا ہوچکی ہے کہ جمہوریت کی گاڑی میں سوار ہونے والوں کو کسی نہ کسی صورت روکنے کی کوشش کی جارہی ہے اور پرواز میں سوار ہونے والے ایسے مسافر بورڈنگ ٹکٹ حاصل کرنا چاہتے ہیں ،جو قومی دولت لوٹنے اور اربوں روپے قرضے معاف کرانے سمیت متنازعہ ملکی معاملات میں ملکی ساکھ کو متاثر کرچکے ہیں۔اب جیسے جیسے طاہری جوش خروش کے بیانات آرہے ہیں تو مسترد لیڈراَن کی توجہ خصوصی طور پر ایسی پروازوں پر مرکوز ہوچکیں ہیں جو انھیں ہر صورت اسمبلیوں اور پھر ایوان اقتدار تک پہنچاسکے۔

عوام اپنی حالت تبدیل کرنے کیلئے کچھ کر سکی گی یا نہیں اس بارے میں تو کوئی بات وثوق سے نہیں کی جاسکتی کیونکہ جس طرح سیاسی جماعتوں میں کھمبوں پر چڑھنے اور مسلسل جمہوریت کے خلاف احتجاج کے واقعات منظر عام پر آرہے ہیں، جو ایسی سیاسی جماعتوں کے منشور پر سوالیہ نشان ہیں۔ بظاہر عدم برداشت کی ان نام نہاد سیاسی جماعتوں کو اپنے مطالبات منوانے کا اس سے سنہرا موقع

نہ جانے پانچ سال بعد ملے گا یا نہیں ملے گا۔ لیکن چند ہفتوں میں ایسے دودھ کے دُھلے سیاسی جماعتیں عوام کے سامنے ضرور موجود ہیں، جو جاگیرادری، وڈیرانہ نظام، سرمایہ داری اور خوانین کے زعم میں اپنے "غلاموں" سے خود کو منتخب کرانے کی کوشش میں کامیاب ہوتے رہے ہیں اگر عوام کو صحیح معنوں ایسے لوگوں کو سیاسی کلچر کے منظر نامے اور اپنی تقدیر کے فیصلے سے دور کرنا مقصود ہے تو پھر انھیں ہر صورت مسترد کرنا ہوگا ۔یقینی طور پر سب فرشتے نہیں ہونگے، لیکن سب شیطان بھی نہیں ہونگے۔ اسلاف پرستی اور شخصیت کے سحر کو توڑ کر ایسی شخصیت پر اعتماد کرنا ہوگا، جس کا ووٹ آپ کے حلقے میں ہو، گذشتہ دور حکومت میں آپ کے مصائب و تکالیف کو دیکھنے اور پوچھنے کیلئے، آپ کے پاس اسی طرح آیا ہو جس طرح بھکاریوں کی طرح ہمیشہ ووٹ مانگنے کے بعد غائب ہوجاتے ہیں۔ عوام کوان لوگوں پر اعتماد کرنا ہوگا جن سے ملنے جب آپ ان کی دفتر، حجرے، ڈیرے پہنچتے تھے تو انھوں نے آپ کو دھتکارا نہ ہو، گھنٹوں انتظار نہ کرایا ہو۔یقینی طور پر ہم سب کو یہ سمجھ لینا چاہیے، کہ حکومتی معاملات ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں دینے کا حق ہم خود مہیا کرتے ہیں، ایسے احسان فراموشوں کی پشت پناہی کرکے ہم اپنے پیروں پر کلہاڑی خود مارتے ہیں۔دہشت گردی کے خلاف جنگ میں فوج کی سرگرمیوں کو مناسب قرار دیا جاسکتا ہے لیکن ملکی معاملات میں قوت فیصلہ کی حامل شخصیات کا انتخاب ہمارے ہاتھ میں ہے۔روز بہ روز بڑھتی دہشت گردی، معاشی اور سیاسی بحرانی کیفیت کے ذمے

دار ہم خود ہیں۔ کیونکہ ہم اپنی ذمے داری انفرادی حیثیت میں بھی پورا نہیں کرتے۔
اس حقیقت کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ ملکی حالات کو اس نہج تک پہنچانے کی کچھ نہ کچھ ذمے داری سیاسی قوتوں، سیاسی افراد، غیر جمہوری اداروں اور عوام پر مشترکہ عائد ہوتی ہے۔ سیاسی وابستگیوں اور من پسند جماعتوں کی مخالفت میں اس قدر حد سے گذرا جاتا ہے کہ نہ صرف اپنا مستقبل داؤ پر لگا دیتے ہیں بلکہ ملک کو بھی آمریت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹکا دیا جاتا ہے۔ بڑی سیاسی جماعتیں ملکی میں جاری عوامی مسائل پر سالوں سال خاموش رہتی ہیں لیکن جب الیکشن قریب آ جاتے ہیں تو اقتدار کیلئے سیٹ ایڈجسٹمنٹ کے نام پر ان کے مفادات یکجا ہو جاتے ہیں، ایک دوسرے کو معاف کرتے ہوئے، ایک دوسرے کے سر پر ٹوپی رکھ کر، گلے شکوے دور کر لیتے ہیں لیکن غریب عوام کا پرسان حال کوئی نہیں ہوتا۔ جب ان کی مرضی ہوتی ہے ملک کو دہشت گردی، اور معاشی بحالی کے دلدل میں چھوڑ کر خود ساختہ جلا وطنی اختیار کر لیتے ہیں تو جب ان کی مرضی ہوتی ہے، ایئر پورٹ پر ڈھول تماشوں کے ساتھ اپنا استقبال کرانے کیلئے تماش بین اکھٹا کر لیتے ہیں۔ اب جبکہ کسی نہ کسی صورت ملک میں اقتدار جمہوری طریقے سے انتقال اقتدار ممکن ہوا تھا تو پانچ سال عدم برداشت کی سیاست کیوں نہیں اپنائی جا رہی۔ ہمیں یہ سوچ لینا چاہیے

کہ عالمی برادری ہماری جمہوریت کش روش پر ہماری کوئی مدد نہیں کرے گی۔ ملک کو داخلی طور پر انتشار و سیاسی بحران سے نکالنے کیلئے ہمیں از خود کردار ادا کرنا ہوگا۔ ہمیں ایسے لوگوں کو یکسر مسترد کرکے حکومت کو عدم استحکام کی جانب کرنے کی تمام سازشوں کو مسترد کرنا ہوگا۔ روایتی سیاست کو خیر باد کہنا ہوگا کیونکہ اس سے ملک کبھی پروان نہیں چڑھ سکتا۔ مملکت جس طرح معاشی اور بے امنی کا شکار ہے اس کی ہلکی جھلک عدم برداشت کی حامل سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کے رویوں میں دیکھ رہے ہیں۔ عوام آخر کب تک اپنی جانوں کی قربانی اُن لوگوں کیلئے دیتے رہیں گے، جن کے نزدیک عوام کے مسائل کا حل نہیں بلکہ ان کے "اپنے مسائل اور ان کا حل" ہے۔

پشاور، کوئٹہ، کراچی سے لیکر ملک کے کونے کونے میں، انتہا پسندی کی آگ بھڑک رہی ہے جس پر موروثی سیاست کرنے والے سیاسی خاندان پٹرول ڈال کر، اپنے لئے مفادات حاصل کرتے ہیں۔ موجودہ بحران، سیاسی ہو عدالتی ہو یا پھر شدت پسندی کا، شدت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ ہمیں اس شدت کو کم کرنے کیلئے از خود ایک ایسا لائحہ عمل بنانا ہوگا کہ حکومت میں غریب ووٹر کے قریب المرگ وجود پر پیر رکھ کر ایئر کنڈیشن ایوانوں میں جا کر عوام کو بھول جانے والوں کا احتساب کرنے میں دشواری نہ ہو۔ یقینی طور پر عوامی رٹ کو چیلنج کرنے والے، نہتے عوام سے زیادہ مضبوط ہونگے، لیکن عوام اتنے کمزور بھی نہیں ہیں۔ ان

کا اصل امتحان شروع ہو چکا ہے۔اب دیکھنا تو یہ ہے کہ پاکستانی قوم بھی کہیں روایتی ، موروثی سیاست دانوں کی طرح بے حس و بے ضمیر ہے یا پھر واقعی شدت اختیار کرتے ہوئے اس بحران کو ختم کرنے کیلئے اپنے ضمیر کا درست استعمال کریں گے ؟۔

ڈاکٹر طاہر القادری کی اے پی سی صرف ایک پھٹا ڈھول ہے ، جو شخص اپنے گھر آئے مہمانوں کی عزت کا پاس نہیں رکھ سکتا وہ کل کچھ بھی کر سکتا ہے ۔چوہدری برادران و دیگر چند سیاست دانوں کی جس طرح طاہر القادری نے اپنے گھر میں جگ ہنسائی کرائی اس سے قبل انقلاب کے پہلے فیز میں بحریہ ٹاؤن کے ملک ریاض کے ساتھ بھی اپنے گھر میں بد ترین بد اخلاقی اور انسانیت سے گری ہوئی حرکت کر چکے ہیں ۔ کیا اے پی سی میں شرکت کرنے والی کوئی بھی سیاسی جماعت اس بات کی ضمانت دے سکتی ہے کہ طاہر القادری کا ایسا دشنام خیز رویہ ان کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ یقینی طور پر کوئی بھی سیاسی جماعت اس بات کی ضمانت نہیں دے گی بلکہ میرے نزدیک انھیں تو اس بات کا ڈر ہو گا کہ کہیں اے پی سی میں یا لائیو پریس بریفنگ میں اس بار اُن کا نمبر نہ آجائے ، اس لئے متلون و بد مزاج ، درشت خو راور عدم برداشت کی سیاست کرنے والے طاہر القادری سے کچھ بعید نہیں کہ ان کا پل میں تولہ ،پل میں ماشہ ، رویہ کیا رنگ لائے۔

امریکی "یو ایس ایڈ" پروگرام کے مقاصد

امریکی مالیاتی ادارے یو ایس ایڈ کے نام پر ذرائع ابلاغ کے ذریعے پروپیگنڈا مسلسل کیا جارہا ہے کہ امریکہ پاکستان میں اپنے امدادی پروگرام کے ذریعے پاکستان میں توانائی کے شعبے کے ساتھ ساتھ زراعت، تعلیم میں حصہ دار اور معاون ہے۔، جس سے دنیا میں ایک تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ امریکہ، پاکستان کی معاشی و تعلیمی بد حالی کو دور کرنے کیلئے شب و روز ڈالرز صرف کرنے میں مصروف ہے۔ جبکہ امریکی جنگ کی وجہ سے پاکستان کو کتنا نقصان پہنچا ہے اس سے دنیا کو بے خبر رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یو ایس ایڈ پروگرام کے حوالے سے سب سے بڑے اعتراضات میں ان پر واضح الزام عائد کیا جاتا ہے کہ امریکہ فرقہ وارانہ کشیدگیوں میں اضافے، جگہ جگہ بم دھماکے اور انفرادی و شخصی آزادی کے نام پر ہم جنس پرستی کے مراکز کے قیام و فروغ دے رہا ہے۔ ایرانی ابلاغ کی جانب سے گلگت بلتستان میں ہونے والی دہشت گردیوں اور علاقے کے بے انتہا قدرتی وسائل سے مالامال ہونے کے سبب الزامات عائد کئے جاتے ہیں کہ امریکہ اپنے عزائم کیلئے خطے میں انارکی کا سبب بن رہا ہے۔

یو ایس ایڈ پروگرام کا دائرہ کار صرف خیبر پختو خوا اور صرف چند مخصوص

علاقوں کی حد تک محدود رکھنے کے سبب عوام میں ان خدشات کو تقویت ملی کہ یو ایس ایڈ پروگرام سے محض پاکستانی ابلاغ کو اشتہارات کی مد میں فائدہ پہنچ رہا ہے جب کہ زمینی حقائق اس کے برخلاف ہیں کیونکہ یو ایس ایڈ کا فائدہ پاکستانی عوام کو براہ راست نہیں پہنچ رہا۔ اسکردو میں سدپارہ ڈیم سمیت زرعی، دام پروری اور دیہی ترقی کے شعبوں میں امریکی امداد کے حوالے سے آئے روز قومی و علاقائی ابلاغ میں یو ایس ایڈ کے اشتہارات دیئے جا رہے ہیں۔ جبکہ یو ایس ایڈ کا ایسی تنظیموں کا رابطہ کرنا مقصود ہے جو امریکی حکومت کیلئے پس پردہ رہ کر یا ان کی دی جانے والی ہدایات کی روشنی میں کام کر سکے اور امریکہ کی رسائی خطے کے تمام قریوں اور کوچوں تک باآسانی ہو سکے۔ اسی طریقہ کار کی بناء پر یو ایس ایڈ سنٹرل ایشاء کے بعض ملکوں میں اپنا اثر و نفوذ ترقی کے نام پر کر چکی ہے۔ خصوصا جمہوریہ آذربائیجان میں یو ایس ایڈ اور اس کی ذیلی تنظیمیں عرصہ دراز سے سرگرم ہیں اس کا شاخسانہ تھا کہ اٹھانوے فیصد مسلم اکثریتی ملک ہونے کے باوجود آذربائیجان کے دارالحکومت "باکو" میں کھلم کھلا سرکاری سرپرستی میں "گے پریڈ" (ہم جنس پرستی مارچ) جیسے شرمناک اجتماعات ہوئے جبکہ اس سے قبل بھی اسلام آباد کے سفارتخانے میں امریکی امدادی اداروں، سی آئی اے کے ملکی و غیر ملکی ایجنٹس نے ڈالروں کے سائے میں ہم جنس پرستوں کا اجتماع منعقد کر کے پاکستانی مسلمانوں کی مذہبی و ثقافتی غیرت کا پہلا امتحان لیا تھا۔ اب بھی ذرائع کے مطابق یو ایس ایڈ پروگرام کے تحت

بننے والی تنظیموں کو ملک کے بعض علاقوں میں مختلف پر کشش ناموں سے کلب قائم کرکے درپردہ ہم جنس پرستی کو فروغ دینے کی مذموم سازش جاری ہے۔ان مقاصد کا دراصل امریکی ایجنڈا ہے کہ اس طرح انھیں اپنے مفادات کیلئے کام کرنے والے با آسانی مل جاتے ہیں اور چند ڈالرز کے عوض ، جدید ترقی اور آزادی کے نام پر مملکت کی جڑیں کھوکھلا کرنے والے ، جو پہلے ہی معاشرے میں دینی احیا و اقدار کی رمق سے مایوس و بیزار بیٹھے ہیں انھیں استعمال کرکے مذموم مقاصد حاصل کئے جاتے ہیں۔۔"فیری میسن" اور مختلف فاونڈیشن کے علاوہ ان کی ذیلی تنظیمیں اپنے ڈویلپمنٹ نیٹ ورک کے ذریعے پہلے ہی خودڈالروں کی چمک دھمک کے آگے فروخت کرچکی ہیں۔ جبکہ تعلیم کے نام پر کچھ ایسے ادارے بھی امریکی کی پالیسیوں پر کام کر رہے ہیں جن کا مقصد نئی نسل کو جدید علوم کے نام پر اسلاف اور اکابرین اسلام کی جدوجہد سے نا واقف رکھا جائے۔

امریکہ کے بین لاقوامی ادارے یو ایس ایڈ ایسے افراد و ذیلی تنظیموں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس ادارے نے پشاور میں ہیلپ لائن کے اشتہار کیلئے بڑے بڑے بورڈز تو لگائے تھے جبکہ احتساب بیورو کی جانب سے بورڈ میں ہیلپ لائن کے بجائے "حرام خوری" جیسے بھاری بھر کم الفاظ کا ستعمال کیا گیا تھا۔ مریکی ادارہ برائے بین الاقوامی ترقی (یو ایس ایڈ) کے دعوے کے مطابق خواتین کیلئے امریکی مالی اعانت کے پروگرام انٹرپرینور

پراجیکٹ کے تحت 2014ء تک پاکستان بھر سے دستکاری کرنے والی 26000 خواتین کی صلاحتیں بہتر بنانے کا دعوی ابھی تک کہیں نظر نہیں آتا۔ جبکہ یو ایس ایڈ کے اپنے بیان کے مطابق اس منصوبے کا مقصد اُن خواتین کو آمدن کے وسائل بڑھانے کیلئے تربیت اور عالمی منڈیوں کے رجحانات کے بارے میں آگاہی فراہم کرنا ہے۔ بیان میں دعوی کیا گیا کہ ان خواتین کا مقامی مالیاتی اداروں سے رابطہ بھی کروایا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے کاروبار کو وسعت دینے کیلئے قرضے حاصل کر سکیں۔ اب اس منصوبے کو کہاں اور کس کے حوالے کیا گیا ہے اس سے عام پاکستانی نا واقف ہے لیکن کروڑوں روپوں کے اشتہاروں میں بتایا جاتا ہے کہ امریکہ پاکستان کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا چاہتا ہے، جبکہ پاکستانی عوام دیکھ رہی ہے کہ خطے میں امریکی جنگ کے سبب پاکستان بربادی کی راہ پر گامزن ہے۔

اسی طرح یوایس یڈ کے ڈائریکٹر ایلکس تھیئر نے توانائی کے شعبے میں تعاون کے حوالے سے پہلے شرائط عائد کر دیں کہ بنیادی اصلاحات کے بغیر سرمایہ کاری نہیں ہوگی۔ امریکا اور عالمی ادارے اپنے احکامات کو اصلاحات کی اصطلاح کے پردے میں پیش کرنے کے عادی رہے ہیں اور عوام کو کبھی معلوم نہیں ہوپاتا کہ اصلاحات کیا کی گئیں۔ جبکہ عوام اچھی طرح جانتے ہیں کہ امریکہ، ایران کے ساتھ توانائی اور بجلی کے خریداری کے معاہدوں کا شدید مخالف ہے، اس لئے

توانائی کے شعبے میں امریکی تعاون مزید ایک گھساپٹا بیان اور عوام کو اندھیرے میں رکھنے کی ناکام کوشش ہے۔ کیونکہ امریکہ نے تو عالمی پابندیوں کی دھمکیاں دیں ہوئی ہیں۔اگر امریکی ادارے شمسی توانائی کے ذریعے بجلی تیار کرنے میں اپنے اداروں کا تعاون دے تو ممکن ہے کہ پاکستان میں اس کا مثبت اثر پڑے لیکن امریکی حکومت اور اداروں پر قابض تیل اور گیس کے وسائل پر قبضہ رکھنے والی جنگی مافیا ایسی تجاویز پر کبھی عمل کی اجازت پاکستان کے لئے فراہم نہیں کرنا چاہئیں گے۔اسی طرح سیف اور یو ایس ایڈ کے زیر اہتمام سال گرانٹس کے حوالے سے پراجیکٹ منیجر مس بشری انصاری کی جانب سے ایک تقریب میں پریزنٹیشن پیش کی گئی، جس میں بقول اسٹاک ایکسچینج کے منیجنگ ڈائریکٹر آفتاب احمد چودھری نے امید ظاہر کی کہ جنوبی ایشاء ممالک کی سٹاک مارکیٹوں تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے جس سے یورپی یونین کے سٹاک مارکیٹوں سے باہمی تعلقات قائم ہو سکتے ہیں، ان سرمایہ داروں کو کو یقین تھا کہ سیف پراجیکٹ کو اس گرانٹس سے بڑی تقویت ملے گی۔یہاں بھی صرف امید کا اظہار کیا جس طرح ماضی میں سیکرٹری پانی و بجلی امتیاز قاضی نے سینٹ کی قائمہ کمیٹی کو بریفنگ دیتے ہوئے امید ظاہر کی تھی کہ دیامر بھاشا ڈیم کے حوالے سے امریکی مالیاتی یو ایس ایڈ، اسلامی ترقیاتی بنک اور اسلامی ترقیاتی بنک اس منصوبے کیلئے فنڈز فراہم کریں گے۔جب اراکان نے کہا کہ حکومت سے کہا کہ ایران سے گیس اور تیل خریدے اور تجارتی تعلقات کو فروغ دے اگر بجلی کی قلت

میگا واٹ ہے تو پھر 12، 12 گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ کیوں کی جاتی ہے۔ یہ ریمارکس 5000 جولائی 2011 کو دیئے گئے تھے۔ جس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امریکی 07 ترجیحات میں پاکستانی بیورو کریسی کس قدر ملوث ہے جیسے قریبی ممالک سے زیادہ امریکہ کی خشنودی عزیز ہے۔ یو ایس ایڈ پروگرام صرف نظروں کی ڈھول ہے جو آنکھیں USAID ملنے سے غائب ہو جاتی ہیں۔ بظاہر امریکی ادارہ برائے بین القوامی ترقی و امداد نے دعوی کیا ہے کہ "ٹرینگ فار پاکستان پراجیکٹ" کے ذریعے پاکستان کے نجی اور غیر نجی اداروں سے تعلق رکھنے والے 8 نمائندوں کو فنڈ دیا جنھوں نے -on کے آبی وسائل کے استعمال اور ان کی مہارت کی farmeayer mamagement ٹرینگ دی، انھوں نے پاکستانی کسانوں کو آن فارم ایری گیشن تیکنک کو اپنانے پر زور دیا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ 2010ء میں یو ایس ایڈ کے عہدے داروں ڈینیئل پی ایلٹ مین اور چالز ڈی زمرمن پر مشتمل دو رکنی وفد نے چیئرمین نیب (سابق چیئرمین) جسٹس ریٹائرڈ دیدار حسین شاہ کو غیر سرکاری تنظموں کی طرف سے کیری لوگر امداد کی رقم میں خرد برد اور بیجا استعمال کے بارے میں قابل ذکر شکایات سے آگاہ کیا لیکن اہم بات یہ ہے کہ خبر رساں ایجنسی اے پی پی کے مطابق جن غیر سرکاری تنظیموں کے بارے میں بھی شکایات درج کرائی تھی ان میں امریکی شہری بھی شامل ہیں۔ اب دبئ میں جاری دو روزہ پاک امریکہ سرمایہ کاری میں یو ایس

ایڈ نے ابراج گروپ اور جے ایس ایکویٹی منیجمنٹ کے ساتھ ملکر پاکستان میں نجی سرمایہ کاری مساوی شرکت کی بنیاد پر دو نئے فنڈز کا آغاز کرے گا، دل چسپ بات یہ ہے کہ یو ایس ایڈ ان فنڈز کیلئے ابتدائی سرمایہ جبکہ ابراج گروپ اور جے ایس ایکویٹی اس کے مساوی یا زیادہ سرمایہ کاری کرے گا۔ فنڈز کی مالیت 100 ملین ڈالر ہو گی۔ یو ایس ایڈ یا مریکہ کی بین الاقوامی ترقیاتی ایجنسی کے ایک داخلی محاسبے سے یہ انکشاف ہوا کہ افغان سرحد سے ملحق علاقے میں پاکستانی حکومت کی کارکردگی کو بہتر بنانے میں کوئی مدد نہیں ملی بلکہ ایجنسی کے ساڑھے چار کروڑ ڈالر کے پروجیکٹ کے مطابق پاکستانی قبائلی علاقوں یا فاٹا میں اس پروگرام نے اصل ہدف ابھی تک پورا نہیں کیا، محاسبے کے مطابق امریکی کمپنی ڈیویلپمنٹ الٹرنیٹیو انک یا ڈائی کو دیئے جانے والے ٹھیکے کے اس منصوبے پر ایک کروڑ 55 لاکھ ڈالر پہلے ہی خرچ ہو چکے ہیں۔ جبکہ یو ایس ایڈ کی معاونت سے شروع کئے جانے والے ایسوسی ایٹ ڈگری ان ایجوکیشن (اے ڈی ڈی) کے تحت چلنے والا پروگرام بھی صرف دنیا میں ایک دکھاوے کے طور پر ہے جس میں من پسند امریکی مفادات کو پورا کرنے والے ہی اہل کہلاتے ہیں۔

عراق تقسیم کی راہ پر گامزن

عراق کی آبادی ڈھائی کروڑ سے زیادہ ہے ان میں سے 80 فیصد عرب ہیں اور باقی پندرہ فیصد کے قریب کرد اور دوسری نسلوں (ترک، اسیریائی وغیرہ) سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسلمان 97 فیصد ہیں جن میں سے ساٹھ فی صد کے قریب شیعہ مسلمان ہیں، اہلسنت کی اکثریت شافعی مسلک سے تعلق رکھتی ہے، تین فیصد میں دوسرے مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں جن میں زیادہ عیسائی، کچھ یہودی، بہائی وغیرہ ہیں۔ مسلمانوں نے ساتویں صدی عیسوی میں یہ علاقہ فتح کیا تھا، مسلمانوں کے خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کے شہر کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا، اس کے بعد عربوں نے اموی اور عباسی سلطنت کی صورت میں عراق پر حکومت کی، عباسیوں نے بغداد کو پہلی دفعہ دارالحکومت بنایا۔ 1258ء عیسوی میں منگولوں نے ہلاکو خان کی قیادت میں بغداد کو تاراج کیا اور 16 ویں صدی عیسویں میں عثمانی سلطنت کا حصہ بنا جس کی یہ حیثیت جنگ عظیم اول تک برقرار رہی۔ جنگ عظیم اول کے بعد برطانیہ نے اس پر قبضہ کرلیا اور فرانس کے ساتھ ملکر برطانیہ نے بندر بانٹ کرکے مشرق وسطی کے حصے بخرے کردیئے۔ 1932ء میں انگریزوں نے اسے آزادی دی۔ لیکن عراق میں برطانیہ کے فوجی اڈے برقرار رہے۔ 14 جولائی 1958ء کو عراقی فوج نے معاہدہ بغداد کو قبول کرنے سے انکار کرکے بریگیڈئر جنرل عبدالکریم قاسم اور

کرنل عبدالسلام عارف کی قیادت میں انقلاب برپا کرکے عراق بادشاہت کا خاتمہ کردیا۔ لیکن بعد میں مصر کی وجہ سے ان دونوں قائدین میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ کرنل عبدالسلام عارف مصر سے گہرے تعلقات کے خواہاں تھے لیکن بریگیڈئر جنرل عبدالکریم قاسم ایسا نہیں چاہتے تھے۔1963ء میں ایک اور فوجی بغاوت کے بعد بعث پارٹی نے اقتدار پر قبضہ کرلیااور کرنل عبدالسلام کو صدر بنادیاگیا، صدام حسین اسی پارٹی کے رکن تھے جو بعد میں عراق کے صدر بنے،2003ء امریکی قبضے تک بعث پارٹی کی حکومت قائم رہی۔

ایک بار پھر دیکھا جائے تو عملی طور پر عراق تقسیم ہورہا ہے تو شائد غلط نہ ہوگا، کیونکہ عراق کے ایک حصے پر کرد، دوسرے پر دولت اسلامیہ عراق وشام (داعش) اور تیسرے پر عراق کے وزیر اعظم نوری المالکی کا قبضہ ہے۔ عراق کے نائب وزیر اعظم ڈاکٹر صالح المطلک کا حالیہ بیان نہایت اہمیت کا حامل ہے جس میں انھوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ "اگر اہل سنت مسلک کے لوگوں کا استحصال اور ان کے حقوق کی پامالی کا سلسلہ جاری رہا تو عراق کو متحد رکھنا مشکل ہوجائے گا، شیعہ مسلک مالکی کی پالیساں سنیوں کو علیحدہ صوبہ بنانے پر مجبور کر رہی ہیں۔" جبکہ عراق کے وزیر اعظم نورالمالکی نے بدھ کو ٹیلی وژن پر اپنے خطاب میں ہنگامی حکومت بنانے کی تجویز کو مسترد کرتے ہوئے کہاکہ " ایسا کرنا ملک کے آئین اور30اپریل کو ہونے والے پارلیمانی انتخابات کے

نتائج کے خلاف ہوگا۔"اہم بات یہ ہے کہ یہ مطالبہ امریکہ و برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک کی جانب سے ہی نہیں آیا بلکہ عراق کے اہم ترین شیعہ رہنما آیت اللہ علی سیستانی نے بھی کیا کہ نو منتخب پارلیمان ملک کے نئے وزیر اعظم، پارلیمان کے اسپیکر اور صدر کے عہدوں کیلئے افراد کا چناؤ کرلیں۔

آیت اللہ سیستانی کے اس بیان سے قبل انتخابات میں کامیاب ہونے والی شیعہ جماعتوں بشمول نوری المالکی کی سربراہی میں قائم سیاسی اتحاد "اسٹیٹ آف لا "کے مشترکہ اجلاس میں وزارت عظمی کیلئے متفقہ امیدوار لانے پر اتفاق نہیں ہوسکا تھا۔آٹھ سال تک وزیر اعظم رہنے کے بعد چار سال کی تیسری مدت کیلئے وزیر اعظم بننے کے خوائش مند نوری المالکی انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے والی سنی جماعتوں کو ساتھ لیکر چلنے سے اب بھی انکاری ہیں۔شائد یہ بات بہت کم لوگوں کے علم میں ہے کہ صدام حسین کی حکومت کے خاتمے کے بعد عراق میں تشکیل پانے والے نئے سیاسی نظام کے تحت ملک کا وزیر اعظم شیعہ ہوتا ہے جب کہ پارلیمان کا سپیکر سنی اقلیت کی نمائندگی کرتا ہے، ملک کے صدر کو برائے نام اختیارات حاصل ہیں اور یہ عہدہ کرد شخصیت کیلئے مخصوص ہے، سنی مسلک جماعتوں کے ساتھ اس بار عراق کے نیم مختار کرد علاقے کے صدر بھی نوری المالکی سے اقتدار چھوڑنے کا مطالبہ کرچکے ہیں۔

آئی ایس آئی ایس (اسلامک اسٹیٹ عراق و سیریا) نے ملک کے پانچ بڑے شہروں پر قبضہ کرلیا ہے۔ان اضلاع کا مجموعی رقبہ عراق کا ایک چوتھائی بنتا ہے۔اب ان جنگجوؤں کی نظریں بغداد پر ہیں۔ انتظامی طور پر بغداد کے دفاعی پوائنٹس میں " محمودیہ " عراق کے جنوب میں واقع ہے پانچ لاکھ نفوس کی اس علاقے کے راستے سے ہی 4 اپریل 2003ء امریکی فوج بغداد میں داخل ہوئیں اور پانچ روز کی لڑائی کے بعد دارالحکومت پر قبضہ کرلیا تھا۔ بدنامارمانہ ابو غریب جیل سے شہرت پانے والا علاقہ "ابو غریب "کے ساڑھے سات لاکھ آبادی والے اس علاقے میں بین الاقوامی ہوائی اڈا بھی موجود ہے۔ "التاجی " شمالی بغداد میں واقع ہے شہر میں ایک بڑا فوجی اڈا بھی ہے جو پچاس لاکھ ونفوس کی آبادی والی شہر کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ جنوب مشرقی بغداد میں واقع مدائن " واقع ہے سلمان بک اس کا اہم ترین دفاعی مرکز ہے۔ جبکہ آبادی ایک لاکھ "
ہے ۔" الطارمیہ " شمالی بغداد کا اہم ترین مقام اور آبادی نصف ملین
ہے۔ "استقلال "اس کا دوسرا نام " حسینہ " ہے یہ مقام مشرقی بغداد میں واقع اور اس میں الراشدیہ گنجاب آباد شہر اور مجموعی آبادی دس لاکھ سے زائد ہے۔

اہم بات یہی ہے کہ مذکورہ تمام مقامات کسی نہ کسی دور میں شیعہ ، سنی فسادات اور فرقہ وارانہ کشیدگی کا مرکز بھی رہے ہیں، جس علاقے میں جس مکتب فکر کے پیروکاروں کی اکثریت ہے وہ انہی کی بالادستی کے حوالے سے جانا جاتا

ہے اور تمام اہم مقامات میں مسلح جنگجو گروپ موجود ہیں۔آئی ایس آئی ایس (سلامک اسٹیٹ عراق سیریا) یا دولت اسلامیہ عراق وشام (داعش) کی جانب سے موصل کی فتح کے بعد تیزی سے بغداد کی جانب پیش قدمی کے سبب نوری المالکی نے دارالحکومت کو بچانے کیلیے "اسی دفاعی لائن" کو مضبوط بنانے کیلیۓ سخت ترین حفاظتی انتظامات کئۓ ہیں لیکن عراق میں آئی ایس آئی ایس (اسلامک اسٹیٹ عراق وسیریا) یا دولت اسلامیہ عراق وشام (داعش)کے سامنے عراقی فوج کی پسپائی کے رجحان کے تحت اہم انتظامات کو بھروسہ مند قرار نہیں دیا جا سکتا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بھارت میں موجود ایک تنظیم " انجمن حیدری (رجسٹرڈ) دہلی کی جانب سے عراق بھیجنے کیلیۓ دس لاکھ افراد کی رجسٹریشن کی جارہی ہے، خواہش مند افراد سے رجسٹریشن کے لئے پاسپورٹ کی کاپی اور دو فوٹو گراف بھی طلب کرتے ہوئے بھارتی اخبارات میں باقاعدہ اشتہارات بھی جاری کئے گئے ہیں۔

عراق میں برائے نام حکومت ہے اور اصل طاقت امریکہ کے پاس ہی ہے، تیل کی عراقی دولت کو برطانیہ اور امریکہ دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں عراق کی تیل کی دولت کو پہلے برطانوی کمپنیوں نے خوب لوٹا، بعث پارٹی نے برطانوی کمپنیوں سے جان چھڑائی تو فرانسیسی چنگل میں پھنس گئے پھر عالمی طاقتوں نے عراق کو ایران جنگ میں پھنسا کر خوب برباد کیا اور امریکہ، برطانیہ، فرانس اسرائیل نے عراق کو بے تحاشا اسلحہ بیچا اور عراق کے قرضے ایک سو بیس

ارب دالر تک پہنچ گئے۔ عراق میں تعمیر نو کے نام پر نوے فیصد ٹھیکے امریکی کمپنیوں اور باقی برطانوی اور کچھ فرانسیسی اور اطالوی کمپنیوں کو مل رہے ہیں جو مہنگا کام کرنے میں مشہور ہیں اور یوں لوٹ کھسوٹ کا ایک بازار عراق میں گرم ہے اس کے علاوہ یہ دور ایک خون آلود دور کے طور پر یاد کیا جائے گا کیونکہ ان چند سالوں میں اتنی عراقی عوام قتل ہوئی ہے جو پچھلے پچاس سال میں نہیں ہوئی، استعماری طاقتیں سنی، شیعہ اور کرد مسلمانوں میں اختلافات کو ہوا دے رہے ہیں جس کا منطقی نتیجہ عراق کی تقسیم کی صورت میں نکل سکتا ہے اس کے علاوہ امریکہ کی نظریں پاکستان اور افغانستان پر لگی ہوئی ہیں جو اس وقت ہر طرف سے امریکی افواج کے درمیان گھری ہوئی ہے۔جو کھیل عراق، شام میں کھیلا جا رہا ہے، اب افغانستان میں بھی کھیلا جائے گا اور پاکستان میں پہلے ہی فرقہ وارانہ عدم برداشت کو ہوا دیکر عراق کی صورتحال پیدا کرنے کی منصوبہ بندی پر عالمی استعماری قوتیں مصروف ہیں۔

اتحادی افواج نے مختلف طریقوں سے شیعہ سنی تفرقہ پھیلا کر اپنی موجودگی کا جواز پیدا کیا ہوا ہے اور اب فرقہ وارانہ تشدد کی ہوا مزید ممالک کو مسلک کے نام پر موجودگی کا جواز دے رہی ہیں۔حال ہی میں عراقی پولیس نے چند نقاب پوشوں دہشت گردوں کو پکڑا جو ایک مسجد میں دھماکہ کرنا چاہتے تھے یہ انگریز تھے، انھیں ایک جیل میں رکھنے کے تھوڑی دیر بعد برطانوی افواج نے جیل پر

حملہ کرکے دیوارا توڑ کر قیدی رہا کروالئے۔ ایک پرانی غیر استعمال شدہ تیل کی پائپ لائن بھی بحال کی گئی جو اسرائیل تک جاتی ہے۔ یقینی طور پر عراق میں ایک کمزور حکومت قائم ہے جو نہ امریکہ کے خلاف کچھ کر سکتی ہے اور نہ علاقائی خانہ جنگی کر سکتی ہے۔ بہرحال عراق کی صورتحال کا براہ راست اثر پاکستان پر پڑے گا کیونکہ پاکستان میں بھی فرقہ وارانہ عدم برداشت کی فضا گھمبیر ہے اور عراق کی تمام تر داخلی صورتحال سے پاکستان کی عوام صرفِ نظر نہیں کر سکتی۔ عراق اپنی تاریخ کے بدترین دور سے گزر رہا ہے اور تاریخ بتاتی ہے کہ عراق ایک بار پھر تقسیم ہو رہا ہے جس سے خطے میں اثرات بھی پڑیں گے۔

کا یہودی نظام (Electronic Money) الیکٹرونک روپیہ

کروڑوں مسلمانوں سمیت اربوں انسانوں کیخلاف پوری دنیا میں مالیاتی آمریت کی اجارہ داری کیلیئے یوروپی یہودی اسرائیل (Euro-Jewish state of Israel) نے مسلمانوں اور دیگر غریب ممالک کو اپنی غلامی اور محتاجی کے چنگل میں پھنسانے اور بین الاقوامی مذموم عزائم کو تقویت دینے کیلیئے ایک مربوط اور منظم سازش کے تحت منصوبہ بندی کی ہوئی ہے جس پر متواتر عمل درآمد جاری ہے۔ عمومی طور پر شدید غربت کے شکار ممالک کے ذرائع ابلاغ ایسی رپورٹوں کو غائب کردیتے ہیں جہاں کا سرکاری مذہب اسلام ہو۔ اس کی ایک بڑی مثال "انٹرنیشنل کانفرنس برائے گولڈ دینار مالیات" (conference on International Gold Dinar Money) ہے جو کوالالمپور کے پُترا ٹریڈ سینٹر میں مورخہ 24 اور 25 جولائی 2007ء کو منعقد ہوئی تھی جس میں ملائیشا کے سابق وزیر اعظم تُن ڈاکٹر مہاتیر محمد نے مالیات کے حوالے سے انتہائی پُر مغز تقریر کی تھی۔ جس میں مرکزی خیال یہ تھا کہ " سونے کے دینار کے سکے واپس لائے جائیں اور اس کاغذی مالیاتی نظام کو تبدیل کردیا جائے جو امریکی ڈالر کے پُر فریب تانے بانے سے بندھا ہوا ہے تاکہ مسلمان اپنے آپ کو اس معاشی اور مالیاتی جال سے نکال سکیں"۔ یہ نظام خصوصی طور پر ان لوگوں کو نشانہ بناتا ہے جو

یہودی و نصاری گٹھ جوڑ کے آگے رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، عنقریب یہ نظام اپنے ارتقائی منازل کو طے کرتے ہوئے اس مقام تک جا پہنچے گا جہاں موجودہ رائج کاغذی نوٹ کا نظام ہے۔

کاغذی نوٹ کی جگہ بتدریج "الیکٹرونک روپیہ (Electronic Money)" کا نظام ساری دنیا میں رائج کیا جارہا ہے جیسے بغیر ہجت کے قبول بھی کرلیا جائے گا، جبکہ ہم اب بھی دیکھ رہے ہیں کہ بنکوں میں رکھے اربوں روپوں سے سود بنک حاصل کرتے ہیں اور جن کے اکاونٹ ہوتے ہیں، وہ" ڈیبٹ کارڈ" یا سودی نظام میں گرفتار ہونے والے" کریڈٹ کارڈ" کیذریعے ترسیل زر کو ممکن بنارہے ہیں۔ جبکہ ای.بنکلنگ کیذریعے بھی تجارتی لین دین معمول کا ذریعہ بن چکے ہیں اور بتدریج ایسے عام لوگوں پر بھی لاگو کرایا جارہا ہے جس کی ایک چھوٹی مثال "ایزی پیسہ "کے ذریعے مواصلات زر کا پہنچانا بھی ہے۔ دراصل یہود و نصاری کے گٹھ جوڑ سے جو نظام تشکیل پایا ہے اس کا بنیادی مقصد دنیاکے مالیاتی نظام سے اس روپیہ کو جس میں اس کی اپنی ذاتی قدر و قیمت موجود تھی اس کو ایسے روپیہ سے تبدیل کردینا تھا جس کی کوئی ذاتی قیمت نہ ہو۔John Perkins) کی کتاب Confessions of an Economic Hit Man کے مطالعہ مفید ہوسکتا ہے)۔ علاوہ ازیں ہمیں سمجھنے کیلئے، کہ جیسے ہی کسی ملک کی کرنسی کی قیمت گھٹادی جاتی ہے، وہاں پر زمین و جائداد کی قیمت، مزدوری اور دیگر ضروریات

زندگی کی چیزیں ان لیٹروں کیلئے سستی ہوجاتی ہیں جنھوں نے یہ نظام ترتیب دیا ہے۔
پاکستان میں ڈالر کے موجودہ اتار چڑھاؤ میں جن مالیاتی لیٹروں کو کھربوں روپیہ کا فائدہ پہنچا ہے وہ اسی کاغذی کرنسی نظام کا ایک حصہ ہے۔جب پیسوں کی قیمت گھٹ جاتی ہے تو آئی ایم ایف ان ممالک پر پرائیویٹائزیشن کیلئے دباؤ ڈالتی ہے اور پھر مالیاتی لیٹرے ان ممالک کا پیٹرول، گیس، بجلی بنانے کے کارخانے، ٹیلی فون کمپنیاں اور دیگر صنعتی اور معدنی وسائل اونے پونے دام خرید لیتے ہیں۔کالے دھن کو سفید کرنے کرنے کے اسکیمیں لائی جاتی ہیں اور غیر قانونی دھندوں و ہتھکنڈوں سے اکھٹا کئے جانے والا روپیہ قانونی بن جاتا ہے۔
اپریل 1933ء کے ایک واقعے سے یہود و نصاری کے گٹھ جوڑ کی بین الاقوامی سازش سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ اس مالیاتی نظام کے تحت دولت کی قانونی چوری کس طرح کی جاتی ہے۔امریکی حکومت نے ایک قانون لاگو کیا جس کے تحت امریکی شہریوں کیلئے سونے کے سکے، ان کی خام شکل اور سونے کے سرٹیفیکٹ رکھنا جرم قرار دے دیا گیا، سونے کے سکوں کو لین دین کیلئے استعمال سے روک دیا گیا اور ان کی قانونی حیثیت کو ختم کردیا گیا، یوں یہ سکے روپے کی طرح خرید وفروخت میں استعمال نہیں ہو سکتے تھے، امریکی حکومت نے یہ حکم بھی جاری کیا کہ ایک خاص وقت تک یہ سکے کسی کے پاس نظر آئے تو اس کو دس ہزار ڈالر کا

جرمانہ یا چھ مہینے کی قید کی سزا ہوگی۔ ان سکوں اور سرٹیفیکیٹوں کے عوض امریکہ کے فیڈرل ریزرو بنک نے جو ایک غیر سرکاری ادارہ ہے۔ کاغذی نوٹ (امریکی ڈالر) جاری کردیئے اور ہر ایک اونس کے عوض ۲۰ ڈالر کا نوٹ دیا جانے لگا۔ گویا ایک اونس سونے کا نعم البدل کاغذی نوٹ میں تبدیل کردیا گیا۔ نتیجہ کے طور پر عوم دوڑ پڑی۔ قید اور جرمانہ سے بچنے کیلئے اپنے سونے کے سکوں کے عوض ڈالے کے نوٹ تبدیل کروانے لگی۔ مگر جو لوگ سمجھ بوجھ رکھتے تھے انھوں نے سونے کو تبدیل کرنے کے بجائے مزید سونا خریدنا شروع کیا ور انہیں سوئس بنکوں میں بھیجتے چلے گئے اور پھر اسی سال برطانیہ نے بھی امریکہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے ملک میں یہی کاروائی کی اور سونے کو تجارتی مقاصد کے استعمال سے روک دیا انہوں نے صرف یہ کیا کہ اپنی کاغذی کرنسی پاؤنڈ اسٹرلنگ کو سونے کی ضمانت سے الگ کردیا۔ جب امریکہ میں تمام کا تمام سونا کاغذی کرنسی میں تبدیل ہوگیا تو جنوری 1934ء میں امریکی حکومت نے اپنی مرضی سے اپنے کاغذی ڈالر کی قیمت میں ۴۱ فیصد کی کمی کردی اور اس کے ساتھ ہی اپنے اس قانون کو جس کے ذریعے سونا رکھنا ممنوع کردیا گیا تھا۔ ختم کردیا۔ اب امریکی عوام پھر دوڑی کہ اپنے کاغذی نوٹوں کو واپس سونے میں تبدیل کرلے مگر اب ڈالر کی قیمت گرنے کی وجہ سے فی اونس سونے کی قیمت ۳۵ ڈالر ہو گئی تھی۔ اس عمل کے دوران عوام کی ۴۱ فیصد لوٹ لی گئی۔ ستمبر 1931ء میں برطانوی پاؤنڈ کی قیمت 30 فیصد گرائی گئی جو 1934ء تک 40 فیصد پر پہنچ گئی۔

اس کے بعد فرانس نے اپنی فرانک کی قیمت کو 30 فیصد گرادیا، اٹالین لیرا کو 41 فیصد اور سوئس فرانک کو 30 فیصد تک کم کردیا گیا، اور تمام یورپی ممالک نے یہ عملسر جگہ دوہرایا، یہاں تک کہ یونان نے اپنی کرنسی کو یک دم 59 فیصد تک کی کمی کردی۔ اس پالیسی نے بے روزگاری کو جنم دیا، پوری دنیا میں تجارت شدید خسارے میں مبتلا ہوگئی، جس کو اس صدی کی دہائی کا "پستی اور اداسی کا دور (The Great depression)" کہا گیا۔

یہود و نصاری نے ان متفقہ چالوں سے کاغذی نوٹوں کی بنیاد پر ایک عالمی مالیاتی نظام "بریٹن ووڈز معاہدہ (Bretton wood Agreements)" کرلیا جس میں سونے اور ڈالر کے درمیان ایک رابطہ پیدا کرلیا، جو بظاہر ٹھیک تھا کہ اب کاغذی نوٹ بغیر کسی زر ضمانت کے چھاپے جاسکتے تھے مگر اس کا کاروباری دنیا میں حقیقی طور پر کسی قیمت کا ہونے سے کوئی تعلق نہیں رہا، لیکن اس معاہدے نے 1944ء میں آئی ایم ایف کے انعقاد کا راستہ ہموار کردیا، جس کا مقصد خصوصی طور پر اس بے ضمانت کاغذی کرنسی کے نظام کو عالمی مالیاتی نظام پر لاگو کئے رکھنا تھا لیکن 1971ء میں یہ سازش بے نقاب ہوئی اور امریکہ اس عالمی معاہدہ کی اس شق سے منحرف ہوگیا کہ امریکی ڈالر کو سونے کی ضمانت حاصل ہوگی۔ اس وقت بھی اسلامی دنیا کے معاشی ماہرین خواب غفلت میں ہیں کہ اسلام کے تجارتی نظام، جس میں اجناس کے بدل میں اجناس اور سونے چاندی کے سکوں کی بناء پر

کسی یہود و نصاری کی اجارہ داری نہیں تھی ۔یکسر تبدیل کرکے اب اس نظام کو الیکڑونک روپیہ کے نظام میں تبدیل کرکے دنیا بھر کے سرمایہ کو یہودی اپنے تصرف میں رکھ کر مسلمانوں اور غریب ممالک پر سرمایہ دارانہ نظام کی ہولناک حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔سودی نظام کے شکار ، پاکستان جیسے غریب ممالک ، ان کے غلام بن کر ان کی منصوبہ سازیوں میں شریک ہونے پر مجبور ہوتے ہیں۔الیکڑونک روپیہ عام ہونے سے غریب انسان کی گردن میں سرمایہ داری کی غلامی کا طوق زندگی بھر کیلئے ڈال دیا جائے گا۔ گو کہ فوری طور پر کاغذی کرنسی نظام کو یکسر ختم نہیں کیا جاسکتا ، لیکن پاکستان جیسے غریب اور ترقی پذیر ممالک ، ترقی یافتہ مسلم ممالک کے ساتھ ملکر ڈالریا لیکڑونک کرنسی کے بجائے اسلامی متبادل طریقہ کار کو اپنانا شروع کردیں تو یہود کی غلامی سے با آسانی نکلا جاسکتا ہے ۔ سونا ، چاندی ، گندم ، جو ، کھجور ، نمک ، چاول ، چینی وغیرہ کو مال کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس مال کے اندر اسکی اپنی ذاتی قیمت پوشیدہ ہوتی ہے اس کے باہر نہیں۔مال کی حقیقت کو سنت رسول ﷺ کے احکامات کی روشنی میں دیکھیں تو مال وہ ہے جو۔۔۔۔۔۔1۔ قیمتی دھات یا کوئی اور قابل استعمال چیز ہو جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔۔۔۔2۔مال کی اپنی ذاتی قیمت ہو،۔3۔ایک ایسی چیز ہو جسے اللہ نے تخلیق کیا ہو اور اس کی قیمت خود اللہ تعالی نے مقرر کردی ہو جو ان تمام خزانوں کا مالک ہے۔پاکستان سمیت دیگر اسلامی اور غریب ممالک آئی ایم ایف ، امریکہ ، یہود و نصاری کے

معاشی جال پھنس چکے ہیں لہٰذا اس سے باہر نکلنے کا واحد راستہ قرآن کریم کا دیا گیا، نظام ربوبیت اور حضرت محمد ﷺ کی معاشی سنت اور احکامات ہیں، جو یہود و نصاری کے ربا کے نظام کو ختم کرکے غریب کو اس کا حق بہ احسن پہنچا سکتے ہیں۔

آئی ڈی پیز کی خدمت ہمارا فرض

آئی ڈی پیز کی سندھ میں آمد کے خلاف حسب توقع ایک مرتبہ پھر سندھی قوم پرست جماعتوں نے تحریک چلانے کا اعلان کر دیا ہے۔ قوم پرستوں نے اعلان کیا کہ تحریک 9 جولائی سے کشمور میں دھرنے سے شروع کی جارہی ہے۔آئی ڈی پیز کی سندھ آمد کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان جلال محمود شاہ کے گھر پر قوم پرست جماعتوں کے اجلاس میں کیا گیا۔جبکہ اس سے قبل پاکستان کے تین صوبے مہاجرین کی آمد پر اپنے تحفظات کا اظہار کر چکے تھے لیکن بعد میں سیاسی بیانات دیئے کہ ان کے صوبے میں مہاجرین کی آمد پر کوئی پابندی نہیں ہے، صرف شناخت کی جائے گی۔پختون بیلٹ کی بڑی بد قسمتی رہی ہے کہ ایک جانب انھیں اسلام کے نام پر مختلف ادوار میں استعمال کیا جاتا رہا تو دوسری جانب جب مغربی طاقتوں کا نزلہ گرتا ہے تو وہ بھی پختون بیلٹ پر ہی گرتا ہے۔جنوبی وزیر ستان کے بعد شالی وزیر ستان میں فوج کی جانب سے آپریشن کے بعد فطری طور پر وہاں کی عوام کو نقل مکانی کرنی تھی ، اب چونکہ مہاجرین کی نقل مکانی میں دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں ، ایک وہ جن کے گھر بار اور رشتے دار وزیر ستان میں تھے اور انھیں ہر صورت میں کیمپوں میں ہی رہنا ہوگا اور دوسری صورت ان کے ایسے رشتے دار جو پاکستان کے مختلف شہروں میں کاروبار کی غرض سے مقیم یا مستقل باشندے،اپنا کھاتے اور

اپنا رہتے ہیں۔ لہذا تکلیف کی اس گھڑی میں اپنوں کے پاس ہی جایا جاتا ہے۔ ہمیں یہ بات قطعی نہیں بھولنا چاہیے کہ سندھ سمیت تمام صوبے پاکستان کا حصہ ہیں اور بہ حیثیت پاکستانی، کسی بھی پاکستانی کی نقل و حرکت پر پابندی عائد کرکے ایسے مخصوص جگہ پر روکنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

سوات آپریشن کے بعد مہاجرین کی بہت بڑی تعداد ملک کے طول و عرض میں نقل مکانی پر مجبور ہوئی، لاکھوں افراد کو کسی مخصوص جگہ رکھ کر دیکھ بھال کرنا ناممکنات میں سے ہے اور لاکھوں افراد کے مسائل کو ایک ادارہ اپنی محدود افرادی قوت سے کسی ایک حد تک تو حل کرسکتا ہے لیکن ثقافتی و معاشرتی مسائل کو کسی بھی صورت حل نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا واحد حل صرف یہی ہوتا ہے کہ ان مہاجرین کی مالی استطاعت اتنی ہو کہ وہ نزدیکی علاقوں میں مکانات کرایے پر حاصل کریں یا پھر رشتے داروں کے پاس منتقل ہوجائیں۔ اس لئے پہلی ترجیح کے طور پر مہاجرین کی خوائش یہی ہوتی ہے کہ انھیں مزید مشکلات کا سامنا نہ ہو اور وہ ان تکلیف دہ دنوں میں اپنے عزیزوں کے پاس رہ کر حکومت کے آئندہ لائحہ عمل کا انتظار کریں۔

سب بخوبی جانتے ہیں کہ شمالی وزیرستان کوئی معمولی آپریشن نہیں ہے کہ جیٹ طیاروں سے کچھ ٹھکانے تباہ کرکے یا خالی گھروں کی تلاشی لیکر امن قائم

ہو جائے گا، بلکہ اصل مرحلہ آپریشن کٹ کے بعد کا یہی ہوتا ہے کہ سوات طرز پر، اس خطے پر اپنی رٹ مستقل قائم رکھنے کیلئے سیکورٹی ادارے وہاں قیام کریں اور دوبارہ ان عسکریت پسندوں کو اپنی کاروائیوں کو جاری رکھنے کا موقع فراہم نہ کریں۔ شمالی وزیرستان کے ساتھ افغانستان کی سرحدیں جڑی ہوئی ہیں اور وہاں کی سرحدوں کی حفاظت مقامی افراد ہی کرتے رہے ہیں، اب آپریشن کے بعد لاکھوں فوجیوں کو بائیس سو کلومیٹر لمبی سرحد پر ہزاروں چیک پوسٹوں کے ساتھ مستقل تعینات رکھنا، پاکستان کیلئے سب سے بڑا چیلنج اور نہایت مشکل و ناممکن عمل ہے کیونکہ افغانستان کی جانب سے اس کے 25 لاکھ افغان مہاجرین کو کئی دہائیوں سے پناہ دینے کے باوجود پاکستان کے لئے نرم گوشہ پیدا نہیں ہوا ہے اور اب بھی افغان حکومت، پاکستان پر الزامات لگانے کا کوئی موقع لگانے سے نہیں چوکتی۔اس مرحلے پر بھی افغانستان کی حکومت، پاکستان کے ساتھ زبانی کلامی ساتھ دینے کے وعدے وعید تو کرتی ہے لیکن عملی طور پر پاکستان کے شہریوں کو پاکستان کے خلاف بھڑکانے کا اس سے بہتر سنہری موقع بھی نہیں گنوانا چاہتی، اس لئے ان کی جانب سے میڈیا میں یہ خبریں چلائی جارہی ہیں کہ ایک لاکھ پاکستانیوں نے افغانستان میں پناہ حاصل کرلی ہے۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شمالی وزیرستان کی عوام نے افغانستان میں پناہ حاصل نہیں کی ہوگی، کیونکہ صدیوں سے یہ سرحدیں ایک ہیں اور ان کی

رشتے داریاں اور کاروبار بھی مشترکہ ہیں اس لئے بیشتر خاندان اگر افغانستان گئے ہونگے تو اس بات سے انکار ممکن نہیں ہوگا کیونکہ حالتِ جنگ کے علاوہ سینکڑوں سالوں سے بھی ان کے خاندان پاک ، افغان سرحدوں کے قرب و جوار یا علاقوں میں رہتے ہیں اور ان کا آپس میں آنا جانا روایت کے مطابق ہے۔ اس لئے جو مہاجرین اگر افغانستان میں گئے تو ان کی پہلی ترجیح اپنے رشتے دار ہی ہیں ، لیکن اس سلسلے میں پاکستان کو پہلے ہی منصوبہ بندی کرلینے چاہی تھی ، غالب امکان تو یہی ہے کہ پاک فوج نے سب سے پہلے اسی نقطے کو سامنے رکھا ہوگا کہ آپریشن کے نتیجے میں نقل مکانی کرنے والوں میں عسکریت پسند افغانستان کوچ نہ کرجائیں اور اطلاعات یہی ہیں کہ اہم کردار افغانستان ، بھارت ، ایران سمیت پاکستان کے اہم شہروں میں روپوشی اختیار کرچکے ہیں۔

باقی یہی صورتحال سندھ میں آنے والے مہاجرین کی ہے ، جو سندھ کے مختلف شہروں میں اپنے رشتے داروں کے پاس آنا چاہتے ہونگے ، انھیں پاکستانی ہونے کے سبب دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کے کسی بھی حصے میں جانے سے نہیں روک سکتی ، جبکہ یہ صوبائی حکومتوں کے فریضے میں ہے کہ وہ پاکستان کے حالات کے پیش نظر ایسے مہاجرین کو پریشان کرنے کے بجائے انھیں ان کے رشتے داروں کے پاس جانے اور ان کا ڈیٹا اکھٹا کرنے کیلئے اپنا مثبت کردار ادا کرے۔ چونکہ وفاقی حکومت کی جانب سے خیبر پختونخوا کے علاوہ دیگر صوبوں میں مہاجرین کو

نہیں بسایا جارہا اس لئے صوبائی حکومتیں ان آئی ڈی پیز کے لئے کوئی کیمپ بھی قائم کرنے کی مجاز نہیں ہے جس کا مہاجرین کو بھی علم ہے اور وہ توقع بھی نہیں رکھتے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ مہاجرین جب آپریشن زدہ علاقے سے باہر نکل رہے تھے تو ان کی مکمل جانچ پڑتال عسکری ادارے کر رہے ہیں تاکہ مہاجرین کی آڑ میں کوئی مطلوب دہشت گرد روپوشی اختیار نہ کرلے۔

صوبائی حکومتیں کی ویسے بھی ذمے داری اور فرائض میں شامل ہے کہ عام حالات میں بھی صوبائی سرحدوں پر چیکنگ کا انتظام سخت سے سخت رکھے، لیکن کرپٹ اہلکاروں کی وجہ سے قانون شکن ایک صوبے سے دوسرے صوبے باآسانی چلے جاتے ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے اہم توجہ خود صوبائی حکومتوں کو اپنے کرپٹ اہلکاروں پر دینا ہوگی۔ ویسے بھی یہ ناممکن ہے کہ ہزاروں گاڑیوں کی ممکنہ چیکنگ کی جاسکے اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ بھاگنے والے وہی حلیہ رکھیں گے جیسے تلاش کیا جارہا ہے۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ حساس ادارے اطلاع فراہم کردیتے ہیں کہ فلاں جگہ دہشت گردی کا خدشہ ہے، لیکن صوبائی حکومتیں خواب خرگوش کے مزے اُس وقت تک لیتی رہتی ہیں جب تک کوئی اندوہناک واقعہ نہ ہوجائے۔

اس سلسلے میں تمام صوبائی حکومتوں سمیت تمام قوم پرست جماعتوں کو اس بات کا ادراک کرنا ہوگا کہ ان مہاجرین کو ایک نہ ایک واپس اپنے علاقوں میں جانا ہے

اور ان سرحدوں کی دوبارہ حفاظت کرنی ہے جو قیام پاکستان سے لیکر اب تک بلا معاوضہ کرتے چلے آئے ہیں۔ان کے ساتھ غیر انسانی و غیر اخلاقی رویہ رکھنا نامناسب ہوگا۔ نیز انھیں کسی قومیت کے خلاف ایسے بیانات سے بھی گریز کی راہ اختیار کرنی ہوگی کہ سندھ بین الاقوامی یتم خانہ نہیں۔معتصبانہ بیانات سے لسانیت و قوم پرستی کی بو آتی ہے اور پاکستانیت کے تشخص کو نقصان ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں جگ ہنسائی کا موجب بھی بنتا ہے۔ان مہاجرین پر تکلیف کا یہ دور پاکستان کی بقاکے خاطر ہی ہے ۔ اگر یہ پاکستان کا ساتھ نہ دیں تو کیا دنیا کی کوئی طاقت ان پر جبری طور پر مسلط کی جاسکتی ہے ؟. یقینی طور پر اس کا جواب مشکل ہے کیونکہ پختون کی تاریخ رہی ہے کہ وہ مہمان نواز رہا ہے اور اپنے اوپر احسان کرنے والوں کیلئے اپنی جان تک قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ سات لاکھ مہاجرین اپنی تکالیف میں پاکستان کی سلامتی کو دیکھ رہے ہیں ، اگر خدانخواستہ یہ بھی عسکریت پسندوں کے ساتھ مل جاتے تو تصور کریں کہ پاکستان کی کیا حالت ہوتی۔

افغانستان سے انخلاء میں امریکہ کو حائل مشکلات

امریکہ کو اپنی واپسی کیلئے افغان فوج پر تکیہ کرنے کے سبب، سب سے بڑی پریشانی افغانیوں اور امریکی مخالف گروپ کا باہمی طور پر ایک دوسرے سے واقفیت و تمدن و ثقافت ہے۔ جس بناء پر وہ افغان فوجیوں پر بھی اعتماد کرنے سے تامل برت رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کو اپنا سات ارب ڈالر مالیت کا وہ عسکری سامان تلف کرنا پڑرہا ہیجو وہ پاکستان اور افغانستان میں کسی کو بھی نہیں دینا چاہتا۔ اندازے کے مطابق امریکی فوجی ستر ہزار ٹن مجموعی وزن کے حامل ساز و سامان کو سکریپ میں بدل گے۔ جس میں سات ارب ڈالر کی خطیر مالیت کے سامان کو تلف کردیا جائیگا جن میں بارودی سرنگوں کے خطرے سے محفوظ تقریبا دو ہزار مشینوں کے علاوہ تعداد لاکھوں میں ہوگی۔ امریکہ افغانیوں کو دفاع کیلئے ساز وسامان نہیں دے رہا اور اس کو اسکریپ میں تبدیل کررہا ہے تو امریکہ کے دل جیتنے کی تمام ای کوششیں بھی لاحاصل ہونگی کہ فوجی انخلا سے بیشتر پورے ملک میں ایسے مذہبی و تمدنی امور سے متعلق افسر مقرر کئے جائیں جو امریکیوں اور ان کے بعد افغان فوجیوں کے راہ میں رائے ہموار کریں۔
کیونکہ ان کے خیال میں فوجی انخلا کے بعد سب سےبڑا چیلنج مقامی لیڈروں کا اعتماد حاصل کرنا ہے۔ جس میں امریکہ، برطانیہ اور نیٹو ممالک ناکام نظر آتے ہیں۔

امریکہ اپنے تئیں ایسی پلاننگ اپناتا ہے جس میں اس کی دانست کے مطابق ایسے سو فیصد کامیابی مل سکتی ہے گو کہ وقتی طور پر جبر کے ذریعے وہ قابض تو ہو جاتا ہے لیکن کسی کے دل پر راج کرنا ان کیلئے ممکن نہیں ہے۔ بین الاقوامی تنظیم فرینڈز کمیٹی آف نیشنل لیجسلیشن کے مایئک شینک کہتے ہیں کہ" ایسا کرنا ماحولیات کے نقصان دہ اور خوفناک ہے۔اور اس ملک کیلئے بُرا، جہاں یہ کیا جایئگا۔ لیکن ایسا کرنا اسلحہ سازوں کیلئے سود مند ہوگا کیونکہ انھیں مستقبل میں نئ فرمائیشیں مل جائیں گی۔ لیکن یہ امریکہ کے ٹیکس دہندگان کے سات ارب ڈالر کا نقصان ہوگا۔"اور یہ سب امریکہ کیخلاف اٹھنے والی تحریک مدارس کے طلبا سے ہوا۔ جنھیں طالبان کا نام دیا گیا۔ کیونکہ اسلحہ تلف کرنے کا معاملہ عراق اور کویت جنگ میں نہیں ہوا تھا یہ صرف افغانستان میں ہو رہا ہے کیونکہ امریکہ جانتا ہے کہ افغانستان میں علمی و مذہبی لحاظ سے جڑیں انتہائی مضبوط ہیں۔

پاکستان میں مدارس میں ڈرون حملے کرنے سے وہ اپنے خلاف جہاں پاکستان میں نفرتیں پیدا کر رہا ہے تو دوسری جانب ایسے نہیں بھولنا چاہیے کہ جب اس نے ویتنام پر حملہ کیا تو اس قوم نے تعلیم کو اپنا سب سے بڑا ہتھیار بنایا۔ شمالی ویت نام یں تعلیم اور جنگ ساتھ ساتھ چل رہے تھے ، انھیں شروع شروع

میں بڑی دقت ہوئی ، کبھی گولہ باری سے تعلیمی سلسلہ منقطع ہو جاتا لہٰذا ویت نام کے وزارت تعلیم نے فیصلہ کیا کہ جو کچھ بھی ہو تعلیم اور جنگ دونوں جاری رہیں گی۔ امریکی بم باری کے سبب درسگاہیں ، دیہاتی علاقوں اور مضافات میں منتقل کردی گئیں۔دیہاتی آبادی شہروں میں چلی جاتی اور اسکول تک پہنچنے کیلئے سرنگیں بنادی گئیں تھیں۔طالب علم گھر سے زیر زمیں راستوں کے ذریعے اسکول پہنچتا ان خندقوں کی چھتیں گھاس کے تنکوں کی بنائی جاتی تھیں بموں کی کرچیاں ان تنکوں میں پھنس جاتی تھی اس طرح جنگ بھی ہو رہی تھی اور تعلیم بھی ۔ اتنے برس امریکی جارحیت اور جنگی جاری کے باوجود تعلیمی شرح میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ شمالی ویتنام کے وزرات تعلیم نے اس وقت کے پاکستان کے وزیر تعلیم عبدالحفیظ پیرزادہ کو جو یادگاری تحفہ دیا تھا وہ شمالی ویت نام والوں کی بہادری کو ظاہر کرتا ہے۔ایک تباہ شدہ جہاز کے پچھلے حصے کا ماڈل بنایا گیا اور ایک بیل کو ایسے کھینچتے ہوئے ظاہر کیا گیا اس طرح علامتی طور پر یہ بتایا گیا کہ ایک کمزور جانور ایک طاقتور مشین کو کھینچے لئے جا رہا ہے۔ یعنی شمالی ویت نام کے غریب اور کم ترقی یافتہ لوگ امریکہ جیسی بڑی قوت وطاقت کو لگام دے چکے ہیں۔ تعلیم کو جتنا نقصان امریکہ ، برطانیہ اور نیٹو افواج نے افغانستان میں پہنچایا اس سے کئی زیادہ بڑی بڑی بلڈنگوں والوں نے نہیں دیا بلکہ اب کچے مدارس میں جدید علوم کیساتھ ایک ہاسیعسکریت پسندوں کی فوج تیار ہو چکی ہے جو افغانستان سے لیکر پاکستان تک

امریکہ کو انخلا میں اسی طرح ناکوں چنوں چبا دی گی۔
نیٹو افواج افغانستان کے مخصوص علاقوں کے علاوہ آزادی سا تھ کہیں نہیں جا سکتے ۔
خود کشیوں کے بے تحاشا واقعات نے امریکی فوجیوں کو نفسیاتی مریض بنا دیا ہے۔
افغانستان اور پاکستان کے مسلمان جانتے ہیں کہ برطانیہ دوغلے پن کا مظاہرہ کرتے ہیں ۔ اسی طرح یورپ بھی ان کے نقشِ قدم پر ہے۔فرانس کے وزیر داخلہ نے 2012ء میں فرانس کے شہر سٹراس برگ میں ایک مسجد کے افتتاح کے موقع پر متعصبانہ بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ نہیں چاہتے "کہ اسلام زیر زمین پھیلنے والے مذہب بن جائے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ فرانس یورپ میں سب سے زیادہ مسلمانوں کا ملک ہے جہاں" پچاس لاکھ سے زیادہ مسلمان آباد ہیں۔ فرانس کیلئے یہ بہت پریشان کن بات ہے کہ اسلام تیزی کے ساتھ یورپ میں پھیل رہا ہے اور ان کے منفی پروپیگنڈے ناکام ہورہے ہیں ۔ برطانیہ اور امریکہ کے مکروہ چہرے یورپ کے پڑھے لکھے عوام کے سامنے آچکے ہیں۔اس کے علاوہ مسلم ممالک بھی سمجھ چکے ہیں ہمیں ان کی طلسمی شکنجے سے باہر نکلنا ہے لیکن بد قسمتی سے مسلمانوں کے درمیان مسلکی اور فقہی اختلافات کا بھرپور فائدہ اٹھانے میں یورپ ماہر ہیں۔
یہی وجہ ہے کہ جب امریکہ میں بننے والی گستاخانہ فلم نے مسلمانوں کے جذبات

مشتعل کردیئے تھے تو انھیں اسے فرو کرنے کیلئے کیسے ہتھکنڈے استعمال کرنے پڑے جس کے بعد میڈیا میں اس گستاخانہ فلم کی گونج کم ہو گئی ۔ امریکہ اور افغانستان میں قرآن کریم کی بے حرمتی اور ناروے میں گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کے بعد اب شام میں مذہبی مقامات پر متحارب گروپوں سے حملوں کا مقصد مسلم امہ میں ایک ایسی انارکی پیدا کرنا ہے کہ جس میں فرقوں کے نام پر بڑے مسلمان آپس میں لڑنے مرنے پر تیار ہو جائیں اور امریکہ اس کوشش میں کامیاب نظر آتا ہے ورنہ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ فوجی آمریت کے خلاف نام نہاد جمہوری حکومتیں پابندیاں عائد نہ کریں ۔

امریکہ اور اس کے اتحاد افغانستان کی زبوں حالی کا فائدہ اٹھانے کی کوشش میں اب افغانستان میں ایسا ماحول پیدا کرنا چاہتے ہیں جو پختون رواج کے برخلاف ہو ۔ یقینی طور پر اس پر جہاں چہ میگوئیاں ہونگی وہاں پختون اپنی روایات کی بناء پر مشتعل بھی ہو سکتا ہے اور اور امریکہ کو مزید رکنے کے لئے بہانہ مل سکتا ہے کہ افغانستان اب بھی محفوظ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ امریکہ کی جانب سے اپنی فوج اور اسلحے کے انتقال کا مکمل ٹائم فریم نہیں دیا تھا کبھی وہ اسلحہ تلف کرنے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے تو کبھی اسے دیگر افغانستان کے ساتھ جڑے اور مخالف ممالک کو دینے کیلئے پلاننگ بناتا ہے ۔

پاکستان جس نے لاتعداد جانی و مالی قربانیاں دیں اس پر ایسے یقین نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ افغانستان کے طالبان ، پاکستانی کی سمندری حدود تک ایسی پلاننگ بنا چکے ہیں کہ جہاں امریکہ کو زیادہ سے زیادہ نقصان ملے۔ کوئٹہ ، پشاور کے بعد کراچی کا آخری پڑاؤ اب بین الاقوامی اسٹیبلشمنٹ کیلئے پریشان کن ہے اور یہی اہم میدان جنگ ہے۔ کراچی نیٹوافواج کے سازوسامان کی ترسیل کے حوالے سے شدید دردسر بناہواہے۔ دیکھنا تو یہ ہے کراچی کی سرحدوں پر بیٹھنے والے کون ہیں اور ان کا اپنا کوئی افغانستان سے دیا گیاایجنڈا ہے یا کسی دوسری جانب سے جس میں امریکہ کی جانب سے آخری لمحوں تک یہ خطرہ موجود رہے گا کہ کراچی کے مقبوضہ علاقوں میں امریکہ اپنے مفادات کے لئے ڈرون حملے کرنے،افغانستان کی جانب سے پاکستان پر حملے سمیت کچھ بھی کرسکتا ہے کیونکہ جنگ میں سب جائز ہے۔

امریکی سیکورٹی ایجنسی کی سیاسی جاسوسی اور پیپلز پارٹی

امریکی میڈیا کے توسط سے دنیا باخبر ہوئی کہ امریکی سیکورٹی ایجنسی کو 193 ممالک کی جاسوسی کرنے کی اجازت مل گئی ہے (جیسے اس سے قبل امریکہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھا تھا)، امریکی میڈیا کے مطابق 193 ممالک میں پاکستان بھی شامل ہے۔ نیشنل سیکورٹی لبنان، بولیویا اور اخوان المسلمون کی بھی جاسوسی کر سکتی ہے۔امریکی سیکورٹی ایجنسی کو "سیاسی جاسوسی" کے اختیارات بھی دیئے گئے ہیں۔ خبر کا سب سے دلچسپ پہلو یہ تھا کہ، نیشنل سیکورٹی ایجنسی کو پی پی پی (پاکستان پیپلز پارٹی) اور بی جے پی (بھارتیہ جنتا پارٹی) کی" جاسوسی" کا اختیار بھی دیا گیا ہے اور یہ ایجنسی ان کی جاسوسی ماضی میں کرتی رہی ہے۔ جس پر پی پی پی اور حکومت نے امریکہ سے شدید احتجاج بھی کیا ہے کہ یہ غیر قانونی عمل ہے۔

امریکہ کی جانب سے کسی بھی ملک اور موبائل فون کی جاسوسی کرنا کرانا کوئی نئی بات نہیں ہے۔اس سلسلے میں امریکہ کی جانب سے جرمنی کی چانسلر انگیلا میرکل کے فون کی جاسوسی کرنے کی خبریں بھی سامنے آچکی ہیں تو اس سے قبل یہ بھی منظر عام پر آچکا ہے کہ امریکہ اپنے دفاع کیلئے کس طرح پوری دنیا میں جاسوسی کا نیٹ ورک استعمال کرتا ہے، صرف ایک مثال موبائل فون کے حوالے سے ہے کہ امریکی نیشنل سیکورٹی ایجنسی (NSA) کیلئے کام کرنے والے سابق جاسوس

ایڈورڈ سناؤڈن نے یہ تشویش ناک انکشاف کیا تھا کہ اگر آپ اپنا موبائل فون آف کردیں تو بھی امریکی خفیہ ایجنسی ایسے ہزاروں میل دور بیٹھ کر خود بخود آن کر سکتی ہیں اور اس کے ذریعے باآسانی آپ کی تمام گفتگو سن سکتیں ہیں۔اہم بات یہ ہے کہ آپ کو اس دراندازی کا پتہ ہی نہیں چلے گا اور آپ کو یہ محسوس ہوگا کہ آپ کا فون آف ہے۔ماہریں کا کہنا ہے کہ اس مقصد کیلئے امریکی ایجنسیاں موبائل فون میں موجود بیس ٹیکنالوجی استعمال کرتی ہیں۔ موبائل فون میں دو قسم کے پروسیسر (Base Band) بینڈ ہوتے ہیں ایک وہ جو آپریٹنگ سسٹم کو کنٹرول کرتا ہے اور دوسرا وہ جو لہروں (یا سگنلز) کو کنٹرول کرتا ہے، جب فون آف ہوتا ہے تو آپریٹنگ سسٹم تو آف ہو جاتا ہے لیکن بیس بینڈ پروسیسر آن ہی رہتا ہے اور یہ خفیہ ایجنسیاں اس ہی بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کی تمام خفیہ باتیں سن لیتی ہے۔

لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ تمام ترجدید ترین ٹیکنالوجی کے باوجود امریکہ اسامہ بن لادن کو تلاش کرنے میں ناکام رہا، اور ابھی تک تحریک طالبان افغانستان کے امیر ملا عمر کو بھی تلاش نہیں کرسکا ہے اور تحریک طالبان پاکستان کے امیر ملا فضل اللہ افغانستان کے علاقے کنٹر میں کہاں ہیں اس سے بھی لاعلم ہے جبکہ پاکستان کی جانب سے گرفتاری کے مطالبے پر افغان حکومت پس وپیش سے کام لے رہی ہے۔ نیز اب دنیا میں ایک نئی خلافت قائم کرنے کے دعوی

دار ابوبکرالبغدادی جو اسلامک اسٹیٹ آف عراق وشام (آئی ایس آئی ایس)کے خلیفہ بھی وارد ہوگئے ہیں، جن کے بارے میں دنیا وامریکہ لاعلم رہے۔ان کی جانب سے ایک آڈیو پیغام میں دنیا بھر کے مسلمانوں سے عراق اور شام ہجرت کرکے اسلامی ریاست کی تعمیر و تشکیل میں تعاون کی اپیل کی گئی ہے۔امریکہ داعش کے خلیفہ ابوبکر البغدادی کو بھی تلاش نہیں کرپایا انھوں نے خود ہی ویڈیو بنا کر بتایا کہ جی یہ ہیں ہم۔ ۔امریکہ ابھی تک بے خبر اور جان ہی نہیں سکا تھا کہ القاعدہ سے الگ ہونے والا یہ نیا گروپ دنیا میں کیا نئی تبدیلی لانے والا ہے۔امریکہ کا جاسوسی نظام یہ بھی نہیں جان سکا کہ عراق میں صرف جون کے مہینے میں 2417 عراقیوں کی ہلاکت کا ذمے دار کون ہے۔شام میں کیمیائی ہتھیار کس نے استعمال کئے امریکہ کا جاسوسی نظام تو کئی برس تک یہ بھی نہیں جان سکا تھا کہ ان کے امریکی صدر کے مونیکا لیونسکی کے ساتھ تعلقات کس نہج پر پہنچ چکے تھے کہ انھیں پوری دنیا میں سبکی کا سامنا کرنا پڑا۔

متعدد معاملات ہیں کہ امریکہ کا تمام تر جاسوسی کا نظام صرف محدود حد تک ہی کامیاب ہے، خفیہ معلومات حاصل کرنے کیلئے دنیا کی ہر حساس خفیہ ایجنسی اپنے ذرائع کا استعمال کرتی رہتی ہے۔لیکن دل چسپ پہلو یہ ہے کہ 193 ممالک کے ساتھ پاکستان کی سیاسی جماعت پیپلز پارٹی اور بھارت کی سیاسی جماعت بھارتیہ

جنتا پارٹی کی بھی جاسوسی کی جائے گی۔پاکستان کی اور سیاسی جماعتوں کی بھی جاسوسی کی جارہی ہوگی ، جیسا کہ بتایا جاتا ہے کہ تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان کو الیکشن میں 35 پنکچرز کے حوالے سے نجم سیٹھی اور نواز شریف کے درمیان گفتگو کی فون ریکارڈنگ غیر ملکی سفارت خانے نے فراہم کیں۔ اسی طرح میمو گیٹ اسکینڈل کے حوالے سے بھی خفیہ معلومات کا تبادلہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی ہے۔

دل چسپ خبر یہ ہے کہ پیپلز پارٹی کی جاسوسی بھی کی جاتی رہی ہے اور مزید بھی کی جائے گی۔ یقینی طور پر یہ پاکستانیوں کیلئے بھی دل چسپ خبر ہے کیونکہ پاکستانی عوام بھی جاننا چاہتے ہیں کہ سابق صدر پاکستان آصف زرداری ، سب پر بھاری کس طرح ہوگئے تھے ۔مفاہمت کے نام نپی تلی ایسی پختہ سیاست پاکستان کی تاریخ میں کسی بھی سیاسی جماعت کے لیڈر کے حصے میں نہیں آئی ، جس قدر پیپلز پارٹی کے کو چیئرمین آصف علی زرداری کے حصے میں آئی۔اقلیتی جماعت ہونے کے باوجود پورے پانچ سال حکمرانی کی نئی تاریخ رقم کی ، کوئی بھی ایسی سیاسی جماعت نہیں تھی کہ ایسے اپنے ساتھ نہ ملایا ہو، کئی چینلز کے اینکرز تو حکومت جانے کی تاریخ کا کاؤنٹ ڈاؤن تک شروع کردیتے تھے ، لیکن انھیں انتہائی مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا تھا کہ آصف علی زرداری کی حکومت قائم دائم رہتی اقلیت میں ہونے کے باوجود بڑے دھڑلے سے اکثریت پر حکومت ،

کی۔

خاص طور پر آصف علی زرداری کی جاسوسی اس لئے بھی ضروری ہے کہ انھوں نے قومی سیاست کا کھیل چالاکی سے کھیلا تو صوبائی سیاست میں بھی خوب دھما چوکڑی کی،
تحریک انصاف تو زرداری دور حکومت میں دور دور تک نظر نہیں آئی تو دوسری جانب سب سے بڑا کارنامہ مسلم لیگ ق کو ساتھ ملانے کا تھا، لیکن ہمت وصبر کی اعلی مثال سپریم کورٹ میں چیف جسٹس کے ساتھ سوئس کیس کے سلسلے میں سامنے آئی کہ دو وزیر اعظم بھینٹ چڑھانے کے باوجود سوئس کیس کھولنے کی معیاد گزار کر اپنی سیاسی دور اندیشی وچالاکی کی دھاک دنیا پر بیٹھا دی، میمو کیس اسکینڈل ہو کہ اسامہ بن لادن کا معاملہ یا پھر نیٹو سپلائی بند کرا کر، امریکی سی آئی اے کو ناکوں چنے چبوانا، یا ریمنڈ ڈیوس کیس کو ہنڈل کرنا کہ پنجاب سے امریکی جاسوس، بغیر پاسپورٹ کے باخیریت وطن پہنچ گیا، یا پھر سوات آپریشن میں کامیابی، اور شمالی وزیرستان آپریشن کی بَلا کو ٹالنا، غرض یہ کہ نواز شریف کو یہاں تک مشورہ دیا گیا کہ انھیں سیاست کے اسرار، راز وامور سے آگاہی کے لئے آصف زرداری سے استفادہ وشاگردی اختیار کرلینی چاہیے ۔کہ سندھ میں قبر میں پاؤں لٹکائے وزیر اعلی کپتان کراچی آپریشن کو جوانوں کی طرح اس طرح استعمال کر رہے ہیں کہ مخالفین بھی عش عش کر اٹھے ہیں، بلاول زرداری کی تربیت ہو کہ حنا ربانی کا "فرضی" اسکینڈل، بھارت سے

تعلقات ہوں کہ امریکہ سے کھنچاؤ، آصف علی زرداری کا پیپلز پارٹی کو کامیابی سے چلانا، حیران کن رہا ہے۔ ان کے سیاسی حکمرانی دور میں کنٹینر والے طاہری بابا نے جب سینکڑوں خواتین، بچوں کو سردی کے سرد ترین موسم میں اپنی جنونیت کی بھینٹ چڑھا دیا تھا کہ کمال چابکدستی سے طاہر القادری کو محفوظ راستہ دیا اور کینڈا کی راہ دکھائی کہ اب جا کر نواز حکومت کیلیے درد سر بنے ہوئے ہیں کہ کس طرح طاہری ایجنڈا سے جان چھڑائی جائے۔

بہرحال کچھ بھی ہو، امریکہ یقینی طور پر پیپلز پارٹی کی مفاہمت کی سیاست کی جاسوسی کر کے زرداری کے راز معلوم کرنا چاہ رہے ہونگے، شاید انھوں نے بھارتیہ جنتا پارٹی بی جے پی کی بھی جاسوسی کرنے کا فیصلہ اس لئے کیا ہے کیونکہ پاکستان پیپلز پارٹی اور بھارتیہ جنتا پارٹی، دونوں ہم مطلب ہیں صرف بھارت اور پاکستان کے نام کا فرق ہے۔

امریکہ اپنی من مانی کرتا رہے گا، پوری دنیا کی جاسوسی کر لے، کامیاب بھی ہو جائے گا لیکن زرداری کے معاملے میں ناکامی ہی ہوگی، سنا ہے کہ کچھ یونیورسٹیاں آصف علی زرداری کی سیاست پر تحقیق کرنے والوں کو پی ایچ ڈی بھی دیں گی۔

لازم ہے قیدی رہا ہوں

جب بھی کوئی حکمران کسی دوسرے علاقے پر چڑھائی کرتا ہے تو فتح کے بعد جو بھی مال اس کے ہاتھ آتا، اسے مال غنیمت کہتے تھے۔ اسلام میں غنیمت کے مال کو حاصل کرنے اور پھر تقسیم کرنے کے بھی اصول بتائے گئے ہیں۔ ان مالِ غنیمت میں اسلحہ، دولت اور قیدی بھی ہوتے تھے۔ جن میں مردوں کو غلام اور عورتوں کو لونڈیاں بنا لیا جاتا یا پھر فروخت کر دیا جاتا۔

جنگ مریسیع میں بنو مصطلق کو شکست ہوئی تو مسلمانوں کو مال غنیمت میں دو ہزار اونٹ، پانچ ہزار بکریاں اور چھ سو قیدی ملے، جن میں حضرت جویریہ رضی اللہ تعالی عنہا بھی تھیں اور مال غنیمت کی تقسیم میں آپ ایک انصاری ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں، جنھوں نے اس شرط پر آپ کو آزاد کرنے کا وعدہ کیا کہ آپ کچھ رقم ادا کریں۔ آپ کی پہلی شادی اپنے قبیلے کے ایک نوجوان مسافع بن صفوان سے ہوئی تھی جو مسلمانوں اور بنی مصطلق کے درمیان جنگ میں مارے گئے اور حضرت جویریہ رضی اللہ تعالی عنہا کنیز (قیدی) بنا لی گئیں، اسیری میں ہی حضرت جویریہ رضی اللہ تعالہ عنہا، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ سے امداد کی درخواست کی، حضور ﷺ نے رقم ادا کر دی اور آپ سے نکاح کیلئے کہا

۔آپ نے منظور کرلیا اور ۵ ھ (۶۲۶ء) میں آپ، رسول ﷺ کی عقد میں آگئیں، رسول اللہ ﷺ نے آپ کا نام برہ سے تبدیل کرکے جویریہ رضی اللہ تعالی عنہا رکھا۔جب حضور ﷺ نے آپ رضی اللہ تعالی عنہا سے نکاح کرلیا تو دیگر صحابہ اکرام رضوان اللہ اجمعین، جن کے تسلط میں بنی مصطلق کے دیگر اسیران تھے انہوں نے محض اس وجہ سے ان کو آزاد کردیا کہ اب یہ قبیلے والے حضور ﷺ کے سسرالی ہیں اور ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ان کو غلام اور لونڈی (قیدی) بنا کر رکھیں۔

تاریخ اسلام میں شہر بانو کا بھی ذکر ملتا ہے، شہر بانو ایک ایرانی قیدی لڑکی تھیں، یہ ایران کے بادشاہ یزد گرد کی بیٹی تھیں۔ خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں عربوں کیساتھ جنگوں میں یہ قیدی ہو گئی تھیں۔ مال غنیمت اور قیدیوں کے ساتھ انھیں ایران سے مدینہ لایا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے مشورہ سے ان کے احترام کو قائم رکھا اور انھیں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے بیٹے امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کو دے دیا گیا جنھوں نے ان سے شادی کرلی اور ان کی کوکھ سے امام زین العابدین پیدا ہوئے۔ بعض روایات کیمطابق اس شادی میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ نے شادی کروانے میں اہم ۔ کردار ادا کیا

جنگوں میں گرفتار افراد کو جنگی قیدی کہا جاتا ہے۔بکہ سیاسی قیدی ایسے شخص

کو کہا جاتا ہے جسے جیل میں صرف سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی پاداش میں ڈالا گیا ہو یا محبوس کیا گیا ہو۔ عام طور پر ضلعی عدالتیں ، ملزمان کو کچھ دنوں کیلئے جوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیجتی ہیں لیکن یہ کچھ دن بعض اوقات سالوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہی ہوتا۔ ہمارے یہاں ایک اصطلاح لاپتہ افراد کی بھی استعمال کی جاتی ہے۔ جنھیں بھوت قیدی بھی کہا جاتا ہے۔، مختلف حکومتیں ، دہشت گردی کیخلاف جنگ میں ایسے افراد کو اپنی تحویل میں رکھتی ہیں جن کے گرفتاری سے متعلق اقرار نہیں کیا جاتا اور یہ نہیں بتایا جاتا کہ ایسے قیدی کہاں ہیں اور کس حالت میں ہیں ۔ جبکہ مطلوب افراد کے رشتے داروں کو بھی حراست میں لیا جاتا ہے ۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ بھوت قیدیوں میں غیر قانونی طور پر پکڑے جانیوالے معصوم بچے بھی شامل ہوتے ہیں۔ جیسے خالد شیخ جو امریکہ کے مطابق دہشت گردی کے منصوبہ ساز کے طور پر امریکی قیدی بنے تو ان کے دو بچے جن کی عمر سات اور نو برس تھی ، انھیں بھی امریکی حراست میں اس لئے لیا گیا تاکہ ان کے حوالے سے خالد شیخ پر تفتیش کے دوران دباؤ ڈالا جائے۔ ویسے یہ عمل ہماری پولیس اور دیگر قانون نافذ کرنے والے ادارے بھی کرتے ہیں۔

معروف مفسر امام محمد المالکی القرطبیؒ ، تفسیر قرطبیؒ کی جلد ۵ میں فرماتے ہیں کہ " مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ قیدیوں کو رہا کراوئیں ، خواہ وہ قتال کے

ذریعے ہو یا مال و دولت خرچ کرنے کے ذریعے، پھر اس کیلئے مال خرچ کرنا زیادہ واجب ہے کیونکہ اموال، جانوں سے کمتر نہیں۔"

دوسری جگہ تحریر میں فرماتے ہیں" ہمارے علماء کا کہنا ہے کہ قیدیوں کو رہا کروانا واجب ہے اگرچہ ایک درہم بھی باقی نہ بچے، علامہ ان خویز منداد فرماتے ہیں کہ قیدیوں کو چھڑانا واجب ہے۔ اس سلسلے میں کئی آثار منقول ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خود قیدی چھڑائے اور مسلمانوں کو قیدی چھڑوانے کا حکم دیا۔ مسلمان ہمیشہ اسی پر عمل کرتے رہے ہیں اور اس پر سب کا اجماع ہے۔ بیت المال سے قیدیوں کا فدیہ دیکر ان کو رہا کروانا واجب ہے۔ اگر بیت المال نہ ہو تو یہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ البتہ کچھ لوگ اس فرض کو پورا کرلیں گے تو باقی لوگ گناہ سے بچ جائیں گے۔ (تفسیر قرطبیؒ، جلد دوئم

صحیح بخاری شریف میں حدیث نمبر ۴۳۷۳ میں ہے کہ "حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور مریض کی عیادت کرو اور قیدی کو رہا کراؤ۔"

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "قیدیوں کو چھڑانا بڑے واجبات میں سے ہے اور اس سلسلے میں وقف شدہ اور دیگر مال کو خرچ کرنا بہترین نیکیوں میں

سے ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہ ۲۸/۶۳۵)۔اس مرحلے پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مختلف جرائم میں گرفتار، ملزموں کو قید سے چھڑانا، کہاں کا انصاف ہے۔ تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ پاکستان کی جیلوں میں لاتعداد ایسے قیدی موجود ہیں جو اپنے جرم کی سزا تو کاٹ چکے ہیں لیکن معمولی جرمانوں یا دیت کی رقم نہ ہونے سبب، رہائی نہیں پاتے۔ پاکستان میں مخصوص تہواروں میں سنگین جرائم کے بجائے معمولی جرائم کے نوعیت کے ملزمان کو معافیاں بھی دیں جاتیں ہیں جن میں جیل سپرینٹنڈنٹ، آجی جیل جیل خانہ جات کے پاس بھی ایک ماہ کی معافی اختیار ہوتا ہے لیکن گزشتہ سال سے اب تک کسی بھی تہوار بشمول عیدین، یوم آزادی، سمیت خاص ایام میں سزا یافتہ قیدیوں کو معافیاں نہیں دیں گئیں جس کے سبب بھی سینکڑوں قیدی اسیر ہیں۔ ماہ رمضان میں زکوۃ کے مد میں ایسے قیدیوں کو بھی رہا کروایا جاسکتا ہے جو صرف معمولی جرمانوں کی عدم ادائیگی کے سبب جیل میں قید اپنے اہل خانہ، بال بچوں سے دور ہیں۔ عمومی طور پر ایسے قیدی ناکردہ گناہ میں بے گناہ گرفتار ہوتے ہیں اور معمولی نوعیت کے ان مقدمات میں قبول داری کرکے جلد از جلد گھر جانا چاہتے ہیں۔ صاحب حیثیت افراد قیدیوں کو رہا کروانے کیلئے جیل حکام سے براہ راست بھی رابطہ کر سکتے ہیں اور کسی کی معاونت کے بغیر اللہ تعالی کی رضا کیلئے اس اہم کام کو سرانجام دے سکتے ہیں۔

ان کے اس عمل سے ایسے قیدیوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے جو استطاعت نہ رکھنے کے سبب طویل عرصے سے قید ہوتے ہیں اور صلہ رحمی کے نتیجے میں رہائی کے بعد معاشرے کا اہم حصہ بن کر، اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں پر کسی قسم کا ردعمل نہیں کرتے اور دوبارہ جرم کے راستے پر گامزن نہیں ہوتے۔ کیونکہ یہی دیکھا جاتا ہے کہ جب معاشرہ ایسے افراد کو قبول نہیں کرتا تو، ردعمل اور مایوسی کے دور میں اس کا رجحان جرائم کی جانب ہوجاتا ہے اور وہ اپنے ساتھ ہونے والے سلوک، پر نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہوکر معاشرے میں مزید بگاڑ کا سبب بنتا ہے۔ اگر ان کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے، اور حکومت، جیل مینوئل اور آئین کے تحت دیئے اختیارات کی بنیاد پر مخصوص قیدیوں کیلئے معافی کا اعلان کریں اور ایسے قیدیوں کو بیت المال کے ذریعے جرمانہ ادا کرکے رہا کروائیں تو یقینی طور پر اس کے نتائج معاشرے میں مثبت نکلیں گے۔

ماہ رمضان تو ویسے ہی نیکی کمانے کا مہینہ ہے، اس میں خاص طور پر مرد، عورت، بچے قیدیوں کی آزادی کیلئے کام کرکے سرخرو ہوا جاسکتا ہے اور بکھرے ہوئے خاندانوں میں خوشیاں لوٹائی جاسکتی ہیں حکومت بھی قانون کے مطابق قیدیوں کو رہائی دے

صحافی فیض اللہ خان کو سزا اور افغان حکومت کی احسان فراموشی

افغانستان نے پاکستانی پختون صحافی فیض اللہ خان کو غلطی سے سرحد پار کرنے کے جرم میں چار سال کی سزا سنا کر احسان فراموشی کی حد تمام کردی۔ فیض اللہ خان، کراچی کے ان ملنسار اور انسان دوست غیر جانبدار صحافی ہیں، جو کراچی کے بدترین حالات میں بھی مثبت اور غیر جانبداری سے پیشہ وارنہ سرگرمیاں سرانجام دیتے رہے ہیں۔

کراچی کے غیور و بہادر شہید صحافی ولی خان بابر کی شہادت کی بعد ایک لسٹ حساس اداروں کی جانب سے آئی تھی، جس میں سابق وزیر داخلہ عبدالرحمٰن نے بتایا تھا کہ ولی خان بابر کے بعد کراچی کے دس ایسے پختون صحافی ہیں جنھیں دہشت گرد نشانہ بنا سکتے ہیں، اس لسٹ میں فیض اللہ خان، جو اس وقت اے آر وائی چینل میں قوم پرست جماعتوں اور کورٹ رپورٹنگ کی کوریج کیا کرتے تھے، چوتھے نمبر پر تھے۔ ولی خان بابر پہلے نمبر تھے، جس کے بعد جن جن صحافیوں کے نام تھے، ان میں سے چھ صحافیوں نے فوری طور پر پاکستان چھوڑ دیا اور اپنے میڈیا گروپ کی انتظامیہ کو اعتماد میں لیکر ٹریننگ کیلئے بیرون ملک چلے گئے۔

ان میں فیض اللہ خان بھی تھے، جو لندن چلے گئے اور کچھ عرصہ وہیں رہے، پھر کراچی واپسی کے بعد مقامی چینل سما سے وابستہ ہوئے، لیکن اس کے بعد دوبارہ اے آر وائی کو جوائن کرلیا۔ کراچی میں انھوں نے اپنی سرگرمیاں محدود رکھیں اور بڑی احتیاط کے ساتھ رپورٹنگ کرنے لگے، بعدازاں وہ کراچی چھوڑ کر خیبر پختونخوا میں چلے گئے اور وہاں اپنے ادارے کے لئے پیشہ وارانہ خدمات سرانجام دینے لگے۔ جہاں بد قسمتی سے ان کے ساتھ مذکورہ واقعہ پیش آیا اور افغانستان میں سرحدوں کی حد بندی سے ناواقفیت کی بناپر غلطی سے سرحدپار کرگئے اور افغان حکومت نے فوری طور پر کیس چارج فریم کرکے انھیں بے دھڑک سزا بھی سنادی اور صحافتی اقدار کا بھی خیال نہیں کیا۔

فیض اللہ خان، ایک خاموش طبع اور انتہائی شریف النفس انسان ہیں، کراچی میں جس طرح پختونوں کا قتل عام کیا جارہا تھا اس پر ان کا دل ضرور کڑھتا تھا، لیکن انھوں نے ہمیشہ صحافت اور اپنی پیشہ وارانہ فرائض کو ترجیح دی اور لسانیت یا قوم پرستی سے اجتناب برتتا، جس کے سبب ان کی قدر و منزلت میں اضافہ ہو۔ چونکہ کراچی میں لسانیت کے نام پر دہشت گردوں نے قتل وغارت کا بازار گرم کیا ہوا تھا اور گناہ گار یا بے گناہ کی کوئی تخصیص نہیں تھی اس لئے پختون صحافیوں کو شدید مشکلات کا سامنا اور عدم تحفظ کا احساس رہتا تھا، لسانی بنیادوں پر علاقوں کی تقسیم کی بناپر اعلی صلاحیتوں والے نامور

صحافی، کراچی چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور ان کئی صحافیوں سے واقف ہوں، جو کراچی میں دوبارہ آنے کے حوالے سے کان پکڑتے ہیں اور اپنی جان کی عافیت طلب کرتے ہیں۔

افغانستان حکومت نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ ان کے لاکھوں افغانی کئی دہائیوں سے پاکستان میں رہ رہے ہیں، کھا رہے ہیں اور جائیدادیں بنا رہے ہیں، اور انھیں پاکستان کی شہریوں سے زیادہ مراعات حاصل ہیں، بلکہ نادرا میں رجسٹریشن کرائے بغیر لاکھوں افغانی، پاکستان میں قیام پذیر ہیں بلکہ کئی افغانی صحافی بھی پاکستان میں روزگار سے وابستہ ہیں اور غیر قانونی طور پر رہتے ہیں۔

علاوہ ازیں میں ذاتی طور پر متعدد واقعات کا گواہ ہوں کہ جب افغانستان کا کوئی شہری، سفری دستاویزات نہ ہونے کی وجہ سے پکڑے بھی جاتے ہیں تو، دوران حراست، مقامی عدالتیں ان کی جوڈیشنل ریمانڈ کے عرصے کو ہی سزا تصور کرکے انھیں رہا کرنے کا حکم دیتی ہے۔ میں ذاتی طور پر ایک ایسے واقعے کا بھی گواہ ہوں کہ افغانستان سے تعلق رکھنے والی ایک فیملی غیر قانونی طور کراچی ایئرپورٹ سے سعودی عرب جانے کی کوشش میں جعلی پاسپورٹ اور ویزے کی بنا پر گرفتار ہوئی اور انھیں ڈسٹرکٹ جیل ملیر کراچی اور ان چار افراد کی

تین خواتین کو سینٹرل جیل، خواتین کراچی میں جوڈیشنل ریمانڈ پر بھیجا گیا۔ ان کے کیس ڈسٹرکٹ ملیر کی عدالت میں چل رہا تھا۔ تاریخوں میں پیشی کے دوران، ایڈیشنل جج نے ایف آئی اے کے احکام کو ڈانٹا کہ حج کی نیت سے جانے والوں کو واپس افغانستان بھیج دیتے، انھیں جیل کیوں بھیجا، پھر انھوں نے خود افغان کونسل جنرل کو فون کیا کہ آپ کے شہری یہاں ہیں، ان کے جانے کیلئے ٹرانسپورٹ کا بندوبست کریں، پھر افغان جنرل کونسل نے اگلی تاریخ میں کورٹ کو ٹائم پریڈ دیکر انھیں بس میں بٹھا کر طورخم بارڈر روانہ کیا۔

یہی نہیں بلکہ لاتعداد ایسے مقدمات ہیں اور کئی مقدمات میرے سامنے بھی آئے کہ جیلوں میں ان سے کوئی مشقت نہیں لی جاتی تھی اور انھیں عام قیدیوں کی طرح ہر چیز کی سہولت فراہم کی جاتی تھی، نیز عدالتیں انھیں، قبول داری کرنے پر ان کی جوڈیشنل ریمانڈ کے ایام کو ہی سزا قرار دیکر معمولی جرمانوں کے ساتھ انھیں جلد از جلد رہا کرنے کا حکم دیتی۔ وہ معمولی جرمانہ بھی جیل کے قیدی آپس میں چندہ کرکے ادا کرتے اور انھیں سفری اخراجات کیلئے رقم اور اپنے صاف کپڑے بھی مہیا کرتے، اگر کوئی افغانی بزرگ ہوتا تو بعض قیدی ان کی دعاؤں کیلئے ان کی دن رات خدمت بھی کیا کرتے تھے۔ انھیں قید میں ہونے کا احساس بھی نہیں ہونے دیتے تھے بلکہ ان کا رویہ بہت احسن ہوتا تھا۔

افغانستان حکومت کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ گناہ گار اور بے گناہ میں کافی فرق ہوتا ہے جب فیض اللہ خان پر جاسوسی کا کوئی الزام ثابت نہیں ہوا، ان کی حراست کے عرصے کو ہی بطور سزا بنا کر پاکستانی حکام کے حوالے کیا جا سکتا تھا۔

لیکن افغانستان نے پاکستان کے احسانات پر جس طرح کا رویہ اپنایا ہوا ہے اس سے پاکستانی عوام اور خاص طور پر پختون عوام میں بد گمانیاں جنم لے رہی ہیں، لاکھوں پختون پاکستان میں کروڑوں کا مالک بن چکے ہیں، اب بھی طورخم بارڈر سے خود کو مریض، کہہ کر بغیر سفری کاغذات و دستاویزات کے پاکستان میں علاج کا بہانہ بنا کر آتے ہیں اور ان کی کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔افغانستان کو ایسے عمل سے گریز کرنا چاہیے۔ افغانستان کی جنگ کی وجہ سے پاکستان کی سلامتی خطرے میں پڑے ہوئی ہے اور ان کی جنگ، پاکستان پر مسلط ہے، انھیں ایسے اقدامات سے گریز کرنا چاہیے جس سے پاکستان کا اعتماد کھو دے۔

سابق وزیر داخلہ رحمان ملک نے افغانی وزیر داخلہ سے رابطہ تو کیا ہے اور حسب سابق انھوں نے یقین دہانیاں کرائیں ہیں، لیکن پاکستان کی تمام صحافی

تنظیموں کو اس معاملے میں خاموش نہیں بیٹھنا چاہیے ، کیونکہ یہ معاملہ صرف فیض اللہ خان کا نہیں ، بلکہ صحافت کی رٹ کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے ۔ افغانستان نے مصر کی طرح صحافیوں کو سزا دینے کی روش کو اپنایا ہے ، اگر افغانستان کا یہی رویہ رہا تو میڈیا تنظیموں کو مربوط عمل کو اپنا ہوگا ، انھیں صرف رسمی بیانات دیکر گلو خلاصی نہیں کرنی چاہیے ، بلکہ سنجیدگی کے ساتھ ملک گیر سطح پر اجتماعی آواز اٹھانی چاہیے۔

پاکستان یا غیر ممالک میں صحافی کے ساتھ ناروا سلوک انتہائی افسوس ناک ہے ، میڈیا گروپ کیا کر رہا ہے یا نہیں ، لیکن اندرونی خبر یہی ہے کہ ایک بڑے میڈیا گروپ کے ایک پختون اینکر نے دوسرے میڈیا گروپ کو نیچا دیکھانے کیلئے اپنے افغانستان کے تعلقات کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے ، گزشتہ دنوں ایک پروگرام میں اس بد تمیز صحافی نے تمام بیک ڈور معاملات کو ذاتی انا کے خاطر خراب کیا تھا جو قابل مذمت ہے

پناہ گزینوں کی جبری منتقلی

اپنا گھر، اپنی سرزمین اور اپنے آبا و اجداد کی نشانیاں چھوڑنے کا دکھ ایک مہاجر ہی جان سکتا ہے۔ مہاجر جب اپنا سب کچھ چھوڑ کر بے سرو سامان انجانی جگہ پر روانہ ہوتا ہے تو اس کے سامنے سمندر سے بھی گہرے مسائل درپیش ہوتے ہیں۔ خاص طور پر جب اپنے ہی ملک میں کوئی گھر سے بے گھر ہو کر دربدر ہوتا ہے تو ان کی کسمپرسی کا اندازہ لگانا بھی انتہائی مشکل کام ہے۔

اقوام متحدہ کے ادارہ برائے مہاجرین یو این ایچ سی آر نے ایک رپورٹ گزشتہ دنوں جاری کی تھی جس کے مطابق دنیا بھر میں گزشتہ سال پانچ کروڑ افراد کو جبری طور پر نقل مکانی کرنا پڑی جو کہ جنگ عظیم دوئم کے بعد سے ہونے والی سب سے بڑی تعداد ہے۔ یو این ایچ سی آر کے مطابق پانچ کروڑ میں سے ایک کروڑ ۶۷ لاکھ افراد کو جبری طور پر اپنا ملک چھوڑنا پڑا جبکہ تین کروڑ ۳۳ لاکھ اپنے ہی وطن میں بے گھر ہوئے، انھیں آئی ڈی پیز کہا جاتا ہے۔

سب سے افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ ان بحرانوں کی سب سے اہم وجوہات ملکی داخلی تنازعات ہیں جن کے سبب بے گھر افراد کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

یو این ایچ سی آر کے سربراہ انٹونیو گوٹریس کا کہنا ہے کہ ان تمام تنازعات نے امدادی اداروں کیلئے نہ صرف ڈرامائی صورتحال پیدا کردی ہے بلکہ یہ آج عالمی امن اور سلامتی کیلئے بھی ایک بڑے خطرے کو ظاہر کرتے ہیں، ایک ایسا خطرہ جو ہر جگہ محسوس کیا گیا۔ لہٰذا مہاجرین کے ساتھ اظہار یکجہتی صرف ہمدردی کا معاملہ نہیں بلکہ یہ زیادہ سے زیادہ خود آگاہی کا معاملہ ہے۔ یو این ایچ سی آر کے اعداد و شمار کے مطابق عالمی سطح پر ملک شام کے ۷۲ لاکھ جبکہ فلسطین مہاجرین کی تعداد پچاس لاکھ سے بھی زیادہ ہے، جو اسرائیلی جارحیت کے سبب اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ شام و فلسطین کے بعد افغانستان ہے، جسکے ۲۷ لاکھ سے زائد افراد مہاجرین بننے پر مجبور، ۱۵ لاکھ سے زائد مہاجرین کیساتھ عراق جبکہ صومالیہ گیارہ لاکھ مہاجرین کے ساتھ اس المیے میں شامل ہے۔

پاکستان دنیا میں سب سے زیادہ مہاجروں کو پناہ دینے والا ملک ہے، پاکستان میں اٹھارہ لاکھ سے زائد افراد پناہ لئے ہوئے ہیں۔ عالمی ادارے کی رپورٹ کے مطابق گزشتہ سال سب سے زیادہ نقل مکانی شام کی جنگ کی وجہ سے ہوئی جہاں تقریبا ۲۵ لاکھ افراد بیرون ممالک پناہ حاصل کرنے پر مجبور ہوئے جبکہ ۵۶ لاکھ افراد کو اندرون ملک ہی نقل مکانی کرنا پڑی۔ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ ان مہاجرین میں نقل مکانی کرنے والوں کی مجموعی تعداد میں پچاس فیصد سے

زاید بچے شامل ہیں۔

اس ضمن میں اعداد و شمار کے حوالے سے بڑی لمبی چوڑی فہرست ہے، جیسے نقل کرتے کرتے صفحات کم پڑ جائیں۔ ان دنوں پاکستان کے شمالی علاقے وزیرستان میں غیر ملکی دہشت گردوں کے خلاف فوجی آپریشن ضرب عضب بڑی شد ومد کے ساتھ جاری ہے۔ لیکن اس سلسلے میں ایک نہایت افسوس ناک پہلو جو سامنے آیا ہے، وہ یہ ہے کہ پاک فوج کو ایک طرف جنگی صورتحال کا بھی سامنا ہے تو دوسری جانب دس لاکھ آئی ڈی پیز، جن کی متوقع تعداد میں مزید اضافہ ممکن ہے، اس جنگ سے براہ راست متاثر ہو رہے ہیں اور ان کی بحالی کا بھی سامنا ہے۔ پاکستانی قوم میں ماضی کے مقابلے میں ویسا جذبہ نظر نہیں آرہا کہ وہ بڑھ چڑھ کر ان متاثرین کی امداد کیلئے حصہ لیتے تھے، بلکہ ایسا لگتا ہے کہ جیسے متاثرین جنگ کو بھی طالبان عسکریت پسند سمجھ کر برتاؤ کیا جارہا ہے اور انھیں بھرپور طریقے کیساتھ بنوں اور اسکے قرب و جوار میں محبوس رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ یہ پاکستان کے دوسرے علاقوں میں نہ پھیلیں۔

سب سے پہلے ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اپنے گھروں سے بے گھر ہونے والے کسی ذاتی ایجنڈے کے تحت اپنی مرضی سے بے گھر نہیں ہوئے ہیں بلکہ عالمی سطح پر نظر دوڑائیں تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ پانچ کروڑ مہاجرین کی اپنے گھروں سے جبری بے دخلی میں امریکی اور اسرائیلی اسٹیبلشمنٹ اور ان کی فوجی

جارحیت کا ہاتھ ہے۔ فلسطین میں پچاس لاکھ سے بھی زیادہ مہاجرین، امریکہ کی معاشی شہ رگ اسرائیل کی من مانی اور بربریت کی وجہ سے اپنا وطن چھوڑنے میں مجبور ہوئے ہیں۔امریکہ اور برطانیہ اگر اسرائیل کی پشت پناہی نہ کرتا اور صہیونی ایجنڈے کو کامیاب نہ بناتا تو مشرق وسطی کا یہ خطہ امن کی سرزمین ہی رہتا، لیکن امریکی جارحیت نے عراق کو بھی اپنے لپیٹے میں لے لیا اور جبری جنگ مسلط کرنے کے سبب عراق تاراج ہوا، بلکہ اب امریکہ، برطانیہ پالیسیوں کی سبب، عراق تقسیم کی راہ پر گامزن اور امریکہ کی پھٹو مالکی حکومت نے فرقہ وارنہ کشیدگی میں مسلمانوں کا جینا حرام کرکے لاکھوں انسانوں کی زندگیوں کو نہ صرف خطرے میں ڈال دیا ہے بلکہ اس فرقہ وارنہ جنگ کا دائرہ، شام سے بڑھاتے ہوئے عرب کے دیگر ممالک کی جانب بھی موڑ دیا ہے، امریکی پالیسوں کی سبب ہی شام میں فرقہ واریت کو ہوا دی گئی اور گذشتہ سال ۲۷ لاکھ افراد کی ہجرت کا سبب بنا۔

کچھ اور آگے بڑھیں تو افغانستان کی عبرت ناک مثال ہمارے سامنے ہے کہ سرد جنگ میں پہلے افغان، روس کے نتیجے میں لاکھوں افغانی مسلمانوں کو ہجرت کرنا پڑی تو ملکی خارجہ پالیسی نے جلتی پر تیلی کا کام کیا اور افغانستان کی امریکی جنگ کو پاکستان نے اپنی جنگ بنا لیا اور پرائی جنگ میں اپنے گھر کو آگ میں جھلسا دیا۔

پاکستان، جسے مسلم ممالک کی سرپرستی اور سربراہی کرنا تھی، اس جنگ میں اس قدر مصروف ہوگیا کہ ایسے اپنے ہی علاقوں میں حکومتی رٹ قائم کرنے کیلئے جنگ لڑنا پڑرہی ہے، پہلے جنوبی وزیرستان میں آپریشن راہ نجات، پھر سوات میں آپریشن راہ راست اور اب شمالی وزیرستان میں آپریشن ضرب عضب میں پاک فوج کے جوان قربانیوں کی مثال قائم کررہی ہیں۔ہمیں زیادہ غور وفکر کی ضرورت نہیں، بلکہ سادہ رائے یہی ہے کہ امریکہ، برطانیہ کے گٹھ جوڑ سے عالمی امن خطرے میں پڑا ہے۔امریکہ اور برطانیہ نے صرف صلیبی جنگوں کا انتقام لینے کیلئے مسلمانوں کے درمیان نا اتفاقی کا فائدہ اٹھا کر مسلم امہ کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا جس کا سلسلہ جاری ہے۔
عالمی دہشت گردی کے اس ایجنڈے میں شمالی وزیرستان کی عوام کا قصور نہیں ہے کہ اسے چند گروپوں نے اس طرح یرغمال بنالیا کہ انھیں احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ پاکستان کی عملداری میں رہتے ہیں۔ عسکریت پسندوں کو کرپٹ اہلکاروں نے کھلی چھوٹ دی، جس کے سبب وزیرستان کے گنجلک و گنجان علاقوں میں ملک بھر میں انتہا پسندی کی منصوبہ بندیاں کیں جاتیں رہیں اور انھیں روکنے والا کوئی بھی نظر نہیں آتا تھا کہ وہ پاکستانی قانون کے تحت پابند ہیں۔

ان علاقوں میں آج بھی قبائلی روایات کے مطابق قانون چلتا ہے اور 1848ء سے نافذ ایف سی آر جیسے کالے قوانین نے ان قبائل کو پاکستان کے آئین سے کوسوں دور رکھا ہوا ہے۔ برطانیہ کا بنایا ہوا ایف سی آر کے قوانین کے تحت ہی فیصلے کئے جاتے ہیں، وہاں کی اکثریت کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ پاکستان حدود میں رہتے ہیں یا افغانستان کی، ان کے نزدیک پاک، افغان سرحدوں کا کوئی تصور نہیں تھا، اس کے علاوہ اگر یہ کہا جائے کہ سابقہ حکومتوں نے ان علاقوں کو اپنی خارجی پالیسی کے تحت استعمال کیا تو غلط نہ ہوگا۔ پاکستان کے قیام کے بعد ان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت نہ ہو سکی اور ایک لسانی مسئلے سے جنم لینے والے بحران نے دو قومی نظریہ پر اعتماد کو متزلزل کردیا۔ ملک آزاد ہوا نہیں تھا کہ گندم کے عوض امریکہ کا غلام بن گیا اور سات سمندر پار غیر فطری حلیف کی وجہ سے پاکستان، دنیا میں اپنے مفادات کے بجائے غیروں کے مفادات کا تحفظ کرنے کیلئے قربانی کا بکرا بنتا چلا گیا۔

آج پاکستان پھر نظریاتی طور پر تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ ملک کی سیاسی جماعتوں نے ماضی کی طرح پھر آنکھیں موند لیں ہیں، کوئی ذاتی اقتدار کیلئے سونامی لانے کا متمنی ہے تو کوئی کینڈا برانڈ انقلاب لیکر آیا ہے، کوئی جشن آزادی منانا چاہتا ہے تو اس لئے کہ کوئی لانگ مارچ نہ کرسکے، تو کہیں، نام نہاد قوم پرستوں نے علیحدگی کے نعرے اور منصوبے تیار رکھے ہوئے

ہیں۔دہشت گردوں نے کراچی کو یرغمال بنا کر پورے ملک کی معاشی شہ رگ کو دبا رکھا ہے تو دوسری جانب افغانستان ، ماضی کی پاکستان کی خارجہ پالیسوں کا بدلہ لینے کیلئے شمالی وزیرستان آپریشن کو ناکام بنانے کیلئے تلا ہوا ہے۔

ذرا آپ اور ہم بھی اپنے گریبانوں میں جھانکیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟۔کیا ہمارا بھی وہی رویہ نہیں جو دشمنان پاکستان کا ہے؟؟۔

موبائل فون کی تباہ کاریاں

میڈیا کی ایک دلچسپ خبر میں بتایا گیا کہ برطانیہ کی "یونیورسٹی آف ایکسیٹر" کے سائنسدانوں کی جانب سے کی جانے والی تحقیق میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ پینٹ کی جیب میں موبائل رکھنے والے مردوں میں برقی مقناطیسی ریڈی ایشن شعاؤں کے منفی اثرات کی وجہ سے مادہ تولید کے معیار اور حرکات میں 8 فیصد کمی ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے مرد بانجھ پن کا شکار ہو سکتے ہیں۔ تحقیق کی سربراہ ڈاکٹر فیونا میتھیوز کے مطابق اس تحقیق میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ پتلون کی جیب میں موبائل رکھنے والے مردوں کے مادہ تولید پر برقی مقناطیسی شعائیں تین مختلف انداز سے اثر انداز ہوتی ہیں جسکے باعث مادہ تولید کے معیار، حرکات میں نمایاں کمی واقع ہوتی ہے اور مرد حضرات باپ بننے کی صلاحیت سے بھی محروم یا پھر ان کے بچے پیدائش کے فورا بعد ہی موت کے منہ میں جا سکتے ہیں۔ دوسری جانب یونیورسٹی آف شیفلڈ کے محقق اور بانجھ پن کے ماہر ڈاکٹر الن پیسی کا کہنا ہے کہ وہ اس تحقیق سے مکمل طور پر اتفاق نہیں کرتے، ان کا کہنا ہے کہ موبائل فون کی برقی مقناطیسی شعائیں چونکہ بیرونی مسئلہ ہے لہذا وہ مردوں کی اندرونی صحت پر اثر انداز نہیں ہو سکتیں، تاہم اس حوالے سے مزید جامع تحقیق کی ضرورت ہے جو موبائل فون کے عادی اور اس ٹیکنالوجی کا استعمال نہ کرنے والے افراد پر

ہونی چاہیے۔برطانوی تحقیق پر اب کیا کہیں کہ موبائل فون اب انسانوں کی پرائیوسی پر کس قدر اثر انداز ہو رہا ہے۔ موبائل فون کے حوالے سے امریکی نیشنل سیکورٹی ایجنسی کیلئے کام کرنے والے سابق جاسوس ایڈورڈ سناؤڈن نے یہ تشویش ناک (NSA) انکشاف کیا تھا کہ اگر آپ اپنا موبائل فون آف کر دیں تو بھی امریکی خفیہ ایجنسی ایسے ہزاروں میل دور بیٹھ کر خود بخود آن کر سکتی ہیں اور اس کے ذریعے باآسانی آپ کی تمام گفتگو سن سکتیں ہیں۔اہم بات یہ ہے کہ آپ کو اس دراندازی کا پتہ ہی نہیں چلے گا اور آپ کو یہ محسوس ہوگا کہ آپ کا فون آف ہے۔ماہریں کا کہنا ہے کہ اس مقصد کیلئے ٹیکنالوجی استعمال (Base Band)امریکی ایجنسیاں موبائل فون میں موجود بیس بینڈ کرتی ہیں۔ موبائل فون میں دو قسم کے پروسیسر ہوتے ہیں ایک وہ جو آپریٹنگ سسٹم کو کنٹرول کرتا ہے اور دوسرا وہ جو لہروں (یا سگنلز) کو کنٹرول کرتا ہے،جب فون آف ہوتا ہے تو آپریٹنگ سسٹم تو آف ہو جاتا ہے لیکن بیس بینڈ پروسیسر آن ہی رہتا ہے اور یہ خفیہ ایجنسیاں اس ہی بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کی تمام خفیہ باتیں سن لیتی ہے۔ کچھ عرصہ قبل ریڈیشن اینڈ نیوکلیئر سیفٹی اتھارٹی کی رپورٹ آئی کہ موبائل سے ہونے والا ریڈیشن اسٹرس پروٹین stress protien پیدا کر رہا ہے، بایو الیکٹرومیگنیٹک ماہرین کے مطابق ڈیٹا نایئلنڈ کے مطابق ریڈیشن خلیوں میں

پروٹین کی مقدار میں اضافے کا باعث ضرور بنتا ہے لیکن اس کے اثرات منفی یا مثبت ہیں یہ کہنا قبل از وقت ہوگا۔اس وقت اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک کی رپورٹ نے بھی انکشاف کیا تھا کہ گود میں رکھا لیپ ٹاپ اور پینٹ میں رکھا موبائل فون مردوں کو نامردی کی جانب دھکیل رہا ہے۔ہندوستان میں 2012ء ستمبر میں ایک نوٹیفکیشن جاری کیا گیا تھا کہ موبائل فون کمپنیاں" ایس اے آر" والے ہنڈ سیٹ نہ بنائیں ۔دراصل ریڈیو فریکوئنسی کی انسانی جسم میں پاور خشک کرنے کی طاقت بھی مقرر کی گئی ہے جو ہندوستان میں ایف 200 ہے ، یہاں ایف میگاہرٹرز ہے۔یہ تو واضح ہے کہ الیکٹرو اینگ نیٹک ریز جہاں سے نکلتی ہیں اس کے بعد اس میں مسلسل کمی آتی جاتی ہے اور وہ متاثر ہوتا چلا جاتا ہے یعنی دوری اہمیت رکھتی ہے اس لئے موبائل فون کو جتنا دور رکھا جائے تو ایسے بہتر تصور کیا جاتا ہے ، سننے کیلئے کان سے دور اور دل کے مریضوں کے لئے سینے سے دور رکھنے کے طبی مشورے پہلے ہی دیئے جاتے رہے ہیں لیکن 2012ء کے بعد اب دوبارہ پینٹ میں موبائل رکھنے کے" نقصانات "کی ایک بار پھر برطانوی محققوں کی تحقیق موبائل فون استعمال کرنے والے مردوں کیلئے پریشان کن خبر بن سکتی ہے ، لیکن کراچی کے شہری پینٹ کے بجائے ہاتھوں میں موبائل فون رکھنے لگے تو پھر ان کا چھین جانے کا خطرہ سو فیصد ہوگا۔ بھتہ خوری ، اغوا برائے تاوان کیلئے تو قانون نافذ کرنے والے بتاتے ہیں کہ ان جرائم میں 80 فیصد موبائل فون کی جعلی سموں کا ہاتھ ہے۔اس لئے بائیو میٹرک سسٹم کے تحت موبائل سم

جاری کرنا شروع کردیں گئیں ہیں لیکن جرائم پیشہ عناصر نے پھر بھی اس کا توڑ نکال لیا ہے اس لئے ایسا لگتا ہے کہ موبائل فون کیلئے ایک خاتون ملازمہ رکھنی ہوگی تاکہ مردوں کو مستقبل کی پریشانی سے بچایا جاسکے ، اس کے علاوہ اگر مرد حضرات کوئی خفیہ بات کرنا چاہیں تو وہ خاتون ملازمہ کو باہر بھیج سکتے ہیں اور ناسا کی خفیہ ایجنسیاں ان کی "خفیہ میٹنگ" سننے سے محروم رہ جائیں گی۔لیکن اس سے خانگی مسائل بھی جنم لے سکتے ہیں اور اگر زوجہ شکی مزاج ہوئیں تو جوں جوں دوا کی مرض بڑھتا گیا، والی مثال نہ بن جائے۔

موبائل فون کی خرابیاں صرف اس نازک پرائیوسی حد تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ دہشت گردوں کی جانب سے موبائل فون کو بم ڈیوائس کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے ، کسی مخصوص جگہ بارودی مواد رکھ کر یا پھر خود کش جیکٹ میں دھماکہ خیز مواد کو موبائل فون کے وائبریشن کیساتھ سیٹ کردیا جاتا ہے اور فون بجتے ہی دھماکہ خیز مواد ، پھٹ کر تباہی مچا دیتا ہے ، اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ دہشت گرد موبائل فون کے ساتھ بارودی مواد کو سیٹ کر رہا ہوتا ہے کہ کمپنی کی جانب سے اشتہاری ایس ایم ایس آجاتا ہے اور چونکہ موبائل فون ارتعاش (وائبریٹ) پر رکھا ہوتا ہے اس لئے وہ ایکٹو ہو جاتا ہے اور وقت سے پہلے ہی دھماکہ ہوجاتا ہے ، تحقیق کے مطابق موبائل ڈیوائس سو گز کے فاصلے تک کام کرتی ہے اس لئے جیسا ہی دھماکہ ہوتا ہے تو قانون نافذ کرنے والے ادارے

علاقے کو گھیر لیتے ہیں لیکن شدت پسندوں کی نئی پیش رفت کے مطابق وہ فوراً دوسرا دھماکہ کرکے افراتفری مچا دیتے ہیں اور میڈیا وایمبولینس کی گاڑیوں کی دوڑ میں وہ با آسانی نکل جاتے ہیں اور اپنے مقاصد پورے ہونے کے بعد نقصانات کا اندازہ میڈیا میں چلنے والی براہ راست نشریات میں دیکھ کر ذمے داری لیتے ہیں۔ اس لئے عمومی طور پر مخصوص جلسوں یا تہواروں میں موبائل فون سروس بند کردی جاتی ہے تاکہ ریموٹ دھماکوں سے بچا جاسکے ، لیکن یہ مستقل حل نہیں ہے ، چونکہ پاکستان کے پاس اتنی اعلی استعداد کار نہیں ہے کہ وہ پیش بندی کے طور پر اطلاعات پر شدت پسندوں کو قابو کرسکیں اس لئے انھیں بحالت مجبوری یہ اقدام اٹھانا پڑتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ناسا کی طرح خفیہ ایجنسیاں دہشت گردوں کے ٹھکانوں تک پہنچ جاتیں لیکن نہ جانے کیا وجہ ہے کہ وہ اس ٹیکنالوجی کا فائدہ نہیں اٹھا رہے۔

بہر حال امریکہ اور برطانیہ اس تحقیق میں مصروف ہیں کہ انھیں نامردی سے کس طرح بچایا جاسکے ، تو پاکستان میں یہ مشکلات درپیش ہیں کہ زندہ انسانوں کو مردہ ہونے سے کیسے بچایا جاسکے ۔ تاہم موبائل زندگی کی بنیادی ضرورت اور اہم جز ہے اس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا لیکن معاملات چاہے طبّی نوعیت کے ہوں یا پھر بے امنی سے وابستہ ہوں ہر دو صورت ، جدید ٹیکنالوجی میں جہاں فائدے ہیں تو وہاں نقصانات کے سائیڈ ایفیکٹس بھی لامحالہ موجود ہیں ، ہمیں

اپنی جان و صحت بچانے کیلئے موبائل فون کو ترک تو نہیں کرنا چاہیے لیکن انسان جان کیلئے ہر دو صورت خطرناک اس بلا کا استعمال جس قدر کم ہو کیا جانا چاہیے ، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ موبائل فون کمپنیوں کی جانب سے نوجوان نسل کو نائٹ پیکجز اور فری ایس ایم ایس کے ساتھ اب تھری جی ٹیکنالوجی اخلاقی انحطاط تک لے جا رہی ہے ، تعلیم سے دوری اور بے راہ روی میں موبائل فون کے غیر ضروری استعمال نے معاشرے میں کافی بگاڑ پیدا کیا ہے اور نوجوان نسل کے سامنے یہ کھلا چیلنج ہے ۔برطانوی یا مریکی محقق تو ابھی مزید تحقیق کرتے ہی رہیں گے ، لیکن ہمارا معاشرہ جس زوال کی جانب رواں ہے وہاں ثابت ہوچکا ہے اس لئے والدین کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنا کردار ادا کریں۔اپنی آنے والی نسلوں کو کمروں کے کونوں اور رات گئے تک فضول مشاغل سے باز رکھنے کیلئے مثبت اقدامات کریں ، ضروری نہیں کہ نسل کی تباہی ویسے ہو جیسے ماہرین سمجھتے ہیں۔ موبائل فون جس قدر آسانیاں پیدا کرتا ہے اس قدر پریشانیوں کا سبب بھی بنا ہوا ہے اور اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ سستے اور کم قیمت نیٹ ورک کی وجہ سے نوجوان نسل میں بے راہ روی کا سبب موبائل فون کا باکثرت استعمال ہے ، ویسے بھی سابق وزیر داخلہ عبدالرحمان ملک انکشاف کرچکے تھے کہ کراچی میں ٹارگٹ کلنگ کا اہم عنصر عاشقی کا چکر ہے ۔اُس وقت تو یہ لطیفہ لگا تھا لیکن وقت ثابت کر رہا ہے کہ موبائل فون کی تباہ کاریاں ہیں اور اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ جہاں معاشرتی برائیوں

کی جڑ موبائل فون ہے تو دہشت گردی میں استعمال ہونے والا ایک لازمی حصہ بھی ہے اس لئے تو موبائل فون پر بندش بھی لگا دی جاتی ہے۔

!! یہود و نصاری کا صلیبی انتقام

اسلام، عیسائیت کے بعد دنیا کا دوسرا بڑا مذہب ہے۔ اسلام، مشرق وسطی، شمالی افریقہ اور ایشا کے بعض علاقوں میں غالب اکثریت کا دین ہے، جبکہ چین، بلقان، مشرقی یورپ اور روس میں بڑی مسلم آبادی موجود ہیں، نیز مسلم مہاجرین کی کثیر تعداد مغربی یورپ میں بھی آباد ہے، جہاں عیسائیت کے بعد اسلام دوسرا سب سے بڑا مذہب ہے، جبکہ مسلمان مجموعی آبادی کے محض 6 فیصد پر مشتمل ہے۔ مسلم اکثریت والے 57 ممالک، جس میں دنیا بھر میں مسلم آبادی کے لحاظ سے 62 فیصد یعنی ایک بلین مسلمان ایشیامیں رہائش پذیر ہیں۔ مشرق وسطی میں غیر عرب ترکی اور ایران سب سے بڑے مسلم اکثریت والے ممالک ہیں، افریقہ میں مصر اور نائیجیریا میں کثیر مسلم آبادی موجود ہے۔

طوالت کے سبب تفصیلی اعداد و شمار پیش نہیں کئے جا سکتے۔تاہم ان اعداد و شمار کا مقصد صرف یہی ہے کہ دنیا میں تمام مسلمانوں کی تعداد ایک چوتھائی کے قریب ہے، اور ان میں ایسے ممالک بھی ہیں جن کے معدنی وسائل اور دولت سے مغربی غیر مسلم ممالک کی معیشت اور ترقی کا راز پنہاں ہے، لیکن سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں کم دولت یافتہ مغربی ممالک نے مسلم

ممالک میں تفرقوں وانتشار کا ایک ایسا بازار گرم کر رکھا ہے کہ مسلمانوں کے تمام مالی وسائل، ان عالمی استعماری طاقتوں کی جیبوں میں جارہے ہیں۔اسلام امت واحدہ کا درس دیتا ہے لیکن مغرب، جس میں خاص طور پر امریکہ،،برطانیہ اور اسرائیل نے مسلمانوں کے درمیان، فقہی معاملات یا فرقہ وارنہ اختلافات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ظلم و جبر وہ بازار گرم کیا ہوا ہے کہ جس کا کوئی پرسان حال ہی نہیں ہے۔لیبیا ایک ایسا ملک تھا جس نے امریکہ کی ناک میں نکیل ڈالی ہوئی تھی اور امریکہ کی تمام ترپابندیوں کے باوجود، وہ لیبیا کو جھکنے پر مجبور نہ کرسکا تھا لیکن مسلمانوں کے درمیان نا اتفاقی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے معمر قذافی کا تختہ الٹ دیا گیا اور لیبیا میں انقلاب کے بعد بدترین لڑائی دیکھی گئی۔لیبیا کا پارلیمان اسلام پسندوں اور اسلام مخالف دھڑوں میں بٹا ہوا ہے اور جب سے معمر قذافی کو اقتدار سے ہٹایا گیا، ملک میں دائمی بے چینی کی مسلسل صورتحال ہے۔

کینیا اور صومالیہ کے درمیان تنازعات کی وجہ سے اسلام کے نام شدت پسندی کے رجحانات کو دنیا کے سامنے لایا جارہا ہے، الشباب نامی تنظیم کا امریکہ مخالف ہے، گذشتہ سال نیروبی کی وسیع مارکیٹ کے ویسٹ گیٹ پر ایک حملہ کیا گیا تھا، جس میں ساٹھ سے زائد افراد ہلاک ہوگئے تھے، ممباسا میں مسلح افراد نے ایک مسجد پر حملہ کرکے مولوی مکابری جن کا صل نام ابوبکر شریف"

احمد ہے، ہلاک کردیا تھا۔ امریکہ نے تنظیم پر جنگجو بھرتی کرنے اور الشباب کیلئے فنڈ جمع کرنے کا الزام لگایا تھا۔ اسی طرح شیخ ابراہیم اسماعیل اور شیخ عبود روگو محمد کو بھی قتل کیا گیا، ان مولویوں کی ہلاکت کا الزام کینیا کی سیکورٹی افواج پر براہ راست لگایا گیا تھا۔ صومالیہ کی جو صورتحال ہے اس سے ہر ذی حس واقف ہے۔ صومالیہ نے اپنی مدد کیلئے کینیا کی فوجیوں کو اپنی سرحدوں پر تعینات کیا ہے گذشتہ دنوں الشباب نامی اس تنظیم نے صومالیہ میں جنگجوانہ گوریلا کاروائیوں میں کینیا کے ساحلی شہر میپکیٹونی کے علاقے میں حملہ کرکے 48 افراد ہلاک کردیئے تھے۔ نائیجیریا کی حکومت کو دیکھیں تو ملک کے شمال مشرق میں ہنگامی حالت کے نفاذ اور ہزاروں سیکورٹی اہلکاروں کی تعیناتی کے باوجود "بوکو حرام" نامی شدت پسند تنظیم کو قابو پانے میں ناکام ہے، عسکریت سند اس تنظیم نے گزشتہ پانچ سالوں میں اسکولوں، گرجا گھروں، مساجد سمیت دوسرے مقامات پر حملے کرکے ہزاروں افراد کو ہلاک کیا ہے۔ جبکہ نائیجریا کے شمال مشرق میں تازہ حملوں میں سینکڑوں افراد کو ہلاک کیا جاچکا ہے اور اس کا الزام "بوکو حرام" پر لگایا گیا ہے جو نائیجریا میں بدامنی کی ذمے دار سمجھی جاتی ہے۔

مملکت شام کو دیکھیں تو وہاں بھی حکومت مخالف گروپوں نے خانہ جنگی شروع کی ہوئی ہے، شامی حزب اختلاف کے اتحاد "سیرین نیشنل کونسل"، فری سیرین آرمی

شامی حکومت کیخلاف مسلح جدوجہد کر رہے ہیں جبکہ حزب اللہ گروپ کے ارکان ان، کے خلاف لڑ رہے ہیں۔اسی طرح عراق میں امریکی جارحیت میں دس کھرب ڈالر خرچ ہوئے اور جب نو سال کی اس جنگ جوئی کا خاتمہ ہوا تو عراق میں اپنی امریکہ نواز پھٹو مالکی حکومت سے عراقی عوام کو سکون کا سانس نہیں لینے دیا اور اب صورتحال یہ ہے کہ داعش کے خود ساختہ خلیفہ ابوبکر بغدادی ، نے بغاوت کا طوفان کھڑا کیا ہوا ہے اور دوران جنگ کے سبب دس لاکھ سے زائد افراد نقل مکانی پر مجبور ہوئے ہیں۔ ، ایران غیر اعلانیہ اور اعلانیہ ، عراقی حکومت کی مددر رہا ہے۔امریکی کی اس جارحیت میں مسلمانوں کو کیا ملا ، ماسوائے لاکھوں انسانوں کی سوختہ لاشیں اور عمر بھر کی فرقہ وارنہ غلامی اور شرم ناک ذلت۔

افغانستان کی حالت قابل رحم کے باوجود مسلمانوں کیلئے ایک پہلو باعث فخر بھی ہے کہ سرد جنگ کی وجہ سے روس کا خاتمہ ہوا اور دنیا کی سپرپاور کو شکست ہوئی ، پھر امریکی جارحیت کے بعد امریکہ کو شرمناک شکست ہوئی اور نیٹو کی افواج کو شرمندگی کے ساتھ واپس جانا پڑ رہا ہے ، لیکن مجموعی طور پر جب روس ، افغنستان سے گیا تو فساد چھوڑ گیا ، اب دوبارہ امریکہ جارہا ہے تو وہ ماضی کی عادتِ ثانیہ کی وجہ سے خانہ جنگی اور پاکستان کیلئے بھارت کو چوکیدار بنا کر جارہا ہے۔افغنستان کا تبدیل شدہ رویہ مستقبل کی خارجہ

پالیسی ہے۔

پاکستان اسلام کا قلعہ ، اس کا عسکریت پسندوں نے حال کردیا ہے کہ اس کے بارے میں کچھ لکھتے ہوئے ، زبان و قلم ساتھ چھوڑ دیتا ہے ، دو قومی نظریئے کے بعد لسانی نظریئے کے تحت قائم ملک بنگلہ دیش کے بارے میں تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے اس کا اسلام کا کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔ انھیں سب سے زیادہ فکر اس بات کی ہے کہ بنگلہ دیش بنانے میں جس جس نے مخالفت کی تھی انھیں جلد از جلد پھانسی پر لٹکا دیا جائے، عرب ممالک کی ساری توجہ تیل اور حج و عمرے کی آمدنی پر لگی ہوئی ہے ، متحدہ عرب امارات کی ساری قوت ، ریگستانوں میں پر تعیش ، عیش پرستوں کے لئے نئے شہر بنانے پر مرکوز ہے ، ایران کا سارازور ، داعش اور عرب و اسرائیل کے خلاف ہے تو دوسری جانب اپنے عرب ممالک سے اختلاف کو ختم کرنے کرنے سے گریز کررہا ہے۔ کئی ممالک اور بھی ہیں کہ صفحات کی کم یابی کی وجہ سے تذکرہ ممکن نہیں ہوسکا لیکن جہاں جہاں مسلم امہ کی زبوں حالی پر نظر دوڑائیں تو بات قدر مشترک نظر آتی ہے کہ ہم نے اللہ تعالی کی مضبوط رسی قرآن کریم کو چھوڑ کر اپنی اپنی ریشم کی بنی نازک اور بظاہر دیدہ زیب دکھائی دینے والی ڈوروں کو تھام رکھا ہے اور باہمی اختلافات میں اس بات سے بھی عار نہیں کرتے کہ اگر اسلام کے نام لیواؤں کو یہود و نصاری صلیبی انتقام میں ان کے فائدے کیلئے مسلم نسل کشی کر رہا ہے تو کرنے دیا

جائے، کم از کم زندیق ناہجار، کافر تو ختم ہوگا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارا یہ عمل ہمیں نہیں بلکہ، دشمنان اسلام کو فائدہ پہنچا رہا ہے، اور ہم غلام ابن غلام بن کر بندروں کی طرح نقالی پہ نقالی کئے جا رہے ہیں۔

وزیر اعلیٰ سندھ کا انتہائی غیر ذمے دارانہ بیان

وزیر اعلی سندھ قائم علی شاہ کی جانب سے ایک انتہائی غیر ذمے دارانہ سامنے آیا، جس میں انھوں نے کہا کہ کراچی میں امن وامان کی خرابی میں سوات کے لوگ ملوث ہیں۔ کیونکہ سوات آپریشن کے بعد ہم نے ان لوگوں کی مدد کی تھی لیکن آپریشن کے خاتمے پر جب انھیں واپس جانے کو کہا گیا تو بہت سے لوگ واپس نہیں گئے۔"

وزیر اعلی سندھ قائم علی شاہ سے اس قسم کے غیر ذمے دارانہ بیان کی توقع شروع سے ہی تھی کیونکہ جب سے شمالی وزیرستان میں آپریشن ضرب عضب شروع ہوا ہے، سب سے پہلے سندھ کی جانب سے متاثرین جنگ کی آمد کے حوالے سے کہا گیا کہ سندھ بین الاقوامی یتیم خانہ نہیں۔حکومت سندھ نے آئی ڈی پیز کی آمد کے حوالے سے وقت سے پہلے شور وغوغا شروع کردیا، ان کی دیکھا دیکھی نام نہاد سندھ قوم پرستوں نے، دھرنوں اور اپنی سستی سیاست چمکانے کیلیے ہڑتال اور احتجاج کا سلسلہ شروع کردیا ۔سندھ کی عوام کی بدقسمتی رہی ہے کہ انھیں ایسے لیڈر ملتے ہیں جو انھیں حقوق دلانے کے بجائے، نان ایشوز پر سیاست کرکے سندھی قوم کی مہمان نوازی کے بجائے ایسے بد نام کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

سوات آپریشن میں لاکھوں کی تعداد میں متاثرین آپریشن راہ نجات اپنے گھروں سے جبری بیدخل ہوئے اور ان میں ایک معقول تعداد کراچی بھی آئی ، لیکن دنیا اس بات کی گواہ ہے کہ سندھ حکومت نے ان متاثرین کیلئے سہراب گوٹھ ، سپر ہائی وے کے دور افتادہ علاقے خلیجی گوٹھ کے ریگستانی بیابان علاقے میں ایک ایسا کیمپ لگایا ، جس میں نہ پانی پینے کا انتظام تھا اور نہ ہی چار دیواری کا کوئی تحفظ یا دیگر انسانی سہولیات میسر تھیں ، تیز ہواؤں کے سبب ، بوسیدہ خیمے بار بار گر جاتے تھے اور وہاں آنے والے چند خاندان انتہائی کسمپرسی کی حالت میں رہنے پر مجبور تھے ، اسی طرح محمود آباد میں جب ان کے عارضی کیمپ پر دہشت گردوں نے فائرنگ کی تو اس وقت بھی یہی شور اٹھا کہ سوات کے لوگوں کو اتنی دور آنے کی کیا ضرورت تھی یہ واپس جائیں۔

کراچی میں سوات سے آنے والے جتنے بھی مہاجرین آئے ، ان کی زیادہ تعداد اپنے رشتے داروں کے گھر میں رکی رہی ، اور ان کے یہ رشتے کراچی کے ان علاقوں میں عرصے سے آباد ہیں جب سے لیاری آباد ہے۔ کراچی کی تاریخ گواہ ہے کہ سوات سمیت خیبر پختونخوا کی جتنی عوام بھی 1967ء کے بعد یا اس سے قبل جن علاقوں میں تھی آج بھی ان ہی علاقوں میں رہ رہے ہیں۔ تینوں انڈسٹریل ایریا کے قریب جوار کی آبادیاں قیام پاکستان سے قبل آباد ہیں اور خیبر پختونخوا کی عوام نے کراچی کے کسی خطے پر قبضہ نہیں کیا کہ وہاں اپنے لئے نئی آبادی بنا لی

ہو۔ سندھ میں دیہی و شہری تفریق خود پیپلز پارٹی کی پالیسیوں کی وجہ سے پیدا ہوئی اور قوم پرستوں کو اپنی سیاست چمکانے کا موقع ملا۔ تاہم اس وقت موضوع یہ ہے کہ وزیر اعلی سندھ قائم علی شاہ نے سوات کی عوام کی توہین کی اور کراچی میں بدامنی کا ذمے دار، پاکستان کیلئے سب سے زیادہ قربانی دینے والوں کو گردانا۔ جو یقینی طور پر سوات کی عوام کیلئے انتہائی تکلیف دہ بات ہے کہ ایک جانب انھوں نے اپنی ریاست کے پاکستان سے الحاق کے بعد وہ حقوق بھی نہیں ملے، جو والی سوات اور حکومت پاکستان کے درمیان معاہدے کے تحت کئے گئے تھے، تو دوسری جانب کراچی کی ترقی میں جتنا حصہ پختونوں کا ہے وہ کسی بھی قوم سے زیادہ ضرور ہے لیکن کم نہیں ہے۔

قیام پاکستان کے بعد کراچی میں کبھی بھی سندھی زبان بولنے والے اکثریت میں نہیں رہے ہیں، پاکستان میں جتنی بھی مردم شماری ہوئی ہے وہ ثابت کرتی ہے کہ کراچی یا سندھ شہری علاقوں میں سندھی بولنے والوں کی کبھی بھی اکثریت نہیں رہی بلکہ اردو بولنے والوں کے بعد پشتو بولنے والے دوسری بڑی قومیت کے طور پر آباد مقامی شہری ہیں اور یہ سوات آپریشن کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ کراچی کی ترقی میں جس طرح ہندوستان سے آنے والے اردو بولنے والوں نے اپنا ایک کردار ادا کیا، اسی طرح معاشی طور پر پختونوں نے اپنا کثیر سرمایہ کراچی میں لگایا۔

وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جب پاکستان بن رہا تھا تو کراچی کو سندھ سے الگ کرنے میں سوات کے لوگوں کا ہاتھ نہیں تھا، پاکستان بنتے ہی کراچی سندھ کا حصہ بننے کے بجائے وفاقی علاقہ بنا تو اس میں پختونوں کا ہاتھ نہیں تھا بلکہ یہ بابائے قوم قائداعظم کی مرضی تھی۔

جس وقت صوبائیت کو زہر قاتل کہا گیا تو اس وقت بھی سوات کے لوگوں نے کوئٹہ کے سبی دربار میں قائداعظم کو یہ کہنے کیلئے مشورہ نہیں دیا تھا، اسی طرح جب تمام صوبے توڑ کر یونٹ بنائے گئے تو بھی سوات کے لوگوں کا اس میں کوئی ہاتھ نہیں تھا، بلکہ نیشنل پارٹی کے سرکردہ پختون رہنماؤں نے ون یونٹ کے خلاف سب سے زیادہ جیلیں کاٹیں۔اردو، سندھی لسانی فسادات کسی سوات کی لوگوں کی وجہ سے نہیں شروع ہوئے تھے بلکہ سندھ کے سپوت ذوالفقار علی بھٹو کی پالیسیاں ہی تھیں کہ سندھ کو کوٹہ سسٹم میں منقسم کر دیا گیا، جو ابھی تک کسی نہ کسی بہانے سے چلا آرہا ہے۔کراچی سے یونیورسٹی سوات کی عوام کی وجہ سے اندرون سندھ منتقل نہیں کی گئی تھی کہ اس کے خلاف شدید مظاہرے ہوئے اور لسانی تفریق پیدا ہوئی۔اسی طرح حیدرآباد پکا قلعہ میں سوات کے لوگوں نے اردو بولنے والوں کا قتل عام نہیں کیا تھا، وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ سوات کے لوگوں نے 80 کی دہائی سے بھتہ خوری اور بوری بند لاشیں دینے کا کوئی سلسلہ شروع نہیں کیا تھا کہ آج تک کراچی

کے امن پر قابو پانے والی رینجرز کو اپنی بیرکوں میں نہیں بھیجا سکتا۔ کراچی میں لسانی بنیادوں پر جتنا خون پختونوں کا بہایا ہے اس کا ایک فیصد بھی کسی سندھی کا نہیں بہا ہوگا۔ کراچی میں اربوں روپوں کے کاروبار اور جائیدایں جتنی پختونوں کی جلائی گئیں اس کا یک فیصد حصہ بھی کسی دوسری قوم کا نہیں جلایا گیا۔ مقامی پختون سندھی ہونے کے باوجود، کراچی واندرون سندھ کے تعلیمی اداروں میں پختونوں کو اٹھا اٹھا کر یونیورسٹیوں اور کالجوں سے باہر پھینکا گیا، ان کے کانوں میں ایلفیاں ڈالی گئیں، ان کے کان اور عضو تناسل کاٹے گئے۔

وزیر اعلی سندھ قائم علی شاہ کو سندھ خاص طور پر کراچی کے زمینی حقائق کے مطابق بیان دینا چاہیے تھا، جتنے آئی ڈی پیز سندھ آتے ہیں تو وہ پاکستانی شہری ہیں، ان کا یہ آئینی حق ہے کہ وہ پاکستان کے کسی بھی حصے میں جا کر رہ سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی قانون شکن کسی بھی قومیت کے بھیس میں کہیں بھی جاتا ہے تو اس حکومت کا فرض ہے کہ اس کی بیخ کنی کرے، لیکن کیا وزیر اعلی سندھ قائم علی شاہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ کراچی میں بھتہ خوری، ٹارگٹ کلنگ، اغوا برائے تاوان اور سرکاری پارکوں اور املاک پر قبضے میں کسی سوات کے لوگوں کا ہاتھ ہے۔

بلاشبہ سندھ حکومت نے ماضی میں اے این پی کے ساتھ ملکر یہ کام کیا تھا کہ انھیں صوبے سے نکالنے کیلیئے فی خاندان پانچ سو روپے اور بس کا بندوبست کیا تھا اور رمضان کے پورے مہینے میں روزانہ سینکڑوں سواتی اور پختون واپس اپنے گھروں کی جانب اس لئے گئے تھے کیونکہ انھیں کراچی میں جہاں دیکھا جاتا، ظلم وزیادتی کی جاتی، سندھ پنجاب بارڈر پر ان کی بسوں پر فائرنگ کی جاتی اور ان کے رشتے داروں کو ہراساں کیا جاتا۔

وزیر اعلی سندھ قائم علی شاہ کو اپنے غیر ذمے دارانہ بیان پر سوات کی عوام سے معافی مانگنی چاہیے کہ ان کی قربانیوں کو چند قانون شکن لوگوں کی وجہ سے پس پشت ڈال دیا۔ہر قوم میں بُرے لوگ ہوتے ہیں، سندھ میں ریلوے ٹریک اور دھماکوں میں سندھ قوم پرست علیحدگی پسند جماعتوں کے ملوث ہونے سے کون ناآشنا ہے، کراچی ایئر پورٹ میں دہشت گردوں کو معاونت اور صدر دھماکے میں ہلاک دہشت گرد "پنہور "کیا سوات کے لوگ تھے سندھ کے لوگوں کو اس قسم کے بیانات سے قومی یکجہتی کے نقصانات کا اندازہ کر لینا چاہیے

ہائے مظلوم مسلم

حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ "پوری دنیا کے مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں اگر آنکھ میں درد ہو تو سارا بدن یہ تکلیف محسوس کرے اور آرام سے نہ سوئے۔"

آئیں ذرا دنیا بھر میں مظلوم مسلمانوں کی حالت زار پر ایک اجمالی نظر ڈالیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔برما میں عدم تشدد کے نام نہاد پیروکاروں نے پولیس اور فوج کے تعاون سے مسلمانوں کا وہ قتل عام کیا کہ الاماں والحفیظ۔کچھ عرصہ قبل برما کے صوبہ ارکان کے تنگوگ شہر کی مسجد میں ہونے والے اجتماع میں شرکت کیلئے آنے والوں کی بس کو بودھ دہشت گرد تنظیم "ماگ" کے نوجوانوں نے روکا، جس میں ۴۰ کے لگ بھگ لوگ سوار تھے، بس میں سوار علما کو پہلے اتار لیا گیا، انہیں تشدد کا نشانہ بنایا اور پھر انتہائی ظالمانہ طریقے سے انہیں شہید کر دیا گیا۔ مسلمانوں کے ایک بڑے مدرسہ (جمایۃ الاسلام) کے ۲۸ طلبا اور ۴ اساتذہ کو شہید کرنے کے علاوہ مدرسے کو بھی آگ لگا دی۔ قتل عام کا ایک ایسا سلسلہ شروع کیا گیا کہ ۴۵ ہزار سے زائد لوگ مارے گئے، ۴ ہزار زندہ جلادیئے گئے، ۵ ہزار سے زائد خواتین جنسی درندگی کا نشانہ بنیں، ۱۰ہزار مسلمان زندہ غائب کردیئے گئیے، ۳۵ ہزار سے زائد گھر جلا دیئے گئے، ۲ لاکھ

مسلمان بے گھر کردیئے، اور ایک ایسا نہ رکنے والا سلسلہ ہے کہ درست تعداد کا بھی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

دس صدیوں سے آباد برمی مسلمان اپنی سرزمیں میں اجنبی بنادیئے گئے، بودھ جو بہت بعد میں یہاں پر آئے، انھوں نے مسلمانوں کو تجارت سے بیدخل کرنا شروع کردیا، جہاں جہاں بودھ مرکز (عبادت خانے) بنتے ہیں ان کے اخراجات مسلمانوں سے لئے جاتے ہیں۔ تعلیم شادی کیلئے اجازت، دو بچوں سے زیادہ پیدا کرنے پرپابندی، غرض کون سا ظلم ہے جو برمی مسلمانوں پر ڈھایا نہیں جاتا لیکن مسلمان نام کی حکومت سمیت اقوام متحدہ گونگی اور خاموش ہے۔ برما کی آبادی 6 کروڑ کے قریب ہے جس میں 24 لاکھ مسلمان بستے ہیں، لیکن ان کا اللہ کا ذکر کرنا اذیت ناک بنادیا گیا ہے۔ حالاں کہ ان کا پڑوسی ملک بنگلہ دیش ہے لیکن ان کا رویہ انتہائی بے حسی پر مبنی ہے۔

جمہوریہ وسطی افریقہ کے سادہ لوح مسلمانوں کے گھروں اور قیمتی املاک کو آگ لگائی جا رہی ہے، عالمی تنظیمیں مانتی ہیں کہ جس طرح مسلمانوں کا قتل عام اور ان پر ظلم ہو رہا ہے، اس وجہ سے مسلمان ہجرت پر مجبور ہیں اور بہت جلد جمہوریہ وسطی افریقہ مسلمانوں سے خالی ہوجائے گا۔

، ملک شام کے حکمرانوں نے اس جنت نما ملک میں ظلم و بربریت کی انتہا کردی

حافظ الاسد اور اس کے بیٹے بشار الاسد نے ملک کو قتل گاہ بنا دیا۔ ائیر مارشل حافظ الاسد نے 1946 کو مسیحی رہنما مائیکل الفلاک کی قائم کردہ بعث پارٹی میں شمولیت اختیار کی، حمص ملٹری اکیڈمی میں حصہ لیا۔ 8 مارچ 1963ء کو بعث پارٹی نے شام کے اقتدار پر قبضہ کرلیا،1973ء میں عرب اسرائیل جنگ میں شکست کھائی۔ فضائیہ کا سربراہ ہونے کے بل پر ملک کی صدارت پر قبضہ کرلیا،1980-82ء ملک میں نصیری علوی) فرقے کی اقتدار پر بڑھتے گرفت سے تنگ عوام نے جنگی تعداد 90 فیصد سنی پر) مشتمل تھی حکومت کے خلاف بغاوت کردی۔ بعثی حکومت نے الیپوہ اور حمادہ نامی شہر پر ٹینک کشی کرکے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، کم از کم تیس ہزار شہریوں کو قتل کیا گیا ۔2000ء میں حافظ الاسد کی وفات کے بعد ڈاکٹر بشار الاسد نے حکومت کرنے کو پاپا خاندانی حق سمجھا۔ اقتدار کا نشہ بھی بڑا عجیب ہوتا ہے، کوئی بھی اسے آسانی سے نہیں چھوڑتا، بشا لاسد کی جابرانہ حکومت میں عوامی تحریک کو کچلنے کیلئے لاکھوں ادفراد کو بڑی بے رحمی سے قتل کردیا گیا۔ انسانوں کو لاشوں اور ان کے گھروں کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا۔ بشارالاسد نے فلسطین کے پناہ گزینوں پر بمباری تک کی اور انھیں ملک شام چھوڑنے پر مجبور کرتے ہوئے ان کی خوراک اور ادویات پر پابندی لگادی۔

یہ بات ٹھیک ہے کہ امریکہ اور اسرائیل کسی بھی اسلامی ملک کو طاقت ور نہیں

دیکھنا چاہتے، یہی وجہ ہے وہ اپنی پڑوسی ممالک میں فرقہ وارانہ خانہ جنگیوں میں اہم کردار ادا کرتا رہتا ہے، لیکن ہم مسلمانوں کو کیا ہوگیا ہے اس کا جواب شاید سب کے پاس ایک ہی ہے کہ ہم میں نا اتفاقی ہے۔

حالیہ غزہ میں قیامت کی ہولناک خیزیاں جاری ہیں، مظلوم مسلمان آسمان کی جانب نظریں اور ہاتھ اٹھا کر مسلم ممالک کی بزدلی کی شکایت رب العزت سے کر رہے ہیں کہ کسی بھی مسلم ملک اور نام نہاد انسان دوست ملک کو معصوم بچوں کے چیتھڑے اڑتے نظر نہیں آتے، کسی کو شرم نہیں آتی کہ مسلمانوں کی بربادی کے نظارے، پہاڑی پر کھڑے یہودی کسی پکنک پوائنٹ کی طرح دیکھ خوشی سے تالیاں بجا رہے ہیں۔ عراق میں کی مدد کرنے والے ایران، داعش کے خود ساختہ خلیفہ، مسلمانوں کا ٹھیکدار سعودی عرب، جو مصر میں فوجی حکومت کیلئے اربوں ڈالر کی امداد دے سکتا ہے لیکن صہیونیت کے خلاف مسلم امہ کو یکجا کرنے کیلئے او آئی سی کو متحرک نہیں کر رہا کہ تمام مسلم ممالک، اپنی افواج میں سے فوجی دیں ان کے اخراجات وہ برداشت کرے گا۔

امارات کے حکمران، عیاشیوں میں ڈوبے ہوئے، یو این او امریکہ اور اسرائیل کی لونڈی بنی ہوئی ہے اور مسلم ممالک کو اپنی معدنی وسائل کی طاقت کا اندازہ ہونے کے باوجود کمزور بننا باعث شرم ہے۔ غزہ کے مظلوم بے یار ومددگار مسلمان اپنی جان و عزت کی حفاظت کیلئے دنیا بھر سے بھیک مانگ رہے ہیں، کہاں ہیں وہ جہادی تنظیمیں

جو مسلم ممالک میں مساجد، مزارات، بے قصور مسلمانوں کے قتل عام پر جہاد کے فتوی، جاری کرتی ہے لیکن انھیں فلسطین، برما، کشمیر، عراق، شام کے لاوارث مسلمان نظر نہیں آرہے۔

خلافت عثمانیہ کے اختتام کے وقت عالم اسلام کی عجیب حالت تھی، ترکوں نے جب عرب سے تابوت وصولنے شروع کیے تو خلافت کے خاتمے کے بعد 1960ء کی دہائی تک عربی میں اذان اور عربی زبان پر ہی پابندی لگادی گئی۔

جس جس مسلم مملکت کی جانب نظر دوڑائیں تو اس نے اپنی خود ساختہ آئین بنا کر مسلمانوں کو تقسیم در تقسیم کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔ مذہبی جماعتیں ہوں تو انھیں مسلمان کو کافر بنانے سے فرصت نہیں، سیاسی جماعتیں ہوں تو انھیں اقتدار میں آنے کیلئے صرف اپنی ستائش کی بیماری لاحق ہے، ایسے صرف خود میں اچھائی اور دوسرے میں برائی نظر آتی ہے۔

بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم مسلمانوں کی مثال اس بکری کے ریوڑ کی طرح ہو گئی ہے جو ہزاروں کی تعداد میں ہونے کے باوجود نہ کاٹنے والے کتے کے بھونکنے پر ہی خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور وہ کتا سہمی ہوئے اس ریوڑ کو جہاں چاہے ہانکتا پھرتا ہے۔

ہم وہ مسلمان قوم ہیں جنھوں نے فرقوں کا درخت اگالیا ہے اور اب ہر فرقے والا اس درخت کو اسلام سمجھ کر اس کی اُس کمزور ٹہنی پر بیٹھا ہے، جیسے وہ خود کاٹ بھی رہا ہے، اس کے تئیں، وہ اسلام کی خدمت کر رہا ہے اور اس شاخ کو کاٹ رہا ہے جو اس کے نزدیک اسلام سے غلط جڑی ہوئی ہے، لیکن اس نا عاقبت اندیش، نادان کو نہیں معلوم، کہ وہ دوسرے کی شاخ نہیں، بلکہ جس شاخ پر وہ خود بیٹھا ہے ایسے ہی کاٹ رہا ہے۔
کیا، ہم لیبیا، مصر، ترکی، عراق، شام، ایران، افغانستان، پاکستان، برما سمیت تمام عالم دنیا میں نظریں دوڑائیں تو کیا ہمیں یہ سمجھنے میں وقت لگے گا کہ اس کی وجوہات کیا ہیں، اس کی کامل وجہ، قرآن پاک سے دوری، مسالک اور فرقوں میں پڑھ کر اللہ کی مضبوط رسی کو چھوڑ دینا، ڈیڑھ اینٹ کی مسجد ضرار بنا کر، سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم اللہ تعالی کا نظام قائم کرنا چاہتے ہیں، جب کہ اللہ کے نام پر فساد کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ غیر مسلم ممالک امریکہ، برطانیہ، اسرائیل کی سازشوں کو سمجھنے کے باوجود ہم دانستہ اور غیر، دانستہ ان کے اہلکار بنتے جا رہے ہیں
ہماری کوئی مساجد مشترکہ نہیں، ہمارے مفادات مشترکہ نہیں، ہمارا مذہب

مشترکہ نہیں ، ہم نے اپنی اپنی پسند کے سامری کے طرح سونے کا گوسالہ بنالیا ہے اور اس میں سے نکلنے والی آواز پر ہی سوچ سمجھے بغیر سر تسلیم خم کردیتے ہیں۔

ہمارا کام تو دکھی انسانیت کی خدمت کرنا تھا، دکھی انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھنا تھا لیکن ہم ہمارا کردار اب ایسا ہوگیا ہے کہ ہم اگر حب رسول ﷺ میں نکلتے ہیں تو بے قصور لوگوں کی املاک کو جلادیتے ہیں ان کی املاک کو لوٹ لیتے ہیں اور پھر رونا امت محمد ﷺ کا روتے ہیں۔نہ جانے ہم اللہ تعالی کے اور کس عذاب کا انتظار کر رہے ہیں۔ کی اس سے بڑھ کر بھی کوئی قیامت صغری ہوگی کہ مسلمان جہاں جہاں ہیں، وہاں انھیں دشمنان اسلام انھیں ذلیل رسوا کر رہے ہیں۔

با اثر، دولت مند اور خزانوں سے بھرے سانپوں کو پالنے والے مسلم حکمران کیا، اللہ تعالی کے کسی اور عذاب کے بھی منتظر ہیں، ہم اب قیامت کی ان دو نشانیوں کے قریب تر پہنچ چکے ہیں کہ، خنزیر اور بندر بنادیئے جائیں گے، تو ذرا سوچیں کہ خنزیر کی سب سے بڑی خصلت کیا ہے، وہ یہی ہے کہ وہ بے شرم، بے حیا ہوتا ہے، بندر کی خصلت کیا ہے -کہ وہ نقالی کرتا ہے، کیا اب اپنی شکلیں تبدیل ہونے کا انتظار ہے

یووون ریڈلے اور عافیہ صدیقی

.برطانوی صحافی یووون رڈلے (مریم ریڈلے) کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے گذشتہ دنوں 2 جون 2014ء کو یووون ریڈلے، ڈیفنس لائبریری آڈیٹوریم ،ڈی ایچ، ." مسلم امہ یکجہتی "Solidarity with Syria" " اے کراچی میں ایک سیمنار فورم "کے زیر اہتمام منعقد کیا گیا، اس میں یووون رڈلے بطور مہمان خصوصی شرکت کیلئے آئیں ۔انھوں نے سیمنار میں مسلم امہ کو درپیش مسائل اور خاص کر ملک شام میں مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وستم پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور اپنے کرب کو اس دلسوزی سے بیان کیا کہ جیسے الفاظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ سیمنار کا مقصد مملکت شام، انبیاء علیہ السلام اور نزول وحی کی سرزمیں تھا، جس میں گذشتہ تین سال سے ظلم وستم ، قتل وغارت اور تباہی و.بربادی نے گھیرا ڈالا ہوا ہے۔ سیمنار میں شامی مسلمانوں کی حالت زار کا تذکرہ کیا گیا کہ شامی مسلمان روزانہ کی بنیاد پر اپنے سو سے زائد عزیز اقارب کی لاشوں کو کندھا دے رہے ہیں اور اتنے ہی مسلمان زخمی حالت میں شام کے ہسپتالوں میں منتقل کئے جارہے ہیں۔شام کی بگڑتی صورتحال کے سبب ہجرت کرنے والے شامی عوام کی بہت.بڑی تعداد ہمسایہ ممالک میں پناہ لینے پر مجبور ہیں۔یہ انسانی تاریخ کا بہت.بڑا المیہ ہے جس پر مسلم امہ خاموش بیٹھی ہوئی ہے اور شامی عوام مسلمانوں کو

ایک طرف صحت، تعلیم، خوراک کی کمی کا سامنا ہے تو دوسری طرف کیمیاوئی ہتھیاروں کے استعمال نے بھی بڑی تباہی مچا دی ہے۔

فی الوقت سمینار میں میری نظروں کے سامنے اسٹیلے کی کاؤنٹی ڈرہم میں جنم لینے والی مشہور صحافی تھیں جو اپنے افغانستان کے سفر میں طالبان کے ہاتھوں قید ہوئیں ستمبر 2001ء میں افغانستان پر امریکی حملے کے وقت آپ کو سفری دستاویزات کی عدم موجودگی کی وجہ سے طالبان نے گرفتار کیا تھا اس وقت آپ سنڈے ایکسپریس سے منسلک تھیں، دوران قید آپ نے قرآن کا مطالعہ اور افغان طالبان کے کردار کا نزدیکی سے جائزہ لیا ور طالبان کے حسن سلوک کے باعث جب رہائی پائی تو یووون رڈلے، مریم رڈلے بنتے اور عیسائیت کو خیر باد کہتے ہوئے مشرف بہ اسلام ہوگئیں تھیں۔یووون رڈلے سنڈے ایکسپریس کی چیف رپورٹر رہنے کے علاوہ سنڈے ٹائم، آبزرور، روزنامہ مرر اور انڈیپنڈنٹ آف سنڈے سے بھی منسلک رہی ہیں، مزید آپ نے پیشکار، میزبان کی حیثیت سے سی این این، بی بی سی، آئی ٹی این اور کارلٹن ٹی وی کیلئے بھی خدمات سر انجام دیں اور اس ضمن میں عراق، افغانستان اور فلسطین کا دورہ بھی کیا۔یووون رڈلے عورتوں کے حقوق کی علمبردار کے ساتھ ساتھ جنگ مخالف گروپ کی بانی رکن ہیں۔

جبکہ ایک ڈاکٹر عافیہ صدیقی ہیں جو کراچی میں پیدا ہوئیں، کراچی میں

میں University of Houston ابتدائی وثانوی تعلیم کے بعد بوسٹن ٹیکساس کی چلی (MIT) Massachusetts Institute of Technology پڑھیں وہاں سے آئیں اور" وراثیات" میں پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی۔ 2002 ء میں پاکستان واپس آئیں ، امریکہ ملازمت ڈھونڈنے گئیں ۔ اس دوران میریلینڈ میں ڈاک وصول کرنے کیلئے پوسٹ بکس لیا اور 2003ء میں کراچی واپس آگئیں ۔ امریکی ایجنسی ایف بی آئی نے ان پر پوسٹ بکس القائدہ کے کسی رکن کیلئے لینے کا شبہ ظاہر کرکے عافیہ صدیقی کی بطور دہشت گرد تشہیر کرادی ، یہ دیکھ کر عافیہ صدیقی کچھ عرصہ کراچی میں روپوش رہیں 30 مارچ 2003ء کو اپنے تین بچوں سمیت راولپنڈی جانے کیلئے ٹیکسی میں ہوائی اڈا کی طرف روانہ ہوئیں مگر پرویز مشرف کے آلہ کاروں نے بچوں سمیت عافیہ کو اغوا کرکے امریکی فوجیوں کی حوالے کردیا ، اس وقت ان کی عمر 30 سال کی تھی۔ افغانستان میں امریکی جیل بگرام میں قیدی نمبر 650 عافیہ صدیقی ہی تھی جو وہاں بے حد بری حالت میں رکھی گئیں، پاکستانی اخبارات کے شور مچانے پر امریکیوں نے اعلان کیا کہ عافیہ کو 27 جولائی 2008ء افغانستان سے گرفتار کرکے امریکہ پہنچا دیا ہے تاکہ ان پر دہشت گردی کا مقدمہ چلایا جائے۔ تمام انسانی حقوق کی تنظیموں نے اس کہانی کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا کہ گلاسگو غشی میزان 3 (یعنی مرنے کے قریب) جیسے مرض میں مبتلا نحیف و کمزور لڑکی نے دوران گرفتاری امریکیوں سے اسلحہ چھین کر گولیاں چلائیں تھیں جس پر امریکی فوجیوں نے ایسے فائرنگ کرکے شدید زخمی کردیا۔ 23 ستمبر 2010 میں

نیویارک کی امریکی عدالت نے عافیہ صدیقی کو 86 سال کی قید کی سزا سنا دی جبکہ جون 2013 میں امریکی فوجی نے فورٹ ورتھ جیل میں عافیہ پر حملہ کیا جس سے وہ دو دن بے ہوش رہیں، بالآخر وکیل کی مداخلت پر اسے طبی امداد دی گئی۔

یہ دنیا عالم کے سامنے دو ایسی خواتین کے کردار ہیں، جن کی ہمت و عظمت کی مثالیں دیں جاتیں ہیں۔ وہاں انسانی حقوق کے نام نہاد علمبرداروں کے لئے بھی ایک روشن مثال ہے کہ افغان طالبان کو اسلام کے نام پر وحشی اور خواتین کے ساتھ ناانصافی و ظلم کے قوانین نافذ کرنے کا پروپیگنڈا کہہ کر مغرب نے سورج کو چراغ کی روشنی میں چھپانے کی کوشش کی تھی، لیکن یووون رڈلے جیسی کہنہ مشق صحافی طالبان کے حسن سلوک اور اسلام کی تعلیمات سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ عیسائیت کو خیرباد کہہ کر ان ممالک کے منہ پر طمانچہ دے مارا جو خود کو خواتین کے حقوق کا علمبردار کہتے نہیں تھکتے، جبکہ دوسری جانب ڈاکٹر عافیہ صدیقی، جرات و حوصلہ مند مسلمان نازک نحیف نزار خاتون، جس کے حوصلے پہاڑوں کو بھی ریزہ ریزہ کر دیں، تمام تر ظلم، زیادتی، تشدد اور انسانیت سوز سلوک کے باوجود اسلام کی یہ بیٹی عزم استقلال کا پیکر بنی ہوئی ہیں اور عالمی استعماری قوتوں کے تمام تر ظلم و زیادتی کے باوجود ان کی ہمت کو توڑنے میں ناکام رہیں ہیں۔

افغان طالبان کی قید میں ایک سال کا کم ترین عرصہ گذارنے والے یوون رڈلے نے جب اسلام قبول کیا تو ہر فورم پر طالبان کا دفاع بھی کیا۔ کچھ لوگ ایسے پختون روایات قرار دیتے ہیں کہ پختون روایات میں خواتین کے ساتھ حسن سلوک ثقافت کا حصہ ہے لیکن یہ پشتون طالبان خواتین کے بلاضرورت اکیلے یا نا محرم کے ساتھ گھر سے باہر جانے کے مخالف تھے اور اب بھی پختون روایت اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ رویہ کسی " طالبائزیشن " کی وجہ سے نہیں بلکہ پختون رسم و رواج میں آج بھی پایا جاتا ہے۔ اسلام کے نام پر سزائیں دینے کے تصور پر بحث ان سے کی جانے چاہیے جو خود خواتین کا احترام کرتے ہوں ، مغرب اور ان کے حواری ممالک میں ، چاہیے وہ اسلامی ہوں یا غیر اسلامی ، عورت کو آزادی نسواں کے نام پر جتنی کھلم چھوٹ دی گئی ہے اس کا تو کوئی عشر عشیر ہی نہیں ہے۔ بے پردگی ہی نہیں بلکہ کلچر کے نام پر کئے جانے والوں مجروں کو ثقافت قرار دے دیا جاتا ہے۔ یونکہ ہم نے اپنی روایات و ثقافت کو مغرب زدہ کردیا ہے۔ لیکن ہمارے سامنے اسلامی روایات کی دو بین مثالیں موجود ہیں کہ حسن سلوک اور اسلامی روایات کی پاسداری کی جائے تو مغرب میں ان گنت غیر مسلم مسلمان ہوجاتے ہیں اور جب واپس اپنے ممالک جاتے ہیں تو ان کے بدلی ہوئی کائنات کو دیکھ کر انھیں اسلام کی سچائی ہضم نہیں ہوتی ۔ جبکہ دوسری جانب اپنے مفادات کیلئے ان کے سامنے بیمار ، نازک اور لاچار کمزور ڈاکٹر عافیہ صدیقی جیسی خاتون آجائے تو پھر ان میں صلیبی انتقام کی روح گھس جاتی ہے ،

امریکہ نائن الیون کی بعد کی جنگ کو صلیبی جنگ اور وزیراعظم برطانیہ ، تمام سیکولر نظریات کو ایک طرف رکھ کر انگلینڈ کو عیسائی مملکت قرار دیتا ہے۔ ہندو انتہا پسند حکومت بنتے ہی مسلمانوں پر اذان کی صدا پر پابندی عائد کرادی جاتی ہے، طاقت کے نشے میں معصوم کمزور مزدور پیشہ مسلمان کا زبردستی روزہ توڑا دیا جاتا تو دوسری جانب بدھا کے ماننے والے جو ایک چیونٹی کے غلطی سے پاؤں کے نیچے آنے پر رو پڑتے تھے مسلمانوں کا قتل عام کرتے ہیں تو انھیں کوئی پوچھنے والا کوئی نہیں۔ عراق ، شام میں فرقہ وارانہ خانہ جنگی کرا کر مغرب اپنا ایجنڈا پورا کرتا ہے تو جمہوریت کا راگ الاپنے والے مصر میں فوجی حکومت کے قیام ہونے پر جشن مناتے ہیں۔ یووون رڈلے اور عافیہ صدیقی جیسی ہزاروں بچیاں ہیں جو اسلام کے حسن سلوک کی نمایاں مثالیں ہیں ۔ مغرب صلیبی زدہ حواریوں کو بس سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں تشدد ، جبر اور ظلم کا نظام نہیں ہے بلکہ چند ناعاقبت اندیشوں اور اسلام دشمن ایجنٹوں نے اسلام کے روشن چہرے کو انتہا پسندی میں چھپانے کی کوشش کی ہے جو ہمیشہ ناکام رہے گی ۔ اسلام کسی بھی مذہب کے پیروکاروں پر زبردستی کا اسلام مسلط کرنے کی کوشش نہیں کرتا ،
اس کا ایک واضح ثبوت افغان طالبان کی قید سے رہائی پانے والا ایک امریکی فوجی بھی ہے ، جس پر اب خود اس کی امریکی حکومت اعتبار نہیں کر رہی۔ بلکہ اس کی اسکریننگ کے ساتھ ، سخت تفتیش اور سوال جواب کے ساتھ اس کی انتہائی سخت نگرانی کی جارہی ہے کہ کہیں اتنے عرصہ

طالبان کے ساتھ رہنے کے بعد یہ بھی کہیں " طالبان " تو نہیں بن گیا۔

مسلم امہ کا نوحہ

ماہ رمضان اسلام کے عالمگیر پیغام امن کی ایک دعوت لیکر صبر و برداشت کے عظیم پیغام کیساتھ ، مسلم امہ کو دیا گیا کہ یہ تحفہ خداوندی ہے ، جو اس سے پہلے بھی تمام امتوں کو دیا گیا تھا ، صوم ، امت محمدیہ ﷺ سے پہلے بھی فرض کئے گئے تھے ، اس لئے یہ عظیم مہینہ مسلمانوں کیلئے مقرر کیا گیا تو اس کا مقصد ، اپنے ایمان کی پختگی کیلئے بھرپور فائدہ اٹھانا تھا۔ گلی محلوں، گھروں، چینلوں میں قرآن کریم کی تلاوتیں ، نعتیں اور نصیحتیں ، اسلام کا آفاقی پیغام لیکر جانے والے مسلم ، اعتکاف میں بیٹھنے والے ، مومن دراصل ماہ رمضان کی برکتوں کے فیض کو آگے بڑھانے کا سبب بنتے ہیں۔

رمضان المبارک کے عظیم برداشت اور امن کے پیغام پر مسلم امہ کے کئی اسلامی ممالک نے قطعی طور پر عمل نہیں کیا ، مسلمانوں نے اسلام کے نام رمضان کو ، ماہ خون آشام اپنے ہی مسلمان بھائیوں پر بنا دیا۔ اسلام کے نام پر نام نہاد اسلامی بنیاد پرستوں نے معصوم بے گناہ مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کئے رکھا ، ان پر رمضان المبارک کی برکتیں نازل نہ ہو سکیں ، ان پر سوائے گولہ بارود ، دھماکوں اور لاشوں کے کوئی اور تحفہ ماہ رمضان میں نہ مل سکا۔ جہاں ایک

طرف مسلمان آپس میں فرقوں، مسالک اور اختلافات کی بنیاد پر لڑتے رہے تو ان کی نا اتفاقی کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے صیہونی ازم کے پیروکاروں نے مسلمانوں پر قیامت صغری ڈھا دی۔ کوئی گھر ایسا نہیں بچا جس سے کسی کا جگر گوشہ لحد میں نہ اترا ہو۔ کوئی گھر ایسا نہیں بچا جس میں نوحہ نہ ہوا ہو۔ لیکن مسلم حکمرانوں کی غیرت اور اسلامی حمیت خاکستر ہوئی اور لب سل گئے کہ ان کے خلاف مذمت تک جاری کرنے پر ٹانگیں کانپی جاتی رہی۔

فلسطین، خون میں تر ہوگیا، جنازوں پر جنازے اٹھتے رہے، کفن کم پڑ گئے، گھر اجڑ گئے۔ سہاگنیں بیوہ ہوگئیں، بچے یتیم ہوگئے، مکانات، بلڈنگیں مسمار ہوگئیں، مٹھی بھر یہودیوں نے اپنے معاشی جال و شکنجے میں پھنسے ہوئے نام نہاد مسلم حکمرانوں کو بغیر لڑے شکست فاش دے ڈالی۔ لیکن غزہ کے مسلمان کم تعداد ہوتے ہوئے بھی جیت گئے، انھوں نے میزائیلوں کا جواب راکٹوں سے دیا، بمباری کا جواب، پتھر کی اینٹوں سے دیا۔ پہاڑی پر بیٹھے یہودیوں کی پر مسرت تالیوں کا جواب، نعرہ حق سے دیا، لیکن اپنا سر امریکہ اور اسرائیل اور اقوام متحدہ کے سامنے نہیں جھکایا۔ ہمت و استقلال کی وہ عظیم مثال قائم کی، جیسے رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ کیا ہوا کہ مسلم حکمران مجرمانہ خاموشی کے ساتھ، عیش و عشرت میں مصروف رہے، کیا ہوا کہ ان کے کانوں میں ماؤں اور بچوں کی چیخ و پکار کے بجائے، ساز و سازندوں اور

طوائفوں کے گھنگروں کی جھنکار گونجتی رہی، غزہ کے مومنین نے ثابت کر دیا کہ جنگ محض ہتھیاروں سے ہی نہیں ہمت و حوصلے سے بھی لڑی جاتی ہے۔

پاکستان میں اسی ہمت کی مثال آئی ڈی پیز نے قائم کی، ایک جانب ان کے اپنے دشمن ہوئے تو دوسری جانب پرائے ان کی جانوں پر گولے بارود کے ساتھ قیامت ڈھا رہے ہیں۔ دہشت گردی کے اس طوفان میں ان کے ساتھ صرف پاکستان کی فوج کھڑی ہے جو انھیں دہشت گردوں سے بھی نجات دلا رہی ہے تو دوسری جانب انھیں ضروریات زندگی کی تمام تر سہولیات دینے کیلئے تن من دھن کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔

لیکن اس ماہ رمضان میں ہمارے سیاست دانوں نے کیا پیغام دیا، جو رمضان المبارک جیسے مہینے کے انقلاب کے پیغام کو نہ اپنا سکا وہ قوم میں کہاں سے انقلاب لائے گا، ان کی حب الوطنی اور اسلام سے محبت کیا ہوئی کہ دنیا بھر میں مسلمانوں پر ہونے والے ظلم پر آواز اٹھانے کے بجائے اپنے اقتدار کیلئے ملک میں انتشار کو فروغ دینے کی منصوبہ بندیوں میں مصروف ہیں۔

عالم اسلام کے لئے رمضان کا مہینہ وحدت کا ہوتا ہے، رمضان کا آخری جمعہ یوم القدس یا یوم اسلام کے نام اسی منایا جاتا ہے تاکہ دنیا عالم کو اپنی

یکجہتی کا پیغام پہنچاسکے۔ جس طرح اسرائیل کا وجود اور فلسطین پر ظالمانہ قبضہ حقیقت میں اس دور کی بڑی طاقتوں ، امریکہ ، برطانیہ اور دوسرے یورپی ممالک کی سازشوں اور اسلام مخالف رویوں کا کاشاخصانہ ہے۔

غاصب صہیونی ریاست کے ناجائز قیام کی طرح پاکستان میں بھی بدقسمتی سے دہشت گردوں نے ریاست کے اندر ریاست قائم کی ہوئی ہے۔ کراچی ہو یا پشاور ، یا پھر لاہور ، کون سا صوبائی دارالحکومت محفوظ ہے بھتہ خوروں سے ، ٹارگٹ کلرز سے ، اغوا برائے تاوان سے ، اور انصاف کی عدم فراہمی سے۔

ماہ رمضان کا یکسر اثر پاکستان سمیت کسی بھی اسلامی مملکت میں نظر نہیں آتا ، جو برکتیں رحمتیں ، رمضان کے ساتھ جڑی تھیں ، وہ دور دور تک نظر نہیں آئیں ، صرف مسلم ، امہ کا خون ، صرف خون اور دہشت گردی کا ہی دور دورہ رہا۔

آیئے آپ بھی سب ملکر دعا بھی کریں اور اس بات کیلئے عملی جدوجہد بھی کریں کہ سب سے پہلے ہم ان عناصر کو مسترد کریں گے جو ، اسلام کے نام پر ہمارے مذہبی جذبات کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ آیئے آپ بھی اس بات کا عہد کریں کہ لسانیت ، قوم پرستی کے نام ہمیں تقسیم در تقسیم کرنے والوں کی لچھے دار باتوں میں نہیں آئیں گے۔ اگر ہمیں اپنا آئندہ رمضان بابرکت اور رحمتوں

والا درکار ہے تو ہمیں رمضان المبارک کے جانے کے بعد اپنا محاسبہ خود کرنا ہوگا کہ کیا ہم نے رمضان میں اپنے دین کے لئے کوئی خدمت انجام دی۔ کسی غریب کے سر پر ہاتھ رکھا۔ امت واحدہ کا تصور اپنی ذات میں پیدا کیا، مسلم امہ کا اجتماعی پیغام گلی گلی پہنچانے کیلئے عملی اقدامات کیلئے اپنی ذات میں انقلاب پیدا کرنے کا عہد کیا۔

اگر ہم صرف چند لمحوں کیلئے یہ سوچیں کہ اگر چین اور بھارت کی طرح ہمارے اوپر بھی ایسے لوگ مسلط ہو جائیں کہ ہمیں کوئی روزہ نہ رکھنے دے تو کیا پھر خود میں تبدیلی لائیں گے۔ یا پھر عراق، شام، لیبیا، مصر، ترکی کی طرح خود کو گروہوں میں بانٹ لیں اور ذلیل و رسوا ہوں تب ہوش آئے گا۔ یا پھر جہاں جہاں مسلمانوں کا جینا یہودیوں نے حرام کر دیا ہے تب جا کر ہم مسلمان بنیں گے۔ اگر ہم میں کوئی تبدیلی پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں اور ہم سوچ و فکر سے بانجھ ہیں تو ایک کیا بارہ مہینے کا رمضان بھی، کیسی میں تبدیلی کہاں سے پیدا ہو گی۔

۔ ہمیں یہ سوچ لینا چاہیے اگر ہم خود میں تبدیلی نہیں لائیں گے تو ہم پر جابر و ظالم مسلط کر دیئے جائیں گے اور ہمارے آہ و بکا پر کوئی ساتھ نہیں دیگا، کیونکہ جب قیامت برپا ہوتی ہے تو کوئی اپنا نہیں ہوتا۔

پہلی صہیونی عالمی کانفرنس کا مسلم امہ کیخلاف ایجنڈا

آسٹروی یہودی تھیوڈور ہرتسل یا تیفا ہرتسل جو بڈاپسٹ میں پیدا ہوا، اور ویانا میں تعلیم پائی ، سیاسی صہیونیت کا بانی ہے ،اس کا اصل نام بن یامین بتایا جاتا ہے ۔ اس نے ایک کتاب جرمن زبان میں لکھی "ڈر جوڈن شٹاٹ "یعنی یہودی ریاست جس کا انگریزی ترجمہ اپریل 1896 عیسوی میں آیا۔ اس ریاست کے قیام کیلئے ارجنٹائن یا مشرق وسطی کا علاقہ تجویز کیا گیا تھا۔برطانوی حکومت نے ارجنٹائن میں یہودی ریاست قائم کرنے کی سخت مخالفت کی اور اسے فلسطین میں قائم کرنے پر زور دیا۔ لارڈ بیلفور نے 1905 عیسوی میں جب وہ برطانیہ کا وزیر اعظم تھا تو برطانیہ میں یہودیوں کا داخلہ روکنے کیلئے ایک قانون منظور کرایا اُس کے بعد برطانیہ نے یہ ڈیکلریشن منظور کی "

Govermment view with favour the establishment in

.Palestine of a national home for the Jewish pepole " ترجمہ :۔ حکومت برطانیہ اس کی حمایت کرتی ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کا وطن بنایا جائے۔ "اس کے بعد 1897 ء میں پہلی عالمی صہیونی کانگریس کا باسل (سوئٹزرلینڈ) میں اجلاس ہوا جس میں فلسطین میں خالص صہیونی ریاست بنانے کی منظوری دی گئ اور ساتھ ہی بین الاقوامی صہیونی تنظیم بنائی گئ تاکہ وہ صہیونی ریاست کا قیام یقینی بنائے۔ اس ریاست کا جو نقشہ بنایا گیا اس میں دریائے نیل سے لیکر

دریائے فرات تک کا سارا علاقہ شامل دکھایا گیا یعنی مصر کا دریائے نیل سے مشرق کا علاقہ بشمول سعید، سارا فلسطین، سارا اردان، لبان، شام اور عراق کا دو تہائی علاقہ اور سعودی عرب کا ایک چوتھائی علاقہ۔

فلسطین میں یہودی ریاست بنانے کیلیئے وہاں بڑے تعداد میں یہودی داخل کرنا مندرجہ بالا پروگرام کا اہم حصہ تھا اور اس کیلیئے مسلمانوں کو فلسطین سے باہر دھکیلنا بھی ضروری قرار دیا گیا۔1895 عیسوی میں تھیوڈور ہرستل نے اپنی ڈائری میں لکھا تھا۔ "we shall try to spririt the penniless population across the border by procuring employment for it in the transit countries, while denying it any employment in our own country." ترجمہ:۔ ہم فلسطین کے غریب عوام کو فلسطین سے باہر ملازمت دلانے کا چکمہ دینے کی کوشش کریں گے اور ساتھ ہی ان کو فلسطین میں ملازمت نہیں کرنے دیں گے۔"

باقی صہیونیوں نے راست اقدام کا منصوبہ بناتے ہوئے مندرجہ ذیل فیصلہ کیا " AS soon as we have a biq settlement here we'll seize the land, we'll become strong and then we'll take care of the left bank . we'll expel them from there , too , Let them go back to the Arab countries." ترجمہ:۔ جونہی ہماری تعداد فلسطین میں زیادہ ہوگی ہم زمینوں پر قبضہ کرلیں گے، ہم

طاقتور ہو جائیں گے پھر ہم دریائے اُردن کے بائیں طرف کے علاقہ کی خبر لیں گے اور فلسطینیوں کو وہاں سے بھی نکال دیں گے ، وہ جائیں عرب ممالک کو۔"

صہیونیوں نے بیت المقدس میں کنگ ڈیوڈ ہوٹل اڑا دیا جس میں 91 آدمی مارے گئے اور بہت سے زخمی ہوئے ، یہ دنیا میں پہلی بارودی دہشت گردی تھی ۔.برطانوی حکومت پہلے ہی مزید یہودیوں کو فلسطین میں بسانے کے امریکی دباؤ سے پریشان تھی دہشت گردی میں برطانوی فوجیوں کی ہلاکت کی وجہ سے برطانیہ کے اندر حکومت پر، فلسطین سے فوجیں نکالنے کا دباؤ پڑنے لگا ۔چنانچہ برطانیہ نے اعلان کر دیا کہ وہ فلسطین میں اپنی حکومت 15 مئی 1948ء کو ختم کر دے گا۔ صہیونیوں نے جن کے لیڈر معروف دہشت گرد تھے ، فلسطین پر حملے اور ان کا قتل تو پہلے ہی شروع کر دیا تھا لیکن 1948ء میں اچانک فلسطین کے مسلمانوں پر بڑے پیانہ پر عسکری کمانڈو حملے کر کے یہودیوں نے بیت المقدس کے مغربی حصہ اور کچھ دوسرے علاقوں پر قبضہ کر لیا اور یہ سلسلہ جاری رہا ۔امریکہ صہیونیوں کی پشت پناہ پر تھا اور ان کو مالی فوجی امداد مہیا کر رہا تھا، اس طرح روس یورپ اور بالخصوص امریکہ کی مدد سے یہودیوں نے اپنی دو ہزار سال پرانی آرزو یہودی ریاست اسرائیل"کا 14 مئی 1948ء کو 4 بجے دوپہر اعلان کر دیا اور مسلم " عربوں کی زمینوں پر زبردستی قبضہ کر کے اسرائیلی ریاست بنالی۔ صہیونی مسلح دستے عربوں کی املاک پر قبضہ کرتے چلے گئے کیونکہ وہ دہشت گرد تنظیموں کے

تربیت یافتہ کمانڈو تھے اور انہیں امریکہ اور برطانیہ کی امداد بھی حاصل تھی ۔ یہودیوں کی دہشت گرد تنظیموں کے نام بدلتے رہے کیونکہ وہ یورپ میں دہشت گردی کرتی رہیں اور دہشت گرد قرار دی جاتی رہیں ۔ مشہور نام یہ ہیں ۔پاگانہ، اوردے ونگیٹ،ارگون لیہی ، لیکوڈ، ہیروت ، مالیدت ۔ ۔

یہی صہیونیت کا پاگل پن تھا جس کا مظاہرہ گذشتہ نوں مقبوضہ بیت المقدس میں سولہ سالہ فلسطینی نوجوان ابو خضیر کو زندہ جلانے کے واقعے میں ایک مرتبہ پھر دنیا کے سامنے آیا۔برطانوی اخبار گارجین نے اپنے آن لائن ایڈیشن میں ایک ویڈیو جاری کی ہے جس کے بارے میں اخبار کا دعوی ہے کہ اس میں فلسطینی لڑکے محمد ابو خضیر کے القدس میں اغوا کے مناظر ہیں۔یہودیوں نے سرزمین فلسطین پر ناجائز قبضے کے بعد ایک ایسی ریاست قائم کی ہے جس کا کوئی قانونی جواز نہیں ہے ،یہودیوں کا دعوی ہے کہ جرمن نازیوں نے چالیس کے عشرے میں ساٹھ لاکھ یہودیوں کا قتل کیا تھا۔ اسرائیلی حکومت اور پرانی نسل کے یہودی اپنی نئی نسل کو اس قتل عام کی یاد دلاتے ہیں کہ کس طرح تم کو بکروں اور مینڈھوں کی طرح ذبح کردیا گیا۔ یہ خوف یہودیوں کے بے مثال اتحاد کی اہم وجہ ہے اس کے علاوہ ان کو یہودیت پر فخر ہے اور احساس کمتری کا شکار بھی ہیں ، لیکن ان میں یہ عزم پایا جاتا ہے کہ وہ اپنی ریاست کو کمزور نہیں ہونے دیں گے ۔ موساد کی بنیاد رکھتے ہوئے اسرائیلی خفیہ ایجنسی کے سربراہ

نے 1953ء میں ایک فرمان جاری کیا تھا کہ "ہماری ریاست اپنے قیام کے پہلے روز ہی سے خطرات میں گھری ہوئی ہے، چنانچہ خفیہ ایجنسی ہمارے لئے پہلی دفاعی لائن کا کام کرتی ہے، ہمارا محل و قوع مشرقی وسطی کے قلب میں ہے اس لئے ہمیں ہر وقت ارد گرد کے حالات سے باخبر رہنے کی ضرورت ہے"۔ لیکن اس ادارے کو صرف باخبر رہنے تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ یہ تنظیم دنیا میں سینکڑوں تخریب کاری کے واقعات میں ملوث ہے۔ موساد کی اعلی کارکردگی یہودیت کے انہی احساسات کی عکاسی کرتا ہے۔

موساد کیلئے کام کرنے والے مرد ہوں یا خواتین، دوسرے ممالک کی جاسوس اداروں سے زیادہ تن دہی کے ساتھ ہر خطرہ مول لیکر اسرائیل کو مستحکم کرنے کی خدمت بجا لاتے ہیں، ان کے جاسوس نہ صرف مسلمان بلکہ امریکہ اور یورپ میں بھی اسرائیل کے مفادات کیلئے سرگرم رہتے ہیں۔ موساد کا پورا نام "انسٹی ٹیوٹ فار انٹیلی جنس اینڈ اسپیشل سروسز" ہے۔ یہ ایجنسی بظاہر اپنے آپ کو سائنسی ادارہ کہتی ہے مگر یہ حیثیت صرف ان کی اصلیت چھپانے کیلئے ہے ورنہ اس کا اصل کام دشمن ممالک کو نقصان پہنچانا اور ان کی چھپی سرگرمیوں سے اپنی حکومت کو آگاہ کرنا ہے۔

المیہ یہی ہے کہ راندہ، درگاہ ایک قوم جو سینکڑوں سالوں سے دربدر اور تباہ و برباد دنیا بھر میں ذلیل ہو رہی تھی آج وہ ایک جگہ پر صرف مسلمانوں کی نا اتفاقی و عدم برداشت کی بناء پر کامیاب ہو رہی ہے اور اس کے ظلم و ستم کا

دائرہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔۔ خود کو اللہ کی چہیتی اولاد سمجھنے والے ، اللہ کے محبوب نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کی امت کے درمیان تفرقے کے بیج بو کر اپنے مذموم عزائم میں صرف اس کامیاب ہو رہی ہے کیونکہ ہم نے اللہ کی رسی کو چھوڑ کر ، فرقوں کی الجھی ڈوروں کو مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے۔ تاریخ سے بخوبی واقف ہیں اور ہمارے سامنے یہودیت کی بنیاد اور مسلسل ہٹ دھرمی کی وجوہات بھی موجود ہیں ، لیکن اس کے باوجود ہم بہ حیثیت مسلم امت واحدہ ، اپنی غلطیوں کو درست کرنے کے بجائے ، مزید نا اتفاقی و عدم اتحاد کا سبب بن رہے ہیں ۔ اسرائیل دنیا کی معیشت کی ڈوریں اور حکومتوں کی تبدیلیاں اپنے من پسند حکمران لانے کیلئے کرتا ہے اور تف ہے ایسے لوگوں پر جو سب کچھ سمجھنے کے باوجود اسلام دشمن ایجنڈے پر چلنا زیادہ ضروری سمجھتے ہیں ، ان کے نزدیک سب سے بڑا مسئلہ اپنے عقائد کو زبردستی سادہ لوح مسلمانوں پر مسلط کرانا ہے۔ یہی روش رہی تو مسلم امت عبرت کا نشان تا قیامت بنتی رہے گی۔

! انقلابیے

پاکستان کی بد قسمتی رہی ہے کہ اسے اپنی بقا کیلئے ہر چیز باہر سے درآمد کرنا پڑتی ہے ، پاکستان کے قیام کے بعد جب گندم کم پڑی تو اس نے امریکہ کا انتخاب کرتے ہوئے ، خوئے غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا۔ پھر اس کے بعد قرضوں کے نام پر آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے تلوے ہمارے حکمران چاٹنے لگے تو اپنی دُم ہلاتے ہوئے معاشی پالیساں بھی پاکستانی عوام پر اصلاحات کے نام پر مسلط کرتے رہے ، قدرتی خزانوں اور معدنی وسائل سے مالا مال مملکت کو حکمرانوں نے اپنے کمیشن کے عوض ، سود کے عذاب میں اس قدر پھنسا دیا کہ آج ایٹمی کچکول لئے ، در بدر بھیک مانگتے نظر آتے ہیں ماضی میں کئے جانے والے دعوے کہ کچکول توڑ دیئے جائیں گے ، اب اس لئے نہیں توڑے جا سکتے کیونکہ ہر حکمران کا سب سے پسندیدہ جواب یہی آتا ہے کہ یہ مسائل انھیں ورثے میں ملے تھے ، اب یہ پاکستانی ورثہ کس کے طفیل ہمیں ملتا رہا اس سے بھی کوئی ناواقف نہیں ہے ، کیونکہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے حکمرانوں نے اقتدار کی کرسی کو کھیل بنایا ہوا ہے ۔ ہماری معاشی پالیسیاں ہوں یا خارجہ پالیساں ، سب کچھ درآمد کیا جاتا ہے ، پیپلز پارٹی کی اہم رہنما شہلا رضا ہی نہیں بلکہ ملک کے سابق وزیراعظم گیلانی بھی اعتراف کر چکے ہیں کہ انھوں

نے امریکہ ،برطانیہ، سعودیہ اور متحدہ امارات کے کہنے پر کیا، کچھ نہیں کیا۔اس اعتراف کے بعد بھی پاکستانی عوام کی آنکھیں بند ہیں اور جیئے ، سدا جیئے کے نعرے بلند کرکے اپنی بے حسی کا ڈھنڈورا خود پیٹ رہے ہیں۔

ملک میں انقلاب کے نام پر کیا کچھ نہیں ہوتا رہا کیا اس سے بھی کوئی ناواقف ہے۔،

ملک خداداد پاکستان کی نوکر شاہی نے حکمرانوں کو زندہ جاوید بنانے کے زعم میں ملک کے دارلخلافے کو ہی اٹھا کر پہاڑوں کے درمیان بسا دیا کہ جیسے شداد نے اپنے لئے ایک ایسی جنت بسانے کی کوشش کی کہ اس کا اتنا بلند مینار ہوگا کہ موت اسکے پاس ہی نہ آسکے لیکن جب اس نے دنیاوی جنت بنائی تو اس میں اپنا دوسرا قدم نہ رکھ سکا اور موت نے ، آلیا، نمرود اپنی طاقت کے زعم میں سمجھا کہ ایسے کوئی نہیں مار سکتا، لیکن ایک مچھر نے اسے موت کا ذائقہ چکھنے پر مجبور کردیا، نہ جانے ہمارے حکمران کس شداد یا نمرود کے پیروکار ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو موت کبھی نہیں آئے گی اور یہ دنیا میں بنائے جانے والی جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ لیکن تاریخ نے ان سب کو عبرت کو نشانہ بنایا اور ان سب کا حشر انتہائی عبرت ناک ہوا ہے۔ لیکن ان کے پیش رو پھر بھی ان ہی کی روش پر گامزن ہیں اور ان کے اسلوب وانداز و اطوار میں کسی طور کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو رہی ۔پاکستان عوامی تحریک کے طاہر القادری کے حوالے سے میڈیا میں یہ انکشاف منکشف ہوا کہ اس بار قادری صاحب اسلام آباد

سے اتر کر سیدھے اپنے حواریوں کے ساتھ پارلیمنٹ ہاؤس جاتے اور پارلیمنٹ ہاؤس پر قبضہ کرکے ایسے آگ لگا کر اپنے انقلاب کا افتتاح کرتے ۔ لیکن حکومت نے حساس اداروں کی جانب سے اس راز کا افشا ہونے کے بعد انقلاب کو لاہور میں اتار دیا۔ بتایا یہی جاتا ہے کہ ماہ مئی میں اپنے دورہ لندن کے موقع پر دو انتہائی با اثر شخصیات سے ملاقات کرکے پاکستان میں انقلاب کا منصوبہ بنایا گیا تھا، پارلیمنٹ پر ہلہ بول دینے کی پوری تیاری کی جاچکی تھی ، ہجوم کو پہلے مشتعل کیا جاتا اور پھر پارلیمنٹ میں داخل ہو کر توڑ پھوڑ ، لوٹ مار کے بعد آگ لگا دی جاتی ، جیسے 1933ء میں نازی انقلاب کے بانی ایڈولف ہٹلر کے حامیوں نے جرمن پارلیمنٹ کو آگ لگا دی تھی ۔ لیکن اس بروقت رپورٹ کے بعد کمال ہوشیاری سے قادری صاحب کو اندھیرے میں رکھتے ہوئے ، آخری وقت تک لاعلم رکھا گیا اور انھیں حکومتی اعلی شخصیات یقین دلاتی رہیں کہ طیارہ اسلام آباد ائیر پورٹ ہی اترے گا، لیکن انقلاب کی ہوا اس وقت نکال دی گئی جب طیارہ لاہور اتار دیا گیا، اب قادری صاحب چیں بہ چیں ہوئے کہ ان کی جان کو خطرہ ہے ، لاکھ بہانے تراشے ، طیارہ کو جذباتی ہائی جیک کرلیا اور گھنٹوں تک انھوں نے اترنے سے انکار کردیا، لیکن چشم فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ لندن پلٹ گورنر پنجاب بنائے جانے والے اُسی فرد کے ساتھ اپنی بنکر نما رہائش گاہ گئے ، جن کی جماعت کے خلاف وہ" انقلاب " برپا کرنے کینڈا سے آئے تھے۔ تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان بھی انقلاب کا سندیسہ لیکر چلے ہیں ،

اس لئے انھوں نے واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ وہ اسلام آباد واپس آنے کیلئے نہیں جا رہے۔ ویسے بھی کون کم بخت ہے جو اسلام آباد جا کر واپس آنا چاہتا ہے، ورنہ پاکستان کے جتنے عوامی نام نہاد نمائندوں کو دیکھ لیں کہ جو بھی ایوانوں میں گیا ہے، ان کے حلقے کی عوام انھیں تلاش ہی کرتی رہتی ہے۔

عمران خان بذات خود اچھے انسان ہونگے، لیکن یہ بھی قادری صاحب کی طرح روز خواب بُنتے ہیں لیکن ان کی ٹوکری میں بھی گندے انڈے موجود ہیں، اگر یہ گندے نہ ہوتے تو کم از کم انھیں یہ تو بتا دیتے کہ جناب آئی ڈی پیز کے زخموں پر مرہم لگانے کیلئے جو دعوت آپ اڑا رہے ہیں، تو کم از کم سائیں والی حرکت تو نہ کریں، کیونکہ سائیں تو، سائیں ہے، سائیں کا کام بھی سائیں سائیں ہے۔ لیکن دنیا نے یہ تماشہ بھی دیکھا کہ انقلاب کے داعی آئی ڈی پیز کے پاس جانے سے گریزاں رہے اور اُن سے کوسوں دور بیٹھ کر مرغ پلاؤ اور سیخ کباب کھاتے رہے، کاش وہ بھی دیکھ لیتے کہ جن انگاروں پر گوشت بھنا گیا، اس انگاروں پر معصوم عوام کس قدر جھلس رہے ہیں۔ آفرین ہے پاکستان کے بہادر سپہ سالار پر، کہ انھوں نے چاند رات جوانوں کے ساتھ محاذ جنگ پر گذاری اور عید کا دن بھی، بلکہ آئی ڈی پیز کے معصوم بچوں کے ساتھ بھی گھل مل گئے
۔

شائد پاکستانی عوام اس امپورٹڈ انقلاب کے بہلاوے میں آ جائے، کیونکہ پاکستانی عوام میں بد قسمتی سے خوئے آزادی ہی نہیں ہے، وہ ہر وقت خود کو غلام رکھنا چاہتی ہے، شاید یہ پاک و ہند کی زمین کی بود و باش کی میراث ہے کہ یہاں کی عوام، پہلے ہاتھ سے بنائے ہوئے پتھروں کی غلام بنی رہی، پھر جب ان پر جارحیت مسلط ہوئی تو مغلوں کے غلام بنے رہے، اقلیت، اکثریت پر حکومت کرتی رہی، جاگیرداروں، سرداروں، ملکوں، وڈیروں اور خوانین کی غلام بنی رہی، پھر دورِ جدید میں صنعتکاروں کی غلام بن گئی۔ اب پاک و ہند کی عوام کو دیکھ لیں، دونوں ممالک قوم پرستی، لسانیت، مذہبی فرقہ واریت کے غلام بنے ہوئے ہیں، ہر انسان اپنے ہی نفس کا غلام بنا ہوا ہے۔ اگر ان کے قوم و فعل میں تضاد نہ ہوتا تو آج پارلیمنٹ کو چلائے جانے کے منصوبے بنانے کے بجائے، عوام کو دو وقت کی روٹی، عزت و امن کے ساتھ رہنے کے منصوبے اور ہنود و یہود و نصاریٰ کی غلامی سے آزاد کرانے کی کوشش کرتے۔

!! انقلاب کوئی کھیل نہیں

ملک بھر دہشت و سفاکیت اور بے یقینی نے اس قدر گہرے اندھیرے سائے ڈیرے ڈال دیئے ہیں کہ نہ جانے کب پاکستان کے باسیوں کو خوف کے کالے پانی سے رہانجات ملے گی۔ مملکت خداداد پاکستان میں جس طرف نظر دوڑائی جائے تو ایسی کوئی بھی شخصیت نظر نہیں آتی جو پاکستان کو درپیش مسائل سے آزاد کرا سکے۔ ہر بات کیلئے عوام کو سزا ،ظالمان وارباب اختیار کا وطیرہ بن گیا ہے۔ قوموں کیلئے جد وجہد اور اس کیلئے تکلیفیں برداشت کرنا ہر کس و ناکس فرد کی بات نہیں ، اسی لئے تو جن قوموں کو زندہ رہنا ہوتا ہے وہاں ایسے لیڈر بھی پیدا ہوجاتے ہیں جو انھیں حیات جاوید کا نسخہ کیمیاء بھی بتاتے ہیں لیکن بد قسمت ہوتی ہے وہ قوم، جو اپنے رہنماؤں کی قربانیوں سے کوئی سبق سیکھنے کے بجائے خود کو مزید تباہیوں کے گھپ اندھیروں میں گرا دیتے ہیں ۔جدید انقلاب کے نام نہاد لیڈروں کی اصلاح کیلئے تاریخی کرداروں کی جد وجہد کا ذکر ضروری ہے تاکہ عوام میزان میں از خود فیصلہ کر سکیں۔

خان عبدالغفار خان المعروف باچا خان بابا کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں انکی قربانیوں پر روشنی ڈالنا، سورج کو چراغ

دکھانے کے مترادف ہے۔ پختون قوم میں ہی نہیں بلکہ مسلم امہ کی بیداری کی تحریک میں بھی ان کی لازوال جدوجہد تاریخ کا سنہری باب بن چکا ہے۔باچا خان بابا مجموعی طور انگریز دور اور پاکستان میں 35 سال سے زائد عرصہ پس زنداں رہے۔ جس میں 19 سال سے زائد عرصہ قیام پاکستان کے بعد نوکر شاہی نے بھی انھیں اسیر رکھا۔جنگ آزادی اور بلوچستان کے معروف قوم پرست رہنما ادیب و صحافی خان عبدالصمد خان اچکزئی المعروف خان شہید کو 2 دسمبر 1973ء کو ان کی رہائش گاہ پر گرینیڈ بم پھینک کر شہید کیا گیا۔ انھوں نے مجموعی طور پر 32 سال قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔جس میں انگریز دور میں گیارہ بارہ سال ، جبکہ پاکستان بننے کے بعد کم و بیش بیس اکیس سال جیل میں رہے ، عبدالصمد خان اچکزئی بلوچستان میں صحافت کے بانیوں میں بھی شامل ہیں اور صحافت کے میدان میں تمام تر مشکلات کے باوجود گراں قدر خدمات سرانجام دیکر خود کو امر کرلیا۔جی ایم سید تحریک پاکستان کے صفِ اول کے رہنماؤں میں سے ایک تھے ، قیام پاکستان کیلئے ان کی قربانیوں کو نظر انداز کرنے سے تاریخ پاکستان کبھی مکمل نہیں ہوسکتی۔سندھ اسمبلی میں قراردادِ پاکستان پیش کرنے والے جی ایم سید ہی تھے اور اس قرار داد کو بھاری اکثریت سے پاس بھی کروایا۔ان کے حوالے سے مشہور کہاوت ہے کہ جب قائدا عظم پر حملے کے الزام میں پکڑے جانے والے شخص کے بارے انھیں علم ہوا کہ وہ سندھی ہے تو انھوں نے حیرت واستعجاب کے عالم میں کہا کہ "کیا کوئی سندھی بھی انتہا پسند ہوسکتا

ہے". جی ایم سید کو پاکستان میں 25 سے زائد برس قید و بند کی صعوبتوں میں نظر بند و اسیر رکھا گیا اور انھیں کبھی کسی عدالت میں پیش نہیں کیا گیا حتی کہ ان کی وفات بھی ایام اسیری کے دوران ہوئی۔ تینوں قوم پرست شخصیات میں وجہ مشترک یہ ہے کہ انھوں نے انگریزوں کے خلاف برصغیر کی آزادی کیلئے جدوجہد کی، ظلم وستم برداشت کئے اور بلا تخصیص قوم کے حقوق کیلئے ہر سطح پر آواز بلند کی، انقلاب برپا کیا، لیکن ایک موقع پر ان کی زندگیوں میں ایسا بھی آیا کہ اپنی قوم کیلئے حقوق حاصل کرنے کی پاداش میں انھیں استعماری قوتوں نے، پاکستان کو تسلیم کرنے کے باوجود غدار کہہ کر پابند سلال کر دیا اور انگریز دور حکومت سے زیادہ پاکستان میں ان شخصیات نے جیلیں کاٹیں۔ ان پر الزام سنگین نوعیت کے لگائے گئے اور کوشش یہی کی گئی کہ کسی بھی طرح انھیں سخت سے سخت تکلیف دیکر اپنے موقف سے ہٹایا جائے اور استعماری واستبدادی قوتوں کے ساتھ مفاہمت کیلئے راضی کیا جائے لیکن ہر ظلم کو برداشت کیا لیکن اپنے اصولی موقف میں تبدیلی نہ آنے دی اور یہ اپنے موقف مرتے دم تک ڈٹے رہے اور پاکستان کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔

تاریخ یہی درس دیتی ہے کہ اٹل اصول پرست رہنما ہمیشہ کامیاب رہتے ہیں اور اپنے پیروکاروں کو امن و عدم تشدد کا درس دیتے ہیں اور جو قومیں ان کی ہدایات پر عمل کرتیں ہیں وہ بالاآخر ترقی وکامرانی پالیتی ہیں۔ اگر یہ

رہنماء اپنی صعوبتوں پر تشدد کی راہ پر گامزن ہونے کا درس دیتے تو کیا آج تاریخ میں انھیں کوئی یاد رکھتا ؟۔ یہ ضرور ہے کہ جن جن مفاد پرستوں نے جب اپنے رہنماؤں کی تعلیمات سے صرف نظر کیا تو پھر پوری قوم کو مشکلات نے آن گھیرا۔ لیکن قدر مشترک بات یہی ہے کہ جب تک یہ تینوں رہنما زندہ رہے ، کبھی اپنی قوم سے دل برداشتہ نہ ہوئے انھیں تشدد کی راہ پر نہیں ڈالا ، اپنی قوم کے مخالف گروہ کی تنقید کو عدم تشدد سے برداشت کیا اور کبھی بھی اپنے پیروکاروں ذاتی مفادات کی بھینٹ نہیں چڑھایا۔

ان میں قدر مشترک ایک بات یہ بھی تھی کہ ان پر کبھی ملکی بد عنوانی ، کرپشن ، قتل وغارت ، جلاؤ گھیراؤ، لوٹ مار اور فسطائیت کے الزامات نہیں لگے ،ان میں قدر مشترک یہ بھی تھا کہ انھوں نے کبھی اپنی گرفتاریوں کی ڈر کی وجہ سے قوم کو مشکلات میں ڈال کر امتحان نہیں لیا بلکہ کالے قوانین کے دائرے میں ہی رہ کر بے گناہ سزا کاٹنے کو ترجیح دی۔ انکا بس ایک ہی جرم تھا کہ یہ مظلوم طبقے کیلئے حقوق مانگتے تھے تو بھلا جن کے حقوق کیلئے انھوں نے اپنی زندگی داؤ پر لگائی انھیں آزمائش میں کیوں ڈالتے ۔لیکن اب ان جیسے رہنماء کہاں ہیں ۔ہمیں کسی لیڈر کے انقلابی نعروں پر ان کے انقلابی منشور کو دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ کیا آج کے انقلاب کے داعیوں کا اپنے منشور میں قول و فعل تضاد ہے کہ نہیں ، کیا ان کا انقلاب فساد تو نہیں ، جو

وہ اصلاح کے نام پر قوم پر زبردستی مسلط کرانا چاہتے ہیں۔جب بھی عالمی انقلابی شخصیات کی مجموعی زندگی اور ان کی جد وجہد پر اجمالی نظر بھی دوڑائیں تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ جو مشن لے لیکر اٹھے تھے تو ان کا مقصد اقتدار کا حصول نہیں بلکہ انسانی حقوق کی بالادستی اور مستحکم انقلابی نظریئے کی بنیاد تھا۔آج بھی ان کے مخالفین انھیں نہ جانے کس کس القابات سے یاد کرتے ہیں۔لیکن تاریخ ثابت کرتی ہے کہ انھوں نے کبھی پُر تشدد سیاست نہیں کی کیونکہ یہ سیاست کو کاروبار نہیں بلکہ خدمت سمجھتے تھے۔آج پاکستان میں گلی گلی سے انقلاب کی آواز اس طرح اٹھتی ہیں جیسے کوئی کباڑی ، فالتو اشیاء خریدنا چاہتا ہو۔انقلاب ، محلات میں بیٹھ کر نہیں آتا کہ اپنے لئے تو اربوں روپوں مالیت کے پر تعیش محلات ، لیکن غریبوں کیلئے قبر کی دو گز زمین بھی میسر نہیں۔انقلاب ایسا نہیں آتا کہ اپنے لئے تو کروڑوں روپوں مالیت کی بم پروف گاڑیاں ، لیکن غریب عوام کو سفر کرنے کیلئے گاڑیوں کی چھتوں پر بیٹھ کر اپنی جان جھوکھم میں ڈال کر عزیز رشتے داروں کے پاس جانا۔انقلاب ایسے نہیں آتا کہ اپنے لئے تو یورپ سے کپڑے اور غریب کو کفن بھی ملے تو ایدھی سینٹر کی زکوۃ سے۔اپنے لئے تو اعلے سے اعلیٰ تعلیمی ادارے ، اور غریب عوام کیلئے بنائے گئے ٹاٹ اسکولوں پر بھی قبضہ کرکے بھنیس کے باڑے۔اپنے لئے تو صحت کی اعلیٰ سہولیات ، غریب کو تو مرنے کا زہر بھی میسر نہیں۔انقلاب لانے والے خود بتائیں کہ جب فائیو اسٹار ہوٹلز و تقریبات

میں انقلاب کا اعلان کرتے ہیں تو کیا کوئی غریب عوامی نمائندہ ان کے شانہ بہ شانہ ہوتا ہے یا پھر جاگیر دار، وڈیرہ، سرمایہ دار، ملک، خوانین، بیوروکریٹس اور خوشامدی ٹولہ ان کے ساتھ ہوتا ہے ؟۔ دو فیصد مراعات یافتہ طبقے کے نمائندے ہو کر غریبوں کے خون کی ہولی کو انقلاب کہتے ہو۔اپنی اولادوں کو محفوظ وپر تعیش محلات اور بیرون ملک میں اربوں روپوں کی جائیداد و کاروبار کیساتھ، پاکستانی عوام پر حکومت کرنے کیلئے بادشاہی طرز عمل اختیار کرنے والے انقلاب کس چڑیا کا نام ہے کیا جانیں، انقلاب لانے کیلئے انقلابی تو بنیں۔ عوام ایسے انقلابیوں کو مسترد کردیں جن کے قول و فعل کے تضاد اظہر من الشمس ہیں۔

اسباب زوال امت

مسلم امہ کی زبوں حالی اور تباہی کے مختلف اسباب پر غور وفکر کے دوران لکھے جانے والے مختلف کالموں پر قارئین کی بڑی تعداد کی جانب سے آراپر موصول ہوتی رہتی ہیں ۔ ان سب میں ایک بات قدر مشترک دیکھی کہ مسلم امہ اور ملت واحدہ کے بجائے ، ہر کسی کا زور اس بات پر ہوتا ہے کہ جو کچھ بھی لکھا جائے ، تو بس انکے نقطہ نظر کو درست و کامل سمجھا جائے ۔
اختلاف اور عدم برداشت کی راویت جس قدر وافر ہمارے معاشرے اور مسلمانوں میں پائی جاتی ہے ، میرے نزدیک اس کی بنیادی وجہ ہماری دین اسلام کی تعلیمات سے دوری ہے ۔ہم بہ حیثیت مسلمان اپنے آپ کو دنیا کے تمام مذاہب سے بالاتر سمجھتے ہیں اور اپنی خامیوں پر نظر ڈالنے اور انھیں ختم یا اصلاح کے بجائے دوسروں پر تنقید اور اعتراضات کرنے پر کمربستہ رہتے ہیں۔ مسلم امہ کی تباہی پر نظر ڈالنی ہو تو ہمیں سب سے پہلے خود پر اور اپنے گریبانوں میں ضرور جھانک لینا چاہیے کہ کیا ہمارا کردار ، ہمارا عمل ہمارے اسلام کی غمازی بھی کرتا ہے یا نہیں ؟۔

دین اسلام کا سب سے پہلا سبق ہی برداشت، رواداری، سلامتی اور تحفظ کے احساس کو پیدا کرنا ہے۔ ہم سب سے پہلے اگر کسی سے بھی ملتے ہیں تو السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ کہہ کر نہ صرف ایسے اپنی جانب سے سلامتی کا احساس دلاتے ہیں بلکہ، اس کے لئے رحمت و برکات کیلئے بھی دعا گو ہوتے ہیں۔اللہ تعالی نے بھی سلام کو اپنا تحفہ قرار دیا ہے۔ لیکن کیا ہم کبھی اس حوالے سے سوچا بھی ہے کہ کیا ہم سلامتی، امن اور رحمتوں کے پیامبر ہیں یا اصلاح کے نام پر فساد پیدا کرنے والوں کے حواری ہیں۔

جب مسلمانوں میں موجود مختلف گروہوں کے حوالے سے بات کی جاتی ہے تو اس بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو یا پھر آپ کے طرز عمل سے ایسا نہ لگے کہ آپ کسی خاص مکتبہ فکر کی ترجمانی کر رہے ہو، لیکن اس بات میں بھی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی ایک بھی ایسا انسان نہیں ہے جو کسی سوچ و فکر سے متاثر نہیں ہوا ہو اور اس کی اثر اس کی تحریروں یا قول و فعل میں نظر نہ آتا ہو۔چونکہ جب غیر جانبدار ہو کر کسی خاص موضوع پر لکھے جانے کی ضرورت پیش آتی ہے اور مطمع نظر صرف یہی ہوتا ہے کہ بار بار اس بات کی نشاندہی کی جائے کہ اصل خرابی کسی دوسرے میں نہیں بلکہ ہم میں ہے تو پھر اس کے بعد بھی میں نہ مانوں، کی ضد اپنا لی جائے تو اس کا نتیجہ تباہی ہی نکلتا ہے۔

ہمیں یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہم نے سب سے پہلے اپنی وابستگیوں کیلئے کیا معیار اپنایا ہوا ہے ۔ اگر ہمارے نزدیک اس معیار کا تعلق اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی ہے تو پھر کیا کوئی یہ ثابت کرسکتا ہے کہ نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کی جانب سے یا ان کے اصحاب رضوان اللہ اجمعین کی جانب سے ، کسی مسلمان کو کبھی کوئی نقصان پہنچا ہے یا کبھی تکلیف پہنچی ہے۔

جبکہ ہم تاریخ میں یہ ضرور دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر اگر کوئی کچرا پھینک رہا ہے یا ان پر پتھر برسا رہا ہے ، تب بھی ان کیلئے کبھی بد دعا تک نہیں فرماتے بلکہ جس دن کچرا نہ پھینکا گیا تو جا کر پوچھتے اور عیادت کرتے ہیں کہ کیا بات ہے آج طبیعت تو ٹھیک ہے ؟۔

رحمت العالمین نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات تو یہی سکھاتی تھیں کہ ان کے قتل کے درپے ہونے والا ، ان سے اتنا متاثر ہوجاتا کہ ہاتھ میں تلوار لئے قتل کا ارادہ رکھنے والا حضرت عمر رضی تعالی عنہ ، حسن سلوک و اخلاق اور نظریہ اسلام و قرآن کی سچائی سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرلیتا ہے۔

اسلام کا نظریہ تو یہ سکھاتا ہے کہ صلح حدیبیہ کا معاہدہ ہوا نہیں اور مخالفین نے مکہ سے مدینے جانے والے صحابی ابو جندل رضی اللہ تعالی عنہ کو

سفیر اہل مکہ سہیل بن عمرو نے اس لئے دوبارہ اپنی تحویل میں مانگا کیونکہ ابھی معاہدے کی صرف بات چل رہی تھی کہ مکہ سے مدینہ اگر کوئی گیا تو ایسے واپس کردیا جائے گا اور جب یہی اصول مخالفین معاہدہ کے ان گرفتار ستر افراد پر لاگو کئے جانے لگا جو معاہدہ ختم کرانے کیلئے شرانگیزی کرتے وقت گرفتار کئے گئے تھے، انھیں رہا کردیا گیا لیکن اپنے صحابی کی تکلیف کے باوجود اپنے پاس رکھنے کے بجائے واپسی کو برداشت کرکے معاہدے پر دستخط کئے اور یہی صلہ خداوندی تھی کہ ان کے حوصلے، برداشت کے طفیل فتح مکہ کی راہ ہموار ہوئی تو اسلام کے سب سے بڑے مخالف ابو سفیان (رضی اللہ تعالی عنہ، اسوقت مسلمان نہیں ہوئے تھے کے گھر کو کعبہ اللہ کے بعد امن کا گھر قرار دے دیا، حسن سلوک کی اس مثال نے ابو سفیان کو اسلام کا پیروکار بنا کر نظریہ سلامتی کو تاریخ کا حصہ بنا ڈالا کہ آج انسانی حقوق کے چیمپین کہلانے والوں کا چارٹرڈ، خطبہ فتح مکہ بنا۔ غیر مسلم تو سمجھ گیا لیکن اگر کوئی نہ سمجھا تو صرف مسلمان نہیں سمجھا۔چراغ تلے اندھیرا شاید اسی موقع کیلئے کہا جاتا ہے۔آپ یہ نہیں سوچتے کہ کہ عراق میں مسلمانوں کے درمیان اگر نفاق ہے تو صرف اس لئے ہے کیونکہ نفق ہمارے دلوں میں ہے ورنہ اسلام دشمن قوتیں، ہماری اس کمزوری کا فائدہ کیوں اٹھاتیں۔شیعہ، سنی کے نام پر مسلم ممالک میں قتل و غارت مچانے والے، کوئی اور نہیں بلکہ اسلام کے نام پر تقسیم ہونے والے ہم خود ہیں۔انبیا کی مقدس

زمین پر بھی مسلمانوں کا خون ہی بہا ہے اور ان کا خون بہانے والے بھی تو اسلام کے نام لیوا ہی کہلاتے ہیں۔

مصر، ترکی، لیبیا، افغانستان اور پاکستان سمیت ۵۷ اسلامی مملکت کے احوال پر نظر دوڑائیں تو ایک بات قدر مشترک نظر آتی ہے کہ ہم سب کسی نہ کسی گروہ میں بٹے ہوئے ہیں، ہمارا اسلام دوسرے کے اسلام سے بہتر اور مختلف ہے۔ہماری فقہ ہمارا ایمان ہماری رنگ دار عینک کے مطابق ہے، کیا ہم نے کبھی اس بات کا تصور کیا ہے کہ مسالک، اور تفرقے اگر یہود و نصاری نے مستحکم کرائے ہیں تو ہم نے ایسا کیا، کیا ہے کہ ان کی سازشوں کو ناکام بنائیں۔ ہم صرف یہ سوچتے ہیں کہ اسلامی امارات افغانیہ ہو اسلامک اسٹیٹ عراق و شام کے خود ساختہ خلیفہ کا گروہ، اگر وہ اپنے مخالفین گردنیں اتار رہے ہیں تو کیا ایسے کوئی اور نام دیتے ہیں یا اسلام کا نام ہی دیتے ہیں۔

ہم دیکھیں تو ہمیں اپنا اسلام چاہیے، عراق پر نور المالکی کو بُرا نہ کہو، شام کے صدر بشار الاسد کو بُرا نہ کہو، سعودی عرب کے شہنشاہ کو بُرا نہ کہا جائے، افغانستان کے امیر المومین کی شان میں گستاخی نہ ہو،ایران کے امام حاضر پر تنقید نہ کی جائے، کیونکہ اس سے ہمارا اسلام خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ عراق کے وزیر اعظم ہوں یا شام کے صدر، انھوں نے اگر اپنی عوام

کے خلاف کوئی کاروائیاں کیں تو ایک گروہ کی جانب سے وہ درست ہیں تو دوسرے گروہ کی جانب سے ظلم ہے۔ فلسطین میں اگر حماس کسی خاص گروہ کا ترجمان ہے تو وہ درست ہے اگر الفتح کسی دوسرے گروہ کے ساتھ ہے تو وہ غلط ہے۔ مسلم حکمران اگر خاموش ہیں تو ہم سب ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے میں جنت خرید رہے ہیں۔ ہم سے ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم از خود یہود و نصاری کی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں۔ نہیں اس کیلئے پہلے ایران کو پہل کرنا ہوگی یا سعودی عرب کے عمل کا انتظار کرنا ہوگا۔ فلسطین میں مارے جانے والے، انسان نہیں بلکہ کسی خاص گروہ کی جھاڑ، گھانس پھونس لگتی ہیں کہ لگے رہو اسرائیل، پہلے ایک دشمن کمزور ہو تو پھر اس کے بعد تم کو بھی دیکھ لیں گے۔ لیکن کون دیکھے گا کون کیا کرے گا، ہمیں تو اپنے آپ مسلمانوں میں اختلاف دور کرنے کیلئے بھی صلاح الدین ایوبی کا انتظار ہے کہ امام غائب کی طرح وہی آ کر، اسلام کے گرتے ستونوں کو مضبوط کریں گے، ہمارا تو کوئی فرض ہی نہیں ہے کہ جیسے اللہ تعالی ہم سے نہیں پوچھے گا کہ تم بتاؤ کہ تم نے اپنی کیا ذمے داری پوری کی۔

اسلام کو اسلام کی طرز پر اس طرح سمجھا جائے جیسے اس کا حق ہے، اگر نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے دور میں گروہ تھے، اسلام میں اختلاف تھا تو پھر تو ٹھیک ہے، لیکن جب اسلام میں گوسالہ پرستی کی اجازت نہیں ہے تو پھر ہم کون

ہوتے ہیں کہ امت واحدہ کو اپنی مرضی کے اسلام میں تقسیم ان لوگوں سے کراتے ہیں جن کے قول و فعل میں تضاد نمایاں اور پوشیدہ نہیں ہے۔اللہ تعالی کے دیئے گئے احکامات اور اصولوں کو جدیدیت کی رنگ دار تفرقے کی عینک میں دیکھتے رہیں گے تو کبھی بھی عراق ، ایران ، شام ، سعودی عرن ، امارات ، مصر ، ترکی ، لیبیا ، صومالیہ افغانستان اور پاکستان سمیت پوری دنیا میں مسلمانوں پر متفرق طور سے مظالم کا خاتمہ ، نہیں ہو سکے گا بلکہ اللہ تعالی اپنے قانون کے مطابق ، ہم پر دوسری قوم کو لے آئے گا کیونکہ اللہ تعالی کی محبوب قوم صرف وہی ہے جو اس کے احکامات پر چلے ، تفرقے میں نہ پڑے ، ایک اللہ ، ایک رسول ، ایک قرآن پر یقین رکھے۔اللہ تعالی کی رسی کو مضبوطی سے تھامے اور اپنے ہر عمل کا جائزہ اللہ تعالی کی کتاب کے مطابق لیں۔ قول عمر فاروق رضی اللہ تعالی کہ حسبنا کتاب اللہ یعنی ہمارے لئے اللہ کی کتاب (قرآن) کافی ہے۔

میرا وطن پاکستان

پختون قوم پرست رہنما محمود خان اچکزئی نے انکشاف کیا تھا کہ افغانستان پاکستان پر حملہ کرنا چاہتا تھا اس لئے حکومت پاکستان نے انھیں افغانستان بھیجا۔اب پاکستانی وزرات خارجہ کی جانب سے بھی اس بات کی تصدیق کی گئی کہ افغانستان پاکستانی چیک پوسٹوں پر حملے کا ارادہ رکھتا تھا اس لئے محمود خان اچکزئی کو افغانستان بھیجا گیا۔ یہ ایک اچھا عمل تھا جس میں دونوں ممالک کے درمیان پیدا شدہ غلط فہمیاں دور کرنے کیلئے مثبت کوشش کی گئی ۔پختونوں کی ایک پختہ عادت ہے کہ وہ جہاں رہتے ہیں اُسے اپنا وطن سمجھتے ہیں ، پختون زبان سے قدرے بھی واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ ، جب کسی پٹھان سے پوچھیں کہ ، کہ خان صاحب کہاں جارہے ہیں تو وہ ، مسکرا کر کہے گا کہ میں وطن واپس جا رہا ہوں ۔ دیگر قومیتوں کیلئے یقینا اس میں حیرانگی کا عنصر ہو گا کہ ، پاکستان کے شہری ہو ، اپنے گاؤں واپس جا رہے ہو ، تو پاکستان ہی وطن ہے ، یہ اپنے گاؤں کو کیوں وطن کہہ رہا ہے ، تو سادہ سی بات ہے کہ پختون کیلئے ہر وہ جگہ جہاں وہ رہتا ، کھاتا ، پیتا ، سوتا ، جاگتا اور مرتا ہے ۔ اس کا وطن ہوتا ہے۔ اس کی مراد اس زمین سے محبت ہوتی ہے اور اس کی سادگی میں کہے جانے والے الفاظ محبت کی انتہا ہوتے ہیں کہ وہ اپنے گاؤں کو وطن سمجھتا ہے

۔ تو پھر سوچئے کہ جس ملک و شہر میں وہ رہتا ہے، جس سے اس کے خاندان کا رزق وابستہ ہے اسے وہ کتنی تعظیم اور محبت دیتا ہوگا۔ حقیقت کے آئینے میں اصلیت کا چہرہ دیکھنے سے اور تلخ حقیقت دیکھانے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ خال خال لوگ ہی سچ سننے اور پڑھنے کی ہمت جُتا پاتے ہیں۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ مجھے اپنے دین اسلام اور اپنی قومیت افغان (پختون) اور پاکستان کا شہری ہونے پر فخر ہے۔ لیکن پختونوں کے خلاف جس قسم کا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے تو اس کے جواب میں باقول "حاوی اعظم" آپ اندھے کو اندھا، جُھوٹے کو جُھوٹا، نائی کو نائی، تَرکھان کو ترکھان یا طوائف کو کہہ کر دیکھ لیجئے کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے اس لئے جب پختون کی خدمات اور صلاحیتوں کے برخلاف آراء پیدا کرنے کی کوشش" کی جائیں تو اس کا جواب بھی اسی طرح دینا پختون کی سرشت میں شامل ہے۔

خدا کے قہر و غضب کا اگر خیال نہ ہو۔۔

مرے سوا مجھے کوئی ڈرا نہیں سکتا

یہاں اس بات کو سمجھ لینا ضروری ہے افغان، اغوان، اغان، پٹھان، پشتون یا پختون ایک ہی قوم کے لسانی، علاقائی، جغرافیائی اور تاریخی بنا پر مختلف علاقوں میں کئی ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں۔ یہاں مقصود پختون قومیت کے حوالے

سے تعریفیں مقصود نہیں ہے بلکہ اس اہم معاملے کو زیر بحث لانا ہے کہ غیر مسلم ممالک ، خاص طور پر امریکہ لابی ، مسلم ممالک کو اپنے زیر نگیں رکھنے کی خواہش مند ہے،11/9 کے بعد امریکہ کی جانب سے صلیبی جنگوں کا اعلان اور ان کی موجودہ سازشیں،نیت کی غمازی کرتا ہے۔لیکن مسلم ممالک کی یہ حالت ہے کہ قدرتی دولت و معاشی طور پر مضبوط ہونے کے باوجود محض ایک ٹیلی فون کی دھمکی پر ڈرنے وکپکپانے لگتے ہیں۔جہاں مسلم ممالک کو امریکی بلاک اپنے لئے خطرہ سمجھتا ہے تو ان مسلم ممالک میں سب سے زیادہ خطرہ اسے پختونوں سے ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ سب کی آنکھوں میں پٹی باندھی جاسکتی ہے لیکن پختون کو اپنے زیر اثر رکھنے کیلئے ایسے لوہے کے چنے چبانا پڑیں گے۔اس کی چھوٹی سی مثال خود "اسلامی ممالک "کی سب سے بڑی ایٹمی طاقت کی حامل اور فوجی قوت کے جنرل (ر) پرویز مشروف کا اپنی کتاب In The line of Fire 22 ستمبر 2006 امریکی دورے کے دوران اعتراف ہے کہ اسے امریکہ نے دھمکی دی تھی کہ اگرامریکہ کے بجائے طالبان کا ساتھ دیا توپاکستان کو ملامیٹ کرکے پتھر کے زمانے میں پہنچا دیگا۔جبکہ ایک پختون نے اپنی روایت کے مطابق امریکہ کے سب سے مطلوب شخص کو اربوں ڈالر کے لالچ اور پانچ سال جنگ کے باوجود حوالے کرنے سے انکار کیا ۔اقتدار اس لئے چھوڑ دیا کہ امریکہ نے جس طرح جاپان میں ایٹم بم گرا کر فوج کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا اسی طرح امریکہ اور نیٹو کی جانب سے نہتے افغانیوں پر "کلسٹر" بموں کی برسات تھی جس نے ہیروشیما اور ناگاساکی جیسے

اہم جاپانی شہروں کے عوام سے زیادہ پختونوں کو جانی و مالی نقصان پہنچایا۔ایٹمی طاقت کے حامل جنرل کیلئے ڈوب مرنے کا مقام ہے حالاں کہ افغانستان جیسا ملک جو روس کے جانے کے بعد، خانہ جنگیوں سے معاشی طور پر تباہ حال ہوچکا تھا لیکن پختون نے اصولوں کے برخلاف اربوں ڈالروں کی پیش کش ٹھکرا دی لیکن صرف چند ہزار ڈالر کے عوض پرویز مشرف نے 600 سے زائد پاکستانیوں کو امریکہ کے سپرد کردیا جبکہ حالیہ حکومت بھی اسی روش پر قائم ہے اور اس قوم کی بے قصور بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی تک نہیں چھڑائی جاسکی۔ آخر وہ کس منہ سے امریکہ کو کہے گا جب کہ خود اس نے اپنی عزت امریکہ کے ہاتھوں پامال کی ہو۔

2011 تک دنیا میں پختونوں کی تعداد بارہ کروڑ سے زیادہ ہے جبکہ عربوں کے علاوہ دنیا بھر کے اسرائیلوں کی تعداد پختونوں سے کم ہے۔ افغان افغانستان سے کہیں زیادہ برصغیر اور دیگر ممالک میں آباد ہیں۔افغانستان سے زیادہ پاکستان اور پاکستان سے زیادہ بھارت میں بسنے والے افغان اُن افغانوں کے علاوہ ہیں جو کہیں زیادہ تعداد میں دنیا کے دوسرے ممالک میں بستے ہیں۔ صرف پاکستان میں 3 کروڑ سے زائد پختون بستے ہیں جبکہ افغانستان میں ایک کروڑ ستائس لاکھ سے زائد پختون آباد ہیں۔ پختون کے بود وباش کی خاصیت پانی کی مانند ہے اور وجود پتھر جیسا ہے۔پانی اپنے وجود کیلئے ہر کہیں سے راستہ

اوور جگہ بنا لیتا ہے اور پتھر، چٹان یا پہاڑ کی صورت میں پانی سے بنے ہوئے بڑے سے بڑے سیلاب تند موجوں یا طوفان کا رخ موڑ دیتا ہے۔ منفی بیس سینٹی گریڈ ہو یا باون سینٹی گریڈ کی گرمی، سنگلاخ پہاڑ ہوں یا سرسبز میدان یا پتھریلی زمین، صدیوں کی سکونت ہو یا خانہ بدوشی۔ پٹھان ہر جگہ، ہر حالت میں یکساں رہنے کی سکت اور صلاحیت رکھتا ہے۔ پٹھان معدودے چند اقوام میں سے ہے کہ جہاں جاتا ہے وہاں کی زبان سیکھ لیتا ہے۔ مثال کے طور پر اردو کے بیسوں بڑے ادیب اور شاعر پٹھان ہیں مستثنات چھوڑ کر کوئی بتائے کہ اردو بولنے والا یا سندھی یا پنجابی، پشتو زبان میں شعر یا کوئی سطر ہی بول دے۔ برصغیر کے بیشتر اولیا کا تعلق افغانستان، خصوصاً غزنی سے ہے۔ جرات، ذہانت، موسیقی، ادب، حکمت، سیاست دان ایسا کون سا شعبہ ہے جس میں پٹھانوں نے عالمی سطح کے مشاہیر پیدا نہیں کئے۔ اس حقیقت کو عالمی طاقتیں بھی سمجھتی ہیں اس لئے سازشیں کرکے دنیا بھر میں پختونوں کی نسل کشی کی جاتی رہی ہے۔ لیکن بقول شاعر۔۔

نہ زندگی کی ہے پروا، نہ موت کا ڈر ہے
حیات موت ہمارے لئے برابر ہے

پختون کو اس کی خداداد صلاحیتوں کی بناء پر فوائد اور انسانی فلاح و بہبود کیلئے پیار سے تو استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن زبردستی اس سے کلمہ

بھی کوئی نہیں پڑھوا سکتا۔ پختون بھائی چارے، اخوت اور محبت سے اپنا حق تک دے سکتا ہے۔ پختون قوم کسی قومیت کی دشمن نہیں ہے بلکہ ایسے بین الاقوامی سازش کا نشانہ بنا کر دنیا بھر میں تنہا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ آئسولیٹ کا یہ عمل کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ صدیوں کی روایات اور تاریخ رکھنے والی دنیا بھر کے چپے چپے میں رہنے والی قوم اُس سرزمین کو اپنی ماں مان لیتی ہے جو ایسے رزق فراہم کرتی ہو۔ پھر وہ پختون کسی بھی ملک کا شہری ہو اس کی سرحدوں کی حفاظت کیلئے تن من دھن کی بازی لگانے میں توقف نہیں کریگا۔

چاہیے (خدانخواستہ) افغانستان، پاکستان پر حملہ کرے تو پاکستانی پختون صف اول کا سپاہی بن کر اپنی مملکت پاکستان کی حفاظت کریگا۔ کیونکہ دنیا کا آدھا خطہ آریاہا کے نام سے پختونوں کی سرزمین ہی تھی اور میں استاد محترم حاوی اعظم سے مکمل متفق ہوں کہ افغانستان دل ہے تو پاکستان روح، لیکن عزت ننگ ناموس پاکستان سے وابستہ ہے۔ مقصد افغانستان سے دشمنی نہیں البتہ افغانستان کو پاکستان پر فوقیت دینے کا مطلب اپنے وطن کا وفادار نہ ہونا یا غدار ہونا ہے۔ اس لئے افغانستان کی جانب سے ایسی کوئی سوچ بھی اپنے گمان میں نہیں لانا چاہیے کہ وہ پاکستان کے خلاف کوئی جارحیت کرے۔ کیونکہ پاکستانی پختون ایک ذمے دار قوم ہے۔

پختون قوم احسان فراموش قوم نہیں ہے کہ جس مملکت میں عزت و حرمت کے ساتھ رہ رہی ہو، اس کے خلاف غداری کرے۔ شمالی مغربی سرحدوں کی نگہبانی پاکستانی پختون قیام پاکستان کے وقت سے کر رہے ہیں۔اور اس وقت تک کرتے رہیں گے جب تک ان کی جان میں سانس ہے۔ بس ضرورت اس بات کی ہے کہ پختون قوم میں احساس محرومی پیدا کرنے والے عناصر کاپنپنے نہ دیا جائے اور ایسے غدار وطن کو ان پر مسلط نہ ہونے دیا جائے جن سے وقتی مفاد کے خاطر، کروڑوں پختونوں کی آزاری کا سبب بن جائے۔

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں

ملک میں جس منظم سازش کے تحت فرا تفری اور سیاسی انتشار بام عروج پر ہے، اس کے بعد ایسا لگتا ہے کہ جیسے پاکستان کے تمام مسائل فورا حل ہوجائیں گے اور اس کے بعد راوی چین ہی چین لکھے گا۔ پھر پاکستان دنیا کے مسلم ممالک کی نمائندگی کرے گا اور عراق و شام میں فرقہ واریت کی خانہ جنگی کے خاتمے اور غزہ میں اسرائیلی جارحیت کیخلاف بھرپور کردار ادا کرے گا۔ ایران کا سعودیہ عرب سے دوستانہ ہوجائے گا اور تمام مسلم امہ ایک امت واحدہ ہوکر دنیا میں امن قائم کردیں گے۔

چلیں اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ لانگ مارچ یا انقلاب کے بعد ایسا کچھ نہیں ہوگا، تو پھر کیا ہوگا، شاید یہ ہوگا کہ پاکستان میں فرقہ واریت ختم ہوجائے گی، لسانیت ختم ہوجائے گی، صوبائیت ختم ہوجائے گی، بھائی چارہ ہوگا، کراچی میں مکمل امن قائم ہوجائے گا۔ کوئی غریب کسی نو گو ایریا میں جانے سے نہیں ڈرے گا۔ رینجرز واپس اپنی بیرکوں میں چلی جائے گی۔ پولیس عوام کی خدمت کرے گی۔ بے گناہ عوام کو بدامنی سے نجات مل جائے گی، لوڈ شیڈنگ ختم ہوجائے گی۔ بے روزگاری ختم ہوجائے گی۔ باپ، بیٹے، بیٹا باپ کو

نہیں مارے گا۔ طوائف اپنا جسم نہیں بیچے گی، ماں اپنے بچوں کیساتھ دریا میں چھلانگ لگا کر خودکشی نہیں کرے گی۔ لڑکیوں کے چہرے تیزاب سے جھلسنے سے بچ جائیں گے۔ جہیز کی لعنت ختم ہوجائے گی، کوٹہ سسٹم نہیں رہے گا، میرٹ پر نوکریاں ملا کریں گی۔ سرکاری ادارے، عوام کا کام کریں گے۔ عوام کو اپنا جائز کام کروانے کیلئے رشوت نہیں دینے پڑے گی۔ روٹی کپڑا مکان کا وعدہ پورا ہوجائے گا۔ انصاف سستا ہوجائے گا۔ وکیلوں کو بھاری فیسیں نہیں دینا پڑے گی۔ سستا انصاف مہیا کرنے کے دعوے سچ ثابت ہوجائیں گے، ایک غریب بھی ہائی کورٹ، سپریم کورٹ جاسکے گا۔ لاکھوں زیر التوامقدمات ختم ہوجائیں گے، ججز انتظار کریں گے اور اردلی اعلان کرے گا کہ کوئی ہے انصاف طلب کرنے والا، شیر، بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پیئں گے۔ بے گھر ہونے والے آئی ڈی پیز واپس اپنے گھروں میں چلے جائیں گے۔ الیکشن میں الیکٹرونک مشین کا استعمال ہوگا۔ جس کا ووٹ ہوگا وہی ووٹ ڈالے گا۔ عوام کا غریب نمائندہ ہی پارلیمان جائے گا۔ امراء کے لئے ایوانوں کے داخلے بند ہوجائیں گے۔ عوام اچھے دنوں کے خواب دیکھنا چھوڑ دیں گے، کیونکہ اچھے دن جو آجائیں گے، تمام سیاست دان اپنا غیر ممالک میں رکھا ہوا سرمایہ واپس پاکستان لے آئیں گے، پاکستان کے قرضے اتر جائیں گے، نظام تعلیم ایک ہوجائے گا۔ قومی زبان اردو کو قرار دے دی جائے گی۔ تمام علاقائی زبانوں کو قومی زبان کا درجہ مل جائے گا، سی ایس ایس کے امتحانات میں مڈل کلاس کے اردو میڈیم بھی حصہ لینے کا

قابل ہو جائیں گے ۔ وہ سب کچھ ہو جائے گا، جو قائد اعظم بھی نہیں کر کے تھے ۔ جو ہٹلر بھی نہیں کر سکا تھا۔پاکستان تمام دنیا میں ایک آئیڈیل ملک ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ وغیرہ۔۔۔

اس سے زیادہ بھی بہت کچھ ہو جائے گا بس ، لانگ مارچ اور انقلاب کامیاب ہو جائے ،

. اگست کو نیا پاکستان بن جائے گا مبارک ہو ، مبارک ہو ، ۱۴

نیا پاکستان بن رہا ہے ، اسمبلیوں کو فوری طور قرارداد منظور کرکے اس نئے پاکستان کی منظوری دے دینی چاہیے۔ ویسے بھی تو پاکستان کی چیدہ چیدہ قوم پرست، لسانی جماعتیں ، اپنی اپنی ڈگڈی لیکر اپنی اپنی راگنی گا رہے ہیں۔یہ سہانے خواب ہیں اور سہانے خوابوں کی تعبیر لازمی نہیں کہ سہانے ہو ، کیونکہ ہم دن میں بھی خواب دیکھتے ہیں اور جاگتی آنکھوں میں خواب سجا لیتے ہیں ۔ لیکن کبھی یہ نہیں دیکھتے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس کا رد عمل کس طرح منفی اور خطرناک ہو سکتا ہے۔ انسان اپنے جذبات کے تابع ہے تو کبھی وہ اپنے جذبات کو اپنے تابع کر لیتا ہے اور یہی اس کی معراج ہوتی ہے ۔ ہمارے معاشرے میں ثقافتی اقدار بتدریج ختم ہوتی جا رہی ہیں اور انسانی مقصد صرف اپنے فروعی مفادات کا حصول رہ گیا ہے ۔

مادی جذبات کی لے میں بہتے ہوئے وہ پنا سب کچھ کھوتا جا رہا ہے ۔ مجھے

میرے ایک بزرگ نے پشتو کی مثال سمجھائی کہ ہم جب کسی کے پاس ملنے جاتے یا پھر کسی کے پاس آنے سے کوئی بہانہ تراشتے تو وہ ایک بات کہتا کہ، " خوار خوشے خو نہ یم اخپل جماعت حجرہ لرم "۔۔۔ میں کوئی غریب و بے نسل نہیں ہوں اپنی مسجد و حجرہ، ہوتے ہوئے تم کہاں جا سکتے ہو۔ ای طرح اگر کسی کو جرگے میں کوئی فیصلہ کن کردار ادا کرنے کیلئے کہا جاتا تو سب سے پہلے یہی دیکھا جاتا کہ اس کی مسجد یا حجرہ بھی ہے کہ نہیں۔

چونکہ ہر قوم کی ثقافت و روایات ہی نئی نسل کی آبیاری کا سبب بنتی ہیں اس لئے ان باتوں کا مقصد یہ نہیں ہوتا تھا کہ کسی کی ذات کو مجروح کرنا ہے بلکہ اس سے اس کو یہ ظاہر کرانا مقصود ہوتا تھا کہ میں کم از کم اتنا تو ضرور کر سکتا ہوں کیونکہ میرے علاقے کی مسجد ہوتے ہوئے میں دوسری مسجد اس لئے نہیں جاتا کیونکہ وہاں مجھے اجنبیت ملے گی علاقائی مسجد میں پانچ اوقات میں اپنا دکھ درد شیئر کرنے کیلئے کوئی نہ کوئی جاننے والا، سامنے رہے گا اور حجرہ، اوطاق وہ جگہ ہے جہاں بیٹھ کر نئی نسل اپنے اجداد سے اپنی ثقافت اور روایات کو سیکھ کر اپناتی ہے۔ لیکن بد قسمتی اب ایسا نہیں ہو رہا، شومئی قسمت سے معاشرتی اقدار اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ مملکت پاکستان ہو یا اہل اسلام کی دنیا سب جگہ مادی ضرورت نے لافانی رشتوں پر سبقت حاصل کر لی ہے۔

اپنائیت کہ جگہ خود غرضی نے لی ہے، کھوکھلے دعوؤں نے حقیقت پسندی کو زمینی حقائق سے دور کردیا ہے۔ انسانیت کی جگہ مادیت نے لے لی ہے اور انسانیت کے مقاصد کی جگہ فسطائیت نے حاصل کرلی ہے۔ امن کی جگہ بدامنی نے لے لی ہے اور محبت کی جگہ نفرت نے لے لی ہے۔

ہمیں اپنا محاسبہ کرنے کیلیئے بھی وقت میسر نہیں ہے، ہم اپنے آپ کو اچھائی یا برائی کے توازن میں تولنا بھی پسند نہیں کرتے، احساس پر بے حسی غالب آچکی ہے۔ روز گرتی لاشوں، سوختہ بریدہ جسموں پر صرف چند لمحوں کیلیئے ماتھے پر گرہ پڑتی ہے اور اب سے یہ استفسار بیان ہوتا ہے کہ کون تھا؟۔ جب پتہ چلا ہے کہ اس کا تعلق اس کی ذات، فرقے، پارٹی سے نہیں تھا تو اس کے سینے سے ٹھنڈی سانس نکل جاتی ہے اور اس کے قدم آگے بڑھ جاتے ہیں کہ یہ تو روز کا معمول بن چکا ہے اللہ جانے کب حالات بہتر ہونگے اور اگر کوئی غلطی سے شناسا نکل آئے تو۔۔

، کوئی تم سے پوچھے کون ہوں میں
تم کہہ دینا کوئی خاص نہیں۔
ایک دوست ہے کچھ کچا پکا سا۔
، ایک جھوٹا سچا سا۔۔جذبات کو دیکھے ایک پردہ بس

ایک بہانہ ہے بس اچھا سا۔

ہمیں اپنی ثقافت بچانی ہوگی اپنی اقدار کو بچانا ہوگا اپنی نئی نسل کو اپنے اسلاف کے مثبت اقدامات سے آگاہ کرتے ہوئے ان کی رہنمائی کرنا ہوگی۔ بصورت دیگر اس کے برخلاف گئے تو پھر کہنا پڑے گا کہ سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے۔ سب حالات قابو میں ہیں ۔یاد رکھیں کہ پاکستان، مزید تجربات کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اس دیس میں ثقافت فروخت ہوچکی ہے، انسانیت ختم ہوچکی ہے۔ مفاد پرستی اور فروعی اختلافات کی وجہ سے اجتماعی مفادات کو بھینٹ چڑھایا جارہا ہے۔ میرے دیس میں دہشت گردی، بے امنی اور اقربا پروری کا کاروبار جب تک جاری رہے گا۔ انقلاب آئے گا، مارچ کرے گا اپنی قیمت وصول کرے گا اور پھر چھٹیاں منانے واپس ٹھنڈے ملک چلے جائے گا۔ نوکر شاہی خوش ہے راوی چین ہی چین لکھتا ہے اور یہ سب پروپیگنڈا ہے کہ ۔۔۔۔۔ کون کہتا میرے دیس میں کاروبار مندے پڑ گئے ہیں ؟بلکہ ۔۔۔۔ آؤ آؤ میرے ساتھ آؤ۔۔۔ !!! وقت کم ہے یہ نہ ہو دکانیں جل کر خاکستر ہوجائیں

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں۔

دو قومی نظریہ کہاں تلاش کروں ؟

یوم آزادی کیلیۓ لکھی خصوصی تحریر

یہ بات درست ہے کہ پاکستان کا قیام دو قومی نظریہ کے تحت آیا تھا۔تاہم قیام پاکستان کے بعد سے یہ ابھی تک طے نہیں ہو سکا کہ پاکستان ، ایک اسلامی مملکت بنے گی ، سیکولر یا پھر قائدا اعظم کے افکار کے مطابق ایک ایسی فلاحی مملکت جس میں تمام مذاہب کا .برابر کا حصہ ہو۔ ہمیں آج تک یہی پڑھایا جاتا رہا ہے کہ قیام پاکستان ، ہندو متعصب انتہا پسند ذہینت کے سبب ، ہندوستان کے مسلمانوں کیلیۓ ضروری ہو گیا تھا۔ ایک معاشرے میں رہنے کے باوجود ، مسلمانوں اور ہندؤوں کا رہن سہن ، زبان اور ثقافت بدل چکے تھے ، مسلم لیگ کا نعرہ یہی تھا کہ " مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ "۔

دو قومی نظریہ پر ایک وضاحت کا ذکر قابل توجہ ہے کہ سینکڑوں سالوں سے ہندو مسلم ، ہندوستان میں مل جل کر رہتے آرہے تھے اور مسلم حکمران اقلیت میں ہونے کے باوجود اکثریتی ہندوؤں پر سینکڑوں سال تک حکمران رہے۔ کسی بھی مذہب کا فرد اپنے مذہب یا دین کو کسی عددی اکثریت کی وجہ سے چھوڑنے کو تیار نہیں

تھا اور بزور طاقت یا تلوار کے ذریعے اگر اسلام پھیلایا جاتا تو شاہد ہندوستان میں ایک ہندو بھی سلامت نہیں رہتا۔ دو قومی نظریہ دراصل سر سید احمد خان کی تعلیمی تحریک اور 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد وجود میں آیا اور پھر اقبال نے ایک ایسی مملکت کا تصور دیا جس میں مسلمان اپنے روایات کے مطابق آزادی سے عدم تشدد و ہنگامہ آرائی سے دور زندگی بسر کر سکیں اور دیگر مذاہب کا احترام اسلام کی روح کے مطابق کریں۔

قائد اعظم نے ان کے تصورات کو عملی جامہ پہنایا اور تحریک پاکستان کی اس بنیاد میں، دو قومی نظریئے کے تحت ہندوستان کے بٹوارے کو قبول کیا۔ دو قومی نظریئے کو عام مسلمانوں اور ہندوؤں میں اس طرح متعارف کرایا گیا کہ متحدہ ہندوستان میں دو قومیں آباد ہیں، ایک ہندو اور دوسری مسلمان، دونوں کی تہذیب، ثقافت، رہن سہن اور طرز معاشرت ایک دوسرے سے جداگانہ اور الگ ہیں۔ اس لئے مسلمان اپنی مقابلے میں ہندوؤں کی عددی اکثریت کے ماتحت زندگی نہیں گذار سکتے۔ جہاں ان کے معاشی، اقتصادی، تہذیبی، ثقافتی اور خصوصاً مذہبی حقوق و مفادات کو خطرہ لاحق ہونگے، لہٰذا ان وجوہات کی بناء پر دو قومی نظریہ پروان چڑھا اور اسی نظریئے کے تحت دس کروڑ مسلمانوں کیلئے پاکستان کا قیام امن میں لایا گیا۔

لیکن اس کے بعد اس نظریئے کا کیا حشر کیا گیا کہ دو قومی نظریئے کے تحت بننے والے ملک میں مہاجرین کی آمد پر پابندی عائد کر دی گئی اور 1951ء میں پاکستان کی سرحدوں کو بھارت سے لٹے پھٹے اور قربانی دینے والوں مہاجرین کیلئے آمد کے راستے بند کر دیئے۔
کوئی بھی یہ کسی طور ثابت نہیں کر سکتا کہ پاکستان صرف پنجاب، سرحد، بلوچستان، بنگال اور سندھ کی عوام کیلئے بنایا جا رہا تھا، کیونکہ برصغیر پاک و ہند میں صرف ایک ہی نعرہ تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ،۔
تحریک پاکستان میں سرکردہ اور قربانی دینے والے علاقے پاکستان کے مسلم اکثریتی صوبے کے بجائے اقلیتی صوبے تھے، تمام تر فسادات، تکالیف اور جان و مال کی قربانی ہندوؤں اور سکھوں کی جانب سے اُن مسلمانوں کیلئے تھی جنھوں نے دو قومی نظریئے کیلئے آواز بلند کی اور جب پاکستان کا قیام عمل میں آگیا تو پھر دو قومی نظریئے کے پرچارکوں نے ان ہی لوگوں کو اُن خونی ہندو بھیڑوں کے آگے جھونک دیا، جن کیلئے قائد اعظم محمد علی جناح نے جد وجہد کی اور ان کی ایک آواز پر لاکھوں مسلمانوں نے پاکستان کیلئے قربانیاں دیں اور ہندو سکھ انتہا پسندوں کے ہاتھوں اپنے گھربار کو چھوڑ کر اپنی عزت و آبرو کی قیامت برداشت کرتے ہوئے اُس پاکستان کی جانب روانہ ہوئے جو دو قومی نظریئے کے تحت بنایا گیا تھا، لیکن ان پر 1951ء میں پاکستان کے دروازے بند کر دیئے گئے

اور بھارتی مسلمانوں کو آج تک کہا جاتا ہے کہ تم لوگوں نے تو اپنے لئے ملک حاصل کرلیا تھا تو اب ہندوستان میں کیا کر رہے ہو ؟ اور پاکستان کے نام نہاد قوم پرست کہتے ہیں کہ واپس بھارت چلے جاؤ، ہمیں تمھارا وجود برداشت نہیں۔

میرے نزدیک دو قومی نظریہ اُسی روز دفن ہوگیا تھا جب 1951 میں ہندوستان کے مسلمانوں کیلیئے آزاد پاکستان کے دروازے تعصب و لسانیت اور صوبائیت کے بنیاد پر بند کردیئے گئے تھے۔ اگر برصغیر کے مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنا ہی تھا تو پھر دو قومی نظریہ کا نعرہ ان صوبوں کیلیئے تو نہیں ہو سکتا جہاں پہلے ہی مسلمانوں کی اکثریت تھی، یہ یقینی ہے کہ دو قومی نظریہ ان مسلمانوں کیلیئے تھا جو ہندوؤں کے ظلم و ستم کا شکار بنتے اور انھیں مذہبی و معاشرتی آزادی حاصل کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا، جیسے آج کے انڈین مسلمان، تیسرے درجے کے شہری بن چکے ہیں اور اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہیں۔ تحریک پاکستان کیلیئے مشرقی پاکستان کے مسلمانوں نے سب سے زیادہ قربانیاں دیں، لیکن ان کے ساتھ اقلیت مغربی پاکستان کا سلوک اس قدر افسوس ناک تھا کہ اکثریتی جماعت ہونے کے باوجود انھیں 1971ء میں اقتدار دینے کے بجائے توڑتے پاکستان، مغربی پاکستان کی عوام کو سرکاری ریڈیو پر فتح کے گیت سناتے رہے اور ہمارے فوجی جوان گرفتار ہوتے رہے، کیا بنگالی مسلمان نہیں تھے ؟

کیا انھوں نے پاکستان کے قیام اور دو قومی نظریئے کیلئے قربانیاں نہیں دیں تھیں کہ انھیں بالآخر خود کو ایک الگ قوم بنا کر پاکستانی سے بنگلہ دیشی بننا منظور کر لیا۔ تحریک پاکستان کے لئے بنگال واحد صوبہ تھا جس میں 90 فیصد مسلمانوں نے روز اول سے ہی پاکستان کے قیام کیلئے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ لیکن دو قومی نظریئے کو پاکستان دشمن عناصر سے زیادہ پاکستان کے نام نہاد ٹھیکداروں نے ہی نقصان پہنچایا۔

اسلام کا دو قومی نظریہ یہی ہے کہ ان کا اللہ ایک ، رسول ایک ، قرآن ایک اور یوم آخرت پر سزا و جزا ایک ، نماز ایک، روزہ ایک ، زکوۃ ایک، حج ایک، شرم و حیا اور روایات کے مطابق لباس کی مخصوص شرع ایک ، قرآن کریم کے ابدی اور لازوال قوانین ایک ، اللہ کو ایک جان کر اس کیلئے سجدہ ریزی ایک ، تو پھر بالحاظ قوم امت مسلمہ اپنے دائی اصولوں کے تحت ایک تھی اس لئے اکابرین پاکستان نے ہندوؤں کے تمدن ، اور رہن سہن عبادات رسوم و رواج کے تعین کرکے یہ فیصلہ کیا کہ مسلمان اپنی کمزور تعلیم اور معاشرے میں عددی قوت کی کمزوری کی وجہ سے ہندوستان میں پس سکتے ہیں اس لئے ان کیلئے دو قومی نظریئے کے تحت جداگانہ مسلم مملکت کا مطالبہ کر دیا اور بڑی خوں ریزی اور جدوجہد کے بعد ایک ایسا ٹکڑا حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے جہاں دو قومی نظریئے کے تحت پاکستان کو ساری دنیا کیلئے مثالی بنا سکیں۔ لیکن بد قسمتی سے پاکستانیت کے

بجائے لسانیت و صوبائیت حاوی ہو گئی ، قربانی دینے والے خود کو کوشش کے باوجود پاکستانی ثابت نہ کرسکے، کہ ان کے رشتے دار بھارت میں ہیں اس لئے ان پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ دو قومی نظریئے کے تحت بننے والے ملک میں پھر لسانیت کیوں ، صوبائیت کیوں ، قوم پرستی کیوں ہے ؟ بھارت کے مسلمان بے یارو مددگار کیوں ہیں ، پاکستان کیلئے قربانی دینے والوں کو واپس بھارت یا سمندر میں پھینکنے کی دھمکیاں کیوں دیں جاتیں تھیں ۔اب اگر یہ ردعمل میں لسانیت ، تعصب اور فروعی سیاست کریں تو اس کا ذمے دار کون ہوگا۔

دو قومی نظریئے کے تحت بننے والے ملک میں انڈیا سے ستائے جانے والے اور بنگلہ دیش میں سقوط ڈھاکہ کے بعد محصورین پاکستانیوں کو واپس کیوں نہیں لایا گیا۔ پاکستان کیلئے لڑنے والے کل ہیرو تھے تو یہ کون سا دو قومی نظریہ ہے کہ آج اساس پاکستان کے سب سے بڑے حامی اور قربانی دینے والے مشرقی پاکستان سے بنگلہ دیش میں ڈھل کر دو قومی نظریئے کے بجائے قوم پرستی کے ترانے گاتے ہیں ۔ ہمیں یہ سب ٹھنڈے دل سے سوچنا ہوگا کہ سندھ ، پنجاب ، بلوچستان اور خیبر پختونخوا میں کیا سب دو قومی نظریئے کے تحت سیاست کرتے ہیں یا پھر لسانیت ، صوبائیت یا قوم پرستی کو ترجیح دیتے ہیں ۔ صوبائی خود مختاری کا مطلب صوبوں کے درمیان مساوی وسائل کی تقسیم ہے تو پھر کوٹہ سسٹم کیوں نافذ ہے ؟ ، خیبر پختونخوا سے کوئی وزیر اعظم کیوں نہیں بن سکتا ، سندھ

میں اردو بولنے والا وزیر اعلی بننے کیلیئے کس طرح خود کو دو قومی نظریئے کے کسوٹی پر پورا اتارے؟۔93 ہزار فوجیوں نے جب ہتھیار ڈالے اور انڈیا کی قید میں گئے اور پھر واپس لائے گئے تو انھیں تسلیم کرلیا گیا لیکن جن لوگوں نے بغیر تنخواہ یا نوکری کے پاکستان کی سرحدوں کی حفاظت کیلیئے سات لاکھ جانوں کا نذارنہ پیش کیا اور ان کے باقی ماندہ خاندان عورتیں بچے بوڑھے کیمپوں میں منتقل ہوئے تو، انھیں کیوں کہا گیا کہ اب بنگلہ دیش، تمھارا ملک ہے، تم پاکستان نہیں آسکتے۔ یہاں دو قومی نظریہ کہاں گیا؟۔دو قومی نظریہ ایک خوش نما خواب ضرور ہے لیکن عملی طور پر عبرت ناک تعبیر ہے۔ہم آج بھی دو قومی نظریئے کے گیت گاتے ہیں، لیکن اس کی اصل روح کو سمجھنے کے بجائے پاکستانی کو محب وطن بنانے کے بجائے غدار کہلانے پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں۔ مجھے موجودہ پاکستان میں لسانیت، صوبائیت، فرقہ واریت اور قوم پرستی تو نظر آتی ہے، دو قومی نظریہ کہیں نظر نہیں آتا۔کیا کوئی پاکستانی موجودہ حالات میں دو نظریئے کو تلاش کرکے بتا سکتا ہے کہ دو قومی نظریہ کہاں، کس صوبے، شہر یا گاؤں میں ہے؟

!! موجودہ مسلم ریاستوں کا موجد کون

بین السطور ان ممالک کی حوالے سے انتہائی مختصر تزکرہ کیا جا رہا ہے جہاں دین اسلام لوگوں کا اکثریتی مذہب ہے، جغرافیائی و سیاسی لحاظ سے ان ممالک کو اکثر مسلم دنیا کا نام دیا جاتا ہے۔ سیاسی جغرافیہ اور عالمی سیاست میں ملک، کسی جغرافیائییا ارضیاتی وجود کو سیاسی تقسیم کہا جاتا ہے، عموما ایک خود مختیار علاقہ، یہ اصلاح ریاستی اقوام یا حکموت و قوم کے ساتھ تقریبا مربوط ہے عام زندگی میں یہ لفظ قوم اور ریاست دونوں کیلئے استعمال کیا جاتا ہے ہاں، البتہ تعریفات میں فرق ہو سکتا ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان جنوبی ایشیاکے شمال مغرب وسطی ایشیا اور مغربی ایشیاکیلئے دفاعی طور پر اہم حصے میں واقع 20 کروڑ آبادی کے ساتھ یہ دنیا کا چھٹا بڑا ملک ہے۔ ہندوستان کا حصہ تھا، برطانیہ کے بھارت کے قبضے کے بعد 14 اگست 1947ء کو آزادی ملی۔ انڈونیشیا جنوب مشرقی ایشیا میں واقع ایک اسلامی ملک ہے، آبادکے اعتبار سے یہ دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک اور 17 اگست 1947ء کو ہالینڈ سے آزادی حاصل کی۔ نائیجریا مغربی افریقہ میں واقع ایک اسلامی ملک جیسے برطانیہ سے یکم اکتوبر 1960ء میں آزادی ملی ۔ عوامی جمہوریہ بنگلہ دیش جنوبی ایشا کا ملک، گو کہ 1947ء میں پاکستان کے ساتھ مشرقی حصے کے طور پر آزاد ہوا تھا لیکن 16 دسمبر 1971ء میں ایک خونی جنگ

کے بعد بنگلہ دیش مغربی پاکستان سے الگ ہو کر نئی اسلامی ریاست بن گیا۔ بنگلہ دیش آبادی کے لحاظ سے دنیا کا ساتواں سب سے بڑا ملک ہے اگر چھوٹے موٹے جزائر یا شہری حکومتوں کو فہرست سے نکال دیا جائے تو یہ دنیا کا سب سے زیادہ گنجان آباد ملک بن جاتا ہے۔ یہ تیسرا سب سے بڑا مسلم اکثریتی ملک ہے۔ عرب جمہوریہ مصر، براعظم افریقہ کے شمال مغرب اور براعظم ایشیا کے سنائی جزیرہ نما میں واقع آبادی کے لحاظ سے دنیا کا 15واں اور افریقہ کا دوسرا بڑا ملک ہے۔ پہلی شہنشاہیت 315 قبل از مسیح سے قائم تھی جس کے بعد برطانیہ سے 28فروری1922ء کو آزادی حاصل کی اور18جون 1953ء کو جمہوریہ بنا۔اسلامی جمہوریہ ایران جنوب مغربی ایشیا کا ایک اسلامی ملک ہے جو مشرق وسطی میں واقع ہے ایران دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں سے ایک ہے۔ ملک کی تاریخ ہزاروں سالوں پر محیط ہے۔ شہنشاہیت 728 قبل از مسیح سے تھی جسے 11 فروری 1979ء کے انقلاب اسلامی نے ختم کر دیا۔ ترکی یوریشیائی ملک ہے، ترکی ایک جمہوری، لادینی، آئینی جمہوریت ہے جس کا موجودہ سیاسی نظام 29 اکتوبر1923 میں سقوط سلطنت عثمانیہ کے بعد مصطفیٰ کمال اتاترک کی زیر قیادت تشکیل دیا گیا۔ سوڈان براعظم افریقہ کا ایک اسلامی ملک ہے۔ مصر اور برطانیہ سے یکم جنوری 1956ء کو آزادی ملی۔ 1851ء میں یورپی اور عثمانی سوداگروں نے ہاتھی دانت کی تلاش میں بتدریج قبضہ کر لیا۔ سلطنت مراکش شمالی افریقہ کا ایک ملک ہے۔ جدید مراکش کا علاقہ 8ہزار سال قبل مسیح آباد ہوا

مختلف ادوار طے کرتے ہوئے سلطنت علویہ نے عروج حاصل کیا، مراکش پہلا ملک ہے جس نے 1777ء میں امریکہ کو بطور آزاد ملک تسلیم کیا، یہ قدیم ترین معاہدہ ابھی تک برقرار ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد میثاق اوقیانوس کے تحت کئی قومی سیاسی جماعتوں نے ملک کی آزادی کا مطالبہ کیا اور فرانس نے 02 مارچ 1956ء کو اور ہسپانیہ نے 7 اپریل 1956 کو مراکش کو آزادی دی۔ یہ انقلاب شاہ روم کہلاتا ہے جسے ہر سال 20 اگست کو منایا جاتا ہے۔ الجزائر شمالی افریقہ میں واقع عرب دنیا اور افریقی براعظم میں سوڈان کے بعد سب سے بڑا ملک ہے دنیا میں اس کا گیارہ واں نمبر ہے۔ عثمانی سلطنت 1516۔ 1830ء کے بعد 1930ء میں فرانسیسی قبضہ کے بعد 5 جولائی 1962ء میں آزادی حاصل ہوئی۔ الجزائر میں 58 صوبے ہیں۔ الجزائر میں ننانوے فیصد مسلمان ہیں۔ عراق دنیا کا قدیم تریم ملک ہے فلسطین کی طرح اسے انبیاء کی سرزمین کہا جاتا ہے۔ نو ہزار سال سے لیکر پچاس سے ساٹھ ہزار سال پرانی تہذیب کے آثار ملتے ہیں۔ سمیری، اکادی، اسیریا اور بابل کی تہذیب اسی علاقے میں پروان چڑھیں اور فنا ہوئیں، مسلمانوں نے ساتویں صدی عیسوی میں یہ علاقہ فتح کیا، 1258 میں ہلاکو خان کی قیادت میں بغداد کو تاراج کیا پھر 16 ویں صدی عیسوی میں عثمانی سلطنت کا حصہ بنا جس کی یہ حیثیت جنگ عظیم اول تک برقرار رہی۔ برطانیہ واقوام متحدہ سے 3 اکتوبر 1932ء کو آزادی ملی لیکن 2003ء میں امریکہ نے اس پر دوبارہ قبضہ کرلیا اور آج بھی امریکہ نواز پٹھو حکومت قائم ہے۔ افغانستان کی تاریخ پچاس

ہزار سال سے زائد پرانی ہے۔642 عیسوی تک یہ علاقہ ہنوں، منگولوں، ساسانیوں اور ایرانیوں کے پاس رہا پھر مسلمانوں نے فتح کرلیا۔برطانیہ کے رسوخ سے ۸ اگست 1919 سے اعلان آزادی ہوا اور جدید افغانستان 19 اگست 1919 کو آزاد ہوا۔ گو کہ بعد میں عالمی استعماری قوتوں کیلئے میدان جنگ بنا ہوا ہے۔25 دسمبر 1979 ء میں روس نے قبضہ کرنے کی کوشش کی اور خود ہی ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا، طالبان نے 2000ء تک افغانستان کے پچانوے فیصد حصے پر خانہ جنگیوں کے بعد قبضہ کرلیا۔ 11 ستمبر 2011ء کے بعد امریکی اور نیٹو ممالک نے افغانستان کو میدان جنگ بنا دیا اور اس میں پاکستان کی حمایت بھی حاصل کرکے افغانستان کا اعتماد کھو دیا۔ 9 اکتوبر کو کرزئی کو افغنستان کا صدر چن لیا گیا لیکن کوئی مستحکم حکومت قائم نہیں کرسکا، اب بھی امریکہ نواز پٹھو حکومت قائم ہے۔ملائیشیا جنوب مشرقی ایشیا میں ایک مسلم ملک ہے،برطانیہ سے 31 اگست 1957 ء میں آزادی ملی جس کی توسیع 16 ستمبر 1963ء کو کی گئی۔ازبکستان وسط ایشیا خشکی سے محصور ملک ہے۔روس سے عملی طور پر 25 دسمبر 1991ء کو آزادی ملی۔ مملکت سعودی عرب جزیرہ نمائے عرب میں سب سے بڑا ملک ہے۔ سعودی ریاست کا ظہور تقریبا 1750ء میں عرب کے وسط میں شروع ہوا۔20 مئی 1927 کو معاہدہ جدہ کے تحت آل سعود کی جانب سے قبضہ کئے جانے والے علاقوں کو برطانیہ کی حکومت نے تسلیم کرلیا جس کے بعد حجاز و نجد کا نام تبدیل کرکے مملکت سعودی عرب رکھ دیا گیا اور بادشاہت قائم کردی گئی۔یمن عربوں کی اصل سرزمیں ہے۔جمہوریہ

یمن مغربی ایشیا میں واقع مشرق وسطی کا ایک مسلم ملک ہے۔جدید شمالی و جنوبی یمن کا اتحاد22 مئی1990ء کو ہوا تھا۔جدید مملکت شام دنیا کے قدیم ترین ممالک میں ایک ہے ، ان کا زمانہ 2500 قبل مسیح سے بھی پہلے کا ہے ، عبرانی ، اسیریائی اور بابل کے لوگوں نے بھی قبضہ کیا ، بعد میں رومیوں ، باز نطینیوں ، یونانیوں ، ایرانیوں اور عربوں نے بھی شام پر حکومت کی ۔انیسویں صدی تک سلطنت عثمانیہ کے تحت رہا ۔موجودہ دور کا شام1946ء میں فرانس کے قبضے سے آزاد ہوا تھا۔ نائجر مغربی افریقہ میں واقع ایک اسلامی ملک ہے یہ شمال میں الجزائر اور لیبیا کی طرف گھرا ہوا ہے۔فرانس سے اگست1958ء میں آزادی ملی۔برکینا فاسو مغربی افریقہ میں ایک چھوٹا سا اسلامی ملک ہے ۔ اس نے فرانس سے 1960 میں آزادی حاصل کی۔سینیگال بھی مغربی افریقہ میں واقع ایک اسلامی ملک ہے ۔4اپریل1960 میں فرانس سے آزادی حاصل کی۔ جمہوریہ مالی مغربی افریقہ کا ملک ہے اور براعظم افریقہ کا ساتواں بڑا ملک ہے۔22 ستمبر1960ء میں فرانس سے آزادی حاصل کی۔ تیونس شمالی افریقہ میں بحیرہ روم کے ساحل پر واقع اسلامی ملک ہے۔فرانس سے 20مارچ1956ء کو آزادی حاصل کی۔ جمہوریہ گنی مغربی افریقہ کا ایک چھوٹا ملک ہے فرانس سے 2اکتوبر1958ء میں آزادی ملی۔ صومالیہ افریقہ کا ایک مسلم اکثریت والا ملک ہے۔اقوام متحدہ نے ۵ ستمبر ۲۰۱۱ء میں انکشاف کیا کہ ۶۰برس کے درمیاں صومالیہ قحط کا سامنا کر رہا ہے اور لاکھ افراد فاقہ کے شکار ہیں ، ۲۴ لاکھ سے زاید افراد فاقہ کشی سے ہلاک ۴۰

ہو چکے ہیں۔برطانیہ سے یکم جولائی 1960ء میں آزاد ہوا۔سیر الیون مغربی افریقہ میں واقع ایک ملک ہے۔.برطانیہ سے 27اپریل 1961ء میں آزاد ہوا۔لیبیا ایک افریقی عرب ملک ہے۔اطالیہ سے 24دسمبر 1951ء کو آزادی ملی۔آذربائیجان، یوریشیا کے جنوبی تقفقاز کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ آبادی رکھنے والا ملک ہے۔روس سے 30 اگست 1991ء کی آزادی کے اعلان کے بعد 18اکتوبر 1991ء کو آزاد ہوا۔

جمہوریہ تاجکستان وسط ایشیا میں چار ہزار سال قبل مسیح سامانی سلطنت کا گھوارہ رہنے والی سرزمین ہے۔25دسمبر 1991ء میں روس سے آزاد ہوا۔متحدہ عرب امارات سے پہلے سات ریاستیں، ابو ظہبی، عجمان، دبئی، فجیرہ، راس، الخیمہ، شارجہ 1971ء اور ام القوین ریاست ہائے ساحل متصالح کہلاتی تھیں۔2دسمبر 1971ء کو برطانیہ سے آزادی کے بعد قائم ہوئیں۔اردن کی سرزمین تاریخی اعتبار سے قدیم ترین تہذیبی روایات رکھتی ہے۔برطانیہ اور اقوام متحدہ سے 25مئی 1946ء کو آزاد مملکت کا قیام عمل میں آیا۔پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر سلطنت عثمانی کے زوال کے بعد لیگ آف نیشنز اور اتحادی افواج نے بحیرہ روم کے شمالی ساحل کا نقشہ از سر نو بنانے کا فیصلہ کیا۔نتیجتاً فرانسیسی شام اور برطانوی فلسطین کا قیام عمل میں آیا۔جمہوریہ کرغیرستان وسط ایشیا میں واقع ایک ترک نژاد مسلم ریاست ہے۔روس سے 25دسمبر 1991ء آزادی کے بعد قیام عمل میں آیا۔ترکمانستان ایک وسط ایشیائی ملک ہے۔روس سے 8دسمبر

1991ء کو آزاد ہوا۔ چاڈ وسطی افریقہ کا مسلم ملک ہے۔ عربی اور فرانسیسی سرکاری زبانیں ہیں۔ فرانس سے 11 اگست 1960ء میں آزاد ہوا۔ لان ایک مسلم اکثریتی ملک ہے مگر عیسائی دولت اور اقتدار پر قابض ہیں۔ 1975 کی خانہ جنگی سے پہلے لبنان کو مشرق وسطی کا پیرس اور سوئٹزرلینڈ کہا جاتا تھا۔ فرانس اور اقوام متحدہ سے 22 نومبر 1943ء کو آزادی کا اعلان کے بعد قیام عمل میں آیا۔ فلسطین دنیا کے قدیم ترین ممالک میں سے ایک ہے، جس کے بیشتر حصے پر اب اسرائیل کی ریاست قائم کی گئی ہے۔ فی الوقت موجودہ خومختاری 1994ء سے ہے لیکن ابھی تک آزاد نہیں ہوا۔ کویت ایک عرب ملک ہے۔ آل صباح کے خاندان نے یہاں پر اس کی تعمیر وترقی میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ موجودہ کویت کی تاریخ آزادی 19 جون 1961ء کو عمل آئی۔ جمہوری البانیا، جنوب مشرقی یورپ کا یکا ملک ہے، اس کے ستر فیصد لوگ مسلمان ہیں۔ مگر یہ یورپکا واحد ملک ہے جہاں اشتراکیت (کمیونزم) قائم ہے اور نامکی جمہوریت ہے۔ سلطنت عثمانیہ جب اناطولیہ سے بلقان تک پھیلی تو البانیا بھی اس کا حصہ تھا۔ ترک عثمانی سلطنت سے 28 نومبر 1912 ء میں آزادی ملی۔ گیمبیا مغربی افریقہ کا ملک ہے۔ برطانیہ سے 18 فروری 1965ء میں آزادی ملی اور 24 اپریل 1970ء کو جمہوریہ بنا۔ موریتانیا اسلامی جمہوریہ موریتانہ شمال مغربی افریقہ کا ایک اسلامی ملک ہے، فرانس سے 28 اکتوبر 1960ء میں آزادی ملی۔ عمان جنوب مغربی ایشیا میں ایک ملک ہے جس کی سرحدیں مال شمال مغرب میں متحدہ عرب امارات سے ملتی ہیں۔ مغرب میں سعودی عرب اور جنوب مغرب میں اس کی

سرحدیں یمن سے ملتی ہیں۔پرتگال سے 1960ء میں آزادی کے بعد مطلق ملوکیت ے
تحت قائم ہوا۔ کو سووہ اقوام متحدہ کے زیر انتظام جنوبی سربیا علاقہ ہ، اور اس کو یورپ
کے نیم خود مختار علاقوں میں شامل کیا جاتا ہے۔ عملی طور پر علاقہ سربیکی حکومت نہ
ہونے کے برابر ہے اسے اقوام متحدہ کا متعین مشن چلاتا ہے۔سربیا سے اعلان آزادی
فروری 2008ء کو کیا گیا جسے اس تک تاحال 27 ممالک نے تسلیم کیا ہے۔ مملکت 17
بحرین خلیج فارس میں اقع ایک جزیرہ پر مشتمل چھوٹا ملک ہے۔سعودی رب جنوب و
مغرب میں ہے۔برطانیہ سے 16 دسمبر 1971ء میں زادی ملی۔ اسلامی کانفرنس
کیتنظیم ، عرب لیگ اور بحر ہند کمیشن کے رکن ملک اتحاد القمری ، جسے یونین آف
کموروز کہا جاتا ہے بحر ہند میں واقع ایک جزیرہ نما ملک ہے جو افریقہ میں چھٹے نمبر پر سب
سے کم ہے۔فرانس سر 6 جولائی 1975ء میں آزا ملی۔ قطر براعظم ایشیا کا ایک ایسا ملک
ہے جس کی سرحدیں سعودی عرب ، متحدہ عرب امارات سے ملتی ہیں اور کافی مالدار
اور تیل کے ذخائر سے مالال ملک ہے۔برطانیہ سے 3 دسمبر 1971ء کو آزادی
ملی۔ جمہوریہ جیوتی قرن افریقہ کا ایک ملک ہے، شمال میں ارتریا، مب اور جنوب میں
ایتھوپیا اور جنوب مشرق میں صومالیہ سے ملتی ہیں۔آبادی آٹھ کے قریب ہے۔فرانس
سے 27 جون 1977ء میں آزادی ملی۔ رونائی دارالسلام براعظم ایشیا کے مشرقی
جانب جزائر شرق الہند میں واقع ایک مسلم ملک ہے۔برونائی یکم جنوری 1984ء کو
برطانیہ سے آزاد ہوا۔آئی ایم ایف کے مطابق لیبیا کے علاوہ

برنائی دنیا کا دوسرا ملک ہے جہاں قرضے قومی آمدنی کا صفر ہیں۔ برونائی 182 ممالک میں 5 ویں نمبر پر امیر ترین ملک ہے۔ ترک جمہوریہ شمالی قبرص کے شمالی علاقوں میں واقع ایک ریاست ہے جسے صرف ترکی تسلیم کرتا ہے اقوام متحدہ پورے جزیرہ قبرص پر جمہوریہ قبرص کا اختیار تسلیم کرتا ہے۔ 15 نومبر 1983ء سے قبرص سے آزادی ملی۔ جمہوریہ مالدیب، جزائر پر مشتمل اکثریتی مسلم آبادی رکھنے والا ملک ہے۔ 1153 میں اسلام سے آشنا ہونے کے بعد یہ جزائر پرتگیزیوں (۱۵۵۸ء) ولندیزیوں (۱۶۵۴ء) اور برطانویوں (۱۸۸۷ء) کی نوآبادی بنے۔ ایشیا کا سب سے چھوٹا اسلامی ملک ہے۔ جولائی 1965ء میں مالدیب سے آزادی حاصل کی۔ 26

مجموعی اور خاص طور پر ہم اسلامی ممالک کی قوت کا ذکر کرتے ہیں کہ ۵۷ اسلامی ممالک وریاستیں ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے مسلم امہ کی حالت زار قابل رحم ہے، لیکن جب یہدیکھا جائے کہ ان مسلم ممالک میں کون سا نظام نافذ ہے تو کسی میں صدارتی، نیم صدارتی، پارلیمانی اور جمہوری نظام ہے۔ مالی طور پر انتہائی کمزور ہیں اور سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ سلطنت عثمانیہ، جنگ عظیم دوئم کے بعد ان تمام ممالک کو برطانیہ، فرانس، اطالیہ، روس نے آزادی دی جس کے بعد ان ممالک کا مسلم اکثریتی ملک ہونے سبب کے مسلم دنیا میں کہلایا۔ مالی طور پر عرب ممالک، ریاستیں تیل کی دولت کی وجہ سے مالا مال ہیں لیکن زیادہ تر مسلم آبادی والے ممالک انتہائی کمپرسی کا شکار

ہیں۔قدیم تہذیبوں میں عراق ، شام ،ایران ، مصر، ترکی۔ افغانستان جیسے ممالک ہیں جن کی تاریخی حیثیت ہزاروں سال پر محیط ہے اور ان میں جنگجوانہ صلاحیتیں بھی ہیں ، لیکن جو عرب ممالک اور ریاستیں دولت سے مالامال ہیں ان کی سپورٹ نہ لئے جانے کے سبب کمزور ترین ہیں اور ہنود ، یہود و نصاری کے ظلم کا نشانہ بن رہے ہیں ، پاکستان واحد ملک ہے جس کے پاس تمام معدنی و قدرتی دولت کے ساتھ ، ایٹمی طاقت اور تمام مسلم ممالک کا لیڈر بننے کی صلاحیتاور قوت موجود ہے ، کیونکہ ریاست مدینہ کے پاکستان ہی اسلام کے نظریئے پر قائم ہوا ہے اور یہی ڈر ہنود ، یہود و نصاری کو ہے اگر پاکستان اپیروں پر کھڑا ہوگیا تو وہ ان ممالک کے مسائل بھی حل کرا سکے گا، جنھیں پاکستانی کی عوام جانتی بھی نہیں۔یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں اپنے زر خرید سیاست دانوں کی وجہ سے پاکستان کو کمزور تر کیا جارہا ہے۔یہ ان تمام مسلم امہ اور پاکستانیوں کیلئے نوشتہ دیوار ہے حجاز مقدس نکلنے والا انقلاب کہاں تک پہنچا اور اب ان پر اسلام کے نام پر حد درجے ظلم ہو رہا ہے معاشی طور پر کمزور ہیں دفاعی طاقت نہیں ، یہی وجہ ہے کہ ہم امت واحدہ نہیں ورنہ آج ہم دنیا کے حکمران ہوتے ہیں۔ مظلوم مسلمانوں کے ساتھ دنیا بھر میں بے گناہ عوام پر ظلم کو روکتے ، لیکن سازش کے تحت ہنود ، یہود و نصاری نے ان ہی ممالک کو کمزور کیا جو اسلام دشمنوں کو ان کی اوقات یاد دلا سکتے تھے۔ خاص طور پر 80 فیصد ممالک نے تو ابھی آزادی کی نعمت حاصل کی ۔ جدید جنگ ، معیشت اور

دیگر مسائل سے برسر پیکار ہیں خانہ جنگیوں میں مصروف ہیں۔جب تک ان کی قیادت کرنے والا کوئی اسلام دوست نہیں اٹھے گا۔ مسلم امہ اسی طرح ذلیل ہوتی رہے گی۔ہمیں تھوڑا غور و فکر سے کام لینا چاہیے ۔خلافت راشدہ، بنو امیہ ، عباسی دور ، فاطمی دور ، سلطنت عثمانیہ ، مدنی ریاست کے بعد آخری مسلم خلافت تھی۔اب جدید مسلم ممالک کو مشترکہ لائحہ عمل بنانا ہوگا۔فرقوں ، مسالک اور فروعی اختلافات کو ختم کرنا ہوگا اور ان ممالک کو اسلامی کہنا ختم کردیں جہاں اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کا نظام نافذ نہیں ۔ وہ ممالک ، مغرب، ہنود ، یہود و نصاری آزاد کردہ ممالک اور موجد اور ان کے دست نگر ہیں کیونکہ اللہ کے بجائے انھیں دوست سمجھتے ہیں اور یہ اللہ تعالی کا قانون ہے کہ یہود و نصاری کبھی دوست اس وقت تک نہیں بن سکتے جب تک تم بھی ان جیسے نہ ہوجاؤ۔ مسلم ممالک او آئی سی کے ساتھ مسلم ڈیفنس فورس بنا کر مسلم نیٹو افواج کے مقابل لے آئیں ۔ پھر دیکھتے ہیں کہ صلیبی انتقام کون لیگا۔

!! مجھے ہے حکم اذاں'

امت مسلمہ پر کئی صدیاں ایسی گزر چکی ہیں کہ انھیں اپنی قوت اور طاقت کا اندازہ نہیں رہا۔ منبر و محراب عمومی طور پر مخصوص مکتبہ فکر تک محدود ہوگئے اور گزشتہ کئی نسلیں اور حال کی بزرگ نسل اسلام کی اصل تعلیمات سے بے بہرہ رہیں اور جب یہود و نصاری نے ایک سازش کے تحت خلافت عثمانیہ کا شیرزاہ بکھیر کر مسلمانوں کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں کچھ اس طرح بانٹ دیا کہ وہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر خوش ہوگئے کہ اصل اسلام ان کے پاس ہے۔ جب کبھی مسلمانوں نے اپنی سرزمیں پر آنے والے غاصبوں کے خلاف جنگ کی تو دو گروپ سامنے آجاتے ایک وہ جو اسلام کے نام پر اپنی خود ساختہ اجارہ داری چاہتے اور دوسرے وہ جو اپنی سرزمین پر ہونے والی جارحیت کا جواب، اسی انداز میں دیتے جیسے ان پر حملہ آوروں آئے تھے۔ ہمارا معاشرہ خود ساختہ طبقات میں بٹا ہوا ہے اگر آپ کچھ یوں کہیں کہ ۔۔۔

کل روس بکھرتے دیکھا تھا اب انڈیا ٹوٹتا دیکھیں گے

ہم برقِ جہاد کے شعلوں سے امریکہ جلتا دیکھیں گے

تو ایسے دیوانوں کی بڑ، قدامتی پسندی، جاہلیت اور خوشنما نعروں میں

مقابلے میں سر فہرست آنے کا کہہ کر مذاق اُڑایا جائے گا، لیکن دوسری جانب جب روس مسلمانوں پر ظلم کر رہا تھا اور سینکڑوں سالوں کی مسلم تہذیب کو کیمونزم کے پاؤں روندنے کیلئے جارح بن کر افغانستان آیا تو کتنے ممالک تھے کہ انھوں نے افغانستان کا ساتھ دیا، اگر ساتھ دیا تو امریکہ نے لیکن وہ بھی اپنے مفاد کے خاطر، اور پاکستان کو استعمال کرکے روس کو شکست دی۔برطانیہ دنیا کی ایسی سلطنت تھی جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا، جب برطانیہ کا شیرازہ بکھیرا تو کیا اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ برطانیہ کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا۔ اس سے قبل از اگر جائیں تو ہم دیکھتے ہیں ۔ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ اجمعین نے ایک چھوٹی سی ریاست سے جب دنیا کو مسخر کرنا شروع کیا تو جزیرہ عرب ہی نہیں بلکہ اس وقت کی سپرپاورز روم و فارس کو بھی اپنے منطقی انجام تک پہنچا دیا۔ خلافت راشدہ، کے بعد دنیا میں جتنی بھی مسلم خلافتیں آئیں تو انھیں کسی نے طشتری میں رکھ کر اپنی ریاستیں مسلم خلفاء کو نہیں دیئے تھے کہ یہ ملک آپ کا ہوا۔ بلکہ مسلم حکمرانوں نے جہاں طاقت دکھائی وہاں فراست اور اپنے فہم کے ذریعے بھی غیر مسلم کے دلوں کو فتح کیا۔ کیا ان کے دور میں کسی جرات ہو سکتی تھی کہ محسن کائنات ﷺ کی توہین کرسکیں، نعوذباللہ)قرآن کریم شہید کرسکیں ماؤں بہنوں کی عزتیں پامال ہو سکیں، انہیں بلا) جواز اپنی قید می رکھ سکیں، مسلمانوں کے قدرتی و معدنی وسائل پر قبضہ کرسکیں ان کے علاقے

تاراج کر سکیں یا پھر اسلام کے مقابل ایسا نظام لے آئیں جو ان کے تئیں عوام کے امنگوں کے مطابق ہے۔

لیکن بد قسمتی سے ہم نے قرآن کریم کو قیمتی جزدانوں میں اس طرح باندھ کر رکھ دیا ہے کہ کہیں کوئی ایسے کھولکر نہ پڑھ لے۔ہم اپنے دین سے دور ہوتے چلے گئے اور پھر مسلم خلافتوں کا وہی انجام ہوا جو آج روس ،،برطانیہ کا ہوا ہے۔امریکہ اب دنیا کی واحد نام نہاد سپرپاور ہونے کا دعوے دار ہے ،اِس کی مرضی جیسے دہشت گرد قرار دے دے اور اُس پر حملے کردے ،اُس کی مرضی جس پر اقتصادی پابندی لگا دے ،اُس کی مرضی جس ملک پر ایٹم بم گرا کر لاکھوں انسانوں کو ہلاک کردے لیکن اس کے باوجود دنیا میں امن کا علمبردار بنا رہے۔امریکہ کی مرضی کہ وہ جس سے خوش ہوا تو اُیسے نواز دے اور جس سے ناراض ہو اُیسے تباہ کردے کیونکہ اِس کیمرضی کے بغیر ایک پتا بھی جو نہیں ہلتا کہ اگرپاکستان نے ہمارا ساتھ نہیں دیا تو تم لوگوں کو پتھروں کے دور میں پہنچا دیں گے ۔اس کا فون اور کروڑوں انسان ایک طرف۔لیکن اب اس غرور کا کیا علاج ہو کہ جب سر پھرے اٹھتے ہیں اور امریکہ اور اس کے حمایتوں کے خلاف جس قسم کی بھی کاروائی کرتے ہیں ہم انھیں بُرا سمجھ لیتے ہیں کہ یہ جمہوری اقدار کے خلاف ہے۔امریکہ درست ہے کہ فلسطین میں سینکڑوں بچوں کو مٹی کے ملبے تلے بمباریوں سے دبا دیا گیا اور کسی نے مذمت تک نہیں کی ، بہنوں اور ماؤوں کی لاشوں کے لاشے بکھیر دیئے ، غیرت ایمانی کسی میں نہیں جاگی، رمضان و عید

میں کیا کیا قیامت گذری، دیگر مسلم ممالک خوشی کے ڈھول پیٹتے رہے اور انھیں ان مسلمانوں کے گھروں میں ہونے والے ماتموں کی آوازیں سنائی نہیں دیں۔

اب یقینی طور پر نوجوان نسل کم عمری میں بیدار ہو رہی ہے اور اس نے روسی طاقت کو پاش پاش ہوتے دیکھا ہے۔اس نے اپنی جوانی میں امریکی، صہیونی بربریت اس کے عالمی غرور، ظلم و جبر و وحشت و سربیت کے بت کو دیکھا ہے، آج کی نسل دیکھ رہی ہے کہ عراق میں کیا ہو رہا ہے اور شام میں کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے، الجزائر، مالی، کشمیر اور مغربی افریقہ کی مسلم ریاستوں میں فرعونیت کیا گل کھیلا رہی ہے۔اس کی نظروں سے اب کچھ پوشیدہ نہیں کہ سعودی حکومت اپنی بادشاہت بچانے کے لئے کس قدر آگے جا سکتی ہے کہ وہ کہے کہ مصر پر حملہ کرو، سارا خرچ ہم اٹھائیں گے۔ لیکن صومالیہ میں لاکھوں انسان فاقہ کشی سے ہلاک ہو گئے، افغانستان میں لاکھوں مسلمان امریکی جارحیت کی بھینٹ چڑھ گئے، عراق و شام میں مسلمانوں کے سر سے چادر اتر گئی، فلسطین میں عزت و آبرو پامال ہو گئی لیکن اس کے خزانے ان غریب مسلمانوں کے لئے نہیں کھل سکے، بھارت میں غریب مسلمان کا روزہ زبردستی ہندو دہشت گردوں نے توڑا دیا لیکن انھیں کسی نے انتہا پسند نہیں کہا، چین کے ایک علاقے میں روزہ رکھنے پر پابندی لگا دی گئی، مسلم غیرت کسی کی نہیں جاگی۔بھارت کے علاقے

میں اذان دینے پر پابندی لگا دی گئ لیکن اب کسی کے نہیں کھلے ، اگر کھلے تو پاکستان میں
ہم نے دیکھا کہ اقتدار کی ہوس کیلیئے کھلے ۔ اقتدار درکار ہے ، پاکستان کی ضرورت نہیں ،
ملی یکجہتی کی ضرورت نہیں ، امت واحدہ کی ضرورت نہیں ،۔ میں ان سب سے ایک
سوال پوچھتا ہوں کہ ذرا مجھے یہ بتائیں کہ غزہ سمیت مسلم دنیا ، مسلمانوں پر ڈھائے جانے
والے مظالم پر ان کا کردار کیا ہے۔ آئی ڈی پیز بھوکے پیاسے اپنی قوم کے لیڈروں کو دیکھ
رہے ہیں کہ ہمیں جہنم میں ڈال کر انھوں نے تو کرسی کرسی کا کھیل شروع کر دیا۔ پاک
فوج مشرقی حصوں کے ساتھ ساتھ شمالی و مغربی سرحدوں کی حفاظت کر رہی ہے۔
مشرقی سرحدیں ہیں تو وہاں کوئی دن ایسا نہیں گذرتا کہ دشمنوں کی توپوں کو خاموش نہ
کرایا جاتا ہو ، پاکستان کے اندر بھی دشمنوں سے مقابلہ تو بیرونی دشمن سے بھی مقابلہ ،
اور کمال حیرانی کی بات یہ ہے کہ وطن کیلیئے اپنا گھربار چھوڑنے والوں کو بھی بے آسرا
چھوڑ دیا گیا کہ تم جانو اور فوج جانے ، کراچی میں فوج کی ضرورت تھی کہ معاشی شہ
رگ کو بچایا جائے ، لیکن حکمرانوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگی ۔
جب پاکستان جیسی ایٹمی قوت کا یہ حال ہے تو ذرا سوچیں کہ امریکہ اور اس کے حواریوں
نے دیگر مسلم ممالک کے ساتھ کیا کیا نہیں کیا ہوگا۔ مدینہ کے بعد

اسلام کے نام پر بننے والی دوسری اسلامی ریاست کے ساتھ ہنود، یہود اور نصاری کا یہ رویہ ثابت کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو کبھی بھی ایک نہیں ہونے دیں گے، کبھی فرقہ واریت تو کبھی مسالک کے نام پر کبھی قومیت کے نام پر تو کبھی لسانیت کے نام، مسلمانوں کی قوت کو اتنا کمزور کردیں گے کہ انھیں اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کیلئے صدیاں لگ جائیں۔ ہنود، یہود اور نصاری جانتے ہیں کہ یہ اس نبی ﷺ کی امت ہیں جو کچھ بھی کرسکتی ہیں، مسلمانوں میں انقلاب، مغرب ثقافت کے دلداہوں سے نہیں بلکہ اسلام سے محبت کرنے والوں کے گھر سے آئے گا۔

! افغانستان کو اپنے فیصلے خود کرنے دیں

مسلمانوں کی حکمرانی کی تاریخ کے حوالے سے جب تذکرہ کیا جاتا ہے تو عمومی طور پر مغلوں کی حکمرانی کو سب سے طویل دور کے طور پر یاد کیا جاتا ہے، جو غلط فہمی ہے۔ مورخین کی تحقیق کی مطابق افغانوں کی حکمرانی کی ابتدا کا تعین 300ء سے ہوتا ہے، تاہم یہ قدیم تر تو ہو سکتی ہے لیکن اس کے بعد اگر ہو بھی صدیوں کا نہیں دہائیوں کا فرق ممکن ہے۔ہر چند حکمرانی کا آغاز 300ء سے ہوا تھا لیکن 1700برسوں میں افغانستان، ایران، سلطنت دہلی اور برصغیر کے مختلف علاقوں سمیت یہ مدت 3561 سال ہے۔جو اہل روم کی لگ بھگ 250ق م سے شروع ہونے والی 1530ء اختتام تک پہنچنے پر چھوٹی چھوٹی برائے نام رہاستوں پر بھی فرانس نے 1768ء میں قبضہ کرلیا 1841ء میں پاپائیت کی حکومت کی بحالی کے بعد آج تک حکمرانی کی مدت دو ہزار دوسودس 2010برس بنتی ہے (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد اول)۔افغانستان جنگی بد حالی کے بعد پسماندہ، کنگال، نصف سے زیادہ غلام اور کچھ مکمل غلام ایک ہی مملکت کے افغانوں کی آج کی بقایا دنیا کی ترقی یافتہ طاقتور، دولت مند صنعت و حرفت، سائنس اور ٹیکنالوجی کے اعتبار سے بام عروج پر دنیا کی کافی مملکتوں کا افغانوں کی حکمرانی کی ابتداء کے دوران نام ونشان تک نہیں تھا۔جاپان میں باقاعدہ

حکومت کا آغاز 360ء میں ہوا۔ہسپانیہ 507ء ، عرب میں خلافت 632ء میں شروع ہوئی 1258ء میں ہلاکو خان نے اس حکومت کا خاتمہ کرڈالا۔756ء ہشام کے پوتے عبد الرحمان نے اموی حکمرانی کی بنیاد ڈالی،1492ء بو عبداللہ حاکم غرناطہ کو فرڈننڈ نے شکست دی۔اموی حکومت کا خاتمہ ہوا۔بیسویں صدی میں سعودی عرب کے علاوہ چھوٹی موٹی عرب حکومتیں1928ء میں معرض وجود میں آئیں ، ان ریاستوں میں اب بھی عرب کی حکمرانی ہے، عربوں کی حکمرانی کی مدت1441ء.برس بنتی ہے۔ایران میں باقاعدہ حکمرانی کا آغاز550ق م تا330ق م ، دوسرا دور226ء تا 651ء تیسرا دور1500ء تا1700ء رہا، کل ملا کر 2071.برس ایرانی حکومت کا راج رہا۔یہاں ذکر مسلمانوں کی حکمرانی کے اعتبار سے کیا جارہا ہے ، کیونکہ تاریخ سے ناواقفیت کی بناء پر یہی خیال گردانا جاتا ہے کہ مغلیہ دور سب سے زیادہ مسلمانوں کی حکمرانی کا تھا جبکہ پوری دنیا میں رومیوں کے حوالے سے سمجھا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے طویل حکومت 2210ء.برس رومیوں نے کی۔ حالاں کہ افغانیوں نے3561 سال حکومت کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے سپہ سالار سعد بن اب وقاص نے ایران کو 635ء میں فتح کیا اور افغان حکومت حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے ادوارِ خلافت 644-656ء اور اس کے بعد661 ء میں مشرف بہ اسلام ہوئی، اس طرح ایرانیوں نے بہ حیثیت مسلمان500.برس اور افغانوں نے 3200 .برس حکومت کی۔فرانس میں مستقل حکمرانی کا آغاز چارلس اعظم یا شارلیمان کے عہد 771ء تا814ء سے ہوا۔

لیکن چارلس اعظم نے اپنی وسیع وعریض مملکت کو اپنی ہی زندگی میں خانہ جنگی سے روکنے کی غرض سے تین بیٹوں میں تقسیم کردیا۔ وینس میں 687ء میں باقاعدہ حکمرانی کا آغاز ہوا۔ اس سے قبل جرمن کے قبیلے کارولنجی کے پیپن دوئم نے 687ء میں، اس کے بعد چارلس مارٹل نے 741ء تک حکومت کی، مستقل حکمرانی شارلیمان کے پوتے لوئی کے دور میں 843ء جرمن حکومت کے آنے والے حصے ہوا۔ برطانیہ میں مستقل حکمرانی کا آغاز الفریڈ اعظم کے دور (871ء - 899ء) سے ہوا البتہ جو خاندان برطانیہ میں اب تک حکمران چلا آرہا ہے، اس کا بانی نارمنڈی کا ناجائز جرمن نژاد نواب ولیم فاتح تھا جس نے 1066ء برطانیہ پر قبضہ کیا تھا۔ ناروے، ڈنمارک، سویڈن میں نوے نے حکمرانی کا آغاز کیا۔ سسلی میں جرمن vikings اور دسویں صدی کے دوران جرمن نارمن قبیلے نے دسویں صدی میں حکمرانی کا آغاز کیا، روس، سرویا ہنگری، بلغاریہ اور پولینڈ میں بالترتیب 880ء، 906ء اور 1036ء میں باقاعدہ حکمرانی کا آغاز ہوا۔ آئیر لینڈ میں جرمن قبیلے نے جو برطانیہ کے حکمران تھے 1171ء میں حکمرانی کا آغاز کیا۔ منگول یا تاتار نے 1206ء تموچن کے چنگیز خان (اعظم) بن جانے کے عہد سے حکمرانی کا آغاز کیا۔ پرتگال میں 14 اگست 1385ء میں حکمرانی کا آغاز ہوا۔ (حوالے جات ولیم ایل ایلنگر کی تاریخ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم مترجم غلام رسول مہر ناشر، شیخ غلام علی سنز لاہور۔ لاہور جلد اول و دوئم تصنیف 1940ء ترجمہ 1958ء)۔ مغل حکمرانیوں میں 1526ء، 1538ء، 1567ء زنانہ حکومت کے خاتمے

کے بعد 1712ء سے 1722ء تک عبد اللہ برادران بادشاہ گروں کے تسلط میں رہے شاہ عالم ثانی 1762ء سے بہادر شاہ ثانی 1857ء تک مغل وظیفہ خوار تھے، خود، مختیار اور مضبوط حکمرانی 1564ء سے اورنگ زیب کی وفات 1707ء تک 133 برس کی رہی۔(تاریخ پاک وہند ص 13 تا 188)۔امریکہ 1789ء جارج واشنگٹن نے پہلے صدر کی حیثیت سے حکمرانی کا آغاز کیا۔پاکستان 1947ء بنگلہ دیش 1971ء جبکہ بھارت میں 1762، مغلوں کے وظیفہ خور بننے کے سبب پاکستان کو 14 اگست 1947ء میں 181 برس بعد خود مختیار آزاد حکمرانی ملی۔شمالی کوریا اور جنوبی کوریا 15 اگست ء میں قائم ہوئیں۔دیگر ممالک آسٹریلیا، جنوبی افریقہ، الاسکا، کیوبا، کولیمبیا، 1948 وینزیلا، پیرو، ارجنٹائن، ویتنام وغیرہ میں بھی بعد میں اس ضمن میں آتے ہیں لیکن مقصود یہاں افغانوں کی حکمرانی کا ہے اس لئے اجمالی جائزے میں بالا ممالک کا ذکر کیا۔ افغانوں نے 300ء سے 2001ء تک 3561ء برس حکومت کی۔افغانستان پر قبیلہ سوری کے مختصر ذکر تاریخ فرشتہ جلد اول میں مل جاتا ہے۔(افغانستان کا قدیم نام آریانا ہے)۔موجودہ افغانستان کے بانی میں قطب خان، حاجی جلال خان، عمر خان اور دیگر سے شجرہ شروع ہوتا ہے جو 1708ء سے 2001ء تک پھیلا ہوا ہے۔افغان انقلاب میں نور محمد ترکئ کو بانی انقلاب 1978-1979ء، حفیظ اللہ امین صدر روزہ حاکم 1979ء۔روس کی جارحیت کے بعد افغانوں نے اپنی سرزمین کی حفاظت کیلئے جنگیں لڑیں، ڈاکٹر نجیب اللہ 1987ء تا 1992ء تک رہے جبکہ گلبدین حکمت یار بحثیت وزیراعظم 1993 -1994ء

پھر افغانستان میں طالبان مسند حکمرانی پر براجمان ہوئے جن کا دور 1994ء سے 2001ء تک رہا۔ امریکی جارحیت کے بعد سے افغانستان میں حامد کرزئی کی شکل میں امریکی پھٹو حکومت افغنستان کی آزادی میں حائلے اور اپنے ہی افغانوں کا خون ڈالروں کی لالچ میں بہاتیے۔ 13 سالہ امریکہ جنگ میں شکست کے بعد پسپا ہو کر 2014ء تک افغانستان سے واپسی کی راہ تک رہے ہیں اور ان کے زیر استعمال سامان پشاور کے بازار میں فروخت ہونا شروع ہوچکے ہیں۔ مسلمانوں میں مغلیہ دور حکومت اصل حکمرانی ماہم انگا حمیدہ بیگم کی زنانہ حکومت سے شروع ہوئی۔ مغلیہ حکمرانی میں اکبر بادشاہ، جہانگیر اور شاہجہاں کے علاوہ عالمی معیار کے کسی حکمران کا تذکرہ نہیں آتا۔ زیادہ تر حکمران وظیفہ خور اور لال قلعہ کی حد تک محدود تھے، جبکہ عالمی سطح پر سائرس اعظم، سکندر اعظم، ہینی پال، اشوکا، چنگیز خان، نپولین، لینن، اسٹالن یا ہٹلر تو کیا علاؤالدین خلجی یا شیر شاہ سوری تک کو پیدا نہیں کرسکے۔ ہندوستان میں ہی افغانوں نے مختلف ادوار میں سلطنت دہلی پر 137 برس کے علاوہ ہندوستان کے بیشتر علاقوں پر 2180 برس حکومت کی، مثلا بنگال، اڑیسہ مالوہ، مکمل پنجاب، مکمل کشمیر، جون پورہ، بوپال اور جوناگڑھ وغیرہ شامل ہیں۔ مندرجہ بالا حکمرانی کے علاوہ افغانستان پر 1185 برس، ایران پر 8 برس اور ایران کے بعض علاقوں پر 51 برس کل ملا کر 3561 برس افغان حکمران رہے ہیں۔ اس مختصر سے ثقیل تاریخ کا ذکر کرنا اس لئے مقصود تھا کہ امریکہ یہاں زمینی حقائق کے برعکس

مغربی نظام لانے کا خواہاں ہے اور اس کی ایک کوشش وہ پہلے بھی کرچکا ہے، جو بدترین کالے انتخابات کے طور پر افغانستان کی تاریخ کا سیاہ باب بن چکے ہیں۔افغانستان کی عوام کو اپنی فیصلوں اور طرز حکمرانی کا اختیار ہے اس لئے یہاں انتشار کیلئے لڑو اور حکومت کا فارمولہ دینے کے بجائے، دنیا میں امن کا خواہاں ہے تو افغانستان کی عوام کو اپنے حکمران کے لئے صدیوں کی روایات کے مطابق فیصلہ کرنے دیں اور خاموشی سے اپنے بچے کچے فوجیوں اور اتحادیوں کو واپس ان کے بچوں کے پاس ویڈیو گیم کھیلنے کیلئے گھروں میں بھیج دیں۔افغانستان دنیا کی قدیم ترین حکمرانی کی مسلسل ریاست کا نام ہے ۔وہ اپنے فیصلے کرنے بخوبی جانتے ہیں امن کیلئے یہی بات اہم ہے کہ امریکہ سازشیں رچانا بند کردے۔ سلیقہ حکمرانی صدیاں حکمراں رہنے والوں کو خود غلام و محکوم رہنے والے ممالک کیا سکھا سکتے ہیں

واقعی مولانا آپ سچ کہتے تھے

طلباء و نوجوانوں میں پھیلنے والے اضطراب کا کیا حل ہے ؟۔اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے ہمیں کسی اہم شخصیت سے رائے یا ڈگری لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ہمیں اب یہ سب کچھ اپنے قرب و جوار میں باآسانی نظر آ جاتا ہے۔ چونکہ ہم زیادہ تر سیاسی و سماجی مسائل پر گفت وشیند کے عادی بن چکے ہیں تو اس لئے اس کا جواب دینے کی دلیل میں ہمیں سیاسی جماعتوں کے کارکنان کی ایک بڑی ایسی تعداد نظر آتی ہے جو شب و روز، اپنے لیڈروں کیلئے نعرے لگانے، بینر لگانے اور شہر کی دیواریں کالی کرنے کے علاوہ سیکورٹی اداروں کے سامنے احتجاج کی صورت میں ڈنڈے کھاتے اور جیل میں بھی جاتے گھبراتے نہیں ہیں۔ جبکہ اس کے متضاد ان ہی نوجوانوں کے لیڈر ان کے بل بوتوں پر اپنے لیڈری چمکانے کیلئے کبھی مفاہمت کے نام پر، تو کبھی قومی مفاد کے نام پر اپنے اختلافات ختم یا پھر مفاہمتوں میں ڈیڈ لاک پیدا کرکے خبروں کی زینیتں بن کر اپنے مفادات کو پورا کرنے کیلئے قوم کو قربانی کا بکرا بنانے سے نہیں چوکتے۔ برطانیہ نے ہندوستان میں : پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو"کے آزمودہ اور تیر بہدف فارمولے پر عمل کیا اور سینکڑوں سال مسندِ ہندوستان

کاتاج سر پر سرکھ کر جاتے جاتے بھی ہندوستان کی لنگوٹی، کوہ نور لیکر و تفرقہ چھوڑ کر چلا گیا۔ کرم خوردہ پاکستان کو پا کر ہم مسلمان اس بات پر خوش تھے کہ اب ہمیں گورے انگریز، ہندو بنیا و سامراجی قوتوں سے نجات مل گئی اور اب ہم آزادی کیساتھ اپنی زندگی بسر کریں گے۔ لیکن جب پاکستان نے سات سمندر پار اپنا کاسہ امریکہ کے سامنے گندم کے حصول کیلئے پھیلایا تو کسی نے بھی نہیں سوچا تھا کہ امریکہ پاکستان کی پالیسوں پر اس قدر حاوی ہو جائے گا کہ وزیر اعظم ہاوس میں چپڑاسی کی نوکری بھی وائٹ ہاوس کی مرضی کے بغیر نہیں لگائی جاسکے گی۔پاکستان بننے کے بعد بھارت کی پیش گوئیاں سب کے سامنے تھی کہ پاکستان کے نام پر حاصل کئے جانے والا ملک چند سالوں میں ختم ہوجائے گا اور اس کے دو نظریئے کی بنیادیں سمندر میں ڈھے جائیں گی۔ امریکہ کی واضح پالیسی رہی ہے کہ بے شک پاکستانی بن کر تم لوگ اس خطے میں رہو لیکن غلام میرے ہی بنے رہو۔ہم سب " امریکی بنیا "کے مقروض بن چکے ہیں پیدا ہونے والا بچہ دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے امریکہ کا غلام پہلے اور پاکستانی بعد میں پیدا ہوتا ہے۔ سی آئی اے امریکی مفادات کے لئے کام کرتی اور کرنا بھی چاہیے کیونکہ حساس ادارے ہوتے ہی اس لئے ہیں کہ اپنی مملکت کی بقا کے لئے اندرونی و بیرونی خطرات کا مقابلہ اور لائحہ عمل طے و عمل کر سکیں۔ مولانا عبدالحمید بھاشانی نے 1969 میں اپنے انٹرویو میں کہا تھا کہ "وہ

سی آئی اے) یہاں پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کے فارمولے پر عمل کر رہی ہے۔ ہمارا ملک غریب ہے۔ تھوڑا پیسا مل جائے تو ایجنٹ بن جاتے ہیں۔ ہم نے ایشیا افریقہ میں کئی سامراج دیکھا، مگر امریکہ جیسا سامراج آج تک نہیں دیکھا، وہ تو چاہتا ہے کہ ہم سب مقروض رہیں، اس ملک میں رہیں لیکن اس کا غلام بن کر رہیں۔ یہ تو exploitation میں برٹش سامراج سے بھی آگے بھی بڑھ گیا ہے۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ ایسی پالیسیوں اور اعمال سے خود امریکہ میں زلزلہ پیدا ہوگا اور ایسا خوفناک کہ CIA کے بارے میں شاید خدا امریکہ میں اپنا حساب کتاب اس دنیا میں ہی ختم کر دے۔ ایک بیان میں دے چکا ہوں اور میرے پاس اس کا مسودہ محفوظ ہے جس میں سی آئی اے مشرقی پاکستان کو الگ کرنے کا منصوبہ درج ہے۔ سی آئی اے نے مختلف سیاسی عناصر اور افسروں کی مدد سے مشرقی پاکستان سے مشرقی پاکستان، بھوٹان، آسام کو ملا کر ایک خود مختار ملک بنانے کے لئے یکم اگست 1969ء کی تاریخ مقرر کی تھی۔ اس کے لئے وہ کئی برس سے سرگرم کار تھی لیکن بین الاقوامی معاملات اور کچھ پاکستان کے اندرونی حالات کے باعث اس کا یہ منصوبہ شرمندہ تکمیل نہ ہو سکا۔" مولانا عبدالحمید بھاشانی 1969ء میں جب یہ انٹرویو دے رہے تھے تو شاید انھوں نے بھی مستقبل کا آئینہ دیکھ لیا تھا کہ مشرقی پاکستان کو توڑنے والے خاموش نہیں بیٹھیں گے اور بالآخر "مشرقی پاکستان کو ہم سے الگ کرکے بنگلہ دیش بنا دیا گیا اور اس" کا رشر

میں پاکستانی غداروں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ چند دنوں بعد چودہ اگست بڑی دھوم دھام سے منائی جائے گی، لیکن ہمیں اس دن کو یوم آزادی کے بجائے " یوم شرمندگی "کے طور پر منانا چاہیے کیونکہ ہم آج تک قیام پاکستان کی غرض و غایت کو اپنا تو کیا، سمجھ بھی نہیں سکے۔ مشرقی پاکستان کو جس طرح پاکستان سے الگ کیا گیا۔ آج بھی وہی مناظر ہمیں کراچی سے لیکر کوئٹہ، پشاور اور ملک کے طول و عرض میں نظر آتے ہیں۔ جناب مولانا غلام بخش ہزاروی سے جب یہی سوال " طلباء و نوجوانوں میں پھیلنے والے اضطراب کا کیا حل ہے ؟۔" دوہرایا گیا تو انکا بڑا معنی خیز جواب سامنے آیا کہ طلبا کو غیر ملکی ایجنٹوں کے اشارے پر اسلامی جمعیت طلبہ یا دوسرے ناموں سے کوئی" جماعت قائم کرنے کی اجازت نہ جائے، لیکن جو طالب علم اور ان کی انجمنیں غیر ملکی تعلقات سے بَری ہیں۔ ان کی دینی اور ملکی خدمات پر کوئی قدغن نہ لگائی جائے، بلکہ ان کے مطالبات منظور کرکے ان کی عزت افزائی کی جائے کیونکہ مستقبل میں یہی قوم کے معمار بننے والے ہیں۔" انھوں نے انٹرویو دیتے ہوئے اس کی مزید وضاحت کی کہ "

میرے خلاف مودودی جماعت، ضمیر فروش افراد اور موشے دایان گروپ نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ میں سوشلسٹ ہوں، میں بیسوں بار اس کی تردید کرچکا ہوں لیکن اپنی مخصوص اغراض کی خاطر یہ رٹ لگائے چلے جا رہے ہیں۔ اب میں مودودی صاحب کو چیلنج کرتا ہوں کہ اس امریکہ نے یہود کو ہوائی

جہاز دے کر ستر کروڑ مسلمانوں کی غیرت کو چیلنج کیا ہے۔ میں سوشلزم اور کیمونزم کے خلاف تقریر کرونگا وہ امریکہ سے سفارتی اور تجارتی منقطع کرنے کیلئے نہ صرف حکومت پاکستان بلکہ تمام مسلم ممالک سے مطالبہ کریں۔ اس طریق کار سے نہ کوئی مجھے سوشلسٹ کہہ سکے گا اور نہ مودودی جماعت کو امریکہ کا ایجنٹ اور مسلمانوں کی وقتی ضرورت بھی پورا ہوجائے گی"۔ جناب مولانا غلام بخش ہزاوری نے یہ انٹرویو بھی 1969ء میں محمود شام صاحب کو ہی دیا تھا۔ آج بھی اگر ہم غور کریں تو پاکستان کی یہی صورتحال ہے ۔ فروعی مفادات کے خلاف کام کرنے والوں کو ملک دشمن اور جھوٹے پروپیگنڈے کے ذریعے عوام سے دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ عوام کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ تو دوسری جانب مولانا عبدالحمید بھاشانی کی پیش گوییاں حرف بہ حرف درست ثابت ہو چکی ہے کہ خدا، امریکہ سے دنیا میں ہی اس کے ظلم و ستم کا حساب کر رہا ہے، اس کی معیشت تباہ و برباد، خوف کا یہ عالم کہ افغانستان میں حکومت کے بجائے امریکہ اور اس کے اتحادی بھاگنے کیلئے بہانے تراش کر ایک بار پھر پاکستان توڑنے کی سازشیں کر رہے ہیں۔ یہ بات اب کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہی ہے کہ امریکہ پاکستان میں صوبائیت، لسانیت اور فرقہ واریت کو پروان چڑھا رہا ہے اور نئے پاکستان و افغانستان وشام کا نقشہ بھی عراق کی طرح بنا چکا ہے۔ واقعی مولانا آپ سچ کہتے تھے ۔ تاریخ بہت تلخ لیکن سچی ہے۔ اسلام آباد کے مناظر

مفادپرستوں کی اقتدار کی ہوس میں ان کی بے رحمی قابل افسوس ہے کہ عوام کو پر فریب نعروں میں لاکر فلسطین،آئی ڈی پیز، آپریشن ضرب عضب اور کراچی آپریشن سے توجہ ہٹادی گئی۔قصور ان مفادپرست ٹولے کا بھی نہیں کیونکہ انھیں بھی اندھی، بہری اور گونگی عوام جو ملی ہے۔تو پھر سب ٹھیک ہے۔

یہ کیسی جمہوریت ہے؟

معاشرتی اقدار کی پاسداری میں سیاسی مصلحت پذیر یا اثر گیر ہو چکی ہے۔ جمہوریت کی بدترین خامی یہی ہے کہ غلط بات کو بھی اکثریت کے فیصلوں کے سبب درست تسلیم کیا جاتا ہے، جبکہ اسلام میں عددی قوت کو نہیں بلکہ موقف کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ عسکریت پسندوں نے جب اپنے ویڈیو پیغام میں جمہوریت کو کفر کا نظام قرار دیا تو اس بیان پر سیاسی حلقوں کی جانب سے شدید رد عمل دیکھنے میں آیا اور میکاولے کے نظام کو اسلام پر فوقیت دینے کیلئے لاتعداد دلائل دیئے گئے۔ بلا شبہ اسلامی نظام کے سامنے تمام دنیاوی نظام کفری نظام ہیں۔ کفر کے لغوی معنی انکار کرنے کے ہیں، یعنی اسلامی نظریہ حیات کو جو بصورت نظام مفصل تسلیم نہیں کرتا، وہ دراصل اسلام سے انکار (کفر) کرتا ہے کیونکہ اسلامی نظام میں اس قدر وسعت موجود ہے کہ کسی بھی شخصی نظام کو اس پر فوقیت نہیں دی جا سکتی۔ سچ کو سچ کہنا اور جھوٹ کو جھوٹ کہنا، صرف اسلامی نظام میں ہے جبکہ میکاولے کا نظریہ سیاست جیسے ہم جمہوری اقدار کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، مکمل جھوٹ کی بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے جہاں جھوٹ کو اس قدر خوبی سے بیان کیا جاتا ہے کہ جھوٹ، سچ اور سچ، جھوٹ معلوم ہوتا ہے۔ قرآن کریم بلاشبہ ظاہری باتوں سے بڑھ کر اسلامی نظریہ

حیات ، نظام صلوۃ ، نظام زکوۃ اور نظام ربوبیت کے اتھ نظام انصاف کا ایک ایسا ڈھانچہ فراہم کرتا ہے جیسے من و عن نافذ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں سمجھی گئی ۔ خلفائے راشدین کا انتخاب ، بذریعہ ووٹ نہیں آیا تھا لیکن ہم ایسے اب تک کا بہترین خلافت کا نظام سمجھتے ہیں ، جبکہ خلافت کے بعد جب ملوکیت بھی آئی تو تاریخ اسلام میں ایسے خلفیہکے سنہرے ادوار گزرے ہیں کہ یقین نہیں آتا کہ کسی شخصی نظام میں اس قدر عوام کی منفعت کے فلاحی و ترقیاتی کام کئے جا سکتے ہیں ، لیکن جب جمہوریت کے نام پر ایک ایسا شخصی نظام متعارف کرایا گیا جس میں صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ مقابل کا امیدوار ، اپنی جاہ و حشمت ، سرمایہ داری ، جاگیر داری اور خوانین کے بل بوتے پر عوام کو کس قدر پس سکتا ہے تو لڑاؤ اور حکومت کرو ، کی شق نے اسلام سے متصادم نظام جمہوریت کی بنیاد رکھ دی ۔ لیکن خرابی یہ رہی کہ امت واحدہ تفرقے کی بنیاد پسند و ناپسند پر منقسم تھی ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے بعد امت واحدہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ۔ جس کا سلسلہ اس قدر دراز ہوا کہ اسلام نے نظریۂحیات کو بصورت قرآن متحد اور ایک اللہ کی رسی (قرآن) کو تھامنے کا درس دیا تھا ، وہاں مسالک کے فراوانی نے اسلامی تشخص کو پس پشت ڈال کر اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا ۔ اسلاف کے کارناموں پر تکیہ کرتے ہوئے ، جہاز کے بجائے اونٹ کی سواری کو باعث ثواب سمجھے جانے لگا ، ابلاغ کو کفر اور اسلام سے فروعی فتوؤں سے خارج کرنے کا اہم ذریعہ گردانا گیا۔ جس کے سبب

ان گروہی وفروعی فتوؤں کی رو سے دیکھا جائے تو دنیا بھر میں ایک شخص بھی مسلمان نہیں ہے۔ کیونکہ فرقہ واریت کے عفریت نے کسی بھی مسلک کے مسلمان کو مسلمان نہ سمجھا، اور کفری فتوؤں نے دنیاکے سامنے اسلام کا تشخص پُر تشدد نظام نافذ کرنے کی ضد کی صورت میں پیش کرنا شروع کردیا۔ عرب و عجم کی جانب سے پوری دنیا میں مسلم حکومتوں میں جمہوریت کے نام پر اثر و رسوخ اتنا بڑھا دیا گیا کہ پاکستان جیسی ایٹمی طاقت بھی اپنی داخلی و خارجی پالیسیاں مرتب کرنے سے قاصر ہیں، جس کے نتائج اس صورت میں مل رہے ہیں کہ پاکستانی ریاست کا تصور دنیاکے سامنے ایک دہشت گردد اور دنیاکے امن کو خطرے میں ڈالنے والے عناصر کی محفوظ پناہ گاہ کے طور پر لیا جاتا ہے۔ قیام پاکستان کا مقصد دو قومی نظریئے کا احیاء تھا لیکن ایسے جب بنگال کے سمندر بُرد کردیا گیا تو بچا کچا پاکستان آج خود ساختہ اسلام کے نرغے میں ہے جسمیں کسی عام انسان کی جان و مال کے تحفظ کو یقینی بنانے کے بجائے نقصان پہنچانے پر مکمل توجہ مرکوز رکھی جاتی ہے۔ افغانستان میں طالبان کی جانب سے "آپریشن بہار" غیر ملکی افواج کو اپنی سرزمیں سے نکالنے کے لئے شروع کردیا گیا تو پاکستان میں عسکریت پسندوں نے عام بے گناہ انسانوں کو نشانہ بنانے کیلئے "آپریشن انتخابات" شروع کیا ۔ جمہوریت کو کفر کا نظام قرار دیکر اسلام کے حقیقی تصور کو پیش کرنے کے بجائے اسلام سے دور مسلمانوں اور اسلامی نظام حیات سے نا واقف اقوام کو اسلام کے نام پر پُر تشدد موقف اپنانے پر قوت صرف کی جا رہی

ہے۔اس وقت عبوری دور ہے اور اسلامی نظام حیات کی کوئی عملی شکل کسی بھی ملک میں موجود نہیں ہے۔فلاح و اصلاح کیلئے اقوام عالم میں حکومتوں کے قیام کیلئے ایک فرد ایک ووٹ کا طریقہ کار اپنایا جاتا ہے، جس کے بعد اپنے تئیں اُس ملک کی عوام کے نمائندے اپنی حکومت کو دنیا کی دیگر مملکتوں کے سامنے طاقت ور اور معاشرتی اقدار کے نگہبان کے طور پر پیش کرتے ہوئے سپر پاور کی دوڑ میں لگے ہوئے ہیں جبکہپاکستان جیسے ترقی پذیر ایٹمی ممالک ایٹم بم بنا کر لاکھوں انسانوں کی جان لینے کے منصوبوں پر اربوں روپے خرچ کر سکتے ہیں لیکن عوام کو ترقی و سکون میسر کرنے کیلئے ایک منٹ کی بجلی پیدا نہیں کر سکتے۔قدرتی وسائل سے مالامال مملکت کو اقربا پروری، بد عنوانیوں اور خارجی ممالک کیلئے اپنی سرزمین استعمال کرنے کے پر تشدد رجحان نے ایک عام پاکستانی کو نظام جمہوریت سے اس قدر متنفر کر دیا ہے کہ ایسے پاکستان کی کسی بھی سیاسی جماعت پر بھروسہ نہیں رہا، تبدیلی کا کوئی عمل پاکستان میں کامیابی سے پورا ہی نہیں ہونے دیا جاتا، جمہوریت کے متصادم آمرانہ نظام نے پاکستان کی پالیساں مرتب کیں تو اب پاکستان قیام پاکستان کے بعد تبدیلی کے پہلے ارتقائی منازل سے گذر رہا ہے تو آج بھی عوام کی مرضی کے برخلاف اُن ہی جماعتوں کو دوبارہ مظلومیت کی آکسیجن فراہم کی جارہی ہے، جو ہمیشہ اقربا پروری، جاگیرداری، سرمایہ دارانہ نظام کو کامیاب کرتی رہی ہیں، عوامی شعور کی پہلی سیڑھی پر ہی اب اتنی مشکلات پیدا کیں جارہی ہیں کہ جن جماعتوں

کو عوام مسترد کرکے کرسی، کرسی کے کھیل سے باہر نکالنے کی خواہاں تھیں اب انھیں مظلومیت کا لبادہ اوڑھا کر ایک بار پھر عوامی شعوری جمود کو پاش کرنے کی سعی کو روک دیا گیا ہے۔ جمہوریت کو کفر کا نظام قرار دیکر صرف تین سیاسی جماعتوں کو نشانے رکھنے کے مفروضے نے اسلام کے آفاقی نظام کو ایک بار پھر عوام کے سامنے مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسلام کے نظام میں کہیں بھی ایسا نہیں لکھا کہ سیاسی جماعتوں میں حد بندی رکھ کر ایک ہی انسانی نظام کے ماننے والوں پر اپنی مرضی تھوپ کر کہا جائے کہ دراصل اسلام ، کا اصل نظام تین کے بجائے دیگر جماعتوں میں ہے۔ جمہوریت کو کفر کا نظام کہہ کر ، من پسند سیاسی جماعتوں کے ہاتھ پیر کھلے چھوڑ دیئے جائیں اور جب مخلوط ، غیر متواری ، غیر مستحکم حکومت کا قیام عمل میں آئے تو بین الاقوامی قوتیں ایسی جمہوری نظام کے بل بوتے پر اپنی مرضی کے قوانین منظور کراتی رہیں اور عوام بین کرتی رہے۔ اگر اس قسم کے نظام کو جمہوریت کا کفری نظام کہا جا رہا ہے تو واقعی یہ ایک ایسا کفری نظام ہے جس میں من پسند جماعتوں کو من و عن آزادنہ سیاسی سرگرمیاں کرنے کی اجازت دی جائے۔

یوم آزادی کے دن جب میں کچھ احباب کو جشن آزادی مبارک کے پیغامات ارسال کر رہا تھا تو انھیں جشن آزادی مبارک کیساتھ ایک جملہ اضافی لکھ رہا تھا کہ" اگر آپ واقعی آزاد ہیں تو آپکو جشن آزادی مبارک ہو"۔مجھے سمجھ میں میں نہیں آتا کہ غلام قومیں، پسے ہوئے طبقے کیوں اور کس بنیاد پر خود کو آزاد سمجھ کر خوشی منانے کی خود نمائی کرتے ہیں۔

عالمی مالیاتی اداروں کے غلام، سود میں گھرے پاکستان کا ایک ایک بچہ یہودیوں کے سرمایہ دارانہ نظام کا غلام ہے۔ہماری معاشی پالیسیاں عالمی استعماری قوتوں کی غلام ہیں ہماری دفاعی ضروریات دشمنان اسلام کی مرہون منت ہیں۔ ہمارے جسم میں جانے والا رزق پاکستان کے دشمنوں کی امداد کے غلام ہیں۔ہماری بقا و سلامتی کی تمام پالیسیاں مملکت خداداد پاکستان کو کمزور کرنے والوں کے ہاتھوں غلام ہیں۔ ہم فرقہ واریت کے غلام ہیں، ہم قوم پرستی کے غلام ہیں۔ ہم لسانیت کے غلام ہیں۔ ہم اپنی خواہشات کے غلام ہیں۔ کون کہتا ہے کہ ہم آزاد ہیں، اگر آزاد ہیں تو ملک و قوم کو لوٹنے والے آزاد ہیں، اگر آزاد ہیں تو ملکی خزانوں کو لوٹنے والے آزاد ہیں، اگر عوام اپنی

جان بچ جانے پر گھر آنے پر خوشی مناتی ہے تو اس کی اصل کی خوشی یہ ہے کہ اسکی روح جسم سے کسی دہشت گرد کے ہاتھوں سے آزاد نہیں ہوئی ، سرکاری ملازم ہوں تو عوام کو غلام بنا کر رشوت لینے میں آزاد ہیں ۔

عوام ہیں تو قومی ملی یکجہتی چھوڑ کر اپنی سیاسی و مذہبی جماعت کی پالیسوں کے غلام ہیں۔ جھوٹ ، سچ کا غلام ہے۔ کسی کا ایجنڈا ملکی مفاد کے نام پر نہیں ہے، بلکہ اجتماعی مقاصد کے پس منظر میں فروعی ہیں۔ بے حس قوم ہے کہ قیام پاکستان کے مقاصد کا مقصد منچلوں کیلئے موٹر سائیکلوں سے سائیلنسر نکال کر ہسپتالوں ، گھروں ، محلوں میں گھومتے طوفان بد تمیزی مچا دیتے ہیں۔ قیام پاکستان کے مقاصد میں اسلام کے قوانین و اصولوں پر مبنی ایک اصلاحی مقاصد پر مبنی مملکت تھا لیکن پاکستان بنتے کے ساتھ ہی اس پر وڈیروں ، جاگیر داروں ، خوانین ، سرمایہ داروں اور سرداروں نے قبضہ کرلیا۔ اس آزاد پاکستان میں اپنے گھروں سے بے گھر ہوئے تو جن کے گھر کہیں اور تھے انھیں گھر ملے کاروبار ملا ، سرکاری مراعات ملیں ، کلیم کے نام پر نقصانات کا ازالہ ملا ، لیکن پاکستان بننے کے بعد یہاں کے باسی مراعات سے محروم ہوئے ، اقربا پروری اور سیاسی رشوت ستانی نے ڈیرے ڈال دیئے ۔ کہاں کی قوم کی آزادی ، کہاں ہے آزاد قوم ، مجھے تو بحیثیت پاکستانی خود کو آزاد کہتے ہوئے فخر نہیں بلکہ ندامت محسوس ہوتی ہے کہ میں ایک ایسے ملک کا باسی و شہری ہوں جہاں آزادی رائے کے نام پر خوشامد فروخت ہوتی ہے ، جذبوں کے نام پر ایمان فروخت ہوتے

ہیں ، سچ کے نام پر جھوٹ فروخت ہوتے ہیں ۔خدمت کے نام پر سیاست فروخت ہوتی ہے ۔ ایک عورت کا جسم اس لئے فروخت ہوتا ہے کیونکہ اس کو ایسا معاشرہ دیا گیا ہے جس میں ایسے شریفانہ زندگی گذارنے کی آزادی نہیں ، ان کیلئے قائم کوٹھوں سے ، شراب خانوں سے حکومت ٹیکس لیکر عوام کیلئے فلاحی ترقیاتی منصوبے بناتی

ہے۔نوجوانوں سے روزگار کے نام ان کا جوش خرید لیا جاتا ہے ان کے ہاتھ میں قلم کی جگہ ہتھیار دے دیئے جاتے ہیں ۔ ان کے قلم سے ترقی و کامرانی کے گیت کے بجائے ، نفرت اور مخالفین کے قتل کے احکامات جاری ہوتے ہیں۔احتجاج کے نام پر لوٹ مار کی اجازت ملتی ہے تو قومی اثاثے اب اسلامی کی روایات نہیں بلکہ خدکی جانب سے عذاب کی صورت میں عبرت نشان بنا دینے والی روایات ہیں جن پر فخر کئے جاتے

ہیں۔تہذیب اسلام سے جڑی ہو تو کچھ سمجھ بھی آتا ہے لیکن جب تہذیب جاہلیت سے جڑی ہو تو اس پر فخر کرنے والے مسلم ہیں کہ بت پرستی کے وارث۔بامیان کے بت توڑے جانے پر ماتم کرتے ہیں ، انبیا کے اور اصحاب رسول ﷺ کے مزاروں کے انہدام پر خاموش رہتے ہیں، کیونکہ ان میں حس مسلم ہی نہیں ، تو ملی جذبہ کیا معنی رکھتا ہے۔ملت تو وہ ہوتی ہے جو خود ایک سمجھے ، لیکن یہاں تو پنجابی ، سندھی ،پٹھان، بلوچ کشمیری ، گلگتی ، بلتی ، مہاجر ہیں ، پاکستانی کہاں ہے کہ وہ قیام پاکستان کا جشن منائیں ۔

کہاں ہیں وہ پاکستانی جو جشن آزادی منانے کیلئے گھر گھر گلی گلی سجایا کرتے تھے ، بچے چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں لے کر محلوں محلوں گھوما کرتے تھے ، لیکن اب

تو آپ ایک محلے سے دوسرے محلے جائیں تو وہاں کسی نہ کسی گھر میں صف ماتم برپا ہوتی ہے ، کسی نے ٹارگٹ کلنگ کرکے مار دیا تو کسی نے جعلی پولیس مقابلے میں مار دیا۔ کسی نے سیاسی مخالفت میں مار دیا تو کسی مسلک کو تسلیم نہ کرنے پر مار دیا ، کسی نے بھتہ نہ دینے پر مار دیا۔ کون سا ایسا محلّہ ہے جہاں بے گناہ کا خوں اس پاک سرزمین کو سیراب نہ کر رہا ہوں ۔ کئی عشروں تک حکومت میں رہنے والے ہر بار یہی کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہمیں ورثے میں ملا ہے ، ہماری ٹانگیں نہ کھینچو ، ہمیں اختیار دو ،اب کیا عوام سے ان کی سانسیں بھی گروی رکھوانا چاہتے ہو۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اس گاؤں کے لوگوں کی طرح ہوجاؤں جہاں سب پاگل تھے لیکن ایک شخص پاگل نہیں تھا ، لیکن تنگ آکر جب اس نے بھی وہ امرت پی لیا تو وہ بھی پاگل ہوگیا اور پھر جب سب ایک جیسے ہوگئے تو کوئی بُرا نہیں رہا ، کچھ غلط نہ رہا۔ سب کچھ ٹھیک لگنے لگا ، لیکن کیا کروں یہاں تو سقراط کو بھی جو زہر پینے کیلئے دیا جاتا ہے وہ بھی جعلی ہوتا ہے ، سنا ہے کہ جنگلوں میں بھی قانون ہوتا ہے لیکن میرے پاکستان میں تو جنگل کا قانون بھی نہیں ، جنگل میں تو پھر بھی ہر جانور ایک قاعدے کے مطابق چلتا ہے ، اس کو فطرت نے ایک دائرہ کار دیا ہوتا ہے ، وہ فطرت کی ہدایات سے روگردانی نہیں کرتا۔ لیکن اشرف المخلوقات تو روئے زمین پر خود کو خدا سمجھ بیٹھا ہے۔ میں ان نعروں سے تنگ آچکا ہوں کہ قوم کے بچوں کے ہاتھوں میں ہتھیار نہیں بلکہ قلم دو ، بھلا قلم دیکر کیا کروگے ۔ انھیں

روزگار کہاں سے دوگے۔ ان کی عزت نفس کو مجروح ہونے سے کون بچایا جائے گا۔
قلم میں بڑی طاقت ہے لیکن یہ طاقت ان لوگوں کیلیئے ہے جن کے ایک ہاتھ میں فائل پر اجازت نامے کے دستخط تو دوسرا ہاتھ، میز کے نیچے رشوت کے لئے ہوتا ہے۔ میں نے سیاست دیکھی جہاں لاشوں کے گرے جانے پر لیڈروں کو پارٹی مناتے دیکھا، میں نے نام نہاد انقلابیوں کو دیکھا جہاں ان کا کارکن بھوکا مرتا جائے لیکن ان کا انقلاب فائیو اسٹار ہوٹل میں بچ جانے والے کھانوں کو کچروں میں پھنک دیا جائے۔ میں نے الیکشن دیکھے جہاں حجروں، ڈیروں پر جا کر ووٹوں کے لئے لوگوں کے پاؤں پکڑتے ان سے معافیاں مانگتے دیکھا اور پھر انھیں کسی ادھار لئے شخص کی طرح غائب ہوتے دیکھا، میں وہ الیکشن بھی دیکھا کہ "بیٹھتے ہو کہ لیٹتے ہو"۔ میں نے طاقت کا بے دریغ استعمال دیکھا، بے گناہ انسانوں کو سڑکوں، گلیوں میں خون میں نہاتے ہوئے دیکھا، میں نے لسانی بنیادوں پر قائم وہ ہسپتال دیکھے جہاں ان کی پارٹی کا کارکن نہ ہو تو ایسے مرنے کیلیئے چھوڑ دیا جاتا۔ میں نے سفید، کالی پیلی صحافت دیکھی، انھیں دہشت گردوں کے خوف سے کپکپاتے ہوئے بھی دیکھا، میں نے خود کو دیکھا۔۔

اسلام آباد بحران، کیا کھویا کیا پایا؟

سول نافرمانی کا اعلان کرکے تحریک انصاف نے براہ راست حکومت وقت سے بغاوت کا اعلان کردیا ہے اب ملک کی دیگر سیاسی جماعتوں کو میدان میں آنے کی ضرورت ہے کہ وہ جنونیوں انقلابیوں کو کس طرح مملکت میں انتشار و افراتفری پھیلانے سے روکنے میں کامیاب ہوتے ہیں یا میاں نواز شریف کی سست پالیسوں کی سبب پیدا شدہ کشیدہ صورتحال کا پس پردہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بظاہر تو تقریبا ہر سیاسی جماعت تدبر سے صورتحال کو حل کرنے پر زدے رہی ہے لیکن اس بات سے کوئی انکار نہیں کرے گا کہ بہرحال اقتدار میں آنے کی خواہش تو ہر سیاسی جماعت کی ہے اوراب تحریک انصاف ناعاقبت اندیشی میں اپنا کندھا استعمال کروارہی ہے تو بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے سے کوئی کسی کو کیا روکے۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ گذشتہ سال 176 ممالک کی فہرست میں ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل کی حالیہ رپورٹ کے مطابق پاکستان بدعنوانی کے 42 واں نمبر سے 33 درجے پر پہنچ چکا ہے۔ارباب اقتدار اصلاح کے بجائے اپنے ایک ایک پل کو کرپشن تحفظ کیلئے دل و جان کی بازی لگاتے رہے ہیں۔عمران خان ،طاہرالقادری کے ایجنڈے پر تو مکمل متفق ہیں۔پاکستان میں لانگ مارچوں سے ہمیشہ فائدہ تیسری قوت کو پہنچا ہے۔اب تیسری قوت کون ہے اس بارے میں متضاد آرا ہیں اسلئے اس پر توقف کرتے ہیں کہ

جو کچھ بھی ہو،انقلاب کی پر امن ماہیت تو قدرتی تبدیل ہو سکتی ہے، ہزاروں (یا لاکھوں) مشتعل افراد کو31 ہزار نفوس پر مشتمل بچارے سیکورٹی والے نہیں روک سکیں گے یا نہیں لیکن جس طرح عمران خان اور طاہر القادری کے عزائم ہیں اس میں تصادم کا مکل خطرہ ممکن بھی ہوسکتا ہے کیوں وہاں کوئی بھی پکنک منانے نہیں جا رہا۔اسلام آباد کی سیاسی سردی کم کرنے کیلئے آگ بھی ضرور جلے گی، نتائج کچھ بھی ہو لیکن "لگ پتہ چل جائے گا"۔پاکستان اپنے دور پیدائش سے جن کیفیات سے گذر رہا ہے اور لانگ مارچ، اس سے پہلے بھی کئے جاتے رہے ہیں اس کا فائدہ براہ راست عوام کے غیر سیاسی قوت کو ہی پہنچتا رہا ہے۔قیام پاکستان کی سیاسی تارخ کا پہلا لانگ مارچ1958ء میں اسکندر مرزاکے خلاف خان عبدالقیوم خان کی جانب کی گئیں۔نتیجہ یہ نکلا کہ اقتدار سیاسی ہاتھوں سے سیاسی ہاتھوں میں جانے کے بجائے فوجی آمر ایوب کے ہاتھوں چلا گیا۔پھر ایوب خان کیخلاف 1968ء میں تحریک چلی تو اقتدار سیاسی ہاتھ کے بجائے فوجی ہاتھوں میں ہی گیا۔سقوط ڈھاکہ کا المیہ ہونے کے بعد بھی کسی نے ہوش کے ناخن نہیں لئے اور پاکستان کے بٹوارے کے بعد ذوالفقار بھٹو کیخلاف تحریک چلی تو اقتدار پھر فوجی جنرل ضیاء الحق کے ہاتھوں 1977ء میں چلا گیا۔پاکستانی قوم کولانگ ماچ،احتجاجی تحریکیں چلانیکا بہت تجربہ , لیکن نتائج کی پرواہ نہیں ہے اسلئے جب جنرل ضیاء کے خلاف تحریکیں چلیں تو کونے کدرے سے بنائے جانے واے وزیر اعظم محمد خان جونیجو کے ہاتھوں اقتدار چلا گیا لیکن یہ بھی

غیر سیاسی ہاتھوں سے غیر سیاسی ہاتھوں میں اقتدار کی منتقلی کا سبب بنا۔ بے نظیر بھٹو ہوں یا نواز شریف ، باری باری ایک دوسرے کو ہٹواتے رہے اور جمہوریت کو گھر کی لونڈی بنا کر ایسے اپنے محلات کی رکھیل بنا دیا۔ میاں صاحب سے مینڈیٹ پرویز مشرف کو منتقل ہوا تو 2008 میں ایک بار پھر اقتدار این آر او کے تحت ماضی کی تقلید کرتے ہوئے سب پر بھاری ، جناب زرداری کو منتقل ہو گیا جنھوں نے جمہوریت کے تمام اصول تبدیل کر کے ثابت کر دیا کہ جمہوریت میں اقلیت بھی اکثریت پر غلبہ پا کر اقتدار حاصل کر سکتی ہے لہٰذا پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ اقتدار سیاسی ہاتھوں سے سیاسی ہاتھوں کو منتقل ہوا۔ حالاں کہ اس پانچ سالہ دور میں پس پردہ کافی کوششیں ہوئیں کہ کسی طرح حکومت برخاست ہو جائے ، مڈٹرم انتخاب ہو جائے ، عدلیہ فوج کو حکومتی نا اہلی پر آئین کے تحت اقتدار سونپ دے وغیرہ وغیرہ ، سونامی خان بھی آئے تو ایسا لگا کہ جیسے پاکستان کی سیاست میں بھونچال آ گیا ہو ، پرندے اُڑ اُڑ کر انصاف کے سائبان میں جگہ بنانے لگے سرِ یا کی ہواؤں نے رخ بدلا تو پرندے ہرجائی محبوب کی طرح میاں صاحب کے گرد جمع ہونے شروع ہو گئے۔ سونامی خان کا چار نشستوں سے مطالبہ وزیر اعظم کے استعفیٰ تک جا پہنچا ہے۔ ویسے سچی بات ہے کہ اب بھی کسی کو نہیں معلوم کہ ہو گا کیا ، ۔ دل کی تمنا اور دعا تو یہی ہے کہ اقتدار سیاسی ہاتھوں سے سیاسی ہاتھوں میں ہی پہلی بار کی اسی طرح منتقل ہوتا رہے ، اقتدار اور اس پر براجمان کسی کو پسند نہیں تو وہ اپنے

رویوں کو تبدیل کریں، ورنہ ایجنڈا تو سب سے اچھا اگر دیکھا جائے تو مذہبی جماعتوں اور عسکریت پسندوں کے پاس ہے کہ اگر چوری کروگے تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا، زنا کرو گے تو فوری سزملے گی، قتل کا قصاص اور انصاف فوری طور پر ہوگا، سب مسلمانوں کو صلوۃ کا پابند بنا دیا جائے گا۔ زکوۃ سے بچنے کیلئے کسی کو یہ حلف نامہ نہیں دینا پڑے گا کہ وہ کسی دوسرے مسلک سے تعلق رکھتا ہے، فحاشی ختم ہوجائے گی۔ بے پردگی سے نوجوان نسل تباہ و برباد ہو رہی ہے اس کو لگام مل جائے گی، کرپشن و رشوت کا مطلب سخت ترین فوری سزا ہوگا۔ دہشت گردی کا تو خود خاتمہ ہوجائے گا۔ مسالک میں کوئی کسی کو گالیاں نہیں دے گا۔ دین کے ساتھ ساتھ، مذہب کی بھی پوری پوری آزادی ہوگی۔ کیوں یہ سب کچھ سعودی عرب میں نہیں ہوتا، منشیات کی سزا موت ہوگی۔ یہ تو غیر مسلم ممالک میں بھی ہے۔ نام نہاد سیاسی جماعتوں پر خود بخود پابندی لگ جائے گی ۔وغیرہ وغیرہ۔ اگر اسلام کا منشور، اس جمہوریت سے بہتر ہے تو پھر کیا حرج ہے کہ ایسا نظام پاکستان میں نافذ ہوجائے، جس میں اسلام اور غیر مسلموں کو وہ تمام حقوق ملیں جو دین کا تقاضا ہے، یہاں اعتراض ہو سکتا ہے کہ کونسا مسلک، ملک کا حکمران بنے گا تو بھائی، پاکستان میں وزیر اعظم کون بنتا ہے، اسی جماعت کا سربراہ بنتا ہے نا، جسے اکثریت مسترد کرتی ہے، پاکستان کا تمام انتخابی ریکارڈ دیکھ لیں کہ اکثریت کے مقابلے میں اقلیت ہی نے حکومت بنائی ہے۔ اب آپ یہ کہوگے کہ طالبان کا یہ ایجنڈا تو دہشت گردی

ہے، نقصانات ہیں، عوام کی تباہی ہے تو یہ جو پاکستان کی سیاسی جماعتیں ہیں تو ان کا ایجنڈا کیا ہے، کیا یہ سرکاری املاک کو تباہ نہیں کرتے، بے گناہ عوام کی ٹارگیٹ کلنگ نہیں کرتے، دھماکوں سے نہیں اتنے معصوم لوگ ہلاک نہیں ہوتے، جتنے سیاسی مخالفین کی وجہ سے مار دیئے جاتے ہیں۔ نظام شریعت کا مطلب قطعی طور پر وہ نہیں جو نام نہاد علماء سو بیان کرتے ہیں۔ اگر عوام میں تبدیلی کا شعور ہوتا اور وہ تبدیلی چاہتے تو پورے پاکستان میں گلی در گلی انقلاب و مارچ ہو رہا ہوتا، خیر آپ کو یقین نہیں تو یہ بھی "لگ پتہ چل جائے گا"۔ لیکن کیسے ؟ دیکھنا ہوگا ان دونوں کیٹینروں والوں کے جنونیوں اور انقلابیوں کو جو مری اور اسلام آباد کی مفت سیر کو نکلے ہیں۔ چشم فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ اُن نئے پاکستان بنانے والوں کو، کہ ان کی عوام بارشوں کی وجہ سے ہلاک ہو رہی ہے، گھر تباہ و برباد ہو رہے ہیں اور وہ اسٹیج پر رقص کرکے جشن منا رہے ہیں۔ جس ملک کے حکمرانوں کی یہ حالت ہو تو پھر قدرتی آفات عوام پر اسی لئے آتی ہیں کیونکہ انھوں نے اس طرح کے حکمرانوں کو منتخب کیا ہوتا ہے۔ تادم تحریر لانگ و انقلاب کا انجام نہ جانے کیا ہوگا لیکن ایسا لگتا ہے کہ جنھوں نے یہ سب کچھ شروع کیا ہے وہ مملکت کو افرا تفری میں لا کر اپنے مفادات حاصل کرلیں گے اور بتدریج تینوں فریقین کا مذاکرات پر آجانا ثابت کرچکا ہے کہ اسکرپٹ طے شدہ ہے۔

ڈنڈا بردار جمہوریت

مملکت خداداد پاکستان کے ساتھ 1969ء میں ریاست سوات ضم ہوئی۔ جہاں اس وقت رواج اور شریعت کے نام سے دو متوازی نظام موجود تھے انصاف کی رفتار بھی تیز تھی۔ 1973ء میں سوات کو صوبہ سرحد میں شامل کرلیا گیا۔ماضی میں 1990ء کی دہائی میں جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے صوفی محمد نے سوات کے قدیم عدالتی نظام کی بحالی کیلئے تحریک شروع کردی۔ 1994ء میں اس وقت کے وزیر اعلی آفتاب شیرپاؤ نے علاقے میں قاضی عدالتوں کا قیام کا قانون منظور کیا تھا۔2001ء میں صوفی محمد افغانستان پر امریکی جارحیت کے نتیجے میں دس ہزار کلاشنکوف بردار کا ایک قافلہ لیکر افغانستان گئے جس میں صرف تین ہزار ہی زندہ واپس آسکے ۔ حکومت نے انھیں گرفتار کرکے ڈیرہ اسمٰعیل خان کی جیل میں ڈال دیا جہاں وہ2008ء تک بند رہے۔ جن کی عدم موجودگی میں ان کے نیم خواندہ داماد مولانا فضل اللہ نے ایف ایم ریڈیوکے ذریعے تبلغ شروع کردی جو اپنے فرقہ وارانہ مباحث کی وجہ سے کافی مشہور ہو گئی ۔ لیکن انھوں نے خود کو تحریک نفاذ شریعت کے بجائے طالبان کے نام سے پکارنا شروع کیا۔ صوفی محمد اور سوات کی عوام نے اسلام کی نام پر جب شریعت کا مطالبہ کیا اور اپنے مقدمات شرعی عدالتوں میں لے جانے کا فیصلہ کیا تو پاکستان کی دیگر عوام کو سوات کی عوام کا یہ فیصلہ بڑا

عجیب محسوس ہوا انھیں ایسا لگا کہ جیسے سوات کے عوام انتہائی انوکھا مطالبہ کر رہے ہیں۔ حالاں کہ تمام دنیا جانتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے دور سے مسلمان ہونے والے پختون مذہبی روایات میں سخت پابند ہوئے ہیں، اور ان کی اسی سخت مزاجی کے سبب ان پر کئی لطیفے بھی بنائے گئے جس میں سب سے زیادہ مشہور ہونے والا رمضان جانے پٹھان جانئے ہے۔ لیکن یہ مسلمہ تسلیم شدہ ہے کہ دیگر مسلمانوں کی بھی انتہائی دلی خواہش یہی ہے کہ اسلامی شریعت نافذ ہوتا کہ انھیں جلد، فوری اور سستا انصاف مل سکے، کیونکہ اسلامی عدالتی نظام کے علاوہ دنیا کا کوئی بھی ایسا نظام نہیں ہے جو کسی بھی سائل کو جلد، فوری اور سستا انصاف کی فراہمی کے ساتھ ساتھ محمود و ایاز کو بھی ایک صف میں لا کھڑا کر سکے۔ اس کے نزدیک امیر المومنین اور عام شہری میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا اور تاریخ میں لاتعداد ایسی مثالیں موجود ہیں جس میں ایک عام شہری کو خلافت ہو یا ملوکیت، فوری انصاف نہ مل رہا ہو۔ لیکن بد قسمتی سےعلما حق کی بات کو عوام نہ سمجھ سکے اور موجودہ اسلامی نظام بھی طبقاتی تفریق کی طرح متاثرہ بنا دیا گیا۔ سوات میں تحریک نفاذ شریعت، پھر تحریک امارات اسلامیہ افغانستان اور اب تحریک طالبان نے شریعت کے لئے جس طریقے کو اپنایا ایسے ڈنڈا بردار شریعت قرار دیکر سیکولر سیاسی جماعتوں نے یکسر مسترد کر دیا اور مذہبی جماعتوں کے درمیان فرقہ وارنہ اور مسالکی تفریق بڑھ گئی جس کے نتیجے میں پاکستان میں فرقہ واریت اور مسالک کی سیاست کو بین

الاقوامی تناظر میں شام ، عراق ، ایران ، سعودی عرب سے موازنہ کیا جانے لگا۔ جس کے بعد ممکن نہیں رہا ہے کہ کوئی صوفی محمد یا مولانا فضل اللہ کی طرح اٹھے ، اور شریعت کے نام پر کسی ریاست کو یرغمال بنا کر اپنی شرائط منوائے۔ لال مسجد کے محاصرے میں ڈنڈا بردار خواتین کے کردار بھی زیر بحث رہا اور یہی ہمارا الیکٹرونک میڈیا تھا جس نے سوات میں ایک مبینہ ویڈیو کلپ کی مکمل تصدیق کئے بغیر آن ایئر کئے جانے کی ضد اس وقت تک جاری رکھی جب تک تمام سیکولر سیاسی جماعتوں نے سوات میں متفقہ طور پر فوجی آپریشن کا مطالبہ نہ کردیا جس کے نتیجے میں پاک فوج ریاست سوات میں داخل ہوئی اور سولہ لاکھ افراد اپنے گھروں سے بیدخل ہوئے۔ پاکستان بھر میں انھیں اپنے اپنے رشتے داروں کے پاس جانا پڑا لیکن پاک فوج نے جلد ہی سوات ملاکنڈ ڈویژن کو کلیئر قرار دے کر انھیں واپس گھروں میں منتقل کردیا ، حالاں کہ سیکولر جماعت عوامی نیشنل پارٹی نے تحریک نفاذ شریعت کے مطالبے کو مانتے ہوئے ملاکنڈ اور سوات سمیت آٹھ اضلاع میں شرعی عدالتی نظام (دار القضا) نافذ کرنے کے معاہدے پر دستخط کردیئے تھے ، لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی جس کے بعد اختیارات کی جنگ میں عوام ہی پسے گئے۔ یہی صورتحال خراب سے خراب تر ہوتے ہوئے جنوبی وزیرستان ، شمالی وزیرستان اور پھر ملک کے کونے کونے میں پہنچتی رہی اور مملکت میں اس سوچ کو طالبان مائنڈ سیٹ قرار دیکر مسترد کردیا گیا۔ لازمی بات تھی کیونکہ پاکستان میں صرف فرقہ وارنہ تفریق ہی نہیں بلکہ مسالک کے

بھی بڑے اختلافات موجود ہیں اور پاکستانی عوام مذہب کے معاملے میں انتہائی حساس واقع ہوئے ہیں ۔اس لئے ڈنڈا بردار شریعت کے نام کو فعل ممنوع قرار دے دیا گیااور پاکستان جس شریعت کے نفاذ کیلئے جھلس رہا ہے ایسے اب ڈنڈا بردار جمہوریت نے مزید ہوا دے دی ہے۔ڈنڈا بردار جمہوریت کے نام پر ایک خاص مسلک سے وابستہ نیم سیاسی جماعت اور ایک خاص مائنڈ سیٹ کی سیاسی جماعت جن کے سربراہ کو ان کے خیالات کے سبب طالبان خان کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ان دونوں نے ڈنڈا بردار جمہوریت کو پاکستان میں متعارف کرا کر ڈنڈا بردار شریعت کے درست ہونے کو جواز فراہم کر دیا ہے۔ڈنڈا بردار جمہوریت اعداد کا گیم ہے ، جس میں اکثریت اقلیت پر حکومت کرتی ہے لیکن پاکستان میں ہمیشہ یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ اقلیت نے ہی اکثریت پر حکومت کی ہے۔ گو کہ جماعت اسلامی نے ماضی کے برعکس بڑا مثبت کردار ادا کرتے ہوئے اس تاثر کو ختم کر دیا کہ جماعت اسلامی فوج کی آمد کا راستہ ہموار کرتی ہے۔جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق نے آمریت کا راستہ روکنے کے لئے بڑا اہم سیاسی بلوغت کا مظاہرہ کیا جس کی ان سے توقع نہیں کی جا رہی تھی۔جماعت اسلامی نے ڈنڈا بردار جمہوریت کے خلاف بہترین سعی کی اور فریقین کے درمیان پل بننے کی کوشش کو جاری رکھا۔ لیکن جب ڈنڈا بردار جمہوریت میں خاص مائنڈ سیٹ ہو تو انھیں اپنی جگہ پر لانے کیلئے بڑی قوت کی ضرورت ہوتی ہے ، کبھی کبھار ایسا

لگتا ہے کہ ماضی میں ایک بار کہا گیا کہ مرگلہ کی پہاڑیوں تک شدت پسند پہنچ چکے ہیں اور اگلے چند گھنٹوں میں ہی اسلام آباد پر قبضہ ہو جائے گا۔ ماضی میں پھیلائے جانی افواہ ڈنڈا بردار جمہوریت کی صورت میں سامنے آئی ہے اور اس سلسلے میں ہمیں یہ قطعی نہیں بھولنا چاہیے کہ اس ڈنڈا بردار جمہوریت کے نتیجے میں پاکستان کی بنیادیں کس قدر کمزور ہو چکی ہیں۔ اب کسی بھی سیاسی یا مذہبی شدت پسند کو اس کے مطالبے پر ہٹانے کیلئے بہت کچھ قربان پڑے گا۔ ڈنڈا بردار جمہوریت نے پاکستان کے نظریاتی اساس و عدم برداشت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا دیا ہے۔ چاہیے اب اس ڈنڈا بردار جمہوریت مارچ کے کوئی بھی نتائج برآمد ہوں لیکن پاکستان میں عدم برداشت کی سیاست نے مضبوطی سے اپنی جڑیں مضبوط کرلیں ہیں۔ کل تک لیڈر آگے اور اور ان کے پیروکار پیچھے ہوا کرتے تھے لیکن اب ڈنڈا بردار جمہوریت کے ثمرات کے نتیجے میں پیروکار آگے اور لیڈران کے پیچھے پیچھے ہوتے ہیں۔ ڈنڈا بردار جمہوریت نے پاکستان کی ساکھ کو بھی بہت نقصان پہنچایا ہے۔ جس طرح کسی زلزلے کے بعد اس علاقے کے بحالی میں کئی عشرے گذر جاتے ہیں اسی طرح اب ڈنڈا بردار جمہوریت مارچ کے بعد پاکستان میں جمہوریت کی بحالی کے بھی طویل وقت درکار ہوگا۔ خاکم بدہن کچھ ایسا نہیں کہنا چاہتا کہ بھارتیوں کا خواب اب پورا ہونے جا رہا ہے کہ پاکستان اپنے قدموں پر کھڑا نہیں رہ سکے گا اور بہت جلد وہ اکھنڈ بھارت کا حصہ بن جائیں گے۔ لیکن جس قسم کی عالمی سازشی پاکستان میں چلائی جا رہی ہے

اس میں اندرونی سے زیادہ بیرونی عناصر زیادہ ملوث نظر آ رہے ہیں۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر

زیر السطور ممالک کی عوام و مملکت کا اسلام سرکاری و اکثریتی مذہب ہے ، جغرافیائی و سیاسی لحاظ سے ان ممالک کو اکثر مسلم دنیا کا نام دیا جاتا ہے۔پاکستان کو برطانیہ سے 14اگست 1947ء کو آزادی ملی۔ انڈونیشیا نے 17اگست 1947ء کو ہالینڈ سے اور عوامی جمہوریہ بنگلہ دیش 1947ء میں پاکستان کے ساتھ مشرقی حصے کے طور پر آزاد ہوا تھا لیکن 16دسمبر 1971ء میں ایک خونی سازشی جنگ کے بعد مغربی پاکستان سے الگ ہو کر نئی ریاست بن گیا۔ عرب جمہوریہ مصر نے برطانیہ سے 28فروری 1922ء کو آزادی حاصل کی اور18جون 1953ء کو جمہوریہ بنا۔ایران کی تاریخ ہزاروں سالوں پر محیط ہے۔ شہنشاہیت کو 11فروری 1979ء کے انقلاب اسلامی نے ختم کردیا۔ ترکی یوریشیائی ملک ہے ،جس کا موجودہ سیاسی نظام 29اکتوبر 1923 میں سقوط سلطنت عثمانیہ کے بعد مصطفیٰ کمال اتاترک کی زیر قیادت تشکیل دیا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد میثاق اوقیانوس کے تحت فرانس نے 02مارچ 1956ء کو اور ہسپانیہ نے 7 اپریل 1956 کو مراکش کو آزادی دی ۔ عراق دنیا کا قدیم ترین ملک ہے۔برطانیہ و اقوام متحدہ سے 3اکتوبر 1932ء کو آزادی ملی لیکن 2003ء میں امریکہ نے اس پر دوبارہ قبضہ کرکے پٹھو حکومت قائم کرالی ۔

افغانستان کی تاریخ پچاس ہزار سال سے زائد پرانی ہے 642 عیسوی تک یہ علاقہ ہنوں ، منگولوں ، ساسانیوں اور ایرانیوں کے پاس رہا پھر مسلمانوں نے فتح کرلیا۔ برطانیہ کے رسوخ سے ۸ اگست 1919 سے اعلان آزادی ہوا اور جدید افغانستان 19 اگست 1919 کو آزاد ہوا۔ گو کہ بعد میں عالمی استعماری قوتوں کیلیئے میدان جنگ بنا ہوا ہے 79 ء میں روس نے قبضہ کرنے کی کوشش کی اور خود ہی ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور آذربائیجان ، جمہوریہ تاجکستان، جمہوریہ کرغیرستان، ترکمانستان ،ازبکستان ،آزادی کے اعلان کے بعد روس سے آزاد ہوئے۔ ملائیشیا کو برطانیہ سے 31 اگست 1957 ء میں آزادی ملی جس کی توسیع 16 ستمبر 1963ء کو کی گئی۔ 20 مئی 1927 کو معاہدہ جدہ کے تحت آل سعود کی جانب سے قبضہ کئے جانے والے علاقوں کو برطانیہ کی حکومت نے تسلیم کرلیا جس کے بعد حجاز و نجد کا نام تبدیل کرکے مملکت سعودی عرب رکھ دیا گیا اور بادشاہت قائم کردی گئی۔ یمن عربوں کی اصل سرزمین ہے۔ جمہوریہ یمن مغربی ایشیا میں واقع مشرق وسطی کا ایک مسلم ملک ہے۔جدید شمالی و جنوبی یمن کا اتحاد 22 مئی 1990ء کو ہوا تھا۔ جدید مملکت شام دنیاکے قدیم ترین ممالک میں سے ایک ہے، انیسویں صدی تک سلطنت عثمانیہ کے تحت رہا۔ موجودہ دور کا شام 1946 ء میں فرانس کے قبضے سے آزاد ہوا تھا۔

سیرالیون و لیبیا کو اطالیہ سے نائجر، برکینا فاسو ، سینیگال ، جمہوریہ

مالی، جمہوریہ گنی، موریتانیا،، اتحاد القمری، جسے یونین آف کمروز، جمہوریہ جبوتی الجزائر، چاڈ کو فرانس سے صومالیہ، سوڈان، گیمبیا، نائیجیریا کو برطانیہ سے آزادی، حاصل کی یہ تمام افریقی ممالک ہیں۔

متحدہ عرب امارات کی ریاستیں، ابو ظہبی، عجمان، دبئ، فجیرہ، راس، الخمیہ، شارجہ اور ام القوین ریاست ہائے ساحل متصالح کہلاتی تھیں۔ 2 دسمبر 1971 ء کو برطانیہ سے آزادی کے بعد قائم ہوئیں۔

اردن کی سرزمین تاریخی اعتبار سے قدیم ترین تہذیبی روایات رکھتی ہے۔ برطانیہ اور اقوام متحدہ سے 25 مئی 1946ء کو آزاد مملکت کا قیام عمل میں آیا۔ پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر سلطنت عثمانی کے زوال کے بعد لیگ آف نیشنز اور اتحادی افواج نے بحیرہ روم کے شمالی ساحل کا نقشہ از سر نو بنانے کا فیصلہ کیا جس کے بعد فرانسیسی شام اور برطانوی فلسطین کا قیام عمل میں آیا۔

لبنان ایک مسلم اکثریتی ملک ہے مگر عیسائی دولت اور اقتدار پر قابض ہیں۔ 1975 کی خانہ جنگی سے پہلے لبنان کو مشرق وسطی کا پیرس اور سوئٹز لینڈ کہا جاتا تھا۔ فرانس اور اقوام متحدہ سے 22 نومبر 1943ء کو آزادی کا اعلان کے بعد قیام عمل میں آیا۔ فلسطین دنیا کے قدیم ترین ممالک میں سے ایک ہے، جس کے بیشتر حصے پر اب اسرائیل کی ریاست قائم کی گئی ہے۔ فل الوقت موجودہ خو

مختاری 1994ء سے ہے لیکن ابھی تک آزاد نہیں ہوا۔ موجودہ کویت کی تاریخ آزادی جون 1961ء کو عمل آئی۔ جمہوری البانیا، کے ستر فیصد لوگ مسلمان ہیں۔ مگر یہ 19 یورپ کا واحد ملک ہے جہاں اشتراکیت قائم ہے اور نام کی جمہوریت ہے۔ سلطنت عثمانیہ جب اناطولیہ سے بلقان تک پھیلی تو البانیا بھی اس کا حصہ تھا۔ فرانس سے 28 اکتوبر ۔ میں آزادی ملی۔ عمان پرتگال سے 1960ء میں آزادی کے بعد مطلق 1960 ملوکیت کے تحت قائم ہوا۔ کوسووہ اقوام متحدہ کے زیر انتظام جنوبی سربیا علاقہ یورپ کے نیم خود مختار علاقوں میں شامل کیا جاتا ہے۔ عملی طور پر علاقہ سربی کی حکومت نہ ہونے کے برابر ہے ا۔ سربیا سے اعلان آزادی 17 فروری 2008ء کو کیا گیا۔ مملکت برونائی دارالسلام بحرین اور قطر کو برطانیہ سے آزادی ملی۔ برونائی 182 ممالک میں 5 ویں نمبر پر امیر ترین ملک ہے۔ ترک جمہوریہ شمالی قبرص کے شمالی علاقوں میں واقع ایک ریاست ہے جسے صرف ترکی تسلیم کرتا ہے اقوام متحدہ پورے جزیرہ قبرص پر جمہوریہ قبرص کا اختیار تسلیم کرتا ہے۔ 15 نومبر 1983ء سے قبرص سے آزادی ملی۔ جمہوریہ مالدیب، جزائر پر مشتمل اکثریتی مسلم آبادی رکھنے ولاا ملک کو مالدیب سے آزادی حاصل کی۔ اسلامی ممالک و ریاستیں کے ہوتے ہوئے مسلم امہ کی حالت زار قابل رحم ہے، مالی طور پر انتہائی کمزور ہیں اور سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ سلطنت عثمانیہ کے خاتمے، جنگ عظیم و دوئم کے بعد ان تمام ممالک کو برطانیہ، فرانس

اطالیہ ، روس نے آزادی دی جس کے بعد یہ مما لک کا مسلم اکثریتی ملک ہونے سبب کے مسلم دنیا کہلائے۔ معاشی طور پر عرب مما لک ، ریاستیں تیل کی دولت کی وجہ سے مالا مال ہیں لیکن زیادہ تر مسلم آبادی والے خاص کر افریقی مما لک انتہائی کسمپرسی کا شکار ہیں۔ لبنان، عراق ، شام ،ایران ، مصر، ترکی اور افغانستان جیسے مما لک ہیں جن کی قدیم تہذیبوں ہزاروں سال پر محیط ہے اور ان میں جنگجوانہ صلاحیتیں بھی ہیں ، لیکن عرب مما لک کی ریاستیں دولت سے مالا مال ہیں ان کی بے حسی کے سبب کمزور ترین ہیں اور ہنود ، یہود و نصاری کے ظلم کا نشانہ بن رہے ہیں ۔

پاکستان واحد ملک ہے جس کے پاس تمام معدنی و قدرتی دولت کے ساتھ ، ایٹمی طاقت اور تمام مسلم مما لک کا لیڈر بننے کی صلاحیت اور قوت موجود ہے ، کیونکہ ریاست مدینہ کے پاکستان واحد ملک ہے جو اسلام کے نظریے پر قائم ہوا ہے اور یہی ڈر ہنود ، یہود و نصاری کو ہے اگر پاکستان اپنے پیروں پر کھڑا ہوگیا تو وہ ان مسلم مما لک کے مسائل بھی حل کرا سکتا ہے جنھیں پاکستانی کی عوام جانتی بھی نہیں۔یہی وجہ ہے کہ پاکستان کو زر خرید سیاست دانوں کی وجہ سے پاکستان کو کمزور تر کیا جا رہا ہے۔ تمام مسلم امہ کیلئے لمحہ فکریہ ہے حجاز مقدس نکلنے والا انقلاب کہاں تک پہنچا اور اب ان پر اسلام کے نام پر حد درجے ظلم ہو رہا ہے معاشی طور پر کمزور ہیں دفاعی طاقت نہیں ، کیونکہ ہم

امت واحدہ نہیں ورنہ آج ہم دنیا کے حکمران ہوتے ہیں۔ مظلوم مسلمانوں کے ساتھ ساتھ دنیا بھر میں بے گناہ عوام پر ہونے والے ظلم کو روکتے ، لیکن سازش کے تحت ہنود ، یہود و نصاری نے ان ہی ممالک کو کمزور کیا جو اسلام دشمنوں کو ان کی اوقات یاد دلا سکتے تھے۔ خاص طور پر 80 فیصد ممالک نے تو ابھی چند دہائی قبل آزادی کی نعمت حاصل کی لیکن ترقی یافتہ قوت بننے کے بجائے خانہ جنگی ، معاشی بد حالی اور دیگر فروعی مسائل میں الجھ کر یہود ، ہندو و نصاری کے آلہ کار بن گئے ۔

جب تک ان کی قیادت کرنے والا کوئی اسلام دوست ملک نہیں اٹھے گا۔ مسلم امہ اسی طرح ذلیل ہوتی رہے گی۔ ہمیں تھوڑا غور و فکر سے کام لینا چاہیے ۔مدنی ریاست خلافت راشدہ، بنوامیہ ، عباسی دور ، فاطمی دور ، سلطنت عثمانیہ مسلم خلافتیں تھیں اس، لئے پوری دنیا میں ان کا سکہ چلتا تھا جب سلطنت عثمانیہ کا شیرازہ بکھیر دیا گیا تو اب جدید مسلم ممالک کو مشترکہ لائحہ عمل بنانا ہوگا۔فرقوں ، مسالک اور فروعی اختلافات کو ختم کرنا ہوگا اور نہ ان ممالک کو اسلامی کہنا ختم کردیں جہاں اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کا نظام نافذ نہیں ۔ ایسے ممالک ہنود ، یہود و نصاری آزاد کردہ ممالک اور موجد اور ان کے دست نگر ہیں کیونکہ اللہ کے بجائے انھیں دوست سمجھتے ہیں جبکہ اللہ تعالی کا قانون ہے کہ یہود و نصاری کبھی دوست اس وقت تک نہیں بن سکتے جب تک

تم بھی ان جیسے نہ ہو جاؤ۔ ۵۷ مسلم ممالک او آئی سی کے بجائے نیٹو کی طرز پر مسلم نیٹو افواج بنا لیں ۔ پھر دیکھتے ہیں کہ صلیبی انتقام کون لینے کی جرات کرے گا۔ ان تمام ممالک کی عوام بزدل کمزور نہیں ہے کہ جبر کے خلاف آواز بلند نہ کر سکیں اور ظلم کے لئے اٹھنے والے ہاتھ روک نہ سکیں، لیکن بد قسمتی سے ان ممالک کے حکمران ہنود، یہود و نصاری کے غلام ہیں اور ان کے مفادات کے لئے کام کرتے ہیں ۔ اور جو مسلم ملک کے حکمران ہنود، یہود و نصاری کے ایجنڈے کے تحت نہیں چلتا انھیں فرقہ واریت، لسانیت، قوم پرستی جیسے ناسوروں میں الجھا کر آپس میں سازش کے تحت لڑا دیا جاتا ہے۔ اسلام کے نام کا لبادہ اوڑھ کر نت نئے خود ساختہ خلفیہ اصلاح کے نام پر فساد پیدا کرنے کیلئے آجاتے ہیں اور جو نام نہاد جمہوری ممالک ہیں وہاں کے کرپٹ زر خرید، ہنود، یہود و نصاری کے غلام انقلاب کے نام پر قوم، ملک سلطنت میں تباہی مچا دیتے ہیں۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

سینے پہ مرے نقشِ قدم کس کا ہے

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ اپنی دور خلافت میں ایک دفعہ حمص تشریف لے گئے اور حمص جانے کے بعد وہاں کے مفلسوں کی فہرست مرتب کرنے کا حکم دیا جب مفلسوں کی فہرست مرتب کی گئی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کی نظر حضرت سعید ابن عامر رضی اللہ تعالی عنہ کے نام پر پڑی تو انہوں نے فرمایا یہ سعید ابن عامر کون ہیں ؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ حمص کے موجودہ گورنر ہیں، یہ سنتے ہی شدت جذبات سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اسی طرح دل جھنجھوڑ دینے والا ایک واقعہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ کا ہے جو مدائن کے گورنر تھے لیکن ان کا ذریعہ معاش خود اپنے ہاتھوں سے چٹائیاں بنا کر بازاروں میں فرخت کرنا تھا، ان کے پاس اپنا مکان تک نہ تھا، دیواروں کے سائے میں زندگی بسر کیا کرتے تھے، جب ان کی رعایا نے مکان بنوانے کیلئے شدت سے اصرار کیا تو رہائش کیلئے ایسا تنگ اور پست مکان بنوایا جس میں داخل ہونے کے بعد کھڑے ہوتے تو سر چھت سے ٹکرا جاتا اور جب سوتے تو پاؤں کی انگلیاں دیوار سے لگ جاتی۔

ہم اپنے موجودہ مسلم حکمرانوں کی بات کریں تو ان کیلئے کچھ کہنے سے پہلے ہی

سب جانتے ہیں کہ حالیہ یا سابقا حکمرانوں اور سیاست دانوں کی طرز زندگی کیسی ہے، چھ سو سال قدیم بادشاہت کے وارث برونائی کے امیر سلطان حسن ال بلقیہ مراکش کے شاہ محمد ششم 20ارب ڈالر کے ساتھ دنیاکے تیسرے امیر ترین شخص ہیں، سعودی عرب کے فرماں روا عبداللہ بن عبدالعزیز 18ارب والے کے ساتھ دنیاکے چوتھے امیر ترین شخص ہیں۔

مشرق وسطی کے امیر ترین شخصیت متحدہ عرب امارات کے صدر اور ابو ظہبی کے حکمران شیخ خلیفہ بن زاہدآل نہیان، دبئ کے حکمران شیخ محمد بن راشد المکتوم انتہائی امیر شخصیت ہیں جن کے اثاثوں کی مالیت بھی اربوں ڈالر ہے۔ تیونس کے زین العابدین بن علی سے لیکر2011تک تیونس میں سیاہ و سفید کے مالک رہے اور پھر 14 جنوری1987 ء کو بھاگ کر سعودی عرب چلے گئے۔ایک اندازے کے مطابق بن علی کا خاندان2011 تیرہ ارب ڈالر کا مالک تھا۔مصر کے سابق صدر حسنی مبارک کی دولت 70ارب ڈالر تھی۔

جبکہ دنیاکے 20 امیر ترین شخصیات کی فہرست میں سب سے زیادہ تعدادامیر ترین افراد میں مسلم ممالک کے حکمرانوں کی ہے، جس میں مراکش، قطر، دبئ، متحدہ عرب امارت، اومان اور شامی صدر بشار الاسد کا نام بھی شامل ہے۔پاکستان بھی ایک " امیر ترین" ملک ہے کیونکہ صرف38 سالوں

میں 6 لاکھ 69 ہزار 819 بااثر افراد کے 256 ارب روپے کے مالیت کے قرضے معاف کئے گئے۔

پاکستانی ایک سابق وزیر اعظم کے صرف ایک انتہائی قیمتی ہیروں کے ہار کی مالیت 23 لاکھ 23 ہزار ڈالر کے لگ بھگ تھی، سوئس حکام نے جسے اپنے قبضے میں لیا جبکہ سوئس بنک نے دیگر اربوں روپوں کی مالیت کے اثاثے اپنی تحویل میں رکھے ہوئے ہیں، جیسے سابق حکومت نے این آر او کے تحت سوئس بنک سے کیس واپس لیکر پاکستانی حکومت کا مقدمہ ختم کرادیا، دو وزیر اعظم سوئس کیس نہ کھلوانے پر وزرات عظمی سے گئے۔
لندن میں سرے محل کی مالیت چار ملین ڈالر سے زیادہ ہے۔بلیک منی کے حوالے سے ارب ڈالر سوئس بنکوں میں پاکستانیوں کے کالا دھن والوں ے چھپا کر رکھے 200 ہوئے ہیں اسے بھی ابھی تک حکومت کی جانب سے واپسی کے کوئی اقدامات نہیں کئے گئے۔

میاں نواز شریف کا خاندان صرف 1980 سے 1990 کے درمیان ایک مل اتفاق فاونڈری سے تیس اداروں کا مالک بن چکا تھا اور ان کی مجموعی آمدنی 400 ملین ڈالر سالانہ پہنچ چکی تھی۔ رائے ونڈ محل کی مالیت کئی ارب روپے ہے۔ بنی گالہ میں عمران خان کی رہائش گاہ کی مالیت بھی اس سے کم نہیں۔

بلاول ہاوس کراچی و لاہور کی مالیت بھی کروڑوں روپے ہے۔ اسلام آباد سمیت پورے پاکستان میں نام نہاد عوامی نمائندوں کیلئے کھربوں روپے مالیت کی عمارات بنائی گئیں ہیں اور ان پر سالانہ خرچ کروڑوں روپے ہے۔ اسٹیٹ گیسٹ ہاؤسز سمیت عوامی نمائندوں کو تنخواہوں اور مراعات کی مد میں اربوں روپے جاری کئے جاتے ہیں جبکہ غیر قانونی طریقے سے حاصل کی جانے والی کا تو حساب کتاب ہی نہیں ایک محتاط اندازے کے مطابق 1988ء سے 2014ء تک پاکستان کا قومی خزانہ کرپشن میں وجہ سے ساڑھے تا سو ارب ڈالر سے محروم ہوگیا ہے۔اسٹیٹ بنک آف پاکستان کے اعداد و شمار کے مطابق ملکی سرکاری قرضے اور واجبات جون 2013 کے آخر تک 16228 ارب روپے تھے جو ستمبر 2013 سے بڑھ کر 17356 ارب روپے تک جا پہنچے، ستمبر 2013 تک ہر پاکستانی 96422 روپے کا مقروض تھا اور اب ایک سال گذر جانے کے بعد اندازہ خود لرلیں کہ ہر پاکستان "لکھ پتی مقروض" ہوچکا ہے۔

پاکستان کے منتخب نہ ہونے والے سیاست دانوں کی دولت کا اندازہ بھی ان کی شاہانہ طرز زندگی دیکھ کر کیا جا سکتا ہے کہ ان کے طرز معاشرت اسلامی جمہوریہ پاکستان کی کتنی نمائندگی کرتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر حیران کن بات یہ ہے کہ پاکستان میں ایسی جماعتیں بھی ہیں جو خود غریب و متوسط طبقے کا نمائندہ قرار دیتی ہیں لیکن ان کے نمائندوں کی دولت کا جب حساب کتاب سامنے آیا کہ کل تک آلو چھولے بیچنے والا آج کھربوں کی بلڈنگوں کا مالک ہے

انقلاب" لانے والوں کا طرز زندگی دیکھیں تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ ان کی" زندگیوں میں تو" انقلاب" آچکا ہے لیکن اب آنے والے سات نسلوں کی بہتری کیلئے مزید اچھا انقلاب لانا چاہتے ہیں۔

پاکستان سمیت مسلم امہ اور پوری دنیا کے غریب انسانوں کی معاشی زندگیوں میں تبدیلی کیونکر واقع ہوگی، اس کا جواب کم از کم اسلام نے سہل انداز میں دے دیا ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام قائم ہو جائے تو محمود و ایاز سب ایک صف میں آجائیں گے۔ بلا شبہ موجودہ عالمی مالیاتی نظام یہود و نصاری کی مشترکہ سازشوں کے تحت مرتب کیا گیا ہے جس میں ایک امیر، امیر تر اور ایک غریب غریب تر ہوتا چلا جائے گا۔

سیاست منافع بخش کاروبار بن جائے گا۔ جمہوریت کے نام پر اقتدار نسل در نسل منتقل ہوتی رہیں گی، پاکستان سمیت دنیا کے بیشتر ممالک میں پارلیمانی نظام قائم ہے، کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ بادشاہت تو اب بھی ختم نہیں ہوئی، کیونکہ بادشاہ کا ایک وزیر اعظم تو ہوتا ہی ہے اور پاکستان سمیت پارلیمانی جمہوریت کے نام پر بیشتر مسلم حکمران وزیر اعظم ہیں جہاں وزرات عظمی نہیں وہاں بادشاہت ہے، جہاں وزیر اعظم ہے، لیکن عوام کو بادشاہ، نظر نہیں آتا، کبھی آئی ایم ایف کے احکامات لاگو کرائے جاتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے وہی بادشاہ ہے، کبھی ورلڈ بنک تو کبھی حقیقی معنوں میں امریکہ، بادشاہ

معظم ہے ۔ اس لئے وزیر اعظم کے ساتھ اس کی کابینہ بھی وزراء کہلائی جاتی ہے تو پھر فرق کہاں ہے اور پھر جب تک برطانیہ اور امریکہ سے خلعت مملکت نہ لے لی جائے ، وزیر اعظم بھی نہیں بنا جا سکتا ، اس لئے بادشاہت تو ختم ہی نہیں ہوئی بس اس کا نام تبدیل ہوگیا ہے ، اشرافیہ کے تمام مراعات یافتہ خاندانوں کا اس میں کیا قصور ؟۔ شریف خاندان کو سعودی عرب بادشاہت کی تربیت کیلئے شاہی مہمان بنا کر نہ بھیجا ہوتا ، اب جبکہ وہ شاہی تربیت حاصل کر چکے ہیں اور ان کے فیصلے حزب مخالف کو پسند نہیں ہیں تو وہ خود بھی شریف زادے نہیں اور نہ ہی انکا طرز زندگی و معاشرت عام انسان کیلئے ماڈل ہے بلکہ وہ بھی ان ہی کی طرح کسی سے خلعت وزیر اعظم کا اشارہ حاصل کرنے کیلئے اربوں روپے جلسے جلسوں ، ریلیوں ، دھرنوں اور مظاہروں میں اڑا رہے ہیں ۔ جب ملک میں کوئی نظام ہی نہیں بدلا بلکہ پوری دنیا میں بادشاہت چل رہی ہے تو قومی خزانہ بھی تو بادشاہ معظم کا ہوتا ہے۔جب قومی ، جیسے شاہی خزانہ کہا جائے تو بہتر ہوگا اس لئے عوام کو خود فیصلہ کر لینا چاہیے کہ ان کے پاس سانسوں سمیت جتنا بھی سرمایہ ، اثاثہ اور رقم ہے ، تو یہ دولت کس کی ہے ؟ کم از کم اس شاہی خزانہ سے اخراجات پر غریب عوام کا تو کوئی حق نہیں ۔

بے حس معاشرے کی عورت

پاکستان میں گزشتہ دنوں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک بیوی نے اپنے آشنا سے ملکر اپنے شوہر کو خود کش حملہ آور بنا ڈالا۔ مسقط سے آنے والے اس شخص سے جان چھڑانے کیلئے اس کی بیوی نے اپنی تئیں فول پروف منصوبہ بنایا تھا، لیکن ایسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔اسکا بچارا شوہر تین سال دیار غیر میں اپنی بیوی و گھر والوں کے سنہرے مستقبل کیلئے دن رات محنت و مشقت میں مصروف تھالیکن ایسے نا پسند کرنے والی بیوی نے ، قانونی راستے سے علیحدگی کے بجائے انتہائی افسوس ناک رویہ اختیار کرکے پوری دنیامیں پاکستانی معاشرے کو جگ ہنسائی کا سبب بنادیا اور باوفا عورت کے مشرقی تصور کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔

زمبابوے سے تعلق رکھنے والی ایک شخص نے اپنی سابقہ محبوبہ کے 62 سالہ محبوب کا دل نکالنے کے بعد کاٹنے اور چھری سے کھالیا۔جنوبی افریقہ میں پیش آنے والے اس واقعے میں اس شخص کو کیپ ٹاؤن سے گرفتار کیا گیا۔خبر کے مطابق حاسد عاشق نے اپنے انتقام کی آگ میں اپنے رقیب کو مارنے کے باوجود اس کا دل نکال کر چبا ڈالا۔اسی طرح کی ایک خبر اور بھی نظروں سے گزری کہ سوئس خاتون معذور

شوہر کو سیر و تفریح کے بہانے بھارت چھوڑ آئی جہاں ناکافی سہولیات کی بناء پر شوہر کی موت ہو گئی ۔ عدالت نے خاتون کو بیگم گردی دکھانے پر چار سال کی قید کی سزا سنائی ہے۔

کہاوت ہے کہ ایک شخص پادری کے پاس گیا اور اعتراف گناہ والے ڈبے کے پاس بیٹھ کر بولا ، پادری صاحب میری بیوی مجھے زہر دینا چاہتی ہے بتائیں کیا کروں ۔ وہ بولے میں آپ کی بیوی سے بات کرتا ہوں کل آنا۔ اگلے دن وہ گئے اور بولے کیا حکم ہے پادری صاحب ؟۔ پادری صاحب نے فرمایا کہ کل میں نے دو گھنٹے آپ کی بیوی سے بات کی ہے ، بہتر ہے کہ آپ زہر ہی کھالیں ۔

بچپن میں ایک قوالی سنا کرتے تھے ، جس میں ماں اور بیٹے کے ساتھ اس کی محبوبہ کا تذکرہ تھا کہ محبوبہ نے اپنے عاشق کو کہا کہ اگر تم مجھ سے دنیا میں سب سے زیادہ پیار کرتے ہو تو جاؤ اپنا ماں کا دل نکال کر لے آؤ ۔ وہ یہ سن کر اپنی ماں کے پاس آتا ہے ، اُسے قتل کرتا ہے اور اس کا دل چیر کر اپنی محبوبہ کے پاس لے جاتا ہے کہ راستے میں ٹھوکر لگنے سے وہ گر جاتا ہے ، ماں کا دل اس کے گرنے پر تڑپ اٹھتا ہے کہ بیٹا تمھیں چوٹ تو نہیں آئی ، بیٹا اسے سنی ان سنی کرکے اپنی محبوبہ کے پاس لے جاتا ہے ، محبوبہ یہ دیکھ کر بولتی ہے کہ جو اپنی ماں کا نہ ہوا، وہ میرا کیا ہوگا۔

اس حاسد قاتل عاشق کا قصہ بھی کچھ ایسا ہی ہے لیکن سوئس شہری خاتون کی ہمت کی بھی داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے اپنے شوہر کو موت کے منہ میں جانے کیلئے ایسے ملک بھارت کا انتخاب کیا جیسے پورے دنیا میں عصمتیں لوٹنے والا دنیا کا دارالحکومت کہا جاتا ہے۔لیکن اس مسئلے پر بھارت کے بجائے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں عصمت دری کے بڑھتے واقعات پر بھی سخت تشویش ہے۔

غیر سرکاری تنظیموں کے مطابق رواں سال کے پہلے تین مہینوں میں خواتین کے خلاف تشدد بشمول جنسی زیادتی کے واقعات میں نمایاں اضافہ پایا گیا ہے۔ عورت فاؤنڈیشن کے مطابق ملک کے سب سے بڑے صوبے میں رواں سال یک جنوری سے 31 مارچ تک خواتین پر تشدد کے 1400 واقعات رپورٹ ہوئے جن میں قتل، اغوا، خودکشی اور جنسی زیادتی کے واقعات شامل ہیں۔

خواتین کیخلاف تشدد وزیادتی کے سب سے زیادہ کیسز ضلع فیصل آباد میں ہوئے جن کی تعداد 282 رہی۔ جبکہ خواتین کے اغوا کے کیس تین ماہ کے دوران 378 رپورٹ ہوئے۔ جنسی زیادتی کے 265، قتل کے 207، خودکسی کے 110 غیرت کے نام پر قتل کے 67 کیسز جبکہ خواتین کو ونی کرنے کے سات اور تیزاب سے ان پر حملہ کرنے کے واقعات پہلے تین ماہ میں رپورٹ ہوئے۔ جبکہ چھ کیسز میں خواتین کو اپنے 16

رشتے داروں نے ہی جنسی تشدد کا نشانہ بنایا۔

جب خواتین پر تشدد کے واقعات کے حوالے سے رپورٹس دیکھتے ہیں تو مرد" ظالم سماج کے طور پر سامنے آتا ہے، جو اپنی جسمانی برتری کی وجہ سے خواتین پر جبر کا مرتکب" ٹھہرتا ہے، لیکن کچھ حلقے ایسے بھی ہیں جو خواتین کی جانب سے مرد حضرات کی زندگیاں" اجیرن" کرنے کی مرتکب قرار پاتی ہیں، خاص طور پر جن حضرات نے دو شادیاں کیں ہوتیں ہیں ان کے بارے میں مشہور مقولہ ہے کہ" کامیاب شخص کے پیچھے عورت کا ہاتھ ہوتا ہے اور بربادی کے پیچھے دو عورتوں کا ہاتھ ہوتا ہے"۔ سندھ اسمبلی میں اٹھارہویں ترمیم کے بعد جب خواتین کیخلاف گھریلو تشدد کے حوالے سے بل منظور کیا جارہا تھا تو مردوں کے حقوق کیلئے بھی کسی کونے سے آواز بلند ہوئی تھی کہ" مرد بھی مظلوم ہوتے ہیں ان کیلئے بھی قانون سازی ہونی چاہیے"۔

پاکستان میں آبادی سے متعلق قومی ادارے انسٹیٹوٹ آف پاپولیشن سٹیڈیز کے ایک سرکاری سروے کے مطابق پاکستانی 43 فیصد خواتین اور ایک تہائی مرد کا یہ سمجھتے ہیں کہ شوہر اپنی بیوی کی پٹائی کر سکتے ہیں۔

برطانیہ جیسے تعلیم یافتہ ملک میں 30 فیصد خواتین کو 16 سال کی عمر سے گھریلو تشدد کا سامنا ہے، قومی اعداد و شمار کے دفتر سے جاری ایک رپورٹ کے مطابق

اس بات کا انکشاف ہوا کہ برطانیہ 49 لاکھ خواتین اور 27 لاکھ مردوں کی مملکت ہے۔ گزشتہ سال 7.1 فیصد خواتین اور 44 فیصد مردوں کو گھریلو تشدد کا سامنا رہا۔ ایک سروے کے مطابق گذشتہ بارہ ماہ کے دوران برطانیہ میں گھریلو تشدد میں تیں فیصد اضافہ ہوا ہے۔ گھریلو تشدد میں 44 فیصد مردوں کے حوالے سے رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغرب میں عورتیں، مردوں پر کافی بھاری ہیں۔

سعودی عرب میں نیشنل سوسائٹی فار ہیومن رائٹس ان دنوں چار سعودی خواتین پر مقدمہ چلانے پر غور کر رہی ہے جنھوں نے مبینہ طور پر اپنے شوہروں کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ وزارت سماجی بہبود کے انڈر سیکرٹری عبداللہ الیوسف کے مطابق تشدد کرنے والا شوہر ہو یا بیوی، ایک سال تک کی قید اور پچاس ہزار ریال تک کا جرمانہ ہوتا ہے۔ گو کہ مشرقی ماحول میں مرد حضرات کا پلڑا کچھ بھاری ہے لیکن تحقیق کی جائے تو اس کے پیچھے عورت ہی نظر آئے گی، چونکہ معاملہ " مردانگی" کا ہوتا ہے اس لئے مردوں کی جانب سے ایسے واقعات رپورٹ کرانا، اپنی جگ ہنسائی کرانا برابر ہے، اس لئے ایسے دوسرے زاویئے سے دیکھا جائے تو بیشتر واقعات میں خواتین پر تشدد کے محرکات میں کسی خاتون کا ہی ہاتھ نظر آتا ہے۔

تشدد کی کئی اقسام ہیں، اگر تشدد میں دماغی تشدد شامل کر لیا جائے تو جو

تعداد 90 فیصد خواتین کے بتائی جاتی ہے وہ تعداد گھٹ جائے گی اور مردوں کی تعداد بڑھ جانے کا خدشہ یقینی ہو جائے گا۔ ساس، بیوی کی لڑائی میں قربانی کا بکرا مرد کو ہی بننا پڑتا ہے تو دوسری جانب اگر کوئی لڑکی " حقوق نسواں "کے نام پر گھر سے بھاگ کر شادی کر لے تو معاشرے کے طعنے اور رشتے داروں کے طنز پر بھی مردوں کو ہی عذاب جھیلنا پڑتا ہے، دوسری شادی کا معاملہ ہو یا ایک نیام میں دو تلوار رکھنے والے کی دماغی صلاحیت کو مفلوج کرنے میں بھی خواتین کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ اہمیت اس بات کی ہے کہ ہم نے اپنے گھر میں تربیت کن خطوط پر کی ہے، جسمانی تشدد ہو یا دماغی تشدد، یا بے راہ روی کی وجہ سے معصوم لڑکیوں کی زندگی اجیرن و برباد کرنے کے معاملات ہوں ان سب میں قدر مشترک ایک یہی ہے کہ ہم نے اپنے گھر سے معاشرے کیلئے کیا بنیاد فراہم کی ہے اگر ہماری بنیاد مضبوط اور اسلام و اخلاقی اقدار کے دیئے گئے اصولوں اور باشعور معاشرتی دائرے کے مطابق ہونگی تو یقینی طور پر پورے معاشرے پر اس کے مثبت نتائج مرتب ہونگے بصورت دیگر مغرب زدہ ماحول کے نام پر مرد و عورت کے یکساں حقوق میں کسی فریق کی بالادستی کیلئے توازن کو بگاڑ دینا منفی نتائج دیگا۔ ضروری ہے کہ ہم اپنے گھر سے اپنی اولادوں کے ساتھ اپنی بھی اخلاقی تربیت کا بھی اہتمام کریں تاکہ ہر دو قسم کے واقعات کا ازالہ ہو سکے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرد اس سماج میں عورت پر ظلم کے مرتکب نہیں ہوتے ہونگے۔ لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ آج کے جدید معاشرے میں صرف عورتیں ہی ظلم کا

شکار ہیں۔بے حس معاشرہ جب ہو جائے تو کوئی بھی ظالم بن سکتا ہے۔

اسلام آباد بحران میں الیکٹرونک میڈیا کا کردار

ذرائع ابلاغ عامہ میں الیکٹرونک میڈیا کی افادیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، خاص طور پر پاکستانی الیکٹرونک میڈیا کے کردار کا جائزہ لیا جائے تو عوام میں یہ رائے عامہ عمومی پائی جاتی ہے کہ پاکستانی الیکٹرونک میڈیا رائی کو پہاڑ بنانے میں کمال مہارت رکھتا ہے۔ پاکستانی چینلوں پر تنقید فعل ممنوع نہیں ہے ہم جانتے ہیں کہ پاکستان کی سیاسی جماعتیں کس طرح اپنے مقاصد کیلئے اس اہم ذریعہ کو استعمال کرتی اور کر رہی ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ دنیا کی طاقت ور لابیاں بھی اپنے مقاصد کیلئے ذرائع ابلاغ کے تمام موثر ذرائع کو باقاعدہ مربوط منصوبہ بندی کے تحت استعمال کرتی ہیں اور اپنے اہداف کو کامیابی سے حاصل کرلیتی ہیں۔ یہودیوں کی مقبول کتاب "پروکوٹولز" کے بارہویں باب کے اقتباس ہے کہ "ہماری منظوری کے بغیر کوئی ادنی سے ادنی خبر بھی کسی سماج تک نہیں پہنچ سکتی، اس بات کو یقینی بنانے کیلئے ہم یہودیوں کیلئے ضروری ہے کہ ہم خبر رساں ایجنسیاں قائم کریں جن کا بنیادی کام ساری دنیا کے گوشے گوشے سے خبریں جمع کرنا ہو، اس صورت میں ہم اس بات کی ضمانت حاصل کر سکتے ہیں کہ ہماری مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی خبر شائع نہ ہو۔" یہ کتاب دنیا بھر کے منتخب کی گئی یہودی داناؤں کی پوری ایک جماعت نے مل کر تحریر کی ہے۔ "پروکوٹولز" نامی اس کتاب میں صرف

پوری دنیا کے میڈیا پر کنٹرول ہی نہیں بلکہ وسیع تر اسرائیل کا جو پلان بتایا گیا ہے وہ ظاہر کرتا ہے کہ یہودی کس طرح پوری دنیا میں قابض ہونے کی منصوبہ بندی کے ساتھ چند پروٹوکولز بھی لکھے ہیں کہ وہ دنیا میں قبضے کے بعد کس طرح حکومت کریں گے۔پروٹوکولز کا نام پانے والی دستاویزات کی کل تعداد چالیس سے زیادہ بتائی جاتی ہے

-

ہم دور حاضرہ میں دیکھ چکے ہیں کہ ذرائع ابلاغ کو اپنے مفادات کیلئے جس چالاکی کی ساتھ مغربی استعماری قوتوں نے مسلم ممالک کے خلاف استعمال کیا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔امریکہ نے عراق اور افغانستان کے خلاف کمال چالاکی سے جھوٹا پروپیگنڈا کرکے میڈیا کا موثر استعمال کیا اور ان ممالک میں جارحیت کے لئے جواز پیدا کیا، عراق کے خلاف کیمیاوئی ہتھیاروں کی برآمدگی اور نائن الیون کے بعد صہیونی سازش کے تحت افغانستان کے خلاف میڈیا کا استعمال کرکے لاکھوں انسانوں کی جانوں کو اپنے مفادات کے بھینٹ چڑھا دیا۔

یہ صہیونی میڈیا طاقت ہے جس نے فلسطین ، غزہ میں ہونے والے مظالم کو دنیا میں غیر جانبدارنہ انداز میں دکھانے میں رکاوٹ پیدا کی ، بیرونی استعماری قوتوں کا موثر ہتھیار رہی ہے کہ شام اور عراق میں ہونے والے فرقہ وارنہ خانہ جنگیوں کی حقیقی کہانیوں کو من پسند انداز میں پیش کرکے دیگر مسلم ممالک کے

مسلمانوں میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کا سبب بنے ہوئے ہیں، شام اور عراق میں کیا ہو رہا ہے اور اس میں کس کی خطا زیادہ ہے، ہمیں اس کا درست اندازہ لگانے کیلئے کمال احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ ہم جو کچھ بھی اعداد و شمار حاصل کرتے ہیں وہ سب یہود و نصاری کے زیر اثر میڈیا کی مرہنوں منت ہوتا ہے۔اگر متحارب گروپس کی ویب سائٹ پر جا کر احوال واقعی حاصل کریں تو مبالغہ آرائی اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ سچائی کا اندازہ لگانے کیلئے آپ کو غیر جانبداری سے تھوڑا نیچا اترنا پڑتا ہے۔اگر ایک فرقہ خود مظلوم ثابت کرنے کیلئے دوسرے فرقے کو ظالم قرار دیتا ہے تو یہی صورتحال دوسرے فرقے پر بھی صادق آتی ہے،اس لئے کسی بھی بین الاقوامی معاملے پر حقیقت مندانہ تجزیہ کرنے کیلئے تمام فریقین کو نزدیک سے دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔کچھ یہی صورتحال جہاں اسلامی ممالک کے ساتھ یہود و نصاری نے روا رکھی تو بد قسمتی سے پاکستان میں بھی کچھ ایسی صورتحال سیاست دانوں کی جانب سے اپنے مخالفین کیلئے دیکھنے میں آئی کہ جہاں انھوں نے جس نیوز چینل یا میڈیا گروپ پر اجارہ داری قائم کرلی، وہاں اس کا طوطی بولے جانے لگا۔

آزاد صحافت کا تصور پاکستان میں بڑی شد ومد سے لیا جاتا ہے لیکن عملی طور پر اس کا مظاہرہ بہت کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے، کبھی کبھار ایسا لگتا ہے کہ پاکستانی میڈیا کی تمام بھاگ ، دوڑ کسی خاص جگہ سے کنٹرول کی جا رہی ہے

پاکستانی میڈیا وہی بولتا ہے، جو اس کی زبان پر رکھا جاتا ہے۔ خاص طور پر الیکٹرونک میڈیا کا کردار اتنا متنازعہ ہے کہ اسے قطعی طور پر غیر جانب دار نہیں قرار دیا جاسکتا۔ مخصوص مائنڈ سیٹ کیلئے ضروری نہیں ہے کہ وہ کتنا اخلاقی اقدار کے قریب ہے، بلکہ دیکھا یہی گیا ہے کہ شدت پسندی کے ہر رنگ روپ نے فسطائیت اختیار کرکے اپنے افکار و نظریات کو جبری طور پر متعارف کرانے کیلئے میڈیا کو کنٹرول کرنے کی پالیسی اپنائی ہے اور اسی پالیسی کی وجہ سے ہی پوری دنیا میں پاکستان کو صحافتی کوریج کے اعتبار سے خطرناک ترین ملک قرار دیا جاتا ہے۔

عدم تحفظ اور مفادات فروعی کے اسباب تلے پاکستانی میڈیا، مکمل کنٹرول پالیسی کے تحت چلتا ہے۔اس کا اہم نقطہ عمران خان اور طاہر القادری کے مارچ و دھرنے ہیں، جنھیں پاکستانی میڈیا نے شمال مغربی علاقوں میں شدت پسندوں کے ساتھ پاک افواج کی جنگ پر فوقیت دی، غزہ میں یہود و نصاریٰ کی جانب سے بربریت کی تاریخ رقم کئے جانے کی مسلسل روش کو نظر انداز کرنے کی پالیسی اپنائی گئی۔ مشرقی سرحدوں پر اور شمال مغربی سرحدوں پر نادان دوست اور دشمن ملک کی مسلسل جارحیت پر خاموشی اختیار کرلی گئی، معاشی طور پر پاکستان کی دگرگوں حالات پر ایسے بیانات کو فوقیت دی گئی جس میں تارکین وطن کی جانب سے ترسیلات زر کی فراہمی کیلئے غیر قانونی راستے اختیار کرنے کی ترغیب کے ساتھ

غربت سے بد حال عوام کو سول نافرمانی کی تحریک کے ساتھ ساتھ ریاستی اداروں کے درمیان تنازعات کیلئے تھرڈ ایمپائر کی اصطلاح استعمال کرکے ان دھرنوں کے خلاف دیگر جماعتوں کے کارکنان میں فرسٹریشن میں اس قدر اضافہ کیا گیا کہ وہ بھی جواباً احتجاجی مظاہروں پر سڑکوں پر آنے پر مجبور ہوگئے تاکہ تصادم کی راہ مخفی قوتوں کیلئے ہموار کی جاسکے۔

الیکٹرونک میڈیا اس مرحلے پر وہی روش ان دونوں جماعتوں کے ساتھ اختیار کرسکتا تھا جو دیگر سیاسی یا مذہبی جماعتوں کے جلسے جلوس اور پریس کانفرنسوں کے ساتھ کیا جاتا ہے لیکن الیکٹرونک میڈیا، اس مہم جوئی میں خود ایک فریق بنتا نظر آتا ہے کہ ان کے، بعض اینکرز پرسن کھلم کھلا جمہوریت یا حکومت کے خلاف گل افشانی کرتے نظر آتے ہیں۔پاکستانی الیکٹرونک میڈیا کا کردار ذاتی طور پر مدبرانہ اور سنجیدہ تصور نہیں کرتا، کیونکہ الیکٹرونک میڈیا اس قدر موثر ذریعہ ہے کہ پرنٹ میڈیا کا اصل حقیقت سے پردہ اٹھانے تک عوام بے خبر رہتی ہے اور وہ اس ہی رو میں بہہ جاتی ہے جس ریلے میں ایسے الیکٹرونک میڈیا لے جانا چاہتا ہے۔الیکٹرونک میڈیا کو اپنی اصلاح کی ضرورت ہے کنٹرولڈ الیکٹرونک میڈیا کی مثال بھی دور آمریت کی طرح ہے جس میں مخصوص، مائنڈ سیٹ کو جبری طور پر عوام پر مسلط کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔الیکٹرونک میڈیا کو یہ ضرور سوچنا ہوگا کہ ایسے اس مہم جوئی کا کیا فائدہ ہو رہا ہے

؟۔ کیا وہ اس مہم جوئی سے ضمیر کی مارکیٹ میں ریٹنگ بڑھا رہا ہے یا گھٹا رہا ہے۔

انھیں یہ ضرور سوچنا ہوگا۔

جمہوریت کی بقا کے ضروری ہوتا ہے کہ اکثریت کی رائے کا احترام کیا جائے اور پارلیمان کو سپریم ادارہ سمجھا جائے ، لیکن بد قسمتی سے پاکستان میں تمام جمہوری اقدار اس سے قدرے مختلف ہے ، پاکستان میں جمہوریت چھوئی موئی کے پودے کی طرح ہے ، جسے چھوتے ہی ، فرشتوں کے بھی پر جلنے لگتے ہیں۔ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ پاکستان میں جمہوریت مستحکم کیوں نہیں ہو رہی ، بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ عوام اپنا محاسبہ کب شروع کریں گے۔

پاکستانی قوم کی قدرتی فطرت جمہورانہ نہیں ہے ، ابتدا سے ہی پاکستانی قوم میں شخصیت پرستی کا رجحان ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان کی بود و باش میں آمرانہ احکام کو تسلیم کرنے کی روش زیادہ ہے۔ اگر ہم ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ ہندوستان (متحدہ پاک و ہند) پر بیرونی حکمران مسلط ہوتے رہے ہیں ، افغان ، مغل سمیت انگریزوں نے ہندوستان (متحدہ پاک و ہند) پر اقلیت ہونے کے باوجود حکومت کی ہے ۔ جب انگریزوں نے ہندوستان کا بٹوارہ کیا تو مسلمانوں میں یہ خوف پیدا ہوا کہ انگریزوں کے جانے کے بعد ہندو ، ان پر مسلط ہو جائیں گے اس لئے انھوں نے دھرنوں ، مظاہروں اور جلسے

جلوس کرکے پاکستان حاصل کرنے کیلئے قائداعظم کو اپنا لیڈر بنا لیا۔

شخصیت پرستی کا یہ سحر آج تک ہم پاکستانیوں پر حاوی ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت کا یہ اثر اس قدر گہرا تھا کہ مسلم لیگ، جس نے پاکستان کے قیام میں اہم کردار ادا کیا تھا، اس کے دوسرے لیڈروں سے پاکستانی عوام بہت کم آگاہ ہے۔ انگریز خود بھی قائداعظم کی شخصیت کے سحر سے نہیں نکل پا سکا تھا، متعدد تاریخی حوالے موجود ہیں کہ جس میں متحدہ ہندوستان میں رکاوٹ کا ذمے دار قائداعظم کو ٹھہرایا جاتا تھا بلکہ اب بھی انڈیا میں قائداعظم کو ہی پاکستان کے قیام کا "مجرم" کہا جاتا ہے۔ بھارتی عوام میں شخصیت پرستی اس کے مذہب کے ساتھ مختلف شخصیات میں تقسیم تھیں اس لئے گاندھی کے ساتھ ساتھ اس کے دوسرے رہنماؤں کی آج تک ہندوستان کی آزادی کے حوالے سے پرستش کی جاتی ہے۔ چونکہ پاکستان اسلام کی بنیاد پر قائم ہوا تھا اس لئے ان توہمات کے لئے اس سرزمین میں کوئی جگہ نہیں تھی لیکن اس کے باوجود شخصیت پرستی کے اس سحر سے پاکستانی عوام خود نہیں نکال سکی محمد علی جناح کو قائداعظم بنایا تو لیاقت علی خان کو قائد ملت، فاطمہ جناح کو مادر ملت، اور جب پاکستانی اقتدار کے مسند اعلی پر ایوب خان براجمان ہوئے تو اس وقت بھی پاکستانی عوام نے انھیں سالوں برداشت کیا اور پاک بھارت جنگ میں کامیابی کی وجہ سے انھیں قومی ہیرو بنایا لیکن پھر ان کو بھی دھرنے، مظاہروں اور جلسے

جلوس سے رخصت کردیا۔

پاکستانی قوم میں ایک یہ خوبی بھی ہے کہ جب تک کوئی بھی سیاسی یا غیر سیاسی شخصیت اقتدار میں ہوتی ہے تو اس کی خامیاں کسی کو دکھائی نہیں دیتیں، لیکن اس کے جانے کے بعد اس کی تمام خوبیاں یک لخت ختم ہو جاتی ہیں اور خامیوں کا پنڈروا بکس کھل جاتا ہے۔ چونکہ پاکستانی عوام کو دوبارہ شخصیت پرستی کیلئے کسی نہ کسی کی ضرورت تھی اس لئے زمانے کے مدوجزر سے قائدِ عوام کے نام سے ذوالفقار علی بھٹو پیدا ہوئے، اقوام متحدہ میں قرار داد کو چاک کر دینے کے بعد پاکستانی عوام کو ان میں اپنی پریشانیوں کا مسیحا نظر آنے لگا، لیکن ان کے دھرنوں، مظاہروں اور جلسے جلسوں نے پاکستان کو ادھر ہم اُدھر تم، کا نعرہ دے کر دولخت کر دیا لیکن پاکستانی قوم اپنی عادت کے مطابق بھول گئے کہ مشرقی پاکستان، بنگلہ دیش بن چکا ہے، وہ یہ بھی بھول گئے کہ پاکستان کو شکست ہوئی اور اس کے نوے ہزار فوجی انڈیا نے قیدی بنا لئے ہیں، قائدِ عوام نے پاکستان کو متفقہ آئین دے کر تاریخ میں خود کو زندہ رکھ لیا، لیکن پاکستانی قوم کے ایک بار پھر دھرنوں مظاہروں اور جلسے جلوسوں نے انھیں تختہ دار تک پہنچا دیا پاکستان کو ایٹمی طاقت، بنانے والے کو اکیلا دفن کر دیا اور دھرنوں کے بعد جب ضیا الحق آئے پاکستانیوں نے ان میں امیر المومنین تلاش کرنا شروع کر دیا۔

اسلامی نظام کے نفاذ کے دل فریب نعرے نے پاکستانی عوام کو دھوکے میں رکھا، پاکستان کو نہ ختم ہونے والی افغان جنگ میں الجھا دیا گیا اور آج تک پاکستانی امیر المومنین کے ہاتھوں پاکستان عالمی طاقتوں کے لئے سرکس کا میدان بنا ہوا ہے جس میں ہمارے حکمرانوں کا کردار "جوکر" کا ہے جو اپنے چہروں کو چھپانے کیلئے رنگ روغن کر لیتے ہیں اور عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ ہر طرف خوشحالی ہی خوشحالی ہے اور وہ بہت خوش ہیں۔پاکستان میں ایک بار پھر دھرنے ، مظاہرے اور جلسے جلوس شروع ہوئے اور پھر یہاں پاکستانی عوام نے تقسیم کی راہ لی اور ایک طرف نواز شریف کو لیڈر بنایا تو دوسری جانب بے نظیر بھٹو تھیں ۔پاکستان میں تیسری بڑی کی گنجائش بہت کم نکلتی ہے ۔ تیسری پارٹی کے بجائے پاکستان میں تیسری قوت کا رجحان زیادہ رہا ہے اس لئے اقتدار میں کبھی پہلی قوت تو کبھی دوسری قوت ، جب ان سے تیسری قوت تنگ آ جاتی ہے تو خود ہی آ جاتی ہے ۔پرویز مشرف بھی سب سے پہلے پاکستان کے نعرے کے ساتھ اقتدار پر براجمان ہوئے اور سالوں پاکستانی عوام پر حکومت کرتے رہے اور ایک بار پھر دھرنوں ، مظاہروں اور جلسے جلوسوں نے انھیں رخصت کیا توپاکستان کی پہلی قوت نے اقتدار حاصل کیا لیکن ان کی شہید جمہوریت کی قربانی کے بعد اب کوئی ایسی شخصیت نہیں تھی کہ پاکستانی عوام اپنی ماضی کی روایات پر قائم رہتی ، لیکن آصف علی زرداری نے بے نظیر بھٹو کے خلا کو پورا کیا اور سب پر

بھاری بن گئے۔ بلاول زرداری کو پاکستانی مزاج کے مطابق بلاول بھٹو زرداری بنایا اور قوم کو نئی شخصیت دے دی۔ نواز شریف پاکستان کے تین مرتبہ وزیر اعظم بنے، لیکن ان کی شخصیت متفقہ قومی نہ بن سکی، شاید ان کی پنجاب پالیسیاں تھیں کہ وہ ایک صوبے سے زیادہ آگے نہ بڑھ سکے اس لئے پاکستانی قوم نے اپنی شخصیت پرستی کا محور عمران خان کو بنالیا اور ان سے توقعات وابستہ کرلیں۔ عمران خان کو ماضی میں کامیابیاں نہیں مل سکیں تھیں لیکن جب ان پر تیسری قوت نے ہاتھ رکھا تو کنسیر ہسپتال بنانے والے کے بھی دھرنے، مظاہرے اور جلسے جلوس کامیاب ہونے لگے اور پاکستان میں قومی سطح پر اقتدار میں حصہ لینے کیلئے اب عوام کے سامنے تین شخصیات سامنے تھیں، نواز شریف جب اقتدار پر بغیر کسی دھرنوں، مظاہروں اور جلسے جلوس کے بغیر براجمان ہوئے تو یہیں سے ساری گڑبڑ شروع ہوئی کہ جمہوریت کا یہ چھوئی موئی کے نازک پودے نے اگر تناور درخت کی شکل اختیار کرلی تو پھر دھرنے، مظاہرے اور جلسے جلوس کرکے اقتدار تبدیل نہیں کئے جا سکیں، لہذا کینیڈین شہری کی آمد اور جنونیوں نے ایک بار پھر پاکستان کی سابقہ روایت کو دھرایا اور دھرنوں، مظاہروں اور جلسے جلوس کا سلسلہ شروع کردیا۔

اب تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جمہوریت کس کے گھر کی داشتہ بن گئی ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ پاکستان میں ابھی جمہوریت مستحکم نہیں ہوئی ہے ان کے سیاست دان

ابھی پختہ ذہن اور جمہوریت پسند نہیں ہیں اور ان میں عدم برداشت کا مادہ زیادہ ہے اس لئے ایک بار پھر سیاست دانوں کو تیسری قوت نے سمجھایا ہے۔پاکستانی فوج کوئی غیر ملکی ادارہ نہیں ہے کہ وہ پاکستان پر ملک دشمن پالیسیاں نافذ کرے گا ویسے بھی ایک پبلک سروے کے مطابق پاک فوج کو پاکستانی عوام میں سب سے زیادہ اعتماد و مقبولیت حاصل ہے اور پاک فوج کے سربراہ بھی سیاست دانوں کے مقابلے میں کئی درجے آگے ہیں۔چونکہ پاکستان کی سیاست میں فوج کا کردار کبھی ختم نہیں ہوا اس لئے پاکستانی عوام کی اکثریت بھی یہی چاہتی تھی کہ عمران خان اور طاہر کینیڈی کا ڈرامہ جلد از جلد منطقی انجام تک پہنچے۔

تادم تحریر فوج کے ثالث بننے اور نہ بننے کے بعد اب ایسی کوئی صورتحال نہیں ہوگی کہ یہ دونوں حضرات بمعہ وزیر اعظم فوج کے دئے گئے فارمولے سے اختلاف کریں اور فوج کو ڈیڈ لائن دیں کہ میں دو گھنٹے کا وقت دیتا ہوں کہ ہمارے مطالبات مان لو ورنہ فوج کے خلاف دمادم مست قلندر ہوگا۔دھرنوں کے مقام سے خود اٹھ کر نیا پاکستان بنانے والوں کے جانے سے ان کے قوت فیصلہ کا اندازہ ساری دنیا کو ہوگیا ہے اس لئے ان پر بحث کرکے بلاوجہ الفاظ ضائع کرنا ہونگے۔ویسے سوچنے کی بات تو ہے کہ یہ جمہوریت کا ہی ثمر تھا کہ دھرنے باز، مذاکرات کرنے کے بجائے بار بار ڈیڈ لائن دیتے رہے، دھمکیاں دیتے رہے، جو

منہ میں آیا بولتے رہے۔ لیکن شخصیت پرستی کا سحر تو ان میں بھی ہے کیونکہ ہے تو پاکستانی ہی، بھلا شخصیت پرستی کے سحر سے کہاں نکل سکتے ہیں۔ شخصیت پرستی کا سحر جب ختم ہوگا، جب ہم شخصیات کے بجائے ادارے مضبوط بنائیں گے اور یہی واحد راستہ ہے۔

بغاوت پر ریاست کے فرائض

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ "جس شخص نے کسی ایک انسان کو قتل کیا، بغیر اس کے کہ اس سے کسی جان کا بدلہ لینا ہو، یا وہ زمین میں فساد برپا کرنے کا مجرم ہو، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کردیا، (سورۃ المائدہ آیت ۳۲)۔۔حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں خارجیوں کا طرز عمل جیسا کچھ تھا وہ تاریخ کے طالب علموں سے چھپا ہوا نہیں ہے وہ اعلانیہ آپ کو گالیاں دیتے تھے، قتل تک کردینے کی آپ کو دھمکیاں دیتے تھے (نعوذ باللہ) ، مگر ان باتوں پر جب کبھی ان کو پکڑا گیا تو آپ نے انہیں چھوڑ دیا اور اپنی حکومت کے افسروں سے فرمایا کہ "جب تک وہ باغیانہ کاروائیاں نہیں کرتے محض مخالفت اور دھمکیاں ایسی چیز نہیں ہیں جن کی وجہ سے ان پر ہاتھ ڈالا جائے۔"

ایک اپوزیشن کے ساتھ خلفیہ اسلام کے اس رویئے کا تصور موجودہ جمہوری نظام سے نہیں کیا جاسکتا کہ جتنی آزادی اسلام نے اپوزیشن کو دی ہے اتنی آزادی کسی بھی نظام میں ممکن نہیں ہے۔جب تک بات صرف زبانی حد تک رہی تو تحمل وبرداشت کا مظاہرہ کیا گیا لیکن جب باقاعدہ جنگی کاروائیاں کیں تو آپ نے ان کے خلاف تلوار اٹھائی اور بالآخر ایک خارجی نے ہی آپ کو شہید کردیا۔ حقوق

انسانی کا یہ تصور اسلام نے سینکڑوں برسوں سے انسانیت کو دیا ہے، لیکن جب حقوق انسانی کے حوالے سے وائٹ ہاؤس اور برطانوی وزیر اعظم کی رہائش گاہ یا مغرب کا حوالہ دیئے جاتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ حقوق انسانی کے حوالے سے انھیں اسلام کے جید خلفاء وحکمرانوں کی مثالیں کیوں یاد نہیں آتی ۔ حالاں کہ یہ نعمت اسلام کے ذریعے پوری دنیا کو ملی ورنہ دنیا ان چیزوں سے نا آشنا اور نری جہالیت میں مبتلا تھی ۔ حقوق انسانی کے حوالے سے تصور انگلستان کے میگنا کارٹا کے ذریعے نصیب ہوا اگر چہ پھر بھی وہ اسلام کے چھ سو برس کے بعد کی چیز ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ سترہویں صدی کے قانون دانوں سے پہلے کسی کے ذہن میں یہ تصور موجود نہ تھا کہ میگنا کارٹا میں ٹرائل اور ٹیکس لگانے کے اختیارات پر Haabeas Corpus)) بائی جیوری ، ہیبنیس کارپس پارلیمنٹ کے کنٹرول کے حقوق بھی شامل ہیں ۔ جبکہ اسلام میں انسانی حقوق کی بات کی جائے تو اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ یہ حقوق اللہ کی جانب سے عائد کئے گئے ہیں یہ کسی بادشاہ یا کسی مجلس قانون ساز کے دیئے ہوئے نہیں ہیں کہ جب چاہیے ان کو واپس لے لیا جائے یا ان میں بزعم خواہش تبدیلی لائی جائے ۔ دنیا کی کوئی مجلس قانون ساز اور دنیا کی کوئی حکومت ان کے اندر ردوبدل کرنے کی مجاز نہیں ہے ان کو واپس لینے یا منسوخ کردینے کا کوئی حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔

پاکستان میں حقوق کے نام پر جس طرح کا انتشار پیدا کا جاچکا ہے اس سے پوری

مملکت میں انارکی کی ایک کیفیت پیدا ہو چکی ہے اور اس کا لازمی نتیجہ تصادم کی صورت میں نکلتا ہے۔ اسلام آباد میں سترہ دنوں سے جن اشتعال انگیز تقاریر کے ذریعے حکومت کو دباؤ میں لانے کی کوشش کی جارہی تھی اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلنا تھا جو اسلام آباد میں نکلا۔ کوئی بھی باشعور انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ دونوں جماعتوں کے دھرنوں کے قائدین نے انسانی حقوق کے حوالے سے اس بات کا خیال رکھا ہو کہ ان کی تقاریر سے معاشرے میں کس قدر فرسٹریشن پیدا ہو رہی ہے اور اس کے نتائج کس قدر ہولناک ہو سکتے ہیں۔ جمہوری نظام، یقینی طور پر اسلامی نظام سے متصادم ہے اور اس کے اکثریتی امور و احکام اسلام سے متصادم ہیں، لیکن ایسے ایک عبوری دور کا نام دیا جا سکتا ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل کی گئی سرزمین پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نظام اس لئے نافذ نہیں ہو سکا کیونکہ مملکت میں مختلف فرقوں و مسالک کی وجہ سے ممکن نہیں تھا کہ کس مخصوص مسلک و فرقے کے عقائد پر مبنی نظام نافذ کیا جائے لیکن یہ ضرور ہو سکتا تھا کہ جن باتوں پر تمام مکاتب فکر کا اجماع ہوا انھیں اسلامی طرز معاشرت کے نام پر نافذ کیا جاسکتا تھا لیکن بد قسمتی سے اسلامی نظریاتی کونسل کی دی گئی سفارشات کو اہمیت نہیں دی جاتی اور مغربی طرز حاکمیت کی بناء پر ہماری تمام تر توجہ یہود و نصاری کی خوشنودی تک ہی محدود ہے۔

اسلام میں ایسے گروہ یا فرد کے متعلق واضح طور پر فرما دیا گیا کہ جو اصلاح کے نام پر مملکت میں فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ اسلام کے قوانین کی کس قدر خلاف ورزی کرتا ہے۔اس لئے اس میں کوئی دو رائے نہیں ہونی چاہیے کہ ہم اسلام کے زریں اصولوں کو چھوڑ کر جب مغرب کو اپنا آئیڈیل بنالیں تو اس قوم کے لیڈروں کے ساتھ ان کے پیروکار بھی سوائے تباہی کے کوئی اور تحفہ نہیں دے سکتے۔پاکستان میں جب کسی خاص مکتبہ فکر نے اسلام کے نام پر جبری طور پر ایک ایسے نظام کے نفاذ کیلئے مسلح تحریک کا سلسلہ شروع کیا تو اس سے معاشرے میں عدم استحکام پیدا ہوا اور شدت پسندی کے رجحان کو فروغ حاصل ہوا۔جب ان کا طرز عمل تمام حدود سے تجاوز کرگیا تو ان کے خلاف فساد فی الارض کے جرم میں بھرپور ریاستی طاقت کا استعمال کیا گیا جس کے نتیجے میں لاکھوں انسانوں کو بنا کسی جرم کے نقل مکانی بھی کرنا پڑیں، ان کے گھر بار گولہ بارود کے نذر ہوگئے ان کے معاشی وسائل تباہ و برباد ہوگئے لیکن ریاست کی جانب سے اٹھائے گئے اقدام پر ان کی جانب سے صدائے احتجاج بلند نہیں ہوئی حالاں کہ ایک ہی مملکت کے شہریوں کو ایک صوبے سے دوسرے صوبے جانے سے روکنے کیلئے احتجاج، مظاہرے، ریلیاں اور ہڑتالیں کیں گئیں اور آج بھی کسمپرسی کے عالم میں لاکھوں انسان ریاست کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں ان کے تمام حقوق انسانی سلب ہوچکے ہیں اور وہ اپنے معصوم بچوں اور پردے دار خواتین کے ساتھ انتہائی تکلیف دہ زندگی گذار رہے ہیں۔سوات، جنوبی وزیرستان پھر شمالی

وزیرستان میں عسکری قوت کی جانب سے بھرپور طاقت کا مظاہرہ اس لئے کیا گیا کیونکہ چند ناعاقبت اندیش افراد اور گروہ کی جانب سے حکومت کی رٹ کو چیلنج کیا گیا اور ریاستی اداروں پر حملے کرکے ریاست کی قوت کی رٹ کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی گئی جس کے بعد یہ ناگزیر ہوگیا کہ ان عناصر کے خلاف ریاست بھرپور قوت کا مظاہرہ کرے اور انھیں ریاست کی رٹ تسلیم کرنی پڑے۔ جس کے نتیجے میں لاکھوں افراد نے عسکری قوت کے ساتھ ملکر قربانیوں کی مثال قائم کی اور اپنے آبا و اجداد کی سرزمین کو عسکری اداروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ یہ ان کی پاکستان سے محبت ہی تھی جس پر انھوں نے اپنے مفادات و آسائش پر ترجیح دی اور نقل مکانی اختیار کی اب انھیں نہیں معلوم کہ ان کے حقوق کب بحال ہونگے۔ دربدر اور بے سرو ساماں یہ لاکھوں افراد، صدیوں کی روایات اور ثقافت کے امین ہیں اور تاریخ گواہ ہے کہ جبری طور پر ہزاروں سال سے ان پر کوئی حکمرانی نہیں کرسکا، لیکن ان کے نزدیک حب الوطنی اولین ترجیح تھی اس لئے انھوں نے حکومت کے ساتھ تعاون کیا۔

اسلام آباد میں بھی ریاست کے اداروں کو یرغمال بنالیا گیا، ریاستی اداروں کی رٹ کو چیلنج کیا اور چند ہزار کے مجمع نے اپنے نظریئے کے مطابق من پسند نظام لانے کی کوشش کی جس پر ان کا تصادم ریاست کے اداروں سے ہے۔ ان کے بیانات و تقاریر میں ریاست کے خلاف بغاوت ہے اور ملک میں جاری نظام کو یہ

نہیں مانتے تو اس کے ساتھ ہی وہ ایک ایسے نظام کا نفاذ چاہتے ہیں جس کی اساس مغرب ہے ،اسلامی قوانین واصول نہیں ہیں ۔ مسلکی رنگ واضح اور تکفیریت وفرقہ ورایت کی مکمل غمازی ہے جس سے مملکت کے دوسری اکائیوں میں بے چینی کا پیدا ہونا فطری امر ہے۔جب تک ان کی تقاریر اپنی تمام تر اشتعال انگیزیوں کے ساتھ زبانی حد تک تھیں تو اس وقت تک حکومت کی جانب سے صبر و تحمل ایک مناسب حد تک ٹھیک تھا لیکن جب ریاست کے خلاف کھلی بغاوت کے طور پر اداروں پر قبضہ کرنے کی کوشش میں تصادم ہوگیا اور دنیانے یہ مظاہرہ براہ راست دیکھا تو اس کے بعد ریاست پر حجت تمام ہوجاتی ہے کہ سوات ، جنوبی وزیرستان و شمالی وزیرستان کی طرح مملکت کے دارالخلافے میں جارحیت کرنے والوں کے خلاف بھرپور طاقت استعمال کی جائے ۔قرآن کریم ، سنت رسول ﷺ اور اصحابہ اکرام رضوان اللہ اجمعین کی تقلید ثابت کرتی ہے کہ ان عناصر کے خلاف ریاستی طاقت کا استعمال اس لئے واجب ہوگیا ہے کیونکہ انھوں نے اصلاح کے نام فساد فی الارض کی کوشش کی اور بے گناہ سرکاری اہلکاروں کی جان لینے کی کوشش کے ساتھ ریاستی عمارتوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔جس طرح فوج پاکستان کا قابل احترام ادارہ ہے اسی طرح رینجرز اور پولیس بھی پاکستان کے ادارے ہیں اور ان میں بھرتی وڈیوٹی دینے والے کسی دوسری ملک کے دشمن نہیں ہے کہ انھیں ہلاک و تشدد کرنے کیلئے جارحیت و تشدد کا راستہ اختیار کیا جائے ان کا بھی وہی حق ہے جو دوسرے اداروں کا۔

بسماچی تحریک نامی بغاوت دراصل روس کے جابرانہ طرزِ حکومت ، ثقافتی جبر اور سوویت عہد میں اشتراکیوں کی جانب سے زراعت کے حوالے سے مطالبوں کے خلاف ایک مقامی تحریک تھی جس کے پیچھے مسلم روایت پسندی اور تورانیت اہم عناصر تھے 1916ء میں روسی سلطنت نے مسلمانوں کے عسکری خدمات سے استثنیٰ کا قانون ختم کردیا تھا جس کے خلاف وسط ایشیا میں زبردست بغاوت پھوٹی ،زار انتظامیہ کی جانب سے زمینوں کی جبری وصولی نے ماحول پہلے ہی خراب کر رکھا تھا اور اس فیصلے نے گویا عوام میں آگ بھڑکا دی ، اس بغاوت کو کچلنے کیلئے زار کی افواج نے بدترین مظالم کا بازار گرم کیا۔ زار کے خلاف فیض اللہ خوجایوف جیسے رہنماؤں نے اشتراکی حلقوں کا ساتھ دیا اور بخارا اور خوارزم کے حصول میں سرخ افواج کی مدد کی جبکہ سابق امیر بخارا محمد علیم خان جیسے رہنماؤں نے بسماچی تحریک میں شمولیت اختیار کرلی اور ان کے دو جرنیلوں نے 30ہزار جنگوؤں پر مشتمل لشکر تیار کیا۔ خوارزم و بخار کی حکومتیں روسی ریاست کے زیر انتظام تھا اور ان کی پھٹو حکومتیں تھیں اور ان ہی کے اشاروں پر ناچتی تھیں جبکہ بالشیوک مخالف سفید افواج کے مقابلے میں بسماچیوں کو کسی طرح کی بیرونی امداد بھی حاصل نہیں تھی اس کے باوجود 1920ء کے اوئل تک بسماچی وسط ایشیاکے بڑے حصے میں پھیل

گئے تھے اور ترکستان کو خطرہ لاحق ہوگیا تھا کہ ترکستان سے محروم ہوجائے گی۔ بسماچی تحریک زار اور سوویت عہد کے خلاف مسلمانوں کی ایک بغاوت تھی جس کا آغاز پہلی جنگ عظیم کے بعد 1916ء میں ہوا، سوویت اتحاد نے اس بغاوت کو بدترین انداز میں کچلا۔ گو کہ لنین حکومت نے ترکستانی باشندوں کے اعتراضات کے خاتمے کیلئے ان سے مصالحت کا منصوبہ بنایا جس میں غذائی اجناس کی فراہمی، محصولات میں نرمی، زرعی اصلاحات کے وعدے، اسلام مخالف پالیسیوں کے خاتمے اور زراعت پر حکومتی ضابطے کے خاتمے کے وعدے شامل تھے، ان اقدامات نے بسماچی تحریک کی کشش کو کم کردیا اور سرخ افواج کیلئے بسماچیوں کو زیر کرنا ممکن بنادیا۔ گویا یہ عوامی غیض و غضب کو کم کرنے کیلئے ایک منصوبہ بندی تھی جس میں عوامی حمایت حاصل کی گئی لیکن درپردہ اس تحریک کو ختم کرنے کیلئے پوری قوت کا استعمال کیا گیا۔ بسماچیوں کے خلاف سوویت حکومت نے اپنی اصلاحات کے جھانسے میں مسلم دہقانوں پر مشتمل ایک رضاکار فوج تشکیل دی جو سرخ چھڑیاں کہلاتی تھی اور باضابطہ افواج میں مسلمانوں فوجیوں کو شامل کرکے انہیں بسماچیوں کے خلاف لڑادیا، یہ حکمت عملی کامیاب ہوئی۔ نومبر 1921ء میں سلطنت عثمانیہ کے سابق وزیر جنگ اسماعیل انور پاشا خطے میں آئے اور انھوں نے خطے میں اسلامی حکومت کے قیام کیلئے سوویت اتحاد کے خلاف بغاوت کا اعلان کردیا۔ جبکہ اس سے قبل سوویت حکومت نے ان سے امن پیشکش کی جسے انور پاشا نے ٹھکرادیا اور پندرہ روز میں روسی فوج کو انخلا کی وارننگ جاری کردی

ماسکو حکومت کے خلاف ان جنگجوؤں کے خلاف جنگ جاری رہی لیکن ماسکو کے مسلمان، دہقانوں کو دھوکے سے شامل کئے جانے کے سبب 'جنگ کفرون' میں بسماچی جنگجوؤں کو شکست ہوئی انور پاشا کو ۴ اگست ۱۹۲۲ میں موجودہ ترکستان میں سوویت افواج کے خلاف حتمی کاروائی کی تیاریوں کے دوران شہید کردیا گیا۔ انور پاشا کے بعد بسماچیوں کی قیادت سلیم پاشا نے سنبھالی لیکن انھیں 1923ء میں افغانستان فرار ہونا پڑا اور پھر اہم قائدین کے مارنے جانے کے بعد بسماچی تحریک نے خفیہ انداز میں پہاڑوں میں خفیہ ٹھکانوں کے ذریعے کاروائیوں کا آغاز کردیا لیکن اس نتیجے میں وہ عوامی حمایت سے محروم ہوگئے کیونکہ عوام، اغوا اور دہشت گردانہ کاروائیوں کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتے تھے 1926 تک بسماچی بغاوت حقیقتاً اپنے انجام تک پہنچ گئی تاہم سوویت افواج نے بسماچی رہنما ابراہیم بیگ کو گرفتار کرلیا 1934ء میں بسماچیوں کے آخری گڑھ کو موجودہ کرغستان میں ختم کردیا گیا سوویت ذرائع کے مطابق اس بغاوت میں 1441 روسی فوجی ہلاک ہوئے۔ یہ مسلمانوں کی اس جد وجہد کی حقیقی داستان ہے جب برصغیر کے مسلمانوں میں ہندوستان سے آزادی کی عملی تحریک شروع بھی نہیں ہوئی تھی۔

چونکہ اسلام ساری دنیا کے لئے نبی اکرم ﷺ کے توسط سے پیام رحمت اور ظلم کے خلاف مزاحمت کیلئے تا قیامت کیلئے مقرر کیا گیا تھا اس لئے اسلام کے نام لیوا دنیا کے کسی کونے میں بھی ہوں اگر اسلام کے خلاف لادینوں اور مسلم دشمنوں کی کاروائیاں حد سے بڑھ جاتی ہیں تو مسلم قوم میں

وہ جذبہ حریت بیدار ہو جاتا ہے جیسے شدت پسندی و عسکریت پسندی کا نام دیا جاتا ہے ۔ گو کہ انقلاب روس نے یورپ کے نظام کو ہمیشہ کیلئے دگرگوں اور پرگندہ کر دیا تھا مگر اس کے بعد جب صنعتی انقلاب آیا تو اس نے جہاں ہالینڈ، فرانس اور انگلستان کو یورپ کے سب سے متمدن اور ترقی یافتہ ممالک بنادیا وہاں روس جیسے ممالک کو جن کی معیشت زرعی تھی قعر، عزلت میں ڈال دیا، 1847 میں کارل مارکس اور الیکس نے اشتمالی منشور شائع کیا جو صنعتی کارخانوں میں مزدوروں کو بغاوت پر آمادہ کرتا تھا کارخانے دار مزدور سے کام لینے کیلئے ان پر کوڑے برساتے اور ظلم کرکے طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے مگر اس فلسفے نے روس میں جو صنعتی لحاظ سے پسماندہ اور جاگیرادنہ نظام معیشت کا حامل تھا لنین کے دماغ کو انگیخت دی اور اس نے کیمونسٹ اصولوں کی علم بردار سیاسی تحریک کی بنیاد ڈالی، کارل مارکس نے کہا تھا کہ سرمایہ داری نظام کے خلاف انقلاب روس میں ہوگا اور یہ دعوی حیرت انگیز طور پر درست نکلا 1917ء میں زار روس کی حکومت زمین بوس ہوئی اور لنین روس پہنچا اور حکومت کا سنگ بنیاد رکھا جو دنیا میں سب سے پہلی سوشلسٹ جمہوریہ کہلائی، اس انقلاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے پہلا انقلاب فروری میں زار حکومت کے خاتمے کے وقت ہوا اور عبوری حکومت قائم ہوئی اور دوسرا انقلاب اکتوبر میں جس میں اشتراکیوں نے عبوری حکومت کا خاتمہ کرتے ہوئے اقتدار پر قبضہ کرلیا اور دنیا کی پہلی اشتراکی جمہوریت قائم کی۔ بسماچی تحریک ان ہی دنوں میں اٹھنے

والی ایک مسلم تحریک تھی جو اشتراکی حکومت کی جانب سے زراعت کے حوالوں سے نا انصافیوں پر مبنی احتجاج تھا، لنین حکومت جہاں سرمایہ داری نظام کے خلاف ایک استعارے کے روپ میں سامنے آیا اور زار روس میں انقلاب کا باعث بنا لیکن جب بات مسلم عوام کی روایات اور جبر کی جانب آئی تو یہاں بھی انھوں نے اس بات کو نہیں دیکھا کہ یہ زمینیں کس کی ملکیت ہیں لنین کی جانب سے غذائی اجناس کی فراہمی، محصولات میں نرمی، زرعی اصلاحات کے وعدے، اسلام مخالف پالیسیوں کے خاتمے اور زراعت پر حکومتی ضابطے کے خاتمے کے وعدوں کے باجود وقتی طور پر بسماچی تحریک میں کشش کم ہوئی لیکن درپردہ اس مطالبوں کی آڑ میں بسماچی تحریک کو کچلنے کی کوشش کی گئی اور اس میں اشتراکی کامیاب ہوئے لیکن یہ تحریک پھر بھی چلتی رہی اس وقت تک جب تک اس نے اپنے منشور سے ہٹ کر ایسی کاروائیاں شروع کردیں جو عوام میں غیر مقبولیت کا سبب بنیں۔ترکستان وسط ایشیا کا ایک خطہ ہے جس میں آج بھی اکثریت ترکوں کی ہے۔ یہ اوغوزترک، ترکمان، ازبک، قازق، خزر، کرغز اور ایغور قوموں کی سرزمین ہے یہی اقوام وقت کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی گئیں اور آج ترکی، آزربائیجان اور تاتارستان انہی ترکوں کی ریاستیں ہیں، ترکستان کو مغربی اور مشرقی ترکستان میں تقسیم کیا گیا، مغربی ترکستان وہ مسلم اکثریتی علاقہ ہے جس پر سوویت یونین نے قبضہ کرلیا تھا، جسے چین میں سنکیانگ کہا جاتا ہے، چین کے ایغور علیحدگی پسند سنکیانگ کو ایغورستان کہتے ہیں، یورپ اور چین کے درمیان

تجارت کا اہم راستہ شاہراہ ریشم اسی سے ہو کر گذرتا ہے۔ مسلم سلطنتوں کا حصہ بننے کے بعد 1860 میں مغربی علاقہ روسی سلطنت کے زیر اثر آگیا۔ انقلاب روس کے بعد اسے ترکستان خودمختار سوویت اشتراکی جمہوریہ میں تبدیل کردیا گیا اور مسلمانوں کی مزاحمت کے خاتمے کیلئے اسے قازق، کرغز، تاجک، ترکمان اور ازبک سوویت اشتراکی جمہوری ریاستوں میں بانٹ دیا گیا۔ روس کے خاتمے کے بعد ان جمہوری ریاستوں نے آزادی حاصل کرلی۔ چین سے مشرقی ترکستان کی آزادی کیلئے ترکستان اسلامی موومنٹ جدوجہد کررہی ہے۔ تاہم دنیا میں مسلمانوں کی کئی تنظیمیں اپنا حق لینے کے لئے مختلف طریقوں سے عمل کررہی ہے اور ان سب کو پاکستان ہی ایک اسی مملکت نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان دشمن عناصر اور ممالک پاکستان کی بقا اور سالمیت کیخلاف ہیں گو کہ پاکستان خود عالمی استعماری سازشوں کا گڑھ بنا ہوا ہے کیونکہ پاکستان ان عالمی طاقتوں کیلئے کمزور ہونا ضروری ہے تاکہ ایٹمی طاقت پاکستان عالمی مسلم سیاست میں کوئی موثر کردار ادا نہ کرسکے اور مسلم دنیا کا لیڈر نہ بن جائے۔ آج ہم مسلم علیحدگی پسندوں کو کوئی نام بھی دیں لیکن یہ ثابت ہے کہ مسلمانوں کیخلاف جبر، ظلم و ستم نے انھیں یہ راستہ اختیار کرنے پر مجبور کیا۔

قائداعظم اور ’قرآنی نظام‘ پر مبنی پاکستان

10اگست 1947ء کو کراچی کی دستور ساز اسمبلی کے افتتاحی اجلاس کیلئے لیاقت علی خان کی تجویز اور خواجہ ناظم الدین کی تائید پر اسمبلی کے غیر مسلم رکن جوگندر ناتھ منڈل کو عارضی طور پر صدر منتخب کیا گیا اور ان کی تقریر کے بعد اراکین اسمبلی نے اپنا اسناد رکنیت پیش کرکے اسمبلی کے رجسٹرڈ پر دستخط کئے۔ اگلے دن دستور ساز اسمبلی کے دوبارہ اجلاس میں قائد ایوان کے لئے سات اراکین نے قائداعظم محمد علی جناح کو نامزد اور دیگر سات اراکین نے ان کی نامزدگی کی تائید کی۔ جوگندر ناتھ منڈل نے اعلان کیا کہ کاغذات نامزدگی درست ہیں اور قائد اعظم کے مقابلے میں کوئی دوسرا امیدوار نہیں ہے اس لئے قائد اعظم محمد علی جناح کو متفقہ طور پر دستور ساز اسمبلی کا صدر منتخب کرلیا گیا قائد اعظم کے قائد ایوان منتخب ہونے کے بعد لیاقت علی خان ، کرن شنکر رائے ، ایوب کھوڑو، جوگندر ناتھ منڈل اور ابوالقاسم نے تہینتی تقاریر کیں ۔ امریکہ اور آسٹریلیا کی جانب سے مبارکبادی کے پیغامات بھی پڑھ کر سنائے گئے ۔ اس تاریخی اجلاس سے قائد اعظم محمد علی جناح نے جس وقت خطاب کیا تو وہ ملک کے نامزد سربراہ بھی تھے آل انڈیا مسلم لیگ کے منتخب صدر اور بابائے قوم بھی تھے۔ 11 اگست کی اس تاریخی تقریر کے ایک اقتباس کو سیاق و سباق سے ہٹ کر پیش کرنے سے

پاکستان کی اساس پر سوالیہ نشان پیدا کرنے کی کوشش کیجاتی ہے کہ پاکستان، اسلامی نظریہ حیات کے بجائے ایک سیکولر اسٹیٹ کی بنیاد پر بنا۔ قائداعظم کی تمام تقریر کو چھوڑ کر یہ اقتباس لیا جاتا ہے کہ "اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ یہ اکثریت اور اقلیت، ہندو فرقہ اور مسلمان فرقہ کے چند در چند زاویئے معدوم ہوجائیں گے۔اب آپ آزاد ہیں، اس مملکت پاکستان میں آپ آزاد ہیں، اپنے مندروں میں جائیں، اپنی مساجد میں جائیں یا کسی اور عبادت گاہ میں، آپ کا کسی مذہب، ذات پات یا عقیدے سے تعلق ہو کاروبار مملکت کا اس سے کوئی واسطہ نہیں"۔۔ سیکولر اسٹیٹ کے نام لیواؤں نے اس اقتباس کا سہارا لیکر نظریہ پاکستان اور قائداعظم محمد علی جناح کی سینکڑوں تقاریر کو نظر انداز کردیتے ہیں جس میں پاکستان کے قیام مقصد اسلامی نظام تھا۔ کسی نے قائداعظم کی ذات کو متنازعہ بنانے کیلئے انھیں فرقہ وارنہ نظروں سے دکھانے کی کوشش کی تو کسی کا بس چلا تو قائداعظم کو تاج.برطانیہ کا وفادار ثابت کرنے کیلئے تاریخ کو مسخ کرتے ہوئے کہہ دیا کہ قائداعظم نے تو پاکستان سے وفاداری کا حلف ہی نہیں اٹھایا بلکہ تاج .برطانیہ کا حلف لیا تھا۔ جس کی جتنی بساط تھی اس نے اتنی ہی کوشش کی۔ قوم میں نا اتفاقی، صوبائیت، لسانیت اور فرقہ واریت کا زہر کوٹ کوٹ کر بھرا گیا، ملک دولخت ہوگیا لیکن مفاد پرستوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگی، باقی ماندہ پاکستان کو حصے بخرے کرنے کیلئے ہر سطح پر سازشیں کیں جاتی رہیں، جس کا سلسلہ ابھی تک جاری

ہے۔کچھ عناصر اپنے مسلک کا پاکستان بنانا چاہتے ہیں تو کوئی فرقہ واریت کا سہارا لیکر متشدد ہو رہا ہے ، کوئی لسانیت کے نام پر اچھل رہا ہے تو کوئی قومیت نسل پرستی کے نام پر پاکستان پر اپنا حق جتا کر دوسری اکائیوں کو ملک دشمن بنانے کی تگ ودو میں ہے۔ 11 اگست 1947ء کو اسی دستور ساز اسمبلی میں قائد اعظم نے مستقبل یہ نقشہ بتادیا تھا ، انھوں نے کہا تھاکہ "جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان میں بھی توپٹھان ، پنجابی ، شیعہ اور سنی وغیرہ وغیرہ موجود ہیں ، اس طرح ہندوؤں میں بھی برہمن ، ویش ، کھتری ہیں اور بنگالی ، مداری ہیں ، سچ پوچھیں تو یہی چیزیں ہندوستان کی آزادی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھیں اگر یہ سب کچھ نہ ہوتا تو ہم کب کے آزاد ہوگئے ہوتے ۔"11 اگست 1947ء کی اس خطاب میں جو حصہ نظریہ پاکستان کے مخالف استعمال کرتے ہیں " جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا نہ ہندو ، ہندو رہے گا نہ مسلمان، مسلمان ۔ اس کے بعد قائد اعظم کے اُنھصوں سے عوام کو آگاہ نہیں کیا جاتا کہ انھوں ایسا کیوں کہا ، انھوں نے کہا تھا کہ "مذہبی اعتبار سے نہیں ، کیونکہ یہ ذاتی عقائد کا معاملہ ہے ، بلکہ سیاسی اعتبار سے اور مملکت کے شہری کی حیثیت سے " قائد اعظم نے پہلی دستور ساز اسمبلی سے جب خطاب کیا تو انھوں نے واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ " حکومت کا پہلا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ امن وامان برقرار رکھے تاکہ مملکت اپنے عوام کی جان ومال اور ان کے مذہبی عقائد کو مکمل تحفظ دے سکے۔"امن وامان کے بعد انھوں نے رشوت ستانی اور بد عنوانی

کو بڑی لعنت قرار دیتے ہوئے ایسے زہر قرار دیا اور اس عزم کا اعادہ کیا کہ اس لعنتکا نہایت سختی سے اس کا قلع قمع کردینا چاہیے۔ تیسرے اہم نقطے میں قائد اعظم نے جس قومی برائی کی نشاندہی کی وہ چور بازاری کی لعنت کو معاشرے کا سب سے بڑا جرم قرار دیتے ہوئے کہا کہ " جب کوئی شہری چور بازاری کرتا ہے تو میرے خیال میں وہ بڑے سے بڑے جرم سے بھی زیادہ گھناؤنے جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ " قائد اعظم آنے والے حالات اور تقسیم ہندوستان کے بعد کے مسائل سے کماحقہ آگاہ تھے اس لئے نئے پاکستان میں اقلیتوں کے تحفظ اور ان کے انسانی و مذہبی حقوق کے تحفظ کو مملکت کی ذمے داری اس لئے قرار دیا کیونکہ بھارت میں بھی مسلمان اقلیت میں تھے اور ہندو ان کے ساتھ ، اور بُرا سلوک کرتے اس لئے انھوں نے سب سے پہلے پاکستانی ہندوؤں اور اقلیتوں کو مکمل تحفظ کا یقین دلایا، جیسے پاکستان دشمن عناصر نے دوسرے معنوں میں لیکر نظریہ پاکستان اور اساس کو ہی مشکوک بنانے اور تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی۔

نظریہ پاکستان کیا تھا ایسے خود ہندو قوم پرست بتاتے ہیں۔ یکم نومبر 1941ء کو لدھیانہ میں اکھنڈ بھارت کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت ہندوؤں کے مشہور رہنماء مسٹر منشی نے کی۔ انھوں نے کہا " تمھیں معلوم بھی ہے کہ پاکستان ہے کیا ؟، نہیں معلوم تو سن لیجئے کہ پاکستان کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسکا حق حاصل ہے کہ وہ ملک کے ایک یا ایک سے زیادہ علاقوں میں

اپنے لئے ایسے مسکن بنالیں جہاں طرز حکومت" قرآنی اصولوں" کے ڈھانچے میں ڈھل سکے اور جہاں " اردو" ان کی قومی زبان بن سکے، مختصراً یوں سمجھئے کہ پاکستان مسلمانوں کا ایک ایسا خطہ ارض ہوگا جہاں اسلامی حکومت ہوگی۔)ٹریبیون 2 نومبر 1941ء(۔ 1936ء سے 1938ء تک سر اقبال نے جتنے مکتوب جناح کو بھیجے ہیں اس میں بھی دو قومی نظریئے کا عکس صاف نظر آتا ہے۔ محمد علی جناح خود دو قومی نظریئے کے سب سے بڑے حامی تھے انھوں نے نہ صرف آل انڈیا نیشنل کانگریس کی تاحیات صدر رہنے کی پیش کش کو مسترد کیا بلکہ علماء دیوبند اور مسلم نیشنلسٹ رہنماؤں کی مخالفت بھی مول لی اور اسی بنیاد پر الیکشن میں حصہ لیا۔ قائداعظم کے نظریات وہی ہیں جو اسلام کے ہیں ۔ اسلام تمام مذاہب کا احترام، عبادات کی مکمل آزادی، تفرقوں سے نفرت اور امن و سلامتی کا درس دیتا ہے تاریخی طور پر تو جنگ آزادی 1857ء کے دس سال بعد 1867ء میں سید احمد خان نے اردو، ہندی جھگڑے کے باعث ہندو، مسلم علیحدہ علیحدہ اور کامل قوموں کا نظریہ پیش کر دیا تھا۔ یہ نظریہ انڈین نیشنل ازم پر یقین رکھنے والوں کے لئے دو قومی نظریہ صور اسرافیل بن کر گونجا اور پاکستان کی تخلیق کیلئے اس نظریہ کو اخذ کرکے 1947ء میں پاکستان کو ہندوستان سے الگ مملکت میں ڈھالا گیا۔ حیدرآباد دکن) میں عثمانیہ یونیورسٹی کے طلباء کو 1941ء میں کچھ یوں بیان کیا کہ جس کے بعد) کچھ اور کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ انھوں نے کہا تھا "اسلامی حکومت کے تصور کا یہ

امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات
ہے جس کی تعمیل کا" واحد ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول" ہیں۔اسلام میں اصلا
نہ کسی" بادشاہ "کی اطاعت ہے نہ کسی" پارلیمان" ,نہ کسی اور" شخص" یا "ادارہ
کی۔"قرآن کریم "کے احکام ہی سیاست یا معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے"
حدود متعین کرتے ہیں،اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی
حکمرانی ہے اور حکمرانی کیلئے آپ کو علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔(اورینٹ پریس
بحوالہ روزنامہ انقلاب ، لاہور مورخہ 8 فروری 1942ء(۔ قائدا عظم محمد علی جناح کی
کسی بھی تقریر یا خطاب کو تقسیم ہندوستان سے قبل اٹھا کر دیکھ لیں کہ وہ پاکستان میں
قرآنی نظام' چاہتے تھے، ان کے تقریبا تمام خطابات آئینہ دار ہیں۔'

میں ڈاکو بننا چاہتا ہوں

یقینی طور پر کالم کا عنوان دیکھ کر آپ چونکٹ گئے ہونگے کہ یہ کیا ، والدین تو جب بچوں سے پوچھتے ہیں کہ بیٹا بڑے ہو کر کیا بنوگے تو بچے سوچے سمجھے بغیر کہہ دیتے ہیں کہ میں بڑا ہو کر ڈاکٹر بنوں گا ، پائلٹ بنوں گا ، فوجی بنوں گا وغیرہ وغیرہ ۔ مجھ سے بھی کبھی والدین نے پوچھا ہوگا کہ بڑے ہو کر کیا بنوگے تو مجھے تو یاد نہیں ہے کہ اس وقت میں کیا کہا ہوگا لیکن مجھے فلم یا ڈرامہ ہدایت کار بننے کا شوق رہا تھا ، وہ الگ بات ہے کہ اس کی الف ب ، پ بھی نہیں آتی اس لئے اس طرف کوشش بھی نہیں کرسکا ، پھر اداکار بننے کا خواب دیکھا کہ حسین دوشیزائیں ہونگی اور میں ہیرو ، لیکن اس کے لئے عملی طور پر جب آئینے میں خود دیکھا تو سمجھ میں آیا کہ میں ' الو' تو بن سکتا ہوں لیکن اداکار نہیں ، پھر صداکار بننے کی خواہش ابھری کہ اکثر مجھے کہا جاتا کہ تمھاری آواز بہت اچھی ہے تم رومانی غزلیں جب پڑھتے ہو تو بہت اچھا لگتا ہے اور حقیقت کا گمان ہوتا ہے ، لیکن اس پر بھی کسی نے خیال دلایا کہ اس کیلیے اردو دانی ضروری ہے تم ٹھہرے پٹھان ، لکھنے لکھانے کا بہت شوق تھا ، ابتدا میں سرکاری محکموں کے بد عنوان اہلکاروں کی زیادتیوں کے خلاف عوامی درخواستیں لکھتا تھا ، ایک شہرت سی بن گئی کہ میری لکھی درخواست پر فوری ایکشن ہوجاتا ہے اس

لئے مجھے لکھنا چاہیے، پھر کسی سے محبت ہو گئی، تو شاعری شروع کردی، لیکن جتنی جلدی محبت ہوئی تھی اتنے جلدی شاعری بھی ختم کردی۔ لیکن اچھی اور غم زدہ شاعری سے شغف رہا کیونکہ زندگی میں یہ چوٹ جو کھائی تھی، پھر اسی عالم میں سیاست دان بننے کا خبط سوار ہوا اور اک سیاسی جماعت میں ایک عہدے پر چیلنج سمجھ کر دن رات ایک کردیئے اور اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا لیکن خدمت کے اس جذبے کو تاراج کردیا گیا، دماغ میں خلل واقع ہوا تو ایک دوسری تنظیم جوائن کرلی، لیکن یہاں دیکھا کہ دور کے ڈھول سہانے ہیں، لسانیت، تعصب اور عناد کی گرم بازاری ہے، کافی عرصہ رویوں کو دیکھنے کے بعد عزت کے تقاضے کو مد نظر رکھتے ہوئے علیحدگی اختیار کرلی، حساس طبعیت اور پٹھان فطرت کی وجہ سے کچھ ایسی عادتیں تھیں جنھیں دوسرے لوگ بے وقوفی اور میں ایسے عزت نفس سے تعبیر کرتا تھا۔ خیر ان تمام باتوں کی تمہید کا مقصد کوئی تعارف کرانا نہیں تھا بلکہ ایک ایسے شخص کی ذہینی کیفیت کو شیئر کرنا تھا جو سب کے لئے اپنے دل میں درد رکھتا ہے لیکن ایسے دوسری جانب سے ویسا ریسپانس نہیں ملتا، یہی سوچ کر رہ جاتا ہوں کہ دنیا تمام کی تمام تو غلط نہیں ہوگی، یقینی مجھ میں بھی کوئی غلطی ہوگی،

محاسبے کی ضرورت ہے لیکن کوئی ایسا شخص نہیں مل سکا کہ مجھے میری خامیوں کی نشاندہی کرسکتا، اس لئے اسی انتظار میں زندگی کے چار دنوں پورے کرلئے اور چار گولیاں کھانے کے بعد زندہ بچ جانے کو اوور ٹائم قرار دیتا ہوں۔ کبھی کھبار زندگی کے نشیب وفراز

سے بہت مایوس ہو جاتا ہوں لیکن شکست تسلیم نہ کرنا میری خُو میں نہیں ہے، پسپائی میں نے سیکھی نہیں اور خوشامد میرا وطیرہ نہیں۔ لیکن کہتے ہیں کہ باتوں سے پیٹ بھرا نہیں کرتا اس کے لئے زمین زرخیز کرکے فصل اگانے پڑتی ہے، لیکن بنجر زمین پر یا سیم زدہ زمینوں پر فصل لگانے کا تجربہ نہیں۔ تعلیم انسان کو تہذیب، اخلاق اور زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھاتی ہے اور جس نے دن میں کام اور رات کو تعلیم حاصل کی ہو، وہ اس قدر بہت اچھی طرح جانتا ہے۔ لیکن میرا اپنا ایک تجربہ ہے کہ قدر انسانوں میں ان کی ہے جن کے پاس مال و دولت کے انبار ہوں، بڑی بڑی گاڑیاں ہوں، خوشامدی حلقوں کا اثر ہو، اب چاہیے وہ طوائف کے نام پر فنکارہ ہی کوئی نہ ہو، ایسے اگلی نشستوں میں عزت و احترام کے ساتھ بیٹھایا جاتا ہے اس کی آؤ بھگت کی جاتی ہے، وہ جسم فروش ہوئی تو کیا ہوا، اس کے خوبصورت جسم کی قیمت ہماری سال بھر کی کمائی سے بھی زیادہ ہے اس لئے وہ ہمارے اس معاشرے میں عزت و احترام کا جذبہ پانے میں زیادہ حق رکھتی ہے، ہاں یہ الگ بات ہے کہ طوائف کو اگر طوائف کہیں تو اسے بُرا ضرور لگے گا لیکن اسے جب ملک کا سرمایہ کہیں، عظیم فنکارہ کہیں، ملک کا اعلیٰ ترین نشان امتیاز، دیں تو پھر اس بات کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔ ہم تو معاشرے کے اس طبقے کے لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں جو قوم کی خدمت کے نام پر اپنا گھر بار فروخت کر دیتے ہیں، لیکن جن کے لئے روز و شب محنت کی ہوتی ہو اس کا ایک جملہ ایسے خدمت گار سے ملازم بنا دیتا ہے، اور دھتکار

دیا جاتا ہے، جب وہی شخص انسانیت کے نام پر خلوص دل کے ساتھ اپنی عادت، جسے احباب بے وقوفی کہتے ہیں، مجبور ہو کر، باغی بن جاتا ہے اور اپنی قوم میں معطون ہوجاتا ہے تو ایسے ٹشو پیپر کے طرح ڈسٹ بن میں پھینک دیا جاتا ہے، بھول جاتے ہیں کہ ان کیلئے جان خطرے میں ڈالی، گولیاں کھائیں، بچوں کا مستقبل برباد ہوا، معاشرے میں بچوں اور نوجوان نسل کی بیداری کی تحریک لیکر نکلے لیکن اپنے گھر میں اندھیرا کردیا، دوسروں کے بچوں کو تعلیم کے زیور سے روشناس کرانے کی تگ و دو میں اپنی اولاد ہی تعلیم سے محروم ہو گئی، کوئی کم عمری میں گیراج میں چلا گیا تو کوئی کارخانے میں پیکنگ کرنے لگا، کوئی گھر کے آگے چھولے فروخت کرنے لگا، قلم سے محبت کرنے والا، گاڑیوں کے ٹائر دھونے لگا اور اسی میلے ہاتھوں سے معاشرے میں پائی جانے خرابیوں پر تجزیہ کرتے وقت خود کو فراموش کردیتا کہ اس کی بے حالی کا ذمے دار معاشرہ نہیں بلکہ وہ خود ہے جس نے خود کو زمانے کا ٹھکیدار بنا دیا ہے۔ظاہری نمود و نمائش میں ناکام رہنے کی کم ہمتی کی وجہ سے خوشامد پسندوں کے معیار پر پورا نہیں اترنا ہی سب سے بڑی ناکامی ہے۔ گھر کا نظام جو درست نہ کرسکے وہ معاشرے کو کیا درست راستے کو دیکھا سکتا ہے۔بیٹوں کو تعلیم کا زیور نہیں دے سکے تو بیٹی کو عزت سے رخصت نہیں کرسکتے، عزت کیلئے اپنی ذات کی نیلامی کرنا پڑتی ہے، اپنی عزت نفس کو قربان کرنا پڑتا ہے اور خود کو برائے نام فروخت کردینا پڑتا ہے۔ میں برائے فروخت ہوں، لیکن میں معاشرے کے ایک فضول

اور بیکار پرزہ ہوں ، ایک ایسا انسان ، جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنا منظور ہے کیونکہ اسے معاشرے میں اپنی ناک بڑی رکھنے کیلئے سود پر رقم اٹھانی پڑتی ہے اپنی بے گناہی کے لئے اپنا گھر بار فروخت کرنا پڑتا ہے ، پیٹ میں حرام کے لقموں سے ، بچنے کیلئے اپنے بچوں کو اسکول ، کالج کے بجائے گیراج اور کارخانوں اور ماربل فیکٹریوں میں موت کے منہ میں بھیجنا پڑتا ہے ، کس قسم کا دانش ور ، کہاں کی تعلیم ، کہاں کا شعور کہاں کا احساس ، سب کچھ فضول ہے کیونکہ اس دنیا میں وہی کامیاب کہلاتا ہے جو ڈاکو ، ہو ، کسی کی محنت کو لوٹتا ہو اور اور اس کی عزت کو مار دیتا ہو ، میں بھی ڈاکو بننا چاہتا ہوں ، میں بھی اپنے احساس محرومی کا انتقام لینا چاہتا ہوں ۔ میں بھی سوچتا ہوں کہ ایک پستول لیکر کسی موٹر سائیکل والے کو دھکا دیکر اس کا مال و اسباب لوٹ لوں ، اس مال و اسباب چھین لوں ، میں بھی چاہتا ہوں کہ میں قانون نافذ کرنے والوں کے ساتھ ملکر منشیات فروخت کروں ، خوب کماؤں ، پکڑا جاؤں تو پھر اسی رقم سے رشوت دیکر چھوٹ جاؤں ، کوئی دشمن ہو تو کرائے کے لوگوں سے اپنا من پسند کام کراؤں ، کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ ہم جیسے لوگ سرکاری ہسپتالوں میں اپنے بچوں کو گھنٹوں لائن میں کھڑا کرکے اس کے علاج کے لئے ڈاکٹر کی توجہ کے طالب ہوتے ہیں ، لیکن ان کی توجہ ہم سے زیادہ ہاوس جاب کرنے والی فیشن ایبل اسٹاف پر ہوتی ہے ۔ غریب کا بچہ کراہا رہا ہوتا ہے اور ڈاکٹر ، اسٹاف سے ملکر دانت نکال کر ہنس رہا ہوتا ہے ، مجھے نفرت ہے

ایسے معاشرے سے جہاں جینے کیلئے مرنا ضروری ہے، جہاں سانسیں لینے کیلئے کسی سانس چھیننا ضروری ہے، جہاں خدمت کے بجائے، مفاد پرستی ضروری ہے، جہاں عزت کا معیار اس کے لوٹ مار، منشیات فروشی اور حرام کی کمائی سے ناپا جاتا ہے، عزت کا نام طوائف ہے، جو جتنی بڑی رقم دے گا، طوائف اسی کی جھولی میں گرے گی، ۔عزت کا جب یہ معیار ہو تو بتاؤ کیا کروں َچپ چاپ کڑھتا رہوں، سفارش کے آگے بس نہ چلے تو ڈاکو نہ بنوں تو کیا کروں، بچہ تکلیف سے سرکاری ڈاکٹروں کے سامنے دم توڑ رہا ہو، تڑپ رہا ہو تو اسے پرائیوٹ ہسپتال جانے کے لئے رقم کا بندوبست کرنے کیلئے ڈکیتی نہ کروں ۔بچے بڑے ہو کر پوچھیں کہ ابا، ہمارے مستقبل کیلئے کیا کیا؟ تو انھیں ان کو جیل کی سلاخیں دکھاؤں اور دہشت کی اس تخت پر بیٹھاؤں جہاں سب کچھ ایک فون پر قدموں میں سر کے ساتھ جھکا کر رکھ دیا جاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اشتہار میں جب قوم، لسانیت، تعصب اور رشوت دیکھی جائے تو بغیر اشتہار، ای نوکری کیوں نہ کی جائے کہ جس نے یہ سب کچھ کیا اور اس حال پر پہنچایا اس کا پیٹ چاک کرکے سب کچھ باہر، نکال دیا جائے ۔ لیکن اس کے لئے بھی دلیری چاہیے، میرے بچوں مجھے معاف کردو، میں بزدل انسان ہوں، میں تو انسان بھی نہ بن سکا، لیکن ڈاکو بننا چاہتا ہوں ۔

! داعش' کی پاکستان میں پیش قدمی'

ایران کے سپریم سلامتی کونسل کے سیکرٹری نے امریکہ پر الزام عائد کیا کہ امریکا دولت اسلامیہ کیخلاف کاروائی کے بہانے قوموں کی خودمختاری کو پامال کرنے کی منصوبہ بندی پر عمل کرنا چاہتا ہے علی شامخانی کا کہنا ہے کہ امریکا شام اور عراق میں اپنی پالسیاں مسلط کرنا چاہتا ہے اور شامی حکومت کیخلاف باغیوں کی حمایت کر رہا ہے۔ایران کیجانب سے پہلی بار ایسا بیان اُس وقت سامنے آیا جب امریکا کی سربراہی میں دولت اسلامیہ کیخلاف بنائے جانے والے عالمی اتحاد میں ایران کی اس پیش کش کو مسترد کردیا گیا جس میں اس نے اپنے خلاف عالمی پابندیوں اٹھانے کا مطالبہ کیا تھا، ویسے بھی دولت اسلامیہ کیخلاف ایران، عراقی حکومت کیساتھ ملکر سخت مزاحمت کر رہا ہے اور فرقہ وارانہ اس جنگ میں دولت اسلامیہ کیجانب سے ہر متنازعہ عمل کے باوجود، یہ منصوبہ بھی سامنے آیا ہے کہ ایران ،دولت اسلامیہ کا بہانہ بنا کر عراق پر قبضہ کرنے کی منصوبہ بندی اور ماضی میں ایران ، عراق جنگ کا بدلہ لینا چاہتا ہے، اسی کیساتھ مخصوص مسلک کیساتھ سعودی عرب کیخلاف ایران مشترکہ گروپ تشکیل دینا چاہتا ہے۔ایران کے نائب وزیر خارجہ حسین امیر عبدالحیان نے سرکاری ٹی وی کو بیان دیا ہے کہ ایران دہشت گردی کیخلاف ہونے والی اس عالمی کانفرنس میں شرکت کا خواہش مند نہیں

ہے، ان کے مطابق تہران خطے اور دنیا میں دہشت گردی سے لڑنے کی حقیقی جنگ لڑنا چاہتا ہے۔ مصر جیسی مملکت دولت اسلامیہ کیخلاف عسکری کاروائیوں میں عملی طور پر کوئی کردار نہیں کرنا چاہتی لیکن امریکا، مصر کی جامعہ الازہر کو مذہبی محاذ پر دولت اسلامیہ کا مقابلہ کیلئے استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ دولت اسلامیہ نے عراق میں سخت گیر پالیسیوں کے تحت، غیر مسلموں سے جزیہ وصولی یا نقل مکانی کے احکامات اور مصری خواتین کے ختنہ پر پابندی سمیت، دولت اسلامیہ کے سپاہیوں کی شادی کیلئے گھر گھر، غیر شادی شدہ لڑکیوں کی فہرست مرتب کے ساتھ ساتھ انھیں اس بات کی ترغیب (احکامات) دیئے گئے کہ وہ دولت اسلامیہ کے مجاہدین کیساتھ نکاح کریں، اسی کیساتھ دولت اسلامیہ کیجانب سے مخالف فرقہ کی مساجد اور انبیا و اہل بیت کے مزارعات کو مہندم کرنے کے واقعات سمیت امریکی صحافیوں کی گردن زنی کی ویڈیو جاری ہونے کے بعد پوری دنیا میں ایک پیغام دیا ہے کہ دولت اسلامیہ اپنے منصوبے کے مطابق، شام اور عراق کے بعد محدود نہیں رہے گی بلکہ اس کی سرگرمیاں بتدریج بڑھتی چلی جائیں گی۔ چونکہ دولت اسلامیہ کی سرگرمیاں خود مسلم امہ کیلئے حیران کن ہیں کہ وہ اسلام کے نام پر اس قدر متشدد رویہ کیوں اپنائے ہوئے ہے القاعدہ کی جانب سے بھارت اور کشمیری مسلمانوں پر ہونے ہونے ظلم و ستم کے نام پر بھارتی شاخ کے قیام نے ہندوستانی حکومت میں سراسیمگی پیدا کردی ہے۔ انڈین میڈیا کے حوالے سے یہ خبر بھی آئی کہ دوزیر تعلیم انجینئر طلبا کو

کلکتہ سے گرفتار کیا گیا جو بنگلہ دیش میں دولت اسلامیہ کی خلافت کے حامی تھے تو دوسری جانب بھارت اور کشمیر کی عسکریت پسند مسلم تنظیموں کے علاوہ بھارت کے مظلوم مسلمانوں کو بھارتی ہندو انتہا پسندی سے نجات یا سبق دلانے کیلئے القاعدہ کے اعلان میں بڑی کشش پائی جاتی ہے ، ابھی اس حوالے سے چہ میگوئیاں جاری تھیں کہ دولت اسلامیہ کیجانب سے افغانستان اور پاکستان میں بھی کاروائیوں کیلئے قدم رکھ دیا گیا ہے اور دولت اسلامیہ کیجانب سے تشہیری مہم شروع کر دی گئی ہے جس میں پاکستان میں مقیم لاکھوں کی تعداد میں موجود افغان مہاجرین کی بستیوں ، میں دولت اسلامیہ کیجانب سے ایک کتابچہ تقسیم کیا گیا ہے کہ وہ 'اسلامی خلافت' کے قیام کیلئے حمایت کریں۔ دولت اسلامیہ کیمطابق وہ خراسان میں خلافت قائم کرنے کیلئے جدوجہد کریں گے ۔ جس میں پاکستان ، افغانستان ، ایران اور وسطی ایشیائی ممالک شامل ہونگے ، پشتو اور دری زبان میں چھاپے گئے اس کتابچے میں افغان باشندوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اہم پہلو یہ ہے کہ بیشتر افغان باشندے جہاں ملا امیر کی قائم کردہ عسکری جماعت طالبان کو سپورٹ کرتے ہیں وہاں دولت اسلامیہ کی جانب سے عراق میں مسلسل کامیابیوں کے بعد ان میں دولت اسلامیہ کیلئے حمایت کا جذبہ بھی پایا جاتا ہے ، چونکہ پاکستان میں طالبان مختلف گروہ بندیوں کا شکار ہو کر مسلسل دھڑوں میں تقسیم ہو رہے ہیں اس لئے طالبان کی جانب سے کاروائیاں بھی ماند پڑ گئیں ہیں، جس کی اہم مثال عصمت اللہ معاویہ پنجاب طالبان کی جانب سے

پاکستان میں عسکری جنگ ختم کرنے اور افغانستان تک محدود رہنے کا خوش آیند اعلان ہے تاہم اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کیلئے اور شمالی وزیرستان پاک فوج کی کامیاب کاروائیوں اور پیش رفت کے بعد طالبان اتحادیوں نے ' جماعت الاحرار ' کے نام سے ایک نئی تنظیم بنالی ہے، یہ تنظیم امیر ملا محمد عمر کو اب بھی اپنا امیر تسلیم کرتی ہے لیکن دولت اسلامیہ کی کوششوں کو بھی سراہاتی ہے جس لگتا ہے کہ اگر دولت اسلامیہ کی سرگرمیاں پاکستان میں بڑھنے لگیں تو انھیں کامیابیاں مل سکتی ہیں اور قبائلی عوام کی محرومیوں کے جواز پر القاعدہ، طالبان سے بڑھ کر دولت اسلامیہ کو بھی قدم جمانے کا موقع مل سکتا ہے۔ دوسری جانب ایران کی جانب سے دولت اسلامیہ کے خلاف سخت گیر فرقہ وارنہ رویہ بھی متنازعہ بن رہا ہے۔

دعوت جہاد' نامی پشتو اور دری زبان میں لکھے بارہ صفحات پر مبنی اس کتابچے میں ' کلاشنکوف پر لگے کالے رنگ کے پرچم پر کلمہ اور مہر رسول ﷺ کے ساتھ نمایاں انداز میں فتح لکھا ہوا ہے جبکہ کاروں پر اسٹیکر بھی دیکھے جارہے ہیں، ذرائع یہ بتاتے ہیں کہ یہ مواد افغانستان کے علاقے کنٹر سے آئے ہیں۔ فی الحال یہ کتابچے پشاور، نوشہرہ اور دیگر علاقوں میں افغان مہاجرین کی بستیوں میں دولت اسلامیہ کیجانب سے نامعلوم افراد نے تقسیم کئے ہیں۔ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں بار بار آپریشن کے باوجود کچھ وقفے کے

بعد کوئی نہ کوئی عالمی عسکری شدت تنظیم قدم جمانے میں اس لئے کامیاب ہو جاتی کیونکہ ان علاقوں کو ملک کے دیگر علاقوں کی بہ نسبت پس ماندہ رکھا گیا ہے، انگریزوں کا دیا ہوا کالا قانون ایف سی آر کی وجہ سے بنیادی حقوق عام قبائلی کیلئے ممنوع ہیں، پولیٹیکل ایجنٹ، علاقے کا بادشاہ ہوتا ہے اور یہاں سیاسی سرگرمیوں کی دیگر ملک کے حصوں کی طرح اجازت نہیں ہے خواتین کا کردار صرف پختون روایات اور اسلامی نقطہ نظر سے صرف گھروں تک محدود ہے، تعلیم اور دیگر بنیادی حقوق مہیا نہیں کئے جاتے، روزگار سمیت معاشی مسائل ان علاقوں کا مقدر بن چکا ہے، وفاق کے ماتحت ہونے کے سبب صوبائی حکومت کی عمل داری نہیں ہے، گورنمنٹ کی رٹ کے بجائے قبائلی روایات کے مطابق ہی یہاں تمام فیصلے کئے جاتے ہیں اس لئے حکومتی انتظام و انصرام نہ ہونے کے سبب یہ قبائلی علاقے عالمی عسکریت پسند تنظیموں کیلئے ایک جنت کا درجہ رکھتی ہے۔ پھر افغانستان کی جانب سے پاکستان کے ساتھ بغض کے سبب ان عناصروں کی سرپرستی اور ملک دشمن ممالک کی جانب سے پاکستان کی بقا اور سلامتی کے خلاف سازشیں، دولت اسلامیہ جیسی عالمی تنظیم کو جلد ہی پاکستان میں اپنے قدم جمانے کا موقع فراہم کر سکتی ہے۔ گو کہ پاکستانی وزارت خارجہ کی جانب سے دولت اسلامیہ کی پاکستان میں کسی سرگرمی سے قطعی لاعلمی اور تردید کی گئی ہے لیکن وزرات خارجہ کی 'کم لاعلمی' ماضی کی طرح صرف رسمی بیانات کی حد تک محدود ہیں، اگر پاکستان افغانستان میں صدارتی انتخابات کے بعد پاکستان کو

ایک نئی جنگ سے بچانا چاہتی ہے تو اسے ابھی سے اس اہم معاملے پر توجہ دینی ہوگی ، افغان مہاجرین کی جلد از جلد واپسی کو ممکن بنانا ہوگا ، غیر ملکیوں کی سرگرمیوں کو قانون کی گرفت میں لا کر رجسٹرڈ افغان مہاجرین کو کیمپوں تک محدود رکھا جائے۔ ورنہ حکومت ایک نئی نہ ختم ہونے والی جنگ کے لئے تیار ہو جائے کیونکہ قبائلی علاقوں میں مسلسل آپریشن کے بعد انھیں حکومت اور سیاسی جماعتوں نے جس طرح نظر انداز کیا ہے اس سے خدشہ ہے کہ نوجوانوں کے رجحانات اس تنظیم کی جانب ہو سکتے ہیں کیونکہ احساس محرومی کے شکار کسی بھی فرد یا قوم سے رد عمل نہ صرف فطری ہوتا ہے بلکہ اس میں بدلے اور ناراضگی کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔ حکومت کو اس کے مکمل خاتمے کیلئے اور ایسی تنظیموں کا راستہ روکنے کیلئے ابھی سے اقدامات کرنا ہونگے ۔ پاک فوج سرحدوں کی حفاظت کر رہی ہے لیکن سیاسی انداز میں بے چین اور احساس محرومی کے شکار عوام کے ساتھ کب تک اکیلے نبرد آزما رہے گی ، فوج اپنے حصے سے بڑھ کر کام کر رہی ہے جبکہ سیاسی جماعتوں ، صوبائی اور وفاقی حکومتیں محاذ آرائیوں سے بیزار ہونے والی عوام کی زیادتیوں کا ازالہ فوری نہیں کیا گیا تو مستقبل میں دولت اسلامیہ کا وجود پاکستان میں طالبان اور القاعدہ سے انتہائی زیادہ خطرناک ہوگا۔ عراق و شام کے حالات سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیے۔ یہ انتہائی اہم معاملہ ہے کیونکہ دولت اسلامیہ کے ساتھ صرف ہمدردی افغانستان کے عوام کو ہی نہیں ، بلکہ پاکستان میں بھی کئی تنظیمیں اور گروہ ہیں ، جو دولت اسلامیہ

کی جانب سے شام و عراق میں کی جانے والی کاروائیوں کو درست سمجھتے ہیں اور پاکستان میں دولت اسلامیہ کو قدم جمانے میں مشکل نہیں۔

کراچی کے ملامتی سیاست

پاکستانی سیاست بھی ایک بڑا عجیب کھیل ہے کہ جس شخص نے مضبوط مرکز کیلئے متفقہ آئین بنانے میں اہم کردار ادا کیا تھا، اسی شخص کو غداری کے الزام میں سندھ میں قائم حیدرآباد ٹریبونل نے پابند سلال کردیا۔ولی خان ایک ایسے 'غدار' تھے جس کے ساتھ ملکر ہر محب الوطن پارٹی مخلوط حکومت بنانا چاہتی تھی تو اپوزیشن ان کے ساتھ ملکر جمہوریت کی بقا کے لئے جدوجہد بھی کرتی تھی۔ پیپلز پارٹی نے انھیں غدار کہا تو ان کیساتھ ملکر صوبہ سرحد میں حکومت بھی بنائی، ذوالفقار علی بھٹو انھیں حزب مخالف کے بجائے نائب وزیر اعظم کا عہدہ پیش کرتے رہے، مسلم لیگ نے تو انھیں قیام پاکستان سے قبل بھی غدار کہا تو قیام پاکستان کے بعد ہمیشہ غدار ہی کہتے رہے، آج اسی مسلم لیگی حکومت کی حمایت کیلئے ولی خان کے پیش رو بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں، جب کہ اس قبل اے این پی والے پیپلز پارٹی کے آگے بین بجاتے رہے تھے۔ نواز شریف نے ان کیساتھ ملکر مخلوط حکومت بھی بنائی ، جماعت اسلامی جو قیام پاکستان کے وقت سے ہی خدائی خدمت گاروں کی مخالف تھی ، ولی خان کیساتھ ملکر ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف اتحاد میں شریک رہی۔ ولی خان نے مسلم لیگ اور بانی پاکستان کی سیاست سے بھی اصولی اختلاف کیا، ہندوستان کی تقسیم کو باچا خان مسلمانوں کا بٹوارہ کہتے تھے۔ 1980ء کی

دہائی میں 'حقائق حقائق ہوتے ہیں' کے عنوان سے قیام پاکستان میں انگریزوں کے مبینہ کردار پر ایک اکتاب لکھ کر اپنا نقطہ نظر تاریخی حوالوں کے ساتھ بیان کیا۔ لیکن جب آمریت کے خلاف اصولی سیاست کا مرحلہ آیا تو اسی بانی پاکستان کی بہن فاطمہ جناح کی صدارتی مہم کیلئے کھل کر حمایت کی۔ پنجاب کی سیاست ہو یا اسٹیبلشمنٹ کی منصوبہ بندی، ولی خان نے ہمیشہ امن کی سیاست کو ترجیح دی، کراچی میں لسانی فسادات میں جب حالات انتہائی خراب ہو چکے تھے، ولی خان نے الطاف حسین کا ہاتھ تھام کر انھیں یقین دلایا کہ اگر آپ کیساتھ اس وقت کوئی نہیں تو اس پٹھان نے جو ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دیا ہے، وہ کبھی نہیں چھٹے گا۔ کراچی کی تاریخ نے ثابت کیا کہ ولی خان نے الطاف حسین کا ہاتھ ان حالات میں تھاما، جب ایم کیو ایم کا وجود خطرے میں تھا، ان پر غداری کے سنگین الزامات عائد کئے جا چکے تھے، ایم کیو ایم کے سربراہ الطاف حسین سمیت صف اول کی تمام قیادت مصائب کا شکار ہو چکی تھی اور ریاست ان کے خلاف مختلف سنگین الزامات کے بعد آپریشن کر رہی تھی۔ ولی خان کے علاوہ پاکستان کی کوئی بھی سیاسی و مذہبی جماعت ایم کیو ایم کے مینڈیٹ کو تسلیم نہیں کر رہی تھی لیکن ولی خان نے قیام امن کے خاطر بہت بڑا رسک لیکر لسانی فسادات و قتل وغارت کے منصوبے کو جس طرح ایوب خان کے دور میں فاطمہ جناح کی حمایت کرکے ختم کیا تھا اسی طرح کراچی میں مہاجر، پختون دشمنی کو منوں مٹی تلے دبا دیا۔ کراچی میں امن قائم ہوا اور پختون مہاجر جھگڑا اپنے انجام پر

پہنچا، لیکن ایک بار پھر سوچ سمجھے منصوبے کے تحت کراچی و حیدرآباد میں ایم کیو ایم سے لڑانے کیلئے بھیانک کھیل بارہ مئی 2007ء کو کھیلا گیا اور کراچی میں لسانی عدوات نے بام عروج حاصل کیا۔ مرادن کے علاقے بابو زئی سے آنے والے ایک غیر سیاسی شخص نے، جو ناظم آباد میں مخالف امیدوار کو پچاس ہزار رشوت دینے کے باوجود، کونسلری کا الیکشن بھی نہیں جیت سکا تھا اور پشتو فلموں میں کام کرنے کا انتہائی شوقین تھا اس نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا، میرے کانوں میں آج بھی اقبال بونیری کی آواز گونجتی ہے" فروخت کردیا، فروخت کردیا کروڑوں روپوں میں پختونوں کے خون کو فروخت کردیا گیا" ، اُس ولی خان نے جس نے کراچی میں قیام امن کیلئے مثال قائم کی تھی، اس کے جانشین نے بارہ مئی کے واقعے کے بعد تین دن کی ہڑتال رکوانے کیلئے اس وقت اے این پی سندھ کے صدر شاہی سید کو تنبیہ کی اگر ان تین دن میں کوئی ایک شخص بھی قتل ہوا تو اس کی ایف آئی آر تم پر کٹوا دوں گا، جس پر شاہی سید ڈر گیا اور تین دن کی ہڑتال کی کال واپس لے لی۔ اسفندیار ولی خان نے کراچی میں ہر اس پختون کے گھر و علاقے میں جاکر تعزیت کی جو بارہ مئی کے واقعے میں شہید ہوا تھا لیکن انھوں نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کیا اور ان کے پارٹی کے صوبائی سیکرٹری اطلاعات اقبال بونیری مرحوم روتے ہوئے جب ڈیفس کے بنگلے کی پہلی منزل کی سیٹرھی سے اتر رہا تھا تو اس کا کہنا وقت نے ثابت کردیا کہ " باچا خان کی جماعت آج پراڈو، لینڈ کروزر

والوں نے خرید لی ہے، کروڑوں روپے لیکر شہیدوں کے خون کو فروخت کردیا گیا" ۔
کراچی میں لسانی سیاست کا لوہا جتنا گرم کیا جاتا، اس کے اثر براہ راست پاکستان پر پڑتا لیکن کراچی کو لاوارث چھوڑ دیا گیا اور مختلف قومیتوں کے درمیان غلط فہمیاں دور کرنے کی کسی نے کوشش نہیں کی، اگر شاہی سید ایم کیو ایم پر الزام لگاتے تو ایم کیو ایم بھی الزام لگاتی کہ بارہ مئی کی پلاننگ عرفان اللہ مروت کے گھر میں کی گئی اور اسلحہ گاڑیوں میں کھلے عام لے جایا گیا۔چیف جسٹس (ر) افتخار محمد چوہدری کی آمد و استقبال کیلئے اتنا اسلحہ کیوں لے جایا گیا۔ پھر ہر سال بارہ مئی کی برسی کے نام پر مفادات کی سیاست کی گئی اور بے گناہ انسانوں کے خون سے 'نامعلوم' دہشت گرد اپنے ہاتھ رنگتے رہے، کراچی میں دہشت گردی ٹارگٹ کلنگ کا سوئچ یکدم آن ہو جاتا اور پھر یکدم آف ہو جاتا، پھر ایک خفیہ مقام پر معاہدہ کرکے بارہ مئی کی برسی منانا ختم کردی گئی، جو شخص کونسلر نہیں بن سکتا تھا ایسے اس لئے سینٹیر بنایا گیا کہ کراچی سے جب یہ رکشے والا سینٹ جائے گا تو کراچی میں قتل و غارت کا لسانی بازار کو سرد کرنے میں مدد ملے گی۔ بالآخر اس معاہدے پر عمل کیا گیا تو کراچی میں پچاس لاکھ پختونوں کی لیڈری کا دعوے دار ایسا غائب ہوا کہ آج وہ کراچی میں ہی نہیں پایا جاتا، ولی خان کی اصولی سیاست کو موروثی سیاست بنا دی گئی، کارکنان کو نظر انداز کردیا گیا، شہدا کے گھر فاتحہ خوانی تو کیا جنازے میں بھی شرکت سے گریز کیا گیا۔ من پسند افراد کو عہدے دیئے جانے

لگے ، جس کے سبب کراچی میں زمینیوں پر اور فلیٹوں پر قبضوں کا نہ رکنے والا سلسلہ چل نکلا۔ جتنی لاشیں کراچی میں گرتیں ان کا ان دونوں جماعتوں کے ساتھ براہ راست تعلق نہیں ہوتا تھا، لیکن اسکورنگ کیلئے اسے اپنا کارکن و ہمدرد بنا کر کراچی میں خوف و ہراس کی فضا میں اضافہ کیا جاتا، اس موقع پر قصور کسی ایک جماعت کا نہیں تھا بلکہ مخالف جماعت بھی ہر عمل کو رد عمل کہتی رہی اور جو الزامات وہ لگاتی اس سے یادہ سنگین الزامات کا سامنا کرنا پڑتا لیکن ثبوت کوئی بھی فراہم نہیں کرتا۔ سندھ ، خیبر پختونخوا اور وفاقی حکومت میں ہونے کے باجود پختونوں کے مسائل نہ کراچی میں حل ہوئے اور نہ ہی خیبر پختونخوا میں حل ہوسکے اور پختون عوام نے قومیت کے نام پر کی جانے والی سیاست کو یکسر مسترد کردیا۔ گذشتہ دنوں ولی خان مرحوم کی بیوہ نے سنگین الزامات عائد کرتے ہوئے ولی گروپ کے نام سے ایک سیاسی جماعت بنا لی ، لیکن کراچی میں پذیرائی نہیں مل سکی، کراچی میں پختون قوم قیام امن کیلئے عدم تشدد کی سیاست کرنے والوں کے منتظر ہیں ، پھر اے این پی میں الیکشن کا مرحلہ آیا تو اس بات کو بھی نظر انداز کردیا گیا کہ 2013ء کے الیکشن میں ناکامی کی سب سے بڑی وجہ اقربا پروری اور موروثی سیاست کے ساتھ کرپشن کو قرار دیا گیا تھا، فیکٹ فائنڈنگ رپوٹ کے بعد نومبر 2012ء میں ہونے والی پارٹی الیکشن کو معیاد پوری کرنے سے قبل ہی پورے پاکستان میں تحلیل کردیا گیا، 2014 کے الیکشن میں پرانی تاریخ دوہرائی گئی اور اے این پی واضح طور پر

ناراض گروپ اور کچن کیبنٹ میں منقسم ہو گئی۔ جس طرح ایم کیو ایم کے تنظیمی ڈھانچے کراچی تنظیمی کمیٹی اور رابطہ کمیٹی کو الطاف حسین نے بار بار توڑا اور ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین بار بار قیادت سے دستبرداری کا فیصلہ کرتے ہیں، اس کی وجہ سے کراچی کی سیاست کے خدوخال واضح نظر آجاتے ہیں کہ احتساب کا عمل مسلسل نہ کئے جانے کے سبب بگاڑ پیدا ہوا۔ اے این پی کی طرح ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین نے بھی جنرل ورکر اجلاس میں آن ریکارڈ کہا کہ " تنظیمی عہدے پسند و نا پسند کی بنیاد پر دیئے جا رہے ہیں" ، کرپشن کے الزامات کی بناء پر تمام کارکنان و ذمے داران سے دوبارہ کوائف مانگے جارہے ہیں کہ جب ایم کیو ایم میں آئے تھے تو اس وقت ان کے اثاثے کتنے تھے اور اب کتنے ہیں، گروپ بندیوں پر الطاف حسین کا سخت ایکشن ایم کیو ایم کے تمام کارکنان و ذمے داران بخوبی جانتے ہیں، دیکھنا اب یہ ہوگا کہ ایم کیو ایم اپنے اس احتسابی عمل کے نتائج سے عام عوام کو آگاہ کرتی ہے یا نہیں کہ ایک شادی ہال میں بطور ویٹر کام کرنے والا کراچی کے آدھے سے زیادہ شادی ہالوں کا مالک کیسے بن گیا، وغیرہ وغیرہ۔

اے این پی کو بھی چاہیے کہ وہ احتساب کا شفاف عمل کو یقینی بنائے کہ جس کے پاس ایک رکشہ تھا آج وہ ارب پتی کیسے ہوا اور جس کے موبائل فون کے بل ادا کرنے کے پیسے نہیں ہوتے تھے وہ ملائیشیا و دوبئی میں اربوں کے کاروبار میں پارٹنر کس طرح بنا ۔ تطہیر کا عمل سیکورٹی اداروں کو اوپری سطح سے شروع کرنا ہوگا تب ہی جا کر سیاسی جماعتوں میں

موجود کالی بھیڑوں سے نجات اور امن ملیگا۔

غلامی اکیسویں صدی میں

جدید دور میں جارحیت کرکے طاقت ور ملک اپنی فوجیں کمزور ملک میں داخل کرکے اس کی سرزمین پر قبضہ کرکے حکمراں بن جاتا ہے اور اس ملک کی عوام کو اپنے تابع بنا کر اپنے مقاصد حاصل کرتا ہے ۔اقوام متحدہ کی فہرست میں غلامی کی اس شکل کو شمار نہیں کیا جاتا کہ کسی بھی ملک کو کس نے یہ حق دیا ہے کہ وہ جارحیت کرکے کسی بھی ملک پر قبضہ کرلے اور اس کی عوام کو اپنے دیئے گئے قوانین کا تابع بنائے حکم عدولی پر جیلوں میں ڈالے یا سخت سزائیں دے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایسے مما لک میں عوام اپنے جارح حکمرانوں سے تنگ آجاتی ہے اور موقع ملتے ہی اس گلو خلاصی کی کوشش کرتے ہیں جیسے وہ جارح ملک بغاوت سے تعبیر کرتا ہے لیکن دیکھا یہی گیا ہے کہ وہ اپنا تسلط برقرار رکھنے میں ناکام ہی رہتا ہے ، گو کہ اسے وقتی طور پر کامیابیاں تو ملتی ہیں کہ وہ کچھ سال ، یا عرصہ قابض رہتا ہے لیکن باآلاخر اُسے ناکام و نامراد جانا ہی پڑتا ہے۔ انسانوں کو غلام بنانے یا جیسے دوسروں لفظوں میں کہا جائے کہ انسان پر حکمرانی کا دوسرا طریقہ مذہب ہے ، جہاں لوگوں کو ایمان کے نام پر قائل کرکے حق حکمرانی کا جواز پیدا کیا جاتا ہے اس طریقہ کار میں مذہبی پیشوائیت اپنے جواز حکمرانی کیلئے تشدد و سہانے خواب کا سہارا بھی لیتی ہے جس میں اپنے احکام

منوانے کے لئے طاقت اور ہر حربہ استعمال کیا جاتا ہے جس سے خائف اور لالچ میں آ کر سخت گر مذہبی پیشوائیت کے ہاتھوں مجبور کمزور عوام ان کے ہر حکم کو بجا لانے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔زمانہ قدیم اور نشاۃ ثانیہ سے قبل یورپ بھی مذہبی پیشوائیت کے ہاتھوں غلام بنا ہوا تھا کہ ایسے اپنے گناہ معاف کرانے کیلئے رقم ادا کرنی پڑتی تھی ،جنت جانے کے پرمٹ کیلئے اسے معاوضہ دینا پڑتا تھا، دور جاہلیت کی تمام خامیاں ان میں بہ اتم پائی جاتیں تھیں۔ صلیبی جنگوں کے بعد دور حاضرہ میں فلسطین ، شام ، عراق اور افغانستان سمیت کئی ممالک میں مذہب و مسلک کے نام ایک طاقت ور گروہ کمزور گروہ کو اپنا ماتحت بنانے میں تشدد آمیز کاروائیوں میں بے گناہ انسانوں کا خون بہانے میں تامل نہیں برتتا۔انسان کو غلام بنانے کا تیسرا طریقہ معاشی حکمرانی ہے، اس میں بظاہر کسی جبر دکھائی نہیں دیتا لیکن استعماری قوتیں پوری کی پوری مملکت کو اپنی پالیسیوں کی بنا پر غلام بنا دیتی ہیں ۔ان ہی پالیسیوں کی بنا پر ان سے ٹیکس یا سود قانونی شکل میں وصول کیا جاتا ہے اور لوگ اپنے تئیں یہ سمجھتے ہیں کہ اس رقم سے ان کی حفاظت اور ترقی کے منصوبے بنا کر بہتری کی طرف چلا جائے گا لیکن ان کے آقا ان کے لیڈر اور محافظ بن جاتے ہیں اور بتدریج رزق کے بہتے سرچشموں پر قابض ہو کر عالمی غلامی کا ایک حصہ بن جاتے ہیں بظاہر اس طریقے میں تشدد کا کوئی راستہ اختیار نہیں کیا جاتا لیکن معاشی غلام بنانے کیلئے اس ملک کو اس قدر مسائل میں الجھا دیا جاتا ہے کہ

ایسے عوام کے تحفظ کے نام جنگی جنون میں مبتلا ہونا پڑتا ہے ، بھارت اور پاکستان کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ دونوں ممالک اپنی سرحدوں کے تحفظ کے نام عوام پر نت نئے ٹیکس عائد کرتے رہتے ہیں اور اسلحہ جمع کرنے کیلئے عالمی مالیاتی اداروں سے بے تحاشا قرضہ حاصل کرتے ہیں ، یہی مالیاتی ادارے پاکستان جیسی مملکتوں میں انتشار پیدا کرکے اس کی معاشی ترقی کی راہ رکاوٹیں بھی پیدا کرتیں ہیں تاکہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے نہ ہوسکیں اور ان کی معاشی غلامی کے منصوبے کا حصہ بنیں رہیں ، یہی وجہ ہے کہ اس ملک کی خارجی اور داخلی پالیسیاں ان مالیاتی اداروں کی مرہنوں منت ہوتی ہیں اور انھیں بغیر کسی چوں چراکے اسے قبول کرنا پڑتا ہے۔ ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف عالمی مالیاتی ادارے ہیں جن کا کام یا سے ممالک کو غلام بنانا ہے جس میں قدرتی وسائل وافر پائے جاتے ہوں اور اسے یہ ڈر ہو کہ وہ ملک ترقی کی راہ پر چل کر عالمی تھانیداری کو چیلنج نہ کرسکے۔ یہ شاطر عالمی مالیاتی ادارے ایسی مملکتوں کو قرض کے چنگل میں پھنسا کر ورلڈ گیم کا حصہ بنا لیتے ہیں اور ان سے اپنے مفادات حاصل کرتے ہیں۔ Alexander Fraser Tyler سے منسوب یہ بیان اکثر ہمارے سامنے آتا ہے کہ " دنیا کی بڑی تہذیبوں کی اوسط عمر دو سال رہی ہے ایسی ہر قوم چند مخصوص مراحل سے گزرتی ہے ، پہلے غلامی سے مذہبی عقائد تک ، پھر مذہبی عقائد سے عزم اور حوصلے تک ، پھر عزم و حوصلے کے سہارے آزادی حاصل کرنے تک ، پھر آزادی سے خوشحالی اور پھر خوشحالی سے

خود غرضی تک، خود غرضی لا تعلقی کا سبب بنتی ہے اور جس سے قوم بے حس ہو جاتی ہے ۔بے حسی انحصار لاتی ہے اور انحصار دوبارہ غلامی تک پہنچا دیتا ہے"۔غلامی کی کئی اقسام میں ہمیں انفرادی طور پر خود اپنے آپ کا موازنہ بھی کرلینا چاہیے کہ ہم غلامی کی کس قسم میں گرفتار ہیں۔اصل لب و لباب یہ ہے کہ ہم اپنی ذات کا محاسبہ کریں کہ ہم طاقت کے ہاتھوں غلام بنے ہیں یا اپنی معاشرتی طرز زندگی میں کسی کے معاشی غلام بن چکے ہیں ۔ بہ حیثیت قوم تو ہم اپنے فیصلے اپنے لیڈروں کے ہاتھ میں سونپ دیتے ہیں جس پر ان کی مرضی ہوتی ہے کہ وہ ہمیں کس قسم کی غلامی میں رکھنا پسند کرتے ہیں گھر میں اپنے والدین کی حق تلفی ہو کہ اپنی شریک حیات کو اپنا تابع بنا کر اسے ازدوجی غلام بنانا ،یا پھر آجر ہو کر ملازم کو اجرت پر رکھ کر غلام بنانا ، ہماری سرشت میں داخل ہی اس لئے ہے کیونکہ ہم نے اپنے نفس کو اپنی خواہشات کا غلام بنا رکھا ہے ، اسی نفس کی خواہشات کے آگے ہم جھک جاتے ہیں اور اگر ہمارا تعلق سیاسی یا مذہبی جماعت سے ہے تو اپنی فکر میں تشدد کی آمیزش کردیتے ہیں کیونکہ اخلاق و کردار سے ہمارا دور تک واسطہ نہیں ہوتا ، ہم چند افراد کے اس مجموعے میں گروہ کی شکل اختیار کر جاتے ہیں اور بہ زور طاقت اقلیتی گروہ کو زیر نگیں کرنے کیلئے ہر سعی کرتے ہیں ، گروہ کو اپنی طاقت کو موثر بنانے کیلئے مذہب ، یا کسی بھی نظریئے کا سہارا لینا پڑتا ہے کیونکہ جب تک کسی انسان کو جذباتی نہ کیا جائے اس سے من پسند خواہشات پوری نہیں کرائی جا سکتی

افرادی قوت کو انحصار پھر اسی قوت کا ہوتا ہے جو اسے مضبوطی فراہم کرے اور وہ خود، بھی کسی منافق کی طرح فرار ہونے کیلئے ایک راستہ ضرور رکھتا ہے کیونکہ منافق کی خاصیت یہی ہے کہ غار میں داخلے سے قبل وہ باہر جانے کا راستہ سامنے رکھتا ہے۔ گروہ کو ملکی اثر پذیری حاصل ہوتی ہے تو اس مملکت کو اس جیسے کئی گروہوں کو پاؤں تلے رکھنے کیلئے جاہ و حشمت کے ساتھ مال و دولت کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے وہ ادارے فراہم کرتے ہیں جن کا مقصد ہی انسانوں کو غلام بنانا ہے اور انسان غلام بنتے بنتے اپنی پوری قوم اور ملک کو بھی غلام بناتا چلا جاتا ہے۔ اس میں خوئے غلامی اس قدر اثر پذیر ہو چکی ہوتی ہے کہ جیسے کسی تیتر کو اس کے پنجرے میں بند رکھنے کی عادت کے بعد جب رہا کیا جاتا ہے تو وہ رہائی پانے کے بعد فرار ہونے کے بجائے لپک لپک کر دوبارہ اسی پنجرے کی طرف دوڑتا ہے جس میں اسے قید رکھ کر غلام بنایا گیا ہوتا ہے۔ انسان کی مثال بھی اسی تیتر کی طرح ہے کہ اسے اپنی غلامی عزیز ہے اس لئے وہ روشن راستہ چھوڑ کر فروعی، لسانی، قوم پرستی اور فرقہ وارانہ گروہ بندیوں پر خوش رہتا ہے اور وہ اس پنجرے سے باہر ہی نہیں نکلنا چاہتا اور اس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اس قوم کو اپنے حکمرانوں کا انتخاب کرنے میں عقل سے زیادہ جذبات کا استعمال کرنا پڑتا ہے اپنے لیڈروں کے قول و فعل کے تضاد کو سنہرے حلیہ سازیوں میں

ڈھال کر اپنی نسل کو گروہی رکھنے پر مسرت محسوس کرتے ہیں۔ غلامی کی اس سیاسی قسم کو بھی کسی میزان میں نہیں تولا جاتا کیونکہ جب جسموں کی قیمت سر عام لگنے لگیں تو ضمیر کے خریدار، ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں کہ مصداق کوڑیوں کے مول ملتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں رہا کہ انسان کی غلامی خود اس کے ہاتھ میں ہے یا کسی دوسرے شخص کے ہاتھوں میں، لیکن ہم اپنے گرد و نواح میں دیکھیں تو باآسانی سمجھ میں آجاتا ہے کہ عوام اپنے لیڈروں کے ناعاقبت اندیش فیصلوں کی بنا پر غلامی کی زنجیر سے اس ہاتھی کی طرح آزاد نہیں ہو پاتی جو ساری عمر اپنے طاقت ور جسم کے ساتھ بندھی زنجیر کو اس لئے نہیں توڑ پاتا کیونکہ اس نے پختہ یقین کر لیا ہوتا ہے کہ وہ غلام بن چکا ہے۔ اگر طاقت ور ہاتھی ذرا سی ہمت دکھاتا تو باآسانی زنجیروں کو توڑ سکتا تھا، لیکن جب خوئے غلامی مقدر بنا لی جائے تو اس سے آزادی دلانے کے لئے عرش سے فرشتے نہیں آسکتے ۔آزادی جسمانی یا ذہنی ہو، یا سیاسی غلام انسان ہی بنتا ہے اور جدوجہد ہی ایسے نجات دلاتی ہے۔

سندھ کی تقسیم۔ کراچی کی حیاست

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم کراچی کی حساسیت کو سمجھیں، لیکن جب تک کراچی کے اصل حالات اور زمینی حقائق سے صرف نظر کیا جاتا رہے گا ہم کراچی کے مسئلے کو حل کرنے میں ناکام رہیں گے۔ایک عام انسان سے اگر پوچھیں تو اس کی بس یہی دہائی ہوتی ہے کہ کراچی میں امن قائم ہو جائے، لیکن کراچی ہے کہ اس کا ناسور کم ہونے کے بجائے بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ جس طرح شوگر کے مریض کو بد قسمتی سے اگر کوئی زخم لگ جاتا ہے تو جوں جوں وہ دوا کرتا ہے،اس کا مرض بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شوگر کے مریض کا سب سے بڑا اور اہم علاج احتیاط کرنا ہے۔شائد کراچی کو اب علاج سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ کراچی کے مسئلے کو جس جس قدر حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو اس کی ایک انگلی کا زخم آہستہ آہستہ پورے جسم پھیلنا شروع ہو جاتا ہے۔ ایک انگلی کاٹی جاتی ہے تو پھر دوسری تو پھر پیر، تو اس کے بعد بھی آپریشن کا نتیجہ سوائے زخم دینے کے کچھ نہیں نکلتا، اس لئے کراچی میں آپریشن کا نام پر ماسوائے زخم پر زخم دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں رہ گیا ہے، کمال حیرانی کی بات یہی ہے کہ آپریشن راہ نجات ہو یا آپریشن راہ راست، یا موجودہ آپریشن ضرب عضب ، سمیت کراچی کے علاوہ جہاں بھی نظر دوڑائیں تو کچھ نہ کچھ آپریشن کے نتائج نکل ہی آتے ہیں

لیکن کراچی ، اب شیطان کی آنت کی طرح اتنا طویل تر بھی نہیں کہ اس کیلئے مربوط ، پلاننگ نہ کی جاسکے ۔چھپنے کیلئے پہاڑیاں میں غار تو نہیں لیکن نیلا ، گدیلا سمندر ضرور ہے ۔ اگر غار کیلئے پہاڑ ہونا ضروری ہیں تو پھر کراچی میں بلند و قامت عمارتوں کو پہاڑوں سے تشبیہ دی جاسکتی ہے اور ان بلند و بالا عمارات میں بنے فلیٹس کو غار کہا جاسکتا ہے۔بات دراصل یہی ہے کہ کراچی میں مزید آپریشنز کا وقت گذر چکا ہے ، اب احتیاط کی ضرورت ہے کہ آپریشن کے نتائج ایسے نہ نکلیں کہ اس بار کراچی والے بھی چھ نکات دینے پر مجبور ہوجائیں ، مشرقی پاکستان کے چھ نکات کو تسلیم نہیں کیا تو وہ بنگلہ دیش بن گیا ، بلوچستان والوں نے بھی چھ نکات دیئے لیکن اس سے چشم پوشی کی جارہی ہے ، آپریشن آپریشن ، آخر کب تک یہ عملِ بے عمل رہے گا ، سیاسی جماعتوں میں پھوٹ ڈالنے سے بھی حوصلہ افزا نتائج نہیں نکلتے ، نئے اتحاد بنانے کے بھی فوائد حاصل نہیں ہوتے ، سیاسی کوششیں بھی ناکام ہوجاتی ہیں تو پھر طاقت ، مفاہمت اور مصلحت ، سب ناکامی کا سامنا کررہے ہوں تو اس کا واضح مطلب ہے کہ اب مقتدر حلقوں اور ارباب اختیار کو احتیاط کی ضرورت ہے ، طاقت کے استعمال سے کسی کے ہزاروں کارکنوں کو ختم نہیں کیا جاسکتا تو لاکھوں انسانوں پر کوئی سیاسی جماعت ہمیشہ کیلئے جبر سے اجارہ داری بھی قائم نہیں رکھ سکتی ۔کچھ تو ایسا ہے جس کی پردہ داری کی جاتی ہے ، لیکن عوام کے ، سامنے اصل حقیقت کو پوشیدہ رکھا جاتا ہے اس لئے خاموش طبقہ ، جو اکثریت میں ہے

وہ خاموش ہی رہتا ہے کیونکہ اس کے اعتماد کو بحال نہیں کیا جاتا، شائد اسی میں ان سب کی بھلائی ہے کہ خاموش طبقہ خاموش ہی رہے کیونکہ، جب کراچی بولے گا تو پاکستان بول اٹھے گا۔ لیکن کراچی کی اکثریت خاموش رہنے کو ہی فوقیت دیتی ہے کیونکہ اسی میں عافیت نظر آتی ہے۔ صرف تین سالوں میں آٹھ ہزار انسانوں کو کراچی میں موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے لیکن سب ٹھیک ہے، روزانہ کراچی میں گیارہ بارہ افراد ٹارگٹ کلنگ کرکے ہلاک کردیئے جاتے ہیں، لیکن سب کچھ ٹھیک ہے۔ مذہبی علماؤں کو خون میں نہلا دیا جاتا ہے لیکن پھر بھی سب کچھ ٹھیک ہے، علم کی روشنی پھیلانے والوں کی زندگیاں بجھا دی جاتی ہیں، لیکن پھر بھی سب کچھ ٹھیک ہے، انسانی زندگیوں کو بچانے والے موت کے گھاٹ اتار دیئے جاتے ہیں لیکن پھر بھی سب کچھ ٹھیک ہے، قانون کے علمی محافظ اپنی زندگی کا مقدمہ ہار جاتے ہیں لیکن پھر بھی سب کچھ ٹھیک ہے، قانون نافذ کرنے والے، اپنی حفاظت نہیں کرپاتے، لیکن پھر بھی سب کچھ ٹھیک ہے۔ کراچی کے جسم ناتواں پر کتنے گہرے گہرے زخم ہیں، کتنے زخم کریددوں لیکن دل پھر بھی نہیں دہلے گا، دھرنے کبھی کراچی والوں کیلئے نہیں ہونگے۔ اس لئے احتیاط ضروری ہے، بات کی جاتی ہے کہ سندھ کی تقسیم کوئی مائی کالال نہیں کرسکتا، تو کیا ہندوستان جب تقسیم ہو رہا تھا تو دوسری جانب کے لوگ مائی جائے نہیں تھے، پاکستان جب تقسیم ہو رہا تھا تو کیا مغربی پاکستان نے چوڑیاں پہنی ہوئی تھیں۔ سندھ ہندوستان کا حصہ تھا، تقسیم ہوا تو اس طرح ہوا کہ وہ

ہندوستان کا ہی نہیں رہا۔ ہندوستان کے نقشے سے اس کا نام ہی مٹ گیا، سندھ کا شہر کراچی، سندھ کا حصہ تھا تو، وفاق کے نام پر ایسے سندھ سے الگ کردیا گیا۔ کوٹہ سسٹم جب لاگو کرکے دیہی و شہری تفریق پیدا کی جارہی تھی تو سندھ کی تقسیم کی بنیاد تو خود سندھ کے وارثوں نے ہی رکھ دی۔ تو پھر گلہ کس سے کرتے ہو۔ مہمان نوازی کا پرفریب نعرہ ان لوگوں کو دیا جائے جو اس بہکاوے میں آجاتے ہونگے، یہاں اب کوئی میزبان نہیں اور کوئی مہمان نہیں، کیونکہ یہ پاکستان ہے، پاکستان کی شناخت رکھنے والا، پاکستانی ہے، اس کی شناختی علامت اس کا پاکستانی ہونا ہے۔ سندھ کو تین انتظامی یونٹس میں تقسیم کیا جائے یا پاکستان کے بجائے سندھ کو بیس انتظامی یونٹس میں تقسیم کیا جائے تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ نئے یونٹس انتظامی بنیادوں کے نام پر نہیں بلکہ لسانی بنیادوں پر بنائے جارہے ہیں، صوبہ سرائیکی، جنوبی پنجاب، ہزارہ صوبہ بلوچستان پختونخوا، اور سندھ کے مشرقی، مغربی و شمالی صوبہ دراصل کوئی انتظامی یونٹس، نہیں بلکہ، واضح طور پر لسانی بنیادوں پر بنائے جانے والے مطالبات ہیں، ہاں یہ بات قابل اعتراض ہے کہ کوئی جماعت اگر پنجاب کو تقسیم کرنا چاہتی ہے لیکن سندھ کی تقسیم کے مخالف ہے تو یہ دوغلا پن ہے، اگر کوئی جماعت خیبر پختونخوا کی تقسیم کی حامی ہے لیکن سندھ کی تقسیم کی مخالفت پر یکجا ہوجاتے ہیں تو یہ کھلی منافقت ہے، سیدھی سی بات ہے کہ، سب سے پہلے تو یہ طے کیا جائے کہ ہم سب

پاکستانی ہیں یا نہیں ؟۔ پھر یہ طے کیا جائے کہ باحیثیت پاکستانی، پاکستان کے کسی بھی حصے پر ہمارا اتنا ہی حق ہے جتنا کسی دوسرے پاکستانی کا تو بات تسلیم ؟ تو ٹھیک ہے، لیکن اگر بات یہ ہو کہ ہم پہلے، سندھی، پنجابی، بلوچی، پٹھان، مہاجر ہیں اور پھر پاکستانی ہیں تو بیس کے بجائے دو سو یونٹس بنانے کی ضرورت ہوگی۔ پاکستان کے پاس چار صوبوں کیلئے پہلے ہی وسائل نہیں ہیں، صوبائی خود مختاری کے باوجود صوبائی حکومتیں، مثالی نہ بن سکی تو چاہے کتنے ہی یونٹس بنالیں، جب وسائل ہی نہیں تو کیا نئے یونٹس اپنی عوام کیلئے آسمان سے من و سلویٰ کھلانے کی امید لئے بیٹھے ہیں۔ پاکستان کے حالات بار بار کے آپریشن سے اس نہج پر جا پہنچیں ہیں کہ اب علاج کی نہیں احتیاط کی ضرورت ہے یہ تو صوبے بنالیں یا پھر خاموش ہو کر بیٹھ جائیں۔ اپنے مطالبات کے حل کے لئے شہر، کراچی کو اس مقام پر نہ لے جایا جائے، جہاں سے واپسی کی امید ہی نہ ہو۔ اگر کراچی میں موثر آپریشن، انتہائی گردگوں حالات کے باوجود نہیں کیا جارہا تو پھر کراچی کی عوام کو پاکستان کی دیگر عوام سے آئیسولیٹ کرانے کی کوشش کیوں کی جارہی ہے۔ کہتے ہیں کہ کسی کو مارتے جاؤ، مارتے جاؤ، تو وہ بھی مار کھاتے کھاتے اس قدر ڈھیٹ ہو جاتا ہے کہ اس پر کسی مار کا اثر نہیں ہوتا، اس کا جسم اس کا دماغ بے حس ہو جاتا ہے اور وہ غور وفکر سے معذور ہو جاتا ہے، تو پھر اس مریض کیلئے ہائی اینٹی بائی ٹک ادویات بھی کار گر نہیں ہوتی، اسکی سوچنے سمجھنے کی صلاحتیں مفقود

ہو جاتی ہیں، احتیاط کریں کراچی اب کُوما میں جا رہا ہے۔

مہاجر و پختونوں کو سندھ میں مسائل

پاکستان میں امن سبوتاژ کرنے کی جن سازشوں کا سلسلہ کراچی ، کوئٹہ اور پشاور میں جاری ہے اس تناظر میں جب ہم کراچی سمیت پورے پاکستان میں نظر دوڑاتے ہیں توہمیں مختلف قومیتوں کے درمیان ملک دشمن عناصر کی بھیانک سازش کی ایک ایک کڑی کھلتی نظر آتی ہے۔ان کڑیوں کو ملک دشمن عناصر کی سہ جہتی حکمت عملی کہا جاتا ہے۔

(۱) آئسولیشن (ISOLATION) یعنی کسی مخصوص قوم کو دیگر تمام قومیتوں اور طبقات سے کاٹ کر علیحدہ کردیا جائے۔

(۲) کرمنلائزیشن (CRIMNALIZATION) یعنی قانون پسند شہری کے بجائے کسی مخصوص قوم کے فرد کو عادی مجرم اور ان کی نمائندہ جماعت کو حقوق کے حصول کیلئے جدوجہد کرنے والی ایک سیاسی جماعت کے بجائے مجرموں اور دہشت گردوں کا گروہ بنا کر پیش کیا جائے اور ان کے ساتھ عادی مجرموں جیسا سلوک کیا جائے ۔

(۳) ڈی مورالائزیشن (DEMORALIZA TION) یعنی کسی مخصوص عوام و کارکنان کو کسی مخصوص جماعت سے بددل اور بدظن کیا جائے اور ان میں مایوسی پیدا کی جائے۔

پاکستان کی بد قسمتی رہی کہ آزادی کے بعد سے عوام اپنے بنیادی حقوق سے محروم اور ان جاگیر دار، وڈیروں، خوانین، سرمایہ داروں اور سرداروں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے میں ناکام رہے جس کا خواب انگریزوں کی غلامی سے آزادی کیلئے اکابرین برصغیر نے دیکھا تھا۔ جبکہ بھارت کے برعکس پاکستان کی عوام بٹوارہ ہندوستان کی ثمرات سے مستفید ہونے کے بجائے بلا شرکت غیرے کالے انگریزوں کی بیورکریسی کی دلدل میں دھنستی چلے گئی جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ جمہوریت کا پودا کبھی پنپنے ہی نہیں دیا گیا اور آمریت کی شکنجوں نے حاکمیت کی بالادستی کو برقرار رکھتے ہوئے طبقاتی تفریق کی خلیج کو قومیتوں کے درمیان بڑھانے میں توجہ مرکوز رکھی جس کا شکار بھارت سے آنے والے لاکھوں مہاجر بنے۔ حالاں کہ انصار مدینہ کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے پنجاب اور سندھ کی عوام نے پاکستان کے حقیقی خالق کے متاثرین کو دلوں میں جگہ دی اور ان کی بحالی کیلئے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان متاثرین میں بڑی تعداد خیبر پختونخوا میں بھی آباد ہوئی۔ کاروباری و مزدور طبقے نے معاشی صورتحال اور بدامنی کے باعث بھی ہجرت کو ترجیح دی۔ سب سے زیادہ سندھ میں اردو بولنے والے مہاجرین کی بڑی تعداد آباد ہوئی، چونکہ مہاجرین اپنے تعلیمی قابلیت کی بناء پر مساوی حقوق کے حامل تھے لیکن انگریزوں کی غلامی سے مستفید ہونے والے جاگیر دار اور وڈیروں کو بخوبی اندازہ ہو چلا تھا کہ اگر جمہوری اقدار کو پروان چڑھایا گیا تو مراعات یافتہ طبقہ کا نام نہاد حق حکمرانی اور غلامی کے نتیجے

میں ملنے والی جائیدادوں اور خزانوں سے محروم ہو کر انھیں بھی عام پاکستانی کی طرح ٹیکس اور اپنی جاہ و حشمت کا حساب کتاب دینا ہوگا۔ وفاقی دارالحکومت کو پنجاب منتقل کرنا، بیورو کریسی اور مختلف محکموں سے مہاجروں کو جبری ریٹائر، تعلیمی اداروں، صنعتوں اور بنکوں کو نیشنلائز اور سندھ میں کوٹہ سسٹم نافذ کر کے روزگار اور دوہرا نظام تعلیم رکھ کر اعلی تعلیم سے محرومی، لسانی فسادات کی بنیاد رکھ کر سب سے پہلے دیہی و شہری تفریق کا نفرت انگیز بیج بو دیا، تاکہ آنے والی نسل تعلیم و شعور سے آگاہی کے بجائے قوم موسی کی طرح خوئے غلامی اختیار کرلیں اور فرعونیت کے معاشی نظام اور مذہبی پیشوائیت کے خلاف صف آرا ہونے کے قابل نہ بن سکیں اور دیگر قومیتوں کی عوام میں بیداری کی لہر پیدا نہ ہو سکے۔ مخصوص قوتوں نے سب سے پہلے آئسولیشن پر عمل درآمد کرتے ہوئے فاطمہ جناح اور ایوب خان کے صدارتی انتخابات کے دور میں پختون اور مہاجروں کے درمیان لسانی فسادات کرائے، جیسے بڑی شد و مد کے ساتھ آج تک کرائی جانے کی کوشش کی جاتیں رہی ہیں۔ اب آئیسولیشن کے دوسرے مرحلے کا آغاز، کرمنلائزیشن کی دوسرے نقطے پر عمل کرکے شروع کردیا گیا یہ مرحلہ انتہائی خطرناک اور قیمتی جانوں کے عظیم سانحات کا موجب بنا۔ کرمنلائزیشن کی حکمت عملی کے تحت اردو اور پشتو بولنے والوں کو اس قدر متنفر کئے جانے کا سلسلہ شروع کردیا گیا کہ سرکاری زیر اثر میڈیا نے تصویر کا وہی رخ دنیا کے سامنے دکھایا جس سے اچھے اچھے لوگوں کے دلوں میں مہاجروں اور پختونوں کے

خلاف منفی تاثر جڑ پکڑنے لگا اور ہر جرم کا ذمے دار مہاجر و پختون کو ٹھہرائے جانے کی کوشش کی جانے لگی اور جس نے بھی حقیقت تلاش کرنے کی سعی کی اس کی شخصیت کو غدار اور قوم کا دشمن بنا کر داغ دار کر دیا گیا۔ مہاجر یا پختون کا نام آتے ہی دیگر قومیتوں میں اصل حقائق کو جاننے کا جذبہ پیدا ہونے کے بجائے اس قدر حوصلہ شکنی کی گئی کہ معاشرتی ، خاندانی دباؤ کے تحت باشعور عوام کی خاموش اکثریت نے خاموش رہنے کو ترجیح دی ،جس کا نقصان آنے والی نوجوان نسل کو ہوا جنھیں حقیقت کا ادراک کرانے کے بجائے تصویر کا صرف ایک رخ دکھایا جاتا جس سے پختون سمیت دیگر قومیتوں کے تعلیم یافتہ اور نوجوان طبقے میں طے شدہ منصوبے کے مطابق مہاجر اور پختون عوام کو ملک کی دیگر قومیتوں سے آئسولیٹ کرنے کیلئے کرمنلائزیشن کا ایک ایسا منظم منصوبہ جاری رکھا گیا جس کی جڑیں ناپختہ اذہان میں مضبوط ہوتی چلی گئیں اور اس کا فطری نتیجہ متعدد ایسے واقعات کے رونما ہونے پر نکلا جس سے انسانیت شرمسار ہوئی۔آزاد و خود مختار مملکت کے حصول کیلئے جان و مال کی قربانی دینے والوں کو اینٹی پاکستان بنا کر پیش کئے جانے لگا اور ہر قوم سے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت قومیتوں کو باہم دست و گریبان کر دیا گیا کہ ہاتھ چھڑانے والے کم اور آگ لگانے والے زیادہ ہوتے چلے گئے۔ کرمنلائزیشن پالیسی کے تحت ہر اردو بولنے والے کو جرائم پیشہ اور پختون کو طالبان سمجھے جانے لگا۔ نفرتوں کی اس خلیج کو نئی نسل میں اس قدر بڑھا دیا گیا کہ سچ اور جھوٹ کی تمیز مشکل تر ہونے

لگی۔ ڈی مور الائزیشن یعنی مخصوص عوام اور کارکنان کو بد دل، بد ظن اور مایوسی پیدا کرنے کے اس عمل میں ان گروپوں کو استعمال کیا جارہا ہے جو خدمت کے نام پر عوام کے حقوق سلب کرتے رہے۔تینوں نکات کی منصوبہ بندی کا بنیادی مقصد صرف اور صرف جاگیردارانہ، سرمایہ دارانہ، وڈیرانہ، سرداری اور خوانین کے مفادات کا تحفظ ہے۔ہم سب کو ملکر ان سازشوں کو ملکی سالمیت اور آنے والی نسلوں کی بقا کے لئے ناکام بنانا ہوگا۔ہمیں سمجھنا ہوگا کہ ہم سب کا چولی دامن کا ساتھ ہے ہم سب ایک ایسے معاشرے میں رہتے ہیں جہاں باہمی میل ملاپ اور ہم آہنگی ناگزیر ہے۔ہمارا رہن سہن، کاروبار وابستگیاں اور مفادات مشترکہ ہیں۔بسیں، رکشہ، ٹیکسی، اگر زیادہ تر پختونوں،، پنجابیوں، بلوچوں اور سرائیکیوں کی ہیں تو بیٹھنے والے زیادہ تر اردو بولنے والے ہیں۔چائے اور کپڑے کی دوکانیں پنجابی، پشتونوں اور دیگر قومیتوں کی زیادہ ہیں تو ان سے مستفید افراد کا تعلق اردو بولنے والوں سے ہے۔فیکٹریاں، مل، کارخانے اگر دوسری قومیتوں کی ہیں تو اس میں مزدور پیشہ اور دفتری عملہ اردو بولنے والوں کا ہے۔غرض یہ ہے کہ ہم سب لازم وملزوم ہیں۔ کسی قوم کی تعداد سینکڑوں میں نہیں ہے کہ ایسے جبری اور استبدادی قوت سے دبا کر دیوار سے لگا دیا جائیگا۔ہم سب کو متحد ہو کر اپنی قوم اور مملکت کی بقا کی خاطر ملک دشمن عناصر کی سہ جہتی حکمت عملی کو عملی طور پر ناکام بنانا ہوگا۔ورنہ تاریخ میں ایسی قوموں کا اب صرف ذکر کتابوں میں ہی ملتا ہے جنھیں

اپنی طاقت پر گھمنڈ اور طرز حکمرانی پر غرور تھا۔ جبر اور استعماری قوتیں جب بھی اپنی طاقت کا ستعمال کرتی ہیں تو کمزور سے کمزور ناتواں جسم میں بھی جان آ جاتی ہے۔ ہمیں اس گرداب سے خود کو باہر نکالنا ہوگا۔ ہمارے لئے ممکن نہیں ہے کہ ایک ساتھ رہتے ہوئے باہم دست و گریبان رہیں ہمیں اب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارے درمیان کوئی عدوات، کوئی دشمنی کوئی بغض نہیں ہے۔ یہ ایک باہم سازش ہے جیسے باہمی اتفاق و اتحاد سے ناکام بنانا ہم سب کا فرض ہے۔ صدیوں کی تاریخ گواہ ہے کہ جس جس قوم میں نا اتفاقی پیدا ہوتی چلی گئی ان پر ایسے ظالم لوگوں کو مسلط کر دیا گیا

جسے فرعونیت اور یزیدیت کے نام نظام سے آج اور تا قیامت یاد کیا جاتا رہے گا۔ لسانی فریب اور ملک دشمن عناصر کی سہ جہتی حکمت عملی کو ہم صرف اپنی یکجہتی حکمت عملی سے ہی ناکام بنا سکتے ہیں۔ یکجہتی اور باہمی بھائی چارے کیلئے لسانی نفرتوں کا خاتمہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب ہم ایک دوسرے کے حقوق کو تسلیم کرلیں اور عوام کو ان کا حق دے دیا جائے۔ پاکستان کے دولخت اور مملکت میں جاری نئے صوبوں کی تحاریک کا مقصد یہی احساس محرومی ہے جو عوام میں پیدا کیا جارہا ہے اور جسے عوام ہی ناکام بنا سکتے ہیں۔ پاکستان میں رہنے والی تمام قومیتیں پاکستانی ہیں انھیں سب سے پہلے پاکستانی تسلیم کریں اور پہچان کے جو ذرائع قدرت نے دیئے انھیں تسلیم کریں۔

افغان ثور انقلاب سے جدید افغانستان تک

7% افغانستان اپنی تاریخ کے نئے دور میں داخل ہو رہا ہے ، جہاں اقتدار تمام تر خدشات کے باوجود پرامن طریقے سے منتقل کرنے کی راہ ہموار ہوئی اور افغانستان کے دونوں فریقین نے باہمی رضا مندی سے شراکت اقتدار کا معاہدہ کرکے فی الوقت افغانستان میں خانہ جنگی کی قیاس آرائیوں کو ختم کرکے افغنستان میں جمہوریت کے نئے سفر کا آغاز کیا ہے افغانستان کی سرزمین ہمیشہ سے سامراجی قوتوں کی سازشوں کا گڑھ بنی رہی ہے اور اس کے براہ راست نتائج ساری دنیا پر مرتب ہوتے ہیں ،
افغانستان میں سامراجیت اور بنیاد پرستی کی وحشت کا ننگا ناچ جب بھی کھیلا جاتا ہے تو افغان ثور انقلاب کی اہمیت کئی دوچند ہو جاتی ہے۔ افغان ثور انقلاب کو اگر وضاحت کے ساتھ حقائق کی روشنی میں دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ افغانستان میں پرولتاریہ نہ ہونے کے برابر تھی ۔ملک کی کوئی صنعتی بنیاد نہیں تھی مختلف بادشاہت نے برسوں مملکت پر حکومت کی ، شرح خواندگی 10% سے بھی کم تھی ، کل قابل کاشت رقبے کا 50 %صرف 05 %افراد کے ہاتھوں میں تھی ، ایسے میں سرمایہ دارانہ بنیادوں پر کسی طرح کی ترقی کا امکان نہیں تھا، اسی سماجی بے چینی و انتشار میں خلق پارٹی کی تشکیل ہوئی اور جنوری 1965ء میں نور محمد ترہ کئی نے پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی آف افغانستان کی بنیاد رکھی ،۔ جنرل

سیکرٹری خود ترہ کئی تھا۔67 ممبروں میں ببیرک کارمل ، سلطان علی کشمند ہزارہ دستیگر پنج شیری ، ڈاکٹر صالح محمد زیری ، شہر اللہ شاہ پور اور ظاہر شاہ بدخشانی شامل، تھے ،بعد میں نور محمد نور ، اکبر خیبر ، ڈاکٹر حفیظ اللہ امین ، اورڈاکٹر نجیب اللہ جیسی بڑی میں شامل ہوگئیں ۔ ستمبر65ء میں ببرک کارمل نے السوائلیPDPA شخصیات بھی کے PDPA عوامی) جرگے کے نہایت اہم اور مضبوط رکن پارلیمنٹ کی حیثیت سے) حقوق مقاصد اور اہمیت واضح الفاظ میں بیان کئے ۔25اکتوبر 1965 ء میں طلبا نے کے ممبروں نے جمہوری ، ترقیاتی اور تعلیمی ترقی PDPA پارلیمنٹ کے احاطے میں اور کے مطالبات پیش کئے۔ظاہر شاہ نے فوج کو بلا جواز فائرنگ کا حکم دیا، جس کے نتیجے میں چھ طلباہلاک اور 150زخمی ہوئے ، غیر مسلح احتجاجی مظاہرے پر فائرنگ کے بعد وزیر اعظم یوسف خان نے احتجاجا استعفی دے دیا۔ظاہر شاہ کے اقدامات کے نتیجے میں افغانستان میں غذائی اجناس کی شدید کمی ، اور مہنگائی میں شدید اضافہ ہوا۔ظاہر شاہ اپنی بیماری کے علاج کیلئے بیروں ملک 17 جولائی1973ء کو گیا تواس دوران داؤدخان نے مسلح افواج کی مدد سے تخت پر قبضہ کرلیا۔داؤد جو ظلم ، سخت گیری ، تشدد اور غلط اقدامات کے باعث افغانستان میں "داؤد دیوانہ "کے نام سے مشہور تھا، ستمبر1973ء میں کئی بااثر اور نامور شخصیات اعلی فوجی افسران کو گرفتار اور بیشتر کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا بے شمار کو جیلوں میں اذیتیں دیں، سابقہ وزیر اعظم ہاشم میوند وال جیل میں اذیت کے باعث مرنے والے کئی لوگوں

میں شامل تھا۔ اپنے اقدامات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے مطابق آئین بنا ڈالا۔ ایسا اس سے پہلے موجودہ افغانستان 1708ء سے کسی مطلق العنان بادشاہ نے بھی نہیں کیا تھا۔ کامریڈ حفیظ اللہ امین افغان فوج کے بہت سے افسرز کو انقلابی نظریات کیجانب مائل کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے ، جس کی بنیادی وجہ عالمی سطح پر ہونے والے واقعات کی اثرپذیری تھی۔ 17 اپریل 1978ء کو افغانستان کے صدر محمد داؤد خان کی کے رہنما محمد اکبر قتل ہوئے اور حکومت پر الزام لگا ،19 اپریل کو PDPA حکومت میں پارٹی نے کابل میں محمد اکبر خیبر کے جنازے کے موقع پر 30 ہزار افراد کی ایک ریلی نکالی اور امریکی سفارت خانے کے سامنے امریکہ مخالف نعرے لگائے ، اس مظاہرے کے بعد صدر داؤد نے خلق پارٹی کے سات رہنماؤں بشمول نور محمد ترہ کئی کو گرفتار کرلیا ، حفیظ اللہ امین نظر بند رہے لیکن 26 اپریل کو اسے جیل بھیج دیا گیا۔ لیکن فوج کے اندر موجود خلقی آفیسرز کو صدر داؤد کے خلاف امین اللہ امین نے فوجی بغاوت کرنے کے احکامات دے دیئے تھے۔ 27 اپریل 1978ء کو ائیر فورس کے کرنل عبدالقادر نے صدارتی محل پر بمباری کردی جس میں صدر داؤد خاندان سمیت جاں بحق ہوگیا ، زمینی محاذ پر محمد اسلم وطنجار ، جو ایک ٹینک بریگیڈ کا کمانڈر تھا ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے ساتھ کابل شہر میں داخل ہو کر داؤد کی حکومت کا خاتمہ کرکے شام سات بجے ریڈیو پر " مسلح افواج کی انقلابی کونسل "کا قیام اور داؤد کی حکومت کے خاتمے کا اعلان کردیا گیا۔ فوری طور پر 35 رکنی انقلابی کونسل بنائی گئی ،

اس انقلاب کا سہرا انقلابی فوج کے افسروں کی حمایت اور اس حمایت کو آمادہ کرنے والے حفیظ اللہ امین کو جاتا ہے اس کو ثور انقلاب کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ انقلابی بغاوت افغانی کیلنڈر کے دوسرے مہینے "ثور" میں ہوا تھا، بعد میں حفیظ اللہ امین نے ثور انقلاب کو بالشویک انقلاب 1917ء کا تسلسل قرار دیا۔انقلابی کونسل نے نور محمد ترہ کئی کو صدر، حفیظ اللہ امین کو وزیر خارجہ بنادیا، بعد میں وزیر اعظم کا عہدہ بھی حفیظ امین کی حکومت کے پروگرام سے PDPA اللہ کے پاس چلا گیا۔ دس مئی کو نور محمد ترہ کئی نے ریڈیو پر اعلان کیا۔ افغانستان کی تاریخ کی سب سے بڑی زرعی اصلاحات، مفت تعلیم اور علاج، جنسی برابری، لڑکیوں کی خرید وفروخت پر پابندی اور ہر اس چیز کو قومیانے کا اعلان کیا جو قومیانے کے قابل تھی، پہلی دفعہ افغانستان کو صدیوں کی پسماندگی، جہالیت، قبائیلیت اور غربت اور لاچارگی سے نکالنے اور اسے جدید سماج اور بیسویں صدی کے ہم آہنگ کرنے کی جدوجہد کا آغاز کردیا۔ یہ تبدیلی عالمی استعماری قوتوں کو پسند نہیں آئی، دیگر افغانستان میں خود بھی بے چینی پائی جاتی تھی کیونکہ افغانستان کی سرزمین کے زمینی حقائق سویت یونین سے مختلف تھے اور سویت یونین کو لنین اور ٹراٹسکی نے تعمیر کیا تھا جبکہ افغانستان میں حالات یکسر تبدیل تھے۔ سویت یونین نے افغانستان کے نولود انقلابی حکومت کو اپنے دست نگر بنانے کی کوشش کی لیکن حفیظ اللہ امین افغانستان کی آزادی حیثیت کا حامی تھا۔ وہ ثور انقلاب کے خلاف رد انقلاب کی

سرکشی کو کچلنے کا حامی تھا، لیکن سویت یونین ان پر ملاؤں اور رد انقلابی قوتوں کے ساتھ سمجھوتے کیلئے دباؤ ڈال رہا تھا، سویت بیوروکریسی کی سازشوں کی بناپر نور محمد ترہ کئی اور حفیظ اللہ امین کے درمیان اختلافات پیدا ہوگئے اور یہی وہ موقع تھا جب سویت یونین کو افغانستان میں براہ راست فوجی مداخلت کا موقع ملا اور جلا وطن پرچمی لیڈر ببرک کرمل کو روسی ٹینکوں پر بیٹھا کر افغانستان لاکر ایک سازش کے تحت حفیظ اللہ امین کو قتل کرکے افغانستان کا صدر ببرک کارمل کو بنادیا گیا۔ 24 نومبر 1986 تک ببرک کارمل برسر اقتدار رہا۔ کارمل کے اقتدار سنبھالتے ہی پچاسی ہزار روسی افواج افغانستان میں داخل ہوگئیں۔ ببرک کارمل کے بعد 1992ء تک ڈاکٹر نجیب اللہ برسر اقتدار رہے۔ یہ وہ دور تھا جب سویت یونین میں گورباچوف نے بیوروکریسی کے اقتدار کو بچانے کیلئے پریسٹرائیکا کے نام سے سیاسی اصلاحات کی راہ اپنائی، ڈاکٹر نجیب اللہ نے بھی رد انقلابیوں کو کچلنے بجائے اصلاحات اور امن کی راہ اختیار کی۔ ڈاکٹر نجیب اللہ نے قومی مصالحتی کمیشن بنائی جس نے لگ بھگ 40000 ہزار رد انقلابیوں سے رابطے کئے، جولائی 1987ء میں رد انقلابیوں اور مجاہدین کو سٹیٹ کونسل کی بیس نشستیں اور حکومت میں بارہ وزارتوں کی پیش کش کی، رد انقلابیوں نے ان مواقعوں کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ روسی فوجوں کے افغانستان میں داخلے کے سبب امریکہ کو مداخلت کا موقع میسر آگیا اور امریکی سامراج نے رد انقلابی قوتوں کو افغانستان میں داخل کردیا۔ 1989ء

میں سویت افواج کا انخلا مکمل ہوا تو 1992ء میں نجیب اللہ کی حکومت بھی گر گئی۔پاکستان میں امن افغانستان میں امن سے مشروط ہے۔جب تک افغانستان میں پائیدار امن قائم نہیں ہوتا پاکستان میں پائیدار امن قائم نہیں ہو سکتا۔اٹھارہ سال قبل جس بھیانک و وحشت ناک طریقے سے ڈاکٹر نجیب اللہ کو ہلاک کیا گیا وہ تاریخ کا ایک الم ناک اور افسوس ناک باب ہے۔افغانستان کی نئی حکومت کو چاہیے کہ امن کے خاطر وہ پاکستان مخالف اقدامات و کسی بھی قسم کی اشتعال انگیزی و در اندازی سے گریز اور افغانستان میں قیام امن کیلئے مکمل توجہ مرکوز رکھے۔شراکت اقتدار کے تحت دونوں افغان رہنماؤں کا ایک صفحے پر آنا افغانستان میں قیام امن کیلئے ناگزیر تھا۔اب جبکہ افغانستان میں جمہوریت کا ایک نیا باب شروع ہوچکا ہے لیکن ماضی کے مقابلے میں پاکستان پر الزام تراشیوں ، در اندازیوں کا سلسلہ دراز ہوجاتا جارہا ہے ، جو پاک ، افغان تعلقات میں مسلسل کشیدگی پیدا کر رہے ہیں ، افغان حکومت اس سلسلے میں اپنا رویہ ترک کرنا ہوا ہوگا۔

!! میری کھال اتار لو

عید الاضحیٰ میں جانوروں کی قربانی، سنت ابراہیمی ہے اور دیگر شعائر اسلام کی طرح امت مسلمہ یہ سنت بھی نہایت جوش وخروش سے مناتی ہے، لیکن کراچی والوں کیلیے ایک مسئلہ قربانی کی کھالوں کا ہے۔ کھالیں دیں تو کس کو دیں، کسی کو منع کریں تو وہ یہ کہہ کر جاتا ہے کہ ہمیں تو کھال چاہیے، جانور کی دو، یا اپنی !! ، کچھ اس عمل سے اتنے تنگ آچکے ہیں کہ کھال کی مساوی رقم انھیں دے دیتے ہیں کہ بھائی، ہمارے اسلامی فریضے کو اپنے سیاسی کاروبار کی بھینٹ مت چھڑاؤ۔ کھالوں کی بکنگ پہلے سے شروع کردی جاتی ہے اور گھروں میں پرچیاں بھیج کر بتا دیا جاتا ہے کہ کارکن آئیں گے اور کھال لے جائیں گے، اجتماعی قربانی کے حوالے سے عذر پر یہی کہا جاتا کہ ہم نے پرچی دے دی ہے، اب ہمیں تو کھال چاہیے، چاہے وہ کسی کی بھی ہو۔ پچھلے سال تو قربانی کے جانوروں کو گولیاں اسی لئے ماریں گئیں کہ چرم قربانی دینے سے انکار کردیا گیا تھا، کچھ حساس علاقوں سے نقل مکانیاں بھی کیں گئیں کہ یہاں قربانی مویشی سے پہلے ہماری ہوجائے گی۔اس لئے دوسرے علاقے میں رشتے داروں کے گھر جا کر قربانی کی ۔ لیکن اس وقت موضوع چرم قربانیکے حوالے سے ہی نہیں ہے کہ کون، کیسے کھالیں دے گا کہ نہیں، بعض اوقات کچھ احباب مجھ

سے نالاں بھی ہو جاتے ہیں کہ یار، تم ہر بات کی کھال کیوں اتارتے ہو، تو میں اکثر حیران رہ بھی جاتا ہوں کہ میں دھرنے والا قصائی نہیں ہوں، لیکن عید قربان کے حوالے سے کچھ کئی مہینوں سے پیش گوئی جاری تھیں کہ عید سے پہلے قربانی ہو گی، اب ان شیخ صاحب پر سب اعتراض کر رہے ہیں کہ آپ نے الیکشن کی تاریخ میں ایک سال کی توسیع کردی لیکن آپ کے دعوے کے برعکس قربانی نہیں ہو سکی، تو میرے خیال میں یہ بات درست نہیں ہے، دراصل کوئی گائے کی قربانی کرتا ہے تو کوئی کسی اور بڑے جانور کی۔ قربانی والے آئے تھے، قربانی لینے، استعفے دے کر خود قربانی کا بکرا بن گئے ہیں اب ان کے استعفی ان کے گلے میں ہڈی کی طرح پھنس چکے ہیں کہ نہ نگل سکتے ہیں اور نہ ہی اگل سکتے ہیں۔اسی طرح شہر کراچی میں قربانیاں دینے کا سلسلہ زور و شور سے جاری ہے، صرف ماہ ستمبر 2014 میں دہشت گردی اور پر تشدد واقعات میں معروف علمی و مذہبی شخصیت مفتی نعیم کے داماد اور جامعہ کراچی میں جز وقتی استاد مولانا مسعود بیگ، جامعہ کراچی شعبہ اسلامک اسٹیڈیز کے ڈین پروفیسر ڈاکٹر شکیل اوج، علامہ عباس کمیلی کے بیٹے، علی اکبر کمیلی سمیت دس پولیس افسران و اہلکار، پاک فوج کے جوان، ڈاکٹرز اور تاجروں کے ساتھ 156 افراد جاں بحق ہوئے اور متعدد افراد نے زخمی ہو کر قربانی دی۔ دو بم دھماکوں میں ایس ایس پی فاروق اعوان سمیت دو درجن سے زائد افراد زخمی اور کریکر بم حملے میں پولیس اہلکاروں نے جاں بحق ہو کر اور متعدد افراد نے زخمی ہو کر دہشت

گردوں کی کاروائیوں میں شجاعت کی قربانی دی۔ ستمبر کی بنک ڈکیتیوں میں دو کروڑ 81 لاکھ روپے کی بنکوں کو، ڈاکوؤں کو قربانی دینا پڑیں۔ ستمبر ماہ میں شہر کے مختلف علاقوں سے عوام نے 1870 موٹر سائیکلوں، 975 کاروں اور چھ ہزار سے موبائل فونز کے چوری اور چھین جانے پر اپنے قیمتی مال کی قربانی دی۔

اسی طرح پولیس و رینجرز نے ماہ ستمبر 2014ء میں کالعدم جماعتوں، لیاری گینگ وار، اغوا کار اور مختلف جرائم میں ملوث 74 ملزمان کی جانوں کو قانون کیچھری سے قربان کردیا، مجموعی طور پر 4013 ملزمان گرفتار کئے۔ جہاں ایک طرف جرائم پیشہ عناصر معصوم بے گناہ عوام کو خوف و ہراس کے نام پر قربان کر رہے ہیں تو دوسری جانب قانون نافذ کرنے والے بھی اپنی چھریاں تیز کرکے بیٹھے ہیں۔ دونوں جانب سے ایک دوسرے پر الزامات لگائے جاتے ہیں، لیکن ابھی تک عدالت کی جانب سے ان گرفتاریوں پر سوائے ضمانتوں کی منظوری کے دوسرے فیصلے منظر عام پر نہیں آئے۔ اس لئے اس پر تبصرہ اس وقت نہیں کیا جاسکتا کہ سینٹ کی کمیٹی کے سامنے رینجرز کے سربراہ نے جو تفصیلات مختلف جماعتوں کی گرفتاریوں کے حوالے سے لائیں، ان پر تمام سیاسی جماعتوں کو شدید تحفظات ہیں، کیونکہ ابھی تک مانیٹرنگ کمیٹی نہیں بنی اس لئے اس کی شفافیت پر تبصرہ نہیں کیا جاسکتا، لیکن یہ بات طے ہے کہ عید قربان سے قبل مخصوص گرفتاریوں کی کاروائیوں میں شدید تیزی آجاتی ہے۔

پاکستان کی سرحدوں پر ایک جانب افغان انتظامیہ تو دوسری جانب بھارت ، اشتعال انگیزیوں اور دراندازیاں کرکے ماحول کو پرگندا کر رہی ہیں لیکن اس کا جواب بھی انھیں برابر دیا جا رہا ہے ، آئی ڈی پیز نے مملکت کی سلامتی کیلئے اپنے گھربار کی قربانی دیں یہاں تک کہ ان کے کیمپوں پر بھی دھماکے کئے گئے ۔ مختلف جماعتوں کی جانب سے استعفوں اور جمہوریت کیلئےہر قسم کی قربانی دینے کا اعلان کیا گیا اور 48 روز سے زیادہ دھرنے دیگر میڈیا کی کوریج سے پاکستانی کروڑوں عوام کے جذبات اور صبر کی قربانی لی ۔ غرض یہ ہے کہ پاکستان اور خاص طور پر کراچی کی عوام جتنی قربانیاں دیں رہی ہیں ، اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی ۔ اب ان قربانیوں کے بعد کھالوں کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے کیونکہ قربانی دینے والوں کو کھالیں بھی دینی پڑتی ہیں ، پرانے زمانے میں بادشاہ اپنے مخالفیں کی کھالیں کھینچوا لیا کرتے تھے ، ان میں بھوسا بھروا کر قلعے کے دروازے پر لٹکا دیا کرتے تھے ، لیکن اب صورتحال مختلف ہوچکی ہے ، شک پر قانون نافذ کرنے والے مشکوک افراد کو اٹھا کر لے جاتے ہیں اور پھر ان کی کھالیں سیاہ پڑ جاتی ہیں ، کچھ بے گناہ ہوتے ہیں تو کچھ گناہ گار ، لیکن عدالتوں میں جا کر وکیلوں کی ہاتھوں اپنی کھال اتارنے سے بہتر ہے کہ خود کو بے گناہ ثابت کرنے کے بجائے وہ اپنی کھال ہی کھنچوالے ۔ الیکٹرز پرسن اور بعض میڈیا گروپس اپنی ذاتی مخالفت میں سیاست دانوں کی

عزت کی دھجیاں اور کھالیں اتارنے میں مصروف ہیں اور بے تکان عمل پیرا کر رہے ہیں۔ اسی طرح مہنگائی، لوڈ شیڈنگ، اوور بلنگ، عدم تحفظ اور شدید بد امنی کیساتھ بے روزگاری نے محنت کشوں اور غریب عوام نے اپنی کھالوں سے ایسے جوتے بنا دئے ہیں کیونکہ اپنا حق پانے کیلئے جوتے مہنگے اور کھال سستی پڑتی ہے۔ بچے پوچھتے ہیں کہ ہم کس کی قربانی کریں گے تو بے بسی سے جواب دینا پڑتا ہے کہ پورے سال حکومت کے معاشی سخت اقدامات کی وجہ سے قربانیاں ہی تو دے رہے ہیں اور باقی کھال کی بات تو مغرور اور فرعون نما ہٹلر عزت کی چمڑی ادھیڑ دیتا ہے۔ کوئی دعوی کرتا تھا کہ شیر کی کھال پہنے گیدڑ کو ووٹ کی طاقت سے گیارہ مئی کو واپس بھگا دیں گے تو دوسری جانب دھرنوں، مظاہروں اور احتجاجی جلسے جلوسوں نے عوام کی کھال اتار دی۔ جیسے کسی پولیس والے کے ہاتھ کوئی ملزم چڑھ جاتا ہے تو اس کی کھال اس وقت تک اتاری جاتی رہتی ہے جب تک وہ بے نظیر بھٹو کے قتل یا نائن الیون کے گرانے کی ذمے داری قبول نہیں کرلیتا۔ سابقہ وزیر جیل خان جات سندھ نے انکشاف کیا جیلوں میں روزانہ کی آمدنی دس لاکھ روپے سے زیادہ ہے یعنی جیلوں میں قید مقید اسیر بھی کھالیں اتارے جانے سے محفوظ نہیں ہیں۔ میرے پاس کسی بھی مذہبی و سیاسی جماعت کا کوئی کارکن قربانی کھالوں کیلئے پرچی نہیں لاتا، بلکہ فون پر جاننے والوں کے لئے اپیل نما چیز کرواتا ہے کہ اس بار قربانی کی کھالیں، فلاں کو دیں تو کبھی کبھار وہ موصوف چراغ پا ہو جاتا ہے کہ بھائی، مہنگائی، بھتہ خوری

بدترین معاشی حالات اور موجودہ ملکی حالات کے سبب ممکن نہیں کہ سنت ابراہیمی ادا ،
کرسکوں ، بس رہ دہ کر میری کھال رہ گئی ہے، اب آ کر بچی یہ میری کھال اتار لو۔

فرقہ وارانہ تشدد میں بلیک واٹر کا کردار

افغانستان میں نئی حکومت کی تشکیل کے باوجود سی آئی اے پاکستان میں اپنا آپریشن بند کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی، ہم اگر اس خام و خیال کی دنیا میں رہتے ہیں کہ نئی افغان حکومت بننے کے بعد افغنستان سے چلے جائے گا تو یہ یقینی طور پر بہت بڑی غلط فہمی نہیں بلکہ بیوقوفی ہوگی۔ سی آئی اے کے چیف لیون پینٹا نے اپنے اس عزم کا اعادہ کیا تھا کہ سی آئی اے پاکستان میں اپنی کاروائیاں بند نہیں کرے گی اور مشتبہ افراد کے خلاف کارائیاں جاری رہیں گی۔پاکستانی انٹر سروسز انٹیلی جنس کے سابق سربراہ لیفٹیننٹ جنرل احمد شجاع پاشا اور دیگر افسران کے ساتھ کئی گھنٹوں کی ملاقات میں امریکی عہدیداروں نے آگاہ کردیا تھا کہ ایسی کسی کاروئی کو نہیں روکا جائے گا جس سے امریکی عوام کے تحفظ کو یقینی بنانے میں مدد ملتی ہو۔امریکی میڈیا کی رپورٹس کے مطابق لیفٹیننٹ جنرل احمد شجاع پاشا نے لیون پینٹا سے ڈرون حملے روکنے کا مطالبہ کیا تھا، اور امریکی سی آئی اے ایجنٹوں اور سپشل آپریشنز آپریٹرز پر بھی کڑی تنقید کرتے ہوئے انہیں نکالنے کا مطالبہ کیا تھا۔امریکہ نے بپنے مفادات کے لئے سمجھوتہ کرنا سیکھا ہی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں جاری دہشت گردی کے واقعات میں امریکہ کی بد نام

زمانہ سیکورٹی ایجنسیوں کے ملوث ہونے کی بازگشت بلند ہوتی رہی ۔ جس پر پوری دنیا میں امریکہ کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ان ایجنسیوں میں سب سے زیادہ بد نام زمانہ نجی سیکورٹی ایجنسی بلیک واٹر ہے جس نے اپنا نام بدل کرعام زی سے تبدیل کرکے اکیڈمی رکھ لیا۔بلیک واٹر عراق میں شہریوں کے قتل عام میں ملوث رہنے کی وجہ سے کافی تنقید کا نشانہ بنی رہی ہے۔ جس پر ظاہری طور پر عالمی دباؤکے پیش نظر بلیک واٹر کا نیا نام ایکس ای یا زی سروسز ایل ایل سی رکھا گیا۔ کمپنی کے صدر اور چیف ایگزیکٹوٹیڈ رائٹ نے اپنے ایک انٹرویو میں بتایا تھا کہ زی اب اکیڈمی کے نام سے اپنا کام جاری رکھے گی ، ان کا کہنا تھا کہ اکیڈمی مستقبل میں امریکاکے قومی مزاج کا تعین کرنے کیلئے دانشوروں اور جنگجوؤں کو تربیت دے گی۔بلیک واٹرکے اراکین عراق جنگ مین فلوجہ ، نجف اور بغداد میں غیر قانونی طور پر عام شہریوں کے قتل میں ملوث رہے ہیں ، اس کے کچھ اہلکاروں پر سترہ عراقی شہریوں کے قتل کا مقدمہ بھی امریکہ میں چلایا گیا تھا۔ اس تنظیم کے واضح مقاصد ہیں کہ امریکی سفارت کاروں اور دیگر افراد کا تحفظ اور یہ تنظیم ایسے کاموں میں استعمال ہوتے رہنا ہے جو امریکہ ، عالمی دباؤکے پیش نظر خود نہیں کرنا چاہتا۔پاکستان میں جب بلیک واٹر کی موجودگی کی گونج سنائی دی تو ہمارے حکمرانوں نے فوری تردید کرنا شروع کردی ۔ سابق پاکستان کے امریکی سفیر حسین حقانی کا کہنا تھا کہ "بلیک واٹر کا پاکستان مین کوئی وجود نہیں ہے ، بلیک

واٹر کی موجودگی محض افوہ ہے۔ عوام ان افوہوں پر کان نہ دھریں۔ اگر کسی کے پاس بلیک واٹر کی موجودگی کے ثبوت ہیں تو وہ فراہم کرے۔ حکومت پاکستان سخت کاروائی کرے گی۔" حیرت ناک بات یہی تھی کہ پاکستان کے بچے بچے کو علم تھا کہ بلیک واٹر پاکستان میں اپنے مذموم مقاصد کے لئے موجود ہی نہیں بلکہ غیر قانونی کاروائیوں میں بھی ملوث ہے لیکن اُس وقت کی حکومت کے کانوں میں جوں تک نہیں
رینگی۔افغانستان اور عراق کے بعد بلیک واٹر کا سب سے مضبوط گڑھ پاکستان
ہے۔حالاں کہ وزرات داخلہ نے 2007ء میں خبردار کیا تھا کہ اس کی سرگرمیوں پر نظر رکھی جائے لیکن بد قسمتی سے اس پر کوئی ایکشن نہیں لیا گیا۔ جس کا نتیجہ اب یہ نکلا ہے کہ بلیک واٹر نے پاکستان میں اپنی جڑیں بہت مضبوط کرلیں ہیں۔بلیک واٹر کے آفسز پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں موجود ہیں۔ صرف اسلام آباد اور پشاور میں 700 افراد کی رہائش کیلئے 200 سے زائد گھر کرایے پر حاصل کئے گئے تھے، اس کے علاوہ صرف کراچی کے مختلف علاقوں میں 500 سے زائد امریکی موجود ہیں جن کو خفیہ طور پر ملک کے مختلف حصوں میں ٹرانسپورٹ کیا جاتا ہے۔ 19 اگست 2012ء کو اخبارات میں ہیوی بکتر بند کے بارے میں رپورٹ شائع ہوئی تھی کہ یہ گاڑیاں شہروں میں آپریشن کرنے کیلئے انتہائی کارآمد ہوتی ہیں۔ اس کی مالیت پاکستانی کرنسی میں ایک کروڑ چالیس لاکھ روپے بتائی جاتی ہے۔امریکی اخبار "نیویارک ٹائمز" کے مطابق بلیک واٹر نے افغانستان اور پاکستان میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کے لئے نام تبدیل

کر لئے ہیں اب یہ محض ایک امریکی ایجنسی نہیں رہی بلکہ چار پانچ پرائیوٹ امریکی سیکورٹی ایجنسیوں کا روپ دھار کر چکی ہیں۔ بالکل اس طرح جب جنرل ضیاالحق کے دور حکومت میں یہودیوں کی بد نام زمانہ تنظیم "فری میسن" پر پاکستان میں پابندی عائد کی گئی اور ان کے دفاتر سیل کیے گئے تو یہ پڑوسی ممالک میں جا چھپے، پشاور میں آج جس جگہ درویش مسجد قائم ہے یہ کسی زمانے میں "فری میسن" کا دفتر ہوا کرتا تھا۔ کراچی کے علاقے رنچھوڑ لائن میں ان کا ٹمپلر تھا، بلیک واٹر کی سرگرمیاں بھی اسی طرح دھڑلے سے جاری ہیں اور ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی جاتی۔ اس سے زیادہ خطرناک بات کیا کہی جا سکتی ہے کہ اسلام آباد جیسے حساس علاقے میں سیکڑ ای سیون میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی رہائش کے قریب گھر کرایے پر حاصل کیے گئے، جبکہ سیکر ای سیون میں دو، جی سکس میں 43، ایف سیون میں 47، ایف ایٹ میں 45، ایف ٹین میں 20 ایف گیارہ میں 25، اور آئی 18 میں 9 اور دیگر سیکٹروں میں گھر کرایے پر لئے گئے۔ ۔ کراچی، کوئٹہ اور پشاور میں جس طرح مساجد اور فرقے کے نام پر مسلمانوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے تو اس سے اندازہ لگانے میں کوئی غلطی نہیں کی جا سکتی کہ گذشتہ چند سالوں میں اپنا انفراسٹرکچر مضبوط بنانے والی بد نام زمانہ بلیک واٹر ان واقعات میں ملوث ہو سکتی ہے۔ کالعدم تنظیم سپاہ محمد کی جانب سے کئی مفتیوں اور جید علماء اکرام کو ٹارگٹ کلنگ کر کے ہلاک کیا گیا۔ اس واقعات میں علی رضا عرف لنگڑا گروپ، علی موٹا گروپ، متعدد شدت پسند گروپ، کچھ

سیاسی جماعتوں اور طلبا تنظیم کی آڑ میں اپنے مخالفین کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ ملک شام ، عراق میں جس طرح فرقے کے نام پر مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے وہ لمحہ فکریہ ہے اور اس پر مسلمانوں کی خاموشی شرم کا مقام ہے۔ کراچی میں خصوصی طور ان واقعات کا مقصد پوری ملک کے معاشی نظام کو مفلوج کرنا ہے۔ بلیک واٹر سے وابستہ اسلام آباد میں ایک شخص کیپٹن (ر) علیزیدی کے بنگلے پر چھاپے میں 61 رائفلیں اور 9 پسٹل برآمد کئے ۔ انٹر رسک کمپنی کے مالک کا تعلق علی زیدی کا تعلق مذہبی تنظیم سے ہے ۔ یہ کمپنی مبینہ طور پر بلیک واٹر کیلئے بھرتیوں اور امریکی شہریوں کے تحفظ فراہم کرنے کے نام پر قائم کی گئی تھی ۔ ۔برآمد ہونے والا تمام اسلحہ امریکی ساختہ تھا، امریکی ترجمان کے مطابق انٹر رسک کیساتھ 2009 میں معاہدہ کیا گیا تھا۔ کراچی میں فرقے کے نام پر جید علماء اور مشائخ کا قتل ایک بین الاقوامی ایجنڈے کا حصہ ہے۔ اسی طرح لشکر جھنگوی بھی رد عمل کے طور پر تشدد واقعات میں ملوث پائی گئی ہے جس میں کراچی یونی ورسٹی روڈ سے ڈینئل پرل کیس میں ملوث قاری عبدالحہ عرف اسد اللہ ، جو کہ ائیر پورٹ کے قریب امریکی فوجیوں کو نشانہ بنانے میں بھی پایا گیا اسی طرح شوکت سردار عرف عثمان عرف اسامہ، انعام اللہ عرف بارود ، توکل عرف وزیر ، سمیت لشکر جھنگوی کے امیر ، امیر خالد سمیت اہم افراد کی گرفتاریاں ہیں جن پر سنگین الزامات عائد کئے گئے۔ اسی طرح کوئٹہ میں عثمان کرد گروپ ، قاری عطاالرحمان عرف نعیم بخاری ، امان اللہ عرف

مفتی الیاس، قاری رضوان اور قاری عبد، کمانڈر آصف عرف چھوٹو اور حافظقاسم رشید عرف گنجا گروپ بھی شدت پسندی کے واقعات میں ملوث پائے گئے اور ان کی گرفتاریاں کراچی سے ہوئیں۔ہمیں اس بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ کراچی بین الاقوامی اسٹیبلشمنٹ کی سازشوں کا گڑھ بنا ہوا ہے اور بلیک واٹر جیسی بد نام زمانہ تنظیم کا اس میں ملوث ہونا خارج از امکان نہیں ہے۔ خاص طور فرقہ واریت کے نام پر بلیک واٹر کی غیر قانونی سرگرمیاں حکومت کیلیے ایک چیلنج رکھتی ہیں۔فرقہ وارنہ دہشت گردی صرف تین شہروں کا مسلہ نہیں بلکہ انٹرنیشنل سازشی ایجنڈا ہے۔پاکستان سمیت تمام مسلم ممالک میں فرقہ وارانہ تشدد عالمی سازش کے تحت کیا جاتا ہے۔

تحریک آزادی میں پختونوں کا کردار

میرے کان یہ سن سن کر پک گئے ہیں کہ پاکستان بنانے میں کسی مخصوص گروہ کا کردار تھا، ہمارے آبا و اجداد نے قربانیاں دیں، لاکھوں انسان قتل ہوئے گھربار چھوڑا وغیرہ۔ مغربی پاکستان کو گھر بیٹھے بیٹھے مل گیا تھا، پاکستان بنایا تھا پاکستان بچائیں گے۔ کہ نعرے سن سن کر ایسا لگتا ہے کہ برصغیر کی آزادی میں کسی دوسری قومیت کا ہاتھ ہی نہیں تھا، وہ تو نرے جاہل اور دیہاتوں میں رہنے والے لوگ تھے، صبح اٹھے تو قائد اعظم نے پاکستان کے قیام کا اعلان کر دیا۔برصغیر کی تحریک آزادی میں جبپختونوں کے کردار کو مکمل نظر انداز کر دیا جاتا ہے لیکن اس حوالے سے تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں سب سے زیادہ واضح کردار پختون قوم کا نظر آتا ہے۔۔برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی روشنی پھیلانے کا سہرا بے شک محمد بن قاسم ہے لیکن ان کے ادھورے مشن کو مکمل کرنے کا مکمل کریڈٹ صرف پختونوں کو جاتا ہے محمد بن قاسم کی جلائی گئی اسلام کی شمع مشہور شہاب الدین غوری نے سارے ہندوستان میں پرتھوی راج کو شکست دے کر رکھی ہی نہیں بلکہ باقاعدہ طور پر پہلی اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی، اس سے پہلے محمود بنغزنوی نے بھی ہندوستان فتح کیا تھا مگر تخت دہلی ان کے قدم جم نہ سکے، یہ پختون ہی تھے

جن کی بدولت دہلی پر مسلمانوں نے سات سو صدیوں پر محیط حکومت کی اس میں ساڑے تین سو سال پختونوں کی حکمرانی کے شامل ہیں۔ مسلمانوں کی اتفاقی کی وجہ سے مغل حکمران دہلی تک محدود ہوئے۔ جنرل بخت خان ایک حریت پسند پختون تھا ان نے پوری قوت سے 1857 کی جنگ آزادی میں روح پھونکنے کی کوشش کی لیکن کمزور ر قیادت کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکا۔ جنرل بخت خان نے مغل بادشاہ کی بہت منت ساجت کی لیکن بوڑھا لاغر بادشاہ میں خوئے مردانگی ختم ہوچکی تھی۔ 1857 سے 1947 تک کے نوے سال کے عرصے میں مسلمانانِ پاک و ہند کو یہ احساس ہوا کہ انگریزوں نے انھیں ہندوؤں کی طرح غلام بنایا ہوا ہے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ ہندوؤں کی چالاکیوں کے سبب جب مسلم لیگ 1906ء میں بنی تو اس میں علامہ محمد اقبال اور قائد اعظم جیسے رہنما تو تھے ہی لیکن انھیں سرکردہ پختون رہنماؤں سردار عبدالرب نشتر، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خان وغیرہ کی بھی مکمل حمایت حاصل تھی۔ باچا خان بابا کی تحریک کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جہاں انھوں نے پختونوں سیاسی شعور دیا اور حریت پسند رہنما پیدا کئے جس کے نتیجے میں انگریزوں کو برصغیر پاک و ہند سے جانا پڑا تو اسی تحریک نے پشتو زبان اور پشتو ادب میں ایک نئی جہت بھی دی، ہفتہ وار 'پختون' رسالے میں شعرا و ادبا کی حوصلہ افزائی کی اور انکی تحریروں کو شائع کیا، تحریک آزادی میں جہاں جہاں سیاسی طور پر پختونوں کا کردار کا جائزہ لیتے ہیں تو ان بڑے بڑے ناموں میں سیاسی ورکروں کیساتھ ساتھ منصفین بھی تھے

مثلاً خدائی خدمت گار کے سرگرم فرنگی سامراج کے مظالم کو ڈراموں کیذریعے اجاگر کیا کرتے تھے جو پختونوں کے مختلف علاقوں میں سٹیج ہوا کرتے ۔ مشہور و معروف ادیب میں اس کا ذکر Boughs & Boiquests ڈاکٹر میاں سہیل انشاء نے اپنی کتاب کیا ہے۔پاکستان کی تاریخ کو مسخ کرنے والے اور نئی نسل نہیں جانتی کہ پاکستان کی تحریک آزادی میں امیر حمزہ شینواری بابائے پشتو غزل ، معروف محقق و نقاددوست محمد خان کامل مہمند ، علامہ عبدالعلی اخوانزادہ ، فجل اکبر احمد غازی، خان میر ہلالی ، سابق گورنر محمد اسلم خان خٹک ، عبدالحلیم ، فجل اکبر بے غم ،سابق گورنر ارباب سکندر خان خلیل ، ارباب خان ارباب ، عبدالرزاق حکمت ، میر احمد صوفی ، قمر زمان راہی اور پیر گوہر وپ پختون حریت پسند ہیں جنھوں نےمسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔حاجی صاحب ترنگزئی ، عمر خان ایپ ، عبدالغفور کاکاجی اور ملانج الدین المعروف اڈے ملا صاحب ، میاں گل عبدالودود اور سرتور فقیر وغیرہ وہ حریت پسند ہیں جنھوں نے انگریزوں کو ناکوں چنے چبوائے۔لیونے فلسفی' غنی خان بابا کی اس نظموں نے تو سارے پختونخوا میں ایک دھوم مچادی تھی۔یہ صرف'

بٹوار ہندوستان کے ان چیدہ چیدہ رہنماؤں کا ذکر ہے جنھوں نے چودہ اگست 1947 کو پاکستان حاصل کیا لیکن پختونوں کو ہمیشہ غدار سمجھا جاتا رہا اور نام نہاد قوم پرست اور لسانی جماعتیں پروپیگنڈا کرتی رہیں کہ پاکستان کی آزادی میں پختونوں کا کوئی کردار نہیں تھا جبکہ حقیقت یہی ہے کہ پختونوں کی حریت

پسندی کے سبب انگریز ہندوستان سے بھاگنے پر مجبور ہوا۔ 1947 میں والئی سوات میاں گل عبدالودود نے پاکستان سے الحاق کی درخواست کی لیکن اسے پاکستان میں انتظامی طور پر شامل نہیں کیا گیا، والی سوات نے پاکستان سے محبت میں 1947 میں پاکستان کو جنگی جہاز تحفے میں دیا جس پر میاں گل جہانزیب کا نام لکھا ہوا تھا اور پاکستان کا جھنڈا پرنٹ تھا۔ بلا شبہ پاکستان کیلئے لاکھوں انسانوں نے قربانیاں دیں، لیکن صرف نعرے لگانے سے پاکستان آزاد نہیں ہوا تھا بلکہ برصغیر کی آزادی کیلئے مسلح جدوجہد بھی کی گئی تھی جس کا سہرا پختونوں کے سر بھی جاتا ہے، مسلم لیگ صرف چند افراد پر مشتمل نہیں تھی بلکہ اس میں نامور اکابرین بھی شامل تھے، جو پختون تھے، پاکستان بننے کے بعد بھی پختونوں نے جانثاری اور حب الوطنی عظیم الشان مثالیں قائم کیں۔ بعض سیاسی لسانی اور قوم پرست جماعتوں کے نزدیک پختونوں کا کردار تحریک آزادی سے واجبی سا، ہے، لیکن وہ تاریخ سے نابلد معلوم ہوتے ہیں یا پھر پختونوں کے برصغیر کی آزادی کیلئے قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے شرماتے ہیں۔ سید احمد شہید کی تحریک مجاہدین ہندوستان میں مسلمانوں کی جدوجہد کا ایک درخشندہ باب ہے بعد ہر تحریک سید احمد شہید سے متاثر ہو کر سارے ہندوستان میں چلی۔ سید احمد شہید کی شہادت کے بعد بھی انگریزوں کے خلاف بچ جانے والے مجاہدین نے سرحدی قبائلی علاقوں میں مورچہ بند ہو کر پہلے سکھوں کے خلاف جدوجہد کی اور پھر ۱۸۴۹ء میں انگریزوں کیخلاف صوبہ سرحد پر چند غداروں کی

وجہ سے قابض ہونے کے باوجود گوریلا جنگ جاری رکھی صوابی کے سیر امیر مشہور بہ کوٹھا بابا جی ، ستھانہ اور ملکا کے سادات خاندان بھی مجاہدین صوبہ سرحد میں مجاہدین کے شانہ بہ شانہ لڑے۔ اگر صوبہ سرحد کے لوگ مجاہدین کا ساتھ نہ دیتے تو کیا وہ اپنی تحریک تک جاری رکھ سکتے تھے۔ مولانا عبدالرحیم ، قاضی میاں جان ، میاں عبدالجعفر1947 تھانسری ، شیخ محمد شفیع ، مولانا یحیٰ علی کو موت کی سزا دیگر جزائر انڈیمان جلا وطن کیا گیا 1868 میں صوبہ سرحد کیتاریخ میں پندرہ ہزار پر مشتمل انگریزی فوج نے کالاڈھاکہ ، موجودہ تورغر) مہم میں حصہ لیا۔ موضوع بہت طویل ہے اور برصغیر کی آزادی کیلئے) حریت پسند پختونوں کی قربانیوں کی کوئی مثال نہیں دے سکتا، یہ صرف ان لوگوں کیلئے مختصر جواب ہے جو پختونوں کو پاکستان کے کسی بھی حصے میں جانے سے روکتے ہیں، دہشت گرد سمجھتے ہیں' ریاست سوات کو1929 میں انگریز حکومت نے میاں گل کی ولی عہدی کی حیثیت سے قبول نہیں کیا تھا۔پاکستان نے بھی 1947 میں سوات سے الحاق نہیں کیا 1969 میں پاکستان کی دیگر ریاستوں کی طرح ریاست سوات بھی پاکستان میں ایک ضلع کی حیثیت مدغم ہوگیا اور پہلی بار ڈپٹی کمشنر اور ضلعی انتظامیہ پر مشتمل دیگر اہل کاروں کی تعیناتی عمل میں لائی گئ گو کہ سوات کی عوام کی اس نئے نظام سے شدید مشکلات کا سامنا رہا ہے لیکن پاکستان کی محبت میں سب کچھ قبول کیا۔ انھیں ایسا لگا کہ جیسے کسی نوآبادی نظام سے واسطہ پڑگیا ہو۔ والئی سوات میاں گل عبدالحق جہانزیب کی برسی

اکتوبر کو منائی جاتی تھی لیکن عید کی وجہ سے 12 اکتوبر کو منائی جارہی ہے تمام 5 اظہارئے کا مقصد نوجوان کو اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ انگریزوں سے آزادی کیلئے پختونوں کے کردار کو نظر کرنا بے انصافی ہے، پختون محب الوطن ہیں اور جانثار کرنیوالی قوم ہے۔ آج بھی جنگی مہلک آلات کے نام پختونوں کے نام پر رکھے جاتے ہیں کیاان حریت پسند رہنماؤں کے ناموں کالجز اور یونیورسٹوں کے نام کیوں نہیں رکھے جا، تے تاکہ قوم آگاہ نہ ہو۔ پختون اسلاف کے کارنامے نصاب میں شامل ہوں تاکہ وہ آگاہ ہوں کہ پختون بھی پاکستانی محب الوطن ہے۔

میں پاگل نہیں، دماغ چلا ہوا ہے

کراچی نفسیاتی ہسپتال کے سرپرست ڈاکٹر مبین اختر کے مطابق پاکستان میں 4 کروڑ افراد ذہنی مرض میں مبتلا ہیں اور 70 فیصد علاج کیلئے کسی بھی معالج کے پاس نہیں جاتے۔ جبکہ حیران کن بات یہ ہے کہ ننانوے فیصد گھر والوں کو بھی پتہ بھی نہیں چلتا کہ ان کا رشتے دار کسی نفسیاتی الجھن میں گرفتار ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی رپورٹ پر تو کسی قسم کا تبصرہ اس لئے نہیں کر سکتا کیونکہ میں خود ایک مرتبہ گلستان جوہر میں واقع ایک نفسیاتی ہسپتال میں اپنے ذہنی خلفشار کو دور کرانے کیلئے کچھ عرصہ جاتا رہا، ایسا نہیں تھا کہ میں پاگل تھا، بلکہ کبھی کبھی مجھے لگتا تھا کہ میرا دماغ چل گیا ہے۔ مجھے جو معالج دیا گیا اس صنف مردانہ تھی، جبکہ میری خواہش تھی کہ کوئی صنف نازک میری معالج ہو، کیونکہ ہسپتال میں خوبصورت ڈاکٹروں کو دیکھ کر دل چاہتا تھا کہ بالکل پاگل ہو جاؤں، لیکن دل تو پاگل ہے سے زیادہ آرزو کبھی نہیں رکھی کیونکہ ان کے پیروں میں پہنی ہوئی ہیل دیکھ کر مجھے اس بات کا بھی پورا یقین تھا کہ ذہنی مریض تو سب ہی ہیں اگر ایک سینڈل بھی پڑ گئی تو لینے کے دینے میں پڑ جائیں گے اس لئے مردانہ نما ڈاکٹر پر ہی گزارا کرنا پڑا، لیکن وہ اس قدر خشک مزاج تھا کہ ایک بار مجھے ایسے کہنا پڑا کہ جناب مجھے لگتا ہے کہ آپ کو اپنے علاج کی ضرورت ہے، مجھے

وقت دیکر خود تاخیر سے آتے ہیں، جو کہنا چاہتا ہوں، تو اپنا دل کا دکھڑا سنانا شروع کردیتے ہیں، مجھے پریشانیاں اور الجھنیں ہیں اس کا حل چاہتا ہوں میری مدد کرنے کے بجائے آپ مجھے مزید پریشان کر رہے ہیں۔ اس لئے انھیں خیر باد کہہ دیا، بار بار معافی بھی مانگی، لیکن میرا دماغ جو چلا ہوا تھا اس لئے ان کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں ہوا اور پھر دوبارہ کسی معالج کے پاس نہیں گیا۔

کبھی کبھار سوچتا ہوں کہ ذرا یہ بھی تو دیکھوں کہ میں ہی ایسا ہوں، تو میں ایسا کیوں ہوں، لیکن بعد میں مختلف تجارب کرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ پاکستان میں تقریبا سارے لوگ ذہنی مریض ہیں صبح اٹھتے ہی اخبار دیکھنے بیٹھ جاتے ہیں کہ رات کو کیا ہوا ہوگا، ارے رات کو کچھ ہوا ہوگا اگر ہوتا تو الیکٹرونک میڈیا بریکنگ نیوز دے دیتا ہے، لیکن اس پر بھی ہمیں یقین نہیں آتا، پھر ٹی وی کھول کر خبر نامہ لگاتے ہیں کہ عمران خان نے دھرنا ختم کیا کہ نہیں، قادری صاحب کے انقلشین سے متعلق تازہ صورتحال کیا ہے، سیاستدانوں کی خیریت عافیت دریافت کرنے کے بعد چوبیں گھنٹوں کی کاونٹنگ کرتے ہیں کہ اس عرصے میں کتنے بے گناہ ٹارگٹ کلنگ میں ہلاک ہوئے، کتنے پولیس مقابلے ہوئے، کتنے چھاپے پڑے، سیاسی، مذہبی جماعتوں کے کتنے کارکن شہید ہوئے، اب تو وزیر اعلی صاحب نے بھی فتوی جاری کردیا ہے کہ کچی شراب پینے سے اگر کوئی

ہلاک ہوجاتا ہے تو وہ معصوم ہی نہیں بلکہ شہید ہے ، نعوذ باللہ ۔ اب اگر ذہنی سطح کی یہ صورتحال ہو تو خود کو پاگل ہی کہا جاسکتا ہے ۔ پنجاب میں سیلاب آیا ہوا ہے ، لیکن سیاسی رہنما اس پر بھی سیاست کر رہے ہیں ، آئی ڈی پیز کا پرسان حال نہیں ہے لیکن ایک بات بڑی خوش کن ہے کہ پاکستان کے قیام کے بعد پہلی بار فاٹا کی عوام کیلئے فوج میں داخلے کیلئے دروازے کھول دیئے گئے ہیں ۔ ویسے پاکستان میں میرے نزدیک نفسیاتی مسائل کی سب سے بڑی وجہ شادی شدہ ہونا ہے اور اس سے بڑی وجہ غیر شادی شدہ ہونا ہے ، شادی شدہ افراد اپنا غصہ غیر شادی شدہ نوجوانوں پر اتارتے ہیں تو غیر شادی شدہ سیاست دان اپنی کم نصیبی کا لاوا ، شادی شدہ افراد بھی اتار دیتے ہیں اس لئے تو جلسوں میں خواتین ، بچوں اور ان کے خاوند نامدار کی موجودگیوں کو یقینی بنایا جانا فوقیت رکھتا ہے۔ کراچی میں تو یقینی طور پر جو بچے پیدا نہیں ہوئے وہ بھی ذہنی مریض ہونگے ، ان کو بھی ڈر لگتا ہوگا کہ منہ دکھائی میں دئے جانے والے تحائف کوئی لوٹ نہ لے ، شادی ہالوں میں ڈر لگا رہتا ہے کہ کوئی دلہن کا زیور لوٹ نہ لے ، گھر خالی چھوڑ نہیں سکتے کہ محلے کا کوئی اچکا لوٹ نہ لے ، ڈر خوف و ہراس کے اس سائے میں انسان ذہنی مریض نہ بنے گا تو کیونکر نہیں بنے گا۔ میں نے ایک لڑکی سے محبت کی ، محبت کیا کی ، کہ عذاب سر پر لے لیا ، لمحے لمحے بعد فون ، میسج ، کہاں ہو ، کدھر ہو ، کس کے ساتھ ہو آئے کیوں نہیں ، بور ہو رہی ہوں ، گھومنے چلیں ، فلاں ریسٹورینٹ چلیں ، فلاں فلم ،

دیکھیں، یار محبت نہیں کی بلکہ ایسا گناہ کر لیا کہ جیسے کارگل پر حملہ میں نے ہی کروایا ہو یا پھر عمران خان کو دھرنے اور قادری کو انقلاب کے لئے میں نے راضی کیا ہو۔اب کمبل ہے کہ جان چھوڑتا نہیں، کیا کروں سمجھ نہیں آتا، غم سے بھرے اشعار لکھوں تو درد بھرے پیغامات آنے شروع آجاتے ہیں کہ تیرا غم، میرا غم ہے۔مخسور کن اشعار لکھ بیٹھوں تو، مصیبت کہ دنیا میں کیا حالات چل رہے ہیں اور تمھیں نوٹنکی سوجی ہوئی ہے، کسی کے جنازے میں چہرہ اداس لے کر بیٹھ جانا بھی مصیبت، کہ کیا تمھاری ہوتی سوتی کا کوئی رشتے دار، جو اس قدر غم زدہ ہو، مسکراؤ، تصویریں بنائی جارہی ہیں، مسکرانے کی کوشش میں دانت باہر نکل آتے ہیں تو چہ میگوئیاں شروع ہوجاتی ہیں کہ ہو، نہ ہو کہ اسے وصیت میں کچھ نہ کچھ ضرور ملا ہے تبھی اتنا خوش ہے۔زندگی میں آرام نہیں، سکون نہیں، اپنی طرز کی زندگی بس کر نہیں سکتے، تبلیغ میں جاؤ تو، پیچھے سے آواز آتی ہے کہ نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی، غصہ ہر وقت رہنے لگا ہے، لائٹ چلی جائے تو منہ سے نامناسب الفاظوں کی بھرمار، اگر لائٹ آجائے اور کوئی بن بلایا مہمان بھی آجائے تو بھی الیکٹرک کمپنی کو کوسنے، کبھی کبھی واقعی ایسا لگتا ہے جیسے اگر اسلام میں دوسرے جنم کا کوئی تصور (نعوذباللہ) ہوتا تو پتہ نہیں کس عذاب کے نتیجے میں پاکستان میں بھیجا گیا ہوں۔ایک بار والدہ سے الجھ بیٹھا کہ، امی، امریکہ میں مجھے کیوں پیدا نہیں کیا، رہ دہ کر پاکستان رہ گیا تھا، تو وہ بچارگی سے کہنے

لگی کہ بیٹا، تم وہ کام کرلو، جو میں نہیں کر سکی، سر کھجا کر باہر جانے میں عافیت جانے کو درست سمجھتا ہوں۔

کچھ سمجھ نہیں آتا کہ کروں تو کیا کروں، کبھی کبھار، اپنے ایڈیٹرز صاحبان پر غصہ آجاتا ہے کہ بھلے آدمی ہیں، دنیا بھر کی خبریں پڑھ پڑھ کراتنے بے حس ہوگئے ہیں کہ انھیں اپنے کالم نویسوں کا خیال ہی نہیں، پھر خیال آتا ہے کہ اگر انھیں خیال نہیں آتا تو لکھ کیسے رہے ہوتے، اپنی فیس بک کے پروفائل کی ٹائم لائن میں کٹی پہاڑی پر اپنی تصویر کے ساتھ لکھ دیا کہ میرا پیارا، پرامن علاقہ ۔۔ لکھنا کیا تھا کہ مذاق بن گیا، اب اگر یہ پر امن نہیں ہے تو کیا ہے کہ ہر وقت بلا معاوضہ رینجرز، پولیس ہر وقت گشت کر رہے ہوتے ہیں، ڈاکو، ڈکیٹ، چور چکاری سے بچت ہوجاتی ہے، چوبیں گھنٹوں میں کسی بھی وقت گھر سے باہر جاتے وقت دنیا بھر کی دعائیں مفت میں مل جاتی ہیں، خیر عافیت اور صدقے اتارے جاتے ہیں۔ واپس آنے پر گھر والے لپٹ کر خوشی کے مارے روتے ہیں اور اگلے دن صدقہ خیر بانٹ دیتے ہیں۔ اب ای نعمت کسی اور علاقے میں کسی کو میسر ہو تو بتائے، ہاں، کبھی کبھار بم دھماکے، کریکر وغیرہ کے معاملات ہوتے رہتے ہیں، بچے بات نہیں سنتے تو شعلے فلم کا ڈائیلاگ مارتے ہیں کہ، خاموش ہوجاؤ، ورنہ 'بھالو' آجائے گا، لیکن بچے بھی بڑے ہوشیار کہ بھالو تو مارا گیا اب کیسے آئے گا، تو انڈین فلم کا تاثر لیکر کہنا

پڑتا ہے کہ اس کی روح بھٹک رہی ہے کہ جس نے اسے محفوظ اللہ سے بھالو بنایا، اس سے انتقام لئے بغیر نہیں جائے گا۔ تو پھر بچے مسکرا کر سو جاتے ہیں کہ آج کھانے میں گوشت نہیں ملا تو اس لئے بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ جھینپ کر کہنا پڑتا ہے کہ تم لوگ میرا مذاق مت اڑاؤ میں گوشت خور ضرور ہوں، لیکن زندہ انسانوں کا گوشت نہیں کھاتا، غیبت نہیں کرتا، جو کہتا ہوں، منہ پر کہتا ہوں، اچھا لگے یا بُرا لگے۔ لیکن مجھے پاگل مت سمجھو کیونکہ میں جو دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ سکتے، تو وہ ہنس کر کہتے ہیں کہ بات تو آپ کی درست ہے کیونکہ آپ نے چشمہ جو اتار دیا ہے۔ اب آپ کو کچھ نظر ہی نہیں آ رہا تو ہم کیا جانے کہ آپ کیا دیکھ رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ چپ ہو جاؤ، بھارت دھمکی دے رہا، افغانستان غصے میں، یونٹس بنائے جانے کی بات ہو رہی ہے، امریکہ ناراض ہے، ایران ناراض ہے، بھائی بھی غصے میں ہے، مر سوں مر سوں بھی بہت چل رہا ہے، دعا کرو کہ جلدی پاگل ہو جاؤں تاکہ پاکستان کو پاگل ہوتا نہ دیکھ سکوں۔ اس لئے ابھی صرف میرا دماغ چلا ہے پاگل نہیں ہوا ہوں

گھنٹی بلی کی دُم میں

اس ہفتے کئی دل چسپ خبریں سننے کو ملیں۔ متحدہ قومی موومنٹ کے رہنماؤں کو بھتے کی پرچیاں ملنے کا دل چسپ انکشاف پریس کانفرنس کے ذریعے ہوا۔ اس بارے میں جتنے تبصرے مجھے سننے کو ملے ہیں انھیں ضبط تحریر میں نہیں لا سکتا۔ لیکن پشتو کی مثال ہے کہ عقل مند کو اشارہ کافی ہے۔ بہر حال یہ بھی کوئی اچھنبے کی بات نہیں کہ انھیں بھتے کی پرچیاں نہیں ملیں ہونگی۔ لیکن رقم بہت کم مانگی گئی ہے اور پرچی دینے والے کے دل گردے کی داد بھی دینی پڑے گی کہ سیکورٹی کے سب سے سخت حصار میں بھی پرچیاں ان رہنماؤں تک پہنچ گئی۔ مجھے سخت حیرانی ہو رہی ہے کیونکہ جتنی مضبوط اور معیاری سیکورٹی متحدہ قومی موومنٹ کے رہنماؤں کی ہے اتنی تو پاکستان کے وزیر اعظم کی بھی نہیں ہوگی۔ گو کہ اس کے باوجود متحدہ قومی موومنٹ کے کئی اراکین اسمبلی اور ذمے دار ٹارگٹ کلنگ میں ہلاک ہو چکے ہیں لیکن جب نیوی کے ہیڈ کواٹر میں شدت پسندوں کے حامی ہو سکتے ہیں تو نائن زیرو کوئی آسمان میں بنی جگہ تو ہے نہیں۔ تیسری دل چسپ خبر ڈی جی رینجرز کی جانب سے سامنے آئی کہ اگر بلی کی گردن میں گھنٹی نہیں باندھ سکے تو کم از کم دُم میں ضرور باندھ دیں گے۔ یہ نہایت واضح اشارہ بے بسی تھا کہ بلی ان کے سامنے ہے، گھنٹی ان کے ہاتھ میں ہے، لیکن باندھنے کی اجازت نہیں ہے ہاں،

ضد

بڑھ گئی تو دم میں گھنٹی باندھنے کی اجازت ملنے کا امکان ضرور ہے، اس پر ہم سوائے اظہار ہمدردی کے اور کیا کر سکتے ہیں۔جب رینجرز جیسے ادارے کا یہ حال ہو تو کراچی کا اللہ ہی حافظ ہے، اندھے چوکیدار کی طرح، چلاتے رہو کہ جاگتے رہو، پولیس نے بھتہ خوروں کے خلاف سیٹیاں تقسیم کیں تھیں کہ مصیبت آئے تو سیٹیاں بجا دیا کریں، رینجرز نے گھنٹیاں ہاتھوں میں رکھی ہوئی ہیں۔رینجرز چاہے تو صرف ایک ہفتے کے اندر تمام چوہوں کو بلوں سے نکال کر، ان کو کھانے والی بلی کی گردن میں گھنٹی ہی نہیں بلکہ اس کی سات سانسیں بھی نکالنے میں مہارت رکھتی ہے، لیکن اب کیا کہا جائے کہ ایوانوں میں عدل کی گھنٹی کب بجے گی۔

اکتوبر کے دن پی پی پی عوامی قوت کا بھرپور مظاہرہ ہے۔بقول عمران خان زندہ 18 لاشیں بلاول زرداری کو سنیں گی۔ویسے عمران خان بھی کوئی موقع طنز کرنے کا نہیں جانے دیتے ۔اب اگر ان کے پاس مُردہ دل لوگ ہیں جن کے احساس مر چکے ہیں، ضمیر مر چکے ہیں تو اس میں کسی دوسروں پر تیر نشتر چلا کر کیوں کارکنوں میں اشتعال انگیزی کرتے ہیں۔اگر ان کا اب و لیجہ مہذب ہو جائے تو سب بھی اسی طرح ہو جائیں گے ۔لیکن آہستہ آہستہ جس طرح سیاسی بیانات میں کرکٹ کی متعدد اصلاحات انھوں نے متعارف کرائیں اب نیا سیاسی دشنامی بیانات کا کلچر بھی وہی متعارف کرا رہے ہیں۔جو کل ان کے مداح تھے وہی اب نقاد بھی ہیں

۔ خیر یہ تو چلتا رہتا ہے۔ دلچسپ خبروں میں سب سے بڑی دلچسپ خبر عثمانیہ کالونی میں سنیٹرل جیل توڑنے کیلئے کھودی جانے والی 45 فٹ لمبی سرنگ ہے، جس مکان میں سرنگ بن رہی تھی اسے کسی پولیس والے ہی نے فروخت کیا تھا۔ خیر رینجرز نے بروقت کاروائی کرکے مصدقہ مخبری پر اس سازش کو ناکام بنادیا، ویسے جیل میں کسی بھی قسم کا لٹریچر، مواد، موبائل فون، منشیات لے جانا کوئی مشکل کام نہیں ہے، چند روپوں کے خاطر پولیس کے بعض کرپٹ اہلکار یہ کارنامے خود سرانجام دیتے ہیں، جیل سے لیپ ٹاپ برآمد جاتے ہیں پھر سمارٹ فون کے ذریعے دنیاکے کسی بھی حصے میں کسی سے بھی ویڈیو کال کے ذریعے رابطہ کون سا مشکل کام ہے۔ جیل کے اندر بنی وی آئی پی بیرکس، میں یہ تمام سہولیات کی فراہمی ناممکن نہیں رہی ہے۔ایک چھوٹا سا سمارٹ فون لیپ ٹاپ سے بڑھ کرکام کرتا ہے، کانفرنس کال کے ذریعے یا پھر گروپ کے ذریعے ویڈیو کانفرنس اب کوئی انہونی بات نہیں ہے۔ لٹریچر تو ہر سیاسی یا مذہبی جماعت کا ہر جیل میں ہوتا ہے اس میں کیا خاص بات ۔

لاکھوں روپوں کی آمدنی، منشیات فروشی اور مخصوص ملزمان کو خصوصی سہولیات کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ کچھ عرصے قبل پیام رسانی کے ایک انوکھے طریقے کے متعلق معلومات ملی کہ کوئی نیٹ ورک اس مخصوص پیام رسانی کی نگرانی نہیں کرسکتا۔ آج کل بھی یہی طریقہ استعمال ہو رہا ہے، کسی بھی ای میل پر اپنا مکمل پیام لکھ کر اسے پوسٹ کرنے کے بجائے ڈرافٹ میں محفوظ کرلیا جاتا ہے

۔ای میل کا پاس ورڈ پیام رسانی والے اور دوسرے شخص کے پاس بھی ہوتا ہے وہ اس ای میل کے ڈرافٹ کو اوپن کرکے پیام پڑھ لیتا ہے، انٹرنیٹ کی جتنی بھی نگرانی کی ہی نہیں ہوگی تو اس کو کون مانیٹر کرے گا۔ڈرافٹ میں Send جائے، ای میل جب محفوظ رکھنے کا یہ عمل نہایت محفوظ سمجھا جاتا ہے، پڑھنے کے بعد ایسے ڈیلیٹ نہیں کیا جاتا بلکہ اس پر اوور رائیٹنگ کرکے اصل پیام کو ختم کردیا جاتا ہے، اس طرح پیام کو ری سائیکل بکس یا بیک اپ سے بھی تلاش نہیں کیا جاسکتا کہ کیا پیام لکھا گیا تھا۔

خیر یہ تمام معلومات تو ہر خفیہ ادارے سے لیکر بچے بچے تک کو معلوم ہے، بات کہاں سے کہاں چلی گئی ۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ جتنے بھی کیمرے لگائے گئے ہیں ان کا زوم انتہائی کمزور ہے اور وہ چہرہ شناخت نہیں کرسکتا، مانٹرنگ روم والے الیکڑونکٹ میڈیا کے بعض چینلز کو ایکسڈنٹ کی سی سی ٹی وی فوٹیج دے دیتے ہیں، جو لوگوں کے لئے باعث تفریح کا ذریعہ بنتا ہے۔

اسکینگ مشینیوں کے ذریعے آج تک کوئی بڑی کاروائی نہیں پکڑی گئی ، کسی بھی ٹرین میں چلے جائیں، کسی بھی مخصوص فرد کو ٹرین میں سوار کروانا ہو تو ٹرین کی روانگی میں رکاوٹ پیدا کردی جاتی ہے، کسی بھی اسٹشین سے یا راستے پر ٹرین رکوا کر باآسانی کوئی بھی کہیں جاسکتا ہے۔

افغانستان کی سم یا ملائیشا کی سم کا دور بھی گذر گیا اب انٹرنیٹ پر کسی بھی جعلی نام سے امریکہ سمیت کسی بھی ملک کا فون نمبر حاصل کیا جاتا ہے اور پاکستان میں بیٹھ کر امریکہ کے نمبر سے بات کر سکتے ہیں اگر کسی کو یقین کروانا ہو تو امریکہ کا یا برطانیہ وغیرہ کا نمبر دے دیں ، اس نمبر پر کال آئی گی اور ایسا لگے گا کہ پاکستان سے امریکہ کال کی گئ ہے ۔بہت جدید دور ہے ، صرف جدید اسلحہ کچھ نہیں ہے ، جدید ٹیکنالوجی کا استعمال بھی جرائم میں اضافے کا سبب بن رہا ہے ۔ پولیس میں استعداد کار نہیں ہے کہ وہ جدید نظام سے فائدہ اٹھاسکے ۔ دیگر قانون نافذ کرنے والے ادارے بھی انسانی مخبری پر بھروسہ کرتے ہیں ۔ان حالات میں اگر متحدہ قومی موومنٹ کو بھتے کی پرچیاں مل جائیں تو میں تو حیران نہیں ہوتا ، اگر اداکارہ میرا جیسی فاحشہ ملالہ یوسف زئی سے اپنا تقابل کرے تو پاکستانی قوم پر حیرانی بھی نہیں ہوتی کہ قوم کو اور بیمرا کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ڈی جی رینجرز گھنٹی باندھے یا کسی کی گردن پکڑے ، ایک دھرنے کی مار ہے ، گو رینجرز گو ،کے نعرے بھی لگنے شروع ہوگئے ہیں ، یہ ہماری قومی مزاج نہیں تھا لیکن بنتا جا رہا ہے ۔ کیونکہ ہم نے خود کو کبھی با حیثیت قوم تسلیم نہیں کیا ۔ جی ہاں ۔ ممالک کسی بھی ملک کی عوام کو سرزمین کو تسلیم کرتے ہیں ، لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ تمام تر نعمتوں کے باوجود ہم نے آج تک خود کو ہی تسلیم نہیں ، جس دن خود کو

!! تسلیم کرلیا تو پھر بنے گی بات

!! میری ادھوری محبت

بھارتی اداکار عامر خان کی ایک فلم گجنی کی ادھوری محبت پر کافی اعتراضات ہوئے کہ فلم کے کلائمکس میں عامر خان نے فلم کہانی میں ہیروئین کو اپنی اصل حقیقت کیوں نہیں بتائی کہ وہ غریب نہیں بلکہ بہت امیر کبیر بزنس ٹائیکون ہے۔ عامر خان نے فلم کا سیوئیکل بنانے سے بھی انکار کردیا کہ وہ 'گجنی' فلم کا دوسرا حصہ نہیں بنائے گا۔شائد آپ سوچ رہے ہوں کہ میں بھی کسی ایسی محبت کی ادھوری کہانی کے ذکر کروں گا تو بالکل ایسی کوئی بات نہیں ہے، محبت ایک بار ہوتی ہے اور آخری بار ہوتی ہے کیونکہ اس کے بعد انسان محبت کرنے کے قابل نہیں رہ جاتا بلکہ اپنے پیچھے بہت سارے محبت کرنے والے چھوڑ جاتا ہے اگر اس نے اپنے کھاتے میں کوئی بنک بیلنس نہیں چھوڑا تو پھر چہلم بھی چندہ لیکر کرایا جاتا ہے۔دراصل اس تمہید کا ایک مقصد تھا کہ ہر انسان محبت، پیار کا طلبگار ہوتا ہے، باحیثیت انسان مجھے بھی بچپن سے محبت کا بہت شوق تھا، اپنی گوری رنگت، وحید مراد جیسے بال لمبے چوڑا قد، دبلا پتلا اندام ، بڑی بڑی آنکھوں میں سُرما لگا کر میں، راستے میں سر جھکائے ہوئے گھر سے پیدل ہی نزدیکی اسکول جاتا تھا عمومی خیال یہی آتا تھا کہ ابھی کوئی آواز دے گی اور میری آرزو پوری ہوجائے گی، پھر ایک دن مجھے آواز سنائی دی، اوئے اندھے، روڈ

کے کنارے چل، مر جائے گا۔ دراصل خیال ہی نہیں رہا کہ بے خیالی میں اپنی خیالی دنیا میں جاتے وقت فٹ پاتھ سے روڈ پر آگیا تھا۔ گھر اور اسکول کے راستے میں آغا خانی جماعت خانہ اور ابراہیم علی بھائی اسکول آتا تھا۔ اس وقت سوچتا تھا کہ کتنی خوب صورت ہیں یہ لڑکیاں، کاش میں بھی لڑکی ہوتا تو اُن کے ساتھ اسکول جاتا، پھر یکدم خیال آیا کہ میں تو لڑکا ہوں، ہفتمکلاس میں پڑھ رہا ہوں، اگر لڑکی ہوتا تو لڑکے مجھے چھیڑتے اور میں روتے ہوئے گھر جاتا، پھر ہماری پختون روایات کے مطابق میرا اسکول جانا بند ہو جاتا، اچھا ہوا کہ لڑکی نہیں ہوں لیکن ' دودھ میں ملائی، کیا ہوتی ہے مجھے اس وقت بھی سمجھ نہیں آیا تھا کہ آخر میرے ہم جھولے، اُن لڑکیوں کو دیکھکر ایسا جملہ کستے کیوں ہیں۔ پھر اسکول میں، کو ایجوکیشن نہیں تھی، جلدی جلدی پاس ہو کر کالج جانا چاہتا تھا، ویسے صبح گرلز کیلیئے اسکولز مختص تھے، لیکن اتنی ساری لڑکیاں ہوتیں تھیں کہ سوچتا رہ جاتا کہ کیسے پسند کروں، اتنے میں سب چلی جاتیں اور میں آلو چھولے کھانے چلا جاتا کہ چلو کل دیکھیں گے۔ یاد آیا، ہمارے اسکول میں پڑھانے والی ٹیچرز میں دو ٹیچرز بہت ہی زیادہ خوبصورت ہوا کرتی تھیں، سب لڑکے ان کی کلاس میں سب سے آگے بیٹھنے کی کوشش کرتے تھے، لیکن میں سب سے پچھلی والی نشست پر بیٹھا کرتا، اک دن انھوں نے مجھ سے کہا کہ تم آگے کیوں نہیں بیٹھتے تو میں کہتا کہ مجھے ' دور سے بورڈ صحیح دکھائی دیتا ہے ' ۔ اس بات پر پتہ نہیں انھوں نے کیا مطلب لیا اور میری

شکایت بڑی مس سے جا کر کر دی وہ بہت اچھی ٹیچر تھیں، جب میری شکایت ان کے پاس گئی تو وہ ہنس پڑیں کہ خدا کا شکر ہے کہ تمھاری بھی کوئی شکایت سننے کو ملی، میں اس وقت اس بات کو نہیں سمجھا اور مس کے کہنے پر معافی مانگ کر آ گیا، مجھے آج بھی نہیں معلوم کہ وہ ناراض کس بات پر ہوئی تھیں۔ ہمارے اسکول میں ایک ٹیچر اسٹوڈنس کو بہت مارا کرتے تھے، لیکن مجھے کبھی نہیں مارا کیونکہ میں ان کی ہر بات پر عمل کرتا تھا۔ پھر ایک دن سر نے مجھے، کئی چھڑیاں بلا وجہ دے ماریں، میں نے وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا کہ تم نے بتایا کیوں نہیں کہ فلاں مس کی شادی ہو گئی ہے اور اب وہ اسکول نہیں آئیں گی۔ کمال کی بات تھی کہ مجھے آج بھی نہیں معلوم کہ مس کی شادی کیوں اور کب اور کس سے ہوئی۔ کالج یونیورسٹی میں بھی میرا کوئی اسکینڈل نہیں بن سکا حسرت ہی رہی کہ کاش کوئی مجھ سے محبت کر لیتی، کبھی پارکوں میں کبھی سنیماؤں، میں کبھی تھیٹرز میں اکیلا ہی جاتا کہ شائد آنکھوں آنکھوں میں پیار ہو جائے لیکن میرے ساتھ مصیبت یہ تھی کہ میں چشموں کے بغیر دیکھ نہیں پاتا تھا، اب محسوس ہوتا ہے کہ نہ جانے کتنوں کے دل ٹوٹے ہونگے، لیکن دل ٹوٹنے کی آواز جو نہیں آتی اس لئے نوجوانی کے بعد جوانی بھی گذر گئی، عشق کی بازی ہے یہ تم ہی ہاروگے کی طرح، ہر یکطرفہ عشق کی بازی ہارتا چلا گیا اور آخر کار عشق کو ہی خیر باد کہہ دیا۔ انٹرنیٹ سے دوستی کر لی تو بہت سارے لڑکے، لڑکیاں بنی ہوتی، تو لڑکیاں لڑکے، کچھ عرصہ تو وقت خراب کیا

لیکن ایک ناری کو میں پسند آگیا، امیں نے بوسکی قمیض اور سفید شلوار پہنی اور سیدھا، کے ایف سی جا پہنچا، بعد میں اندازہ ہوا کہ میں کسی پنجابی فلم کا کردار لگ رہا ہوں، اب کیا، کیا جا سکتا تھا اس لئے آرام سے برگر کھایا اور واپس آگیا۔ تھوڑا سا بالغ ہوا تو سوچا کہ چھوڑو یار، کس جھنجٹ میں پڑ گئے ہو ساری عمر اسی طرح گذار دی، تم میں کوئی کشش نہیں ہے اس لئے یہ کوشش چھوڑ دو، میں نے اس عمل کو ترک کر دیا کہ کوئی مجھے پسند کرے، دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کبھی کبھی ہسپتال چلا جاتا، نہیں دل کی، اللہ کا شکر ہے کوئی بیماری نہیں ہے، بس ایسے ہی، بیمار بن جاتا، خوب صورت نرس آتی، مجھ سے میرا منہ کھلواتی، لیکن وہ تھرمامیٹر منہ میں رکھ چپ کرا دیتی، تھوڑی دیر بعد پھر ایک سسٹر آتی کہ اپنا ہاتھ دو، میں فوراً ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیتا، انگوٹھی ہر سائز کی جیب میں ہوتی تھی تو وہ مسکرا کر کہتی کہ بلڈ پریشر چیک کرنا ہے، میری مسکراہٹ غائب اور اسکی گہری ہو جاتی، لیکن نرم نرم گورے گورے ہاتھوں کے لمس کے بعد اچانک ایک تیز چبھن کا احساس ہوتا، پتہ چلا کہ مجھے انجکشن لگا دیا گیا ہے۔ اگلے دن وزٹ پر بہت سارے ڈاکٹرز، جو ہاؤس جاب تھے یا طلبا طالبات تھے وہ آتے اور مجھ سے میری بیماری پوچھتے، میں سب سے خوب صورت ڈاکٹر کی جانب دیکھ کر کہتا کہ کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ محبت کر لوں، تو سب ہنس پڑتے، سنجیدگی سے ایک ہٹلر ٹائپ پروفیسر آگے بڑھتا اور چیک اپ شروع کرتا تو میں ان سے کہتا کہ اُن سے

کہو نا۔ کہ وہ چیک اپ کریں، وہ شپ اپ کہہ دیتے تو میں اچک کر بیڈ پر بیٹھ جاتا کہ ہر وزٹ کی فیس دیتا ہوں، عالمگیر میں مفت علاج نہیں کروا رہا، تم لوگوں سے اچھے تو سرکاری ہسپتال کا اسٹاف ہے کم از کم رات رات بھر باتیں تو کرتا ہے۔ پروفیسر ایڈوئس کرتا کہ اس کے ساتھ نفسیاتی مسئلہ ہے، طبّی علاج کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بھی خاموشی سے اٹھتا اور ہاسپٹل سے چلا آتا اور سیدھا سرکاری ہسپتال جا پہنچتا۔ ایمر جنسی میں سب ہی واقف کار بن گئے تھے، مجھے دیکھتے ہی کہتے کہ بھائی صاحب دوبارہ آ گئے ہیں، انھیں داخل کردو۔ بس پھر سکون کے ساتھ کچھ دن ہسپتال میں گذارتا، بھاگتے لال بیگ اچھلتی کودتی بلیوں، بدبو دار راہ داریوں کی پرواہ کئے بغیر گندے سڑیلے بیڈ، جب جی چاہتا، اسٹاف روم چلا جاتا اور دل کھول کر ڈرافٹ، لڈو کی باری لگاتا کولڈ ڈرنک پیتے اور کوئی مریض بلاتا تو اس سے کہتے کہ صبر کرو، مریض آئی سی یو میں ہے۔ پھر ایک دن اخبار میں گم شدگی کی خبر پڑھتے ہی ان سے کہتا کہ مجھے گھر پہنچا دو، لیکن جو انعام ملے، آدھا میرا، آدھا تمھارا ہوگا۔ لیکن وہ مجھے بلیک میل کرتے کہ سچ بتا دیں گے، جس پر میں خاموش ہو جاتا کہ اگلی بار آ کر سب حساب برابر کردوں گا۔ گھر پہنچ کر امی گلے سے لگا لیتی کہ میرے لال، میرے بچے، کہاں چلا گیا تھا، میں نے تو قمیض کی پیچھے فون نمبر بھی لکھا ہوا تھا پھر بھی کسی نے تمھیں گھر نہیں پہنچایا ظالم لوگ، ہائے میرے معصوم بچہ میرے لال، کتنا کمزور ہوگیا۔

اسرائیلی ثقافت اسلام آباد میں

ایک حیرت انگیز خبر سامنے آئی کہ انٹر نیشنل یونیورسٹی اسلام آباد کی جانب سے ایک ثقافتی شو کے انعقاد میں اسرائیل کو اپنا قومی دن منانے کیلیے بھی ایک اسٹال بھی مختص کیا گیا تھا، انٹر نیشنل یونیورسٹی اسلام آباد کے اس قبیح فعل کو غیرت مند طالبات نے شدید احتجاج کرکے ناکام بنا دیا۔ انٹر نیشنل یونیورسٹی نے اسرائیل کو کن وجوہات کی بنا پر اسٹال سجانے کی اجازت دی اور کیونکر اس بات کو نظر انداز کردیا کہ ابھی تک غزہ کی فضاؤں میں اسرائیلی بمباری کی بو موجود ہے، فسلطینی بچوں کہ آہ وبقا اور فلسطینی بہنوں، ماؤں کی سسکاریاں اور آنسو ابھی تک تھمے نہیں کہ ضمیر فروشوں نے اسرائیل کو ہمارے تعلیمی اداروں میں رسائی دے دی۔ وفاقی دارالحکومت میں انٹر نیشنل یونیورسٹی اسلام آباد کے شعبہ مینیجمنٹ سائنسز میں اسرائیلی ثقافتی اسٹال وویمن انٹر نیشنل ماڈل یونائیٹڈ نیشنز کی دوسری سالانہ کانفرنس کے موقع پر لگایا گیا۔ اسٹال میں موجود طالبات نے اسرائیلی خواتین کا روایتی لباس زیب تن کرکے اسرائیلی کھانوں کے علاوہ اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو اور اسرائیلی ثقافت کے حوالے سے پوسٹر بھی آویزاں کیے گئے تھے۔ جبکہ مختلف مصنوعات سے مزین یہ اسٹال عین شاہ فیصل مسجد ہال میں لگایا گیا تھا۔ اس اسٹال کے ذریعے اسرائیل کو بطور امن و

کے الفاظ نمایاںFrom ISRAEL خوشحال کا علمبردار دکھانے کی کوشش کی گئی بینرز پر تھے ، سٹال کے مرکزی بینر پر جس کے پس منظر میں اسرائیلی جھنڈے پر لکھا ہوا تھا WELLCOME TO THE LAND OF PEACE & PROSPERITY دل چسپ بات یہ ہے کہ اسلامی یونیورسٹی سعودی عرب کے تعاون سے بنائی گئی ہے اور اسے سعودی عرب کے فنڈز سے ہی چلایا جاتا ہے ، اس جامعہ میں سعودی عرب کا عمل دخل زیادہ ہے۔انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی کے لیگل ایڈوئزر ڈاکٹر عزیز الرحمنکے مطابق " اقوام متحدہ کے نمائندہ ممالک کے اسٹال لگائے گئے تھے طالبات نے بغیر اجازت اسرائل کا اسٹال بھی لگایا اور اس پر اسرائیلی ثقافت اور مصنوعات کو سجایا گیا تھا، جیسے ہی انتظامیہ کو اس کا علم ہوا اسے بند کروادیا گیا" ، یونیورسٹی انتظامیہ اور صدر (وائس چانسلر) کی اجازت کے بغیر اسٹال لگانا ممکن ہی نہیں تھا، بظاہر یونیورسٹی انتظامیہ کے نائب صدر ڈاکٹر طاہر منصور کی سربراہی میں تحقیقات کے لئے ایک کمیٹی قائم کردی گئ ہے لیکن اس پروگرام کے انعقاد سے ملک بھر مذہبی جذبات کو شدید تکلیف پہنچی ہے۔ پاکستانی وزیر اعظم کے سعودی حکمرانوں سے اچھے تعلقات کے سبب اور سیاسی رجحانات کے ساتھ ملکی پالیسی میں تبدیلی پر پہلے ہی ایران کیساتھ تعلقات کشیدہ ہیں ۔ حالاں کہ ایران اور پاکستان کے تعلقات انتہائی برادرانہ رہے ہیں لیکن گذشتہ کئی ماہ سے ایران کیجانب سے بھی پاکستان سے احتجاج کا رویہ اپنایا جارہا ہے ۔ خاص طور پر جیش العدل نامی ایک تنظیم کیجانب سے ایرانی اہلکاروں کے اغوا

کے معاملہ ، گیس پائپ لائن پر پاکستان کی جانب سے معاہدے کی خلاف ورزی اور امریکی دھمکیوں کے سبب بھاری جرمانے کا خمیازہ اور فرقہ وارنہ فسادات میں ایران کو ملوث کرنے کی سازش بھی پاکستان کیلئے ایک نئے محاذ کو کھول رہی ہے۔ اس صورتحال میں جب کہ پاکستان میں اسرائیل کو وفاقی دارالحکومت میں یونیورسٹی کی طالبات کو اپنے لئے استعمال کرنے کی خبریں منظر عام پر ہیں تو اس سے یقینی طور پر بین الاقوامی پالیسی میں تبدیلی کی نشان دہی ہو رہی ہے کہ پاکستان کو اسرائیل کیساتھ اچھے تعلقات اور تسلیم کرنے کی راہ ہموار کی جارہی ہے۔ اسلامی یونیورسٹی کی ہی طالبات نے اس اسٹال کا اہتمام کیا اور اسرائیلی لباس زیب تن کرکے فلسطین کے شہداء کا سودا کتنے میں کیا، اس تحقیقات کو جلد سامنے لانے کی ضرورت ہے کیونکہ بد قسمتی سے اقتدار سے چمٹے عناصر ہر حساس معاملے پر ست واقع ہوئے ہیں۔ اسرائیلی اسٹال کا شاہ فیصل مسجد کے عین نیچے ہال میں سجا کوئی معمولی واقع نہیں ہے کہ اسے نظر انداز کردیا جائے۔ اسی طرح محرم سے قبل مولانا فضل الرحمٰن پر خود کش حملے کو بھی اسی تناظر میں دیکھنا ضروری ہے کہ بلوچستان اور خاص طور پر کوئٹہ کے ہزارہ ٹاؤن میں مخصوص مکتبہ فکر کے افراد کو مسلسل نشانہ بنانے کے مقاصد کیا ہیں، جبکہ سابق ترجمان طالبان پاکستان کی داعش میں شمولیت پر تحریک سے اخراج اور داعش کی جانب سے پاکستانی علاقے میں چند ہفتے قبل پمفلٹ اور پوسٹر کی تقسیم کے مقاصد کو بھی سامنے رکھنا ہوگا کہ پاکستان کو فرقہ وارانہ جنگ میں

الجھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس سے قبل یہ خبریں منظر عام پر آئیں تھیں کہ سعودی عرب کیجانب سے پاکستان کو ملنے والی خصوصی امداد کے مقاصد میں عسکری تعاون کے معاملات سامنے آئے تھے جیسے حکومت نے بے بنیاد قرار دیا، لیکن جب ہم بین الااقوامی تناظر میں تجزیہ کرتے ہیں تو صورتحال کچھ اسی سامنے آتی ہے کہ پاکستان کو براہ راست فلسطین جنگ میں ملوث کرنے کی کوشش کی گئ اور غزہ پر مسلسل حملے جاری رکھے گئے اور اطلاعات کے مطابق پاکستان پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ اپنی عسکری قوت کو فلسطین میں بھی استعمال کرے تاکہ اسرائیل کو پاکستان پر حملے کا جواز مل سکے۔

سعودی عرب و ایران کی جانب سے شام، عراق میں مختلف متحارب گروپوں کی حمایت بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، شہزادہ ولید بن طلال نے ایک موقع پر کہا کہ "سعودی عرب، عرب ممالک اور اہلسنت مسلمان ایران کے جوہری پروگرام کے خاتمے کیلئے اس کے خلاف اسرائیلی حملے کی حمایت کریں گے"۔ سعودی عرب نے اس بیان کی تردید نہیں کی جبکہ پاکستان کو اس قدر الجھا دیا گیا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ فرقہ وارانہ فسادات کی جانب بڑھتا جا رہا ہے، جس کا آخری نتیجہ خانہ جنگی ہو سکتی ہے کیونکہ افغانستان میں امریکہ اور نیٹو افواج کے جانے کے بعد تحریک طالبان افغانستان کا متحرک ہونا یقینی ہے کہ وہ دوبارہ افغانستان میں اپنی حکومت قائم کرے۔ اس کے علاوہ داعش کی جانب سے جس طرح اسلام کے نام پر من مانیوں کا سلسلہ جاری ہے اس سے ان خدشات کو جگہ مل رہی ہے کہ داعش کو سوچے سمجھے

منصوبے کے تحت میدان میں اتارا گیا ہے۔ شام کے بعد عراق اور پھر پاکستان میں تنظیمی ڈھانچے کی جانب پیش رفت اور پھر ایران کی جانب سے سخت رد عمل کسی بھی ناخوشگوار واقعے کا سبب بن سکتے ہیں۔ دوسری جانب سعودی عرب کی جانب پاکستانی موجودہ سیاسی حکومت کے زیادہ رجحانات نے بھی ایران کو ایک قدم پیچھے ہٹنے پر مجبور کردیا ہے۔ پاکستان پر بھارت کی جارحانہ روش اور لائن آف کنٹرول کی خلاف ورزیوں کیساتھ ساتھ بھارتی وزیراعظم کی جانب سے کھلی دھمکیوں کے بعد پاکستان چہار اطراف سازشوں میں گھرا دیکھائی دے رہا ہے، ایک جانب آزادی کیلئے بلوچستان کے باغی، جنھیں مبینہ طور پر بیرونی عناصر کی مکمل حمایت حاصل ہے تو دوسری جانب افغانستان کا سابقا حساب کتاب برابر کرنے کیلئے سرحدی حدود کی مسلسل خلاف ورزی اور پاکستانی اہلکاروں پر حملے تو پاکستان کی اندرونی سیاست جس میں صوبائیت کی ہوا تیز تر ہوتی جارہی ہے اور ہر سیاسی جماعت کی جانب سے نئے صوبے کے مطالبات سمیت عمران خان اور طاہر القادری کے تابڑ توڑ دھرنے، مظاہرے اور جلوس جلسے تقویتبڑھا رہے ہیں کہ پاکستان کی حکومت مستحکم نہیں رہے گی کیونکہ حکومتی پالیسیوں کے سبب آہستہ آہستہ پاکستان مسلم لیگ ن حلیف جماعتوں کے تعاون سے محروم ہوتی جارہی ہے۔ ان تمام معاملات میں جب اسرائیل کی سرگرمیاں سامنے آتی ہیں تو شکوک و شبہات میں اضافہ ہوجاتا ہے کہ جب ان کی رسائی اسلامی یونیورسٹی میں اس قدر سہل ہو گئی ہے تو پاکستانی سیاست میں بھی ان کا عمل دخل خارج از امکان

نہیں ہے ، ملک میں فرقہ واریت ، لسانیت اور ٹارگٹ کلنگ جیسے واقعات میں غیر ملکی عناصر کو نظر انداز نہیں کیا جاتا لیکن اس بات سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں ضمیر فروش موجود ہیں جو پس پردہ رہ کر اپنے مذموم مقاصد کو تکمیل تک پہنچانے کیلئے سرگرم ہیں ۔اسلامی یونیورسٹی میں اسرائیل اسٹال کا معاملہ ، وہ بھی سعودی عرب کے اثر رسوخ والی درس گاہ میں اس قدر اہم واقعہ پر حکومتی خاموشی بھی معنی خیز ہے۔پاکستان فرقہ واریت کی جنگ میں ملوث ہونے کا متحمل نہیں ہوسکتا، بین الاقوامی سازش کے تانے بانے کسی نہ کسی طور اسرائیل پر پاکستانی مداخلت کے بعد پاکستانی ایٹمی اثاثوں پر حملے کا جواز بن سکتی ہیں جس کیلئے صرف ایک غلطی درکار ہے۔اگر پاکستان کی خارجہ پالیسی یہی رہی تو پاکستان کیخلاف حملوں کا جواز پیدا ہونے میں وقت نہیں لگے گا جس سے انٹر نیشنل ایجنڈا تکمیل پذیر ہوگا۔

محرم اور ہم ؟؟

فرقہ وارانہ مستقل امن کیلئے سنجیدگی ضروری ہے اویہی ملک بھر میں قیام امن کیلئے مسئلے کا واحد حل قرار دیا۔ کسی ذاتی مفاہمت کے نام پر اجتماعی مفادات کو ترجیح نہ جائے توپاکستان میں امن کے قیام کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ جرائم پیشہ عناصر کے پاس جدید اسلحے کی فروانی کا سدباب غیر قانونی تارکیں وطن کی بیدخلی ، پولیس و قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کے مورال کو بلند کرنے کیلئے انھیں جدید اسلحہ اور سیاسی آلودگی سے پاک کرنے ، بلاامتیاز رنگ و نسل آپریشن کے لئے مانیٹرنگ کمیٹی کا قیام ،تاکہ کسی بھی سیاسی جماعت یا تنظیم کو آپریشن پر کوئی اعتراض نہ ہو ، اس کیلئے ضروری یہی ہے کہ مساجد کی سطح تک انتظامی اداروں کے تعاون کے ساتھ ہر سیاسی ، مذہبی اور سماجی تنظیم کے ایماندار نمائندوں پر مشتمل اور میڈیا کی سرپرستی میں ایک کمیٹی بنادی جائے جو غیر قانونی آنے والے غیر ملکی تارکین وطن کے علاوہ ، جرائم پیشہ عناصر کی سرگرمیوں پر بھی نظر رکھ سکیں اور قانون ہاتھ میں ازخود لینے کے بجائے کمیٹیاں انتظامی اداروں کی مدد حاصل کرکے، سپریم کورٹ کی روشنی میں غیر قانونی اسلحے کو ختم کرنے کیلئے غیر جانبدارانہ شفاف طریقہ اختیار کرکے عدلیہ کی نگرانی میں چھاپوں کا سلسلہ یقینی بنایا جائے ، کیونکہ یہی دیکھا

گیا ہے کہ ہزاروں بے گناہ افراد آپریشن کی آڑ میں اٹھائے جاتے ہیں، یا تو انھیں رشوت لیکر چھوڑا جاتا ہے یا پھر جعلی مقابلے میں ہلاک کردیا جاتا ہے۔ ناقص تفتیشی نظام کی وجہ سے گناہ گار بچ جاتا ہے، عدلیہ کی نگرانی میں چھاپوں سے ایک تو قانونی تقاضا پورا ہوگا۔ گھر و چادر و چاردیواری کا تقدیس بلاوجہ پامال نہیں ہوگا اور ملی بھگت کرکے سنگین جرائم میں ملوث ملزمان، ناقص تفتیش کا سہارا لیکر ضمانتیں لیکر عدالتوں میں اپنے مقدمات میں شواہد ختم کرانے کیلئے، اثر رسوخ استعمال نہیں کرسکیں گے، سنگین جرائم میں ملوث ملزمان کو جیل کے اندر ہی ٹرائیل کرکے گواہوں کو تحفظ فراہم کیا جائے اور حکومت کی جانب سے احکامات کے باجود خصوصی عدالتوں کیلئے پہلے ہی سے مصروف جج صاحبان کے بجائے ایسے منصفوں کو تعینات کیا جائے جو صرف انسداد دہشت گردی کے مقدمات کی پیروی کرسکیں۔ اس کیلئے ویڈیو لنک کو یقینی بنا کر جج صاحبان کے تحفظ کو بھی یقینی بنایا جائے۔ جیلوں کے اندر خصوصی مقدمات ہی نہیں بلکہ دیگر جرائم میں ملوث ملزمان کے مقدمات کے لئے نئ جیلوں میں عدالتیں بھی قائم کیں جائیں جس میں صرف وکلاء اور مقدمات سے متعلق افراد ہی داخل ہوسکیں۔ دیکھا یہی گیا ہے کہ بھتہ خوری اور ٹارگٹ کلنگ میں ملوث ایسے از خود قائم کردہ سیاسی، یا سماجی تنظیموں کے نام پر دفاتر قائم کئے گئے ہیں جو گلی گلی اور محلوں میں عوامی فیصلے کرتے ہیں اور اپنے فیصلوں پر عمل درآمد کرانے کیلئے ہر قسم کے ہتھکنڈے بھی استعمال کرتے ہیں اگر ایک طرف

شدت پسندوں کیجانب سے قائم کردہ عدالتوں میں سزاؤں و فیصلوں پر قابل واقعی اعتراض کیا جاتا ہے تو دوسری جانب یہی طریقہ نام بدل کر کالعدم جماعتیں اور عوامی مسائل کے نام پر کچھ سیاسی و مذہبی جماعتیں بھی محلے در محلے کر رہی ہیں، اس پر قدغن لگانے کی ضرورت ہے۔ محرم الحرام کے حوالے سے قیام امن کیلئے اتحاد بین المسلمین کے سلسلے میں اعزاداروں اور دیگر مسالک کے درمیان اتفاق ویک جہتی پیدا کرنے کیلئے محلے کی سطح پر قائم کمیٹیوں کو متحرک کیا جائے۔ روایتی جلسے جلوسوں میں کسی بھی مسلک کو نہ روکا جائے اور نہ ہی ان کے اکابرین کی مرضی کے بغیر روایتی روٹس تبدیل کئے جائیں۔کچھ عرصہ قبل سیاسی جماعتوں کے جھنڈے ہر سرکاری ادارے و املاک سے باہمی رضامندی سے ہٹا دیئے گئے تھے لیکن اس پانچ نکاتی معاہدے پر عمل درآمد نہیں کیا گیا۔ ہمیشہ یہی ہوتا آرہا ہے کہ کسی بھی سانحے کے بعد ہی اجتماعی مارچ کرائے جاتے ہی اور عوام کے خوف کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ سانحے سے قبل ہی اتحاد بین المسلمین کے مظاہرے کے طور مذہبی و سیاسی جماعتوں کے

نمائندے ہی نہیں بلکہ رہنما بھی فلیگ مارچ میں عوام کے اعتماد کو بحال کرنے کیلئے جہاں ایک طرف بلاامتیاز رنگ و نسل ہر حساس علاقے میں جائیں وہاں اگر ممکن ہوسکے تو اجتماعی نماز بھی ادا کرکے عوام میں امت واحدہ کا تصور بھی فراہم کریں کہ مسالک کے اختلافات کا معاملہ ایسا نہیں ہے کہ کسی مسلک پر کفر کا فتویٰ لگا کر مسجد،مزارات اور مذہبی مقامات و

جلوسوں کو نقصان پہنچایا جائے یا دہشت گردوں کو اختلافات کا فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کیا جائے۔ہر سال انتظامیہ میٹنگ ضرور کرتی ہیں لیکن اس پر عمل درآمد کیلئے سنجیدگی کا مظاہرہ اور مسلسل ربط کی کمی کا سامنا رہتا ہے اس سلسلے کو مستقل یا معینہ معیاد تک بحال رکھنا چاہیے ۔مانٹرنگ کمیٹوں کے قیام کے بغیر آپریشن پر اٹھنے والے سوالات کے جوابات دینا مشکل ہو جائیں گے۔ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اگر ابنیا کرام علیہ اسلام اور صحابہ رضوان اللہ اجمعین و اہل بیت کے تقدس کیخلاف کوئی بد بخت دشنامی طرازی کرتا ہے تو اس کیخلاف بلا امتیاز کاروائی کی جائے ، اسلام میں کسی عام فرد کی توہین کی اجازت نہیں ہے ۔ تو بھلا اشتعال انگیزی کیلئے نا عاقبت اندیش و سوچی سمجھی سازش کے تحت ضابطہ اخلاق کو یقینی بنانے کیلئے قانون میں دیئے گئے حدود کا بھرپور استعمال کیا جائے ۔اسلامی مہینے ہمیشہ قربانی سے شروع ہوتے ہیں اور قربانی سے شروع ہوتے ہیں ۔ غیر مسلم قوتیں ہمیشہ مسالک اور فرقوں کے درمیان کچھ اختلافات کا فائدہ اٹھا کر مستقل بد امنی کا سبب بنتی ہیں ، اس لئے حکومت جب کسی سیاسی رہنما یا پھر کسی بھی شہر یا علاقے میں ہنگامہ آرائی کے دوران ہلاک ہونے والوں کیلئے تعطیل کا اعلان کر دیتی ہے تو حکومت کو لچک کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملک کی اکثریتی مسلک کے مطالبات ، جو امت مسلمہ کی خواہش بھی ہے اس کے احترام میں حضرت عمر فاروق و عثمان و علی و حسنین رضوان اللہ اجمعین کے ایام کو بھی سرکاری طور تعطیل کا اعلان کرکے ایک مثبت پیغام دینا

چاہیے کہ حکومت کے نزدیک تمام صحابہ اکرام رضوان اللہ اجمعین واہل بیت قابل احترام ہیں۔ محرم الحرام میں ایک ہفتے تک کاروبار معطل رہتا ہے، جلسوں اور اعزا داروں کی حفاظت کیلئے کاروباری مراکز سمیت اہم راستے سیل کردیئے جاتے ہیں، دھرنوں اور جلسے جلسوں کیلئے خصوصی انتظامات کئے جاتے ہیں اگر امن کے قیام میں سنجیدگی کا مظاہرہ کرنا ہے تو جہاں مختلف ایسے علما پر صوبہ بدری اور صوبے میں آمد پر پابندیاں عائد کردیں جاتی ہیں۔ اسی طرح پیش ماتقدم کے طور پر حکومت ایسے اقدمات ضرور کرسکتی ہے جس سے مذہبی انتشار واختلاف میں کمی واقع ہو۔ سیکولر جماعتیں کہلانے والی جماعتیں گو کہ کسی بھی فرد کی مذہبی عقائد سے مبرا ہوتی ہیں لیکن دیکھا یہی گیا ہے کہ یہی سیکولر جماعتیں ان مذہبی فرقہ وارانہ جلسے جلسوں میں آگے آگے ہوتی ہیں اور جب قانون نافذ کرنے والے ادارے ان سے شناخت طلب کرتے ہیں یا پھر ان کے ساتھ مسلح فوج ظفر کو ساتھ لے جانے پر اجازت دینے سے انکار کرتے ہیں تو پھر انکا استحقاق مجروح ہوجاتا ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ ہسپتالوں کے راستوں ،اور حساس مساجد اور گزرگاہوں کی خصوصی حفاظت کا انتظام کرے کیونکہ ماضی میں ایسے واقعات ہوچکے ہیں کہ بظاہر سوئپنگ کے باوجود شدت پسندوں کو اپنی کاروائی کرنیکا موقع مل جاتا ہے۔ علما و ذاکرین کے مشوروں سے اجتماعات میں اشتعال انگیزی تقاریر، مذہبی جذبات کے برخلاف بیانات اور لاؤڈ اسپیکر پر ماسوائے اذان کے مکمل پابندی عائد کرنے کیلئے ان سے مدد و معاونت و مشورہ لیا جائے

تو مناسب ہوگا۔ اس سلسلے میں حکومت مذہبی وابستگی رکھنے والے ممالک کے جید علما اکرام سے رابطہ کرکے انھیں مخصوص ایام میں اتحاد بین المسلمین کے مظاہرے کے لئے خصوصی سیمیناروں کا انعقاد کرکے عوام میں اس کی تشہر کرے تو مستقبل میں سانحہ پنڈی جیسے واقعات کا سدباب ہوسکے گا۔ عشرہ فاروق رضی اللہ تعالی عنہ و حسین رضی اللہ تعالی عنہ منانے کا سرکاری اہتمام و اعلان مذہبی فرقہ وارانہ سازشوں کے خاتمے میں مدو معاون ثابت ہوگا۔ یہ سب کچھ نا ممکن نہیں ہے کہ اس پر عمل درآمد نہیں کیا جاسکے کوئی مسلمان، مومن جب کسی غیر مسلم کی مذہبی روایات میں شرکت کرنے کے علاوہ، ان کی مذہبی مقامات کی حفاظت کرسکتا ہے تو کراچی کے حساس علاقے کو اور ملک بھر مثبت اقدامات پر کسی مذہبی تنظیم کے مطالبے سے قبل ہی حکومت از خود ایسے اقدامات کردے تاکہ کسی دوسرے مسلک کو بلاجواز اعتراض کا راستہ ختم ہوجائے۔ حل یہی ہے باقی ارباب اختیار کی مرضی ہے کہ سانحات سے بچنے کیلئے بیحسی وطیرہ ہے یا سنجیدگی۔

پختون کا سوال

لسانیت ، قومیت اور ذات پات سے بالاتر ہو کر ہمیشہ اس بات کو مقدم سمجھا ہے کہ سب سے پہلے امت مسلمہ کے ایک فرد ، پھر اللہ تعالی کی جانب سے شناخت کیلئے ، نسل قوم اور رہنے کی وجہ سے باحیثیت وطن کو ترجیح دوں ، لیکن بد قسمتی سے پاکستان میں اس کا الٹ ہے پہلے ذات ، نسل اور صوبائیت کو ترجیح دی جاتی ہے پھر اس کے بعد پاکستانیت اور جب کچھ باقی نہ بچے تو ہم اسلام کے داعی بن کر خود سچا مومن مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔کچھ ایسی صورتحال ہمارے اخبارات کی ہے جہاں کا یہ رواج جانکلا ہے کہ اگر سینکڑوں کالموں میں کچھ کالم پختون قوم کے حوالے سے لکھ لئے جائیں تو اسے لسانیت کا رنگ دیکر قلم کی نوک کو توڑ دیا جاتا ہے۔پاکستان کی بات کریں تو سبھی کا مجموعی طور پر جواب یکساں ہوگا کہ وہ مظلوم اور نظر انداز کئے جانے والی اکائیاں ہیں، لیکن کبھی کسی نے اس بات پر توجہ دی ہے کہ پاکستان میں پنجابی کے بعد دوسرے نمبر پر بولے جانے والی علاقائی زبان کے افراد کو بھی مسائل کا سامنا رہتا ہے ، پختون اپنے سماجی مسائل کے سبب جس قدر سختیاں.برداشت کرتا ہے اس کا عشر و عشیر بھی کوئی دوسری قوم.برداشت نہیں کر سکتی ، قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود ، حکومتی عدم توجہ کے سبب وہ نقل مکانی کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور وہیں جا

بستے ہیں جہاں ان کی کئی نسلیں بڑھتی ہیں اور مر کر ادھر ہی دفن ہو جاتے ہیں۔ قوم کے بچوں کا اپنے ہیروز کے بارے میں بھی لسانی تفریق کیساتھ برین واش کیا جاتا ہے کہ ان کے ہیرو دراصل کون تھے۔ سر سید احمد خان نے جدید تعلیم سے آراستہ کرنے کیلئے مسلمانوں میں ایک شعور پیدا کرنے کی کوشش کی اور اسی نتیجے میں مقتدر ہستیاں پیدا ہوئیں جنھوں نے قیام پاکستان میں اپنااہم کردار ادا کیا۔ جب ان ہستیوں کے تذکرے میں یہ یاددہانی کرانے کیلئے کوشش کی کہ پختون زعماء بھی اس میں شانہ بہ شانہ تھے تو ان کا شجرہ نسب طلب کئے جانے لگا۔ باچا خان بابا نے ایک ایسی قوم میں تعلیم کا عظیم شعور دیا اور جدید تعلیم کی بنیاد رکھ کر تعلیم کے زیور سے ایسے ایسے ہونہار پیدا کئے جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ اسی تعلیمی تحریک سے متاثر ہو کر سیاسی سفر شروع کیا اور خوشحال خان خٹک کی طرح قوم میں غلامی سے آزادی کا علم بلند کیا کہ پاکستان کی تاریخ میں غیر مسلح سرخ پوشوں کو نظر انداز کردیا جاتا ہے۔ پختون جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف مسلح ہو کر لڑے، ٹیپو سلطان کا ذکر تو ہے لیکن بالاکوٹ کے پختون ہیروز کے بارے میں بے خبر رکھنے کا کیا جواز ہے۔ علامہ اقبال کا ذکر کیا جاتا ہے، وہ پاکستانی نہیں تھے بلکہ متحدہ ہندوستان کے شہری تھے، بھارت بھی ان کو اپنا شاعر مانتا ہے اور پاکستان بھی ۔۔ رحمان بابا کو کیوں نظر انداز کردیا جاتا ہے۔ میرے ایک خیر خواہ انور علی نے ہم سب سے ایک گلہ کیا کہ میرے استاد نے مجھے جھوٹی تاریخ

پڑھائی، کیونکہ اِس کے استاد نے اُسے جھوٹی تاریخ پڑھائی تھی۔ استاد نے مجھے میسور کا حیدر علی اور ٹیپو سلطان پڑھایا لیکن پختون ہیرو عمرا خان جندول کو مجھ سے چھپا لیا، کیونکہ اس بچارے کو خود پتہ نہیں تھا کہ دیر کے علاقے میں ٹیپو سلطان سے زیادہ زیرک اور بہادر پختون نے فرنگیوں کے خون سے ملاکنڈ رنگٹ دیا تھا۔ اسے تو لاہور میں لکھوائی جانے والی کتاب ہاتھوں میں دی جو اس نے ہمیں پڑھائی اور یاد بھی کرائی۔ اسے کہا گیا تھا کہ مجھے سراج الدولہ پڑھائے اور پشاور میں دفن وہ بہادر پختون فاتح میوند محمد ایوب خان نہ پڑھائے جس نے میوند کے میدان میں فرنگیوں کی ہزاروں پر مشتمل لشکر کو تہتیغ کردیا، کیونکہ محمد ایوب پختون تھا اس لئے استاد کو حکم تھا کہ مجھے بابائے اردو عبدالحق پڑھائے لیکن بابائے پشتو خوشحال خان نہ پڑھائے۔ استاد نے مجھ سے جنگٹ آزادی کے عظیم ہیرو حاجی صاحب ترنگزئی کو چھپایا اور دہلی اور لکھنو کے پہلوان پڑھائے مجھے جلیانوالہ باغ میں انگریزوں کا ظلم پڑھایا گیا لیکن بابڑہ، ٹکر اور قصہ خوانی کے بربریت کے قصے چھپالئے۔ جالندھر کا حفیظ کو مجھ سے متعارف کرایا لیکن اکوڑہ خٹک کے اجمل خٹک سے شناسائی نہیں کرائی۔ الہ آباد کے اکبر الہ آبادی کو پڑھایا لیکن عمرزئی چارسدہ کے عبدالاکبر خان اکبر کو پڑھنے نہیں دیا۔ مرزا غالب پڑھائے لیکنحمزہ خان شینواری، سمندر خان سمندر، ملنگ جان، غنی خان نہ پڑھائے۔ لیکن میں اتنا گیا گذرا نہیں ہوں۔ انور علی بھائی میں نے بھی اپنے بزرگوں

کو استاد کے بغیر پڑھا، میں اپنے استاد کی جھوٹی تاریخ پر یقین نہیں رکھتا بلکہ سچی تاریخ کیلئے سچائی چھپانے کے باوجود جانتا رہوں گا۔ ہماری کتابوں میں صرف اس بات کا تذکرہ ہے کہ پختون قوم ہے جو شمال مغربی سرحد میں رہتی ہے لیکن ڈیورنڈ لائن کے مشرق میں پختونوں میں غالب سیاسی جذبات، بٹوارے کے خلاف ہونے کے اسباب کیا تھے، صدیوں سے رہنے والوں کو انگریزوں نے اپنی چالبازیوں کی وجہ سے مختلف حصوں میں تقسیم کردیا تو جب جنگ آزادی کی تحریک میں ان کی یکجہتی کا معاملہ سامنے آیا تو انھیں ان کا حق دینے سے انکار کردیا گیا اور انھیں پابند کردیا گیا کہ پاکستان کو تسلیم کرویا ہندوستان کو۔ پاکستان کو تسلیم کرنا ضروری تھا اس لئے ریفرنڈم میں پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالے گئے، اگر ان دو شرائط کے علاوہ تیسری شرط لکھی جاتی کہ پختون آزاد رہنا چاہتے ہیں یا ڈیورنڈ لائن کے خاتمے کے بعد افغانستان کے وہ علاقے واپس انھیں دے دیئے جائیں جو سو سالہ معاہدے کے تحت لئے گئے تھے تو اس کا آسان جواب اسی وقت انھیں مل جاتا کیونکہ مسلم لیگ کی حکومت اس صوبے میں نہ ہونا، اسی بات کا ثبوت تھا کہ اس صوبے کی عوام کی خواہشات کچھ اور تھیں، لیکن پاکستان میں شمولیت کے بعد انھیں قومی دھارے میں شامل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، نیشنل سیکورٹی پالیسی کے تحت فاٹا، پاٹا کے علاقے بنا دیئے گئے، پختونوں کو تقسیم در تقسیم کردیا گیا، قبائلی نظام کے ہاتھوں پختون ترقی کی وہ منازل طے نہیں کرسکے جو لاہور اور کراچی نے کی۔ پختونوں کو

ہمیشہ عالمی سازشوں کا حصہ بنایا گیا، روس اور امریکہ کے خلاف جنگ ہو تو پختون ہی ایندھن بنے، طالبان کے خلاف امریکی ڈو مور پالیسی ہو تو پختون نشانہ بنے۔آپریشن کا زور ہو تو پختون علاقے بنے، تعلیمی اداروں کو دھماکوں سے اڑائے جانے لگا تو نشانہ پختون علاقے بنے، لاکھوں انسانوں نے نقل مکانی کی تو وہ بھی پختون ہی بنے۔ہزاروں انسان کراچی میں بلاجواز مار دیئے جاتے ہیں لیکن ایک ایسا آپریشن کراچی میں نہیں کیا جاسکا جیسا، سوات، ملاکنڈ ڈویژن، شمالی و جنوبی وزیرستان میں کیا گیا۔بلوچستان میں نفرتوں کا بیج بویا گیا تو وہاں سے آواز اٹھی کہ پختونوں کیلئے ڈیڑھ لاکھ مربع میل پر مشتمل الگ صوبہ درکار ہے۔ سینکڑوں سال سےپختون برصغیر سمیت پوری دنیا میں سفر کرتے ہیں اور اکثر ان ہی علاقوں میں ضم ہوجاتے ہیں اور اسی جگہ کی بود باش اختیار کرلیتے ہیں۔بد قسمتی یہ ہے کہ اگر بم دھماکے ہوتے ہیں تو پختون ہی نشانہ بنتے ہیں، لسانی فسادات میں کچھ آبادیوں میں رہنے والوں کے گھر جلا دیئے جاتے ہیں، نسلی عصبیت، پروفائیلنگ اور سیاسی انتقام کے نام پر پختون سے بڑھ کر کوئی ستم نہیں سہتا۔کیا بلوچستان میں لاکھوں افراد نے کسی آپریشن کے نتیجے میں اتنی نقل مکانی کی ہے جتنی پختونوں نے کی، حالاں کہ بلوچستان میں شناخت کرکے قتل کئے جاتے ہیں۔کیا کراچی میں کسی آپریشن کے نتیجے میں لاکھوں کی تعداد میں کسی لسانی اکائی نے نقل مکانی کی جتنی پختونوں نے کی حالاں کہ کراچی پاکستان کا سب سے زیادہ متاثرہ شہر ہے۔پختون

نوجوان ان تمام حالات کا جائزہ لے رہے ہیں اور ان کی فطرت میں ایک وقت تک کسی کا بھی ظلم برداشت کرنا ہوتا ہے، کوئی سندھ تقسیم کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم ہندوستان تقسیم کر سکتے ہیں تو سندھ کیا چیز ہے۔اس بحث میں نہیں جاتے لیکن سات سو سال سے زائد پختونوں نے پورے ہندوستان پر بلا شرکت غیرے حکومت کی ہے، روس کو شکست دیکر اس کا شیرازہ بکھیر دیا، امریکی اور اس کے مغرب کے نیٹو افواج کو شکست دیکر امریکہ کو دیوالیہ کرادیا۔ اس پختون کیلیے کیا مشکل ہے کہ جب دوبارہ میوند کی کوئی ملالہ اپنا ڈوپٹہ ڈنڈے پر باندھ کر لہرادے کہ اٹھو میری قوم کے جوانوں۔ تو کیا کوئی پختونوں کے سوالوں کا جواب دے سکے گا۔

30 لاکھ ہلاکتیں، حقیقت کیا فسانہ کیا؟

° بنگلہ دیش کی جنگی ٹریبونل کی متنازعہ عدالت نے جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے امیر مطیع اللہ کو سزائے موت کا حکم دے دیا۔ بنگلہ دیش نے پاکستان سے 1971ء کے واقعات پر مسلسل جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے ان رہنماؤں کو سزائیں دینے کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے جس پر پاکستان، بنگلہ دیش میں شدید احتجاجی مظاہرے کئے جارہے ہیں اور لاکھوں، انسان سراپا احتجاج ہیں۔71 ء کی پاک، بھارت جنگ میں پاکستان کا ساتھ دینے والی جماعت اسلامی کیساتھ بنگلہ دیش حکومت کا یہ متنازعہ رویہ اس لئے ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ بنگلہ دیش بننے میں رکاوٹ پیدا کرنے والی اس جماعت کے رہنماؤں وکارکنان نے پاکستان ٹوٹنے سے بچانے کیلئے کوشش کی اور اس بنا پر بنگلہ دیشی حکومت 30 لاکھ افراد کی ہلاکتوں کا دعوی کرتے ہیں اور ان ہی تمام معاملات پر یکے بعد دیگرے جماعت اسلامی کے سرکردہ رہنماؤں کو مختلف واقعات و افراد کے الزام میں طویل سزائیں و پھانسی کی سزادی جارہی ہے، جبکہ ان معاملات کے علاوہ بنگالہ عوام میں پاکستان کے خلاف نفرت پیدا کرنے کا سلسلہ جاری ہے اور اسی تسلسل میں بنگلہ دیش حکومت کے نزدیک 16 دسمبر 1971ء سقوط ڈھاکہ کے بعد دونوں ممالک کے درمیان باہمی تنازعات کی حل کی صورت میں 1971ء کے واقعات پر معافی کا معاملہ بھی شامل ہے۔ حالاں کہ

سابق پاکستانی وزیر خارجہ حنا ربانی کھر نے کہا تھا کہ پاکستان 1974ء کے بعد سے اب تک کئی بار 71ء میں پیش آنے والے واقعات پر افسوس کا اظہار کرچکا ہے جبکہ یہ وقت ماضی بھلا کر دونوں قوموں کی ترقی کے لئے آگے بڑھنے کا ہے۔ سقوط ڈھاکہ متحدہ پاکستان کے ماتھے پر ایک داغ کی طرح ہمیشہ رہے گا۔

بنگلہ دیش کے اس مطالبے پر حکومتی موقف اپنی جگہ درست ہوگا لیکن 71ء کے واقعات میں جس طرح فوج کو بھی ملوث بتایا جاتا ہے اس الزام میں مبالغہ آرائی بہت زیادہ ہے ۔ بھارتی مصنفہ سرمیلا یوس کے اپنی کتاب "ڈیڈ ریکوننگ ، میمورینز آف دی 1971 بنگلہ وار" میں اکہتر کی جنگ کے حوالے سے تمام باتوں کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ " نہ تو اس جنگ میں لاکھوں لوگ مارے گئے تھے ، نہ ہی بے حرمتیوں کا تناسب بیان کے مطابق تھا اور نہ ہی یہ کہ صرف پاکستانی فوجیوں نے کیا تھا "۔ سرمیلا کے مطابق 1971 ء کی جنگ کے حوالے سے جو دستاویزات دیکھنے کو ملیں وہ اتنی کمزور تھیں کہ ان کی بنیاد پر کوئی دعوی کرنا کسی طرح دانشمندی نہیں۔ بھارتی مصنفہ کی تحقیق کے مطابق ڈھاکہ میں 14 اور 15 دسمبر کو آزادی کی حامی بنگالی دانشوروں کو ان کے گھروں سے اغوا کئے جانے اور بعد میں قتل کئے جانے میں پاکستانی فوج کے ملوث ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ مصنفہ نے مارے جانے والے دانشوروں کے خاندان کے وہ بیانات بھی پیش کئے ہیں جن میں وہ کہتے ہیں کہ ان تمام افراد کو گھروں سے لے جانے

والے وہ مسلح سویلین تھے جو فوج کی حمایت کر رہے تھے، متاثرہ خاندان فوج کے بجائے جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے نوجوان رضاکاروں پر مشتمل تنظیم البدر کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔اسی طرح 26-25 مارچ کو ڈھاکہ یونیورسٹی کے ویمن ہاسٹل پر پاکستانی فوجی حملے کی خبر کی تردید کرتی ہیں کہ یہ درست نہیں ہے۔ بھارتی مصنفہ کا یہ بھی ماننا ہے کہ جیسور میں آزادی کے حامی بنگالیوں نے مغربی پاکستانیوں کو مارا تھا، وہ ایسے کئی واقعات کی مثالیں دیتی ہیں۔ان کے مطابق علیحدگی کے حامی بنگالی مغربی پاکستانی فوجیوں کو انویڈریا دراندازر کہتے تھے جبکہ اس جنگ میں دراندازر صرف ہندوستان تھا۔ سرمیلا برصغیر کے معروف رہنما سبھاش چندر بوس کی پوتی ہیں، سرمیلا خود بنگالی، بھارتی اور ہندو ہیں۔ان کی اس کتاب نے ہندوستان اور بنگلہ دیش کے ان لوگوں کو مشتعل کردیا ہے جو قوم پرستی کا کاروبار کرتے ہیں یا وہ جو تاریخ کے مقبول سیاسی بیانیوں پر ایمان رکھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ بنگلہ دیش کی جانب سے معافی کے مطالبے پر کسی پاکستانی معروف یا غیر معروف شخصیت کے بجائے انہی کے ملک کی معروف شخصیت کی کتاب کے حوالے جات اور مجموعی طور پر پوری کتاب ایک تاریخ ہے جس کے لئے انھوں نے کافی عرصہ محنت کی اور اس واقعے سے جڑے، بنگالی، پاکستانی، بھارتی متاثرہ خاندانوں سے ملاقاتیں کیں، اس کے علاوہ بھارتی لیفٹیننٹ جنرل اروڑہ نے تیس لاکھ افراد کے دعوی کو ناممکن قرار دیا تھا۔ بنگلہ دیش دعوی کرتا ہے کہ نو ماہ کی جنگ کے دوران پاکستانی فوج نے

تیس لاکھ بنگالیوں کا قتل عام کیا۔ لیکن اگر حقیقت پسندانہ نظر اس سے بھی لمبی اور تلخ لڑائیوں پر نظر ڈالی جائے تو اس دعوے کی قلعی کھل جاتی ہے۔ ویت نام کی بارہ سالہ جنگ میں دس لاکھ ہلاکتیں ہوئیں یعنی سالانہ 83 ہزار بنتی ہے۔ الجیریا کی ساڑھے سات سالہ جنگ میں ایک لاکھ، کمبوڈیا کی 23 سالہ جنگ میں گیارہ لاکھ، افغانستان کی کی چودہ سالہ جنگ میں بیس لاکھ، بوسینا میں مسلمانوں کا تین سال قتل عام کیا گیا اس میں ایک لاکھ 42 ہزار افراد ہلاک ہوئے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ویت نام میں امریکہ کی جانب سے اٹیم بم کے علاوہ قریب قریب تمام مہلک ہتھیار استعمال کر ڈالے، لیکن بارہ سال میں ہلاکتوں کی تعداد دس لاکھ کے قریب تھی۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اسباب اور وجوہات معلوم کرنے کیلئے تحقیقاتی کمیشن بھی بیٹھے، لیکن اب سب بے سود ہے کیونکہ بنگلہ دیش ایک حقیقت بن کر دنیا کے نقشے پر موجود ہے۔ 71 کی جنگ کے بعد جگر خراش المیہ پر شادیانے بجاتے ہوئے بنگلہ دیش کے اس وقت کے قائم مقام صدر نذر اسلام نے اعلان کیا تھا کہ۔۔ "ہماری یہ فتح نہ کسی فوج کی فتح ہے، نہ کسی ملک کی، یہ فتح ہے حق کی باطل پر۔ یہ فتح ہے، ایک صحیح نظریہ کی غلط نظریہ پر، تقسیم ہند سے پہلے سر پھرے مسلمانوں نے یہ دعوی کیا کہ قومیت کا مدار مذہب کا شتراک ہے، وطن کا اشتراک نہیں اور حکومت کی بنیاد مذہب پر ہے، سیکولر نہیں، وہاں ان لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ یہ نظریہ غلط ہے اور ناممکن العمل، اس پر اصرار نہ کرو، لیکن وہ نہ مانے اور

غلط مفروضہ کی بنیاد پر ایک جداگانہ قوم بن کر ایک الگ مملکت کے بانی بن گئے، لیکن چوبیس سالہ تجربے نے ثابت کر دیا کہ جو نظریہ یہ لوگ پیش کر رہے تھے وہ باطل تھا اور حق وہی تھا جو ان کے مخالفین پیش کر رہے تھے۔ سقوط ڈھاکہ نے اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی، اب یہ شہادت تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ کے لئے منقوش رہے گی۔ ہم ان راہ گم کردہ لوگوں سے اب بھی کہیں گے کہ وہ اس باطل نظریہ کو ترک کر کے وطن کی اشتراک کی بناء پر پھر سے ہندوستانی قوم کا جذو بن جائیں اور مذہب کو سیاست میں گھسیٹنے کی کوشش نہ کریں ورنہ جو حشر مشرقی پاکستان کا ہوا ہے، وہی کل مغربی "پاکستان کا بھی ہوگا، حقائق کسی کے جھٹلانے سے جھوٹے ثابت نہیں ہو جایا کرتے۔

ادھر نذر اسلام یہ کہہ رہے تھے اور دوسری طرف بھارت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی اپنی پارلیمان میں "فتح بنگالہ" پر خطاب کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں کہ "یہ کامیابی نہ ہماری فوجوں کی کامیابی ہے اور نہ ہی حکومت کی کامیابی، یہ کامیابی ہے، حق پر مبنی نظریہ کی، اس نظریہ کے خلاف جو باطل پر مبنی تھا، مسلمانوں نے تحریک پاکستان کی بنیاد پر ایک باطل نظریہ رکھی تھی۔ ہم انھیں بار بار سمجھاتے رہے کہ ان کا نظریہ غلط ہے، یہ کامیاب نہیں ہو سکتا، انھوں نے نہیں مانا اور اپنی ضد پر قائم رہے۔ اب ۲۵ سال کے تجربہ نے بتا دیا کہ جو کچھ ہم کہتے تھے، وہ حق تھا اور ان کا نظریہ باطل، یہ ان کے

باطل نظریہ کی شکست ہے "۔ تقسیم کے اس مرحلے پر بنگلہ دیش بننے کی تمام وجوہات کو زیر بحث لانا ممکن نہیں ہے بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ مشرقی پاکستان سے بنگلہ دیش بنانے والوں کی سوچ کیا تھی ؟۔ اور کیوں جماعت اسلامی کے رہنماؤں کو سزائیں دیں جارہی ہیں۔پاکستان کے قیام دو قومی نظریئے کے تحت عمل میں لایا گیا لیکن بعد ازاں لسانی معاملے کا جواز بنا کر مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کی عوام میں نفرتیں اور دوریاں پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ۔جماعت اسلامی نے پاک ، بھارت جنگ کے دوران جو بھی جیسا بھی کردار ادا کیا وہ پاکستان کو بچانے کیلئے تھا، اسی ضمن میں بھارت نے جو، پاکستان کو دولخت کرنے کیلئے جو کردار ادا کیا وہ قابل مذمت تھا اور رہے گا، کیونکہ بھارت اب دوبارہ اُسی ہی صورتحال سندھ ، بلوچستان اور خیبر پختونخوا میں پیدا کر رہا ہے ، صوبائیت ، لسانیت اور قوم پرستی کی اس سیاسی تناظر میں بھارتی ہاتھ کو قطعی دور پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے رہنماؤں اور کارکنان کو پاکستان کے نام سزائیں دیں جارہی ہیں اس سلسلے میں پاکستان کو باقاعدہ اقوام متحدہ سے رجوع کرنا چاہیے کیونکہ جنگی جرائم کا یہ معاملہ بین الاقوامی نہیں متنازعہ جنگی ٹریبونل کے تحت ہو رہا ہے

پاکستانی، ہندو برادری

الیکشن کمیشن پاکستان کی جانب سے جارہ کردہ ووٹر لسٹ کے مطابق مذہبی اقلیت کے 28 لاکھ ووٹ درج ہیں، ان میں سرفہرست ہندو برادری ہے جن کے چودہ لاکھ سے زائد ووٹ ہیں۔ ہندو برادری کے نوے فیصد ووٹرز کا تعلق صوبہ سندھ سے ہے یہاں دلچسپ امر یہ ہے کہ ہندو برادری کے پچانوے فیصد ووٹرز شیڈولڈ کاسٹ کے زمرے میں آتے ہیں جو کہ مزدور اور کسان طبقے سے تعلق رکھتے اور ہندو دھرم کے 'ورن فلسفے' کے اعتبار سے انہیں لوئر کاسٹ یا شوار کہا جاتا ہے، تاریخی اعتبار سے یہ سندھ کے سب سے قدیمی باشندے اور دراوڑ نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ میگواڑ، کولہی، بھیل اور دیگر برادریوں سے تعلق رکھنے والے سندھ کے ان اوائل اور قدیمی باشندوں کی اکثریت کھیتی باڑی سے وابستہ رہی ہے اور سندھ کی زرعی معیشت میں ان کا اہم کردار رہا ہے۔ جاگیردارنہ نظام اور برہمن ازم کے ستائے ہوئے ان لوگوں کی تاریخ مصائب مشکلات اور مسائل سے بھری ہوئی ہے۔ قیام پاکستان کے وقت ان لوگوں کے ایک خاندان نے بھی یہاں سے نقل مکانی نہیں کی بلکہ اپنی دھرتی سے جڑے رہنے کا عزم کا اظہار کرتے ہوئے پاکستان کی حمایت کی۔ دراوڑں پر قلم اٹھانے والے لکھاریوں کا کہنا ہے کہ کل یہ لوگ برہمن ازم کا شکار تھے اور آج نام نہاد جاگیردارانہ نظام کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ چونکہ ان لوگوں

کا تعلق سندھ کے دیہی علاقوں اور کھیتی باڑی سے ہے۔ قیام پاکستان کے بعد بانی پاکستان قائدِ اعظم نے ان کی جانب خصوصی توجہ دی اور پاکستان کے پہلے وزیر قانون کا قلمدان ایک شیڈولڈ کاسٹ رہنما جوگندھ ناتھ منڈل کو سونپا، لیکن بعدازاں ملک میں جاگیر دارنہ نظام کو پروان چڑھاتے ہوئے اَپر کاسٹ ہندو اشرافیہ کو اقتدار و ایوانوں میں لا کر شیڈولڈ کاسٹ ہندوؤں کو پیچھے دھکیل دیا گیا۔ ان تمام حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے شیڈولڈ کاسٹ کے لوگوں نے ہمت نہیں ہاری ، محنت مزدوری کے ساتھ تعلیم کی طرف بھی توجہ دی ، آج سینکڑوں ڈاکٹرز ، انجینئرز اور پروفیسرز کے علاوہ سی ایس ایس پاس کرنے والے اعلی افسران بھی ہیں ، اس کے علاوہ سینکڑوں قلمکار ، صحافی، ادیب سندھ میں جانے پہچانے جاتے ہیں جبکہ آج بھی ان کی اکثریت کھیتی باڑی اور مزدورں سے منسلک رہتے ہوئے پسماندہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سندھ کے تمام اضلاع میں یہ لوگ بستے ہیں جبکہ تھرپارکر اور عمر کوٹ میں تمام ووٹرز میں شیڈولڈ کاسٹ ووٹرز کی تعداد 45 فیصد سے بھی زائد بتائی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ سندھ کے تمام انتخابی حلقوں میں ان لوگوں کے ووٹ فیصلہ کن ہوتے ہیں، لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ ان کی حالات زار بدلنے میں کسی کو بھی دلچسپی نہیں ہے اس لئے برسوں سے یہ لوگ آواز اٹھاتے اور جدوجہد کرتے آئے ہیں کہ انھیں ایوانوں میں نمائندگی دی جائے۔ گذشتہ الیکشن میں سندھ کے مختلف اضلاع خصوصا عمر کوٹ ، مٹھی ، میرپور خاص ، ماتلی ، جھڈو ، ڈگری ، ، کوٹ غلام احمد ، حیدرآباد

سامارو، ٹنڈو الہ یار، سانگھڑ، بدین، ٹنڈو محمد خان اور میٹاری میں شیڈولڈ کاسٹ سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں نے پریس کلب کے سامنے مظاہرے اور بعض جگہوں پر کیمپ قائم کئے تھے۔ان کا کہنا ہے کہ سیاسی جماعتوں نے 95 فیصد ووٹرز کو نظر انداز کرکے اقلیتوں کیلئے قومی اسمبلی کی دس اور سندھ اسمبلی کی 9 نشستوں پر 99 فیصد ٹکٹ اپر کاسٹ سرمایہ دار ہندوؤں کو دیئے ہیں، یہاں دلچسپ امر یہ ہے کہ الیکشن 2013ء میں مختلف جنرل نشستوں پر بھی شیڈولڈ کاسٹ سے تعلق رکھنے والے امیدوار سامنے آئے ہیں اس سلسلے میں ضلع عمرکوٹ سے دس اور ضلع تھرپارکر سے 25 امیدوار میدان میں تھے۔جن کا تعلق میگواڑ، بھیل اور کولہی قبائل سے ہے۔شیڈولڈ کاسٹ برادریوں کے علاوہ دیگر ووٹرز ان تینوں روایتی اور موروثی امیدواران میں منقسم ہوگئے ہیں۔

تھرپارکر میں 46 فیصد اقلیتی ووٹر ہونے کے باوجود ارباب گروپ نے اقلیتوں کو مکمل طور پر نظر انداز کیا۔اس طویل تمہید کا مقصد یہ تھا کہ گذشتہ دنوں پاکستان ہندو کونسل کی جانب سے قومی اسمبلی میں پاکستانی ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنائے جانے کا متنازعہ الزام عائد کیا گیا اور متعدد بار یہ بھی کہا جا چکا ہے کہ پاکستان سے ہندوؤں کی بڑی تعداد ہجرت کرکے بھارت جاچکی ہے اور جا رہی ہے، جبکہ اصل حقائق اسکے برخلاف ہیں، پاکستان میں ہندو برداری کو خود اپنے اونچی نسل کے ہندومذہب سے تعلق رکھنے والوں کی وجہ سے شدید

پریشانی کا سامنا ہے۔ بالا تفصیلات کا مقصد یہی ہے کہ ہم اس بات کو جان سکیں کہ اونچی ذات کے حامل ہندو زشرافیہ کی جانب سے انھیں مسلسل تکالیف اور حق تلفی سامنا ہوتا ہے کیونکہ سیاست میں بھی سیاسی جماعتیں کسی شیڈ ولڈ کاسٹ ہندو کا نمائندہ بنانے کے بجائے اشرافیہ سے ہی ہندو نمائندہ منتخب کرتی ہے جو اپنے مقاصد کے حصول کیلئے من مانے پروپیگنڈے کرکے پاکستان کی بدنامی کا سبب بھی بنتے ہیں۔ جبکہ سندھ میں ہندو .برداری کے ساتھ نہ صرف حکومتی رویہ بہتر ہے بلکہ عوام کی جانب سے بھی ہندو .برداری کی جان و مال کا تحفظ کیا جاتا ہے ، ورنہ بھارت میں جس طرح مسلمانوں کا جینا حرام کردیا گیا اور انھیں وہاں چوتھے درجے کا شہری بھی نہیں مانا جاتا بلکہ اسلامی رسومات کو تیغ و بالا کیا جاتا ہے ، زبردستی روزے کھلوائے جاتے ہیں ، اذانوں پر پابندی عائد کی جاتی ہے ، جبکہ حال ہی میں بھارت کے ایک گورنر نے اعلان کیا کہ گائے کو ذبح کرنے والے بھارت کو چھوڑ دیں ، مسلم شہرت یافتہ شخصیات کو مشہور علاقوں میں رہائش نہیں دی جاتی ، بلکہ اخبارات میں اشتہارات لگائے جاتے ہیں کہ مسلمان رابطہ کرنے کی زحمت نہ کریں ، غرض یہ ہے کہ بھارت کی انتہا پسند ہندو حکومت جس قسم کا جارحانہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہے اگر پاکستان کے مسلمان اس ایک فیصد ردعمل بھی ظاہر کرتے تو پاکستان میں رہنے والے ہندوؤں کیلئے کافی مشکلات پیدا ہو سکتیں تھیں جبکہ بعض لوگوں نے پاکستان سے بھارت جاکر خود ساختہ مہاجر بننے کی کوشش کی ، ، رپورٹس کے مطابق

ان کے بچوں کو اسکولوں میں داخلہ نہیں دیا جاتا اور انھیں بھارت سرکار کی جانب سے پاکستانی جاسوس سمجھا جاتا ہے جس بناء پر پاکستان چھوڑ کر جانے والے ہندوؤں کی بڑی تعداد پاکستان واپس بھی آچکی ہے۔ باقی ہندو اشرافیہ کا تجارتی طبقہ صرف بھارت ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں آزادنہ کاروبار کرتا ہے۔ رہائش اختیار کرتا ہے کیونکہ ان کے رشتے دار وہاں پر ہیں اس لئے انھیں انتہا پسند ہندو تنظیموں کے رد عمل سامنا نہیں کرنا پڑتا ۔زبردستی مسلمان بنائے جانے واقعات میں مبالغہ آرائی کا عنصر زیادہ ہے، جب اس قسم کے واقعات پر عدلیہ نے نوٹس لیا تو مسلمان ہونے والی خواتین نے عدلیہ میں بیان دیا کہ وہ اپنی مرضی سے مسلمان ہوئیں ہیں اور اپنی پسند کی شادی کی ہے جیسے روکنے کیلئے ہندو اشرافیہ مذہبی جذبات میں اشتعال پیدا کرنا چاہ رہا ہے، یہی صورتحال بھارت میں بھی موجود ہے کہ وہاں مذہب کی تخصیص کے بغیر لاتعداد مسلمان، ہندوؤں سے اور ہندو، مسلمانوں سے شادیاں کرلیتے ہیں ۔اس بات سے قطع نظر کہ اسلام میں اہل کتاب کے علاوہ کسی دوسرے مذہب میں مردوں کے علاوہ کسی عورت کو بھی شادی کی اجازت نہیں ہے، کراچی جیسے حساس شہر میں متعدد جگہوں پر مندر اور مذہبی جگہیں موجود ہیں لیکن تمام تر متشدد رجحانات کے باوجود کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہندو برادری کو کسی بھی مسلم جانب سے پریشان کیا گیا ہو۔اندرون سندھ کا اپنا ایک کلچر ہے جس میں ایک غریب مسلم ہاری بھی اپنے وڈیرے کے ظلم و ستم سے محفوظ نہیں ہے، اگر کسی شیڈولڈ کاسٹ

ہندو کو کسی بھی پریشانی کا سامنا ہے تو یہ صدیوں سے پرورلیش پانے والے کلچر کا نتیجہ تو ہوسکتا ہے لیکن اسلام ان باتوں کی اجازت نہیں دیتا، ان تمام تر الزامات کا مقصد صرف پاکستان کو دنیا میں بدنام کرنیکی سازش ہوسکتا ہے۔پاکستان نے ہندوؤں کی دیوالی میں سرکاری طور پر تعطیل کا اعلان کرکے فراخ دلی و مساوات کی اچھی مثال قائم کی ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندو برادری اپنے حقوق کیلئے اپنی ہی ذات، کاسٹ سے اپنے نمائندہ منتخب کریں تاکہ ان کے حقیقی مسائل سے پاکستان کی عوام بھی درست آگاہ ہوسکے اور بے بنیاد پروپیگنڈوں سے غلط فہمی پیدا نہ ہو۔اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کسی فرد واحد کی جانب سے ناپسندیدہ عمل رونما ہوسکتا ہے لیکن اس حوالے سے تمام مسلمانوں یا سلام کے خلاف ہرزہ سرائی مناسب نہیں ہے، اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے اس پاکستان میں مسلم سمیت تمام مذہبی اقلیتوں کو مساوی حقوق دیئے گئے ہیں، جس کی سب سے بڑی مثال پاکستان کی سب سے بڑی عدلیہ کے چیف جسٹس رہنے والے بھگوان داس ہیں اور مخصوص نشستوں پر منتخب کئے جانے والے ہندو، عیسائی وغیرہ ہیں۔یہ پاکستان کی جانب سے نہیں بلکہ اسلامی رواداری اور بھائی چارے کی مثالی مثال ہے، ایسے چند عناصر اپنے ذاتی مفادات کے لئے سبوتاژ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، لیکن اس عمل میں ہندو برادری کو از خود اپنی کاسٹ سے نمائندے منتخب کرنا ہونگے۔

پاک مملکت کو نیا خطرہ، نوجوانوں کے 'داعش' میں شمولیت

دولت اسلامیہ کی جانب سے شام اور پھر عراق میں خود ساختہ خلافت کے اعلان کے بعد ان کیلئے ہمدردیوں کا رخ یورپ کیساتھ بڑھتا ہوا افغانستان اور پاکستان میں بھی جا پہنچا ہے۔ داعش (دولت اسلامیہ) کی جانب سے پاکستان علاقوں میں پمفلٹ، بینرز اور اسٹیکر کی تقسیم کی اطلاعات کے بعد بھی پاکستان میں اس بات کا سراغ نہیں لگایا جا سکا کہ دولت اسلامیہ کیلئے کون سا مقامی نیٹ ورک فعال ہو رہا ہے۔ پاکستان میں کالعدم تحریک طالبان کے خلاف متواتر عسکری آپریشنز اور خود تحریک میں دھڑے بندیوں کے سبب ایک وسیع میدان داعش (دولت اسلامیہ) کیلئے خالی پڑا ہے، اسی طرح افغانستان میں امریکہ اور نیٹو کے انخلاء کے بعد افغانستان کی جہادی تنظیموں کی جانب سے آہستہ آہستہ سابقہ علاقے واپس لینے کی کوشش کی جائے گی کنڑ اور نورستان کے علاقے پاکستانی طالبان کی پناہ گاہ کے طور پر استعمال ہو رہے ہیں جس کی پس پردہ سرپرستی افغان حکومت کی جانب سے کی جا رہی ہے، خدشہ اسی بات کا ہے کہ داعش (دولت اسلامیہ) ان علاقوں میں اپنے لئے ہمدروں کا وسیع ٹولہ بنانے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ حساس اداروں کی جانب سے یہ رپورٹ سامنے آچکی ہے کہ داعش (دولت اسلامیہ) کے پانچ اہم اراکین اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر پاکستان میں داخل ہو چکے ہیں اور ان کے ساتھ سینکڑوں کی

تعداد میں ہمدرووں کی پہلے ہی کثیر تعداد پاکستان میں موجود ہے جس کا عملی مظاہرہ ، جہاں افغان مہاجرین کے کیمپوں میں داعش (دولت اسلامیہ) کے تحریری دعوت نامے کی تقسیم ، تو کراچی کے مختلف علاقوں میں مبینہ وال چاکنگ کی صورت میں سامنے آیا کی چاکنگ کی گئی تھی جس سے شہریوں میں مزید سراسیمگیISIS جہاں در و دیواروں پر پھیل گئی۔دیکھنا یہ ہے کہ آخر ایسی کیا وجوہات ہیں کہ داعش (دولت اسلامیہ) کو اپنے ہمدروں کی تعداد میں اضافے کیلئے پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑرہا۔ 15 سے 17 سال کے درمیان کی عمر کی تین امریکی لڑکیاں جرمنی کے راستے شام پہنچ کر داعش (دولت اسلامیہ) میں شمولیت کیلئے قریب نصف راستہ طے کرچکی تھیں کہ انہیں جرمنی کے شہر فرینکفرٹ میں پولیس نے روک واپس امریکا بھیج دیا۔تاہم یہ بھی بتایاجاتا ہے کہ شمالی امریکااور یورپ سے تعلق رکھنے والی متعدد نوجوان کم عمرلڑکیاں اب تک شام پہنچ چکی ہیں ، گو کہ دیگر مرد رضاکاروں کے مقابلے میں خواتین کی تعداد کم ہے۔کنگز کالج سے وابستہ دہشت گردی سے متعلقہ امور کی ماہر ’ کیتھرین براؤن ‘کے مطابق یورپ جیسے ممالک میں داعش (دولت اسلامیہ) میں 200کے قریب خواتین کی شمولیت ایک بڑی دعوت فکر ہے۔جن کا تعلق یورپ سے ہے اور وہ شام جاکر خانہ جنگی کا حصہ بن چکی ہیں۔

داعش (دولت اسلامیہ) میں نوجوانوں کے شمولیت کی وجوہات میں ایک وجہ یہ بھی

ہے کہ اسلامی ریاست ایک خیالی سیاسی دنیا کا تصور پیش کرتی ہے، جس میں حکمرانوں کو رومانوی شخصیت بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ دوسری اہم وجہ یورپ، امریکا میں اسلام کے خلاف شدید مذہبی منافرت اور مباحثے ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں کی بڑی تعداد معاشرے کے مرکزی دھارے سے الگ تھلگ کردی گئی ہے، گذشتہ دنوں ایک سکھ گوردوارے کو مسجد سمجھ کر دو لڑکیوں نے چاکنگ کی، جس سے ان کی مذہبی منافرت کا بھیانک تصور سامنے آتا ہے کہ انھیں اسلام اور سکھ مذہب میں بھی تمیز نہیں رہی ہے بلکہ وہ ظاہری وضع قطع سے ملتے جلتے معاملات پر ہی خود ساختہ مذہبی انتہا پسندی کرتے نظر آتے ہیں، اسی طرح آسٹریلیا میں مسلمانوں پر جینا دشوار کردیا اور مذہبی آزادی پر شدید پابندیاں عائد کئے جانے اور مختلف متشدد گروپوں کی جانب سے دھمکیوں اور اشتعال انگیزیوں کے سبب اوپن ڈے بھی منایا گیا جس میں مسجد میں داخلے کیلئے تمام مذہب سے تعلق رکھنے والوں کیلئے دروازے کھولے گئے تاکہ وہ نزدیک سے اسلامی عبادات کو دیکھیں اور اپنی غلط فہمیاں دور کریں، اس سلسلے میں آسٹریلیا میں مسلمانوں میں شدید عدم تحفظ کا احساس پایا جاتا ہے، جس سے آسٹریلیا کی گورنمنٹ کیلئے مذہبی رواداری قائم رکھنے میں ناکامی پر شدید تنقید کا سامنا ہے۔

یورپ سے داعش (دولت اسلامیہ) میں شمولیت کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے

جس میں بہت سے مرد اور خواتین اجنبی ممالک میں جاکر وہاں کی تسخیر میں بھی بہت دل چسپی رکھتے ہیں۔اس کا موازنہ 75 سال قبل اسپین میں ہونے والی خانہ جنگی سے کیا جاتا ہے، کہ خواتین کسی نئی چیز کا حصہ بننا چاہتی ہیں، ملک و قوم کے ماں کی حیثیت سے بھی اور جنگجوؤں کی بیویوں کی شکل میں بھی۔جرمن صوبے نارتھ رائن ویسٹ فیلیا میں تحفظ آئین کے ملکی ادارے کی علاقائی شاخ کے سربراہ بُرک ہارڈ فرائیر کے مطابق صرف ایک جرمن صوبے سے شام کا سفر کرنے والی خواتین کی تعداد 25 ہے، اُن کے بقول، یہ بہت کم عمر ہیں، مردوں سے کہیں زیادہ جوان، ۔۔داعش (دولت اسلامیہ) میں شمولیت اختیار کرنے والوں میں ایک معقول تعداد ایسے تارکین وطن کی بھی ہے، جنھیں اپنی شناخت اور اپنی ذات سے متعلق عدم واقفیت ہے، جس کی وجہ سے وہ تلاش کی اس مہم جوئی میں شامل ہونے کو ترجیح دے رہے ہیں۔معاشرے یا نظام کے خلاف احتجاج اور خود کو اپنے خاندان سے الگ تھلگ کردینے میں خواتیں کا اہم کردار ادا ہوتا ہے، ان وجوہات میں یہ بھی سمجھا جارہا ہے کہ مستقبل میں خود شہید کی حیثیت سے شجاعت و بہادری کی علامت کا جذبہ بھی ان میں کارفرما نظر آتا ہے۔داعش (دولت اسلامیہ) کی افغانستان میں موجودگی نے بھی عالمی برادری میں تشویش کو بڑھا دیا ہے جب کابل یونیورسٹی میں داعش (دولت اسلامیہ) کی چاکنگ ہوئی ،اور طالب علموں کی کثیر تعداد کو گرفتار کرلیا گیا، مقامی طالبان کمانڈروں کی داعش (دولت اسلامیہ) میں شمولیت کی ایک بڑی وجہ دولت کی فراوانی بھی بتائی جاتی ہے جس

میں شام و عراق کے مفتوحہ علاقوں سے نوادرات اور بلیک مارکیٹ میں تیل کی فروخت کے ساتھ اغوا برائے تاوان کے ذریعے بڑی رقومات کا حصول ہے، جس کی وجہ سے پاک، افغان گروپس میں داعش (دولت اسلامیہ) کیلئے بڑی کشش پیدا ہوئی ہے کیونکہ انھیں اپنے بے تحاشا اخراجات پورے کرنے کیلئے فنڈنگ کی دشواریاں کم ہونے کی سہولت حاصل ہوجائے گی۔

پاکستان میں 21 ایسے افراد کی نگرانی کی جارہی ہے جو مقامی طور پر داعش (دولت اسلامیہ) کی تنظیمی ڈھانچے کو مستحکم بنانے کی کسی کوشش میں ملوث ہو سکتے ہیں،

پاکستان میں بڑی شد ومد کے ساتھ فرقہ وارنہ خانہ جنگیوں کے لئے راہ ہموار کی جارہی ہے، جس کے سبب فرقہ وارانہ خیالات کے حامل انتہا پسندوں کو داعش (دولت اسلامیہ) کی صورت میں اپنے خوابوں کی تکمیل کا ذریعہ دکھائی دیتا ہے۔اس کے علاوہ منفی جذبات ابھارنے کیلئے پاکستان کے ان ہی علاقوں کو ایک بار پھر کسی بین الاقوامی ایجنڈے کو کامیاب بنانے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے جب امریکہ نے روس کے خلاف اور پھر امریکا کے خلاف، طالبان کی صورت میں استعمال ہوئے، وہاں آپریشن کے بعد بڑی تعداد میں نقل مکانی اور اس بات کو ہوا دینے کی مسلسل کوشش کی جارہی ہے کہ فوجی آپریشن کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا، اسی سلسلے میں سوات میں مقامی عمائدین کا بڑا سوات قومی جرگہ منعقد ہوا جسمیں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ سوات کے انتظامی

اداروں سے فوج اپنا کنٹرول ختم کرے، اور چھاؤنی بنانے کے بجائے وہ سوات کو سابق حیثیت میں دوبارہ بحال کرے۔ عسکری ذرائع نے سختی سے اس خدشے کی تردید کی ہے کہ سوات آپریشن ناکام نہیں ہوا ہے۔ لیکن کچھ عناصر کی جانب سے پوائنٹ اسکورنگ کیلئے اس بات کا پروپیگنڈا بھی کیا جارہا ہے کہ جب 80 فیصد علاقے کلیئر قرار دے دیئے گئے ہیں تو آئی ڈی پیز کو جانے کی اجازت کیوں نہیں دی جارہی۔ ابھی ان معاملات کی بازگشت جاری تھی کہ خیبر ون آپریشن شروع کردیا گیا، جس کے نتیجے میں آئی ڈی پیز کی مزید بڑی تعداد پشاور اور گردونواح منتقل ہونا شروع ہوچکی ہیں اور فوج کا آپریشن جارہی ہے۔ داعش (دولت اسلامیہ) میں شمولیت کیلئے غلط فہمیوں کی ماضی کی فضا دوبارہ سازگار بنانے کیلئے اس قسم کے پروپیگنڈے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں، اور مستقبل میں ان علاقوں میں احساس محرومی نام پر کسی بھی مسلح گروپ کو دوبارہ قدم جمانے میں دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ اب یہ اربابِ اختیار کی پالیسیوں پر منتج ہے کہ وہ کس طرح مستقبل میں داعش (دولت اسلامیہ) کی سرگرمیوں کو روکنے کیلئے اقدامات کرتی ہے۔ کیا وہ ماضی کی طرح کسی ’ خاص مقاصد‘ کیلئے ان علاقوں میں کسی نئی مہم جوئی کے حق میں ہیں یا پھر قلع وقمع چاہتے ہیں۔ یہ سب کچھ پاکستان کے پالیسی سازوں پر منحصر ہے۔

پاک مملکت کو درپیش نیا خطرہ

دولت اسلامیہ کی جانب سے شام اور پھر عراق میں خود ساختہ خلافت کے اعلان کے بعد ان کیلئے ہمدردیوں کا رخ یورپ کیساتھ بڑھتا ہوا افغانستان اور پاکستان میں بھی جا پہنچا ہے۔ داعش (دولت اسلامیہ) کی جانب سے پاکستانی علاقوں میں پمفلٹ، بینرز اور اسٹیکر کی تقسیم کی اطلاعات کے بعد بھی پاکستان میں اس بات کا سراغ نہیں لگایا جا سکا کہ دولت اسلامیہ کیلئے کون سا مقامی نیٹ ورک فعال ہو رہا ہے۔پاکستان میں کالعدم تحریک طالبان کے خلاف متواتر عسکری آپریشنز اور خود تحریک میں دھڑے بندیوں کے سبب ایک وسیع میدان داعش (دولت اسلامیہ) کیلئے خالی پڑا ہے، اسی طرح افغانستان میں امریکہ اور نیٹو کے انخلاء کے بعد افغانستان کی جہادی تنظیموں کی جانب سے آہستہ آہستہ سابقہ علاقے واپس لینے کی کوشش کی جائے گی کنر اور نورستان کے علاقے پاکستانی طالبان کی پناہ گاہ کے طور پر استعمال ہو رہے ہیں جس کی پس پردہ سرپرستی افغان حکومت کی جانب سے کی جا رہی ہے، خدشہ اسی بات کا ہے کہ داعش (دولت اسلامیہ) ان علاقوں میں اپنے لئے ہمدروں کا وسیع ٹولہ بنانے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔حساس اداروں کی جانب سے یہ رپورٹ سامنے آچکی ہے کہ داعش (دولت اسلامیہ) کے پانچ اہم اراکین اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر پاکستان)

میں داخل ہو چکے ہیں اور ان کے ساتھ سینکڑوں کی تعداد میں ہمدرووں کی پہلے ہی کثیر تعداد پاکستان میں موجود ہے جس کا عملی مظاہرہ، جہاں افغان مہاجرین کے کیمپوں میں داعش (دولت اسلامیہ) کے تحریری دعوت نامے کی تقسیم، تو کراچی، لاہور کے مختلف علاقوں میں مبینہ ISIS کی تشہیر کی صورت میں سامنے آیا جہاں در و دیواروں پر چاکنگ و پوسٹر لگائے گئے جس سے شہریوں میں مزید سراسیمگی پھیل گئی۔ دیکھنا یہ ہے کہ آخر ایسی کیا وجوہات ہیں کہ داعش (دولت اسلامیہ) کو اپنے ہمدروں کی تعداد میں اضافے کیلئے پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا۔ 15 سے 17 سال کے درمیان کی عمر کی تین امریکی لڑکیاں جرمنی کے راستے شام پہنچ کر داعش (دولت اسلامیہ) میں شمولیت کیلئے قریب نصف راستہ طے کر چکی تھیں کہ انہیں جرمنی کے شہر فرینکفرٹ میں پولیس نے روک واپس امریکا بھیج دیا۔ تاہم یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ شمالی امریکا اور یورپ سے تعلق رکھنے والی متعدد نوجوان کم عمر لڑکیاں اب تک شام پہنچ چکی ہیں، گو کہ دیگر مرد رضا کاروں کے مقابلے میں خواتین کی تعداد کم ہے۔ کنگز کالج سے وابستہ دہشت گردی سے متعلقہ امور کی ماہر 'کیتھرین براؤن' کے مطابق یورپ جیسے ممالک میں داعش دولت اسلامیہ) میں 200 کے قریب خواتین کی شمولیت ایک بڑی دعوت فکر) ہے۔ جن کا تعلق یورپ سے ہے اور وہ شام جا کر خانہ جنگی کا حصہ بن چکی ہیں۔

داعش (دولت اسلامیہ) میں نوجوانوں کے شمولیت کی وجوہات میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسلامی ریاست ایک خیالی سیاسی دنیا کا تصور پیش کرتی ہے، جس میں حکمرانوں کو رومانوی شخصیت بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ دوسری اہم وجہ یورپ، امریکا میں اسلام کے خلاف شدید مذہبی منافرت اور مباحثے ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں کی بڑی تعداد معاشرے کے مرکزی دھارے سے الگ تھلگ کردی گئی ہے، گذشتہ دنوں ایک سکھ گوردوارے کو مسجد سمجھ کر دو لڑکیوں نے چاکنگ کی، جس سے ان کی مذہبی منافرت کا بھیانک تصور سامنے آتا ہے کہ انھیں اسلام اور سکھ مذہب میں بھی تمیز نہیں رہی ہے بلکہ وہ ظاہری وضع قطع سے ملتے جلتے معاملات پر ہی خود ساختہ مذہبی انتہا پسندی کرتے نظر آتے ہیں، اسی طرح آسٹریلیا میں مسلمانوں پر جینا دشوار کردیا اور مذہبی آزادی پر شدید پابندیاں عائد کئے جانے اور مختلف متشدد گروپوں کی جانب سے دھمکیوں اور اشتعال انگیزیوں کے سبب اوپن ڈے بھی منایا گیا جس میں مسجد میں داخلے کیلئے تمام مذہب سے تعلق رکھنے والوں کیلئے دروازے کھولے گئے تاکہ وہ نزدیک سے اسلامی عبادات کو دیکھیں اور اپنی غلط فہمیاں دور کریں، اس سلسلے میں آسٹریلیا میں مسلمانوں میں شدید عدم تحفظ کا احساس پایا جاتا ہے، جس سے آسٹریلیا کی گورنمنٹ کیلئے مذہبی رواداری قائم رکھنے میں ناکامی پر شدید تنقید کا سامنا ہے۔

یورپ سے داعش (دولت اسلامیہ) میں شمولیت کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے جس میں بہت سے مرد اور خواتین اجنبی ممالک میں جاکر وہاں کی تسخیر میں بھی بہت دل چسپی رکھتے ہیں۔اس کا موازنہ 75 سال قبل اسپین میں ہونے والی خانہ جنگی سے کیا جاتا ہے، کہ خواتین کسی نئی چیز کا حصہ بننا چاہتی ہیں، ملک و قوم کے ماں کی حیثیت سے بھی اور جنگجوؤں کی بیویوں کی شکل میں بھی۔جرمن صوبے نارتھ رائن ویسٹ فیلیا میں تحفظ آئین کے ملکی ادارے کی علاقائی شاخ کے سربراہ بُرکٹ ہارڈ فرائیر کے مطابق صرف ایک جرمن صوبے سے شام کا سفر کرنے والی خواتین کی تعداد 25 ہے، اُن کے بقول، یہ بہت کم عمر ہیں، مردوں سے کہیں زیادہ جوان، ۔۔داعش (دولت اسلامیہ) میں شمولیت اختیار کرنے والوں میں ایک معقول تعداد ایسے تارکین وطن کی بھی ہے، جنھیں اپنی شناخت اور اپنی ذات سے متعلق عدم واقفیت ہے، جس کی وجہ سے وہ تلاش کی اس مہم جوئی میں شامل ہونے کو ترجیح دے رہے ہیں۔معاشرے یا نظام کے خلاف احتجاج اور خود کو اپنے خاندان سے الگ تھلگ کردینے میں خواتیں کا اہم کردار ادا ہوتا ہے، ان وجوہات میں یہ بھی سمجھا جارہا ہے کہ مستقبل میں خود شہید کی حیثیت سے شجاعت و بہادری کی علامت کا جذبہ بھی ان میں کارفرما نظر آتا ہے۔داعش (دولت اسلامیہ) کی افغانستان میں موجودگی نے بھی عالمی برادری میں تشویش کو بڑھا دیا ہے جب کابل یونیورسٹی میں داعش (دولت اسلامیہ) کی چاکنگ ہوئی، اور طالب علموں کی کثیر تعداد کو گرفتار کرلیا گیا، مقامی طالبان کمانڈروں کی داعش (دولت

اسلامیہ) میں شمولیت کی ایک بڑی وجہ دولت کی فراوانی بھی بتائی جاتی ہے جس میں شام و عراق کے مفتوحہ علاقوں سے نوادرات اور بلیک مارکیٹ میں تیل کی فروخت کے ساتھ اغوا برائے تاوان کے ذریعے بڑی رقومات کا حصول ہے ، جس کی وجہ سے پاک، افغان گروپس میں داعش (دولت اسلامیہ) کیلئے بڑی کشش پیدا ہوئی ہے کیونکہ انھیں اپنے بے تحاشا اخراجات پورے کرنے کیلئے فنڈنگ کی دشواریاں کم ہونے کی سہولت حاصل ہوجائے گی۔

پاکستان میں 21 ایسے افراد کی نگرانی کی جارہی ہے جو مقامی طور پر داعش (دولت اسلامیہ) کی تنظیمی ڈھانچے کو مستحکم بنانے کی کسی کوشش میں ملوث ہو سکتے ہیں ، پاکستان میں بڑی شد ومد کے ساتھ فرقہ وارنہ خانہ جنگیوں کے لئے راہ ہموار کی جارہی ہے ، جس کے سبب فرقہ وارانہ خیالات کے حامل انتہا پسندوں کو داعش (دولت اسلامیہ) کی صورت میں اپنے خوابوں کی تکمیل کا ذریعہ دکھائی دیتا ہے ۔اس کے علاوہ منفی جذبات ابھارنے کیلئے پاکستان کے ان ہی علاقوں کو ایک بار پھر کسی بین الاقوامی ایجنڈے کو کامیاب بنانے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے جب امریکہ نے روس کے خلاف اور پھر امریکا کے خلاف ، طالبان کی صورت میں استعمال ہوئے ، وہاں آپریشن کے بعد بڑی تعداد میں نقل مکانی اور اس بات کو ہوا دینے کی مسلسل کوشش کی جارہی ہے کہ فوجی آپریشن کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا ، اسی سلسلے میں سوات میں مقامی عمائدین کا بڑا سوات قومی جرگہ

منعقد ہوا جسمیں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ سوات کے انتظامی اداروں سے فوج اپنا کنٹرول ختم کرے ، اور چھاؤنی بنانے کے بجائے وہ سوات کو سابق حیثیت میں دوبارہ بحال کرے ، عسکری ذرائع نے سختی سے اس خدشے کی تردید کی ہے کہ سوات آپریشن ناکام نہیں ہوا ہے ، لیکن کچھ عناصر کی جانب سے پوائنٹ اسکورنگ کیلئے اس بات کا پروپیگنڈا بھی کیا جارہا ہے کہ جب 80 فیصد علاقے کلیئر قرار دے دیئے گئے ہیں تو آئی ڈی پیز کو جانے کی اجازت کیوں نہیں دی جا رہی ، ابھی ان معاملات کی بازگشت جاری تھی کہ خیبر ون آپریشن شروع کردیا گیا ، جس کے نتیجے میں آئی ڈی پیز کی مزید بڑی تعداد پشاور اور گرد و نواح منتقل ہونا شروع ہو چکی ہیں اور فوج کا آپریشن جاری ہے ۔ داعش (دولت اسلامیہ) میں شمولیت کیلئے غلط فہمیوں کی ماضی کی فضا دوبارہ سازگار بنانے کیلئے اس قسم کے پروپیگنڈے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں ، اور مستقبل میں ان علاقوں میں احساس محرومی نام پر کسی بھی مسلح گروپ کو دوبارہ قدم جمانے میں دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔اب یہ اربابِ اختیار کی پالیسیوں پر منحصر ہے کہ وہ کس طرح مستقبل میں داعش (دولت اسلامیہ) کی سرگرمیوں کو روکنے کیلئے اقدامات کرتی ہے ۔کیا وہ ماضی کی طرح کسی ' خاص مقاصد ' کیلئے ان علاقوں میں کسی نئی مہم جوئی کے حق میں ہیں یا پھر قلع و قمع چاہتے ہیں۔ یہ سب کچھ پاکستان کے پالیسی سازوں پر منحصر ہے۔

جنوبی ایشیا میں بڑھتی مذہبی جنونیت

امریکہ کیجانب سے انکی انتہائی حساس محکمے کی رکن رابن رافیل پر جاسوسی کے الزامات کے تحت سیکورٹی کلیئرنس واپس لینے کے علاوہ ان کے آفس وگھر کی تلاشی لینے کی خبر میڈیا میں شائع ہوئی۔ان خاتون کو جنھیں پاکستان دوست سفیر کیا جاتا ہے ، ان کی شہرت کی ایک وجہ ان کی ایک نام کی عرفیت بھی ہے انھیں 'لیڈی طالبان' بھی کہا جاتا ہے۔ یہ توثابت ہوچکا ہے کہ مغرب میں اسلام کے خلاف جتنے بھی پروپیگنڈے کئے جاتے ہیں اس کے منفی اثرات کے بجائے مثبت نتائج ہی نکلتے ہیں، غیر مسلم، اسلام سے متعلق کتابوں اور خاص کر قرآن کریم کا مطالعہ شروع کردیتے ہیں اگرانھیں عربی یاتراجم کو سمجھنے میں دشواری کا سامنا ہوتا ہے تو خود عربی زبان سیکھ کر لغات کے ذریعے قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں سب سے زیادہ خریدی جانے والی کتاب مقدس 'قرآن کریم' ہے اور نومسلموں کی بڑھتی تعداد کے پیش نظر اس بات کی توقع کی جارہی ہے اگر یہی صورتحال رہی تو بہت جلد امریکہ میں اسلام کے ماننے والوں کا دوسرا نمبر آجائے گا۔ انشا اللہ ، چونکہ قرآن کریم کسی خاص نسل یا ملک کیلئے نہیں اتارا گیا بلکہ رحمت العالمین ﷺ کے ذریعے تمام بنی نوع انسان کیلئے ایسے ذریعہ نجات بنا کر بھیجا ہے۔۔اب اصل بات یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات کی حقیقی

تشریح اور ان کی روحانی اصلاح کی ذمے داری کن پر عائد ہوتی ہے ؟۔ بد قسمتی سے اسلام کے نام اس کے نام لیواؤں نے اس قدر ڈر و خوف پیدا کردیا ہے کہ اسلام جو خود امن و سلامتی کا عظیم پیغامبر ہے ، اس کی روح قرآن کریم سے ہم خود دور ہوتے چلے گئے اور قرآن کریم کو خوبصورت جزدانوں میں سجا کر رکھنے ، ایصال ثواب کیلئے ، تعویز گنڈے اور کسی انسان کی جان بہ لب ہے تو اس کی جلد آسانی موت کیلئے پڑھنے کی حد تک محدود کردیا ہے ، شادیوں میں قرآن سروں پر رکھ کر ساز و سازندوں میں رخصتی کی رسم بن گیا ہے ، (استغفر اللہ) ہم سب نے حضور اکرم ﷺ کی اس شکوے کو فراموش کردیا کہ یوم جزا جب ایک گروہ گذرے گا تو نبی اکرم ﷺ شکوہ فرمائیں گے کہ یہ ہیں وہ لوگ جنھوں نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔ اب ان حالات میں جب فرقوں ، مسالک اور خود ساختہ فتوؤں کے ذریعے اسلام کے تشخص کو پامال کرنے میں ہم مسلمانوں کا سب سے نمایاں حصہ ہے تو اگر دنیا بھر میں مختلف ممالک میں شدت پسندی کی لہر اگر دوچند ہوتی جا رہی ہے تو پھر اس میں قصور معاشرے کا نہیں بلکہ اس تربیت کا ہے جو آنے والی نئی نسلوں کو دی جا رہی ہے۔ رابن رافیل لیڈی طالبان ہے یا نہیں ہے اس پر کسی قسم کی بحث نہیں کرنا چاہتے کیونکہ یہ امریکہ کا وطیرہ رہا ہے کہ وہ اپنے مقاصد کیلئے ایسی متنازعہ شخصیات پیدا کرتا رہتا ہے جو اس کے مذموم مقاصد کو ہمدردی اسلام کے نام پر پورا کرتے رہتے ہیں۔ دراصل یہ مغرب کا رویہ ہی ہے اس نے اپنی صلیبی پالیسوں کے تحت مسلم امت کیخلاف ایک محاذ کھول کر رکھا

ہوا ہے۔ نوجوان نسل میں نفرت کے آتش فشاں کو بھڑکانے میں خود مغربی استعمار کی غلطیوں کا زیادہ حصہ ہے۔ کوٹ رادھا کشن میں ایک مسیحی جوڑے کو مبینہ طور پر ہلاک کردیا گیا، سول سوسائٹی سمیت تقریبا ہر سیاسی و مذہبی جماعت نے اسکی شدید الفاظوں میں مذمت کی پنجاب حکومت نے اس خاندان کو پچاس لاکھ روپے بھی دیئے اور ان کے بچوں کی کفالت بھی سرکاری خزانے پر رکھ دی۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ روش عوام میں پیدا کیوں ہوتی ہے کہ وہ بغیر تحقیق و ثبوت کسی کا بھی گھر جلا دیں، کسی کے بیان پر اس کے قتل کے فتوی جاری کردیں، اس کے سر پر کروڑوں روپے انعام رکھ دیں، بلا شبہ امت مسلمہ کو نبی اکرم ﷺ سے دیوانگی کی حد تک محبت ہے، لیکن ان کی اس ظاہری نمود و نمائش والی محبت میں حضور ﷺ کی تعلیمات کا عکس نہیں دکھائی دیتا، میرے نزدیک اس کی اہم وجہ تعلیم کی کمی اور اسلام کو مختلف فرقوں و مسالک کی رنگین عینک سے دیکھنا ہے، کیا کسی نے اس بات پر غور کیا کہ اسلام کا سب سے مقدس مہینہ رمضان المبارک، عید الفطر ہمیشہ سے مسالک کی بھینٹ چڑھتا جارہا ہے، پوری دنیا میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ عیدین، روزے ایک ہی دن رکھے گئے ہوں، اسلام کا واحد ایک مہینہ ہے جو پوری دنیا میں ایک ساتھ منایا جاتا ہے، محرم الحرام کے چاند پر کبھی نا اتفاقی دیکھنے میں نہیں آئی، امریکہ ہو، کہ ایران، افغانستان ہو کہ پاکستان، متحدہ امارات ہو یا پھر سعودیہ، یہ واحد چاند ہے جو ہمیشہ ایک ہی دن پوری دنیا میں دیکھا جاتا ہے۔ ہم نے

مذہب اور دین

اسلام کو اپنی خواہشات کے تابع رکھا ہوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ امت واحدہ کو تصور اور اسلام کا آفاقی پیغام غیر مسلم ممالک تک پوری دیانت سے نہیں پہنچایا جاتا۔ ان ہی مباحث کی وجہ سے نوجوان نسل کا ذہن تحقیق اور پھر اپنے پیشرو کے حکم پر ہر وہ حکم ماننے کو تیار ہو جاتا ہے، جس کا اسلام نے حکم نہیں دیا ہوتا لیکن ایسے اسلام کے نام پر خوب صورت لبادے میں اوڑھ کر نوجون نسل کے اذہان کو برین واش کردیا جاتا ہے، مغرب اور یورپ سے کم عمر خواتین کی بڑی تعداد جہاد کی جانب راغب ہوئی اور فرقہ وارنہ خانہ جنگی کا حصہ بن کر شام اور پھر عراق پہنچی، یورپ پریشان کہ اس مسئلے کا حل کیسے نکالا جاسکے گا، انھوں نے اس کا واحد توڑ یہ نکالنے کی کوشش کی مسلم ممالک میں فرقہ واریت کو اس قدر ہوا دی جائے کہ مسلم ممالک آپس میں دست و گریبان ہوجائیں۔اس کی یہ کوشش کامیاب رہی، اور ہم نے اپنی ملکی سیاست میں بھی یہ مناظر دیکھے کہ خود کش دھماکوں کیلئے جہاں نوعمر بچیوں کا استعمال کیا گیا تو جلسے جلسوں میں بھی خواتین کی نمایش کرکے اپنے جلسوں کو ماڈرن اور سیکولر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ۔مذہبی انتہا پسندی جنوبی ایشیا کیلئے ایک اہم مسئلہ بن چکی ہے، گو کہ نام نہاد جموریت تو ہے لیکن اسکی آڑ میں جو اقدامات کئے جاتے ہیں وہ انتقامی رد عمل کا سبب بنتے ہیں۔
تاجک وزرات داخلہ کے ترجمان جلال الدین صدر الدینوف نے انکشاف کیا کہ تاجک خواتین کی ایک نامعلوم تعداد کو شام اور افغانستان میں لڑنے کیلئے دیگر جہادیوں کا ساتھ

دینے کیلئے منتقل کیا گیا ہے ہماری حکومت چاہتی ہے کہ وہ لوٹ آئے۔مذہبی اشتعال انگیزی صرف پاکستان کی حد تک محدود نہیں رہی ہے بلکہ جنوبی ایشیا کی صورتحال کا اجمالی جائزہ لیں تو یہ معاملات سامنے آئیں گے کہ افغانستان کے طالبان، امریکہ کے جانے کا انتظار میں ہے اور اس کی ہمنوا تنظیمیں بارود کے ڈھیر پر قائم حکومت پر غیر یقینی مستقبل کے خطرے کی طرح مسلسل تلوار کی طرح لٹک رہی ہے۔جب غیر مسلم ممالک میں مذہبی جنونیت دیکھتے ہیں تو نیپال کو بادشاہت کی آزادی کے بعد ہندو انتہا پسند جماعتیں ہندو اسٹیٹ بنانے کیلئے کوشاں ہیں، سری لنکا میں عدم تشدد کے پیروکار بدھا مذہب کے ماننے والوں نے مسلمانوں کے قتل و غارت اور ان کی عبادت گاہوں کے ساتھ رہائش گاہوں میں جنونیت کا طوفان برپا کیا ہوا ہے۔.برما کی حکومت نے روہنگیا کے سینکڑوں مسلمانوں کو مذہبی جنونیت کی بھینٹ چڑھا دیا ہے اور ہنوز یہ سلسلہ جاری اور ان مسلمانوں کا کوئی پرسان حال نہیں، بنگلہ دیش میں مذہبی تنظیمیں جڑ پکڑ رہی ہیں جنھیں سیاسی انتقام کے طور پھانسیوں اور طویل سزائیں دیں جا رہی ہیں۔۔ حال ہی میں بھارت کی شاہی مسجد کے امام پر دہشت گردی کے واقعے میں بنگلہ دیش کا ملوث ہونا، ایک بڑی سازش کی نشان دہی کرتا ہے۔بھارت خود کو دنیا کی سب سے بڑی جمہوری حکومت ہونے کا دعوی کرتا ہے، لیکن وہاں انتہا پسند حکومت قائم ہے، لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام کیا جا چکا ہے، بابری مسجد کے نام پر ہزاروں مسلمانوں کو بھیڑ بکری کی ذبح کر دیا

گیا جبکہ سکھ مذہب ماننے والوں کیساتھ بھی اندرا گاندھی کے قتل کے بعد جو مذہبی جنونیت کے واقعات ہوئے وہ بھی قابل غور ہے۔ کشمیر میں مسلمانوں کیساتھ، فلسطین، شام، عراق، بوسینا، جزائر، شمالی و جنوبی افریقہ۔ آسٹریلیا، جرمنی، ناروے، برطانیہ، نائن الیون کے بعد امریکہ میں جتنا بھی مسلمانوں کا قتل عام ہوا یہ سب مذہبی جنونیت ہی تو ہے، جس کا ردعمل امریکہ ڈرون اٹیک یا ممالک پر قبضے کے ذریعے کرتا ہے اسی طرح اپنے ملک میں جارحیت کے نام پر جہاں مرد، ایک فلسفے کو پنا کر شدت پسند بن جاتے ہیں تو خواتین بھی ان کے شانہ بہ شانہ ہوتیں ہیں۔ ان تمام مسائل کا حل مغرب کے پاس ہے کہ وہ اسلام کو اپنا دشمن سمجھنا چھوڑ دے اور اپنی معیشت کو چلانے کیلئے ہتھیاروں کی فروخت میں کمی کرکے وہی سرمایہ، تعلیم پر خرچ کرے، انسنای شعور، جتنا اسلام دیتا ہے اس کا عشر عشیر بھی کوئی حاضرہ لادین مذہب نہیں دے سکتا۔ لیڈی طالبان مستقبل میں عالمی امن کیلئے نائیڑوجن بم سے بھی زیادہ مہلک ہے۔ فیصلہ عالمی استعماری قوتوں کو کرنا ہے۔ کوٹ رادھا کشن کا واقعہ اسی خلفشار کا نتیجہ ہے جس کا ذمے دار امریکہ اور امریکہ نواز قوتیں ہیں جن کی مذہبی جنونیت نے انتشار پیدا کیا۔

!! اسلام فوبیا

سعودی عرب سے شائع اخبار الوطن میں اسلامی تعاون تنظیم کے رکن ممالک کے وزرائے خارجہ نے اسلام فوبیا کے مقابلے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے عالمی برادری سے مطالبہ کیا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اشتعال آمیز اقدامات کی روک تھام اور مختلف تہذیبوں کے مابین پر امن بقاء باہمی کے معیارات کی تقویت کیلئے مزید کوششیں انجام دیں جائیں ۔دہشت گردی ایک پیچیدہ مسئلہ ہے اس کا کسی ملک ، دین اور شہریت سے کوئی تعلق نہیں اور سب سے بڑا المیہ یہ بھی ہے کہ اسلامی ممالک اور مسلمان دہشت گردی کا سب سے زیادہ نشانہ بنے ہیں۔اسلام فوبیا کے شکار مغربی ممالک کا یہ رویہ سانحہ ستمبر کے بعد شدت اختیار کرگیا ، خاص کر امریکی معاشرے میں عدم برداشت اور مذہبی رواداری تیزی سے ختم ہونا شروع ہوئی نائن الیون کے واقعے کے بعد ہندو انتہا پسندوں نے بھی مسلمانوں کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے عجیب و غریب طریقے اپنائے جس میں سکھوں کو مسلمانوں کے ساتھ نتھی کرنا بھی تھا ۔ مختلف گوردواروں پر حملے کے بعد اوک کریک گوردوارے کے سربراہ ڈاکٹر ستونت سنگھ کالیکا کا کہنا تھا کہ سکھوں کو کافی عرصے سے دھمکیاں مل رہی تھیں ، سکھ رہنما اور انسانی حقوق کی کارکن محترمہ ویلری کور نے اس واقعہ کو امریکہ میں مذہبی منافرت کا کاشاخسانہ قرار دیا،

ویکری کور کا کہنا تھا کہ امریکی میڈیا پر مسلمانوں کے خلاف چلنے والی مہم سے سکھ بھی متاثر ہو رہے ہیں۔

بیلجیم کے دارالحکومت برسلز میں مسلمانوں کے حقوق بلجیم نامی سول سوسائٹی کی زیر قیادت برسلز عدلیہ کے سامنے جمع ہوئے اور بڑھتے ہوئے اسلام فوبیا اور نسلیت پرستی کے سامنے بند باندھنے کی اپیل کی گئی ، مسلمانوں کے حقوق بلجیم نامی سول سوسائٹی کے سربراہ فواد بینیک ہاف نے کہا کہ پر امن ماحول میں وقار کے ساتھ زندگی گذارنے ، معاشرے کا ایک حصہ بننے اور معاشرے میں مساوی شرکت کے علاوہ ہمارا اور کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ مظاہرین نے چارلیوئی شہر میں گھریلو چپقلش کے بعد حراست میں لئے جانے والے اور پولیس اسٹیشن میں اپنی زندگی سے محروم ہونے والے شمالی افریقہ النسل طارق یوسف کی موت کی وجہ کو بھی منظر عام پر لانے اور ذمے داروں کو عدالت کے سامنے پیش کرنے کا مطالبہ کیا۔اسلام فوبیا میں گرفتار مغربی ممالک کے شہریوں کے رویئے مسلمانوں کے خلاف انتہا پسندی سے بھی بڑھ کر ثابت ہو رہے ہیں۔

حکومت ہالینڈ اور مسلمانوں کے درمیان ارتباط کی آرگنائزیشن کے سربراہ ابو بکر ارتور کے مطابق حالیہ سالوں میں ہالینڈ میں مقیم مسلمانوں کے خلاف حملوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور مساجد میں خنزیر کے سر پھینکے جانے کے

واقعات بھی رونما ہوئے۔ جبکہ فرانس کے وزیر داخلہ نے تسلیم کیا ہے کہ مسلم مخالف افعال کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ فرانسسی وزیر داخلہ مینول والس نے اسلام فوبیا کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے اسلام مخالف کارائیوں کی بات کی، حالاں کہ فرانس میں مقیم مسلمان کئی سالوں سے اسلام فوبیا کا شکار ہوتے آرہے ہیں۔ جس میں مسلم خواتین کے حجاب پر عائد پابندیاں بھی شامل ہیں۔

گذشتہ دن انگلستان کی پولیس نے فیس بک اور ٹویٹر پر اسلام کے خلاف تبلیغ کرنے والے چار افراد کو گرفتار کیا، ۲۲ سالہ بنجامین اور اس کے دیگر ساتھی فیس بک اور ٹویٹر پر اسلام مخالف بیانات دے کر مسلمانوں کے جذبات سے کھیل رہے تھے۔ لینکو لنشیر اور سومرسٹ شہروں کی پولیس نے اسلام فوبیا کی تبلیغ کرنے کے جرم میں کچھ افراد سے تفتیش بھی کی اور ان پر مذہبی اور نسلی نفرت پھیلانے کا لزام لگایا۔ لینکو لنشیر کی پولیس کے مطابق اسلام فوبیاکے مبلغین کی باتیں ناقابل قبول ہیں اور معاشرے کے ایک طبقے کو نمایاں کرکے کشیدگی ایجاد کرنا چاہتے ہیں، قابل ذکر بات یہ ہے گرفتار اشخاص میں ایک شخص کا تعلق انگلستان کے شہر برسٹل سے ہے۔ 2013ء میں لندن پولیس نے ایک رپورٹ پیش کی جس میں کہا گیا کہ 2013ء کے دوران اس ملک کے مسلمانوں کے خلاف مجرمانہ اقدامات میں اضافہ ہوا ہے 2011 میں 318، 2012ء میں 334 جبکہ 2013ء میں 500 واقعات ہوئے، صرف مئی اور جون میں 212 واقعات ہوئے۔

اسلام فوبیا کی بنیادی وجوہات میں سب سے بڑی وجہ غیر مسلموں کا اسلام میں داخل ہونا اور مسلمانوں کی تیزی سے بڑھتی ہوئی تعداد ہے۔ انگلستان اور ویلز میں تازہ مردم شماری کے تجزیئے کے مطابق پانچ سال تک کی عمر کے ہر دس بچوں میں سے ایک مسلمان ہے، قومی اعداد و شمار کے دفتر کے مطابق ساڑھے چار سال تک کی عمر کے کل ساڑھے تین ملین بچوں میں سے تقریبا تین لاکھ بیس ہزار بچے مسلمان ہیں، مسلمان بچوں کی شرح 9 فیصدی ہے، اوکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈیوڈ کولیمن نے کہا کہ مذکورہ اعداد و شمار حیرت انگیز ہے، عرصہ دراز سے انگلستان مسلمانوں کو پناہ دے رہا ہے، پہلے یہاں پاکستان بنگلہ دیش اور ہندوستان سے مسلمان آیا کرتے تھے لیکن اب افریقی ممالک اور مشرق وسطی سے بھی مسلمان انگلستان کا رخ کر رہے ہیں۔ 2013ء کے عالمی داروں کے اعداد و شمار کے مطابق دنیا کی آبادی کا 25 فیصد حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے جس میں آیندہ 20 برس میں 35 فیصد اضافہ ہوجائے گا۔ امریکا میں مسلمانوں کی آبادی 30 لاکھ بتائی گئی جو 2030ء تک بڑھ کر 60 لاکھ 20 ہزار تک پہنچ جائے گی۔ شمالی امریکا مُں 1990 سے 2010ء تک مسلمانوں کی آبادی میں 91 فیصد کی رفتار سے اضافہ ہوا اور مسلم افراد کی تعداد 10 لاکھ 80 ہزار سے بڑھ کر 30 لاکھ 50 ہزار تک پہنچ گئی جبکہ آنے والے بیس سالوں میں شمالی امریکا میں مسلم افراد کی تعداد لاکھ 90 ہزار ہونے کا امکان ہے۔ برطانیہ میں مسلمانوں کی آبادی 20 لاکھ 80

ہزار سے بڑھ کر 50 لاکھ 60 ہزار اور فرانس میں 40 لاکھ 70 ہزار سے بڑھ کر 3060 لاکھ 90 ہزار کے قریب پہنچ جائے گی جبکہ فرانس میں اس وقت بھی مساجد کی تعداد کھتولک چرچ سے زائد ہے۔ 2010ء تک یورپ میں مسلمانوں کی آبادی 5 کروڑ کے قریب تھی جو 2030 تک بڑھ کر 6 کروڑ کے قریب پہنچ جائے گی۔ فورم آن ریلیجن اینڈ پبلک لائف نامی ایک امریکی ادارے کی جانب سے بین المذاہب شرح آبادی کا ایک سروے کیا گیا جس کے مطابق 2030ء میں جب دنیا کی آبادی تقریبا 8 ارب 3 کروڑ سے تجاوز کر جائے گی تو اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی آبادی 2 ارب 20 کروڑ ہو گی۔

ذرائع ابلاغ اور سوشل میڈیا کی وجہ سے دنیا سمٹ گئی ہے اور انسانوں کا آپس میں رابطہ اور حال احوال بہت سہل ہوگیا ہے اس لئے دنیا جہاں ایک جیب میں جگہ پا لیتی ہے تو اب کسی کیلیے حقائق کو جاننا مشکل نہیں رہا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف مغربی میڈیا کا پروپیگنڈا تمام تر وسائل کے باوجود بے اثر ہو رہا ہے، جس کی تازہ مثال غزہ میں مغربی میڈیا کا جانبدارانہ رویہ تھا جس میں دنیا کو یکطرفہ خبر جار جا رہی تھی، لیکن جب سوشل میڈیا کے توسط سے اصل حقائق اور تصاویر منظر عام پر آئیں تو سچ کو لاکھ چھپانے کے باوجود ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور مغرب کو شرمندگی ملی۔ اسلام فوبیا کے شکار، انتہا پسند عناصر کی جانب سے مساجد پر حملے، گستاخانہ خاکے، نعوذ باللہ توہین رسالت ﷺ اور قرآن کریم کی بے حرمتی جیسے

واقعات کو اظہار رائے آزادی کا نام دیکر مسلم امہ کے خلاف نفرت کو پروان چڑھانے کا موقع مغرب نے خود فراہم کیا، جس کے بعد ان ممالک نے پڑھی لکھی عوام نے از خود اسلام کا مطالعہ شروع کیا اور روشنی حاصل کرنے والوں کو اللہ تعالی نے راستہ دکھایا کہ اب یہ کہا جارہا ہے اگلے چند سالوں میں یورپ مسلمانوں کے زیر نگیں اس لئے ہو جائے گا کیونکہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ افکار سے تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ مسلمانوں کے خلاف یکطرفہ پروپیگنڈا کرکے انھیں شدت پسند، انتہا پسند اور دہشت گرد ثابت کرنے کیلئے بار بار مسلم ممالک میں مہم جوئی کی جاتی ہے لیکن جتنی قوت سے مغرب استعماری قوتیں جارحیت کرتی ہیں انھیں اسی شدت کے ساتھ شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔پاکستان میں جب کسی اقلیت کے خلاف کسی مسلم شخص یا گروہ کے خلاف دانستہ یا نادانستہ کوئی کاروائی ہوجاتی ہے تو سول سوسائٹی سمیت سیاسی و مذہبی جماعتیں تک مذمت میں اتنا آگے چلے جاتے ہیں کہ انھیں پوری دنیا میں مسلمانوں پر ہونے والے ظلم تک دکھائی نہیں دیتے۔ صرف پوائنٹ اسکورنگ کیلئے یا مغرب کی خوشنودی کیلئے اپنی حدود تک پھلانگ جاتے ہیں۔ کسی شخص کے انفرادی فعل کو پوری مسلم امہ پر تھوپنے کی کوشش کی جاتی ہے اور رائی کا پہاڑ بنا کر اسلام مخالف قوتیں اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے کسی کو بھی ،اور کسی بھی واقعے کو استعمال کرتی ہیں۔

فلسفۂ لسانیت و قوم پرستی

دو قومی نظریہ اسلام کا ایک اساسی اصول ہے ۔ ایسے ہم کسی ذات ، نسل کے حوالے سے تصور نہیں کر سکتے ۔ لسانیت یا صوبائیت کے تصور کی وجہ سے مسلمانانِ ہند کیلئے دو قومی نظریہ کے تحت حاصل کردہ مملکت پاکستان کیلئے جہاں قائدا عظم دس تک جد وجہد کرتے رہے تو علامہ اقبال نے دو قومی نظریہ کے مقاصد کیلئے جداگانہ مملکت کا تصور دیا ۔ تشکیل پاکستان کے بعد ، یہاں کے ذمہ دار ابنائے ملت نے اس سے مجرمانہ تغافل برتا ، اور بتدریج اعلانیہ کہا جانے لگا کہ دو قومی نظریہ خود قائدا عظم کے تصور پاکستان کے خلاف ہے۔ روزنامہ آزاد لاہور اشاعت ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۱ء کے اداریئے میں لکھا تھا کہ "پاکستان میں مذہب کی بنیاد پر قوموں کی تخصیص بانی پاکستان کے اصولوں سے بغاوت ہے اور ہمیں حیرت ہے کہ جو لوگ اٹھتے بیٹھتے قائدا عظم کے فرمودات کا درد کرتے رہتے ہیں وہ کس بنا پر پاکستان میں جداگانہ طرز انتخاب کا نعرہ لگا کر پاکستانی قوم کو تقسیم کرنے کی جرات کر سکتے ہیں۔" علامہ اقبال ' قومیت ' کے اس تصور کے خلاف ہیں جس کی بنیاد رنگ ، نسل ، زبان یا وطن پر ہو ، کیونکہ یہ حد بندیاں ایک وسیع انسانی برداری قائم کرنے میں رکاوٹ بنتی ہیں ۔ ان کی ' قومیت ' کے اجزائے ترکیبی وحدت مذہب ، وحدت تمدن و تاریخ ماضی اور پر امید مستقبل ہیں ، جہاں

تک بات مذہب کی جائے تو اسلام اس ملت کی اساس ہے اور اسلام کا سب سے بڑا اور بنیادی اصول توحید خدا ملی وحدت کا ضامن ہے اس کا دوسرا رکن رسالت ہے اور یہی دونوں اساس ملت ہیں، نہ کہ وطن جو جنگ اور ملک گیری کی ہوس پیدا کرتا ہے۔ علامہ اقبال نے ہمیشہ اپنی تحریروں میں ملت بمعنی قوم استعمال کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ "ان گزارشات سے میرا مقصد یہ ہے کہ جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں، قرآن کریم میں مسلمانوں کیلئے" امت "کے سوا کوئی لفظ نہیں آیا ہے،" قوم "رجال کی جماعت کا نام ہے ۔ یہ جماعت بااعتبار قبیلہ، نسل، رنگ، زبان، وطن اور اخلاق ہزار جگہ اور ہزار رنگ میں پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن "ملت "سب جماعتوں کو تراش کر ایک نیا اور مشترک گروہ بنائے گی۔ گویا "ملت "یا "امت "جاذب ہے اقوام کی، خود ان میں جذب نہیں ہوتی"۔

روزنامہ مساوات اپنی ۲۸ اکتوبر ۱۹۷۱ء کی اشاعت کے مقالۂ افتتاحیہ میں لکھتا ہے کہ "پاکستان کے تمام باشندے ایک ہی پاکستانی قوم کے فرزند ہیں اور اس لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ "جس کا جواب معاصرِ نوائے وقت نے اس طرح دیا تھا کہ "پاکستان میں صرف ایک قوم ہے اور وہ صرف مسلمانوں پر مشتمل ہے، باقی تمام غیر مسلم پاکستان کے شہری ہیں۔ "حالاں کہ روزنامہ مساوات اس سے قبل لکھ چکا تھا کہ پاکستان اس دو قومی نظریئے کی پیداوار ہے جسے برصغیر پاک و ہند میں سراج الدولہ " سے لیکر قائداعظم تک ہمارے اکابر نے اپنے خون

اور پسینے سے سینچا، دو قومی نظریہ ہی تھا جس نے ایک ملک کو دو مختار مملکتوں میں بانٹ کر دنیا کا جغرافیہ بدل دیا اور ہندوستان میں بسنے والی ایک اقلیت کو دنیا کے سب سے بڑے اسلامی ملک کا وارث بنا دیا۔" پاکستان کسی بھی نسل، ذات، لسانی یا صوبائی اکائی کی متروکہ میراث نہیں ہے بلکہ پاکستان بجا طور پر قائداعظم کی میراث ہے، لیکن قائد اعظم کی اصل میراث دو قومی نظریہ ہے جس نے پاکستان کو جنم دیا اور جو خود انہیں ٹیپو سلطان، سید احمد شہید، سید احمد خاں فاتح دیر عمرا خان جندول، فاتح میوند محمد ایوب، محمد علی جوہر، ، حاجی صاحب ترنگزئی، خوشحال خان خٹک اور اقبال سے ورثے سے ملا تھا اگر اس دو قومی نظریئے کو لسانیت، نسلی عصبیت، صوبائیت یا فرقہ وارنہ تناظر میں لیا جائے تو دو قومی نظریہ پر زد پڑتی ہے اور پاکستان کے تما وجود کی بنیاد ہی ڈھے جاتی ہے اور ہماری جداگانہ قومیت کے نیچے سے زمین سرک جاتی ہے۔

طاہر فاروقی "سیرت اقبال" میں لکھتے ہیں کہ "وطنیت کا وہ نظریہ جس کی تبلیغ سیاست مغرب کی طرف سے آئی ہے، آپ اس کے شدید مخالف ہیں اور اقوام و عمل کے حق میں اس کو سم قاتل خیال کرتے ہیں لیکن وطنیت کا یہ مفہوم کہ ہندی، عراقی، خراسانی افغانی، روسی، مصری وغیرہ ہونے کے اعتبار سے ہر فرد کو اپنے وطن ولادت سے، تعلق اور نسبت ہے اور اسی لئے اس کو اپنے وطن کی خدمت

کرنی چاہیے اور قربانیوں سے دریغ نہ کرنا چاہیے ۔ اس کے آپ قائل اور معترف ہیں۔

یہ ہندی ، وہ خراسانی ، یہ افغانی ، وہ تورانی

تو اے شرمندہ ساحل ، اچھل کر بیکراں ہو جا

علامہ اقبال نے مارچ 1938ء میں ایک مضمون لکھا جس میں وطینت کے مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ بحث کی تھی اور یہ بتایا تھا کہ وہ کس قسم کی وطینت کے مخالف ہیں اقبال لکھتے ہیں ۔ "میں نظریہ وطینت کی تردید اس زمانہ سے کر رہا ہوں جبکہ دنیائے اسلام اور ہندوستان میں اس نظریہ کا کچھ ایسا چرچا بھی نہ تھا مجھ کو یورپین مصنفوں کی تحریروں سے ابتدا ہی سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی تھی کہ یورپ کی دلی اغراض اس امر کی متقاضی ہیں کہ اسلام کی وحدت دینی کو پارہ پارہ کرنے کیلئے اس سے بہتر کوئی حربہ نہیں کہ اسلامی ممالک میں نیرنگی نظریہ وطنیت کی اشاعت کیجائے ، چنانچہ ان لوگوں کی یہ تدبیر جنگ عظیم میں کامیاب ہو گئی۔اقبال مزید لکھتے ہیں کہ " بعض مسلمان علما اس فریب میں بتلا ہیں کہ "دین "اور" وطن". بحیثیت ایک اسی تصور کے یکجا رہ سکتے ہیں تو میں مسلمانوں کو ہر وقت انتباہ کرتا ہوں کہ اس راہ سے آخری مرحلہ اول تو لادینی ہو گی اور اگر لادینی نہیں تو اسلام کو محض ایک اخلاقی نظریہ سمجھ کر اس کے اجتماعی نظام سے لاپرواہی۔ "

انسانی فکریت اور بت پرستی کی ایسی خو گر رہی ہے کہ جب ایک بت ٹوٹ جاتا ہے تو دوسرا نیا بت تراش لیتی ہے ، نت نئے بت تراشنے کا سلسلہ قدیم زمانہ کی طرح آج بھی جاری ہے ۔ ان بتوں کی شکلیں تھوڑی بہت بدل گئی ہوں تو بدل گئی ہوں ، ورنہ ان میں کوئی فرق نہیں ہے ، آج انسانی گروہوں نے وطینت کا نیا بت تراشا ہے ، جس کے آگے وہ سربسجود ہیں ۔ اس بت پر بلا تکلف وتامل انسانیت کو بھینٹ چڑھایا جارہا ہے ، چنانچہ اقبال کا دعوی ہے کہ جس طرح دوسرے بت توڑے گئے ضرور ہے کہ اب اس بت کو بھی توڑا جائے تاکہ انسانیت کی گلو خلاصی ہو۔

اقبال کا خیال ہے کہ جدید دور میں سامراجی ملوکیت وطینت کے سیاسی تصور کا ہی کرشمہ ہے اس لئے وہ اس تصور کے اس پہلو کو بھی شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ڈاکٹر یوس حسین اپنی کتاب "روح اقبال" میں لکھتے ہیں۔ "اقبال ملوکیت یا امپریلزم کو 'جارحانہ وطینت' ہی کا ایک شاخسانہ تصور کرتا ہے اور اس کو اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی رد خیال کرتا ہے ، قومیت کے علمبرداروں کا نظریہ 'میرا وطن غلط ہو تو بھی صحیح ہے' ہے۔"

پاکستان میں شناخت کیلئے صرف ایک ہی اصول اپنانے کی ضرورت ہے جس کے تحت

پاکستان کا حصول ممکن بنایا گیا، اگر دو قومی نظریہ کا وجود نہیں تھا تو پاکستان کے قیام کیلئے اتنی جد وجہد کی کیا ضرورت تھی ۔ ہندوستان میں بھی نماز روزے، زکوۃ اور حج کئے جاتے رہے ہیں اور اب بھی پاکستان سے زیادہ مسلمان وہاں رہتے ہیں، جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وطن کی بنیاد پر قوم کا تصور بنتا ہے تو پاکستان کے قیام کے نظریئے کو سامنے رکھتے ہوئے کہنا پڑے گا کہ وہ دو قومی نظریہ کے موید نہیں، دو قومی نظریہ کے معنی یہ ہیں کہ پاکستانی قوم صرف یہاں کے مسلمان باشندوں پر مشتمل ہے غیر مسلم اس قوم کا حصہ نہیں اس لئے نہ وہ یہاں کسمبلیوں کے ممبر بن سکتے ہیں ، نہ امور مملکت میں شریک کئے جا سکتے ہیں۔ دو قومی نظریئے پر اعتراض کیا جاتا ہے لیکن یہ ضروری سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام نے جتنے حقوق با حیثیت انسان سب کو دیئے ہیں اسی طرح غیر مسلموں کو وہ تمام حقوق حاصل ہیں جو اسلام انھیں دیتا ہے ، لیکن پاکستان میں دو قومی نظریہ کی جو درگت بنائی جا رہی ہے وہ ایک المیہ ہے۔ مسلم اور غیر مسلم کا فرق مٹتا جا رہا ہے، پاکستان کا نام اسلامی بھی ہے اور جمہوریہ بھی ہے ، دو کشتیوں کی اس سواری میں پاکستان کے شہریوں کو آدھا تیتر آدھا بٹیر بنا دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں مذہبی فرقہ ورانہ کشیدگیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور شدت پسندی کا طوفان تھمنے کے بجائے بڑھتا جا رہا ہے۔ کیا کوئی اس بات کو ثابت کر سکتا ہے کہ پاکستان میں اگر سب مذہبی اکائیاں، مسلم قوم کے تصور کے مطابق تھے تو پاکستان کیوں حاصل کیا

گیا، شناخت، حقوق اور وسائل پر اختیار آج ہندوستان میں پاکستان سے زیادہ ہے، تو کیا پاکستان کا حصول وطنیت کے اصول کے تحت تھا؟۔ اگر ایسا تھا تو پاکستان بنانے کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی، اور بھارت اکھنڈ بھارت کے سپنے نہیں دیکھتا۔ پاکستان میں رہنے والے تمام مسلم باشندے ایک قوم اور غیر مسلم پاکستان کے شہری ہیں اور غیر مسلموں کو وہ تمام حقوق جو اسلام نے دیئے وہ حاصل ہیں۔

قائداعظم اور اقلیتوں کے حقوق

کیا ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مذہب یا سیاست کوئی نجی معاملہ ہے ؟ یا پھر کچھ عناصر چاہتے ہیں کہ جس طرح مسیحیت، مغرب کے تخیل کے تحت منتشر ہوئی ، اسلام بطور ایک اخلاقی تخیل کے تو برقرار رہے لیکن اس کے نظامِ سیاست میں فروعی خواہشات شامل ہوں۔ پاکستان کی اساس اور موجودہ پاکستانی ماحول میں فرقہ واریت ولسانیت کا عنصر ،بڑی تیزی سے فروغ پا رہا ہے۔ پاکستان کو بہ حیثیت منظم ریاست کے تصوراتی رہنما ڈاکٹر اقبال کا ماننا تھا کہ "میں صرف ہندوستان اور اسلام کی فلاح و بہبود کے خیال سے ایک منظم اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کر رہا ہوں ۔" ڈاکٹر علامہ اقبال نے جناح کو مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کو ایک مکتوب میں لکھا ."لیگ کو آخر العمل یہ طے کرنا ہوگا کہ وہ ایک ایسی جماعت رہنا چاہتی ہے ، جو صرف مسلمانوں کے اعلی طبقہ کی نمائندگی کرے یا وہ عوام کی نمائندگی کرنا چاہتی ہے۔ ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ کوئی سیاسی جماعت ،جو مسلمانوں کے متوسط طبقہ کی مرفہ الحالی کا وعدہ نہیں دے سکتی ، عوام کیلئے کبھی جاذبِ نگاہ نہیں بن سکے گی۔ "علامہ اقبال اس بات کو بخوبی سمجھتے تھے کہ اسلام کی بنیادی حقیقت کو کس طرح عوام الناس تک پہنچانا ہے اور وہ عمر بھر اسی حقیقت کو پیش کرنے میں جتے رہے ، لیکن یہ احساس بھی ان

کے دل میں برابر کھٹک پیدا کر رہا تھا کہ ان کے بعد ہندوستان میں ان نظریات کو عملی طور پر کون آگے بڑھائے گا ؟۔تاریخ نے دیکھا کہ ان کی نگاہ انتخاب اس شخص پر ٹھہری جو عمر بھر نیشنلسٹ رہا اور پھر ہندوستانی سیاست سے مایوس اور دل برداشتہ ہو کر لندن میں خلوت نشین ہو گیا۔محمد علی جناح کو قائداعظم بنانے کیلئے ان کی اس جدوجہد کو انگریز مرتب ہیکٹر بولتھیو نے کچھ یوں ان الفاظوں میں قائداعظم کی سوانح حیات میں بیان کیا ہے کہ "اپنے قیام لندن کے دوران ، مسٹر جناح نے اقبال سے کئی ملاقاتیں کیں وہ ایک دوسرے کے بہت اچھے دوست تھے ، لیکن اس کے باوجود جناح نے اقبال کے دلائل کو فوری طور پر تسلیم نہیں کیا ، اس میں قریب دس سال کا عرصہ لگا۔"اقبال کی ان ہی کاوشوں کے نتیجے میں تصور پاکستان کی اصل حقیقت کو ان سنہری لفظوں میں ۸ مارچ ۱۹۴۴ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ایک تقریر میں کچھ یوں بیان کیا۔"پاکستان کا آغاز اس دن ہو گیا تھا ، جب ہندوستان میں پہلا غیر مسلم مسلمان ہوا تھا ۔یہ اس زمانے کی بات ہے ،جب یہاں ہنوز مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی"۔بات کس قدر واضح ہو چکی تھی جب اس نظریئے کا اظہار کیا گیا کہ ملک میں اس وقت دو قوموں کا وجود عمل میں آگیا جب پہلی بار ایک غیر مسلم ،اسلام لے آیا ۔انہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے بنیادی اختلافات کو ایڈورڈس کالج ، پشاور میں ۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء میں اس طرح بیان کیا کہ "ہم دونوں قوموں میں صرف مذہب کا فرق نہیں ، ہمارا کلچر ایک دوسرے سے الگ ہے ، ہمارا دین ، ہمیں ایک

ایسا ضابطہ حیات دیتا ہے، جو زندگی کے ہر شعبہ میں ہماری راہ نمائی کرتا ہے، ہم، اس ضابطہ کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔" قائداعظم نے ۱۳ جولائی ۱۹۴۷ء کو نامزد گورنر جنرل کی حیثیت سے دہلی کی پریس کانفرنس سے خطاب میں پاکستان میں اقلتیوں کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا "میں ان وعدوں میں سے جو میں نے بارہا اقلیتوں کے بارے کئے ہیں، منحرف نہیں ہونگا، میں نے بارہا اقلیتوں کے بارے میں کہا ہے کہ انہیں پورا پورا تحفظ حاصل ہوگا۔ اقلیتوں کو خواہ وہ کسی جماعت اورفرقے سے متعلق ہوں، بہرطور پوری طرح تحفظ دیا جائے گا، ان کو اپنی مذہبی رسومات وعبادات کی پوری آزادی ہوگی،اس میں کسی قسم کی کوئی مداخلت نہیں کی جاے گی، ان کی جان، ان کے مال اور ان کے تمدن کی پوری حفاظت کی جائے گی اور انہیں بلا تفریق مذہب وملت و رنگ ہر صورت میں پاکستان کا باشندہ تصور کیا جائیگا۔"اب دیکھنا یہ ہوگا کہ اقبال کے خواب کو تعبیر دینے والے جناح کے پاکستان میں کیسے تحفظ مل رہا ہے ؟۔ یقینی طور پر قائداعظم کا پاکستان ایسا نہیں ہے بلکہ جس طرح موجودہ حکومت اور سابقہ ادوار میں پالیساں رہی ہیں وہ اس بات کی عکاسی کرتی ہیں کہ اقتدار پسند ٹولے کو قائداعظم کا پاکستان پسند نہیں ہے، موجودہ سیاسی جماعتوں کی پالیسوں نے پاکستان میں قائداعظم کے تصور اور اقبال کے خواب کو چکنا چور کرکے رکھ دیا ہے، اقلیتوں، کیساتھ کی جانے والی ناانصافیوں ،فرقہ واریت، لسانیت کے فروغ کیساتھ قوموں کے درمیان خلیج پیدا

کرنے کیلیئے بعض سیاسی جماعتوں کے کردار کو پاکستان کی تاریخ میں ہمیشہ کالے حروف سے لکھا جائے گا۔ مقام افسوس ہے کہ ملکی یکجہتی اور اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی پالیسی رکھنے والی پارٹیوں نے اقتدار کیلیئے جہاں مفاداتی مفاہمتی پالیسی سے ، نا قابل تلافی نقصان پاکستان کو پہنچایا تو دوسری جانب پاکستان کی نظریاتی اساس کے خالقوں پر ملک توڑنے والوں کو ترجیح دی جارہی ہے ، یہ انتہائی افسوس اور شرم کا مقام ہے۔ پاکستان بنانے کیلیئے اقبال اور قائدا عظم نے دو قومی نظریہ پر امت مسلمہ کو یکجا کیا اور پوری دنیا سے منوایا کہ پاکستان کا مقصد ، ایسے معاشرے کی تخلیق ہے جہاں ، مسلمانوں کو تو حقوق حاصل ہوں ہی، لیکن اس کیساتھ ساتھ غیر مسلم (اقلیت) اور مختلف فرقوں کے افراد کو بھی اپنے مسالک پر مکمل مذہبی آزادی ہو ، لیکن پاکستان کو اس کا اصل تشخص دلانے کے بجائے بعض جماعتیں جو کھیلوار کر رہی ہیں ، اس نے پاکستان کی اساس پر براہ راست حملہ کرکے ، پاکستانی عوام کو اقلیت میں اور اقتدار پرستوں کو اکثریت میں تبدیل کردیاہے۔ محسن اعظم قائدا عظم محمد علی جناح کے پاکستان کو کرم خوردہ بنانے کے بعد بھی نئے پاکستان کے نام پر کبھی نصابوں میں تبدیلی تو کبھی پاکستان کی اساس و نظریاتی سوچ کی تبدیلی کی کوشش کرنے والے عناصرپاکستان کے ترقی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جس کے نتائج اور خمیازہ آنے والی نسلوں کو بھگتنا پڑے گا ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے انداز فکر کو اسی پاکستان کی نظریاتی اساس

کے سانچے میں ڈھالیں جو ہمیں محسن اعظم قائد اعظم کی کوششوں سے پاکستان کی صورت میں ملا، اگر خود ساختہ نظاموں کے نام پر پاکستان کے ساتھ مسلسل چھیڑ خوانی کا سلسلہ جاری رہا تو اس سے مفاد پرستوں کے عزائم تو کامیاب ہو سکتے ہیں لیکن وہ صرف عارضی معیاد تک ہیں، لیکن عوام نے ان مفاد پرستوں کو نہیں پہچانا تو پھر یہ عارضی معیاد خود ان کی تباہی کا طویل راستہ متعین کر دے گا اور ماسوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں ملے گا۔

قیدی، بچے، جیل اور فالج زدہ حکام

پاکستان کی جیلوں اور پولیس حراست میں کم عمر بچوں کو بڑی عمر کے قیدیوں کیساتھ رکھنے کا نام کیا انصاف کا نظام ہے؟۔پاکستانی جیلوں میں سات سال کی عمر سے لیکر ماں کی آغوش میں دنیاکے درپیش مسائل سے معصوم بچے ناآشنا قیدی بھی ہیں۔ گذشتہ دنوں اعلی عدلیہ نے ایک قیدی خاتون کی دہائی پر نوٹس لیا تھا کہ جیلوں میں قید بچوں کو پولیو ویکسین نہ پلائے جانے کا سبب اس کا بچہ پولیو کا شکار ہوگیا ہے۔پاکستان میں عدالتی نظام میں اصلاحات کی جس قدر ضرورت ہے اسے اتنا ہی نظر انداز کیا جاتا ہے۔اہم امر یہ ہے کہ نابالغ بچوں کے معاملات کو سنجیدگی سے نہیں لیا جاتا کیونکہ ان کے حقوق کیلئے آواز اٹھانے والا ہی کوئی نہیں ہے،پاکستان قانون کے مطابق بچوں کو ہتھکڑیاں نہیں لگائی جاسکتی لیکن ان بچوں کو رشوت کی حصولی کیلئے بڑی عمر کے قیدیوں کیساتھ ہتھکڑیوں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔جیلوں میں قید بچوں کی حالت کافی تشویش ناک حد تک قابل رحم ہے۔ایک جائزے کے مطابق ستر فیصد بچوں کو پولیس حراست میں تشدد کا جہاں نشانہ بنایا جاتا ہے تو جیلوں میں عدالتی تحویل کے دوران تشدد بچوں کیساتھ زیادتی کے واقعات بھی کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔حیدرآباد جیل میں سرچ آپریشن کے دوران خطرناک قیدیوں کی بیرکوں سے ایسے بچوں کو بھی بازیاب کرائے

گئے تھے جنھیں جیل انتظامیہ کی ملی بھگت کرکے جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ جسٹس صبیح الدین کی سربراہی میں سندھ ہائی کورٹ نے قیدی بچوں کے حوالے سے نوٹس لیا تھا تو انھیں بتایا گیا کہ سندھ کی بیس جیلوں میں صرف کراچی اور حیدرآباد میں بچوں کیلئے دو جیلیں قائم ہیں۔ جس میں 18 سال سے کم عمر 600 قیدی بچے قید ہیں اور 562 قیدی بچوں کے مقدمات زیر سماعت ہیں اور صرف 38 بچوں کو سزا سنائی گئیں ہیں۔ سندھ ہائی کورٹ میں کیس کی سماعت میں ثابت ہوا تھا کہ قیدی بچوں کو عام بیرکوں میں رکھا جاتا ہے جس پر سندھ ہائی کورٹ نے ہدایات جاری کیں تھیں کہ 2000ء میں نافذ ہونے والے جوونائل جسٹس سسٹم بھی عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے اُس وقت کے ایڈیشنل سیکرٹری داخلہ آصف حیدر نے بتایا تھا کہ قیدی بچوں کیلئے علیحدہ جیلوں کے قیام کے سلسلے میں طویل المدت منصوبہ بندی کی جائے کہ کہاں کہاں جیلیں یا انڈسٹریل سکول بنائے جاسکتے ہیں اور ان کی معیاری شکل کیا ہوگی لیکن تاحال اس پر کتنا عمل درآمد ہوا ہے یہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اسی طرح کم عمر بچیوں کو بھی ایسی خواتین قیدیوں کیساتھ رکھا جاتا ہے جہاں وہ منشیات کی عادی ہو رہی ہیں۔ قابل ذکر افسوس ناک صورتحال یہ بھی ہے کہ ماتحت عدالتوں میں مقدمات چلنے کی رفتار انتہائی سست ہوتی ہے جس بنا پر انھیں انصاف مہیا نہیں ہوپاتا۔ پاکستانی جیلوں میں گنجائش سے زیادہ قیدی ہونے کی ایک بنیادی وجہ ماتحت عدالتوں میں چلنے والے کچھوے کی چال سے بھی سست مقدمات کی شنوائی ہے۔ حد تو

یہ ہے کہ جیل کے قوانین کے مطابق سزائے موت کے قیدی کی کوٹھری دس ضرب بارہ فٹ کے رقبہ کی ہوتی ہے جس میں صرف ایک قیدی کو رکھے جانے کی اجازت ہے لیکن جگہ کی کمی کے سبب ایک سے زیادہ قیدیوں کو ان کوٹھریوں میں رکھا جاتا ہے۔ملک بھر کی ستاسی جیلوں میں بنائے گئے ڈیتھ سیل میں ایک یا دو کے بجائے پانچ سے سات افراد کو رکھا جاتا ہے۔اس دوران یہ بھی دیکھا گیا کہ سزائے موقت کے قانون پر عمل درآمد روکے جانے کے سبب موت کی سزا پانے والے قیدیوں کو عام قیدیوں کے ساتھ رکھنے پر بھی غور کیا گیا،سابق وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کی جانب سے سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کرنے کی قانون سازی کی کوشش نے مقتولین کے ورثا کے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا تھااور آج تک انکی سزاؤں پر عمل درآمد نہیں ہو رہا تو ایسے عمل خطرناک قیدی ، دیگر جرائم پیشہ قیدیوں کی حوصلہ افزائی کا سبب بھی بنتے ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ موت کی سزا پانے والوں کی تعداد ہزاروں کی تعداد میں ہے ، گذشتہ سالوں میں دس ہزار سے زاید قیدیوں کو پھانسی کی سزا سنائی جاچکی ہے صرف صوبہ16 پنجاب کی بتیس جیلوں میں موت کی سزپانے والوں قیدیوں کی تعداد سات ہزار سے زیادہ تھی جبکہ ہزاروں ایسے قیدی ہیں جن کی اپیلیں مختلف عدالتوں میں زیر التوا ہیں۔ صدر مشرف کے آٹھ سالہ دور میں 412 قیدیوں کو پھانسی دی گئی تھی صرف 2007 میں

افراد کو پھانسی دی گئی جس پر ہومن رائٹس کمیشن نے کافی واویلا کیا جس کے 124 بعد پھانسی کی سزاؤں پر عمل درآمد روک دیا گیا 26 سال سے جیل ریفارمز سے متعلق کمیٹیاں بنائی جاتی رہی ہیں جو متعلقہ جیل حکام کے ساتھ ملکر سفارشات مرتب کرتی ہے لیکن دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ صوبائی حکومتیں اس پر عمل درآمد نہیں کرتی اور تمام سفارشات سرد خانے کا شکار ہوجاتی ہیں۔ سابق وزیر قانون فاروق ایچ نائیک نے قیدیوں کیلئے بنائے گئے قوانین میں ترمیم کرکے اس کا نام ' اصلاحی سینٹر ' رکھنے کے بارے میں قانونی ماہرین کی آرا سے مدد لیکر قانون سازی کرنے کا دعوی کیا تھا لیکن اس کا حال بھی ریفامرز کمیٹیوں کی طرح ہی ہوا۔ تمام حکومتیں یہ دعوی تو کرتی نظرآتی ہیں کہ قیدیوں کے بارے میں ایسے قوانین بنائے جائیں گے تاکہ قیدی احساس کمتری کا شکار نہ ہوں اور ان قیدیوں کو دوران قید ایسی سہولتیں فراہم کی جائیں گی تاکہ اسیری بعد وہ معاشرے کا فعال شہری بن سکیں لیکن اس کے برخلاف جیلوں کی حالت زار کے سبب اس کا رویہ انتقامی ہوجاتا ہے اور وہ معاشرے کا بامقصد فرد بننے کے بجائے جیل میں حاصل تجربات اور جرائم پیشہ افراد سے رابطوں کے سبب مزید مسائل کا شکار ہوتا چلا جاتا ہے۔ 2013ء میں ہومن رائیٹس لمیشن نے ایک رپورٹ جاری کی تھی جس کے مطابق پاکستان کی جیلوں میں 75444 قیدی مقید تھے جبکہ گنجائش 44578 قیدیوں کی تھی جبکہ ملک بھر میں 1289 بچے بھی جیلوں میں تھے اور انکے مقدمات زیادہ ترزیر سماعت تھے نیز 59 قیدی ہلاک اور 81 زخمی ہوئے۔ یہاں اس بات

کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مسلمان قیدیوں کو مختلف مذہبی اور قومی تہواروں کے ساتھ مسلمان قیدیوں کو قرآن کورسز پاس کرنے میں رعایت کا قانون موجود ہے لیکن اقلیتی مذاہب کے قیدیوں کو بائیبل اور گیتا کی تعلیم پر قید میں رعایت دینے پر بھی کماحقہ عمل درآمد نہیں ہوتا، خاص کر عیدین میں رعایت کا فائدہ مسلم وغیر مسلم دونوں پر ہوتا ہے لیکن ایسے کئی قیدی اب بھی پابند سلال ہیں جنھیں مختلف مذہبی اور قومی تہواروں پر رعایت نہ ملنے سبب کے اسیری کی زندگی گذار رہے ہیں۔ 2008ء میں پانچ ہزار قیدیوں کو رہا کیا گیا تھا، اس رعایت کا اطلاق معمولی جرائم میں سزا پانے والے قیدیوں پر ہوتا ہے، لیکن بد قسمتی سے قیدیوں کو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا بلکہ قیدیوں کو معاشرے کا کارآمد فرد بنانے کے بجائے محکمہ جیل خانہ جات اقربا پروری اور رشوت پر کامل یقین رکھتا ہے۔ سپریم کورٹ نے سینئرز کو نظرانداز کرکے جونیئر افسران کو ترقیاں دینے کا نوٹس لیکر احکامات دیئے تھے، جس پر حکومت سندھ نے 22 اپریل 2013ء کو جاری کردہ لیٹر کے تحت محکمہ جیل خانہ جات سمیت دیگر محکموں کو او پی ایس پر تعینات افسران کو ہٹا کر سینارٹی کی بنیاد پر تقرریوں کے احکامات جاری کئے تھے جس پر آئی جی جیل خانہ جات نے سیکرٹری داخلہ سندھ کے احکامات پر 14 مئی 2014ء کو گریڈ 17 کے گیارہ افسران جو او پی ایس پر گریڈ 18 میں کام کر رہے تھے انہیں عہدوں سے ہٹا کر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل کے عہدوں پر تعینات کے احکامات جاری کئے تھے۔ لیکن سپریم

کورٹ کے احکامات کے باوجود سرکاری فائلوں میں تو ان پر کاروائی کی گئی لیکن ہنوز یہی افسران بدستور ان عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔اسی طرح پریزن اسٹاف ٹریننگ انسٹیٹیوٹ کے پرنسپل کی پوسٹیں ریکارڈ پر تو خالی ہیں لیکن ان عہدوں پر بھی منظور نظر جوئینئر افسران اور ریٹائرڈ کنٹریکٹ پر تعینات کم گریڈ کے افسران سنیارٹی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کام کر رہے ہیں۔ کچھ ایسی ہی صورتحال اہم جیلوں میں ایسے جونئیر افسران کی ہے جو سپریم کورٹ کے احکامات کو پس زندان ڈال کر سینارٹی پوسٹ پر کام کررہے ہیں۔ایک دلچسپ پوسٹ ڈسٹرکٹ جیل ملیر کراچی کے سپرنٹنڈنٹ کی ہے جو کافی عرصہ سے اسی جیل میں تعینات ہیں اور فالج کیوجہ سے چلنے پھرنے سے قطعی قاصر ہیں جیلوں کی حفاظت کی ذمے داری جب نا تجربہ کار جونئیرز افسران کو دی جائے گی تو حساس اور اہم جیلوں کے توڑے جانے کی سازشیں کامیاب ہوتی رہیں گی اور ان کا نزلہ اُن ناپرساں قیدیوں پر گرتا رہے گا جو انھیں بھاری رشوت نہیں دے سکتے اور جیل میں سہولیات حاصل کرنے کیلیۓ انکے مطالبات پورے نہیں کر سکتے سپریم کورٹ کو جونئیرز افسران اور فالج کی بیماری کے باوجود اہم جیلوں کی ذمے داریاں سنبھالنے کا نوٹس لینا چاہیے۔ صوبائی حکومتوں کی لاپرواہی مجرمانہ غفلت ہے۔ قانون کتابوں کیلیۓ عمل درآمد کیلیۓ ہوتا ہے۔

(پاکستان کی تشکیل میں اقلیتوں کا کردار (حصہ اول

ہندوستان کے بٹوارے میں سب سے حساس معاملہ بنگال اور پنجاب کی تقسیم سے متعلق تھا۔ پنجاب کی تقسیم کی مخالف مسلم لیگ کا موقف رہا تھا کہ پاکستان کے دو قومی نظریئے کیلئے ضروری ہے کہ ایسے کرم خوردہ پاکستان نہ دیا جائے ، لیکن دوسری جانب بنگال اور پنجاب کے حوالے سے قائداعظم کو یہی اطلاعات فراہم کیں جارہی تھیں کہ پنجاب اور بنگال کو تقسیم ہوگا جس طرح ہندوستان تقسیم کیا جائیگا۔ انگریز اور کانگریس یہ سمجھتی تھی کہ کٹا پٹا پاکستان دینے سے پاکستان اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوسکے گا اور بہت جلد وہ مجبور ہوگا کہ بھارت کے ساتھ مل جائے ۔ بنگال کے تذکرے سے پہلے پنجاب کا تذکرہ ضروری ہے کیونکہ فی الوقت پنجاب پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے اور تمام سیاسی جماعتوں کی مکمل توجہ تخت لاہور پر قبضہ کیلئے مرکوز ہوتی ہے۔ قیام پاکستان سے قبل ہندوستان ٹائمز میں ایک آرٹیکل شایع ہوا جس میں وائسرے ماؤنٹ بیٹن پر الزام عائد کیا کہ وہ پنجاب تقسیم کرنے کی سازش کر رہا ہے اور وائسرے نے تاج برطانیہ سے پنجاب تقسیم کرنے کی سفارش کی ہے۔ وائسرے ماؤنٹ بیٹن نے اس کی وضاحت دیتے ہوئے کہا کہ مہاراجہ پٹیالہ گذشتہ ہفتے ان سے ملنے کیلئے آئے تھے کہ اس پر سکھ رہنما بہت مضطرب ہیں کونکہ اس پر عمل درآمد ہونے کی صورت میں ' سکھستان' کا تصور

پاش پاش ہو جائے گا اور سکھ تقسیم ہو جائیں گے ، سکھ ، بیس لاکھ مشرقی پنجاب کے حصہ میں آئیں گے اور اٹھارہ لاکھ مغربی پنجاب کے حصہ میں ۔ حقایق دراصل یہ تھے کہ کانگریس کسی صورت نہیں چاہتی تھی کہ مکمل پنجاب پاکستان کے حصے میں آئے ، کانگریس نے وائسرے ہند ماؤنٹ بیٹن سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ ایسے اقدامات کرے ، جس سے یہ امر یقینی ہو جائے کہ غیر مسلم اکثریتی کوئی علاقہ پاکستان میں شامل نہیں ہو پائے ، حالاں کہ پنجاب کے ۲۹ اضلاع میں سے صرف 3 ایسے اضلاع تھے جن میں غیر مسلم اکثریت میں تھے ، لیکن اس میں بھی سکھوں کو پھر بھی اکثریت حاصل نہیں تھی علاوہ ازیں مغربی پنجاب کے 7 اضلاع میں ہندو و سکھ کو ملا کر بھی اکثریت نہیں بنتی تھی ۔ مہاراجہ پٹیالہ اس تمام صورتحال پر فکر مند تھے اور انھوں نے سکھوں کی جانب سے جنگ کی دھمکی بھی دی جس پر انگریز حکومت کا پہلا موقف یہی تھا کہ اگر سکھ جنگ کریں گے تو ان کے سامنے گورنمنٹ کھڑی ہو گی ، اس ملاقات کے بعد سردار بلدیو سنگھ نے انگریز حکومت پر دباؤ ڈالا کہ حد بندی کیلئے جائیداد کو غیر منقولہ کا معیار بنایا جائے اور اس کے لئے سکھوں کے مقدس مقامات اور مفادات کو ملحوظ خاطر رکھا جائے ، وائسرے ہند کے علم میں تھا کہ اگر مغربی پنجاب کو محض جائیداد کی ملکیت اور مذہبی بنیادوں پر سکھ ، ہندو اور کانگریس کی بالادستی میں دینے کی کوشش کی گئی تو عالمی رائے عامہ اس کے مخالف ہو سکتی ہے ، لیکن ایسا ہوا نہیں ۔ انگریز حکومت کا پہل منصوبہ یہی تھا کہ پنجاب کو تقسیم نہیں ہونے دیا

جائے اور اس حوالے سے ان کی میٹنگز میں رائے بھی یہی تھی کہ پنجاب کی تمام سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کو بلا کر مخلوط حکومت بنانے کی کوشش کی جائے اور اگر اس منصوبے میں کامیابی نہیں ہوتی تو پھر الگ الگ حکومت بنا دی جائے لیکن اس عمل کو پنجاب کیلئے تباہ کن قرار دیا گیا۔

قائد اعظم محمد علی جناح پاکستان کے حصول میں مکمل پنجاب کو شامل کرنے کے خواہاں تھے لیکن سکھوں نے پنجاب کی تقسیم کے حوالے سے مطالبے شروع کر دیئے اور کانگریس نے ان کی حمایت کا اعلان بھی کر دیا۔کانگریس کی جانب سے پنڈت نہرو نے اس بات پر اتفاق کیا تھا کہ ابتدائی حد بندی مسلم اور غیر مسلم اکثریتی علاقوں کے درمیان ہوگی اور اس بات پر بھی اتفاق کر لیا تھا کہ غیر منقولہ جائیداد کی ملکیت تقسیم کی بنیاد نہیں ہوگی لیکن سب سے اہم مسئلہ یہی درپیش تھا کہ سکھوں کے مذہبی مقامات مسلم اکثریتی، والے علاقوں میں تھے، خاص طور پر سکھوں کے اصل مذہبی مقام امرتسر کے حوالے سے کانگریس کا دباؤ تھا کہ یہ ہر صورت سکھوں کو ہی ملنا چاہیے۔حالاں کہ مسلمان پورے اضلاع میں پھیلے ہوئے تھے۔یہاں شمالی مغربی سرحدی صوبہ کی طرح رائے شماری کے ذریعے عوام سے رائے لینے کے لئے انگریز حکومت تیار نہیں تھی جبکہ شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں ریفرنڈم کے ذریعے پاکستان یا ہندوستان میں شمولیت کی رائے معلوم کیا جانا طے کر لیا گیا تھا حالاں کہ اس صوبے میں خدائی خدمت گاروں کی

کانگریسی حکومت تھی لیکن قائدا عظم چاہتے تھے کہ دفعہ 93نافذ کرکے ریفرنڈم کرایا جائے۔ سر دست اس وقت پنجاب کی تقسیم کے حوالے سے اس طویل تمہید کے اغراض کو مقاصد کو سامنے لانا تھا کہ پاکستان کے قیام میں باونڈری کمیشن نے بنگال، پنجاب کے معاملے میں ناانصافی کا ایسا سیاہ کردار ادا کیا جو تاریخ کا سیاہ باب بن چکا ہے اور بھارت، پاکستان کے درمیان مسلسل کشیدگی کا اہم سبب بھی ہے۔ اصولی طور پر مکمل پنجاب کو پاکستان میں شامل ہونا چاہیے تھا کہ تشدد کی سیاست اور کانگریس کی سازشوں کی سبب ممکن نہیں ہوسکا کیونکہ پنجاب کی تقسیم میں آب پاشی کے نظام کی تقسیم انتہائی نازک مرحلہ تھا جبکہ کلکتہ کو ہندوستان میں شامل کرنے کیلئے بنگال کی تقسیم کا منصوبہ بنایا جاچکا تھا۔ صوبہ سرحد میں 70فیصد مسلم آباد تھے، اس کے باوجود مسلم لیگ کو انتخابات میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی تھی اس لئے خدشات سامنے رکھے گئے تھے کہ قبائل ہندوؤں کی بالادستی کو قبول نہیں کریں گے کیونکہ ہندوستان کی حکومت، ہندو گورنمنٹ ہوگی، دوئم باچا خان کی اس تجویز کو بھی قبول نہیں کیا جاسکتا تھا کہ اس خطے کی عوام کو اس بات کا اختیار دیا جائے کہ وہ آزاد ریاست کے طور بھی رہنا چاہتے ہیں کہ نہیں، لیکن تقسیم ہندوستان کے فارمولے میں یہ بات نہیں رکھی گئی بلکہ صرف پاکستان یا ہندوستان کی شرط تھی جس کی وجہ سے خدائی خدمتگاروں نے ریفرنڈم کا بائیکاٹ کیا اور اس صوبے کی جتنی بھی عوام تھی، (بائیکاٹ والوں کے علاوہ) انھوں نے پاکستان کے حق میں ووٹ

ڈالے۔علاوہ ازیں بنگال اور پنجاب کیلئے طے کیا گیا کہ یہاں صوبہ کے ممبر دو حصوں میں اکٹھے ہوں جس میں مسلم اکثریتی اضلاع کے ممبر اور دوسرے میں صوبہ کے باقی ممبر، یہ اس لئے کیا گیا اگر کوئی صوبہ اجتماعی طور پر تقسیم کے حق میں نہیں ہے تو وہ پاکستان اور ہندوستان کا انتخاب کرسکتا ہے، تقسیم کی صورت میں مسلم اور غیر مسلم ممبران الگ ہو کر فیصلہ دیں گے۔صوبہ سندھ کی قانون ساز اسمبلی پاکستان یا ہندوستان کے حق میں رائے دے گی، شمالی مغربی سرحدی صوبہ کیلئے صوبہ سندھ کی طرح فیصلہ نہیں کیا گیا بلکہ صوبہ سرحد کو از سر نو ایک اور موقع دینے کیلئے ریفرنڈم کرائے جانے کا فیصلہ کیا گیا، اسی طرح برطانوی بلوچستان نے اپنا ایک نمائندہ چنا تھا جس نے موجودہ آئین ساز اسمبلی میں شرکت نہیں کی تھی یہاں بھی یہی فیصلہ کیا گیا کہ متبادلات میں سے فیصلہ کرے۔آسام غیر مسلم آبادی کا حصہ تھا لیکن ضلع سلہٹ جو کہ بنگال سے ملحق مسلم اکثریتی آبادی علاقہ تھا یہاں مطالبہ کیا گیا کہ اگر بنگال تقسیم کیا جاتا ہے تو اس صورت میں سلہٹ کو بنگال کے مسلم حصہ میں مدغم کردیا جائے۔پاکستان کے قیام کے حوالے ، سے ممکنہ دشواریوں اور اُن حالات کا کامل احاطہ محدود کالم یا کتاب میں ممکن نہیں ہے اس لئے اہم نقطہ یہ ہے کہ پنجاب کی تقسیم کے اہم تذکرے کا سب سے اہم مرحلہ اس وقت سامنے آیا جب پنجاب کی پاکستان میں شمولیت کے حوالے سے مسلم لیگ کو

تین ووٹ کم پڑ رہے تھے تو اُس وقت 22 نومبر 1942ء کے دن لاہور کے لورنگ ہوٹل میں قائدِ اعظم کے اعزاز میں مسیحی برادری نے ایس پی سنگھا کی قیادت میں مسلم لیگ کی غیر مشروط حمایت کا اعلان کرتے ہوئے 23 جون 1947 کو 89 ووٹ کے مقابلے میں 91 ووٹ دیکر مشرقی پنجاب کو پاکستان میں شمولیت کی قرارداد کی منظوری دی گئی۔ ایسا نہیں تھا کہ مشرقی پنجاب پاکستان میں شامل نہیں ہو پاتا کیونکہ تاج برطانیہ کو ہر صورت پاکستان کے قیام کیلئے کردار ادا کرنا ہی پڑتا، مقصد صرف یہ ہے کہ مسیحی برادری نے سکھوں کے برخلاف پنجاب کی تقسیم کیلئے ضد کرنے کے بجائے حقیقت مندانہ فیصلہ اس لئے کیا تھا کیونکہ انھیں اس بات کا یقین تھا کہ پاکستان میں غیر مسلم اکائیوں کو تحفظ فراہم کیا جائے گا اور متعدد بار قائدِ اعظم اس بات کا اظہار کر چکے تھے کہ پاکستان میں غیر مسلموں کو مکمل مذہبی آزادی اور پاکستان کے شہری ہونے کے سبب حقوق دیئے جائیں گے اس لئے مسیحی برادری کو پاکستان کے شہری ہونے کے سبب مساوی حقوق ریاست کی ذمے داری ہے۔ دو قومی نظریئے میں غیر مسلم اکائیوں کو اس لئے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے ہمیشہ محکوم بن کر رہنا ہے بلکہ اسلام غیر مسلموں کیلئے جتنا فراخ دل ہے اس کا عملی مظاہرہ اسلام کے ماننے والوں کے افعال سے آنا چاہیے۔ قول و فعل کے تضاد سے تعلیمات اسلام پر زد پڑے گی۔

جناح کا نظریہ صوبائی تقسیم

یکم مئی ۱۹۴۷ء کے 'روز نامہ ڈان دہلی' میں قائد اعظم محمد علی جناح کا ایک انٹرویو شائع ہوا تھا جس کے رد عمل میں کانگریس نے انگریز حکومت پر مزید زور دینا شروع کردیا تھا کہ پاکستان اور ہندوستان کے قیام میں مسلم لیگ کی جانب سے مکمل پاکستان کا مطالبہ نہ مانا جائے بلکہ بٹوراہ پاکستان کی صورت میں پنجاب کی جہاں تقسیم کی جائے وہیں ہندو مہاسبھا نے زور و شور سے یہ پروپیگنڈا شروع کردیا تھا کہ بنگال کو بھی تقسیم کیا جائے جبکہ قائد اعظم محمد علی جناح نے موقف تھا کہ قصدا وسیع پیانے پر ابہام پھیلایا جارہا ہے۔ مسلم لیگ نے قیام پاکستان کیلئے جو تقسیم ہندوستان کی تجویز پیش کی تھی اس کی بنیاد اس حقیقت پر رکھی گئی تھی کہ ہندوستان میں دو اقوام ہندو و مسلمان بستی ہیں، جناح نے "روز نامہ ڈان دہلی" کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ "ہم ایک قومی ریاست کا مطالبہ کرتے ہیں جو ہماری مادر وطن ہو، جو مسلمانوں کی غالب آبادی پر مشتمل ہو اور جس میں پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ، بلوچستان، بنگال اور آسام کی چھ اکائیاں شامل ہوں، اس سے ہندوؤں کو ان کی قومی مملکت حاصل ہوجائے گی اور ان کا قومی ملک ہوگا جو برطانوی ہندوستان کا تین چوتھائی حصہ ہے۔"

پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے حوالے سے قائداعظم کا واضح موقف تھا کہ "بنگال اور پنجاب کی تقسیم کا سوال کھڑا کیا جا رہا ہے جو نیک نیتی پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس میں بدنیتی اور شرارت پنہاں ہے اور جو نفرت اور تلخی کی پیداوار ہے۔" قائداعظم جانتے تھے کہ ان شرارتوں کا مقصد برطانوی حکومت وائسرے کو دباؤ میں لانا اور مسلمانوں کو اعصابی طور پر کمزور کرنا تھا تاکہ ان کو کٹا پھٹا یا مسخ شدہ اور کرم خوردہ پاکستان ملے۔ کرم خوردہ پاکستان کے حوالے سے قائداعظم کو ممکنہ خدشات تھے کہ ہندوؤں کا اپنا وطن چھ بڑے صوبوں پر مشتمل ہے اس لئے حکومت برطانیہ کو اس رجحان کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے کہ اگر پاکستان میں شامل ہونے والے صوبوں کے ایک حصہ نے اسے اختیار کر رکھا ہے تو اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسرے تمام صوبوں کو بھی اسی طرح تقسیم کرنا ہوگا جو خطرناک راستہ ہے اس سے کئی صوبے تقسیم ہو جائیں گے اور اس طرح " آج کی نسبت مستقبل میں زیادہ خطرناک صورتحال پیدا ہو جائے گی" قائداعظم جانتے تھے کہ صوبوں کی تقسیم کا راستہ اختیار کرنے سے صوبوں کی انتظامی، اقتصادی اور سیاسی زندگی تباہ ہو جائے گی، جنہوں نے تقریباً ایک صدی سے اس بنیاد پر ترقی کی ہے اور ان کی نشوونما اس بنیاد پر ہوئی ہے اور یہ موجودہ آئین کے تحت خود مختار صوبوں کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ قائداعظم نے واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ پاکستان کے مطالبہ کے بنیادی اصول کے مطابق ہندوستان بھر کے صوبوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا مطالبہ ایک زبردست غلطی ہوگا۔ قائداعظم

اس عمل کو حکومت برطانیہ کیلئے شدید غلطی کے مرتکب ہونا قرار دیتے تھے۔ یہاں پر ریکارڈ کی درستگی کیلئے بتانا ضروری ہے کہ قائداعظم واشگاف کہہ چکے تھے کہ "یہ ظاہر ہے کہ پاکستان کی ہندو اقلیتیں ترک سکونت کرکے اپنے قومی وطن ہندوستان جانے کی خواہش مند ہوں تو وہ وہاں جا سکتی ہیں اور بالکل اسی طرح جو مسلمان ہندوستان سے ترک وطن کرکے پاکستان میں آنا چاہیں ان کو بھی اس کی اجازت ہوگی۔" قائداعظم نے پاکستان میں اقلیتوں کے تحفظ کیلئے متعدد بار اس عزم کو دوہرایا کہ انھیں پاکستان میں مکمل آزادی حاصل ہوگی، اپنی عبادات، رسم و رواج اور حقوق کی۔ لیکن یہاں انھوں نے بڑے لطیف انداز میں، ہندوستان کو ہندوؤں کا وطن قرار دیکر مسلمانوں کیلئے پاکستان وطن بھی قرار دیا تھا۔ قائداعظم جانتے تھے کہ یقینی طور پر انتقال آبادی ہوگا اس لئے انھوں نے اس اہم مسئلے کیلئے دونوں ممالک کی آئینی مملکتوں پر فیصلہ چھوڑ دیا کہ وہ پاکستان اور ہندوستان کی حکومتیں تبادلہ آبادی کو موثر طریقہ سے روبہ عمل لاسکتی ہیں جہاں بھی یہ قابل عمل اور ممکن ہو۔ کانگریس کی پروپیگنڈا مہم کو قائداعظم دوستانہ طور پر حل ہونے والے راستے میں رکاوٹیں اور مشکلات پیدا کرنا سمجھتے تھے۔ کانگریس نے اس مقصد کیلئے بنگال میں مہا سبھا اور پنجاب میں سکھوں کو آگے لگا دیا تھا اور اس وقت کانگریس کے اخبارات سکھوں کو اکسانے اور گمراہ کرنے میں لگے ہوئے
تھے۔ حالاں کی تاریخی طور پر یہ ثابت ہوچکا ہے کہ پنجاب کی تقسیم سے سکھوں کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا، انھیں

یہی بتایا جاتا رہا تھا کہ ان کے اس مطالبے سے ان کی نصف سے زیادہ آبادی پاکستان میں رہ جائے گی۔ لیکن سکھ اس معاملے میں کچھ سننے کو تیار نہیں تھے اور کانگریس کی ایما پر پنجاب کی تقسیم پر کمربستہ نظر آتے تھے، حالاں کہ پاکستان کے قیام کے فارمولے کے تحت مکمل پنجاب پاکستان کے حصے میں آنا تھا کیونکہ 29 اضلاع میں سوائے مغربی پنجاب کے تین صوبوں میں ہی غیر مسلم اکثریت میں تھے، جس میں بھی سکھ اکیلے اکثریت میں نہیں تھے۔کانگریس کی سازشوں کی وجہ سے جہاں بنگال تقسیم ہوا تو دوسری جانب پنجاب بھی تقسیم ہوا، بھارت کی نام نہاد سیکولر حکومت نے سکھوں کے ساتھ جس قسم کا رویہ اختیار کیا وہ تاریخ کا سیاہ باب بن چکا ہے اور اس حقیقت کو تسلیم کیا جا چکا ہے کہ سکھوں کا فیصلہ درست نہیں تھا۔دراصل موجودہ پاکستان کے حصول کیلئے جتنی مشکلات کھڑی کیں جا رہی تھیں یہ تمام حربوں میں سب سے نازک اور حساس نوعیت کا معاملہ تھا تاکہ قائداعظم پاکستان کے مطالبے سے دستبردار ہو جائیں، لیکن قائد اعظم کے نزدیک ایک ایسے خطہ اراضی کا حصول اولیت کا درجہ رکھتا تھا جہاں مسلمان اقلیت سے باہر نکل کر اکثریت میں آجائیں اور اپنے دین اسلام کے مطابق عوامی فلاح و بہبود کے فیصلے کریں، یہاں انھوں نے اس بات کو مدنظر رکھا کہ شیڈول کاسٹ ہندوؤں اور مسیحی و دیگر غیر مسلم کمیونٹیز نے پاکستان کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی انھیں ان کے مکمل حقوق دینے کی بھی یقینی دہانی کرائی اور قیام پاکستان سے قبل ہو یا بعد میں، اقلیتوں کو مذہبی و شہری

آزادی کا مکمل یقین دلاتے ہوئے انھیں مذہبی آزادی دی۔۔ ضمنی طور پر موجودہ پاکستان میں اگر ہم صوبوں کی تقسیم کے حوالے سے متعدد سیاسی و دیگر جماعتوں کے مطالبات کا جائزہ لیں اور قائداعظم محمد علی جناح کے فرمودات سے ان تقابل کریں تو صورتحال چاہیے کچھ بھی ہو، لیکن ایک بات طے شدہ ہے کہ اِس وقت صوبائی تقسیم کے مطالبے پاکستان کے مفاد میں ہرگز نہیں ہیں۔پاکستان کو اس وقت جن صورتحال کا سامنا ہے اولیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس پاکستان کو مزید مشکلات کا شکار نہ کریں۔جلسے جلوس، دھرنے، مظاہرے سب کچھ اپنی جگہ ایک جمہوری حق اور سیاست کا جزلاینفک ہے لیکن اس کے ساتھ ہی پاکستان کو درپیش مسائل سے باہر نکالنا بھی ہمارے فرائض میں شامل ہے۔ مسائل کو کس طرح حل کیا جائے اور کس طرح مشکلات کا سدباب کیا جائے یہ بھی قائداعظم بتاتے ہیں۔ محمد علی جناح سے اپریل ۱۹۴۳ء میں صوبہ سرحد کی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے ایک پیغام کیلئے درخواست کی۔آپ نے جواب میں فرمایا "تم نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمھیں کوئی پیغام دوں، میں تمھیں کیا پیغام دوں جبکہ ہمارے پاس پہلے ہی ایک عظیم پیغام موجود ہے جو ہماری راہنمائی اور بصیرت افروزی کیلئے کافی ہے، وہ پیغام ہے خدا کی کتاب عظیم، قرآن کریم۔" (تقاریر، جلد اول صفحہ ۵۱۶)۔۱۳ نومبر ۱۹۳۹ء قوم کے نام عید کا پیغام نشر فرمایا۔(اس زمانے میں ملک میں ہنگامہ اور فساد ہو رہے تھے) آپ نے قوم سے کہا "جب ہمارے پاس قرآن کریم ایسی مشعلِ ہدایت موجود ہے تو پھر اس کی روشنی میں ان

اختلافات کو کیوں نہیں مٹا سکتے ؟ (تقاریر جناح ، شائع کردہ شیخ محمد اشرف ، جلد اول صفحہ ۱۰۸) "وہ بندھن ، وہ رشتہ ، وہ چٹان ، وہ لنگر ، خدا کی عظیم کتاب ، قرآن مجید ہے مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت ، پیدا ہوتی جائے گی ۔۔۔ایک خدا ، ایک کتاب ، ایک رسول ﷺ ، فلہٰذا ایک قوم۔ تقاریر ، جلد دوم صفحہ ۵۰)۔

(تشکیل پاکستان میں اقلیتوں کا کردار (آخری حصہ

عمومی طور پر پاکستان کے حوالے سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ مذہبی اقلیتوں سے اکثریتی مسلم حلقوں کا رویہ متشددانہ رہتا ہے اور منارٹیز کے ساتھ پاکستانی مسلمانوں کا رویہ درست نہیں ہے۔اسی ضمن میں جب تحقیق کی گئی تو اندازہ ہوا کہ یہ چند واقعات کو بنیاد بنا کر بین الاقوامی طور پر پاکستان کو تنہا کرنے کی سازش اور پروپیگنڈے کا سوا کچھ نہیں ہے۔اقلیت کی اصطلاح پاکستان میں عمومی طور پر غیر مسلم کمیونٹی کیلئے استعمال کی جاتی ہے جس پر غیر مسلم کمیونٹی اعتراض کرتی ہیں اور اقلیت کے بجائے منارٹی کہلائے جانا زیادہ بہتر محسوس کرتی ہیں۔ دراصل 17ویں اور18ویں صدی میں یورپی ، سیاسی نشیب وفراز کی پیدا کردہ ہے اس زمانے میں طاقت ورجب بھی کمزور پر فاتح ہوجاتا تو اپنے قوت کے سہارے محکوم قوم کو اقلیت شمار کرتے۔عام طور پر اقلیت کی اصطلاح ایسے نسلی ، قومتی ، مذہبی ، لسانی یا ثقافتی گروپوں کیلئے استعمال کی جاتی ہے جو تعداد میں باقی آبادی کے مقابلے میں کم ہوں اور جو اپنی شناخت کو قائم رکھنا اور فروغ دینا چاہتے ہوں۔پاکستانی مسیحی اور دیگر اقلیتوں نے قیام پاکستان کی حمایت اس لئے کی تھی کیونکہ یہ ان کا وطن ہے اور یہ بھی دیگر مسلم شہریوں کی طرح مساوی حقوق کی بات کرتے ہیں۔

1931ء میں دوسری گول میز کانفرنس کے دوران اقلیتوں کے مسئلے کا حل تلاش کرنے کیلئے سکھوں کے علاوہ ہندوستان کی تمام اقلیتوں نے سر آغا خان کی قیادت میں ایک معایدہ کیا تھا جو تاریخ پاک و ہند میں "اقلیتوں کا معاہدہ" کہلاتا ہے۔اس معاہدہ میں مسلم لیگ کی طرف سے سر آغا خان، شیڈول کاسٹ کی جانب سے ڈاکٹر بھیم راؤ میڈکر، ہندوستانی اینگلو کی طرف سے راؤ بہادر پاتیر سلوان اور یورپین مسیحیوں کی طرف سے سر ہنری گڈنی اور سر ہربرٹ کار نے دستخط کئے تھے۔ اس معاہدے کو تحریک آزادی کے دوران اقلیتوں کی مشترکہ عملی جدوجہد بھی قرار دیا جاتا ہے۔22دسمبر1939ء میں جب اونچی ذات کے ہندو پالیسوں کے احتجاج میں قائداعظم کی کال پر جب کانگریسی وزراتوں میں مسلمان نمائندوں کے مستعفی ہونے پر "یوم نجات" منایا گیا تو کانگریس یہ دیکھ کر حیران ہو گئی کہ "یوم نجات" میں صرف مسلمانوں نے ہی بلکہ پارسی، مسیحیوں اور لاکھوں کی تعداد میں شیڈول کاسٹ بھی شریک ہوئے۔

23مارچ1940ء کو 'مسلم لیگ نے مسلم لیگ سالانہ اجلاس لاہور' میں تاریخ ساز قرارداد پاکستان پیش کی تو اس اجلاس میں ستیا پرکاش سنگھا، سی ای گبن، ایم ایل رلیا رام، جوشوا فصل الدین، الفریڈ پرشاد، ایف ای چوہدری، ایواب بہادر ایس پی سنگا، آر اے گومز، ایس ایس البرٹ، راجکماری امرت کور بھی

شامل تھے ان کے علاوہ دیگر کئی شیڈول کاسٹ اور مسیحی رہنما بطور مبصر مدعو تھے۔ مسیحیوں اور شیڈول کاسٹ نے ہر قدم پر قائداعظم کا ساتھ اس لئے دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ پاکستان میں ہی ان کے حقوق کا تحفظ ممکن ہوسکے گا۔ اسی وجہ سے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کی صدارت شیڈول کاسٹ راہنما جوگندر ناتھ منڈل نے کی جو کہ پاکستان کے پہلے وزیر قانون بھی تھے۔ ان کے علاوہ کرن شنکر رائے، دھیریندر ناتھ دتہ، پریم ہری ورما، راج کمار چکرورتی، سرس چٹوپادھینا، بھویندر کمار دتہ، چندر موجدار، بیروت چندر منڈل، سری ڈی رائے، نارائن سانیال، پریندر کار، گنگا سرن، لال اوتار، نارائن گجرال، بھیم سین، سی این گبن، بی ایل رلیا رام جیسے شیڈول کاسٹ راہنما بھی شامل تھے۔ جبکہ پنجاب اسمبلی کے اسپیکر دیوان بہادر ایس پی سنگھا کا تعلق مسیحی برادری سے تھا جنھوں نے پنجاب اسمبلی میں پاکستان کی قرارداد کے حق میں اپنا اضافی ووٹ ڈال کر قیام پاکستان کو ممکن بنانے میں اہم کردار ادا کیا، اس کے علاوہ تقسیم کے وقت مسیحی قیادت نے باؤنڈری کمیشن سے مطالبہ کیا تھا کہ مسیحیوں کو مسلمانوں کے ساتھ شمار کیا جائے۔ یہ کوئی اچانک پیدا شدہ رویہ نہیں تھا بلکہ قیام پاکستان سے پہلے 1935 میں جیسوئٹ مبلغین مشرقی شہر لاہور کے لاویلا ہال کو بین العقائد مکالمے کے مرکز کے طور پر استعمال کرتے تھے اسی طرح کا ایک اہم ادارہ کرسچین سٹڈی سینٹر 1968ء مں راولپنڈی میں قائم کیا گیا تھا جس کا مقصد

مسیحی اور مسلم علما کو مذہب اور الوہی موضوعات پر بحث اور مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو ایک دوسرے سے بات چیت اور باہمی دوستی، تفہیم اور تعاون کی بنیاد پر امن طریقے سے مل جل کر رہنے کا پلیٹ فارم فراہم کرتا تھا۔ لاہور میں قائم مذہب کی عالمی کونسل (ڈبلیو سی آر) مذہبی مکالمے کی ایک اور اہم شریک کار ہے جو دقیانوسی تصورات اور نفرت انگیز تقریروں کو روکنے کیلئے اپنا کردار ادا کرتی ہے۔

اسی طرح پاکستان کے تعلیمی اداروں میں بھی طلبا نے دوسرے عقائد کے بارے میں براہ راست ان کے نمایندے سے سیکھنے میں دلچسپی پائی گئی ہے۔ لاہور یونیورسٹی اور پشاور یونیورسٹی نے مسیحیوں کے عقاید اور عبادات کے بارے میں لیکچر دینے کیلئے عیسائی رہنماؤں کو مدعو کیا جاتا ہے۔ گذشتہ عرصہ میں مسیحیوں کے ساتھ اکا دکا واقعات کو بڑھا چڑھا کر اس طرح پیش کیا گیا جیسے پاکستان میں مسیحی برادری کا جینا مشکل ہوگیا ہو اور اسی حوالے سے مسیحی برادری سے تعلق رکھنے والے کچھ افراد سوشل میڈیا پر یہ تاثر دینے کی کوشش بھی کرتے نظر آتے ہیں کہ اگر ایس پی سنگھا اپنا اضافی ووٹ پاکستان کے حق میں نہیں دیتے تو پاکستان کی تشکیل ناممکن تھی، گو کہ کرسچین کمیونٹی کی جانب سے یہ دور اندیش فیصلہ تھا لیکن مذہبی منافرت کس ملک میں نہیں ہے؟۔

پاکستان میں جتنے بھی مذہبی نوعیت کے واقعات ہوئے تو اس میں عوام سے زیادہ قصور ان لوگوں کا تھا جو مذہبی جذبات کو مشتعل کرکے اپنے مقاصد کا حصول چاہتے ہیں،
پاکستان میں رہنے والی تمام مذہبی کمیونٹیز سے زیادہ مسلمانوں کو سب سے زیادہ دہشت گردی کا نشانہ بنایا جاتا ہے، منارٹیز کی عبادت گاہوں سے زیادہ مسلمانوں کے مقدس مقامات، مساجد، مزارعات، قبرستان، یہاں تک کہ جنازوں تک کو بھی دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا ہے،اگر کوئی بھارت کے خلاف جنگ میں ایک مسیحی پاکستانی آفیسر کے دوران جنگ آنجہانی ہونے کا ذکر کرتا ہے تو اس مسیحی آفسیر کے جذبہ حب الوطنی سے کسی کو انکار نہیں لیکن انھیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ پاکستان میں صرف مسلمان ہی نہیں بستے بلکہ لاکھوں کی تعداد میں غیر مسلم بھی ہیں جن کی حفاظت کیلیے مسلمان پاکستانی فوجیوں نے جام شہادت نوش کیا۔ لہٰذا اس ضمن میں پروپیگنڈا کاروں کو خیال رکھنا ہوگا کہ اپنے چند مخصوص فائدے کیلیے کسی بھی مذہبی کمیونٹی کے جذبات کا خیال رکھے۔
اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یکطرفہ پروپیگنڈے کا نقصان ہمیشہ ان اکائیوں کو ہوتا ہے جن کے مخلص نمائندے ان کے حقوق کے لئے بنیادی کردار ادا نہ کریں۔
پاکستان میں مسیحی کمیونٹی کی تعداد اتنی نہیں کہ وہ مل کر بھی ایک نشست مقابلہ کرکے نکال سکیں، اس لئے دیگر غیر مسلم کمیونٹیز کی طرح ان

کیلئے بھی مخصوص نشستیں رکھیں گئیں ہیں ۔اب اگر ان کے نمائندے ان کے حقوق کیلئے آئین پاکستان کے مطابق کام کریں گے تو انھیں کسی قسم کی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا لیکن بد قسمتی سے بڑی سیاسی جماعتوں کا یہ وتیرہ رہا ہے کہ وہ ان مخصوص نشستوں پر اپنے من پسند افراد کو تعینات کرتی ہیں ، جیسے اس قبل کالم میں بتا چکا ہوں کہ سندھ میں شیڈول کاسٹ ہندوؤں کی اکثریت کے باوجود انھیں سیاسی جماعتیں ایوانوں میں نہیں بھیجتیں ، اسی طرح کے مسائل مسیحی کیمونٹیز کے ساتھ بھی ہیں ، ان کے درمیان بھی آپس کی نا اتفاقیوں کی وجہ سے مناسب قیادت کا سامنے نہ آنا اہم مسئلہ رہا ہے ۔پاکستان کا قیام دو قومی نظریہ کے تحت تھا جس میں غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ اسلام کا اہم نقطہ رہا ہے اور اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ اسلام ، جبر کے بجائے امن کی تلقین کرتا ہے اور اسلام کا مطلب ہی سلامتی امن ہے ، اگر کسی فرد واحد کی وجہ سے کوئی ناخوشگوار واقع پیش آتا ہے تو ایسے معاشرے کے انحطاط پذیری قرار دیا جا سکتا ہے ایسے عدم برداشت کا رویہ بھی کہا جا سکتا ہے لیکن ایسے اسلام پیغام یا منشور ہر گز نہیں کہا جا سکتا ،اس سلسلے میں پاکستان کے قیام سے اول اور بعد میں قائداعظم کے افکار اور سینکڑوں تقاریر اس بات کی گواہ ہیں کہ دو قومی نظریہ میں غیر مسلم اقلیت کے تحفظ کو ہمیشہ دوہرایا گیا ہے اور اپنے عمل سے بھی ثابت کیا ہے ۔اقلیتوں کے مسائل کا حل ان کے نمائندوں کے پاس ہے ، پاکستان میں غیر مسلموں کے سماجی

مسائل کے حل کیلئے ان سے تجاویز لیکر آئین کا حصہ بنانا چاہیے، لیکن یہ سب کو سنجیدگی سے سوچنا ہوگا کہ مذہب اور خاص کر اسلامی شعائر اور مقدس ہستیوں اور قرآن پاک کی توہین جیسے واقعات میں تفتیش سے قبل کسی کو بھی یکطرفہ گناہگار قرار دینا مناسب نہیں ہے، جب اس کے لئے آئین میں سخت ترین سزا مقرر ہے تو اس پر عمل درآمد کیلئے قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کا موقع دیا جانا ضروری ہے۔ کسی انسان کی جان اسلام کی نزدیک انسانیت کی جان بچانے یا قتل کرنے کے مترادف قرار دی جاتی ہے، ہمیں اسلام کی روح کے مطابق ایسے سمجھنا ہوگا۔

بیگم نسیم ولی خان، الطاف حسین اور عوام

کراچی میں محترمہ بیگم نسیم ولی خان ، متحدہ قومی موومنٹ کے مرکز نائن زیرو تشریف لائیں ، ان کے ہمراہ دیگر رہنما بھی تھے۔اس حوالے سے کچھ لکھنے سے بیشتر تیز سال قبل کی ذاتی یادداشت دوہرانا ضروری سمجھتا ہوں 2011ء کا سال کراچی میں بے گناہ انسانوں اور مختلف سیاسی جماعتوں کے درمیان ہلاکتوں کا بڑا بھیانک دور گذرا ہے۔ایسے یاد کرکے آج بھی جسم میں کرنٹ دوڑ جاتا ہے اور دماغ ماؤف ہو جاتا ہے ، گیارہ اگست 2011 کا قیامت کا دن کبھی بھلائے نہیں بھول سکتا کہ ہر ایک منٹ بعد بے گناہ پختون کی شہادت کی خبر آتی جس کا کسی بھی سیاسی جماعت سے تعلق بھی نہیں ہوتا تھا ، ریڑی والا ہو ، موچی ہو ، ٹیکسی والا ہو ، گولہ گنڈے فروخت کرنے ولا ہو یا پھر محنت کش ، ناظم آباد کے پل کے نیچے سونے والے باجوڑی ہوں یا بسوں میں اغوا کرکے بے گناہ پختونوں کو جس بے دردری سے شہید کیا جارہا تھا اور حکومت اس قدر بے حس ہوچکی تھی کہ سوائے رونے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کرائم رپورٹر گواہ ہیں کہ وہ روپڑتے تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے ، ان کا کیا قصور ہے ؟۔ کراچی کی سڑکیں خون سے لبریز ہوچکی تھیں اور کوئی ان دہشت گردوں کو روکنے والا نہیں تھا۔آج تک ایک بھی قاتل نہیں پکڑا گیا۔2012ء میں ولی باغ میں بیگم نسیم ولی خان جیسے ہم سب مور بی بی کہتے

ہیں، میں نے ان سے خیریت کے بعد ایک درخواست کی کہ مور ربی بی، ولی بابا کراچی آئے اور الطاف حسین سے اس وقت ہاتھ ملایا جب کوئی بھی ایم کیو ایم کے مینڈیٹ کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا، ان کی آمد کے بعد سالوں سال کراچی میں امن رہا اور قومیتوں کے درمیان غلط فہمیوں کو ختم کرنے میں تاریخی کردار ادا کیا، مور بی بی آپ کراچی آجائیں، پختونوں کے جنازوں پر دعا کے لئے بھی کوئی نام نہاد رہنما جانے کو تیار نہیں، مور بی بی روپڑی کہ بیٹا، میں یرغمال ہوں، مجھے کسی سے ملنے نہیں دیا جاتا، میری جسمانی حالت ایسی ہے کہ میں طویل سفر بھی نہیں کر سکتی، مجھے ان کی رندھی آواز آج بھی اپنے کانوں میں گونجتی نظر آتی ہے، پھر میں نے دوسری جماعت کو تحریری طور پر ایک پرپوزل دیکر ولی خان باغ میں ان سے ملاقات کیلئے کہا تو انھوں نے اس پرپوزل کو پھاڑ دیا کہ ہم اس وقت تیار نہیں،" فلاں شخص" ناراض ہوجائے گا اور بڑی مشکلات پیدا ہوجائیں گی، پھر مجھے سخت تنبیہ کی آپ ان معاملات سے دور رہیں۔ میں کسی کشیدگی سے بچنے کیلئے ان شخصیات کا نام نہیں لے رہا لیکن سمجھ دار کے لئے اشارہ کافی ہے۔ان کے پاس بیگم نسیم ولی خان مور بیبی کا فون نمبر بھی نہیں تھا، موبائل فون کی مور بی بی کو جازت نہیں تھی ان کے ولی باغ کا نمبر میں نے انھیں فراہم کیا کہ ایک مرتبہ بات تو کرلیں، لیکن مجھے جواب دیا گیا کہ اگر میڈیا میں یہ بات آگئی تو کون ذمے داری قبول کرے گا۔ مور بی بی نے مجھے دعائیں دیں کہ کسی نے تو انھیں یاد کیا، پھر انکے

خاندانی معاملات ہوں یا کچھ اور، اس سے مجھے غرض نہیں ہے کیونکہ میرا بنیادی مقصد کراچی میں امن اور غلط فہیموں کا خاتمہ کرانا مقصود تھا۔انتقامی سیاست اور عمل رد عمل کی اس سیاست میں صرف بے گناہ انسان شہید ہو رہے تھے۔ ایم کیو ایم اور اے این پی کی اعلی قیادت مل بیٹھتی لیکن نیچے کارکنان تک ان کا امن پیغام نہیں پہنچ رہا تھا معمولی سا واقعہ بھی کراچی میں آگ لگا دیتا، کٹی پہاڑی میں چار دن تک جنگ چلتی رہی لیکن حکومت خاموش رہی، اس دوران میں بھی تین مرتبہ فائرنگ کی زد میں بال بال بچا، میرے ساتھ ایکسپریس کے موجودہ بیورو چیف اسلم خان بھی تھے جب ایل ایم جی سے ہم پر فائرنگ ہوئی، پھر ایک مرتبہ جیو نیوز کے ظل حیدر ساتھ تھے کہ فون آنے پر سر نیچے کرنے کی وجہ اسپینر سے چلائی جانے والی گولیوں سے جا بچی لیکن ایک معصوم بچی گولی لگنے سے شہید ہو گئی۔ مور بی بی، نائن زیرو آئیں اس پر اپنا تبصرہ دینے کے بجائے میں نے اس بار سوشل میڈیا میں مختلف جماعتوں اور شخصیات کے سامنے یہ سوال رکھ دیا کہ آپ اس ملاقات کو کیا سمجھتے ہیں، جذباتی اور مدلل جوابات کی بڑی تعداد میں تبصرے ملے۔ مور بی بی سے ملاقات نہیں کرسکا کیونکہ میرا دل ٹوٹا ہوا تھا کہ اگر وہ دو سال قبل آجاتیں تو شاید ہزاروں بے گناہ قتل ہونے سے بچ جاتے، لیکن ان کا احترام سر آنکھوں پر، ان کی عزت دل میں ہے، لیکن میں تھوڑا سا نہیں بہت جذباتی واقع ہوا ہوں اس لئے میں اے این پی کی دھڑے بازی سے دور رہنے اور مزید کوئی غلط فہمیاں

پیدا ہونے سے خود کو بچانے کے لئے ملاقات سے اعتراض برتا، پختون تھنکرز فورم کے چیئرمین قاسم جان سے رابطہ کرکے تصدیق کی کہ کیا مور بی بی، اپنی جماعت سندھ میں منظم کرنے کے لئے تنظیم سازی کر رہی ہیں تو انھوں نے اس بات کی تصدیق کی۔ اسی سلسلے میں مور بی بی نے کراچی سندھ بار کونسل اور قومی عوامی تحریک کے رہنماؤں سے بھی ملاقات کیں جس کی تفصیلات اخبارات میں آچکی ہے۔ میں کچھ تبصرے اپنے اس کالم میں دینا چاہوں گا کہ عوام مور بی بی کی نائن زیرو آمد اور الطاف حسین سے فون پر گفتگو پر کیا رائے رکھتی ہے۔ کسی کا ان تبصروں سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ بس رائے عامہ اور عوام کی دل کی آواز ہے۔ تصدیق کرنے کیلئے میرے فیس بک کی وال پر تمام تبصرے موجود ہیں۔ میرے سوال پر جتنے تبصرے ملے ان کا جواب میں نے نہیں خود احباب نے ہی دیئے۔ طاہر خٹک مجھے کہتے ہیں کہ " الطاف حسین کتنی بار باچا خان مرکز پشاور گئے ہیں، تمھیں کیا لگتا ہے کہ اگر ہمیں کراچی میں رہنا ہے تو ایم کیو ایم کے غلام بن کر رہیں ". سان بنگش کہتے ہیں کہ " مور بی بی کو جانے کی کیا ضرورت تھی، میں ان کے نائن زیرو جانے پر shocked ہوں۔ "شیر آفریدی کہتے ہیں کہ سیاسی قائدین کے درمیان رابطے بالکل ہونے چاہیں جو آپس کے مسائل اور خلش کے تدارک اور اس کے حل کیلئے بہتر قدم ہے۔" عبد الواحد لکھتے ہیں کہ یہ ایک بہت ہی احسن قدم ہے اور میں ایسے درست سمجھتا ہوں۔" عبد اللہ شاہ بغدادی کہتے ہیں کہ مور بی بی نے ایک اچھا قدم اٹھا کر بہادر سیاست دان ہونے کا ثبوت

دیا۔" جمیل احمد کہتے ہیں کہ 90 جانا اچھا عمل ہے۔دوست محمد کہتے ہیں کہ ' ایشوز ہمیشہ بات چیت سے ختم ہونگے تصادم کسی مسئلے کا حل نہیں'۔وحید خان آفریدی کہتے ہیں ' نائن زیرو جانا مور بی بی کی نظر میں ٹھیک ہو سکتا ہے لیکن یہ انھوں نے ٹھیک نہیں کیا" امجد آفریدی کہتے ہیں کہ ' یہ ان لوگوں کی چال ہے جن سے اس دن ایم کیو ایم کا وفد جو اسلام آباد کے پی ہاوس میں ملا تھا اے این پی والوں کے ساتھ ان سے.برداشت نہیں ہو رہا'۔اسیر دوست کہتے ہیں کہ ' مور بی بی کو پختونوں کا بہت عرصے بعد خیال آیا اس وقت مور بی بی کہاں تھی جب کراچی میں پختونوں کا قتل ہو رہا تھا۔" عطااللہ یوسف زئی ، 'اسفندیار ہمارا لیڈر ہے'۔حاجی قیصر باوانی ، مہاجر پختون بھائی بھائی کا نعرہ لگاتے ہیں۔احسان اللہ خان ، مور بی بی کے جانے سے اے این پی پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔زین العابدین سوال کرتے ہیں "کہ ایم کیو ایم والے پشاور باچا خان مرکز کیوں نہیں جاتے۔" ذکریا خان مسعود کہتے ہیں کہ ' مہاجر اور پختون کے تعلقات ہونے چاہیے تاکہ پختون مہاجر فسادات کی نوبت نہ آئے۔ظفر خان خٹک کہتے ہیں کہ' اگر پختون مہاجر کے درمیان غلط فہمیاں دور کرنے گئی ہیں تو اچھی بات ہے۔ضیاالرحمٰن لکھتے ہیں کہ جب ایم کیو ایم کے لیڈر اے این پی لیڈرز کے بچوں کی شادیوں میں مل سکتے ہیں تو مور بی بی کے نائن زیرو جانے میں کیا ہرج ہے دونوں جماعتوں کو ایک دورے کے مینڈیٹ کو تسلیم کرنا ہوگا۔یہ سیاسی عمل ہے'۔ نسیم افغان کہتے ہیں کہ کراچی کی بدامنی کا سبب مینڈیٹ سے نہیں

بلکہ وسائل کی جنگ ہے ڈرگ مافیا، لینڈ مافیا، اور دیگر مافیا اپنے حساب سے ماحول خراب اور ہدف بناتے ہیں'۔جمال یوسف زئی کہتے ہیں کہ ' شاہی سید اور یونس خان بونیری امن کی بات کرتے ہیں ہمیشہ شاہی سید سید اور یونس بونیری کراچی میں پختون کا نمائندہ رہے گا'۔احمد احمدے کہتے ہیں کہ اے این پی نے ایم کیو ایم کو قبر میں ڈال دیا تھا لیکن پی پی ان سے مٹی ہٹا کر ان کو زندہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔بہت بڑی تعداد ہے جنھوں نے تبصرے کئے ان سب کو نقل کرنا ممکن نہیں لیکن ایک بات قابل توجہ ضرور ہے کہ مہاجر طبقے نے بہت کم تبصرے کئے ورنہ ان کو بھی من و عن نقل کرتا اور اپنی رائے دینے سے گریز کیا جو میرے لئے حیرانی کی بات ہے، مثبت رویوں سے ہی پر امن ماحول اور غلط فہمیاں دور ہو نگی www.facebook.com/qadir.afghan یہ میری سوشل ویب سائٹ ہے مزید ریمارکس اس پر دیں اور جو رہ گئے ہیں انھیں پڑھیں کیونکہ مثبت رائے عامہ اچھا عمل ثابت ہوگا۔

نفرتوں کی دیواریں

دیوار برلن (جرمن زبان میں Berliner Mauer) ایک رکاوٹی دیوار تھی جو عوامی جموریہ جرمنی (مشرقی جرمنی) نے مغربی برلن کے گرد تعمیر کی تھی تاکہ اسے مشرقی جرمنی بشمول مشرقی برلن سے جدا کیا جاسکے ، مشرقی و مغربی جرمنی کے درمیان حد بندی بھی مقرر کرتی تھی۔اس دیوار کو مغربی یورپ اور مشرقی اتحاد کے درمیان ’آہنی پردہ‘ کی علامت بھی قرار دی جارتی رہی تھی۔دیوار کی تعمیر سے قبل پینتس لاکھ مشرقی باشندے مشرقی اتحاد کی ہجرت پر پابندیوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مغربی جرمنی ہجرت کرگئے جن کی بڑی اکثریت نے مشرقی سے مغربی برلن کی راہ اختیار کی۔ 1961ء سے 1989ء تک اپنے وجود کے دوران دیوار نے اس طرح کی ہجرتوں کو روکے رکھا اور ربع صدی سے زائد عرصے تک مشرقی جرمنی کو مغربی جرمنی سے جدا کئے رکھا۔ دیوار کو عبور کرنے کیلئے کئی رکاوٹیں بھی لاگئیں جس کے نتیجے میں دیوار عبور کرنے کی کوشش میں سینکڑوں افراد اپنی جاں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔مشرقی اتحاد میں انقلابی لہر کے دوران چند ہفتوں کی بدامنی کے بعد مشرقی جرمنی کی حکومت نے 9 نومبر 1989ء کو اعلان کیا کہ مشرقی جرمنی کے تمام شہری مغربی جرمنی اور مغربی برلن جا سکتے ہیں، اس اعلان کے ساتھ ہی مشرقی جرمنی کی بڑی تعداد دیوار پھلانگ کر مغربی جرمنی جا پہنچی جہاں مغربی

جرمنی کے باشندوں نے ان کا بھرپور خیر مقدم کیا، اگلے چند ہفتوں نے پرجوش عوام نے دیوار پر دھاوا بول دیا اور اس کے مختلف حصوں کو توڑ ڈالا بعد ازاں صنعتی آلات کے ذریعے دیوار کو مکمل طور پر ختم کردیا گیا دیوار برلن کے خاتمے نے جرمن اتحاد مکرر کی راہ ہموار کی جو بالآخر 3 اکتوبر 1990ء کو باضابطہ طور پر مکمل ہوا۔ نو نومبر کو دیوار برلن کے گرائے جانے کی 25 ویں سالگرہ کی متاثر کن تقریب منائی گئی۔ متحدہ جرمنی کی عوام میں جذبہ وطنیت و نسل پرستی کی وجہ سے یہ ایک تاریخی واقعہ رونما ہوا۔

دیوار چین حضرت عیسی علیہ السلام کی پیدائش سے تقریبا دو سو سال پہلے چین کے بادشاہ شی ہیوانگ ٹی نے اپنے ملک کو دشمنوں کے حملوں سے محفوظ کرنے کیلئے شمالی سرحد پر ایک دیوار بنانے کی خواہش کی۔ اس دیوار کی ابتدا چین اور منچوکو کی سرحد کے پاس سے کی گئی، چین کے دشمن اس زمانے میں ہن اور تاتار تھے جو وسط ایشیا میں کافی طاقتور سمجھے جاتے تھے یہ دیوار خلیج لیاؤتنگ سے منگولیا اور تبت کے سرحدی علاقے تک پھیلی ہوئی ہے اس کی لمبائی پندرہ سو میل ہے اور یہ بیس سے تیس فٹ تک اونچی ہے، چوڑائی نیچے سے پچیس فٹ اور اوپر سے بارہ فٹ کے قریب ہے، ہر دو سو گز کے فاصلے پر پہریداروں کیلئے مضبوط پناہ گاہیں بنی ہوئی ہیں۔ اب یہ دیوار دنیا کا عجوبہ اور سیاحت کا مقام بنی ہوئی ہے۔

ہڑپہ تہذیب کی دریافت کے دوران ٹیلہ ای میں کھدائی کے دوران دوہری دیوار سے

تعمیر شدہ بھٹیاں ملی ہیں یہ بھٹیاں سیاہ رنگ کی چوڑیاں اور مٹی کے چھوٹے ظروف پکانے کیلئے استعمال کی جاتی ہے۔انہی بھٹیوں کے قریب رہائشی مکانات ، غلہ جمع کرنے کیلئے قدآور مٹی کے بنے ہوئے مٹکے ، موتی بنانے کے کارخانے ،تانبہ کانسی اور سیپی کی چوڑیاں ،زرد عقیق ، سنگ سلیمانی سے بنے بارک ٹوکے ، خوشنما مہریں ، کچی اینٹوں سے بنی فصیل نما دیوار جو 27 فٹ اور بعض جگہ 39 فٹ چوڑی ہے اور پختہ اینٹوں سے بنا ہوا دروازہ بھی دریافت ہوا اس قلعہ نما دیوار کے اندر گشت کرنے کیلئے سڑک ، نکاسی آب کے پل ، سیکورٹی چیک پوسٹ اور پہرے داروں کیلئے واچ ٹاور بھی ملے ماہرین کے مطابق یہ دیوار ہڑپہ شہر کو دشمن فوجوں کے حملے اور سیلاب سے محفوظ رکھنے کیلئے بنائی گئی تھی ، یوں اس دیوار کو دیوار چین کی طرح قدیم ترین فصیلوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

نومبر2013ء کو ایک خبر منظر عام پر آئی کہ بھارت سرکار ن لائن آف کنٹرول پر دیوار برلن کی طرز پر اس سے بڑی سیکورٹی دیوار کی تعمیر کے منصوبے پر کام شروع کرنا چاہتی ہے جس سے بھارت کے اس عزائم کی نمود ہوئی کہ بھارت مقبوضہ کشمیر پر مستقل قبضے کی سازش کو عملی جامہ پہنانا چاہتا ہے۔بھارتی میڈیا میں آنے والی خبروں کے مطابق مقبوضہ کشمیر کی سرحد پر تعمیر کی جانے والی دیوار وادی کو پاکستان سے الگ کردیگی۔ مغربی کنارے اور برلن دیوار سے بڑی اس دیوار کی چوڑائی 135 فٹ ہوگی جو جموں ، کٹھوا اور سامبا کے 118 دیہات کے

درمیان سے گذریگی ،اس دیوار کیلئے فنڈ بھارتی وازرت خارجہ سے جاری ہوگا، نقل و حرکت کو ناکام بنانے کیلئے سیکورٹی وال کے گرد خندق بھی کھودنا منصوبے کا حصہ تھا بھارتی میڈیا کے مطابق اس دیوار کی تعمیر کی منظوری لے لی گئی ہے۔بھارت نے کنٹرول لائن پر 179 کلومیٹر طویل دیوار تعمیر کرنے کی منظوری دی اس منصوبے کا اعلان بھارتی وزیر داخلہ سُشیل کمار شندے نے لوک سبھا کے اجلاس سے قبل کیا تھا جس میں انھوں نے بتایا کہ تین فٹ چوڑی، دس میٹر اونچی اور 179 لمبی دیوار پر کام جلد شروع کردیا جائے گا۔ قابل ذکر بات یہی ہے کہ نفرت کی دیوار قائم کرنے کا مقصد لاکھوں کشمیریوں کی قربانیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے غاصبانہ قبضے کو اپنی سات لاکھ فوج کے جبر سے مستقل بنانے کی سازش کا سات دہائیوں کا عملی سازش کا حصہ ہے۔اس دیوار کے منصوبے کو ’دیوار برہمن‘ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اسی طرح ایران کی جانب سے تفتان بارڈر پر رباط سے گوادرتک 700 میل طویل، تین فٹ چوڑی اور دس فٹ اونچی دیوار کی تعمیر کا کام 2007ء سے شروع کیا گیا اور عالمی بارڈر اصولوں کو نظر انداز کیا گیا۔ جبکہ پاکستان کیجانب سے فرنٹئیر کور بلوچستان کی زیر نگرانی پاک افغان بارڈر کیساتھ 480 کلومیٹر پر مشتمل طویل خندق کھودی جارہی ہے خندق کی گہرائی آٹھ فٹ جبکہ چوڑائی دس فٹ ہے، واضح رہے کہ پاک، افغان سرحد کی مجموعی طوالت دو ہزار کلومیٹر کے لگ بھگ ہے دونوں ممالک کے درمیان 111 کلومیٹر خندق پہلے سے ہی موجود ہے۔یہاں پاکستان نے دیگر ممالک کی طرح

نفرت کی دیوار قائم کرنے بجائے پڑوس ملک کی مشاورت سے بین الاقوامی بارڈر قوانین پر عمل درآمد اسلیئے کیا تاکہ دراندازوں کی آمد کو روکا جاسکے۔ لیکن تاریخ میں جب دیوار چین ہو یا دیوار ہڑپہ یا دیوار برلن جیسی دیواریں نفرت اور جنگی جنون کے تحت قائم کیں گئیں ، جس طرح بھارت انتہا پسند عزائم رکھتا ہے س کا برہمن دیوار قائم کا منصوبہ اس کے اکھنڈ بھارت کے منصوبے کی طرح ہے جس کیلئے صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ " ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ۔۔۔۔۔ !!

اقوام کے درمیان نفرت کی دیوار عصبیت ، نسل پرستی ، فرقہ واریت اور نسل پرستی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے ۔ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ اقوام کے درمیان نفرتوں کو ختم کرکے محبتوں اور بھائی چارے کو فروغ دیا جاتا لیکن جس طرح اسرائیل اور اسرائیل نواز ممالک کی روش ہے اس سے دنیا مذہبی تقسیم کا شکار ہو گئی ہے۔ اجمالی جائزہ بھی لیں تو صاف نظر آجاتا ہے کہ دنیا میں تمام جنگیں مسلم ممالک میں لڑی جا رہی ہیں ، زمین پر قبضے کیلئے یا اپنے صہیونی منصوبے کو کامیاب بنانے کیلئے یا پھر صلیبی جنگوں کا انتقام لینے کیلئے امت مسلمہ پر جنگ مسلط کردی گئی ہے اور بد قسمتی سے امت مسلمہ میں فرقہ واریت ، مسالک اور عقائد کی ایسی دیوار کھڑی کردی گئی جیسے گرانے کیلئے ہمیں قرآن کریم کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا ہوگا ۔ اگر ہم اپنے باہمی اختلافات کو قرآن کریم کی روشنی میں مضبوطی سے تھام لیں تو کوئی وجہ نہیں مسلم دشمن قوتیں ریت کی

دیوار ثابت ہو ہو نگی اور ایک ہی جھٹکے میں ڈھے جائیں ۔ لیکن اس کیلئے ہمیں فروعی مفادات سے بالاتر ہو سوچنا ہوگا، مسالک ، فرقہ واریت ، نسل پرستی ، صوبائیت ، لسانیت اور عصبیت کی سیاست اور منفی سوچوں کو خیر باد کہنا ہوگا۔قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ سے دوری کی بناء پر ہی ہم دنیا بھر میں ٹڈی دل مکار مسلم دشمنوں کی سازشوں کا شکار ہیں ، اس جنگوں کا مقابلہ ہمیں باہمی اتفاق ، رواداری ، برداشت اور اسلام کی دی جانے والی تعلیمات کو اپنانے سے کرنا ہوگا۔دنیا میں مسلمانوں کی تعداد مسلم دشمن عناصر کے تمام تر پروپیگنڈوں کے باوجود بڑھتی جا رہی ہے۔اس لئے ہمیں نبی اکرم ﷺ کی سیرت کو قرآن کریم کی روشنی میں اپنا کر اسلام دشمن کی قائم نفرتوں کی دیوار گرانا ہوگی۔دیواروں کا نہدام ناممکن نہیں ہے بس اخلاص کے ساتھ ہے۔امن و سلامتی کا ایجنڈا اپنانے کی ضرورت ہے۔

آگ کا انصاف

پاکستان کے علاقے چوٹی زیریں میں "آس آپ رسم" کے ذریعے چوری کے مبینہ ملزم کی بے گناہی ثابت ہونے پر فورٹ منرو کے مرید آنی لغاری قبیلے کے دو گروپوں میں تصادم کا خطرہ ٹل گیا، بتایا یہ جاتا ہے کہ موٹر سائیکل چوری کے شبے پر فرید مرید آنی کی مقامی پنچایت نے بے گناہی ثابت کرنے کیلئے دہکتے انگاروں پر چلنے کا حکم سنایا تو ملزم دہکتے انگاروں سے گزر کر دوسرے کنارے تک پہنچ گیا۔ مولوی یار محمد بگٹی نے نصف گھنٹے بعد ملزم کے پاؤں کا معائنہ کیا تو جلنے کے نشانات اور چھالے نہیں تھے یہ رسم بلوچستان کے علاقوں جعفر آباد، جھل مگسی، سبی، بولان، ڈیرہ بگٹی، کوہلو، کہاں، ڈیرہ مراد جمالی اور متعلقہ علاقوں میں کی جارہی ہے اور بتایا جارہا ہے کہ اب بھی 45 افراد کو اس رسم سے گذرا جائے گا۔ اس سے قبل ہم سنتے رہے ہیں کہ رام کی سیتا نے اپنی بے گناہ ثابت کرنے کیلئے بھی آگ پر چلنے کا امتحان دیا تھا۔ اسلامی مملکت کے صوبے بلوچستان میں قبائلی انصاف کے مطابق انگاروں سے بھرے ایک گڑھے کو منصف بنایا جاتا ہے جس میں بلوچی زبان میں 'آس آپ' یعبیر" آگ اور پانی" یا 'چربیلی کا' نام دیا جاتا ہے اس رسم میں چور کو کھولتے ہوئے پانی میں بھی ڈال دیا جاتا ہے اگر وہ اس میں سے نکل آتا ہے تو بے گناہ قرار پایا ہے، چربیلی کی رسم بگٹی

قبائل میں زیادہ مقبول ہے۔یہ رسم قبیلے کے رواج کے مطابق چوری ، کاروکاری یا قتل کے فیصلے کرنے کیلئے چر بیلی کی جاتی ہے ہے جس کے تحت بارہ فٹ لمبا، آرھائی فٹ چوڑا اور دو فٹ گہرا گھڑا کھودا جاتا ہے جس کو لکڑیوں سے بھر کر آگ لگا دی جاتی ہے، آگ کے شعلے ختم ہونے کے بعد جب انگار تازہ ہو جاتے ہیں تو ایک آدمی قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے انگاروں کی کھائی کو قسم دیتا ہے کہ جو شخص مجرم ہو اس کو پکڑنا اور جو بے گناہ ہو اسکو معاف کرنا، انصاف غلط کیا تو اس قیامت کے دن تم (آگ) ذمہ دار ہوگی۔اس قسم کے حلف کے بعد دینے کے بعد ملزم کو انگاروں پر ننگے پاؤں چلنے کیلئے کہا جاتا ہے انگاروں سے بھرے گڑھے کی دوسری طرف ان کے رشتہ دار تازہ ذبح کئے ہوئے بکرے کے خون سے بھرا برتن لئے کھڑے ہوتے ہیں جس میں ملزم کے پاؤں چند منٹ کیلئے رکھے جاتے ہیں ، بعد میں جرگے کے امین ملزم کے پاؤں دیکھ کر اس کی بے گناہی یا گناہ گار ہونیکا اعلان کیا جاتا ہے ، بلوچی میں اس رسم قبائل رسم کو آگ اور پانیکا پانی کا انصاف کہتے ہیں ، بلوچ قوم کے رہنما اکبر بگٹی اس رسم کے فیصلے کرنے ماہر سمجھے جاتے تھے ان کے مقرر کردہ بنگل بغتی کو قرآن پڑھنے کا اختیار ہوتا تھا مگر ان کی ہلاکت کے بعد اب کے بیٹے حاجی عمر خان بغتی یہ رسم انجام دیتے رہے۔ایک دل چسپ بات یہ ہے کہ اخراجات کے نام پر دونوں فریقین سے پچیس پچیس ہزار طلب کرتے ہیں مگر بعض بگٹی اس بات سے قطعی انکار کرتے ہیں۔عام طور پر اسے جلد اور سستا انصاف کہا جاتا ہے کہ عدالتوں

میں طویل مقدمات کے بجائے اس رسم سے انصاف جلد مہیا ہویا جاتا ہے۔ بلوچوں کی رسومات اور روایات پر عام بلوچوں کو یقین ہے اس لئے قبائلی انصاف کی یہ رسومات تاحال زندہ ہیں۔ بلوچستان کے علاوہ یہ رسم سندھ کے کچھ حصوں میں بھی داخل ہوچکی ہے اس رسم کی بڑی تقاریب کی ابتدا میں سابق وزیر میر منظور پنہور کے گاؤں میں منعقد کی جاتی تھی جبکہ پی پی کے اعجاز جاکھرانی کے خاندان کے افراد بھی چربیلی کے فیصلے کرنے میں بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ لیکن سندھ میں اس رسم کی ادائیگی میں قرآن کی تلاوت کیلئے بگٹی قبیلے سے ہی فرد کو طلب کیا جاتا ہے۔ اس رسم کا سب سے بڑا نفسیاتی ایک پہلو یہ بھی لیا جاتاہے کہ گناہ گار انسان اس رسم کو دیکھتے اور گزرنے کا سوچ کر ہی اقرار جرم کرلیتا ہے اور بے گناہ انسان آگ پر امتحان دینے کیلئے ہر وقت تیار رہتا ہے، پاؤں کیوں نہیں جلتے اس کی توجیہہ بیان نہیں کی جاسکتی، قرآن کریم میں آگ پر حیات موجودہ میں آگ پر سزا دینے کا کوئی تصور نہیں ہے لیکن بعد از مرگ بُرے اعمال کی سزا کی طور پر آگ کی سزؤں کا بڑی شدت سے تذکرہ ملتا ہے۔ اس کیلئے لیکن تاریخ انسانی میں سب سے برا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جس میں نمرود مردود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا کی پہلی منجیق کے ذریعے آگ میں ڈالکر نعوذ باللہ جلانے کی جسارت کی تھی لیکن اللہ تعالی نے اس آگ ٹھنڈا کردیا تھا، کچھ مفکرین ایسے نفرت کی آگ کی تاویل بھی لیتے ہیں لیکن یہ ہمارا موضوع نہیں ہے، دیکھنا یہ ہے کہ غصے کی آگ

کو پی جانے والے کو سب سے بڑا بہادر کیوں کہا گیا ہے، اور حسد کی آگ میں جلنے والوں کی نیکیوں کا 'حبط اعمال' کا تذکرے کا کیا مقصد ہے یہ بھی تو آگ کی اقسام ہے، اسی طرح آتش پرستوں کی سرزمین میں قبل از اسلام آگ کی ہزروں سال سے پوجا ہوتی تھی جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے حکم سے بجھا دی گئی، جس کے انتقام میں ناپاک انسان نے غصے اور انتقام کی آگ میں جفرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ شہید کردیا تھا۔ آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ نومسلوں کی طرح کسی کی حادثاتی وفات پر موم بتی جلا کر کر خاموشی اختیار کرکے زمانہ جاہلیت کی یادگار کو تازہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مذہبی طور پر اہل تشیع حضرات کے بعض اعزادار بھی آگ پر ماتم کرتے نظر آتے ہیں، ۔ اسی طرح ہندومت میں شوہر کے انتقال کے بعد اس کی بیوی کو زندہ جلا دیا جاتا تھا، یہ بھی ان کی رسومات میں ہے، ہم یہ دیکھتے ہیں کہہ ہندمت میں آج بھی بی کو مرے ہوئے شوہر کیلئے آگ میں جلا کت ستی کی جاتی رہی ہے تو بعض مسلمانوں میں میں بھی یہ رسم آئی ہے کہ اگربتیاں جلا کر نظر بد اتاری جاتی ہے آیت قرآنی نعوذ باللہ لکھ کر فتیلے جلائے جاتے ہیں کیا یہ توہین قرآن نہیں؟ ۔ یہ رسومات ہیں اس پر اسلامی نقطہ نظر جاننے کی ضرورت مسلمانوں کو ہے کہ کیا وہ درست کر رہے ہیں کہ انصاف کیلئے کسی کو آگ میں جلنے پر مجبور کیا جاتا ہے، نظر بد کیلئے آگ اس کے جسم کے گرد سات مرتبہ پھرے جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ قرآن کریم میں آگ سے جلانے کا متعدد بار تذکرہ ہے لیکن وہ اُس انسان کے مرنے کے بعد اس کے

بد اعمال کی سزا کی طور پر آیا ہے۔ غیر مسلموں کی بے تحاشا رسمیں ہیں جیسے دوسرے کالم میں بیان کروں گا انشااللہ اس لئے اس پر تبصرہ نہیں کر رہا کیونکہ ان کے عقائد کا معاملہ ہے، ہمیں اپنے اللہ تعالی کو خوش کرنے کے بعد اس کی عبادات اور قرآن میں دیئے گئے قوانین اصول اور سنت رسول ﷺ پر عمل کی ضرورت ہے، اسلام کے نام لیوا کو ملائیشیا کے علاقے بیناگ میں، نو شہنشاہوں خداؤں کا میلہ منعقد ہوتا ہے جس میں ننگے پاؤں انگاروں پر چلنے کی رسم ادا کی جاتی ہے ان کا عقیدہ ہے آگ پر جلنے سے انسان شیطانی اثرات سے پاک ہو جاتا ہے اور آگ پر چلنا کسی آدی کی عظمت اور شیطان سے خود کو آزاد کروانے کی نشانی ہے، سینکڑوں عقیدت مند اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کیلئے دہکتے چلنے کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اسی طرح امزون کے جنگلوں میں یانومامی کے قبائل دنیا کے قدیم ترین قبائل میں شمار کئے جاتے ہیں ان کے نزدیک موت کوئی قدرتی رجحان نہیں ہے ملبے اور لاش کو جلاتے ہیں اور لاش کی راکھ کو کیلے کے خمیر میں ملا دیتے ہیں اس مرکب کو قبیلے کے لوگوں میں تقسیم کردیا جاتا ہے اس کو کھانے کا مطلب ہوتا ہے کہ مرنے والے کی روح قبیلے والوں کے درمیان ہمیشہ کیلئے موجود رہے گی اور ان کی درمیان زندگی گذارنا شروع کردے گی۔ دراصل ہمارے ارد گرد ماحول میں ایسی رسومات ہیں نہیں مخصوص عقیدہ، سوچ اور مذہبی کیفیت میں مقدس سمجھا جاتا ہے ان کی ادائیگی نسل در نسل کی ییے اسی رسومات خاص ایام میں کیں جاتی ہیں انھیں مقدس قرار دیکر اجتہاد کا راستہ روک دیا

جاتا ہے۔ گو کہ یہ دردناک اور پر تشدد رسومات اجتماعی شکل میں بھی ادا کی جاتی ہے لیکن ان میں روایتی گرم جوشی کا عنصر اس قدر زیادہ ہوتا ہے وہی شخص کسی بھی عام دن میں یہ رسم ادا نہیں کر سکتا۔ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور اسلام کے نام پر ہی اس کا وجود باقی ہے ، قبائلی رسم رواج و دیگر روایات اپنی جگہ لیکن اسلام اور قرآن ہمیں ان رسومات کی اجازت نہیں دیتا تو اس کا پابندی یقینی طور پر تمام قبائل یا ان پر تشدد رسومات ماننے والوں پر عائد کردی جانی چاہیے۔اسلام سلامتی، صلہ رحمی اور محبت امن و آشتی کا دین عظیم ہے ۔ اگر ہم غیر مسلموں کی ان روایات کو اپنا کر اپنے عقائد میں شامل کرلیں گے تو بغلوں میں بت رکھ کر سجدے کرنیکی روایات بھی شامل ہونے میں وقت نہیں لگے گا۔ بلوچستان میں چوٹی زیریں کا معاملہ "آس آف رسم" جیسی رسمیں کسی قبیلے کی قبائلی روایات تو ہو سکتی ہے لیکن اس کا اسلام سے کا واسطہ نہیں جوڑا جا سکتا چاہیے وہ کتنی بھی مقدس کیوں نہ ہو۔ ہمیں اسلام ، قرآن کو خود سمجھنا ہوگا کہ آگ کی رسم کی حقیقت کیا ہے۔قرآن کا یہی حکم ہے کہ کیا تم عقل و شعور نہیں رکھتے ۔قرآن کہتا ہے کہ کیا تم ذی حیات سے بھی گذرے ہوئے ہوئے کہ عقل و فکر سے کام نہیں لیتے۔قرآن سمجھو جیسا اس کا حق ہے .

بنگلہ دیش، قیام پاکستان سے پہلے بن گیا تھا؟

مسلم دنیا کی تاریخ کے حوالے سے تین بڑے سانحات بڑے المیے کے طور پر یاد کئے جاتے ہیں، جن میں سقوط بغداد، سقوطِ دلی اور سقوطِ ڈھاکہ۔ سقوط ڈھاکہ کے حوالے سے بڑی وجوہات لکھی جاچکی ہیں جن میں کچھ یہ وجوہ بھی بتائی جاتی ہیں جس میں سقوط بغداد اور سقوط دلی داخلی کمزوری کا نتیجہ نہیں تھے لیکن سقوط ڈھاکہ میں مقامی آبادی دشمن کیساتھ کھڑی ہوگئی یا ایسے ایسا کرنے پر مجبور کردیا گیا۔ دوسری بڑی وجہ، سقوط ڈھاکہ میں مسلم فوجوں نے سرحدی مجبوریوں کے سبب کمک نہ ملنے کے باعث تقریباً لڑے بغیر ہتھیار ڈال دیئے کیونکہ ایک ہزار کلومیٹر سے زیادہ فاصلہ تھا اور یہ تصور عام کیا گیا تھا کہ مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان کا دفاع کرے گا۔ تیسری وجہ میں ہمارے نوے ہزار فوجی گرفتار ہوئے اور انہوں نے دشمن کی قید میں طویل مدت گذارے، اس کے باوجود پاکستان کا مغربی بازو پاکستان کے نام دنیا کے نقشے پر موجود رہا۔ یہ بھی بڑی اہم وجہ ہے کہ مملکتوں کے توڑنے کا سبب عموماً اقلیتیں بنتی ہیں اور اکثریت کی ناانصافی کی شکایات کرتی نظر آتی ہیں لیکن یہاں مشرقی پاکستان اقلیت میں تھا اور مغربی پاکستان اکثریت میں۔ پاکستان بنانے والی بنگالی نسل مسلم قوم نے 1906ء میں ڈھاکہ کی سرزمین پر مسلم لیگ لاہور کی بنیاد ڈالی اور اس کے بانیوں میں اکثریت

بنگالی قائدین کی تھی۔ مشرقی پاکستان کی آبادی ملک کی مجموعی آبادی کا 54 فیصد تھی۔ حسین شہید سہروردی کی عزیزہ شائستہ اکرام اللہ نے اپنی کتاب 'پردے سے پارلیمنٹ تک' میں شکایت کی کہ حسین شہید سہروردی نے مساوات کے اصول کے حق میں مہم چلا کر اپنے سیاسی کیریئر کو داؤ پر لگایا لیکن مغربی پاکستان کے حکمرانوں نے کبھی ان کی اس "خدمت کا اعتراف کرنا تک پسند نہیں کیا۔

اپریل 1947ء ریئر ایڈ مرل وسکاونٹ ماؤنٹ بیٹن کے نام گورنر بنگال سر، ایف 11 .بروز نے ایک مراسلہ لکھا جس میں انھوں نے لکھا کہ ہندو سبھا نے جو کانفرنس تارا کیسوار (ضلع ہگلی) میں ایسٹر کی چھٹیوں کے دوران منعقد کی تھی اس میں لوگوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ اس میں ایک قرار داد کے ذریعے ڈاکٹر سیاما پرشاد مکرجی کو اختیار دیا گیا کہ وہ ایک ایکشن کونسل تشکیل دیں جو بنگال کے ہندوؤں کیلئے الگ مملکت قائم کرنے کی کوشش کرے۔ جون کے آخر تک ایک لاکھ رضاکار بھرتی کئے جائیں". یہ قیام پاکستان سے پہلے کا ذکر ہے جب پاکستان کے قیام کیلئے مسلم لیگ اور مسلمان کوشش کر رہے تھے تو دوسری جانب کانگریس کے عزائم بڑے بھیانک سامنے آ رہے تھے۔ یہاں " ایک اور تاریخی سازش کا ذکر ضروری ہو جاتا ہے

15 اپریل 1947ء صبح ساڑھے دس بجے ایک میٹنگ وائسرے ہند کی سربراہی میں ہوئی جس میں رئیر ایڈمرل وسکاؤنٹ بیٹن آف برما، سرجے۔ کول ویل، لیفٹنٹ جنرل سراے۔ نائے۔ سراے۔ ویلی، ' سرای۔ جنیکر، سرایچ۔ڈو، ' سرایف کلو ' ، سریسف۔ موڈی ' سراو۔ کیرو '، سرسی۔ تریونڈی، سراے حیدری، مسٹر ٹائی سن (سر۔ ایس بورو نمائندے) ،لارڈ اسمے، ' سرای۔ میویل، سر۔سی۔ کرو فیلڈ، مسٹر ایبل، مسٹر کرسنائی، کیپٹن بروک مین ' مسٹر کیمبل جانسن، لیفٹنٹ کرنل ایرسکن کروم موجود تھے۔ مسٹر ٹائی کے مطابق جب کابینہ مشن پہلی بار منظر عام پر آیا تھا تو یہ درست تھا کہ " اس وقت بنگال کی تمام جماعتوں نے سکھ کا سانس لیا تھا کہ بنگال تقسیم نہیں کیا جائے گا 20 فروری کو حکومت برطانیہ کا فرمان چیف منسٹر کو دکھایا گیا تھا کہ حکموت کو بنگال ورثے میں مل جائے گا اور آزاد بنگال کیلئے منصوبہ بندی کی جائے گی۔ ہندوؤں نے اس بیں فروری کے اعلان سے یہ خطرہ محسوس کرلیا تھا کہ بنگال مسلم لیگ کی حکومت کو دے دیا جائے گا۔ پنجاب کے برعکس بنگال میں دو فرقے تھے 33 ملین مسلمان اور 25 ملین ہندو جس میں 9 ملین شیڈول کاسٹ ہندو تھے جو مسلم لیگ کے ساتھ تھے۔ مغربی بنگال کو ایک آزاد مملکت بنانے کی تجویز ٹائی سن کی جانب سے دی جاری تھی کہ بشرطیکہ اس میں کلکتہ کو شامل کرلیا جائے، کیونکہ تمام کلیدی صنعتیں مغربی بنگال میں واقع ہیں، مشرقی پاکستان میں جیوٹ کاشت

کی جاتی ہے اس کی گانٹھیں باندھی جاتی ہیں لیکن اس سے مصنوعات اس علاقہ میں تیار نہیں کیں جاتیں، شمالی بنگال میں چائے کی کاشت ہوتی ہے اور اس کو تیار کیا جاتا ہے لیکن مسلمانوں کے اکثریتی علاقوں میں چائے بہت ہی کم پائی جاتی ہے، مشرقی بنگال تنہا کبھی نہیں چلا اور نہ ہی چل سکتا ہے وہ اپنی خوراک کی ضرورت بھی پوری نہیں کر سکتا اور اس قابل کبھی نہیں ہوگا خواہ خوردنی اجناس کاشت کرنے کیلئے پٹ سن کی کاشت روک دی جائے گی" سر فیڈرک.بروز کے الفاظ میں "یہ زرعی گندگاہ" ہوگا مسلمان اور ہندسب اس حقیقت سے آگاہ ہیں، پس پردہ محسوس کرتے ہیں کہ بنگال کو تقسیم کرنیکا واویلا کا مقصد پاکستان کو "تارپیڈو" کرنا ہے ان کی سمجھ میں یہ کسی طرح بھی نہیں آتا کہ وہ کس طرح مشرقی بنگال کو قابل عمل فارمولا اور نفع بخش سودا ہے۔" 15اپریل 1947ء میں گورنروں کی کانفرنس میں ماونٹ بیٹن آف.برما کو بتایا گیا کہ کلکتہ میں بارہ سو پولیس کے سپاہی ہیں جن میں زیادہ تر گورکھے ہیں۔ میدانی علاقوں میں بھرتی نہیں کی جاتی آئی جی نے پولیس کی نفری میں اضافے کیلئے کہا تو اُس وقت کے چیف منسٹر مسٹر سہروردی نے اصرار کیا کہ یہ سب مسلمان ہونے چاہے ان کی تربیت کے پیش نظر سابقا فوجی ہوں۔ لیکن اس کیلئے ان کو موزوں نظر نہیں آیا تو انھوں نے پنجاب سے چھ سو سابقا فوجیوں کو پولیس میں بھرتی کیا اور ان سے اچھا سلوک کیا جس کے سبب گورکھوں نے انہیں سہروردی کی پرائیوٹ فوج کہنا شروع کر دیا تھا۔ان ہی.برطانوی گورنرز کی میٹنگ میں یہ بھی کوشش کی گئی کہ

آزاد بنگال کو بنانے کی کوشش کی جائے ۔ شمالی مغربی صوبہ سرحد قطع نظر لوگوں کے جذبات کو کے برعکس بھی مسلم لیگ نے صوبے کے بہت زیادہ اخراجات کے باوجود لیے قبول کیا۔ صوبہ سرحد کی آبادی ساڑھے تین ملین تھی جس میں ڈھائی ملین قبائلی باشندے بھی شامل تھے۔ سندھ کی کل آبادی چار ملین ن اور پنجاب کے تقسیم شدہ حصے کی آبادی کو پندرہ ملین ظاہر کیا جاتا تھا اس طرح پاکستان کی کل آبادی 24 ملین شمار کی جا رہی تھی لیکن اس آبادی میں بنگال اور آسام کی آبادی کو شامل نہیں کیا جا رہا تھا پاکستان مربوط تشخص کے ساتھ قائم کیا جاتا تو اقتصادی طور پر خو کفیل ہوتا اور ہندوستان کبھی پاکستان کے ساتھ چھیڑ خانی کا تصور بھی نہیں کرتا۔ لارڈ اسے کا ماننا تھا کہ " مسٹر جناح کا مقصد ایسا پاکستان حاصل کرنا ہے جس میں سندھ ، پورا پاکستان ، صوبہ سرحد، آسام اور پورا بنگال شامل ہو"۔

اس کالم میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان ہونے والی چپقلشوں کا ذکر اس لئے نہیں کیا کیونکہ تاریخ کے اُس پہلو کو سامنے لانا مقصود تھا کہ بنگال کو شروع دن سے ہی پاکستان سے الگ کرنے کی سازش تیار کر لی تھی ۔ بنگلہ دیش بننے کی وجوہات میں سب سے بڑی وجہ انگریز اور کانگریس کی مکارانہ چال تھی جو انھوں نے مل کر رچی اور پاکستان کو ایک ایسا خطہ دیا جو اقتصادی لحاظ سے کمزور تھا تاکہ نئی ریاست جلد از جلد معاشی مشکلات کا شکار ہو جائے

اور ان میں احساس محرومی کو اتنا وثق کیا جائے کہ بظاہر یہی نظر آئے کہ مغربی پاکستان مشرقی پاکستان کے ساتھ ناانصافی کر رہا ہے۔ قیام پاکستان سے قبل انگریز حکومت کی، سازشوں اور کانگریس کی چالوں کا ذکر کرنے یہی مقصد ہے کہ بنگلہ دیش کی پلاننگ قیام پاکستان بنانے سے قبل ہی کی جاچکی تھی اور معاشی حالات جو انھیں ورثے میں ملے تھے اس کا واویلا بھارت، انگلستان گٹھ جوڑ سے کرنے کے بجائے پاکستان کی جانب اس طرح موڑ دیا گیا کہ ہم تاریخ کی سیاہ ترین سازش سے ہمیشہ لاعلم رہیں۔ بنگلہ دیش تیس لاکھ ہلاکتوں کا پروپیگنڈا کرتے نہیں کرتی، اس موضوع پر کالم آچکا ہے یہاں صرف ایک خبر کا ذکر کروں گا.بنگلہ دیش میں 1971ء کی جنگ کے دوران ہلاکتوں پر سوال اٹھانا .برطانوی صحافی ڈیوڈ.برگ مین کو مہنگا پڑ گیا اور بنگلہ دیش کی ایک عدالت نے.بری صحافی کو توہین عدالت کا مجرم قرار دیکر دزا سنادی، عالمی انعام یافتہ ڈیوڈ.برگ کو سماعت ختم ہونے تک عدالت میں کھڑے رہنے کی علامتی سزا دی اور 65ڈالر (پانچ ہزار ٹکا) جرمانہ یا عدم ادائیگی پر ایک ہفتہ کی قید کی سزا دی۔.برطانوی صحافی نے 1971ء میں جنگ میں ہلاکتوں کی سرکاری تعداد پر اپنے ایک بلاگ میں سوال اٹھایا تھا۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق 30 لاکھ افراد مارے گئے تھے جبکہ.برگ مین کا کہنا تھا کہ اس دعوے کی حمایت میں کوئی شواہد نہیں ہیں۔اس کے علاوہ بنگلہ حکومت پاکستان کی حمایت کرنے والوں کو جس طرح طویل سزائیں اور پھانسیاں دے رہی ہیں وہ خود ایک قابل مذمت اقدام ہے۔ ماضی

چھپ نہیں سکتا یہ بنگلہ دیش کا ماضی تھا اور ہے۔

بشیر احمد بلور شہید اور اختلاف در اختلاف

22دسمبر2012ء کو عوامی نیشنل پارٹی کے دلیر رہنماء بشیر احمد بلور شہید ہوئے تو16 دسمبر2014ء پشاور کے ایک اسکول میں سقوط پاکستان کے المیے کے دن سینکڑوں معصوم بچوں کو ماؤں کی گود سے چھین کر قبر کی آغوش میں اتار دیا گیا۔دہشت گردی کے خلاف جنگ میں نا قابل تلافی نقصان پہنچاآج بھی یہی کہا جاتا ہے کہ پشاور میں صرف دو شخصیات ایسی تھی جو دہشت گردی کے ہر واقعے پر سیکورٹی اداروں سے پہلے پہنچ جایا کرتے تھے۔بشیر احمد بلور شہید اور غازی میاں افتخار حسین ۔۔بشیر احمد بلور شہید کا سیاسی کردار کیا تھا اور اے این پی کے حوالے سے ان کی کیا خدمات تھیں اس پر لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھا، بولنے والوں نے بہت کچھ کہا، سننے والوں نے آنکھیں بند کرکے خوب سنا ہوگا اور کہا جاتا رہے گا۔لیکن کسی نے اُن کی اس بات پر توجہ نہیں کہ دہشت گردی کے خلاف اس جنگ میں سب کو متحد ہونا ہوگا۔یہ جنگ شمالی مغربی سرحدوں سے نکل کر کراچی کے سمندر تک پہنچ چکی ہے، سالوں سے جاری دہشت گردی کی اس جنگ میں ہزاروں شہیدوں کی قربانی کے باوجود اب بھی سیاسی و مذہبی جماعتیں یکجا نہیں ہوئی تو پھر پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا نا قابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا۔اس بات کا یقین تھا کہ دلیر بشیر احمد بلور شہید جس طرح دہشتگردی کے خلاف فرنٹ

لائن پر ہیں انھیں شہادت کا رتبہ ضرور ملے گا۔ اسی طرح مجھےآج بھی یقین ہے کہ قوم میں یہ سیاسی و مذہبی جماعتیں پھوٹ ڈالتی رہیں تو پھولوں کے شہر میں کبھی کوئی پھول خوشبو نہیں دے سکے گا میاں افتخار حسین اب بھی آپ کو اکیلے ہی ہر کاروائی پر تعزیت کے لئے جانا ہوگا۔ اکلوتا بیٹا کھو کر بھی پایہ استقامت میں کوئی کمی نہیں آنے دی لیکن بشیر احمد بلور شہید کے جانے کے بعد آپ کو ہی نہیں بلکہ دہشت گردی کا نشانہ بننے والے کے لواحقین کو بھی بشیر احمد بلور شہید کی بہت یاد ستا رہی ہوگی لیکن اب سینکڑوں شہیدوں کے دکھ میں مدوا بننے کیلئے جاتے جاتے آپ کہیں تھک تو نہیں گئے۔ بشیر احمد بلور شہید کے جنازے میں سیکورٹی کے جس طرح انتظامات کئے گئے تھے ایسے دیکھ کر یقین ہوگیا کہ پشاور ہی نہیں بلکہ پورا پاکستان غیر محفوظ ہے۔ دہشت گردی کیا ہے ؟ دہشت کیسے کہتے ہیں ؟ ". خوف وہراس اور وحشت کی فضا پیدا کرکے عدم تحفظ کا احساس پیدا کرنا "۔ جس میں مٹھی بھر دہشتگرد کامیاب ہوجاتے ہیں۔ اور انھیں کامیاب بنانے کے لئے سیاسی ، مذہبی اور سماجی جماعتوں سمیت حکومت کا مکمل تعاون رہا ہے، کیونکہ ان کے اپنے اقتدار کی ہوس نے تمام حساس اداروں کی توجہ دھرنوں اور احتجاجوں کی جانب مبذول کردی ، اور دہشت گردی کے خلاف جنگ میں کوئی قوم کو متفق نہیں کرسکا ، کوئی سونامی خان بن گیا تو کوئی طالبان کا سہولت کار ، کسی نے طالبان کا نام لیا تو کسی نے امریکہ کا ، کسی نے دہشت گردوں کو شہید کہا تو کسی نے شہیدوں کو دہشت گرد، جو بچ گیا اس نے

بھارت کو آڑے ہاتھوں لیا تو کسی کی تان، داغستان، کرغستان، تاجک یا روس پر جا اٹکی، شمالی مغربی سرحدیں غیر محفوظ ہوئیں تو بلوچستان غیر اعلانی طور پر الگ ہوچکا ہے اور حکومت کی رٹ قائم نہیں ہو رہی، بلوچستان غلط پالیسیوں کے سبب علیحدگی کے دہانے پر کھڑا ہے، آہ، میرے مولا، کیسا منظر تھا کہ ایک جانب پاکستانی فوج کے سربراہ اور وزیر اعلی بلوچستان بلوچ جوانوں کی پاسنگ آؤٹ پریڈ میںں بلوچ جوانوں پر فخر کر رہے تھے اور اعلی کارکردگی ریکروٹس کے حوصلے بلند اور اعزات دے رہے تھے تو دوسری جانب ملک و مسلم دشمن دہشت گرد معصوم بچوں کے خون سے ہولی کھیل رہے تھے انھیں شہادتیں دے رہے تھے،، سینکڑوں معصوم تڑپتے لاشے زمین پر پڑے تھے کوئی کرسی کے پیچھے چھپ رہا تھا تو کوئی میز کے عقب میں، لیکن موت ان کے تعاقب میں تھی اور دوسری جانب سیاسی اور مذہبی جماعتوں کا ایک دوسرے کے خلاف الزمات کا سلسلہ جاری تھا۔ یہ سلسلہ یہیں پر تھما نظر نہیں آتا، پاکستان کے نامعلوم ہاتھوں نے بلوچستان، خیبر پختونخوا، سندھ اور کراچی میں خود ساختہ ریاستوں کے قیام کی جانب سے ایسی اصلاحات کیں جا رہی ہیں کہ بہت جلد وہاں سے بھی علیحدگی کی آوازیں اٹھانا شروع ہوجائیں گی۔پاکستان کا اولین مسئلہ دہشت گردی کا خاتمہ ہے لیکن اس کے بجائے سب اپنے اپنے فروعی ایجنڈے پر عمل پیرا کروانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا رہے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح بشیر احمد بلور شہید ہونے کے باوجود بھی دہشت گردی کیخلاف سب کو یکجا کرنے میں ناکام

ہو گئے اور جان قربان کر گئے ، یہ سینکڑوں معصوم شہید وزخمی بچے بھی ان سیاسی جماعتوں کو اکھٹا کرنے میں ناکام ہو جائیں گے۔ حیرت ناک طور پر تمام سیاسی،مذہبی جماعتوں نے اتنے بڑے سانحے سے بھی سبق نہیں حاصل نہیں کیا اور اس کا عبرت ناک مظاہرہ صرف مذمتی بیانات اور سوگ کے نام پر دنیا کو بے وقوف بنانے کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔۔ ملک بھر میں سوگ کے اعلان کے باوجود ملک بھر میں شہری زندگی رواں دواں رہی تو سب سے بڑی اہم بات بناسپتی سیاست دانوں کی منطقیں تھیں جس میں انتخابی حوالے سے آئین کی تمام شقوں کی تفسیر تو بیان کر دیتے ہیں لیکن انتہا پسندی اور دہشت گردی کے ذمے داروں کے خلاف لب کشائی سے گریز کی راہ اختیار کرتے ہیں ۔ نام نہاد گول میز کانفرنسوں میں باہمی اتحاد کے اختلاف میں اندرونی و بیرونی ایجنسیوں کا ہاتھ نہیں ہے لیکن یہ نہیں بتایا جاتا کہ ڈرون حملوں ، افغانستان سے در اندازی ، بلوچستان میں مداخلت ، کراچی بدامنی، خیبر پختونخوا میں کن عناصر کا ہاتھ ہے ۔ تمام زور کس بات کیلئے ہے ایسے سمجھنے سے کوئی قاصر نہیں کیونکہ عوام تو سب جانتی ہے کہ انھیں کس قسم کے نمایندوں کو منتخب کرنا چاہیے لیکن جب وہ اس سسٹم کو توڑنا ہی نہیں چاہتے تو پھر کروڑوں روپے خرچ کرکے کس کے ایجنڈے پر عمل درآمد کروانے کی کوشش کی جارہی ہے۔الیکڑونک میڈیا نے تو حق ادا کر دیا کہ جس قدر اشتہارات ملے اس کا نمک بھی ادا کرنا تھا۔ لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ دھرنے بازوں کو نئے پاکستان بنانے کی اتنی فکر ہے کہ جس صوبے نے ایسے امن

کے نام پر مینڈیٹ دیا اس کے ذمے داران رقص و سرور کی محافل سے ہی فرصت حاصل کرنے کو تیار نہیں، حکومت بھی تفریح کے اتنے مواقع میسر ہونے کے باوجود اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کرے کیونکہ وہ بھی جانتی ہے کہ عوام بے وقوف ہیں یا پھر یہ وہی "فرشتے "تو نہیں جو عوام کی مرضی کے بغیر ووٹ ڈال جاتے ہیں۔یہ فرشتے صرف انتخابی دنوں میں نظر آتے ہیں اور پاکستان کے تمام مشکوک انتخابات میں اپنا بھرپور کردار ادا کرکے چلے جاتے ہیں۔جاگیرداری، سرمایہ داری وڈیرانہ اور کوانین نظام کے خلاف سب آواز اٹھاتے ہیں لیکن ان کی اپنی صفیں ان ہی، فصلی بیٹروں سے بھری ہوتی ہیں۔ روٹی کپڑا مکان کے لئے پیپلز پارٹی سے بڑھ کر کس نے آواز اٹھائی ہوگی۔ مسلم لیگ الف سے لیکری تک بنتی چلی گئی قائد اعظم کا پاکستان نہیں بنا سکی، تحریک انصاف ،طالبان خان سے سونامی خان بن گئی، پھر بزدل خان بن گئے لیکن بدلے تو صرف نہ بدلے، پاکستانی عوام نہیں بدلے۔ دہشت گردی کے روک تھام کے نام اپوزیشن جماعتوں آئندہ الیکشن میں قوم کی ہمدردیاں ضرور حاصل ہوجائیں گی لیکن بادالنظر نہیں لگتا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف لڑنے والے سپہ سالاروں کی شہادتوں کے بعد کسی جماعت کو اپنی پالیسی تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس ہو اور جو فصل کے بیج ماضی میں لگائے گئے تھے اس کی کاٹنے کے پختونوں کی مزید خون کی قربانی دینے سے باز آجائے۔ہم بہ حیثیت پاکستان قوم واحدہ نہیں بلکہ منتشر قوم ہیں۔ قوم کے جذبات سے اور معصوم بچوں کے خون سے کھیلنے والے لوگ

آتے رہیں گے ، عوام کو بے وقوف بناتے رہیں گے ہم بے وقوف بنتے رہیں گے ۔ اقتدار اور کرسی بچانے کیلئے یہ پتلی تماشہ کیوں ہو رہا ہے اس کی صاف وجہ یہی نظر آتی ہے کہ کیسی بھی طور پر بیرونی نامکمل ایجنڈے کی تکمیل کی جائے۔جب دہشت گردی کے خلاف قوم میں اختلاف در اختلاف ہو تو اس کا واضح مطلب ہے کہ احساس کی رمق تک موجود نہیں ہے ، ریاست بچاؤ یا سیاست بچاؤ، گو نواز گو یا رو عمران رو کرتے جاؤ، دہشت گرد کربلا برپا کرتے چلے جائیں گے ، نوحے مائیں ، بہنیں کریں گے ، ماتم باپ اور بھائی ، کریں گے۔ کوئی کچھ نہیں کریگا۔۔ لیکن خدا کے واسطے ۔۔۔بے گناہ عوام آپ اپنے آپ کو ہی تختہ مشق بنانے سے بچاؤ۔۔ !! تم کب یکجا ہو گے ، آخر کب ؟؟؟؟

دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

نائیجیریا کی شدت پسند ' بوکو حرام ' مسلح تنظیم ہے۔ اس تنظیم کا پورا نام جماعتہ اہل السنتہ للدعوۃ الجہاد ہے۔ یہ تنظیم مغربی طرز تعلیم کو حرام سمجھتی ہے اس لئے اس کا نام 'بوکو حرام 'پڑ گیا اور اسی نام یہ مشہور ہے۔ 'ہاؤسا' زبان میں بوکو حرام کا لفظی مطلب "مغربی تعلیم حرام " ہوتا ہے۔ اپریل 2014ء میں شمالی نائیجیریا کے ایک اسکول سے تین سو طالبات کو اغوا کرکے فروخت کردیا گیا۔ اس تنظیم کی ابتدا محمد یوسف نامی سکالر نے رکھی تھی جو 2009 میں مارے گئے اس کے بعد اس گروپ کے کئی دھڑے ہوگئے۔ سب سے مضبوط دھڑا ابوبکر شیخاؤ کی ہے، اس تنظیم نے 2009ء میں نائیجیریا کے خلاف بغاوت شروع کی جس کے بعد سے اب تک ہزاروں مخالفین ہلاک کئے جاچکے ہیں۔ لندن میں قائم ایک غیر سرکاری ادارہ بیورو آف انوسٹیگیٹو جرنلزم ڈرون حملوں اور اس کے نتیجے میں ہلاکتوں کی تفصیلات جمع کرتا ہے اس کے مطابق آٹھ سال قبل باجوڑ کے علاقے ڈمہ ڈولہ کے ایک مدرسے پر ڈرون حملے میں 86 کے قریب طالب علم جاں بحق ہوئے، ادارہ کے مطابق اس حملے میں سب سے کم سن بچے سہیل کی عمر صرف سات سال تھی۔ سی آئی اے امریکہ کی جانب سے پاکستان میں 2004۔ 2014 میں کل 406 حملے کئے گئے جس میں مجموعی طور پر 3892 افراد جاں بحق، جس میں 959 عام شہری جبکہ بچوں کی ہلاکتوں کی تعداد

ہے جبکہ کل 1706 افراد زخمی ہوئے۔ یمن میں 2004-2014 میں ڈروں 204 حملوں میں 46 بچے جاں بحق ہوئے۔ جبکہ صومالیہ میں 2007-2014 تک میں دو بچے ہلاک ہوئے۔ امریکہ کے مطابق مدارس میں مغرب کے خلاف تعلیم دیئے جانے اور تشدد کے فروغ میں طالبان ملوث ہیں، طالبان کے لفظی معنی طالب علم ہیں، لیکن مغرب نے طالبان کو دہشت گرد قرار دیکر جہاں پاؤ قتل کردو کی پالیسی اپنائی اور یہی وجہ ہے کہ ان کے ڈرون حملوں میں مدارس پر جنھیں یہ خود کش بمبار بنانے کی فیکٹریاں سمجھتے ہیں، معصوم بچوں کی بڑی تعداد ہلاک ہوئی۔ اسی طرح طالبان کو دو ممالک کیلئے استعمال کیا جاتا ہے ایک، افغانستان کی تحریک اسلامی طالبان ہے جس کی قیادت ملا عمر کر رہے ہیں طالبان پر افغانستان حکومت کیجانب سے الزام عائد کیا جاتا ہے کہ افغانستان میں حالیہ تشدد اور دہشت گردانہ حملوں کی لہر کے بعد پانچ سو اسکولوں کو بند کردیا گیا اور 30 ہزار سے زائد طلباء علم حاصل کرنے سے محروم ہوگئے ہیں۔ افغانستان کے 16 ہزار اسکولوں میں 83 لاکھ کے قریب طلباء زیر تعلیم ہیں۔ جس میں سے 39 فیصد لڑکیاں ہیں۔ جبکہ افغانستان حکومت نے تحریک طالبان پر یہ بھی الزام لگایا کہ افغانستان کے صوبے نحار میں گذشتہ مہینوں کے دوران لڑکیوں کے چار اسکولوں پر حملے کے دوران پانی میں زہر ملا دیا گیا جس سے سینکڑوں طالبات کو طبّی امداد دینی پڑی۔ ایسی طرح پاکستان میں طالبان کی تحریک جس کی قیادت ملا فضل اللہ کر رہے ہیں پر الزام عائد کیا گیا کہ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں گذشتہ پانچ برس کے دوران

محکمہ تعلیم فاٹا کے ڈپٹی ڈائریکٹر ہاشم خان آفریدی کے مطابق چار سو پچاسی اسکول تباہ کئے گئے جس کی وجہ سے پانچ لاکھ بچوں کا تعلیمی سلسلہ متاثر ہوا۔ جبکہ تحریک طالبان کے مذہبی علماؤں نے اسکولوں کو نذر آتش کرنے کی سختی سے مذمت کرتے ہوئے مذہبی عالم ولی محمد نے کہا کہ "کسی اسکول کو نذر آتش کرنا غیر اسلامی اور غیر انسانی فعل ہے۔ اسکولوں کو نذر آتش کرنیوالے افغانستان اور اس کے مستقبل کے دشمن ہیں۔ مساجد، اسکولوں اور ان تمام مقامات کی حفاظت کرنے کی ضرورت ہے جہاں لوگ کچھ نہ کچھ سیکھتے ہوں۔" ایسی طرح ایک سینئر صحافی کے مطابق انھیں طالبان کے سابق ترجمان ذبیح اللہ مجاہد نے ۲۸ مارچ کی ای میل میں ملا عمر کا موقف دیا ہے کہ " ملا عمر تعلیم و تربیت کی اہمیت کو جانتے ہیں اور وہ دنیا اور آخرت کی کامیابی کا ذریعہ علم کے حصول ہی کو سمجھتے ہیں۔ سابق ترجمان کے مطابق طالبان کبھی بھی افغان عوام کے لئے بنائے گئے تعلیمی اداروں، اسپتالوں اور عوامی مقامات کو بموں سے اڑانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ایسا کرنے والوں کا طالبان سے کوئی تعلق نہیں۔" افغانستان میں 30 لاکھ بچوں کو اسکول میسر نہیں جبکہ ملک میں موجود کل سولہ ہزار اسکولوں میں سے لگ بھگ سات ہزار مناسب عمارات سے محروم ہیں اور طلبہ کو خیموں اور کھلی جگہوں پر تعلیم دی جارہی ہے۔ افغان خواتین کی فلاح و بہبود کے سرگرم تنظیم "ویمن فار چینج" کی رضاکار آرزو امید کا کہنا ہے کہ ان حالات کے باوجود افغاں لڑکیوں کا اسکول جانا ضروری ہے۔

عیسوی میں خواتین کی پہلی یونیورسٹی مراکش میں قائم کی گئی تھی ۔اب جدید ۸۵۹
تعلیم سے آراستہ نام نہاد قوتیں امریکہ اور اس کے سابقہ آقا برطانیہ کیجانب سے جس
طرح مسلم ممالک پر لشکر کشی کی جاتی ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے ۔ان کی جنگجو
پالیسیوں کی وجہ سے ہی مرد اپنے زمیں کے حفاظت کیلئے جہاد کے نام پر اپنی جانیں
قربان کرتا ہے تو دوسری جانب خواتین ان کی عدم موجودگی میں تمام خاندانی نسق و
انتظام سنبھالتی ہیں۔ افغانستان میں امریکہ اور نیٹو فورس نے افغان عوام کا جو حال کیا سو
کیا، اس کی بربادی داستانوں پر اب رویا بھی نہیں۔ اسی طرح عراق پر کیمیائی ہتھیاروں
کی موجودگی کے منصوبے پر جب عراق پر جنگ مسلط کی گئی تو طے شدہ منصوبے کے
مطابق عراق کو تین حصوں میں تبدیل کردیا گیا، ایک سنی مسلمان، دوسرے شیعہ اور
تیسرے کرد۔ اگر عراق میں امریکی جارحیت کے ایک مختصر جائزے میں دیکھا جائے تو
عراق نامور مسلم خواتین شخصیات جس میں بغداد یونیورسٹی، فزکس ڈیپارٹمنٹ کی حفیہ
الوان ہلالی کو ستمبر 2003، ماہا عدیل قادر، بغداد یونیورسٹی، کالج آف
ہومنیسٹ، محترمہ محمد جسیم السیدی، بغداد یونیورسٹی کالج آف ایڈمنسٹریشن، سائرہ محمد
مشھدنی، یونیورسٹی (مارچ 2006ء) ، امل مہالیجی المنصور یونیورسٹی آئی ٹی پروفیسر
جولائی 2008ء) ، لئیا عبدالسعاد، موصل یونیورسٹی، ڈین لا کالج، (جون 2004))
سکفیہ حسین صالح یونیورسٹی آف بصرہ کالج آف ایجوکیشن (28 مئی

،)زنیبیہ عبدیل حسین یونیورسٹی آف بصرہ، کالج آف وٹینرری میڈیسن (200419
جولائی 2006) محترمہ لیز مچان ،ڈیلیا یونیرسٹی میڈیشن کالج،(19اپریل 2006)
خولیہ محمد تقی زاوان،سکفیہ یونیورسٹی، کالج آف لا۔(12 مئی2006) صالح،
النصراوی خفیہ یونیورسٹی کالج آف لاء (22اگست 2007)نافیہ معود خلفہ، بغداد
یونیورسٹی عربیک ڈیپارٹمنٹ، ریب فلع ، ٹیکنالوجی یونیورسٹی العلم الفوراری ، سعاد
العابدی ، یویورسٹی آف موسل فزکس ڈیپارٹمنٹ ، ایمرہ الربائی، نجات شعالع ،
موستنصریہ یونیورسٹی سایکالوجی ڈیپارٹمنٹ (1اکتوبر2006)۔یہ تصدیق شدہ
دستاویز نو مارچ2011 کو بیلجئم میں منعقد انٹرینشنل سمینار آف عراقی اکیڈمی ،
جینٹ یونیورسٹی میں پیش کیا گیا۔اب کیا اقوام متحدہ میں بہترین مقرر یہ بتا سکتا ہے کہ
عراق کی جنگی جنونی جنگ میں ان نابغہ روزگار شخصیات کا نعم البدل کون پیدا کر سکے گا۔
انسانی حقوق کی شامی تنظیم آبزرویٹری کے مطابق شام کے شہر حلب کے دریا کیو وائق
جو کہ جنوب مغرب میں بہتا ہے وہاں 68لاشیں ملیں جس میں نو عمر بچوں کی تعداد
زیادہ ہے ۔ان سب کو کیپٹن ابو صدا کے مطابق بشار الاسد کی حکومت نے قتل کیا۔ یہ
کوئی پروپیگنڈا نہیں ہے بلکہ انسانی حقوق کی آبزرویٹری نے ایک ویڈیو یوٹیوب پر جاری
کی جس میں کیمرہ مین دریا کے کنارے چلتا جا رہا ہے اور کنکریٹ کے راستے پر پچاس
لاشیں نظر آ رہی ہیں۔ اکثر لاشوں کے ہاتھ کمر کی پشت پر بندھے ہیں ، چہرے زرد اور
بدن پھولے ہوئے ہیں ان میں سے اکثریت نو عمر

لڑکوں کی ہے جو جینز پہنے ہوئے ہیں۔
گنجلگ اعداد و شمار کے ساتھ کالعدم تحریک طالبان، پاکستان میں اسکولوں کو نقصان پہنچانے کی بھی طویل تفصیلات ہے، لیکن پشاور کے آرمی پبلک اسکول پر جس طرح حملہ کرکے سینکڑوں بچوں کو شہید وزخمی کیا گیا۔ میں نے آپ سب کے سامنے چیدہ چیدہ واقعات اور کچھ اعداد و شمار رکھ دیئے ہیں کہ معصوم بچوں پر ظلم کرنے والے جو بھی ہیں ،ان کا تعلق صرف دہشت سے ہے۔ دہشت گردی کی کوئی سرحد نہیں ہوتی۔ کسی عمل کے رد عمل میں بچوں کو نشانہ بنانا کسی بھی مذہب قوم یا کسی بھی مذہب کی تعلیم نہیں ہے۔ لیکن دنیا بھر جو کچھ ہو رہا ہے اس کا ذمے دار کون ہے ؟۔پاکستان میں ایسا تک ہوتا رہے گا ،امت مسلمہ کب تک متفرق رہے گی اور باطل قوتیں کب تک ظلم و ستم کرتی رہیں گی ہم سب کو اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکنا ہوگا۔کیا ہم نے ان تعلیمات پر عمل کیا جو ہمیں ہمارا مذہب دیتا ہے۔ تو پھر یہ کونسا مذہب ہے کہ وہ تعلیم کا اس قدر مخالف ہے کہ تعلیم کے لئے بچوں کو جہاں پاؤ قتل کردو۔۔

پوسٹ مارٹم کب ختم ہوگا؟

یورپی پارلیمانی اراکین نے پاکستان سے توہین رسالت ﷺ قوانین پر نظرثانی کا مطالبہ کیا ہے اور کہا ہے کہ ان قوانین کو منسوخ کیا جائے کیونکہ یہ عیسائیوں اور دوسری اقلیتوں کو ہدف بنانے بنانے کیلئے استعمال کئے جا رہے ہیں۔یورپی پارلیمان کے ارکان نے فرانس کے شہر اسٹراسبرگ میں منعقدہ اجلاس میں ایک غیر پابند قرار داد منظور کی۔یورپی یونین کیے ممالک کے دباؤکے تحت ہی پاکستان میں 2008کے بعد کسی بھی جرم میں سنائی گئ پھانسی کی سزاپر عمل درآمد نہیں کیاگیانومبر2012میں صرف ایک فوجی کو کورٹ مارشل کے بعد پھانسی دی گئ تھی۔پاکستان میں گذشتہ ساڑھے چھ سال سے کسی مجرم کو سزائے موت نہ دینے سے جیلوں میں سزائے موت کے سزایافتہ قیدیوں کی تعداد سات ہزار سے زائد بتائی جائے اور ان قیدیوں کی خوارک و رہائش پر سالانہ سوا کروڑ روپے سے زائد خرچ ہو ہے ہیں ہیں۔ سابق وزیر اعظم سیدیوسف رضاگیلانی نے پارلیمنٹ میں اپنے اختتامی خطاب میں کہا تھاکہ ہم اس قانون سازی کو ختم کردیں گے، پی پی کی طرح نگران حکومت اور مسلم لیگ ن نے بھی سزائے موت پر عمل درآمد نہیں کیا، ان قیدیوں میں ایسے بھی ہیں جو 25سال سے قید میں ہیں اور ان کے فیصلے معلق ہیں۔ بعض قیدی عمر قید سے بھی زیادہ سزا

بھگت چکے ہیں ۔ اسلام کے قوانین کسی یورپی یونین کی استعماری جبر کو نہیں مانتا ، اسلام کی رو سے سزا کی معافی کا اختیار صرف مقتول کے وارثین کے پاس ہے ، قصاص و دیت کے حوالے سے مقتول ہی وارث ہی فیصلہ کر سکتے ہیں اس ضمن یہ قانون سازی تو کی جاسکتی ہے کہ ایسی فورم بنائی جائے جو ان مقتولوں کے خاندانوں کے غموں کا مدوا کر سکے لیکن موت کی سزا پر عمل درآمد کو انسانی حقوق کی آڑ میں روک کر توہین رسالت ﷺ اور توہین قرآن کے مرتکب مجرموں کو بچانے کی کسی طور پر منظوری ، نئے قانون سازی سے نہیں کی جائے جاسکتی ، اقلیتوں کے ساتھ ذاتی عناد پر جھوٹے مقدمات بنانے والوں پر یہی قانون نافذ کرکے معاشرے میں خوف پیدا کیا جاسکتا ہے کہ اگر جھوٹا الزام لگایا گیا اور ثابت ہوا تو وہ خود توہین رسالت ﷺ اور توہین قرآن کا مرتکب ہو سکتا ہے ، مسئلہ یہ ہے مغربی پروپیگنڈا اس قدر مضبوط ہے کہ مسلمانوں کیخلاف ہونے والے اقدامات کو آزادی رائے قرار دے کر صرف نظر کر دیا جاتا ہے۔

امریکی کانگریس کی قومی سلامتی کمیٹی اپنی پیش کردہ رپورٹوں کے مطابق امریکا میں مقیم مسلمان شہریوں پر اعتماد نہیں کیا جاتا اور انھیں اپنے ملک کیلئے ' ٹھوس چیلنج ' تصور کرتی ہے ۔امریکہ میں مقیم پاکستانیوں کو مسلسل کمیٹی کیجانب سے شدت پسند کے حامی قرار دیے کر پریشان کیا جاتا ہے جیسے خود امریکہ کی انسانی حقوق کی تنظیموں ، ڈیمو کریٹس اور سول سوسائٹی

کی تنظیموں نے نامناسب قرار دیتے ہوئے ایسے صرف مسلمانوں کا پوسٹ مارٹم کرنے کی کوشش قرار دیا ہے دریں اثنا امریکا میں مسلمانوں کی نمائندہ تنظیم "کیئر" نے سلامتی کمیٹی کے پانچ اجلاسوں میں مسلمانوں کو انتہا پسند ثابت کرنے کی کوشش کی مذمت کی ہے۔ ہندوستان کے شمالی شہر آگرہ سے شرم ناک خبر آئی کی بعض ہندو پسند تنظیموں کی جانب سے تقریبا 200 مسلمانوں کا مذہب تبدیل کروانے کا واقعہ ہوا ہے اس سے قبل بھارتی انتہا پسند سرکار کے شدت پسندوں کیجانب سے رمضان لمبارک میں مسلمانوں کے روزے زبردستی تڑوانے اور مساجد سے اذان دینے پر پابندی جیسے واقعات بھی رونما ہوئے۔ مسلمانوں کو زبردستی مسلمان بنانے کو 'گھر واپسی' کا نام دیا گیا ہے اور ایک تقریب کی تصاویر بھی شائع کرائیں گئیں۔ تقریب وشو ہندو پریشد، بجرنگ دل اور دھرم جاگرن منچ کیجانب سے منعقد کی گئی تھی۔ جن مسلمانوں کے متعلق بتایا کہ انھوں نے اپنا مذہب تبدیل کیا ہے تو انھوں نے میڈیا کو بتایا کہا انھیں دھوکے سے تقریب میں بلا کر خوفزدہ کرکے مسلمان سے ہندو بنایا جا رہا ہے۔انھیں مقامی رہنماؤں نے راشن کارڈ اور شناختی کارڈ بنوانے کا لالچ دیا گیا تھا۔ ان مسلمانوں کا تعلق مغربی بنگال اور بہار سے ہے اور یہ کوڑا کرکٹ اٹھانے کا کام کرتے ہیں۔ہمیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ مئی میں موجودہ وزیراعظم ہندو انتہا پسند قیادت کے بی جے پی کے رہنماؤں نے سر عام کہا تھا کہ ملک میں 800 سال بعد ہندوؤں کی حکومت لوٹی ہے۔یوں تو حق پر چلنے والے روز ول سے

باطل کی عدوات اور سازشوں کا شکار رہے ہیں شر پسند عناصر انفرادی اور اجتماعی طور پر خیر کے روشن چراغوں کو بجھانے کی جستجو میں ہیں۔ مسلمانوں کیخلاف مذہبی منافرت کی یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ترقی یافتہ ممالک میں جب لندن کے علاقے میں ایک فوجی لی رگبی کو چاقو مار کر قتل کردیا گیا تھا جس کے بعد سے ' انقلابی اسلام ' کے عنوان پر وہاں بسنے والے مسلمانوں کے خلاف شر پسند انتہا پسندوں کا غصہ بھڑکا احتجاج کے طور پر مساجد پر پٹرول بم پھینکے گئے۔ 1991ء کی پہلی خلیجی جنگ کویت کو عراق کی حکومت کا قبضہ ختم کرنے کیلئے شروع کی گئی اور عراق پر قبضہ لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔ 1990ء میں بوسینا میں امریکی فوجوں کو مسلمانوں کی حفاظت کے نام پر بھیجا گیا لیکن مسلمانوں کو ہزاروں کی تعداد میں شہید کرکے اجتماعی قبروں میں دفن کردیا گیا۔فری میسن نامی یہودی تنظیم بنا کر مسلمانوں کے خلاف کام کیا گیا اور بد نام زمانہ بلیک واٹر تنظیم نے مسلم ممالک میں دہشت گرد کاروائیوں کے ریکارڈ قائم کئے۔فری میسن تنظیم کے غیر یہودی افراد کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ کس کیلئے کام کر رہے ہیں۔اس تنظیم کے مستقر کا محل وقوع تک ان لوگوں کیلئے ایک نامعلوم سربستہ معمہ ہی رہتا ہے۔ہندوستان میں بٹالہ کے نزدیک واقع قادیان، پاکستان میں ربوہ کے بعد اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والے اس فتنے کا سب سے منظم مرکز اسرائیل کے شہر ' حیفا ' ہے یہودیوں کی ہمیشہ یہ منصوبہ رہی ہے کہ وہ بالکل ابتدائی مرحلوں میں ایسی

شخصیات کو مقبولیت اور شہرت کی بلندی تک پہنچا دیتے ہیں جو مسلم امہ کی بعد میں
بربادی کا سبب بنتے ہیں مصر میں جمال عبدالناصر اور انور سادت کی یہی صورتحال رہی
میں انقلاب کے بعد برپا ہوتے ہی جمال عبدالناصر نے اسلامی تحریکوں کو1954
بربریت سے کچلنا شروع کردیا1970 میں ناصر کی انتقال کے بعد انور سادات نے
کیمپ ڈیوڈ معایدے پر دستخط کردئے مصر کا اس معاہدے پر دستخط کرنا پوری ملت اسلامیہ
کی فلسطین کے متعلق پالیسی سے انحراف اور غداری کے مترادف تھا۔یوں سمجھئے کہ بنی
نوع انسان کو آسمانی ہدایت اور پیغمبرانہ تعلمات کی پیروی سے ہٹاکے اسے ہمہ قسم کی
پابندیوں سے آزاد اور تمام حدود و قیود سے باغی بنا دینے کا نام سیکولرایشن
ہے۔ مسلمانوں کے خلاف غیر مسلم شدت پسندوں کا رویہ شدید سے شدید تر ہوتا جا رہا
ہے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ ایران اسلامی مملکت ہے اس لئے اسکے ایٹمی طاقت بننے
کیخلاف ہے ، پاکستان کے ایٹمی رازوں کی چوری اور تباہی کیلئے درپردہ اور کھلے عام
سازشیں کیں جاتی رہتی ہیں ۔جبکہ شمالی کوریا ایک غیر مسلم ملک ہے اس کو ایٹمی
طاقت بنتے دیکھ دنیا خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے ، بھارت دنیا کی سب سے بڑی ہندو انتہا
پسند حکومت ہے لیکن امریکا اور اس کے اتحادی ہر وقت اس سے آشیرباد لینے کیلئے
بھارت کے پاؤں چھوتے نہیں تھکتے جبکہ پاکستان جو دنیا میں دہشت گردی سے متاثر ہونا
والا سب سے بڑا ملک ہے ایسے دیوار سے لگایا جا رہا ہے۔امریکا جس مسلم کے خلاف
ٹانگ اڑاتا ہے تمام غیر مسلم ممالک اس کے ساتھ

صف آرا ہو جاتے ہیں، لیکن مسلم ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ ظلم ہونے پر انھیں سانپ سونگھ جاتا ہے۔ بادشاہی مسلم حکومتیں عیاشی میں ڈوبی ہوئی ہیں، بلکہ فرقہ واریت کو ہوا دیکر مسلمانوں کے درمیان اتفاق پیدا کرنے کے بجائے انار کی پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کرتی ہیں۔ غیر مسلموں کی شالوں سے عراق، کویت اور افغانستان پر تو قبضہ کرچکے اور اب شام، مصر، یمن بھی ان کے اشارے پر ملک میں انتشار پھیلا چکا ہے۔ سوال یہی ہے کہ سب تمام ممالک کو توہین رسالتؐ ﷺ اور توہین قرآن کے قانون سازی پر اعتراض نظر آتا ہے لیکن پوری دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اس پر انھیں کوئی اعتراض نہیں ہے اس کے لئے کوئی قانون سازی نہیں کی جاتی۔ ہم مسلمانوں کے ساتھ المیہ یہ ہے کہ ہم حضرت محمد ﷺ کے ساتھ ساتھ تمام انبیاو رسول کو مانتے ہیں تمام الہامی کتابوں کو مانتے ہیں اس کے بغیر تو ہمارا ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا اور انھیں مانے بغیر ہم مسلمان ہی نہیں کہلائے جاسکتے۔ اور اسی بات کا یہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ دنیا بھر میں جتنی بھی زیادتیاں ہو رہی ہیں، اس کا مدوا کوئی نہیں کرتا، لشکر کشی کرنے کیلئے کھربوں ڈالر ضرور خرچ کردیتا ہے اور پھر سالوں اس ملک کو لوٹنے کے بعد " سوری " کہہ کر جمہوریت کا راگ الاپ کر چلا جاتا ہے کہ یہ ان کا آپس کا معاملہ ہے، اقوام متحدہ کچھ نہیں کرسکتی۔ مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم طاقتوں کے جبر کی نشاندہی کا سلسلہ جاری رہیگا۔ انشاء اللہ ۔ لیکن اس مقصد صرف یہی

ہے کہ غیر مسلم، مسلمانوں کو سب سے بڑا مظلوم سمجھیں۔ انسانی حقوق کے نام نہاد علمبرداروں، ذرا یہ تو بتا دو کہ مسلمانوں کے انسانی و مذہبی حقوق کا عالمی قانون کب بنے گا اور کون بنائے گا اور منظور کریں گی؟۔ مسلمانوں کا پوسٹ مارٹم کب ختم ہو گا؟؟

ایبولاازم سیاست !

پاکستان جب قیام ہوا تو اس مملکت کے چند اغراض و مقاصد تھے ، جس میں سب سے پہلے اسلامی ریاست کے قیام کی مسلمانوں کیجانب سے خواہش ، اس کے ساتھ اسلامی معاشرے کا قیام عمل میں لانا اور اللہ تعالی کی حاکمیت کے تحفظ پر ایمان رکھتے ہوئے اسلامی نظام کا نفاذ تھا ، اسی نفاذ اسلام کی اساس دو قومی نظریہ کے تحفظ میں پنہاں تھی تو پاکستان میں لسانی سیاست کے بجائے اردو زبان کے تحفظ و ترقی کو مد نظر رکھا جانا تھا ، لیکن اس کے ساتھ ہی مسلم تہذیب وثقفت کو ترقی دینا بھی شامل تھا جس میں جہاں مسلمانوں کو آزادی اور ان کی معاشی بہتری کے ساتھ ، سیاسی اور معاشرتی ترقی بھی شامل تھی ، تحریک پاکستان میں یہ سب اس لئے ضروری تھا تاکہ انتہا پسند ہندؤوں کے تعصب سے نجات حاصل ہو ، کانگریس سے نجات کے ساتھ ، رام راج اور انگریزوں کی غلامی کی زنجیریں بھی توڑ دیں جائیں۔پاکستان اس تاریخی ضرورت اور پر امن فضا کے قیام اور اسلام کے قلعے کے طور پر ملی و قومی اتحاد کے مثالی مملکت کے طور پر دنیا کے سامنے مثالی ریاست بنانا تھا۔

قرارداد لاہور 1940ء جب پیش کی گئی تو قائداعظم نے اپنے صدارتی خطبے میں اسلام و ہندومت کو محض مذاہب ہی نہیں بلکہ دو مختلف معاشرتی نظام قرار

دیئے تھے ۔جداگانہ معاشرتی نظام کیا ہے ؟۔ اس پر ہم بہت تفکر کرتے ہیں لیکن سمجھنے کیلئے اگر ہم سمجھنا چاہیں تو ایک معاشرتی جز کو سامنے لے آئیں کہ ہندو اور مسلمان آپس میں شادیاں نہیں کر سکتے۔

قائداعظم نے فرمایا تھا کہ "میں واشگاف الفاظ میں کہتا ہوں کہ وہ دو مختلف تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ان تہذیبوں کی بنیاد ایسے تصورات اور حقائق پر رکھی گئی ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔مارچ 1909ء میں ہندو رہنما منروا راج امر تسر نے علامہ اقبال کو مہمان خصوصی کی حیثیت سے متحدہ قومیت کے موقع پر خطاب کی دعوت دی، علامہ اقبال نے نہ صرف متحدہ قومیت کے تصور کو مسترد کر دیا بلکہ آپ نے مہمان خصوصی بننے سے بھی انکار کر دیا، آپ نے فرمایا "میں خود اس خیال کا حامی رہ چکا ہوں کہ امتیاز مذہب اس ملک سے اٹھ جانا چاہیے مگر اب میرا خیال ہے کہ قومی شخصیت کو محفوظ رکھنا ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لئے ضروری ہے۔ لیکن بد قسمتی سے پاکستان اپنے اغراض و مقاصد کے برخلاف ایسے ابنائے ملت کے ہاتھوں تباہی کے دہانے پر بتدریج جا رہا ہے کہ اگر بروقت سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا تو جس طرح دو قومی نظریئے کی درگت بن رہی ہے، اس مجرمانہ روش کے بعد مملکت کا صرف ایک بازو ہی نہیں بلکہ خدا نخواستہ تمام دھڑ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔

پاکستان میں سب سے پہلے صوبائیت کی خطرناک بیماری لسانیت کے جان لیوا انفکیشن کے ساتھ وارد ہوئی اور تیزی سے منتقل ہوتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچی کہ دو قومی نظریہ کے تحت حاصل کی گئی مملکت کے سب سے اہم حصے نے اپنے، مسلم تشخص کے بجائے لسانی تشخص کو ترجیح دی۔ ہم لاکھ تاویلات بیان کریں کہ ان کے ساتھ ایسا ہوا، نا انصافی ہوئی، حقوق کی تلفی ہوئی وغیرہ وغیرہ، لیکن میرا ذاتی استدلال یہی ہے کہ جان جانے کے خوف سے وقت سے پہلے کوئی سنکھیا تو نہیں کھالیتا، بلکہ وہ اس وقت تک علاج پھر دعا پر یقین رکھتا ہے جب تک اس کی آنکھیں بند نہ ہو جائیں۔ پھر بھی ہمارے سیاست دان نہ سمجھیں اور انھوں نے باقی ماندہ پاکستان میں اپنے جاگیر داری، وڈیرانہ اور سرمایہ دارانہ خیالات کے لبادے میں ملک کی مختلف اکائیوں میں نفرتکے بیج بونے کا سلسلہ جاری رکھا۔ صوبائیت، لسانیت، عصبیت اور فرقہ واریت کی بیماری پہلے بڑی جماعتوں میں آئی اور پھر اس بیماری کا انفیکشن علاقائی جماعتوں میں پھیلنا شروع ہوگیا، صوبہ در صوبہ چھوٹی چھوٹی تنظیموں اور نام نہاد قومی جماعتوں نے اس طریق کار کو سستی سیاست کے روپ میں اپنا کر رائے عامہ کو متاثر کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا، سب سے پہلے دیہات متاثر ہوئے کیونکہ یہاں تعلیم کی کمی کے سبب شعور مفقود تھا اور اس وائرس کو پھیلانے کیلئے ایک سازگار میدان، پھر اس کے بعد جنگل کی آگ کی طرح ملک کے کوچے کوچے میں پھیلنا شروع ہوگئے اور اس کا نتیجہ اب یہ نکلا ہے کہ پاکستان کا کوئی کوچہ، ان

صوبائیت، لسانیت، عصبیت اور فرقہ واریت کے وائرس سے محفوظ نہیں ہے۔عوام اپنی سادگی یا عقلی جذباتی وارفتگی میں نقالی کرتے ہوئے ایک کے بعد ایک غیر دانستہ یا دانستہ شکار ہوتے چلے گئے۔پاکستان میں اس ایبولا سیاست کی بنیاد قیام پاکستان کے بعد ہی پڑھ گئی تھی جب بنگلہ اور اردو زبان کے لسانی معاملے کو انا کا مسئلہ بنا لیا گیا، پھر بھارت کی چالبازیوں اور اندرون خانہ سازش کاروں کی مرہون منت مشرقی پاکستان الگ ہو کر بنگلہ دیش بن گیا۔صورتحال یہیں پر نہیں رکی بلکہ گریٹ بلوچستان، آزاد پختونستان، سندھو دیش جیسی تحریکوں نے دو قومی نظریہ کی فکر پر صوبائیت، لسانیت، عصبیت اور فرقہ واریت کا تیزاب پھینک کر لاکھوں مسلمانوں کی قربانیوں کو جھلسا دیا۔رہی سہی کسر مذہبی جنونیت اور انتہا پسندی نے پوری کردی کہ پرائی آگ سے ہاتھ سینچتے سینچتے، اپنی جھونپڑی کو ہی آگ لگا لی .

افسوس ناک صورتحال یہ ہے کہ آگ کو بجھانے کے بجائے حسب سازش تیل ڈالنے کا سلسلہ جاری رکھا جا رہا ہے، پاکستان میں اکثریتی آبادی مسلم محفوظ نہیں تو، اقلیتی آبادی کے گھر بھی شعلوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ہماری ایبولا سیاست اب اس نہج پر آ پہنچی ہے کہ الیکٹرونک میڈیا میں کیمروں کے سامنے دیئے جانے والے بیانات تک کو کہا جاتا ہے کہ ایسے سیاق و سباق سے ہٹ کر پیش کیا گیا ہے، دماغ کا دہی تو پاکستانیوں کا ہو گیا ہے جس پر ظالم سیاست دان مسلط اس لئے

ہوگئے ہیں کیونکہ جیسی عوام ویسی حکمران ہی مکافات عمل ہے۔اگر اس خطرناک سیاسی وائرس سے خود کو بچانا ہے تو اس بات کی تصدیق کی ضرورت نہیں کہ نام نہاد سیاست دان ، بیورو کریٹس، مذہبی پیشوائیت،فرقہ وارنہ کالعدم تنظیمیں کا علاج کیا ہے ، ہمیں سب سے پہلے ان تخریب کاروں سے دور اور الگ ہوجانا چاہیے خود کو ان سے الگ تھلگ کرکے یہ وائرس دوسروں تک مباحث کی صورت میں پہنچانے سے گریز کرنا چاہیے۔ان صوبائیت ، لسانیت ، عصبیت اور فرقہ واریت کے حامل جماعتوں کو باشعور ، تعلیم یافتہ اور پیاری اولاد کو ٹھوس غذا پر دینے سے اجتناب برتتے ہوئے جتنا دور رکھ سکتے ہیں دور رکھنا چاہیے، اپنے گھر سے ، پھر رشتے داروں ، پڑوسیوں اور احباب کے ساتھ اس گھمبیر صوبائیت ، لسانیت ، عصبیت اور فرقہ واریت کے وائرس سے بچانے کیلئے ملی اخوات، اور دو قومی نظریہ کا آکسیجن مہیا کرنا چاہیے۔اپنے علاقوں میں سیاسی دباؤ کے پریشر کو کم رکھنے کیلئے معمول سے ہٹ کر ہم خیال محب الوطن احباب کے ساتھ ملکر صوبائیت ، لسانیت ، عصبیت اور فرقہ واریت کے اس ایبولا سیاسی وبا کو مٹانے کی تگ و دو شروع کردینے چاہیے۔

نیا جوان خون اپنی نسل میں پیدا کیا جائے اور عارضی علاج کے طور پر خوش نما نعروں کی ویکسین سے جتنا ہوسکے بچا جائے۔ایسی جھگوں اور چینلوں کے قریب بھی نہ جایا جائے جہاں ایبولا سیاست کا پرچار کیا جارہا ہو ، حفظان ملک کی

خدمات سرانجام دینے والوں کو جذباتی انداز میں نہیں بلکہ دیکھ بھال کر ہوش مندی کے ساتھ، باآہستگی و جذبہ ایمانی کے دستانے پہن کر ایبولا سیاست کی وائرس سے بچنے کی تدابیر اختیار کرنی چاہیے۔ایبولا سیاست کرنے والے ملک وقوم کو خوش نما نعروں سے دھوکہ دیتے نظر آئیں گے کوئی مینار پاکستان کو پانی پت کی لڑائی کا میدان کہلانے کے نعرے مارتا نظر آئے گا تو کوئی حقوق کے نام پر علیحدگی کی سیاست کرتا نظر آئے گا، کوئی قومیت کے نعروں پر جذبہ نسل و ذات کو ابھارتا نظر آئے گا تو کوئی عوامی مسائل پر عوامی جذبات کو روندتا نظر آئے گا، لسانیت ، عصبیت ، صوبائیت ، فرقہ واریت کا وائرس ایک ظرناک اور موذی مرض ہے ، بچاو کی تدابیر ابھی سے اختیار کرکے آنے والی نسلوں کو محفوظ بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن عوام نے بھی غفلت برتی تو جو حال سرکاری ہسپتال میں مریضوں کا ہوتا ہے اس سے بھی بدتر اس پاکستان کی عوام کو ہوگا باقی آپ کی اُپنی مرضی کیونکہ ملک کا فیصلہ تو آپکے ہاتھ میں ہے اگر اس ایبولا سیاست کا علاج باہمی اتفاق و یکجہتی سے کرنا ہے تو یہی بہتر ہوگا ورنہ بیرونی عناصر کی ویکسین درآمد ہوئی ہوئی و پھر ؟

(بچوں سے جنسی زیادتی اور معاشرہ (حصہ اول

بچوں و بچیوں کے ساتھ زیادتی و ہراساں کرنے کے مسلسل واقعات معاشرے کی اخلاقی انحطاط پذیری کی جانب نشان دہی کرتا ہے۔ سب سے بڑا ظلم یہ ہوتا ہے کہ معصوم بچوں کو زیادتی کے بعد اذیت ناک موت سے بھی ہمکنار کردیا جاتا ہے۔ پاکستان میں متعدد ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جس سے انسانیت شرما جائے۔ حالیہ واقعات میں لاہور کے علاقے گرین ٹاؤن کی بہاری مارکیٹ میں ایک سالہ بچے کو مسجد میں زیادتی کے بعد پھانسی دیکر قتل کردیا گیا۔ جبکہ اس سے قبل ایک لڑکی کی جانب سے الزام عائد کیا گیا کہ اس کا باپ ایسے جنسی طور پر ہراساں کیا کرتا تھا جس کے بعد وہ تنگ آکر مدرسے میں پناہ حاصل کرنے پر مجبور ہوئی۔ اس لڑکی کے والد نے اپنی بیٹی کی بازیابی کیلئے سپریم کورٹ میں مقدمہ درج کیا۔ جبکہ اس واقعے کو بنیاد بنا کر کچھ عناصر نے مدارس کے خلاف ایسا پروپیگنڈا شروع کیا کہ جیسے پاکستان کے تمام دینی مدارس ، مسجد ضرار ہیں ، اور انھیں گرا دینا چاہیے۔۔ برطانیہ کے اخبار 'دی میل' میں ایک خبر رپورٹ شائع ہوئی۔ برطانیہ میں 177 ممالک سے تعلق رکھنے والے غیر ملکی مجرموں کے لحاظ سے پہلے دس ممالک میں پاکستان بھی شامل ہے۔۔ برطانیہ میں 12000 مجرموں میں 424 کا تعلق پاکستان سے ہے۔ جبکہ غیر ملکی مجرموں میں 775 قاتل، 587 عصمت دری اور 155 بچوں کے ساتھ جنسی

زیادتی کے مجرم اور 15 سزا یافتہ دہشت گرد ہیں۔ ہوم آفس نے پہلی بار ایسی فہرست جاری کی جس میں دنیا بھر سے۔برطانیہ میں موجود جرائم پیشہ افراد کے جرم اور ان کی قومیت کو شائع کیا۔ مجموعی مجرموں میں سے ہر دس میں ایک قاتل یا جنسی زیادتی میں ملوث ہے۔

.برطانیہ میں ہر 20 بچوں میں سے ایک بچہ جنسی زیادتی کا نشانہ بنتا ہے ان بچوں کو عموما شراب اور نشے کی مدد سے پہلے اپنی طرف راغب کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ جنسی زیادتی کی جاتی ہے۔۔برطانیہ میں بچوں کے ساتھ جنسی تشدد میں شدت پائی جاتی ہے۔برطانوی قانون سازوں نے اپنے ملک میں بچوں کی حمایت کے حقوق کے قانون پر نظرثانی کا مطالبہ کیا ہے۔۔برطانیہ کے دو رفاہی اداروں Izzy's Promise اور Breaqk The Silence نے اپنی حالیہ رپورٹوں میں بھی بچوں کے ساتھ زیادتی اور ان کے ساتھ ظلم کی رپورٹ جاری کی۔۔برطانیہ جیسے ملک میں بڑھتے واقعات کی بنیادی وجہ قانون کی کمزوری بتائی گئی کہ بچوں کی حمایت سے متعلق قوانین کے کمزور ہونے کی وجہ سے بچوں پر ڈھائے جانے والے بہت سے مظالم اور جرائم کی تفتیش نہیں ہوتی ہے۔۔برطانوی اخبار ڈیلی ٹیلی گراف نے ایک ایسی رپورٹ بھی شائع کی جس میں انکشاف کیا گیا کہ اسکاٹ لینڈ یارڈ کی پولیس نے ایک کاروائی کرکے ایسی دستاویزات حاصل کی تھیں جن کے مطابق اس گھناؤنے اقدام میں اس ملکی کی بعض سیاسی شخصیات بھی ملوث تھیں

۔مذہبی اعتبار سے اگر ہم دیکھیں تو بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی واقعات میں فرد کا انفردی قصور ہوتا ہے جیسے مذہب سے جوڑنا مناسب نہیں ہے۔ لیکن حیرانگی ہوتی ہے جب کوئی مذہبی وابستگی رکھنے والی شخصیات ایسے قبیح فعل پر نرم رویہ اختیار کرلیں۔ جیسے کیتھولک چرچ کی طرف سے ہم جنسی رویوں اور حمل کو ساقط یا روکنے کے حوالے سے جو نکتہ نظر رکھا گیا وہ اقوام متحدہ کی جانب سے تنقید کی زد میں آیا اور اقوام متحدہ کی کمیٹی برائے اطفال نے ویٹیکن سے ایک بار پھر کہا کہ بچوں کے ساتھ زیادتی کرنے والے پادریوں کے بارے میں شواہد اکھٹے کا بند عمل دوبارہ شروع کیا جائے اور ذمے دار پادریوں کو انصاف کے کٹہرے تک لایا جائے۔اقوام متحدہ کی کمیٹی برائے اطفال کی سربراہ کرسٹن سینڈبرگ کا کہنا تھا کہ بچوں کے استحصال میں ملوث پادریوں کے بارے میں سخت رویہ اپنانے کا ویٹیکن سے کئی بار کہا گیا ہے لیکن کوئی مناسب ایکشن ابھی تک سامنے نہیں آسکا اور یہ بچوں کے حقوق کے بارے میں 1989ء میں منظور ہونے والے عالمی کنونشن کی سراسر خلاف ورزی ہے۔ جبکہ دوسری جانب ویٹیکن نے ایک بیان جاری کیا تھا کہ بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کو روکنے کے حوالے سے ایک کمیشن بھی تشکیل دیا جاچکا ہے سابقہ پوپ بینیڈکٹ شانزدہم نے 2005ء سے لیکر 2013ء کے درمیان متعدد بار بچوں کے ساتھ ہونے والی جنسی زیادتیوں پر معذرت پیش کی تھیں ۔ اقوام متحدہ کی کمیٹی برائے اطفال کو فراہم کی گئی معلومات کے مطابق سابقہ پوپ بینیڈکٹ شانزدہم نے تقریبا 400 پادریوں کو ان

الزمات کی روشنی میں فارغ کردیا تھا۔ موجودہ پوپ فرانس نے بھی اس حوالے سے ایک خصوصی کمیٹی بنانے کا اعلان کر رکھا ہے۔

ہم اس حوالے سے پاکستان کی صورتحال کا جائزہ لیں تو تعلیم و شعور کی کمی کے باوجود تعلیمی درس گاہوں میں بچوں کے ساتھ جنسی واقعات میں کمی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسے واقعات رونما نہیں ہوتے ، چونکہ پاکستان ایک مسلم ملک کی حیثیت سے ایک شناخت رکھتا ہے اور یہاں جوائنٹ فیملی سسٹم زیادہ تر اپنایا جاتا ہے اس لئے یہاں اس قسم کے قبیح واقعات معاشرے کے ہر فرد کو دہلا دیتے ہیں، جبکہ جنسی زیادتی کے واقعات پاکستان نژاد کمیونٹی سے جنسی زیادتی کے کئی واقعات منظر عام پر آئے ہیں ، ہم عام طور پر مغرب کو تعلیم یافتہ اور باشعور سمجھتے ہیں لیکن دوسری جانب دیکھتے ہیں کہ مغربی ماحول میں ایسے واقعات متواتر ہوتے ہیں اور بعض واقعات رپورٹ بھی نہیں ہوتے ، ایک عالمی شہرت یافتہ باکسر نے حالیہ انکشاف کیا تھا کہ اس کے ساتھ بھی بچپن میں جنسی زیادتی کی گئی تھی ، لیکن اس نے اس واقعے کو چھپایا۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ مشرقی ماحوال میں ، خاص طور پر پاکستان کے مسلم اور خاندانوں کے باہمی جڑے معاشرے کے باوجود ایسے واقعات کیوں رونما ہو رہے ہیں ؟ اس کا ذمہ دار کون ہے ؟۔ حکمران ، والدین ، مذہبی راہنما ، قانون کے رکھوالے ، معاشرہ ، سب ذمے دار جو فحاشی کی روانی کو نہیں روک سکے ۔ اللہ تعالی نے سورۃ

نور کی آیت 19 میں فرمایا ہے ،جو لوگ بے حیائی پھیلانے کے آرزو مند رہتے ہیں ان کے لئے دنیا ورآخرت میں دردناک عذاب ہیں اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۔" بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک راعی (ذمہ دار) ہے اور ہر ایک اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ، تم ضرور بالضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہنا (اگر تم اس فریضے میں کوتاہی کے مرتکب قرار پائے) تو اللہ کا عذاب تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لیگا ،پھر تم دعائیں ہی مانگتے رہو گے اور وہ قبول نہیں کرے گا۔"

سینٹرل ایشیا آن لائن نے چند ماہ قبل شدت پسندوں کے جنسی حملوں کے حوالے سے انکشاف کیا تھا اس کے بعد پاکستانی اور افغان حکام کو دیگر عسکریت پسند گروپوں میں اس طرح کی زیادتیوں کے واقعات کا پتہ چلا۔ افغان قومی نظامت برائے سلامتی کی جانب سے 2013 میں حقانی گروپ کے حوالے سے ایک لڑکے کی مبینہ ویڈیو منظر عام پر آئی تھی کہ ایسے لڑکیوں کا لباس پہنا کر جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ پشاور یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر سرفراز احمد کے بتایا کہ 1990ء کے عشرے میں طالبان پر الزام لگتا تھا کہ وہ لڑکوں کا جنسی استحصال کرتے ہیں۔ اس عمل کی جڑیں کافی گہری ہیں ۔پاک ، افغان قبائلی پٹی میں جاری جنگ میں یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ پشاور یونیورسٹی کے شعبہ بین

الاقوامی تعلقات کے پرفیسر اعجاز خان نے اس بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ " یہ معاشرے میں جرائم سیٹ کرجانے کا نتیجہ ہے کہ مذہبی شدت پسند مذہب کے نام پر کھیل رہے تھے اور اس طرح کے قبیح افعال میں بھی ملوث تھے "۔

افغان قومی نظامت برائے سلامتی کی جانب سے متعدد واقعات کے بارے مبینہ زیادتیوں کی تفصیلات جاری کیں گئیں ، جس پر پشاور یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر سرفراز احمد کے مطابق ایسا تصور کہ یہ مسئلہ سالوں پرانا ہے اور نوجوانوں کی جنسی زیادتی کے ایک دیرینہ مسئلہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی مذمت نہ جائے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ بچوں کے ساتھ جنسی تصور کا یہ تصور کافی عام ہے اور اسے عا "لڑکوں سے حظ اٹھانا بھی کہا جاتا ہے"۔

(جاری ہے)

(بچوں سے جنسی زیادتی اور معاشرہ (آخری حصہ

اقوام متحدہ کے بچوں کے کنوینشن کے 42 نکات ہیں جو تمام بچوں کے بارے میں بتاتے ہیں یہ 1989ء میں تیار ہوا اور ناروے نے 1991ء میں اس پر دستخط کئے اس قانون کا تعلق بچوں اور 18 سال سے کم عمر کے نوعمروں سے ہے اور یہ والدین کے بچوں کے بارے میں فرائض اور بچوں کے والدین کے حقوق کے بارے میں بہت کچھ بتاتا ہے۔ قانون کے مطابق بچوں کی اصل ذمے داری والدین کی قرار دی گئی ہے، والدین پر اپنے بچوں کی سرپرستی ذمے داری ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بچوں کو اچھی زندگی کیلئے انہیں خوراک کپڑے اور زندگی کی دوسری اشیا مہیا کریں۔ اسی طرح والدین پر ذمے داری عائد ہے کہ بچے کے کسی ذاتی معاملے میں خود کوئی فیصلہ نہ کر سکنے کی صورت میں والدین کا یہ حق اور فرض بنتا ہے کہ وہ خود فیصلہ کریں۔

.برطانیہ میں ایشیائی باشندوں کے ہاتھوں مقامی بچوں کے ساتھ جنسی جرائم سے پرادہ اٹھانے والی روتھر ہیم رپورٹ میں بتایا گیا اقلیتی کیمونٹی میں جنسی جرائم کی کثرت اور اس کی پردہ پوشی کا معاملہ بھی سامنے لایا گیا۔ ایک پاکستانی نوجوان خاتون (ر) نے اپنی ذاتی زندگی سے پردہ اٹھاتے ہوئے.برطانیہ مین مقیم پاکستانی نژاد خاندانوں میں جنسی جرائم کے متعلق منفی سماجی رویے

کی نشاندہی کی ۔ ان کا کہنا تھا کہ اسے دس سال کی عمر سے ایک ہمسائے نے جنسی حملوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا تھا جب اس نے دیکھا کہ اس کی برادری میں اس ظلم کا تذکرہ کرنے پر اسے ہی موردالزام ٹھہرایا جائے گا تو اس کے پاس خاموش رہنے کا کوئی چارہ نہ تھا۔ یہ ظلم آٹھ سال تک جاری رہا اور جب اٹھارہ سال کی عمر میں اسے آکسفورڈ یونیورسٹی سے سکالر شپ ملا تو وہ زندگی میں پہلی دفعہ اپنی کربناک دنیا سے نکل پائی ۔آکسفورڈ میں اس نے زندگی کے ہر پہلو پر توجہ دی اور اس کے مثبت رویئے اور سماجی سرگرمیوں کے باعث وہ آکسفورڈ یونین کی صدر بھی بن گئی اس کے بعد اس نے مشہور ہارورڈ یونیورسٹی سے ایم بی اے بھی کیا۔ خاتون نے بتایا کہ جب اس کی زندگی کی کامیابیوں نے اسے اعتماد اور حوصلہ دیا تو س نے جنسی حملے کرنے والے مجرم کو قانون کے کٹہرے میں لانے کا فیصلہ کیا لیکن اس کی سب سے زیادہ مزاحمت اس کے اپنے خاندان کی طرف سے ہی کی گئی۔ والدہ کا کہنا تھا کہ خاندان کی شرمندگی کا باعث بنے گا اس لئے خاموش رہو، خاتون کا کہنا تھا کہ یہی خاموشی اور شرمندگی کا کلچر ہے جو جنسی مجرموں کو تحفظ دیتا ہے بلکہ الٹا متاثر ہونے والے لڑکیوں کو ہی ذمہ دار قرار دے دیتا ہے ، اس خاتون نے حوصلے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس مجرم کے خلاف گواہی دے ، اس سے متاثر ہو کر ایک اور خاتون نے بھی اپنے ساتھ ہونے والی ظلم کی گواہی دی جس کے باعث مجرم کو آٹھ سال کی قید کی سزا سنا دی گئی۔

دراصل یہ وہ کلچر ہے جو پاکستانی معاشرے میں بھی پایا جاتا ہے کہ وہ شرمندگی اور معاشرتی خوف کے پیش نظر زیادتی کے واقعات کو رپورٹ نہیں کرتے اور ظلم کا نشانہ بننے والوں کو خاموش رہنے کا درس دیا جاتا ہے۔ خاموشی اس وقت ٹوٹ جاتی جب کوئی بچہ یا بچی جنسی زیادتی کی وجہ سے قتل کردی جاتی ہے اور اس تلخ خبر کی میڈیا میں تشہیر کے بعد کچھ وقت کیلئے خبر چلتی ہے۔ ارباب اختیار اگر نوٹس لیتے ہیں تو مجرم گرفتار ہوجاتے ہیں ورنہ انصاف کیلئے متاثرہ خاتون خودکشی کی جانب راغب ہوجاتی ہے۔

یہ تمام واقعات بے راہ روی کی روش پر گامزن ہونے کے نتائج ہیں، ایک درندہ بھی کسی جانور کے بچے کو کھاتے ہوئے ہزار بار سوچتا ہوگا لیکن انسانی کھال منڈھے جو درندے ہمارے درمیان ہیں وہ معصوم بچوں پر رحم نہیں کھاتے۔غلاظت سے بھرے انسان نما درندے ننھے فرشتوں سے اپنی ہوس کی آگ جلا دیتے ہیں اور ان کی پوری زندگی کھا جاتے ہیں۔ اخبارات میں چھپنے والی زبان ہو یا ٹی وی پر نشر ہونے والے الفاظ، لوگ انھیں معیار سمجھ لیتے ہیں اس لئے عمومی طور پر دیکھا گیا کہ ہماری بول چال رہن سہن تہذیب سے عاری ہوتے جارہے ہیں۔ ٹی وی چینلز یا انٹرنیٹ کے ذریعے گھر گھر بغیر دستک داخل ہوچکا ہے۔ عریانیت و فحاشی سے ہماری روایات و ثقافت کو بچانے کی کوئی سنجیدہ کوشش نظر نہیں آتی۔

فحش مواد پر مبنی ویب سائیٹس کراچی میں کام کرنے والی کمپنیاں ڈائزئن کر رہی ہیں اور پاکستانی سنجیدہ اور معتبر ویب سائیٹس پر بھی (ڈیٹنگ سائٹس) کے اشتہار نوجوانوں کو ترغیب دیتے نظر آتے ہیں۔۔ فحاشی اور بے راہ روی پھیلانے والی ان ویب سائٹس پر اس قسم کی پابندی لگائی کہ ، ایسے نام نہاد ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ موبائل فون میں ایسی ویڈیوز کی ڈاؤن لوڈنگ ہر گلی ، بازار اور دوکانوں میں کی جاتی ہے لیکن انھیں پوچھنے والا کوئی نہیں۔آزاد رائے کے حیلے میں مدر پدر آزادی نے مغرب کو اتھاہ پاتال میں اتار دیا ہے لیکن مسلم معاشرے سے تعلق رکھنے والے ممالک بھی اس وبا سے اسلامی تعلیمات سے آگاہ ہونے کے باوجود بچنے میں ناکام رہے ہیں۔آزاد رائے کے حوالے سے مغرب نے جنسی اختلاط کیلئے فریقین کی مرضی کو کافی قرار دیا بلکہ ہم جنس پرستی کے قوانین بھی رائج کئے جس سے ان کی اخلاقی تباہی و.بربادی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔اہل علم جانتے ہیں کہ مغربی تصورآزادی میں ہر انسان کو حق و باطل میں سے کوئی ایک رائے اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔وہ لسانی ، گروہی عصبیت پھیلانے کے ساتھ ساتھ کفر اور الحاد پر مبنی لڑیچر تقسیم کرسکتا ہے ۔ وہ چاہے تو کپڑے زیب تن کرکے تصویر کھنچوائے یا مدر پدر آزاد ہو کر.برہنہ جسم فلم بنوائے آج کل مغرب میں تیزی سے ہے ، ننگ دھڑنگ مناظر اور شہوانیPornograpphy پھیلنے والے کاروبار پورنو گرافی مواد کے ساتھ اب پاکستان جیسے ملک میں بھارتی ثقافت سرکاری سرپرستی میں گھر گھر پہنچ چکی ہے۔۔پاکستانی

اپنے ملک سے محبت تو کرتا ہے لیکن بھارتی و مغربی ثقافت کو جیب میں ڈالے پھرتا ہے۔ یہ شہوت اور جنسی ترغیبات ہی ہیں جو معاشرے میں بگاڑ کا سبب بنتی ہیں ۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے سب سے پہلے مردوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی نگاہیں نیچے رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں ، اس کے بعد عورتوں سے کہا گیا۔ فحاشی سے دور رہنے کی متعدد احکامات دیتے ہوئے ایسے " اثم "قرار دیا ، جس کے لغوی معنی گناہ کے ساتھ اس کی ' صلاحیتوں کا مضمحل ' ہو جانا کہا گیا ہے۔ با حیثیت مسلم ہم احکام الہی کے پابند ہیں ۔ سورہ توبہ میں اللہ تعالی نے فرمایا " بے شک اللہ نے خرید لی ہیں مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس کے بدلہ میں کہ ملے گی ان کو جنت "پس جب جان اور مال ہمارا ہے نہیں تو اس کے استعمال اور تصرف میں کس طرح آزاد اور خود مختار ہو سکتے ہیں۔

مغربی اقدار پر بحث کا مقصد یہی تھا کہ ہم نقالی کے طور پر اپنے ہر عمل کو جدید بنانے کی روش میں مغرب کو ترجیح دیتے ہیں ، روشن خیالی ، آزاد رائے اور خود مختاری کے حوالے سے مغرب کی باتیں کرتے ہیں اس لئے ضروری یہی تھا کہ ہم اس بات کو سمجھیں کہ مغرب جس روش پر رواں ہے ، اس کا منطقی نتیجہ بالآخر تباہی کے سوا کچھ نہیں ہے ۔ اسلام ہمیں تہذیب اور اخلاقیات کے جو درس دیتا ہے اس سے ہم واقف ہونے کی زحمت بھی نہیں کرتے ۔اسلام ہمیں معاشرتی طور پر احترام آدمیت کا درس دیتا ہے تو اس کے ساتھ اپنے گھر میں داخلے کے لئے اسلام علیکم کہنے کی ہدایت بھی اس لئے دیتا ہے تاکہ اس کے محرم خواتین

بھی اپنے اٹھنے بیٹھنے میں سمجھداری کا مظاہرہ کریں۔ رشتوں کے احترام میں ہر رشتے کے حد مقرر کرتا ہے۔ محرم اور نا محرم کے واضح فرق بتانے کے ساتھ اس کے فوائد سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ مردوں کو پہلے حکم دیتا ہے تو خواتین کو بھی یہی حکم دیتا ہے کہ اپنی زیبائش میں اس بات کا خیال رکھو کہ تمھارے جسمانی اعضا، کسی شہوت یا بے راہ روی کا سبب نہ بنیں۔ وہ بناؤ سنگار پر پابندی عائد نہیں کرتا لیکن اس کیلئے ایک حدود متعین کرتا ہے۔ وہ زوجین کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیتا ہے تو اس کا مقصد یہی ہے کہ وہ حیا و شرم کے تمام اخلاقی اقداروں کی پاسداری اس طرح کریں کہ جس طرح اپنے جسم ڈھانپنے کیلئے کپڑوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔اسلام گھر میں رہنے کے جو باحیا اصول سے آگاہ کرتا ہے تو باہر جانے کیلئے بھی احکام بتاتا ہے کہ تمھارا رکھ رکھاؤ اور لباس، پردہ ایسا ہو کہ تم شریف زادیاں نظر آؤ۔ فحاشات اور بے راہ روی سے روکنے کے لئے طریق کار سے آگاہ کرتا ہے تو اس کی تربیت کیلئے رمضان جیسے مہینے میں زوجین اور عام مسلمان کے عام حقوق پر بھی تربیت کا اہتمام بھی کرتا ہے۔اگر ہم قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ پر عملدرآمد کرنے کیلئے اپنی اولادوں کے ساتھ اپنی تربیت کا بھی اہتمام کریں تو ہمارا معاشرہ مثالی بن سکتا ہے۔ مغرب نے اسلام کو انتہا پسندی اور ہم نے بھی اپنے دین کو چند معاملات تک محدود کر دیا ہے۔ اسلامی معاشرتی اخلاقی اصول و قوانین سے آگاہی سب کیلئے بہتر ہے، خاص کر مغرب کیلئے۔

امریکہ انخلا، پاکستان اور افغانستان پر اثرات

جیسے جیسے امریکہ کی جانب سے افغانستان کی انخلاء کی اعلان کردہ تاریخ نزدیک آ رہی تھی ، امریکہ کی پریشانی میں متواتر اضافہ ہوتا جارہا تھاکہ افغان جنگ میں استعمال ہونے والا 50ارب ڈالر کا ساز و سامان۔ واپسی کے سبب امریکہ کیلئے وبال اور بھاری نقصان کا باعث بن رہا ہے۔رپورٹ کے مطابق سامان کی واپسی کیلئے 6ارب ڈالر لاگت آئے گی، امریکی حکام اپنا ساز و سامان افغانستان میں چھوڑنے کے حامی نہیں ہیں ۔ کیونکہ انھیں اس بات کا خدشہ ہے کہ امریکہ کی واپسی کے بعد طالبان افغانستان پر با آسانی غالب ہوجائیں گے اور ان کا تمام ساز و سامان طالبان کے زیر استعمال آ جائے گا ۔افغان جنگ کے بارہ سال بعد امریکی حکام انخلاء سے قبل فوجی ساز و سامان طالبان سے بچانے کیلئے مختلف آپشن پر غور کر رہے ہیں ، گو کہ پینٹاگون عندیہ دے چکا ہے کہ افغانستان میں مستقل امن کے قیام تک اُس کی مکمل فوج واپس نہیں جائے گی اس لئے ایک سال کی توسیع بھی کردی گئی اور امریکہ کی ماضی کی تاریخ بھی گواہ ہے کہ اُس نے جس بھی ملک میں لشکر کشی کی ہے ، وہاں سے جنگ بندی کے بعد بھی امریکی فوجی اڈے اور فوجی موجود رہیں ہیں ، اس لئے یہ ناممکن ہے کہ افغانستان کی سرزمین پر امریکہ کا کوئی فوجی نہیں ہوگا ، ابتدائی طور پرپینٹاگون کی جانب سے بیان

میں پانچ ہزار فوجی افغانستان میں رہنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا تھا لیکن بعد ازاں تعداد کی ضرورت کی لحاظ سے مزید اضافے کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا گیا۔تاہم امریکہ کی نقل و حرکت میں کمی ضرور واقع ہو جائے گی اور ان کیلئے دیگر مشکلات میں سب سے اہم مسئلہ جنگی گاڑیوں، ڈائنگ روم، جم اور کپڑے اور دیگر اشیاء کو واپس لے جانا ہے۔ دسمبر 2014ء تک 35 ہزار فوجی گاڑیاں اور 95 ہزار کنٹینرز امریکہ، فوجی وطن واپس لے جانا چاہتے تھے اور اس کی ترسیل کی لاگت کا تخمینہ 6 ارب ڈالر کے قریب لگایا جارہا ہے۔ بھاری فوجی ساز سامان کی اس واپسی کو تاریخ کی سب بڑی فوجی ساز و سامان کی ترسیل قرار دیا جارہا ہے۔امریکی فوجی کیلئے مسئلہ اول یہی ہے کہ افغانستان میں کوئی بندرگاہ نہیں، فضائی یا مشرق وسطی کا راستہ استعمال کرنے سے لاگت میں بے تحاشا اضافہ ہو جائے گا اس لئے ان کی تمام توجہ پاکستان کے راستے اپنے فوجی سامان کو لے جانے پر مرکوز ہے، جنھیں پاکستان میں کسٹم فیس ادا کرکے نکالا جاسکے گا۔افغان جنگ میں صرف کنٹینرز کو نکالنے کی لاگت 237 ملین ڈالر لگائی جارہی ہے، جبکہ ایک ملین ڈالر سے زیادہ قیمت والے 2 ہزار ٹرکوں کو افغانستان میں چھوڑنے پر غور کیا جارہا ہے ۔ذرائع کے مطابق ایسی چوبیس ہزار گاڑیاں پہلے ہی امریکی فوج کے استعمال میں ہیں۔ 8 ٹن وزنی یہ ٹرک فوجیوں کو لانے جانے کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں اور سڑک کے کنارے نصب بم ان پر اثر نہیں کرتے۔

امریکہ کا یہ ارادہ بھی ہے کہ انھیں لے جانے کے بجائے اسکریپ کردیا جائے اور اس کی نیلامی کرکے ان سازو سامان کو افغانستان اور پاکستان سمیت کسی ملک کے حوالے نہیں کیا جائے۔ جنگی ساز و سامان کی فروخت اور نیلامی کیلئے ایک ویب سائٹ پر اشتہار دینے کا پروگرام پیش کیا جارہا ہے۔ من پسند افراد اس سائٹ سے اپنی پسند کے جنگی ساز و سامان کو حاصل کررہے ہیں ا۔ لیکن بھاری فوجی ساز و سامان کو فروخت سے قبل تباہ کردیا جائے گا تاکہ کسی کے استعمال میں اس کی ٹیکنالوجی نہ آسکے، اس لئے لکڑی کے تختے سے ٹرک اور فائر انجن سے روٹی پکانے والی مشین تک ہر روز اس سائٹ پر نئے آئٹمز پیش کئے جارہے ہیں، گو کہ امریکہ چاہتا ہے کہ فوجی ساز و سامان جو افغان جنگ میں استعمال ہوا ایسے واپس لا کر کیلی فورنیا میں قائم 35 ہزار ایکڑ پر محیط ڈپو میں اسٹور کیا جائے۔ یہاں پہلے ہی لاکھوں جنگی گاڑیاں اور ایک ارب ڈالر مالیت کے کپڑے موجود ہیں، اٹلانٹک کونسل کے سنئیر فیلو جم ہاسک کے مطابق اتنا زیادہ ساز و سامان واپس لانے کے بجائے وہیں تباہ کردیا جائے گا۔ امریکہ اپنے فوجی ساز و سامان کو پاکستان کے حوالے بھی نہیں کرنا چاہتا کیونکہ دونوں ممالک کے درمیان اعتماد کی کمی واقع ہے لیکن امریکہ کو یہ ضرور سوچنا چاہیے کہ اگر پاکستان دفاعی ساز و سامان کے ساتھ مضبوط ہوگا تو شدت پسندون کے خلاف کاروائی کرنے میں دشواری کا کم سامنا کرنا ہوگا۔ اگر امریکہ نے افغانستان

سے باقاعدہ انخلاء شروع کردیا ہے تو قوی امکان یہی ہے کہ طالبان کے تمام گروپ اجتماعی طور پر مال غنیمت کو حاصل کرنے کیلئے امریکی قافلے پر دھاوا بولیں گے اور کابل سے لیکر کراچی تک امریکی قافلیکی باحفاظت واپسی کی گارنٹی نہیں دی جاسکتی۔اس کیلئے امریکہ کو پاکستان کی فوجی امداد کے طور پر اپنا سازو سامان پاک فوج کے حوالے کرنا زیادہ مناسب ہوگا کیونکہ اس سے خطے میں طاقت کا توازن.برقرار رہ سکتا ہے اورافغان جنگ میں چالیس ہزار سے زائد معصوم پاکستانیوں کی ہلاکتیں، صرف امریکی جارحیت کی بناء پر ردعمل کے طور پر ہوئیں۔اصل حقائق یہی ہیں کہ پاک عسکری قوت کی قربانیوں کا کوئی مالی تعاون مدوا نہیں کرسکتا لیکن دنیا میں امن کے خاطر اور افغانستان کی ترقی کیلئے ضروری ہے کہ پاکستان اپنے طویل ترین بارڈر پر دراندازوں کو روک سکنے کی اہلیت حاصل کرے۔ گو کہ امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کی قربانیوں کو نظرانداز کرتے ہوئے مطالبات در مطالبات کی پالیسی اپنائی، جس کے سبب پاکستانی عوام میں امریکہ کے خلاف اعتماد کی فضا پیدا نہیں ہوسکی۔پاکستان کی تضیحک اور بھارت کی ہمنوائی کے ساتھ سی آئی اے کی جانب سے بلاروک ٹوک کاروائیوں اور ڈرون حملوں نے پاکستانی عوام کے جذبات کو شدید مشتعل کیا، خاص کر امریکی فوج کی جانب سے قرآن پاک کی بے حرمتی اور امریکی پادری کی جانب سے قرآن پاک شہید کرنے کے واقعے سمیت متعدد ایسے مواقعے آئے جس میں امریکہ اگر انسانیت اور مذاہب کے احترام کے طور پر اپنا مدبرانہ کردار ادا

کرتا تو یقینی طور پر افغانستان سے ایسے ہزیمت اٹھا کر جانے کیلئے محفوظ راستے کی تلاش میں پریشانی اور اربوں ڈالر کا نقصان نہیں اٹھانا پڑتا۔ طورخم بارڈر و باب دوستی سے لیکر کراچی کے ساحلوں تک طالبان نے اپنے نیٹ ورک کو اس قدر مضبوط بنا لیا ہے کہ عسکری قیادت ، سیاسی جماعتوں کی نا اتفاقیوں کی بناء پر ٹھوس حکمت عملی کرنے سے قاصر رہی اور طالبان کو اپنے قدم جمانے کا بھرپور موقع مل گیا۔امریکہ اس زعم میں اگر ہے کہ طالبان کا باب ختم ہوگیا تو اس کی خام خیالی ہے کیونکہ طالبان ایک ایسی قوت کا نام ہے جس میں اپنی سرزمین کے خلاف لڑنے جذبہ اسلامی غلبے کیوجہ سے مستحکم و متفق ہے۔ شواہد یہی بتاتے ہیں کہ پاکستان میں بدامنی کیلئے امریکہ کی جانب سے سی آئی اے ، اپنے زر خرید ایجنٹوں کے ساتھ مکروہ کردار ادا کر رہی ہے اور اس کے پاکستان توڑنے کے کئی منصوبے منظر عام پر آچکے ہیں ، پاکستانی حکمران بلا شبہ امریکی خوشنودی چاہتے ہیں لیکن پاکستانی اور افغانی عوام اپنے تمام تر اختلافات کے باوجود امریکہ کے ہر عمل کو شک و شبے کی روشنی سے دیکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تمام تر کوششوں کے باوجود پولیو خاتمے کی مہم بُری طرح ناکام ہو رہی ہے اور شکیل آفریدی کی ایک عمل کی وجہ سے پورے ملک میں اس مہم کے خلاف شک و شبے کا اظہار کیا جاتا ہے اور شدت پسند اب کبھی نہیں چاہئیں گے کہ این جی اوز کسی بھی بہانے سے ان کے علاقوں میں داخل ہوں ، اس لئے امریکی مفادات کے بجائے صحت عامہ کیلئے بھی کی جانے والی کوششیں امریکی طرز عمل کی

وجہ سے ناکام ہو رہی ہیں اور بے قصور پولیو ورکر، شدت پسندوں کا کھلم کھلا نشانہ بن رہے ہیں۔حکومت کی جانب سے دہشت گردی کے خلاف واضح پالیسی نہ ہونے کے سبب مسلم لیگ (ن) جو طالبان کے نزدیک پسندیدہ جماعت تھی اب انھیں بھی اے این پی کی طرح سبق یکھانے کا الٹی میٹم دیا جا رہا ہے جو ایک خطرناک رجحان کی نشان دہی کررہا ہے۔امریکہ، اگرپاکستان میں اپنے لئے ہمدردی حاصل کرنے کیلئے مخلص ہے تو ایسے اپنے عمل سے ثابت کرنا ہوگا۔افغانستان سے انخلاء کیلئے پاکستان کو دفاعی لحاظ سے مضبوط کرنا خود امریکہ کے مفاد میں ہے، جدید ترین ساز وسامان کو اسکریپ کرنے کے بجائے پاک عسکری قوت کو دینے سے مستقبل میں پاکستانی سرحدوں کی حفاظت، دراصل پورے عالمی خطے کی حفاظت کیلئے ہوگی۔چند ارب ڈالر کیلئے کھربوں ڈالر کی دوبارہ مہم جوئی امریکی کی رہی سہی معیشت کو تباہ کردے گا۔افغانستان کو پاکستان کے بغیر کوئی دوسرا ملک اس لئے کنٹرول نہیں کرسکتا کیونکہ ان کی جغرافیائی و ثقافتی راویات ایک جیسی ہیں اس لئے پاکستان کو افغانستان کی جانب سے دراندزیوں اور غیر ملکی شدت پسندوں کی روک تھام اور ان کے خلاف بھرپور کاروائی کیلئے عسکری مضبوطی ناگزیر ہے، ملک کی مشرقی سرحدیں پر بھارتی جنگی جنونی مہم جوئی کا مسلسل اثر پورے پاکستان پر ہو رہا ہے اسی طرح پاکستان کو غیر مستحکم کرنے والے عناصر اپنی اس روش سے یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کمزور ہوجائے گا تو ان کے مقاصد پورے میں کامیابی کا تناسب بڑھ جائے گا تو یقینی طور پر یہ ایک غلط.

فیصلہ ہوگا۔پاکستان، اپنی دفاعی قوت کے حوالے سے دنیا میں مضبوط ترین عسکری قوت تسلیم کی جاتی ہے، امریکہ کے افغانستان سے جانے کے بعد افغانی افواج کی جانب سے مہم جوئی کا شوق، اور مشرقی حصوں پر بھارتی جنونیت کا مقابلہ تو پاکستان جیسے تیسے کر لے گا لیکن امریکہ اگر یہ سمجھتا ہے کہ پرویز مشروف کی طرح ایک فون کی دھمکی پر پاکستان ایک بار پھر گھٹنے دوبارہ ٹیک دے گا تو یہ غلط فہمی ہوگی اور اسکا ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔امریکہ عالمی امن و امان کیلئے اپنے طرز عمل میں گنجائش پیدا کرے جو خطے کیلئے بہتری کا مثبت قدم ہوگا۔

یہ چنگاری اور اپنی خاکستر

اسلام نے جو آئیڈیالوجی پیش کی وہ زندگی کے تمام شعبوں ، سیاست ، اخلاقیات، معاشرت ، معاشیات اور تعلیم پر محیط ہے۔آج اسلامی نظریہ حیات دورِ جدید کے دو بڑے نظریات اشتراکت اور سرمایہ دارانہ کے سامنے چیلنج بنے ہوئے ہیں۔ مسلم ممالک جدید تعلیم کے حصول کے بجائے دفاع کیلئے زائد سرمایہ خرچ کرتے ہیں۔ دوہرے نظام تعلیم کی وجہ سے مسلمان دورِ جدید کے علمی تقاضوں سے خود دور نہیں ہوا بلکہ سوچی سمجھی سازش کے تحت دور کرادیا گیا۔

آغازِ اسلام میں قرآن و حدیث ، فقہ و ہیت ، علم الانساب ، خوشنویسی وغیرہ شامل نصاب تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے دور میں عربی زبان اور قرآن مجید نصاب کا حصہ تھے ۔ خلفائے راشدین کے دور میں تفسیر، حدیث، علم الانساب ، اسماء الرجال ، عربی محاورات اور جغرافی شامل تھے ۔ عباسی دور تک پہنچتے پہنچتے نصابِ تعلیم قرآن، قرات و تفسیر، فقہ ، خطاطی، جغرافیہ ،تاریخ، ریاضی، جغرافیہ ، علم نجوم ، نظم ، گرامر، کیمیا، فن تعمیر، سنگ تراشی ، عسکری فنون، صنعتی فنون اور فن خطابت شامل ہوگئے۔جب اسلامی سلطنت وسیع ہوئیں تو مساجد کے ساتھ مکاتب نے لے لی۔امام غزالی پہلے مفکر تھے جنھوں نے لازمی اور اختیاری ، مضامین

کے تصور سے آشنا کیا اور علوم شرعیہ کیساتھ علوم دنیویہ کو شامل نصاب کرکے فنی اور پیشہ وارانہ تعلیم کو باقاعدہ رواج دیا۔ بابائے عمرانیات ابن خلدون نے علوم کی دو قسمیں دیں۔ پہلے طبعی علوم یا علوم عقلیہ ، طبعی علم میں منطق، حساب، ہیت، موسیقی ، طبعیات ، الہیات دوسرے تقلیدی علم یا علوم نقلیہ میں تفسیر، قرات ، حدیث، فقہ اصول فقہ ، علم االکلام ، لغت ، صرف و نحو، اور ادب کے ساتھ پیشہ وارانہ علوم مثلا موسیقی ، مصری، نقاشی ، فن حرب غیرہ بھی نصاب میں تجویز کئے۔ غزنوی عہد کے دوسو برس (۹۷۶ء تا ۱۱۸۶ء) میں ماوراالنہر (توران) اصفہان وشیراز اور دوسرے علمی مراکز سے عالموں کی بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی۔ جن میں ابو ریحان البیرونی، فردوسی، عنصری، فرخی، مسعود، سعد سلیمان، اور عسجدی قابل ذکر ہیں۔ مساجد کیساتھ مدارس کی تعمیر مسلم حکمرانوں کی روایت رہی ہے۔ محمود غزنوی نے عظیم الشان کتب خانہ تعمیر کرایا اگر یہ مدرسہ علاؤالدین جہاں سوز کی آگ سے جل کر تباہ نہ ہوتا تو یقینا اس کی اہمیت آج کے جامعہ ازہر سے بڑھ کر ہوتی۔ سلاطین دہلی کے عہد میں بھی کثرت سے مساجد و مدارس تعمیر ہوئے۔ " محمد تغلق نے شہر دہلی آباد کیا تو اس نے مدرسے اور مساجد بھی تعمیر کیں۔ تغلق دور کا سب اہم مدرسہ "مدرسہ فیروز شاہی" تھا۔ یہ ایک عظیم الشان ہندوستان کی پہلی تکنیکی تعلیم کا کامیاب تجربہ تھا جہاں تفسیر، حدیث، فقہ فلسفہ، ہئیت اور ریاضی کے علیحدہ شعبے جات تھے۔ فیروز شاہ نے ہندوستان، توران،، خراسان اور بلاد

اسلامیہ سے طبیبوں کی ایک ایسی جماعت کو یکجا کیا جنھوں نے فن طب پر مستند کتاب مرتب کی جو طب سکندری کہلائی۔

جون پور فیروز تغلق کے نام پر آباد علم و فن کا اہم مرکز بنا۔ مغلیہ اکبر دور میں ابوالفضل نے نصاب کی جو تفصیل لکھی ہے اس کے مطابق علم الحساب، علم الہندسہ، فن زراعت، علم المساحت، علم ہیت، رمل، معاشیات، انتظام ملکی، طبعیات، منطق، ریاضیات، الہیات اور تاریخ کی شعبوں میں ہندو مسلم ملکر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ شاہ جہاں نے "مدرسہ دارلبقا" کے نام سے عظیم الشان مدرسہ قائم کیا۔ اورنگزیب کے دور میں "مدرسہ رحیمیہ" شاہ ولی اللہ کے والد عبد الرحیم نے عہد ساز تعلیمی ادارہ قائم ہوا۔ بد قسمتی سے چودھویں صدی میں کے آخری عشرے میں تیمور اور منگولوں نے جو تباہ کاریاں میں مالی، جانی اور ادبی نا قابل تلافی نقصان پہنچایا۔ اسی طرح انگریزوں نے ہندوستان پر قبضے کے بعد دہلی، آگرہ اور مسلمانوں کے دوسرے علمی اور ثقافتی مراکز کو تباہ و برباد کردیا۔ لاکھوں گراں قدر کتابیں ضائع ہوئیں۔ انگریزوں نے سینکڑوں سال کی محنت سے لکھے جانے والا قیمتی اثاثہ چُرا لیا جو آج بھی یورپی کتب خانوں کی زینت ہیں اور آج بھی بڑی بڑی علمی درسگاہوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ سر سید احمد خان کے علی گڑھ دارلعلوم کو قائدِ اعظم نے اسلامی ہند کا اسلحہ خانہ اور اس کے طلبہ کو بہترین سپاہی قرار دیا تھا۔

انگریزوں نے دوہرا نظام تعلیم متعارف کرایا جس کی وجہ سے مسلمان دور جدید کے تقاضوں کے مطابق خود کو جلد نہیں ڈھال سکے ۔ اس کے علاوہ برطانیہ ، امریکہ اور دیگر یورپی ممالک نے فلاح انسانیت کے بجائے فساد فی الارض کے لئے تباہی کا سامان ایجاد کیا ۔ تمام تعمیریں ایجادات مسلمانوں کی ہیں۔ جدید سائنس کی بنیاد مسلمانوں نے رکھی۔آج مسلمان تعلیم کیجانب متوجہ نہیں ہیں کیونکہ ایسے خانہ جنگیوں ، بدامنی ، دہشت گردی اور ملکی بغاوتوں میں الجھا دیا گیا ہے۔ معاشی طور پر مضبوط مسلم حکومتیں عیاشیوں میں مصروف ہیں۔ ترقی پذیر مملکتیں معاشی الجھنوں و مفاہمتی سیاست و تعلیم پر مجرمانہ عدم توجہ کا شکار ہیں۔ موجودہ دور میں اکیسویں آئینی ترمیم کے حوالے سے بعض مذہبی جماعتیں اپنے تحفظات کا اظہار کر رہی ہیں وہاں یہ خدشہ بھی ظاہر کیا جارہا ہے کہ قوم کی یکجہتی کو سانحہ پشاور میں معصوم بچوں کی شہادتوں کے نتیجے میں جو ایک صفحے پر متفق ہوئے تھے اس کا رخ مدارس کی جانب موڑا جارہا ہے حکومت کی سست روری کی عادات ثانیہ کی وجہ سے تحفظات دور کرنے کیلئے ایک بار پھر حساس معاملے پر وفاق المدارس ، مذہبی جماعتوں اور وکلا بار کونسلوں کو مطمئن کرنے کیلئے ٹھوس اقدامات دکھائی نہیں دے رہے ہیں۔

چیدہ چیدہ نامور چھوٹے بڑے مدارس کے مقابل ایک ادارہ مجلس صوت اسلام

پاکستان، ماضی و مستقبل کی طرز تعلیم کا حسین امتزاج ہے۔ برا عظم ایشیا میں طلبہ سرگرمیوں کو مانیٹر کرنے اور طلبا کے حقوق کی جنگ لڑنے والے ادارے نے مجلس صوت اسلام پاکستان کی طلبہ سرگرمیوں اور بالخصوص تقریری مقابلوں کی تقاریب کو " ایشیا کی تیسری بڑی " طلبہ کی سرگرمی قرار دیا۔ ایشین ڈیبٹنگ ویب سائٹ (Asian debatingweb site) کے نمائندے نے لکھا کہ تین سالوں میں طلبا نے بہت ہی قابل اعتماد تقاریر کیں اور اس مقابلے کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس میں پورے ملک سے جید علماء کو بھی مدعو اور کامیاب طلبا کیلئے خطیر رقم انعام میں دی جاتی ہے۔ جس سے طلبا میں حوصلہ افزائی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ مجلس صوت اسلام پاکستان کے تذکرے کی ایک اہم وجہ یہاں کا نظام تعلیم ہے، تربیت علما کے کورس میں تخصیص فی الدعوۃ والارشاد، صحافت کورس وجغرافیہ کمپوٹر سائنس و عمرانیات، اسلاملک بینکنگ کورس انگلش اور عربک لینگولیج کورس، اور فن خطاب اور اسلوب بیان قابل ذکر ہیں اسی سلسلے میں گذشتہ دنوں اسلام میں مجلس صوت اسلام پاکستان کے زیر اہتمام پاکستان کے تمام رجسٹرڈ مدارس میں زیر تعلیم طلبا کے درمیان کنونشن سینٹر اسلام آباد کی ایک پر وقار تقریب میں ایک تقریری مقابلہ کا اہتمام کیا گیا، تقریب میں راقم نے بھی شرکت کی، قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس قسم کی اجتہادی تقاریب کا اہتمام بڑے منظم انداز میں پہلی بار کیا گیا جس میں کسی مسلک، سنی، شیعہ کی تفریق کے بغیر وفاقی بین المدارس کے منظور شدہ مملکت کے مدارس میں زیر

تعلیم مستقبل کے تمام ممکنہ خطیبوں نے مقررہ موضاعات پر مدلل خطابات نے تحیر و متاثر کر دیا۔ جب مستقبل کے ذہین نوجوان طلبا خطیبوں نے تقاریر کیں تو میرے دل میں ایک بے ساختہ آرزو اٹھی کہ کاش ہمارا الیکٹرونک میڈیا اس پروگرام کی مناسب اور تقاریر کی مکمل کوریج دیتا تو عالم دنیا میں مدارس کے حوالے سے جو غلط فہمی پیدا ہو رہی ہے وہ کسی حدتک دور ہو سکتی تھی۔ مجلس صوت اسلام پاکستان کے امیر مفتی ابوہریرہ محی الدین، نائب رئیس جامعہ اسلامیہ کلفٹن کراچی ہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ تنظیم میں امیر کے علاوہ مزید کوئی عہدے نہیں ہیں۔اہم بات یہ ہے کہ یہ تنظیم مکمل غیر سیاسی ایک ایسی تبلیغی جماعت ہے جس کی ترجیحات میں عصری تعلیم کی بڑی اہمیت ہے جہاں دور جدید کے تقاضوں کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے اور دیگر سیاسی یا مذہبی جمہوری جماعتوں یا تنظیموں کے بالکل برعکس پالیسی کے تحت کسی قسم کے احتجاجی مظاہروں کا حصہ نہیں بنتی بلکہ ان کے مدارس سے فارغ التحصیل عالم جہاں مذہبی تعلیم کا ماہر ہوتے ہیں تو دوسری جانب عصری جدید تعلیم سے آگاہی کے سبب مسلم امہ کیخلاف کئے جانے والے پروپیگنڈوں کا جواب تشدد کے بجائے علم، دلیل اور برداشت کے ساتھ مدلل انداز میں پیش کرتے ہیں اور اپنی رائے کو مسلط کرنے کی کوشش نہیں کیجاتی۔ یہی اس جامعہ کی دیگر خدمات کے علاوہ دوسروں سے منفرد بلا خوف خصوصیت ہے

اور ملکی مدارس کے حوالے سے پائی جانے والی غلط فہمیوں سمیت خود کو سب سے پہلے احتساب کیلئے پیش کرنے کی پیشکش اور مملکت کے آئین کو تسلیم کرنے کے ساتھ ملک میں جاری دہشت گردی وانتہا پسندی کے خلاف عسکری قوت اور پارلیمنٹ کی مکمل حمایت کرتے ہیں۔ تقریب میں شریک میجر (ر) عامر کے بقول کہ میرے جسد مایوسی میں آج ایک قابل اعتماد احساس ویقین پیدا اور مردہ جسم میں روح پھونک دی گئی ہے ۔ محترم خواجہ خان محمد، حضرت مفتی نظام الدین شہید، مولانا حسن جان جیسے اکابرین کے مشورے سے مجلس صوت اسلام نے علمی کام کا آغاز کیا اور اب جید علما اکی مکمل سرپرستی کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ عالمی گلیپ سروے میں مجلس صوت اسلام کو طلبا سرگرمیوں کے حوالے سے ایشیا میں تیسرا نمبر دیا گیا جو قابل تقلید و تعریف اور حوصلہ افزائی کے قابل ہے۔

میری مسجد کو ہاتھ نہ لگائیں

فرانس میں متنازعہ ہفت روزہ جریدے 'شارلی ہیبدو' پر نقاب پوش حملہ آوروں نے اس مجلے کے دفتر میں گھس کر فائرنگ کردی جس سے متعدد افراد جاں بحق ہوئے جس میں ایک مسلمان پولیس اہلکار بھی شامل تھا۔اس حملے کو حضرت محمد ﷺ کے توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کے ردعملقرار دیا گیا ہے۔جب کہ اس حملے سے ایک گھنٹہ پیشتر 'شارلی ہیبدو' نے اپنے ٹوئیٹر مائیکرو بلاگ جاری کیا تھا جس میں داعش کے رہنما البغدادی کا خاکہ تھا اور لکھا تھا "صحت مند رہو اور سب اچھا ہو"۔ قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ دولت اسلامیہ (داعش) کے ریڈیو نے حملہ آوروں کو ہیرو قرار دیا ہے۔دفتر پر حملے کی مذمت اور اسلام فوبیا کی شکار مملکتوں نے ایک ایسی ریلی کا انعقاد کیا جس میں معصوم2500 مسلمانوں کے قاتل اسرائیلی وزیر اعظم نتن ہائیو نے شریک ہو کر مسلم امہ کو ایک پیغام دیا کہ مسلم امہ کے خلاف ہر قسم کی کاروائی و ردعمل میں یہود و نصاری شانہ بہ شانہ ہیں۔حیرانگی اس بات پر تھی کہ اس ریلی میں مسلم ملک سے تعلق رکھنے والے ترکی کے وزیر اعظم نے بھی شرکت کی اور اس وقت تو خاموش رہے لیکن بعد میں اسرائیل کی ریلی کی شمولیت پر بھڑکے اور یورپی ممالک کے متنازعہ کردار کو تنقید کا نشانہ بنایا۔اس میں کوئی دو

رائے نہیں ہے کہ مسلم امہ اپنے تمام تر اختلافات کے باوجود حضرت محمد ﷺ سے یکساں اور بڑھ چڑھ کر محبت کرتے ہیں اور ناموس رسالت ﷺ کیلئے جان دینے سے لیکر لینے تک کسی سمجھوتے پر رضا مند نہیں ہو سکتے۔ اسلام فوبیا کے شکار ممالک اور ان کے عوام مسلمانوں کی حضرت محمد ﷺ سے مسلمانوں کی انسیت اور محبت کی تمام تر گہرائیوں کو سمجھنے کے باوجود ایسا عمل دانستہ کرجاتے ہیں جس سے دنیا بھر میں کونے کونے میں رہنے والے اربوں مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے اور ناموس رسالت ﷺ کے لئے ہر عمل کیلئے پہل کرنا اپنی لئے سعادت سمجھتے ہیں۔

مغرب مذہبی انتہا پسندی میں مسلمانوں کے نام پر انتہا پسندی کرنے والوں سے بڑھ کر شدت پسند واقع ہوا ہے۔ اقوام عالم کی توجہ کیلئے اس بات کا اظہار یہ ضروری ہے کہ ہر عمل کا رد عمل ہوتا ہے اگر مغرب اسلام فوبیا کے خوف سے باہر نہیں نکل سکا ہے تو اس میں مسلمانوں سے زیادہ خود ان کے رد عمل اور پالیساں ہیں۔ مثال کے طور پر سویڈن کے مختلف شہروں میں ہزاروں افراد نے مساجد پر ہونے والے حملوں کے خلاف پر امن مظاہرے کئے۔ سخت سردی کے باوجود ہزاروں افراد جن میں سویڈش خواتین اور بچے بھی شامل تھے مظاہروں میں شرکت ہو کر مساجد کے ساتھ اظہار یکجہتی کیا۔ دارالحکومت سٹاک ہوم میں ہزاروں مظاہرین سویڈش پارلیمنٹ اور شاہی محل کے سامنے جمع ہوئے اور مظاہرہ کیا۔ مظاہرین

"نے ایک بہت بڑا بینر اٹھا رکھا تھا جس پر لکھا تھا "میری مسجد کو ہاتھ نہ لگائیں
امریکہ کے گیارہ الیون کے واقعے کے بعد مسلمانوں کی ایک غلط تصویر اور منفی تاثر کو
فروغ دیا جارہا ہے کہ مسلمان سخت گیر اور معتدل نہیں ہیں۔ اس میں رنگ بھرنے کیلئے
داعش کی جانب سے شام اور عراق میں حالیہ کاروائیاں اور نائیجریا، پاکستان اور
افغانستان میں شدت پسند اور بوکو حرام جیسی تنظیموں کی جانب سے متشدد رجحان نے
اہم کردار ادا کیا ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ سویڈن سے ڈیڑھ سو زائد مسلم نوجوان
شام اور عراق کی جنگ میں حصہ لینے گئے اور ان میں پاکستانی نوجوان بھی شامل
ہیں۔ علاوہ ازیں اس خطے میں اسلامی ریاست کے قیام کے اعلان پر بھی مساجد پر حملوں کا
رجحان بڑھتا جارہا ہے۔ مساجد پر حملوں کا رجحان تشویش ناک حد تک بڑھتا جارہا ہے۔
جیسے سویڈش جریدے دی لوکل نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ "سویڈن ' اسلام فوبیا '
کی لپیٹ میں دکھائی دیتا ہے" 2014ء میں دارلحکومت سٹاک ہوم سمیت ملک بھر
میں مساجد کو نشانہ بنانے کی 14 وارداتیں ہوئیں۔ جبکہ یکم جنوری سمیت امسال مساجد
پر حملوں کے تین واقعات رونما ہوچکے ہیں۔ مقامی پولیس کے مطابق مساجد کی دیواروں
پر سویڈن میں مقیم مسلمانوں کو ملک چھوڑ کیلئے قتل کی دھمکیاں دی گئی ہیں۔ برطانیہ کے
(روزنامہ انڈیپنڈنٹ نے ایک خبر شائع کی کہ (2013ء تک

برطانیہ میں مسلمانوں اور مساجد پر 140 حملے کئے گئے۔اس روزنامہ کی رپورٹ کے مطابق شدت پسندوں نے 9 مساجد پر حملے کئے ہیں، مسلمانوں کی توہین کی ہے اور انٹر نیٹ پر مسلمانوں کے خلاف لکھا ہے۔یہ واقعات لندن میں ایک برطانوی شہری کے قتل کے بعد شروع ہوئے تھے جس میں نسل پرست تنظیم کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف مظاہرے کئے گئے اور مساجد پر حملے بھی ہوئے۔فرانس کے مختلف شہروں میں انتہا پسندوں نے مساجد پر حملے کئے اور حالیہ جریدے حملہ واقعے کے بعد دو مساجد کو آگ لگا کر شہید کر دیا گیا۔فرانسیسی خبر رساں ادارے اے ایف پی کے مطابق پیرس سے مغرب کی جانب شہر لامان میں واقع ایک مسجد پر بغیر بارود کے تین دستی بم پھینکے گئے اس کے علاوہ ایک دوسرے علاقے پورت لانوول میں شام کی نماز کے فوری بعد مسجد کے ہال کی جانب فائرنگ کی گئی اس کے علاوہ ملک کے مشرقی شہر ویلنفرانش سر ساون میں ایک مسجد کے قریب واقع کباب کی دوکان میں دھماکہ ہوا۔اس سے پہلے فرانس کے ہمسایہ ملک کے جرمنی کے مختلف شہروں میں 'مغرب کی اسلامائزیشن' کے خلاف اسلام مخالف یورپی تنظیم 'پیگیڈا' (پیٹریاٹک یوریپئینز اگینسٹ اسلامائزیشن) اور اس تنظیم کے مخالفین نے جلوس نکالے ،پیگیڈا کا دعوی ہے کہ جرمنی پر ایک لحاظ سے مسلمانوں اور دیگر تارکین وطن سے قبضہ کر لیا ہے۔ترک وزیر اعظم نے ترکی کے سفارت خانے میں میڈیا سے بات کرتے ہوئے کہا کہ "ہم توقع کرتے ہیں کہ اسی طرح کی حیاست کا مظاہرہ مسلمانوں کی مساجد پر حملوں اور اسلام فوبیا کے

بارے میں بھی کیا جائے گا"۔فرانس کے صدر اولانڈ کا ماننا ہے کہ "جریدے آفس حملے میں ملوث حملہ آوروں کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے "ترک وزیر اعظم احمد داؤد اوغلو کی اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ "یہ دہشت گرد کسی مسلم ملک میں پروان نہیں چڑھے بلکہ فرانس پیرس کے اپنے ماحول کی پیداوار ہیں اس لئے اس ماحول کا جائزہ لینا چاہیے۔"اہم بات بھی یہی ہے کہ فلسطین ،شام اور عراق میں بھی دہشت گردی ہے ایسے بھی ایک نظر سے دیکھنا ضروری ہے۔دہشت گردوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اس بات پر سب متفق ہیں لیکن بد قسمتی سے مسلمانوں کے ساتھ پوری دنیا میں امتیازی سلوک کیا جاتا ہے ۔امریکہ وافغانستان میں توہین قرآن کے واقعات ، ناروے فرانس میں توہین آمیز خاکوں کی اشاعت ، بھارت سمیت دیگر ممالک میں مساجد پر ، حملے ، مسلمانوں کے شعار پر چھین، فرانس میں پابندی ، حجاب اور دیگر اسلامی راویتوں پر غیر مسلم ممالک کی شدت پسندی کی ایک بڑی مثال چین سے لی جاسکتی ہے اس کے ایک شہر میں مسلمان خواتین کے برقعہ اوڑھنے پر اس لئے پابندی عائد کردی گئی کیونکہ اس سے مذہبی انتہا پسندی کو فروغ ملے گا۔

بھارت میں مذہب کے نام پر مساجد میں خنزیر پھینکے جانے کے واقعات اور یورپ میں مذہبی شدت پسندوں کی جانب سے مساجد کے حملوں میں کوئی فرق اس لئے نہیں ہے کیونکہ ان کا مائنڈ سیٹ ایک ہی ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ مغرب اور اسلام

مخالف قوتوں کو اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے کہ جب ان سے اسلام کی تیزی سے بڑھتی ہوئی مقبولیت برداشت نہیں ہوتی اور مساجد سمیت بے گناہ مسلمانوں کو ہر قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی اشتعال انگیزی کی تمام حدود کو پار کر جاتے ہیں تو کوئی مسلمان شخص اپنی مقدس ترین ہستی نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کی توہین کو کیسے برداشت کرسکتا ہے۔ لاکھ قانون بنالئے جائیں اور لاکھ سختیاں کیں جائیں لیکن یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ جب بھی اپنے محبوب کے مخالف حرکتوں کو دیکھتا ہے تو اس کا اشتعال وغصے میں آجانا قدرتی ہے۔اگر آپ کا موقف درست ہے تو ایسی حرکتیں کیوں کی جاتی ہیں کہ اربوں انسانوں کے جذبات مشتعل ہوجائیں ۔کیا اسلام کے علاوہ کوئی مذہب اپنے ماننے والوں کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کے عبادت گاہوں اور اس کے ماننے والوں کو نقصان پہنچائیں۔اسلام سمیت دنیا کا کوئی مذہب ، مسلک اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ دوسرے مذہب کے ماننے والوں کو کوئی گذند پہنچائے ۔اسلام تو خود سلامتی اور امن کا ایک دین ہے جس کی روح میں پیام امن ، محبت اور پیار ہے۔اس لئے برائے مہربانی " میری مسجد کو ہاتھ نہ لگائیں"۔

لیاری کی ڈور۔۔۔

سندھ میں آمر ضیاالحق کے دور میں ڈاکو پرو چانڈیو کا بڑا چرچا رہا، جب پر چانڈیو کو مبینہ پولیس مقابلے میں مارا تو اس کی میت پر سندھوں نے دو ہزار اجرکیں ڈالی تھیں ۔انہی دنوں پاکستانی کے ایک مایہ ناز قانون داں لیکن ضیاالحق کے قریبی اے کے بروہی کا بھی انتقال ہوا لیکن ان کا جنازہ جب قبرستان پہنچا تو جنازے کے ساتھ صرف ایک آدھ درجن ہی لوگ باقی رہ گئے تھے۔ایسا ہی ایک ہیرو قادو مکرانی کو مانا جاتا ہے جس کے لئے دیو مالائی داستانیں قصے بڑے مشہور ہیں ، بلوچ تاریخ داں یوسف نسکندی کے مطابق قادر بخش بلوچ اصل میں گجرات کا بلوچ تھا جو انگریز افسر کو قتل کرنے کے بعد ہندو تاتریوں کے قافلے میں جب ہنگلاج کی زیارت کے راستے لیاری ندی پر سے گذر رہا تھا تو ایسے گرفتار کرلیا گیا اور مقدمہ چلا کر اسے پھانسی دے دی گئی ، تب سے اب تک وہ بلوچ لوک گیتوں میں ایک ہیرو کے طور پر جانا جاتا ہے ۔ضیالحق کے دور میں ہی جب پولیس نے امان اللہ مبارکی جیسے ایرانی نوجوانوں کو تشدد کے بعد لیاری کے مبینہ جعلی پولیس مقابلے میں ہلاک کیا گیا تو وہ لیاری والوں اور کئی بلوچوں کی نظر میں ہیرو کا درجہ پا گئے۔ذوالفقار علی بھٹو کے دادا غلام مرتضی بھٹو ایک انگریز عورت کو عشق میں بھگا کر لیاری کے

علاقے کھڈہ میں غلام محمد کے پاس پناہ لیا کرتے تھے۔ بے نظیر بھٹو مرحومہ کے پہلے بیٹے کی پیدائش بھی لیاری میں ہوئی بلکہ ان کے پیر بخاری سروری کا مزار بھی لیاری میں ہی ہے۔ سابق صدر آصف زرداری کو لیاری والوں نے ہی جیل میں ہونے کے باوجود منتخب کرکے اسمبلی بھیجا، لیکن جب لیاری والوں کو پانی کے حصول میں شکایات صبر سے باہر ہوئیں تو، لیاری کی عورتوں نے بڑا دلچسپ شکوہ کیا۔

بدقسمتی سے لیاری ہمیشہ کسی نہ کسی کا مشق ستم رہا ہے۔ یحیٰی خان کے دور میں حاجی چارو کے قصے زد عام تھے جب انسانی اسمگلنگ کے سلسلے میں لوگوں کو دوبئ بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا جس میں کئی افراد بحیرہ عرب کی لہروں کا شکار بھی ہوئے ، لیاری کے حاجی چارو سے لیکر تربت کییعقوب گینگ تک انسانی سمگلنگ ایک الگ کہانی ہے۔ ایوب خان کا دور آیا تو لیاری میں شیرل اور دادل کے قصے مشہور ہوئے ، جن کی سرپرستی کیلئے ہارون خاندان مشہور تھے ، کہا جاتا ہے کہ شیرل اور دادل سیاسی مخالفین کے جلسوں میں سانپ چھوڑ دیا کرتے تھے جس سے شرکا میں خوف وہراس پھیل جایا کرتا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے لیاری میں جب قدم جمایا تو عبدالرحمان بلوچ (عرف رحمٰن ڈکیٹ) کے دادا، دادل (داد محمد) کا اثر توڑا اور ان کا دعوی بڑا مشہور ہوا کہ " میری پارٹی اگر اقتدار میں آئی تو میرے وزیر لیاری کی گلیوں میں جھاڑو دیں گے "۔ ککری گراؤنڈ میں

کئے گئے اس دعوے کو ابھی تک کوئی پورا نہیں کر سکا لیکن لیاری سے امن کے نام و نشان پر ضرور جھاڑو پھیر دی گئی۔لیاری اپنی ایک سیاسی ثقافت و تاریخ لئے ایک ایسا باب ہے جیسے ہر آج کے نوجوان لیاری کو جرائم کی گڑھ اور گینگ وار کی وجہ سے پہچانتے ہیں، عبدالرحمٰن بلوچ، ارشد پپو، بابا لاڈلا، شیراز کامریڈ عزیر بلوچ جیسے کئی 'بد' ناموں نے لیاری کو ایک الگ ہی پہچان دے دی ہے۔لیاری رقبے کے لحاظ سے کراچی کے اٹھارہ ٹاؤن میں سب سے چھوٹا ٹاؤن ہے۔اگست 2000ء میں بلدیاتی نظام متعارف کئے جانے کے ساتھ ہی کراچی ڈویژن اور اس کے اضلاع کا خاتمہ کرکے شہری حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا تھا، جس میں لیاری کو بھی ٹاؤن کا درجہ دیا گیا۔لیاری میں اردو، سندھی، بلوچی، مکرانی، کچھی، گجراتی، پنجابی، پشتو، سرائیکی بولنے والوں کی بڑی تعداد عرصے سے آباد ہے۔

ستمبر 2014ء میں دنیا نے لیاری کا ایک نیا چہرہ دیکھا، جب لیاری فسٹیول (ایل ایف ایف) کا انعقاد کیا تھا۔ جس میں نوساچ اکیڈمی، ویمن ڈیولپمنٹ فاؤنڈیشن پاکستان ڈبلیو ڈی ایف پی) اور کراچی یوتھ انیشی ایٹو (کے وائی آئی)کے اشتراک سے مجموعی) طور مختصر اور طویل دورانیے کے 37 فلمیں دکھائیں گئیں اور چار ججوں پر مشتمل پینل نے فیچر اور شارٹ فلموں کے سات سات اور دستاویزی فلموں کیلئے چار شعبوں میں ایوارڈ دیئے۔2010ء میں قائم

نوساچ فلم اکیڈمی کے پروجیکٹ لیڈر عادل حسین بزنجو کا کہنا تھا "کہ ایل ایف لیاری کو نوجوانوں کی طرف سے صرف لیاری کے لوگوں ہی کیلئے نہیں بلکہ کراچی کے سب لوگوں کیلئے ایک تحفہ ہے۔" جبکہ نوساچ کے صدر عمران ثاقب کا کہنا تھا کہ "لیاری شروع ہی سے پاکستان اور سندھ کی فلم سازی میں نمایاں کردار ادا کرتا رہا ہے، لیاری نے فلمی صنعت کو اداکار بھی دیئے ہیں اور تکنیک کار بھی، ہم نے صرف اُس تسلسل کو جوڑا ہے جو ٹوٹ گیا تھا۔"

لیاری کو جس زاویئے سے جتنا پڑھا جائے اتنا ہی کم لگتا ہے۔لیاری میں واحد بخش بلوچ جیسے جگرلیے نوجوان بھی پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے منشیات فروشوں کے خلاف تحریک شروع کی جسے ضیاالحق کے مارشل لا دور میں قتل کردیا گیا ۔واحد بخش بلوچ کا ساتھی ناصر داد بلوچ بھی اسی، اس وقت کی سب سے زیادہ بدنام زمانہ افشانی گلی رہتا تھا، جیسے مقامی لوگوں کی حمایت حاصل تھی اور انھوں نے بہادری سے مقابلہ کرتے ہوئے منشیات فروشوں کو بھگا کر نائٹ اسکول قائم کئے تھے اور ایسے نائٹ اسکول ممبا سا گلی میں بھی قائم کئے گئے جہاں منشیات فروشوں کے اڈے تھے۔ محمود عالم اور امین بلوچ کئیر س تک اسے چلاتے رہے۔آج جب لیاری کمزور دلوں کیلئے خوف کا نمونہ ایک سازش کے تحت بنا دیا گیا ہے۔

اس کے باوجود لیاری میں ایک تعلیمی ادارہ "کرن اسکول" سے قائم ہے جو چودہ سال سے 'سبینہ' نامی خاتون کی جرات مندی اور تعلیم سے محبت کی بناء پر قائم دائم ہے 'سبینہ' کا ماننا ہے کہ "کرن اسکول میں ہم لیاری کے لائق اور ذہین بچوں کو داخل کرتے ہیں اس کے بعد انہیں تیار کرتے ہیں تاکہ وہ نجی اسکولوں میں داخلہ لے سکیں، یہ ایک ایسا موقع ہے جو وہ کسی صورت کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔" 'سبینہ' جہاں اس پر تشدد ماحول میں بچوں کو باہر کا جہاں اور شہر کی تفریح گاہوں میں لے جا کر نئی دنیا متعارف کراتی ہیں تو بچوں کے والدین سے بھی ملاقات کرکے انھیں تعلیمی شعور سے آگاہ کرتی ہیں اور والدین کے ساتھ مشترکہ نشستوں کا انعقاد بھی کرتی ہیں۔

لیاری میں ثقافت کے تمام رنگ موجود ہیں۔ سیاست سے لیکر فنون تک اور کھیلوں میں فٹ بال اور باکسنگ کی ایک منفرد پہچان لئے لیاری کی تاریخ کو ایک کوزے میں بند نہیں کیا جاسکتا۔ غور طلب بات صرف اتنی ہے کہ آخر کیا وجوہات ہیں کہ لیاری کو جہاں کالعدم تنظیموں، گینگ وار جماعتوں یا مخصوص سیاسی جماعتوں کے درمیان شکار کیلئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ مستقل مزاج اور مضبوط قامت کے حامل تاریخی حیثیت رکھنے والی بلوچ قوم کے تشخص کو اس قدر مسخ کیوں کیا جارہا ہے کہ لیاری کا نام سامنے آتے ہی، ماسوائے قتل وغارت، منشیات، بھتہ خوری اور گینگ وار کے کوئی دوسرا خیال نہیں آتا۔ کیا لیاری کے اس تشخص کو

بنانے کیلیئے کسی سوچی سمجھی سازش کے تحت کوئی منصوبہ بندی کی گئی ہے کہ محنت کش قوم کو ایک جرائم پیشہ قوم بنا کر کوئی مخصوص مقاصد حاصل کئے جا سکیں۔

لیاری کو ہمیشہ تختہ مشق بنایا جاتا رہا ہے۔سابق وزیر داخلہ ذوالفقار مرزا کے دور میں جس طرح لسانی طور لیاری کو تقسیم کیا گیا اس کے اثرات آج تک کراچی پر حاوی ہیں۔ایم کیو ایم اور امن کمیٹی کے درمیان تنازعے نے شہر میں ایک ایسا سراسمیگی کا ماحول پیدا کردیا تھا کہ اس کے اثرات نہ جانے کب تحلیل ہونگے۔جس طرح ایم کیو ایم کیخلاف 992, 1 1994,1 ,996 1998,1 میں ریاستی طاقت کا استعمال کیا گیا اسکے باوجود ایم کیو ایم سندھ میں مارشل لاء لگانے کیلیئے مطالبے کرتے نظر آتی ہے تو اسی طرح لیاری میں متواتر گینگ وار نے امن پسند عوام کی زندگی اجیرن کر رکھی اور ارباب اختیار نے امن کے بجائے تشدد کی فضا بنانے کیلیئے شعلہ بیانی کے نت نئے ریکارڈ قائم کرکے جلتی پر تیل ڈالنے کا کام کیا۔کراچی میں لسانی سیاست ، اردو ، پشتو ، بلوچ ، سندھی ، کچھی تک محدود نہیں رہی بلکہ کراچی میں رہنے والی تمام قومیتوں کو لسانی عفریت نے گھیرے میں لیا ہوا ہے اس پر فرقہ وارنہ ماحول نے کراچی کو ہی لیاری بنا دیا ہے۔ایک طرف کراچی امن کے لئے ترس رہا ہے تو ارباب اختیار کے پس پردہ منصوبہ سازوں نے لیاری کے تشخص کو بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں

چھوڑی۔ کراچی میں مسلسل دہشت گردوں کی حکمرانی اور حکومت کی رٹ نہ ہونے پر عوام ایک ایسے خوف کے ماحول میں رہ رہے ہیں، جس میں انھیں باعافیت اپنے گھر واپس آنے کی کوئی ضمانت حاصل نہیں ہے۔ پولیس اہلکاروں سے لیکر سیاسی وغیر سیاسی افراد کی ٹارگٹ کلنگ کے نہ رکنے والے سلسلے نے ثابت کردیا ہے کہ کراچی میں بدامنی کی ڈور لیاری میں نہیں بلکہ عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنے والوں کے پاس ہے۔

! تلخ خبر

ایک تحقیق کے نتیجے میں ایک دلچسپ تجزیہ سامنے آیا کہ قارئین شاید اچھی خبروں کے عادی نہیں رہے۔ یہ تلخ تجربہ ہے۔ دی سٹی رپورٹر نامی خبروں کی ایک ویب سائٹ نے فیصلہ کیا کہ ایک دن کیلئے صرف اچھی ہی خبریں شائع کریں گے تاہم ایسا کرنے سے یہ ویب سائٹ دو تہائی قارئین سے ہاتھ دھو بیٹھی ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہم بھی کسی اچھی خبر کے بجائے تلخ خبروں کو پڑھنے کے عادی ہو چکے ہیں ، منفی معلومات کے گورکھ جال میں پھنسے ہونے کی وجہ سے قارئین کی اکثریت تلخ خبروں سے اچھی خبر دریافت کرنے کی کوشش میں کوشاں رہتی ہے۔ آپ اگر اس کا ذاتی تجربہ کرنا چاہئیں تو کسی بھی نیوز ہاکر اسٹال پر صبح سویرے مختلف افراد کو دیکھیں گے وہ ایسے اخبارات کی خریداری میں دل چسپی رکھتے ہیں جس میں مختلف حادثات میں ہلاک ہونے والوں کی تصاویر ہوں ، کسی گینگ وار کی لڑائی کی خبر ہیڈ نیوز ہو یا پھر ملک میں کسی بھی ہولناک واقعے کی نیوز کو ہیڈ لائن بنایا گیا ہو اور ایسے اخبارات ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جاتے ہیں۔ پشاور سانحے جیسے لاتعداد سانحات میں آپ تجزیہ کریں کہ تلخ واقعات کے تمام تجزیوں میں بیک گراؤنڈ میں ماتمی میوزک چل رہا ہوتا ہے جو سامعین و ناظرین کے دل و دماغ پر اثر پذیر ہوتا ہے اور جہاں واقعات کی شدت ہوتی ہے وہاں اس طرز عمل سے انسانی جذبات

مغلوب ہو کر آنسوؤں کی شکل بہہ نکلتے ہیں۔بڑی مشہور مثال ہے کہ " اگر کسی کتے نے انسان کو کاٹ لیا تو یہ خبر نہیں بنتی بلکہ اگر کسی انسان نے کتے کو کاٹ لیا ہے تو یہ خبر بنتی ہے۔" ایک ویب سائٹ کی نائب مدیر وکٹوریہ نیکرز سودا نے فیس بک پر لکھا "ہم نے خبروں میں مثبت پہلو ڈھونڈنے کی کوشش کی اور میرے خیال میں ہم اس میں کامیاب بھی رہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ کسی کو اچھی خبروں کی ضرورت نہیں ، یہ ایک مسئلہ ہے"۔ تھر کے واقعے کی مثال دیکھ لیں کہ حکومت کی توجہ اس علاقے پر نہیں تھی لیکن میڈیا نے تلخ رپورٹنگ کی تو ہر سیاسی جماعت کے مذمتی بیانات شروع ہوگئے ، امدای کیمپ لگنا شروع ہوگئے ۔روزانہ رپورٹ آنے لگی کہ آج اتنے بچے ہلاک ہوگئے۔حکومت کبھی کیا وضاحت دے تو کبھی بوکھلائٹ میں کیا بیان دے۔ تلخ خبر سے خبر بنتی چلی گئی اور پھر اسی طرح آئی ڈی پیز کے مسائل اہم خبر نہیں بن رہی لیکن جب آئی ڈی پیز نے امدادی سامان میں تاخیر پر احتجاج شروع کیا اور کچھ آئی ڈی پیز زخمی و ہلاک ہوئے تو تلخ خبر تو کہ کا مرکز بنی کہ یہ حکومت کی نااہلی ہے ، صوبائی کہنے لگی کہ وفاقی حکومت کی نااہلی ہے۔روزانہ ٹریفک حادثے ہوتے رہتے ہیں ۔ بین الاصوبائی شاہراؤں کی حالت زار کسی سے چھپی نہیں ، لیکن جب کوئی ہولناک حادثہ پیش آجاتا ہے تو وہی گھسے پٹے بیانات کا ایک سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اس کے بعد پھر خاموشی۔بالخصوص کراچی میں مخصوص طبقات مخصوص اخبارات اس لئے خریدتے ہیں کیونکہ ان اخبارات میں ان کے مخالف کی تلخ خبریں شائع ہوتی ہیں۔

ان کی ٹیبل اسٹوریوں کی بنا پر ایک مخصوص مائنڈ سیٹ بننا شروع ہو جاتا ہے اور اس اخبار کی ہر خبر کو سچ سمجھ کر دوسرے طبقے کے خلاف من و عن آراء تخلیق کر لی جاتی ہے۔ تلخ خبروں کے تجربے میں اگر ہم دیکھیں تو قارئین، سامعین یا ناظرین وہ دیکھنا چاہتے ہیں جس میں کوئی 'مصالحہ' ہو۔ لیاری میں اگر کوئی اچھا کام ہو رہا ہوگا تو وہ کوئی نہیں جاننا چاہیے گا لیکن سب یہ ضرور جاننا چاہیں گے کہ عزیر بلوچ کی گرفتاری کے بعد اب کیا ہوگا ؟۔ قومی ایکشن پلان میں اچھی خبر ملی کہ تمام جماعتیں یکجا ہوئیں ہیں لیکن ابھی خبر کی سیاہی خشک بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ لمبی لمبی پریس کانفرنسیں، بیانات، ریلیاں، جلوس ہونا شروع ہوگئے کہ ہم تو فلاں عمل کے مخالف تھے، تلخ گھونٹ یا زہر پی کر مان رہے ہیں۔ اچھی خبر کے انتظار میں عمران خان دھرنوں کی سیاست سے واپس ہوئے نہیں تھے کہ خبر تلاش کی جانے لگی کہ حکومت سے مذاکرات ناکام ہوگئے تو پھر کیا ہوگا ؟۔ پھر تلخ نوائی کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہوا کہ وزیر اعظم کو دوبارہ تمام سیاسی جماعتوں کی اے پی سی بلانی پڑی کہ ہم دہشت گردی کے خلاف یکسو ہونے جا رہے ہیں۔ نئی آئینی ترمیم کے ذریعے اچھی خبر عوام میں جگہ نہیں بنا سکی کہ آخر 35 سالہ جنگ کا فیصلہ دو سال میں خصوصی عدالتوں کے قیام سے ہو جائے گا ؟۔ کراچی میں دو سال سے آپریشن جاری ہے۔ پہلے یہ اچھی خبر تھی پھر تلخ خبر بن گئی کہ اس آپریشن کو مخصوص حلقوں کے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے۔ کسی جماعت کا اتحاد اچھی خبر تھی

لیکن مخالفت تلخ خبر بن جاتی ہے کہ اللہ خیر کرے اب کیا ہوگا ؟۔ پڑولیم میں مسلسل کمی اچھی خبر رہی ، لیکن عوام تک اس کا ریلیف نہیں پہنچا ایک تلخ خبر بن گئی کہ ہماری بسیں تو سی این جی پر چل رہی ہیں ، ایل پی جی کی نرخ آسمانوں کو چھو رہے ہیں ، مہینے میں ایک بار پٹرول کی قیمت بڑھ جانے پر آٹے ، گھی ، گوشت اور سبزی فروٹ کی قیمتیں آسمان پر پہنچا دیں جاتی ہیں کہ ٹرانسپوٹرز نے کرایے بڑھا دیئے کیونکہ ڈیزل مہنگا ہوگیا ہے لیکن ، تلخ خبر یہ ہے کہ مسلسل پٹرول ، ڈیزل کی کمی کے باوجود صورتحال جوں کہ توں ہے ، اس سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا کہ عوام کو اشیاء خورد نوش کی قیمتوں میں کمی کا ریلیف کیوں نہیں مل رہا۔ افغان مہاجرین کی دوسری نسل سے تیسری نسل پاکستان میں پروان چڑھ رہی ہے ، لیکن ان کی واپسی کی اچھی خبر نہیں مل رہی کہ جب نیٹو کا پرچم سرنگوں ہوگیا امریکہ واپس ہو رہا ہے تو تلخ خبر آئی کہ امریکہ ایک سال اور رہے گا اور افغان مہاجرین پاکستان میں رہیں گے ۔ دراصل ہم اچھی خبروں کے عادی نہیں رہے ، ہمارے کالم ، ہماری شاعری ، ہمارے رشتے سب تلخ ہوتے جا رہے ہیں کیونکہ ہم اچھی خبروں کے عادی نہیں رہے۔ سندھ میں کوئلے کا خزانہ دریافت ہوا اچھی خبر تھی لیکن تلخ بنا دی گئی کہ سیاست کینذر ہو گئی ، بلوچستان میں قدرت نے سونے ، چاندی کے ذخائر دیئے اچھی خبر تھی لیکن تلخ خبر یہ بنی کہ حکومت فائدہ نہیں اٹھا پا رہی ۔ ایٹم بم بنانا اچھی خبر بنی لیکن ایٹمی بجلی گھر کی تنصیب پر اسٹے لے لیا ، عدلیہ نے اجازت دے دی اچھی

خبر بنی لیکن ایٹمی طاقت بجلی کی نعمت سے کب تک محروم رہے گا یہ تلخ فیصلے ابھی تک سیاست کی بھینٹ ہیں۔ کالا باغ ڈیم بنے گا تو ایسا ہو جائے گا ویسا ہو جائے گا، لیکن تلخ خبر رہی کہ تین صوبے راضی نہیں۔ اچھی خبر کی تلاش میں کہاں جائیں کس سے اچھی خبر ملے۔ تعلیم سب کی ضرورت ہے لیکن سیاست کی نذر ہو جاتی ہے تو جو کام حکومت کا کرنے کا ہوتا ہے وہ ایک بلڈر کرتا ہے کہ دو یونیورسٹی وہ بنائے گا۔ گورنر سندھ نے تین یونی ورسٹی بنانیکی اجازت دیدی ایک نواب شاہ، ایک حیدرآباد اور ایک کراچی میں۔ لیکن تلخ خبر یہ ہے کہ بنیادی تعلیم کے ابتدائی اسکول کہاں ہیں جہاں بچے تعلیم حاصل کرکے یونیورسٹیوں میں جاسکیں۔ پرائمری اسکولوں کو اپنی زمینوں پر بنا کر جاگیر دار اور وڈیرے اپنے اوطاق بنا لیتے ہیں، ٹیچرز سیاسی بنیادوں پر بھرتی کرکے الیکشن چوری کرلیتے ہیں لیکن اس پر کسی کی توجہ نہیں کہ پہلے ابتدائی تعلیم کا اہتمام تو کریں۔ جب پس ماندہ علاقوں میں سرکاری اسکول ہی نہیں ہونگے تو بچے مدارس میں ہی جائیں گے جہاں مفت تعلیم ملتی ہے لیکن تلخ خبر یہ بن جاتی ہے کہ مدارس پر شکوک کرکے قومی دھارے میں لانے کی بات کی جاتی ہے تو ایک مولانا نے بڑا اچھا سوال کیا کہ یہ مدارس کو قومی دھارے میں لانے سے کیا مراد ہے؟۔ مدارس کے خلاف اگر کوئی بین الاقوامی ایجنڈا ہے تو اس تلخ حقیقت کو اچھی خبر کیوں نہیں بناتے کہ ہر علاقے میں ابتدائی تعلیم کے ادارے کھولے جائیں گے۔ پرائمری سرکاری اسکولوں کی حالت زار سے کیا کوئی واقف

نہیں ہے۔ دوہرے طرز تعلیم سے کوئی واقف نہیں ہے یہ سب تلخ سچائیاں ہیں لیکن ایسے دور کرکے اچھی خبر کون دیگا۔ تلخ خبریں ہم پر حاوی ہوچکی ہیں ہم اس تلخی کے زہر کو پیتے جارہےہیں اور اپنی آنے والی نسل میں یہ زہر منتقل کرتے جارہے ہیں، ہم خوبصورت عمارتوں کے ماڈل تو بنا لیتے ہیں لیکن اس کی بنیادیں نہیں رکھتے، ہم پالیساں بنالیتے ہیں لیکن اس پر عمل درآمد نہیں کرتے۔ہم سیاسی وابستگیوں پر بڑھ چڑھ کر جان نچاور کرتے ہیں لیکن ملکی مفاد پر یکجا نہیں ہوتے بلکہ ان کے تحفظات کو دور کرنے کیلیے اداروں کو بھی تلخ گھونٹ پینے پڑتے ہیں۔ تلخ معاشرے کی تلخ عوام اگر خوشی کے کوئی پل تلاش کرنا چاہتے ہیں تو راہیں مسدود کردی جاتی ہیں۔ہم اچھی خبر سننا چاہتے ہیں لیکن عادت نہیں رہی۔یہ عادت جب ختم ہوگی جب ہم تلخ خبر تلاش نہ کریں۔ تلخی ختم کرنے کے لئے شیرینی کی ضرورت ہے۔

(مذہبی اقلیتیں زمینی حقائق (ا

مسیحی عوام پاکستان کی سب سے بڑی مذہبی اقلیت ہیں 2008ء میں پاکستان میں مسیحی شہریوں کی تعداد کم از کم 20 لاکھ یا کل آبادی کا 1.1 فیصد تھی ، ماضی میں پنجاب میں ایک پیدائشی ریکارڈ کے مطابق مسیحی شہریوں کی تعداد 28 لاکھ تھی ۔پاکستان کے 90 فیصد سے زائد مسیحی صوبہ پنجاب میں رہائش پذیر ہیں اور اس صوبے سب سے بڑی مذہبی اقلیت ہیں اور ان میں سے 60 فیصد دیہات میں رہتے ہیں ان کی اکثریت مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ طویل وعرصے سے مقیم ہیں ۔الیکش کمیشن کے مطابق پاکستان میں غیر مسلم 28 لاکھ ووٹرز میں یہودی بھی شامل ہیں۔یہودی حق رائے شماری میں حصہ لیتے ہیں الیکشن کمیشن کے مطابق 800 یہودیوں کے ووٹ رجسٹرڈ ہیں جن میں 427 خواتین 382 مرد ووٹرز شامل ہیں۔ملک میں مجموعی طور پر 8 کروڑ 57 لاکھ 38 ہزار 789 ووٹرز ہیں جن میں غیر مسلم ووٹرز کی کل تعداد 27 لاکھ 70 ہزار ہے۔ملک بھر کے 96 اضلاع میں غیر مسلم ووٹرز آباد ہیں جبکہ صوبہ سندھ کے 13 اضلاع میں سے عمر کوٹ اور تھرپارکر کے دو ایسے اضلاع ہیں جہاں غیر مسلم ووٹرز کی بہت بڑی تعداد موجود ہے ، عمر کوٹ میں غیر مسلم ووٹرز کی تعداد 49 فیصد جبکہ تھرپارکر میں یہ تعداد 46 فیصد ہے۔ کمیشن کے مطابق سندھ کے دوسرے اضلاع میں غیر مسلم ووٹرز کی ایک بڑی تعداد موجود ہے ۔ ان اضلاع میں میرپور

خاص، ٹنڈو اللہ یار، بدین، سانگھڑ، ٹنڈو محمد خان، میٹاری، گھوٹکی، جامشورو، کشمور، حیدرآباد اور کراچی شامل ہیں۔ پنجاب کے دو اضلاع لاہور اور چینوٹ میں بھی غیر مسلم ووٹرز خاصی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ کمیشن کے مطابق غیر مسلم ووٹرز میں 14 لاکھ 40 ہزار ہندو، 12 لاکھ 38 ہزار عیسائی، ایک لاکھ 15 ہزار 966 قادیانی (احمدی)، 5 ہزار 5934 سکھ، 3 ہزار 650 پارسی اور ایک ہزار 452 بدھ مت کے پیروکار اور باقی دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے ووٹرز ہیں۔ سندھ کا ضلع عمرکوٹ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے جہاں 49 فیصد ووٹرز غیر مسلم ہیں، یہاں غیر مسلم ووٹرز کی مجموعی تعداد ایک لاکھ 79 ہزار 501 ہے۔ خبر رساں ادارے روئٹرز کے مطابق" پاکستان میں تمام اقلیتیں بشمول ہندو، مسیحی، احمدی (قادیانی) حتی کہ مسلمان شیعہ کمیونٹی بھی ان حملوں سے متاثر ہو رہی ہیں، جبکہ ریاست اس تشدد کو رکوانے میں مکمل بے بس اور ناکام دکھائی دیتی ہے بلکہ کسی حد تک ان واقعات پر کوئی نوٹس نہ لے کر وہ انہیں شہ دے رہی ہے"۔ امریکی کمیشن برائے مذہبی آزادی نے اپنی ایک تازہ رپورٹ میں پاکستان کو ماضی کے مقابلے میں مزید نچلے درجے پر رکھا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ " اسلام آباد حکومت ملک میں موجود اقلیتوں کو تحفظ فراہم کرنے اور ان واقعات میں ملوث افراد کو انصاف کے کٹھہرے میں ناکام رہی ہے"۔ پتن نامی ایک غیر سرکاری تنظیم کی جانب سے ایک رپورٹ جاری کی گئی اس رپورٹ کے مطابق ملک میں توہین مذہب کے قانون کو عام طور سیاسی و معاشرتی

مقاصد کے حصول کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ پتن کے کوآرڈینیٹر سرور باری کے مطابق "یہ سروے صوبہ پنجاب کے شہروں لاہور، ملتان اور فیصل آباد میں نومبر تا دسمبر دو ہزار چودہ منعقد کیا گیا اس میں بارہ سو افراد نے حصہ لیا ان افراد میں تیس فیصد مختلف اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے جبکہ دیگر افراد میں اعلی حکومت و سرکاری عہدیدار، جج، وکلاء اور سول سوسائٹی کے اراکین شامل تھے۔" سروے کے شرکاکے مطابق خواتین کے ساتھ سلوک کے معاملے میں مسلم اکثریت اور غیر مسلم اقلیتیں دونوں ہی ایک سی ہیں اور خواتین کو اپنے خاندانوں اور معاشرے میں مختلف طرح کے دباؤ کا سامنا پڑتا ہے" ۔پاکستان میں مختلفا قلیتوں کے تحفظ کیلئے حکومت کی جانب سے کیا اقدامات کئے جاتے ہیں اس کی مثال ان کے تہواروں کی سیکورٹی کے حوالے سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن یہاں اس بات سے انکار نہیں ہے کہ پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوتی ہوگی لیکن ایک خاص پروپیگنڈے کے تحت پاکستان میں اقلیتوں کے حوالے سے ان خدشات کا اظہار کیا جاتا ہے کہ جیسے اقلیتوں پر پاکستان کی سرزمین تنگ کردی گئی ہو۔ "پارسی ہونا کراچی ائیر پورٹ پر بڑا کام آتا ہے،چیک پوائنٹ پر وہ اکثر ہمارا نام دیکھ کر کہتے ہیں انہیں جانے دو، یہ لوگ ٹھیک ہیں۔" یہ بات چھپن سالہ ارناب لک دوالا نے مسکراتے ہوئے کہی، یہ لوگ کراچی کے پارسی کالونی میں رہتے ہیں جو شہر کا ایک صاف ستھرا چھوٹا سا علاقہ ہے۔ ' شریں ملک دوالا' تیراسی سالہ پارسی خاتون کہتی ہیں کہ "جب ہم خریداری کو نکلتے ہیں

تو دوکانوں میں ہمارے سا تھتھوڑاا بہت ترجیحی سلوک ضرور ہوتا ہے، سب جانتے ہیں کہ پارسی ایماندار اور محنتی لوگ ہیں۔" تقسیم ہند کے وقت شیریں بھارت سے پاکستان ہجرت کرکے آئیں، ان کے شوہر بنک سے وابستہ تھے، ان کے مطابق جب وہ بھارت سے روانہ ہوئیں تو انھیں بڑا ڈرایا گیا لیکن وہ یہاں خود غیر محفوظ نہیں سمجھتیں۔ان کا ماننا ہے کہ "میرا یہاں سے جانے کا کوئی ارادہ نہیں یہی میرا گھر ہے اور ہمیشہ رہے گا، لوگ اگر جانا چاہتے ہیں تو صرف لاقانونیت اور بد نظمی کی وجہ سے، یہ شاندار جگہ ہے۔" مبارک گاؤں میں ' ذکری' آباد ہیں۔ یہ گاؤں کراچی سے دو گھنٹے کے فاصلے پر سندھ اور بلوچستان کی سرحد پر واقع ہے۔عام طور پر ذکری کو غیر مسلم سمجھا جاتا ہے لیکن مردم شماری میں انہیں مذہبی اقلیت کے زمرے میں نہیں رکھا جاتا۔'ذکری' خود کو مسلم ذکری کہلانا پسند کرتے ہیں۔مبارک گاؤں میں 'ذکری' آباد ہیں، ماسٹر ستار کے پردادا بلوچستان سے ہجرت کرکے یہاں آگئے تھے، باقی آبادی بھی بلوچوں کی ہے، یہ لوگ ذکری کہلائے جاتے ہیں کیونکہ ان کے مطابق ان پر فرض ہے کہ مسلسل اللہ کا سما کا ورد کرتے رہیں، ایک مہدی کے ماننے والے ہیں جنھوں نے سولہویں صدی میں تربت کے نزدیک کوہ مراد پر ظہور کیا تھا، ہر سال ظہور مہدی کی یادیں میں ذکریوں کا بہت بڑا اجتماع ہوتا ہے۔مبارک گاؤں کے اسی مقامی شخص خدا گنج کہتا ہے کہ "ریاست چونکہ بلوچ پاکستان کا کوئی خیال نہیں رکھتی اس لئے مبارک گاؤں کے ذکری بد حال ہیں، وہ بلوچی بولتے ہیں اس لئے انہیں".

نظر انداز کیا جاتا ہے، کراچی سے یہاں تک جو پکی سڑک بنی ہے وہ صرف اس لئے کہ قبضہ گروپ کو زمیں کی زیادہ قیمت مل سکے"۔ سردار نت سنگھ موجودہ عمر ستاسی سال، تھی 1947ء کے بعد یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا کہ سکھ خاندان ہجرت کرکے پاکستان آباد ہوا۔ یہ ایک متمول مشترکہ گھرانہ ہے ان کے چار بیٹے اور متعدد پوتے پوتیاں ہیں وہ ایک اوسط طبقے کے محلے میں اپنے کشادہ گھر میں رہتے ہیں، سب بیٹے اپنا اپنا کاروبار کرتے ہیں، ان میں سے ایک منتخب کونسلر اور ایک ڈسٹرکٹ اسمبلی کا رکن رہ چکا ہے، اس کے خاندان کے پوتے پوتیاں، کاروں میں آتے جاتے ہیں اور نجی اسکولوں اور کالجوں میں پڑھتے ہیں۔ سردار سنت سنگھ اورکزئی ایجنسی کے چھوٹے سے گاؤں میں رہتا تھا۔ کھیتی باڑی سے آمدنی زیادہ نہیں ہوتی تھی اس لئے اس نے کریانے کی دکان کے ساتھ درزی کی دکان بھی کھول رکھی تھی، بڑے شہر آنے کے فیصلے کے بعد اس کی زندگی بدل گئی۔ پاکستان میں دیگر اقلیتوں کی طرح سکھوں کیلئے بھی گنجائش ہے کہ وہ پولیس اور فوج میں بھرتی ہو سکتے ہیں اور کاروبار کے لحاظ سے ہمارا مشاہدہ ہے کہ غیر مسلم کا کاروبار کرنا کوئی عجوبہ نہیں ہے۔ طالبان کی سورش کی وجہ سے باجوڑ اور مالاکنڈ میں سکھوں کی جان و مال کی حفاظت اور انہیں محفوظ مقامات تک پہنچانے میں حکومت نے مستعدی کا ثبوت دیا لاہور میں بارہ سکھ خاندان آباد ہیں ان کا کہنا ہے کہ وہ خود کو الگ تھلگ محسوس نہیں کرتے، مسلمان پڑوسی اور ساتھی کاروباری ہمیں شادیوں اور مذہبی تقریبات پر مدعو

کرتے ہیں اور اپنے جیسا سمجھتے ہیں۔ بشن سنگھ کا بیٹا ترلوک کہتا ہے کہ "یہ ہمارا شہر ہے، میرا خیال نہیں کہ دنیا کے کسی بھی شہر میں مجھے لاہور جتنا چین نصیب ہو سکتا ہے"۔

(مذہبی اقلیتیں زمینی حقائق (حصہ دوئم

تھر دیہی ترقیاتی منصوبے کے بانی ڈاکٹر کھٹو مل کا کہنا تھا کہ فوج اور سول سروسز، اب کچھ تبدیلی آئی ہے، تھرپارکر کا ایک ہندو ڈاکٹر فوج میں کیپٹن بن گیا ہے۔ سندھ میں ہندو اقلیت کو تعلیم حاصل کرنے کے حوالے سے ان کا کہنا تھا کہ یہ تو ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ مسئلہ ہے، تھر میں دو ہزار قصبے ہیں لیکن اسکول صرف پندرہ ہیں، میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد وہ نوجوان کراچی یا حیدرآباد چلا جاتے ہیں اور بدقسمتی سے وہ اپنی برادری کو سہارا دینے کے لئے واپس نہیں آتے۔" ڈاکٹر کھٹو مل کے مطابق باہر سے آنے والے لوگوں کی وجہ سے تھر میں صورتحال تبدیل ہوئی ورنہ ہندو مسلمان مل جل کر رہتے رہے ہیں اور دونوں دیوالی اور عید میں مذہبی جذبات کا خیال رکھتے رہے ہیں، قصائی اور مسلمان ہندوؤں کے جذبات کا خیال کرکے گائے کی قربانی نہیں کرتے تھے۔ مٹھی میں بڑا گوشت نہیں ملتا تھا، لیکن جب تھرپاکر میں کوئلہ ملا تو باہر کے لوگوں کی وجہ سے حالات بدل گئے۔مذہبی بنیادوں پر تقسیم کے حوالے سے ان کا ماننا ہے کہ "میں سمجھتا ہوں پاکستان میں ایک حقیقی تقسیم ہے، وہ جو انگریزی بول سکتے ہیں اور وہ جو انگریزی نہیں بول سکتے، جس کے پاس دولت ہے وہ ملک میں کہیں بھی پھل پول سکتا ہے۔" پاکستان کے عیسائی گستاخ رسول ایکٹ کے

بدرجہ

مخالف ہیں، مغربی دنیا بھی ان کی ہم نوا دکھائی دیتی ہے۔دیار مغرب کا ایک دانشور طبقہ اس ایکٹ کا موئد ہے ، لیکن بی بی سی ٹیلی وژن کی ایک پروگرام سے ظاہر ہوتا ہے کہ بی بی سی ناظرین معقولیت پسند ہیں۔ وہ گستاخ مسیح ایکٹ کے حامی ہیں اور اسے مزید سخت بنانا چاہتے ہیں تاکہ کسی لحاظ سے بھی گستاخ مسیح کی ذرا بھر بھی گنجائش نہ رہے اور مجرم کی کماحقہ گرفت کی جاسکے۔ یہ روداد لندن کے مشہور ہفت روزہ ' بیتھوڈسٹ

ریکارڈر' بابت ۷ا مارچ ۱۹۹۶ء میں جریدہ کے مستقل کالم نگار میلکم مور کی ترتیب دہ ہوئی ہے۔بی بی سی کے ناظرین اور اہالیانِ برطانیہ کے رویہ سے گستاخ رسول ﷺ ایکٹ کی حمایت کا خوش کن پہلو عیاں ہے ۔ واضح ہو کہ امریکہ اور یورپی ممالک میں حیات مسیح پر بننے والے فلموں کا خاصا حصہ قبل اعتراض اور دل آزار ہوتا ہے جس کی مخالفت میں مسلمانوں کا پیش پیش ہونا قبل فخر ہے ، معقولیت اور سلیم لطبع عیسائی بھی ایسے احتجاجی جلسوں میں بھرپور حصہ لیتے ہیں۔مذکورہ روداد یہ ہے۔گستاخ مسیح ایکٹ ، ' یہ لوگٹ ٹی وی پروگراموں میں گستاخی مسیح پر بھی نالاں ہیں بی بی سی نے پوچھا کہ کیا متعلقہ قانون کو سخت بنایا جائے ؟. یہ سوال اس طرح پیدا ہوا کہ ۱۹۸۹ء میں بنائی گئی Visionog Ecstasy ایک فلم کو برطانوی فلم سنسر بورڈ نے گستاخی مسیح کی بنیاد پر رد کردی تو فلمساز نے انسانی حقوق کے یورپی کمیشن کے یہاں اپیل کردی ، مختلف مسیحی و مسلم افراد سے رائے لی گئی '۔"نارمن پاپئر نے فلم دیکھ کر کہا کہ ایک مسیحی ہونے کے ناطہ اسے"

سخت صدمہ پہنچا ہے"۔اس کی رائے میں ہر مذہب کو لوگ اسے دل آزار قرار دیں گے۔ ایک مسلمان عورت نورجہاں نے فلم کو جذبات مجروح کرنے والی قرار دیا اور کہا کہ کچھ حصے نا قابل نمائش تھے ، میں تو آنکھیں بند کر لیتی تھی"۔ سلمان رُشدی پر فتوی سے مسلمانوں کے جذبات کے احترام میں اور حال ہی میں ایک لباس پر ڈیزائنر کی طرف سے قرآنی الفاظ کو ٹی وی اور پریس میں دکھائے جانے پر استہسلینے وسعت پکڑی کی مسلمان جس چیز کو دل آزار سمجھیں ، اس پر بھی کنٹرول کیا جائے۔اکسفورڈ کے دینی رہنما نے کہا کہ اگر آرٹسٹ اور مصنفین ایسے معالات میں خود احتسابی کریں تو یہ برا نہیں ہوگا ، اس کا اپنا خیال تھا کہ " اگرچہ گستاخ مسیح کا موجودہ قانون بعض معنوں میں غیر معیاری ہے لیکن اسے ختم کرنے کا مطلب یہ منفی اشارہ ہوگا کہ ہماری سوسائٹی میں مذہب کو کچھ مقام حاصل نہیں ہے"۔اکثر عیسائیوں کی رائے بھی یہی ہے۔

لاہور میں قائم عیسائی ادارہ "سالوشن آرمی "افغان جہاد میں براہ راست ملوث تھا اور اسنے افغان خانہ جنگی میں مختلف دھڑوں کی مدد کی۔36 عیسائی نوجوانوں نے خود کو مسلمان ظاہر کرکے افغان مجاہدین کی دو تنظیموں سے تربیت حاصل کی ، اب انہوں نے طالبان کی طرز پر اپنی تنظیم " کرسچین طالبان" تشکیل دی جو پاکستان میں عیسائیوں کے خلاف ہونے والی کاروائیوں کا توڑ کرے گی۔ صحافیوں کے کام میں رکاوٹ ڈالنا سراسر غنڈہ گردی ہے۔ شہباز

کلیمنٹ بھٹی نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ جریدہ 'کرسچین ٹائمز' کے چیف ایڈیٹر پر قاتلانہ حملہ کیا اس کے خلاف تعزیراتِ پاکستان کی دفعات ۱۴۸، ۵۰۶، ۴۵۲، ۱۳۹ کے تحت مقدمات درج ہوئے۔ یہ کرسچین لبریشن فرنٹ کے سربراہ وہی شہباز بھٹی ہیں جنہوں نے کلنٹن کے پاک بھارت دورہ سے قبل انہیں خط لکھا تھا کہ "پاکستان مسلم دہشت گردوں کا ملک ہے جس میں عیسائیوں کا برا حال ہے، یہاں آکر ان پر دباؤ ڈالیں!" سینٹ انتھونی چرچ لاہور میں دوران عبادت تین مسیحی افراد نے مسلح ہو کر چرچ کی بے حرمتی، مذہبی کتابوں کی توہین کی اور شرکاء عبادت کو ہراساں کیا ان دہشت گردوں کے لاف پہلے بھی متعدد سنگین قسم کے مقدمات درج ہیں۔پاکستان میں اقلیت کے نام پر حقوق مانگنے والے اپنے مطالبات میں کہتے ہیں کہ اقلیتی افراد کو کلیدی اسامیوں پر فائز کیا جائے، صوبائی کابینہ، مرکزی وزارتوں، بلدیاتی اداروں، غیر ممالک میں بھیجے جانے والے وفود، کھیلوں کی ٹیموں، ہائی کورٹ کی ججوں کی اسامیوں میں اقلیتوں کو نمائندگی دی جائے، اقلیتی افراد بھی صوبائی وزرااعلیٰ، گورنر، وزیر اعظم اور صدر مملکت منتخب کیے جائیں، اسلامی قوانین منسوخ کیے جائیں آئین سے قراداد مقاصد کی بالادستی ختم کی جائے، اسلامی نظریاتی کونسل توڑ دی جائے، طریق انتخاب رائج کیا جائے، ملک کا اسلامی تشخص ختم کرکے پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ ڈکلیئر کیا جائے، عیسائی بچہ پیدا ہونے پر اس کا پانچ فیصد وظیفہ لگنا چاہیے، حکومت کے زیر اہتمام چلنے والے اسکولوں میں سرکاری خرچ پر

عیسائی اساتذہ مقرر کیے جائیں جو عیسائی بچوں کو بائبل کی باقاعدہ تعلیم دیں، میٹرک کے امتحانمیں حافظِ قرآن کیلیے ۲۰ نمبروں کی خصوصی رعایت ختم کی جائے یا عیسائی بچہ اپنی مذہبی تعلیم کا سرٹیفیکٹ پیش کردے تو اسے بھی امتحان میں ۲۰ فیصد اضافی نمبر دیئے جائیں۔ قومی اسمبلی میں اقلیتوں کی نشستوں میں اضافہ کیا جائے۔

کروڑ عیسائیوں کی نمائندہ تنظیم 'ورلڈ ایونجیلی کل' کی ایک رپورٹ کے مطابق "16 اقلیتیں دنیا بھر میں مذہبی عدم برداشت اور امتیاز کا شکار ہیں" ۔برطانیہ میں سیاہ فام اور دوسرے اقلیتی گروپوں میں بے روزگاری زیادہ ہے، نسلی بنیادوں پر تشدد عروج پر ہے۔سیاہ فام، پولیس تشدد سے مرتے ہیں،ارجنٹائن میں رومن کھتولک حکومت ہے وہاں 35 ملین آبادی کے پروٹسٹنٹ فرقوں کو تسلیم ہی نہیں کیا جاتا۔ وہ اپنا وجود منوانے کیلیے ریلیاں و جلوس نکالتے ہیں۔ بلغاریہ میں آرتھوڈکس چرچ کو 'ریاستی مذہب' کا درجہ حاصل ہے، حکومتی فرقہ نے متھیوڈسٹ عیسائیوں کا گرجا چھین کر اسے پتلی گھر بنا دیا۔ گرجا بنانے کیلیے پلاٹ کا تنازعہ رہا۔بھارت میں مسلمانوں کو زندہ جلایا جا رہا ہے، زبردستی مسلمانوں کو گھر واپسی مہم کے تحت ہندو بنایا جا رہا ہے۔آسٹریلیا کے ایک پادری کو بمعہ بال بچے جلادیا گیا، ہندو برملا کہتے ہیں مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں، کسی بھی غیر ہندو کے واسطے ہندوستان میں کوئی جگہ نہیں،

ہندوستان میں رہنا ہے تو ہندو بن کر رہو۔ برما میں بدھ مت کے پیروکاروں اور فوجی حکومت کے ہاتھوں روہنگیا کے مسلمان سخت آلام و مصائب میں مبتلا ہیں انہیں لوٹا، پیٹا اور مارا جاتا ہے مساجد برباد اور گھر مسمار کئے جاتے ہیں شعائر اسلام پر پابندیاں عائد ہیں نوجوانوں کی داڑھیاں نوچی جاتی ہیں۔ برما میں کیرن عیسائیوں کا حال بھی برا ہے لیکن وہ اُٹھ کے تھائی لینڈ چلے گئے ان پر بھی عیسائی تنظیمیں ان کی حالتِ بد پر مضطرب ہیں اور ان کی حالت زار پر کانفرنسیں کرتیں ہیں۔ سات لاکھ بھارتی فوجوں کا شکار کشمیری مسلمان کی بے بسی کسی کو نظر نہیں آتے، اجتماعی عصمت دری، قتل و غارت اور آتشزدگی اور اغوا روز کا معمول ہیں۔ متعدد واقعات ہیں جو عالمی توجہ کے مستحق ہیں۔ دراصل تمام حقائق کا لب و لباب یہ ہے کہ اقلیتوں کے ساتھ بد سلوکی، اکثریت کیجانب سے ایک معاشرتی بگاڑ ہے اس میں کسی مذہب کی جانب سے خصوصی طور پر نشانہ بنانے کے احکامات نہیں ہیں۔ پاکستان میں بھی اقلیتوں کے ساتھ سلوک میں اگر چند عناصر ملوث آتے ہیں تو ان کا نظریہ سیاسی مقاصد کا حصول اور اپنی منافرت کی سیاست کو چمکانا ہوتا ہے۔ پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کے ساتھ کسی واقعے کو اسلام سے جوڑنا نامناسب ہے۔ اسی پاکستان میں اقلیتوں پر احمدی عبادت گاہ حملہ کیس میں مجرموں کو سات سات بار پھانسی کی سزا بھی سنائی گئی۔ ہمیں معاشرتی بگاڑ اور ناہمواریوں کو رنگین آئینے سے دیکھنے سے گریز کرنا چاہیے۔ مذہبی اقلیتوں کے جائز حقوق کے حوالے سے ہمیں

جذباتی ہونے کے بجائے حقائق کی روشنی میں جائزہ لینا چاہیے۔

ہندو لڑکیوں سے 'جبری' شادیوں کے مسائل

جبری طور پر مذہب تبدیل کروانے اور شادی کرنے کے بہت کم معاملات اعلی عدالتوں یا میڈیا تک پہنچ پاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایسے واقعات کے اندراج صرف ۴۵ فیصد ہیں جس میں کسی نہ کسی طور پر متاثرہ خاندان اپنی فریاد ارباب اختیار تک پہنچانے میں کامیاب ہوتا ہے۔ کچھ ایسے واقعات بھی سامنے آئے جس میں متاثرہ خاندان نے عدالتی فیصلوں پر سخت حیرت اور اپنے غم وغصے کا اظہار کیا۔ اس سلسلے میں سندھ اسمبلی کی ڈپٹی اسپیکر شہلا رضا نے سندھ ہائی کورٹ کے ایک فیصلے پر شدید نکتہ چینی کی تھی۔ سندھ ہائی کورٹ نے رنکل کماری کیس کے بارے میں 2012ء میں فیصلہ دیا تھا کہ اسے شوہر کیساتھ گھر جانے کی اجازت ہے۔ سابق چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چوہدری کی عدالت میں بھی فریال (رنکل کماری) نے اپنے گھر جانے جبکہ ڈاکٹر حفصہ (لتا) نے اپنے شوہر نادر بیگ کے ہمراہ جانے کا بیان دیا۔ عدالت نے بیانات سننے کے بعد سندھ پولیس کو ہدایت کی کہ دونوں لڑکیوں کو باحفاظت کراچی میں قائم "پناہ" نامی شیلٹر ہوم میں پہنچائیں تاکہ وہ دباؤ سے آزاد ہو کر فیصلہ کرسکیں کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہیں۔ ہائی کورٹ کے سامنے اس لڑکی کو بالغ بنا کر پیش کیا گیا جبکہ اس کے والدین نے اسکول اور پیدائشی اسناد سے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ لڑکی کی عمر بارہ سال ہے۔ لہٰذا قانون کے مطابق

اٹھارہ سالہ لڑکی یا لڑکا ہی شادی کر سکتے ہیں۔ پاکستان انسانی حقوق کمیشن نے سندھ کے شہر میرپور ماتھیلو کی ہندو لڑکی رنکل کماری کی مبینہ طور پر مذہب تبدیلی اور جبری شادی پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے ایک اعلامیہ جاری کیا تھا کہ پیپلز پارٹی کے رکن قومی اسمبلی میاں مٹھو نے میرپور ماتھیلو سے اغوا شدہ لڑکی رنکل کماری کو اپنے پاس رکھا جسے بعد ازاں ہندو کمیونٹی کے احتجاج پر عدالت میں پیش کیا گیا تھا۔ پاکستان انسانی حقوق کمیشن یہ دعوی کرتی ہے کہ لڑکی کا زبردستی مذہب تبدیل کرکے اس کا نام فریال رکھا گیا۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے سندھ اسمبلی کے رکن پیتامبر سیوانی نے ایوان میں ایک قراداد پیش کی تھی کہ نوجوان ہندو لڑکیوں کو اغوا اور ان کا مذہب زبردستی تبدیل کرکے ان کی شادیاں کرائی جاتی ہیں انھوں نے میرپور ماتھیلو کی رنکل کے واقع کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ " اگر کوئی ہندو لڑکی اپنی رضامندی سے مسلمان ہونا چاہتی ہے تو ہندو کمیونٹی کو کوئی اعتراض نہیں مگر زبردستی مذہب تبدیل کرنے کی کوششوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ "پیتامبر شیوانی اور ہندو پنچایت کمیٹی کا یہ دعوی غور طلب ہے کہ سندھ سے ہر ماہ بیس سے پچیس لڑکیوں کو مذہب چھوڑنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ فریال (رنکل کماری) کے چچا راج کمار نے کراچی پریس کلب میں منعقد ہونے والے ایک سیمینار میں ایک چھ سالہ لڑکی جمنا کو اسٹیج پر بلا کر یہ دعوی کیا تھا کہ جمنا اور اس

کی دس سالہ بہن پوجا کو بھی مذہب تبدیل کرانے کی کوششیں کی گئی لیکن معاملہ میڈیا پر آنے سے ایسا نہ ہوسکا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ دس سالہ جمنا کو دارالامان بھیجا گیا، جب جمنا کے والد سوما کے مطابق ' پوجا' کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں لگتی اور اس کی برین واشنگ کی گئی ہے کیونکہ وہ ہمارے بارے میں عجیب و غریب باتیں کرتی ہے'۔ ڈھرکی کے بھرچونڈی کے پیر خاندان پر یہ الزام رنکل کمار نامی لڑکی کے جبری تبدیلی مذہب و شادی کرانے پر عائد کیا گیا تھا تو ایک اسی طرح کا دوسرا واقعہ میگھوار کی انجلی نامی لڑکی کے ساتھ بھی پیش آیا جس میں والدین نے الزام لگایا کہ انجلی کو زبردستی اغوا کیا گیا۔ ریاض سیال نامی شخص نے دعوی کیا کہ اس نے انجلی سے پسند کی شادی کی ہے۔ کندن میگھواڑ نے عدالت میں نادرا کا پیدائشی سرٹیفکیٹ اور اسکول کا سرٹیفکیٹ دکھایا کہ انجلی کیعمر ساڑھے گیارہ سال ہے۔ عدالت نے انجلی کو کراچی کے دارالامان بھیجنے کا حکم دیا، بعد ازاں انجلی جس کا اسلامی نام سلمی رکھا گیا تھا، 2015ء میں سندھ ہائی کورٹ کے روبرو اپنے ایک بیان میں کہا کہ وہ اٹھارہ سال کی ہے اور انہوں نے اپنی مرضی سے ریاض سیال سے بیاہ رچایا اور اسلام قبول کیا ہے اب وہ اپنے شوہر کے ساتھ جانا چاہتی ہے۔ عدالت کے ریاض سیال سے اس کی رہائش اور سیکورٹی سے متعلق استفسار پر مطمئن ہونے کے بعد سلمی (انجلی) کو شوہر

کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی، جبکہ اس قبل عدلیہ نے آدھا گھنٹہ والدین اور آدھا گھنٹہ ریاض سیال کے ساتھ ملاقات کروانے کا حکم دیا تھا اور بعد میں لڑکی کو مزید ایک گھنٹہ سوچنے کی مہلت بھی دی تھی۔ یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ سندھ کے کئی شہروں میں میگھواڑ برادری نے احتجاج کرتے ہوئے اس بات پر شکوہ کیا تھا کہ "ہندو اراکان اسمبلی جو اکثر اونچی ذات سے تعلق رکھتے ہیں، دلتوں سے زیادتی پر خاموش رہتے ہیں۔"

گذشتہ دنوں دو واقعات مزید رپورٹ ہوئے۔ سیشن جج حیدرآباد کی عدالت میں مارکیٹ کے علاقے ٹنڈو ولی محمد کی رہائشی مریم دختر داسو کی جانب سے دائر درخواست میں کہا گیا کہ وہ عاقل و بالغ ہے اور گورنمنٹ گرلز شاہ لطیف کالج میں ملازم ہے، مذہب اسلام سے متاثر ہو کر اس نے 19 جنوری 2015ء کو اسلام قبول کیا تھا جس کے بعد سے اس کے بھائی ہیرا، کرشن، مصر و دیگر رشتہ دار وارجن، میکش، راجو اسے ہراساں کر رہے ہیں، جبراً مذہب تبدیل کرنیکے لئے دباؤ ڈالا جا رہا ہے، اسے اپنی جان کا خطرہ ہے، رشتہ داروں سے اسے تحفظ دینے کا حکم دیا جائے۔ عدالت نے ایس ایچ او مارکیٹ کو حکم دیا کہ درخواست کے رشتہ داروں کو ہراساں نہ کرنے کا پابند کرکے اسے تحفظ دیا جائے۔

اسی طرح کی ایک درخواست پر سندھ ہائی کورٹ حیدرآباد سرکٹ بینچ میں پسند کی شادی کرنے والی نو مسلم لڑکی اور نو مسلم جوڑے کی جانب سے ہراساں کرنے اور

دھمکیاں دینے کے خلاف دائر درخواست پر ایس ایس پی تھرپارکر اور ایس ایچ او چھاچھرو کو درخواستگذاروں کو ہراساں نہ کرنے اور تحفظ فراہم کرنے کا حکم دیا۔ درخواست چھاچھرو کی رہائشی نو مسلم ثمرین فرزانہ (شیلا) اور محبت کی جانب سے درخواست دائر کی گئی تھی۔ ثمرین فرزانہ (شیلا) نے دلدار نامی شخص سے پسند کی شادی کی تھی جس پر اس کے والدین اور دیگر رشتہ دار ہراساں اور دھمکیاں دے رہے تھے۔ فرزانہ اور محبت نے دائر درخواست میں کہا کہ 17 دسمبر 2014ء کو اپنی مرضی سے اسلام قبول کرکے شادی کی ہے لیکن والدین اسے ہراساں کرکے مذہب کی تبدیلی کیلئے دباؤ ڈال رہے ہیں۔

ہمیں دونوں اطراف سنجیدگی سے دیکھنا ہوگا کہ اصل معاملہ کیا ہے، اس کی وجوہات اور معاشرتی و سیاسی معاملات کا بھی بغور مطالعہ کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں 2011ء میں کراچی کے علاقے لیاری میں رہنے والی دھن بائی کی لاپتہ اکیس سالہ بیٹی بانو کا معاملہ ہے جس میں خاندان والوں کو معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہوچکی ہے۔ دھن بائی کے مطابق اس کی لڑکی بانو نے ان سے کام کرنے کی اجازت مانگی اور ایک غیر سرکاری تنظیم میں کام کرنا شروع کیا اور گھر کا خرچ چلانے میں اپنے والد کی مدد کرتی تھی بلکہ غریبوں کی بھی مدد کی جاتی تھی لیکن پھر اچانک وہ لاپتہ ہوگئی۔ دھن بائی کو اپنی دو بیٹوں لکشمی اور شردھا کی بھی فکر ہے کہ کہیں وہ بھی غائب نہ ہوجائیں۔ بانو کے والد بدھا

رام لعل جی ایک مقامی کمپنی میں ڈرائیور ہیں اور ان کو بہت کم تنخواہ ملتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کا پیٹ پال سکیں، بظاہر معاملہ معاشی نظر آتا ہے۔

جبکہ دوسرا سیاسی گیم اسکورنگ کا پہلو بھی ہے کہ ہندو لڑکیوں کی جبری شادی کے حوالے سے جہاں حکمراں جماعت پی پی پی کے دوسرے اراکین ہندو کیمونٹی کا ساتھ دیتے نظر آتے ہیں تو دوسری جانب اسی حکمراں جماعت کے رکن قومی اسمبلی میاں عبدالحق عرف میاں مٹھا کے صاحبزادے میاں اسلم، ہندو لڑکیوں کی شادی کے حوالے سے یہ کہتے نظر آئے کہ "ہم پہلے مسلمان ہیں، اس کے بعد پاکستانی پھر سیاست دان ہیں، یہ پہلی دفعہ نہیں ہوا ہے، ہم شروع سے ہندو لڑکیوں کو مسلمان کرتے رہے ہیں اور ہم نے انلڑکیوں کا ساتھ دیا ہے، ساتھ دیتے رہیں گے، مزید لڑکیاں آئیں گی تو ان کا ساتھ بھی دیں گے۔" سیاسی پہلو کے علاوہ ایک مذہبی پہلو بھی ہے کہ شریعتمیں لڑکیوں کی شادی کے حوالے سے عمر کی قید کا کوئی تعین نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے کم عمر لڑکیوں کی شادی کے حوالے سے بھی مسالک میں اختلافی مختلف وضاحتیں ہیں۔حالاں کہ پاکستانی آئین میں نکاح کیلئے عمر کی حد اٹھارہ سال معین رکھی گئی ہے لیکن اس پر عام حالات میں بھی عمل کم ہی ہوتا ہے اور نکاح خواں، خانہ پری کیلئے بغیر کسی تصدیق کئے جو عمر لڑکی کی بتائی جاتی ہے، نکاح نامے میں اندراج کر دیتا ہے۔اس ضمن میں صرف اتنی اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ سندھ میں ہندو لڑکیوں کا جبری مذہب

تبدیل کا معاملہ ہو یا زبردستی پسند کی شادی کیلئے اغوا اور دباؤ ڈالنے کے لئے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرنے کی روایت، بہ حیثیت مسلم ہمیں ایسے اقدامات سے گریز کرنا چاہیے جس سے اسلام کی بدنامی کا موقع کسی غیر مسلم کو ملے۔ اسلام امن و آشتی کا دین ہے جو جبر کی شدید مخالفت کرتا ہے، قبولیت اسلام کیلئے دباؤ اور لالچ قرآن و سنت رسول ﷺ میں نہیں ہے اگر کوئی یہ عمل کرتا ہے تو وہ اسلام کے برخلاف ہے۔

لو جہاد سے سود ھان

بھارت میں کٹر ہندوؤں کا دعوی ہے کہ ملک بھر میں مسلمان، درجنوں ہندو لڑکیوں کو اغوا کرنے کے بعد انہیں محبت کے جال میں پھنسا رہے ہیں اور ان کا واحد مقصد انہیں ہندو سے مسلمان بنانا ہے۔ایسا لگا جیسے پاکستان کے اندرون سندھ کی بات کی جا رہی ہو ۔لیکن غیر جانبدار ہو کر جب فرانسیسی نیوز ای ایف پی کے ایک جائزے کو پڑھا، جس میں لکھا ہے کہ "حال ہی میں قومی میڈیا پر شمالی ریاست اتر پردیش کی ایک بیس سالہ لڑکی کو دکھایا گیا، جس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور جو یہ بتا رہی تھی کہ اُسے اغوا کرنے اور جنسی زیادتی کا نشانہ بنانے کے بعد زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔اگرچہ گذشتہ ہفتے اسی خاتون نے ہنگامہ خیز انداز میں اپنے تمام الزامات یہ کہتے ہوئے واپس لے لیے کہ اُس کے گھر والوں نے اس پر دباؤ ڈال کر من گھڑت کہانی گڑھنے کیلیئے کہا تھا۔ "لَوّ جہاد" کی اصطلاح 2009ء میں اُس وقت سامنے آئی جب ایک ہندو انتہا پسند تنظیم نے دعوی کیا تھا کہ ریاست کرناٹک میں تقریبا تیس ہزار خواتین کو مسلمان بنا لیا گیا ہے۔ تقریباً ایک ارب پچیس کروڑ کی آبادی کے حامل بھارت میں مسلمانوں کی تعداد 150 ملین کے لگ بھگ ہے اور کٹر ہندوؤں کا الزام یہ ہے کہ مسلمان اپنی اس "خفیہ مہم "کے ذریعے سیکولر بھارت کو 'اپنا' ملک بنانا چاہتے

ہیں۔ "اینٹی لَو جہاد فرنٹ" نے ایک پمفلٹ شائع کیا جس کا متن کچھ ایسا ہے کہ "ہندو بھائیوں سے اپیل جو گو ہندو جاگو ! "لَوّ جہاد" سے سودھان ' مسلمان ہندو نام رکھ کر ہاتھ میں کلاوا باندھ کر و ٹیکا لگا کر ہندو لڑکیوں کو جال میں پھنساتے ہیں، ان کا دھرم پرورتن (بدل) کرکے شادی کرکے بچے پیدا کرتے ہیں، ایوم (نیز) شریرک و مانسک سوشن (جسمانی و ذہنی استحصال) کرکے انھیں چھوڑ دیتے ہیں۔ (ادھارن) مثال کے طور بالی وڈ فلم ابھینیتا (ایکٹر) سیف علی خان و عامر خان نے ہندو لڑکیوں سے شادی کرنے کے بعد بچے پیدا کرکے انھیں چھوڑ دیا۔ اپنے دھرم اور اپنی بہن، بیٹوں کی رکشا حفاظت) کیلئے سترک (مستعد) رہیں، یدی (اگر) آپ کے پاس کچھ ایسا لگے تو ہماری) ہیلپ لائن سے سمپرک (رابطہ) کریں۔

بھارتیہ جنتا پارٹی نے "لَوّ جہاد" ' کا نام لئے بغیر انتخابی مہم کے دوران اپنے سیاسی قرارداد کی منظور میں حیرت انگیز دعوی کیا تھا کہ " ایک مخصوص مذہب سے تعلق رکھنے والی خواتین کو ریپ کا شکار بنایا جارہا ہے اور ریپ کرنے والوں کا تعلق ایک خاص مذہب سے، یا تو یہ محض اتفاق ہے یا یہ ایک سوچی سمجھی سازش ہے اور اس پر پارٹی کو تشویش ہے۔ "پوری قرارداد میں "لَوّ جہاد "کا نام' شامل نہیں کیا گیا لیکن یہ واضح طور پر بتانے کے بجائے کہ کس کا ریپ ہو رہا ہے اور کون کر رہا ہے، اسے معنی خیز و مبہم اندار میں بتانے

کی کوشش ضرور کی گئی۔ ہندو انتہا پسند تنظیموں 'آر ایس ایس' ہندو جن جاگرن سمیتی وغیرہ کی اس روش میں مسلمانوں کے ساتھ بغض کا اندازہ حال ہی میں " لو جہاد " نامی ایک کتاب سے بھی لگایا جاسکتا ہے، جو انتہائی قابل اعتراض او نفرت انگیز ہے، جس کے ذریعے بھارت ہی میں نہیں بلکہ دنیا بھر میں بسنے والے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مسلم لڑکی، ہندو لڑکا شادی کے تصور کو بھارتی فلموں کے ذریعے اس قدر پھیلایا جارہا ہے کہ، مسلم نوجوان کسی ہندو لڑکی کی کے مذہب کی تبدیلی کے بغیر بھی شادیاں کرنے لگے ہیں اور اسے معیوب نہیں سمجھتے، نوجوان' دین اسلام 'کی واضح ہدایت کے باوجود کسی بھی مشرک لڑکی کو بطور بیوی اپنانے اور اس سے بچے پیدا کرنے کو معیوب اور خلاف اسلام نہیں سمجھتا، لیکن جب، کوئی ہندو لڑکی مسلمان ہو کر کسی مسلمانلڑکے سے شادی کرلیتی ہے تو اسے ہندو دھرم کے خلاف سازش اور "لَو جہاد " ' کا نام دیکر یہی بھارتی معاشرہ مسلمانوں کے خلاف ننگی تلوار بن جاتا ہے اور اسے بھارت کے خلاف سازش قرار دیکر واویلا کرتا ہے۔ مشہور کرکٹر عرفان پٹھان جو کہ ایک موذن کا بیٹا ہے اس نے ایک ہندو لڑکی سے اس کا مذہب تبدیل کئے بغیر شادی کی اور ازدوجی زندگی گذار رہا ہے، شاہ رخ خاں کے گھر میں مندر بھی ہے اور نماز کے لئے مختص جگہ بھی۔ سیف علی خان اقرار کرتے ہیں کہ کرینہ کپور نے اسلام قبول نہیں کیا وہ اب بھی ہندو ہیں۔ ہمارے بعض معترضین اور دانشور یہ اعتراض کرتے رہتے ہیں کہ

کیا مسلم نوجوان اتنا خوبرو ہے کہ ہندو لڑکی اس کے عشق میں مبتلا ہو کر مسلمان ہو جاتی ہے کیا ہندو لڑکے خوبرو نہیں ہوتے۔ عام لڑکی لڑکوں کے بجائے مشہور مثالیں ہمارے سامنے ہیں نہ جانے متعصب دانش وروں کو یہ کیوں نظر نہیں آتی۔ مثال کے طور پر سنیل دت نے نرگس سے شادی کی، کشن چندر نے سلمی صدیقی سے، ریتک روشن نے سوجین خان سے، اتول اگنیہوتری نے الویرا خان سے، روہت راجپال نے نیلیلہ خان سے، اجیت اگارکر نے فاطمہ دھندلی سے، سچن پائیلٹ نے سارا عبداللہ سے، ارون آہوجہ (گوبندہ کے والد) نے نجمہ سے، شیریس کندر نے فرح خان سے، ارون گاؤلی نے عایشہ سے، منوج واجپئی نے شبانہ رضا سے، پنکج کپور نے نیلیمیا عظیم سے، گنودینشین راؤے نے تبسم سے، ششی ریکھی نے وحیدہ رحمان سے، راج ببر نے نادرہ ظہیر سے، کرنل سودھی نے نفیسہ علی سے، میوروادھونی نے ممتاز سے، رندھاوا نے لیکا خان سے، وشنو بھاگوت نے نیلوفر سے، کشور کمار نے مدھو بالا ممتاز) سے، وی ایس نائیپال نے نادرہ سے، کبیر سومن نے سبینہ یاسمین سے، بی آر اشارہ نے ریحانہ سلطانہ سے، سمیر بیرورکر نے تسنیم شیخ سے، انوراگ مودی نے شہناز سے، ایم ایس ستھو نے شمع زیدی سے، روی شنکر نے روشن آرا سے، پردیپ چیرین نے فوزیہ فاطمہ سے، پنکج ادھاس نے فریدہ سے، کے این سہائے نے زاہدہ حسین سے، بریج سدانا نے سعیدہ خانم سے، نرمل پانڈے نے کوثر منیر سے، وجے گوئل نے تبسم سے، امیت موئترا نے نائید کریم سے، روپ کے شوری نے شمشاد بیگم سے، کے ٹی سپرو نے تاجور

سلطانہ سے، رمیش باگوے نے زینب سے، منیش تیواری نے نازنین سے، سیتا رام پوری نے سیما جشتی سے، سمیت سہگل نے شاہین سے شادیاں کیں، لمبی چوڑی مزید فہرست بھی ہے، اصل بات یہ ہے کہ ان شادیوں کو تو یہ لوگ رزشٹر ایکا تمتا (قومی یکجہتی) کا نام دیتے ہیں لیکن جب ہندو لڑکی کسی مسلمان سے شادی کرلے تو اسے ' "لَو جہاد" ' قرار دیا جاتا ہے، یہ کیسا مفروضہ ہے اس پر ہمارے دانش ور، سیاست دان یا بھارت سے انتہا پسند تنظیمیں واویلا کیوں نہیں کرتیں؟ آپ کی دلچسپی کیلئے یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ بی جے پی کے نام نہاد مسلم چہرہ شاہنواز حسین اور مختار عباس نقوی کی بیویاں بھی ہندو ہیں، اس پر بھی کبھی بے جے پی نے واویلا نہیں کیا۔ دراصل یہ برصغیر کی تاریخ کا حصہ رہا ہے، جس کی سب سے بڑی مثال اکبر اعظم اور ان کی ہندو بیوی، ملکہ جودھا کو ہم کیوں بھول جاتے ہیں۔ دراصل یہ برصغیر (پاک وہند) میں سیاسی مقاصد کے تحت زہریلا عنوان بنا کر کی جانے والی سازش ہے۔ بعض افراد و دانش ور یہ کہتے ہیں کہ ایسا غریب ہندوؤں کے ساتھ کیوں ہوتا ہے تو اس کا جواب ماضی میں راجھستان کے وزیر کا ایک مسلمان لڑکی سے شادی کرکے خود مسلمان بن جانے کی مثال موجود ہے، یہ عشق و محبت کے نام رچایا جانے والا جذباتی کھیل ہے جیسے نہ کوئی روک سکا ہے اور نہ روک سکے گا، عشق و محبت کے نام پر بے راہ روی اختیار کرنے والے مذاہب کی حدود و قیود کو تجاوز کرتے رہیں گے۔ بی جے پی ہو یا آر ایس ایس، یا پورا سنگھ پریوار یا پاکستان

میں اسے دانش وریا سیاسی فائدہ اٹھانے والے سیاست دان ، اس عشق کی باری کو مذہب کے نام پر نہیں روک سکتے۔ یہ صرف سیاسی روٹیاں سینکنے کیلئے نفرت کی آگ ہے جو دہکائی جا رہی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ کسی بھی مذہب کی لڑکی یا لڑکے ساتھ ، اغوایا زیادتی کے واقعات ، کسی بھی جانب سے نہیں ہو سکتے۔ یقینی طور پر ایسے واقعات بھی ہوتے ہونگے جس کی بیخ کنی حقائق کی روشنی میں ضروری ہے ، لیکن ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ برصغیر (پاک وہند) کے بٹوارے کو ابھی صرف 68 سال ہی ہوئے ہیں ، صدیوں کی بنی روایتوں کو چند سالوں میں ختم نہیں کیا جاسکتا ، اسے بھارت کے سیکولر اسٹیٹ اور پاکستان میں مذہب اسلام کے نام سے تولا نہیں جا سکتا۔ بہر حال یہ ایک جذباتی و بے راہ روی کا معاملہ ہے جس میں ہندو یا اسلام مذہب کا کوئی تعلق نہیں۔ جسطرح ' شہید کی اسلامی ' اصطلاح غیر مسلم استعمال کرنے لگے ہیں ویسا ہی تمام مذاہب والوں کو بے راہ روی کے نام پر آزادی خیالی کے " لَوّ جہاد " سے . سودھان (ہوشیار) رہنے کی ضرورت ہے۔

پاکستان میں ؟ PK

پاکستان ارتھواپر لینڈنگ مارت ہی سالہ بجلی غائب ہوگیا ، یہاں ڈانسنگ کار تو نہیں تھا، پر لمبی لمبی لائن تھا کارکا ، پھر ہم کا معلوم ہوا ، سالہ یہاں پیٹرول اور سی این جی کا تو سسٹم ہی ٹُل ہوچکا تھا، پر ایک بات سُن کہ تو سسُرا ہمار فیوج ہی اُڑ گوا ، وہ ای کہ پاکستان ارتھوا پے نہ بجلی تھا نہ گیس نہ پیٹرول پھر بھی" بھٹوزندہ ہے !! "ہم سمجھ گیا کہ کونو سالہ پھِرکی لے رہا ہے ای سب عوام کا ، ہمرا دماغ ماسسُری ای بات آئی کہ اگر عوام نے اپنی حالت نہ بدلی تو اگلے برس وہ بھی ہمرا گولے کی طرح ' ننگا' گھومے گا ۔

میں تھر کے حالات کا اپنے' حالات ' سے موازنہ کررہا تھا کہ ایک لق دق صحرا میں جہاں پانی تھا اور نہ انسانوں کی اوقات ،اس کسمپرسی میں ' پی کے ' صاحب خراماں خراماں گھومنے چلے آئے ، میں نے ان سے کہا کہ ' پی کے '، آپ تھر کو راجھستان سمجھ کر پاکستان میں باڈرر کراس چلے آئے ہو، واپس لوٹ جائے ، ' پی کے ' نے مجھ سے کہا کہ بھائیا میں تو وآں سے ہی واپس چلا گوت تھا لیکن پشاور سانحہ کا پتہ لگا تو ام سوچت رہے کہ انہاں بچاں کی دشمنی کا سے او

رہت کہ انہاں، یوں بیدردی مارے جاہت اے تو ایک گجب بات معلوم ہوئی کہ پاکستان میں بھی ’ پی کے ‘ ہے لیکن اپنے نام کیسا تھوا ’ کے ‘ شروع میں لگاوت اے، بس ہم سوچ لئے کہ ہو نہ ہو، اس کا بھی اماری طرح ریموٹوا گوماوت، ہم اس کو ساتھ لئے چلتے ہیں۔ اب ام کو نہیں معلوم کہ یہ ’ کے پی کے ‘ کہاں ہے، ہماری مدد کرو۔

اب اس ’ پی کے ‘ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ’ کے پی کے ‘ کا مطلب خیبر پختونخوا ہے، لیکن میں بھی ٹھہرا پختون، سوچا کہ مہمان ہے، کچھ بھی ہو میزبانی تو کرنی پڑے گی، مجھ سے کہنے لگا کہ پہلے کراچی جائیں گے، سُنا ہے وہاں کوئی ’ نامعلوم ‘ بڑا مشہور ہے، کراچی میں کچھ بھی ہوت، سسُرا ’نامعلوم ‘ہی کرتا ہے۔ اب میں اُسے کیا بتاتا کہ ’ نامعلوم ‘ کو تو آج تک کوئی نہیں پکڑ سکا، دیکھے گا کیسے، مجھ سے کہنے لگا، کہ خان بھائیا۔ یہ بتاؤ کہ تم کراچی میں رہتے کیسے ہو ؟۔ میں نے کہا کہ مجبوری ہے، اس وجہ سے رہنے پر مجبور ہوں۔ ’ پی کے ‘ کہنے لگا کہ نہیں تم ’ ٹُل ‘ ہو اسی لئے واں رہت ہو، میں سر کُھجا کر رہ گیا، پی کے ‘ نے کہا چلو مجھے میرے ہم نام کے پاس لے چلو، ہم پنجاب کے راستے روانہ ہوئے تو اس نے پوچھا کہ، اے کون سی جگہ ہے، میں نے کہا پاکستان کا بڑا بھائی ہے، ’ بولا اچھا، یہ ہے وہ بھائیا، ۔۔

ہم خیبر پختونخوا پہنچ گئے تو 'پی کے' نے کہا ام کو 'کے پی کے' سے ملاؤ۔ میں نے کہا کہ یہ پاکستان کے صوبے کا نام ہے جیسے، سندھ، پنجاب، بلوچستان،، تو 'پی کے' کہنے لگا کہ یہ پورا نام کیوں نہ لاوت اے؟، خیبر پختونخوا کے بجائے 'کے پی کے' کیوں بلاوت اے، میں نے کہا شارٹ فام ہے، تو کہنے لگا کہ پنجاب، کو 'پی'، سندھ کو 'ایس' اور بلوچستان کو 'بی' کیوں نہ کہوت اے۔ میں خاموش ہوگیا، جواب دینا چاہتا تھا لیکن پھر سوچا کہ اگر 'پی کے' کو یہ پتہ چلے کہ پہلے اس کا نام NWFP تھا تو وہ اور میرا دماغ چاٹے لگا کہ پھر نام بدلنے کی کیا ضرورت تھی۔

پی کے' نے مجھ سے کہا کہ یہ بتاؤ کہ ان کی زبانوا کیسے سیکھ سکت ہیں کسی کا ہاتھ پکڑواؤ' میں نے کہا کہ غلطی سے بھی کسی کا ہاتھ نہ پکڑ لینا، ورنہ تمھیں سیدھا، یم راج کے، پاس بھیج دیں گے۔ 'پی کے' پاکستان کی سب زبانیں بھی سیکھنا چاہتا تھا، میں نے ایسے سمجھایا کہ دیکھو یہاں ہر اگر اپنی اپنی 'بولی' بولتا ہے، جو کبھی پل میں تولہ ہوتی ہے تو کبھی ماشہ ہوتی ہے، کوئی پاکستان کی زبان نہیں بولنا چاہتا، کسی کو کوئی زبان عزیز ہے تو کسی کو کوئی زبان عزیز ہے، اس لئے سب اپنی اپنی زبانوں کے نام پر صوبے بنانا چاہتے ہیں۔ 'پی کے' کہنے لگا، گجب لوگ ایں، کیا ان کو کو

ٹھپہ لگا اے کہ یہ پاکستانی نہ ای اے۔ مجھے دیکھاؤ تمرا اکون سا ٹھپہ لگا اے۔ میں رو ہنسا ہو گیا اسے کیا معلوم کہ ہم انسان ہی نہیں ہے، مساجد، بارگاہوں، جلسوں جنازوں میں خود کش دھماکے کرکے نسل کشی کردیتے ہیں، افغانستان جا نہیں سکتے لیکن ان کے لاکھوں لوگ پاکستان میں تیس سال سے زائد عرصے سے ہیں، ڈبل ڈبل کارڈ بنا کر افغانستان کے شہری بھی ہیں تو پاکستان کے بھی۔

پی کے' حیران ہو کر بولا کہ سالا تم سب کو کوئی پھرکی دیکر ٹُل بنا رہا اے، کونہ کو ' رانگ نمبراں ہے جو ایسا کرت اے۔ میں نے کہا سب کو پتہ ہے کہ رانگ نمبر کون ملا رہا ہے لیکن یہ عوام سمجھ کر بھی نا سمجھ ہے۔' پی کے' نے کہا کہ ان سب کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر انھیں سمجھاؤ کہ تم سب کا خون ایک ہے، مذہب ایک ہے، وطن ایک ہے، قومی زبان ایک ہے پھر تم سب اک دوسرا کا دشمن کیوں بنت پھرت ہو۔ میں نے کہا کہ یہی تو اصل مسئلہ ہے یہاں سب ہیں اور کوئی بھی نہیں ہے۔ لاشیں گرتی ہیں کچھ دیر کیلئے ایک ہو جاتے ہیں پھر کچھ دنوں بعد الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ سب اپنی اپنی بولی بولتے ہیں۔' پی کے' کہنے لگا کہ ام کو ایسا لگت ہے کہ تمرا چینلوا میں جا کر ان سب لوگاں کو سمجھاٹن جرورت ہے۔ میں کہا کہ چینل والے بچارے کیا کریں گے، جس کی لاٹھی اُس کی بھینس والا حساب ہے، اس لئے وہ سب مجبور ہیں، اُن کو اتنی سچ کی آزادی

نہیں کہ کوئی دہشت گرد، ٹارگٹ کلر پکڑا جائے تو لکھ دیں کہ فلاں کا تعلق سیاسی جماعت سے ہے، فلاں کا تعلق کالعدم مذہبی جماعت سے ہے۔ ' پی کے ' اپنا سر پکڑ کر بولا، سالا ایاں تو سب گڑبڑیا ہے، رانگ نمبر کے ساتھوا، اس ارتھوا میں سب ایک دوسرے کو، پھر کی ڈیگر لُل بنائے جات ہے۔

پی کے ' کہنے لگا کہ ایسا کرو کہ ہم کو بلوچستان لے چلت، میں وہاں سے اپن ریموٹوا ' سے مسیجوا کرکے واپس چلا جاوں، میں نے کہا کہ بلوچستان میں گئے تو پھر واپس نہیں لوٹ سکتے، وہاں تو کیا کچھ ہو رہا ہے، کسی کو کچھ پتہ نہیں۔ ' پی کے ' حیرانی سے بولا، وہ کیسے، میں نے کہا کہ پچھلی بار تمھارا ریموٹ چوری ہو کر گم ہوگیا تھا، لیکن پھر تمھیں بھی مل گیا تھا نا ! ' پی کے ' نے کہا آں تو پھر۔ میں نے کہا کہ اگر ہم اُدھر لاپتہ ہوئے تو پھر ہم کبھی نہ مل سکتے ہیں، وہاں تو کوئی شکل بھی نہیں پہچان سکے گا۔

پی کے ' کہنے لگا کہ تمرا ملک بڑا گجب کا اے، لیا اسلام کے ناموپر، لیکن کام سسرا، ' لُل، ادر، مارن والا بھی شہید تو مرن والت بھی شہید، مارن والا بھی مظلوم، مرن والت بھی مظلوم، کماوت پاکستان میں، دولت سسرا باہر لے جاوت ہے، مجھے اسا لگت ہے کہ یہ سسُری عوام ہی رانگ نمریاں ہے تب ای ان کا ای لیڈر لوگاں چنت اے جو، بار بار ہمرا گولے کی طرح ننگا کرت اے۔ ایسا ہے کہ تم کو کالموں کی سنچری مبارک ام کو اسا لگت تم بھی لُل کائل،

ہی رہو گے۔ اب میں اپنی پھر تو جا کر ریموٹ ہی توڑ ڈالے اور تم اپنا لکھت والا قلم توڑ دؤ، کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسراں۔ ہم تو چلت، تمرا تو سر افیوج ای نا ہی اے۔

میثاق مدینہ کو بجا طور پر انسانی تاریخ کا پہلا دستور قرار دیا جا سکتا ہے، یہ 730 الفاظ پر مشتمل ایک جامع دستور ہے جو ریاست مدینہ کا آئین تھا۔ 622ء میں ہونے والے اس معاہدے کی 53 دفعات تھیں۔ یہ معاہدہ اور تحریری دستور مدینہ کے قبائل (بشمول یہود و نصاری) کے درمیان جنگ نہ کرنے کا بھی عہد تھا، معاہدے کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ اس کا بکثرت ثبوت پوری تفصیل کے ساتھ کتبِ تواریخ میں ملتا ہے مگر اس کے باوجود مغربی مصنفین اسے نظر انداز کرنے کی کوشش میں ناکام ہی نظر آتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کیخلاف سازشیں اور اُن ﷺ کی ذات گرامی پر حملہ کرنے کیلئے انھوں نے 'ادب' اور شاعری کا سہارا لیکر، اُس کی آڑ میں نبی اکرم ﷺ کی ذات کی اہمیت و درجے کو کم کرنے کیلئے ہجو لکھیں، جس میں تین شعراء نے باقاعدہ محاذ بنایا۔ ایک کا نام کعب بن الاشرف تھا، جو یہودی تھا، دوسری کا نام اسماء بنت مروان تھا اور تیسرے کا نام ابو عنک تھا۔ ان کے رکیک اشعار سے حضرت محمد ﷺ کو شدید رنج پہنچا تو ان تینوں کو انہی کے قبیلے کے افراد نے قتل کیا، اسماء بنت مروان کو ان کے ہم قبیلہ ایک نابینا صحابی عمیر بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ اور ابو عنک کو حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ نے قتل کیا۔ ریاست مدینہ کے قیام کے بعد

حضرت محمد ﷺ کو مسلمانوں کے دفاع کیلئے کئی جنگیں بھی لڑنا پڑیں، غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق، غزوہ بنی قریظہ، غزوہ بنی مصطلق، غزوہ خیبر، جنگِ موتہ، غزوہ فتح مکہ، غزوہ حنین اور غزوہ تبوک۔ جس جہاد میں حضرت نبی اکرم بذات خود شریک تھے انہیں غزوہ اور جس جنگ میں نبی اکرم ﷺ شریک نہیں تھے انہیں ' سریہ' کہا جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے جہاں مسلمانوں کے دفاع کیلئے غزوات میں حاصل لیا وہاں صلہ رحمی، امن اور ان کے تحفظ کے خاطر مشرکین، یہود و نصاری سے معاہدے بھی کئے۔ ان میں صلح حدیبیہ سنہ ٦ ہجری مارچ 628ء کا وہ تاریخی معاہدہ تھا جس کے بعد، اس معاہدے نے بہت سود مند اثرات بھی مرتب کئے اور بیعت رضوان کا ایک ایسا عہد نامہ بھی تاریخ میں سنہرے الفاظوں میں رقم ہوگیا کہ مسلمانوں نے یہ عہد کیا کہ وہ مرتے دم تک حضور ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے اسلام کی تبلیغ کیلئے فارس کے بادشاہ خسرو پرویز، مشرقی روم (بازنطین) کا بادشاہ ہرکولیس حبشہ کا بادشاہ نجاشی، مصر اور اسکندریہ کا حکمران مقوقس اور یمن کے سردار کو اپنے سفارت کار بھی بھیجے۔ خسرو پرویز نے سفارت کی توہین کی، مصر اور اسکندریہ نے نرم جواب دیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں کچھ تحائف روانہ کئے، ان کے ہمراہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالی عنہا بھی روانہ ہوئیں جن سے حضور ﷺ کے بیٹے ابراہیم کی ولادت ہوئی۔

گذشتہ دنوں پاکستان میں جمہوری نظام کے تحت سینیٹ کے انتخابات کے حوالے سے اراکین اسمبلی کی خرید وفروخت نے ایک بار پھر پاکستان کے نظام و انصرام پر سوالیہ نشان ڈال دیا کہ براہ راست کروڑوں روپے رشوت دیکر آنے والوں کی غریب عوام کے ساتھ کتنی اور کس قدر ہمدردی ہوگی۔ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسلامی ممالک کے نظام میں مطلق العنان افراد خاندانی حکمرانوں کی وجہ سے بلاشرکت غیرے حکومت چلانے کے جابرانہ انداز میں ملکی بھاگ دوڑ پر قابض ہیں تو دنیا کو دکھاوے کی برائے نام جمہوریت دیکھانے کیلئے اسمبلیاں بنا رکھی ہیں جہاں کوئی غریب ، صالح اور عوام دوست انتخابات میں حصہ لینے کا سوچ بھی نہیں سکتے ، ہمارے ملک کی طرح کئی ممالک میں پارلیمانی ، صدارتی جماعتی نظام ہے جس میں سیاسی وفاداریوں اور اقربا پروری پر ٹکٹ کی تقسیم کو صلاحیت اور قابلیت پر ترجیح دی جاتی ہے۔ حکمرانی کے کئی نظام ہمارے سامنے ہیں اور ہم اس کی نقالی میں اپنی چال بھی بھول جاتے ہیں۔افسوس ناک صورتحال تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے نظامہائے حکومتوں میں نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کے عملی کارناموں کو یکسر نظر انداز کیا ہوا ہے اور اسلامی نظام کو مغربی پروپیگنڈے کے سبب ، بحث و قابل عمل تصور کی سوچ کے قریب بھی نہیں آنے دیا جاتا اور اسلام کا نام انتہا پسندی و شدت پسندی سے جوڑ دیا جاتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول مبارک ہے کہ "حکومت شرک کے ساتھ تو چل سکتی ہے

لیکن ظلم کے ساتھ نہیں چل سکتی"۔اور ہمارا المیہ ہی یہی ہے کہ مسلم ممالک میں ظلم کے طور اپنا نظام قائم کیا ہوا ہے، جس میں غریبوں کے مفادات کو یکسر نظرانداز کیا جاتا ہے معاشرے کے مترفین (قرآنی ارشاد کے مطابق مترفین وہ طبقہ ہے جو عوام کے مسائل، پر قابض ہو کر غریبوں پر ظلم ڈھائے) کیلئے سب ذرائع استعمال ہوتے ہیں۔آج اگر ہم اسلام کے ابتدائی دور کے ساتھ جدید دور کا موازنہ کریں تو مسلمانوں کی حالت زار پر خود غیر مسلموں کو رحم آتا ہے، انھیں امداد کے نام خیرات، دفاع کے نام پر دیئے گئے اسلحے دیگر غیرت خریدنا، صحت کے نام پر اپنی نسل کو بچانے کیلئے متعدی امراض کی بیماریوں کو اُن ہی ممالک میں ختم کرنا تاکہ اِن کی وجہ سے اُن کی عوام کو نقصان نہ پہنچے، مسلم ممالک کو اپنی تباہ کن ایجادات کا تجربہ گاہ بنا کر انہیں محکوم بنا لینا، غرض یہ ہے کہ مسلم ممالک کا نام صرف اسلامی رہ گیا ہے لیکن خوئے غلامی میں انھوں نے سابقا اقوام کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔کوئی اگر ہماری مقدس کتاب قرآن کریم کی توہین کرے، شہید کرے، جلائے، ہم مغرب کے ڈر کی وجہ سے کچھ نہیں کر سکتے، نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی اور اسلام کی نعوذباللہ ہجو کرنے والوں کو زبانیں روک نہیں سکتے کیونکہ انہیں ان کے ممالک نے اظہار رائے کے نام پر مکمل آزادی جو دے رکھی ہے، دراصل یہ اظہار رائے کی آزادی نہیں بلکہ فرعونی قوت کا وہ مظاہرہ ہے جس کے سامنے ہمارے نام نہاد نمائندے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں جو کروڑوں روپے خرچ کرکے کاروبارِ سیاست

میں سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ ہماری حالت قوم موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہو گئی ہے ' تم لڑو اور تمہارا رب لڑے ، ہمیں بھی آسمان سے ' من سلویٰ ' درکار ہے ۔ ہماری روش بھی قوم شعیب علیہ السلام کی طرح ہو گئی ہے ، جہاں حلال و حرام کی کوئی تمیز ہی نہیں رہی ، عدل و انصاف کا نام رہ گیا ہے ، خوف خداوندی ختم ہو چکا ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ جیسی عظیم ہستی میزان خداوندی سے کانپتی ہو کہ " اگر نہر فرات کے کنارے ' کتا ' بھی بھوکا مر گیا تو اللہ تعالی اُس کا حساب بھی لے گا "۔ لیکن ہمارے اِن حکمرانوں کو کون سمجھائے کہ تمھارے پاس حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ سے زیادہ دولت نہیں تھی ، ذوالنورین ہونے کے باوجود روتے رہتے تھے کہ ان کے سرمایہ کی وجہ سے اللہ تعالی کے سامنے سرخرو کیسے ہونگا کہیں ، ان سے نا دانگی میں کوئی کوتاہی نہ ہو چکی ہو ، ان جیسی تمام وہ ہستیاں جنہیں ان کی زندگی میں ہی جنت کی بشارت مل گئی وہ اس کے باوجود بھی بے فکر ہو کر نہیں بیٹھے بلکہ اللہ تعالی کی پکڑ کی ڈر سے احکام الٰہی پر اور سختی سے کاربند ہو گئے۔

نہ جانے ہمارے ارباب اختیار کے جسموں میں کس فرعون کی روح وارد ہو چکی ہے کہ خود کو ' خدا ' سمجھ بیٹھے ہیں ۔انسان بھوکا ، پیاسا مر رہا ہے ، سینکڑوں انسان کراچی میں نامعلوم ' کے ہاتھوں قتل ہو گئے ، سینکڑوں لاشیں سوختہ ہو گئیں ، بھتوں کیلئے انسانوں ' کو جلا دیا گیا ، اس قدر بربریت توڑرون

حملوں میں جلنے والے ان انسانوں کیساتھ بھی نہیں کی جاتی جس قدر ہمارے خود کش دشمن ، مساجد میں نماز پڑھتے ہوئے نمازیوں پر ڈھاتے ہیں ، یہاں تو ہر روز سانحہ پشاور رونما ہوتا ہے لیکن عدل و انصاف کا معیار دوہرا کیوں ہے ؟۔

نبی اکرم ﷺ نے امن کے خاطر معایدے بھی کئے تو انسانیت کے بچاؤ کے لئے دفاع بھی کیا، مدینہ ریاست سے ناواقف دنیا میں سفارت کار بھی بھیجے تو ان کے تربیت یافتہ خلفائے راشدین رضوان اللہ اجمعین نے ظلم کے خلاف ظالموں کی سرکوبی بھی کی اور عدل و انصاف کا ایسا نظام قائم کیا جس کی مثال روئے کائنات میں نہیں ملتی ، پھر ہم کس نظام کو کہاں تلاش کر رہے ہیں ۔کیا اسلام سے بہترین اور کوئی نظام اپنا کر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا آئین ، اللہ تعالی کے دیئے گئے آئین ، قوانین ، اصولوں اور انصاف سے بہتر ہے۔ہمیں دیکھنا اور سوچنا ہوگا کہ ایک وہ نظام ہے جس میں خلیفہ ثانی راشد عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک غلام (ریاستی ملازم)ہنئی کو ایک چراگاہ پر متعین کرتے ہوئے کہا "کہ اے ہنئی ، مسلمانوں سے نہایت عاجزی کا برتاؤ کرنا، مظلوموں کی بد دعا سے ڈرنا ،یاد رکھنا کہ عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ (جیسے مالدار لوگوں) کے جانوروں کو ہرگز چرنے نہ دینا، اس لئے اگر ان دونوں کے جانور مر بھی جائیں گے تو دونوں کے دونوں اپنی زرعی زمین اور باغات سے) پیٹ پال سکتے ہیں اور اگر کم مقدار والوں

غریبوں) کے اونٹ یا بکریاں مر گئیں تو وہ لوگ اپنے اہل و عیال کو میرے پاس لا کر مجھ سے فریاد کریں گے کہ امیر المومنین ! ہم غریب و فقیر ہو گئے"۔

بھلا کوئی تو سمجھائے کہ ہمیں کس نظام کو مضبوط بنانے کی ضرورت ہے ؟ اُس نظام (اسلامی) کی جو پہلے ہی غریب ، مظلوم اور اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کیلئے سر دھڑ کی بازی لگاتا رہا ہے یا پھر اُس " بازار مصر " کیجہاں ایمان بھی چند روپوں میں فروخت ہو جاتا ہے ، لیکن یہ وہ لوگ ہیں جن کے ضمیر کی قیمتتک مصر کے بازار میں بھی نہیں لگے گی۔

سندھ رینجرز کیا کیا کرے

عموماً میں بیشتر خبریں سرسری پڑھ جاتا ہوں ، کیونکہ کچھ خبریں ایک جیسی ہوتی ہیں کچھ اسی طرح شرجیل میمن وزیر اطلاعات سندھ کے ایک بیان پر مجھے مغالطہ ہوا کہ ' میں جھاڑو لیکر خود صفائی کرونگا '۔ پہلے میں یہ سمجھا کہ شائد انکا مطلب یہ ہے کہ کراچی میں جتنی ٹارگٹ کلنگ ، بھتہ خوری اور بدامنی ' نامعلوم افراد ' نے کی ہیں اور کراچی سے امن وامان یکسر صاف ہوچکا ہے شائد اس میں کچھ کمی رہ گئی ہے اس لئے انھوں نے سوچا کہ رہی سہی کسر میں ' پوری ' کرتے ہوئے ، رینجرز کی بھرپور کوششوں کے بعد آنے والے باقی ماندہ امن پر جھاڑو پھیر دوں ۔ تھوڑا پھر غور کیا تو پتہ چلا کہ محترم کا ہفتہ صفائی کے ساتھ کوئی ایک لاکھ سے زائد پودے اُس شہر کراچی میں لگانے کا دعوی بھی ہے، جس شہر کے باسیوں کو پینے کا پانی اور جینا میسر نہیں۔

کچھ اسی سے ملتی جلتی مماثلت رکھتی صورتحال سندھ رینجرز کی بھی ہو گئی ہے کہ کراچی میں کئی عشروں کے باوجود صرف اس لئے مکمل کامیابی حاصل نہیں کرپا رہی کیونکہ ایک جانب انھیں پولیس کے بعض کرپٹ افسران و مخبر اہلکاروں کی جانب سے آپریشن افشا اور سیاسی دباؤ کا سامنا رہا تو دوسری جانب عوام کی

جانب سے بھرپور تعاون بھی حاصل نہیں ہو سکا۔ سچل رینجرز کے ایک افسر نے مجھ سے گلہ کرتے ہوئے کہا کہ " ہم پر خود کش دھماکے ہوتے ہیں ، حملے ہوتے ہیں ، اہلکار شہید ہوجاتے ہیں صرف اس لئے کہ ہم کراچی کے عوام کو امن فراہم کرنا چاہتے ہیں ، ہم عوام سے کسی بات کا تقاضا نہیں کرتے کہ ہماری دعوت کرو ، حکومت ہمیں سب کچھ دیتی ہے ہماری تو ہمیشہ یہ آرزو رہی ہے تو صرف شہادت کی، ہمیں کسی سے کوئی ڈر نہیں ، موت تو آنی ہے ، شہادت کی آئی تو ایک گولی سینے پر کھانے کے لئے تیار ہیں ، لیکن معذرت کے ساتھ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حساس و متاثرہ علاقوں کی مظلوم عوام ہمارے ساتھ اُس طرح تعاون نہیں کرتی کہ ہم انھیں جلد از جلد امن مہیا کر سکیں۔ ہم اپنے لئے تو کچھ نہیں کر رہے بلکہ ان کی موجودہ اور آنے والی نسل کو بچانا چاہتے ہیں "۔

رینجرز کے اس افسر کے جذبات وطن کی محبت اور کراچی سے ایثار سے لبریز تھے ، میرے پاس صرف یہی جواب تھا کہ عوام کئی عشروں سے خوفزدہ ہے انھیں وقت لگے گا ، لیکن کیا ، کیا جائے کہ ہمارے علاقوں میں چند عناصر ، ایسے بھی ہیں جن کا طریق کار عجیب سا ہے کہ آدھا تیتر آدھا بیٹر، بعض سرکاری افسران یا اہلکاروں سے ذاتی تعلقات کا بھرم دیکر اپنی زندگیوں کو بھی غیر محفوظ بنا لیتے ہیں اور جرائم پیشہ افراد کے ہاتھوں اپنی زندگیوں سے محروم ہوجاتے ہیں۔ سب سے اہم بات یہ بھی کہ کوئی عام شریف شہری اس بات سے خوفزدہ رہتا ہے

کہ اگر اس کے بارے میں شر پسند کو پتہ چل گیا تو اسے جان کا خوف ہوگا۔ لہٰذا وہ اپنی ایک جان بچانے کیلئے لاکھوں انسانوں کی جان خطرے میں ڈال دیتا ہے، اس کا حل بھی کی ایسی سروس شروع کی جس SMS رینجرز نے ڈھونڈ نکالا اور 1101 کے ایس ایم ایس میں اطلاع دینے والے کا نام اور دیگر معلومات صغیہ راز میں رکھی جاتیں ہیں اور ایک انسانی فریضہ بھی پورا ہوجاتا ہے کہ ظلم کے خلاف آواز اٹھاؤ، چاہے ہاتھ سے، زبان سے یا کم از کم دل میں بُرا جانو، لیکن یہ ایمان کی سب سے کمزور علامت ہے۔ ظلم و نا انصافی کے خلاف ہاتھ سے آواز اٹھانا، ایمان کے اولین درجے میں شمار کیا جاتا ہے اور میں اپنی ناقص رائے میں ہاتھ سے لکھے ایک چھوٹے سے ایس ایم ایس سے جرائم پیشہ عناصر کی نشاندہی کرنے والوں کی جرات کا پہلا درجہ سمجھتا ہوں۔.برائے مہربانی ایسے اپنی ذاتی دشمنی، مخاصمت اور فروعی مقاصد کیلئے استعمال نہ کریں۔ رینجرز جس کا کام سرحدوں کی حفاظت کرنا تھا، ایسے سیاست میں بار بار لانے کی کوشش کی جاتی رہی، دوسرے لفظوں میں کہا جائے کہ سیاسی بنانے کی کوشش، وہ بھی منظم انداز میں کی جاتی رہتی ہے تو کوئی اس سے اختلاف نہیں کریگا۔ ذاتی تجزیئے کے مطابق کراچی بدامنی کے حوالے سے جب کسی بھی ملزم کیخلاف جے آئی ٹی، (جوائنٹ انسٹی گیشنٹیم) کی رپورٹ بنتی ہے تو اس میں ملک کے مقتدور اداروں کے قابل افسران شامل ہوتے ہیں جس میں ملٹری انٹلی جنس (ایم آئی) انٹر سروس انٹلی جنس، (آئی ایس آئی) انٹلی جنس بیورو (آئی بی)، رینجرز، کریمنل

انوسٹی گیشنڈیپارٹمنٹ (سی آئی ڈی) اور پولیس اسپیشل برانچ کی ایجنسیوں کے اعلی افسران شامل ہوتے ہیں اور باقاعدہ رپورٹ پر ان کے دستخط ہوتے ہیں اور اس رپورٹ کو خفیہ رکھی جاتی ہے لیکن کسی نہ کسی طریقے سے اس کے کچھ حصے ذرائع ابلاغ میں آجاتے ہیں جیسے اس کی ایک مثال ’ کراچی بدامنی سپریم کورٹ کیس ‘ میں ایک قوم پرست جماعت کی جانب سے 23 جے آئی ٹی رپورٹس کو باقاعدہ کتابی شکل میں میڈیا میں سپریم کورٹ کے باہر میڈیا بریفنگ میں تقسیم کیا گیا جو سپریم کورٹ میں بھی جمع کرائی گئی تھی نیز بعض اہم سینئر صحافیوں اور اینکرز پر سنز کو وہ مخصوص رپورٹس فرمائش پر بذریعہ ای میل مہیا کی گئی جو آن ایئر براہ راست نشر کی گئیں، یہ رپورٹس سابق وزیر داخلہ سندھ نے کراچی سے دبئی جاتے ہوئے فلائٹ میں ہی ، قومی اسمبلی کی سابق اسپیکر کی سرکاری آفیشل فائل میں اپنے بریف کیس سے ایک ایسے سیاسی لیڈر کے حوالے کی جس کے مرکزی لیڈر نے اسلام آباد سے کراچی بدامنی کیس میں فریق بننے کی درخواست کرتے ہوئے معروف وکیل کو مقرر کرکے کراچی بھیجا۔

دراصل جے آئی ٹی رپورٹ اس وقت تک بلیک رہتی ہے ، جب تک عدالت سے وہ ملزم رہائی نہیں پا جاتا ، اگر عدالت اُسے رہا کردیتی ہے تو وہی جے آئی ٹی رپورٹ وائٹ قرار دے دی جاتی ہے، ناکامی کو پولیس تفتیشی افسران کی کوتاہی یا گواہان و مدعیان کی عدم موجودگی یا مدعی یا گواہان کو قتل کروانے کے بعد

مقدمے کا فیصلہ عدم ثبوت پر حاصل کرنا بھی کہا جاسکتا ہے۔اب ہم اس بات کو کیسے ہضم کرلیں کہ کسی ایک ادارے کے کسی ایک شخص یا گروہ کو تو کسی سے ذات پرخاش ہوسکتی ہے لیکن تمام ادارے بیک وقت کسی ملزم کے خلاف براہ راست دشمنی کیونکر کرسکتے ہیں ، اس کا واضح مطلب تو یہی نکلے گا کہ اگر اُس رپورٹس پر یقین نہ کیا جائے اور فوج آئی ایم ،آئی ایس آئی ، رینجرز ،آئی بی ، سی آئی اے اور پولیس کی اسپیشل برانچ کی استعداد کار اور اہلیت پر یقین ہی نہیں۔ جیسے دوسرے معنوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان کے وجود اور قابل اعتماد اداروں کو تسلیم نہیں کرتے۔اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ رینجرز کے بعض اہلکاروں سے کچھ ایسی غلطیاں بھی ہوئیں ہیں ، جس پر رینجرز کے اعلی افسران کو بذات خود مداخلت کرنا پڑی علاوہ ان پر ماضی و حالیہ عرصے میں بعض اراکین صوبائی و قومی اسمبلی و سیاسی مذہبی جماعتوں نے ماورائے عدالت قتل کے الزامات ، چادر و چار دیواری کے تقدس کی پامالی کے ساتھ ان کے آپریشن کے طریق کار پر اعتراض کیا، خاص طور پر اُس وقت جب جب پوری کی پوری آبادی کے مرد حضرات کو کھلے میدانوں میں قمیض اتروا کر اوندھا کردیا جاتا اور شناخت کے بعد مخصوص افراد کو حراست میں لیکر تفتیش کے بعد پولیس کے حوالے کردیا جاتا، پولیس اس کی ایف آئی آر درج کرکے مقدمے کا موجودہ سست عدالتی نظام کے ساتھ جو حال کرتی ہے اسکا حال سب کو معلوم ہے۔جاری ٹارگٹڈ آپریشن کے بعد اب اُن کو حراست میں لیا جانے لگا جن کے حوالے سے انھیں انفارمیشن ملتی، یہاں

بھی یہ دیکھا گیا ایسے افراد جو بے گناہ تھے، انھیں تین دن، سات دن بعد از خود بغیر سفارش کے رہا کردیا جاتا۔ آئین نے رینجرز کو نوے دن قانونی مہیا کئے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ اگر رینجرز کے اہلکار حراست میں لئے جانے والے افراد کو اسی قانون کے تحت گرفتار کرکے تفتیش کرے تو اس ملزم کے لواحقین، کو اطمینان ہوگا کہ اگر بیگناہ ہوا تو بغیر کسی سفارش یا دباؤ کے چھوڑ دیا جائے گا، ورنہ عدالت میں پیش کرکے ٹھوس شواہد کے ساتھ اس کے خلاف کاروائی ہوگی۔

حکومت سندھ رینجرز کو سیاسی دباؤ میں لانے سے گریز کرے اور انھیں، ان کا کام کرنے دیں، اب رینجرز کو پانی کی سپلائیوں کی بحالی، ہائیڈرینٹ، گھریلو جھگڑوں کو حل کرنے، نچلی سطح اور سیاسی مسائل میں الجھانے کے بجائے ان کا مورال بلند کرنے کیلئے پولیس کے محکمے سے بد عنوان اور کرپٹ افسران کی تعیناتی اور سیاسی بنیادوں پر بھرتی اہلکاروں کی تطہیر کیلئے دی گئی ایپکس تجاویز کو یقینی عمل درآمد بنانے میں کچھ وقت کیلئے کچھ فروعی مفادات کو پس پشت ڈال دیں اور سیاسی ریٹنگ بڑھانے کو کچھ عرصے کے لئے بھول جائیں۔

کمال کرتے ہیں پانڈے جی

کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ وہ سب کچھ کرڈالوں ، جو کسی نے نہیں کیا ہو ، لیکن شیر آفریدی بھائی کی ایک بات اچھی لگی کہ ، قومی مفاد میں یہ کر رہے ہیں ، قومی مفاد میں یہ ہو رہا ہے ، قومی مفاد میں وہ کیا تھا ، غرض قومی مفاد کے نام پر عوام کا ہمیشہ بیڑا غرق کیا گیا ۔بے ساختہ ایک فلم کے مشہور مکالمہ ذہن میں دوڑ گیا اور کچھ اور کہنے کے بجائے یہ کہہ دیا کہ ' کمال کرتے ہیں پانڈے جی ' ۔جی ہاں دراصل ہم ہر بات میں کمال کرتے ہیں لیکن اس کمال کا ہمیں خود بھی پتہ نہیں چلتا ، مملکت کی سرزمین ہو اُس پر لینڈ مافیا کا قبضہ ، سرکاری املاک ہوں تو اُس پر افسران کا قبضہ ، ایوان اسمبلی ہوں تو اُس پر اراکین کا قبضہ ، سینیٹ کی انتخابات ہوں تو اُس پر دولت مندوں کا قبضہ ، عدالتیں ہوں تو جلد انصاف فراہم نہ کرنے والوں کا قبضہ ، تھانے ہوں تو ایماندار افسران و اہلکاروں کے بجائے کرپٹ اور لاقانونیت کرنے والوں کا قبضہ ،امن کا معاملہ ہو تو اس پر دہشت گردوں کا قبضہ اور تو اور اب یہ خبر بھی پڑھی کہ اٹھارہ بیس سالوں سے کچھ افراد کا کرکٹ بورڈ پر قبضہ ہے۔ ہم نے اپنے ایمانوں پر بے ایمانی کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے ، ملت کے بجائے لسانیت اور گروہی بندی کو جگہ دے رکھی ہے۔21 فروری کو مادری زبان کا دن منایا گیا ۔دانشوروں نے بڑی روشنیاں

ڈالیں ، تاریخ بیان کی ، لیکن کمال کرتے ہیں یہ پانڈے جی کہ نہیں بتاتے کہ ماں کی زبان تو شریں، محبت ، پیار ، ایثار اور قربانی سے لبریز ہوتی ہے ، ہمارے یہاں کون سی زبان ہے پانڈے جی یہ نہیں بتاتے ۔ میں ایک صاحب کے شناختی کارڈ کے فارم کی تصدیق کیلئے سترہ گریڈ آفسر کو تلاش کر رہا تھا، لیکن شومئی قسمت کوئی دستیاب نہیں ہو رہا تھا، میری خرابی تقدیر اسی عارف میاں سے پوچھ لیا کہ ، عارف بیٹا ، یہاں ڈاکٹر کہاں ملیگا ؟ ۔ وہ معصومیت سے اٹھا اور رگمال مجھے تھمادیا، میں نے حیرانگی سے پوچھا کہ ابے یہ کیا ہے ؟۔ وہی دل نشین ، جی جلانے والا انداز کہ ، بھائی آپ نے ہی تو کہا تھا۔ اب اس بار سر پکڑنے کی باری میری تھی ، میں نے کہا، کٹی پہاڑی میں ایک بھی ایم بی بی ایس ڈاکٹر، سرکاری اسکول ، سرکاری آفسر، کالج نہیں ہے ، تم سے ڈاکٹر کا پوچھا تو تم نے رگمال پکڑا دیا۔کہنے لگا، بھائی ، ڈاکٹر کا کیا کرنا ہے ، پورے علاقے میں جاہل ، لوگ ایم بی بی ایس بن کر ڈاکٹر بنے بیٹھے ہیں ، سرکاری ایک اسکول بھی نہیں ، پرائیوٹ اسکول ، بھاری فیسوں کے نام پر این جی اوز بنا کر فنڈنگ کرتے ہیں، سرکاری آفسر ، اس غریب آبادی میں کیوں رہے گا، اس لئے میں آپ کو رگمال دیا کہ چراغ تو ہے نہیں کہ رگڑیں اور جن آجائے اور کہے کیا حکم ہے میرے آقا ؟میں نے اُسے غور سے دیکھا کہ کمال کرتے ہیں پانڈے جی ، یہ عقلمندی کی باتیں آپ نے کہاں سے سیکھیں ؟ تو وہ کہنے لگا کہ اچھا یہ عقلمندی کی باتیں ہیں ، میں تو سمجھا تھاآپ غصہ ہو نگے۔ میں نے

خاموشی سے راہ پکڑی اور جن کا فارم تصدیق کروانا تھا انہیں ایک ایسے سرکاری ڈاکٹر کے پاس بھیج دیا جو وہاں علاج کے لئے نہیں بلکہ شناختی فارم کی تصدیق کرنے کیلئے روز رات دس بجے آتا تھا۔ اور ایک فارم کے سو روپے لیکر اس ناپرساں آبادی کو عذاب سے نجات دلاتا تھا۔

میں سوچنے لگا کہ اگر یہ بھی نہیں ہوتا تو اس علاقے کی عوام کیا کرتی۔ ایک صاحب نے کہا کہ کچھ نہیں کرتی، اب دیکھ لو کہ فاٹا کے تقریبا 20 لاکھ نفوس پر مشتمل قبائل اپنے گھروں سے بے گھر ہیں، کوئی روزگار، معاشی معاونت نہیں، صحت کی سہولیات میسر نہیں، مگر پھر بھی ہم زندہ قوم ہیں، پائندہ قوم ہیں ہم سب کی ہے پہچان اپنا آپ ۔۔۔۔
میں نے کہا کمال کرتے ہیں پانڈے جی، اب لوگوں کی اپنی بھی تو غلطی ہے کہ انھوں نے ایسے حالات کیوں جنم لینے دیئے کہ گھروں سے بے گھر ہونے پر مجبور ہوئے، یہ کوئی ایسی قوم تو تھی نہیں کہ بابو صاحب کی طرح، ہمیشہ قلم ہاتھ میں رکھا ہو، بلکہ بچے کی پیدائش پر اتنی فائرنگ کرتے ہیں کہ امریکہ سمجھتا ہے کہ اس پر حملہ ہوگیا ہے، اتنڑ اور خٹک روایتی رقص کرتے ہیں تو تلواروں کو چابک دستی سے لہراتے ہیں، بچے گلی کوچوں میں، گیند ڈبا، گرم ٹیپو، کا نشانہ پتھر سے نہیں بلکہ اپنے گھروں میں طاق دانوں میں سجائے کلاشنکوف سے کھیل کر نشانہ بازی سیکھتے ہیں، ان پر چند عناصر کیونکر حاوی آگئے کہ لاکھوں افراد بے گھر ہوگئے، یہی تو وہ قوم تھی کہ چند گھوڑوں پر سوار ہو کر دہلی کے تخت پر بیٹھ

جاتے اور ہندوستان فتح کرلیا کرتے تھے ، کچھ تو بات ایسی غلطی ہے جس کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔

انھوں نے مجھ سے کہا کہ تو اور کراچی میں ؟؟ میں نے پھر کہا کہ کمال کرتے ہیں پانڈے جی ، کراچی کو کہاں سے ملا رہے ہیں آپ ، کراچی میں 'جنات رہتے ہیں جو نامعلوم ہیں ، راتوں سرکاری زمینوں پر قبضہ ہوجاتا ہے ، حکومت کو پتہ تک نہیں چلتا ، یہی عوام جاکر مہنگے مہنگے فلیٹس خرید لیتی ہے ، پارکس کی جگہ پر چائنا کٹنگ ہوجاتی ہے ، کوئی ایکشن نہیں لیتا بلکہ سفارشی ڈھونڈتا ہے کہ یار ، کسی سے ایک فلیٹ تو دلا دو ، راتوں رات غیر قانونی ہائیڈرینٹ بن جاتے ہیں ، حکومت کو پتہ ہی نہیں چلتا ، حکمران جماعت کے ایک سابق وزیر نے ایکشن لیا تو انھیں اُس عہدے سے ہی ہٹا دیا گیا ، واٹر گولڈ مافیا کے بارے میں قانون نافذ کرنے والے اداروں نے کہا کہ ان کی آمدنی دہشت گردوں کی فنڈنگ کا اہم ذریعہ ہے ، سپریم کورٹ کے حکم پر ہائی ڈرینٹ کچھ ختم کئے بتاتے ہیں کہ اٹھارہ رہ گئے ، جو پانچ ہزار سے دس ہزار تک پانی فروخت کررہے ہیں ، لیکن غریب عوام کو علم ہونا چاہیے کہ ریٹ تین ہزار روپے ہیں ، رسید ضرور حاصل کریں۔ وزیر اطلاعات آپ بھی کمال کرتے ہیں ، زمینوں پر قبضہ ہوجاتا ، فلیٹس بن جاتے ہیں ، غیر قانونی ہائی ڈرینٹ بن جاتے ہیں ، اس وقت تو کچھ کرتے نہیں ، پھر بعد میں پریس کانفرنسیں کرکے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں ، واقعی کمال کرتے

ہیں پانڈے جی اب یہی دیکھ لیں کہ ، جہاں سرکاری ملازمتوں میں میرٹ نہیں وہاں تعلیمی اداروں میں بھی میرٹ اور پالیسی نہیں ہے ۔ لڑکیاں ڈاکٹر بن کر نامعلوم گروپ کی طرح غائب ہو جاتی ہیں ، پردے دار خواتین ، لیڈی ڈاکٹرز تلاش کر رہی ہوتی ہیں اور ڈاکٹر بن جانے والی فیشن ایبل اسٹیٹس کو کی مالک سیلفی بنا کر ٹوئٹر اور فیس بک پر شیئرز کرتی ہیں کہ ہم اب ڈاکٹر کہلائیں گے ۔ ڈاکٹر تو ایک وہ بھی ہے ، جس کو کراچی یونیورسٹی نے ڈگری دینے سے انکار کردیا کہ تم تو پہلے گریجویشن کرلو ، ڈاکٹریٹ تو دور کی بات ہے ،ان سے پوچھا کہ پھر اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر کیوں لگا رکھا ہے تو کہنے لگے کہ مجھ میں اتنی لیاقت ہے کہ لوگ مجھے ' پیار ' سے ڈاکٹر کہتے ہیں۔ اسی طرح ہر شہر ، کوچے میں ' پیار ' سے بنائے گئے عطائی ڈاکٹر ہیں، میں شعبہ صحت کے اعلی آفسر سے کہا کہ ان عطائی ڈاکٹروں کے خلاف ایکشن کیوں نہیں لیتے ، جو کسی اور کی ڈگری لگا کر ہائی اینٹی بائیٹک انجکشن کا استعمال کرتے ہیں اور مریض کی قسمت ہوئی تو بچ جاتا ہے ، ورنہ مریض مرجائے تو اللہ کو یہی منظور تھا ، ڈاکٹر صاحب نے تو بڑی محنت کی تھی۔ وہ مجھ سے کہنے لگے ، کمال کرتے ہیں پانڈے جی ، اگر یہ عطائی ڈاکٹرز بھی نہ رہیں تو شکارپور سانحے کی طرح بم دھماکوں سے زیادہ ہلاک ہونے والے وہ لوگ ہونگے جن کو علاج کی سہولت بروقت نہیں مل سکی۔

ایک خبر پڑھی کہ بلدیہ عظمی کے مالی حالات اس قدر خراب ہیں کہ اب مریضوں کو کھانا بھی نہیں مل سکے گا۔ میں نے کہا کمال کرتے ہیں پانڈے جی آپ ، آپ ذرا یہ سوچئے کہ سرکاری ہسپتالوں میں جو کھانا ملتا تھا اس سے اس مریض کا تیمدار بھی بیمار ہو جاتا تھا ، کم از کم مریضوں کی تعداد تو کم ہو گی۔ مسئلے مسائل بہت ہیں لیکن کہاں تو لکھوں گا کہاں تک سناؤ ، ہزاروں ہیں غم ، کس کس کو اپنا زخم دکھاؤں ، لیکن اپنی پاکستانی عوام کو ضرور کہوں گا کہ ایسے عوامی نمائندے ہمیشہ منتخب کرتے ہیں۔ کمال کرتے ہیں پانڈے جی !!

سینیٹ کے انتخابات

مجھ سے عارف میاں نے پوچھا کہ قادر بھائی، یہ ' سینیٹ ' کیا ہوتا ہے، میں نے انھیں جواب دیا، اس میں سے ایک ' ی ' نکال دی جائے تو یہی سینٹ (پرفیوم) بن جاتا ہے جس کی ہر دو قسم کی قسم ہر اطراف پھیلتی ہے۔دل جلانے والے عارف کا مختصر تعارف کرادیتا ہوں کیونکہ گذشتہ کالم میں ان کی سیاسی بصیرت اور عقلمندی سے متعلق تذکرہ انتہائی اختصار سے لکھا تھا، عارف بھائی علاقے کی انتہائی عقلمندانہ گفتگو کے ماہر تسلیم کئے جاتے ہیں لیکن یہ الگ بات ہے کہ ان کی تمام باتوں کو ہنس کر ٹال دیا جاتا ہے، تعلیم کا انتہائی شوق ہے اپنی غریبی کی وجہ سے ایک ایسے ظالم انسان کے ساتھ نوکری پر مجبور ہے، جو انھیں دن بھر گالیاں دیتا رہتا ہے، اس ظالم انسان نے ایک کمپیوٹر ہارڈ ویئر کی دکان کھول رکھی ہے، گیس سیلنڈر کی بہت بڑی ایجنسی کا مالک ہے، اور بڑے موٹے کاروبار بھی کیا کرتا ہے۔ لیکن نوکریاں صرف اُن مخصوص شخصیات کو دیتا ہے جو اس کی نزدیک ضیاء الدین ہسپتال کے میرٹ پر پورا اترے۔

محنت کش جفا کش، محنتی طالب علم عارف صبح اسکول جاتا ہے، پولیس چوکی کے سامنے قائم دکان میں اسکول ' یونیفارم کے نیچے ' دکان کے استعمال کیلئے کپڑے

پہنے ہوتے ہیں ، کیونکہ اُس کا مالک دکان میں تاخیر سے آنے کو برداشت نہیں کرتا۔
طالب علم بچارا اپنی غربت اور تعلیمی اخراجات پوری کرنیکے اس کا ہر ظلم برداشت کرتا ہے کیونکہ ایسے تعلیم کا بہت شوق ہے ، دن رات پڑھنا ، اور میڈیا سے دور رہ کر صرف اپنے کام پر توجہ دیکر بڑا آدمی بننے کے خواب دیکھتا ہے ، جس پر اس کا مالک غصے میں ایسے انفیمی جیسے القابات سے بھی دیتا ہے۔ عارف میاں اپنی یونیفارم اتار کر دکان کی چابی جو اپنے ہی ساتھ اسکول لے جاتا ہے ، اسکول سے آتے ہیں ، دکان بھوکا پیا سا کھول دیتا ہے اس کا مالک خود کو عالم کا شیر سمجھ کر دھاڑتا رہتا ہے ، پیار بھی بہت کرتا ہے لیکن اس ، کے پیار میں گالیوں کی امیزش کھوٹ کھوٹ کر بھری ہوتی ہے ، مجھ ے گلہ کیا کہ اپنے کالم میں میرا ذکر کیوں نہیں کیا تو میں نے کہا عارف میاں جس کی عمر صرف گیارہ سال ہے اور ملک کے صدر کا نام بھی اس کو معلوم نہیں اور ایک تم تو ہو کہ لوگوں پر احسان لیکر ، دنیا بھر کے لوگوں پر اُیسے جتاتے ہو ، پھر یہ ایکسپریس کا کالم ہے تمھارا فرمائشی پروگرام نہیں ہے عارف سے میں کہا کہ ، بیٹا عارف میاں ان کو ذرا بتا نا تو کہ اس نام نہاد شیر جو خود عالمی شیر کہتا ہے اس کا ذکر میں نے کالم میں کیوں نہیں کیا تو کہنے لگا کہ ' انھیں ضیاالدین ہسپتال ' سے اپنے دل و دماغ کا علاج کرانا بہتر ہے کہ اپنے دماغ کا علاج جاری رکھیں اور کچھ علقمند بنیں ۔ اس نام نہاد عالمی شیر نے پھر دھاڑ لگائی اور چنگاڑ کا کہا دفع ہو جا، دو ہاف چائے

لے آ۔

میں نے ہاف چائے کا سن کر اُسے روک دیا کہ کراچی کے حساس ترین علاقے کا ہونہار قابل اور تم جیسے کنجوس کیساتھ کام کرنے والا نہم کلاس کا طالب علم ہے، اسکول جیسا بھی ہو، لیکن فائن ہے، مجھے اس کا جواب دینے دو کہ سینیٹ ہوتا کیا ہے، عالمی شیر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اور مجھ سے کہا بکو!!۔۔

میں نے کہا کہ میرا بچہ، دراصل یہ 1970ء کی عبوری قانون ساز اسمبلی کو 1973ء کے آئین کی تشکیل کے بعد 12 اپریل کو منظور کیا گیا تھا۔ عارف میاں سوال بہت پوچھتے ہیں کہنے لگے کہ کیا آپ اس وقت تھے جس وقت یہ منظور ہوئی؟ میں نے کہا بخدا اس وقت میں چار سال کا تھا، اس ایوان کے بنانے میں میرے کسی خاندان کا کوئی ہاتھ پیر نہیں۔ مجبوری یہ ہے کہ پاکستان کے پارلیمانی نظام کے تحت یہ دو رویہ قانون سازی کہلاتی ہے یعنی ایوان بالا اور ایون زیریں، عارف میاں نے کسی برجستہ صحافی کا سوال کرڈالا، کہ جیسے یہ سیٹھ کی دکان اور اس پر میرا مکان،۔۔ میں بڑے تحمل کا مظاہرہ کرنے پر مجبور تھا اس لئے سنی کو ان سنی کردی، جیسے ہمارے سیاست دان کرتے ہیں۔ کسی بھی قانون کی منظوری ایوان بالا سے کرانا ضروری ہے، اب چاہیے وہ روتے پیٹتے رہیں کہ وزیر اعظم صاحب نہیں آتے وزرا مملکت نہیں آتے، اور انکی قانون

سازی کو قومی اسمبلی منظور بھی کرتی ہے یا نہیں ۔ لیگل فریم آرڈر 2002 کے تحت تعداد 43 سے بڑھا کر پرویز مشرف نے 100 کر دی ۔ عارف میاں پھر پوچھ بیٹھے ، قانون سازی میں دشواری ہوتی ہوگی نا ، پورے پاکستان کی آئین سازی کیلئے تعداد کم اور محنت زیادہ تھی اس لئے ایسا کیا ہوگا ۔ اس بار میں نے ان مقدماتوں کی سماعتوں کے مدعیان کی درخواستوں کی برسہابرس سے پڑی اپیلوں کی طرح نظرانداز کر گیا ۔

عارف میاں میری بھی سنی ان سنی کر گئے کہ ملک میں کب سے یہ نظام چل رہا ہے تو میں نے کہا کہ پاکستان میں کوئی نظام لادین سقہ ہی نہیں جو ایک دن کیلئے اپنا سکہ چلا سکے ، مختلف دور میں ہر اُس کا سکہ چلا ، جس نے ایسے رائج الوقت کیا ۔ بہرحال تم ابھی پاکستان کی قوم کی طرح اتنا شعور نہیں رکھتے ، لیکن اتنا سمجھ لو کہ جس کے ہاتھ میں لاٹھی اس بھینس والا حساب ہے ۔ ابھی تو 1970ء کی پہلی منتخب ہونے والی قانون ساز اسمبلی نے 1973ء کے متفقہ آئین کے تحت تشکیل دینے کی دو پارلیمانی نظام حکومت رائج ہے اور اس مجلس شوریٰ ، جیسے ہم قومی اسمبلی اور سینیٹ کہتے ہیں ، دو ایوان بھی تشکیل دیئے ہیں یہی دونوں ایوان ، ایوان بالا اور ایوان زریں کہلاتے ہیں ۔

عارف میاں جیسے ہونہار طالب علم کہاں خاموش رہنے والے تھے ، بول اٹھے کہ

بھائی ! ۔ مجلس شوری کے بارے میں تو سُنا تھا کہ طالبان کی ہوتی ہے ، کوئٹہ میں طالبان کی مجلس شوری کی موجودگی کی اطلاع پر امریکہ نے پاکستان سے ڈرون حملے کی اجازت جو مانگی تھی ۔۔۔ میں نے کہا کہ بھائی ہم اپنی اسمبلیوں کو اسلامی نام سے نہیں پکار سکتے وہاں ہم پر طالبانائزیشن کا لیبل لگ سکتا ہے ، ویسے بھی داعش کا لیبل لگانے کیلئے کوششیں تو بہت ہو رہی ہیں ، جہاں سیاسی تنظیم کا نام لکھا ہوتا ہے وہاں داعش کا نام بھی لکھا نظر آ جاتا ہے ، اب پتہ نہیں کہ یہ قانون نافذ کرنے والے ادارے اس ہینڈ رائٹنگ کی فرازنزک ٹیسٹ کیوں نہیں کراتے ، خیر ۔۔ عارف میاں چپ بیٹھنے والے کہاں تھے ، کرسی سے اٹھ کر مجھے کرسی پر بیٹھا دیا ، میں نے پوچھا کہ بھائی اتنی دیر بعد خیال کیوں آیا ؟۔ کہنے لگے کہ آپ سیٹ پر بیٹھے اچھے لگتے ہیں ، سینیٹر کیوں نہیں بن جاتے ؟۔ میں فوراً سیٹ سے اٹھا اور بولا ، بھائی میرے پاس کسی کرپٹ اسمبلی رکن کو خریدنے کیلئے تیس کروڑ روپے نہیں ہیں۔ عارف میاں بوکھلا کر بولے یعنی صرف ایک فرد اگر تیس کروڑ دے گا تو کوئی بھی سینیٹر بن سکتا ہے ، میں نے کہا کہ میڈیا میں یہی آ رہا ہے، عارف میاں سوچ میں پڑ گئے اور بولے کہ اس طرح تو کوئی بھی دولت مند کسی کو کیا پوری پارلیمنٹ کو خرید لے تو سینیٹ اس کی ذیلی کمپنی بن جائے گی ۔ میں نے کہا چپ ہو جا ، ان کا استحقاق متاثر ہو جاتا ہے۔ عارف میاں بولے ، بھائی ، یہ کون سے ہمارے ووٹوں سے منتخب ہو رہے ہیں کہ عوام کی نمائندگی کریں ، عوام تو ان کو جانتی بھی نہیں۔ ویسے

بھائی ، یہ اگر سینیٹ ہو ہی نا ، تو قوم کا سرمایہ بچ سکتا ہے ، کیونکہ یہ آئین سازی کے اختیارات تو رکھتا نہیں ، قومی اسمبلی کی طرح ٹی اے ڈی لیتا ہے ، اس دن ایک نجی چینل میں بتا رہے تھے کہ ایک سینیٹر کا کہنا تھا کہ اس کو پینتیس کروڑ کی آفر اس لئے ہوئی کیونکہ اس شخص کو اپنا بلیک کا پیسہ وائیٹ کرنا ، عوام کا نمائندہ بن کر عزت نام کمانا تھا ۔ وغیرہ وغیرہ۔پرمٹ اور اربوں روپوں کے فنڈ ملتے ہیں کہاں لگتے ہیں پتہ ہی نہیں چلتا ۔سندھ کے لوگ خیبر پختونخوا سے ، اور خیبر پختونخواکے لوگ پنجاب سے سینیٹر بھی منتخب کروا دیتے ہیں ، پھر میڈیا ان کو بلا کر اپنی ریٹنگ بھی بڑھاتا ہے۔اس بار میں نے اس ظالم شخص کو کہا کہ یار یہ بعض اراکین اسمبلی اپنا رویہ کر رہے ہیں آپ ہی کچھ رحم کریں ۔یہاں پر بھی عارف میاں خاموش نہیں رہے اور بولے کہ بھائی یہ سینیٹ کام کراتا ہے، ۔اب میں لاجواب ہوگیا تھا کیونکہ یہ تو مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ سینیٹر کام کیا کرتا ہے ، ویسے عارف میاں بولے اگر سینیٹ کا ادارہ ختم ہو جائیں 'گھوڑوں کے کاروبارہ' ہارس ٹریڈنگ پر کافی فرق پڑے گا ، ،اس بار گھورنے کی باری میری تھی کہ بچوں کو ارفع کریم بننے کی کوشش ضرور کرنے چاہیے لیکن ملالہ یوسف زئی کیطرح تربیت وزارت عظمی کی تیاری سے گریز کرنا چاہیے ۔

مذہبی اقلیتوں پر مظالم

پروفیسر رام پرشاد گھوسلا اپنی کتاب 'مغل کنگ شپ اینڈ نوبی لیٹی' میں لکھتے ہیں "مغلوں کے زمانہ میں عدل وانصاف میں جو اہتمام ہوتا اور جو ان کی مذہبی پالیسی تھی اس سے عوام ہمیشہ مطمئن رہے، اسلامی ریاست میں سیاست اور مذہب کا گہرا لگاؤ رہا ہے لیکن مغلوں کی مذہبی رواداری کی وجہ سے اس لگاؤ کی وجہ سے کوئی خطرہ پیدا نہیں ہوا، کسی زمانہ میں بھی یہ کوشش نہیں کی گئی کہ حکمراں قوم کا مذہب محکوموں کا بھی مذہب بنا دیا جائے حتیٰ اورنگزیب نے حصول ملازمت کیلئے اسلام کی شرط نہیں رکھی تھی، مغلوں کے عہد میں Corporation Act جیسے قوانین منظور نہیں کئے گئے، ایلزبتھ کے زمانہ میں اس قسم کا کوئی جبر نہیں کیا گیا Bartholomew's Day جیسے قتل عام سے مغلوں کی تاریخ کبھی داغدار نہیں ہوئی، مذہبی جنگ کی خون ریزی سے یورپ کی تاریخ بھری ہوئی ہے لیکن مغلوں کے عہد میں ایسی مذہبی جنگ کی مثال نہیں ملتی، بادشاہ مذہب اسلام کا محافظ اونگہبانضرور سمجھا جاتا، لیکن اس نے کبھی غیر مسلم رعایاکیعقائد پر دباؤ نہیں ڈالا۔" پرمتھان سرن نے اپنی کتاب 'پرونشل گورنمنٹز اندر دی مغلز' میں لکھا ہے کہ ' مغلوں کی حکومت عروج کے زمانہ سے دنیا کی شاندار حکومتوں میں سے ایک تھی اور اس کی تمام معاصر حکومتوں میں اس سے زیادہ وسیع اور مستحکم

کوئی حکومت نہ تھی، اس نے ہندو، مسلمان دونوں کو متحد کیا، اس کی کارکردگی ایسی تھی جس پر فخر کیا جاسکتا ہے" اٹھارویں صدی عیسوی میں سر جان شور بہت بڑا مدبر گذار ہے، اس کا بیان ہے کہ جب ایسٹ انڈیا کمپنی برسر اقتدار ہوئی تو اس صوبوں کے نظم و نسق میں ابتری ضرور تھی لیکن اس کا جو نظام تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کیحکومت استحکام اور دانش مندی کی مضبوط بنیاد پر قائم تھی، جس میں مختلف فرقوں کے حقوق کی پوری حفاظت تھی، ہندوؤں کیلئے قوانین ان ہی کے بنائے ہوئے تھے جن پر سختی سے عمل درآمد کرنی کی کوشش کی جاتی"۔اس جیسے متعدد حوالے جات موجود ہیں کہ مسلم حکمرانوں نے کبھی بھی کسی غیر مسلم کو زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش نہیں کی۔ تاریخ میں ہمیں اسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ جبکہ اس کے مقابلے میں اگر ہم دیکھیں تو مسلمانوں کو ہندو بنانے کی باقاعدہ مہم سرکاری سرپرستی میں چلائی جارہی ہے یا پھر غربت کے مارے خاندانوں کو اسلام سے ہٹا کر دیگر مذاہب میں شامل ہونے کیلئے دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ان میں ایسے عناصر بھی ملوث ہیں جو سادہ لوح افراد کو لالچ دیکر اپنے مذہب میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن اسلام کے نام پر دنیا بھر جانے والی کسی بھی تبلیغی جماعت، مسجد یا فرد کی جانب سے کوئی شکایت نہیں آئی کہ کسی غیر مسلم کو کسی لالچ، دھوکے یا کسی ڈر و دباؤ میں لاکر مسلمان کیا گیا ہو۔ مسلمان حکمران نے جس بھی مملکت کو فتح کیا اس کی عوام کی ساتھ ہمیشہ صلہ رحمی اور شفقت کا سلوک کیا، محمد بن قاسم سے

لیکر مغل حکمرانوں تک. برصغیر کی مثال ہمارے سامنے ہے ، اگر اس قبل خلافت راشدین کی فتوحات دیکھیں تو بھی ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ مسلم سپاہ جس جس ملک میں گئی ، اسے فتح کیا لیکن کبھی اس ملک یا علاقے کے کھیت کھیلان یا عوام کو نقصان نہیں پہنچایا۔ غیر مسلموں کے حقوق کا مکمل خیال رکھا اور ان کے رسم و رواج میں کبھی رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن اس کے برخلاف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلم اقلیتوں سے لیکر مسلم ممالک پر قابض ہونے والوں نے عوام کے ساتھ ان مملکتوں کا بھی تخت و تختہ کیا کہ وہ عبرت کی مثال بن گئے۔ چنگیز خان ، ہلاکو خان سے لیکر بارک اوباما ، نریندر مودی تک نے مسلمانوں پر جارحیت اور استبدادی مظالم کے ریکارڈ قائم کئے۔ یہ شائد ان کی فطرت میں ہے کہ اقلیتوں کے ساتھ ظلم و ستم کرکے اپنی خونی جبلت کو تسکین پہنچائیں، مغرب نے سائنسی علوم کو ترقی دیکر اسے عالم انسانیت کے فلاح و بہبود کا ذریعہ بنانے کے بجائے تباہی کا استعارہ بنا دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مغرب نے انسانی آرام و آسائش کے لئے بے شمار چیزیں ایجاد کیں لیکن جنگی ساز و سامان میں اسلحہ ، ہوائی جہاز ، بم ، زہریلی گیس بھی ایجاد کیں ، جن کے ذریعے لاکھوں انسانوں کو اس کے شہر سمیت مٹی کا ڈھیر بنا دیا گیا۔

ولیم اول نے ۱۰۶۶ء میں انگلستان کو فتح کیا تو اس کے حکم سے مفتوحہ علاقوں کے گھر، کھیلان اور کھیت وغیرہ سب کچھ جلا دیئے گئے اور ایک لاکھ

سے زیادہ مرد وزن، بچوں اور عورتوں کو قتل کیا گیا۔ لن گارد تاریخ انگلستان جلد دوم میں لکھتا ہے کہ " یارک اور ڈرہم کے علاقے اس طرح برباد کردئے گئے تھے کہ نو سال تک وہاں کی زمین کھتی کے لائق نہیں رہی۔ روس کا حکمران آئیون چہارم (۱۵۸۴ء ۔ ۱۵۳۰ء) آئیون مہیب (ٹریبل) کہلاتا تھا وہ اپنے غلاموں کو اپنی ملکیت سمجھتا اور کہتا کہ وہ اپنی مرضی سے جب چاہے ان کو ہلاک کردے اور جب تک چاہے ان کو زندہ رہنے دے۔ اس کو کلیسا کے پادریوں سے شکایت رہتی کہ وہ کاہل ہیں، عبادت نہیں کرتے اس لئے کلیسا میں جاکر قیام کرتا اور کبھی کبھی رات رات بھر ان سے عبادت کراتا اس نے تو بائبل کو بھی بدل دینے کی کوشش اور اپنی طرف سے اس کا نسخہ تیار کرکے، اس کو رائج کرانے کی کوشش کی (روس از ڈبلیو۔ آر۔ مرفل ص ۶۹۔۶۷)۔

سولہویں صدی میں فرانس کے حکمران چارلس نہم اور اس کی ماں کیتھرائن نے ملکر سینٹ بارتھیمیلو کے میلے کے موقع پر دس ہزار پروٹسٹنٹ کو قتل کرادیا، تو کیتھولک چرچ نے خوشی کے شادیانے بجائے (انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا، گیارہواں ایڈیشن ج ۱۰)

لوئی پانزدہم اپنی داشتاؤں کے ہاتھوں کھلونا بنا رہا اس کے زمانہ میں ژان سینی تحریک مذہبی و سیاسی احکام کے خلاف چلی تو اس کو کچلنے کیلئے ہر طرح

کے مظالم ڈھائے گئے۔ روس کا شہنشاہ پیٹر اپنے کارناموں کی وجہ سے پیٹر اعظم کہلاتا مگر جہاں اس میں بڑی عظمت تھی وہاں اس کے مزاج میں اتنا غصہ تھا کہ پھر ایسے مظالم کرنے پر اتر آتا کہ لوگ ان کو دیکھ کر تھرا اُٹھتے۔اس نے اپنے لڑکے الیکزیس کو پھانسی کی سزا دلوائی، اسلئے کہ اس کی حرکتیں اس کو پسند نہیں تھا اس نے اپنی ایک بیوی کو خانقاہ میں بند کرکے نن بننے پر مجبور کیا اس نے کلیسا میں اپنی خواہش کے مطابق اصلاحات کیں تو پادریوں نے اسکو قتل کردینے کی دھمکی دی۔

سترھویں صدی میں جرمنی میں پروٹسٹنٹ فرقوں کی جنگ شروع ہوئی تو یہ یورپ کی تیس سالہ جنگ کے نام سے مشہور ہوئی، یورپ کی بہت سی مملکتیں اس میں الجھ گئیں، مورخین کے مطابق اسلڑائی میں بوہیمیا کے ۳۵ ہزار گاؤں میں صرف ۶ ہزار باقی رہ گئے تھے، بویریا، فرینکونیا اور سوابیا میں غارتگری ایسی کی گئی کہ یہ سارے علاقے قحط اور امراض سے تباہ ہوکر ویران ہوگئے۔جرمنی میں ایک کروڑ ساٹھ لاکھ کی آبادی تھی اس جنگ کے بعد ساٹھ لاکھ رہ گئی۔انیسویں صدی میں ۱۸۲۱ء میں یونان کے علاقے موریا میں تین لاکھ اور یونان کے شمالی حصہ میں ہزاروں مسلمان مرد، بچے اور عورتیں بڑی بے رحمی سے ہلاک کی گئیں، تفصیل مارماڈیوک پکتھال کی کتاب ' دی کلچرل سایڈ آف اسلام ' میں پڑھی جا سکتی۔پہلی جنگ عظیم ودوئم میں انسانوں پر الم انگیز مصائب آئے جس سے ہر ذی

شعور آگاہ ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں روسیوں کے تیس لاکھ سپاہی جرمن حملہ آوروں کے اسلحہ سے ہلاک ہوئے ان کے ملک کے آٹھ لاکھ مربع میل کے علاقے بالکل تباہ ہوگئے ، اسی جنگ میں برطانیہ کے چھ لاکھ سپاہی مارے گئے اور چالیس لاکھ مکانات برباد ہوئے ، فرانس کو چھبیس بلینڈالر کا نقصان ہوا یہاں کے پانچ لاکھ گھر تہس نہس ہوگئے اور ساڑھے سات لاکھ خاندان بے گھر ہوئے، پورے یورپ میں ایک کروڑ سے زیادہ سپاہی موت کے گھاٹ اترے ، دو کروڑ سے زیادہ شہری ہلاک ہوئے اوران گنت معذور اور بے کار ہو کر زندگی گذارنے پر مجبور ہوئے ، کل چار سو ملین کی املاک تباہ ہوئی۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر لاکھوں مردوں ، عورتوں ، بوڑھوں اور بچوں کو چشم زدن میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ امن کے نام نہاد علمبرداروں نے عراق، افغانستان، فلسطین، برما، نائیجریا میں لاکھوں مسلمانوں کے ساتھ خون کی ہولی کھیلی۔ سوچنے کی بات یہی ہے کہ انتہا پسند دراصل ہے کون ؟۔تاریخ انسانی تو یہی بتاتی ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ جبر و طاقت کا بے دریغ استعمال کیا گیا بلکہ بدمست حکمرانوں نے اپنے ہم مذہب یا اسلام کے علاوہ مذاہب کو بھی اپنے ظلم و انتہا پسندی سے محفوظ نہ رہنے دیا۔ یورپ کی تیس سالہ جنگ ہو یا جنگ عظیم و دوئم ، یہ کسی مسلم حکمران کی جانب سے مسلط جنگ نہیں تھی ، اس میں لاکھوں کروڑوں انسانوں کے مٹی کا ڈھیر بنانے والے مسلمان نہیں تھے ۔ مسلم امہ کے خلاف جس قسم کا پروپیگنڈا مغرب سے کیا جاتا ہے اسکا مظاہرہ وہ

توہین قرآن و نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ پر توہین کرنے سے پست ذہنیت کی صورت میں ہی نظر آ جاتا ہے۔ پاکستان میں اقلیتوں کے نام پر بین الاقوامی پروپیگنڈا مہم کے تحت خلفشار کا شکار کچھ عناصر متاثر ہو کر اسلام کی تعلیمات کو سامنے لانے والوں کو بنیاد پرست کہہ کر خود انتہا پسند بن جاتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی سوچنا ہو گا کہ انتہا پسند کون ہیں ؟؟۔۔

واٹر گولڈ مافیا

ایم ڈی واٹر بورڈ نے سپریم کورٹ کراچی رجسٹری میں از خود نوٹس کی سماعت کے دوران کہا کہ 8 سے 9 افراد غیر قانونی ہائیڈرنس کی مافیا چلا رہے ہیں اور واٹر بورڈ کے متوازی نظام بالخصوص سائٹ ایریا میں قائم ہیں ان کا یہ بھی موقف تھا کہ منگھو پیر، موچکو، سائٹ، لانڈھی، کورنگی اور ملیر میں سب سے زیادہ مسائل کا سامنا ہے۔اس سے قبل سندھ کی حکمراں جماعت کے سابق وزیر بلدیات سید اویس مظفر نے غیر قانونی ہائیڈرنس کے خلاف بھرپور کاروائی شروع کی تو واٹر گولڈ مافیا کی جانب سے سخت مزاحمت کا سامنا ہوا، اکتوبر 2013ء میں غیر قانونی ہائیڈرنس کے خلاف آپریشن کے دوران ان کے قافلے پر شرافی گوٹھ کے علاقے میں فائرنگ کی گئی تاہم وزیر بلدیات اور ان کے محافظ محفوظ رہے، سابق وزیر بلدیات نے آپریشن کے دوران مختلف علاقوں سے 20 سے زائد غیر قانونی ہائیڈرنس کو اپنی نگرانی میں مسمار کرایا، بھاری مشنری تحویل میں لی اور انھوں نے اعلان کیا کہ اگر یہ غیر قانونی ہائیڈرنس دوبارہ قائم ہوئے تو سرکاری افسر یا اہلکار کو ملازمت سے برطرف کردیا جائے گا، واٹر گولڈ مافیا اور ان کے سرپرستوں کے خلاف کاروائی تو ممکن نہیں ہو سکی بلکہ اویس مظفر کو اپنی وزرات سے ہی ہاتھ دھونے پڑے۔المیہ یہی ہے کہ دکھاوا کرنے میں اربابِ اختیار کا کوئی ثانی

نہیں ہے۔ موجودہ وزیر اطلاعات و بلدیات شرجیل انعام میمن نے بھی غیر قانونی ہائیڈرنس کے خلاف جارحانہ بیانات دیئے ہیں کہ جہاں بھی غیر قانونی ہائیڈرنٹ مسمار کئے گئے اگر وہاں دوبارہ غیر قانونی ہائیڈرنس تعمیر ہوئے تو اس کا ذمہ دار بھی متعلقہ چیف انجینئر ہوگا اور وہ اپنے عہدے پر نہیں رہے گا۔ موصوف نے 28 نومبر 2013ء کو یہ دعوی کیا تھا کہ انھوں نے محکمہ بلدیات کا چارج سنبھالنے کے بعد سے اب تک 22 غیر قانونی ہائیڈرنس کو مسمار کرایا ہے اور بقیہ 40 کو بھی آئندہ ایک ہفتہ میں مسمار کردیا جائے گا۔ اس وقت ان کے دعوے کے مطابق کراچی شہر میں 62 غیر قانونی ہائیڈرنس تھے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ غیر قانونی ہائیڈرنس قائم ہو رہے تھے تو حکومت اور ان کے ذمے دارے کہاں سو رہے تھے اور یہ کوئی ایک دن میں قائم ہونے والے غیر قانونی ہائیڈرنس تو تھے نہیں، یقینی طور پر اس میں واٹر بورڈ کے عملے کا بھرپور تعاون حاصل رہا ہے جس کی بدولت کراچی کی عوام جہاں مہنگے پانی خریدنے پر مجبور ہوئے تو دوسری جانب کم بارشوں کی وجہ سے دستیاب آبی ذخائر سے کراچی کے تمام علاقے شدید متاثر ہوئے۔ یہاں ترجمان سندھ رینجرز کی جانب سے جاری ایک بیان نے سنسنی پھیلا دی کہ شہر میں قائم غیر قانونی ہائیڈرنس کے مالکان براہ راست یا بالوسطہ دہشتگرد اور کالعدم تنظیموں کو مالی مدد فراہم کر رہے ہیں، سندھ رینجرز نے جنوری 2015ء سے غیر قانونی ہائیڈرنس کے خلاف گرینڈ آپریشن کا آغاز کیا۔20

ذرائع کے مطابق واٹر بورڈ کی اجازت سے قائم 13 قانونی ہائیڈرنس ہیں، ان غیر قانونی ہائیڈرنس سے ادارے کو ماہانہ تین کروڑ جب کہ سالانہ 36 کروڑ روپے سے زائد کی آمدنی ہوتی ہے۔ لیکن غیر قانونی ہائیڈرنس کے قیام سے واٹر بورڈ کی آمدنی دس بارہ کروڑ روپے تک محدود ہو گئی, واٹر بورڈ کے زیر انتظام ایک ہائیڈرنٹ سے روزانہ 300 ٹینکرز ایک ہزار گیلن پانی لیکر نکلتے ہوں تو یہ ماہانہ تقریبا ایک لاکھ چوالیس ہزار بنتے ہیں واٹر کے کم از کم ریٹ 187 روپے گیلن کے حساب سے ماہانہ دو کروڑ ستر لاکھ روپے، کی رقم بنتی ہے لیکن واٹر بورڈ کا ماہانہ ریونیو اوسطاً صرف پچاس سے باون لاکھ روپے ہے جبکہ غیر قانونی ہائیڈرنس کی آمدنی سالانہ 50 ارب کا پانی فروخت کرتی ہے۔۔ سابق وزیر بلدیات پر یہ الزام بھی عائد کیا گیا کہ غیر قانونی ہائیڈرنس بند کرانے کی آڑ میں انھوں نے قانونی ہائیڈرنس بھی بظاہر بند کرائے لیکن یہ ہائیڈرنٹ باقاعدہ چلتے رہے اور ادارے کروڑوں روپوں کی آمدنی سے محروم ہوئے۔ واٹر ٹینکرز اونرز ایسوسی ایشن کی جانب کو شارع فیصل روڈ بلاک کردی گئی جیسے ذرائع کے مطابق واٹر گولڈ مافیا اور واٹر بورڈ نے ساز باز قرار دیا جاتا ہے واٹر ٹینکر اونرز ویلفیئر ایسوسی ایشن نے پریس کانفرنس کرکے قانونی ہائیدرنیٹس کھلونے کا مطالبہ کیا اور پھر شارع فیصل روڈ بلاک کردی۔ ان ہائیڈرنٹ میں مسلم آباد میں قائم ہائیڈرینٹ بھی تھا جیسے ہائی کورٹ کے حکم

پر بند کیا گیا تھا۔ زبانی حکم پر تمام بند کیے گئے ہائیڈرینٹ میں سے اس ہڑتال کو جواز بنا کر من پسند افراد کے زیر کنٹرول چھ ہائیڈرنیٹس دوبارہ کھول دیئے گئے جن میں گلشن اقبال میں نیپا چورنگی، لانڈھی میں فیوچر کالونی، گارڈن، نارتھ ناظم آباد میں سخی حسن بلدیہ ٹائن اور لانڈھی نمبر ۲ میں واقع ہائیڈرنٹ شامل تھے۔ با اثر غیر قانونی ہائیڈرنس میں کورنگی چکرا گوٹھ، کے غیر قانونی ہائیڈرنس کی سرپرستی لسانی تنظیم کے افراد کرتے ہیں۔ سائٹ، صفورا گوٹھ، نیو کراچی صبا سنیما، لانڈھی، بھینس کالونی، منگھو پیر، اورنگی ٹاون، سائٹ نمبر ۲، ہائی کورٹ لاجز اور چکرا گوٹھ کورنگی کے غیر قانونی ہائیڈرنس شامل ہیں۔ ذرائع کے مطابق واٹر بورڈ کی جانب سے 160 سے زائد ایف آئی آر کا اندراج کرایا گیا لیکن ایک ملزم بھی جیل نہیں گیا۔ موجودہ قوانین کے تحت پانی چوری کے نامزد ملزم کو شخصی ضمانت پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ غیر قانونی ہائیڈرنس کے ایسے تنازعات بھی منظر عام پر آئے جن میں مختلف سیاسی جماعتوں کے اہم رہنماؤں کو قتل کیا گیا، جن کی سرپرستی سیاسی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے کرتے تھے۔ جنھیں گذشتہ دنوں رینجرز نے مسمار کیئے۔ سائٹ کے علاقے، موچکو، بلدیہ، لانڈھی بھینس کالونی ہائیڈرنٹ میں قائم غیر قانونی ہائیڈرنس کی سرپرستی قوم پرست جماعت کے اہم مرکزی عہدے داران کرتے ہیں۔

ہائیڈرنٹس قانونی ہوں یا غیر قانونی ایک بڑا منظم مافیا کاروبار ہے ، قانونی ہائیڈرنٹ سے غیر قانونی ہائیڈرنٹس بند ہونے کے بعد بلیک میں مہنگے داموں پانی فروخت ہونے لگا ایک ہزار گیلن پانی کے ٹینکر کی سرکاری قیمت 1200 روپے ، دو ہزار گیلن کی 1800 ، اور تین ہزار گیلن کی 2400 روپے مقرر ہے لیکن پانی کی کمیابی کو جواز بنا کر پانچ سے دس ہزار روپے تک ٹینکرز سے پانی فروخت کیا گیا۔ واٹر بورڈ کے حکام دعوی کرتے ہیں کہ شہر میں دو ہزار واٹر ٹینکرز متبادل نظام کے طور پر شہریوں کو پانی فراہم کرتے ہیں۔ کراچی میں ہائیڈرنٹ اور ٹینکرز مافیا کے ساتھ منظم واٹر مافیا کی منصوبہ بندی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے ، سائٹ میں واٹر گولڈ مافیا کے بیس پمپنگ اسٹیشن ہیں جہاں سے تین اور آٹھ انچ کے پائپس کے ذریعے پانی فیکٹریوں کو کمرشل ریٹیس پر دیا جاتا ہے ، بجلی جانے پر بھی ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا اور بلاناغہ ہیوی جنریٹر لگا کر 30 سے 100 ہارس پاور کے پمپس پانی چوری اور سپلائی جاری رکھتے ہیں ، جیسے بنارس ، ناظم آباد کے 66 اور 48 انچ قطر کے لائینوں سے پانی فراہم کیا جاتا تھا ، حالیہ دنوں رینجرز نے کاروائی کرکے ان پائپ لائنوں کا اکھاڑا اور ٹرکوں میں بھر کر لے گئے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ سائٹ ایسوسی ایشن کے بعض ذمے دار اس واٹر مافیا کا حصہ ہیں اور ان ہی کی ملی بھگت سے سائٹ کی فیکٹریوں سے ماہانہ کئی کروڑ روپے

وصول کئے جاتے اور یہ وصولیاں بھی خفیہ نہیں بلکہ واٹر بلوں کی مد میں بینک اکاونٹس یا کراس چیکس سے وصولیاں ہوتی ہیں۔ رینجرز کے جانب سے اس بیان کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ غیر قانونی ہائیڈرینٹس کی آمدنی کالعدم جماعتوں کی فنڈنگ کیلئے بھی استعمال ہوتی ہے، کیونکہ دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ سیاسی جماعتوں کی آڑ لیکر منظم واٹر گولڈ مافیا پر ماضی میں نہ ہاتھ ڈالا جاسکا اور نہ اب بھی کسی کو جیل میں ڈالنے میں حکومت کامیاب ہو سکی ہے۔ جب سالانہ پچاس ارب روپے کی آمدنی ہو رہی ہو اور سرکاری اہلکاروں کو ان کا حصہ برابر پہنچ رہا ہو تو جتنی بار بھی ہائیڈرینٹ مسمار کئے جائیں گے اس سے زیادہ تعداد میں مزید قائم ہو جائیں گے۔

سب کا ساتھ

بھارت میں انتخابات کے موقع پر کانگریس و اس کی اتحادی حکمران حکومت نے مسلمانوں اور مراٹھا ووٹ حاصل کرنے کیلئے ایک فیصلہ لیتے ہوئے مسلمانوں کو سرکاری نوکریوں میں پانچ فیصد اور مراٹھوں کو ۱۶ فیصد ریزویشن دینے کا فیصلہ کیا تھا، اس فیصلے کو محض انتخاباتی ووٹ حاصل کرنے کی ایک چال قرار دیا گیا اس لئے ایوان میں منظوری حاصل کرکے اسے قانونی شکل اختیار دینے سے گریز کی راہ اختیار کی گئی کیونکہ اتحادی حکومت کو معلوم تھا کہ مراٹھوں کا ریزرویشن 'کورٹ' میں قائم نہیں رہے گا کیونکہ دو طرح سے مراٹھوں کو بھارتی مسلمانوں کیطرح پس ماندہ، معاشی و تعلیمی کمزور نہیں سمجھا جاتا۔ چونکہ کانگریس کو زیادہ تر انتخابات میں مسلم ووٹ حاصل کرنے کی کوشش تھی اس لئے کچھ حد تک کانگریس اور NCP رہی۔ مسلمانوں اور مراٹھوں کے کوٹے کے خلاف حکومت کے اس فیصلے کو چیلنج کیا گیا تو حسب توقع مراٹھوں کے ریزرویشن پر فیصلے نے پابندی عائد کردی گئی، ریاست کی نئی بی جے پی نے مراٹھوں کے ریزرویشن بل کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ریزرویشن بل بھی ایوان میں رکھ کرا سکتے تھے لیکن بھارتی جنتا پارٹی جہاں مسلمانوں کے خلاف ہے تو دوسری جانب مراٹھوں کی بھی مخالف ہے۔ بھارت کی حکومت نے سبھی طبقات کی ترقی کا دل فریب نعرہ لگایا کہ سب کا ساتھ سب کا

وکاس ، لیکن اس نعرے کے برخلاف ریاستی حکومت مہاراشٹر نے مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہوئے مسلم ریزرویشن بل کو مسترد کردیا۔ بھارتی مسلمانوں کے ساتھ ہندوستانی حکومت کا یہ رویہ نیا نہیں ہے بلکہ مختلف مواقع پر اور خصوصی طور پر بھارتی جنتا پارٹی کی ہندو انتہا پسند جماعت کے برسر اقتدار آنے کے بعد مسلمانوں پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کیں جارہی ہیں۔ گذشتہ دنوں مہاراشٹرا ریاست نے گائے کے گوشت پر پابندی کے بعد جس طرح مسلم تاجروں کو ہراساں کیا جارہا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ بھارتی ہندو انتہا پسند حکومت کی مہم جوئی کا شکار مسلم طبقہ اپنی مذہبی عبادات و شعائر میں بھی بھارتی حکومت کے جانبدارنہ طرز عمل سے احساس محرومی کا شکار ہے اور وہ اپنے وزیر اعظم سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا یہی ان کی معاشی ترقی کیلئے اپنائے گئے نعرے ' سب کا کا ساتھ ، سب کا وکاس (ترقی) ' کا وژن ہے۔

بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی کے اس دل فریب نعرے ' سب کا ساتھ ، سب کا وکاس ترقی) ' سے امریکی وزیر خارجہ جان کیری نہایت متاثر نظر آتے ہیں ، وہ سمجھتے ہیں کہ) یہ ایک اچھا نعرہ ہے اور اسے ہند، امریکہ سطح کے ساتھ عالمی سطح تک لے جانا چاہیے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ بھارت میں موجود مسلم طبقہ نے بھارتی حکومت کے اس نعرے پر اپنے شدید تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ مہاراشٹرا میں پچھلے پچاس سالوں سے مسلمانوں کے ساتھ مسلسل ناانصافی ہوتی رہی ہے ، سچر کمیٹی، مائناریٹی کمیشن اور دیگر پینلس کی رپورٹس

سے ظاہر ہوتا ہے کہ بھارتی مسلمان شدید پس ماندگی کا شکار ہیں، بھارت میں ہندو انتہا پسند جماعت کی جانب سے یہ دعوی بھی کیا جاتا ہے کہ بارہ سو سال کی غلامی کے بعد ملک کو آزادی ملی ہے جبکہ بھارتی مسلم حلقے اس دعوی کو شدت کے ساتھ مسترد کرتے ہیں کہ کیسے اس ملک میں کہا جا رہا ہے کہ "بارہ سو سال کی غلامی کے بعد ملک میں پہلی مرتبہ ہندو راجیہ قائم ہوا"۔ بھارتی مسلم طبقے نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ بھارت پارلیمانی جمہوریت کی بنیاد پر قائم ہوا اسے بارہ سو سال بعد نہیں بلکہ دو سو" سال بعد انگریزوں کی غلامی سے نجات ملی ہے"۔بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی جہاں اپنے معاشی ویژن کے نعرے ' سونا ساتھ ، سب کا وکاس ، سب کا ساتھ سب کی ترقی میں گجرات کی معاشی ترقی کے حوالے دیتے نہیں تھکتے تو دوسری جانب اپنے دل فریب' نعرے کی آڑ میں بھارتی مسلمانوں پر قسم قسم کی پابندیاں عائد کرنے سے بھی چوکتے اور اپنی ہندو انتہا پسند سوچ کی وجہ سے ہی مسلسل پاکستان کے ساتھ جارحانہ رویہ اپنایا ہوا ہے، ملک کی سرحدوں پر دراندازی کی بڑھتی ہوئی کاروائیوں اور ملکی سرحدوں پر مہم جوئی کے جنون نے پاکستان میں بھی مسائل کھڑے کردیئے ہیں۔جب سے آپریشن ضرب عضب شروع کیا گیا ہے اس وقت سے مشرقی سرحدوں پر پاک فوج کو الجھانے کیلئے مسلسل چھیڑ چھاڑ کی جارہی ہے، جس سے پورے خطے میں سخت تناؤ کی کفیت پائی جاتی ہے۔بھارتی وزیر اعظم کے دل فریب نعرے کی اصل حقیقت کو سامنے رکھیں تو ان کا دوغلا رویہ سامنے آتا ہے کہ خواتین کی حفاظت

کیلئے 150 کروڑ، لڑکیوں کی شادی کیلئے 100 کروڑ، بیٹی پڑھاؤ اسکیم کیلئے 100 کروڑ، جبکہ بنارس کے بنکروں اور کشمیر کے پشمینہ صنعتکاروں کی ترقی کیلئے پچاس، پچاس کروڑ بجٹ میں رکھے گئے تھے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں صرف ولبھ پٹیل کی یادگار مورتی بنانے کیلئے دو سو کروڑ بجٹ میں مختص رکھے گئے۔ بی جے پی نے دعوی کیا تھا کہ کالے دھن کے پیسے واپس لیکر آئیں گے، لیکن برسراقتدار آنے کے بعد بی جے پی اور اس کی اتحادی جماعتیں اپنی تحریک پر ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکیں۔ کہا جاتا ہے کہ آزاد ہندوستان میں مہنگائی کے سارے ریکارڈ بی جے پی حکومت میں ٹوٹے۔ عام ضروریات زندگی کی اشیاء کی قیمتیں اس قدر آسمان کی بلندی پر ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ پیاز پٹرول سے مہنگی ہے۔ بی جے پی حکومت نے وزرا کی تعداد کم رکھنے اور کئی وزراتوں کو ملا کر ایک وزرات بنانے کا دعوی کیا تھا لیکن اس پر بھی عمل درآمد نہیں کیا گیا بلکہ عوام کو کہا گیا کہ اسے چند سال مزید برداشت کرنا ہونگے۔ بی جے پی حکومت پر یہ الزام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ شراب کے کاروبار کرنے والے کارپوریٹس کو کوڑیوں کے داموں اناج کی فراہمی کیلئے ہر سال لاکھوں ٹن اناج خراب کردیا جاتا ہے۔ جہاں معاشی طور پر وزیر اعظم نریندر مودی کی پالیسیوں کو بھارت میں کامیاب نہیں قرار دیا جارہا تو دوسری جانب بی جے پی مسلسل مسلمانوں کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کے ساتھ صف آرا ہوئی ہے، جس میں خاص طور پر 'لو جہاد' کے نام سے شرانگیز پروپیگنڈے کی وجہ سے مسلم

طبقے کو انتہا پسند ہندو جماعت کی وجہ سے تکالیف کا سامنا ہے۔یہ سب کچھ ایک ایسی سوچ کے تحت کیا جارہا ہے جس میں ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کے قیام کے بعد ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کو خطاور قرار دیکر ان پر زندگی تنگ کی جارہی ہے ۔ان پر ہندوستان میں رہنے کی وجہ سے طرح طرح کی پریشانیاں پیدا کردیں گئیں ہیں کہ آج مسلمان بھارت میں تعلیمی اور معاشی لحاظ سے بہت پیچھے رہ گیا ہے۔فرقہ وارنہ نفرتوں میں گھیرا ہوا ہندوستان کی انتہا پسند ہندو حکمران جماعت کا اصل ہدف مسلم ہیں یہی وجہ ہے کہ جہاں مسلمانوں کے فائدے میں کوئی بات سامنے آتی ہے تو انتہا پسند سوچ رکاوٹ بن جاتی ہے جس کی سب سے بڑی مثال پانچ فیصد کوٹے کے بل پر مہارشٹرا ریاست کی جانب سے شدید رد عمل اور رکاوٹ ہے۔بھارتی حکومت کو اپنے رویئے میں تبدیلی لانا ہوگی اور مسلمانوں کے خلاف اعلانیہ مہم جوئی کی راہ سے گریز کی راہ اختیار کرتے ہوئے امن کے راستے پر چلنا ہوگا،امن کے راستے پر چلے بغیر نریندر مودی اپنے معاشی نعرے کو کبھی کامیاب نہیں بنا سکتے،اپنے معاشی نعرے کو بھارت کی کروڑوں کی تعداد میں بھوکی سونے والی عوام کیلئے نریندر مودی کو اپنے انتہا پسند ارادوں کو ترک کرکے غریب عوام میں ایک وقت کی روٹی کیلئے صلاحیتیں صرف کرنا چاہیے۔

فالتو عوام کے فالتو ووٹ

الیکشن کمیشن پاکستان میں رجسٹرڈ کل 162 سیاسی جماعتیں تمام انتخابات کی ملکی سیاست میں ' حصہ ' لیتی ہیں یہ تعداد پوری دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔پاکستان میں تقریباً 8.6 کروڑ ووٹرز کا اندراج ہے جو اپنے ووٹوں سے ملک کے مستقبل بنانے والوں کا' انتخاب' کرتے ہیں۔بظاہرپاکستانی سیاست ، برطانوی سیاست پر مبنی ہے اور جمہوری پارلیمانی نظام کے ویسٹ ماڈل کی پیروی کرتی ہے۔آئین کے مطابق خواتین اور مذہبی اقلیتوں کیلئے 70 نشستیں مخصوص کی جاتی ہیں ان نشستوں کو سیاسی جماعتوں کیلئے ان کی متناسب نمائندگی کے مطابق مختص کیا جاتا ہے۔اسی طرح سینیٹ کی نشستیں بھی براہ راست منتخب نہیں کیں جاتیں بلکہ عوام کے وہ منتخب نمائندے ، انھیں منتخب کرتے ہیں جن کو 'عوام' نے منتخب کیا ہوتا ہے۔سینیٹ انتخابات میں دل کھول کر سیاست دانوں نے سیاست دانوں پر ہارس ٹریڈنگ کے الزامات عائد کئے اور لگائی جانے والی بولیاں بھی عوام کے سامنے لائے لیکن ان پردہ نشینوں کو پھر بھی بچالیا کیونکہ وہ ' شریف ' لوگ تھے۔اسی دوران تحریک انصاف کے رہنما اور خیبر پختونخواکے وزیر اعلی پرویز خٹک نے کہاکہ "ہمارے پاس فالتو ووٹ تھے ، جسے دل چاہا اسے دیئے۔ان کا ماننا تھا کہ سینیٹ انتخابات میں کچھ دو اور کچھ لو کی بنا پر

لڑا جاتا ہے، مسلم لیگ (ن) سے کچھ ووٹ ہمیں ملے ہم نے اضافی ووٹ مسلم لیگ (ن) کو دیئے، اے این پی اور پی پی والے بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے 5,5 ووٹ) ہوتے ہوئے 21 اور 14 ووٹ کیسے لئے؟ فضل الرحمٰن بھی شور مچا رہے ہیں، وہ بھی بتائیں ان کو ایک ووٹ کم کیوں ملا؟"۔

خیبر پختونخوا کے وزیر اعلی پرویز خٹک کے اس بیان کے بعد کہ "ہمارے پاس فالتو ووٹ تھے، جسے دل چاہا اسے دیئے" نے میری آنکھیں کھول دیں اور میں نے محترم کو زبردست "خراج تحسین" پیش کیا اور دل چاہا کہ انھیں "خراج عقیدت" بھی پیش کروں لیکن ایسی میری قسمت کہاں۔ سینیٹ کے انتخابات میں سیاست دان کبھی اتنے رسوا نہیں ہوئے جتنا کہ اس بار ہوئے ہیں، اور اس کا سہرا یقینی طور پر عمران خان کے سر کو جاتا ہے، کیونکہ انھوں نے جس طرح خیبر پختونخوا میں سینیٹ الیکشن میں اپنے امیدواروں پر زبردست "نگاہ" رکھی اس کا مظاہرہ دورِ ضیا سیاہ کے بعد پاکستانی عوام نے سفید سادہ پرچیوں میں ایک بار پھر، دوبارہ دیکھا۔ لیکن اس موقع پر میری دانست میں پی پی پی، اے این پی، مسلم لیگ (ن) سمیت کسی جماعت کو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے تھا کیونکہ پنجاب میں افضل چن کو جو اضافی ووٹ پڑے، وہ کیا ضمیر کی آواز سمجھیں جائیں؟ یا پھر عمران خان کی موجودگی کے باوجود ان کیصوبائی اراکین اسمبلینے اپنے "فالتو ووٹ" مسلم لیگ (ن) کو دیئے اور ان کے "فالتو ووٹ" خود بھی لئے۔

اب

اس کی تردید کوئی بھی نہیں کرسکتا کیونکہ وزیر اعلی خیبر پختونخوا نے برملا تسلیم کیا ہے کہ ایسا ہوا ہے۔ اس موقع پر سفید پرچیوں کے معاملے پر یہ منطق درست معلوم ہوئی کہ اگر یہ سلسلہ جاری رہتا کہ کسی کا ووٹ کوئی اورڈال رہا ہے تو بظاہر عمران خان اپنے ووٹ ضائع کرالیتے لیکن "فالتو ووٹ" کو مسلم لیگ (ن) سے ہرگز نہیں لیتے اور نہ ہی اپنے فالتو ووٹ" مسلم لیگ (ن) کو دیتے۔ یہ دوستانہ انتقال یقینی طور پر اُس وقت آیا ہوگا" جب سینیٹ انتخابات خیبر پختونخوا میں پی پی اور اپوزیشن کی جانب سے روکے جانے کے پانچ گھنٹے بعد دوبارہ شروع ہوئے۔

عمران خان کی کوشش رائیگاں گئی اور ان کی تمام تر "جدوجہد "کے باوجود ان کے "فالتو ووٹ" کسی کے کام آ گئے اور بدلے میں اُن کے "فالتو ووٹ" ان کی جماعت کے کام آ گئے، ان کی اسمبلی توڑنے کی دھمکی بھی کسی کام نہیں آئی اور تحریک انصاف میں ایک بالکل نئی اصطلاح پاکستان کی سیاسی مارکیٹ میں "فالتو ووٹ" کے نام سے متعارف کروائی، ایسے "فالتو ووٹ" جس کی قیمت خود عمران خان کے شوکت خانم میموریل اہسپتال کے نام پر پارٹی ٹکٹ کے بدلے پندرہ کروڑ روپے کی آفر تھی۔ اب انھیں یقینی افسوس ہو رہا ہوگا کہ ان کے پاس کتنے "فالتو ووٹ" تھے اگر وہ انھیں کارآمد بنا لیتے توپاکستان کی غریب عوام کے لئے ایک اور شوکت خانم میموریل ہسپتال کی بنیاد رکھی جاسکتی تھی۔ ویسے میری عمران خان

سے درخواست ہے اس بار انھیں کینسر ہسپتال کے بجائے، پاگلوں کا ہسپتال کھولنا چاہیے، کیونکہ پاکستانی عوام کا دماغ چل گیا ہے کہ وہ ایسے اراکین کو منتخب کرتے ہیں جو بعد میں چل کر "فالتو ووٹ" ہوجاتے ہیں۔ عوام کا دماغ چلا ہوا ہے کہ انھیں اب بھی سمجھ اس لئے نہیں آتی کیونکہ "فالتو ووٹ" کا مطلب یہ نہیں سمجھتے اور وزیر اعلی خیبر پختونخوا پرویز خٹک صاحب اس کا مطلب سمجھاتے ہیں کہ ہارس ٹریڈنگ، ہارس ٹریڈنگ ہوتی ہے، چاہے پیسوں سے ہوں، چاہے سیاسی ایڈجسٹمنٹ سے ہو یا "فالتو ووٹ" سے ہوں، اس کا جواز انھوں نے اے این پی اور پی پی پی کے پانچ، پانچ "فالتو ووٹ" کے بدلے حاصل کی جانے والی نشست جیسے اے این پی اور پی پی پی سیاسی مفاہمت کا نام دیتی ہے، جو انھوں نے مولانا فضل الرحمٰن کے ساتھ کی تھی لیکن انھیں "فالتو ووٹ" کی وجہ سے ووٹ کم ملے اور ایک یقینی نشست سے انھیں محروم ہونا پڑا۔

پاکستانی عوام سمیت کسی کو یہ پوچھنے کا حق نہیں ہے کہ بلوچستان میں کیا ہوا اور پنجاب میں کیا ہوا۔ پی پی پی کے امیدوار کو ووٹ نہ ہوتے ہوئے "فالتو ووٹ" کس طرح مل گئے جبکہ علی اعلان ایسے بغاوت کہا جا رہا ہے۔ میری ناقص رائے میں، جو یقینی ناقص ہے، ہارس ٹریڈنگ کی ابتدا صوبائی اور قومی اسمبلیوں میں رکھی جانے والی اُن مخصوص نشستوں سے ہی ہوجاتی ہے جہاں پارٹیوں کی کامیابی کے تناسب میں مال مفت، دلِ بے رحم کی طرح تقسیم کردیا جاتا ہے۔ ایسے آپ جو بھی نام دیں لیکن کوئی صرف اتنا سمجھا دے کہ اگر یہی سب

کچھ کرنا تھا تو عام انتخابات کرانے کی کیا ضرورت ہے ، ان نشستوں کو بھی مخصوص نشستوں کی طرح تمام جماعتوں میں .برابری کی بنیاد پر تقسیم کردیا جائے۔ کم از کم انتخابات کے نام پر کھربوں روپوں کے اخراجات اور نام نہاد اسمبلیوں کے انصرام و انتظام سے تو نجات ملے گی۔ قوم کے کھربوں روپوں کا اس طرح ضیائع تو نہیں ہوگا۔ سپریم کورٹ بھی بلا وجہ بلدیاتی انتخابات کا انعقاد چاہتی ہے ، مخصوص نشستوں کی طرح تمام اسمبلیوں کے "فالتو ووٹ" کی بنیاد پر بلدیاتی انتخابات کرا دیئے جائیں اور تمام سیاسی جماعتوں میں یہ سیاسی نرسری ادارہ بھی تقسیم کردیا جائے۔

عوام سے .براہ راست نمائندے منتخب کرانیکا نام انتخابات ہے اور پارٹی سے .براہ راست منتخب ہونے والے کبھی بھی عوام کو جواب دہ نہیں ہوتے اور یہ سب "فالتو ووٹ" کے زمرے میں آتے ہیں جو یہ ہمیشہ پاکستانی عوام کو بھی جب دل چاہے "فالتو ووٹ" کی طرح استعمال کرتے ہیں اور ان کے حقوق جس کو چاہتے ہیں اس کو دے دیتے ہیں۔پاکستانی سیاست کے اسرار کو کبھی نہیں سمجھا جاسکے گا ، جہاں جناب آصف زرداری جیسے اتالیق ہوں وہاں سیاست کے نام پر پی ایچ ڈی کرنے والوں کی کمی نہیں ہے ، وزیر اعظم نواز شریف کی سیاست کے نئے پہلو سامنے آرہے ہیں کہ سیاسی مفاہمت کو کیا نئے نام دیئے جارہے ہیں اور پاکستان کی فالتو عوام ، ترقی کے نئے دور کی امید اُن سے لگائے بیٹھے ہیں۔ مسلم لیگ (ن

اور تحریک انصاف کی نئی انتخابی پالیسی کے اسرار بھی عوام کے سامنے اُس وقت آتے ہیں جب کوئی نیا منصوبہ کامیاب بنانا ہو، دھرنا دیکھ لیں تو جوڈیشنل کمیشن پر اُن کا عمل۔ سینیٹ انتخابات میں دونوں جماعتوں کی انڈر اسٹینڈنگ کہ ، عمران خان انکشاف کرتے ہیں کہ وہ قومی اسمبلی میں جانے کو تیار ہو گئے تھے لیکن نواز شریف نے عین وقت پر دھوکہ دیا۔ پھر خیبر پختونخوا انتخابات میں رات گئے نئے آرڈیننس کا آرڈر کی صورت میں جاری ہونا تو فاٹا کے "فالتو ووٹ" کا استعمال یکدم رک جانا لیکن مسلم لیگ ن) اور تحریک انصاف کا فرینڈلی "فالتو ووٹ" کا ادل بدل، پاکستانی عوام کے لئے) ایک نئے تماشے سے کم نہیں ہے۔نہ جانے کب وہ دن آئے گا جب پاکستانی عوام کو اپنے قائداعظم اور علامہ اقبال کے خواب کی تعبیر کو حاصل کرسکے گی اور جس مقصد کیلئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا، اس مقصد کے تحت ہم عوام کے مقاصد بھی پورے ہونگے ، لیکن جس طرح کا پاکستانی سیاست میں رجحان ہے، اس سے بہتری کی امیدیں رکھنا یقینی طور پر پاگل پن ہے ای لئے عمران خان سے درخواست کی ہے کہ اس بار کینسر ہسپتال کے بجائے دماغی علاج گاہ پر توجہ دی جائے کیونکہ پاگلوں کے اس دیس میں اکیلا کوئی بغیر پاگل پن سے نہیں رہ سکتا، ایسے پاگلوں کے درمیان رہ کر پاگل ہونا ہوگا وہ دنیا ایسے جینے نہیں دیگی اور وہ دنیا کو جینے نہیں دیگا۔کاش کوئی پاکستانی عوام کے ووٹوں کا بھی بھرم رکھ لیتا اسے "فالتو ووٹ" نہیں سمجھتا۔

زندگی کا راز

سر جھکائے، آنکھیں موندھے آگے کی طرف جھکا ہوا دیکھ کر عارف میاں ، مجھ سے پوچھ بیٹھے کہ کیا بات ہے قادر بھائی ،آج آپ کی طبعیت ٹھیک نہیں لگ رہی ۔میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا کہ نہیں ٹھیک ہوں۔اس وقت میں اپنے شناسا کی کمپوٹر سافٹ ویئر کی دکان پر بیٹھا تھا، میرا معمول ہے کہ گھرکے بجائے دکان پر آجاتا ہوں ، شور و شرابے میں کالم لکھتا ہوں ، ڈاک چیک کرنے کے بعد جیسے جواب دینا ہوتے ہیں انھیں مناسب جواب دیگر اخبارات کا مطالعہ کرتا ہوں اتنی دیر میں عارف میاں اسکول سے آجاتے ہیں اور میں روانگی کی راہ پکڑتا ہوں ۔میرے سامنے اس وقت کمپوٹر کی اسپاٹ اسکرین موجود تھی جیسے میں گھورتا ہوا دیکھ کر اپنے غصے کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا ۔اکثر اوقات کچھ ایسے واقعات رونما ہوجاتے ہیں جس پر نہ چاہتے ہوئے بھی انسان غصے میں آگ بگولہ ہوجاتا ہے ، اپنے جذبات کو ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے میں نے ایک بار پھر عارف میاں کو دیکھا اور پھر اس سے پوچھا کہ عارف میاں یہ بتاؤ کہ تم اتنی محنت کیوں کرتے ہو ؟۔اس نے جوابدیا کہ ' اپنے مستقبل کیلئے تاکہ میرا مستقبل بہتر ہوسکے '۔عارف میاں اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے وگھرکے اخراجات پورے کرنے کیلئے اِس دکان پر کام بھی کرتا تھا اور اسکول سے آنے کے بعد رات بارہ بجے تک مستقل دکان پر موجود رہتا۔اسے

چھٹی کی اجازت بھی نہیں تھی۔

میری آج کفیت انتہائی دل گرفتہ تھی کیونکہ آج ایک بار پھر میرے احساسات اور جذبات کا خون ہوا تھا، میں انتہائی حساس طبعیت کا مالک ہوں ،اس لئے جلد غصے میں آجانا اور نتائج کو فوری حاصل کرنے کے علاوہ جلدباز عادت کا حامل ہوں۔ لوگ صحافت سے سیاست کی جانب جاتے ہیں لیکن میں سیاست سے صحافت میں آیا تھا کیونکہ طاقت کا محور پاکستان میں عوام نہیں بلکہ صحافی کے ہاتھ سے لکھے جانے والے الفاظ ہیں ۔میں نے جس شعبے کا انتخاب کیا وہ عام قارئین کی نظروں میں بہت کم وقعت رکھتا ہے ماضی کے برعکس کالم نویسی کی گذارشات پر اب حکومت بہت کم ہی کوئی عمل کرتی ہے ۔لیکن اس میں میرے لئے ایک خاص خوبی یہ ہے کہ آپ اپنے احساسات و خیالات کو اپنے لفظوں میں پرو کر ایک مالا کی شکل میں لاتے ہیں اور مختلف بکھرے موتیوں کو یکجا کرکے چودہ سو حروف ، سمندر کوزے میں بند کرنے کے مصداق مکمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن کوئی نہ کوئی تشنگی رہ جاتی ہے اور یہی تشنگی نئے کالم کو لکھنے کا موجب بنتی ہے۔ میں زیادہ تر کالم میں ایسے موضاعات کا انتخاب کرتا ہوں جس سے کم از کم عام قارئین کی معلومات میں اضافہ ہوسکے اور کسی کتاب پر تبصرہ کرنے سے بہتر خیال کرتا ہوں کہ انسان کی حالتِ زار کو موضوع بناؤں اور جو دید ہے اس کے ساتھ شنید شامل کرکے کم سے کم کسی باشعور تک اپنا موقف پہنچانے کی کوشش کروں۔ ممکن ہے کہ کہیں جذبات غالب آجاتے ہوں ، لیکن انھیں میں جذبات نہیں ، بلکہ احساسات کا

عمل دخل ضرور کہہ سکتا ہوں کیونکہ میرا ماننا ہے کہ جب تک آپ کی تحریروں میں احساسات شامل نہ ہو اور کسی کا دکھ بیان کرتے وقت خود آپ کے اپنے دل سے ہوک نہ اٹھتی ہو، کسی کی مسکراہٹ کو بیان کرتے وقت خود آپ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہ ہو آپ کی تحریر میں اثر نہیں پیدا ہو سکتا۔ یہ میں نے سیاست سے یکھا کہ عوام کے پاس جانے کیلئے عوام کو سمجھنا ضروری ہے، عوام کے دکھ درد کا ادراک کرنے کیلئے اس کا بے لوث ہونا اور ان کے غم و خوشی میں برابر کا شریک ہونا فرضِ اولین ہے۔ کیونکہ ہم معاشرے سے الگ نہیں ہیں اس لئے معاشرتی مسائل کی اہمیت کو اجاگر کرتے وقت اس کے اثرات و مضمرات کو بھی جانچتے ہیں کہ اس عمل کا رد عمل کیا آسکتا ہے۔ بادی النظر کسی کی تحریر کو وقت گذارنے کیلئے پڑھنا مناسب نہیں، کیونکہ آپ کے پاس اپنے منتشر خیالات نہیں بلکہ قوم کیلئے سے دیا گیا ایک ایسا عطیہ خداوندی ہے جس کا کوئی اجر و تعاون کی خواستگار آپ نہیں ہوتے۔ مجھے دوسروں کا نہیں معلوم، لیکن میرا ماننا ہے کہ جب تحریریں، معاوضوں میں تولیں جائیں تو وہ ترازو میں بکنے کیلئے تو بہت وزن دار ہوتی ہیں لیکن حقیقت کے میزان میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ اگر کسی تحریر کا کوئی رد عمل سامنے نہ آرہا ہو تو اس کا مطلب ہے کہ آپ راستے سے بھٹک گئے ہیں اور خوفزدہ عناصر اپنے مقاصد میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ مصالحت کا عنصر جس قدر صحافت میں ہے اس کا عشر عشیر کہیں اور نہیں ملتا۔ اسی طرح مفاہمت بھی صحافت میں جس فراوانی کے ساتھ موجود ہے پاکستانی موجودہ سیاست

اس کے سامنے ہتھیلی میں رکھے چنے جتنا ہے، معدودے چند پاکستانی صحافت میں کام نویسوں کا مستقبل انتہائی تاریک ہے، انھیں اپنے مزاج و رویوں کے برخلاف لکھنا پڑتا ہے، ادارتی صفحوں میں لکھتے وقت اُسے ادارتی بورڈ کی بے رحم چھری کا سب سے پہلے سامنا کرنا پڑتا ہے، پاکستان کے معروضی حالات کے سبب اسلام، مذہب، طالبان، سیاسی جماعتوں، شخصیات ہر دو قسم، حکومتی و عدلیہ کی پالیسوں پر تنقید یا جائزہ اور امن و امان پر قانون نافذ کرنے والوں اداروں پر قلم اٹھائے بغیر لکھی تحریروں کو اہمیت دی جاتی ہے۔ یا پھر کسی پینل میں شریک کالم نویس کی اُن تحریروں کو جو وہ خود بھی دوبارہ پڑھنا پسند نہیں کرتے، کیونکہ ان کے نزدیک نوکری ترجیح بن جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس جملے پر کسی صاحب علم کو اعتراض ہو، لیکن میں ذاتی طور پر اخبارات میں پیشہ وارنہ جذبے کا فقدان پاتا ہوں، مصلحت، مفاہمت اور ڈر کے سائے میں لکھی جانے والی تحریروں سے بہتر ہے کہ سوشل میڈیا پر بے لاگ انداز میں جلوہ افروز ہو کر اپنے احساسات کو پہنچایا جائے اور اس کا فوری رد عمل بھی ملتا ہے۔ تاریک سیاہ رات میں ایک اجلی صبح کی پہلی روشنی کا خوش کن احساس بھی موجود ہے جو پست ہوتی ہمت کو دوبارہ جُت جانے پر آمادہ کر لیتی ہے۔ میں بھی عارف میاں کی طرح مایوس نہیں ہوا ہوں، کیونکہ میرا ماننا ہے بہتے پانی میں ہی زندگی کا راز پنہاں ہے۔ ساکت پانی موت کی علامت ہے۔

جمہوریت کی افسوں گری

دنیا کے بیشتر ممالک جمہوریت کے نام پر اپنے عوام کو محکوم بنائے ہوئے ہیں اور عوام بھی جمہوریت کے افسوں پر اپنی سوچوں کو پابند سلال کر چکے ہیں۔مذاہب میں مذہبی پیشوائیت نے 'ہامان' بن کر غیر مرئی قوتوں سے خوفزدہ کرانے کیلئے انسان کی سوچوں پر اپنا قبضہ کیا تو دوسری جانب 'قارون' جیسے سرمایہ کاروں نے رزق کے بہتے سر چشموں پر رکاوٹیں کھڑی کرکے عوام الناس کے لئے مختص رب کائنات کے خزانوں پر اجارہ داری قائم کرلی۔ان دونوں استعارات کو بنا کر مطلق العنان حکومت' فرعون 'نے قائم کی اور آج فرعونی طرز حکومت کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔سوچا یہی گیا کہ شکل حکمرانی کو مزید اپنے ہاتھ میں کرنے کیلئے کچھ ایسا کیا جائے کہ بادشاہ کی طاقت بھی سرمائے کی محتاج ہوجائے اور سرمایہ دار اپنے گناہوں کے تلافی کیلئے مذہبی پیشوائیت کا محتاج ہوجائے، لہذا فرد واحد کی اصل طاقت کو لاکھوں افراد میں منتقل و بانٹنے کیلئے ایک پلان بنایا گیا جیسے جمہوریت کا پرفریب نام دیا گیا۔تجارت ، علم اور دولت کے حربوں سے معاشروں ، ذہنوں اور مزاجوں کو تبدیل کرنے کا آغاز ہوا اور انسانوں کی ٹھوس قوت کو پرچیوں میں منقسم کرکے اور کرپشن کا عظیم راستہ کھول کر جمہور کی قوت کو لونڈی بنالیا گیا۔وہ کام جو ایتھنز، روم ، غرناطہ، بغداد اور فلورنس

میں ممکن نہیں ہوا تھا، لندن پیرس اور نیویارک سے ہوتا ہوا آدھی دنیا کا مطالبہ بن گیا اور باقی آدھی دنیا کو کارل مارکس نے کمیونزم کی قربان گاہ پر لا کھڑا کیا۔ ممکن ہے کہ جمہوریت کے شیدائیوں کو یہ بات گراں گذرے، لیکن کیا کوئی یہ بتا سکتا ہے جمہوریت میں جیتنے والا اکثریت کا نمائندہ ہوتا ہے یا پھر اقلیت کا ؟۔ جمہوریت میں جیتنے والا اکثریت کا نہیں بلکہ اقلیت کا نمائندہ ہوتا ہے مثال کے طور پر ایک حلقے میں ایک لاکھ ووٹرز ہیں لیکن امیدواران کی تعداد دس ہے۔ 9امیدواران اگر برابر برابر کا ووٹ لیتے ہیں تو جیتنے والا وہی قرار دیا جاتا ہے جس نے کچھ ووٹ زیادہ لئے ہوئے ہوتے ہیں۔اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جیتنے والے کے ووٹ تمام امیدوارن کے مقابلے میں کم ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ کامیاب قرار دیگر اکثریت پر مسلط ہو جاتا ہے کیونکہ نمبروں کے ہیر پھیر میں وہ اقلیت کا نمایندہ ہونے کے باوجود اکثریت کے مقابلے میں جیت جاتا ہے اور دوسروں کے ووٹ اس کے خلاف ہونے کے باوجود اس لئے ضائع ہو جاتے ہیں کیونکہ مجموعی طور پر وہ تفرقے کا شکار ہوتے ہیں اور اجتماعی طور پر مقابلہ نہ کئے جانے کے سبب فرد واحد سے ہار جاتے ہیں۔اس لئے وہ حقیر اقلیت کا نمائندہ ہونے کے باوجود اکثریت سے کامیاب شدہ قرار پاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ جمہوریت میں دوسرا سب سے بڑا نا قابل علاج نقص اہل علم پر جاہل کو فوقیت ہے۔ جاہل کو اہل علم سے زیادہ دانش مند قرار دیا جاتا ہے اور اہل علم کا درجہ جاہل کے برابر ہوتا ہے کیونکہ ووٹ سب کا ایک جیسا

ہوتا ہے اور ہر ایک کا ایک ایک ہی ووٹ ہوتا ہے۔ یہاں سرمایہ دار اپنے سرمایئے کے بل بوتے پر ووٹر پر حاوی ہو جاتا ہے اور ووٹر کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ سرمایہ دار کی سازش کا شکار ہو گیا ہے۔ علامہ اقبال نے ایسے یوں بیان کیا ہے۔

اس راز کو اک مرد فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

ہم ہر انتخابات میں دیکھتے ہیں کہ سرمایہ داروں کے علاوہ کوئی اہل علم یا قابل ہنر مند و ماہر اس لئے کامیاب نہیں ہو پاتا کیونکہ اس کے پاس سرمایئے کی وافر مقدار نہیں ہوتی۔ سرمایہ دار اپنی دولت کے بل بوتے پر الیکشن میں حصہ لیتا ہے اور پھر اپنے مقاصد کے حصول کیلئے مزید سرمایہ لگا کر 'عوامی نمائندوں' کو بھی خرید لیتا ہے۔ جرمن فلسفی جو صہیونیت کے بانیوں میں سے تھا، اس نے (Theodor Herzl) تھیوڈور ہرزل اپنی ایک تصنیف "یہودی ریاست" میں جو اس نے 1896ء میں لکھی تھی، کہا تھا۔ "دانشمندانہ اور معقول فیصلے پارلیمانی اداروں سے سرزد نہیں ہو سکتے، عوامی خواہشات کی صحیح نمائندگی اور ریاست کے حقوق و مفادات کی محافظ وہی شخصیتیں ہوتی ہیں جو تاریخی قوتوں کی

پیداوار ہوں۔ حکمرانی کیلئے یہی شخصیتیں پیدا ہوتی ہیں یہ عوام کا کام نہیں۔"فرانسیسی جس کی تحریروں نے انقلاب فرانس کی راہ ہموار کی تھی ، ((Voltaire ادیب والٹیئر جمہوریت کے بارے میں طنزیہ سوال کرتا ہے کہ " تمہاری موت آئے تو کیا پسند کروگے ؟ تمہیں ایک ہزار چوہے نوچ نوچ کر کھا جائیں یا شیر کا ایک ہی نوالہ بن جاؤ۔"جرمن کے شہرہ آفاق تصنیف ' یوں کہا زرشت نے' کا دیباچہ (Nietzehae) فلاسفر نطشے ایک یہودی ڈاکٹر آسکر لیوی نے لکھا تھا، اس نے یہود کی ' جمہوریت' کا یوں پول کھولا۔ " غریب اور امیر برابر ہوں ، کمزور اور طاقتور برابر ہوں ، جاہل اور عالم ایک دوسرے کے مساوی ہوں ۔ نہیں بلکہ جہلا امیروں ، علما اور طاقتوروں پر سبقت لیجائیں۔ " جمہوریت دور جدید کی پیداوار ہے اور اقتدار کو سرمایئے کی طاقت سے اپنے قبضے کا نام ہے جس میں وہی شخص یا جماعت کامیاب ہے جس نیجمہوریت کے کاروبار میں سرمایہ کاری کی۔اگر زمینی حقائق سے سمجھنا چاہتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ جب بھی انتخابات آتے ہیں تو اگر ایک جانب معاشی نظام میں دسترس رکھنے والا ایک صاحب علم اور دوسری جانب کسی بھی سیاسی جماعت کا امیدوار کھڑا ہو تو پورا علاقہ سرمایئے کی دولت سے رنگ دار بن جاتا ہے جلسے جلوسوں میں عوام کی بڑی تعداد اُس صاحب علم کے بجائے اپنی سیاسی جماعتوں کو اہمیت دیتی ہیں اس میں قابلیت کے جوہر تلاش کرنے کے بجائے اس کی جاہلیت کے طمطراق سے متاثر نظر آتی ہے۔ اس کا موزانہ اہل علم سے نہیں کیا جاتا کہ امیدوار کی ایسی کون سے

قابلیت ہے جس بنا پر عوام ایسے اپنا نمائندہ قرار دیکر اسمبلیوں میں بھیجا جائے۔ایک قانون دان ، جیسے ملکی قانون پر کماحقہ کمال حاصل ہوتا ہے وہ ایک جاہل کے مقابلے میں قانون سازی اسمبلی کا رکن بن جاتا ہے اور قوم کے مستقبل کے فیصلے اس ان پڑھ نمائندے کے ہاتھ میں چلے جاتے ہیں جو خود کو جمہوریت کی پیداوار قرار دیتا ہے۔جسمانی قوت ، ذہنی قابلیت اور دفاع کیلئے خصوصی تربیت لینے والا ایک ایسے شخص سے ہار جاتا ہے جو اپنے قدموں پر درست طریقے سے کھڑا بھی نہیں ہوتا۔آزاد عدلیہ کے نعرے بلند کرنے والے اسی جج کے سامنے جیت جاتے ہیں جہاں ان کے مقدمات اور اہم فیصلے ایک قلم کی حرکت کے محتاج ہوتے تھے۔انسان کی زندگی میں اس کے ہر پہلو کو مذہب کی روشنی میں چلانے والے ، جمہوریت کے اس نظام میں فیل ہو جاتے ہیں اور اس کی صدا پر رکوع و سجود کرنے والے جمہوریت کے نام پر سرمایہ داروں کے سامنے جھک جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ایک ہنر مند قابل اور ذہن پیشہ وارانہ اہلیت کے حامل شخص پر سیاسی اور سرمایہ دارنہ تشخص کو کامیابی ملتی ہے۔قدیم ہندو تہذیب، روما اور یونان کی تہذیبیں ، اسلام کی فتوحات اور اٹلی کی نشاۃ ثانیہ کی درخشاں مثالیں ثابت کرتی ہیں کہ تہذیبوں کے احیا اور ترقی کیلئے کاغذ پر ووٹ اور ووٹ سے اقتدار لازمی نہیں ہے۔آج ہمیں اس جمہوری دور میں تہذیبوں کی ترقی کا فقدان نظر آئے گا۔ یہ جمہوریت کے ہی ثمرات ہیں کہ اگر اقوام متحدہ کے تمام ممالک اسرائیل کے خلاف ووٹ دے بھی دیں تو ایک ویٹو پاور ملک ، اپنے

جمہوری ووٹ کا استعمال کرکے مجموعی ووٹوں کو معطل کر دیتا ہے۔ یہ جمہوریت کے ہی ثمرات ہیں کہ جب مشرقی تمور کا معاملہ ہو تو اقوام متحدہ سر بکف ہو جاتی ہے لیکن جب بات کشمیر اور فلسطین کی آئے تو کئی دہائیاں گزر جانے کے باوجود جمہوریت نیند سے بیدار نہیں ہوتی۔ یہ جمہوریت کی ہی کارستانی ہے کہ اپنے فیصلے خود نہیں کئے جا سکتے بلکہ عوام پر مسلط کر دیئے جاتے ہیں۔ قانون سازی کے عمل میں حقیقت سے زیادہ مفادات کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ جمہوریت کے ہی کمالات ہیں کہ پرائی جنگوں کو خود پر نافذ کرکے لاکھوں عوام کے خون پسینے کی کمائی سے فلاح کے منصوبے شروع کرنے کے بجائے جنگی ساز و سامان اور آلات حرب پر انسانوں کی تباہی کیلئے خرچ کئے جاتے ہیں۔ یہ جمہوریت ہی ہے کہ تعلیم کی وزرات کے وزیر انگوٹھا چھاپ رہے ہیں۔ دفاع کیلئے ایسے افراد وزیر بن جاتے ہیں جنھیں ایک فٹ سے دور دکھائی بھی صحیح نہیں دیتا، خارجہ پالیسوں اور معیشت پر ایسے افراد کو تعینات کر دیا جاتا ہے جس کی وفاداریاں دنیا کے طاقت وروں اور سرمایہ داروں کے ساتھ ہوتی ہیں۔ یہ جمہوریت ہی ہے جو انصاف کے پائیدان پر اُسے بٹھا دیتا ہے جیسے قانون کی الف ب بھی نہیں معلوم ہوتی۔ پارلیمان میں بھیڑ بکریوں کی ایک بڑی تعداد سوچے سمجھے بغیر ایسے قوانین و پالیسیاں بنانے کی منظوری دے دیتے ہیں جن کیلئے ان کی جماعتوں کے لیڈروں نے حکم دیا ہوتا ہے۔ ہمیں سوچنا ہوگا کہ اس عبوری دور میں جہاں قابلیت اور اہلیت پر جاہلیت کو فوقیت دی جاتی ہے جمہوریت کا افسوں کب تک

گمراہ کن تباہی لاتا رہے گا۔

قومی ایوی ایشن پالیسی 2015

پاکستان میں سماجی، سیاسی مسائل سمیت لاتعداد ایسے معاملات التوا میں پڑے ہوئے ہیں جس کے سبب اہم ایشوز پر سنجیدہ پالیسیاں ندارد ہیں۔ تاہم ان تمام گردگوں حالات کے باوجود ملکی سلامتی کے اہم ادارے سول ایوی ایشن پالیسی کو ترتیب دینے کا عمل شروع کیا گیا سول ایوی ایشن کی پالیسی ترتیب دینے کیلئے وزیر اعظم کے معاون خصوصی برائے ہوابازی کیپٹن شجاعت عظیم کے مطابق قومی ایوی ایشن پالیسی کے حوالے سے تمام اسٹیک ہولڈرز کو آن بورڈ لیا گیااور قومی ایوی ایشن پالیسی کے حوالے سے تمام اسٹیک ہولڈرز نے شریک ہو کر ایک قومی پالیسی بنانے میں اہم کردار ادا کیا ۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ قومی ایوی ایشن کے حوالے سے پالیسی کافی عرصے بعد بنائی گئی ہے اور اس پالیسی کو بنانے کیلئے حکومت نے تمام اسٹیک ہولڈرز، ایوی ایشن کے ماہرین اور دنیا کی بہترین یونیورسٹیوں کی خدمات حاصل کیں ۔

وفاقی حکومت نے قومی ایوی ایشن پالیسی 2015 کے حوالے اسلام آباد میں پالیسی کو وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے اجرا کیا۔ نئی پالیسی کو ملکی ایوی ایشن کی تاریخ کا اہم سنگ میل قرار دیا جارہا ہے۔ دنیا میں ترقی یافتہ ممالک میں

سہل سفر کیلئے عوام کو جدید سہولیات کی یقینی فراہمی کو ممکن بنایا جاتا ہے۔اور کسی بھی ملک کی ترقی کیلئے مواصلات کا بہتر و فعال نظام ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ قومی ایوی ایشن پالیسی میں اس امر کو اہمیت دی گئی ہے کہ محفوظ فعال ایئر ٹرانسپورٹیشن اسٹرکچر کو ترقی دینے کیلئے کاروبار کے بہتر مواقع اور وسائل کے موثر استعمال کیذریعے اقتصادی ورٹی کوd سرگرمیوں کو بڑھایا جائے۔اس میں ایک اہم نقطہ ایوی ایشن سیفٹی اور سک ورٹی فورس کےd یقینی بنانے کیلئے پاکستان سول ایوی ایشن اتھارٹی اور ایئرپورٹ سک ریگولیٹری اور خدمات کی فراہمی کے کاموں کو علیحدہ علیحدہ کیا جانا ہے۔ساتھ ہی مثبت پالیسی یہ بھی ہے کہ سیفٹی انوسٹی گیشن بورڈ کو خود مختار بنانے کے عزم کا اعادہ کیا گیا۔ قومی ایوی ایشن پالیسی میں آزاد ایئر سروسز ایگریمنٹس کرنے ، اوپن سکائی پالیسی اختیار کرنے اور ہوائی اڈوں کے اپریشن اور انتظام کیلئے پبلک پرائیوٹ پارٹنر شپ کے تصور کو فروغ کے ساتھ ساتھ عالمی کمپنیوں کے ساتھ ملکر پبلک پارٹنر شپ کے موزوں ماڈل کے تلاش کرنے کی پالیسی کا مرتب ہونا بھی ایک مثبت سوچ کی علامت ہے۔اہم بات یہ ہے کہ قومی ایوی ایشن پالیسی میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ تجارت و سیاحت ملکی اہم صنعت ہےلہٰذا اس پر توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے ، دنیا کے بیشتر ممالک کی ذریعہ آمدنی سیاحت سے وابستہ ہے اور ملک کو کثیر زر مبادلہ اسذرائع سے حاصل ہوتا ہے اگر اس شعبے پر سنجیدگی سے توجہ دی جائے تو یقینی طور پر پاکستان

کو سیاحوں کی جنت بنایا جاسکتا ہے لیکن بد قسمتی سے جس قسم کے حالات پاکستان میں وقوع پزیر ہیں وہاں غیر ملکی سیاحوں کو آنے کی ترغیب دینا بذات خود ایک چیلنج ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پاکستان میں فضائی مسافروں کو اپنے سفر اور کارگو کے حوالے سے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس حوالے سے ان کی مشکلات کو مد نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ حالیہ کچھ عرصے اس حوالے سے کافی شکایات سامنے آئی جس میں مسافروں کے سامان کسی دوسرے شہر پہنچ جاتے تھے جبکہ سفر کے حوالے سے متعدد ایسے واقعات بھی سامنے آئے جس میں وی آئی پی کلچر کو فروغ دینے کی کوشش کی گئی۔ فضائی قوانین کی خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ اقربا پروری اور سیاسی نفوذ کے وجہ سے مسافروں کو شدید کوفت کا سامنا کرنا پڑا اور اسی طرح کی کچھ ایسے واقعات میڈیا میں رپورٹ ہونے کی بنا پر حکومت کو سبکی کا سامنا ہوا۔ لہذا ان معاملات پر توجہ دینے کی انتہائی ضرورت ہے۔ ایئر پورٹس سے پیشہ وارانہ تربیت کے حامل چیف آپریٹنگ افسران کی تعیناتی ایک اچھا اقدام ہوگا۔ اس حوالے سے ہوئی اڈوں پر کام کرنے والے تمام اداروں بشمول اے این ایف، کسٹمز اور امیگریشن کا آپریشنلکنٹرول چیف آپریٹنگ آفسرز کو دینے کی پالیسی میں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ایسے افسران کو کسی سیاسی بنیادوں پر تعینات نہ کیا جائے کیونکہ بیشتر اوقات یہی دیکھا جاتا ہے کہ سیاسی رسوخ کے حامل افراد اپنی سیاسی وفاداری کا پاس رکھنے کیلئے ایسے عوامل کرجاتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کسی

مطلوبہ شخص کو امیگریشن کی نظروں سے بچا کر لے جانا اور بلیک لسٹ ہونے کے باوجود ملک سے فرار ہونے کے کئی واقعات ملک میں بدنامی کا سبب بن چکے ہیں اس ضمن میں اسلام آباد ائیر پورٹ سے غیر قانونی طور روسی خواتین کا بغیر قانونی دستاویزات کے پاکستان آنا اور پھر وہاں سے واپس فرار ہوجانے جیسے متعدد واقعات امیگریشن حکام کی کارکردگی پر سوالیہ نشان بن جاتے ہیں، اسی طرح گذشتہ دنوں کسٹمز کے حوالے سے یہ خبر آئی کہ کسٹمز ڈیوٹی بچانے کے لئے جہاز کے عملے کے اراکین قیمتی موبائل کی اسمگلنگ میں ملوث ہیں، اسی طرح منشیات اور ممنوعہ اشیا کی ترسیل و منی لانڈرنگ جیسے واقعات کا سدباب کرنا اہم قومی ذمے داری بنتی ہے۔ مختلف اداروں کی تعیناتی کے باوجود غیر قانونی معاملات کا ہوجانا ملکی سلامتی کیلیے ایک مسلسل خطرہ ہے، جس کی ایک مثال ایک ایسے مسافر کی جانب سے صرف چند ڈالر کی رشوت کی سبب سامان کی تلاشی نہ لینے کی ایک ویڈیو کا اسکنڈل سامنے سے قومی اداروں کے ملازمین کی استعداد کار پر سوالیہ نشان بن کر ابھرا، اگر اس حوالے سے چیکنگ و بیلنس کا موثر نظام واضح اور ایسے ایماندار اور پیشہ وار تربیت کے حامل افسران کی تعیناتی سیاسی بنیادوں سے بالاتر ہو کر کی جائے تو اس سے امید کی جاسکتی ہے کہ رشوت خور اہلکاروں کی لالچ کا احتساب ممکن ہوسکے گا۔ قومی سلامتی پالیسی میں ایوی ایشن کے شعبہ میں سرمایہ کاری پر ٹیکس اور ڈیوٹیز ختم کرنے کی سفارش ایک اچھا قدم ثابت ہوسکتا ہے لیکن اس میں شفافیت کو سامنے رکھنا ہوگا

۔پاکستان

میں بد قسمتی سے رشوت ، سیاسی اثر رسوخ اور اقربا پروری کا رجحانخطرناک حد تک بڑھا ہوا ہے اس ضمن میں ماضی میں ایسی کئی مثالیں سامنے آچکی ہیں کہ ایوی ایشن کے قوانین کو بائی پاس کیا گیا، جس کے سبب متعدد فضائی حادثات ہوئے اور قیمتی جانوں کا نا قابل تلافی نقصان ہوا۔ تحقیقات کی سست روئی اور وجوہات کی تلاش و اسباب کی سدباب میں ہمیشہ کوتاہی کا مظاہرہ کیا گیا جس کی وجہ سے قانون کی عملداری قائم نہیں ہو سکی اور زیادہ منافع کی لالچ میں ایسے طیارے فضا میں ملک الموت بن کیمحو پرواز رہے جنھوں نے انسانوں کی قیمتی جانوں کا عظیم نقصان دیا۔ اگر ایوی ایشن فضائی نقل و حمل کی خدمات کو زیادہ سے زیادہ محفوظ اور فعال بنانے کی پالیسی پر سنجیدگی سے عمل کرے تو فضائی کمپنیاں اپنے مسافروں کے ساتھ درست رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں گی۔ اس ضمن میں اگر فضائی آپریٹرز کو حکومت کی جانب سے پر کشش مراعات ملتی ہیں اور وہ از خود فضائی سہولیات سے محروم علاقوں میں سروس شروع کرتے ہیں تو یہ پاکستان کی عوام کے لئے ایک اہم اعلان ہوگا بصورت دیگر آپریٹیرز کو پابند بھی بنایا جاسکتا ہے کہ وہ ملک کے ایسے علاقوں میں اپنی خدمات لازمی فراہم کریں، اس ضمن میں ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ کیا ایسے علاقوں میں ایئر نویکیشن انفراسٹکچرر اور سیٹلائیٹ پر مبنی جدید ٹیکنالوجی بھی میسر ہے کہ نہیں ، کیونکہ پاکستان کے دور افتادہ علاقوں میں قدرتی آفات کے واقعات کا زیادہ ہونا بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ چھوٹے شہروں کے لئے چھوٹے طیاروں کی

فراہمی سے فضائی سفر میں عوام کو ایک اہم خدمت میسر آ سکتی ہے۔ ملک کے اہم ائیرو پورٹس پر کارگو کے قیام کی پالیسی ملکی معیشت کیلئے ایک اہم پیش رفت ہے۔ جدید سہولیات سے آراستہ نئی ایوی ایشن پالیسی میں ایک لاکھ تیس ہزار ٹن کارگو کی گنجائش کو دوگنا کرنے کا اعلان تجارت کے شعبے کیلئے خوش آئند خبر کہلائی جا سکتی ہے۔ قومی ایوی ایشن پالیسی کو جدید تقاضوں سے ہمکنار کرنے کیلئے سنجیدگی سے عمل درآمد کرنا ہوگا۔ کیونکہ دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ پیپر ورک میں ایک خوب صورت باغ تو سجا لیا جاتا ہے لیکن عملی طور پر اس کی آبیاری درست طریقے سے نہیں کی جاتی اور ملکی ترقی کے تمام منصوبے وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ لاپرواہی اور عدم توجہ کے سبب اپنی افادیت کھو دیتے ہیں۔ چونکہ ایوی ایشن ایک اہم ادارہ ہے لہٰذا اس حوالے سے جتنے منصوبے بھی شروع کئے جائیں اس میں شفافیت اور سنجیدگی کو ضرور بالضرور دیکھا جائے۔ عوام کو بہتر سہولیات کی فراہمی اور تجارتی طبقے کو سہل سہولیات کا میسر آنا ملک کی ترقی کیلئے ایک اہم قدم کہلائے جائے گا۔ لیکن عام سفری مہمان میں امتیازات کو فروغ دیا گیا تو اس سے اداروں اور اس کے لئے بنائی جانے والی پالیسیوں پر سوالیہ نشان ضرور کھڑا ہوگا جس سے عوام کا اعتماد کبھی بحال نہیں ہو سکتا۔ ہمیں ترقی یافتہ ممالک کی ترقی میں اس اہم شعبے کی خدمات سے استفادہ کرنا چاہیے۔ ہمارے سامنے دوبئی جیسے ملک کی مثال موجود ہے جس نے صحراؤں میں نخلستان اور سمندروں میں جدید بستیاں آباد کرلیں اور دنیا میں سب سے زیادہ

مصروف ایئرپورٹ بننے کا اعزاز بھی حاصل کرلیا۔ کوئی چیز ناممکن نہیں ہے بس اس کیلئے سچے اخلاص کی ضرورت ہے، جس کی بدقسمتی سے ہم میں شدید کمی ہے۔

ہنر مند پاکستان کی جانب ایک قدم

کسی بھی ملک کی ترقی کیلئے ہنر مند افرادی قوت ایک کلید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پوری دنیا میں نظر دوڑائی جائے تو ہمیں ظہر من الشمس اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ترقی یافتہ ممالک کی ترقی کا راز ہنر مند افراد کے مرہون منت اور ترقی پزیر و پسماندہ ممالک کی حالت زار ہنر مند افراد سے محرومی ہے۔بد قسمتی سے پاکستان کا نظام تعلیم ایسا ہے کہ جس میں ہم صرف بابو صاحبان ، دفتری کلرکوں کی بھیڑ ہی پیدا ہو رہی ہے۔ تحقیق ، تخلیق اور اجتہاد سے محرومی ہمارے نظام تعلیم کی بدولت ہمیں دوسروں کا دست نگر کرتی جارہی ہیں۔پاکستان میں ترقی اور خوشحال مستقبل کے مواقع کم میسر آنے کی وجہ سے غیر مند افرادی قوت کی بنا پر بے روزگاری کا ایک سیلاب امڈا ہوا ہیجن کی کامل توجہ سفارشی کلچر پر لگی ہوتی ہیں ، رشوت یا سفارش کے بل بوتے پر سرکاری نوکری کا حصول یا کوٹہ سسٹم کے تحت والدین سے اولاد کو سرکاری نوکری کی وراثت ہمارے معاشرے کا حصہ بن گیا ہے۔پاکستان میں اقتدار کے کمزور نظام کی بنا بھی پارلیمانی حکومتوں کی جانب سے دیرپا منصوبے اور پالسیاں مرتب نہ کئے جانا یا پھر پالیسوں پر عمل نہ کیا جائے اور نظر انداز کردینا بھی دیگر مسائل کے وجہ جواز بنا ہوا ہے۔ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں سالانہ افرادی قوت کی تعداد بیس لاکھ تک پہنچ

جائے گی، ہر سال محنت کشوں کی تعداد میں بارہ لاکھ کا اضافہ ہو رہا ہے عالمی بنک کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان افرادی قوت کے اعتبار سے دنیا کا سب سے تیزی سے ترقی کرنے والا ملک بن سکتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں مائیکرو، چھوٹے اور درمیانے درجے کے کاروبار میں ملازمتوں بھرپور مواقع ہیں لیکن توانائی اور امن وامان کیمخدوش صورتحال کے باعث ان کی ترقی کا عمل بھی متاثر ہو رہا ہے۔ موجودہ حکومت نے ہنر مندی اور مہارت یافتہ افرادی قوت کے حوالے سے وسط مدتی ترقیاتی فریم ورک پالیسی کے تحت ساڑھے نو لاکھ افراد کی افرادی قوت تیار کرنے کا عندیہ دیا ہے تاکہ تربیت یافتہ افراد کو اندرون و بیرون ملک روزگار کے مواقع فراہم کئے جاسکیں۔ نیشنل ووکیشنل اینڈ ٹیکنکل ایجوکیشن (نیوٹک) نے ہنر مندی کی ایک حکمت عملی برائے 2009-13ء مرتب کی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان شعبوں پر قومی توجہ دی جائے جنھیں ماضی میں نظر انداز کیا گیا، جن میں قومی پالیسیوں، مہارت کے معیارات اور نصاب، انسٹرکٹر ٹریننگ، کارکردگی جائزہ کا نظام، قومی اور بین الاقوامی رابطے، لیبر مارکیٹ انفارمیشن سسٹم، فنڈز کی فراہمی کو یقینی بنانا ہے۔ اس مقصد کیلئے روڈ شو، مشترکہ کانفرنسوں، سمپوزیم، دوروں، ورکشاپوں اور نمائشوں کے اہتمام کی ضرورت ہے، ضروری یہ بھی ہے کہ اہلیت پر مبنی تربیت، نجی شعبہ کے وسیع تر کردار، مراکز مہارت، تربیتی اداروں کی انتظامی اصلاحات، تحقیق و ترقی، خواتین کیلئے ہنر، پیشہ کے انتخاب میں رہنمائی فنی و پیشہ وارانہ

تعلیم کی فراہمی اور ہنر مند بنانے کیلئے اصلاحات کیلئے انتظامات کو بہتر بنانے پر توجہ دی جائے۔اس ضمن میں قومی ادارے پی آئی اے کے حوالے سے حکومت نے 05اکتوبر 2014ء نے پی آئی اے کمپلکس لاہور ائیر پورٹ پر ٹریننگ سینٹر کے افتتاح پر اعلان کیا کہ پی آئی اے ملک کے بارہ شہروں میں ٹریننگ سینٹر کھولے گی اور اگلے چھ ماہ میں پشاور، کوئٹہ، نواب شاہ، سوات، مظفر آباد، سکھر، ملتان، فیصل آباد اور حیدر آباد میں نوجوانوں کی تربیت کیلئے ٹریننگ کے آغاز کا اعادہ کیا گیا۔ہم سب اس بات سے آگاہ ہے کہ مملکت پاکستان کے سب سے اہم ادارے قومی ائیر لائن کو27ارب روپے سالانہ خسارے کا سامنا ہے۔دنیا میں گراؤنڈ ہنڈلنگ، ٹیکنکل سپورٹ، فلائٹ کچن، یہ مئٹینس ریئیر نگٹ، سیٹشکیس، ٹریننگ سینٹرز کے کام آؤٹ ریسورس پر ہوتے ہیں لیکن یہ کام پی آئی اے کو کرنا پڑے۔جس کی سرگرمیوں پر سالانہ ساڑھے پانچ ارب روپے خرچ کئے جاتے رہے ہیں۔جبکہ قرضوں اور سود کی واپسی کی مد میں ماہوار تین اربوپے سے زائد ادا کرنے پڑتے ہیں۔گپ پانچ سے دس تک میں سات ہزار ملازمین کام کر رہے ہیں، چھبیس جہازوں پر 16ہزار6 سوملازمین ہیں جبکہ 600 ملازمین ایک جہاز پر کام کرتے ہیں، جبکہ دنیا میں ایک جہاز پر 120 سے 170 ملازمین کام کیا کرتے ہیں۔
یہ قومی ادارے میں سیاسی دخل اندازیوں کے وجہ سے ہوا ہے۔ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایوی ایشن انڈسٹری دنیا بھر میں بڑھ رہی ہے۔، بوئنگ کی مارکیٹ آؤٹ لک

2014ء کے مطابق 10 سال میں 35 ہزار سے زائد ہوائی جہاز تجارتی ہوا بازی کے مطالبات کو پورا کرنے کیلئے دنیا بھر میں ضرورت ہوگی۔ ہوا بازی کے پیشہ ور افراد کی بڑی تعداد کے تکینیکی ماہرین کی زبردست مانگ میں اضافہ ہو رہا ہے اور انجینئرز اور تکینیکی ماہرین کی معقول تعداد منافع بخش پیکجز حاصل کرکے نامور فضائی کمپنیوں میں شامل ہو رہے ہیں۔ پیشہ ور افرادی ہنر مند قوت بنانے کے حوالے سے قومی ایئر لائن نے اپنے تمام تر خسارے اور سنگین مالیاتی مسائل کے باوجود پاکستان سول ایوی ایشن اتھارٹی کی جانب سے ہوائی جہاز کی بحالی پر تمام تربیتوں کا تربیتی ڈھانچہ شروع کیا ہے۔ جس کی خاص بات یہ ہے کہ اب سات سے آٹھ سال کے بجائے ہوائی جہاز بحالی انجینئر بننے کیلئے صرف چار سے پانچ سال لگیں گے کورس کی مدت دو سال رکھی گئی ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ PTC (پی آئی اے ٹریننگ سینٹر) گذشتہ چالیس سالوں سے ہوابازی کے تمام شعبوں میں تربیت فراہم کر رہا ہے۔ جس میں بوئنگ 777، ایئر بس 320، ATR 41 کے طور پر جدید طیاروں کی تربیت کی فراہم کی جارہی ہے۔ فلائٹ آپریشنز میں تکینیکی اور کاک پٹ عملہ کی عبوری تربیت، فلائٹ سروکے بنیادی، سروس اور عمومی سیفیٹی تربیت، مسافر خدمات، ایئر ٹرمینل، ریمپ علاقے اور سامان سائیڈ پر تعینات عملی تربیت، مارکٹنگ، سبری سسٹم، ٹکٹنگ اور اہلکاروں کی کارگو تربیت، کمپوٹر کی بنیاد پر ٹریننگ، منیجمنٹ اور شائستگی کی اہلیتیں کی ٹریننگ شامل ہیں۔ اپنے قیام کے آغاز کے بعد سے PTC کا ہیڈ آفس کراچی میں واقع

تھا، یہ آڈیٹوریم، فرضی اپ ہال، کیبن عملہ ٹریننگ، انفارمیشن ریسورس سینٹر، سنیما ہال اور کانفرنس روم سمیت 55 کلاس رومز کی تین منزلہ عمارت ہے۔ایسی طرح پی آئی اے ٹریننگ سینٹر تجارتی ہوابازی کے تقریباً ہمشعبوں میں جامع ہدایات ایک چھت کے نیچے دیئے جاتے ہیں۔جہاں پاکستان میں واحد فضائی کمپنی کی تربیت قیام ہے۔ اسکالرشپ ایوارڈ کے IATA/IATF کے مختلف یونیٹوں میں ہر ایک سال کی تربیت PTC ساتھ دی جاتی ہے جبکہ سترہ ہزار زیر تربیت (90 فیصد پی آئی اے اور 10 فیصد دیگر ائیر لائینز) کو سالانہ تربیت دی جاتی ہے۔ قومی فضائی ائیر لائن نے 1956ء کے بعد پائلٹوں انجینئرز، تکنیکی ماہرین، ٹریفک فروخت اور کیبن کے عملے کو تربیت دی گئی۔پی آئی اے، کے تربیتی مرکز کو 1998ء میں پہلی مرتبہ جاپان انٹرنیشنل کوآپریشن ایجنسی (جائیکا) کے تعاون سے پاکستان کی حکومت کی جانب سے ترقی پذیر ممالک کیلئے سول ائیر ٹرانسپورٹ کورس عمل کرنے کیلئے منتخب کیا گیا۔ مشبتصورتحال یہ ہے کہ لاہور، اسلام آباد راولپنڈی، نواب شاہ اور سوات میں ٹریننگ دی جارہی ہے جبکہ کراچی کے تربیتی مرکز کے صلاحیت میں 650 طلبہ کو 350 طالب علموں سے اضافہ کردیا گیا ہے،۔ سیلف فنانس اسکیم کے تحت لاہور میں 84 طالب علم، جبکہ راولپنڈی میں 82 طالب علم تربیت حاصل کر رہے ہیں۔پاکستان کے جنت نظیر علاقے سوات میں میں بھی ایک ٹریننگ سینٹر کا افتتاح کیا ہے۔1.5 ملین اس آبادی کا تقریباً 42.04% فیصد 15 سے سال کی عمر کے باشندے ہیں، سوات کے نوجوانوں کو 40

اعلی تعلیم کے لئے دور دراز علاقوں میں سفر کرنا پڑتا تھا جبکہ سوات میں ائیر کرافٹ ٹریننگ کی فیس بھاری بھر کم ساڑھے چار لاکھ روپے رکھی گئی ہے۔ فیس کے حوالے سے یہاں اس امر پر حکومت کو غور کی ضرورت ہے کہ ملک کے ذہن اور محنتی اُن نوجوانوں کو بھی اہمیت دی جائے جو مالی طور پر کمزور پائے جاتے ہیں لیکن ٹیلنٹ وافر مقدار میں موجود ہے۔ اہم فنی شعبے کا سوات میں قیام بہرحال عوام کیلئے خوش آئند اقدام ہے۔ اسی طرح نواب شاہ، میں بھی تیسرے کیمپس کا افتتاح فنی افرادی قوت کیلئے اہم قدم ہے۔ پشاور، کوئٹہ، فیصل آباد، مظفر آباد اور ملتان میں اسی طرح کے ادارے قائم کرنے کا عمل ملک میں بڑھتی بے روزگاری کے خاتمے میں ایک اہم کردار ادا کریگا۔ اس عمل سے جہاں قومی ادارے کو معقول آمدنی ملے گی تو دوسری جانب بیرون ملک ان نوجوانوں کی ملازمتوں سے قیمتی زر مبادلہ بھی پاکستان آئے گا۔ جہاں سیاسی وابستگیوں، اقرباپروری اور رشوت ستانی کا ماحول ہو وہاں اس قسم کے اقدامات کا ہونا ایک حوصلہ افزا خبر ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ملک کے دیگر قومی اداروں کو بھی اس قسم کی پلاننگ کرنی چاہیے جس میں ملک کے پڑھے لکھے نوجوانوں کو ایک پر منافع تربیت میسر آسکے۔ جہاں ہر سال محنت کشوں کی تعداد میں جہاں بارہ لاکھ افراد کا اضافہ ہو رہا ہو وہاں ان کی مناسب تربیت کیلئے حکومت کو وسط مدتی اور طویل مدت کے علاوہ مختصر دوارنئے کے بھی منصوبے بنائے، نیز تعلیم یافتہ نوجوان بھی فنی مہارت حاصل کریں اور سفارشی

کلچر سے نکلیں جو ہنر مند پاکستان کیلئے ایک اہم قدم ہوگا۔

! ادھورے ترقیاتی منصوبے وسیاسی روش

پاکستان میں کچھ روایتیں ایسی رہیں ہیں جس پر بحث لاحاصل ہی ہوتی ہے۔ عموماً یہی دیکھا جاتا رہا ہے کہ پاکستان میں ترقیاتی منصوبوں کا پلان کوئی اور بناتا ہے اور اُن منصوبوں کا افتتاح کوئی اور کرتا ہے، سنگِ بنیاد کوئی رکھتا ہے تو تکمیل پر شاباشی کوئی اور لیتا ہے۔اگر بات سیاسی مخالفین کی ہو تو ان کے کاموں کو فنڈز فراہم نہ کرنے کے سبب التوا میں ڈال دیا جاتا ہے۔یہاں یہ چلن کوئی نیا نہیں ہے بلکہ ہر صاحب اقتدار یہ عمل دوہراتا رہا ہے تو دوسری جانب اگر کوئی مفاد عامہ کا منصوبہ مکمل بھی کرلیا جاتا ہے تو اس پر سیاسی پوائنٹ اسکورنگ شروع ہوجاتی ہے۔کراچی میں ایسے کئی منصوبوں کے حوالے سے جماعت اسلامی نے اعتراضات اٹھائے تھے کہ مختلف فلائی اوورز اور بائی پاس کے منصوبے ان کے تھے لیکن ان کے دور حکومت ختم ہونے کے بعد متحدہ کے ناظم نے اپنے نام پر یہ منصوبےتکمیل کئے اور پھر پرویز مشرف کی جانب سے پورے سندھ کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف کراچی کیلئے اربوں روپوں کے خصوصی پیکج دیئے گئے۔اسی طرح خیبر پختونخوا میں اے این پی نے تحریک انصاف پر الزامات عائد کئے کہ ان کے کئی ترقیاتی منصوبوں کو روک دیا گیا اور کئی منصوبوں کو فنڈز فراہم نہیں کئے گئے ۔کچھ اسی طرح کے معاملات ماضی میں بھی رونما ہوتے رہے ہیں لیکن

پنجاب میں جب ملتان ائیر پورٹ کا افتتاح کیا جا رہا تھا تو ایسا لگا کہ جیسے یہ پالیسی صرف پنجاب کیلئے تبدیل کر دی گئی ہو۔ سابق وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے ملتان میں اربوں روپوں کے خصوصی منصوبے شروع کئے تھے جس میں ملتان ائیر پورٹ کی توسیع بھی شامل تھا، ان کی حکومت کی برخاستگی اور پی پی کی حکومت ختم ہونے کے بعد پرانی روش دہرائی جا سکتی تھی لیکن یہاں وزیر اعظم پاکستان نے ایک اچھی روایت کی بنیاد رکھی کہ مفاد عامہ کے اس منصوبے کیلئے فنڈز کو جاری کرتے رہے اور بالآخر ملتان ائیر پورٹ کی پر شکوہ عمارت کا افتتاح کر دیا اور خوش آئند بات یہ تھی کہ اس موقع پر میاں نواز شریف نے سابق وزیر اعظم کو بھی دعوت دی جس پر گیلانی بھی اس اہم تقریب میں شریک ہوئے۔ ملتان ائیر پورٹ کی تعمیر پر نو ارب روپے لاگت آئی ہے جبکہ جدہ اور مدینہ منورہ جانے والی پروازوں کی تعداد میں بھی اضافہ کر دیا گیا ہے جبکہ ہر سال دس لاکھ مسافر اس ائیر پورٹ کے ذریعے سفری سہولیات سے مستفید بھی ہونگے، جبکہ ائیر پورٹ پر کارگو ٹرمینل کی سہولیات بھی دی گئی ہیں۔ اس ائیر پورٹ کی تعمیر میں تقریباً چھ سال کا عرصہ لگا ہے، نئے ٹرمینل اور رن وے کی تعمیر کے بعد توقع کی جا رہی ہے کہ روزانہ دو ہزار مسافروں کی آمد رفت ہو گی جبکہ جنوبی پنجاب کے شہریوں کو اب بیرونِ ملک سفر کیلئے دوسرے شہروں کا رخ نہیں کرنا پڑے گا، ملتانی آم اور سبزی کی عالمی مارکیٹ تک رسائی بھی ممکن ہو گئی ہے۔ ائیر پورٹ کی خاص بات سیکورٹی کے بہترین

انتظامات بتائے جاتے ہیں، اے ایس ایف کنٹرول روم قائم، جدید اسکینر اور مانٹرنگ سسٹم بھی نصب کیا گیا ہے۔ ترجمان ایوی ایشن ڈویژن شیر علی خان نے بتایا کہ ملتان ایئر پورٹ کی اس نئی عمارت پر بوئنگ 777 اور بوئنگ 747 بھی اتر سکیں گے جبکہ 10 ہزار میٹرک ٹن ایکسپورٹ بھی بیک وقت ہوسکے گی۔ ملتان کے ترقی کے اس سفر میں جہاں شہریوں کو جدید سہولیات پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے تو دوسری جانب ملتان انٹرنیشنل ایئر پورٹ منصوبہ کیلئے ڈیلی ویجز پر تعینات ہونے والے ملازمین نے چار سال بعد بھی کنٹریکٹ نہ ملنے پر احتجاج کیا، ڈیلی ویجز ملازمین کا کہنا ہے کہ عدالت عالیہ نے تین سال قبل ملتان ائیر پورٹ پر کام کرنے والے ڈیلی ویجز ملازمین کو مستقل کرنے کا حکم دیا تھا مگر چار سال گذرنے کے باوجود ڈیلی ویجز ملازمین کو مستقل نہیں کیا گیا، ڈیلی ویجز کے ملازمین سول ایوی ایشن حکام کو اس بابت متعدد بار درخواستیں ارسال کرچکے ہیں لیکن ملازمین کے مطابق ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ وزیر اعظم پاکستان اور سیکرٹری ایوی ایشن کو ڈیلی ویجز ملازمین کی جائز مسائل اور عدلیہ کے احکامات پر غور کرکے ان کا دیرینہ مسئلہ حل ضرور کرنا چاہیے۔ ملتان ائیر پورٹ کا منصوبہ مکمل ہوچکا ہے لیکن اس کے ساتھ صوبائی حکومتوں کو بھی چاہیے کہ ایسی روایات برقرار رکھے، مثال کے طور پر سندھ اسمبلی کے اراکین نے نئی عمارت بنالی لیکن سندھ میں سالوں گزر جانے کے باوجود کئی منصوبے مکمل نہیں ہوسکے۔ جن میں سہیون شریف منصوبہ جس کا افتتاح 1990ء میں ہوا لیکن پی پی پی

کی حکومت ابھی تک اس منصوبے کو مکمل نہیں کر سکی۔ لاڑکانہ میں بے نظیر بھٹو یونیورسٹی کا منصوبہ جو ایک ارب روپے سے 2008ء میں شروع ہوا ابھی تک مکمل نہیں ہو سکا۔ نواب شاہ میں دریائے سندھ پر بنائے گئے قاضی احمد آمری پُل کی سڑک بھی نامکمل ہے، گھارو کے قریب 20 سال پہلے سندھ ویلفیئر بورڈ نے مکانات بنائے لیکن محنت کشوں کو نہ مل سکے، چھ کروڑ روپے کی لاگت سے بنی کالونی سے ٹرانسفارمر اور لوہے کے دروازے بھی چوری کر لئے گئے۔ حیدر آباد میں ڈرینج لائن کا منصوبہ 2012ء میں شروع ہوا 91 کروڑ مختص کئے گئے دسمبر 2013ء میں شروع ہونے والا منصوبہ مکمل نہیں ہو سکا۔ میرپور خاص میڈیکل کالج کیلئے 2007ء میں زمین اور چھ کروڑ روپے مختص کئے گئے لیکن پروجیکٹ تعطل کا ابھی تک شکار ہے۔ ملک کو ستر فیصد ریونیو دینے والے کراچی کا حشر ہم سب کیلئے ایک مثال ہے کہ کئی سال گذر جانے کے باوجود ابھی تک اس شہر کیلئے کوئی ایک میگا پروجیکٹ مکمل نہیں کیا جا سکا ہے۔ بڑی بڑی رقوم مختص رکھی تو جاتی ہیں لیکن سرکلر ریلوے، گرین بسیں، کے فور جیسے اہم پروجیکٹ مسلسل التوا کا شکار چلے آ رہے ہیں جبکہ ٹھٹھہ کے تین پراجیکٹ گھارو فلٹر پلانٹ سے علی بند ننگر پار تک کوسٹل ہائی وے کی تعمیر، گھارو سے کے ٹی بندر تک ڈبل روڈ ہائی وے کی تعمیر اور گاڑھو سے شاہ بندر تک شہید ذوالفقار علی بھٹو ایکسپریس وے کی تعمیر جیسے اربوں روپوں کے منصوبے سیاست کی نظر ہو گئے۔ اسی طرح گلگت بلتستان کے گورنر نے انکشاف کیا کہ ایسے منصوبے ہیں جن کی رقم 106

ٹھیکدار وصول کر چکے ہیں لیکن کام نہیں کیا گیا وہ ان کی وجہ سیاسی مداخلت بتاتے ہیں۔گلگت کے تین پل برسوں سے زیر تعمیر ہیں۔ 106 منصوبوں کی رقوم کا ٹھیکدار کو مل جانے کے باوجود کام نہ کئے جانا اور گورنر بلتستان کی جانب سے یہ انکشاف معمولی نہیں ہے ۔ یقینی طور پر اس معاملے پر نوٹس لینے کی ضرورت تھی کہ گلگت بلتستان کی عوام کے ساتھ سیاسی بنیادوں پر کس نے ناانصافی کی ہے۔جنوبی پنجاب میں پی پی گیلانی دور کے متعدد منظور شدہ ترقیاتی منصوبے ادھورے پڑے ہیں پانچ میگا منصوبوں پر خود ان کی جماعت کے وزیر اعظم نے گجر خان میں ترقیاتی پیکج کی وجہ سے عمل درآمد روک دیا تھا، خاص کر جنوبی پنجاب میں احساس محرومی ہے۔اس طرح خیبر پختونخوا میں 55 ٹھیکداروں کا ایک اسکنڈل سامنے آیا تھا جنھوں نے پیشگی رقوم لینے کے باوجود ترقیاتی کام مکمل نہیں تھے جس پر گورنر مہتاب عباسی نے سخت ایکشن لینے کا عزم ظاہر کیا تھا لیکن اس کے بعد کیا ہوا اس کی تفصیلات میسر نہیں۔ملتان ایئر پورٹ کی تعمیر کی دراصل خصوصیت یہی ہے کہ مفاد عامہ کے اس منصوبے کو کسی نہ کسی طرح مکمل کرلیا گیا۔اب چاہیے یہ کسی سابق سیاسی جماعت کے وزیر اعظم کے شہر کیلئے خصوصی پیکج تھا یا کچھ اور ، اس منصوبے سے جنوبی پنجاب کی عوام کو یقینی فائدہ پہنچے گا۔لیکن ملتان ایئر پورٹ کے ساتھ جڑے ان تمام مسائل کو بھی دیکھنا ہوگا جن کا ان سطور میں اجمالی تذکرہ کیا جاچکا ہے۔مفاد عامہ کے منصوبوں کو کسی بھی سیاسی بنیاد پر روکنا مناسب نہیں ہے ،

اگر سیاسی کلچر پختگی و بلوغت کے معیار کا ہو تو یقینی طور پر کسی حکومت کے آنے یا جانے سے کسی بھی ترقیاتی منصوبے کو کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے۔ صوبائی حکومتیں جہاں وفاق سے شکایتیں کرتی نظر آتی ہیں تو وفاق اپنے کم وسائل کا رونا شروع کر دیتا ہے اگر نیتیں صاف ہوں اور مقصد صرف مفاد عامہ کا حصول ہو تو اہم ترقیاتی منصوبے مکمل کئے جا سکتے ہیں، ملتان ایئرپورٹ کی تکمیل یقینی قابل تقلید مثال ہے۔

کراچی آپریشن چوتھا مرحلہ

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ کراچی آپریشن کو کامیاب بنانے کیلئے رینجرز و پولیس کی جانب سے اپنے اہلکاروں اور افسران کی بھی قربانی دی جا رہی ہے۔ پولیس ترجمان کے مطابق رواں برس پولیس کے 27 افسران و جوان دہشت گردی کا نشانہ بن چکے ہیں۔اسی طرح رینجرز بھی دہشت گردوں کے نشانے پر ہے اور متعدد واقعات میں خود کش اور دستی بموں حملوں میں رینجرز کئی افسران و اہلکار شہید ہوئے ہیں۔ کراچی میں قیام امن ایک خواب بن گیا ہے اور اس کی خواب کی تعبیر کئی عشروں سے تلاش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے لیکن اب پہلی بار ایسا لگ رہا ہے کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے بھی سیاسی مفاہمتی عمل سے بیزار ہو چکے ہیں اور انھوں نے یہ طے کرلیا ہے کہ ہر صورت اس بار کراچی آپریشن کو منطقی انجام تک پہنچایا جائے گا۔ عوامی نیشنل پارٹی کے سنئیر رہنما بشیر جان سے کراچی آپریشن کے حوالے سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ کراچی میں کئی عشروں سے پختون آبادیوں میں طالبان اور شدت پسندی کے نام پر آپریشن جاری ہے اور ہم نے تمام تر تحفظات کے باوجود آپریشن کی حمایت جاری رکھی ہے۔ عوامی نیشنل پارٹی) ولی گروپ (کے جنرل سیکرٹری قاسم جان نے تحفظات کا اظہار کیا کہ، کیا آج تک کوئی آپریشن منطقی انجام تک پہنچا ہے ؟۔ متحدہ کا موقف ہے کہ جرائم پیشہ

عناصر کے خلاف ایم کیو ایم کا تعاون پہلے بھی تھا اور آئندہ بھی جاری رہے گا لیکن جرائم پیشہ عناصر کی آڑ میں ایم کیو ایم کو دیوار سے لگانا درست عمل نہیں ہوگا۔ جماعت اسلامی کراچی آپریشن کو مزید سخت کرنے کی حامی ہے تو تحریک انصاف نے کراچی آپریشن کو صرف ایم کیو ایم تک محدود رکھتے ہوئے انتہائی سخت جملے استعمال کئے ہیں، سندھی قوم پرست جماعتیں کراچی آپریشن پر خوش دکھائی دیتی ہیں تو پیپلزپارٹی شہر کا امن تو واپس لانے کو تیار ہے لیکن لیاری گینگ وار کے مرکزی کردار عزیر جان بلوچ کو دوبئی سے کراچی لانے میں سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کر رہی۔ کراچی کی مذہبی جماعتیں کراچی آپریشن میں اپنے کارکنان کی ہلاکتوں و گرفتاریوں پر بھی تحفظ کا اظہار کر رہی ہیں لیکن کراچی آپریشن کی مخالفت نہیں کر رہی۔ یہاں دلچسپ صورتحال یہ ہے کہ ایک سزائے موت کے قیدی صولت مرزا کی جانب سے عین پھانسی کے وقت متنازعہ ویڈیو کے سامنے آنے کے بعد کراچی کی سیاسی صورتحال میں بڑی تیزی سے تبدیلی ہوئی اور حکومت نے تین بار صولت مرزا کی پھانسی کو التوا میں ڈال دیا۔ یہاں ایک اور حیرت انگیز صورتحال الیکٹرونک میڈیا کی جانب سے بھی آئی کہ کچھ نیوز چینلز نے خبر دینے کے بجائے خبر بننے کا فیصلہ کیا۔دوسری جانب سندھ کے کچھ ایسے دانشوروں اور کالم نویسوں نے کہا کہ کالعدم مذہبی جماعتوں و شدت پسند دہشت گردں کے خلاف کیا جا رہا تھا لیکن بین الاقوامی خاص کر مشرق وسطی کی بدلتی صورتحال کے تناظر میں کراچی آپریشن کا رخ مخصوص سیاسی جماعت کی جانب

موڑ دیا گیا، جو کراچی پر قبضے کی کوشش ہے۔ یہاں یہ بھی ایک اہم سوچ کارفرما رہی کہ کراچی میں ایک سیاسی خلا پیدا کیا جارہا ہے اور اس سیاسی خلا کو پورا کرنے کیلئے تحریک انصاف کو لانچ کرنے کی تیاری کی جارہی ہے ،۔ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ کراچی آپریشن کے اس چوتھے مرحلے پر سخت تحفظات کا اظہار کیا جارہا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ پاکستان کے سیاسی کلچر کے مطابق کسی سیاست دان یا ان کے دفاتر پر چھاپوں کا کوئی تصور نہیں ہے لیکن کراچی کی صورتحال انتہائی گھمبیر ہو چکی ہے۔ کسی سیاسی جماعت یا ان کے قائدین پر لگنے والے الزامات نئے نہیں ہیں ۔ الزامات لگتے رہے ہیں۔ اس سے قبل بھی مختلف سیاسی جماعتوں کے سربراہ پر بغاوت اور پاکستان سے غداری کے الزامات لگ چکے ہیں۔ اسی طرح جہاں صولت مرزا نے الطاف حسین اور ایم کیو ایم کے رہنماؤں کا نام لیکر الزام تراشی کی ہے تو دوسری جانب گینگ وار کے اہم مہرے عزیر جان بلوچ کی جانب سے بھی پیپلز پارٹی کے اہم رہنماؤں پر الزامات کی خبریں بھی زد عام ہیں۔

کراچی آپریشن کا پہلا مرحلہ ٹارگٹ آپریشن کے طور پر شروع کیا گیا، پوری آبادیوں کا محاصرہ کرکے تلاشی اور مشکوک افراد سے پوچھ گچھ کی جاتی تھی ، ہیلی کاپٹر سے فضائی نگرانی اس کے علاوہ ہوتی تھی ، پہلے مرحلے میں شدت پسندوں کو کراچی کے نواحی یا سرحدی علاقوں میں تلاش کیا گیا اور اس سلسلے

میں رینجرز کو کافی کامیابیاں بھی ملیں ۔اے این پی کے مرکزی دفتر اور ان کے علاقائی دفاتر میں بھی آپریشن کیا گیا اور اے این پی کے ذرائع کے مطابق سینکڑوں کارکنان کو گرفتار کیا گیا اسی طرح لیاری میں متعدد بار آپریشن کیا گیا، اسی طرح آپریشن کے دوسرے مرحلے میں آپریشن کی اسٹریجی تبدیل کر دی گئی اور ٹارگٹڈ آپریشن کا سلسلہ شروع کیا گیا، وثوق اطلاعات کے بعد چھاپے مارے گئے جن کی تعداد ہزاروں میں رہی اور اسی طرح گرفتاری کی تعداد بھی 20 ہزار سے زائد رہی۔آپریشن کے تیسرے مرحلے میں کالعدم مذہبی جماعتوں اور شدت پسندوں کے خلاف کاروائیاں کیں گئیں اور ایک بڑی تعداد میں گرفتاریاں عمل میں آئیں قانون نافذ کرنے والے اداروں کی جانب سے اس عمل کو کالعدم تحریک طالبان نے سنجیدگی سے لیا اور اپنے کارکنان کی گرفتاریوں اور تشدد پر سخت رد عمل کا اظہار کیا۔آپریشن کے چوتھے مرحلے کو سخت قرار دیا گیا اور مطلوب افراد کی گرفتاری کیلئے ہر سطح پر کاروائی کا عندیہ دیتے ہوئے اعلی سطح کے ایک اجلاس میں پیپلز پارٹی حکومت کی سخت سرزنش بھی کی گئی۔۔لیاری گینگ وار کے اہم مہرے عزیر بلوچ اور صولت مرزا کے بیانات نے کراچی کی سیاست میں کسی بڑی تبدیلی کا اشارہ دے دیا ہے۔کراچی کی بڑی سیاسی جماعتوں پر کریک ڈاؤن کے بعد رینجرز اب کراچی سے پانی فراہمی کی بعد بیریئر ہٹانے کی مہم پر لگی ہوئی ہے جس سے عوام میں عدم تحفظ کی لہر بھی دوڑ گئی ہے کیونکہ حکومت اسٹریٹ کرائم روکنے میں ناکام رہی ہے اس صورتحال میں جبکہ کراچی میں دہشت گردی کے واقعات

بھی زور پکڑ رہے ہیں، اہم جگہوں، مساجد یا عمارتوں سے سیکورٹی کے نام پر لگائے جانے والے بیریئر ہٹانا اور اس کا متبادل فراہم کرنا رینجرز کیلئے ایک چیلنج ثابت ہوگا۔ رینجرز کو کراچی میں اعتماد بحالی کیلئے موثر کردار ادا کرنا ہوگا کیونکہ رینجرز کے نام پر مختلف علاقوں میں پولیس اور سی آئی ڈی کے کچھ اہلکاروں نے سیزن بنا رکھا ہے اور بے گناہ افراد کو اغوا کرکے لے جاتے ہیں پھر ان ہی کے فون سے اہل خانہ کو فون کروا کر بھاری رقوم وصول کرتے ہیں۔ ایسے متعدد واقعات سامنے آ چکے ہیں لیکن حکومت کی جانب سے کوئی موثر کاروائی نہیں کی جاتی جو قانون نافذ کرنے والے اداروں کی محنت کو رائیگاں کرنے کی ایک مذموم کوشش بھی قرار دی جا سکتی ہے۔ کراچی کا امن صرف عوام کے تعاون سے ہی ممکن ہے اگر قانون نافذ کرنے والے ادارے اور پولیس اپنا رویہ درست رکھیں اور آپریشن کی آڑ میں بے گناہ افراد سے لوٹ مار یا جعلی مقابلوں میں ملزمان کو ہلاک نہ کریں تو عوام یقینی طور پر ان کا بھرپور ساتھ دے سکتی ہے اگر آپریشن کو منطقی انجام تک پہنچانا ہے۔

فیصلہ کن طوفان، مسلمان اور پاکستان

دہشت گردی کے خلاف جنگ آسان نہیں ہوتی اس جنگ کی کامیابی کیلئے انسانی جانوں کی بے انتہا قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ہم ان قربانیوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔نوبل پرائز ونگ انٹر نیشنل فزیشن فار دی پریوینشن آف نیو کلئیر وار (آئی پی پی این ڈبلیو) نے فزیشن فار سوشل رسپانسبلٹی اور فزیشن فار گلوبل سروائیول کے ساتھ ملکر باڈی کاونٹ کے نام سے ایک رپورٹ جاری کی جس میں افغانستان ،پاکستان اور عراق میں دس سال سے زیادہ عرصے کے دوران دہشت گردی کیخلاف جنگ سے.براہ راست اور بالوسطہ ہونے والی ہلاکتوں کے بارے میں بتایا گیا ہے، اس رپورٹ میں دوسرے مہالک یمن ، صومالیہ ، لیبیا اور شام میں امریکہ اور اتحادیوں کے حملے میں ہلاکتوں کے بارے میں نہیں بتایا گیا۔ رپورٹ کے مطابق دس سال میں 13 لاکھ ہلاکتیں ہوئیں۔ آئی پی پی این ڈبلیو کی رپورٹ کے مطابق دس لاکھ عراق ، دو لاکھ بیس ہزار افغانستان اور 80ہزار پاکستان میں ہلاک ہوئے۔رپورٹ میں اس بات کو تسلیم کیا گیا کہ اصل ہلاکتیں اس سے دس گنا زیادہ ہو سکتی ہیں جس کے بارے میں اس وقت عوام ، ماہرین اور فیصلہ ساز جانتے ہیں ، ان کے اندازے کے مطابق اصل تعداد بیس لاکھ سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے۔لاکھوں کی تعداد میں ہلاکتوں کی بنیادی وجہ امریکہ کی جانب سے مہم جوئی ہے جس نے نئے عالمی ملک

بننے کیلئے مسلمانوں کے ممالک پر چڑھائی کی۔ عراق پر جب حملہ کیا گیا تو جواز یہ بتایا گیا کہ عراق میں بڑے پیانے پر تباہی پھیلانے والے کیمیاوئی ہتھیار ہیں، لیکن امریکہ اور اس کے اتحادی ایک ایٹم کا بچہ بھی دکھانے میں ناکام رہے اور عراق کا تخت وتاراج کر کے اس ملک کو خانہ جنگی میں پھنسا کر نکل گیا۔ نائن الیون کے جواز میں افغانستان پر حملہ کیا گیا تو طالبان کی حکومت ان کے نشانے پر آئی، اب امریکہ یہ بیان دے رہا ہے کہ ہم طالبان کو دشمن نہیں سمجھتے اور افغان حکومت کے صدر کہتے ہیں کہ طالبان کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا ازالہ کیا جائیگا۔ پاکستان کی حالت ان دونوں سے مختلف ہے، 'بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ' بن کر پرائی جنگوں میں کود کر پاکستان کو دنیا بھر میں سب سے زیادہ دہشت گردی کا شکار ملک بنا دیا گیا۔ پہلے روس زار کے خلاف امریکہ کے اتحادی بن کر جہادیوں کی عظیم فوج تیار کی اور پرائے گھر میں پتھر پھینکتے ہوئے بھول گئے کہ پتھر پھینکنے کے جواب میں پھول نہیں پتھر ہی آئیں گے۔ امریکہ نے جب افغانستان میں چڑھائی کی تو پھر ماضی کی غلطی کا اعادہ کیا اور شیشے کے گھر میں بیٹھ کر خود کو بلاوجہ مصبیت میں پھنسا لیا کہ آج پاکستان کی فوج ملک کی تینوں سرحدوں پر مصروف ہے اور اندروں ملک پاکستان حالت جنگ میں ہے، بلوچستان ہو یا سندھ میں کراچی یا خیبر پختونخوا، شدت پسندی کے اس عذاب میں ہزاروں بے گناہ کے خون سے سرزمین پاکستان لبریز ہو چکی ہے۔ پاکستان کے اپنے شہری لاکھوں کی تعداد میں بے گھر

اور سیاسی رویوں کے سبب پاکستان کے خلاف غم و غصے کو لئے اپنے اُن گھروں کی جانب لوٹ رہے ہیں جن کا ایک حصہ بھی اس قابل نہیں کہ ایسے گھر کہا جا سکے، انفرا اسٹرکچر تباہ و برباد ہو چکا ہے اور روزگار کے ذرائع مکمل مفقود ہو چکے ہیں، صوبائی حکومتوں کے رویئے کے سبب پاکستان کے دوسرے علاقوں میں انھیں شدت پسند، دہشت گرد کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔اب پاکستان ایک نئی جنگ کی جانب قدم رکھ چکا ہے اور یہ جنگ فرقہ واریت کے نام پر ان ممالک کی جانب سے مسلط کی جارہی ہے جو کئی سالوں سے کوشش کر رہے تھے کہ پاکستان میں فرقہ وارنہ خانہ جنگی شروع ہوجائے۔ عراق میں دیکھیں تو ہمارے سامنے اے بی سی نیوز کی رپورٹ ہے کہ امریکی تربیتی یافتہ عراقی فوجی اور ان کے ہمراہ موجود شیعہ ملیشیا کے ارکان تکریت میں داعش کے خلاف کاروائی کے نام پر انسانی حقوق کی بدترین خلاف ورزی کر رہے ہیں اس میں انہوں نے داعش کو بھی مات دے دی ہے۔ برطانوی اخبار ڈیلی میل کے مطابق شیعہ ملیشیا کے رہنما اپنی ان کاروائیوں کو انتقام قرار دے رہے ہیں، عراقی فوجی ترجمان جنرل سعد مان کہتے ہیں کہ ان واقعات کی تحقیقات کرائیں جائیں گی۔حیران کن بات یہ ہے کہ یہ اُس حکومت کا فوجی ترجمان کہہ رہا ہے جس کے ملک میں سابق عراقی صدر صدام حسین کے آبائی قصبے تکریت پر حملہ کرنے والے عراقی فوجیوں اور ایران کی حمایت سے قائم کی گئی شیعہ ملیشیا نے مظالم کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے ہیں، سنی آبادیوں کو جلایا جارہا ہے، جبکہ لوگوں کو پکڑ کر ان کے سر قلم کئے جا رہے

ہیں، داعش جنگجو قرار دیئے جانے والوں کو عمارتوں سے زندہ پھینکا جا رہا ہے ان کے سروں سے فٹبال کھیلی جا رہی ہے اور لاشیں مسخ کیں جا رہی ہیں۔ شیعہ ملیشیا کے اراکان سروں پر کھڑے ہو کر تصویریں کھنچوا کر سوشل میڈیا پر جاری کر رہے ہیں۔ داعش کے عمل بھی ان سے کم تر نہیں بلکہ ان کی طرح بھیانک ہیں ، انھوں نے بھی اسی طرح سفاکیت کا مظاہرہ کیا اور فرقہ وارنہ بنیادوں پر یزیدیوں ، شیعوں کا قتل عام اور بربہت کی اور مقدس مقامات کے علاوہ تاریخی مقامات کو تہہ و بالا کیا۔ لیکن کیا یہ عمل اور رد عمل میں ہمیشہ دوہرایا جاتا رہے گا۔ کبھی داعش تو کبھی شیعہ ملیشیا، سفاکیت کا یہ جنونی کھیل کھیلتے رہیں گے اور المیہ یہ ہے کہ دونوں اپنی کاروائیوں کو اسلام کا نام دیتے ہیں۔ شام میں بھی یہ صورتحال کچھ مختلف نہیں ہے ، موجودہ صدر نے اپنی حکومت کو دوائم بخشنے کے لئے فرقہ وارانہ جنگ کو روس اور ایران کے ساتھ ملکر ملک کی بیگناہ سنی عوام پر ظلم کے پہاڑ توڑے اور ہزاروں مسلمان جابر حکمران کی سفاکیت کا نشانہ بنے ، بغاوت کے نام پر جو گروپ حکومت عسکری جنگ لڑ رہے ہیں ، ان کے ساتھ شدت پسندوں نے شام کی عوام کو نشانہ بنایا اور فرقہ وارنہ جنگ میں تیس لاکھ سے زائد شامی عوام کو اپنے گھروں سے بے گھر ہونا پڑا۔ 2014 ء میں خانہ جنگی سے شام میں 76 ہزار ہلاکتیں ہوئیں ، جو کہ 2011ء سے اب تک کی سب سے بڑی تعداد ہے۔ دی سیریئن آبزرویٹی فار ہیومن رائٹس کے مطابق ہلاک ہونے والے چھبیس فیصد عام شہری ہیں۔ شام میں 80 فیصد ہتھیار

روس کے استعمال ہو رہے ہیں اور اب تک شامی حکومت کی جانب سے مخالفین پر کلورین گیس کے استعمال پر کسی قسم کی تحقیقات کا آغاز نہیں کیا گیا۔ یمن میں فرقہ واریت کا عفریت اپنے پھن اٹھائے پوری مسلم امہ کیلئے چیلنج بنا ہوا ہے اور اب واضح طور پر نظر آرہا ہے کہ عرب بلاک ، اپنے ملک میں کسی بھی انقلاب کے نام پر ہونے والی بغاوت کو کچلنے کیلئے پہلے ہی سانپ کا سر کچلنا چاہتے ہیں ، فرقہ وارنہ بنیادوں پر مسلم ممالک کی صف بندیاں ہو چکی ہیں، فرقوں کے درمیاں ، مسلکی اختلاف اب تشدد کے بام عروج پر پہنچ چکا ہے ، یمن کی غریب عوام عرب طاقت کے مقابلے کیلئے کیا کر سکتی ہے ، حوثی ملیشیا کی مدد کیلئے ایران کے اہم عسکری لیڈر کی شام اور یمن میں موجودگی اور براہ راست خانہ جنگی کی نگرانی خود ایک سوالیہ نشان ہے کہ ایک جانب 2011ء سے جاری شام میں ہونے والی بغاوت کو فرو کرنے کیلئے شام اور ان کے اتحادی طاقت کا بے دریغ مظاہرہ کر رہے ہیں اور شامی صدر کو ہٹانے کے مطالبات کو نظر انداز کر رہے ہیں تو دوسری جانب یمن میں بغاوت کو جائز قرار دیا جا رہا ہے۔اسی دو رخی عمل کی وجہ سے مسلم امہ واضح طور پر دو بلاکوں میں سنی اور شیعہ کے نام سے منقسم ہو تی جا رہی ہے اور مغربی طاقتوں کا یہ کھیل کامیابی کی جانب گامزن ہے کہ اسلام میں فرقہ وارنہ بنیادوں پر خانہ جنگیوں کو اس قدر ہوا دی جائے کہ مسلم امہ کی تباہی خود ان کے اپنے ہاتھوں ہی ممکن ہو جائے اور انھیں کسی بیرونی دشمن کی ضرورت نہ پڑے۔ حزب اللہ کے ایران نواز شیعہ ملیشیا حزب اللہ کے

بانی رہنما اور تنظیم کے سابق سیکرٹری جنرل صبحی الطیفلی نے یمن میں حوثی شدت پسندوں کے خلاف جاری سعودی عرب اور اتحادیوں کے آپریشن کی بہ ظاہر حمایت کی ہے ، ان کا موقف تھا کہ حزب اللہ خود شام میں صدر بشار الاسد کی حمایت میں لڑ رہی ہے اسے یمن میں جاری بغاوت کی حمایت نہیں کرنی چاہیے انھوں نے حزب اللہ کے سربراہ حسن نصر اللہ کی جانب سے سعودی عرب پر تنقید کو بھی مسترد کیا۔ سعودی عرب کے نئے فرمارواکی جانب سے یمن کو الٹی میٹم دینے کے ساتھ فیصلہ کن طوفان کے نام سے آپریشن کا آغاز اور پھر دیگر عرب ممالک کے ساتھ پاکستان کو اپنا اتحادی بنا کر حملہ آور ہونا، مشرق وسطی پر کیا اثرات رونما کریگا، یہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے ، خطے میں تبدیل ہوتی صورتحال میں ایران اور امریکہ و مغرب کے ساتھ نئے تعلقات پاکستان کیلئے ایک سوچ و فکر کا مقام ہے کہ کہیں افغانستان کی طرح ہم پرائے گھر میں آگ تو نہیں لگا رہے ، افغانستان میں امریکی مفادات کیلئے جنگ کے نتیجے میں طالبان پسندی کا طوفان امڈ آیا ، کہیں ایسا نہ ہو کہ یمن کی خانہ جنگی کے باعث فرقہ وارنہ طوفان سب کچھ بہا لے جائے۔ویسے بھی پاکستان میں فرقہ وارنہ خانہ جنگی کیلئے راہ کئی سال سے ہموار کی جا رہی ہی نہیں بلکہ کی جا چکی ہے !!۔

! اب ابابیلوں کا لشکر نہیں آنے والا

پاکستان کی پارلیمنٹ میں جنگ یمن کے حوالے سے مشترکہ اجلاس طلب کیا گیا اور اجلاس جس افراتفری اور سیاسی پوائنٹ اسکورنگ کا شکار ہوا یہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن بادی النظر واضح طور پر نظر آرہا تھا کہ وزیر دفاع، سعودی حکومت کو کچھ یقین دہانیاں کروا کر آچکے تھے۔ اس لئے جب پارلیمنٹ کا ماحول دیکھا تو ان کا رنگ اڑ چکا تھا، اب سعودی عرب اور امریکہ میں فرق تو ہونا ہی چاہیے، امریکہ کی حمایت کے لئے کسی پارلیمنٹ یا کسی سیاسی جماعت سے مشورے کی ضرورت سابق صدر کو نہیں پڑی تھی اور ایک فون کال پر کہ پاکستان کو پتھروں کے دور میں نہیں پہنچانا تو افغانستان میں امریکہ کی حمایت کرو، سعودی عرب زیادہ کیا کر سکتا ہے کہ پاکستانیوں کو ملازمت سے نکال دیگا۔اس کے علاوہ سعودی عرب کر ہی کیا سکتا ہے، وہ پاکستان پر حملہ نہیں کر سکتا، تیل کی سپلائی بند کرنے کہ دھمکی نہیں دے سکتا، عرب لیگ میں پاکستان تو شامل ہی نہیں، پھر وہاں سے نکالنے کا بھی عمل نہیں کر سکتا، شریف خاندان کا کاروبار ضرور وہاں ہے، ممکن ہے کہ ان کیلئے کچھ مشکلات پیدا کرے، سعودی عرب پاکستان کی معیشت مضبوط بنانے کیلئے کھربوں، اربوں ریالوں کی سرمایہ کاری تو کر نہیں رہا، پاکستان کو قرضے دے رہا ہے تو سود پر واپس بھی لے رہا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

سعودی حکومت

پاکستان پر اپنا اثر رسوخ کتنا بھی استعمال کرلے پاکستان اگر اپنی عسکری قوت کو نہ بھیجنا چاہیے تو اس سے پاکستان کی ذات پر کوئی فرق نہیں پڑنے والا، ہاں پاکستان کی ناراضگی ضرور، سعودی عرب کو مشکلات میں گرفتار کر سکتی ہے۔لیکن یہاں اس بات کا ذکر کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ تقریباََ ہر سیاسی جماعت کے سربراہ نے ایک بات مشترکہ کہی کہ اگر مکہ، مدینہ پر حملہ ہوا تو وہ سب سے پہلے آگے ہونگے۔ عجیب مضحکہ خیز صورتحال ہے، یمن میں حوثی باغی مسلسل پیش قدمی کر رہے ہیں، داعش کی جانب سے مسلمانوں کے اہم مقامات و مزارت کو تباہ کیا جارہا ہے، ان کا تقدس بھی تو دیکھنے کی ضرورت تھی، حضرت یونس علیہ السلام، سمیت انبیا کے مزارات، سمیت سیدہ زینب کے مزار کو داعش نے شہید کردیا اسی طرح تاریخی مقامات کو داعش اپنی جنگجوانہ فطرت کی بنا پر تباہ و برباد کر رہا ہے، کیا ان مقامات کا تحفظ کسی مسلمان پر فرض نہیں ہے، ویسے بھی ذرا تاریخ دیکھی لی جائے کہ جب مکہ پر حملے ہوئے تو دنیا بھر سے کتنے مسلمانوں نے مکہ کا تحفظ کیا تھا ؟۔

یزید بن معاویہ نے اپنے عہد حکومت میں اللہ کے مقدس گھر کعبہ پر منجنیقوں سے پتھروں کی بارش کی جس سے کعبہ کی دیواریں مخدوش ہوگئیں، روئی اور گندھک کے بڑے بڑے گولوں میں آگ لگا کر بیت اللہ میں پھینکے گئے، اس حرکت کی وجہ سے خلاف کعبہ میں آگ لگ گئی، کعبہ کی دیواریں جل کر سیاہ اور شکستہ ہوگئیں اور

چھت گر گئی۔ یہ واقعہ 64ء ھجری کا ہے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ نے کعبہ کی دوبارہ تعمیر کرائی۔ ۔بنو امیہ کے عہد میں خانہ کعبہ پر دوبارہ حملہ کیا گیا جس سے نہ صرف کعبہ کو نقصان پہنچایا گیا بلکہ حدود حرم میں بھی قتل و غارت گری کی گئی۔ 72 ھجری میں جب حجاز مقدس میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی کی حکومت تھی ایک لشکر حجاج بن یوسف کی قیادت میں مکہ میں حملہ آور ہوا، سنگ باری کی گئی جس سے کعبہ کی چھت گر گئی۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی اور ان کے ساتھی شہید ہوئے ، ایک روایت کے مطابق عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی کا سر کاٹ کر کعبہ کے پر نالے میں اٹکا دیا گیا اور لاش کو سولی پر اٹکا دیا۔ یہ شہادت کا واقعہ 73 ھ میں پیش آیا۔تاریخ اسلام میں ایک ایسے فرقے کا ذکر ملتا ہے جو حضرت محمد بن الحنفیہ کو نعوذ باللہ رسول مانتا تھا، اس فرقے کے لوگ صبح و شام دو وقت کی نماز پڑھتے تھے اور سال میں دو دن کے روزے رکھتے تھے ، انھوں نے اپنا قبلہ کعبہ کے بجائے بیت المقدس کو قرار دے رکھا تھا، اس فرقہ کو قرامطہ کہا جاتا ہے ، ایک زمانے میں ان کا اثر اس قدر بڑھ گیا تھا کہ حاجیوں کے ساتھ مارپیٹ کرکے ان کا سامان لوٹ لیتے تھے انھوں نے کعبہ کے اندر حاجیوں کو قتل کرکے ان کی لاشیں زمزم کے کنواں میں ڈال دیں اور کعبہ کی عمارت کو توڑ ڈالا، اس کے سردار طاہر نے حجر اسود کو گرز مار کر توڑ ڈالا اور یمن لے گیا جہاں اس کی حکومت قائم ہو گئی تھی ۔ وہ یہ بھی اعلان کرتا گیا کہ آئندہ حج مکہ میں نہیں یمن میں ہوا کرے گا، بیں

سال تک حجر اسود کعبہ سے دور رہا، یہ وقعہ 318ھ ھجری کا ہے جبکہ بنو عباس کی خلافت کا زمانہ تھا اور مقتدر باللہ خلیفہ تھا، اسی کے ساتھ مصر میں فاطمی سلطنت کا بھی آغاز ہو چکا تھا۔

یہ سب اس وقت ہوا جب پوری دنیا میں مسلمانوں کی طاقت کا لوہا مانا جاتا تھا، مسلمان ساری دنیا میں طاقت ور قوم سمجھے جاتے تھے اور ان کے نام سے قیصران کانپ اٹھتے تھے ، ٹھیک اسی وقت مکہ و مدینہ کے تقدس کی حرمت کو پامال کیا گیا اور بربریت کی ایسی تاریخ رقم کی آج تک مسلمان اپنی اس ذلالت کو بھلائے نہیں بھول سکتے ، کلمہ اسلام پڑھنے والوں اور ایک اللہ وایک رسول ﷺ کا نام لینے والوں نے ہی ایسی حرکات کا ارتکاب کیا جس کے تصور سے کافر افرنگ بھی کانپ اٹھے ، ہماری بد قسمتی ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح رسول اکرم ﷺ کی پیدائش سے ایک سال قبل یمن کے بادشاہ ابرہہ نے مکہ پر حملہ کیا اور خانہ کعبہ کو مسمار کرنا چاہا تو ابابیلوں نے حفاظت کی ، تو آج بھی ابابیل ہی حفاظت کریں گی ۔ہاتھیوں کی عظیم فوج کو نازک سی چڑیوں نے اپنی چونچ میں کنکریاں سے ہاتھی والی فوجیوں کو مار گرایا۔قرآن کریم میں یہ واقعی سورۃ فیل میں موجود ہے۔لیکن اس کے بعد جب دنیا پر مسلمانوں کا غلبہ ہوا اور اسلام کے نام لیواؤں نے اسلام کے نام پر حجاز مقدس میں بربریت کی تاریخ رقم کی تو کسی بھی مسلم حکومت یا کروڑوں مسلمانوں نے اس واقعے پر

جابر حکمرانوں کے خلاف علم بغاوت بلند نہیں کیا۔ کس قدر اتفاق کی بات ہے کہ خانہ کعبہ پر ہاتھی کی فوج لیکر حملہ آور ہونے .براہہ کا تعلق بھی یمن سے تھا، اور قرامطہ کا تعلق بھی یمن سے تھا، دونوں خانہ کعبہ کی حرمت اور اس کے تقدس سے حسد کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ کعبہ کا تقدس ختم ہو جائے ۔ بیس سال تک حجر اسود یمن میں رہا لیکن کسی بھی مسلم ملک نے حجر اسود کو واپس لانے کیلئے کوئی عمل نہیں کیا۔اب دوبارہ یمن میں ایک حوثی باغیوں کی بغاوت نے سر اٹھایا ہے ، داعش بھی حجاز مقدس تک رسائی چاہتا ہے اور اس کے ارادے بھی وہی ہیں کہ جس طرح مقدس اسلامی استعاروں کی بے حرمتی کی اسلام کے نام پر حجاز مقدس میں اپنا مذموم ارادہ کامیاب کرے ۔ شاید آج کے مسلم ممالک ، بمعہ پاکستان کسی نور الدین زنگی کا انتظار کر رہے ہیں کہ انھیں بھی کوئی بشارت ملے اور وہ پھر جا کر کعبہ کے ارد گرد سیسہ پلائی دیوار بنا دیں، تو معذرت کے ساتھ ، ترقی یافتہ مغربی تہذیب کے دلداہ مسلمانوں کے جذبہ ایمانی ، یہود و نصاری کی خواہشات کے تابع ہوگئے ہیں اور بہت قلیل تعداد اہل ایمان کے درجے پر فائز نظر آتی ہے ۔ داعش نے اسلام کا جو تشخص دنیا کے سامنے رکھا ہے اس پر کسی بھی مسلم ملک کی جانب سے عملی رد عمل نہ ہونا ثابت کرتا ہے کہ حوثی باغیوں کی پیش قدمی اگر سعودی سرزمین پر ہوئی تو کوئی بھی مسلم ملک انھیں روکنے کے لئے زبانی جمع خرچ سے زیادہ آگے نہیں .بڑھے گا۔ابھی تو سعودی حکومت کسی نہ کسی طرح اس جنگ کے اخراجات .برداشت کرلے گی جب سعودی حکومت ہی

نہ رہے تو کون سا ایسا اسلامی ملک ہے جو آگے بڑھ کر باسٹھ اسلامی ممالک کی کمان اپنے ہاتھ میں سنبھالے گا۔ عرب اسرائیل جنگ میں صرف چند دنوں میں عرب افواج کی شکست ہمیں اشارہ دے رہی ہے کہ بغاوت کے عظیم طوفان کو آگے بڑھنے سے پہلے روکنا ضروری ہے۔آج بھی غیب سے اہل ایمان کیلئے یہ صدا گونج رہی ہے کہ۔۔۔

اپنے کعبہ کی حفاظت تمہیں خود کرنی ہے

اب ابابیلوں کا لشکر نہیں آنے والا۔۔۔

ظلم کی تاریکی چھٹنے والی ہے

مسلمانوں کے خلاف جہاں یہود و نصاری کی دشمنی ازلی ہے تو امت مسلمہ کے خلاف ہندو دشمنی بھی دائمی ہے۔اگر کوئی شخص یہ فریب نفس رکھتا ہے کہ امن کی آشا کے نام پر ہندو، مسلم قربتیں بھائی چارے میں تبدیل ہوجائیں گی تو ہمیں ہندوستان کے وزیر دفاع مسٹر جون کا وہ بیان دوبارہ پڑھ لینا چاہیے جو ستمبر 65ء کی جنگ میں پاکستان سے شکست کھانے کے بعد دیا گیا تھا۔ مسٹر جون کا کہنا تھا کہ "پاکستان اور ہندستان کے درمیان اسی دن مخاصمت کی بنیاد رکھ دی گئی تھی جس دن پاکستان معرضِ وجود میں آیا تھا۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان آئیڈلوجی کا اختلاف ہے۔ اس کے سوا کوئی اختلاف نہیں اور یہ اختلاف اور دشمنی مہینے اور ہفتے بھر کی نہیں بلکہ سالہاسال تک رہے گی، بھارت کو اس لئے ایک فیصلہ کن جنگ کیلئے تیار رہنا چاہیے۔"

کچھ پرانی بات نہیں ہے کہ ایسے یاد نہ کیا جاسکے۔ لال بہادر شاستری نے این۔ سی۔ سی کے ایک اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ " پاکستان جو ہمیشہ اسلام کی اصطلاح میں سوچتا ہے اس دھوکے میں ہے کہ وہ کشمیر کو اس لئے ہڑپ کرلیگا کہ وہ مسلم اکثریت کا علاقہ ہے۔ یہ پاکستان کی خام خیال ہے، ہندوستان میں

پانچ کروڑ مسلمان بستے ہیں اگر پاکستان یہ سوچتا ہے کہ وہ مسلم اکثریت کے بل پر کشمیر کو لے سکتا ہے تو اسے اچھی طرح سوچ لینا چاہیے کہ اس صورت میں ہندوستان کے "پانچ کروڑ مسلمانوں کا کیا ہوگا۔

آج جو کچھ کشمیر میں ہو رہا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ یہ ہندو انتہا پسند حکومت کے خلاف کشمیری عوام کے دل کی آواز ہے کہ آج لاکھوں فوج کشمیر میں قابض ہیں لیکن اس کے باوجود پاکستان کا پرچم لہرادیا جاتا ہے۔ ہندوستان کی سرزمین ہو تو بھی پاکستانی قومی ترانے کی گونج ہندو انتہا پسند حکمرانوں پر بجلی بن کر گرتی ہے اور تلملا جاتے ہیں۔ کشمیری مسلمان اپنا حق حاصل کرنے کیلئے کئی دہائیوں سے جد وجہد کر رہے ہیں لیکن اقوام متحدہ کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی کہ آخر یہ مظلوم عوام بار بار بھارتی فوجیوں کے تشدد اور فائرنگ کے سامنے آکر خود کو نشانہ کیوں بناتی ہیں ، اقوام متحدہ اپنے ہی قوانین و قراردادوں پر عمل کیوں نہیں کرتی۔

پاکستان کے حصول کیلئے مسلمانان ہند نے بڑی قربانیاں دیں ہیں 15 اگست 1947ء نظریاتی بنیاد پر ، دو قومی نظریئے کے تحت دو ممالک دنیا کے نقشے پر نمودار ہو چکے تھے دو روز بعد مسلمانوں نے آزادی کی فضا میں پہلی عید منائی لیکن ہنوز نماز عید کی تکبیریں پوری بھی نہیں ہوئی تھیں کہ مشرقی پنجاب اور

اس کی ریاستیں نابھ، پٹیالہ، کپورتھلہ، فرید کوٹ سے مسلمانوں کے منظم اور وسیع پیانے پر قتل عام کی خبریں آنا شروع ہوگئیں، اس قتل و غارت گری میں ہزاروں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا، عورتوں کو اغوا کرلیا گیا، بچوں کو سنگینوں کی نوک پر اچھالا گیا، عصمت دری کے واقعات ہونے لگے بعض شہروں میں مردوں کو ختم کرکے نوجوان عورتوں کے برہنہ جلوس نکالے گئے۔چند ہی ہفتوں کے اندر اندر تقریباً پانچ لاکھ مسلمان قتل کردیئے گئے، اس کے بعد قتل و غارت گری کی اس آگ کا رخ دہلی کی طرف پھرا اور ہندستان کے دارالسلطنت میں پورا ستمبر کا مہینہ اس قسم کے قتل عام میں گزرا جس کی مثال تاریخ کے اوراق میں کہیں نہیں ملتی۔ ایک اندازہ کے مطابق اس خونی تماشے میں بھارت میں قریب دس لاکھ مسلمان قتل و غارت گری کے نذر ہوئے اور قریب ایک کروڑ مسلمان، انتہائی کسمپرسی کے عالم میں، کسی نہ کسی طرح جان بچا کر پاکستان پہنچ گئے۔تارکینِ وطن کے ساتھ راستے میں کیا گذری، اس پر صفحہ قرطاس بھی کم پڑ جائے لیکن نوجوان نسل کو چند واقعات کا ذکر کرتا چلوں کہ نومبر 1947ء میں ضلع انبالہ کے کرالیا کیمپ سے پانچ ہزار پناہ گزینوں کا قافلہ لائیپور کے قریب پہنچا، ان میں سے دو ہزار مختلف بیماریوں میں مبتلا تھے، ان میں پیچش کا مرض عام تھا، اس کیمپ میں انہیں جو کھانا کو دیا جاتا تھا جب اس کا کیمیاوی تجزیہ کیا گیا تو اس میں نیلا تھوتھا کا زہر ملا ہوا تھا، ایک گاڑی 11 نومبر کو دہلی پہنچی تو اس میں سفر کرنے والی عورتوں

اور لڑکیوں نے بتایا کہ حکومتِ ہند نے جو سپاہی ان کے حفاظت کے لئے متعین کئے تھے انہوں نے کس طرح ان عصمت دری کی، ایک ٹرین میں قریب ڈیڑھ ہزار پناہ گزین دہلی سے آ رہے تھے کہ امرتسر کے قریب ان سب کو ختم کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ دنیا کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی لیکن مسلمانوں کی تباہی کو بچانے کے لئے کوئی آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔

امن و عدم تشدد کے نام نہاد علمبردار مہاتما گاندھی نے 26 ستمبر 1947ء کی شام اپنی ایک پراتھنا کی میٹنگ میں کہا تھا کہ "اگرچہ میں نے جنگ کی ہمیشہ مخالفت کی ہے لیکن اس سلسلہ میں پاکستان سے انصاف حاصل کرنے کا کوئی اور طریق کارگر نہ ہوا تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا کہ ہندوستان، پاکستان کے خلاف جنگ کرے"۔

آج جو کچھ ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ ہو رہا ہے وہ دراصل لال بہادر شاستری کی اُسی دھمکی کا عملی مظاہرہ ہے جو کشمیر کے حوالے سے دھمکی دی گئی تھی کہ کشمیر کی آزادی کی تحریک میں جس قدر تیزی لائی جائے گی ہندوستان کے مسلمان اور کشمیر کے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جائے گا۔ آج کشمیر میں بھی یہی ہو رہا ہے۔ کشمیری نوجوانوں کو پاکستان کے ساتھ محبت کی سزا دی جا رہی ہے بلکہ بھارت کی شہ پر اس کا دم چھلا بن جانے والی بنگلہ دیش کی

حکومت پاکستان کیلئے جد وجہد کرنے والوں کو مسلسل تختہ دار پر لٹکا کر بھارت نواری کا حق ادا کر رہی ہے۔ بنگلہ دیش یہ نہیں سوچتا کہ اس کا وجود کسی لسانی اکائی کی بنیاد پر نہیں بنا تھا بلکہ متحدہ پاکستان کا مقصد دو قومی نظریہ تھا، اگر بنگلہ دیش پاکستان کی اساس کو نہیں مانتا تو کیا اس نے اسلام کا نام استعمال کرنا چھوڑ دیا ہے کہ وہ آج تک بنگلہ دیش بننے کے مخالفین، متحدہ پاکستان کے حمایتوں کو پھانسی کی مسلسل سزا دے رہا ہے، بنگلہ دیش کا وجود پاکستان کے دو قومی نظریہ کے مرہون منت تھا اور ہے، وقت ثابت کرے گا کہ لسانیت اور قوم پرستی پر جذبہ امت مسلمہ غالب آ کر رہے گا۔ آج کشمیر میں کشمیری اس لئے اپنی جان کی بازی نہیں لگا رہے کہ وہ کشمیری نسل کا احیا چاہتے ہیں بلکہ ان کے جسموں پر کفن کی جگہ پاکستان کا جھنڈا لپٹا ہوتا ہے، ان کے سر پر کفن کی جگہ پاکستان کا جھنڈا بندھا ہوتا ہے ان کے سینوں پر جب گولی ماری جاتی ہے تو پہلے پاکستان کا پرچم زخمی ہوتا ہے پھر کشمیری جسم چھلنی ہوتا ہے۔ ہندوستان میں رہنے والے مسلمان کب تک بھارتی ہندو انتہا پسندوں کے مظالم کو برداشت کرتے رہیں گے ایک وقت یقینی جلد آئے گا کہ ہندوستان میں ایک نئے پاکستان کا جنم ہوگا، ظلم کی کوکھ سے مظلوم نے اپنا حق حاصل کیا ہے۔ ہر بڑھتے ظلم کو حساب دینا ہوتا ہے۔ پاکستان میں رہنے والے وہ لوگ جنھوں نے ظلم کے دریا عبور کرکے اس پاکستان کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا آج چند عناصر کے ہاتھوں مشکلات کا شکار ضرور ہے لیکن

انھیں اس بات کا یقین ہے کہ ظلم کی اندھیری رات کے بعد ایک خوبصورت صبح کا آغاز بھی ہوتا ہے، ہندوستان کے مسلمان بھی اسی صبح کیلیئے تاریک گھپ اندھیرے میں کشمیری مسلمانوں اور اپنے ساتھ ہونے والے ظلموں کو ایک وقت تک ہی برداشت کر سکتے ہیں ہمیشہ نہیں۔ ظلم کی تاریکی بہت جلد چھٹنے والی ہے۔ انشا اللہ ۔۔۔۔

کیا ذلت ہم سے دور ہے؟

مملکت شام کی ہر شام، شام غریباں اور ہر دن کربلا ہے جہاں سوائے مظلوموں و بے گناہوں کے خون سے ہولی ہی نہیں کھیلی جا رہی بلکہ دین اسلام کو تمام دنیا کے سامنے فرقہ وارنہ بنیادوں پر تماشہ بنایا جا رہا ہے۔ شام کی چار سالہ خانہ جنگی میں اب تک دو لاکھ بیس ہزار سے زائد کی ہلاکتیں اقوام عالم کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے کہ ایک جابر حکمران کی ضد میں اس کی دہشتگردانہ پالیسیوں کے سبب بے گناہوں کا خون پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ مارچ 2011ء سے شروع ہونے والی خانہ جنگی میں ہلاکتوں کا ریکارڈ جمع کرنے والی شامی مبصر گروپ برائے انسانی حقوق کے اعداد و شمار میں بتایا گیا کہ دو لاکھ بائیس ہزار ہلاکتوں کا ریکارڈ جمع کیا گیا۔ ہلاک ہونے والوں میں 67 ہزار عام شہری جن میں گیارہ ہزار بچے بھی ہیں۔ ان اعداد و شمار میں بیس ہزار افراد کے نام شامل نہیں ہیں جنہیں لاپتہ افراد کی فہرست میں رکھا گیا ہے۔

شام کے مسئلے پر جس طرح بین الاقوامی طاقتیں خاموش ہیں اور شام کی روز بہ روز بگڑتی صورتحال پر قابو نہیں پایا جا رہا تو اس ضمن میں مسلم عرب ممالک کے نو رکنی اتحاد پر یہ لازم بھی ہو جاتا ہے کہ یمن کی بغاوت کو کچلنے کیلئے

جس طاقت و اتحاد کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے، شام میں بھی جابر و ظالم حکومت کے خاتمے کیلئے اپنا کردار ادا کرے اور شام کی عوام کو جابر و ظالم حکمران سے نجات دلائے۔ بد قسمتی سے امت واحدہ کے تصور کو جب بھی فرقہ واریت نے پامال کیا، شام و عراق کی طرح سانحات رونما ہوتے رہے ہیں، اسلام کو سب سے زیادہ فرقہ واریت نقصان پہنچا رہی ہے، فرقہ وارنہ مسالک کی وجہ سے دین واحد کا تصور مفقود ہوتا جا رہا ہے ایسا لگ رہا ہے جیسے دنیا جہاں صلیبی اور غیر صلیبی ممالک میں تقسیم ہو رہی ہے تو دوسری جانب مسلم ممالک کو فرقہ واریتکے نام پر ٹکڑے ٹکڑے کیا جا رہا ہو۔ کسی غیر مسلم ملک کو کسی مسلم کے داخلی مسائل میں صرف اسی صورت دلچسپی ہو سکتی ہے جب وہ دنیا میں اپنا من پسند نظام لا کر دیگر اقوام کو محکوم بنانا چاہتا ہو۔ اگر ہم دنیاوی سیاست کا اجمالی جائزہ لیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ استعماری قوتیں دنیا میں اپنا نظام لانے کیلئے اپنے طے شدہ منصوبوں پر باقاعدگی سے عمل پیرا ہیں۔ عیسائی چاہتے ہیں کہ ان کا نظام ساری دنیا پر رائج ہو جائے، اس کیلئے انھوں نے اپنے عقیدے کو سامنے لاتے ہوئے کہ یہودیوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کا قتل کیا تھا اور انھیں (نعوذباللہ) مصلوب کیا تھا اس لئے انھیں ان ناپاکوں کو اس دنیا سے پاک کر دینا چاہیے، لہٰذا یہودیوں کو جہاں پاو، قتل کر دو پر عمل کرتے ہوئے جہاں ہٹلر نے ڈھیر کے ڈھیر لگا دیئے کہ آج دنیا اس معاملے کو ہولوکاسٹ کہتی ہے اور اس پر مغرب میں بحث بھی ممنوع کر دی گئی ہے، لیکن

پاپائیت کا یہ ایجنڈا اس سے قبل مسلمانوں پر آزمایا گیا اور صلیبی جنگوں کا آغاز کیا گیا لیکن انھیں پے در پے شکستوں کی وجہ سے مسلمانوں نے پسپا کرنے پر مجبور کر دیا۔ پاپائیت حضرت عیسی کی آمد سے قبل دنیا میں اس عقیدے کو فروغ دینا چاہتے ہیں کہ دنیا میں صرف عیسائیت باقی رہے، اس لئے جب نائن الیون کا واقعہ رونما کرایا گیا تو امریکہ نے ایسے صلیبی جنگوں کا آغاز قرار دیا۔ مسلم ممالک پر مغرب کی جارحیت بھرپور طاقت کے ساتھ کی گئی اور مسلم ممالک پر اقوام متحدہ کی آڑ لیکر بے گناہ شہریوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ چونکہ مغرب میں یہودیوں نے خود کو مضبوط کر لیا تھا اس لئے انھوں نے جمہوریت کی افسوں گری کا سہارا لیکر پاپائیت کے پیروکاروں کو اپنا غلام بنانا شروع کر دیا۔ جمہوریت کے نام پر ریاست کی طاقت کو کمزور کر دیا اور انسانی مالی و معاشی وسائل پر بتدریج قبضہ کرتے ہوئے خود کو خدا کیجیمیتی اولا اور دنیا پر غلبے حاصل کرنے کے وعدے کے خود ساختہ مفروضے کے تحت مسلم ممالک کو ہی مشق ستم بنانا شروع کر دیا۔ یہاں انھوں نے بھی اسی مفروضے اور اپنے عقائد کی بنا پر دنیا پر صہیونی حکمرانی کے لئے سازشوں کا جال بنا اور عیسائیت کے مقابلے میں انھوں نے اپنے ساتھ ہونے والے قتل و غارت گری کا انتقام مسلمانوں سے لینا شروع کر دیا۔ عرب ممالک کو شکست دیکر عربوں کی زمین پر قبضہ کرکے یہودی عالمی حکومت کا ہیڈ کواٹر اسرائیل کی صورت میں بنا لیا، عیسائی ممالک پر جمہوریت اور معاشی پالیسیوں کے نام پر وہ پہلے ہی قبضہ

کر چکے تھے ان کے سامنے حائل ہونے والے صرف مسلم امہ تھی اس لئے انھوں نے مسلم امہ کی کمزوریوں کو نشانہ بنانا شروع کیا اور جہاں جہاں تفرقہ شدت کے ساتھ متشدد نظر آیا اپنے ایجنٹوں کو استعمال کرکے مسلم امہ میں تفرقے کی دراڑیں ڈال دیں۔ جس طرح عیسائیت میں حضرت عیسی علیہ السلام کی واپسی اور یہودیوں میں حضرت عزیز علیہ السلام کی واپسی اور عالمی حکومت قائم کرنے عقیدہ موجود ہے تو اسی طرح مسلمانوں میں بھی دجال اور حضرت عیسی علیہ السلام کی واپسی کے بعد اسلام کے غلبے اور غیر مسلموں کے خاتمے کے بعد عالمی مسلم حکومت کا عقیدہ پایا جاتا ہے لیکن یہاں فرق صرف اتنا ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے باقاعدہ اپنے عقیدے کی جانب منصوبہ بندی سے رخ کیا ہوا ہے لیکن ابھی تک مسلم امہ کی جانب سے اس قسم کی کوئی منصوبہ بندی نظر نہیں آتی تھی لیکن موجودہ صورتحال میں مسلم امہ دو بڑے مسالک میں کچھ اس طرح تقسیم ہوئی ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ دونوں بڑے مسالک سب سے پہلے اپنے مسالک کے نام پر مسلم ممالک میں اپنے نظریئے کی بنیاد پر مملکتیں قائم کرنے کے خواہاں ہوں۔ عراق ، شام ، یمن، مصر، لیبیا ،افغانستان اور پاکستان کی صورتحال دیکھ لیں تو دوسری جانب، عرب ممالک کی جانب سے عرب ممالک میں ہونے والی بغاوتوں پر مسالک کے نام امداد وکاروائیوں کی صورتحال دیکھ لیں تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ

مسلم امہ دو بڑے واضح گروپوں میں تقسیم ہوچکی ہے اور نہ چاہتے ہوئے بھی ایک عام مسلمان اسصورتحال سے متاثر ہوئیبغیر نہیں رہ سکا ہے۔

مورخہ چھ فروری 2015ء کو یمن میں باغیوں نے ملک میں دو سال کیلئے صدارتی کونسل اور عبوری پارلیمنٹ کے قیام کا اعلان کیا، پانچسو اکیاون اراکین پر مشتمل ایک عبوری پارلیمنٹ کی تشکیل کا اعلان بھی کیا گیا۔تہران کے رکن اسمبلی علی رضا زاکانی نے ایک بیان جاری کیا تھا جس میں انھوں نے کہا کہ "ایران اب چار عرب دارالحکومتوں پر اختیار رکھتا ہے، بغداد، دمشق، بیروت اور اب صنعا۔" یہاں مسلم ممالک آپس میں مسالک کے نام پر دست و گریبان ہیں اور مسلم ممالک پر اپنے نظریئے کے مطابق اجارہ داری قائم کرنا چاہتے ہیں تو دوسری جانب مسلمانوں کے ساتھ دیگر ممالک میں ہونے والے امتیازی سلوک پر موثر آواز اٹھانے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ مثال کے طور پر مرکزی افریقہ کے دورے کے دوران اقوام متحدہ میں امریکہ کی سفیر سامنتھا پاور نے بتایا کہ مرکزی افریقہ میں تشدد کے بعد تقریبا تمام 417 مساجد کو مسمار شہید) کردیا گیا۔اقوام متحدہ کے عہدے داروں نے مرکزی افریقہ میں ہونے والی) تباہی کو ہولناک قرار دیا اور کہا کہ مسلمان محلوں میں رہنے والے شدید وحشت کا شکار ہیں۔برسلز کے انٹرنیشنل کرائسس سینٹر نے بھی مرکزی افریقہ کی صورتحال کو انتہائی تشویش ناک قرار دیتے ہوئے کہا کہ یورپی یونین کی فورسز نے بھی

امن قائم کرنے میں کوئی مثبت کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ افریقی یونین، فرانسیسی افواج اور مرکزی افریقہ کی افواج نے بھی پائیدار امن اور شہریوں کے تحفظ کیلئے ناتوانی کا مظاہرہ کیا"۔ دوسری جانب فرانس اور مغربی ممالک میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کردیا گیا ہے تو جب سے بھارت میں انتہا پسند ہندو حکومت آئی ہے، بھارتی مسلمانوں کو چین سے سانس لینا نصیب نہیں ہو رہا اور آئے دن بھارتی مسلمانوں کو تنگ کرنے کیلئے نت نئے قوانین بنائے جارہے ہیں اور مسلمانوں کو تیسرے درجے سے بھی نیچے کے شہری کے طور پر بھی جینے کا حق نہیں دیا جارہا۔ دنیا کے نئے نقشے میں کس کی عالمی حکومت قائم ہوگی کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ لیکن ایک بات بہت وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ مسلم امہ کو انتہائی مشکلات کا سامنا ہے، مسالک اور فرقہ واریت کے نام پر شام اور عراق میں جس طرح کے ظلم ڈھائے جارہے ہیں ایسے دیکھ کر لگتا ہے کہ اسرائیل اور امریکہ کا ظلم کچھ بھی نہیں ہے۔ اب یمن میں فرقہ وارنہ باغیوں کی جانب سے ان کے مسالک کے برخلاف کیا نتائج سامنے آتے ہیں اس پر تھوڑا اطمینان اس لئے ہے کہ نو رکنی عرب اتحاد کی جانب سے باغیوں کی بیخ کنی شروع کردی گئی ہے اور ان کی کمر توڑ دی گئی کہ ان کا سرپرست سابق صدر عبداللہ صالح خلیجی ممالک میں اپنے اور اپنے خاندان کیلئے پناہ کی بھیک مانگنے پر مجبور ہوگیا ہے۔ خلیجی ممالک نے علی عبداللہ صالح کی ایلچی ابوبکر القربی کے مشن کو رد کرتے ہوئے سابق صدر کا حوثی باغیوں سے اتحاد اور پھر ان سے علیحدگی کے

اعلان کو ان کے سیاسی اور اخلاقی افلاس کا ثبوت قرار دیتے ہوئے درخواست کو رد کر دیا۔ اگر ہم مسلم ممالک اپنے فرقہ وارنہ اور مسالک کی جنگ میں اپنا قبلہ درست نہیں کریں گے تو ایسی ذلت کا سامنا دور نہیں ہے جب عالمی حکمرانی کے دو بڑے فریقین کی ریشہ دیوانیوں کے سبب ہمارے پاس کچھ بھی باقی نہ رہے۔ ہمیں غیر جانبدار ہو کر یہ سوچنا ہوگا اور ارباب اختیار کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ کیا ذلت ہم سے دور ہے ؟

جنگ یمن کے حوالے سے یہ بات بھی شدت سے دوہرائی جاتی ہے کہ یمن میں حوثی قبائل کی پیش رفت سعودی عرب کی جانب نہیں ہوگی لہذا سعودی حکومت سمیت کسی بھی مسلم ملک یا مغربی ملک کو اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

ماضی میں یمن کی جانب سے مکہ کی حرمت کی پامالی کوئی نئی بات نہیں رہی ہے۔ یہ تلخ تاریخی حقیقت ہے کہ ماضی میں یمن سے تعلق رکھنے والے ابرہہ، قرامطہ اور امام مہدی کے دعویداروں نے مکہ کے تقدس کو پامال کرنے کی کوشش کی تھی۔ ابرہہ نے تمام معاشی واقتصادی فوائد کے حصول کیلئے "القلیس" نامی ایک کلیسا تعمیر کیا تھا اور شاہ حبش کو خط لکھا کہ "عربوں کا رخ حج کعبہ سے اس کلیسا کی طرف موڑے بغیر نہیں رہوں گا۔" ابرہہ کی اس جسارت سے قبل بھی حسان بن عبد کلال نے خانہ کعبہ جو کہ دنیا بھر کا معاشی تجارت کا ایک اہم استعارہ تھا اس کے فوائد حاصل کرنے کیلئے سازشیں کیں تھی اور مکہ آنے والے قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے، حضور نبی اکرم ﷺ کے جد امجد نفر بن مالک نے مکہ کے قبائل کے اسد، کنانہ، جذام، خزیمہ اور مضر کے ساتھ ملکر حسان بن عبدالکلال حمیری کے لشکر پر حملہ کرکے شکست دی اور انھیں گرفتار کیا تین سال بعد فدیہ دیکر رہا ہوا اور یمن واپس جاتے ہوئے راستے میں مر گیا۔ قرامطہ کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ ان کا تعلق بھی

یمن سے تھا اور حجر اسود کو بیس سال تک یمن میں رکھا۔اگر کسی کی یادداشت متاثر ہوئی ہے تو ان کے لئے عرض ہے کہ حال 1979 ہی میں یمن سے تعلق رکھنے والے مسلح افراد نے نجد کے بعض لوگوں سے ملکر خانہ کعبہ پر قبضہ کیا۔ان کے سربراہ یمان بن محمد بن سیف بن سیف العتوبي کا مطالبہ تھا کہ مسلمان ان کے لیڈر محمد بن عبداللہ القهتائی کی پیروی کریں جو مہدی ہے (نعوذ باللہ) ..اس فتنے کو ختم کیا گیا تو 1987ء میں خانہ کعبہ پر باقاعدہ قبضہ کرلیاگیا۔اس فتنے کو بھی فرد کیاگیا گرفتار ہونے والے مسلح افراد کے سربراہ محمد حسن علی محمدی نے اعتراف کیاکہ اسے خانہ کعبہ پر قبضہ کرنے اور دھماکہ خیز آتش گیر مادہ سے تباہی کا مشن سونپاگیا تھا۔یمنیوں کی جانب سے حرص و ہوس کی بنیادپر خانہ کعبہ پر قبضوں کا سلسلہ کوئی پہلی بار نہیں ہوا۔ہم اگر تھوڑا اور پیچھے جائیں تو 575ء میں کسریٰ نوشروان نے سنگین جرائم میں قید 800افراد کو وہرز کی سربراہی میں یمن پر قبضے کیلیے بھیجا اور اس وقت ابرہہ کا بیٹا مسروق ان کے مقابلے میں شکست کھاگیاتو نوشروان نے یمن کو فارس کا صوبہ بنا دیا۔تب سے یمن کے کچھ قبائل ایران کے زیر اثر ہیں اور حوثی قبائل کی پشت پناہی کے ٹھوس الزامات کے سبب ایران حوثی اور زیدی قبائل کی مدد سے یمن میں اپنااثر رسوخ پختہ کرنا چاہتا ہے کیونکہ یمن کی بندرگاہ عدن اور ایران کی بندرگاہ چاہ بہار مشترکہ تجارتی راہدری بن کر مشرق و مغرب میں تجارتی اجارہ داری قائم کر سکتے ہیں۔حوثیوں کی جانب سے یمن میں پہلی بار

بغاوت نہیں کی جا رہی بلکہ ان کی تاریخ بغاوتوں سے بھری پڑی ہے۔ یمن میں باغیوں کے قبضے کے بعد کچھ طاقتوں کا اثر رسوخ خطے میں طاقت کو توازن بگاڑ سکتا ہے اور خاص کر پاکستانی بندرگاہ گوادر کے پوری طرح فنکشنل ہونے کی بنا پر بندرگاہ' چار بہار' نامی بارگاہ پر پر گہرا اثر پڑنے کا احتمال ہے۔ بعض حلقے اس بات پر بضد ہیں کہ حوثی قبائل اور یمن حکومت کی درمیان خانہ جنگی کا رخ مکہ کی جانب نہیں موڑ سکتا، لیکن تاریخ کے تلخ صفحات سچائی کا کھرا رخ دکھاتے ہیں کہ یہ محدود جنگ نہیں ہوگی ۔ خاص طور پر جب عسکریت تنظیم حزب اللہ نے میڈیا میں انٹرویو دیتے ہوئے کھلے عام یہ دھمکی دی ہو کہ ہم نے ایک لشکر تیار کرلیا ہے ہم عنقریب حرم شریف میں نماز ادا کریں گے۔جب" حزب اللہ کے رہنما سے پوچھا گیا کہ کیا اس سے مراد یہ ہے کہ آپ لوگ حرمین شریفین پر حملہ کریں گے ؟ تو جواب دیا گیا کہ "ہم سعودیہ کے ملحد و بے دین اور کافرانہ نظام کو تہس نہس کریں گے اوران کو بھی ختم کریں گے جو فوجی طاقت پیدا کر رہے ہیں۔ حزب اللہ کا کہنا تھا کہ " امام مہدی قریب الظہور ہیں اور عنقریب آئیں گے ہم ان کی معیت میں سعودیہ کا رخ کریں گے اور سعودیہ کو آزاد کرائیں گے "۔لبنان میں 1980ء میں بنائی جانے والی اس تنظیم کا مقصد اسرائیلی فوجی دستوں کا انخلا تھا، شروع میں ان کے مقاصد میں خاص مسلک کی طرز کی اسلامی ریاست بنائے جانا بھی شامل تھا لیکن ایسے کچھ وقت کیلئے موخر کردیا گیا۔ ایران مکمل طور پر اسرائیل کے خلاف طویل عرصے سے مالی اور عسکری مدد

فراہم کرتا رہا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسرائیل کے خلاف اس تنظیم نے عوام کے دلوں میں جگہ بنائی اور مقبولیت حاصل کی لیکن یمن کے معاملے پر لبنانی حکومت کی موقف کے برخلاف حزب اللہ کا جارحانہ انداز دوسرے مسالک کیلئے پریشان کن ثابت ہو رہا ہے۔ یہاں حرمین شریفین کے خلاف دیگر سازشوں کا ذکر بھی کرتا چلوں کہ یہودی لابی نے حرمین شریفین کے گرد اپنے 31 اڈے قائم کر لئے ہیں۔ اسرائیلی بحریہ کے سربراہ نے کہا تھا کہ " ہم ایسے منصوبے پر کام کر رہے ہیں جس کے نتیجہ میں بحر احمر ہمارے ہاتھوں میں ہوگا، پھر یہ بحر یہودی یا بحر اسرائیل کہلائے گا۔ "ایک یہودی سازش منظر عام پر آچکی ہے کہ سعودی عرب کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے، ایک حصہ منطقہ شرقیہ جس میں دمام، حفوف اور خیبر کے اہم شہر شامل ہیں، دوسرا حصہ ریاض اور جدہ سمیت حجاز کے دیگر علاقوں پر مشتمل ہو، مکہ اور مدینہ کو ملا کر ایک خود مختاری 'ہولی سٹیٹ' بنائی جائے جس کا کل رقبہ 500 کلو میٹر تجویز کیا گیا باقی جو علاقے بچے اس پر الگ ریاست قائم کی جائے بظاہر ایسا ہی نظر آتا ہے کہ یمنی جنگ کی پشت پر یہی سازش کارفرما ہے اور مسلمانوں کے فرقوں کے اختلاف کا فائدہ اٹھا کر اسرائیل اپنے مذموم ارادوں کو کامیاب بنانے کی سعی مسلسل کر رہا ہے۔ یہ سازش 30 فروری 2002 کو سنڈے ٹائمز اسلام آباد آشکارہ کر چکا ہے اور اپنی خبر کے ساتھ بیت اللہ کے 6 فوٹو بھی شائع کئے، یہ سب کچھ یہودیوں کی ایک ویب سائٹ سے حاصل کیا گیا، جن میں تصاویر کے ذریعے دکھایا گیا کہ بیت اللہ اور مکہ مکرمہ

حاجیوں سمیت جل رہا ہے، سازش کا انکشاف ہوتے ہی ویب سائٹ کو بند کردیا گیا۔اس ویب سائٹ کو www.inin.net/ fromthejews.jpg امریکن یہودی صحافی رچ لوری نے بنایا تھا۔امریکی صدارتی امیدوار ٹام ٹینکریڈو بھی دھمکی دے چکا تھا کہ "امریکہ کی حفاظت مکہ و مدینہ پر حملہ سے ہے"۔

ہمارے کچھ احباب یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کی غیر جانب داری ہی اس مسئلے کا حل ہے اور اس جنگ کو یمن کی جنگ نہیں بلکہ ان کا داخلی معاملہ سمجھتے ہیں۔کچھ ایسے امریکہ کی جانب سے اسلحہ کی فروخت کا ایجنڈا قرار دیتا ہے تو کوئی پڑوسی ملک کی جانب سے ایک اور محاذ پر مسلکی جنگ شروع کرنے کی دھمکی کا اثر قرار دیتا ہے، کوئی تقاضا کرتا ہے کہ کیا کشمیر کی آزادی کیلئے سعودی فوج آئے گی ؟ غرض جتنے منہ اتنی باتیں ہیں۔پاکستان ایک عالمی عسکری قوت ہے اور مسلم ممالک میں ایسے ایک قائدانہ حیثیت حاصل ہے، دنیا کی بہترین عسکری فوج کی صلاحیتوں سے کسی کو انکار نہیں ہے، پاکستان کے قیام مقصد کسی لسانی اکائیوں کو بڑی لسانی اکائی بنانا نہیں تھا بلکہ دو قومی نظریئے کے تحت دنیا کی پہلی ریاست وجود میں لائی گئی تھی ۔ سازش کے تحت پاکستان کے دو قومی نظریئے کو وطینت ، پھر لسانیت اب گروہی اور مسلک کی جانب موڑا جا رہا ہے۔پاکستان کے پاس بھارت کے مقابلے میں ایٹمی طاقت کا ذخیرہ زیادہ ہے، اگر پاکستان کی عسکری طاقت کا مطلب صرف بھارت سے دفاع ہے

توان کے لئے تو ایک ایٹم بم ہی کافی ہے 113 ایٹم بموں کی کیا عوامی نمائش لگانا مقصود ہے۔ بھارت تو ایک ہی جھٹکے میں اپنی نانی کو یاد کر سکتا ہے تو یقینی امر ہے کہ کھربوں ڈالرز کی دنیا کی بہترین عسکری قوت صرف چار لسانی اکائیوں کیلئے نہیں بنی ہے بلکہ پاکستان کو مسلم امہ کی قیادت کرنا ہوگی اور آگے بڑھ کر مسلم امہ کا خود کو لیڈر اور نجات دہندہ ثابت کرنا ہوگا۔ پاکستان کو اندرونی خلفشار میں مبتلا کرنے کی عالمی مغربی سازش بھی یہی ہے کہ پاکستان اپنے داخلی معاملات میں اس قدر الجھ جائے کہ پاکستان مسلم دنیا کی سربراہی کے قابل نہ رہے۔ حضرت محمد ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے تاریخی الفاظ یاد کرانا مقصود ہے کہ "بیت اللہ خدا کا ہے"۔ یعنی یہ سعودیہ یا پاکستان کی ہی ذمے داری نہیں بلکہ اللہ کے گھر کے خلاف ہونے والی تمام سازشوں کو ناکام بنانا ہم سب کا فرض ہے۔ یمن کے حالات کو افغانستان سے جوڑنا غیر منطقی اور زمینی حقایق سے برخلاف ہے۔ "بیت اللہ خدا کا ہے" اور اللہ کے گھروں کے حفاظت ہر مسلم مومن مرد و عورت پر فرض ہے۔

تیرے جنوں کا خیال ہے ورنہ

آج میں خوش ہونے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ جب میں نے ایک پرانی خبر پڑھی کہ پاکستانی قوم کے مسائل اپنی جگہ مگر مزاجاً خوش اخلاق اور ہنس مکھ قوم ہیں ، اقوام متحدہ کی یہ رپورٹ 2014ء میں شائع ہوئی تھی اور اس رپورٹ کے مطابق ہم نے امریکہ اور بھارت کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا قدرے غریب اور ترقی پذیر ممالک کے شہری سب سے زیادہ خوش باش قرار پائے گئے ، کوسٹاریکا پہلے نمبر پر امریکہ 105،برطانیہ 44 ویں بھارت 111اور پاکستان 16 نمبر رہیں۔آپ کہہ سکتے ہیں کہ پرانی رپورٹ کیوں بتا رہے ہو ،تو عرض یہ ہے کہ کبھی کبھی خوش ہونے کا حق تو ہم پاکستانیوں کو ہونا چاہیے ، اس لئے پرانی رپورٹ پڑھ کر کر دل کو خوش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں ، ورنہ آج کل تو بغیر رپورٹ کے ہی سب جانتے ہیں کہ پاکستانی کتنے خوش ہیں۔دنیا کی سب سے دکھی قوم یوکرینی قرار پائے۔ابھی یہ خبر پڑھ کر کمر سیدھی کی ہی تھی کہ ایک خبر اور پڑھنے کو ملی کہ شہر میں کتا مار مہم شروع کر دی گئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کتا مار مہم کا مطلب وہی ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں یا پھر بقول شخصے ، انسان بھی ایک کتا ہے ، جو اس وقت تک وفادار رہتا ہے جب تک ایسے ہڈی ملتی رہے۔ بھونکنے والے کتے ،کاٹتے نہیں لیکن ایسا بھی سمجھا جا

تا ہے کہ خاموش طبع کتا، بھونکنے کے بجائے کاٹنے کو ترجیح دے سکتا ہے۔ کتا ہر چمکتی چیز کے پیچھے بھاگتا ہے۔ جیسے ہمارے بعض سیاستدان جو اقتدار کے کرسی کے پیچھے اس طرح بھاگتے ہیں کہ کبھی کبھار کرسی پیچھے رہ جاتی ہے۔ خیر ذکر کر رہا تھا کہ کراچی میں کتوں کو مارنے کیلئے مہم کا آغاز کرتے ہوئے گولیاں، مطلب کیپسول فراہم کر دیئے گئے ہیں۔ اب میری ایسی جرات تو ہرگز نہیں کہ میں اشرف المخلوقات کو کسی جانور سے تشبیہ دے سکوں لیکن اکثر سیاست دانوں کے یہ بیانات ضرور پڑھتا ہوں جب ٹارگٹ کلنگ ہو جاتی ہے کہ یہ انسان نہیں، انسان کے نام پر دھبہ شبہ ہیں، درندے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن کسی نے دہشت گردوں کو کتا کہہ کر کتے کی توہین نہیں کی۔ لیکن جس طرح شہر کراچی میں علم کے معماروں اور سماجی رہنماؤں کو دن دہاڑے ہلاک کئے جا رہے ہیں، کچھ کہنا چاہتا ہوں، لیکن سمجھ لیجئے کہ میرے ایڈیٹر نے وہ الفاظ سنسر کر دیئے۔ جامعہ کراچی شعبہ ابلاغ عامہ کے اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر وحید الرحمان (یاسر رضوی بھائی) کو دہشت گردوں کے ہاتھوں دن دہاڑے دہشت گردی کا نشانہ بنادیا گیا کہ جس شہر میں علم کے پاسبان محفوظ نہ رہیں وہ شہر بہ جلد عتاب الہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ گذشتہ دن سماجی رہنما نڈر خاتون سبین محمود کی دہشت گردی میں ہلاکت کا واضح مطلب ہے کہ ملک خداداد پاکستان انسانی حقوق اور علم کے زیور سے مزین کرنے والوں کیلئے مقتل گاہ بن چکا ہے، حکومتی رٹ کئی نظر نہیں آتی صوبائی حکومت انتہائی نا اہل ہو چکی ہے، پے در پے ایسے ہولناک

واقعات کا رونما ہونا انتہائی افسوس ناک اور تشویش ناک ہے ، کراچی میں ڈاکٹر وحید الرحمان اور سبین محمود جیسے نابغہ روزگار جیسی ہستیوں کی ٹارگٹ کلنگ پاکستان کی تاریخ کے المناکیوں میں سیاہ ترین دن رہے ، ڈاکٹر وحید الرحمان، پروین رحمان ، سبین محمود جیسی نامور ہستیاں اپنے علاقوں میں ظلم کے خلاف ایک استعارہ سمجھے جاتے تھے اب اس دنیا فانی میں نہیں رہیں۔ 18فروری 2014 کو میڈیکل اینڈ ڈینٹل کالج کے پروفیسر ڈاکٹر جاوید قاضی ، 26فروری 2014 کو پروفیسر تقی ہادی ، 09 ستمبر 2014 کو دینی مدرسے کے استاد اور جامعہ بنوریہ سائٹ کے مفتی مولانا مسعود ، جامعہ کراچی کی فیکلٹی آف اسلامک اسٹیڈیز کے ڈین پروفیسر ڈاکٹر شکیل اوج کو 18 ستمبر 2014، پروفیسر سبط جعفر کو 18 مارچ 2013 ، رواں ماہ ہی جناح میڈیکل اینڈ ڈینٹل کالج کی وائس پرنسپل ڈاکٹر ڈیبر الوبو پر قاتلانہ حملہ کیا گیا جس میں وہ شدید زخمی ہو گئی ۔ ایک طویل فہرست ہے کہ علم کے میناروں کو کس طرح چن چن کرہلاک کیا جا رہا ہے اور کراچی میں ابھی تک کتا مار مہم ہی شروع نہیں کی جا سکی۔

خیر چھوڑیں ،پاکستان کے حالات سے تو سب ہی با خبر ہیں ، ایک چونکا دینے والی خبر بھی سامنے آئی کہ سعودی فرمارو انے ولی عہد کو تبدیل کر دیا ۔ ان کا داخلی معاملہ ہے ، شہزادہ مقرن نئے ولی عہد شہزادہ محمد نایف بن عبدالعزیز سے بیعت لینے میں سب سے آگے تھے۔ شہزادہ مقرن نے ولی عہد کی ذمے

داری ادا کرنے سے معذرت کی تھی ، سلمان بن عبدالعزیز کا صائب فیصلہ ہے کہ نئ تقرریوں اور کابینہ میں نوجوانوں کی نمائندگیوں کا تناسب زیادہ ہونا چاہیے۔ یمن میں باغیوں کا سر سختی سے کچلا جا رہا ہے اور سانپ کی طرح پھن اٹھائے اسلام کے اتحاد کے باغی ، دنیا بھر میں اسلام میں فرقہ واریت کو ہوا دینے والوں کی سرکوبی جا رہی ہے۔ پاکستان کو آگے بڑھ کر اپنا فیصلہ کن کردار ادا کرنا چاہیے ، کہیں ایسا نہ ہو کہ پاکستانی عوام ان کو ان کی ذمے داریوں سے سبکدوش کر دیں۔ شام و عراق میں بھی پاکستانی کی فوج کو اقوام متحدہ کی قرار داد کے مطابق اپنا مثبت کردار ادا کرنا چاہیے ، ویسے میرا ذاتی خیال ہے ایسا اسلامی ایٹم بم بنانا چاہیے تھا کہ جو اسلام کے نام پر فرقہ واریت کر رہے ہوں اور اسلام کا نام بد نام کرنے کی کوشش کرتے رہے ہوں ، کبھی داعش تو کبھی کس نام سے اسلام کے آفاقی پیغام کو نقصان پہنچا رہے ہوں ، شام اور عراق میں ظالموں پر وہ ایٹم بم گرا دینا چاہیے تھا، اس میں صرف وہی کتے ہلاک ہوں جو بھونکتے بھی ہیں اور کاٹتے بھی ہیں ۔ ایسے لوگوں کا اسلام سے کیا واسطہ جو اسلام کے امن کے پیغام کو تشدد کے ذریعے جبر کی طاقت سے نافذ کرنا چاہتے ہوں ، ایسے ظالموں اور دہشت گردوں کو ایک ایک کرکے نہیں بلکہ اسلامی بم کے ذریعے ایک ساتھ ہی ختم کر دینا چاہیے تاکہ امت واحدہ کا تصور پارہ پارہ نہ ہو۔ کاش کوئی ایسا ایٹم بم ہوتا جو صرف فرقہ وایت کے کتوں پر ہی اثر کرتا۔ کاش کوئی ایسا کیپسول ہوتا جو فرقہ واریت کو ختم

کر دیتا۔ یہ سائنس دان ایسا کیوں نہیں سوچتے ، آخر ڈرون طیارے بھی تو ایجاد ہوئے ہیں جو مخصوص ٹارگٹ پر ہی حملہ آور ہوتے ہیں ، یہ یمن ، شام ، بیروت ، عراق ، مصر لیبیا ، افریقہ ، کریمیا ، پاکستان ودیگر میں فرقہ واریت کے پرچاروں کو جڑ سے ختم ، کرنے کیلئے بھی ایسا ٹیکنالوجی بنائیں جو فرقہ واریت کے پرچارکوں کو ہمیشہ کیلئے ختم کردیں۔اور اسلام کو ان کتوں سے نجات حاصل ہو۔دہشت گرد کی جو بھی شکل ہو لیکن پہلے وہ دودھ پی کر پلتا ہے ، بھونکتا ہے اور پھر جب پاگل ہو جاتا ہے تو اپنے مالک کو بھی کاٹنے سے دریغ نہیں کرتا۔اقوام متحدہ کی رپورٹ پڑھ کر بے ساختہ ہنس پڑا۔کچھ سمجھے کہ خوشی سے ہنسا ہونگا لیکن سچ یہی ہے کہ مجھے ایسے پاگلوں پر ہنسی آئی جو پاکستان کو خوش باش ، خوش مزاج اور خوش اخلاق ممالک میں 16 واں نمبر دیتے ہیں۔ تمام سیاست دانوں کی تقاریر سن لیں ۔ اگر پیمرا کا ادارہ اپنا درست کردار ادا کرتا تو اتنے بار بیپ بیپ کی آوازیں آتی کہ تمام تقریروں کو حذف کرکے اخبار کہ شہ سرخی میں لکھا ہوتا کہ بیپ بیپ بیپ۔۔۔۔۔۔۔میں تو صرف یہی کہ سکتا ہوں کہ ۔۔۔۔ میں بھی اتنے بیپ بیپ بیپ کہوں کہ میرا کالم بھی بیپ بیپ بن کر رہ جائے ۔ خدا کیلئے کچھ تو خوف خدا کرو۔ پاکستان اور مسلمانوں کی حالت کیا ہو رہی ہے اور یہاں علاقے فتح کرنے کیلئے نہ جانے کون سی روایتوں کا پرچار کیا جاتا رہا ہے ۔ کراچی میں امن قائم ہونے لگا ہے اس کا سب سے بڑا ثبوت کٹی پہاڑی ہے ، جہاں ایک ناخواندہ نے پڑھے لکھوں کیلئے اپنا

رکشہ بیچ کر کمپیوٹر انسٹی ٹیوٹ قائم کردیا ہے اور اُس علاقے میں جہاں سوائے گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور بے گناہوں کی لاشوں کے علاوہ کچھ نہیں ملتا تھا، عارف میاں بھی خوب خوش ہیں، کہتے ہیں کہ کوئی خوش ہو یا نہ ہو، میں بہت خوش ہوں، وجہ پوچھی تو بتایا کہ اس کے مالک کا اپنے تمام دوستوں سے زبردست جھگڑا ہوگیا ہے اب ان سب کی باتیں سننا نہیں پڑتی دم دمادم مست ہوں میں نے خود عارف میاں سے کہا کہ ابھی تھوڑی خوشی ملی ہے، وہ بھی تجھے برداشت نہیں، تیرے جنوں کا خیال ہے ورنہ !!!

نئی بھارتی سازش ، بہو لاؤ بیٹی بچاؤ۔۔۔

بنگال میں سخت گیر ہندو تنظیموں نے 'لو جہاد' کے جواب میں "بہو لاؤ ، بیٹی بچاؤ" مہم کا آغاز کیا ہوا ہے۔جب سے بھارتی سرکار میں نریندر مودی اپنے ہندو انتہا پسند خیالات کے ساتھ وارد ہوئے ہیں ، بھارتی مسلمانوں پر ظم و ستم کے پہاڑ توڑے جانے اور خود ساختہ پروپیگنڈا کے تحت ، اقلیتوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کا نہ رکنے والا سلسلہ جاری ہے۔آر ایس ایس اور ہند انتہا پسند تنظیموں کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف 'لو جہاد' کا پروپیگنڈا شروع کیا گیا جس کے بعد ان تنظیموں نے ہندو ایجنڈا پھیلانے کیلئے ایک نیا طریقہ ایجاد کرلیا اور شمالی و مغربی ہندوستان میں 'گھر واپسی' کے پروگرام پر سختی سے عمل درآمد شروع کردیا ،بلکہ آگے بڑھتے ہوئے ہندو انتہا پسند تنظیموں نے مغربی بنگال میں نئی متنازع مہم شروع کردی ہے ، ہندو ، مسلم شادی پر اعتراضات کے بعد تنظیم کے افراد "بہو لاؤ ، بیٹی بچاؤ"کے نام سے ایک مہم چلا رہے ہیں جس میں ہندو لڑکے کے ساتھ مسلم لڑکی کی شادی کی صورت میں لڑکی کو ہندو مذہب قبول کرنا ہوگا، تنظیم ایسے افراد کی مدد بھی کررہی ہے۔بھارتی ابلاغ کے مطابق یہ مہم ایسے اضلاع میں چلائی جارہی ہے جہاں بی جے پی کی پوزیشن مضبوط ہے۔ان اضلاع میں وشو ہندو پریشد ، ہندو جاگرن منچ، ہندو سمہتی منچ اور بھارت سیوا شرم سنگھ جیسی

تنظیموں نے ' بہو لاؤ، بیٹی بچاؤ' جیسی مہم شروعات کی ہوئی ہیں۔اہم بات یہ ہے کہ ایسے لو جہاد کا جواب قرار دیا جا رہا ہے۔ اس مرحلے پر ایسے جوڑے جو شادی کرنا چاہتے تھے اپنی شادی کا کریڈٹ ہندو تنظیموں کو قرار دیتے ہیں۔ ہندو انتہا پسند تنظیم وی ایچ پی کے ایک لیڈر بادل داس نے دعوی کیا ہے کہ گذشتہ ایک سال میں اس مہم سے جڑے پانچ سو مسلم ، عیسائی لڑکیوں کو ہندو بنایا گیا ہے ، اتنا ہی نہیں بلکہ انہیں بی جے پی میں اپنے خاندانوں کی حفاظت کیلئے شامل ہونے کو بھی کہا گیا ہے۔

حالاں کہ مسلم لڑکی ، ہندو لڑکا شادی کے تصور کو بھارتی فلموں کے ذریعے اس قدر پھیلایا جاچکا ہے کہ ، مسلم نوجوان کسی ہندو لڑکی کی کے مذہب کی تبدیلی کے بغیر بھی شادیاں کرنے لگے ہیں اور اسے معیوب نہیں سمجھتے، نوجوان ' دین اسلام ' کی واضح ہدایت کے باوجود کسی بھی مشرک لڑکی کو بطور بیوی ، اپنانے اور اس سے بچے پیدا کرنے کو معیوب اور خلاف اسلام نہیں سمجھتا ، اگر ہندو لڑکی مسلمان ہو کر کسی مسلمان لڑکے سے شادی کر لیتی ہے تو اسے ہندو دھرم کے خلاف سازش اور " لَو جہاد " کا نام دیکر بھارتی معاشرہ مسلمانوں کے خلاف ننگی تلوار بن جاتا ہے اور اسے بھارت کے خلاف سازش قرار دیکر وویلا کرتا ہے۔ مشہور کرکٹر عرفان پٹھان جو کہ ایک موذن کا بیٹا ہے اس نے ایک ہندو لڑکی سے اس کا مذہب تبدیل کئے بغیر شادی کی اور ازدوجی زندگی گذار رہا ہے ، شاہ

رخ خاں کے گھر میں مندر بھی ہے اور نماز کے لئے مختص جگہ بھی۔ سیف علی خان اقرار کرتے ہیں کہ کرینہ کپور نے اسلام قبول نہیں کیا وہ اب بھی ہندو ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہندو لڑکوں سے مسلم لڑکیوں کی شادی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مثال کے طور پر سنیل دت نے نرگس سے شادی کی، کشن چندر نے سلمی صدیقی سے، ریتک روشن نے سوجین خان سے، اتول آگنہیوتری نے الویرا خان سے، روہت راجپال نے نیلیلہ خان سے، اجیت اگارکر نے فاطمہ دھندلی سے، سچن پائیلٹ نے سارا عبداللہ سے، ارون آہوجہ (گوبندہ کے والد) نے نجمہ سے، شیریس کندر نے فرح خان سے، ارون گاؤلی نے عائشہ سے، منوج واچپئی نے شبانہ رضا سے، پنکج کپور نے نیلیمیا عظیم سے، گنودینشین راؤے نے تبسم سے، ششی ریکھی نے وحیدہ رحمان سے، راج ببر نے نادرہ ظہیر سے، کرنل سودھی نے نفیسہ علی سے، میوروادھونی نے ممتاز سے، رندھاوا نے لیکا خان سے، وشنو بھاگوت نے نیلوفر سے، کشور کمار نے مدھو بالا ممتاز) سے، وی ایس نائیپال نے نادرہ سے، کبیر سومن نے سبینہ یاسمین سے، بی آر اشارہ نے ریحانہ سلطانہ سے، سمیر بیرورکر نے تنسیم سیخ سے، انوراگ مودی نے شہناز سے، ایم ایس ستھو نے شمع زیدی سے، روی شنکر نے روشن آرا سے، پردیپ چیرین نے فوزیہ فاطمہ سے، پنکج ادھاس نے فریدہ سے، کے این سہائے نے زاہدہ حسین سے، بریج سدانا نے سعیدہ خانم سے، نرمل پانڈے نے کوثر منیر سے، وجے گوئل نے تبسم سے، امیت موئترا نے نائید کریم سے، روپ کے شوری نے شمشاد بیگم سے، کے ٹی سپرو

نے تاجور سلطانہ سے، رمیش باگوے نے زینب سے، منیش تیواری نے نازنین سے، سیتا رام پوری نے سیما جشتی سے، سمیت سہگل نے شاہین سے شادیاں کیں، لمبی چوڑی مزید فہرست بھی ہے، اصل بات یہ ہے کہ ان شادیوں کو تو یہ لوگ رزشٹر ایکا تمتا قومی یکجہتی) کا نام دیتے ہیں لیکن جب ہندو لڑکی کسی مسلمان سے شادی کرلے تو اسے) لَوّ جہاد "' قرار دیا جاتا ہے۔' " '

ہندو انتہا پسند تنظیموں کی جانب سے اس رجحان کو بزور طاقت ختم کرنے کیلئے 'گھر واپسی' اور "بہو لاؤ، بیٹی بچاؤ" جیسی مہم چلائی جارہی ہیں اور وہ طبقہ اب خاموش بیٹھ گیا ہے جو کسی ہندو لڑکی سے کسی مسلمان لڑکے کی شادی پر چراغ پا ہو کر زمین آسمان ایک کر دیا کرتے تھے۔ سیکولر طبقہ حقائق کو سامنے لائے بغیر ان کے ساتھ کھڑا ہو جاتا تھا، میں اپنے کئی کالموں میں وضاحت کے ساتھ اس امر کا تذکرہ کرچکا ہوں کہ مذہبی اقلیتوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں میں کسی مذہب کو موردالزام ٹھہرانا درست نہیں ہے۔ بھارت میں مسلمانوں کے ساتھ جبری رویہ، ہندو انتہا پسندوں کے دلی عناد و منافرت کو ظاہر کرتا ہے۔مذہبی شعائر پر پابندیاں، فرقہ وارانہ فسادات میں مساجد اور مقدس مقامات کو نشانہ بنانا، بنیادی حقوق کی حق تلفی، تعلیم اور معاشی دروازوں کا بند کئے جانا، سرکاری ملازمتوں کے ذریعے مسلمانوں کو اچھوت سے بھی بدتر قرار دیکر دور کئے جانا دراصل ہندو انتہا تنظیموں کی جانب سے شدت

پسندی کا ایک رخ ہے تو دوسری جانب 'گھر واپسی' جیسی مہم شروع کرکے مسلمانوں کے اُس کمزور طبقہ کو زبردستی ہندو بنانے کی مہم ہے تو اس کے ساتھ ہی بے راہ روی کا شکار مذہبی تعلیم سے دور ایسے جوڑوں کی حوصلہ افزائی کیلئے با قاعدہ تنظیم بنا کر مہم چلانا، اسلام کے خلاف مذموم سازشوں کی بھیانک تصویر ہے۔

بھارت میں مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے درمیان تمیز پیدا کرنے کیلئے اسلام کی تعلیمات کا پرچار آسانی سے ممکن نہیں ہے، کیونکہ بھارت میں ہندو انتہا پسند تنظیموں کو ہمیشہ حکومت کی حمایت حاصل رہی ہے اس لئے اکثریت مسلم نوجوانوں میں یہ شعور ہی نہیں ہے کہ کسی ہندو لڑکی سے اس لئے بھی شادی نہیں کی جا سکتی کیونکہ اہل کتاب کے علاوہ کسی مشرک سے نکاح کی اجازت نہیں، اسی طرح مسلم لڑکیوں میں بھی یہ شعور ان کے جسمانی طلب محبت کے آگے کوئی معنی نہیں رکھتا اور بے راہ روی کے شکار یہ نوجوان اپنے جذبات کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس بات سے صرفِ نظر کرتے ہیں کہ اس سے اسلام کے تشخص کو کس قدر نقصان پہنچ رہا ہے۔ چونکہ بھارت میں غریبی اپنی انتہائی عروج پر ہے اس لئے کروڑوں انسانوں کو ایک وقت کی روٹی بھی وقت پر میسر نہیں ہوتی اور گندم کے چند دانوں کیلئے اپنی عزت و حرمت کا بھی پاس رکھنا ان کیلئے مشکل ہو جاتا ہے۔ اس صورتحال میں ان افراد تک معاشی ترقی کے پیغام میں جب یہ عنصر سامنے

ہو کہ انھیں اپنا مذہب تبدیل کرنا ہوگا تو تعلیمات سے نا آشنا، کمزور اور معاشی دلدل میں دھنسے افراد اور جان کے خوف سے اپنا مذہبتبدیل کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔افسوس تو دراصل اس بات پر ہے کہ ایسے مسلم ممالک جو مال و دولت اور قدرتی خزانوں سے مالا مال ہیں، وہ ان خاندانوں کی مدد کرنے میں پس و پیش سے کام کیوں لیتے ہیں اور مسلم ممالک "بہو لاؤ، بیٹی بچاؤ"، گھر واپسی (یعنی زبردستی ہندو بنانا) جیسی انتہا پسند سوچ کی حامل نظریات پر مبنی، سرگرم ہندو انتہا پسند تنظیموں کے کردار پر صدائے احتجاج کیوں بلند نہیں کرتیں۔امریکی صدر بارک اوبامہ دورہ بھارت کے تیسرے اور آخری روز وطن واپسی سے قبل سر فورٹ آڈیٹوریممیں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ایک سخت گیر پیغام دے گئے کہ آئین ہند کی دفعہ 25 میں تمام لوگوں کو اپنی پسند کے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کا حق ہے لیکن ہمیں تنگنظری یا دیگر بنیاد پر بانٹنے کی کوششوں سے محتاط رہنا ہوگا۔اوبامہ کا تبصرہ ہندو تنظیموں کے متنازعہ تبدیلی مذہب اور 'گھر واپسی' پروگراموں کے درمیان آیا۔لیکن مسلم ممالک کی خاموشی پر غور کی ضرورت ہے۔ مسلم ممالک کی خاموشی ایک مجرمانہ غفلت ہے انھیں اس اہم مسئلے پر اپنا موقف دنیاکے سامنے ضرور لانا چاہیے تاکہ بھارتی مسلمانوں کو بھی احساس ہو کہ امت مسلمہ ان کی پریشانیوں سے غافل نہیں ہے۔بھارتی مسلمانوں کو تنہا کرنے کی پالیسی مناسب نہیں ہے۔

میرے افکار نابینا ہیں بابا

پشتو شعرا میں بڑے بڑے نام گذرے ہیں اور ان کے کلاموں کو انتہائی قدر مندی کا درجہ حاصل ہے۔ میں ذاتی طور پر مسلمانوں کی حالت زار میں سب سے زیادہ پختونوں کیساتھ ہونے والے ظلموں اور انکے خلاف ہونے والی سازشوں کو بڑی سنجیدگی سے اس لئے لیتا ہوں کیونکہ اسلام کے نام پر انھیں بڑی آسانی سے استعمال کرلیا جاتا ہے اور پختون معاشرے کی کچھ روایات بھی ایسی ہیں کہ وہ حقایق کو پرکھے بغیر عمل بھی شروع کردیتے ہیں اور سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس پر اعتراض اگر کسی عالم شخصیت کے بجائے کسی اور نے کردیا تو پھر معاشرے میں اس کا جینا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ غنی مروت ایک ایسی پختون خاتون کا نام ہے جس کے دل میں احساس اور اپنی قوم سے محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ وہ ایک چھوٹی پختون بچی کی آہ و فریاد اس طرح بیان کرتی ہے کہ دل خون کے آنسو روپڑتا ہے، پختون بچی اپنے والد سے کہتی ہے کہ میں کتنی بد نصیب ہوں بابا، اگرچہ (چہرے پر) دو بڑی بڑی آنکھیں رکھتی ہوں، میرے آس پاس علم و حکمت کی کرنیں بکھری پڑی ہیں، لیکن میری بینائی کام نہیں کرتی، میرے افکار نابینا ہیں بابا، میرا شعور جہالت کے گھپ اندھیروں میں گم ہے، میرا ہنر ایک قیمتی گوہر کی مانند تھا، آج غیرت کے نام پر اور فرسودہ رسوم و رواج کے ہاتھوں مٹی میں رل گیا۔ کس قدر

بد نصیب ہوں بابا۔۔ کہ پروردگارِ عالم نے مجھے گفتار کی صلاحیت سے نوازا ہے، منہ میں زبان رکھتی ہوں لیکن کلام کرنے کا حوصلہ نہیں۔دل میں علم کی بے پناہ محبت ہے لیکن بد قسمت پختون ہوں کہ کوئی معلم رہنما نہیں زندگی میں، اگر دریائے جہالت میں ڈولتا ہو یہ ذہن پھر سے غرقاب ہوجائے اور علم کا دیا روشن نہ ہوپائے تو اے بابا۔۔ اپنی اس نابینا بیٹی کو شہر خموشاں لے جانا اور دورِ جہالت کی ایک روایت کی پیروی میں میرے لئے بھی ایک قبر کھود لینا بابا۔جب آپ میرے بے شعور ذہن اور میری بے مقصد زندگی کی تاریکیوں کو علم کی تابانی سے منور نہیں کر سکتے تو، میرے عزیز بابا، میرے لئے ایک قبر تیار کردینا اور لحد کی تاریکی میں زندہ دفن کرکے چھوڑ آنا۔۔

کہنے کو تو یہ ایک پختون بچی کا نوحہ ہے لیکن اصل میں یہ عالم اسلام کی تمام بچیوں کی آہ وفریاد ہے۔حالات کی ستم ظریفی ہے کہ اسلام و روایات کا نام لیکر فرسودہ رسوم کے تحت ہماری بچیوں پر جو ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں ان پر کسی کی آنکھ اشکبار نہیں ہوتی۔سوات میں لڑکوں کے چار سو بیالیس جبکہ لڑکیوں کے چار سو تیں اسکول ہیں 48 فیصد لڑکیوں کا رجسٹر میں اندراج ہوتا ہے جبکہ صرف دو فیصد لڑکیاں ہی اعلی تعلیم حاصل کرپاتی ہیں۔سوات میں خواتین کی تعلیم خیبر پختونخواکے دیگر حصوں کی بہ نسبت زیادہ ہے کچھ عرصہ قبل لڑکیوں کے اسکول جانے پرپابندی عائد کردی گئی تھی لیکن سوات میں

بتدریج امن آنے کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کو پڑھانے کے رجحان میں قدرے اضافہ ہو رہا ہے، گو کہ یہ رفتار انتہائی سست ہے لیکن ماضی کے مقابلے میں ایسے اطمینان بخش نہ سہی لیکن حوصلہ افزا ضرور کہا جا سکتا ہے۔

مایوس کن صورتحال یہ بھی ہے کہ کہ پاکستان میں ڈھائی کروڑ بچے اسکول ہی نہیں جاتے یہ تعداد دنیا بھر میں دوسرے نمبر پر آتی ہے۔ ایجوکیشن فار آل گلوبل مانیٹرنگ رپورٹ کے مطابق اسکول نہ جانے والے بچوں کی کل تعداد کا دو تہائی بچیوں پر مشتمل ہے۔ پاکستان کے شمال مغرب علاقوں میں شدت پسندوں نے بالخصوص لڑکیوں کی تعلیم اور ان کی اسکولوں کو اپنے غیض و غضب کا نشانہ بناتے ہوئے سینکڑوں اسکول ملیامیٹ کر دیئے۔ مثال کے طور پر ملاکنڈ ڈویژن میں شدت پسندوں نے ایک سو چونسٹھ اسکولوں کی عمارتوں کو مکمل طور تباہ کیا ان میں سے ایک سو چار اسکول لڑکیوں کیلئے مخصوص تھے۔ صرف خیبر پختونخوا میں 25 لاکھ بچے ایسے ہیں جو مختلف وجوہات کی بنا پر اسکول نہیں جا پاتے۔ منگورہ کی بارہ یونین کونسل میں سے تین کا سروے کیا گیا تو پتہ چلا کہ تین ہزار پانچ سو بچے ورکشاپوں اور ہوٹلوں میں کام کرتے ہیں یا کچرا اٹھاتے ہیں، تعلیم سے محروم ان بچوں میں لڑکیوں کے اعداد و شمار شامل نہیں ہیں۔

افغانستان میں ایک سازش کے تحت ایک اسکول کی بچیوں کو زہر دیا گیا جس کی وجہ سے انہوں نے چیخ و پکار مچا دی تھی گذشتہ سال اس واقعے میں افغانستان

کے وزیر تعلیم نے الٹا دھمکی دی تھی کہ اگر کسی بچی نے مبینہ طور پر زہر دیئے جانے کی بات کی تو ایسے سزا دی جائے گی۔2008 میں افغانستان کے ایک دیہی علاقے میں رضیہ جان نامی خاتون نے لڑکیوں کی تعلیم کیلئے ایک اسکول زیبولی ایجوکشن سینٹر کی بنیاد رکھی جس میں 400 لڑکیاں پڑھتی ہیں۔افغانستان میں 1996ء سے 2001ء تک لڑکوں کے اسکول جانے پر پابندی عائد کردی گئی تھی لیکن اب وہاں بھی لڑکیوں میں تعلیم دلانے کا شعور پیدا ہو رہا ہے۔ویسے تو پاکستان اور افغانستان میں تعلیمی اداروں کا جائزہ لیں تو حالات گردگوں ہی نظر آتے ہیں لیکن یہاں میں نے ایک ایسی پختون بچی کے نوحے سے بات شروع کی جیسے حکومت کچھ نہیں دے پا رہی ، کراچی جیسے شہر میں پختون آبادیوں میں لڑکیوں کے اسکول نہیں ہیں ، کٹی پہاڑی جس کی وجہ شہرت کچھ بھی ہو یہاں ایک بھی سرکاری اسکول نہیں ہے ، کراچی میں جس جس پختون آبادی کا ذکر کرتا چلا جاؤں تو یہ سوال ان لوگ سے پوچھتا ہوں کہ شدت پسندی کے خلاف باتیں تو بہت کی جاتی ہیں ، مدارس کے خلاف بولا تو بہت جاتا ہے لیکن ان آبادیوں کو بلدیاتی سہولیات کیوں فراہم نہیں کی جاتی ۔ یہ قدیم آبادیاں ہیں ، پاکستان کی تشکیل سے پہلے سے یہاں انسان آباد ہیں لیکن زندگی کی بنیادی سہولیات سے محروم ہیں ۔ شائد کسی کو حیرانی نہ ہو کہ اب تو قبرستانوں میں بھی قومیت کے نام پر مُردے دفن کئے جاتے ہیں۔ فلاں قومیت کا قبرستان ہے فلاں.برادری کا قبرستان ہے فلاں کیمونٹی کا قبرستان ہے۔اب تو مرنے والوں میں بھی لسانیت اور صوبائیت پیدا

کی جاچکی ہے۔ مر کر بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے۔ قصہ پارینہ بن گیا۔

پختون ایک غیور قوم ہے، وہ مادہ پرست نہیں ہے وہ بنیاد پرست بھی نہیں ہے بلکہ وہ محبت کرنے والی، بہادر ایماندار اور وفادار قوم ہے۔ لیکن بد قسمتی سے ان کے حقوق انھیں نہیں ملتے جس بنا پر نوجوان نسل غلط راستے اختیار کر لیتی ہے، بچیاں گھر بیٹھے رہ جاتی ہیں، وہ لڑکوں کو تعلیم نہیں دے پاتے لڑکیوں کو کیا دیں گے۔ مجبوری ہے ورنہ جس قوم کی بچیوں نے دنیا بھر میں موقع ملنے پر نام روشن کئے وہ کیا نہیں کر سکتی۔ بلا شبہ ہمارا معاشرہ کچھ ایسا تنگ نظر بھی ہے کہ والدین بے ہودہ معاشرے کی وجہ سے اپنی بچیوں کی حفاظت کے نام پر کچھ ایسی سختیاں اختیار کر لیتے ہیں جنھیں لوگ قدامت پسندی قرار دیتے ہیں۔ لیکن پختون مائیں، بہنیں اور بیٹیاں تعلیم نہ ہونے کے باوجود ایسے غیور نوجوانوں کی تربیت کرتی ہیں کہ روس ٹکڑے ٹکڑے اور امریکہ ذلت آمیز شکست سے دوچار ہو جاتا ہے۔

میں عینی مروت کے سامنے شرمندہ ہوں کہ ہم اپنی قوم کی بچیوں کو اس کا حق نہیں دلا سکے آج وہ ہم سے گلہ کرتی ہیں کہ ان کا بھی کچھ حق ہے لیکن ہم نے اپنے خود ساختہ رسم و رواجوں میں ان کو بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ غیرت کے نام پر ہم اپنی قربانی نہیں دیتے بلکہ خود کو مقدس گائے سمجھتے ہیں۔ میری بچی تم

نابینا نہیں ہو بلکہ یہ دنیا نابینا ہے جو دیکھ کر بھی کچھ نہیں دیکھ پا رہی ، ایسے صرف وہی نظر آ رہا ہے جس رنگ کی عینک پہنے ہوئے ہیں۔ میری بچی میں تعلیم کے نام پر بے حیائی کا مخالف ہوں ، حیا کے نام پر بے پردگی کا مخالف ہوں کیونکہ یہاں انسان نہیں گدھ رہتے ہیں ، ورنہ میری بچی کیا تم نے مکہ میں طوائف کرتے ہوئے پردہ دیکھا ہے۔ یہ معاشرہ ہی ایسا ہے کہ ہمیں اپنی عزت کی حفاظت کیلئے سینے پر گولیاں بھی کھانی پڑتی ہیں اور اپنی عزت کی جانب گندے ہاتھوں کو روکنے کیلئے ایسے چھلنی بھی کرنا پڑتا ہے ، میری پختون بچی صرف تم ہی مظلوم نہیں ہو ، یہاں ہر قوم کی بچی مظلوم ہے ، لیکن کیا کریں ، ان کو قلم ، بستے اسکول نہیں بلکہ ہتھیار اور ٹینک دیئے جاتے ہیں۔ نہیں بیٹی ۔ نہیں میں تمھیں شہر خموشاں میں غلط روایتوں کی آڑ لیکر دفن نہیں کر سکتا ، میں فرسودہ رسوم کا سہارا لیکر اپنی پگڑی اونچی نہیں کر سکتا۔ یہ علم کی روشنی کسی فرد کی میراث نہیں ہے ۔ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ جب تاریخ میں پختون بچیوں کے شانہ بہ شانہ مرد نہیں بلکہ دوسری قومیت کی بچیاں کھڑی ہو کر اپنا حق استعمال کریں گی۔

پانی کا سنگین بحران

کراچی میں پانی کا مسئلہ انتہائی سنگین ہوتا جا رہا ہے اور روز بہ روز اس میں اضافے کے سبب عوام کو شدید دشواریوں کا سامنا ہے۔ ایک جانب دیکھا جائے تو کراچی کو پینے کے صاف فراہمی کے لئے جہاں کے الیکٹرک کے ادائیگوں کی بہانہ تراشیاں رہتی ہیں اور آئے دن کراچی کا پانی روک لیا جاتا ہے تو دوسری جانب واٹر گولڈ مافیا کی جانب سے مہنگے داموں پانی کی فروختکیلئے قانونی پائپ لائنوں میں غیر قانونی کنکشن لگا کر رہی سہی کسر پوری کردی جاتی ہے، سندھ رینجرز کی جانب سے گذشتہ ہفتوں شاندار مہم ان ہائی ڈیڈرنٹ کے خلاف شروع کی گئی اور متعدد غیر قانونی ہائی ڈرینٹ کا خاتمہ کیا گیا لیکن ظاہر ہے کہ بُرائی کا خاتمہ اگر ہمیشہ کیلئے ہوجائے تو پھر مسائل ہی پیدا کیوں ہوں۔ پانی کی کمیابی کے اس سلسلے میں اہلیان علاقہ کی ایک بہت بڑی تعداد نے راقم سے رابطہ کیا اور روزنامہ ایکسپریس کے توسط سے اپنے مسائل کے ذکر میں ' شہید مجیب الرحمٰن واٹر پمپنگ اسٹیشن ' میں ہونے والی بے قاعدگیوں کیساتھ ساتھ پی پی پی اور واٹر بورڈ عملے کی جانب سے کی جانے والی بے انصافیوں پر عوام کی آواز اربابِ اختیار تک پہنچانے کی درخواست کی۔ روزنامہ ایکسپریس کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ اس نے اپنے صفحات عوام کی فلاح و بہبود اور مسائل کے حل کیلئے کھلے

رکھیں ہیں اور اسکا اثر فوری طور پر دیکھنے میں بھی آتا رہا ہے راقم خود اس کا گواہ ہے اور متعدد کالم مفاد عامہ کے نوعیت کے ان ہی صفحات میں جگہ پاتے رہے ہیں۔' واضح رہے کہ یونین کونسل ۹ سائٹ ٹاؤن کے علاقے تقریبا پچاس سال سے آباد ہیں اور یہاں پہلی بار کسی بڑے ترقیاتی منصوبے شہید مجیب الرحمٰن واٹر پمپنگ اسٹیشن' کا افتتاح کیا گیا۔ سندھ کے صوبائی حلقہ پی ایس 96اور قومی اسمبلی 242پر متحدہ قومی موومنٹ ہمیشہ کامیاب ہوتی رہی ہے۔ ماضی میں تعصبات اور لسانیت کے سبب ان علاقوں میں نظر انداز کیا گیا تو بعد ازاں کٹی پہاڑی میں طالبائزیشن کے بے بنیاد پروپیگنڈے کے تحت بلدیاتی اداروں کی توجہ ان علاقوں سے ہٹا دی گئی ، علاقے کی 90فیصد آبادی پختون ہے جبکہ دس فیصد آبادی میں دیگر زبان بولنے والی قومیتیں آباد ہیں۔ تفصیلات کے مطابق ۔' شہید مجیب الرحمٰن واٹر پمپنگ اسٹیشن' کو ADP منظور 2012-2013میں DS کیا گیا۔ جبکہ علاقے کی ضرورت کے تحت اس منصوبے کیلئے ڈپٹی سیکرٹری نے لیٹر نمبر 9iii) CMS/Dev/13 (5) 09/1523 واٹر بورڈ کے ایم ڈی کو لکھا تھا۔ مورخہ LGاپریل 2013 ء کو سیکشن گورنمنٹ سیکرٹری آف سندھ گورنمنٹ نے لیٹر نمبر10 (So-VID/2-3 KW& SB/2012 کے تحت منظوری دی اور وزیر اعلی سندھ اس منصوبے کی منظوری 13فروری 2013ء کو دے چکے تھے۔ 24اکتوبر 2013 ء کو چیف انجینئرنگ نے منظور شدہ سمری کی لاگت 99.083ملین روپے کو لیٹر نمبر LD/Dg/ m&E /ADii SOVii 23/ KW & SB 2012/1729کے لیٹر پر صوبائی حکومت کی ٹیکنکل کمیٹی میں

2013 سریل نمبر ADP/1088 چیئرمین اکنامک اور پلاننگ ڈولپمنٹ گورنمنٹ سندھ کی حتمی منظوری دے دی گئی۔ 26 نومبر 2014ء کو سندھ کے وزیر اطلاعات و بلدیات شرجیل انعام میمن نے ڈسٹرکٹ ویسٹ میں 99.083 ملین روپے کی لاگت سے ایک واٹر اسکیم بنام' شہید مجیب الرحمٰن واٹر پمپنگ اسٹیشن' کا افتتاح کردیا، اس تقریب میں ایڈمنسٹریٹر کراچی، ایم ڈی واٹر بورڈ، ڈسٹرکٹ ویسٹ کے ایڈمنسٹریٹر، میونسپل کمشنر اور پی پی پی کے مقامی عہدے داران بھی موجود تھے۔' شہید مجیب الرحمٰن واٹر پمپنگ اسٹیشن کا افتتاح کرتے ہوئے وزیر موصوف کا دعوی تھا کہ ماضی میں کراچی کے دور دراز ' علاقوں کو بنیادی سہولیات کی فراہمی سے محروم رکھا جاتا رہا ہے لیکن پی پی پی نے اب کراچی ہو یا تھرپارکر جیسے پسماندہ علاقہ کے عوام کو پینے کے صاف پانی سمیت دیگر بنیادی سہولیات بیڑا اٹھایا ہوا ہے بقول وزیر بلدیات کے ' شہید مجیب الرحمٰن واٹر پمپنگ اسٹیشن ' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس منصوبے کے تحت شہید مجیب الرحمٰن واٹر پمپنگ اسٹیشن 'کٹی پہاڑی سے ملحقہ آبادیوں کیلئے مختص کیا گیا تھا اور اس کے لئے بلا شک و شبہ پی پی پی کے مقامی رہنما مجیب الرحمٰن تعریف کے قابل ہیں کہ تن و تنہا انھوں نے نیچے سے لیکر وزیر اعلی سندھ تک اس منصوبے کو نہ صرف منظور کرایا بلکہ اس کے لئے فنڈز بھی مختص کرائے، شائد یہی وجہ تھی کہ ان کے بلدیاتی خدمات و عوامی شہرت کی مقبولیت سے خائف ہو کر انھیں ایک واقعے میں فائرنگ کرکے ہلاک کردیا گیا۔'

شہید مجیب الرحمٰن

واٹر پمپنگ اسٹیشن' اسکیم میانوالی کالونی، اسلامیہ کالونی، کرسچن محلہ، لاسی محلہ، مگسی محلہ، کٹی پہاڑی سمیت دیگر علاقوں کے تین لاکھ سے زائد مکینوں کو پینے کا صاف پانی کی فراہمی کے منصوبہ ہے۔جس کا لاگتی تخمینہ 99.083 ملین روپے ہے۔ موجودہ صورتحال یہ ہے کہ شرجیل میمن تو اس منصوبے کا افتتاح کرکے چلے گئے لیکن کرپشن اور لوٹ مار کے گرم کرنے والے کرداروں کی چاندنی ہو گئی ہے۔

اہلیان مکینوں نے ' شہید مجیب الرحمٰن واٹر پمپنگ اسٹیشن' کے افتتاح پر اپنی دلی خوشی کا اظہار کیا تھا اور اپنے دیرینہ مسئلے کو حل کرانے کیلئے وزیر اعلیٰ سندھ، وزیر بلدیات اور ' شہید مجیب الرحمٰن واٹر پمپنگ اسٹیشن' کے کرتا دھرتا مقتول مقامی رہنما مجیب الرحمٰن کے کردار کو سراہا تھا، لیکن اب اس منصوبے کی صورتحال کچھ ایسی ہو گئی ہے کھوکھر کالونی، جہاں یہ پمپنگ اسٹیشن بنایا گیا وہاں کی 48انچ قطر لائن سے ایک 18انچ قطر لائن سے مزید غیر قانونی کنکشن دینے کیلئے واٹر پمپ سے لیکر جمشید پٹرول پمپ تک بچھا دی گئی ہے جبکہ دو کلو میٹر کے اس پٹی میں کوئی رہائشی آبادی نہیں ہے۔ماربل انڈسٹری کے ہزاروں کارخانے جو پہلے ہی منگھو پیر روڈ سے گذرنے والی 66انچ قطر اور 48انچ قطر کی لائن سے قانونی سے زیادہ غیر قانونی واٹر کنکشن حاصل کرچکے ہیں جبکہ اسی پٹی پر پچاس سے زائد غیر قانونی ہائی ڈرینٹ تھے

جنھیں رینجرز نے ختم کیا۔ لیکن اب اس رہایشی منصوبے کا فائدہ اٹھا کر کروڑوں روپوں کے کنکشن فروخت کرنے کی غیر قانونی طریقے سے منصوبہ سازی سے پورے ' شہید مجیب الرحمٰن واٹر پمپنگ اسٹیشن ' کی افادیت کو نہ صرف ختم کردیا جائیگا بلکہ 99.083 ملین جو مفاد عامہ کیلئے تھے وہ بھی کرپشن کے نظر ہو جائیں گے ، دوسری سب سے اہم بات یہ ہے کہ 99.083 ملین کے اس پراجیکٹ میں جن علاقوں کو شامل کیا گیا تھا جس میں خاص کر اسلامیہ کالونی نمبر ۱ اور ۲۔ خیبر محلّہ کے علاقے تھے انھیں اس پراجیکٹ سے محروم کردیا گیا اور اس علاقے کیلئے مختص منظور شدہ 8 انچ قطر کی لائن جو رئیس میانوالی سینٹر سے 12 انچ قطر کی صورت میں اسلامیہ میانوالی روڈ پر آنی تھی اور وہاں سے قلندر ہوٹل کٹی پہاڑی تک جانے تھی ایسے پی پی پی ڈسٹرکٹ ویسٹ کے کرپٹ ، بد عنوان اور بد نام زمانہ شہرت رکھنے والوں نے واٹر بورڈ کے کرپٹ عملے کے ساتھ ملکر دوسرے علاقے میں منتقل کردیا، جو منظور اس متذکرہ پراجیکٹ میں شامل ہی نہیں ہے اور کروڑوں روپوں کو خرد برد کرنے کی سازش ہے۔ قابل افسوس بات یہ ہے کہ رہائشی آبادی کیلئے مختص حکومت کے اس اہم منصوبے میں کرپشن کا بازار گرم ہے اور ایک غیر قانونی واٹر لائن نیو خیبر محلّہ بلاک ڈی کو دے بھی گئی ہے اور ذرائع کے مطابق فی گھر پانچ ہزار روپے رشوت کے وصول کئے جا رہے ہیں اہلیان علاقہ جہاں شہید مجیب الرحمٰن واٹر پمپنگ اسٹیشن کے قیام سے خوشی سے نہال تھے وہاں اب انتہائی پریشان اور مشتعل نظر آتے ہیں کیونکہ پی پی پی کی کوئی

مقامی قیادت ان کے مسئلے کو حل اور ملنے کو تیار نہیں، انھوں نے کبھی ان علاقوں کا دورہ نہیں کیا بلکہ وزیر اعلی ہاؤس میں جگہ بنانے کیلئے کرپشن، اقربا پروری کا سہارا لیا۔ایک اور انتہائی افسوس ناک صورتحال یہ ہے کہ اسی علاقے کی اہم سڑک پیراچہ ہسپتال روڈ محمد پور کو بلاوجہ کھود ڈالا گیا جو تقریباً بیس سال بعد بڑی مشکلوں سے پی پی پی کے مقتول رہنما مجیب الرحمٰن کی ہی کوششوں سے ہی بنی تھی۔

اہلیان علاقہ انصاف کیلئے روزنامہ ایکسپریس کے دروازے کو کھٹکھا رہے ہیں، میں نے بذات خود تمام منظور شدہ فائل اور موقع کو دیکھا اور ایک ایک علاقے میں جا کر عوام سے حقائق جانے اور مجھے بڑا دکھ پہنچا کہ پی پی پی کے یہ مقامی رہنما کس قسم کی سیاست کر رہے ہیں، پانی کا بحران تو کراچی کا مقدر بن چکا ہے لیکن پیسوں کی لالچ میں انسانوں سے آباد علاقوں کو کربلا بنانے کی سازش کرنے والوں کی جگہ پی پی پی میں کیوں ہے۔ میں روزنامہ ایکسپریس کے توسط سے سائیں وزیر اعلی سندھ اور وزیر بلدیات سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ حقائق کی روشنی میں اپنے پی پی پی ڈسٹرکٹ اور پی ایس کی کارکردگی کو عوام کی نظر سے دیکھیں اور کم از کم اپنے شہید عہدیدار کی روح کا ہی خیال کرلیں جس نے علاقوں میں ترقیاتی کیلئے اپنی جان گنوادی۔ امید ہے کہ وزیر اعلی سندھ اور وزیر بلدیات شرجیل میمن نوٹس لیکر علاقے میں ہونے والی خرد برد

اور بدعنوانی کو ختم کرائیں گے۔ اگر عوام کے اس اہم مسئلے پر توجہ نہیں دی گئی تو اس بات پر یقین کیا جاسکتا ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ عوامی اہم مسئلہ ہے اس پر سیاست نہیں ہونی چاہیے۔

کارِ دشوار نہیں کارِ عبث ہے

" کوئی دشمنی ازلی نہیں ہوتی اور اس طرح کوئی دوستی بھی ہمیشہ کیلئے نہیں ہوتی، یہ اہم ترین قول ایرانی صدر حسن روحانی کا تھا جن کا مزید یہ بھی کہنا تھا کہ تہران اور واشنگٹن کوشش کرتے ہیں تو دونوں ممالک کے مابین گزشتہ تین عشروں سے بھی زائد عرصے سے پائی جانے والی دشمنی کو دوستی میں بدلنا ممکن ہے۔ایرانی صدر حسن روحانی نے واضح عندیہ دیا تھا کہ تہران میں امریکی سفارتخانے کا ایک مرتبہ پھر کھلنا کوئی اچنبے کی بات نہیں ہوگی۔ " تاریخی لمحات ہوتے ہیں جب دیرینہ دشمن اپنے موقف سے پیچھے ہٹ کر عوامی مفاد کیلئے اہم فیصلے کرتے ہیں ، امریکہ ، ایران دوستی اور دشمنی پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے ، اس مرحلے پر ان تعلقات میں کیڑے نکالنا مناسب نہیں ، گو کہ پاکستان و عرب ممالک میں ایران ، امریکہ کے تعلقات کو بڑی گہری نظر سے دیکھا گیا لیکن طاقت کے اس توازن کی تبدیلی کو اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے جب بنگلہ دیش میں وہاب ریاض اور شکیب الحسن کے درمیان تلخ کلامی کے دوران بنگالی کھلاڑی کی جانب سے پاکستانی کھلاڑی کو انگلی دکھائے جانے پر شائقین کرکٹ حیرت زدہ رہ گئے کہ کل تک نرم خو آج انگلی اٹھا کر دھمکیوں پر اتر آئے ہیں۔ایران آج مشرق وسطی میں انتہائی اہم مملکت کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ عراق ، پھر شام کے بعد

ایران کی یمن میں موجودگی اور اثر رسوخ نے عالم اسلام میں دو مسالک کے درمیان جنگوں کا آغاز کا امکان قرار دیا۔

حوثی باغی، اسلام میں تفرقوں کی بنیاد پر اختلافات کا بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ عالمی ادارہ صحت کی رپورٹ کے مطابق اب تک اس جنگ میں 1244 افراد ہلاک اور 5044 زخمی ہو چکے ہیں۔ روس نے مملکت شام کی پشت پناہی کرتے ہوئے بے گناہ معصوم عوام پر ظالم و جابر شامی صدر کی غاصب فوج کی جانب سے کیمیاوئی ہتھیاروں کے استعمال کے باجود غاصب شامی جابر ظالم حکومت کا ساتھ دیکر ثابت کیا کہ اسے مسلم امہ میں تفرقوں سے فائدہ پہنچ رہا ہے اور افغانستان میں غیور مسلمانوں کے ہاتھوں بدترین شکست کا بدلہ لینے کیلئے دوہرا کھیل کھیل رہا ہے۔ یمن میں بھی ایک عالمی سازش کے تحت مسلمانوں کو کمزور کیا جا رہا ہے حوثی باغی شدت پسند اتنے مضبوط نہیں ہیں کہ وہ کامیاب ہو سکیں لیکن کچھ عالمی طاقتیں پس پردہ رہ کر ان کی مدد کر رہی ہیں یہی وجہ ہے کہ جنگ طوالت اختیار کرتی جا رہی ہے گذشتہ دنوں سعودی سرحد کی ایک اہم چوکی پر زمینی حملہ بھی کیا گیا جیسے بُری طرح پسپا کر دیا گیا اور حملہ آوروں کو اپنے ساتھیوں کی لاشیں چھوڑ کر جان بچانی پڑی۔ حوثی دہشت گرد شدت پسند باغیوں نے دالحکومت صنعا کے بین الاقوامی ہوائی اڈے کے رن وے کے ناقابل استعمال ہونے کے بعد شہر کے ایک بڑے گراؤنڈ کو ہوائی جہازوں کے رن وے میں تبدیل کر دیا ہے

جہاں ایسے بعض جنگ کے خواہاں عناصر بھاری تعداد میں اسلحہ و جنگی ساز و سامان پہنچا رہے ہیں۔

روس نے سلامتی کونسل میں جنگ بندی کی قرار داد بھی پیش کی لیکن شام کی طرح طاقت کے زور پر قابض ہونے والوں کی غیر سنجیدگی کی وجہ سے اتفاق رائے پیدا نہیں ہو سکا۔ سلامتی کونسل کے ممبران کا کہنا تھا کہ اس قرار داد پر غور کرنے کیلئے مزید وقت درکار ہے۔ کیونکہ معاملہ مسلمانوں کی جانوں کا ہے اس لئے سلامتی کونسل پس وپیش سے کام لے رہی ورنہ معاملہ اگر براہ راست امریکہ کا ہوتا تو عراق اور افغانستان کی طرح فوراً یمن پر بھی چڑھائی کر دی جاتی۔ حوثی شدت پسند دہشت گردوں کے حمایتی اپنی جان بچانے کیلئے تو خلیجی ممالک سے بھیک مانگ رہے ہیں لیکن ان حوثی باغیوں کو ان جانوں کا ذرا بھی خیال نہیں ہے جو ان کی ضد، ہٹ دھرمی اور شدت پسندی کی وجہ سے بے گناہ ہلاک ہو رہی ہے۔ غیر ملکی ابلاغ کے مطابق حوثی باغی سعودی حکومت کی جانب سے حملوں کا بدلہ یمن کے معصوم بے گناہ عام عوام سے لے رہے ہیں جس سے خطے میں بغاوت کیصورتحال سنگین تر ہوتی جا رہی ہے۔ اقوام متحدہ کے مطابق صرف چھ ہفتوں میں 1200 سے زائد افراد ہلاک ہوئے جبکہ تین لاکھ سے زائد نے اپنا گھر بار چھوڑ کر نقل مکانی کی۔ یہ بہت بڑا انسانی المیہ ہے اور حوثی باغیوں کی مدد کرنے ممالک و گروپوں کو معصوم انسانی جانوں سے نہیں کھیلنا چاہیے اور اپنی

اقتدار کی ہوس میں اس طرح یمنی عوام کو قربانی کی بھینٹ نہیں چڑھایا جانا چاہیے۔ یمن کے شہر عدن میں محصور خاندانوں پر بمباری کی جاتی ہے جبکہ ہسپتال، امدادی ادارے اور اقوام متحدہ کے دفاتر پر بھی حملے کئے جارہے ہیں۔ یقینی طور پر یہ ایک خطرناک صورتحال ہے حوثی شدت پسندوں کی جانب سے اقتدار کی ہوس نے انھیں پاگل کردیا ہے اور انھیں انسانیت سے عاری کردیا ہے۔

ورلڈ فوڈ پروگرام کے مطابق ادارہ ایک ماہ کے اندر پندرہ لاکھ متاثرین کو خوراک متاثر کرسکتا ہے لیکن ایسے فوری طور پر دو لاکھ لیٹر ایندھن کی ضرورت تھی، 26 مارچ سے جاری سعودی فضائی حملوں کے بعد یمن کے باغیوں کی کمر تو ٹوٹ چکی ہے لیکن بعض اہم طاقتیں مسلمانوں کو مزید کمزور کرنے کیلئے مثبت کردار ادا نہیں کررہے۔ امریکہ اور ایران دشمنی اب دوستی میں تبدیل ہوچکی ہے اور بتدریج اس میں استحکام آتا جارہا ہے، اسی تناظر میں امریکی وزیر خارجہ جان کیری نے اپنے ایرانی ہم منصب محمد جواد ظریف سے یمن کے معاملے پر تمام فریقوں کو مذاکرات کی میز پر لانے کیلئے اپنا کردار ادا کرنے کو کہا تھا۔ قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ اس طرح کے معاملات ماضی میں کامیاب ہوچکے ہیں جب غیر جانبدار ملک میں فریقین کے تنازعات کو حل کرانے کی کوشش کی گئی تھی جس کی سب سے بڑی مثال افغانستان بحران ہے جب جرمنی میں 2001ء میں کامیابی ملی تھی۔

جواد ظریف کا یہ بیان بڑا اہم تھا کہ " .2001ء میں اقوام متحدہ کے زیر اہتمام بون کانفرنس میں امریکا کی قیادت میں اتحادی ممالک کے حملوں کے نتیجے میں طالبان کی حکومت کے خاتمے کے بعد ایک افغان حکومت قائم ہوئی تھی ، ایران نے اس کانفرنس میں حصہ لیا تھا اور نئی افغان حکومت کے قیام کے ضمن میں امریکا کے ساتھ تعاون کیا تھا۔ایران مانتا ہے کہ یمن میں بھی ایسا معاملہ کیا جاسکتا ہے ۔" یہاں ہم اس بات کی مکمل توقع کر سکتے ہیں کہ مشرق وسطی میں ایران اپنا اثر رسوخ استعمال کرکے امن کے قیام میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

پاکستان ایران کا پڑوسی ملک ضرور ہے لیکن ملکی خارجہ پالیسی میں خلیجی ممالک کا عمل دخل بااتم موجود ہے ۔ علاوہ ازیں پاکستان کے نزدیک سب سے اہم مسئلہ طالبان اور افغانستان ، امریکہ کے درمیان کامیاب مذاکرات کا ہونا ہے ، قطر میں ہونے والے سہ فریقی ممالک مذاکرات میں کامیابی پاکستان کے پائیدار امن کے لئے ضروری ہیں اور پاکستان اس عمل کی کامیابی کیلئے مکمل تعاون بھی کر رہا ہے تو دوسری جانب پاکستان کی مکمل حمایت بھی حاصل ہے۔ خطے کی اس صورتحال میں طاقت کا توازن گو کہ پاکستان کے حق میں بگڑ سکتا ہے کیونکہ بھارت کی جانب سے دراندازیاں ، الزام تراشیاں اور کبھی کھبار افغان

ارباب اختیار کی جانب سے اشتعال انگیز بیانات تمام امن کے ماحول کو خراب کر دیتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ یمن کا مسئلہ جلد از جلد حل ہو۔

اگر یمن کے باغیوں کیجانب سے ضد، ہٹ دھرمی اور عوام کے خلاف انتقامی کاروائیاں جاری رہیں تو تمام اسلامی ممالک کا نقصان ہے۔

پاکستان کی نظریاتی اساس

مردِ آہن گداز قائدِ اعظم محمد علی جناح نے جب پاکستان کا پیش کیا تو اس پر انتہائی ثبات و استحکام سے کھڑے رہے، پاکستان کا مطالبہ اسلام کے نام پر کیا گیا تھا کہ اس سے مقصود ہی ایک ایسی مملکت کا حصول تھا جس میں اسلام کو ایک زندہ نظام حیات کی حیثیت سے متمکن کیا جاسکے، پاکستان کے مطالبہ کا ریزولیشن مارچ ۱۹۴۰ء میں پاس ہوا اور شروع اپریل ۱۹۴۰ء میں مہاتما گاندھی نے اس کی طرف کچھ یوں اشارہ کرکے کہا کہ "میں پوری جرات اور جسارت کے ساتھ اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ مسٹر جناح اور انکے ہم خیال حضرات اپنی اس روش سے اسلام کی کوئی خدمت سرانجام نہیں دے رہے بلکہ وہ اس پیغام کی غلط ترجمانی کر رہے ہیں جو لفظ اسلام کے اندر پوشیدہ ہے، مجھے یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ آجکل مسلم لیگ کی طرف سے جو کچھ ہو رہا ہے اس سے میرے دل کو سخت ٹھیس لگ رہی ہے، میں اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں کوتاہی کروں گا اگر میں ہندوستان کے مسلمانوں کو اس دروغ بافی سے متنبہ نہ کردوں جس کا اس نازک وقت میں ان میں پراپیگنڈا کیا جارہا ہے۔ (ہندوستان ٹائمز مورخہ ۷، اپریل ۱۹۴۰ء)۔

گاندھی جی نے جب یہ 'فتوی' دیا تو ان کی ہم نوائی میں ابوالاعلےٰ مودودی

صاحب کیونکر پیچھے رہتے، انھوں نے بھی گاندھی صاحب کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ "لیگ کے قائداعظم سے لیکر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہینیت اور اسلامی فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطہ نظر سے پرکھتا ہو۔ ترجمان القرآن، ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ صہ ۳۳)۔ ہندوستان ٹائمز نے اپنی ۱۴ نومبر ۱۹۳۹ء کی اشاعت میں لکھا تھا کہ" حکومت خداوندی کا تصور ایک داستانِ پارینہ ہے اور یہ مسلمانوں کا فعلِ عبث ہوگا اگر وہ ہندوستان جیسے ملک میں اس کے احیا کی کوشش کریں یا اس امر کا خیال کریں کہ اس مقصد کیلئے ملک کو دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے ۔ یہ علامت بڑی خوش آئند ہے کہ مسلمانوں کے ذمہ دار راہنما اس سراب کے پیچھے نہیں لگنا چاہتے۔" ہندوستان ٹائمز کا فرمان جاری ہوا ہی تھا کہ ادھر سے مودودی ساحب نے مہر اثبات لگاتے ہوئے اپنا فتوی جاری کردیا کہ "جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہوجائیں، تو اس طرح حکومت الٰہی قائم ہوجائے گی، ان کا گمان غلط ہے، اس کے نتیجے میں کو کچھ حاصل ہوگا، وہ مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔ (ترجمان القرآن محرم ۱۳۶۰ھ صہ ۲۹). یہاں پاکستان کے نظریہ و قیام کے مخالف کانگریس اور جماعت اسلامی ہی نہیں تھی بلکہ نیشنلسٹ مسلمان بھی کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ سندھ کے خان بہادر اللہ بخش نے پاکستان کی تجویز سے متعلق کہا "یہ اسکیم آزادہ ہند کے راستے میں روڑے اٹکاتی ہے۔" عبدالرحمٰن سرحدی نے فرمایا "یہ ہندوستان میں برطانوی تسلط

قائم رکھنے کا ذریعہ ہے " مولانا حفیظ الرحمٰن سیوہاری نے کہا تھا کہ " یہ برطانوی حکومت قائم رکھے گی "احراری لیڈر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے فرمایا کہ " یہ اسکیم ملک کے مفاد کیلیئے بالعموم اور مسلمانوں کے مفاد کیلیئے بالخصوص نقصان رساں ہے۔ اگر کبھی "اسلامستان وجود میں آیا تو احرار کے ہاتھوں آئے گا۔

تحریک پاکستان کی بنیادیں جہاں مضبوط کیں جارہی تھیں تو مخالفین کے ساتھ منافقین کی بڑی تعداد بھی پاکستان کی مخالفت میں کمربستہ اور پرجوش نظر آئے۔ سر سکندر حیات پنجاب میں جب وزیر اعظم تھے اسلامیہ کالج کے طلبا کو یہ تاکید کر رہے تھے کہ "زندگی میں تمہارا نصب العین کچھ ہی ہو لیکن یاد رکھو، تم کسی ایسی اسکیم کی تائید نہ کرنا جس کا منشاء ہندوستان کو تقسیم کرکے مسلمانوں کے لئے الگ خطہ منتخب کرنا ہو، یہ اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہوگا، "ان کے دست راست سر چھوٹو رام نے کہا کہ "سر سکندر کسی خالص اسلامی حکومت میں وزیر اعظم تو ایک طرف، کوئی ذمے داری کا عہدہ لینے کیلیئے تیار نہیں ہونگے، پنجاب میں صرف پنجابیوں کی حکومت ہوگی۔" دوسری مولوی فضل الحق صاحب بھی بولے کہ ہم سے پوچھا جاتا ہے کہ تم نے جناح کی مدد کیوں نہیں "کی، ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم نے کبھی ایسے شخص کو لیڈر نہیں مانا جو غیر بنگالی ہو۔

جناح، اپنوں اور بیگانوں کی بھانت بھانت کی بولیوں کو سنتے اور دل کے سکون اور اطمینان کے ساتھ مخصوص تبسم کے ساتھ یہ فرماتے ہیں۔

رہے ہیں اور ہیں فرعون میرے گھات میں اب تک
مجھے کیا غم کہ میری آستیں میں ہے یدِ بیضا

چنانچہ ان تمام اعتراضات اور ہفوات کے جواب میں، انہوں نے یکم مارچ ۱۹۴۱ء کو، مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے لاہور کے سیشن میں اپنے خطبہ صدرات میں فرمایا۔ "لاہور کے پلیٹ فارم ہی سے مسلم لیگ نے پاکستان کا مطالبہ پیش کیا اور آج میں اسی پلیٹ فارم سے اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان ایک ایسی منزل ہے جس تک پہنچنے سے مسلمانوں کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ ہندوستان کے برِاعظم میں پاکستان کے علاوہ اور کوئی دستور کامیاب نہیں ہو سکتا، پاکستان بن کر رہے گا، میں تو یہ کہوں گا کہ یہ بن چکا ہے"۔ اور یہ مردِ آہن کی استقامت کا ہی نتیجہ تھا کہ بالآخر مخالفین بھی کہنے پر مجبور ہو گئے کہ مسٹر این سی دَت (جو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے رکن تھے انہوں نے فروری ۱۹۴۲ء میں اپنی ایک کھلی چھٹی میں جو اخبار مدینہ بجنور کی یکم فروری کی اشاعت میں شائع ہوئی تھی، لکھا کہ "ان حالات میں، میرا خیال ہے کہ ہندو مسلم قضیہ کا حل یہی ہوگا کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں کو دو قومیں

سمجھ لیا جائے اور پھر دو قوموں کی حیثیت سے ان کے متعلق ایک متحدہ قومیت کا خیال ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دل سے نکال دیا جائے۔ مسٹر جناح نے حال ہی میں گاندھی کو جواب دیتے ہوئے متحدہ قومیت کے تصور کو سراب کے لفظ سےتعبیر کرکے اس خیال کا اظہار کیا ہے وہ، میرے خیال میں اب نہیں، تو کل حقیقت بن کر رہے گا۔ بہر حال، اگر یہ چیز جلد طے ہو جائے تو کچھ بُرا نہیں، اگر ہندوستان کے ہندو اور مسلمانوں میں بحیثیت فرقہ کے نہیں بلکہ بحیثیت دو قوموں کے سمجھوتہ ہو جائے"

پاکستان کی تاریخ بڑی تلخ حقائق سے بھری پڑی ہے ہمارا قلم کند ہو جاتے ہیں جب ہم یہ دیکھتے ہیں قیام پاکستان کی مخالفت کرنے جب نئی نسل کے سامنے دروغ پر مبنی وہ تاریخ رکھتے ہیں جس سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ جیسے پاکستان کا حصول صرف ان کی مرہنوں منت وجود میں آیا، سر سکندر اور مولوی فضل الحق، جیسی شخصیات بعد میں پاکستان کے اقتدار پر بھی براجمان رہی، لیکن ان کی بنیادی سوچ نے پاکستان کی ساتھ کیا سلوک کیا، یہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔آج کا پاکستان بین الاقوامی تنازعات و ریشہ دیوانیوں میں اس لئے الجھا ہوا ہے کیونکہ ایسا ظاہر کیا جاتا ہے کہ نام تو مسلمانوں کا ہے لیکن حکومت، کافرانہ ہے۔ ہمیں پاکستان کی نظریاتی اساس کو سمجھنا چاہیے کہ پاکستان کی نظریاتی اساس جمہوری، آمرانہ یا سیکولر نہیں بلکہ سو فیصد

اسلامی اور دو قومی نظریئے کے مطابق تھی۔

چین کی خارجہ پالیسی میں تبدیلی اب کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہی ہے، ماضی میں ہم یہ دیکھتے آئے ہیں کہ چین نے کسی بھی دوسرے ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت سے اجتناب برتا ہے۔ مگر" درمیانی بادشاہت" (Middle kingdom) کے طور پر چین نے "داعش" کی دہشت گردی کے خلاف جہاں مالیاتی مدد فراہم کی تو دوسری جانب عسکری قوت بھی مہیا کی۔ چین کی خارجہ پالیسی میں طاقت کے مظاہرے سے بڑھ کرنے راوج کو باآسانی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ امریکہ جب اقتصادی طاقت کے ساتھ عسکری قوت میں دنیا میں اپنی قوت کو منوانے کی کوشش میں جُتا تو اس کی ترجیحات میں بھی تبدیلی پیدا ہونا شروع ہوئی، اس کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ امریکہ خام تیل کا ایک بہت بڑا درآمدی تھا جبکہ چین خود کفیل تھا لیکن 2014ء میں چین کو یومیہ اوسط پر تقریبا٦ء٢ ملین بیرل تیل درآمد کرنا پڑا جبکہ امریکی درآمد ٧ء٤ بیرل رہی دسمبر میں پہلی مرتبہ چین نے سب سے زیادہ ٧ ملین بیرل تیل درآمد کیا جبکہ امریکی خام پیداوار بڑھتے بڑھتے ٩ ملین بیرل یومیہ تک جا پہنچی جو اب تک سب سے زیادہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امریکہ کو اپنی معاشی ترقی کے ساتھ خام تیل کی ضروریات نے ہمیشہ پریشانی کا شکار رکھا۔ وہیں اب چین جہاں اپنی ضرویات کا

ساٹھ فیصد تیل درآمد کرتا ہے تو ایسے اس بات کا اندازہ ہے کہ تیل کی مسلسل ترسیل کا مطلب ، ترقی کا تسلسل ہے اور اس کیلئے مشرقِ وسطیٰ سے تعلقات بہتر رکھنا ناگزیر ہے۔ 2013ء میں چین نے افریقا میں قیامِ امن کیلئے مالی میں 170 فوجی بھیجے ، کیونکہ وہ اپنی سرمایہ کاری تعمیرات اور زرعی شعبوں کے تحفظ کو یقینی بناسکے ، فوج کا بھیجنے کا بنیادی مقصد تیل کی دولت سے مالامال الجیریا اور لیبیا میں ہنگامے پھیلنے سے روکنا تھا۔ چین نے چھ سو سال میں پہلی مرتبہ سمندر پار بحری مشن بھیجتے ہوئے صومالیہ کے ساحلوں اور خلیجِ عدن کے ساتھ طویل مدتی انسدادِ قزاقی گشت شروع کیا اور اپنی بحری کمزوریوں پر قابو پانے کیلئے سابق چینی صدر ہُو جن تاؤ نے بحریہ کو ترقی دینے کا عمل شروع کیا جو موجودہ صدر شی جن پنگ کی صدارت میں جاری رہا، جس میں چین نے پہلے طیارہ بردار بحری بیڑے کا افتتاح ، پہلے بحری جہاز شکن بیلسٹک میزائل کو متعارف کرانا اور جنگی بحری جہازوں ، فریگیٹس اور لڑاکا آبدوزوں کی تعداد میں تین گنا اضافہ کیا۔ تیل کی ضروریات کسی بھی ترقی کرنے ملک کیلئے ایک اہمیت کا حامل ہوتی ہیں ، اسی وجہ سے چین کا رخ مشرق وسطیٰ کی جانب نظر آیا اور نومبر 2004ء میں چین نے امریکہ کو عراقی پناہ گزینوں کی امداد کیلئے تقریباً دس ملین ڈالر کی پیش کش کی لیکن سب سے زیادہ حیرانی اُس وقت ہوئی جب عراقی فوج کو داعش کے خلاف کاروائی کیلئے فضائی حملوں کی شکل میں پیش کش کی۔ دوسری جانب مشرق وسطیٰ میں چین کا نیا نمائندہ فلسطین ،

اسرائیل امن مذاکرات کے حوالے سے خاص شہرت رکھتے ہیں جس کا واضح مطلب یہی نکلتا ہے کہ چین سب سے زیادہ تصفیہ طلب معاملات میں اپنی مکمل مداخلت کی تیاری کر رہا ہے۔

صدر اوباما، چین کو "آزاد سوار" قرار دیتے ہیں کہ چین اپنا بین الاقوامی وزن کو ظاہر نہیں کر رہا۔ چین بحیرہ جنوبی چین میں متعدد بار امریکی طیارہ بردار جہازوں کو چیلنج کر چکا ہے۔ امریکہ کو یہ خطرہ یقینی محسوس ہو رہا ہے کہ چین کا یہ رویہ اگر مشرق وسطیٰ جا پہنچا تو خطے کے حالات کی تبدیلی و آزادی میں چین ایک نئے بلاک کو قائم کر سکتا ہے۔ حالاں کہ چین کی اپنی تمام تر معاشی ترقی کے باوجود امریکہ کی طرح مشرق وسطیٰ میں اس کے کوئی فضائی اور بحرے اڈے موجود نہیں ہیں اور امریکہ کی طرح جنگی صلاحیت سے چین ابھی کافی دور ہے لیکن چین معاشی اثر رسوخ، امداد اور سرمایہ کاری کیلئے ہر بندش سے آزاد طرز عمل کو اپناتے ہوئے تیزی سے متحرک ہوتا سفارتی دستہ ضرور بنا رہا ہے جو امریکہ کیلئے پریشانی کا موجب بن رہا ہے۔

مثال کے طور چین کا ہمسایہ دشمن بھارت کو خطے کا چوہدری بننے سے روکنے کیلئے کولمبو شہر کی بندرگاہ کے ساتھ ۱.۴ ارب ڈالر کی لاگت سے تعمیر کیا جانے والا منصوبہ ہے سری لنکا جیسے چھوٹے جزیرے پر مشتمل ملک کیلئے یہ ایک

بہت بڑا منصوبہ ہے۔ چین کی سرکاری چائنا کیمونی کیشن کنسٹرکشن کمپنی نے سری لنکا کی بندرگاہوں کی وزرات سے بولی کی صورت میں یہ منصوبہ حاصل کیا جس کا قلم دان اُس وقت کے صدر اراجاپاکسے کے پاس تھا۔ جس طرح پاکستان میں اقتصادی راہدری اور پاک ، چین معاہدات کو بین الاقوامی سازش کے تحت سبوتاژ کرنے کی مسلسل کوشش کی جاتی رہی ہے اسی طرح سری لنکا میں بھی اس منصوبے کو متنازعہ بنادیا گیا ، بھارت اس منصوبے سے گوادار پورٹ کے فعال ہونے کی طرح خوش نہیں ہے ۔ بھارت نہیں چاہتا کہ پاکستان میں گوادر پورٹ فعال ہوجائے کیونکہ اس سے ، بھارت کے مفادات کو شدید نقصان پہنچے گا، بھارت نے تو برہم ہوتے ہوئے باقاعدہ چین کے سفیر کو طلب کرکے اقتصادی راہداری ، منصوبے پر احتجاج بھی ریکارڈ کروایا اور دھمکی دی، اسی طرح بھارت نہیں چاہتا کہ چین کولمبو کے قریب زمین پر قبضہ جمائے کیونکہ وہ بھارتی سامانِ تجارت کی گزرگاہ بھی ہے، بھارتی اثر رسوخ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی ۲۸ برس کے دوران پہلے دوطرفہ دورے پر سری لنکا پہنچے تو بندرگاہ پر کام کو معطل کردیا گیا۔ بھارت نے گزشتہ سال بندرگاہ کے چینی تجارتی حصہ پر چین کی عسکری آبدوز کی موجودگی پر بھی اعتراض کیا تھا۔ سری لنکا چین کو نظر انداز بھی نہیں کرسکتا کیونکہ یہ منصوبہ سرلنکا کی ترقی کیلئے بہت معنی رکھتا ہے اور دوئم تامل باغیوں کے خلاف لڑائی میں چین کی مدد کو بھی فراموش نہیں کرسکتا جب اس وقت سری لنکا کو اسلحہ کی فراوانی میں

حصہ ڈالا جب دیگر ممالک جھجک رہے تھے۔ کلکتہ میں شائع معروف اخبار "آنند بازار پتریکا" میں بنگلہ دیش کے حوالے سے ایک طویل مضمون شائع ہوا ہے جس میں بنگلہ دیش کے باشندوں کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ بھارت میں ضم ہونے کیلئے آواز اٹھائیں۔ بدنام زمانہ مصنفہ تسلمہ نسرین کی ایک نظم کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے کہ 1947ء میں میرے حلق میں ایک کانٹا چبھا تھا، میں اس کانٹے کو اگل دینا چاہتی ہوں تاکہ میرے اجداد کی منقسم زمین دوبارہ ایک ہو جائے۔" 28 فروری 1992ء ڈھاکہ سیمینار میں 'سنیٹر فار ڈیویلیپینگ دی اسپرٹ آف بنگالی نیشنل ازم' میں بھارت کی جماعت کے رہنما مایا رام سرجن کا کہنا تھا کہ "جب یورپ ایک ہو سکتا ہے تو ہم 1947ء سے پہلے کے بھارت کی طرف کیوں نہیں لوٹ سکتے"۔ یہی مذموم عزائم لیکر بھارت پاکستان میں بلوچستان کے معاملے میں جس طرح "را" ملوث ہے وہ اب کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے اسی طرح کراچی سمیت سندھ کے مختلف شہروں میں "را" کی ایجنٹ دشمنوں کے ایجنڈے پر کام کر رہے ہیں ہمیں ذرائع ابلاغ سے شواہد ملتے رہتے ہیں، پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کے لئے بلیک واٹر کی سرگرمیاں بھی کسی سے پوشیدہ نہیں رہیں ہیں۔ اب چین کی جانب سے پاکستان کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی کوشش کا مقصد جہاں عالمی طور پر ایک ایٹمی طاقت کے ساتھ دوستانہ رشتوں میں استحکام لانا ہے تو دوسری جانب چین کی جانب سے اپنی خارجہ پالیسی میں غیر مستحکم ممالک کی امداد کے ساتھ اپنے مفادات کو بھی مضبوط بنانا ہے۔ یمن، عراق، شام سمیت

افغانستان اور اب پاکستان میں آئی ایس آئی ایس، اسلامک اسٹیٹ کے نام سے اپنے قدم مضبوط بنانے کیلئے متحرک ہے، مستحکم ممالک میں اسلامک اسٹیٹ جیسی تنظیموں کو پنپنے کا موقع میسر نہیں آسکتا اس لئے افغانستان اور پاکستان شاخ کے قیام کے بعد بتدریج پاکستان میں دہشت گردی کا ایک نیا محاذ کھلتا جا رہا ہے۔ اگر ہم غیر جانبدار ہو کر پاکستان کی ترقی میں بلوچستان کی خوشحالی اور گوادر پورٹ کی فعالیت میں دو پڑوسی ممالک کے نقصانات کا جائزہ لیں تو پاکستان میں ہونے والی دہشت گردی کے پیچھے مخفی ہاتھ کا افشا ہونا کوئی مشکل نہیں رہ جاتا۔ "را" اچھی طرح جانتی ہے مسلمانوں میں اسلام تمام قومیتوں کے درمیان اتحاد کے بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے بھارت کی جانب سے پاکستان کیلئے خاص طور پر بنگلہ دیش کے قیام کی طرح "را" کو دوسرا ٹاسک دیئے کا واضح مقاصد بھی کسی سے پوشیدہ نہیں رہے ہیں۔ پاکستان کی تمام قومیتوں کی ثقافتی شناخت پر بھارتی یلغار کامیاب ہو چکی ہے۔ اب معیشت پر وار کرنے کیلئے ان کے عزائم کھل کر سامنے آچکے ہیں۔ پاک، چین اقتصادی معاہدہ کوئی چھوٹا دو طرفہ معاہدہ نہیں ہے اگر اس پر صدق دلی سے بیرونی دباؤ سے آزاد ہو کر صرف پاکستان کی ترقی کیلئے یقینی عمل درآمد بنا لیا جائے تو چین تو مضبوط ہوگا ہی، لیکن پاکستان بھی ترقی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔ فرقہ وارنہ قتل و غارت گیری، لسانیت، صوبائیت اور عسکری قوت کی توجہ کو بھٹکانے کے مقاصد دراصل پاکستان اور، چین کو کمزور بنانیکی سازش ہے

کیونکہ دونوں ممالک درمیانی بادشاہت کے کھلاڑی ہیں جو یقینی طور استعماری قوتوں کو قبول نہیں۔

بندرگاہ چاہ بہار سے گوادار تک

ماضی میں جب کسی بھی ملک کو فتح کیا جاتا تھا تو اس کے لئے اہم ذرائع بحری راستے ہوا کرتے تھے۔ بحری راستوں سے تجارت کے بہانے کسی بھی کمزور یا مالدار ملک میں داخل ہو کر پہلے تجارتی بنیادوں پر قدم مضبوط کئے جاتے اور پھر اس کی معاشی پالیسیوں پر حاوی ہو کر بتدریج اندرونِ خانہ بغاوت پیدا کر کے اس کی سرزمین پر قبضہ کرلیا جاتا۔ متحدہ ہندوستان کی مثال تو ہمارے سامنے ہی ہے کہ سونے کی چڑیا قرار دیئے جانے اس ملک پر قبضہ کرنے کیلئے دنیا بھر سے مغرب نے بحری جہازوں کے ذریعے اپنے قافلے بھیجے اور بالاآخر ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان پر قبضہ کرلیا اور سو سال سے زائد ہندوستان پر حکومت کرنے کیلئے متحدہ ہندوستان کی تقسیم کچھ اس طرح کی آج تک سرحدوں کے تنازعات طے نہیں ہوسکے۔ صرف یہی نہیں بلکہ کمیشن نے بحری بندرگاہوں میں بنگال کی کلکتہ بندرگاہ کو پاکستان میں شامل نہیں ہونے دیا تاکہ پاکستان معاشی طور پر مضبوط نہ رہ سکے اور جلد از جلد پاکستان، دوبارہ ہندوستان میں ضم ہونے پر مجبور ہوجائے۔ آج کے اس جدید دور میں بندرگاہوں کی جس قدر اہمیت ہے غالباً ماضی میں بھی نہیں تھی، تجارتی سامان کے علاوہ جنگی بھاری سازو سامان کی ترسیل بحری راستوں سے ہی ممکن بنائی جارہی ہے بلکہ اب تو بحری جنگی بحری اڈوں کا ایک

نیا تصور بھی آچکا ہے کہ طاقت ور ملک اپنی طاقت کا مظاہرہ اور کسی بھی ملک کو میزائیل سے نشانہ بنانے اور تیز ترین جنگی جہاز فوراً روانہ کرنے کیلئے بحری بیڑے کا سہارا لیتا ہے۔

چین اور بھارت اپنی معاشی ترقی کو برقرار رکھنے کیلئے وسائل کے حصول کیلئے سرگرداں ہیں اور اس سلسلے میں ایشین ٹائیگر بننے کیلئے بھارت ایسے بحری منصوبوں پر کام کر رہا ہے جو اس کی جنگجووانہ فطرت کو تسکین پہنچاسکے۔ لیکن یہ بھی تاریخ گواہ ہے کہ بھارت کبھی کسی دوسرے ملک پر قبضہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، جبکہ افغانستان سے لیکر برطانیہ تک نے ہندوستان پر سینکڑوں سال حکومت کی اور اپنی طاقت کا لوہا منوایا ہے۔ یہ بھارتی سرزمین کی باسیوں کی خود بو میں شامل ہے کہ وہ اپنی ناک سے آگے نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن 'بنیا' ہونے کے سبب دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑانا بھی بھارتی برہمن فطرت میں شامل ہے۔

بھارت اپنی نئی انتہا پسند جنگجوانہ پالیسی کے تحت ایران کی جنوب بندرگاہ چاہ بہار کے ذریعے وسطی ایشیا اور افغانستان تک رسائی کی امید پر منصوبہ بندیوں میں مصروف ہے اور اس کیلئے کسی بھی ملک کو غیر مستحکم کرنے کی کوشش اور منصوبہ بندی کرنا، بھارتی ہندو انتہا پسندوں کی خصلت بن چکی ہے۔ ایران

کی بندرگاہ چاہ بہار پاکستان کے ڈیپ سی پورٹ سے محض 75 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے ، چین چونکہ ایک عالمی طاقت بننے کیلئے غیر مستحکم ممالک میں بھاری سرمایہ کاری کر رہا ہے ، بھارت چاہ بہار بندرگاہ اور چین گوادر کے ذریعے افریقہ ، لاطینی امریکہ اور افغانستان تک سے اقتصادی معاہدے کرنا چاہتا ہے ، موجودہ پاک ، چین اقتصادی راہدری معاہدہ اسی سلسلے کی اہم کڑی ہے۔ بھارت اس منصوبے سے گوادار پورٹ کے فعال ہونے پر خوش نہیں ہے۔ بھارت نہیں چاہتا کہ پاکستان میں گوادر پورٹ فعال ہوجائے کیونکہ اس سے ، بھارت کے مفادات کو شدید نقصان پہنچے گا، بھارت نے تو برہم ہوتے ہوئے با قاعدہ چین کے سفیر کو طلب کرکے اقتصادی راہداری، منصوبے پر احتجاج بھی ریکارڈ کروایا اور دھمکی دی۔ گذشتہ دنوں پہلی مرتبہ گوادر سی ڈیپ پورٹ سے پہلا کمرشل بحری جہاز دوبئ کیلئے مچھلیوں کی بہت بڑی کھیپ لیکر روانہ ہوا۔ چین کولمبو شہر کی بندرگاہ کو ۱.۴ ارب ڈالر کی لاگت سے تعمیر کر رہا ہے سری لنکا جیسے چھوٹے جزیرے پر مشتمل ملک کیلئے یہ ایک بہت بڑا منصوبہ ہے۔ چین کی سرکاری چائنا کیمونی کیشن کنسٹرکشن کمپنی نے سری لنکا کی بندرگاہوں کی وزرات سے بولی کی صورت میں یہ منصوبہ حاصل کیا جس کا قلم دان اُس وقت کے صدر اراجاپاکسے کے پاس تھا۔ سری لنکا میں بھی بھارت نے سازش کرکے اس منصوبے کو متنازعہ بنا دیا گیا، کیونکہ بھارت نہیں چاہتا کہ چین کولمبو کے قریب زمین پر قبضہ جمائے کیونکہ وہ بھارتی سامانِ تجارت کی گزرگاہ بھی ہے، بھارتی اثر رسوخ کا

اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب نریندر مودی ۲۸ برس کے دوران پہلے دوطرفہ دورے پر سری لنکا پہنچے تو بندرگاہ پر کام کو معطل کرادیا گیا۔ بھارت نے گزشتہ سال بندرگاہ کے چینی تجارتی حصہ پر چین کی عسکری آبدوز کی موجودگی پر بھی اعتراض کیا تھا۔

آسٹریلیا کے لووی انسٹی ٹیوٹ میں بین الاقوامی سلامتی امور کے ماہر روری کا کہنا ہے کہ ' ان بندرگاہوں کے ذریعے چین اور بھارت اپنے مفادات کا دائرہ وسیع کرنا چاہتے ہیں، تجارت اور بیرونی مارکیٹیوں تک رسائی کے مواقع کو بڑھانا چاہتے ہیں'۔

بھارت ایرانی حکام سے چاہ بہار بندرگاہ کو وسعت دینے کیلئے متواتر دباؤ ڈالتا رہا ہے۔ گو کہ یہ بندرگاہ فعال تو ہے لیکن اس کی گنجائش پچیس لاکھ ٹن سالانہ ہے، جبکہ اس کیلئے ایک کروڑ بیس لاکھ ٹن سالانہ کا ہدف رکھا گیا ہے، امریکہ ایران میں اس چاہ بہار بندرگاہ کی وسعت کا مخالف ہے لیکن بھارت پاکستان میں چین کے تعاون سے بنائی جانے والی بندرگاہ گوادار کا شدید ترین مخالف ہے۔ چین نے اس بندرگاہ کیلئے دو سو اڑتالیس ملین ڈالر کے ابتدائی ترقیاتی کا 80 فیصد فراہم کیا تھا، اسی بندرگاہ کے ذریعے چین کو اپنی توانائی کی ضروریات کیلئے تیل کی سپلائی حاصل کرنے میں آسانی ہوجائے

گی۔ بھارت و چین اپنی معاشی ترقی کے تیز رفتار پہیے کو جاری رکھنے کیلئے ایران و پاکستان میں بڑی لاگت کے منصوبے جلد از جلد تکمیل تک پہنچانا چاہتے ہیں تو دوسری جانب بھارت یہ نہیں چاہتا کہ پاکستان اور پھر خاص طور پر بلوچستان کے عوام اپنے پیروں میں کھڑے ہو سکیں اور بھارت نے سازشوں کے ذریعے پاکستان کے طول و عرض میں جو انارکی پھیلا رکھی ہے اور سرمایہ کاروں کو پاکستان آنے سے خوف زدہ کرنے کیلئے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے بھیانک سازش کر رہا ہے اس کا اولین مقصد بھی یہی ہے۔ گوادر بندرگاہ بحیرہ عرب کے سرے پر خلیج فارس کے داہانے پر واقع ہے کراچی کے مغرب میں تقریباً 460 کلومیٹر، پاکستان کی سرحد کے مشرق میں ایران سے 75 کلومیٹر اور شمال مشرق میں بحیرہ عرب کے پار عمان سے 380 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ گوادر بندرگاہ کلیدی مقام آبنائے ہرمز کے قریب واقع ہے جو کہ خلیجی ریاستوں کے تیل کی برآمدات کا واحد بحری راستہ ہے اس کے علاوہ یہ زمین بند افغانستان اور وسطی ایشیائی ریاستوں جو کہ توانائی کی دولت سے مالا مال ہیں، کی قریب ترین گرم پانی کی بندرگاہ ہے۔ 1955ء میں علاقے کو مکران ضلع بنا دیا گیا 1958ء میں مسقط نے 10 ملین ڈالرز کے عوض گوادر اور اس کے گرد نواح کا علاقہ پاکستان کو دے دیا، یکم جولائی 1970ء کو جب ون یونٹ کا خاتمہ ہوا اور بلوچستان بھی ایک صوبے کی حیثیت اختیار کر گیا تو مکران کو بھی ضلعی اختیار مل گئے 1977 میں مکران کو ڈویذن کا درجہ دے دیا گیا اور یکم جولائی کو تربت، پنجگور اور

گوادر تین ضلع بنادئے گئے۔اگر گوادر کی ڈیپ پورٹ بین لاقوامی سازشوں سے بچ جاتا ہے اور اپنے منصوبے کے مطابق کامیاب ہوتا ہے تو اس بندرگاہ سے چین ، افغانستان ، وسط ایشیا کیممالک تاجکستان ، قازقستان ، آزربائیجان ، ازبکستان ، ترکمستان اور دیگر روسی ریاستوں کو براہ راست فائدہ پہنچے گا اور ان کا انحصار دوبئی پورٹ کے ساتھ ساتھ ایران کی چاہ بہار بندرگاہ پر کم خرچ ہونے کی بنا پر صوبے اور پاکستان کی عوام کیلئے سود مند اور فائدہ مند ہوگا۔اس بندرگاہ کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ یہ خلیج فارس ، بحیرہ عرب ، بحر ہند خلیج بنگال اور اسی سمندری پٹی میں واقع تمام بندرگاہوں سے زیادہ گہری بندرگاہ ہے اس میں ڈھائی لاکھ ٹن وزنی جہاز بھی باآسانی لنگر انداز ہوسکیں گے۔بندرگاہ کی گہرائی 14.5 میٹر ہے۔ بندرگاہ پر تیزی سے ترقیاتی کام جاری ہے۔اور 8 کی تعمیر کا آغاز بھی شروع ہوچکا ہے جو 892 کلو M اس کے ساتھ چین کے تعاون سے میٹر طویل موٹر وے ہوگی ۔ جبکہ بھارت نے ایران کے ساتھ گوادر بندرگاہ کے مقابلے میں ایران کی چاہ بہار بندرگاہ کی تعمیر و توسیع کے منصوبے شروع کردیئے ہیں ۔2003ء میں بھی بھارت اور ایران نے پاکستان کی سرحد سے متصل خلیج عمان میں ایرانی بندرگاہ چاہ بیار کو تعمیر کرنے پر اتفاق کیا تھا لیکن ایران پر پابندیوں کے سبب اس پر عمل درآمد نہیں ہوسکا ، اب ایران ، امریکہ ایٹمی معاہدے کے بعدایران کی چاہ بہار بندرگاہ پر تیزی سے کام کیا جائے گا۔بھارت پہلے ہی چاہ بہار بندرگاہ کو مغربی افغانستان کے ساتھ جوڑنے

کے لئے 220 کلو میٹر لمبی سڑک بنانے کیلئے 100 ملین ڈالر خرچ کرچکا ہے۔ بھارت ، ایران سے چار سو ارب ڈالر کی مصنوعات درآمد کرتا ہے ۔ بھارت چاہ بہار بندرگاہ کو فری ٹریڈ زون کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے۔ 30 جون کو ممکنہ پابندیاں ایران بھی عالمی ممالک کی ایک اہم مارکیٹ بن سکتا ہے اسلئے بھارت بھی خوف زدہ ہے کہ کا ایران اپنا ارادہ نہ بدل لے کیونکہ ایران نے بھارت کی جانب سے ' فرزادبی' گیس خائر پر اربوں ڈالرز کے تعمیری حقوق حاصل کرنے کی درخواست پر انکار کردیا تھا، ادوسری جانبچین کے صدر شی جن پنگ کے حالیہ دورہ پاکستان میں 46 ارب ڈالر کے معاہدے کس کیلئے تکلیف کا باعث بن رہے ہیں، بلوچستان اور پاکستان میں امن قائم نہ ہونا، فرقہ وارانہ، نسلی اور لسانی خانہ جنگی کس کس کی منصوبہ بندی میں شامل ہے ۔ اس پر معمولی غور کرنے سے عالمی سازش بے نقاب ہوجاتی ہے۔

سائیلنٹ ہو جاورنہ۔۔۔

اکبر الہ آبادی کو کسی صاحب نے خط لکھا اور خط میں بعد سلام انہیں " قبلہ " کہہ کر مخاطب کیا، اکبر الہ آبادی نے جواب دیا کہ ' آپ نے مجھے " قبلہ " لکھا ہے جو کہ مسلمانوں کیلئے قابل احترام جگہ سمجھی جاتی ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو کیا لکھوں، یہی لکھ سکتا ہوں کہ وعلیکم السلا' جامع مسجد ' ۔۔گذشتہ دنوں عالمی یوم صحافت منایا گیا۔پاکستان میڈیا کی آزادی حوالے سے نمبر 180 میں سے 159 واں تھا۔اب پاکستان کا یہ نمبر کن خطوط کی بنا پر آیا اس پر بحث لاحاصل ہے، لیکن عالمی میڈیا میں آزادی اظہار کے نام پر جو کھلوار ہو رہا ہوتا ہے اس کا چھوٹا مگر ذلیل ترین مظاہرہ اور عالم اسلام کیلئے انتہائی تکلیف دہ، گستاخانہ خاکوں کے نمائش کی ایک پھر ناپاک جسارت تھی۔جس پر مشتعل ہو کر حملہ کیا گیا اور حملہ آور جاں بحق ہوئے۔عالمی میڈیا میں اظہار آزادی کے نام پر شخصیات کی ذاتی زندگیوں سے کھیلنے کی روش اور انھیں بر سر عام اچھالنے کا سلسلہ انتہائی مقبول کھیل ہے جسے اظہار رائے آزادی کا نام دے دیا جاتا ہے۔لہذا اس قبل میں جذباتی ہو جاؤں اس لئے اس عالمی صحافت کی آزادی موضوع کو پاکستان میں لئے چلتے ہیں۔پاکستانی میڈیا کے بارے میں چار باتیں کوریج کے حصول کیلئے اہم قرار دی جاتی ہیں۔نمبر ایک پیسہ، نمبر دو ڈنڈا،

نمبر تین بیرونی فنڈنگ اور نمبر چار خفیہ ایجنسیوں کا آلہ کار ہونا۔ کسی نے کیا خوب کہا کہ اگر پنجاب میں وزیر اعظم کسی ایسے منصوبے کا افتتاح کر رہے ہوں جو خالصتاً صوبائی ہو لیکن اس ' تاریخ ساز' منصوبے کی کوریج پورے پاکستان میں اس طرح دکھائی جاتی ہے کہ جیسے اس منصوبے سے مجموعی طور پر پاکستان کو فائدہ ہو رہا ہے۔ اسی طرح کسی بھی سیاسی جماعت کا گھنٹوں کوریج حاصل کرنے کیلئے چار بالا اجزا کا ہونا ضروری ہے۔ اب اس معاملے کو بھی یہیں تک محدود رکھتے ہیں ورنہ میں جذباتی ہو جاؤں گا۔ طالبان کو سپریم طاقت نہ سمجھنے والوں سے یہ پوچھنا تھا کہ طالبان (افغانستان) کے پیچھے ایسی کون سی طاقت ہے جو امریکہ، پاکستان چین اور روس جیسی ایٹمی طاقتوں کو مذاکرات پر مجبور کرتی ہیں اور طالبان (افغانستان) کی جب شرائط نہیں مانی جاتی تو مذاکرات معطل کر دیئے جاتے ہیں۔ کچھ دانشور ایسے جہاد کی طاقت قرار دیتے ہیں ۔ میں بھی اس حوالے سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس معاملے کو بھی یہیں چھوڑ دیتے ہیں ورنہ میں جذباتی ہو جاؤں گا۔ بھارت لکھوی کا معاملہ اقوام متحدہ لیکر چلا گیا اور پاکستان کے خلاف جی بھر کر ہرزہ سرائی کی ، لیکن یہ سمجھ نہیں آتا کہ پاکستان میں متعدد مواقع پر بھارتی ایجنسی ' را' کے ملوث ہونے کے دعوے کئے گئے خاص کر بلوچستان اور کراچی میں تو سرکاری طور پر بھی کافی بیانات آئے ، اب پاکستان کی عسکری قیادت کے اعلی سطحی اجلاس میں بھی ' را' کے پاکستان میں دہشتگردی کے حوالے سے میٹنگ بھی ہوئی لیکن یہ سمجھ نہیں آتا

کہ آخر پاکستان 'را' کی جانب سے دہشت گردی کاروائیوں اور مقامی افراد کی سرپرستی کرنے کے معاملے سمیت سمجھوتہ ایکسپریس سانحے کو اقوام متحدہ کیوں نہیں لیکر جاتا، کیا کشمیر کے بعد کوئی اور قرارداد لے جانے پر پاکستانی آئین میں کوئی قدغن ہے، مزید بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں لیکن اس معاملے کو بھی یہیں پر چھوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔

ایک لبنانی رہنما نے دعوی کیا کہ رفیق حریری کا قاتل کوئی اور نہیں بشار الاسد ہے۔

دروز قبیلے کے سربراہ ولید جنبلاا نے سابق لبنانی وزیراعظم کا قاتل بشار الاسد کو قرار دیا ہے، عالمی تحقیقاتی کمیشن کے سامنے اس بیان اور شامی عوام پر ظالم، جابر و غاصب حکمران کی جانب سے کیمیاوئی ہتھیاروں کے استعمال کے باوجود اقوام متحدہ نے کوئی کاروائی کیوں نہیں کی، اس کے علاوہ امریکی حملے سے بچنے کیلئے شام کے صدر بشار الاسد نے امریکی چینل فاکس نیوز کو انٹرویو دیتے ہوئے وعدہ کیا تھا کہ شام اپنے کیمیاوی ہتھیاروں کے بارے میں روس اور امریکہ کے معاہدے کا پابند ہے اور ان ہتھیاروں کو کسی بھی ملک کے حوالے کرنا چاہتا ہے جو انہیں قبول کرے، شام نے پہلی بار تسلیم کیا تھا کہ اس کے پاس کیمیاوئی ہتھیار ہیں پھر بھلا آج تک 19 ستمبر 2013ء میں کئے گئے اس وعدے کو پورا کیوں نہیں کیا گیا، کیا داعش کی طرح، شامی حکومت بھی ؟؟ لیکن رہنے دیں، اس پر بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں لیکن سائیلنٹ ہو جاتا

ہوں اور اس معاملے کو یہیں پر چھوڑ کر یمن میں آتے ہیں۔ کہا جاتا رہا کہ یمن کے شدت پسند باغی حوثی قبائل کا سعودی عرب پر حملے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا، لیکن جب سعودی عرب نے انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر امداد کیلئے فضائی حملے روکے جانے کے لئے آمادگی ظاہر کی تو موقع کا فائدہ اٹھا کر شدت پسند حوثی قبائلی باغیوں نے سعودی علاقے نجران پر راکٹوں سے حملہ کردیا اور نجران کے الحلقہ، الفتح اور دیگر تین فوجی اڈوں کا نشانہ بنایا۔ اس سے قبل بھی حوثی باغیوں نے سعودی حفاظتی چوکی پر حملہ کیا تھا، دونوں حملوں کو ناکام بنا کر حوثی باغیوں کو بھاگنا پڑا۔ ان حملوں میں بے گناہ پانچ سعودی شہری کے ہلاکتوں کی اطلاعات ملیں ہیں اب جنگ بندی ختم ہوچکی ہے۔

امریکہ میں اپوزیشن ری پبلکن سے تعلق رکھنے والے سینٹ کی آرمڈ سروسز کمیٹی کے سربراہ جان مکین نے اوباما انتظامیہ پر سخت تنقید کرتے ہوئے کہا کہ سعودی عرب کا ہمیں اعتماد میں لئے کاروائی کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ریاض اب ہم پر بھروسہ نہیں کرتا، وہ ہمیں ایران کا اتحادی دوست سمجھنے لگا ہے۔ پڑوسی ملک کے بری فوج کے سربراہ نے ایک پروگرام مُں گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا کہ جنگ کا دائرہ وسیع ہو سکتا ہے ایسے میں ہمیں بھی سعودی عرب کے خلاف فوجی کاروائی پر مجبور ہونا پڑے گا۔ اب بھلا وہ لوگ بتائیں کہ جو یہ کہتے ہیں کہ یمن جنگ، یمن کا داخلی معاملہ ہے اور مسلکی جنگ نہیں ہے تو پھر یہ

سب کیا ہے۔ میں یہاں بھی خاموش ہوجاتا ہوں اور اس معاملے کو یہیں پر محدود رکھتے ہوئے امام کعبہ شیخ خالد الغامدی کے اس بیان کی جانب آتے ہیں جو انھوں نے اسلام آباد میں مجلس صوت الاسلام کی ایک تقریب میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حوثی باغیوں نے بھی وہی ارادہ کیا ہوا تھا جو ابرہہ کا تھا، باغیوں کو امن دشمنوں نے اسلحہ فراہم کیا، یمن میں خواتین، بچے قتل، مساجد و حفظ قرآن کے مراکز شہید کئے گئے۔
اب بھلا جب سینگال جیسا ملک اپنے فوجی حرمین شریفین کی حفاظت کیلئے بھیج رہا ہے تو پاکستان جو کہ اسلامی ممالک کا لیڈر وایٹمی مسلم ملک ہے، اس کی افواج کو حرمین شریفین کی حفاظت کیلئے بھیجنے میں کیوں تامل ہے،پارلیمنٹ اور سیاسی جماعتوں کے دوہرے کردار پر بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں لیکن پھر خاموش ہوجاتا ہوں اور اس معاملے کو یہیں پر چھوڑ کر تھوڑا سا آگے بڑھتا ہوں۔
مرکزی افریقہ میں تمام مساجد کو شہید کرنے کی خبر ابلاغ کا حصہ بن چکی ہے لیکن کسی بھی مسلم ملک کے جذبہ مسلمانی کو جوش نہیں دلا سکی، اب ایک بار پھر برما کے روہنگیا مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کی ایک اور ہولناک داستان سامنے آگئی ہے،
تھائی لینڈ میں انسانی اسمگلروں نے سینکڑوں روہنگیا مسلمانوں کو اپنے حراستی کیمپوں میں فوج کے چھاپے سے قبل شہید کرکے انہیں 130 اجتماعی قبروں میں دفن کردیا ایک قبر سے 29 لاشیں ملیں جبکہ ایک کی حالت

نارک تھی ۔ ہیومن رائٹس واچ کی جانب سے تھائی آرمی چیف کو جمع کرائی جانے والی شکایات میں بتایا گیا ہے کہ تھائی پولیس اور امیگریشن کے کرپٹ افسران نے انسانی اسمگلروں کے ساتھ ساز باز کر رکھا ہے اور برما سے تھائی لینڈ کے راستے دیگر علاقوں کو جانے والے روہنگیا مسلمانوں کو پکڑ کر حراستی کیمپوں میں قید کر رہے ہیں ۔ بنکاک پوسٹ جریدے کی رپورٹ کے مطابق ملٹری حکام نے انسانی حقوق کے اداروں کے مطالبے پر واقعے کی انٹیلی جنس تحقیقات کرانے سے اتفاق کیا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق تھائی لینڈ کے اسمگلر 30 ہزار سے زائد روہنگیا مسلمانوں کو پکڑ کر بین الاقوامی اسمگلروں کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس پر اقوام متحدہ اور خاص کر مسلم ممالک کیوں خاموش رہتے ہیں ۔ کہنا تو چاہتا ہوں لیکن پھر خاموش ہو جاتا ہوں۔ کیونکہ میرے کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا میں مملکت شام کا نوحہ پڑھوں یا یمن کا ماتم کروں ، فلسطین کے لئے گریبان چاک کروں یا افریقی مسلمانوں کیلئے سر پر خاک ڈالوں یا پھر بھارتی اور روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے مظالم اور مسلم امہ کے خلاف عالمی سازشوں کا گریہ کروں ، ہمیں کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ ہمارے لئے ضروری ہے الیکشن کا سال کون سا ہے ، بھنگڑے ضروری ہیں، کرکٹ ٹیم کی ہار جیت ضروری ہے۔ سیاسی مخصوص مفادات کیلئے مرزاؤں کے انکشافات ضروری ہیں یا آیان علی کے شب و روز جیل میں کیسے گذر رہے ہیں یہ اہم معاملات ہیں ، میرا خاموش ہونا بہتر ہے، ویسے بھی مسلسل دھمکیاں ملتی رہتی

ہیں کہ سائیلنٹ ہو جا ورنہ ۔۔۔

اگر تم ہمارے ساتھ نہیں ہو تو پھر ہمارے خلاف ہو

امریکی مصنف نوم چومسکی اپنی کتاب Hegemony or Survival: America's quest for global dominance میں لکھتا ہے کہ " میں آج دنیا میں دو طاقتوں کی بات کرتا ہوں ، ایک امریکہ جو جارحانہ طریقے سے دنیا پر اپنی حکمرانی مسلط کرنا چاہتا ہے اور دوسری عالمی رائے عامہ ہے۔"

دو صدیوں سے اس کرہ نصف پر بولیور کا فلسفہ Bolivar Doctrine اور موترو کا فلسفہ Moonroe کے مابین تصادم ہے ، امریکا کا فلسفی کا موترو کا ماننا ہے کہ تمام دوسری جمہوریاؤں پر امریکا کی بالادستی ہونی چاہے اور Simon Bolivar کا فلسفہ ہے کہ ' توازن کو برقرار رکھنے کیلیئے ایک عظیم جنوب امریکی جمہوری کا تصور ہونا چاہیے'۔امریکی صدر جارج بش نے پورے عالم پر کا موترو کیفلسفے کی ترویج کی ۔امریکا کیلیئے اس کا جارحانہ رویہ یہ رہا کہ " اگر تم ہمارے ساتھ نہیں ہو تو پھر ہمارے خلاف ہو ۔ "جبکہ عالمی رائے یہ رہی ہے کہ امریکا کو اپنی توسیع پسندانہ خیالات و منصوبہ بندی کے بجائے اقوام کے مابین مساوات خودمختاری اور طاقت کے توازن پر اپنی توجہ مرکوز رکھنی چاہیے تھی۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے 61 ویں اجلاس میں ایرانی صدر احمد نژاد نے جب امریکا کا دورہ کیا تھا تو اس موقع پر واشنگٹن پوسٹ کو نیویارک میں ایک

انٹرویو دیتے ہوئے امریکہ کے بارے میں اپنی رائے دی کہ " مجھے امید ہے تھی کہ صدر بش اپنا طرز عمل اور رویہ بدلیں گے اس سے ہم خوش نہیں ہوتے جب دنیا کے چاروں طرف لوگوں کے جذبات میں روز اضافہ ہوتا ہے اس کو الٹا پھیرا جا سکتا ہے۔ یہ بعض امریکی سیاستدانوں کا رویہ اور سوچ ہے جو چیزوں کو برباد کر رہی ہے۔"

یہودی مذہبی پیشوا ایسروئیل ویس Yisroel Weiss کا تعلق یہود کے اسوپ سے ہے جو " صہیونت "کے خلاف مصروف [جہد وپیکار ' ہے موصوف نے امریکن انایونسر Neil Cavuto کا روو ٹو کا اس امریکن نیوز چینل نے نشر کیا جو اپنی اسلام دشمنی کی بنا پر خصوصی شہرت رکھتا ہے۔یسروئیل ویلس نے انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ " صہیونی ڈھانچے کے قیام نے واضح طور اور نہایت واشگاف انداز میں اس شیطانی فراڈ کا پردہ فاش کیا ہے جس نے ایک مدت سے دنیا کے نیک نیت افراد کو دھوکے میں ڈالے رکھا اور اطمینان سے اس مذموم اور بد باطن وجود کی حمایت کرتے رہے جو اپنے آپ کو یہودی مملکت "کے نام سے موسوم کرتا ہے۔" وہ مزید کہتے ہیں کہ " اسرائیل نے تمام لوگوں کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے خواہ وہ یہودی ہوں یا دیگر "۔

ڈاکٹر ولی رضا نصر مشرق وسطی اور بین الاقوامی تعلقات کے ماہر ، خارجہ امور

پر امریکی حکومت مشیر ہیں جبکہ امریکا کے معروف ادارے ' کونسل آن فارن افیئر ' کے تاحیات رکن ہونے کے ساتھ ساتھ امریکی امریکی خارجہ کے پالیسی بورڈ کے بھی رکن ہیں۔ان کی رائے کے مطابق" پاکستان میں سیاست اور مذہب ایک دوسرے سے جڑے رہے ہیں ، قیام پاکستان کے بعد ایک وقت ایسا آیا تھا کہ جب آپ اس نئے وطن کیلئے سیکولر شناخت کا انتخاب کر سکتے تھے لیکن ایسا ہونے سے قبل 1949ء میں قرار دادِ مقاصد آ گئی کہ جس نے واضح کر دیا کہ یہ ایک اسلامی ملک ہے اور جب آپ نے یہ کہہ دیا کہ یہ ایک اسلامی ملک ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اب اس ملک میں سیاست اسلام کے مطابق ہوگی اور یہیں سے یہ مسئلہ سیاسی ہو جاتا ہے۔ یہ ایک اہم نقطے کی نشان دہی ہے کہ پاکستان کا وجود اسلامی سیاست سے جڑنے کے کئی اسباب ہیں جس میں ایک یہ ہے کہ پاکستان میں کون سا اسلام نافذ کیا جائے ، کس کی شریعت نافذ کی جائے ، حنفی ،مالکی شافعی ، حنبلی یا جعفری ؟ پانچ مکاتب فکر موجود ہیں ۔ اس اہم معاملے میں شدت اس ، وقت پیدا ہوئی جب جنرل ضیا الحق نے اعلان کیا کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے ، لہٰذا مسلمان اپنی زکوۃ ریاست کو دیا کریں گے کیونکہ جنرل ضیا الحق کے مطابق تاریخ میں یہی ہوتا رہا ہے کہ مسلمان اپنی اسلامی ریاست کو زکوۃ دیتے آئے ہیں جس کی مثال عباسی اور موی خلفاء کی دی جاتی رہی ہے ، لیکن پاکستان میں رہنے والی شیعہ اقلیت نے اس پر شدید اعتراض اٹھایا کہ پاکستان کو مسلم سنی اسٹیٹ بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

پاکستان اپنی نظریاتی اساس کی بنیاد پر ہمیشہ حساس رہا ہے، حیران کن بات یہ ہے کہ پاکستان دو قومی نظریئے کی بنیاد پر جب حاصل کیا گیا اور پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو پاکستان کے پہلے وزیر قانون پاکستانی تحریک کے ہندو رہنما بنے لیکن ان پر اتنی شدت سے اعتراض نہیں ہوا جتنا 1953 میں پاکستان میں قادیانی مسئلہ پر کھڑا ہوا تھا جب ایک قادیانی وزیر خارجہ کو نامزد کیا گیا تو اس پر مخصوص مکتبہ فکر کے علما نے اعتراض کیا حالاں کہ اس وزیر نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا تھا وہ پنجاب میں پیدا ہوئے اور خود کو پاکستانی بھی کہلاتے تھے لیکن مخصوص مکتبہ فکر کا اصرار تھا کہ جب تک سنی العقیدہ نہ ہو اس وقت تک ایک اسلامی ریاست میں اہم عہدہ نہیں دیا جا سکتا، اس کے بعد پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی تحریک شروع ہوئی اور اس وقت تک جاری رہی جب تک آئین پاکستان میں باقاعدہ اس قانون کو منظور نہیں کر لیا گیا۔ دلچسپ امر ہے کہ مخصوص مکتبہ فکر کے بڑے بڑے جید علما پاکستان کے قیام کے مخالف تھے لیکن قیام پاکستان کے بعد نہ صرف اس کے شہری بن گئے بلکہ رہنما بھی قرار پائے، چونکہ سنی العقیدہ تھے اس لئے پاکستان کو سنی اسٹیٹ تصور کرا لیا گیا۔ حالاں کہ قائد اعظم کی کسی بھی ایک تقریر کے کسی بھی اقتباس میں کوئی بھی یہ نہیں ثابت کر سکتا کہ پاکستان کسی خاص مسلک یا عقیدے کے تحت بنایا جائے گا۔ انھوں نے ہمیشہ پاکستان کا آئین قرآن کریم اور اسلام

ملت واحدہ کے طور پر افکار اقبال کے مطابق رکھا۔

پاکستان آج بھی صوبائیت، علاقائی، لسانی فرقہ واریت' اُدھر ہم اُدھر تم والے' فارمولے پر گامزن ہے اور اس بات کے قوی امکانات اور عالمی رائے عامہ بھی یہی ہے کہ پاکستانیوں کی یہ روش انتہائیتباہ کن ہے۔پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا، پھر پاکستان نے اسلامی ممالک میں سب سے پہلے ایٹمی طاقت حاصل کی،پاکستان کی فوج دنیا کی پانچ بہترین افواج میں شمار ہوتی ہے،پاکستان کی انٹیلی جنس ایجنسی دنیا کی نمبر ون ایجنسی کے درجے پر ہے، کہا جاتا ہے کہ اسلامی دنیا میں تمام تر وسائل سے مالا مال اس ملک میں ایک عالمی سازش کے تحت سعودی عرب اور ایران نے پاکستان میں اپنی پہلی پراکسی "لڑائی 1983ء میں لڑی تھی، سعودی عرب فاتح رہا تھا پاکستان میں جاری" فرقہ وارانہ کشیدگی میں دونوں ممالک کی سرمایہ کاری نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ کوئی دو رائے نہیں فروعی و خود ساختہ نظریات کے تحت بعض مدارس اور تنظیموں کے قیام اور نظریات کو فروغ دینے کیلئے وہی کردار ادا کر رہے ہیں جو اس سے قبل عراق، لبنان اور شام بھگت چکے ہیں۔ایران اس وقت عرب ممالک کے چار دارالحکومتوں پر اپنی سیاسی حکمت عملی ے عسکری تعاون کے نام پر ایک نئی طاقت بنا ہوا ہے۔ چین ایک نئی عسکری قوت اور معاشی طور غیر مستحکم ممالک میں سرمایہ کاری میں مصروف ہے، بھارت استعماری قوت بننے

کیلئے چین کے راستے میں حائل کردیا گیا ہے اور آزاد ہوتی افغان حکومت پر معاشی و سیاسی طور پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ پاکستان کئی عشروں کی جنگوں کے بعد افغانستان کو کسی حلوے کے طور پر کسی دوسرے ملک کو پلیٹ میں رکھ کر دینے کے موڈ میں نظر نہیں آتا۔ مملکت کی تینوں سرحدوں پر دشمن کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے، اندرونی صورتحال بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ پاکستان کی عسکری قوت کو کئی محاذوں پر لڑنا پڑ رہا ہے۔ ملکی سیاسی قیادت میں فہم و بصیرت کا فقدان بتدریج بڑھتا جا رہا ہے قومی سیاسی جماعتوں نے علاقائی سیاست کو اپنا لیا ہے۔ قومی سیاست کے بجائے، لسانی، نسلی اور فرقہ وارانہ سیاست کو فروغ دیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مختلف عناصروں نے اپنی مضبوطی کیلئے ایسے ممالک کی پشت پناہی حاصل کرلی ہے جو براہ راست مداخلت کرکے اپنے مقاصد کو کامیاب بنانے کیلئے کسی بھی حد تک جانے کیلئے تیار ہیں۔ جس طرح امریکا نے ایک پیغام دیا تھا کہ " اگر تم ہمارے ساتھ نہیں ہو تو پھر ہمارے خلاف ہو۔ ایسی طرح یہی منطق ہر ملک نے اپنانی شروع کردی ہے۔ امریکا اپنا طرز عمل تبدیل " کر رہا ہے لیکن اب امریکی طرز عمل دوسرے ممالک اپنا رہے ہیں اور ان ممالک میں سیاسی قوت کی حامل جماعتیں ایسی منطق کو اپنا رہی ہیں اور سیاسی جماعتوں سے وابستہ کارکنان نے بھی یہی روش اختیار کرلی ہے کہ " اگر تم ہمارے ساتھ نہیں ہو تو پھر ہمارے خلاف ہو۔ " امریکہ، اسرائیل، بھارت کے چہرے بدل بدل کر سامنے آرہے ہیں کبھی کسی صورت

میں کبھی کسی صورت میں ۔پالیسی یہی ہے کہ " اگر تم ہمارے ساتھ نہیں ہو تو پھر

ہمارے خلاف ہو۔ "۔۔۔۔

غوث علی شاہ کیساتھ ایک نشست

سندھ کے سابق وزیر اعلی غوث علی شاہ کے اصرار پر شفیق دوست اور بڑے بھائی جمشید گل بخاری کے توسط سے محترم مشر اجمل خٹک کمشنر ،کے ہمراہ ان کے دفتر میں ایک غیر رسمی نشست کا اہتمام کیا گیا اس موقع پر محترم مقتدا منصور بھی ہمراہ تھے ، کراچی پریس کلب سے جانے والی دو گاڑیوں میں ایک گاڑی جمشید گل بخاری چلا رہے تھے جبکہ مقتدا منصور صاحب کے کہنے پر میں ان کے ساتھ ہو گیا۔ کراچی پریس کلب میں استاد محترم ڈاکٹر توصیف احمد خان صاحب سے بھی پہلی مرتبہ ملاقات ہو گئی انھوں نے دل موہ لینے والے انداز میں خیریت دریافت کی اور مجھے داعش کی جانب سے ملنے والی دھمکی پر شفقت کے ساتھ اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے ہوئے اپنی حفاظت کا خاص خیال رکھنے کی نصیحت کی، مقتدا منصور صاحب سے باتیں کرتے کرتے ہم دونوں ' راستہ' بھٹک گئے لیکن کسی نہ کسی طرح غوث علی شاہ کے ڈیفنس میں واقع پر تعیش گھر میں قائم دفتر میں پہنچ گئے۔ اس دوران غوث علی شاہ کو آنے میں تاخیر ہوئی تو بعض احباب نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں کہ وڈیرانہ فطرت بڑی مشکل سے جاتی ہے لیکن اسی وقت جمشید گل بخاری نے غلط فہمی دور کر دی کہ شاہ صاحب وقت کے سختی سے پابند ہیں ، انھوں نے جو وقت دیا تھا ہم کافی تاخیر سے پہنچے ہیں ، شاہ صاحب نماز کے سخت پابند ہیں ، اس وقت نماز پڑھ رہے ہیں۔

غوث علی شاہ کے دفتر میں نظریں دوڑایں تو ماحول کے جائزے میں ایک حیران کن تبدیلی دیکھی کہ اس قبل ان کے دفتر، میں میاں نواز شریف کی تصاویر بھی جگہ پاتی تھیں لیکن ان کے دل سے اترنے کے بعد میاں نواز شریف کی تصویریں بھی اتار دیں گئیں، لیکن متعدد تصاویر میں محترمہ بے نظیر بھٹو کی اکلوتی خوب صورت تصویر سب سے جداگانہ نظر آ رہی تھیں اور غوث علی شاہ جو تقسیم پاکستان کے ذمے دار ذوالفقار علی بھٹو کو سمجھتے ہیں ان کی بیٹی کی تصویر کو ذاتی تصاویر میں جگہ دینے کا واضح مطلب ان کی سیاسی بصیرت کو تسلیم کرنا اور میاں نواز شریف سے ناراضگی کا واضح اظہار تھا۔ غوث علی شاہ جیسے ہی اپنے دفتر تشریف لائے تو راقم سے سب سے پہلے مصافحہ کیا اور میں نے پختون روایت کےمطابق باہر سے آنے والے (چاہیے وہ میزبان ہی کیوں نہ ہو)، خوش آمدید کہا۔ وہ آگے بڑھے اور دیگر مہمان گرامی سے گرم جوشی سے مصافحہ کرتے گئے اور جمشید گل بخاری نے متعارف کرانے کی ذمے داری سنبھالی ہوئی تھی۔ غوث علی شاہ کے مطابق ان کے بارے میں عام تاثر یہی ہے کہ وہ اردو اور سندھی کیمونٹی کو ساتھ لیکر چل سکتے، غوث علی شاہ مصر تھے کہ وہ لوئر کلاس سے تعلق رکھتے ہیں جس پر میری نگاہوں میں ان کا پر تعیش بنگلہ، دفتر ڈرائینگ روم گھوم گیا اور بے ساختہ دعا نکلی کہ اللہ تعالی ہر لوئر کلاس کو اسی طرح کی سہولیات

فراہم کرے۔ کھانے کی میز پر سوال جواب کا ایک طویل سلسلہ شروع تھا جس میں غوث علی شاہ نے اپنی سیاسی جهد وجد، ہائی کورٹ کے قصے، مسلم لیگ ن، نواز شریف سے گلہ وبے رخی، قید و بند کی کہانیاں کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا کچھ باتیں آف دی ریکارڈ بھی کیں، جن کا ذکر مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ صحافتی اصول کے خلاف ہے۔ چونکہ ان کی بیشتر باتیں میڈیا میں آچکی ہیں اس لئے یہاں ان کا ذکر نہیں کر رہا، تاہم جب ان سے پوچھا گیا کہ ایم کیو ایم بنانے میں آپ کا کوئی کردار تھا تو انھوں نے دلیل دی کہ ایک سابق فوجی جرنیل نے اپنی کتاب میں اقرار کرلیا ہے کہ ایم کیو ایم اس نے تخلیق کی اس لئے میں اب اس الزام سے بری الزمہ ہوتا ہوں۔ یہیں ایک اور تلخ سوال ایک واقعے کے صورت میں انھیں سنایا کہ آپ سے ملاقات کیلئے آتے وقت ایک کسب گر (نائی) سے جلدی شیو بنانے کو کہا گیا اس نے وجہ پوچھی، کسب گر کو بتایا کہ غوث علی شاہ کے پاس جانا ہے، اس کسب گر نے نفرت سے کہا کہ پختونوں کے سب سے بڑے دشمن کے پاس۔ غوث علی شاہ سے جب یہ سوال پوچھا تو انھوں نے سختی سے تردید کی وہ پختونوں کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں سہراب گوٹھ آپریشن کسی پختون کے خالف نہیں تھا بلکہ ڈرگ مافیا کے خلاف تھا، آپریشن کامیاب ہوجاتا لیکن اس علاقے کے ایک ایس ایچ او نے جس کو غوث علی شاہ کے مطابق 73 لاکھ روپے روزانہ رشوت ملتی تھی اس آپریشن کا راز فاش کردیا جس کی وجہ سے مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہوسکے، غوث علی شاہ نے کہا کہ یہ ایک مشکل فیصلہ تھا لیکن میں نے خود سے وعدہ کیا تھا

کہ جب بھی مجھے اختیار ملا تو میں اس ناسور کے خلاف ایکشن لوں گا۔ یہیں پر انھوں نے پختونوں کے ساتھ یک جہتی کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ جب کراچی میں پختونوں کی بسوں کو آگ لگائی جارہی تھی تو میں نے یہ آرڈر دیئے تھے کہ بس جلانے والوں کی ٹانگوں پر فائرنگ کرکے انھیں گرفتار کرو۔ بعد ازاں ایم کیو ایم کے قائد کی دو مرتبہ گرفتاری کے حوالے سے بھی یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اگر میرا جھکاؤ مکمل ایم کیو ایم کی جانب ہوتا تو میں انھیں گرفتار کیوں کرتا، الطاف حسین کو گرفتار کرنا معمولی بات تو نہیں تھی۔ ان کی مسلم لیگ کیلئے سیاسی جدوجہد، قربانیاں، قید وصعوبتیں اور نواز شریف کی جانب سے ان سے بقول وعدہ خلافیاں اپنی جگہ لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ ان کے دور حکومت میں لسانی فسادات کو جتنا فروغ ملا اور پختونوں کو جتنی نفرتیں اور پریشانیوں کا سامنا آج تک کرنا پڑ رہا ہے ایسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، لیکن یہ ضرور ہے کہ اپنے نئے سیاسی اتحاد جس میں ان کی ملاقات پرویز مشرف سے بھی ہوئی احوال کا انھوں نے آف دی ریکارڈ ذکر کیا اور موجودہ پیر صاحب پگاڑا سے بھی، جن، میں سابق چار وزیر اعلی سندھ بھی شامل تھے، انھوں نے کراچی کی دوسرے نمبر کی کثیر نفوس پر مشتمل پختون آبادی اور سندھ میں تیسرے نمبر پر کثیر نفوس پر مشتمل مستقل آباد پختون باشندوں کے تحفظ اور ان کے بنیادی حقوق کیلئے کیا حکمت عملی اختیار کی ہے یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا، ماضی میں انھوں نے ایک ٹرانسپورٹر کو متعدد پرمٹ دینے کا اعتراف کیا کہ

وہ ایک اچھا پختون تھا، لیکن مستقل آباد پختون اور محنت کش ایسے پختون جو روزگار کی تلاش میں سندھ بالخصوص کراچی میں آئے، ان کی آبادیوں کو ترقیاتی کاموں سے محرومی سمیت بے تحاشا مسائل کا سامنا رہا ہے۔اس امید کے ساتھ کہ غوث علی شاہ کے حوالے سے پختونوں میں جو بھی رویہ پایا جاتا ہو اس کا مدوا کرنے کیلئے امید کر سکتے ہیں کہ کسی ایسے دور میں جب اللہ تعالی انھیں دوبارہ بااختیار بنائے تو اردو، سندھی، پشتو بلوچی، کچھی، پنجابی ودیگر زبان بولنے والی قومیتوں کے درمیان قومی رواداری اور، بھائی چارے کے فروغ کیلئے اہم کردار ادا ضرور کریں گے۔ غوث علی شاہ صاحب سے معذرت کیساتھ عرض ہے کہ ماضی کی پیدا شدہ غلط فہمیوں کو دور کرنے کا بھی وعدہ کریں۔ غوث علی شاہ نے آخر میں جاتے جاتے مجھ سے کہا کہ خان صاحب آپ بہت کم بولتے ہیں۔ میں نے کہا کہ شاہ صاحب میں واقعی میں بہت کم کم بولتا ہوں، لیکن جب بولتا ہوں تو سامنے والوں کو میرے سوالات بڑے تلخ لگتے ہیں۔ ہماری پختون روایتمیں ہے کہ مہمان بن کر جہاں جائیں وہاں میزبان کو سنیں اور ان کی عزت رکھیں۔ آپ کا شکریہ کہ موجودہ ایک ایسے پر شکوہ ماحول میں جب پختونوں، بلوچوں پر قیامت صغری ہے۔ ہمیں اپنے ساتھ ذاتی باتیں شیئر کیں اور کھل کر بات کرنے کا موقع دیا۔ اگر اس موقع پر کسی بلوچ تجزیہ نگار کو بھی بلا لیتے تو مزید اچھا ہوجاتا۔تاہم غوث علی شاہ سے نشست دلچسپ رہی لیکن یادیں بہت تلخ ہیں اس لئے معذرت کے ساتھ، تلخیاں جاتے جاتے جاتی ہیں۔

جناحؒ واقبالؒ کا پاکستان

مسٹر جناح جنھیں قائد اعظم اور کافر اعظم کا خطاب ان کی زندگی میں ہی دے دیا گیا تھا۔ان پر انکی زندگی میں ہی متعدد اعتراضات اور تنقیدیں ہوتی رہی ہیں اسلئے اگر مسٹر جناح پر بعد از مرگ کوئی بھی تبصرہ ، تحقیق کے دائرے میں ہو تو سوال و جواب میں کوئی مضائقہ نہیں۔یہ بات تو طے شدہ ہے کہ پاکستانی نئ نسل اپنی تاریخ سے ناواقف اسلئے ہے کیونکہ نصاب تعلیم میں ناقابل یقین حقائق کو نئ نسل تک منتقل نہیں کرنے دیا گیا۔ہمیں پاکستانی تاریخ کی درستگی کیلئے کیا اقدامات کرنے ہونگے ؟اس پر بحث کی جانے چاہیے اگر ہم فکری سوچ و فکر میں.برداشت کا مادہ بھی رکھتے ہوں ،مسٹر جناح کے حوالے سے جب تاریخ کے اوراق کھولے جارہے ہیں تو یقینی طور نوجوان نسل یہ ضرور جاننا چاہے گی کہ پاکستان جس مشکل حالات میں الجھا ہوا ہے کیا قومی تاریخ پر متنازعہ مباحث سے گرداب سے باہر آسکے گا ؟۔ صرف مجادلوں ،مناظروں ، تقاریر اور قیاس آرائیوں سے پاکستان کو دہشت گردی ، انتہا پسندی ،داخلی انتشار اور انارکی سے باہر نہیں نکالا جاسکتا۔بلکہ اس کیلئے عملی اقدامات کرنے کی ضرورت ہوگی۔

اساس پاکستان کی بنیاد کیا تھی اور اب کیا ہے ؟جب تک ایسے درست نہیں کیا

جائے گا اس وقت تک پاکستان کی عوام کو داخلی انتشار اور بیرونی مداخلت سے نجات بھی نہیں مل سکتی۔ مسٹر جناح پر سب سے بڑا اعتراض کانگریسی مسلمانوں نے کیا تھا کہ جناح ، دراصل مسلمانوں کا بٹوارہ چاہتے ہیں۔ مسٹر جناح کیا چاہتے تھے اس کیلئے پہلے ہمیں اس حقیقت کو قبول کر لینا چاہیے کہ مسٹر جناح ، نہ سنی تھے ، نہ شیعہ تھے ، نہ خوجہ تھے اور نہ ہی اور کسی فرقہ وارانہ مسلک کے پیروکار۔ بلکہ انکے تمام تر نظریات انکی تمام تقاریر میں امت واحدہ اور فکر قرآنی کا احاطہ کرتے نظر آتے ہیں۔ انکی کسی تقریر میں کبھی بھی فرقے و مسلک کا ذکر بالکل اسلئے نہیں ملتا کیونکہ وہ کسی بھی فرقہ وارانہ مسلک بندی پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ عصبیت اور مذہبی منافرت سے بالاتر ہو کر ان کی تمام تقاریر پڑھی جائیں تو ان میں صرف اور صرف قرآن کریم کے قوانین واصول کے حوالے جا بجا ملیں گے۔ مسٹر جناح ، تھیا کریسی کے بھرپور مخالف تھے ، وہ بارہا کہہ چکے تھے پاکستان میں تھیا کریسی نہیں ہوگی۔ تھیا کریسی کی مخالفت کی بناء پر وہ کسی بھی مذہبی مسلک کی اجارہ داری نہیں چاہتے تھے۔ فروری 1948ء اہل امریکہ کے نام براڈ کاسٹ پیغام میں تھیا کریسی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ "یہ امر مسلمہ ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیا کریسی رائج نہیں ہوگی، جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دیدی جاتی ہے کہ وہ (بزعم خویش) خدائی مشن کو پورا کریں۔" یہی نظریہ اقبال کا بھی تھا "روزنامہ انقلاب لاہور کی 23 مارچ 1932ء کی اشاعت میں انھوں نے قوم سے کہا

کہ " تمھارے دین کی یہ عظیم الشان بلند نظری، ملاؤں اور فقیہوں کے فرسودہ اوہام میں جکڑی ہوئی ہے اور آزادی چاہتی ہے۔"پاکستان بننے سے پہلے مسٹر جناح نے 5 فروری 1938ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی یونین سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ "اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ مسلم لیگ نے تمھیں اس ناپسندیدہ عنصر کی جکڑ بندیوں سے آزاد کردیا ہے جسے مولوی یا مولانا کہتے ہیں".

11 اپریل 1946ء کو دہلی میں مسلم لیجسلیٹرز کنونشن کے آخری اجلاس میں کہا کہ "اِسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہم کس مقصد کیلئے یہ جنگ کر رہے ہیں، ہمارا نصب العین تھیا کریسی نہیں ، ہم تھیا کرٹیک سٹیٹ نہیں بنانا چاہتے۔" ان جیسی لاتعداد تقاریر ہیں جس میں تھیا کریسی کیخلاف مسٹر جناح نے بغاوت کا اعلان کیا تو پھر وہ خود فرقہ بندی کا شکار کیسے ہو سکتے ہیں۔

انکی سوچ کیا تھی یہ قیام پاکستان سے قبل انھوں نے واضح کردیا تھا، حیدرآباد (دکن) میں عثمانیہ یونیورسٹی کے طلباء کو 1941ء میں کچھ یوں بیان کیا کہ جس کے بعد کچھ اور کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔انھوں نے کہا تھا "اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفا کشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا " واحد ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول " ہیں۔اسلام میں اصلا نہ کسی " بادشاہ " کی اطاعت ہے نہ کسی " پارلیمان " , نہ کسی اور " شخص " یا "ادارہ کی۔ "قرآن کریم "کے احکام "

ہی سیاست یا معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں، اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کیلئے آپ کو علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔ (اورینٹ پریس بحوالہ روزنامہ انقلاب، لاہور مورخہ 8فروری1942ء (۔یکم نومبر 1941ء کو لدھیانہ میں اکھنڈ بھارت کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت ہندوؤں کے مشہور رہنماء مسٹر منشی نے کی۔انھوں نے کہا تمھیں معلوم بھی ہے کہ پاکستان ہے کیا ؟، نہیں معلوم تو سن لیجئے کہ پاکستان کا مفہوم " یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسکا حق حاصل ہے کہ وہ ملک کے ایک یا ایک سے زیادہ علاقوں میں اپنے لئے ایسے مسکن بنالیں جہاں طرز حکومت" قرآنی اصولوں " کے ڈھانچے میں ڈھل سکے اور جہاں " اردو" ان کی قومی زبان بن سکے، مختصرایوں سمجھئے کہ پاکستان مسلمانوں کا ایک ایسا خطہ ارض ہوگا جہاں "اسلامی حکومت" ہوگی۔

(ٹربیون 2نومبر1941)

پاکستان بننے کے بعد جرمن اسکالر پروفیسر ڈاکٹر KRAHNAN مسٹر نے1977ء میں جناح کی جشن صدسالہ تقریب میں کہاکہ" قائداعظم محمد علی جناح کے سامنے ماڈل قرآن مجید تھا" (پاکستان ٹائمز ۳فروری۷۷ء)۔لاتعداد ایسے تاریخی حوالے ہیں کہ، مسٹر جناح پاکستان کیلئے ایک ایسے آئین کی تخلیق چاہتے تھے جس کی اساس قرآن کریم کے قوانین اور اصول ہوں۔غیر مسلم تو سمجھ گئے کہ مسٹر جناح

کیسا پاکستان چاہتے تھے لیکن ہم ابھی تک نہ جان سکے۔ بد قسمتی سے زندگی نے مسٹر جناح کو مہلت نہیں دی۔ جس کی وجہ سے پاکستان جس دو قومی نظریئے کے تحت وجود میں آیا تھا اس کے ثمرات پوری دنیا میں نہ پہنچ پائے۔ پاکستان کے دو قومی نظریئے کی موت تو سقوط ڈھاکہ کے ساتھ ہی ہو گئی ہے۔ اب یہ بچا کچا پاکستان، نئے تجربات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ مسٹر محمد علی جناح، تھیا کریٹک نہیں تھے، قیام پاکستان کا مقصد صرف مسلمانوں کا بٹوارہ تھا یا ضرورت؟ یہ موضوع متنازعہ ہے لیکن ایسے غیر متنازعہ بنانے کیلئے تسلیم، کرنا اور کرانا ہوگا کہ محمد علی جناح "قائد اعظم" تھے، یا نہیں؟؟۔

اب جو عناصر یہ سمجھتے ہیں کہ بزور طاقت کسی فرقے کے خلاف شدت پسندی کرکے وہ پاکستان کو اسلامی ریاست بنالیں گے تو ایسی سوچ خلاف اسلام ہے کیونکہ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام بزور طاقت نہیں پھیلایا اور اصحاب رسول ﷺ اسلامی حکومتوں یا تمام فقہ کے اماموں نے کبھی کسی فرقے کے خلاف قتل و غارت کو، جائز قرار نہیں دیا تو پھر پاکستان میں فرقہ وارانہ قتل و غارت اور حملوں کا واحد مقصد، اسلامی نظام کا قیام نہیں بلکہ پاکستان کی بقاء اور سالمیت کو نقصان پہنچانا ہے۔ پاکستان کی بنیاد کو کمزور کرکے بنگلہ دیش کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کرنا مقصود ہے۔ پاکستان کے بانیان اور اکابرین نے کبھی بھی فرقہ وارانہ بنیاد پر انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد

نہیں کی۔ایک فلاحی و رفاعی مملکت کا بہترین تصور اسلام کے سوا کون دے سکتا ہے اور دنیا میں لافانی اصولوں اور قوانین پر مشتمل نظام حیات قرآن کریم سے بڑھ کر کیا ہوسکتا ہے ؟۔ محمد علی جناح نے کبھی کسی فرقہ وارایت کا پرچار نہیں کیا۔ موجودہ پاکستان جناح کا پاکستان" تو نہیں رہا لیکن "بچے کچے پاکستان" کو جناح کے تصورات کا پاکستان" ضرور بنا سکتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ نام نہاد خودساختہ مذہبی پیشوائیت نے محمد علی جناح کے افکار کی بناء پر انھیں "کافراعظم " اور قوم نے انھیں "قائداعظم " خطاب دیا تھا۔

پاکستان اور افغانستان کا مشترکہ دشمن ایک ہے

سینگاپور کے آنجہانی بانی لی کوآن یو کا کہنا تھا کہ "امریکی بے قراری کے بارے میں سنجیدہ غور وفکر کے چار سالوں کے دوران ایرانی انقلاب اور افغانستان میں روسی مداخلت نے امریکی وقار کو مزید زک پہنچائی۔" مسٹر کارٹر کے پیشرو، جیرالڈ فورڈ نے ۳ ، اپریل ۱۹۷۵ء کو تقریر کرتے ہوئے جب یہ کہا تھا کہ انڈوچائنا میں ہونے والے واقعات "افسوسناک رو ہیں، لیکن نہ تو یہ دنیا کے خاتمے کی نشانی ہیں اور نہ ہی دنیا میں امریکی خاتمے کی۔" اسی طرح سوویت یونین کے خلاف چین کے ساتھ ایک فی الواقع اتحاد نے ایشیا میں امریکی برتری کو ناقابل تسخیر بنا ڈالا۔ بیشتر امریکی اسٹریجک مفکرین حال تک بھی اس نقطہ نظر کی طرف مائل رہے کہ چین کو موجودہ ورلڈ آرڈر میں سمویا جا سکتا ہے، ایک آسٹریلوی قلم کار ہیو وائٹ کا کہنا ہے کہ چین اپنے نئے راہنما شی جن پنگ کے ماتحت قطعی مختلف طریقے اختیار کرکے وہ کچھ حاصل کر رہا ہے، جو ماؤزے تنگ کے زیر نگرانی حاصل کرنے میں ناکام رہا، یعنی دولت، طاقت اور اپنے ہی خطے میں ایک زور آور کردار۔ یہاں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ چین امریکا کو شک کی نظر سے دیکھتا ہے کہ ایسے کمزور کرنے کی سازش کی جا رہی ہے جبکہ چین یہ بھی کہتا ہے کہ وہ معاہدے، جن کے تحت امریکا ایشیا کے ساتھ بندھا ہوا ہے، سرد جنگ

کے زمانے کی یادگار ہیں اور اب نہیں تحلیل ہو جانا چاہیے۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ اور عالمی بنک کے حالیہ اجلاسوں میں یہ بات آشکارہ ہوچکی ہے کہ امریکہ کی معاشی طاقت کمزور سے کمزور ترین ہو رہی ہے۔" دی ویکلی اسٹینڈرڈ" نامی ایک اہم جریدہ لکھتا ہے کہ اکتوبر2001ء کے حملے ناکافی امریکی مداخلت وجذبے کا نتیجہ ہے، حل یہ ہے کہ اپنے مقاصد کیلئے زیادہ خرچ کیا جائے اور ان کے نفاذ کے خاطر دباؤ بڑھایا جائے۔"ایک دلچسپ تبصرہ بریٹ اسٹیفنز کا ہے جو انھوں نے اپنی کتاب America in Tetreat: The New Isllationism and the coming world Disorder " میں لکھے اس میں نکات دو اہم ہیں ایک نکتے میں، ایسی تنہائی ہے جس کے بارے میں بات ہونی چاہیے اور دوم، انتشار ایک فطری مسئلہ۔ بریٹ اسٹیفنز کہتے ہیں کہ اوباما خود ایک مسئلہ ہیں، جب وہ اقتدار میں اس عزم کے ساتھ آئے تھے کہ ملکی سطح پر قوم سازی کی خاطر امریکا کی عالمی ذمہ داریوں میں کمی کریں گے "۔ امریکی کی عسکری مہمات کو اگر سمجھنا ہو تو صدر وارن ہارڈنگ کے1921ء میں جمعیت اقوام میں کہے جانے والے الفاظ یاد کرنا ہونگے کہ ' مخالف موقف اور جنگ کے بعد عسکری ڈھانچے کو کمزور کرکے امریکا کو تنہائی پسندی کے راستے پر گامزن کیا، نتائج کا درست اندازہ لگائے بغیر بھاری اخراجات کرنا جنگ کا ناگزیر ثمر ہے'۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ نے معاشی پالیسیوں کو لاگو کرنے کیلئے ایک ایسے عالمی نیو ورلڈ آرڈر کی بنیاد رکھ ڈالی جس نے دنیا میں جنگوں، اور مخالف حکومتوں کی اکھاڑ

پچھاڑ کا ایک نا رکنے والا سلسلہ شروع کردیا۔ عراق میں جمہوری کمیابی کو تین افراد کی دوری پر سمجھا جاتا تھا، بد قسمتی سے وہ تین افراد جارج واشنگٹن، جیمز میڈیسن اور "مارشل ہیں۔

جب امریکہ 2011ء میں ایک اور تنازعہ میں جاپڑا تو کرسٹوفرلین کو کہنا پڑا کہ " تین جنگیں بہت ہیں، حتی کہ امریکا کیلیئے بھی " ۔ امریکی بالادستی کا عروج اب خاتمے کی جانب دیکھائی دیتا ہے اور بین الاقوامی سیاست تبدیلی کے دور میں داخل ہو رہی ہے، جو یک قطبی نہیں ہوگی مگر پوری طرح کیثیر قبطی بھی نہیں ہوگی۔ امریکا بتدریج پسپائی کی جانب رواں ہے اور اس کی بنیادی وجہ اس کی اپنی پالیسیاں ہیں۔ قطر میں جب طالبان افغانستان کے ساتھ پاکستانی، ایرانی، ،برطانوی، فرانسیسی اور دیگر ممالک کے نمائندوں نے شرکت کی توان کی جانب سے واضح مطالبات سامنے تھے کہ سب سے پہلے بیرونی قوتیں بشمول امریکا فوری طور پر افغانستان سے نکل جائیں، افغانستان میں اسلامی حکومت قائم کی جائے اور اور تحریک کے ذمہ دار افراد پر سفری پابندیاں ختم کی جائے، حالاں کہ طالبان کے نمائندوں نے اس سے پہلے جاپان اور فرانس میں بھی اس طرح کی کانفرنس میں شرکت کی تھی۔ حزب اسلامی بھی دو نکات پر زور دیتی ہے کہ امریکا سمیت تمام بیرونی قوتیں نکل جائیں اور افغان قوم کی مرضی سے ایک خود مختار اور اسلامی حکومت قائم کی جائے۔ امریکا نے سرد جنگ میں افغانستان کو استعمال کیا، لاکھوں انسانوں کی ہلاکتوں کا سبب بنا، پھر اس کے بعد نائن

الیون میں افغانستان پر جارحیت کی اس نے امریکا کیلئے پوری دنیا میں خطرات کے دائرے کو مزید پھیلا دیا۔ افغانستان میں امریکی مداخلت جتنی بڑھتی گئی، عالمی خطے میں طاقت کا توازن بگڑتا چلا گیا۔ پاکستان ہر جنگ میں متاثر ہوا کیونکہ اس نے اپنی خارجہ پالیسیوں میں پاکستانی عوام کے مفاد کو مد نظر رکھنے کے بجائے امریکی مفادات کو ترجیح دی اور اس خمیازہ اس کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ چین کے ساتھ بڑھتے روابط سے امریکا ناخوش ہے کیونکہ پاکستانی ارباب اختیار نے ہمیشہ امریکی خوشنودی حاصل کرنے اور ان کی رضامندی سے مسند اقتدار پر فائز ہونے کی کوشش کی، نتیجہ کے طور پر پاکستان کو امریکا کی ہر وہ بات ماننا پڑی جو اس کے ملکی مفاد میں نہیں تھی، لیکن امریکا نے جب ایران کے ساتھ اپنے تعلقات بہتر اور بھارت کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھانا شروع کردیں تو پاکستان عالمی تنہائی کا شکار ہوتا چلا گیا اور ایسے اپنے لئے ایک ایسے مضبوط بلاک کی ضرورت محسوس ہونے لگی جس میں ملکی دفاع کیلئے امریکا پر انحصار کم ہو جائے۔ چین عسکری طاقت کے توازن میں بھاری ہوتا جا رہا ہے لیکن چین کی دوستی میں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ چین اپنی قوت کو مضبوط بنانے کیساتھ ساتھ بھارت، ایران، افغانستان اور عرب ممالک کے ساتھ گہرے معاشی مراسم کو فروغ دے رہا ہے۔ اس صورت میں پاکستان کو اپنی شمالی و مغربی سرحدوں کی حفاظت کیلئے افغانستان سے دوستانہ تعلقات کو مضبوط بنانے کیلئے کچھ قربانیاں ضرور دینا ہونگی اور اس کیلئے اپنی مخصوص

پالیسیوں پر نظرثانی کرنا پاکستان کے مفاد میں ہے۔ قومیں ترقی کرتی ہیں، آفات آتی ہیں تو پھر ملکر راہ پر گامزن ہو جاتی ہیں لیکن بد قسمتی سے پاکستان میں پاکستانیت کا تصور نہیں ہے، یہاں مختلف الزبان قومیتیں آباد ہیں جو لسانی، نسلی اور گروہی بنیادوں پر سیاست کو فروغ دے رہی ہیں۔ روس، ایران اور چین دنیا کی تین ایسی طاقتیں بن رہی ہیں جو دوسری جنگ عظیم کے بعد مغرب کی سربراہی میں قائم " اسٹیٹس کو Status Quo" کو مختلف انداز میں چیلنج کرنے کی کوشش کرتی رہی ہیں، روس، سابق سوویت یونین کے ٹکڑوں کو جس حد تک جوڑ سکتا ہے، جوڑنا چاہتا ہے، ایران مشرق وسطی میں سُنی عرب ریاستوں کے غلبے اور سعودی عرب میں قائم نظام کی موجودہ ترتیب کو بدلنا چاہتا ہے، بر ڈکالج کے والٹر رسل میڈ کا ماننا ہے کہ تینوں ممالک (روس، چین اور یران) کے راہنما اس بات پر متفق ہیں کہ امریکی طاقت ان کے نو مرتب شدہ عزائم (Revisionist Goals) کی راہ میں مرکزی رکاوٹ ہے۔ان تمام حالات کے تناظر میں افغانستان اور پاکستان دو ایسے ممالک ہیں جنھیں یہ قوتیں اپنے مفاد کیلئے دوبارہ یا مسلسل کسی نہ کسی صورت استعمال کر سکتی ہیں، اس لئے افغانستان اور پاکستان کا دشمن ایک ہی ہے اور دونوں ممالک کے ارباب اختیار کو یہ سمجھنا ہوگا کہ اس عالمی اقتدار کی جنگ میں ان کا اپنا کردار کیا ہوگا۔ اگر افغانستان پاکستان سے اپنے تعلقات و مراسم کو مضبوط بنانا چاہتا ہے تو اپنے تمام تنازعات کو مذاکرات کی میز پر بیٹھ کر حل کرنا ہوگا۔

بھارت، پاکستان کا ازلی دشمن اس لئے ہے کیونکہ پاکستان ایک ایسی ایٹمی قوت ہے جو اسلام کے نام پر کچھ بھی کر سکتی ہے، جبکہ افغانستان تاریخی طور پر فاتح جنگجو قوم ہے لیکن اسلام کے نام پر کسی بھی قوت کو زیر کرنے میں اسکا کوئی ثانی نہیں ہے، پاکستان اور افغانستان کا اتحاد ایک ایسی قوت اور مثالی بن سکتا ہے کہ ان کی جانب آئیندہ کوئی میلی آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش نہ کرے، کسی بھی ملک کا آلہ کار بننے کے بجائے کنگ میکر بننے کی قدرتی صلاحیت موجود ہے، بھارت مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ کر اپنی دہشت گردی کو آئین کا حصہ بنا رہا ہے۔ افغانستان میں یہ قوت موجود ہے کہ وہ ماضی کی طرح دوبارہ بھارت کو اپنی اوقات یاد دلا دے، پاکستان نے بھی اپنے جدید ہتھیاروں کے نام افغان بادشاہوں کے نام پر ہی تو رکھے ہیں تو پھر ماضی کے رشتوں کو مضبوط کیوں نہ بنایا جائے

روہنگیا کے مسلمان کیا مسلم نہیں ؟

روہنگیا برما میانمار کے علاقہ ' اراکان ' اور بنگلہ دیش کے علاقے چٹاگانگ میں بسنے والے مسلمانوں کا نام ہے ، صوبہ اراکان پر برمی تسلط کے بعد ظلم و تشدد کے دور سے تنگ آکر بڑی تعداد میں مسلمان تھائی لینڈ میں مہاجر ہو گئے ۔ 28 مارچ 2008 کو تھائی وزیر اعظم شاک ارواج نے کہا کہ " تھائی بحریہ کوئی ویران ڈھونڈ رہی ہے تاکہ روہنگیا مسلمانوں کو وہاں رکھا جاسکے " ۔ 2013ء میں پھر برما میں روہنگیا مسلمانوں کے خلاف فسادات کئے گئے ، میانمار کے دو صوبوں میں مسلمانوں پر دو بچے پیدا کرنے پر پابندی عائد کردی گئی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ میانمار روہنگیا مسلمانوں کو نسلی تعصب کی بنیاد پر اپنا شہری تصور نہیں کرتا اس لئے اقوام متحدہ روہنگیا مسلمانوں کے مسائل پر توجہ دینے میں بہانے تلاش کر رہا ہے۔ ایشیائی تارکین وطن کے مسائل پر بنکاک میں گذشتہ ہفتے عالمی اجلاس میں 17 ایشیائی ممالک کے ساتھ امریکا ، سوئٹزر لینڈ اور بین الاقوامی تنظیموں نے شرکت کی تھی میانمار نے بظاہر میانمار اور بنگلہ دیش میں بھی تارکین وطن کے مسائل بنیادی وجوہات پر بات چیت کیلئے اقدامات کا وعدہ کیا ، لیکن یہ سب باتیں ہوا میں کی گئی باتیں ثابت ہوئیں۔ روہنگیائی مسلمانوں کی انتہائی ابتر صورتحال یہ ہے کہ اقوام متحدہ کے مطابق ساڑھے تین

ہزار مسلمان جو میانمار میں تشدد کے سبب فرار ہونے پر مجبور ہوئے کھلے سمندروں میں اپنی جانوں سے ہاتھ دھو رہے ہیں۔ سرگرداں ان مہاجرین میں بچوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ اسی طرح سینکڑوں روہنگیائی مسلمان انسانی اسمگلروں کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں اور میانمار سے فرار ہونے والے جنوب مشرقی ایشیا کے علاقے میں ہزاروں کی تعداد میں ہلاک ہو رہے ہیں۔ جبکہ سینکڑوں روہنگیائی مسلمانوں کو انسانی اسمگلروں نے غیر آباد جزیروں پر بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے۔

روہنگیائی مسلمانوں کی حالت زار اس قدر تباہ کن ہو چکی ہے کہ برمیوں کے روحانی پیشوا دلائی لامہ نے میانمار میں روہنگیا مسلمانوں کے تحفظ کیلئے میانمار کی رہنما آنگ سان سوچی سے کئی مرتبہ اپیل کی۔ لیکن اس مسئلے کو بڑا پیچیدہ مسئلہ بھی قرار دیا جارہاہے کہ ایسے اتنے آسانی سے حل نہیں کیا جاسکتا۔

روہنگیائی مسلمانوں کو زندہ جلایا جا رہا ہے ان کی جائیدایں ضبط کیں جا رہی ہیں ان کی خواتین کی عصمتیں لوٹی جا رہی ہیں۔ الم ناکیوں کی اذیت ناک داستانیں رقم ہو رہی ہیں لیکن مسلم ممالک کے لبوں پر خاموشی کا تالا لگا ہوا ہے۔ مساجد کو شہید کیا جارہا ہے، سیکورٹی فورسز روہنگیائی مسلمانوں کو تحفظ فراہم کرنے میں مکمل ناکام ہو چکی ہیں اقوام متحدہ مسلمانوں کی تباہی بربادی و قتل و غارت پر تماشہ دیکھ رہا ہے۔ مسلم ممالک فرقہ وارنہ

بنیادوں پر خطے میں قبضے کی جنگیں لڑ رہے ہیں روہنگیائی مسلمانوں کو کھانا پینا مناسب دستیاب نہیں ہے، مردہ انسانوں کا گوشت کھانے پر مجبور ہو رہے ہیں، سمندر کے پانی سے پیاس بجھاتے بجھاتے ان کی اپنی زندگیوں کے چراغ گل ہوتے جا رہے ہیں، کوئی مسلم ممالک ان کے لئے سفارتی انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ایک قدم بھی نہیں اٹھا رہا۔ یہ سب کچھ بدھ مت کے وہ پیروکار کر رہے ہیں جن کے پیروں کے نیچے چیونٹی آجاتی تھی تو وہ رو پڑتے تھے۔ لیکن اب یہی بدھ مت کے داعی مخلتیا، رنگون تک پہنچ رہے ہیں رنگون کے علاقے بیگو اسد کی لپیٹ میں اٹے جا رہے ہیں، روہنگیائی مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے، ان کی املاک کو جلایا جا رہا ہے۔۔۔برما کے صوبہ اراکان کے روہنگیا مسلمانوں کے خلاف۔برما کے عدم تشدد کے پرچاری بدھ مت کے افراد نسلی و مذہبی بنیادوں پر عرصہ دراز سے قیامت۔برپا کر رکھی ہے۔ روہنگیا مسلمانوں کے قتل عام کی مہمات کئی کئی روز جاری رہتی ہیں لیکن کسی مسلم ملک اور اقوام متحدہ کو اتنی تکلیف نہیں ہوئی کہ اس سلسلے کو روکا جاسکے۔ غالباً دنیا عالم میں مسلمانوں کی۔بڑی تعداد کو یہ بھی نہیں معلوم ہوگا کہ۔برما میں لاکھوں روہنگیائی مسلمان بھی بستے ہیں اللہ تعالی اور نبی اکرم ﷺ پر ایمان والوں پر جو ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں ان سے وہ بے خبر ہیں، یا جان بوجھ کر اس لئے نظر انداز کر

رہے ہیں کہ ان میں برما جیسے چیونٹی برابر ملک کو آنکھیں دیکھانے کا حوصلہ بھی موجود نہیں ہے۔ بین الاقوامی تنظیم ہومین رائیٹس نے متنبہ کیا ہے کہ اگر برما نے روہنگیا مسلمان مہاجرین کی آبادکاری کیلئے اقدامات نہ کئے تو ملک میں وسیع مذہبی تقسیم کا خطرہ ہے، حکومت کی ناکامی سے آبادی میں مذہبی تقسیم سے متعلق خشات میں اضافہ ہوگیا ہے۔ امیہ یہ ہے کہ ان ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کیلئے ہنگامی امداد ناکافی ہے سیلابی دنوں میں ان کی تباہ کاریوں میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

برما کی فوجی حکومت نے 1982 کے سیٹزن شپ قانون کے تحت روہنگیا نسل کے 8 لاکھ افراد اور برما میں موجود دوسرے دس لاکھ چینی و بنگالی، مسلمانوں کو شہری ماننے سے انکار کردیا تھا ان مسلمانوں کو اپنے علاقوں سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہے فورسز ہر جگہ ان کو چیک کرتے ہیں غیر شہری کے قانون کی وجہ سے روہنگیا اور دوسرے مسلمان برما کے کسی بھی حصے میں ملکیت نہیں رکھ سکتے، فورسز کے افراد ان کا ریپ کرتے ہیں، جبری مشقت لیتے ہیں، زبردستی ان سے رقم چھین لیتے ہیں۔ شادیوں پر قانین لاگو ہیں - دو بچوں سے زیادہ پیدا نہیں کرسکتے

روہنگیا اراکان صوبے پر برما نے 1700ء میں قبضہ کیا اس وقت روہنگیا میں

لاکھ، بنگلہ دیش میں میں 3 لاکھ، پاکستان میں 2 لاکھ، تھائی لینڈ میں ایک لاکھ،8
ملائیشیا میں 24ہزار کے قریب روہنگیا مسلمان بستے ہیں۔ایسٹ انڈیا کمپنی نے بنگال
ایڈمنسٹریشن کو اراکان تک توسیع دی اور اراکان کے درمیان کوئی سرحد موجود نہیں
تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد انگریزوں نے ارکان کا اقتدار چھوڑ دیا اور برطانیہ کے
انخلا کے بعد روہنگیا مسلمانوں نے حملہ آور جاپانی فوج اور برٹش ہندوستان کے درمیان
بفر زون کا کام کیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد برٹش تو چلی گئی لیکن جاپانی فوجوں نے
مسلح مزاحمت کی جاپانی فوجیوں نے روہنگیا مسلمانوں کے خلاف ریپ، قتل کے سینکڑوں
واقعات کئے،اُس وقت چالیس ہزار روہنگیا مسلمان سرحد عبور کرکے برٹش علاقے چلے
گئے۔1947ء میں روہنگیا رہنماوں نے شمالی اراکان میں حریت پسند تحریک شروع کی
تاکہ اراکان کو ایک مسلم ریاست بناسکیں1962ء تک یہ تحریک کافی متحرک تھی لیکن
برما کی فوج نے روہنگیا مسلمانوں کے خلاف جنگی کاروائیاں کرتے ہوئے بڑی تعداد میں
قتل عام کیا1978ء میں "آپریشن کنگ ڈریگون " کیا، اس دوران کافی تعداد پاکستان
بھی آئی۔ 1991-92کے دوران روہنگیا، مسلمانوں کو برمی فوج، پولیس کی طرف سے
بھی جبری مشقت اور معمولی بات پر قتل کرنا عام سی بات بن چکی تھی۔
روہنگیا کے مسلمانوں کے ساتھ کئی عشروں سے ایسا ظلم وستم کیا جارہا ہے کہ

ایسے تحریر کتے ہوئے دل پھٹ جاتا ہے ، ایٹمی مسلم طاقتیں خاموش کیوں ہیں ، .برما ، امریکا تونیہس ہے کہ عرب ، ایران اور مسلم مہالک خاموش ہو جائیں۔ مسلمانوں کو زندہ جلایا جا رہا ہے ، خواتین کی بے حرمتیاں کیں جا رہی ہیں۔ انڈیا کی طرح .برما میں بھی مسلمانوں کو زندہ جلانا مرغوب مشغلہ بن چکا ہے۔ عالمی .برادری تو مسلمانوں کی تباہی پر ہمیشہ خاموش رہتی ہے لیکن یہ مسلم مہالک کو کیا ہوگیا ہے ان کو سانپ کیوں سونغ گیا ہے کہ کوئی عالمی .برادری کو جھنجوڑنے کیلئے اپنے سفارتی ذرائع استعمال نہیں کرتے ، اقوام متحدہ کی نیٹو فوج نہیں آتی ، کلسٹر بم نہیں گرائے جاتے ، انسانوں کے حقوق کے نام پر مسلم مہالک پر قابض پونے عالمی استعماری قوتیں خاموش ہیں ، پاکستان میں سیاسی جماعتوں کے اب سلے ہوئے ہیں ، ریلیاں اور موم بتیاں مافیا خاموشی سے تماشہ دیکھ رہی ہیں ، بھلا کیوں اس کی کیا وجہ ہے ؟۔ کیا روہنگیا کے مسلمان ، مسلم نہیں ہیں ۔ ان کی حفاظت کا ذمہ ہمارے پر نہیں ہے ، ہم عراق ، شام ، یمن ، فلشطین ، کشمیر۔ سعودیہ ، امریکا ، افغانستان۔ لیبیا ، صومالیہ جیسے کتنے مہالک کے لئے امن فوج بھیج سکتے ہیں ، حملے کرکے انھیں سبق دلانے کی باتیں کرتے ہیں ، ان نام کے مسلمان کہلانے والے کیا جب آسمان پھٹ جائے گا ، زمین پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تب ان میں ایمانی غیرت جاگے گی۔ سول سوسائٹی والوں ، مذہبی سیاسی جماعتوں والوں ، سماجی تنظیموں والوں ، اے دنیا کے مسلمانوں (اگر ہو) مجھے صرف یہ بتا دو کہ کیا روہنگیا کے مسلمان ، مسلم

نہیں ہیں ؟۔۔۔

فراڈ کی داستاں

گذشتہ سال ایران کے ارب پتی تاجر مہافرید امیر خسروی نے ایرانی بنک میں فراڈ کے ذریعے ایک بنک سے 2ارب 60 کروڑ قرض لیکر حکومت کے بعض کمپنیوں سمیت دیگر ادارے خریدے الزام ثابت ہونے پر مہافرید اور دیگر تین ساتھیوں کو سزائے موت سنادی گئی۔ ایران کے سپریم لیڈر آیت اللہ علی خامنہ ای کی جانب سے سز کی توثیق کے بعد مہافرید کو سزا سنادی گئی۔ واضح رہے کہ ایران دنیا کے ان چند ممالک میں شامل ہے جہاں کرپشن کی سزا موت ہے۔ چین کے بعد ایران میں سزائے موت پر سب سے زیادہ عمل درآمد کیا جاتا ہے۔اسی طرح جون 2009 میں امریکہ کی ایک عدالت نے 65ارب ڈالر کے مالیاتی فراڈ کے سرغنے برنارڈ میڈاف کو 150 قید کی سنائی۔ امریکی مالیاتی بحران کے فراڈ میں سرمایہ کاروں کو تقریباً 50ارب ڈالر کا نقصان ہوا۔ برنارڈ میڈاف انوسٹمنٹ سیکورٹی کے نام سے ایک فرم بنائی ہوئی تھی جبکہ ہیج فنڈ کے نام سے علیحدہ بھی ایک کاروبار شروع کیا ہوا تھا۔اسی طرح بھارتی نژاد امریکی اٹارنی پریت بھریرا نے وال سٹریٹ میں کمپنیوں کی جانب سے اربوں ڈالر کے مالیاتی فراڈ کے متعدد مقدمات میں عالمی شہرت حاصل کی اور کسی بھی کیس میں ناکام نہیں ہوئے۔ 'پریت بھریرا' نے ایسے بڑے مالیاتی فراڈ پکڑے ہیں جن میں ملوث کمپنیوں کے عہدے داروں کو 11سال قید اور بھاری جرمانوں کی

سزائیں بھی سنائیں گئیں۔ 2001ء میں انٹرنیٹ اسٹاک کا بلبلہ پھٹا کیونکہ ان کمپنیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا تھا حالاں کہ بنک جانتے تھے کہ وہ کمپنیاں ناکام ہونگی، اس کے نتیجے میں سرمایہ کاروں کو 5 ٹریلین ڈالر کا نقصان ہوا۔

2008ء میں پانچ بڑے بنک ڈوبے، گولڈ مین سیکس اور مارگن سٹینلے کو امریکی حکومت نے بیل آوٹ کیا، لہمین برادرر نے عدالت سے دیوالیہ پن حاصل کیا، میرل لنچ اور بیر سٹرن کو اونے پونے دام فروخت کردیا گیا ان اداروں پر کل ملا کر 4000 ارب ڈالر کے قرضے تھے۔ اس بحران کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ بنکوں نے رہن اور قرض کا عجیب و غریب پیکج بنا کر اسے Collarerালized Debt Obligation کا نام دیا گیا جسے مختصراً CDOs اعلیٰ ترین AAA کہتے ہیں، ریٹنگ ایجنسیاں ریٹنگ دیتی تھیں جس سے ان کی قیمت آسمان پر پہنچ جاتی تھی اور عوام انہیں بینکوں سے مہنگے داموں خرید لیتے تھے، کچھ ہی دنوں بعد بینکوں نے اپنے آپ کو دیوالیہ قرار دے دیا اور عوام کے اربوں ڈالر ڈوب گئے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ دیوالیہ ہونے کمپنیوں کے اگزیکٹیوز اور ان کے من پسند ڈائیریکٹرز کو اربوں ڈالر بونس ملا، بڑے بینکوں کے اقتدار میں اضافہ ہوا۔ لیکن ہزاروں امریکی فیکٹری ملازمین کو فارغ کردیا گیا۔

John Prekins نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام Confession of an Economic Hitman ہے 2004 میں شائع ہوئی تھی جان پر کنز بوسٹن میں Chas.T.Main نامی کنسلٹنگ کمپنی میں کام کرتا تھا تھا۔ پر کنزز کا کہنا ہے کہ ترقی پذیر ممالک کے سیاسی اور معاشی رہنماؤں کو جھانسہ دیکر ترقیاتی کاموں کیلئے عالمی بنک اور یو ایس ایڈ کے بڑے بڑے قرضے لینے پر آمادہ کیا جاتا تھا اور جب یہ ممالک قرضے واپس کرنے کے قابل نہیں رہتے تھے تو انہیں مختلف ملکی امور میں مجبوراً امریکی سیاسی دباؤ قبول کرنا پڑتا تھا۔ میڈیا بھی مالیاتی بحران کا شکار رہا جسکی اہم وجہ ایسی پالیسیاں تھی جس کے سبب ان کا زوال ہوا۔ مثال کے طور پر یونان میں بحران کا پہلا شکار ہونے تھا جس نے 2010ء میں Apogevmatini والا اخبار ایتھنز کا قدامت پسند روزنامہ اپنے دیوالیہ پن کا اعلان کرتے ہوئے اپنی اشاعت بند کردی تھی۔ پھر یونان کا ایک اور بھی مالی مشکلات کے سبب بند ہوا۔ تنخواہوں کی عدم Eleftherotypia بڑا اخبار ادائیگی کے سبب ایک نجی چینل آلٹر نے بھی اپنی نشریات بند کردیں۔ اسی طرح جنوبی یورپ کے اس ملک کی آبادی ایک کروڑ دس لاکھ نفوس پر مشتمل ہے اور وہاں ذرائع ابلاغ کے بہت سے ادارے جن میں سو سے زائد مقامی ٹیلی وژن اور تیں ریڈیو اسٹیشن ہیں۔ مستقل طور پر بند ہونے لگے ہیں۔ امریکی حکومت نے جب مالیاتی بحران میں بڑے بڑے بنکوں اور سرمایہ کاروں کے خلاف کاروائی کی تو وال اسٹریٹ کے چیف ایگزیکٹوز قانون کی دسترس سے باہر رہے۔ مالیاتی بحران کے اہم

ترین افراد میں کنٹری، وائیڈ کا سی ای او، ینجلو موزیلو بھی قانون کی گرفت سے بچے رہے۔

اب موضوع کو سمیٹتے ہوئے ایک ایسے فراڈ کا ذکر کرتے ہیں جسے امریکی ملکی تاریخ کا سب سے بڑا ایسا مالیاتی فراڈ قرار دیا جس نے انسانیت کو ہلا دیا تھا۔ عملی زندگی سے معذور و ریٹائر ہونے والے افراد کے بجائے ان افراد کو پنیشن فراڈ سے ایک بلین ڈالر کا فراڈ کیا گیا جو بالکل صحت مند تھے اور سہولیات و فوائد حاصل کرتے رہے۔ 11 ملزمان نے نامی کے سابقہ ملازمین نے اس ادارے اور پینشن فنڈ کو LIRR لانگ آئی ریل روڈ یا بے تحاشا نقصان پہنچایا۔ کچھ اسی طرح کراچی میں ایک مذہبی ادارے کے نام پر مذہب کی آڑ لیکر اربوں روپوں کا فراڈ کیا گیا۔ ان تمام مختصراً تمہید کے مقاصد میں یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ فراڈ و جعلسازی کیلیے کوئی حد و قیود مقرر نہیں ہے جعلساز فرد اپنی قابلیت کا فائدہ اٹھا کر کسی بھی نوع کا فراڈ کرسکتا ہے اس کے نزدیک جلد از جلد رقوم کا حصول ہوتا ہے اور اس کے لئے وہ کاغذی طور، اشتہارات کے ذریعے عوام کو بے وقوف بناتا ہے کہ عوام اس کے پر فریب جھانسے میں آجاتی ہے اور قیمتی متاع سے محروم ہو جاتی ہے امریکہ ہو یا دنیا کا کوئی بھی ملک مالیاتی فراڈ کے نت نئے منصوبہ سازوں سے بھرا پڑا، ہے۔

پاکستان کی بھی ایک کمپنی ایگزیٹ نے بھی مبینہ طور پر کچھ اقدمات کئے جس کی وجہ سے پاکستان میڈیا بھی بحران کا شکار ہوا۔ جو ابلاغ کے مطابق تین دو سو مزید جعلی کمپنیاں پر ایف آئی اے کام کر رہی ہے، حقیقی حقائق کب سامنے آئیں گے ۔ شائد ہی اصل حقایق سامنے آسکیں۔ایف آئی اے تحقیقات کر رہی ہے اور میڈیا میں اچھی شہرت رکھنے والے ایماندار آفسر شاہد حیات اس پر تحقیقات کر رہے ہیں ۔ بالا سطور میں چند بڑے مالیاتی ادارے ، عالمی اخبار دیگر حوالے جات دینے کا مقصد یہی ہے کہ چند افراد کے فراڈ کھیل کی بنا پر اربوں ڈالرز کے فراڈ سے متاثرہ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں تھے ، جو ان کے عمل کی وجہ سے بے روزگار ہوئے اور ہو سکتا ہے کہ ان ملازمین کو آج تک فراڈ کمپنیوں کی وجہ سے نئی ملازمتیں ملنے میں دشواریوں کا سامنا رہا ہو۔پاکستان میں لاتعداد ایسی فیکٹریاں ہیں جہاں ملازمیں کے ساتھ مالی استحصال ہوتا ہے۔ غریب مزدور کیساتھ ہونے والی نا انصافیوں سے کون واقف نہیں ہے ۔ جبری مشقت لینے والے جاگیرداروں و سرمایہ داروں کے خلاف احتجاج کرنا چاہیے دنیا بھر میں مالیاتی فراڈ ، جعلسازیوں سے لاکھوں افراد بے روزگار ہو جاتے ہیں اور قیمتی مال و دولت سے محروم ہو جاتے ہیں نج کاریوں کے سبب اکثر وہ ملازمین بے روزگار ہو جاتے ہیں ، جن کی ملازمتیں مستقل نہیں ہوتیں ۔ عارضی ملازمتوں پر رکھنے جانے ورکرز جب بھی حکومت یا فیکٹری کی مرضی پر منحصر ہو ، بے روزگار کر دیئے جاتے ہیں۔ ملازمتوں کیلئے رشوت ، سمیت جو بن پڑتا ہے ، مجبور انسان کرنے

کیلئے مجبور ہوتا ہے۔ حکومت کا فرض یہ بنتا ہے کہ وہ ایسے اداروں کی سختی سے نگرانی کریں، جو سوشل سیکورٹی قوانین پر عمل درآمد نہیں کرتے۔ایسے نام نہاد اداروں کی اسکروٹنی کو یقینی بنائیں جو مالیاتی اسکینڈل میں ملوث ہو کر خاندانوں کو تباہ کردیتے ہیں۔ ہمیں احتساب کے لئے اپنے آپ کو ماڈل بنانا ہوگا۔ بد قسمتی سے پاکستان میں کوئی بھی سرکاری ادارہ کرپشن سے پاک نہیں ہے، اس لئے اس کے ملازمین بھی کرپشن کو پانا جائز حق سمجھتے ہیں، لیکن اس کے نتائج کس قدر ہوش ربا ہوتے ہیں، یہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ پتہ چلتا ہے۔ دنیا بھر میں مالیاتی فراڈ میں ایک کارکن، ملازم ہی گرفت میں آتا ہے لیکن جب ایان علی جیسے کردار سامنے آتے ہیں کہ مہینوں گذرنے کے باوجود منی لانڈرنگ واسمگلنگ کا چالان تک پیش نہیں کیا جاتا اور تفتیشی آفسیر کو قتل کردیا جاتا ہے تو اس کے بعد انصاف کیلئے کسی غریب کو ہی نہیں بلکہ اس پورے سسٹم میں رہنے والوں کو خود سے، اپنوں سے، پراؤں سے فراڈ کرنا پڑتے ہیں کیونکہ سسٹم ہی یہی ہے۔ پاکستان کے بڑے کنسٹرکشن آئیکون کا برملا کہنا ہے کہ پاکستان میں کوئی کام کرپشن کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے ثابت کیا اور چیلنج کیا ہے اور یہ بات سو فیصد درست ہے کہ پاکستان سمیت پوری دنیا میں فراڈ سے لیکر کسی بھی قسم کی بدعنوانی کی بڑی جڑ کرپشن ہے۔ جو ہمارا کلچر بن گیا ہے۔

بول مٹی دیا باویا۔

وے تیرے دُکھاں نے مار مکا لیا

بلوچستان کے پشتون و بلوچ

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آزاد بلوچستان سے کیا مراد ہے ؟۔ کیا ایسا بلوچستان جس میں صوبائی خود مختاری ہو ، یا وہ بلوچستان جس میں مکمل آزادی کے نام پر آزاد مملکت کی تمام بھاگ دوڑ بلوچوں اور براہیوں کے ہاتھوں میں قرار دیتے ہوں ؟۔ خدا نخواستہ اگر مملکت پاکستان ہر طرح کی عملیات اور اقدامات کے باوجود آزاد بلوچستان کے قیام میں ناکام ہوجاتی ہے تو کیا کسی علیحدگی پسند کے پاس یہ فارمولا ہے کہ بلوچستان کے منقسم قبائل پر مشتمل ، پشتونوں اور بلوچوں تک کو پورے بلوچستان پر بلا شرکت غیرے بالادستی کو قبول کرالیں گے ؟۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہمیں مینگل صاحب اور مجیب الرحمٰن کے چھ نکات کا موازنہ کرنا ہی نہیں چاہئے اور مجیب کے چھ نکات کو مینگل کی نشان دہی کے چھ مسائل سے مقابل قرار دیکر بلوچستان کی آزادی کے حوالے سے قیاس آرائیاں کرنا مجموعی طور پر بے وقوفانہ سوچ کی غمازی ہے۔ گو کہ مینگل سردار کی جانب سے چھ اسباب کے سدباب کی نشان دہی سے کسی باشعور کو انکار نہیں اور بلوچوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کے ازالے کیلئے اِن نکات پر عمل درآمد کو ممکن بنانا ، حکومت کی بنیادی ترجیح ہونی چاہیے تھی لیکن مبالغہ آرائیوں پر مشتمل پوائنٹ اسکورنگ کے سیاسی بیانات سے اصل حقائق کو پس پشت ڈال کر ہم بلوچستان میں رہنے والے پشتونوں و

بلوچوں سمیت دیگر قبائل کے عوم کی حق تلفی اور انھیں احساس محرومی میں بتلا کرکے دانستہ بھیانک غلطی کر رہے ہیں۔ لاپتہ لوگوں کی بازیابی سمیت بلوچستان میں لاقانونیت اور بعض اداروں کی جانب سے حد سے تجاوز کرنا نئی بات نہیں ہے لیکن ہم نے کبھی تارخ سے سبق نہ سیکھنے کی قسم کھائی ہوئی ہے۔

بلوچستان کے حقوق پر ہمیں یکطرفہ صورتحال پر واویلا کرکے سیاسی پوائنٹ اسکورنگ کرنے کے بجائے اس بات کو مکمل طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ مشرقی پاکستان میں بنگلہ دیش بننے کے محرکات میں سب سے اہم عنصر بنگلہ دیش کی اکثریت پر مشتمل ایک قوم کا وجود تھا جبکہ بلوچستان میں صورتحال اس سے بالکل برعکس ہے بلکہ بلوچوں، براہیوں اور دیگر قبائل کے مابین زبردست اختلافات موجود ہیں۔ 18 ستمبر 2006ء میں نواب اکبر بگٹی کی ہلاکت کے احتجاج کے طور پر نیشنل گرینڈ الائنز کے نام سے قائم کردہ ایک نئی سیاسی جماعت میں حکومت مخالف تمام سیاسی پارٹیاں صادق شہید پارک، کوئٹہ میں شریک ہوئے۔ جس میں بلوچ، براہوی اور پشتون رہنماؤں کے علاوہ پنجاب کے راجہ فضل حق اور عمران خان نے بھی شمولیت کی تھی۔ اس لئے بلوچستان میں جب بھی بدامنی کے حوالے سے میڈیا، اخبارات اور جلسوں میں تذکرے کئے جاتے ہیں تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ بلوچستان کے پشتونوں، بلوچوں و دیگر قبائلیوں کو کس

نظریئے کے تحت نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ جبکہ افغانستان میں رہنے والے بلوچوں کو کبھی کسی پشتون نے پریشان تک نہیں کیا۔ یہ بھی سمجھ نہیں آتا کہ نواب بگٹی کی ہلاکت کے بعد فوجی ، نیم فوجی اہلکاروں اور غیر بلوچ افراد کو دستی بموں ، دھماکوں ، ٹارگٹ کلنگ نیز حساس تنصیبات کو نقصان پہنچانے والوں کے مقاصد کی پشت پناہی میں کس کا ہاتھ ملوث ہے ؟۔

کتاب "دی بلوچ "میں برٹش بلوچستان میں بلوچوں اور براہیوں کی 1666ء سے حالات درج ہیں۔ 1931ء کے جدول کے مطابق جدول ص 139 میں درج بلوچوں اور براہیوں کی آبادی کی تفصیلات یوں ہے۔ بلوچ 226041، براہوی 152588، جبکہ 1931ء ہی میں افغان قبیلے غلزئی کی آبادی جنوب مشرقی افغانستان میں دس لاکھ تھی۔ کتاب "مشرقی افغانستان کے خانہ بدوش قبائل" کے مصنف کیپٹن جے۔اے کے مطابق بلوچوں کے چند بڑے قبائل کی تعداد یوں ہے۔ مری 238834، افشانی 5220، بگٹی 31321، رند 26361 مکران، 19458 جبکہ اولف کیرو اپنی کتاب دی پٹھان "میں کاسی اور شنواری کو "مکران" قبیلے کا بھائی بتاتا ہے ،اقوام "
دشتی، گبول، گوپانگ ، گرد، مستوئی عرصہ دراز سے بلوچوں میں ضم یا شامل ہونے کے باعث بلوچ کہلائے۔ رئیسانی قبیلہ ، افغان قوم سپین ترین کی شاخ ہے جبکہ لاسی قم ، براہوی ہیں نہ بلوچ ، براہوی اور بلوچ بذات خود الگ اقوام ہیں جیسا کہ "پیکولین" نے 1931ء کے جدول ص 63 میں الگ حیثیت متعین کی ہے۔ قدیم تاریخ میں

بلوچستان کے بجائے بلوچی کے نام سے بلوچ کا ذکر ملتا ہے۔ لفظ "بلوچستان" تاریخ میں پہلی مرتبہ 1879ء میں روشناس کرایا گیا۔ لفظ بلوچ کی طرح قدیم تواریخ میں سیوستان کے علاوہ مکران یا کیچ کے نام تو مل جاتے لیکن لفظ بلوچستان تاریخ میں درج نہیں ہے۔

مرحوم نواب اکبر بگٹی آکسفورڈ یونیورسٹی کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نہایت صاحب مطالعہ شخصیت تھے۔ بلوچستان کی لاکھوں کی بلوچ آبادی میں چند لوگ ہی مرحوم نواب بگٹی کی طرح صاحب مطالعہ ہونگے۔ ان سوالات کے جوابات کوئی دینے کو تیار نہیں کہ بلوچستان کے 47 فیصد کیثر آبادی کو کیوں نظرانداز کیا جارہا ہے اور کیا بلوچستان میں رہنے والے دشتی، گبول، گوپانگ، گرد، مستوئی، کاسی، شنواری، مری، مینگل، رند، افشانی، بگٹی، مکرانی اور براہوی آپس میں اس قدر متحد ہیں کہ ان کا متفقہ لیڈر ایک ہی ہے جبکہ اس کے برعکس براہوی اور بلوچوں کی آپس میں زبردست ٹھنی ہوئی ہے۔ مری قبیلہ کی اکثریت فراری اور مُباد لوں میں محو ہیں، بگٹی قبیلہ منتشر و منقسم ہے۔ رند، رئیسانی، ڈومکی اور بگٹیوں میں طویل عرصہ سے کشت و خون جاری ہے۔ کئی دیگر بلوچ اور براہوی قبائل آپس میں الجھے ہوئے ہیں۔ سول نافرمانی کیلئے تمام قبائل میں اتفاق رائے ناگزیر ہے لیکن تاریخی حقیقت ہے کہ ایسا کبھی ممکن نہیں ہوسکتا اور سوائے خانہ جنگی اور خوں ریزی کے کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ

بلوچستان میں رہنے والے قبائل ہی آپس میں متفق ہونے ے بجائے باہم دست و گریباں ہیں اور ایسا کون مائی کا لال ہے جو یہ گارنٹی دے کہ پشتون، خوامخواہ علاقے میں بدامنی، اپنی قوم کے گلے کاٹے جانے، محنت کشوں کان کنوں کے قتل پر علیحدگی پسندوں کا ساتھ دینے کے لئے ایسے علحیدگی پسندوں کا ساتھ دیگا جو خود آپس میں متفق نہیں ہیں۔

یہ امر سو فیصد طے شدہ ہے کہ خانہ جنگی صرف بلوچ قبائل تک محدود ہوگی، بلوچ قوم کو ہی نقصان پہنچے گا اور تباہ کاریاں صرف بلوچ قوم کا ہی مقدر بنے گی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام بلوچ قبائل ایک سیاسی پلیٹ فارم بنالیں، الیکشن میں مشترکہ حصہلیا کریں، اپنی سول حکومت قائم کرکے صوبے سے ناپسندیدہ عناصر کے خلاف پابندی عائد کرادیں۔ سیاسی عمل کا حصہ بن جائیں۔ ایسے لوگوں کے لئے میدان مت چھوڑیں جو آپ کی نمائندگی نہیں کرتے۔ میدان خالی چھوڑ کر ایسے لوگوں کو کیوں آنے دیتے ہیں جو بلوچستان سے مخلص نہیں ہیں۔ اگر عوام آپ پر اعتماد کرتی ہے تو سیاسی طور پر بلوچستان پر قبضہ کرلیں۔ جب عوام آپ کو ووٹ ہی دینے کے لئے نہیں نکل سکتی تو علیحدگی کی کسی تحریک میں قربانی کیا دے گی۔ پہلے اپنے آپ کو پشتونوں، بلوچوں و دیگر قبائلیوں کو خود کو بلوچستان کا متفقہ نمائندہ ثابت کرنا ہوگا۔

لاپتہ افراد سنگین مسئلہ ہے جس کی اہمیت سے قطعی انکار نہیں کیا جا

سکتا۔ لیکن اس کی تمام تر ذمے داری صرف سیکورٹی اداروں پر ڈال دینا بھی دانشمندی نہیں ہوگی۔ جس کی مثال کراچی ہے جہاں رینجرز کی موجودگی کے باوجود متحارب گروپوں کی باہمی چپقلش سے جتنے بے گناہ روز مارے جاتے ہیں۔ اغوا ہوتے ہیں، اتنے پورے پاکستان میں کہیں نہیں ہوتا۔ تو کیا کراچی کا واحد حل پاکستان سے علیحدگی ہوگا یا سیاسی طور پر یہاں کے باشندوں کو قومی دھارے کے ساتھ لیکر چلنا۔ کراچی میں بلوچ اقلیت میں ہیں، سندھی اقلیت میں ہیں تو کیا اُن کا کہنا مان لیا جائے؟ کہ اردو بولنے والا میئر نہیں بن سکتا کیونکہ وہ اردو بولتا ہے، تو ایسا ہی کچھ بلوچستان میں ہے کہ وہاں بلوچستان کے حقیقی نمائندوں بنا کر ریاستی اداروں اور مملکت کو بدنام کرنے کے لئے ملک توڑنے کی سازش کی جا رہی ہے جس میں غیر محسوس طور پر میڈیا ملوث ہوتا جا رہا ہے۔ جس کے نتائج یقینی طور پر اچھے نہیں نکلیں گے۔ بلوچستان کے پشتونوں اور بلوچوں کے ان قبائل کو اعتماد لیں جنھیں مخصوص قبائل کی بناء پر بین الاقوامی ایجنڈے کے تحت نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ اگر پشتونوں، بلوچوں و دیگر قبائلیوں کے احساس محرومی کو نظر انداز کئے جانے کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تو پھر یہ ممکن ہے کہ افغانستان سے منسلک افغان، اپنے پشتون بھائیوں کے لئے براہ راست ملوث ہو جائیں۔ یا پھر اسی طرح بھارتی ایجنسی اپنی مذموم کاروائیوں کو جاری رکھتے ہوئے قومی اداروں کی بدنامی کا سبب بنتی رہے گی۔ پاک چائنا اقتصادی راہدری صرف ایک سڑک کا نام نہیں ہے، بلکہ

پاکستان کے تمام صوبوں کی ترقی کا ایک منصوبہ ہے جس پر سب سے زیادہ حق بلوچستان کا ہے۔

پنجاب و سندھ میں بلدیاتی انتخابات کا محور

پاکستانی سیکورٹی اداروں کو شدت پسندی کے خلاف جنگ میں عوام کا وہ تعاون حاصل نہیں ہے جس کی توقع کی جاتی رہی ہے۔ مملکت کے انتظامی اداروں کے درمیان تصادم کی افواہوں نے عوام میں اداروں سے اعتماد کے رشتے میں کمی کا احساس پیدا کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں بڑھتی دہشت گردی کو کنٹرول کرنے کیلئے حکومت کے پاس ڈبل سواری کی پابندی کے بعد موبائل فون کی بندش کا ہی آپشن رہ گیا ہے بلکہ اب تو خواتین کو ہیلمنٹ پہنانے کے بھی احکامات جاری ہوگئے تھے جو آئی جی کو واپس لینے پڑے۔جاری دہشت گردی کی تمام جڑیں فرقہ واریت سے جڑی ہوئیں ہیں۔ اسلامی یا سیاسی جماعتیں بھی یہ سمجھنے لگیں ہیں کہ عوامی حمایت حاصل کرنے کیلئے عوام کے مذہبی رجحانات کو ہوا دیکر اپنی سیاست چمکائی جا سکتی ہے۔ کسی بھی سیاسی یا مذہبی جماعت کے پاس ایسا کوئی ایجنڈا نہیں ہے کہ جس کے سہارے عوام سے ووٹ مانگ کر اقتدار کا تاج اپنے سر پر سجایا جا سکے۔پاکستان کی تمام جماعتوں نے اپنا انتخابی ایجنڈا مذہب کی بنیاد پر الیکشن لڑنا ہی رکھا ہوا ہے۔ڈرون حملے ، شدت پسندی ، طالبان ، فرقہ واریت ، امریکانائزیشن وہ انتخابی نعرے ہیں جو تقریبا تمام سیاسی جماعتوں کی فہرست میں پہلے نمبر ہے۔ جبکہ دوسرے نمبر پر لسانی بنیادوں پر ووٹ حاصل کرنے کیلئے جذبات کو ہوا

دیگر اپنے لئے کامیابی سمیٹنا ہے۔ پنجاب کی سیاست کو دیکھ لیا جائے تو خیبر پختونوا کیجانب سے براہ راست الزام لگایا جاتا ہے کہ کالعدم تنظیموں کے پنجابی سر براہوں کی بنا پر دہشت گردی کی کاروائیوں پر قابو پانے میں ناکامی ہے۔ خیبر پختوخوا کی تمام الیکشن مہم کی سیاست تو شدت پسندی کے محور سے باہر نکل ہی نہیں سکی۔ خیبر پختونخوا کی ہر سیاسی جماعت دہشت گردی کیخلاف اپنے کارکنان کی قربانیوں کی داستان سنا کر ہمدردی کے ووٹ سمیٹنے کی کوشش میں مصروف نظر آئیں اور جو بچ گئے ہیں وہ ان پر تنقید کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں تاکہ انھیں دہشت گردی کیخلاف جنگ میں ناکام ثابت کرکے خود کو اہل ثابت کرنے کی سعی کریں۔ پنجاب کے بلدیاتی انتخابات میں جہاں کالعدم تنظیموں اور جہادی عناصر کے حوالے سے خدشات کا اظہار کیا جاتا ہے تو پنجاب میں لسانی رنگ بھی اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ جنوبی پنجاب ، سرائیکی صوبی ، بہاول پور صوبہ کی سیاست کا محور پنجاب کے الیکشن میں نمایاں کردار ادا کریں گے اور پنجاب میں لسانی بنیادوں پر عوام کو حقوق دلانے کے لئے لسانیت کا پرچار اور سیاست اپنے نقطہ عروج پر پہنچ جائے گی ۔ پنجاب مذہبی سیاست سے غیر تعلق نہیں رہ سکتا کیونکہ حالیہ پنجاب حکومت پر کالعدم تنظیموں سے تعلقات اور مدد کے الزامات سے فضا گرد آلود ہوچکی ہے ۔ اس کے ساتھ جس طرح گورنر پنجاب سلیمان تاثر کو ہلاک کیا گیا اور اس کے قاتل کی رہائی کیلئے پنجاب بھر میں وکلاء کیساتھ عوام نے مظاہرے کئے اس سے ان توقعات کو درست

سمجھا جارہاہے کہ پنجاب میں فرقہ وارانہ سیاست اپنے بام عروج ج پہنچ رہی ہے آئندہ سندھ اور پنجاب میں بلدیاتی الیکشن صرف صوبوں یا لسانی بنیادوں کے بجائے مذہبی ، بنیادوں پر ہی لڑے جائیں گے او لڑے گئے ہیں۔ سندھ میں قوم پرستی کی سیاست پہلے ہی عروج پر ہے اور اندرون سندھ کے علاقوں میں قوم پرستوں کے درمیان مقابلہ ہوگا۔ ان میں اس بات کی تخصیص نہیں ہوگی کہ مد مقابل پیپلز پارٹی کا ہے یا کسی دوسری جماعت ۔۔ اندرون سندھ سیاسی مہم کا تمام محور صرف قوم پرستوں کی سیاست ہوگی جس میں تشدد کے عنصر کا قابل ذکر کردار بھی ہوگا جب کہ سندھ کے شہری علاقوں میں لسانی رنگ کیساتھ مذہبی بنیادوں پر ہی تحفظ کے نام سے الیکشن لڑے جائیں گے ، اگر ایک طرف ایک جماعت شدت پسندوں کی موجودگی پر اپنے تحفظات کا اظہار کرکے اپنی پالیسوں کو شہری علاقوں میں تبدیل کرے گی تو دوسری جانب اس دباؤ کو کم کرنے کیلئے شہری علاقوں کیلئے دیگر سیاسی مذہبی جماعتوں کیجانب سے لسانی سیاست کی بنیاد پر تقسیم سندھ کے نعروں میں الیکشن مہم کا منظر نامہ بہت نمایاں ہے۔ عوام کی توجہ بے روزگاری لوڈ شیڈنگ ، معیشت کی کمزوری سے بڑھ کر کہیں زیادہ اسلامنائزیشن اور ،
امریکنائزیشن کی گروپ بندی بنا کر ایک جانب اسٹیبلشمنٹ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی تو دوسری جانب جذبات سے مغلوب عوام کو حکمران جماعتوں کی نالائقیوں میں سب سے بڑا ہتھیار ، امریکہ کے خلاف مسلمانوں کے احساسات سے کھیلا ، جائے گا۔ ریمنڈ ڈیوس کیس ، گستاخانہ فلم

رمشا مسیح کیس، سلمان تاثر کیس، سمیت دیگر ایسے ایشوز ہیں جس میں حکومت کو بین الاقوامی برادری کے دباؤ کا سامنا رہا اور ایسے کچھ ناخوشگوار فیصلے کرنے پڑے جس کا فائدہ مخالف جماعتیں بھرپور انداز سے اٹھانا چاہتی ہیں۔ اب رہی سہی کسر تین جیم کی باہمی تصادم میں عوام کے مسائل سے پردہ پوشی کو ہر سیاسی و مذہبی جماعت بھرپور طریقے سے ابھارنے کا موقع فراہم کیا اور صاف نظر آرہا ہے کہ سپریم کورٹ کیجانب سے کئے جانے والوں اُن فیصلوں سے جن جن کو فائدہ پہنچا ہے ایسے ترپ کے پتے کے طور پر استعمال کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں تو دوسری جانب ہر صورتحال میں سیاست دانوں کی ٹانگیں کھینچنے کے لئے سیاسی جماعتیں ہی عوام، اور میڈیا کو رسیاں فراہم کریں گی۔ پنجاب و سندھ میں گو کہ صورتحال بظاہر ایسی ہے کہ انتخابات کو ملتوی کرانیکی کوشش کی جاسکتی ہے لیکن بظاہر ایسے آثار نہیں کیونکہ اس صورت میں اپوزیشن جماعتوں کے صبر کا پیمانہ ٹوٹ سکتا ہے اور مملکت میں انارکی اور انتشار کی بھیانک تصویر کشی کرنا مشکل نہیں ہے۔ افواج پاکستان کے 9 سابق جرنیلوں کیخلاف پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ احتساب کا عمل شروع ہوا تو میڈیا کے کچھ عناصر نے اپنی ریٹنگ بڑھانے کیلئے پرانا وطیرہ اپنایا اور عدلیہ کے کئے جانے والے اقدامات کو فوج سے متصادم رویئے قرار دے کر فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جارہی ہے جب کہ اس سے قبل جب عدلیہ نے اپنے ہی ججوں کیخلاف احتساب شروع کیا اور پی او سی جج صاحبان کیخلاف کاروائیاں کیں تو اس کے بعد عدلیہ میں

خود اعتمادی کا عنصر بہت شدت کیساتھ نمایاں نظر آیا۔ پھر سیاست دانوں میں خاص طور حکومتی اراکان کیخلاف جس طرح عدلیہ نے اپنا کردار ادا کیا ایسے بھی عوام کی جانب سے پذیرائی ملی لیکن عدلیہ خود بھی الزامات کی زد میں آنے سے نہیں بچ سکی اور میڈیا کو استعمال کرنے والے خود میڈیا کی سازش کا شکار ہوگئے اور میڈیا نے تیسرے جیم کا از خود احتساب کرکے عدلیہ میں ایک نئی روح پھونک دی، عدلیہ کیجانب سے جب افواج پاکستان کے جرنیلوں کے معاملات آئے اور اُن فیصلوں نے عوام میں مقدس سمجھے جانے والے اداروں کے سربراہوں کو احتساب کے کٹھمرے میں کھڑا کردایا تو مبہم بیانات کے ذریعے تنبیہ جاری کی گئی کہ میڈیا اپنے رویئے کو درست کرے، جبکہ اسی مبہم بیان کو عدلیہ کی جانب موڑنے میں سیاسی جماعتوں نے اہم کردار ادا کیا کہ چار سالوں میں میڈیا کا نشانہ بننے والے اپنا غصہ عدلیہ اور افواج پاکستان کو آپس میں لڑا کر نکالا جائے۔ کیونکہ جس وقت دونوں چیفس کا بیان آیا تو تمام سیاسی جماعتوں نے خاموشی کی راہ اختیار کی لیکن میڈیا نے فوری طور عسکری قیادت کی کسی غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے متعدد پروگرام کرکے خود کو غیر جانبدار کی پالیسی پر چلنے کا عندیہ دیا جس کے بعد سیاسی جماعتوں کی جانب سے اداروں کے تصادم کے حوالے سے بیانات دیگر شعوری طور پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ دراصل جنگ ان دونوں اداروں کے درمیان ہے۔ اب مقتدر اداروں کو اپنے صبر اور تدبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے کسی بھی طور شفاف انتخابات کے انعقاد کے لئے کوشش کرنی

چاہیے۔ عدلیہ آج آزاد ہے لیکن کل بھی ہوگی کوئی نہیں جانتا۔۔ سربراہ فوج پاکستان آج جس تحمل کا مظاہرہ کر رہے ہیں کل دوسرا بھی ایسا کرے گا اس کی بھی کوئی گارنٹی نہیں ہے لیکن اگر یہ دونوں ادارے ملک میں ایک بار شفاف انتخابات کی بنیاد رکھ دیں تو پاکستان کی ترقی میں حائل تمام رکاوٹوں کا خاتمہ بتدریج ہوجائے گا آج کا الیکشن اگر فرقہ وارنہ اور لسانی بنیادوں پر ہوا تو اس کے نتائج مملکت کے شدید نقصان دہ ہوں گے۔ جو کسی طور کسی کے لئے فائدے مند نہیں ہوگا۔ کراچی میں بلدیاتی انتخابات کیلیے تو یہی ایک نعرہ کافی مشہور ہو رہا ہے کہ سائیں پانی چاہیے۔

فتح کا سال

پاکستانی فوج کی جانب سے ملکی و غیر ملکی عسکریت پسند گروپوں اور مسلح افراد کے خلاف جون 2014 میں وزیرستان میں عسکری آپریشن شروع کیا گیا، اس عسکری کاروائی کا نام حضرت محمد ﷺ کی تلوار کے نام پر رکھا گیا جس کے معنی، کاٹ دینے والی ضرب ہے۔ عضب کے معنی کاٹنا ہے، تلوار سے کاٹنا یہ تلوار حضرت محمد ﷺ نے غزوہ بدر اور غزوہ احد میں استعمال کی گئی۔پاکستان کئی دہائیوں سے پرائی جنگ سے اپنی جنگ میں تبدیل ہونے کے سبب دہشت گردی کا شکار اور دنیا بھر کے عسکریت پسندوں کی تربیت کیلئے پسندیدہ جگہ کہلائی جاتی رہی ہے۔ 8 جون 2014ء کو جب پاکستان کی معاشی شہ رگ کراچی کے جناح انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر 10 غیر ملکی دہشت گردوں نے مسلح حملہ کیا جس میں 31 افراد بشمول 10 دہشت گرد ہلاک ہوئے تو اس واقعے نے دہشت گردوں کے استعداد کار کیساتھ ساتھ قانون نافذ کرنے والے اداروں اور حساس ایجنسیوں کی کارکردگی پر بہت بڑا سوالیہ نشان کھڑا کر دیا۔ گو پاکستانی حکومت عسکریت پسندوں کے کئی گروپوں سے امن معاہدے کرتی رہی ہے لیکن اسے مستقل کامیابی نہیں مل سکی اور اگر اسے یوں کہا جائے کہ ان معاہدوں کا فائدہ اٹھا کر عسکریت پسند مضبوط ہوتے چلے گئے تو غلط نہ ہوگا۔ وفاقی حکومت نے براہ راست تحریک طالبان پاکستان (کالعدم) سے مذاکرات کی پالیسی

بھی اپنائی اور کئی ماہ تک یہ کمیٹیاں کام کرتی رہیں لیکن عسکریت پسندوں کے کئی گروہوں میں منقسم ہونے کے سبب اور حکومت کی جانب سے منطقی فیصلے کے کمزور رجحان نے ان مذاکرات کو کامیابی سے ہمکنار نہ ہونے دیا۔کمیٹیوں کے اراکین کی استعداد سہولت کار سے زیادہ نہ تھی اور حکومتی کمیٹی بااختیار نہ تھی ۔ تحریک انصاف کے سربراہ نے دو قدم آگے بڑھتے ہوئے طالبان کو دفتر کھولنے کی بھی پیش کش کردی لیکن طالبان قیادت تمام مسلح گروہوں کو متفق کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی ۔امریکہ نے ڈرون حملے روکنے کی بھی یقین دہانی کرائی لیکن مذاکرات کی ناکامی کے بعد امریکہ کی جانب سے ڈرون حملہ ہوا تو طالبان کی جانب سے کراچی ایئرپورٹ پر شدت پسندی کا متشدد مظاہرہ کیا گیا۔15جون 2014کو پاکستانی فوج نے شمالی وزیرستان میں عسکری کاروائی کا فیصلہ کرلیا اور پہلے حملے میں 120دہشت گرد ہلاک اور بارود کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بھی تباہ کیا گیا۔ایک سال مکمل ہونے تک پاک فوج کی جانب سے اب تک 2ہزار 763دہشت گرد ہلاک کئے جاچکے ہیں جبکہ سینکڑوں کو گرفتار کیا گیا۔وزیر دفاع خواجہ آصف نے دہشت گردوں کے خلاف جاری آپریشن ضرب عضب کو فتح کا سال قرار دیا اور پاک فوج کو خراج تحسین پیش کیا۔

بلاشبہ پاکستان کی عسکری قوت کی قربانیاں قابل مثال ہیں ،پاک فوج کے جوانوں نے قوم کے مستقبل کیلئے عظیم قربانیاں دیں ۔پاکستانی قوم نے متفقہ

طور پر پاک فوج کی قربانیوں کو خراج تحسین و خراج عقیدت پیش کیا اور پاکستانی عوام نے عسکری قوت کی جانب سے شروع کئے جانے آپریشن ضرب عضب کو سراہا۔ آپریشن ضرب عضب کامیابی کے آخری مراحل میں داخل ہوچکا ہے اور دہشت گردوں کے خلاف اس جنگ میں پاک فوج نے اہم کامیابیاں حاصل کیں ۔ یہاں ہم وزیرستان کی عوام کی قربانیوں کو بھی فراموش نہیں کرسکتے اگر وہ پاکستانی فوج کا ساتھ نہیں دیتے تو آج اس جنگ کو فتح کا سال نہیں قرار دیا جاتا۔ وزیرستان کی عوام کی جانب سے لاکھوں افراد نے ہجرت کی اور تکالیف برداشت کیں ۔ صوبائی حکومت کی جانب سے خاطر خواہ انتظامات نہ ہونے کے سبب اور مہاجرین (آئی ڈی پیز) کو وفاقی مسئلہ قرار دیئے جانے کے سبب لاکھوں افراد کو نہایت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ زمانے کے گرم و سرد مزاجوں کے ساتھ پاکستان کے تین صوبوں کی جانب سے مہاجرین کو خیبر پختونخوا تک ہی محدود رکھنے کیلئے بھرپور کوشش کی گئی بلکہ سندھ میں تو باقاعدہ ہڑتال بھی کی گئی۔ وزیرستان سے آنے والے مہاجرین کا ساتھ دینے کے بجائے بعض قوم پرست جماعتوں ، پنجاب اور سندھ کی صوبائی حکومتوں کے متعصبانہ رویوں نے بھی وزیرستان کے عوام میں بددلی پیدا کی۔ دوسری جانب بھارت نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور وزیرستان کے ان خاندانوں کو خریدنے کی کوشش کی جو افغانستان میں آباد اپنے قبائل کے پاس چلے گئے تھے یا فوری محفوظ مقام کی تلاش میں جانے والوں کو پاکستان کے خلاف متنفر کرنے کی سعی کی جس میں

اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور محب الوطن پاکستانی وزیرستانی عوام نے بھارت کی سازش کو ناکام بناتے ہوئے پاکستانی فوج کا مکمل ساتھ دیا۔ آپریشن ضرب عضب میں ایک کردار میڈیا اور دیگر پاکستانی عوام کی جانب سے دیکھنے میں آیا کہ جس طرح آپریشن راہ راست، و آپریشن راہ نجات میں متاثرین کی مالی امداد کی گئی تھی اور ان کے ساتھ تعاون کیا گیا تھا اور میڈیا نے امدادی مہم میں شعور کی بیداری اور حب الوطنی کا عظیم مظاہرہ کیا تھا۔ آپریشن ضرب عضب میں وہ جذبہ مفقود نظر آیا۔

پاکستان کی عسکری قیادت کو کئی محاذوں پر جنگیں لڑنا پڑیں، شمالی مغربی سرحدوں پر در اندازیوں، مشرقی سرحدوں پر بھارتی اشتعال انگیزیوں اور پھر پاکستان میں بعض سیاسی جماعتوں کی جانب سے حکومت گرانے کی کوششوں اور دھرنوں میں عسکری قیادت کیلئے بدگمانیاں پیدا کرنے والے عناصروں کی جانب سے سازشوں کا قلع قمع کرنے اور میڈیا وار کیساتھ ساتھ، موجودہ حکومت کی سیاسی غلطیوں کے سبب فوج کا مورال بلند رکھنے کیلئے مدبرانہ اہم کردار ادا کیا گیا۔ آپریشن ضرب عضب پاکستان کی بقا و سلامتی کیلئے ایک اہم قدم تھا جس کی کامیابی کیلئے عوام کا تعاون حد درجہ ضروری تھا۔ پاکستانی عوام کی جانب سے آپریشن ضرب عضب کی حمایت تو کی گئی لیکن وزیرستان کے مہاجرین کی بحالی کا بوجھ بھی پاک فوج کے کندھوں پر ہی ڈال دیا گیا۔ لاکھوں افراد کو منظم

رکھنا، ان کے قیام و طعام کا بندوبست ان کی ثقافت و روایات کی پاسداری کا خیال رکھنا اور خاص طور پختون جیسی حساس قوم، جو غیور اور اپنی خود داری کی وجہ سے ایک خاص شہرت رکھتی ہے، عسکری قوت کو ان چیلنجوں کا مسلسل سامنا رہا۔ وزیرستان کے عوام کے کلیئر علاقوں میں باعزت واپسی اور انفرااسٹرکچر کی بحالی سمیت، عسکریت پسندوں کو دوبارہ فعال نہ ہونے کی ٹھوس حکمت عملی بھی عسکری قیادت کے بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ تھا۔ عالمی طاقتوں کی جانب سے پاکستان میں جاری آپریشن ضرب عضب کو باریکی کے ساتھ جانچا گیا اور برملا تسلیم کیا گیا کہ پاکستانی فوج نے کسی امتیاز کے بغیر اپنی پیشہ وارانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے، کسی پسند و ناپسند کے معیار سے بالاتر ہو کر بلا تخصیص ملک دشمن عناصر کیخلاف کاری ضرب لگائی، جس سے عسکریت پسندوں کی جڑیں کمزور ہوئیں اور پاکستان میں دہشت گردی کی کاروائیوں میں بتدریج کمی آنا شروع ہوئی۔ گو پاکستان دہشت گردوں سے صاف نہیں ہوا ہے اور نہ ہی یہ کوئی آسان کام ہے کہ کئی دہائیوں سے پلنے والے عسکریت پسند ختم ہو جائیں گے یا ان کی سوچ کا خاتمہ ہو جائے گا۔ عسکریت پسندی کے اسباب کو ختم کرنے کیلئے جہاں ذمے داری پاک فوج کی ہے تو اصل ذمے داری سیاسی حکومت کی بھی ہے جس میں جمہوری روایتوں کا راگ الاپنے کے بجائے اپنانے کی قوی ضرورت ہے۔ پاکستانی قوم کا مزاج جمہوری نہیں رہا ہے، عدم برداشت کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ فرقہ ورانہ، نسل پرستانہ، لسانیت اور صوبائیت نے پاکستان عوام

کو پاکستانی قوم بننے سے روک رکھا ہے۔ پاکستان کی اصل فتح دہشت گردی کا مکمل خاتمہ، اور ایک ایسی امت واحدہ قوم کا بننا ہے جو دنیا بھر میں مظلوم قومیتوں پر ہونے والے ظلم وجبر کو روکنے کیلئے ایک موثر کردار ادا کرسکے۔ پاک چائنا اقتصادی راہدری کے معاہدوں پر جس طرح استعماری قوتوں نے عسکری قیادت کو منتشر کرنے کی کوشش کی، اس کے کرارے جواب نے زعفرانی ہندو انتہا پسندی کی چولیں ہلا دیں، پاک فوج نے ثابت کردیا کہ آپریشن ضرب عضب سمیت پاکستانی خطے کے ایک ایک ذرے کی حفاظت ونگہبانی کیلئے شاہینوں کی دور اندیشیاں و حکمت عملی کو زیر کرنا آسان نہیں ہے۔ ہم پاکستانی فوج کے ایک ایک جوان اور وزیرستان کی تمام عوام کو آپریشن ضرب عضب کی کامیابی کیلئے دلی مبارکباد اور سرخ سلام پیش کرتے ہیں اور پاکستان کی بقا و سلامتی کیلئے بدست دعا ہیں۔

کراچی کھلونا بن کر بکتا تو ایک کا ہوتا

پاکستان رینجرز (سندھ) کے ایک اعلامیے کے مطابق ڈی جی رینجرز نے گذشتہ روز ایپکس کمیٹی کو اپنی رپورٹ میں بتایا تھا کہ غیر قانونی طریقوں سے حاصل کی جانے والی کروڑوں روپوں کو مختلف گینگ وار دھڑوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔لیڈ مافیا میں سیاسی جماعتیں، سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ ایڈ منسٹریشن، کنسٹرکشن کمپنیاں، اسٹیٹ ایجنٹ اور پولیس اہلکار شامل ہیں۔ نام لئے بغیر رینجرز نے کراچی کی ایک بڑی سیاسی جماعت کا ذکر کیا اور یہ بھی کہا کہ دیگر سیاسی لیڈران اور بلڈرز بھی اس مکروہ دھندے میں شامل ہیں۔ مختلف غیر قانونی طریقوں سے جبری وصولی کا تخمینہ تقریبا 230 بلین سالانہ بتایا گیا۔ابھی ان انکشافات پر تبصرے جاری تھے کہ گھر کے بھیدی وزیر اعلی سندھ کی انسپکشن ٹیم کے کوآرڈی نیٹر حاجی مظفر شجرہ نے انکا ڈھاتے ہوئے کہا کہ محکمہ خزانہ سمیت 18 محکموں میں کرپشن اور خلاف ضابطہ بھرتیاں بھی ہو رہی ہے۔ ان کی جانب سے مہیا تفصیلات پوری ایک کرپشن کی داستان ہے لیکن ایک معاملے کا ذکر ضرور کروں گا جس میں انھوں نے بتایا کہ محکمہ داخلہ کے افسران نے ' وائٹو' لگا کر 20 کروڑ روپے سے زائد کی کرپشن کی، 284انکوئری زیر کاروائی کی جارہی ہے، اب تک 18 کروڑ واپس کئے جاچکے ہیں۔ جبکہ ' ایک روپیہ' فیس وصول کرکے سپریم کورٹ میں پی پی پی کا کیس

لڑنے والے اعتزاز احسن (سب جانتے ہیں کہ یہ کیس کون سا تھا جس میں ایک وزیر اعظم کو تاریخی سزا سنا کر اس لئے فارغ کر دیا گیا کیونکہ انھوں نے کرپشن کے ایک بہت بڑے کیس کو ری اوپن کرنے کیلئے سوئس حکام کو خط نہیں لکھا تھا) بے فکر ہوتے ہوئے کہتے ہیں کہ " ہمیں تو کوئی پریشانی نہیں ۔ سندھ میں 230 ارب روپے کی کرپشن کے اعداد و شمار کس طرح پیش کئے گئے ؟۔ بھتہ خوری ، چائنا کٹنگ کے معاملات مشروف دور کی پیداوار ہیں، زکوۃ ، فطرے اور کھالوں سے اپنے تعلق کی نفی کرتے ہیں"۔ رینجرز نے اس سے قبل بھی واٹر گولڈ مافیا کی جانب سے غیر قانونی ہائیڈرنٹس کی غیر قانونی آمدنی کے استعمال کیلئے اسی طرح کا ایک بیان جاری کر چکی تھی جب واٹر گولڈ مافیا کے حوالے سے ذرائع ابلاغ میں تحقیقات ہوئیں تو پتہ چلا کہ واٹر بورڈ کا ماہانہ ریونیو اوسطاً صرف پچاس سے باون لاکھ روپے ہے جبکہ غیر قانونی ہائیڈرنٹس کی سالانہ آمدنی 50 ارب روپے کا پانی فروخت کرتی ہے۔

کراچی کا مجموعی رقبہ 3,336 کلو میٹر تک پھیلا ہوا ہے، 18 قصبات ، 6 عدد کنٹونمنٹ اور دیگر ایجنسیوں میں منقسم ہے ، شہری علاقے 1800 مربع کلو میٹر پر مشتمل ہے۔ کراچی 60 سے 70 فیصد پاکستان کی معیشت میں اقتصادی اور مالی سرگرمیوں کا کا پندرہ فیصد بھی مہیا کرتا ہے۔ مینو فیکچرنگ سیکٹر GDP حصہ دار بھی ہے۔ کراچی قومی میں 42 فیصد اور وفاقی حکومت کا کل 25 فیصد محصول بھی

کراچی ادا کرتا ہے۔ شرح پیدائش ملکی شرح 3.0 فیصد جبکہ کراچی میں شرح پیدائش سالانہ 4.8 فیصد جبکہ کراچی کی آبادی میں بڑھتی ہوئی شرح ایک اندازے کے مطابق 35 ہزار خاندان یا 02 لاکھ افراد کی ہر سال اس عروس البلا میں باہر سے آکر آباد ہونا بھی ہے۔ جس میں افغان، برمی، بنگالی، سمیت دیگر قومیتوں کے افراد شامل ہیں۔ کراچی میں بڑھتی آبادی کی اہم وجوہات مہاجرین ہیں۔ جس کی پہلی لہر 1940-50ء میں بھارت سے آنے والوں کی شکل میں آئی، ویزہ پابندیوں کی وجہ سے اردو بولنے والے اپنے رشتے داروں سے کٹ گئے، 1960-80 میں پنجابی اور پختون آئے جنھوں نے اپنے رشتے داروں سے تعلق قائم رکھا۔ 1970-90ء میں سندھی قوم پرست ممتاز بھٹو کی جانب سے کوٹہ سسٹم کی بنیاد پر روزگار، سرکاری زبان اور سندھی نیشنلزم اور پی پی پی کا عروج تھا جس کی وجہ سے سندھیوں کو کراچی میں آنے کی ترغیب ملی۔ ہجرت کے چوتھے مرحلے میں غیر ملکیوں کی بشمول افغان، عراق (کُرد) ایران (بہائی) سری لنکا (تامل) 1979-90 کی دہائیوں میں سیاسی پناہ گزینوں کا ریلہ آیا، حالانکہ اقوام متحدہ کے بلوچستان اور صوبہ سرحد (خیبر پختونخوا) کے کیمپوں سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی لیکن کرپشن کی وجہ سے انھوں نے پاکستانی شہریت حاصل کرنا شروع کردی، یہیں مختلف مسائل کے ساتھ ساتھ جرائم نے بھی جنم لیا اور ایک تحقیقی اندازے کے مطابق کراچی میں تقریباً 200 سے زائد گینگ متحرک ہیں۔ 10 جون 2004ء میں کور کمانڈر کے فوجی کانوائے پر حملے کے تین روز بعد جب سات دہشت گرد

پکڑے گئے تو پہلی بار " جندولہ " نامی تنظیم منظر عام پر آئی 2003ء میں جماعت المسلمین سے نکالے گئے عطا الرحمٰن نے قیادت سنبھالی گرفتاری کے بعد قسم طوری اس کا منتظم بنا۔ بعد ازاں مختلف مذہبی تنظیموں نے مسلح گروپ بنا لئے اور خود کو منظم کرنے کیساتھ ساتھ بین الاقوامی عسکریت پسند تنظیموں کیلئے فنڈنگ اور کراچی کو اہم لیڈران کی پناہ گاہ کے طور پر استعمال کئے جانے لگا۔ یہ معاملات کراچی سے باہر اندرون سندھ بھی پھیلنے لگے ۔ 2009ء میں حساس اداروں نے سیاسی جماعتوں کو آگاہ کر دیا تھا کہ عسکریت پسند کراچی میں اپنا اثر رسوخ بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں ، خاص طور پر ایم کیو ایم ، پی پی پی اور اے این پی اس بات سے مکمل آگاہ ہو چکی تھیں کہ کراچی میں اب صوبائیت ، لسانیت کے بعد فرقہ واریت اور مذہب (مسلم مکاتب فکر) کی ایک نئی عالمی جنگ شروع ہونے والی ہے اور اس کیلئے بھی کراچی ہی فنڈ مہیا کرنے کا اہم مالی ذریعہ ہے۔ کراچی کا کوئی بھی گینگ ہو ، لیاری گینگ ہو ، کراچی گینگ ہو ، ڈی گینگ (سی ڈیز کی غیر قانونی ریکارڈنگ کرنے والا گینگ) ہو ، غرض یہ ہے کہ جرائم پیشہ افراد نے سیاسی جماعتوں کی چھتری جہاں استعمال کی تو دوسری جانب سیاسی جماعتوں میں لیڈر بننے کی خواہش رکھنے والوں نے ایسے افراد کو استعمال کرنا شروع کیا جو کسی بھی طریقے و کسی بھی قیمت پر جلد از جلد امیر ، بن کر غریبی مٹانا چاہتے تھے ، تو کچھ مذہب کے نام پر اپنے اپنے بنائے گئے فلسفے کا نفاذ چاہتے تھے ، کراچی میں معاشی قبضے کی اس جنگ میں امن کی

کنجی کس پاس ہے، یہ کبھی طے نہیں کیا جا سکا، لیکن عوام اور قانون نافذ کرنے والے ادارے اس نتیجے پر ضرور پہنچ چکے تھے کہ جب تک بڑی مچھلیوں پر ہاتھ نہیں ڈالا جائے گا اس وقت تک کراچی میں امن کا قیام ممکن نہیں ہے۔ کراچی کا کالا بجٹ کا تخمینہ 230 ارب ہے یعنی یومیہ 63 کروڑ روپے ، جبکہ اس سے قبل ایک غیر سرکاری تحقیقاتی رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ کراچی کی عوام سے 83 کروڑ روپے یومیہ جبری وصول کیا جاتا ہے۔ کون کتنا لیتا ہے کون کون سا ادارہ اس میں ملوث ہے ، یہ سب بتانے کی ضرورت اس لئے نہیں کہ پبلک سب جانتی ہے۔ واٹر گولڈ مافیا کے خلاف جب رینجرز نے کاروائی کی کہ کالعدم جماعتوں کو فنڈنگ کی جاتی ہے تو سب نے اس کو سراہا۔ لیکن جب ساڑھے 14 ارب کے 1200 پلاٹوں کی چائنا کٹنگ کے الزام کے تحت لائنز ایریا پراجیکٹ کے پانچ افسران گرفتار کئے گئے اور سوک سینٹر میں قائم مقام ڈائریکٹر جنرل ایس بی سی اے سے تعمیرات اور نقشوں کی منظوری سے متعلق رخصت پر گئے ڈی جی منظور قادر کے بارے بھی معلومات کیلئے رینجرز نے پوچھ گچھ شروع کی تو پی پی کے شریک چیئرمین آصف علی زرداری نے اپنی مفاہمانہ پالیسی کے برعکس ایک حیرت انگیز بیان دے ڈالا کہ "ہمیں تنگ مت کرو ورنہ اینٹ سے اینٹ بجا دینگے ، میں نے فہرست بنائی تو کئی جرنیلوں کے نام آئیں گے"۔ جیل کے گرم پانی کے ذکر میں انھوں نے کئی سیاست دانوں سمیت سابق فوجی چیف کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا۔ اب بلاول زرداری کو اپوزیشن لیڈر اور اپوزیشن لیڈر کو سندھ کا وزیر

اعلی بنائے جانے کی خبریں بھی گردش کرنے لگیں ہیں۔ غرض یہ ہے کہ ایک نیا پنڈورا بکس کھل گیا اور عوام یہ تمام تماشہ رمضان سے قبل دیکھنے لگے۔ ویسے بھی کہا جاتا کہ رمضان المبارک میں شیطان قید کردیئے جاتے ہیں، کچھ نے کہا کہ گیارہ مہنیوں کی مشقت کے بعد ایک ماہ کی رخصت پر چلے جاتے ہیں تو کسی نے کہا کہ بڑے بڑے شیاطین الیکڑونک میڈیا میں جمع کر دیئے جاتے ہیں۔ لیکن ایک بات طے ہے کہ مفاہمت کے بے تاج بادشاہ کی جانب سے انتہائی متنازعہ بیان آنے کے بعد ایک بات واضح ضرور ہو گئی ہے کہ ماضی میں ایوان صدر میں اپنی خواب گاہ میں مسلح ہو کر بیٹھنے والے سابق صدر کا پیمانہ لبریز ہوچکا ہے یا پھر پی پی پی اپنی گرتی ساکھ کو بچانے کیلئے سیاسی شہید بننے کیلئے بلاول زرداری کے کندھے استعمال کرنا چاہتی ہے، کیونکہ بلاول زرداری اپنے تند و تیز بیانات سے پی پی کارکنان میں کافی مقبول ہیں، یا پھر ذوالفقار مرزا سے محاذ آرائی اور پھر عزیر بلوچ کی گرفتاری کے بعد اس کے اعترافی بیانات سے ممکنہ پیدا شدہ صورتحال کیلئے فصیل اور نئی جنگ کیلئے نئے ہتھیار ہیں۔

پاکستانی قوم کا مزاج جمہوری نہیں

جنرل ایوب خان کے انتخابات کے وقت کراچی میں ان کے بیٹے گوہر ایوب خان کے جلوس کے بعد فوج طلب کی تھی ، ذوالفقار علی بھٹو نے جن تین شہروں میں مارشل لاء لگایا ان میں کراچی بھی شامل تھا اور پھر بے نظیر بھٹو کے علاوہ نواز شریف کے دور میں جنرل آصف نواز کا فوجی آپریشن تو آج کے کراچی کی نئی نسل کے ذہنوں میں زندہ ہے۔ مسلم لیگ فنکشنل کے سربراہ اور حروں کے روحانی پیشوا پیر صاحب پگارا نے کراچی کو فوج کے حوالے کرنے کا مطالبہ مورخہ 10 جولائی 2011ء کو کیا۔ کنگری ہاؤس میں وفاقی وزیر داخلہ رحمان ملک سے ملاقات ے بعد پیر صاحب پگاڑا نے کہا کہ کراچی کے حالات اتنے زیادہ خراب ہو چکے ہیں کہ گھر سے روزی کمانے والے مزدور کو یقین نہیں کہ وہ شام کو زندہ واپس جائے گا یا نہیں ، لہٰذا ایسی صورتحال میں ان کی خواہش ہے کہ شہر میں فوج کو طلب کیا جائے"۔

20 اگست 2011ء کو بھی تاجر تنظیموں کی جانب سے کراچی کو فوج کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ کورنگی ایسو سی ایشن آف ٹریڈ اینڈ انڈسٹری کے ترجمان ایس ایم منیر نے کہا تھا کہ کراچی کے حالات بظاہر مقامی انتظامیہ کے ہاتھوں سے نکل گئے ہیں، شہریوں ، تاجروں اور صنعت کاروں کی جان و مال کے تحفظ اور شہر میں

قیام امن کے لئے فوج کو طلب کرنا لازمی ہوگیا ہے۔ ایسو سی ایشن کے چیئرمین سید جوہر علی قندھاری کا کہنا تھا کہ ملک کے مفاد اور شہریوں کی قیمتی جانوں کو بچانے کیلئے ہماری حکومت سے درخواست ہے کہ کراچی کا کنٹرول فوج کے حوالے کیا جائے, جو امن کے قائم ہونے تک اپنی خدمات سرانجام دیتی رہی"۔ سنی اتحاد کونسل کے چیئرمین اور قومی اسمبلی کے رکن صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم نے کراچی کی المناک صورتحال پر وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کو تفصیلی خط لکھتے لکھا تھا کہ "کراچی میں جاری خونریزی خطرے کی حدوں کو چھونے لگی ہے، اس لئے ضروری ہوگیا ہے کہ کراچی کو ایک ماہ کیلئے فوج کے حوالے کردیا جائے۔"۔ آل تاجر اتحاد کے چیئرمین عتیق میر نے وائس آف امریکا کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ شہر میں روزانہ 3 ارب سے زائد کی یومیہ تجارت ہوتی ہے، جس میں اب 80 فیصد کمی آچکی ہے۔"۔ یہاں یہ بات اہم ہے کہ ایم کیوایم کے قائد الطاف حسین کی جانب سے کراچی میں امن کیلئے دہشت گردوں کے خلاف پاک فوج سے کاروائی کی اپیل بھی کرچکے تھے۔ 04 اگست 2011ء کو الطاف حسین نے کراچی میں قیام امن کیلئے حکومت کو 48 گھنٹے کا نوٹس دیتے ہوئے کہا تھا کہ حکومت کی ذمے داری ہے کہ کراچی میں قتل وغارت بند کرائے، انھوں نے فوج سے مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ کراچی آئے اور سب کیخلاف بلا امتیاز کاروائی کرے، فوج آئے اور دیکھے کہ کون دہشت گردی اور جرائم میں ملوث ہے" ۔ 21 اگست 2011ء کو بری فوج کے (سابق) سربراہ جنرل اشفاق پرویز کیانی نے مختلف سیاسی و

تجارتی تنظیموں کی جانب سے کراچی میں فوج طلب کرنے کے جواب میں کہا کہ فوج کا کام ہی خدمت انجام دینا ہے حکومت نے کراچی میں فوج طلب کی تو فوج تیار ہے۔ جنرل کیانی کا کہنا تھا کہ کراچی پاکستان کی معاشی شہ رگ ہے اور وہاں پر صورتحال کا زیادہ عرصہ تک خراب رہنا مناسب نہیں ہے کہ کراچی میں بے گناہ لوگ موت کا شکار کئے جا رہے ہیں، جنرل کیانی کے ساتھ گفتگو کے موقع پر اُس وقت کے چیئرمین سینٹ فاروق نائیک، ڈی جی آئی ایس پی آر میجر جنرل اطہر عباس بھی موجود تھے۔ 25 اگست 2011 کو وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات نے کہا تھا کہ "میڈیا کراچی میں فوج کو آنے کے لئے اکسا رہا ہے."۔ شہر کراچی میں فوج طلب کرنے ایم کیو ایم یہ مطالبہ 4 اگست 2011ء اور اب دوبارہ 26 اگست 2013ء کو کرچکے ہیں۔ مئی 2013ء کے انتخابات میں طالبان کی جانب سے جب ایم کیو ایم، اے این پی کے دفاتر اور انتخابی جلسوں کو نشانہ بنایا جارہا تھا تو ان پے در پے واقعات نے کراچی تا خیبر پختونخوا تک عوام کو خوفزدہ کردیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ متاثرہ علاقوں میں انتخابات فوج کی نگرانی میں کرانے کا مطالبہ شدت پکڑ گیا تھا۔ ضمنی انتخابات فوج کی نگرانی میں کرائے گئے تو شدت پسندوں کی جانب سے دھمکیوں و کاروائیوں کے بعد پہلی بار پاکستان ریلوے کی جانب سے کراچی کینٹ اسٹیشن سے لاہور آنے والی شالیمار ایکسپریس میں چیچہ وطنی اسٹیشن کے قریب بم دھماکے کے بعد کراچی ریلوے اسٹیشن پر سیکورٹی کیلئے فوج کی مدد طلب کی گئی۔ سیکرٹری الیکشن کمیشن نے کراچی میں ووٹر لسٹ کی گھر گھر

تصدیق کیلئے فوج کی مدد حاصل کی۔حالیہ ضمنی انتخابات فوج کی نگرانی میں ہوئے۔02 فروری 2013 کو عوامی نیشنل پارٹی کے سینئر نائب صدر سینیٹر حاجی عدیل نے پارلیمنٹ ہاؤس کے باہر میڈیا سے گفتگو کرتے کہا تھا کہ اے این پی کا تین سال سے یہ مطالبہ رہا ہے کہ کراچی میں امن و امان کیلئے فوج طلب کرکے آپریشن کیا جائے"۔ عوامی نیشنل پارٹی کے شہید رہنما بشیر بلور بھی کہہ چکے تھے کہ" صوبائی حکومت امن قائم کرنے میں ناکام ہوچکی ہے اس لئے کراچی میں فوج طلب کی جائے "۔ حالاں کہ اُس وقت عوامی نیشنل پارٹی سندھ و فاق کے علاوہ خیبر پختونخوااور بلوچستان میں پی پی پی کی اتحادی جماعت اور ان کا ایک وزیر سندھ حکومت میں شامل تھا اور اے این پی سندھ کی صوبائی قیادت کا" ترانہ" ہی کراچی میں فوج کو طلب کرنے سے شروع ہوتا تھا۔ پی پی پی نے ایسے جمہوریت کے منہ طمانچہ قرار دیا ہے جبکہ خود پیپلزپارٹی کے قائد ذوالفقار علی بھٹو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر رہ چکے ہیں، ملک کے تین شہروں (کراچی سمیت) میں مارشل لاء نافذ کرچکے ہیں۔پاک فوج ابھی سے خیبر پختونخوایا قبائلی علاقوں میں نہیں ہے بلکہ نائن الیون کے بعد سے پیدا شدہ صورتحال کے بعد سے پاک فوج بیرونی عناصر سے نبرالزما ہے۔اس کے علاوہ پاک فوج نے اپنی آپریشنل ترجیحات تبدیل کرتے ہوئے اندرونی ملک دشمن عناصر کی سرکوبی پہلی ترجیح قرار دی ہے۔ بلوچستان میں ایف سی کی موجودگی ے باوجود علیحدگی پسند عناصر کی جانب سے اب کراچی میں لاشوں کے پھینکنے کا سلسلہ بھیانک سازش بن

چکا ہے۔ سب دیکھ چکے ہیں کہ لیاری گینگ وار کے نو گو ایریا میں کئی دنوں تک پولیس اور رینجرز کی بھاری نفری بھاری بھرکم ہتھیاروں کے ساتھ نہیں جا سکتی اور میڈیا کئی دن تک دکھاتا رہا کہ پولیس ایک قدم بھی پیش قدمی نہیں کر سکی تھی، پھر اچانک سپریم کورٹ کی جانب سے سخت احکامات کے بعد پولیس اُن علاقوں میں باحفاظت بھی چلی گئی چند افراد کو گرفتار بھی کر لیا، شائد پھر اُن کو چھوڑ بھی دیا گیا۔ رسمی کاروائی کے لئے، علاقہ ایس او ایچ کو معطل بھی کر دیا گیا اور سپریم کورٹ کو رپورٹ پیش کر دی گئی۔ جب قانون نافذ کرنے والوں کا یہ حال ہو کہ گذشتہ رمضان المبارک سے بے گھر ہونے والوں کو دو ماہ بعد واپس اندرون سندھ سے اس ضمانت کے ساتھ لایا جاتا ہو کہ اب کچھ نہیں ہوگا اور اس کے چند گھنٹے کے اندر ہی کئی لاشیں گرا دی جاتی ہیں اور راکٹ لانچروں کا آزادنہ استعمال ہوتا ہو اور سینکڑوں افراد ماہانہ قتل ہو جاتے ہوں تو حکومت کی بے حسی اور رٹ کو کیا نام دیا جائے۔ تاجر برادری حکومت کی تلاش کیلئے اشتہار گم شدگی دیکر انھیں تلاش کرنے کیلئے انعام رکھتی ہو تو کوئی بھی غیر جانبدار مبصر یا کسی بھی شہری سے پوچھ لیں تو اس کا یہی ایک جواب ہوگا کہ کراچی میں بے امنی کا واحد حل فوج کو آئینی حدود میں کراچی شہر حوالے کرنا ہے جیسے سوات، ملاکنڈ کو کیا گیا تھا اور اب قبائلی علاقوں میں کیا جا رہا ہے۔ پاک فوج کی خدمات حاصل کرنے کیلئے ہمیشہ آئین کا سہارا لیا جاتا ہے جبکہ بعض آئینی ماہرین تو کچھ ماہ قبل سپریم کورٹ کو

مشورہ دیتے تھے کہ کس شق کے تحت کراچی فوج کے حوالے کیا جائے ۔پاکستانی کی توجہ ملکی ترقی کیلئے سیاسی جماعتوں سے زیادہ فوج کی جانب رہتی ہے ، کچھ عرصہ فوج ، آئین کا سہارہ لیکر ہی حکومت کرتی ہے اور بعض جماعتیں ان کی حمایت کرتی ہیں لیکن پھر یہ آئین کا سہارا لیکر فوج کے سربراہ کو آمر قرار دے دیا جاتا ہے۔پاکستان میں جمہوری نظام ناکام ہوچکا ہے اور عوام میں اس نظام پر عدم اعتماد پایا جاتا ہے۔پاک ، چائنا اقتصادی راہدری کے معاملے پر جس طرح اتفاق رائے ہوا۔کیا کوئی سیاسی جماعت اس بات کی بھی گارنٹی دیتی ہے کہ سورش زدہ علاقوں میں وہ امن قائم کرسکے گی۔پاکستان میں موجودہ سیاسی نظام پاکستانی عوام کے مزاج کے مطابق نہیں ہے ۔ ہم اپنی ہر پریشانی کا حل فوج سے چاہتے ہیں۔ لیکن جب یہی جماعتیں فوج کو بلا کر مٹھائیاں تقسیم کرتی ہیں تو بعد میں اسی فوج کے سربراہ کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے دنیا بھر میں مذاق و تماشہ لگا دیتے ہیں۔پاکستانی عوام کا مزاج جمہوری نہیں ہے ۔اس لئے یہاں وہ نظام لانا چاہیے جو پاکستانی عوام کے مزاج کے مطابق ہو۔پاک فوج پاکستان کا ایک آئینی ادارہ ہے۔اس کا کردار و صلاحتیں کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔پاکستانی سیاست ایک گندہ جوہڑ ہے جس میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔

ایسی ہے جمہوریت تو خریدار نہیں میں

ہم کسی انسان کو سمجھنے کیلئے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہیں اور اس کی آنکھوں سے اترتے ہوئے اس کا دل ٹٹولتے ہیں، اس کا دماغ پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر ایک نتیجہ اخذ کرکے سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے کسی انسان کو سمجھ لیا ہے۔ لیکن جب یہ کہا جاتا ہے کہ کسی عورت کو سمجھنا مشکل ہے تو یہ کیوں تسلیم نہیں کیا جاتا کہ عورت بھی تو انسان ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسے یوں اگر کہا جائے کہ انسان کو سمجھنا مشکل ہے تو یہ غلط نہیں ہوگا۔ ہمارے یہاں جمہوری نظام کے تحت ووٹ ڈالنے کو مقدس امانت کہا جاتا ہے، لیکن خیبر پختونخوا و بلوچستان کیبعض علاقوں میں خواتین کے دوران انتخابات ووٹ ڈالنے پر متعدد سیاسی و مذہبی جماعتوں کی جانب سے ایک روایتی معاہدہ کرلیا جاتا ہے کہ خواتین ووٹ کا حق استعمال نہیں کریں گی۔اس معاہدے کو الیکشن کمیشن جرم قرار دیتی ہے اور سول سوسائٹی سمیت شہری حقوق کی تنظیمیں اس پر شور وغوغا کرتی ہیں۔ ہمارا میڈیا بھی اس ایشو کو شدت سے اٹھاتا ہے۔ شدت پسندوں کی جانب سے جمہوری نظام کو کفر کا نظام کہا جاتا ہے اس لئے وہ تو پورے جمہوری عمل ہی کے مخالف
ہیں۔ لیکن یہ بھی دیکھا جا چکا ہے کہ ان ہی عناصر سے جو جمہوری نظام کو کفر کا نظام قرار دیتے ہیں جمہوری کے داعی بیٹھ کر مذاکرات کرتے ہیں ان کے علاقوں میں جاتے ہیں

، سپر پاور

کہلانے والی قوتیں بھی مسکرا مسکرا کر ان کو تسلیم کرتی ہیں۔
جمہوریت کا نظام اسلامی ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا اس لئے کہ اس میں اقلیت، اکثریت پر حکومت کرتی ہے اور ایوانوں میں اکثریت اقلیت کو نظر انداز کرتے ہوئے من پسند قوانین بنا کر ایسے عوام پر زبردستی مسلط کر دیا جاتا ہے۔بلدیاتی انتخابات سے لیکر سینیٹ کے انتخابات امیدواران لاکھوں، کروڑوں، اربوں روپے خرچ کرتے ہیں، جیتنے والے اپنی بولیاں لگاتے ہیں، جماعتوں سے وابستگی رکھنے والے کسی بھی شخص کے معیار کے پیمانے کے بغیر اپنی قیادت کے حکم پر کسی بھی نا اہل کو مسند اقتدار پر بیٹھا کر جمہوریت کی کامیابی کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ اعلی عہدوں کیلئے ہر وہ کام کر گذرتے ہیں جیسے اخلاقی قرار نہیں دیا جا سکتا، اس کا مظاہرہ یونین چیئرمین، تحصیل چیئرمین، سٹی میئر، صوبائی و وفاقی وزراتوں، سمیت وزرائے اعلی اور ارباب اختیار کے مشیران و معاونین کی لمبی فہرست دیکھ با آسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جمہوری نظام کے تحت کس قسم کے احباب ہم نے خود پر مسلط کرالئے ہیں۔جب جمہوری نظام نہیں تھا تو دور نوح سے لیکر خلافت عثمانیہ کے خاتمے تک لاکھوں ہزاروں سال کی حکومتیں بھی کسی نہ کسی نظام کے تحت چلتی رہی ہیں اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ خواتین بھی اتنی با اختیار ہوئی کہ اقتدار کے مسند پر بیٹھ کر مردوں پر حکومت چلاتی رہیں۔ خواتین کو ووٹ کے حق سے محروم

کرنے کی باتیں کرنے والے کیوں اس بات کو نظر انداز کرتے ہیں کہ ان علاقوں کی اپنی کچھ ثقافتیں ہیں روایتیں ہیں۔ اگر آپ روشن خیالی کے نام پر اپنے اہل خانہ، خواتین کی فیس بک پر تصاویر لگا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ سب ایسا کریں تو یہ سب کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کسی ڈانس پارٹی میں اپنی بیوی کو کسی دوسرے کی بانہوں میں دیکر اس کی بیوی اپنی بانہوں میں لے لیتے ہیں تو اس قسم کی جمہوریت نما ثقافت یا ثقافت بنا روایت سے خیبر پختونخوا اور بلوچستان کی عوام ناآشنا ہیں بلکہ سندھ، پنجاب کے لاکھوں خاندان بھی ایسی جمہوریت پر لعنت بھیجتے ہیں جس میں ترقی اور حقوق کے نام پر خواتین کی عزت و حرمت کی پامالی جاتی ہو۔ ووٹ دینا ایک گواہی ہے کہ جس کو ووٹ دیا جا رہا ہے، وہ نیک خصلت ہے ایماندار ہے، وغیرہ، وغیرہ، اب پردے دار، گھر بیٹھی خاتون خانہ خواتین کو کیا معلوم کہ فلاں شخص کون ہے، کیا کرتا ہے، اس کا کردار کیسا ہے، اس نے قوم کی کتنی خدمت کی، یہ جمہوریت کا امیدوار خواتین کے مسائل کو سمجھتا بھی ہے کہ نہیں، تو خاتون جھوٹی گواہی صرف اس لئے دے کیونکہ جمہوریت ہے۔ سابق امریکن صدر ابراہیم لنکن جمہوریت کو عوام کا نظام قرار دیتے تھے۔ لیکن کیا آپ دل پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتے ہیں جو جمہوریت کا نظام نافذ ہے وہ عام آدمی کیلئے ہے یا خواص کیلئے ہے۔ ؟افلاطون پہلا شخص تھا جس نے سیاسیات کو باضابطہ طور پر اپنے مطالعہ کا موضوع بنایا اور اس کے تمام پہلوؤں کا باریکی سے جائزہ لینے کے

بعد بڑی بے باکی کے ساتھ اپنا نظریہ پیش کیا، افلاطون نے یونانی جمہوریت پسندوں اور قوانین The Laws کے ہاتھوں اپنے استاد سقراط کی موت کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جمہوریت جم غفیر کی حکمرانی ہے، افلاطون Republic مدبرStatesman جموری روایتوں کی مخالفت کرتے ہوئے اسے ایک فرسودہ نظام قرار دیتا ہے۔ اور اس نے جمہوریت سے تنگ آ کر کیمونزم (اشتمالیت) کا نظریہ پیش کیا۔ اس کی آرا کی سب سے بڑی خوبی یہ رہی کہ اُس وقت کے مفکرین اس کا متبادل پیش کرنے سے قاصر رہے، بعد میں چل کر افلاطون کے شاگرد ارسطو نے اپنے استاد کے نظریات کی تردید کی لیکن وہ بھی متبادل تجویز لانے میں ناکام رہے۔ افلاطون کے مطابق " سیاست کے مسئلے کا حل یہ ہے یا تو فلسفی کو حکمران بنادو یا حکمرانوں کو فلسفی بنادو " ۔

ہندوؤں کی تاریخ میں ' رام ' کا کردار مرکزی حیثیت رکھتا ہے، قرآن و حدیث میں ' رام ' کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لیکن بعض مفکریں ' رام ' کے کردار کے حوالے سے دلچسپ نظریات رکھتے ہیں اور ' رام ' کی صفات کے حوالے سے مختلف دعوے بھی کرتے ہیں۔ رام شہزادے تھے اور اقتدار کے مستحق مگر ان کے والد نے ان کی سوتیلی ماں سے ' وعدہ کرلیا تھا کہ وہ اپنے بعد اس کے بیٹے کو بادشاہ بنائیں گے۔ ' رام ' کے والد کا انتقال ہوا تو رام کے سوتیلے بھائی کو بادشاہ بنا دیا گیا۔ پھر چودہ سال جنگلوں میں اپنی بیوی سیتا اور سوتیلے

بھائی لکشمن کے ساتھ رہنا، ایسی داستان ہے جیسے بھارتی ثقافتییلغار کی وجہ سے بچے بچے بھی جانتے ہیں۔ لیکن اس میں دلچسپ بات یہ ہے کہ سوتیلا بھائی اپنے بڑے بھائی کو بادشاہ بنانا چاہتا تھا لیکن انھوں نے اپنے والد کی نصیحت پر عمل کیا، چھوٹے بھائی نے ان سے جوتے مانگے کہ کم از کم اپنے جوتے دے جائیں، بھائی کی ضد کے بعد انھوں نے اپنے جوتے اپنے سوتیلے بھائی کو دے دیئے، 'رام' کے جوتوں کو تخت پر رکھ دیا گیا کہ چودہ سال تک بھائی کے جوتوں کی حکمرانی ہوگی اور ان کا سوتیلا بھائی ایک کارندے کے طور پر حکومت چلائے گا۔ یہاں یہ سوچنے کی بات ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوری حکومت بھارت، رام کو بھگوان کا درجہ دیتی ہے لیکن اس کے کئے گئے عمل پر بھی عمل نہیں کرتی۔ یہودی اپنے مذہب، تہذیب اور پرانی تاریخ کے سب سے بڑے منکر ہیں، یہودیوں نے اسرائیل کی ریاست حضرت سلیمان علیہ السلام کی 'یاد' میں قائم کی اور وہ بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اسرائیل پہلے دن سے سیکولر ریاست کہلانے پر مصر ہے۔ بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور حکومت سے لاتعلقی کا بھی بعض یہودی اعلان کرتے ہیں بلکہ ایسے "زائن ازم" کی سازش قرار دیتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ ہے کہ "مفہوم کے مطابق، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرا زمانہ رہے گا، جب تک اللہ تعالی چاہے گا میرے زمانے کے بعد خلافت راشدہ ہوگی اور اس کا زمانہ رہے گا، جب تک اللہ تعالی، چاہے گی، خلافت کے بعد ملوکیت ہوگی اور اس کا

زمانہ رہے گا جب تک اللہ تعالی چاہے گا، ملوکیت کے بعد کاٹ کھانے والی آمریت ہوگی اور اس کا زمانہ رہے گا جب تک اللہ تعالی چاہے گا اور اس کے بعد زمانہ ایک بار، پھر خلافت علی منہاج انبوہ کی جانب جائے گا۔ اسلام میں حکمرانی چار طاقتوں کا مجوعہ ہے روحانی طاقت، اخلاقی طاقت، علمی طاقت اور جسمانی طاقت ،۔۔ اقبال کہہ چکے ہیں، کہ" جمہوریت وہ طرز حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے۔" جمہوریت کا نیا نظام اقبال کے مفہوم کے مطابق فریب کے سوا کچھ نہیں۔ کہنے کو امریکہ دنیا کی سب سے مضبوط جمہوریت ہے لیکن سب جانتے ہیں کہ امریکہ کے اکثر فیصلے امریکی عوام نہیں بلکہ امریکی سی آئی اے ،پینٹاگون، امریکہ کے ایوان صنعت و تجارت، ملٹی نیشنلز اور امریکہ کے ذرائع ابلاغ کرتے ہیں۔ پاکستان کے حکمرانوں نے پاکستان کا آئین اس بات پر رکھا کہ قرآن و سنت کے علاوہ کسی قانون کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ مسلم معاشرے میں حاکمیت صرف اللہ تعالی کے قوانین کی ہوگی۔ لیکن پاکستان کے حکمران طبقے نے اسلام کو کبھی آئین کی قید سے نکلنے نہیں دیا۔ دیکھا جائے تو پاکستان کا آئین اسلام کا سب سے بڑا زندان ہے۔ جمہوریت اسلامی نظام نہیں ہے، اس لئے اگر کوئی اپنی معاشرتی اقدار کے مطابق ووٹ نہیں ڈالتا تو وہ اسلام سے خارج نہیں ہوجائے گا۔ جمہوریت کا راگ الاپنے والے پہلے اپنے گھر کو درست کریں، اپنے گھر میں انسان کو آزاد کریں۔ لاکھوں برسوں کی تاریخ میں دیکھیں کہ جمہوریت کہاں تھی ؟۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ جمہوریت کفر

کا نظام ہے تو اس کا متبادل تو وہ پیش کر رہا گو کہ بیشتر کے پیش کرنے کا طریقہ خود ساختہ و متشدد ہے، جمہوریت کے نقصانات جنگ عظیم اول دوئم اور آج تک ہم سب بھگت رہے ہیں۔ اور پھر دل چسپ بات یہی ہے کہ یہی تو جمہوریت کہ ایک طرف یہ جماعتیں معاہدے کرتی ہیں تو دوسری جانب اسٹیجوں اور جلسوں میں خواتین سمیت رقص کرتے ہیں۔ تو جمہوری جماعتوں کے فیصلوں کو ماننے سے انکار کرکے 'کفر جمہوریت' کے مرتکب کیوں بنتے ہو؟۔

ایسے سخن فروش کو مر جانا چاہیے

بین الاقوامی میڈیا کے ماہر استاد مالکم ایکس ایک ذمے دار میڈیا کے حوالے اہم بات کہتے ہیں کہ "اگر آپ محتاط نہیں ہیں تو میڈیا آپ کو اُن لوگوں سے نفرت کرنا سکھا دے گا جو ظلم وزیادتی کا شکار ہیں اور ان لوگوں سے محبت جو ظلم وزیادتی کر رہے ہیں۔میڈیا کی طاقت کو بڑھا چڑھا کر بیان نہیں کرنا چاہیے، لیکن اس میں منفی دقیانوسیت کی توثیق اور اسے مزید گہرا کرکے، جارحانہ جذبات کو ہوا دیتے ہوئے اور ہر وقت طبلِ جنگ بجا کر تنازعہ کی آگ پر تیل چھڑکنے کی صلاحیت بھی ہے اور لوگوں کے خیالات اور تصورات کو چیلنج اور تبدیل کرکے، باہمی تفہیم کو فروغ دیتے اور باہمی رنجشوں کو دور کرتے ہوئے امن قائم کرنے کی جدوجہد کو آگے بڑھانے کی قوت بھی۔17اکتوبر2006ء کو "نیویارک سن "میں شائع مضمون ’ اخباری کالم اب جنگوں کیلئے گولیوں سے زیادہ اہم ہیں ‘ میں مشہور یہودی وار لارڈ دانشور ڈینیل پائپس رقم طراز ہیں "بری، بحری اور فضائی فوج کے سپاہی کبھی جنگوں کے نتائج کا تعین کرتے تھے لیکن اب نہیں، آج ٹیلی وژن کے پروڈیوسرز، کالم نگار، مبلغ اور سیاست دان اس بات کا فیصلہ کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں کہ مغرب کیا لڑ رہا ہے، اس تبدیلی کے گہرے اثرات ہیں۔" تبصرے اور

کالم اس ضمن میں قابل قدر کردار ادا کرتے ہیں اور اثر انداز ہو سکتے ہیں کالم نگاری کا تعلق رائے کے اظہار سے ہے اور رائے جانبدار ہوتی ہے یہی وہ فرق ہے کہ رائے کی جانبداری کو غیر جانبداری سے تجزیئے کیلئے اسے متوازن بنایا جائے کہ وہ مددگار ثابت ہو، انسانیت کے دائرے میں رہنے، افعال کو پرکھتے وقت پائیدار اقدار کو ملحوظ خاطر رکھنا اور فکر کو چیلنج کرنے کیساتھ ساتھ سوچ کی وسعت اور دشمنی کی حد کو پھلانگنے کی جرات کو لحاظ برادری پر مبنی برتاؤ ہی دونوں طرف کے لوگوں کی پیچیدہ انسانی، سماجی اور ثقافتی حقیقت کو سمجھنے کے لئے بہتر انداز میں کام کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس جب مفادات اور ترجیحات میں فرق پیدا ہو جائے تو بقول مارٹن لوتھر جونیئر نے امریکی حکمرانوں اور امریکی میڈیا کے حوالے سے کہا تھا کہ "امریکی حکومت دنیا میں فسادات کو ہوا دینے والا سب سے بڑا ادارہ ہے"۔ اسی طرح امریکی ماہر تعلیم اور سماجی رہنما سولومن کمیشنگ اپنے تجزیئے میں کہتے ہیں کہ امریکی حکومت نے دنیا بھر میں اپنی جنگوں کو پھیلا کر موت کے دائرے کو بہت وسیع کر دیا ہے۔ ان جنگوں میں بیک وقت کئی ممالک میں شہریوں کی ہلاکتیں ہو رہی ہیں اور امریکی کارپوریٹ میڈیا سوچی سمجھی "اسکیم کے تحت انسانیت کے خلاف امریکی حکومت کے جرائم کا شریک بن چکا ہے۔

ہمیں دیکھنا یہی ہے کہ ہم اور ہمارا میڈیا کیا کردار اور کیسا ادا کر رہا

ہے۔اظہار رائے کی آزادی کہیں بے لگام گھوڑا تو نہیں بن گیا جس کے جانے کا رخ کا کسی کو علم ہی نہیں ہے یا پھر اس کے باگیں (ڈوریں) ایسے ہاتھوں میں ہیں جو اپنی مرضی کے مطابق ایسے ہلاتا رہتا ہے۔عالم فانی میں جنگوں سے پہلے میڈیا نے جنگ کیلئے راہ ہموار کی، تو دوسری جانب ایسی مثالیں کم ملتی ہیں کہ امن کیلئے میڈیا نے اسی طرح کام کیا ہو جس طرح جنگ کیلئے کام کیا۔ باہمی نفرتوں، تشدد، جھڑپیں، قتال، دھماکے ہمارے میڈیا کی ہاٹ اسٹوریز میں شامل ہیں لیکن امن کے نام پر عالمی میڈیا جہاں اپنے مفادات کو ترجیح دیتا ہے تو ہمارا میڈیا بھی اس سے دور نہیں ہے۔میڈیا کے مثبت کردار کیلئے مثبت سوچ کا ہونا ضروری ہے۔اب ایسا بھی نہیں ہے کہ ہمارا میڈیا مکمل طور پر جانبداری کا مظاہرہ کر رہا ہے لیکن ہم یہ بھی بغور دیکھتے ہیں کہ کیا میڈیا کا کردار مغرب کے میڈیا کے حرکات کا جواب دینے کیلئے موثر قوت رکھتا ہے یا نہیں۔مثال کے طور پر بی بی سی کے نیوز فیدرنگ شعبے کی سربراہ فران انزورتھ کا ماننا تھا کہ "میرے خیال میں یہی کہوں گی کہ ہمیں واضح طور پر یہ سمجھ نہیں آئی کہ عراق کے پاس بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار واقعی نہیں۔ یہ ہمیں دیر میں سمجھ آئی، اس وقت کی وہ فائل جسے اب "دوجی ڈوزیئر" کہا جاتا ہے اور اس کے علاوہ بھی بہت سی شہادتیں سامنے آئیں جن سے اشارے ملے کہ میڈیا اس معاملے میں حکومتی دعوں کے سامنے بیوقوف بن گیا۔"اور اس بے وقوفی کی سزا کے حوالے سے اس عراقی خاتون کا ذکر کیا جاتا ہے جو ان

الفاظوں کے ساتھ امریکی صدر جارج بش کو مخاطب کر رہی تھی کہ "میرے گھر میں خوش آمدید، مسٹر بش، اسے دیکھیں کیا آپ میں ذرا بھر انسانیت ہے؟ آپ ایک چھوٹی سی بچی کو اپنے ماں اور باپ کیلئے روتا کیسے دیکھ سکتے ہیں، کہاں آپ کی انسانیت؟ کہاں ہے آپ کا ضمیر؟۔"

وہ اپنے تجزیوں اور تبصروں میں مغربی میڈیا پر اس انداز میں بات نہیں کرتے جس طرح مغربی میڈیا اپنی حکومت کی پالیسیوں کا رخ تبدیل کرنے کیلئے یا پھر حکومتیں عوام کی سوچ کے دھارے اپنی پالیسیوں کے مطابق چلانے کیلئے میڈیا کا استعمال کرتے ہیں۔ امریکی ماہر تعلیم اور سماجی رہنما سولومن مزید آگے بڑھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " امریکی میڈیا امریکی حکومت کے جنگ کے نشے کے بارے میں بالکل فکر مند نہیں بلکہ اسے اس کی بھی پرواہ نہیں کہ ان جنگوں کے نتیجے میں کرہ ارض کس تباہی سے دوچار ہو رہی ہے، امریکی میڈیا کو اس سے غرض نہیں تھا کہ وہ کس کو پیغام دے رہے ہیں، جبکہ ان کا پیغام بردار بھی ایک ہی رہا ہے، ہماری افواج کی حمایت کرو۔۔ خواہ یہ افواج معصوم لوگوں اور شہریوں کا قتل عام کر رہی ہوں۔ سولومن نے میلکم ایکس کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ "میڈیا طاقت ور ہے بے گناہ کو مجرم اور مجرم کو بے گناہ بنا دیتا ہے اور عوام کے ذہنوں کو کنٹرول کرتا ہے اگر آپ ہوشیار نہ رہے تو آپ کو معصوم اور مظلوم سے نفرت اور ظالم سے محبت کرنے پر مجبور کر دیگا۔" اب

امریکہ ہو یا برطانیہ یا پھر مغرب کا کوئی بھی معروف میڈیا جب پاکستان کے حوالے سے رپورٹنگ کریگا تو اس کی پالیسی واضح ہوگی کہ اس سے ان کے ملک اور ان کے میڈیا کو کس قدر فائدہ ملے گا۔ اس کا پروپیگنڈا کس قدر منفی ہے یا مثبت ہے اس سے بھی ان کو سروکار نہیں ہوتا۔ بلکہ ہمارے یہ عادت سی بنتی جا رہی ہے کہ غیر ملکی ابلاغ کی رپورٹ کو ہم من و عن درست سمجھتے ہوئے ایسے مناسب جگہ فراہم ہی نہیں کرتے بلکہ اس پر اپنے تبصروں اور آرا سے وہ ماحول پیدا کر دیتے ہیں جیسے مغربی ابلاغ سے زیادہ خیر خواہ کوئی پاکستان کا ہے ہی نہیں، بلکہ مغرب ابلاغ پاکستان کا سب سے بڑا بھی خواہ ہے۔ جب غزہ پر اسرائیل کی جانب سے حملے ہوئے اور معصوم بچوں، خواتین، بزرگوں اور ہسپتالوں کو نشانہ بنایا جانے لگا تو مغربی میڈیا نے اسے دکھانے سے اغراض اس لئے برتا کیونکہ اُن کی حکومت کی پالیسی یہی تھی کہ حقیقت سے کوئی آشنا نہ ہو پائے، یہاں تک کہ نیوز ڈینکر و کاسٹر تک روپڑتے تھے لیکن اپنی حکومت کی میڈیا پالیسی کے ہاتھوں اس قدر مجبور تھے لیکن اپنے انسانی جذبات پر قابو پانے میں ناکام رہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں جب ہم مغربی میڈیا کے پروپیگنڈے کا مقابلہ دیکھتے ہیں تو ان کے عشر عشیر بھی ہماری رپورٹس میں نہیں ہوتا، مظاہروں اور تقاریر کی تھوڑی سی جھلک دکھا کر اپنے ذمے داری پوری کرنے کا جھوٹا احساس پیدا کر لیا جاتا ہے۔ صحافت میں ایک اصطلاح غیر جانبدار" کی استعمال ہوتی ہے جسے پاکستانی اور مسلمان صحافی " فروفیشنل ازم "کے نام پر استعمال

کرتے ہوئے اسلام اور پاکستان کے خلاف استعمال ہو جاتے ہیں، جبکہ مغربی میڈیا ہمیشہ اسلام کے خلاف جانبدار ہوتا ہے۔ قابل ذکر اور دلچسپ امر یہ بھی ہے کہ ایسے مغربی ابلاغ کے بیشتر نمائندے مسلمان ہی ہوتے ہیں۔ اقلیتیوں کے نام پر حقوق، پاکستان کے قبائلی علاقوں میں برپا سورش، بلوچستان، کراچی خیبر پختونخواکے۔

غیر مستحکم حالات، مسلم دنیا میں مسلم امہ پر ہونے والے مظالم کی درست رپورٹنگ سے گریز، فرقہ واریت میں پیش پیش، روشن خیالی کے نام پر بے حیائی و بے غیرتی کا پرچار مختلف طبقات کے برسرِپیکار ہونے کی بات اور اداروں میں اقرباپروری، کرپشن اور، بے قاعدگیوں کو منظر عام پر لانے میں تفریق پیدا کر دیتے ہیں۔ ہمیں بین الاقوامی ابلاغ کی جانب سے رائے، تبصروں اور خبروں پر یکطرفہ موقف اپنا کر اپنے اداروں پر حقیقت کی افشانی تک رائے زنی سے گریز کرنا چاہیے۔ معصوم عوام میں بدامنی اور اضطراب کو سنسنی سے جنم دیکر ختم کرنے سے گریز اور کھوکھلی شہرے کے عوض اپنا ایمان اور وفاداریوں کی فروخت کرنے میں نام نہاد پاکستانیوں اور مسلمانوں کے بارے میں ہی کہا گیا ہے کہ

تہمت لگا کے ماں پہ جو دشمن سے داد لے
ایسے سخن فروش کو مر جانا چاہیے۔

خوشحال خان خٹک پختون قوم کے ایک بڑے شاعر ہیں ، کہتے ہیں کہ "میں اس شخص کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوں جو اپنی زندگی عزت سے نہ گذارے ، لفظ بے عزتی مجھ کو غصہ دلاتا ہے۔" عزت کی ذمے داریاوں کو چار حصوں میں کچھ اس طرح تقسیم کیا جاتا ہے ، پختون ولی کے رسم و رواج جس کا مطلب پختون پر چار ذمہ داریاں واجب کرتے ہیں۔پہلی ، پرانی دشمنیوں اور خون خرابہ کو ختم کرنا ، دشمنی کو دوستی میں تبدیل کرنا اور مجرم کو پناہ دینا۔ یہ 'ننواتے' کہلاتا ہے دوسرا ، دو فرقوں کے درمیان خون خرابی کو روکنے کیلئے جرگہ کا التوائے جنگ فیصلہ ۔ یہ '. تی[illegible] ' کہلاتا ہے۔ تیسرا ، انتقام لینے کا فرض ۔ یہ ' بدل ' کہلاتا ہے۔چوتھا ۔ ، مہمان داری ، عالی ظرفی ، دلاوری ، سچائی ، سادگی ، ملک سے محبت اور اس کی خدمت ، یہ ' میلمستیا ' کہلاتا ہے۔ پختون ولی ایک اصطلاح پاک افغان سرحد کے اطراف میں بسنے والے پختونوں کی طرز معاشرت کے حوالے سے مستعمل ہے۔ پختون ولی کا تصور چند اصلاحات تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں تین چار ہزار برسوں پر محیط ارتقائی سفر طے کرنے کے بعد موجودہ ایک حیثیت اختیار کر لی ہے۔ معروف افغان اسکالر صداق اللہ رشتن پختونوں کی تمام اقدار اور رسومات کو پختون ولی کے تصور سے منسلک کرتے ہیں۔ماہر بشریات اکبر ایس احمد ' ننگ ' (غیرت)کے تصور سے

نے اپنی کتاب Mukulika Banerji پریشان دکھائی دیتے ہیں۔ جبکہ مکولیکا بینرجی
میں پختون ولی کے تاریخی تصور کو اجاگر کرتے ہوئے The Pathan Unarmed
اس کی وکالت کی ہے۔ پختون ولی کا تصور تین چار ہزار برسوں کے دوران تشکیل پایا
ہے، یہ چند رسمی احکامات الہی یا رسومات جیسا کہ 'ننگ' (غیرت) ، بدل (بدلہ)
تربرولی (رشتہ داری)، ننا وتی ملمیستیا یا محض پختونوں کی مذہبیت تک محدود نہیں ،
ہے بلکہ سماجی زندگی میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔
ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ قبائلی دشمنیوں کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو اس
کا سلسلہ دراز سے دراز تک ہوتا چلا جاتا ہے۔ دشمنی کا تصور ایک جرگہ کی صورت میں
کسی منطقی انجام تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔یوں پرانی دشمنیوں اور خون خرابے
کو روکنا، دو، دشمنی کو دوستی میں تبدیل کرنا، تین پناہ دینا اور چار مہمان نوازی، یہ '
ننواتے' کہلایا جاتا ہے۔ ایک جرم کرنے والا بھی کسی کی پناہ میں آتا ہے تو اس پر اپنے
رواج کی پابندی لازمی ہوجاتی ہے، حلاں کہ تصور تو یہی کہلائے جائے گا کہ ایسے قانون
کے حوالے کردیا جائے، لیکن ہم نے یہ بھی دیکھا کہ ایسا نہیں ہوتا۔ سب سے بڑی مثال
اسامہ بن لادن کی تھی جب افغان حکومت کے امیر ملا عمر سے اسامہ کی گرفتاری کیلئے کہا
گیا تو انھوں نے امریکہ کے حوالے کرنے سے انکار صرف اس لئے کردیا کیونکہ اسلام
یا پختون ولی روایات کے برخلاف وہ نہیں چل

سکتا تھا۔چونکہ ہزاروں برسوں کی رسوم و رواج ہیں کہ پختون پناہ کے عمل کو جرم پر فضیلت دیں گے ، پناہ پر پابندی نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ یہ نظریہ کسی دوسری قوم کے لئے عجیب تر نظر آئے لیکن جو قومیں صدیوں کے ارتقاکے عمل سے گذرتی ہیں وہ اپنے اس عمل کو درست سمجھتی ہیں کہ ان کے گھر پناہ لینے کوئی بھی ہو ، کسی بھی جرم کا ہو ، لیکن ان کی روایات ایسے ہی ہیں جس سے روگردانی نہیں کی جا سکتی۔چاہے وہ کسی بھی ذات عقیدی ، رتبہ ، دوست یا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔اس کی بڑی مثال تاریخ میں بھی ہے ، کہ 1870 میں کچھ مفرور لوگوں نے آدم خیل آفریدی کے ایک قبیلہ ' جوواکیس ' کے لوگوں سے پناہ لی ، انگریزوں نے جوواکیس کے سرداروں کو حکم دیا کہ مفروروں کو حکومت کے حوالے کردیا جائے ، جوواکیس کے لوگوں نے انکار کیا۔برطانوی حکومت نے پانچ ہزار سپاہوں کی فوج بھیجی ، ہر دُرہ اور وادی پر فوج کا قبضہ ہوگیا ، بہت مویشی مارے گئے ۔ قبیلے کا بہت نقصان ہوا۔ قبیلے سردار انگریزوں کے پاس آئے اور ہتھیار ڈالنے کی شرط پوچھی ، انگریز نے کہا "نقد جرمانہ ، مہم کی قیمت ، کچھ ہتھیاروں کی حوالگی اور دو مشہور مفرور لوگوں کی سپردگی "۔ سرداروں نے کہا " تمھاری دو شرطیں منظور لیکن ہم اپنے پاس پناہ دینے والوں کو تمھارے حوالے نہیں کر سکتے ، تم نے ہمارے ، ملک (علاقے) پر قبضہ کرلیا ، رکھ لو ، ہم کہیں اور گھر بنالیں گے ، لیکن جن کو ہم نے " پناہ دی ہے ان کی حفاظت کریں گے ، ان کو ہم سپرد نہیں کریں گے۔

مورخ آرنلڈ ٹائن بی کے مطابق " جغرافیائی کی سیاست کی دو حود شناخت ہو سکتی ہے۔ جبکہ بینر جی کے الفاظ میں " سرحدی علاقے مکانی طور پر توسیع خطے ہوتے ہیں اور ان " کا ثقافتی ارتقاء جاری رہتا ہے ، جو جدلیات کیلئے موزوں ہوتا ہے گندھارا کی تہذیب بھی ایک ایسے ہی ارتقائی عمل کے نتیجے میں تخلیق پائی ،۔تہذیبوں کے طویل عرصہ تک قائم رہنے والے غیر معمولی ملاپ کا حصہ ہے ۔۔برطانیہ کے ' کپلنگ ' نے پندرہ سو برس قبل یہ کہہ دیا تھا کہ مشرق و مغرب کبھی نہیں مل سکیں گے لیکن برطانیہ نے بزور طاقت جنگ لڑی ، برطانیہ نے ایسا اپنے استعماری عزائم کے باعث کیا جیساکہ وہ زار روس (اور بعد ازاں اس کے سوویت یونین کے ساتھ ' گریٹ گیم ' کا حصہ تھا ، اس کی افغانستان اور شمالی انڈیا کے حوالے سے تمام پالیسیاں روسی خطرے کے خوف کے پیش نظر تشکیل پاتی تھی اور یہی عوامل پختون ثقافت (پختون ولی) اور معاشرے پر اثر انداز ہوئے۔ افغانستان کی موجودہ صورتحال کو ہم پختون ولی (پختون ثقافت کی رو سے باآسانی سمجھ سکیں گے ۔ پختون اپنی ثقافت میں اسلامی روایات کی آمیزش بھی شامل کرنے لگا ہے ۔ اپنی عزت اور بے عزتی پر حساس ایک پختون کی خاصیت رہی ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ پختون اپنے آپ کو کسی سے کم بھی نہیں سمجھتا۔ پختون اپنی غیرت کے لئے اس بات پر یقین کرتا ہے کہ اسلامی شعریت کے مطابق آنکھ کا بدلہ آنکھ ، خون کا بدلہ خون ہے ، کیونکہ اس کی خو میں یہ شامل

کر دیا جاتا ہے کہ بے عزتی کا بدلہ لینے سے بے عزتی دھل جاتی ہے۔ وہ اس کا بھی خیال نہیں کرتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا، پختون اُس بے عزتی کا بدلہ نہیں لیتا جو کہ غلطی سے ہوئی ہو، جو پختون اپنے بے عزتی کا بدلہ نہیں لیتا اس کو قبیلہ میں بُری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کی ایک بڑی مشہور مثال ہے کہ " ڈاکٹر اسٹار جس نے کافی عرصہ پختونوں کے علاقے میں گذارا تھا، ایک دفعہ ایک بزرگ ہسپتال میں آیا اُس کو Cataract کی وجہ سے دھندلا دکھائی دیتا تھا، جب اُس کا نمبر آیا تو اس نے کہا " مجھے میری آنکھیں پھر سے دے دو تاکہ میں رائفل استعمال کرسکوں "ڈاکٹر نے پوچھا کیوں ؟بزرگ نے جواب دیا۔ سولہ سال ہوگئے میں نے اب تک اپنے بیٹے کے قتل کا انتقام نہیں لے پایا۔" تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان کا بھی یہی ماننا رہا ہے کہ پختون وہ نہیں جو "پشتو بولتا ہے، بلکہ اصلی پختون وہ ہے جو " پختون ولی پر عمل کرتا ہے۔

پختون ولی کے حوالے سے اگر اقبال کاذکر نہ کیا جائے تو یہ بے انصافی ہوگی، علامہ اقبال کی شاعری، افغانوں سے محبت میں ڈوبی ہوئی ہے، شاعر مشرق کی افغانوں سے عقیدت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ غزنی سے لاہور آئے اور انھوں نے اسلام پھیلایا، احمد شاہ ابدالی اور خوشحال خان خٹک سے محبت بھی اقبال کی، کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ۔ اقبال نے

اپنی زندگی میں فلسطین اور کشمیر کے علاوہ افغانستان کیلئے بھی عملی جدوجہد کی 1929ء میں جب افغانستان کے بادشاہ غازی امان اللہ کے خلاف افغانستان کے پہلے تاجک حبیب اللہ کلکانی حکمران بنکر بچہ سقہ کے نام سے مشہور ہوا، تو علامہ اقبال کا خیال تھا کہ بچہ سقہ کو اقتدار دلوانے میں برطانوی حکومت کی سازشوں کا عمل دخل ہے۔ علامہ اقبال نے بچہ سقہ کے خلاف لاہور میں مظاہرہ بھی کرایا۔ 25فروری1929 میں محمد ہاشم خان، شاہ ولی خان کے موجودگی میں کچھ رقم نادر شاہ کو دینی چاہی لیکن انھوں نے شکریئے کے ساتھ رقم واپس لوٹادی۔ ان کے آنکھوں میں امڈتے آنسو دیکھے جاسکتے تھے، نادر شاہ نے لاہور سے پشاور، وہاں سے وزیرستان گئے اور علی خیل میں اپنے ساتھیوں کو منظم کرکے بچہ سقہ کو شکست دی، نادر شاہ نے1933 میں علامہ اقبال کو افغانستان کے دورے کی دعوت بھی دی۔ کابل یونیورسٹی کیلئے اقبال اپنے ہمراہ سید سلیمان ندوی، راس مسعود اور برسٹر غلام رسول خان کو بھی لے گئے اور کابل یونیورسٹی کو عظیم درس گاہ بنانے کا تحریری منصوبہ نادر شاہ کے حوالے کیا۔ کابل میں تحریک آزادی ہندوستان کے عظیم مجاہد حاجی صاحب ترنگزئی اور ملا شور بازار سے ملاقات اور غزنی میں حضرت علی ہجویری کے والد حضرت عثمان ہجویری کی قبر تلاش کرکے فاتحہ بھی پڑھی۔ یہ افغانستان اور پاکستان کے نہ ٹوٹنے والے رشتے ہیں۔ پاک، افغان کے بزرگوں کے طفیل جو پختون ولی دونوں ممالک میں قائم ہے، ایسے ارباب اختیار کو مضبوط بنانے کیلئے اخلاص سے کام لینا ہوگا۔ بھارت

سمیت عالمی استعماری قوتیں نہیں چاہتی کہ پاک ، افغان کے درمیان پختون ولی پروان چڑھے ، کالی بھیڑیں جن صفوں میں ہوں ایسے ختم کرنا ہوگا۔ افغان ثقافت ہزاروں سال پرانی ہے ، پاکستان قائم ہوئے 68 سال ہوئے ہیں فیصلہ ہم کو کرنا ہوگا کہ پختون ولی کا جواب کیسے دیں ؟

ہاتھ میں گلاب آنکھ میں آنسو

"بہادروں کا انتقام بھی مجھے پیارا ہے جو میرے اونچے قلعوں پر حملہ کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔" یہ قول بلوچ قوم کی ہیرو میر چاکر خان رند بلوچ کا ہے۔ میر چاکر رند کو ایک شخصیت یا ایک نام کے طور پر یاد نہیں رکھا جاتا بلکہ چاکر اعظم کی پوری شخصیت بلوچوں کی تہذیب و ثقافت ،تاریخ و تمدن ، معیشت و معاشرت ، اخلاق و عدات ، بہادری و جوانردی ، جوش و غفتار و کردار ، ایثار و قربانی ایفائے عہد اور انتقام کا نام ہے۔ میر چاکر کے بعد بلوچ قوم میں یکجہتی کا مظاہرہ کم دیکھنے میں آیا ہے ، میر چاکر خان رند بلوچ کا دور بلوچوں کے عروج اور خوشحالی کا دور تھا اور آج بھی بلوچ قوم کا اجتماعی طور پر ہیرو میر چاکر رند ہی ہے۔ چاکر اعظم کے متعدد قول بڑے مشہور ہیں ، جیسے "سچ بولنا بلوچوں کا شیوہ ہے اور جھوٹ ایمان کی کمزوری ہے۔" ایک قول یہ بھی بہت مشہور ہوا کہ "مرد کا قول اسکے سر کے ساتھ بندھا ہے"۔

ہم کسی بھی قوم کی ثقافت کو اس کے اسلاف کے کارناموں سے بخوبی جان سکتے ہیں۔

کسی بھی قوم کی تشکیل چند سالوں میں وجود میں نہیں آتی بلکہ اس کے لئے

سینکڑوں ،ہزاروں سال کا ایک طویل عرصہ درکار ہوتا ہے۔ تاریخ میں بلوچ خود کو حضرت امیر حمزہ کی اولاد سے قرار دیتے ہیں جو عرب میں ایک بہادر اور جری شخص کے طور پر جانے جاتے تھے جبکہ ان کا خاندان بھی کسی تعارف کا محتاج نہیں تھا، شاید یہی ہے کہ عربی النسل ہونے کے ناطے بلوچوں میں بہادری اور شجاعت کا عنصر ہونے ساتھ ساتھ عربوں کے رسم و رواج بھی موجود ہیں۔ بعض محقق بلوچ کو آریائی نسل سے قرار دیتے ہیں جو کوہ البرز کے شمالی علاقوں میں رہتے تھے ، بعض اسکالرز کے مطابق بلوچ کیسپیئن کے ساحلی علاقہ سے ایران منتقل ہوئے ، فردوسی کے شاہنامہ میں بلوچوں کا نمایاں ذکر ملتا ہے ۔ بلوچ لفظ کے بارے میں بھی مختلف آرا ہیں ، ممتاز تاریخ دان ہزر فیلڈ کی رائے ہے کہ یہ لفظ مدین کے علاقہ کا لفظ ہے جو برزاوک سے نکلا ہے جس کے معنی بلند چیخ ہے۔ جبکہ بعض تاریخ دانوں کا کہنا ہے کہ بلوچ لفظ بابل کے مشہور بادشاہ بیلوس سے مناسبت رکھتا ہے جبکہ بعض تاریخ دان لفظ بلوچ کو سنسکرت کے دو الفاظوں سے مل کر بننے کو مانتے ہیں بل یعنی طاقت اور اچ یعنی بلند ۔ اس کے علاوہ بھی مختلف تاریخ دانوں کی آرا ہیں جس کے لئے یہ صفحات کم ہیں۔ تمام آرا میں بلوچوں کی ایک قدیم نظم کے مواد کو معتبر مانا جاتا ہے کہ بلوچ امیر حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ کی اولاد سے ہیں اور حلب سے آئے انھوں نے کربلا میں حضرت امام حسین کا ساتھ دیا تھا اور ان کی شہادت کے بعد وہ بامپور یا بھمپور پہنچے اور وہاں سے سیستان اور مکران آئے۔ وادی حلب سے چلنے والی یہ قوم جب سیستان

سے ہوتی ہوئی یہاں وارد ہوئی تو ماحول اور علاقائی صورتحال میں یہ دو شاخوں میں تقسیم ہو گئی جن میں سے ایک سیلمانی اور ایک مکرانی کہلواتے ہیں۔ بلوچستان میں تین بڑی قومیں، بلوچ، پشتون اور براہوی آباد ہیں، بلوچی زبان بولنے والے بڑے قبائل میں رند، لاشار، مری، جموٹ، احمد زئی، بگٹی، ڈومکی، مگسی، خوسہ، پاک پاشانی، دشتی، عمرانی، نوشروانی، گچکی، بولیدی، سنجرانی اور خیدائی شامل ہیں جبکہ یہ قبائل مزید چھوٹے قبائل میں بھی تقسیم ہو چکے ہیں۔براہوی زبان بولنے والے بلوچوں میں رایسانی، شاہوانی، سومولائی، بنگزائی، محمد شاہی، لہری، بزنجو، محمد حسنی، زارکزئی یا زہری، مینگل اور لینگو قبائل شامل ہیں۔ یہ قبایل براہوی بولتے ہیں مگر ان میں بیشتر بیک وقت بلوچی اور براہوی بھی بولتے ہیں۔ پشتو زبان بولنے والے بلوچوں میں کاکڑ، گلزائی، ترین، موخیل، شیرانی، لیونی اور اچکزائی بڑے قبائل ہیں۔ بلوچ قوم بھی پختونوں کی طرح اپنے فیصلوں کے لئے ایک جرگہ کا نظام رکھتی ہے۔ بلوچستان میں بھی عمومی فیصلے شریعت کے مطابق طے کئے جاتے رہے ہیں۔ اس نظام عدل کو 1970 میں چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل یحیٰی خان نے منسوخ کردیا لیکن اس کے باوجود بھی قبائل میں نوے فیصد فیصلے جرگے کے مطابق ہوتے رہے۔

بلوچستان میں حکومت کی جانب سے علیحدگی پسندوں کو عام معافی کا اعلان کرتے

ہوئے پہاڑوں سے واپس آ کر معاشرے کا با مقصد فرد بننے کی پیش کش کی گئی۔ بلوچستان کی ایپکس کمیٹی نے کہا کہ جو نوجوان ریاست کے خلاف مسلح کاروائی ترک کرنے کا یقین دلائیں ان کو عام معافی دی جائے گی۔ بلوچ قوم کی اپنی ایک تاریخ و ثقافت ہے اور آج کل بلوچستان جن مسائل سے گزر رہا ہے اس سے ملک دشمن قوتیں بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ بلوچستان میں جہاں فرقہ وارانہ خانہ جنگی کی سازش کی کوشش کی جاتی رہی ہے تو دوسری جانب ایسے اقدامات بھی ہوتے رہے ہیں کہ عوام میں سیکورٹی اداروں کا اعتماد ختم کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ لاپتہ افراد کے مقدمات سمیت پاکستان سے باہر بیٹھے بلوچ رہنماؤں پر سنگین الزامات اور بھارت کی دخل اندازی نے بلوچستان کے مسئلے کو گھمبیر بنا دیا ہے۔ ایپکس کمیٹی کی جانب سے بلوچستان میں امن کے لئے ایک فارمولہ ترتیب تو دیا گیا ہے کہ مدراس کی رجسٹریشن، محکمہ تعلیم کے توسط سے مکمل کیا جائے گا جبکہ اہم مسئلہ افغان مہاجرین کا ہے جن کی تیسری نسل بلوچستان میں پروان چڑھ رہی ہے۔ بلوچستان میں کالعدم تنظیموں کا اثر رسوخ اور پڑوسی ملک کے ساتھ تعلقات بھی اہم سنجیدہ نوعیت کے ہیں۔

ایپکس کمیٹی کی جانب سے مدارس کی رجسٹریشن کیلئے محکمہ تعلیم کی خدمات حاصل کرنے کی تجویز دی گئی ہے لیکن اس حقیقت کو کوئی فراموش نہیں کر سکتا کہ بلوچستان میں کام کرنے والے اساتذہ، طلبہ کو مختلف حملوں میں نشانہ بنایا

جاتا رہا ہے۔ ہومین رائٹس واچ اپنی ایک رپورٹ میں کہہ چکی ہے کہ بلوچستان میں انارکی کا شکار علاقوں کی ابتر صورتحال کے سبب اساتذہ اور پروفیسرز یا تو صوبے کے نسبتاً محفوظ مقامات پر اپنا تبادلہ کروا چکے ہیں یا پھر انھوں نے صوبہ ہی چھوڑ دیا ہے۔ دیکھا جائے تو 1947ء سے آج تک بلوچستان میں آپریشن کیا جارہا ہے، ریاست قلات کی شمولیت کے بعد سے کئے جانے والوں معاہدوں پر عمل درآمد نہ کئے جانے کے سبب حالات مسلسل ابتری کی جانب رواں ہیں۔ 15 جولائی 1960ء میں سردار نوروز خان، ان کے بیٹوں بھتیجوں اور ساتھیوں کو پھانسی دی گئی۔ ایف سی پاک فوج کا معتبر ادارہ ہے اور پاک فوج کے ساتھ سیکورٹی ایشوز پر مسلسل رابطے میں ہے لیکن ماضی میں سیاسی بنیادوں پر بلوچستان کی مسئلے کو حل کرنے کی ہر کوشش کسی نہ کسی وجہ سے ناکام ہوئی ہے یہی وجہ ہے کہ آج ڈی جی ایف سی، وزیر اعلی سے زیادہ طاقتور مانے جاتے ہیں۔ نیشنل پارٹی کے سربراہ میر حاصل بزنجو برملا کہتے ہیں کہ بلوچستان میں آج کے جمہوری دور میں بھی احکامات صرف فوج کے مانے جاتے ہیں۔ میر حاصل بزنجو کے مطابق" اسٹبلشمنٹ نے اپنا ذہن بنالیا ہے کہ اگر صوبوں کو آئینی حقوق اور خود مختاری دی گئی تو پاکستانی وفاق باقی نہیں رہے گا۔"

پاکستان کی بڑی سیاسی جماعتیں بشمول مسلم لیگ ن بلوچستان کے وسائل اور دولت کے بارے میں کماحقہ آگاہ ہیں لیکن بلوچستان کے مسائل کے حل کیلئے سنجیدہ

کوششوں کی انتہائی ضرورت ہے۔ خاص طور پر جب بھارت پاکستان میں کھلے عام دخل اندازی کرکے شرپسندوں کے ہاتھوں پاکستان کی سلامتی کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔
بھارتی خفیہ ایجنسی کے سابق سربراہ کی جانب سے کشمیری تنظیموں کو بھارت کی جانب راغب کرنے کیلئے فنڈز دینے کا اعتراف سامنے آچکا ہے۔ پاکستان کے بے امن علاقوں میں را کی شر انگیز مسلح مداخلت اب کوئی راز نہیں۔ سندھ سے لیکر بلوچستان اور خیبر پختونخوا سے افغانستان تک بھارت کی شر انگیز سازشیں پردہ راز نہیں رہی۔ ان تمام صورتحال میں بلوچوں کی ثقافت وروایات اور خاص طور جرگوں کے فیصلوں کی اہمیت کے پیش نظر بلوچستان کے بعض سورش زدہ علاقوں میں امن کے قیام کیلئے سنجیدہ کوششیں ہی پاک، چاینا اقتصادی راہدری منصوبے کو کامیاب بنا سکتا ہے۔
بلوچ قوم اور پشتون قوم بلوچستان میں مستقل قیام کیلئے اپنی ثقافت اور روایات کے پیش نظر اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ مسخ شدہ لاشیں، اغوا برائے تاوان، پنجابیوں اور دیگر قومیتوں و مسالک کے افراد کے خلاف نفرتیں، بلوچستان کے وسائل پر ان کے باشندوں کا حق، فوری اور سستا انصاف مہیا کرنے سمیت تمام مسائل کے حل کیلئے ہمیں ہزاروں سال پر محیط ان قوموں کی راویات و ثقافت کا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ عسکری قیادت بخوبی جانتی ہے کہ ہر جنگ کے بعد مسئلے کا حل مذاکرات سے ہی نکلتا ہے لہذا وہ نوجوان جو ریاست کے خلاف مسلح

کاروائی ترک کرنا چاہتے ہیں انھیں عام معافی کے اعلان سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ انھیں قومی دھارے میں شامل ہو کر اپنی قوم کی خدمت کیلئے از سر نو نئے بلوچستان کی بنیاد پاکستان کی اندر رہتے ہوئے ہی رکھنی ہو گی۔ پاکستان کے حصار میں ہی بلوچستان کی بقا اور ان کی عوام کی ترقی کا راز پنہاں ہے۔

ہم حلق بریدہ سے ہی تقریر کریں گے

کراچی کئی عشروں سے لاقانونیت کی مثال بنا ہوا ہے۔ کراچی میں بد امنی کے ذمے داروں کے حوالے سے کسی ایک فریق کو موردِ الزام ٹھہرانا مناسب نہیں معلوم ہوتا کیونکہ شہر پر قبضے کی جنگ میں ہر اسٹیک ہولڈر کسی نہ کسی طور ملوث رہا ہے۔ کراچی ملک کا معاشی حب و شہ رگ ہے اس لئے اس کے وسائل پر کسی کی بھی رال ٹپکنا کوئی اچھنبے کی بات نہیں ہے۔ حقوق کے نام پر ہر سیاسی، مذہبی جماعت سے لیکر سول سوسائٹی اور این جی اوز نے کراچی کو دل کھول کر لُوٹا ہے اور اس کیلئے ہر وہ حربہ استعمال کیا ہے جو ایسے بخوبی آتا تھا۔ چند لاکھ نفوس کا ساحلی شہر، یہاں کے رہنے والے پر امن کاروباری اور محنت کش عوام جب مختلف قومیتوں کے آماجگاہ بنتی چلی گئی اور اس شہر نے سونے کی چڑیا کی حیثیت اختیار کرلی تو اس پر سونے کی چڑیا پر لسانیت، قومیت، فرقہ واریت کے نام پر سیاست کرنے والے عفریتوں نے ڈیرا ڈالنا شروع کردیا۔ لسانیت کے نام اقوام کو لڑیا تو پھر قومیت کے نام پر خون کی ندیاں بہادیں گئیں، شدت پسندی کو عروج دینے کے لئے مذہب کے نام پر فرقہ واریت کو عروج دے دیا گیا۔ اب اس کو ملک دشمن عناصر کی چال کہیں یا پھر موساد، الذوالفقار، تھنڈر اسکوڈ، را، گینگ وار، کالعدم جماعتیں، یا تمام سیاسی جماعتوں کے عسکری ونگ۔ کراچی کو جس نے چاہا

تختہ مشق بنایا، کسی نے بھی اس پر رحم نہیں کیا۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ قصور وار اگر کسی کو گردانا جائے تو وہ خود کراچی کی عوام ہیں۔ لاکھوں سے کروڑوں کی تعداد میں تبدیل ہوگئے۔ لیکن یہ بھیڑوں کا ریوڑ، صرف چند افراد کے ہاتھوں یرغمال بن کر اربوں روپے بھتے کی صورت میں دیتا گیا۔ کراچی کے یہ کروڑوں باسی، ایک ووٹ حق کے مطابق کے دینے کے بجائے یہ سوچ سمجھے بغیر کہ درست ووٹ کا حقدار ہے یا نہیں خود پر جابر حکمران مسلط کرتے چلے گئے۔ کنگ میکرز بننے کی خواہش ہر سیاسی اور مذہبی جماعت کی پہلی دلی آرزو بنتی چلی گئی۔ کبھی اردو بولنے والوں کو سندھیوں سے لڑادیا تو کبھی پختونوں کی گردنیں تن سے جدا ہونے لگیں تو کبھی بلوچوں کے جسم جلا کر اس سے فٹ بال کھیلے جانے لگے۔ ایسا کونسا ستم ہے کہ کراچی کی عوام نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہو۔ایسا کون سا ظلم ہے جس کا وہ شکار نہ ہوا ہو۔ ڈر و خوف کی اس فضا میں اپنا شناختی کارڈ بھی جیب میں رکھتے ہوئے ڈر لگتا کہ مخالفین کہیں دیکھ نہ لیں کہ کٹی پہاڑی کا تو نہیں، کہیں عزیز آباد کا تو نہیں، کہیں لیاری کا تو نہیں۔ کون سی زبان بولتے ہو، کہاں سے آئے ہو، کیوں آئے تو، واپس جاؤ، جہاں سے جو جہاں آیا ہے واپس چلا جائے۔ ایک طوفان ہے کہ کراچی میں جاگزیں ہوا۔ روشنیوں کا شہر، خون کے سرخ رنگ سے نہانے لگا۔ کوئی موچی، کوئی کچے چننے والا، کوئی گولہ گنڈے بیچنے والا کوئی ٹیکسی چلانے والا، کوئی رکشہ چلانے ولا، کوئی گارمنٹ کی فیکٹری میں،

کام کرنے والا، کوئی محنت کش، کوئی گدھا گاڑی، اونٹ بانی کرنے والا، کون سا ایسا غریب نہیں کہ کراچی میں ڈر و خوف کے سائے میں زندگی نہیں بسر کر رہا۔ آج اگر کراچی میں امن کا وقفہ ہے تو کب تک ہے کچھ علم نہیں۔ حکومت کیا کر رہی ہے سب کو نظر آتا ہے۔ کوئی پھبکی کستا ہے کہ وزیر اعلی بوڑھا ہوچکا ہے ایسے فریج میں رکھ دیا جائے، کسی نے کہا کہ طوق غلامی ڈال کر ساتھ نہیں دے سکتے، تو بیچارے وزیر اعلی اپنی بے بسی ظاہر کرتے ہیں کہ میں نے فون کی تمام باتیں بتا دوں تو اور گالیاں پڑیں گی۔ وزیر اعلی کو ہٹانے کیلیئے کئی بار خبریں چلیں اور چل کر ختم ہوگئیں، نواز شریف پھر 1992ء کا عزم لیکر آئے اور کراچی میں جرائم پیشہ عناصر کے نام پر ایک آپریشن شروع کردیا۔ تمام سیاسی جماعتوں نے اس کی منظوری دی اور پھر آپریشن کا پہلا مرحلہ اسٹارٹ ہوگیا، سب نے واہ واہ کی، کسی نے نہیں پوچھا کہ بے گناہ گرفتار ہوا کہ گناہ گار گرفتار ہوا۔ ہزاروں کی تعداد میں ملزمان دھر لئے گئے، کراچی کی جیلیں بھر گئیں۔ تنازعہ اٹھا کہ آپریشن کرنے والوں نے دس ہزار سے زاید افراد گرفتار کئے تھے جیل میں آدھے کیوں ہیں۔ باقی کہاں گئے کسی نے کچھ نہیں پوچھا۔ کچھ پتہ نہ چلا، دوسرا مرحلہ شروع ہوا۔ کچھ سیاسی و مذہبی جماعتوں کو تھوڑی پریشانی ہوئی لیکن بیانات دیئے کہ کڑوے گھونٹ پی رہے ہیں۔ کراچی میں امن کے خاطر پہلے ہمارے گھر سے آپریشن کیا جائے تو بھی ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ تیسرا مرحلہ شروع ہوا تو جیسے سیاسی جماعتوں میں

ایک بھونچال سا آگیا۔ براہ راست الزامات لگنے شروع ہوئے اور آپریشن کو متنازعہ سمجھا جانے لگا، نگران کمیٹی نہ بننی تھی اور نہ بنی۔ چوتھا مرحلہ نقطہ عروج تھا جس نے آپریشن کو مکمل سیاسی قرار دے دیا۔ مینڈیٹ کی باتیں کی جانے لگیں، اختیارات سمجھائے جانے لگے، حدود میں رہنے کو کہا جانے لگا۔ لیکن کئی عشروں سے کراچی میں رہنے والی رینجرز جیسے ہر چار ماہ بعد انجکشن لگا کر کراچی میں امن کی بحالی کا مینڈیٹ دیا جاتا تھا۔ اس بار عملی میدان میں کچھ اس طرح اتری کہ آپریشن کے کپتان بھی پریشان ہوگئے۔ کبھی رینجرز کو پانی کی بحالی و تقسیم کا مینڈیٹ دے دیا کہ ہائی ڈرینٹس کے خلاف کاروائی کرو۔ کبھی وی آئی پیز کی سیکورٹی کا مینڈیٹ دے دیا۔ مینڈیٹ کے نام پر رینجرز سے ہر کام لئے جانے لگا۔ جو اس کے شایان شان بھی نہ تھا۔ واٹر بورڈ کی موجودگی کے باوجود رینجرز، پاکستانی فوج کا ذیلی ادارہ پانی کے ٹینکرز سپلائی کرنے لگا۔ کے الیکٹرک جیسے سفید ہاتھی کی موجودگی کے باوجود عوام کو بجلی فراہمی کیلئے رینجرز کو آگے آنا پڑا۔ میاں بیوی کے جھگڑے ہوں یا خاندانی تنازعات رینجرز صبح شام ناظم بن کر ان کے عائلی مسائل کو بھی نپٹانے لگی۔ تو دوسری جانب جرائم پیشہ عناصر کی جانب سے ان پر خود کش حملے، فائرنگ اور ہیڈ کوارٹرز پر حملے آئے روز کا معمول بنتے چلے گئے۔ لسٹیں الگ جاری ہونے لگیں کہ ماورائے عدالت قتل کئے گئے، لیاری نے اپنی فہرست تو عزیز آباد نے اپنی فہرست جاری کی۔

پولیس کہاں گئی، اس کے اختیارات کہاں گئے اس کی تنظیم نو پر توجہ کیوں نہیں دی گئی۔ پولیس کو سیاسی عناصر سے پاک کیوں نہیں کیا گیا، سرحدوں کی محافظ رینجرز کو کالجوں، میدانوں میں ڈیرے ڈالنے پر کئی عشروں سے مجبور کیا گیا۔ رینجرز کے لئے اربوں روپے کے بجٹ مختص کئے جاتے رہے۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا لیکن جب بڑی مچھلیوں پر ہاتھ ڈالنے کا سلسلہ شروع ہوا تو اختیارات اور مینڈیٹ کی گردان شروع ہو گئی۔ جرائم پیشہ عناصر کے کوئی تو مائی باپ ہے نہ، جن کی سرپرستی میں یہ پنپتے ہیں۔ سیاسی جماعت کا جھنڈا اٹھا کر بے گناہ عوام کے سینے میں اتار دیتے ہیں۔ کرپشن کی تاریخ رقم کرنے والوں پر ہاتھ ڈالا گیا تو سب کچھ بدل گیا۔ اچھا بُرا ہو گیا، بُرا اچھا ہو گیا۔ جمہوریت کا فرسودہ نعرہ یک جہتی پھر بلند ہوا۔ اور تمام مفاد پرست محمود ایاز بن کر ایک صف میں کھڑے ہو گئے۔ رینجرز کو کرائے کی فورس سمجھا جانے لگا۔ سیاسی بنیادوں پر خواہشات پوری کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ اس وقت تو کسی نے رینجرز کی واپسی کی بات نہیں کی جب ہزاروں پختونوں اور بلوچوں کو گھروں سے باہر نکال کر میدانوں میں اوندھا باندھ کر ان میں جرائم پیشہ افراد تلاش کئے جاتے تھے۔ ڈرگ مافیا اور لینڈ مافیا کے نام پر ٹارگٹڈ آپریشن کے نام پر پوری کی پوری آبادی کا محاصرہ کرکے گھروں کی کئی کئی روز تلاشی لی جاتی تھی۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے اس وقت رینجرز کی واپسی کی بات کیوں

نہیں کی گئی۔جب کراچی میں غریبوں کا خون بہایا جاتا، مسجدیں دھماکوں سے گونجتی، سرکاری پلاٹوں پر قبضے کر لئے جاتے۔ قیمتی زمینوں پر بلدیہ ٹاؤں کی ابتدا سے ڈیفنس تک چاینا کٹنگ کے نام کھربوں روپے عوام سے لوٹے جانے لگے۔بھتے کے نام پر کھربوں روپے تاجروں سے چندہ لئے جانے لگا، ہائی ڈرینٹ کے نام پر کراچی کا پانی، کراچی کے باسیوں پر کئی ہزار گنا مہنگا فروخت کئے جانے لگا تو کسی کے کان پر جوں نہیں رینگی۔آج اگر کئی عشروں بعد رینجرز، عسکری قیادت کے بدولت کچھ بااختیار ہوئی ہے تو اپنے صبر کے پیمانے کو لبریز نہ ہونے دیں۔۔بڑی مچھلیوں پر ہاتھ ڈالنے پر اسی کو تکلیف ہوتی ہے جس کی داڑھی میں تنکا ہوتا ہے۔

کراچی میں رینجرز کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن پہلے کراچی پولیس میں تطہیر کا عمل تو کریں، ان میں اتنی استعداد کار تو پیدا کریں کہ وہ جرائم پیشہ عناصر کے خلاف رینجرز سے بڑھ کر کاروائی کرسکے۔انھیں بے گناہوں کو گرفتار کرکے رشوت لینے اور گناہ گاروں کو رشوت لیکر چھوڑنے کی تربیت تو دیں۔پڑھے لکھے نوجوان آنا چاہتے ہیں فورس جوائن کرنا چاہتے ہیں، کیمونٹی پولیس بنا کر علاقے میں غیر سیاسی پولیس تو پہلے بنائیں۔جرائم پیشہ عناصر کے خلاف مخلص پولیس افسران کو آگے لائیں، انھیں اختیارات دیں۔رینجرز ایک سیکنڈ کیلئے بھی کراچی میں نہیں روکے گی اگر حکومت پولیس کو حقیقی معنوں میں

پولیس بنانے کیلئے حب الوطنی کا مظاہرہ کرے۔

معیشت کا چکر

یک قصبے کے ہوٹل میں ایک سیاح داخل ہوا اور مالک سے اسکے ہوٹل کا بہترین کمرہ دکھانے کو کہا، مالک نے اسے بہترین کمرے کی چابی دی اور کمرہ دیکھنے کی اجازت دے دی۔ سیاح نے کاونٹر پر ایک سو ڈالر کا نوٹ بطور ایڈونس رکھا اور کمرہ دیکھنے چلا گیا۔ اس وقت قصبے کا قصاب ہوٹل کے مالک سے گوشت کی رقم لینے آگیا، ہوٹل مالک نے وہی سو ڈالر اٹھا کر قصاب کو دے دیئے کیونکہ اسے امید تھی کہ سیاح کو کمرہ ضرور پسند آجائیگا۔ قصائی نے سو ڈالر لیکر فوراً اپنے جانور سپلائی کرنے والے کو دے دیئے، جانور سپلائی والا ایک داکٹر کا مقروض تھا جس سے وہ علاج کروا رہا تھا تو اس نے وہ سو ڈالر ڈاکٹر کو دے دیئے، وہ داکٹر کافی دنوں سے اسی ہوٹل کے ایک کمرے میں مقیم تھا اس لئے اس نے یہی نوٹ ہوٹل کے مالک کو ادا کردیا۔ وہ سو ڈالر کا نوٹ کاونٹر پر ہی پڑا تھا کہ کمرہ پسند کرنے کیلئے سیڑھیاں چڑھ کر گیا ہوا متوقع گاہگ واپس آگیا اور ہوٹل کے مالک کو بتاتا ہے کہ مجھے کمرہ پسند نہیں آیا، یہ کہہ کر اس نے اپنا سو دالر کا نوٹ اٹھایا اور چلا گیا!! ۔ معاشیات کی اس کہانی میں نہ کسی سے کچھ کمایا اور نہ کسی نے کچھ خرچ کیا لیکن جس قصبے میں سیاح یہ نوٹ لیکر آیا تھا، اس قصبے کے کتنے ہی لوگ قرضے سے فارغ ہوگئے۔ معاشیات کی اس کہانی کا حاصل

مطالعہ یہ رہا کہ پیسے کو گھماؤ، نہ کہ اس پر سانپ بن کر بیٹھ جاؤ کہ اسی میں عوام الناس کی فلاح ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ معاشیات کے مسئلے نے اس قدر اہمیت اختیار کر رکھی ہے کہ آنے والا مورخ جب اس پر نگاہ ڈالے گا تو اسے عصر معاشیات Age of economics کے سوا کسی اور کے نام سے نہیں پکار سکے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کی تہذیب، تمدن، معاشرت، سیاست، قومی مسائل اور بین الاقوامی معاملات سب کی باگ دوڑ معاشیات کے ہاتھ میں ہے۔ اس وقت دنیا عملاً جن دو بلاکس Blocks میں بٹی ہوئی ہے ان میں کہنے کو تو خط امتیاز، نظام حکومت ہے، یعنی آمریت اور جمہوریت۔ لیکن در حقیقت، ان میں بنیادی اختلاف نظامِ معیشت economic orders ہی کا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ افراد ہوں یا اقوام، روٹی کے مسئلہ نے دونوں کی ناک میں نکیل ڈالی ہوئی ہے اور وہ انہیں جدھر جی چاہے کشاں کشاں لئے پھیر رہا ہے۔

پنجابی میں ایک مثل ہے "جس دی کوٹھی وچ دانے اُس دے کملے وی سیانے" جس کے گھر کھانے کو ہو، اس کے پاگل بھی عقل مند سمجھے جاتے ہیں۔ سرمایہ داری کے اس نظام کو سمجھنے کے لئے ہمیں دعوت حضرت نوح علیہ السلام سے شروع کرنا ہوگا کہ دعوت نوح علیہ السلام سے لیکر حضرت محمد ﷺ تک جس قوم میں بھی اللہ

تعالی نے اپنے انبیا اور رسول بھیجے ان کی سب سے پہلے اور بڑی مخالفت سرمایہ داروں کی جانب سے کی گئی کیونکہ اسلام ایک مساوی، متوازن اور حق کے اس پیغام کے ساتھ اُن پیشواؤں اور سرمایہ داروں کے نظام کو رد کرتا تھا جس میں کسی بھی غریب کو غریب سے غریب بنانے اور امیر کو امیر سے امیر تر بنانے کے خود ساختہ قوانین بنائے جاتے تھے اور سرمایہ کو ایک جگہ رکھ کر اسے عوام الناس کی فلاح کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔ اسلام نے اس روش کا خاتمہ کیا اور صدقات، خیرات، زکوۃ کے سنہری ہدایات و قوانین کے ذریعے دولت کو ایک جگہ رکھنے و جمع کرنے بجائے ایسے مستحقین کی جانب سبیل رواں رکھنے کا نسخہ کیمیا دیا۔ رمضان المبارک میں صدقات، خیرات، اور زکوۃ کی مد میں کئی مصارف مسلمانوں کیلئے مختص کئے، گو کہ خیرات و صدقات کسی مخصوص دن یا مہنے کیلئے مختص نہیں ہیں، لیکن رمضان کے مہینے میں خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔ دنیا میں مسلمانوں کی جو حالت زار ہے وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، مسلمانوں کی اس عمومی تباہی کا الزام امریکا، بھارت اور اسرائیل جیسے اسلام دشمن ممالک پر عائد کرکے مطمئن ہو کر بیٹھنے سے سود کی بنیادوں پر قائم ریاستوں سے فلاح انسانی کی امیدیں کم ہی رکھی جاسکتی ہیں۔ ستاون مسلم ممالک کی تنظیم او آئی سی کی جانب سے ایک بھی ایسا مربوط منصوبہ سامنے نہیں آسکا جو معاشرے کے اس بگاڑ کے حل کیلئے سنجیدہ کوشش کرسکیں۔ حج و عمرے کے موقع پر لاکھوں مسلمانوں کا اجتماع اور مسلم ممالک کی کانفرنس ہر سال ہوتی ہے

لیکن وہاں بھی بد قسمتی سے مسلمانوں یا فلاح انسانی کے اجتماعی مفاد کی کسی کوشش یا عملی جد وجہد کے آثار نہیں ملتے۔

معروف مفسر امام محمد المالکی القرطبیؒ، تفسیر قرطبیؒ کی جلد ۵ میں فرماتے ہیں کہ "مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ قیدیوں کو رہا کراوئیں، خواہ وہ قتال کے ذریعے ہو یا مال و دولت خرچ کرنے کے ذریعے، پھر اس کیلئے مال خرچ کرنا زیادہ واجب ہے کیونکہ اموال، جانوں سے کمتر نہیں۔" دوسری جگہ تحریر میں فرماتے ہیں ٗہمارے علماء کا کہنا ہے کہ قیدیوں کو رہا کروانا واجب ہے اگرچہ ایک درہم بھی باقی نہ بچے، علامہ ان خویز مند ادر فرماتے ہیں کہ قیدیوں کو چھڑانا واجب ہے۔ اس سلسلے میں کئی آثار منقول ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خود قیدی چھڑائے اور مسلمانوں کو قیدی چھڑوانے کا حکم دیا۔

مسلمان ہمیشہ اسی پر عمل کرتے رہے ہیں اور اس پر سب کا اجماع ہے۔ بیت المال سے قیدیوں کا فدیہ دیکر ان کو رہا کروانا واجب ہے۔ اگر بیت المال نہ ہو تو یہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ البتہ کچھ لوگ اس فرض کو پورا کرلیں گے تو باقی لوگ گناہ سے بچ جائیں گے۔ (تفسیر قرطبیؒ، جلد دوئم) صحیح بخاری شریف میں حدیث نمبر ۳۰۷۳ میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ " "نے فرمایا، بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور مریض کی عیادت کرو اور قیدی کو رہا کراؤ۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "قیدیوں کو چھڑانا بڑے واجبات میں سے ہے اور اس سلسلے میں وقف شدہ اور دیگر مال کو خرچ کرنا بہترین نیکیوں میں سے ہے۔
(فتاوی ابن تیمیہ ۶۳۵/۲۸)

جیلوں میں ایسے بے شمار قیدی ہیں جو کسی نہ کسی جرم کی پاداش میں سزا پوری کر چکے ہیں یا پوری کرنیکے بعد انھیں بند سلاخوں سے آزادی کے بعد باعزت روزگار کیلئے مسائل کا سامنا درپیش ہوگا۔ یہی وہ بھوک و افلاس یا جلد دولت مند کی روش ہے جس نے معاشرے میں بگاڑ پیدا کیا ہوا ہے۔ سرمایہ داری کی اس نظام میں ایسے تنگ دستوں سے فائدہ اٹھانا ہی کسی سرمایہ دار کا اصل فائدہ بن جاتا ہے لیکن یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ جیلوں میں رہنے والے اور اس کے بعد رہائی پا جانے والوں کو کن مصائب اور مشکلات کا سامنا ہوگا۔ کتنے ہزاروں قیدی معمولی معمولی جرمانوں کی وجہ سے جیلوں میں پڑے ہونگے ۔ جیلوں میں ان قیدیوں کے خاندانوں کا کیا حال ہوگا۔ قیدیوں کو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا ۔ بھیڑ بکری کے ریوڑ کی طرح انھیں عدالتوں میں پیش کیا جاتا ہے ۔ کبھی یہ دیکھنے کو نہیں ملا کہ بکتر بند کے بجائے قیدیوں کے لئے جیل سے کورٹ لانے والی گاڑیوں کو ترجیح دی گئی ہو۔ قیدیوں کی اصلاح کیلئے کسی سماجی تنظیم نے حقیقی معنوں میں ان کی تربیت کیلئے جیلوں میں مناسب انتظام کئے ہوں ۔

عدالتوں میں ان کے مقدمات ختم کرانے کیلئے وکیلوں کی خدمات غریبوں کیلئے مختص کیں ہوں۔ غریب ملزم کے لئے عدالتیں بھی وکیلوں کی مفت خدمات دیتی ہیں لیکن ان کے مقدمات کا جو حشر ہوتا ہے وہ بھی کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ان کی خوراک سے بہتر خوراک جانور کو دی جانے والی غذا ہے کیونکہ بھینس دودھ دیتی ہے اور غریب ملزم رشوت نہیں دے سکتا۔ جرمانے کی سزا کے طور پر ہرجانہ نہیں بھر سکتا۔ عدالتوں میں مقدمات کی بھرمار اور کیسوں کو کسی نہ کسی وجوہ کی بنا پر التوا میں رکھا جاتا ہے جسکا کوئی نہ فریق ذمے دار ہوتا ہے۔

پاکستان میں ہی ہم سرمایہ داری نظام کے مضمرات کا جائزہ لیں تو ہمیں باآسانی سمجھ میں آجائے گا کہ ہم پر قہر خداوندی کیوں ہے، ہم پر بھوک و افلاس کا عذاب کیوں مسلط کیا جاچکا ہے۔ہم اگر اپنے سرمایئے کو اُس سیاح کے سوڈالر کے طرح گھمانا شروع کردیں تو معاشرے میں دولت جمع کرنے کی ہوس جہاں کم ہوگی وہاں معاشرتی بگاڑ بھی کم ہوگا جرائم کی شرح میں کمی آئے گی اور معاشرے میں بامقصد فرد کا اضافہ ہوگا جو معاشرے پر بوجھ نہیں بلکہ اپنے جیسے کئی بے سہاروں کا سہارا بن سکے گا۔ جرائم کی جانب رغبیت کے بجائے ایسے نوجوانوں کی اصلاح کیلئے بھی مثبت کردار ادا کرنے قابل ہوسکے گا جو بھوک و افلاس کی اس جنگ میں اپنے ضمیر کو سودا کرکے رزق کے بہتے سرچشموں پر سرمایہ داروں کے غلام بننے کے بجائے ایک اہم مثبت کردار ادا کرنے کے قابل

بن سکے گا۔ کوئی شخص ماں کے پیٹ سے مجرم بن کر پیدا نہیں ہوتا ایسے حالات اور ماحول ایسا بنا دیتے ہیں۔ رمضان المبارک اور جشن نزول قرآن کے طور عید الفطر میں ایسے بے گناہ، بے کس و مجبور قیدیوں اور ان کے خاندانوں کی امداد کیجئے جو مستحق اور ان کی امداد آپ پر فرض ہے۔

ہاتھ کی سب انگلیاں برابر نہیں ہوتی

اقوام متحدہ کے ادارہ برائے منشیات اور جرائم کی ایک سروے رپورٹ کے مطابق پاکستان میں 15 سے 64 سال کی عمر کے افراد پر مشتمل آبادی منشیات کے تباہ کن نتائج سے متاثر ہو رہی ہے۔ ہوش ربا رپورٹ کے مطابق پاکستان میں ایک سال کے دوران 64 لاکھ بالغ افراد نے منشیات کا استعمال کیا۔ جبکہ 42 لاکھ افراد منشیات کے عادی ہیں اور صرف 30 ہزار سے بھی کم افراد کیلئے علاج کی سہولیات میسر ہیں اس کے علاوہ دیگر افراد کے لئے باقاعدہ علاج مفت نہیں ہے۔

نارکوٹکس کنٹرول ڈویژن کے سیکرٹری اکبر خان ہوتی کا کہنا تھا کہ پاکستان میں منشیات کا استعمال ایک اہم مسئلہ ہے جو معاشرے کے ہر طبقے کو متاثر کر رہا ہے۔ طبّی و نفسیاتی ماہرین کا کہنا ہے کہ نئی نسل میں نشہ آور اشیا کا استعمال کا رجحان درحقیقت دولت کی انتہائی فراوانی یا انتہائی غربت، دوستوں کی بری صحبت، جنس مخالف کی بے وفائی، اپنے مقاصد میں ناکامی، حالات کی بے چینی اور مایوسی، والدین کی بچوں کی طرف سے بے اعتناہی، معاشرتی عدم مساوات، ناانصافی، والدین کے گھریلو تنازعات بھی نشہ کے آغاز کے اسباب ہو سکتے ہیں۔ اہم ترین وخطرناک صورتحال یہ ہے کہ منشیات کے

عادی افراد میں تباہ کن بیماریوں میں ایڈز کی شرح سب سے زیادہ ہے، جو دنیا بھر میں فیصد جبکہ پاکستان کے شہر کراچی میں اس کی شرح 42 فیصد ہے۔ 13

منشیات کی وجہ سے ایڈز جیسے خطرناک ناقابل علاج بیماری بھی پھیل رہیے افغانستان میں پوست کاشت پر ہر سال کھربوں ڈالر کی سرمایہ کی جاتی ہے اور اس تجارت کے بہت بڑے نیٹ ورک سے حاصل ہونے والی آمدنی سے تقریباً ایک کھرب ڈالر کی رقم صرف بین الاقوامی جرائم میں استعمال ہوتی ہے۔ افغانستان میں امریکہ کی آمد سے قبل پوست کی کاشت پر طالبان کیجانب سے سخت پابندی عائد کردی گئی تھی جبکہ اس سے قبل جب روس کے خلاف افغان مزاحمت کار مصروف تھے تو پاکستان میں جہاں کلاشنکوف کلچر آیا تو اُس کے ساتھ ہیروئن کی تباہ کاری بھی منشیات کے دیگر جز کیساتھ مملکت کے طول و عرض میں پھیل گئی۔ افغانستان میں امریکی مداخلت کے بعد منشیات کی پیداوار میں دس گنا سے زائد کا اضافہ ہوا ہے اقوام متحدہ کے مطابق دنیا بھر میں منشیات کا چالیس فیصد حصہ کراچی کی بندرگاہ اور ہوائی اڈے کے ذریعے اسمگل کیا جاتا ہے جبکہ 60 فیصد حصہ دیگر ممالک کے راستے ناجائز اور خفیہ طریقوں سے فروخت کیا جاتا ہے۔ منشیات کیخلاف روس کے وفاقی ادارے کے ڈائریکٹر "وکٹر ایوانوو" نے افغانستان میں نیٹو کے کردار کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے افغانستان، پاکستان، روس اور تاجکستان کے منشیات کے خلاف سرگرم اداروں کے اجلاس سے خطاب میں اپنے تحفظات کا

اظہار کر چکے تھے۔پاکستان میں خیبر پختونخوا میں منشیات کا استعمال سب سے زیادہ کیا جاتا ہے، صوبے میں نوجوان طبقے میں یہ شرح 10.9 فیصد جبکہ صوبے کی آبادی کا بڑا حصہ بھنگ، افیون اور دیگر نشہ استعمال کرتے ہیں صوبے کے ایک لاکھ چالیس ہزار سے زائد افراد ہیروئن کا نشہ اور 84 ہزار افراد افیون کا نشہ کرتے ہیں، بلوچستان میں 17 ہزار افراد سرنج کے ذریعے نشے کے عادی ہیں پنجاب میں 8 لاکھ افراد سے زائد افراد ہیروئن اور ایک لاکھ سے زائد افراد افیون کا نشہ کرتے ہیں، صوبہ سندھ میں ملک بھر میں سب سے زیادہ بھنگ کا نشہ کیا جاتا ہے جبکہ صوبہ میں سب سے زیادہ چرس 4.3 فیصد بھی استعمال کی جاتی ہے سندھ صوبے میں 6 لاکھ سے زاید افراد افیون جبکہ 66 فیصد افراد درد ختم کرنے والی ادویات جبکہ 34 فیصد ہیروئن اور افیون کے عادی ہیں۔یہ ایک انتہائی خطرناک صورتحال ہے جسے ہم سنجیدگی سے نہیں لیتے۔ ہمارے معاشرے میں پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کا جرائم کے خاتمے کیلئے بڑا اہم کردار ہے۔ اپنے کالم کی تیاری کے سلسلے میں اورنگی کے ایس پی علی آصف سے ایک ملاقات میں منشیات فروشوں کے حوالے سے پولیس کے کردار پر بات چیت ہوئی۔ اورنگی کے ایس پی علی آصف ان چند پولیس افسران میں شامل ہیں جن کی وجہ شہرت جرائم پیشہ اور خاص طور پر منشیات فروشوں کے خلاف سخت کاروائی کرنا رہا ہے۔ انھوں نے اس بات کو تسلیم کیا کہ منشیات کی لعنت عوام کے تعاون کے بغیر ختم نہیں کی جا سکتی، عوام اپنے سامنے اپنے گھروں کے سامنے، گلیوں میں منشیات

فروخت ہوتے دیکھتے رہتے ہیں اور بالآخر ان کے بچے بھی اس لعنت میں گرفتار ہوجاتے ہیں لیکن بد قسمتی سے قانون کی مدد کرنے سے گریزاں ہیں۔میں نے ان سے اس بات پر اختلاف کیا کہ پولیس کا نظام ٹھیک ہوگا لیکن پولیس میں موجود کالی بھیڑوں کی وجہ سے بھی عوام کا اعتماد بھی بحال نہیں ہے، میں نے انھیں مثال دی کہ سابق وزیر اعلی سندھ غوث علی شاہ اقرار کرتے ہیں کہ سہراب گوٹھ آپریشن ڈرگ مافیاکے خلاف تھا آپریشن کامیاب ہوجاتا اگر اس علاقے کا ایک ایس ایچ او نے، غوث علی شاہ کے مطابق 73 لاکھ روپے روزانہ رشوت ملتی تھی اس آپریشن کا راز فاش نہ کرتا۔ ایس پی علی آصفنے بتایا کہ نوجوان نسل کو منشیات کی لعنت سے بچانے کیلئے انھوں نے حتی امکان کوشش کی ہے ۔کچھ معروف منشیات فروشوں کے اڈوں پر پولیس کاروائی سے آگاہ کیا جو ان کی ذاتی نگرانی میں ہوئے۔ مومن آباد پولیس اسٹیشن کی حدود میں اثر رسوخ رکھنے والوں کیخلاف FIR 188/2015درج کرکے تین ملزمان، فقیر کالونی کے علاقے عمر بلوچ محلّہ کے بدنام زمانہ منشیات فروش عاشق عرف بھالوکے اڈے سے منشیات فروشوں کو گرفتار کرکے FIR113/2015 درج کرکے جیل بھیجا۔ اور نگی ٹاؤن کے علاقے کا بدنام زمانہ سعید عرف کالیہ کے منشیات اڈے سے ملزمان گرفتار کرکے FIR 159/2015، سرجانی ایکسپریس وے سرجانی کے بدنام زمانہ اڈے علی عرف پاگل کو گرفتار کرکے FIR 293/2015، پیر آبادکے علاقے نیو میانوالی کالونی نزد محمدی چوک کے بدنام زمانہ ڈرگ مافیا کو گرفتار کیا اور ان کے خلاف FIR 266/2015،

رشید آباد کے علاقے چادر فیکٹری سے رشید عرف بھائیا کے منشیات فروشوں کو گرفتار
FIR سیکٹر ساڑھے گیارہ سے سٹہ عرف پپو کو گرفتار کرکے FIR کرکے 2015/73
۔جبکہ پیر آباد کا سب سے بدنام زمانہ منشیات فروشوں کے اڈے چائی 115/2015
کے تحت جیل FIR ہوٹل سے منشیات فروشوں کو گرفتار کیا اور انھیں 2015/212
بھیجا۔ پیر آباد کا بدنام ترین منشیات فروش امان اللہ چھاپوں کے بعد کچھ عرصہ خاموش
بیٹھتا اور پھر منشیات فروخت کرنا شروع کردیتا اور اس کے کارندے ضمانت پر باہر آتے
ہی دوبارہ منشیات فروخت کرتے اور بذات خود ایس پی علی آصف نے کئی بار اس کے
کے 285/2015 , 274/2015 FIR کارندوں کو گرفتار کیا اور ان کے خلاف
مقدمات درج کرکے جیل بھیجے اس اڈے کا یہ حال تھا کہ یہاں لائن بنا کر منشیات حاصل
کرنی پڑتی تھی۔اسی طرح فرنٹیئر کالونی کے بدنام اڈے قاسم کیخلاف کاروائی کی گئی۔اور
درج ہوچکی ہیں اور ان کے کئی کارندوں کو گرفتار FIR اس کے خلاف 15 سے زائد
کیا۔ایس پی اورنگی علی آصف عوام سے گلہ ہے کہ وہ بھرپور تعاون نہیں کرتے اور تمام
پولیس والوں کو ایک جیسا سمجھتے ہیں ، انھوں نے کہا کہ ہاتھ کی سب انگلیاں برابر نہیں
ہوتی، عوام بلا خوف خطر انھیں معلومات دیں ان کے نام صغیہ راز میں رکھیں جائیں
گے اور وہ خود جاکر ان منشیات فروشوں کے خلاف کاروائی کریں گے۔ ایس پی اورنگی علی
آصف کیخلاف منشیات فروشوں کیجانب سازشیں بھی ہوتی رہتی ہیں کیونکہ منشیات
فروشوں کے بدنام زمانہ اڈوں کیخلاف ان کی کاروائیوں قابل تقلید و مثالی

ہیں، کراچی میں پولیس و ینجرز نے حال ہی میں کئی منشیات کے اڈوں کو مسمار کرکے چلایا بھی ہے۔اگر ہم اپنے علاقوں کو منشیات سے پاک نہ کریں تو اس میں میرے نزدیک سب سے زیادہ قصور خود عوام کا ہوگا۔ڈرگ مافیا اگر مضبوط ہوتا ہے تو عوام کی کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے ہم جب پولیس یا کسی ادارے پر اس کی بُری کارکردگی کی بنا پر تنقید کرتے ہیں تو یہاں ہمارا صحافتی اور اخلاقی فرض بھی بنتا ہے ہم جرائم پیشہ عناصر کے خلاف کاروائیوں پر ان کی حوصلہ افزا بھی کریں۔یقینی طور پر ایس پی علی آصف جیسے افسران پولیس کے اداروں میں جرائم کی بیخ کنی کیلئے دستیاب ہیں اچھے بُرے لوگ سب جگہ ہوتے ہیں اور کوئی ادارہ بھی ایسے افراد سے پاک نہیں ہے لیکن ہمارا یہ رویہ بن گیا کہ بُرے لوگوں کے ساتھ اچھے لوگوں کی بھی کردار کشی سے باز نہیں آتے اور اپنی پیشہ وارنہ سرگرمیوں سے انصاف نہیں کرتے۔ہم جب تک معاشرے کے فرد کی حیثیت سے ، قانون کی مدد کیلئے اداروں کے ساتھ تعاون نہیں کریں گے تو ہمارے علاقے جرائم کے اڈے بنتے چلے جائیں گے ۔ اگر کسی ادارے میں کالی بھیڑ موجود ہے تو ان کے اوپر بھی افسران موجود ہیں جو ان کی کوتاہی پر فوری ایکشن لیتے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی ذمے داریوں کا احساس کریں، تاکہ یہ ہماری آنے والی نسل کو محفوظ بنانے میں اہم کردار ادا کرسکیں۔چونکہ منشیات ایک ناسور ہے اور اس کے خاتمے کیلئے عوام کا تعاون ناگزیر ہے۔اب فیصلہ آپکے ہاتھ میں ہے کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔

خفیہ پاکستان

ذرائع ابلاغ کے کردار کا کسی بھی ملک کی داخلی یا خارجہ پالیسی پر مکمل اثر انداز ہونا کسی طور انکار نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستانی میڈیا بین الاقوامی نشریاتی اداروں کی رپورٹ کو من و عن درست تسلیم کرکے اپنی صفوں میں نمایاں جگہ فراہم کرنے لگا ہے اور اس خبر کے اغراض و مقاصد کو جانچے بغیر اس پر یکطرفہ تبصرہ بھی شروع کر دیتا
ہے۔برطانیہ و امریکہ کے نشریاتی اداروں کی رپورٹس پر آج کل پاکستانی میڈیا شدید جوش و خروش کا شکار نظر آتا ہے۔ خبر کی تصدیق یا اس کے اثرات و مضمرات پر سوچے بغیر عمل پیرا ہونے کی روش نے پاکستانی ذرائع ابلاغ کو اپنی پیشہ ورانہ ذمے داریوں سے اغراض کی جانب راغب کیا ہوا ہے۔ پاکستانی ذرائع ابلاغ میں تحقیقاتی صحافت کی کمی پائی جاتی ہے اور تفتیشی صحافت کے شعبے کی جانب رجوع کم ہونے کی وجہ
معاوضوں میں کمی ، جان کو خطرات اور میڈیا ہاوسز کی جانب سے مراعات و معاونت و تحفظ کی کمی کے اسباب بھی سمجھے جاتے ہیں۔ جبکہ مغرب میں اس کے بلکل برعکس ہے ، فری لانس جرنلسٹ اپنی رپورٹنگ کو تہلکہ خیز بنانے کیلئے کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہوتے ہیں اور کسی بھی قسم کا اثر رسوخ اور مختلف ذرائع استعمال کرنے سے نہیں چوکتے جس بنا پر عالمی نشریاتی ادارے ایسی خبروں کو ترجیح دیتے ہیں جس میں سنسنی ، تہلکہ اور تفتیشی مواد

اس قدر ہو کہ فوری پوری دنیا کی توجہ حاصل کرلے۔توہین آمیز خاکوں اور اسلام کے خلاف منفی پروپیگنڈوں کے اغراض و مقاصد کا بین نقطہ بھی یہی ہوتا ہے کہ جس رسالے یا اخبار کی اشاعت چند سو کی نہیں ہوتی، وہ اپنے دشنامی پالیسی کے سبب لاکھوں کی اشاعت تک پہنچ جاتا ہے اور ایک رات میں ہی پوری دنیا میں ایک روپیہ خرچ کئے بغیر مشہور ہو جاتا ہے۔ہمارے سامنے ایسی کئی مثالیں ہیں جس میں کئی مصنفین اور اشاعتی اداروں نے منفی رویئے اختیار کرکے عالمی شہرت حاصل کی۔

کچھ ایسی قسم کی صورتحال پاکستان کے ساتھ بھی ترجیحا رکھی جاتی ہے، کیونکہ پاکستان دہشت گردی و شدت پسندی کے حوالے سے پوری دنیا میں ایک خاص حوالے سے پہچان رکھتا ہے اور پاکستانی پالیسیوں اور عوامل کو دنیا بھر میں نہایت باریکی سے دیکھا جاتا ہے اس لئے پاکستان مخالف لابی کوئی بھی ایسا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی جس میں پاکستان کو سبکی یا جگ ہنسائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔پاکستان اپنے قیام کے بعد سے ابھی تکمختلف چیلنجوں کا سامنا کررہا ہے۔خاص طور پر پاکستان کی عسکری قوت اور خفیہ اداروں خاص کر آئی ایس آئی کے خلاف منظم پروپیگنڈا اور ملک دشمن خفیہ ایجنسیوں کی جانب سے ملکی معاملات میں مداخلت کے لئے وطن فروشوں کا استعمال کسی سے ڈھکا چھپا نہیں رہا ہے۔دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کے کردار کو ہمیشہ متنازعہ بنانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے اور خاص طور پر آئی ایس آئی اور دیگر حساس اداروں و

ایجنسیوں کی استعداد کو ناقابل اعتبار قرار دینے کی سازش پاکستان کے خلاف پہلی بار نہیں ہوئی ہے بلکہ عالمی مغربی استعماری قوتوں نے کوئی موقع ایسا ہاتھ سے نہیں جانے دیا جب عسکری قوت اپنے مربوط پروگرام کے تحت کامیابی سے ہمکنار ہو رہی ہو۔ہمارے سامنے اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

پولٹزر انعام یافتہ ادیب سیمور ہرش نے گذشتہ دنوں ایبٹ آباد آپریشن میں پاکستانی عسکری قوتوں کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہوئے لکھا کہ اسامہ بن لادن 2006 سے پاکستانی کنٹرول میں تھے اور انھیں سعودی عرب کی مالی مدد سے ایبٹ آباد میں رکھا گیا تھا۔وائٹ ہاوس نے بھی اس کی سختی سے تردید کی اور ایسے جھوٹ کا پلندہ قرار دیا لیکن ہرش لنڈن ریویو آف بکس میں لکھتے ہیں کہ "ایسا لگتا ہے کہ جیسے وائٹ ہاوس کی پیش کردہ کہانی لیوس کیرل ('ایلس ان داونڈر لینڈ' کے خالق) نے لکھی ہو۔ہم نے دیکھا کہ راتوں رات یہ مضمون جنگل کی آگ کی طرح پوری دنیا میں پھیلا اور اسامہ بن لادن کے حوالے سے پاکستانی عسکری قوتوں کو نشانہ بنانے کی مذموم سازشوں کا ایک بار پھر آغاز ہوا۔یہ مضمون اس قدر مقبول ہوا کہ لنڈن ریویو آف بکس کی ویب سائٹ ہی بیٹھ گئی۔

اسی طرح برطانوی نشریاتی ادارے نے 10 جون 2010ء کو "ڈبل کراس خفیہ پاکستان" کے نام سے ایک دستاویزی فلم دکھائی تھی جس میں اس نے یہ ثابت کرنے

کی کوشش کہ پاکستان طالبان کو تربیت فراہم کرکے افغانستان میں امریکی افواج کے خلاف استعمال کر رہا ہے۔اپنی رپورٹ میں برطانوی نشریاتی ادارے نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی مبینہ خودکش بمبار کو آئی ایس آئی نے بھرتی کیا اور ان کی تربیت کی۔امریکی سی آئی اے کے اس موقف کو تقویت پہنچانے کی کوشش کی گئی کہ 2008 نومبر میں ممبئی حملوں میں آئی ایس آئی کا ہاتھ تھا۔برطانوی نشریاتی ادارے کی اس رپورٹ پر پاکستانی فوج کی جانب سے سخت رد عمل سامنے آیا تھا کہ یہ یک طرفہ اور بے بنیاد پروپیگنڈا ہے۔اس قسم کا پروپیگنڈا ایہی برطانوی نشریاتی ادارے دوسری جنگ عظیم کے آخری برسوں 1943-45ء میں بھی ادا کرتا رہا اور ان ایام میں "آزاد جرمن نشریاتی ادارے" کے نام سے اس برطانوی نشریاتی ادارے نے اپنی تمام نشریات کا رخ جرمنی اور یورپ میں جرمن زبان بولنے اور سمجھنے والوں کی طرف موڑ دیا تھا ۔"ریڈیو فری جرمنی "اتحادیوں کے مظالم کا ذکر کچھ اس انداز میں کرتا کہ عوام میں اس کے اعتماد و ساکھ میں اضافہ ہوا اور آہستہ آہستہ اس کی ہر خبر پر یقین کئے جانے لگا۔اس چینل نے ہٹلر کو بطور ہیرو پیش کیا اور ہٹلر کی درجنوں تقاریر اس برطانوی نشریاتی ادارے پر نشر ہونے لگیں۔Boomerang نامی ایک کتاب میں اس برطانوی نشریاتی ادارے کا تمام کچا چھٹا کھل کر بیان کیا گیا ہے، جرمن دوست اور بہ باطن دشمن ریڈیو نے جو کردار ادا کیا اس کا تفصیل سے ذکر موجود ہے۔

میمو گیٹ اسکینڈل میں امریکی شہری منصور اعجاز کی اسٹوری کو جس طرح مغربی ذرائع ابلاغ نے اچھالا وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، یہ اسٹوری ایک ایکنڈل کی صورت میں امریکی بڑے اخبار میں کچھ اس طرح شائع ہوئی کہ جیسے اس کا مقصد پاکستان کی ہائی کمان کے اثر رسوخ کو کمزور کرنے اور پاکستانی فوج کو کمزور ثابت کرنا تھا لیکن اس انگریزی اخبار میں شائع اس آرٹیکل سے حقانیت جتانے والوں کی رہی سہی ساکھ بھی تباہ ہو گئی۔ یہاں بھی ہم دیکھیں تو بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ جیسے پاکستان کی ہمدردی میں یہ آرٹیکل شائع کرایا گیا تاکہ پاک فوج پر دباؤ ڈلوایا جاسکے۔ اسی طرح عالمی این جی اوز کے ذریعے پاکستانی افواج کے خلاف رپورٹنگ شائع کرنے میں برطانوی نشریاتی ادارے سمیت مغربی ذرائع ابلاغ پیش پیش رہے ہیں۔ بلوچستان اور خیبر پختونخوا قبائلی علاقوں کے معاملات میں جس طرح ایمنسٹی انٹرنیشنل سمیت مغربی ذرائع ابلاغ نے پاک فوج کے خلاف پروپیگنڈا و مذموم سازشیں کی اور پاکستانی فوج نے جس طرح اس کی تردید کی وہ بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ برطانوی نشریاتی ادارے نے سقوط ڈھاکہ میں شیخ مجیب الرحمٰن کی جس طرح کھل کر حمایت کی اور پاکستانی دو قومی نظریئے کو سبوتاژ کیا وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ برطانوی نشریاتی ادارہ آج بھی شیخ مجیب الرحمٰن کو بنگلہ دیش کی آزادی کا ہیرو قرار دیتا ہے حالیہ برطانوی نشریاتی ادارے کیجانب سے بھارت کی جانب سے سینکڑوں افراد کو تربیت دینے کے حوالے سے ایک ایسی رپورٹ جاری ہوئی ہے جس کے زیادہ

تر ماخذ پاکستانی ذرائع سے لئے گئے جبکہ مفروضوں میں ثبوتوں کی فراہمی کیلئے برٹش ذرائع کی کسی رپورٹ کو شائع نہیں کیا گیا۔ برطانوی نشریاتی ادارے کی پاکستانی کی کسی سیاسی لسانی جماعت کے ساتھ عناد کسی بھی بنیاد ہو، اس بات سے قطع نظر اس رپورٹ کے دوسرے پس منظر کو دیکھا جائے تو سنگین الزمات پاکستانی حساس اداروں پر عائد کرنے کی سازش معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے "را "کی جانب سے سینکڑوں ' دہشت گردوں ' کی ٹریننگ سے پاکستانی اداروں نے چشم پوشی اختیار کی ہو، دس برس سے چلنے والی اس ٹریننگ سے ہماری فوجی ادارے بے خبر رہے، یعنی ان میں اپنے ملک کی حفاظت کیلئے استعداد ہی موجود نہیں۔ یا پھر اس رپورٹ کا مقصد یہ ہو کہ جس طرح ماضی میں ڈبل کراس خفیہ پاکستان نامی دستاویزی پروگرام میں درپردہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی افغان طالبان کو پاکستان اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر رہا تھا، اسی طرح ایم کیو ایم بھی پاکستانی فوجی ادارے اپنے مقاصد کیلئے استعمال کر رہے ہیں۔ با الفاظ دیگر کراچی، بلوچستان خیبر پختونخوا میں ہزاروں بے گناہ افراد کی ہلاکت میں ہماری ایجنسیوں کا آشیر باد حاصل ہے۔ برطانوی نشریاتی ادارے کی رپورٹ سے بھارت کی ایجنسی را کا قد کاٹ سے بڑھ گیا کہ را اس طرح ٹریننگ دیتی ہے کہ پاکستان کو خبر بھی نہیں ہو ISI ہماری پاتی۔ برطانوی نشریاتی ادارے نے پہلی بار بھارت کے خلاف اس قدر کھل کر رپورٹنگ کیوں کی اور اس اغراض و مقاصد کیا ہیں، اس کا ایک مظاہرہ ہمیں سلامتی کونسل کے اجلاس میں سامنے

آیا جب بھارت نے ذکی الرحمٰن لکھوی کے معاملے پر پاکستان پر پابندیاں عائد کرانا کی کوشش کی جیسے چین نے ویٹو کردیا۔

کسی بھی سیاسی جماعت پر الزامات کا کندھا استعمال کرنے کے اغراض و مقاصد پر غور و فکر کی ضرورت ہے، ایم کیو ایم کے خلاف کوئی الزامات ہیں تو 1992ء سے لیکر اب تک تحقیقات کیلیۓ جوڈیشنل کمیشن بنا دیا جائے۔ اور کمیشن کی رپورٹ پر فیصلہ سنا دیا جائے لیکن برطانوی نشریاتی ادارے یا امریکی اور مغربی ذرائع ابلاغ کی رپورٹس کے مضمرات اور اغراض کو سامنے رکھ ہی کوئی فیصلہ کیا جائے تو مناسب ہے، سیاسی مخالفت اپنی جگہ لیکن قومی اداروں کو ملوث کرنا اس سے بڑی سازش ہے جس کا پردہ فاش کرنا حکومت وقت کی مکمل ذمے داری و فرائض میں ہے۔

ایران جوہری معاہدے کے مسلم دنیا پر اثرات

ویانا میں اسلامی جمہوریہ ایران اور گروپ 5+1 کے درمیان ایٹمی پروگرام پر سمجھوتہ طے پا گیا، ایران کا عالمی طاقتوں امریکہ، روس، چین، برطانیہ، فرانس اور جرمنی سے ایٹمی معاہدہ طے پانے کے بعد 700 خبر نگاروں نے اس معاہدے کو نشر کیا۔ دنیا بھر کی حکومتوں نے اسمعاہدے کو سراہا لیکن اسرائیل نے اس معاہدے کو سنگین غلطی قرار دیا۔ روس کے وزیر خارجہ سرگئی لاوروف کے مطابق معاہدے کی روشنی میں ایران کے خلاف تمام پابندیاں ختم ہو جائیں گے، سلامتی کونسل میں یہ معاہدہ منظور ہونے کا قوی امکان ہے، امریکی سینیٹ میں اگر منظوری کے وقت کچھ دشواری آئی تو امریکی صدر ویٹو پاور استعمال کر سکتے ہیں۔ مشرق وسطی میں ایٹمی ہتھیاروں کی دوڑ کے خاتمے کے آغاز قرار دیا گیا ہے اور ایران نے دو سال کے طویل ترین مذاکرات کے بعد بالآخر ایٹمی ہتھیار بنانے سے ہاتھ اٹھا لیا ہے، اقوام متحدہ کے انسپکشن افسران کو ایٹمی ری ایکٹر تک رسائی کی اجازت دے دی ہے لیکن معاہدے کی ایک شق کے مطابق کسی بھی تنصیب کے معائنے کی اجازت فوری طور پر نہیں دی جائے گی، جس کے نتیجے میں معاہدے کے نقادوں کو یہ موقع فراہم ہو سکتا ہے کہ وہ تہران پر الزام لگائیں کہ وہ اس شق کی آڑ میں معاہدے کی عدم تعمیل کے تمام نشانات مٹا دے گا۔ اہم بات یہ ہے کہ معاہدے میں ایران کی

تمام ریڈ لائینوں کو مد نظر رکھا گیا اور معاہدے کے تحت ایران کو اقوام متحدہ کے نگرانوں کی درخواست چیلنج کرنے کا حق ہوگا اور اس صورت میں فیصلہ ایران اور چھ عالمی طاقتوں کا ثالثی بورڈ کرے گا۔دیگر عالمی ممالک کی طرح پاکستان ، متحدہ عرب امارات نے معاہدے کا خیر مقدم کیا ہے ۔پاکستان کو سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے اس معاہدے سے پاک ایران گیس لائن منصوبے کی تکمیل میں مدد اور دونوں ممالک کی دو طرفہ تجارت میں اضافہ کرنے میں مدد ملے گی۔

اسرائیل نے اس معاہدے کو ناکام بنانے کیلئے ہر ممکن جتن کئے لیکن عالمی طاقتوں نے ایران کے جوہری پروگرام کے حوالے سے ایرانی قوت کا اندازہ ایران ، عراق جنگ سے لیکر امام خمینی انقلاب اور پھر تمام ترپابندیوں کے باوجود ایران کی جانب سے مشرق وسطی میں متواتر عسکری مداخلت سے اندازہ کرلیا تھا کہ ایران کے خلاف ، افغانستان، عراق کی طرح مہم جوئی نہیں کی جاسکتی۔ایران نے تمام ترپابندیوں کے باوجود اپنا اثر رسوخ عرب ممالک تک ۔بڑھانے کیلئے جہاں فلسطین میں اسرائیل کو مسلسل پریشان رکھا تو دوسری جانب عراق سے امریکی انخلاکے بعد عراق میں ایران کا اثر نفوذ۔بڑھ جانا اور بغداد میں ایران کی مداخلت حد درجہ۔بڑھتی چلی گئی ۔ایران نے عالمی طاقتوں سے بے پرواہ ہوتے ہوئے مملکت شام میں اسد کی ظالم جابر حکومت کا ساتھ دیکر دنیا کو

باور کرادیا کہ عالمی پابندیوں کے باوجود ایران صرف اپنے ملک کا دفاع ہی نہیں کرسکتا بلکہ دوسرے ممالک میں ایرانی بلاک بنانے کیلئے اپنی تمام تر قوت کا استعمال بھی بخوبی کرسکتا ہے۔ افغانستان کے انتخابات میں تمام تر کوششوں کے باوجود ایران کو ناکامی کا سامنا ہوا لیکن طالبان' مری مذاکرات' میں تسلیم کرلیا گیا کہ ایران کے تعاون کے بغیر افغانستان میں امن ناگزیر ہے۔ایران نے عرب خطے کی سب سے بڑی قوت سعودی عرب کو چیلنج کیا ور یمن میں حوثی باغیوں کی کھلی حمایت کرتے ہوئے انھیں جنگی ساز و سامان سمیت اپنے پاسداران انقلاب کی سپاہ بھی بھیجی یہی وجہ بنی کہ یمن ، سعودی تنازعہ بیرونی مداخلت کی وجہ سے منطقی نجام تک جلد نہیں پہنچ پا رہا۔

فلسطینی تنظیم جہاد اسلام کے نمایندے ناصر ابو شریف نے تہران میں سعودی عرب کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ سعودی عرب میں اگر ہمت ، غیرت اور عربی حمیت ہے تو یمن کے نہتے عوام کا قتل عام کرنے کے بجائے اسرائیل کا مقابلہ کرکے فلسطین کو آزاد کرائے۔ ایران کے حمایت یافتہ بعض گروہ سمجھتے ہیں کہ مسئلہ فلسطین کے حل کیلئے بندوقوں کا رخ اسرائیل کے بجائے شام و لبنان و یمن کی جانب موڑ دیا گیا ہے۔یہاں قابل ذکر بات یہ ہے سعودی عرب کے سابق وزیر خارجہ سعود الفیصل جن کا چند روز قبل 75 سال کی عمر میں انتقال ہوا ، ایران کے شدید ترین مخالف رہے۔ سعود الفیصل نے چار بادشاہوں کا دور دیکھا

ملک سلمان نے زمام حکومت سنبھالنے کے چند ہفتہ بعد سعود الفیصل کو وزرات خارجہ ، سے برطرف کردیا تھا۔ انھوں نے ایران کے خلاف اقتصادی اور معاشی پابندیاں عائد کرانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ خطے میں صورتحال بڑی تیزی سے بدلنا شروع ہو گی کیونکہ ایران کو اپنے اربوں ڈالر کے اثاثے جہاں واپس ملیں گے تو دوسری جانب اسے اپنے تیل کے ذخائر بلیک مارکیٹ میں آدھی قیمت پر فروخت نہیں کرنا پڑیں گے۔ عمومی خیال یہی ہے کہ سعودی عرب کی جانب سے امریکا پر انحصار کم ہونے کی پالیسی اور روس، چین کی جانب جھکاؤ سمیت امریکی بلاک میں شامل بیشتر ممالک بشمول پاکستان کا چین اور روس کو امریکا پر اہمیت دینے کی وجہ سے امریکا ایران کی طاقت اور سیاست کا رخ عرب ممالک کی جانب پوری قوت سے موڑنا چاہتا ہے۔ 1979ء میں برپا ولایت فقیہ انقلاب سے قبل اسرائیل اور امریکہ کے ساتھ گہرے دوستانہ مراسم تھے اور ان ممالک کے ساتھ تجارت ، زراعت اور تکنیکی شعبوں میں اعلانیہ تعاون جاری تھا مابعد انقلاب جہاں سفارتی تعلقات ختم ہوئے ، امریکہ بڑا بزرگ شیطان قرار پایا تو اسرائیل کے خلاف بھی ایران صف آرا ہوتا چلا گیا۔

دنیا میں ایک نئی تاریخ رقم ہونے جا رہی ہے۔ ایران و امریکا کی دوستانہ قربتوں کے بعد اس تاریخی معاہدے سے مغرب نے سکون کا سانس لیا ہے لیکن ایران پر مکمل یقین نہ رکھنے کی پالیسی بہرحال برقرار رہے گی کیونکہ ایران نے

ایٹمی ہتھیار نہ بنانے کی یقین دہانی کرائی ہے لیکن ایٹمی صلاحیت ختم نہیں کی۔امریکا سمیت دیگر عالمی طاقتیں اس معاہدے سے کیا فائدہ اٹھائیں گی یہ آنے والا وقت ثابت کرے گا۔ لیکن ایران کی جانب سے مسلم دنیا میں امن قائم رکھنے کیلئے اہم کردار ادا کرنے کا وقت آگیا ہے۔ مسلمانوں کو مختلف جنگی مہم جوئیوں کی وجہ سے شدید نقصانات پہنچے ہیں۔ 1943ء سے 1945ء تک بنگال میں مصنوعی قحط کے ذمے دار چرچل کی وجہ سے 70 لاکھ افراد ہلاک ہوئے جس میں 95 فیصد مسلمان تھے۔افغانستان میں امریکی حملے کے بعد ابتک 45 لاکھ افراد جاں بحق ہوچکے ہیں، مرنے والوں میں 37 لاکھ وہ عورتیں ، بچے اور بوڑھے ہیں جن تک جنگ کی وجہ سے ادویات کی رسائی نہ ہوسکی۔ عراق 1991ء میں پہلی جنگ سے خوراک اور ادویات کی پابندی کی وجہ سے 25 لاکھ عراقی براہ راست ہلاک ہوئے۔اسرائیل کی وجہ سے ایک لاکھ فلسطینی قتل ہوئے ، دو لاکھ پانچ سال سے کم عمر بچے ہلاکھ ہوئے اور ستر لاکھ بے گھر ہوئے۔ افریقہ میں ظالمحکمرانوں کی وجہ سے ہلاکتوں کی تعداد کروڑں بتائی جاتی ہے۔ مملکت شام کی ظالم جابر حکومت کی وجہ سے شامی مہاجرین کی تعداد افغان مہاجرین سے بھی زیادہ ہوتے ہوئے 40 لاکھ ہوچکی ہے اور بے گھر افراد کی تعداد 76 لاکھ ہوچکی ہے جبکہ افغانی مہاجرین کی تعداد 25 لاکھ کے قریب بتائی جاتی ہے۔ عراقیکٹھ پتلی حکومت کی پالیسیوں و فرقہ وارانہ خانہ جنگیوں کی وجہ سے عراقی مہاجرین کی تعداد اکیس لاکھ سے زیادہ تجاوز ہوگئی ہے۔ یمن جنگ میں حوثی باغیوں کی وجہ سے اب تک پانچ لاکھ

افراد بے گھر ہو چکے ہیں دنیا بھر میں تین کروڑ اسی لاکھ افراد اپنے ملکوں میں خانہ جنگی ، بحران اور بد امنی کے نتیجے میں بے گھر ہیں۔ ، جن میں مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ایران کو عالمی طاقتوں کے ساتھ جوہری معاہدے کے بعد اپنے رویئے میں تبدیلی لانی ہوگی اور عرب ممالک میں امن کیلیئے اپنے موثر کردار ادا کرنا ہوگا۔ ایران اب ایٹمی طاقت نہیں رہا اس لئے پاکستان کیساتھ اپنے تعلقات میں مثبت اضافہ ایران کی ضرورت بھی ہے اور پاکستان کی اس اہمیت سے کوئی انکار بھی نہیں کر سکتا۔پاکستان ، ایران اور افغانستان کا پڑوسی ملک ہے اور پراکسی وار کا شکار ہے جس سے پاکستان کی عسکری قوت بڑے حوصلے سے مقابل کر رہی ہیں ۔ ایران، افغانستان کو پاکستان کیساتھ اپنے برادرنہ تعلقات میں مزید بہتری لانی ہوگی کیونکہ پاکستان کا امن خود ان ممالک کی ترقی کیلیئے ناگزیر ہے۔

جھوٹا ہے تیرا وعدہ

الیکشن میں ضمانت تک ہوئی تھی ضبط ان کی بھی
اگرچہ خوب وعدے اور کیں کتنی تقریریں
تیرا بھی ایک دن ڈیفینس میں بن جائے گا بنگلہ
تجھے بھی مل ہی جائیں گی حسین خوابوں کی تعبیریں

دراصل پاکستان کے بعض سیاست دان، کمال خوبی سے اس طرح عوام کو بے وقوف بناتے ہیں کہ ان کا کوئی ثانی بھی دستیاب نہیں ہوتا۔ گذشتہ رات سندھ کے سابق صوبائی اطلاعات وبلدیات شرجیل میمن سے رات بارہ بجے قریب رابطہ ہوا، دیگر رسمی باتوں کے علاوہ ان سے عرض کی کہ جناب آپ نے غریبوں کے ایک علاقے PS96، اسلامیہ کالونی میں آئے تھے، نو کروڑ سے زائد کے ایک واٹر پمپنگ اسٹیشن کا افتتاح فرماتے ہوئے عوام سے وعدہ کیا تھا کہ پی پی کا عزم ہے کہ ان آبادیوں کو ترجیح دیجائے گی جن کو ماضی میں نظرانداز کر دیا گیا تھا۔ عوام نے تالیاں بجائیں لیکن اب وہ بغلیں بجارہے ہیں۔ مجھ سے کہنے لگے کون سا پمپ ؟۔ عرض کی شہید مجیب الرحمٰن واٹر پمپ۔ کہنے لگے کہ اچھ اچھا،۔ میں کہا جناب نو کروڑ روپے کی پراجیکٹ سے جن علاقوں کو فیضاب ہونا تھا انھیں تو نظرانداز کر دیا گیا ہے اور کہنے والے ثبوت دکھاتے ہوئے کہتے ہیں

کہ ساٹھ کروڑ روپے کا غبن کرلیا گیا، شرجیل ہڑبڑا گئے اور کہنے لگے کہ قادر بھائی، اس پراجیکٹ سے میرا کوئی واسطہ نہیں، مجھے تو صرف افتتاح کرنے کیلئے کہا تھا تھا، دراصل یہ آغا سراج درانی کے وقت کا ہے، باقی لعل بخش بھٹو کے بیٹے سابق صوبائی وزیر کچی آبادی حاجی ندیم بھٹو کے پاس یہ پراجیکٹ ہے۔ وہی یہ سب کچھ دیکھتے ہیں اور بتا سکتے ہیں مجھے کچھ نہیں معلوم۔ عید مبارک، علیک سیلک کے بعد نشست برخاست۔ حاجی ندیم بھٹو بھائی بڑے سادہ منش صوفی صفت انسان ہیں مجھے پی پی پی کے ایک عہدے دار نے بتایا حالیہ صوبائی اسمبلی انتخابات میں بھی کھڑے ہوئے تھے غالبا 90 ووٹ لئے تھے اور بتایا جاتا ہے کہ نوے لاکھ روپے خرچ کئے تھے۔ ان کے مطابق کہ حاجی ندیم بھٹو اس پراجیکٹ کی فائل چپڑاسی سے لیکر وزیر اعلی تک خود لیکر گئے ہیں اور مجیب الرحمٰن شہید کے نام پر یہ پراجیکٹ منظور کرایا۔ فنڈ لئے۔ رمضان المبارک کے دن تھے پی پی پی کے معروف عہدے دار کو بڑی منتوں اور سماجت کے بعد بلایا۔ نخوت، غرور سر سے پیر تک اس ٹپک رہی تھی کہ اس گرمی سے کب جلد از جلد ایئر کنڈیشن گاڑی پہنچ جاؤں۔ موصوف اہلیان علاقہ کے ساتھ ایک جرگے میں بیٹھے بڑے بڑے دعوے فرما رہے تھے اور یقین دہانیاں کروا رہے تھے۔ عوام مطمئن ہو گئی کہ چلو رمضان المبارک میں تو کوئی جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔ بعد از عید مجھے پھر دھکا دے دیا گیا، میں پوچھتا رہ گیا کہ دھکا کس نے دیا لیکن اب تو آگے آگیا تھا اس لئے موصوف کے بعد کئی ہفتوں سے ملاقات کے بعد دس منٹ کیلئے

ملاقات کا وقت مل گیا۔ دس منٹ میں دو منٹ بات کی، آٹھ منٹ فون پر کسی سے بات کی پھر بغیر بتائے چلے گئے ایک گھنٹہ انتظار کے بعد سر جھکائے آنے کو ہی عافیت جانی کہ ابھی تو یہ ایک ضلعی جنرل سیکرٹری کل کو معاون خصوصی، وزیر، مشیر وغیرہ بن گئے تو پھر کیا عالم ہوگا فرعونیت کا لیکن قصہ مختصر جب ان کے پاس دوبارہ حاضر ہوا تو ایک نئی کہانی اسٹارٹ ہو گئی کہ نو کروڑ کا پراجیکٹ تھا، فنڈ ختم ہو گئے، اب نیا بجٹ منظور ہوگا انھوں نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ بجٹ میں چار کروڑ مختص رکھے گئے تھے، لیکن انھوں نے اپنا کارنامہ بتایا کہ ہم نے پراجیکٹ مکمل ہونے سے پہلے ہی ٹھیکدار کو پورے نو کروڑ روپے دلوا دے۔ میں حیران اس لئے نہیں ہوا کہ ایسا ہی ہونا تھا کیونکہ ایک ناظم کے حلقے کے لئے اپنا امیدوار منتخب کروانے کیلئے غریبوں کی آبادی، کرسچین آبادی، نیاری برادری سمیت تمام آبادیوں کیلئے تمام کنکشن اور واٹر لائن غائب کروا کر دوسرے علاقوں کو دے دیئے۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ ادل چسپ بات یہ ہے کہ ایک قومی اسمبلی کے رکن عبدالقادر خانزادہ اور صوبائی اسمبلی کے ممبر مظاہر امیر نے کٹی پہاڑی کیعلاقے محمد پور میں ایک واٹر پمپ بنانے کی کوشش کی، افتتاح بھی ہوگیا، فنڈز بھی مختص ہوگئے لیکن، پی پی کے ان ہی موصوف عہدے دار نے اپنی نالے پر قبضہ شدہ دکانیں مسمار ہونے کی وجہ سے غصے سے واٹر پمپ ہی بننے نہیں دیا بلکہ وہ جگہ پولیس چوکی کیلئے مختص کردی ایس ٹی (فلاحی پلاٹ جس پر آج تک

واٹر پمپنگ اسٹیشن کی افتتاح کا سنگ بنیاد ہمارے سیاسی کرداروں کی جھلک دکھاتا ہے۔ اس جگہ پر پی پی کی سرپرستی میں ایک این جی او نے قبضہ کرکے کورٹ سے اسٹے لے لیا، علاقہ اب ایک نیا تماشہ دیکھنے کو تیار تھا ایک پھر ایک بار واٹر پمپنگ اسٹیشن بنانے کے لئے ایم پی اے فنڈ سے اسی علاقے کی دوسری جگہ میں واٹر پمپ بنانے کیلئے کروڑوں روپے رکھے افتتاح ہوا وعدے ہوئے، فنڈ ریلیز ہوئے، کام شروع ہوا ختم ہونے والا تھا کہ تو پتہ چلا کہ وہ چار پلاٹ کسی کیذاتی ملکیت تھے، کورٹ آرڈر اور دستاویزات اس کے پاس تھی، جو میں نے خود دیکھیں تو سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ زمیں کے مالکان ضلعی عہدے دار کے پی پی کے معروف فرنٹ مین کے پاس گیا اس نے پانچ کروڑ روپے رشوت مانگی نہ ملنے پر دو پلاٹ مانگے، نہ ملنے پر اس کی خوب دھنائی کی، مارا پیٹا اور دفتر سے باہر نکال دیا کہ اب آئے تو لیاری میں ملوگے اور عوام کے کروڑوں روپے ضائع ہوگئے وہ کیس بھی اسٹے پر چلا گیا۔ گذشتہ دنوں ایک کالم کی تیاری کے سلسلے میں ایس پی آصف کے پاس گیا تو انھوں نے بتایا کہ ایک صاحب نے اپنی پرخاش نکالنے کیلئے موبائل فون کی چوری وہ بھی ایس پی آفس کے دفتر سے ہونے کی خبر چلا دی۔ فون کہا کہ منشیات فروش نے دیا تھا جو خبر نگار کے مطابق کسی اعلی افسر کو دینا تھا۔ حیرانی سے غوطے مارنے لگا کہ ایس پی آفس سے نوٹ فور کا فون کون کیسے چوری کرسکتا ہے۔ خبر نگار اچھے دوستوں میں سے ہیں، کہا کہ جو ہوگیا سو ہوگیا اب اپنی خبر تو واپس نہیں لے

سکتا۔ ایس پی صاحب کے علاقے جرائم سے پاک نہیں ہونگے لیکن بھائی، ایس پی آفس سے چوری جیسی خبر لگا کر خود اپنا ہی مذاق بنانا، عجیب بات لگی۔ یہاں مجھے اپنے سیاست دان یاد آگئے کہ بے سروپا باتیں کرکے عوام کو جھوٹے وعدے دلاسے دینے میں مہارت رکھتے ہیں اور جوش جذبات میں کہہ جاتے ہیں پھر اسے بھول جاتے ہیں یا پھر یاد نہیں رکھنا چاہتے

ووٹر کی دعائیں لیتا جا
جا تجھ کو اسمبلی ہال ملے
حلقے کی کبھی یاد نہ آئے
سرکار سے اتنا مال ملے

یہ دنیا کا معاملہ ہی بڑا عجیب ہے یہاں ہر انسان اپنی خواہشات کیلئے سب کچھ کر گذرتا ہے ایسے ہر چیز کی ضرورت ہے لیکن رضا الٰہی اور خوف خدا ایسے یاد نہیں آتا۔ اسلام میں بڑی تاکید کے ساتھ عہد پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور عہد شکنی کی مذمت کی گئی ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ "عہد کو پورا کرو، کیونکہ کہ قیامت کے دب عہد کے بارے میں انسان جواب دہ ہوگا۔" (سورۃ بنی اسرایل ۳۴)

رسول اکرم ﷺ نے اپنے ارشادت کے ذریعہ بھی ایفائے عہد کی اہمیت اور وعدہ

خلافی کی برائی کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا جس میں تین باتیں پائی جاتی ہوں وہ منافق ہے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اگر امانت رکھی جائے تو خیانت کرے (بخاری شریف نمبر ۳۳)۔

بلوچی و پشتو ادب

بظاہر کچھ ایسا سمجھا جاتا ہے کہ جیسے پشتو و بلوچ زبانوں میں رزمیہ ادب یا علاقائی پیار ومحبت کے قصے ہی موجود ہیں، لیکن دونوں زبان میں دیگر مشرقی اسلامی زبانوں کی طرح دیوان کی روایت، غزلیات، رباعیات، قصائد جیسی جملہ مشہور اصناف بھی موجود ہیں کچھ غزلوں اور قصائد میں فارسی کا اثر بھی صاف نظر آتا ہے۔دونوں زبانوں میں خوداری، انانیت، قوم پرستی اور عسکریت کے گہرے نقوش ہیں۔پاکستان سپریم کورٹ نے ریمارکس دیئے کہ بلوچستان اور خیبر پختونخوا، میں پشتو اور بلوچ ادب کی ترقی کیلئے قابل قدر کام کیا گیا ہے صوبہ پنجاب نے تو جیسے پنجابی زبان کو مار دیا ہو۔سپریم کورٹ نے ریمارکس دیئے کہ اگر پنجاب حکومت کو کوئی دشواری محسوس ہوا تو بلوچستان اور خیبر پختونخوا سے مدد لے سکتی ہے۔یوں تو برصغیر میں بولی جانے والی تمام زبانیں اپنی ایک ثقافت رکھتی ہیں لیکن اپنی قومی و علاقائی زبان کو اپنائے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی، عصر حاضر میں ایسی بے شمار مثالیں متعدد ممالک کی موجود ہیں۔بد قسمتی سے پاکستان میں اردو کا نفاذ نہیں کیا گیا اب جاکر تین ماہ کا نوٹس اعلی عدلیہ سے ملا ہے اور بلوچستان و خیبر پختونخوا کے کردار کو سراہا ہے۔

دوسری صدی عیسوی کی پشتو شاعری کا سراغ ایک قلمی نسخہ ٹپہ خزانہ سے ملتا ہے لیکن پشتو زبان کا قدیم ادب، پشتو لوک گیت ہیں۔ پشتو کی پہلی دریافت شدہ نظم "امیر کروڑ" کی تخلیق ہے جو 756ء میں لکھی گئی، اس اعتبار سے امیر کروڑ کو پشتو شاعری کا باواآدم" سمجھا جاتا ہے۔ شیخ بیٹن کو پختونوں کا جد امجد کہا جاتا ہے، جبکہ بلوچی شعر و" ادب میں کے آثار 644-1025 ء میں مل جاتے ہیں لیکن اس کے بعد آثار باقی نہیں رہے البتہ نویں صدی کے کچھ بلوچ شاعروں کے نام ملتے ہیں مثالاََ بشام کرد، رابعہ وفرجی وغیرہ۔ جبکہ پشتو میں ملک یار غرشین، حماسی شاعری کا شاعر ہے جبکہ شیخ متی کی کتاب خدائے مینہ عارفانہ کلام پر محیط ہے، ملا مست آفندی کی تصنیف سلوک المفدات پشتو قدیم ادب کی مشہورکتاب ہے۔ مرزا خاں انصاری نے سب سے پہلے پشتو نظم کو تصوف کی روشنی سے روشناس کرایا، دوسرے شعراء میں ارزانی، مخلص اور علی محمد ہیں۔ گوکہ پشتو کا نثری سرمایہ شعری سرمایہ کے مقابلے میں کم ہونے کے باوجود قابل قدر ہے جس نے اپنے دور کے تہذیبی اقدار، معاشرتی مزاج اور مذہبی تصورات و متعقدات کو فکر و فن کا موضوع بنایا گیا، ابتدائی عہد کے نثر نگاروں میں سیلمان اکو کی کتاب تذکرۃ الاولیا،، محمد بن المسبتی کی تاریخ سوری، شیخ کتہ کی ارگونے پختانہ، شیخ ملی کی د شیخ ملی دختر، خان جہاں لودھی کی مراۃ الاافاغنہ اور مجو خاں رانی زئی کی پشتو قوم کی تاریخ،

ابتدائی نثر کا بہترین نمونہ ہیں۔ پیر روخان اس عہد کی سب سے بڑی شخصیت ہے وہ علمی ، ادبی نثر لکھنے والوں کا پیش رو سمجھا جاتا ہے ،اس نے پشتو نثر کو ترقی یافتہ بنایا اور ایک نئے طرز فکر کی بنیاد رکھی ۔ جبکہ بلوچوں میں مہنا سور ہیانی معنوی لحاظ سیصوفیانہ خیلات کا شاعرہے۔ مرزا خاں انصاری پشتو مکتبہ خیال کا اہم مصنف دیگر نثر نگاروں میں اخوند دورریزہ ، شیخ بستان،اللہ بالکوزی اور کریم دار و دیگر شامل ہیں۔ جبکہ بلوچ ادب میں 1488-1550 اس لئے اہم قرار پاتا ہے کہ اس دور میں کئی رومانی داستانیں ، مثالَ۔ حانی اور شہ مرید، دوستیں اور شرین ، بیرگ و گراناز اور شہدا دوماہ،وجود میں آئی۔

پشتوادب کے درمیانی دور 1638-1772 میں خوشحال خان خٹک کا بڑا اثر ہے جنھیں بابائے پشتو " کہا جاتا ہے، خوشحال خان بابا نے پشتو غزل کا مقام بہت بلند کیا ان کی" تصانیف وتالیف کی تعداد سو کے لگ بھگ ہے۔ جن میں بازنامہ ، فضل نامہ ، دستار نامہ ، ہدایہ اور آئینہ معلوم و معروف ہیں۔ جبکہ ان کا بیٹا عبدالقادر خان خٹک ساٹھ کتابوں کے مصنف و مولف تھے ،گلستان سعدی اور یوسف زلیخا کا پشتو ترجمہ بھی انھوں نے کیا جبکہ معروف عاشقانہ داستان آدم خان درخانی کو نظم کا جامہ پہنایا جبکہ خوشحال کے دور اور بیٹوں صدر خان خٹک اور سکند خان خٹک نے بالترتیب نظامی جنگوی کی خسرو و شریں اور محمد بن احمد

العطار تبریزی کی کتاب کا ترجمہ مہر و مشتری کے نام سے کیا۔ جبکہ رحمان بابا اپنے دور کا مورخ اور ترجمان تھا اور شعر و فکر کے لحاظ سے منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ عشق و محبت ان کی شاعری کا خاص موضوع ہے۔ رحمان بابا کے حلقہ اثر میں بہت شاعر گذرے ہیں۔ عبدالحمید مہمند پشتو شاعری میں ایک نئے مکتب کا موسس ہے، فارسی مثنوی وقصہ" شاہ و گدا "کا پشتو مثنوی میں ترجمہ کیا، قلندر آفریدی کی شاعری سرتاپا عشق ہے جبکہ احمد شاہ بابا جو" احمد شاہ ابدالی" کے نام سے مشہور ہیں صحیح معنوں میں خوشحال، خاں بابا کا جانشین سمجھا جاتا ہے، ان کا دایون نوائے احمد کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ جبکہ بلوچی لوک گیت عوامی زندگی کے ترجمان ہیں، "لوریاں "اور دستک " بھی بلوچی شاعری کے اصناف ہیں، پندرہویں صدی سے پہلے کوئی شعر بلوچی میں نہیں ملتا۔ اس عہد کے دیگر پشتو شعرا میں امحزاللہ خان مہمند، کاظم خان شیدا اور علی خان ہیں۔ جبکہ متاخرین کا دور ایک جنگ وجدال کا دور تھا جس کی وجہ سے اس کا اثر شعر و ادب پر بھی پڑا۔ اور کلاسیکی شاعری ماند پڑ گئی، اسکی جگہ عوامی گیتوں آزادی، وطن اور شجاعت کے کارناموں کا اظہار بن گیا۔ بلوچی، پشتو شاعری میں ایسی نظموں کی تعداد بھی کافی ہے جو بلوچیوں کی قبائلی چھڑپوں کی داستانیں ہیں لیکن غزل اپنی ترقی کے مدارج برابر طے کرتی رہی۔ پشتو غزل گو شاعر میں تیمور شاہ جو احمد شاہ ابدالی کا بیٹا تھا اردو اور فارسی کے نو دیوان بھی انھوں نے ورثے میں چھوڑے۔ پیر محمد کاکڑ، محمد رفیق، حافظ رحمت

اللہ ، نواب محبت خان ، سعادت یار خان ، دوست محمدی صاحبزادہ ، قاسم علی آفندی ، نواب رحمت خان ، بیدل ، میاں نعیم، حافظ الپوری ، احمد کلاچوری ، عب العلی اخوانزہ ، نورلادین ، ملا مقصود اور حافظ عبدالعیم قابل ذکر شاعر و ادیب تھے جنھوں نے پشتو نثر و شاعر کی ترقی کی راہ میں اپنے کارناموں سے ایسی تصانیف تحریر کیں جو سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مولوی احمد نے پشتو نثر کا قافیہ اور سجع وغیرہ سے آزاد کرکے سادہ آسان زبان میں لکھنے کی داغ بیل ڈالی۔ جبکہ منشی احمد خان نے ہنسہ دغہ اور د قصہ خوانئ کپ لکھ کر پشتو نثر کو جدید سے جدید تر بنا دیا ، میاں نعمان الدین نے پشتو زبان کی ترویج و ترقی میں بڑا حصہ لیا ان کی اہلیہ زینت جہاں اور بھانجے محمد یوسف بھی اچھے ادیب تھے۔ دوسرے نمایاں نثر نگاروں میں غفران الدین ، امیر احمد انصاری اور احمد شاہی رضوانی ہیں۔

جدید دور 1900 کے بعد میں پشتو و بلوچ ادب نے اپنے ارتقا کے کئی منازل طے کرچکا تھا ، اب نئی سیاسی تحریکوں کے ساتھ علمی و ادبی میدان میں بھی نو ڈالی گئی ، انگریزی زبان اور مغربی ثقافت کے اثرات نے دونوں زبان کو نئی جہتوں سے روشناس کرایا ، اس دور کے شعرا و ادبا نے غم دوسش کیساتھ فکر فردا کو بھی موضوع قلم بنایا اور اس طرح دونوں زبانیں ادب جدید دور کی فکر و نظر کا ترجمان بن گئیں۔ دور جدید کے شعرا میں غلام محمد پوپائی اور سید راحت

خیلی نشاۃ ثانیہ کے علمبردار مانے جاتے ہیں۔ راحت پہلے شخص ہیں جنھوں نے پشتو تراجم کے ذریعہ اقبال کے افکار کو پشتو بولنے والوں کو متعارف کرایا۔ جبکہ جدید تعلیم یافتہ طبقے نے اعلی پایہ کے اہل قلم اور محقق پیدا کئے۔ پشتو ادب میں صحافت کی ابتدا1905 کے لگ بھگ ہوئی سب سے پہلے ہفتہ وار" افغان" کے نام سے سید مہدی علی شاہ نے پشاور سے جاری کیا جو پشتو اور اردو دونوں زبانوں سے شائع ہوتا تھا، سید راحت زخلی موجودہ دور کے ممتاز صحافی مانے جاتے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد بلوچوں میں ایک جوش اور ایک نیا جذبہ پیدا ہوا اور قیام پاکستان کے بعد بلوچی زبان کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی اس کا اثر یہ ہوا کہ بلوچی ادب تحریر کی شکل میں ظاہر لگا۔ مقصدیت کو مد نظر رکھے جانے لگا۔ گل نصیر خان بیک وقت اردو اور بلوچ میں شاعری کرتا ہے یہ بلا کا شاعر تھا جس نے ہیت میں کامیاب تجربے کئے اس کے کلام کے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ مراد ساحر، میر عسی، نوحی، اسحاق شمیم کے کلاموں میں وطن سے محبت کا جذبہ ملتا ہے جبکہ بلوچ نثر ادب کی ابتدا قیام پاکستان سے پہلے ہو چکی تھی۔ جس کے بعد بلوچ نثر نے کافی ترقی کی، شیر گل خان تُسیر محمد حسین عنقا، قاضی عبدالرحیم صابر، خیر محمد ندوی اور شھور شاہ وغیرہ نے بلوچ نثر کی بنیاد ڈالی۔ موجودہ دور میں نثر نگاروں کی تعداد کافی ہے ان میں قابل ذکر عبدالرحیم، ن غور، میر مٹھا خان، ملک محمد رمضان، عبداللہ جمال دینی، امان اللہ، محمد بخشی، شاہ بیگ رند اور ایم بیگ بلوچ ہیں، افنی

نویسوں اور ڈرامہ نگاروں میں نعمت اللہ گچگی، نسیمن دشتی، عسمت جمال دینی، رحیم صادق اوعطاشاد شامل ہیں جن کی بدولت بلوچی زبان و ادب ترقی کی زبان پر گامزن ہے۔ خوش آئیند بات یہ ہے کہ نئی نسل اسلاف کی راہ پر چلتے ہوئے ادب کو آگے بڑھا رہی ہے۔ ڈاکٹر عبدالمالک مانتے ہیں کہ وہ قومیں اداب کو ترقی نہیں تقرقی نہیں دیتں وہ قومیں اور ان کی زبان فنا ہوجاتی ہیں، ادب کے بغیر کوئی قوم اور معاشرہ ترقی نہیں کرسکتا۔ ہمیں عبدالوحد آزات، جمالدینی، میر عاقل خان مینگل، گل نصیر جیسے لوگوں کی بدولت بلوچ زبان کے اداب اور صحافت کو ملنے ولاے اہم مقام کی قدر کرنی چاہیے۔ اور ان کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے۔ قومیں اپنی روایات و ثقافت کی بنا پر ہی زندہ رہتی ہیں۔ مختصر کالم میں تمام تاریخ لکھنا ناممکن ہے، تھوڑے کو بہت جانیں

کیا علم بھی اسیر ہو جاتا ہے قید خانوں میں ؟۔

503ء میں طرابلس (لیبیا) پر عیسیائیوں نے قبضہ کرکے وہاں کے کتب خانوں کو چلادیا۔656ء میں ہلاکو خان نے بغداد کو تاراج کرنے کے بعد وہاں کے عظیم الشان کتب خانوں کی چھ لاکھ سے زائد کتابوں کو دریائے دجلہ میں پھنکوادیا،تاتاریوں نے بغداد کے کتب خانے تباہ کئے اور تمام کتب دریا میں ڈال دیں جس سے پانی کا رنگ سیاہ ہوگیا۔تاتاریوں نے انسانوں کا ہی نہیں بلکہ علم کا بھی قتل عام کیا اور ترکستان ، ماوراء النہر، خراسان، فارس ، عراق ، جزیرہ اور شام کی تمام علمی یادگاروں کو داعش کی طرح تلوار کی نوک پر اُڑاتا چلا گیا۔ صلیبی جنگوں میں جاہلیت کی ملکتیں یورپ نے مصر ، شام ،اسپین اور دیگر اسلامی ممالک کی کتب خانوں کی تقریبا تیں لاکھ سے زائدکتابوں کو چلا کر خاکستر کرڈالا۔ Cardinal Ximenes نے ایک ہی دن میں اسی ہزار کتب نذر آتش کیں، صلاح الدین پرالزام عائدکیا جاتا ہے کہ اس نے فاطمین مصر کے دور کے قصر شاہی کا عدیم النظیر کتب خانہ نذر آتش کیا۔ اسی طرح سلطان محمود غزنوی نے 420ء میں "رے" فتح کیا تو وہاں کے کتب خانے بھی جلوا دیئے ، خاس طور پر صاحب بن عباد کا عظیم الشان کتب خانہ "دار لکتب رَے"اسلامی دنیاکے سب سے پہلے عمومی کتب خانہ میں جسے ابو نصر شاپور وزیر

بہاالدولہ نے 381ء میں بغداد کے محلّہ کرخ میں قائم کیا تھا، دس ہزار سے زائد اہم کتابیں 451ء میں طغرل بیگ سلجوقی نے جلادیا۔ قاضی بن عمار نے طرابلس میں عالیشان کتب خانے کی تاسیس کی جس میں ایک لاکھ سے زائد کتابیں تھیں یہ کتابیں صلیبی جنگوں میں برباد ہوگئیں۔ بغداد میں ابو جعفر محمد بن حسن طوسی کا کتب خانہ 385ء تا 420ء کئی مرتبہ جلایا گیا آخری مرتبہ 448ء میں اس طرح جلا کہ اس کا نام بھی نہیں بچا۔ 549ء میں ترکوں کے ایک گروہ نے ماوراالنہر سے آکر نیشاپور کے کتب خانے جلادیئے۔ 586ء میں ملک المویدنے نیشاپور کے باقی ماندہ کتب خانوں کو بھی جلا کر تباہ کر ڈالا۔ دنیا میں اسکندریہ کی لائبریری کی تباہی کا سب سے زیادہ ماتم کیا جاتا ہے قدیم دنیا کی سب سے مشہور لائبریری کی لاکھوں کتب نایاب ہوچکی ہیں۔

علم بذات خود ختم نہیں ہوتا بلکہ یہ کسی نہ کسی صورت چلتا رہتا ہے۔ مسلمانوں کی تہذیب کی تاخت وتاراج دور میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ کا دور اس طرح ابھرا کہ اس کا سورج آج تک غروب نہیں ہوا۔ کتب خانہ ایک ایسا ادارہ ہے جہاں کتابوں کی شکل میں انسانی خیالات ،جذبات اور مشاہدات کی حفاظت کی جاتی ہے کہ اس ادارہ سے ایک شخص کے خیالات سے اس وقت کی نسل ہی نہیں بلکہ آنے والی نسلیں بھی استفادہ حاصل کر سکیں۔ زمانہ قدیم میں لوہے، تانبے، کانسے پتھروں یا کھالوں اور پیپرس Papyrus نامی درخت کی چھال پر لکھی جاتی تھیں

پر تحریریں لکھی جاتیں تھیں کاغذ کی ایجاد چین کی رہن منت ہے اس کے بعد پڑھنے لکھنے کے لئے چھاپے خانوں نے علمی انقلاب کو ہمہ گیر کر دیا۔آج کے اس جدید دور میں کتب خانوں کی اہمیت کم ہوتی چلی گئی اور انٹرنیٹ کی دنیا ایک ' چپ ' میں آ گئی جس میں کروڑوں ، کھربوں کی تعداد میں معلومات کے خزانے موجود ہیں اور جسے کوئی ہلاکو خان دریائے دجلہ میں ڈال کر علم کا دریا سیاہ نہیں کر سکتا۔تاہم آج بھی اس اہم سہولت سے وہ فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا بلکہ تحقیق و جستجو کی جو کاوش کا سرور کسی پڑھنے والے کو کاغذی کتب خانوں سے ملتا تھا وہ لامحدود ہونے کے باوجود انتہائی محدود ہو گیا۔ہم دس ہزار قبل مسیح کے بعد کے کتب خانوں کے مٹ جانے کا ماتم کر لیں یا پھر ہمارے علاقے ،برصغیر کی گمنام تہذیب راما اور بحر اوقیانوس کی گمنام تہذیب اٹلانٹس کے علوم یا پھر موہن جو داڑو اور ہڑپا سے ملنے والے مدفون تاریخ ، یا پھر ہیروشیما و ناگاساکی ایٹمی تباہی کو تو تاریخ دان مہابھارت اور وید کی تاریخوں سے ملا کر دیکھتے ہیں کہ انسان ترقی کی دور سے پھر پتھر کے دور کیسے واپس چلا جاتا ہے۔آج انٹرنیٹ پر ہمیں تمام معلومات ایک کلک پر دستیاب ہیں ، کتب بینی کا تصور کم ہو گیا ہے ۔ مغرب کے مقابلے میں آج بھی ہم مٹی کی سیاہی سے لکڑی کی تختیوں پر الف ، ب پ لکھ رہے ہیں۔لیکن کیا ہم نے اپنی آزاد زندگی سے بڑھ کر کچھ ایسا سوچا ہے کہ دنیا میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جہاں ان کی سب آزادی ختم ہو جاتی ہے ، خاص طور پر پاکستان میں تو ان قید

خانوں کی اسیری بھی اشرافیہ کے ہاتھوں میں چلی گئی ہے جہاں کسی قیدی کی اصلاح کا تصور صرف اتنا ہے کہ ایسے کتنے دن، مہینے، سال، قیدمی رکھنا ہے یا پھر سنگین جرم میں موت کی سزا سنا دینی ہے۔ مختصر سی دنیا میں اس کی طویل زندگی سکڑ جاتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو مصروف رکھنے کیلئے اسباب تلاش کرتا ہے اور اصلاح کے بجائے جیل خانوں میں منفی سرگرمیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ جس کی بنیادی وجہ جیل خانوں پر حکومت کی عدم توجہ ہے کیونکہ کسی بھی سزا میں آنے والا قیدی، جب جیل میں آجاتا ہے تو وہ گناہ گار ہو یا بے گناہ، اس کی زندگی ٹھہر سی جاتی ہے اور سانسیں بس چلتی ہیں۔ ویسے بھی کہا جاتا ہے کہ تنہائی میں کتابوں سے بہتر کوئی دوست نہیں ہو سکتا۔ ایسے لوگوں کیلئے جیل کی لائبریری ایک مثبت اور تعمیری کردار ادا کر سکتی ہے، لائبریریاں قیدیوں کو نفسیاتی آسودگی فراہم کرتی ہیں اور جیل کے ماحول کے منفی اثرات سے انہیں محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں، اچھی لائبریری جیل کی زندگی کو بہتر اور کارآمد طریقے سے گذرنے کا مثبت جذبہ قیدی کے اندر پیدا کر سکتی ہے۔ اور ایسے اپنی تاریک زندگی میں روشنی کی کرن نظر آتی ہے، قیدی اگر اپنی اسیری کے دوران کتابوں کے ذریعے باہر کی سے ربط میں رہتا ہے تو اس میں منفی رجحان کافی کم ہو جاتے ہیں اگر جیلوں کے اندر مقید قیدیوں کو لائبریری یا کتابوں تک رسائی کا موقع نہ حاصل ہو تو وہ جیل سے باہر کی دنیا میں واپس آنے پر ناخواندگی، اعلی تعلیم سے محرومی، پیشہ وارانہ صلاحتوں کے فقدان

یا ذہنی بیماری، مایوسی یا افسردگی وغیرہ سے سماج کے لئے ناکارہ ہو جاتے ہیں اور اسی دنیا جیل کی دنیا سے بھی بدتر دکھائی دیتی ہے۔ اس لئے قیدی بھی کتابوں اور لائبریوں کے اتنے ہی ضرورت مند ہیں جتنے معاشرے میں آزادی سے رہنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ قیدیوں کی بہت سی ضروریات ہوتی ہیں جو پوری نہیں ہوپاتی کچھ جیل کے نظام کی بناپر، تو کچھ اس ملزم کی مجبوریوں یا عادتوں کی وجہ سے۔ لیکن یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ قیدی اپنی معلومات کو بڑھانا چاہتے ہیں وہاں رہ کر کچھ سیکھنا چاہتے ہیں اور زیادہ تر ایسے قیدی بھی ہیں جو جرم کی دنیا سے توبہ کرکے اپنی ذاتی اصلاح Self Improvement کرنا چاہتے ہیں۔ ان تمام ضرورتوں کو صرف ایک اچھی لائبریری ہی پورا کر سکتی ہے۔ امریکا، یورپ خاص طور پر برطانیہ میں ایک بھی ایسی جیل نہیں ہے جہاں قیدیوں کیلئے لائبریری کا معقول نظم نہ ہو ایک ادارہ قیدیوں کی تعلیم و رہ نمائی سے کے نام سے قائم ہے، offenders Learning and skills Unit جس کا متعلق ہدف ہے کہ ہر جیل میں ایک لائبریری ہونی چاہیے اور قیدی کسی بھی نوعیت کا ہو ایسے استفادہ حاصل کرنے کا حق ہونا چاہیے۔ یہ ادارہ نیشنل آفینڈرلیس منیجمنٹ سروس National offendrs Management service کی ایک اکائی کے طور پر کام کرتا ہے۔ اسی ادارے نے اپنے ایک ڈرافٹ offenders Library, Learning and Information secification-2005 میں بتایا ہے کہ "یہ بات عام طور پر تسلیم شدہ ہے کہ مجرموں کیلئے لائبریری اپنی تعلیمی اور معلوماتی خدمات کے ذریعے

صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کا بنیادی اور اہم ترین ذریعہ ہے ۔پاکستان میں جیل اصلاحات میں لائبریریوں کا تصور بہت کم پایا جاتا ہے اس کے محرکات بڑے تلخ ہیں جس سے عمومی طور پر سب آگاہ ہیں۔ لیکن بعض جیلوں میں جیل انتظامیہ کی جانب سے ذاتی کوششوں کے سبب بھی مثبت کوششوں کا علم ہوتا ہے۔ کراچی کی ڈسٹرکٹ جیل ملیر کے ایک جیلر کامران بلوچ نے مجھ سے رابطہ کیا کہ قادر بھائی ہم ملیر جیل میں ایک لائبریری کا قیام عمل میں لا رہے ہیں ،ڈسٹرکٹ جیل ملیر کراچی کی لائبریری کیلئے کتابوں کی اشد ضرورت ہے۔ صاحب علم و استعداد رکھنے والوں سے اپیل ہے کہ جیلر کامران بلوچ یا میرے ای میل پر رابطہ و تعاون فرمائیں ۔

پاکستان کا عظیم تر بلوچستان

بلوچستان میں لسانی تنازعات کی ایک نئی لہر اٹھی ہوئی ہے اور اس لہر میں پشتون یا بلوچی عنصر ہی شامل نہیں ہے بلکہ قبائلی تنازعات ، لسانی مسائل (بلوچی و براہوئی) اور قبائلی سرداروں میں حکومت پاکستان سے سیاسی و معاشی مفادات حاصل کرنے رجحان بھی شامل ہے۔ افغانستان میں امریکی کاروائی کے بعد شمالی بلوچستان میں پشتون آبادیوں میں اضافہ ہوا تو دوسری جانب زور پکڑتا مذہبی رجحان بھی بلوچستان کے مسائل میں ایک اہم مسئلہ بن کر کھڑا ہے۔ تاریخ بلوچستان کے مصنف گل خان نصیر کے مطابق زمانہ قدیم میں قلات اور قلات کے گردو نواح پر سیوا نامی ایک قدیم ہندو خاندان کی حکومت تھی جو غالباً دراوڑوں کی زبان بولتے تھے ، سوراب ، خصدار اور کرخ وغیرہ میں جاموٹ آباد تھے ، بلوچوں کا یہ نو وارد کہستانی قبیلہ جو برزکوہی قبیلہ نام سے مشہور ہوا رفتہ رفتہ داروڑی زبان کے لفظ سے بگڑ کر بروہی یا براہوئی ہوگیا۔ جبکہ انور رومان لکھتاہے ’’براہوئی بلوچ یگانگت کا نظریہ حال ہی میں میر گل خان نصیر اور ملک صالح محمد نے پیش کیا لیکن یہ قیاس کرنا کہ براہوئی بلوچ ہیں ایسے ہی غلط ہوگا جیسے یہ کہنا کہ وہ عرب افغان ہیں یا ایرانی ہیں ۔ (حوالہ براہوئی نسائی ادب کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ ایم فل مقالہ عبدالقیوم بیدار براہوئی اکیڈمی رجسٹرڈ کوئٹہ پاکستان

ص ۱۰۱۔۱۱)۔ پروفیسر جاید اختر اپنے کتاب.براہوئیات میں لکھتے ہیں ".براہوئی کے متعلق دراوڑی نظریہ دنیا بھر کے ماہرین لسانیات میں ایک متفقہ نظریہ ہے کہ.براہوئی دراوڑی زبانوں کے خاندان میں شمال مشرقی دراوڑی گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔ جیسا کہ ایم ایس انڈرونوف تحریر کرتا ہے:

"According to the modern conception Brahui belongs to the north-western group of the Dravidian languages. It is ppearantly most closely related to the north-eastern group of these langueges, which includes Malto and Kurukh."(86)

.براہوئی زبان کے متعلق نہ صرف یہ رائے ہے بلکہ.براہوئی قوم کو بھی دراوڑی تسلیم کرلیا گیا ہے جیسا کہ مشہور ماہر لسانیات ٹامس آرٹراٹ مین (Anthropologist) .براہوئی قوم اور شمالی ہند کے دیگر دراوڑی لوگوں کے مابین نسلی رشتوں کو واضح کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے: ”تقریباً دو لاکھ.براہوئی بولنے والے لوگ پاکستان کے قلات، خیرپور اور حیدرآباد اضلاع میں مکمل طور پر ایرانی اور ہندوآریائی زبانوں میں محصور ہیں اور اپنے قریب ترین لسانی رشتہ داروں سے ایک ہزار میل کے فاصلے پر جدا ہیں۔“ (۸۷)

کچھ مقامی دانشوروں نے.براہوئی کو دراوڑی تو قرار دیا مگر وہ دراوڑی کو

سامی النسل یا دراوڑی و سامی کو ہم نسل تصور کر بیٹھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک دراوڑی نسل پر تحقیق اپنے ابتدائی مراحل میں تھی اور اس کو بحیرہ رومی یا بحر (Meditarranian) شامی فرض کیا گیا۔ اور یہ نظریہ جیمز ہورنل (James Hornell) نے پیش کیا، اس سلسلے میں اس کے مندرجہ ذیل الفاظ ملاحظہ فرمایئے: ''وہ بحیرۂ روم کے آس پاس یا گرد و نواح کی نسل سے تعلق رکھتے تھے اور ایک مدت تک عراق میں رہے، جب اکادیوں (Akadians) اور سامیوں کی طرف سے دباؤ پڑنے لگا تو براہ بلوچستان (جہاں ان کی ایک زبان، براہوئی اب تک موجود ہے)، ہندوستان میں داخل ہوئے اور سندھ و گنگا کی وادیوں کے کنارے پھیل گئے۔'' (۸۸

براہوی ریاست قلات اور براہوئی حکمران امیر میرو خان میرواڑی براہوئی نے ۱۴۱۰ء میں براہوئی ریاست کے بنیاد ڈالی کچھ عرصہ انکے موت کے انکے جانشین امیر محمد عمر خان میرواڑی براہوئی نے حکومت کی ڈور سنبھالی ''میر جلب خان چھولاسی'' نے براہوئی حکومت پر لشکر کشی کی امیر محمد خان براہوئی جاں بحق ہوئے۔ ۱۴ سال ''میر جلب خان چھولاسی'' قلات میں بر سر اقتدار ہوئے۔ بعد ازاں میر محمد عمر خان براہوئی کے فرزند میر بجار خان براہوئی نے واپس اپنے تخت پر قابض ہوئے۔ کچھ عرصہ انکے موت کے انکے بعد جانشین امیر ابراہیم و حسن میرواڑی براہوئی نے حکومت کی ڈور سنبھالی۔ ۱۶۶۶ میں اقتدار ابراہوئی احمد زئی قبیلہ کا سپرد ہوا اسی طرح ۱۴ اگست ۱۹۴۷ تک قلات

کے شاہی خاندان براہوئی قوم تھا۔ ۱۸۹۰ تک ریاست قلات کو براہوئیستان یا براہوئی ریاست قلات کہتے تھے۔ برطانیہ حکومت نے براہوئی ریاست سے جن علاقہ جات کو لیز پر لیا تھا انکو (بلوچستان) کے نام دیا۔ یہی کام نام انگریزی حکومت کے مفاد میں تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ براہوئی ریاست قائم رہیں، ۱۹۷۰ میں جب ون یونٹ ختم ہوا تو کچھ پشتون بیلٹ کو اور تمام براہوئی ریاست یا براہوئستان کو بغیر رائے شماری کا بلوچستان نام دیا اس نام سے زیادہ تر براہوئی قوم کو نقصان ہورہا ہے ۔ براہوئی نوجوان بلوچیت کے نام پر قتل ہورہے ہیں ۔ براہوئی زبان بلوچیت کے مفاد کے خاطر بے پرسان حال ہیں۔

بلوچستان کا رقبہ 347190 کلومیٹر اور آبادی 7.914 ملین افراد پر مشتمل ہے۔

بلوچستان میں علیحدگی پسندوں کے طور پر بلوچوں کے کچھ خاص قبیلوں کا نام لیا جاتا ہے لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ بلوچستان میں ، بلوچ دوسری قوموں کے مقابلے میں اقلیت میں ہیں ۔ براہوئی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے چیئرمین ماہر بشریات و لسانیت نذیر شاکر براہوی کے مطابق ایک قدیم ترین لسانی اور نسلی باقیات رکھنے والی قوم (براہوی) کا نام بلوچستان میں شجر ممنوعہ ہے، جو اپنے نام یا کام کے ساتھ براہوی استعمال کرتے ہیں ان کے سامنے رکاوٹوں کے پہاڑ کھڑے کر دیئے جاتے ہیں اور ان پر Divde and Rule کا الزام لگا دیا جاتا ہے حالانکہ سنہ العقیدہ براہوی مسلمانوں کی تعداد 2.7 ملین ہے جو سندھ ،

بلوچستان اور افغانستان میں بھی پائے جاتے ہیں اور ان کے مشہور قبائل میں مہمند، حسینی ،چنگل ،،بنگلزئی ، جوگیزئی ، میوانی ، مہمند شاہی نمایاں ہیں۔جب کسی قوم کی تاریخ پڑھی جاتی ہے تو ماہر لسانیات وتاریخ داں ایسے اسناد سے جانچتے ہیں اور ایسے عالمی معیار کے مطابق درست انداز میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، دوسری جانب ہمیں یہ بھی دیکھنے کو ملا ہے کہ تاریخ کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی بھی کوشش کی جاتی ہے۔ .براہوی یا.براہوئی قوم ، بلوچ قوم سے جداگانہ قوم ہے ،.براہوی قوم نے 550 سال بلوچستان پر حکومت قائم رکھی اب.براہوی قوم کے دانش ور یہ سمجھتے ہیں کہ انھیں غیر دراوڑ یعنی بلوچ ، آریا، تورانی اور عرب قرار دینے کی کوشش 1931ء سے کی جا رہی ہے اور بلوچی تحریکوں میں .براہویوں کو جوتا جاتا ہے۔.براہوی یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ ہماری تاریخ کا تہذیبی ورثہ بلوچوں کے نام منتقل کیا جارہا ہے حالاں کہ 1931ء سے پہلے.براہوی قوم کی حکومت بننے تک.براہوی عوام بلوچ کے.برعکس .براہوی ہونے پر فخر کرتے تھے۔ 20 اگست 1749ء کو نصیر خان.براہوی قلات میں حاکم تھے اور ان کی سلطنت افغانستان ایران ، ہندوستان پنجاب ، سندھ اور پشاور تک تسلیم کی جاتی تھی اور ان کی فوج کو.براہوی فوج کہا جاتا تھا، جس کے دستہ سراواب کو تین قبائل کے فوجیوں میں تقسیم کیا گیا لیکن بد قسمتی سے تاریخ کو ایک منصوبے کے تحت تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی اور.براہوی تاریخ دانوں کے مطابق گلی خان نصیر نے .براہوی حکومت میں بلوچوں کو ناجائز حیثیت

دینے کیلئے براھوی تاریخ کو مسخ کرنے کی ناکام کوشش کی جس کی وجہ سے عظیم تر بلوچستان کے مفروضے پر کام شروع ہوا، جب سندھی بلوچ یوسف عزیز مگسی کو انگریزوں نے 1931ء میں گرفتار کیا تو انہوں نے ایک سیاسی تنظیم انجمن اتحاد بلوچاں کی بنیاد ڈالی اور یہی سے براھوی اور بلوچ نوجوانوں کو سیاسی مقاسد کیلئے اکٹھا کیا گیا، جبکہ پشتون اور سندھیوں نے اپنی ملی شناخت کو برقرار رکھتے ہوئے انگریزوں کے خلاف جدوجہد قائم رکھی۔ 11 اگست 1947ء جب یہ طے پایا گیا کہ برطانوی اقتدار اعلی کے ختم ہوتے ہی ہندوستان کی ریاستیں آزاد اور خود مختار ہونگی اور اپنے لائحہ عمل کے مطابق آزاد ہونگی اس ایک نقطے پر میر احمد یار خان نے ریاست قلات کی آزادی کا اعلان کیا اور جمعہ کے خطبے میں بار بار عظیم تر بلوچستان کی بات کی مگر جب 7 اور 17 مارچ 1948ء کو لسبیلہ اور مکران کی ریاستیں پاکستان میں شامل ہوگئیں تو بعد میں میر احمد یار خان جو عظیم تر بلوچستان کا خان اعظم بننے کا خواب دیکھ رہا تھا تو اپنی ریاست قلات کو 27 مارچ 1948ء کو پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا۔ بلوچستان ایک قوم اور ایک زبان کا سیاسی خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا تو اس سے ان کے سپردکاروں نے یہ وطیرہ بنالیا ہے کہ بیرونی عناصر جس میں بھارت پیش پیش ہے۔ اسٹریٹجک طور پر اہم بلوچستان میں لسانیت، قومیت، عصبیت اور فرقہ واریت کے نام پر وحدت پاکستان کو نقصان پہنچاتے رہیں گے۔ بلوچستان عظیم تر ہے کیونکہ وہ پاکستان کا سب سے بڑا اور اہم سب صوبہ ہے اور اس میں مختلف

اکائیاں بستی ہیں۔ جن کا اتحاد توڑنے کا مقصد پاکستان کو تقسیم کرنا ہے ہمیں اس سازش کو سمجھنا ہوگا۔

دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا

مودی سرکار پاکستان کو کبھی گجرات سمجھ لیتے ہیں تو کبھی میانمیار سمجھ کر سفارتی آداب بھول جاتے ہیں۔ بھارت کی اصل حقیقت کو تو افغانستان سے آنے والے صرف چند بہادر افغانوں نے تخت دہلی پر بیٹھ کر ثابت کر دیا تھا ہندوستانی طاقت کتنی ہے۔ پاکستان کے پاس ہتھیار، میزائیل اور بم بھی انہی غیور افغانوں کے نام پر رکھے ہوئے ہیں جنھیں تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکے گی۔ گورداس پور واقعہ میں بھارتی میڈیا نے غیر مبہم تصاویر اور پھر عثمان خان نامی کسی نوجوان کو فیصل آباد کا رہائشی قرار دیکر سرینگر میں بھارتی فورسز پر حملے کی الزام کی بنیاد پر بنا تصدیق و ٹھوس شواہد کے ایک بار پھر پاکستان پر الزام عائد کر دیا اور مودی حکومت نے اپنی سابقہ روش برقرار رکھتے ہوئے پاکستان کے خلاف ہرزہ سرائی کو برقرار رکھا، حالاں کہ بھارت کی ایک علیحدگی پسند تنظیم نے گورداس پور واقعہ کی ذمے دار قبول کر لی اور عثمان خان کا تعلق پاکستان سے ثابت نہ ہو سکا لیکن جہاں بھارت کی اپنی زبان ان کے منہ میں نہیں سنبھالی نہیں جاتی تو دوسری جانب مشرقی سرحدوں پر بنا اشتعال فائرنگ اور مارٹر گولوں سے پاکستانی علاقوں میں بے گناہ افراد کو شہید اور ان کے گھر تباہ کر دیتے ہیں۔ اس بات سے دنیا آگاہ ہے کہ بھارت صرف لفاظی جنگ اور سازش کرنیکی حد تک

ہی محدود رہ سکتا ہے۔ بھارتی کے اعلی فوجی افسران میڈیا خود اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہندوستانی فوج صرف بیس دن سے زائد کی جنگ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ بھارتی سازشوں کا یہ سلسلہ قیام پاکستان کے بعد سے اب تک چل رہا۔ بھارت نے بار بار یہ تسلیم کیا ہے کہ مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے میں اسکا ہاتھ اور خون (بہانے میں) شامل تھا اب بنگالی عوام کو یہ سوچنا چاہیے کہ مشرقی پاکستان جب قائد اعظم بنا رہے تھے تو ان کا دو قومی نظریہ کیا تھا ؟ کیا نسل یا زبان کی بنیاد پر مشرقی پاکستان جیسے وہ اب بنگلہ دیش کہتے ہیں حاصل کیا گیا تھا، اب بنگلہ دیش ہی سہی، لیکن بنگالی مسلمان بھائی اپنے بزرگوں کی اس قربانی کو تو زندہ رکھیں جس کے تحت انگریزوں سے آزادی ملی تھی، بھارت ایک ہندو انتہا پسند دہشت گرد ریاست ہے۔ بھارتی مرکزی وزیر داخلہ شنڈے نے تسلیم کر چکے تھے کہ ہندوستان میں دہشتگردی کے سازشی عمل میں درپردہ ہاتھ بی جے پی اور آر ایس ایس کا ہے۔ وزیر داخلہ کا یہ بیان خفیہ رپورٹس کی بنیاد پر ہے۔ اس سازشی اور سیاسی کھیل میں دہشتگردی کے حوالے سے باقاعدہ سرکاری سطح پر پہلی بار اعتراف کیا گیا کہ بھارت میں دہشت گردی کی تربیت کے کیمپ ہیں جس میں فرقہ پرستانہ فروغ کیلئے مذموم تربیت فراہم کی جاتی ہے۔ انھوں نے اعتراف کیا کہ سمجھوتہ ایکسپریس، مکہ مسجد اور مالیگاؤں میں جو دہشت گردانہ دھماکے میں بے شمار افراد ہلاک ہوئے ان کاروائیوں میں بی جے پی اور آر ایس ایس ملوث ہیں۔ سرکاری سطح تو پہلی بار یہ اعتراف سامنے

آچکا ہے لیکن، اس سے پہلے بھی متعدد مواقع پر یہ حقیقت سامنے آچکی تھی کہ بی جے پی اور آر ایس ایس بھگوا دہشت گردی (ہندو دہشتگردی) پھیلا رہی ہیں اور انھوں نے اپنی سازشی سیاست اور عمل سے بدامنی پھیلائی ہوئی ہے۔ بھارتی لیڈر آنجہانی بال ٹھاکرے کا بیان قابل غور رہا ہے کہ "جب تک ہندو بم ہندوستان میں مسلمانوں کیخلاف استعمال نہیں کئے جائیں گے اسوقت ہندوستان میں ہندوؤں کیخلاف مسلم بم بنتے رہیں گے اور استعمال ہوتے رہیں گے۔" بال ٹھاکرے کے اس بیان کے بعد بی جے پی اور آر ایس ایس کیجانب سے متشدد کاروائیاں بڑھتی چلی گئیں اور دہشت گردی کے تربیت کیمپوں میں اضافہ ہوا۔ بھارت میں گوکہ سنجیدہ طبقہ بی جے پی اور آر ایس ایس کی اس قسم کی کاروائیوں پر متفکر نظر آتا ہے اسی لئے بی جے پی اور آر ایس ایس کے مسلم نمائندوں عباس نقوی اور شاہنواز حسین کیجانب سے صفائی پیش کرنے پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے ناقابل قبول قرار دیا تھا۔ بھارت کے مرکزی معتمدِ داخلہ آر کے سنگھ نے بھی بھارت کے مختلف علاقوں میں دہشت پسندانہ حملوں میں ایسے 10 دہشتگردوں کی نشاندہی کی جو آر ایس ایس اور اُس سے ملحقہ تنظیموں سے راوبط رکھتے ہیں۔ انھوں نے سمجھوتہ ایکسپریس، مکہ مسجد (حیدرآباد) اور اجمیر درگاہ شریف میں دھماکوں کی تحقیقات میں انکشاف کیا کہ انکے پاس ثبوت موجود ہیں کہ آر ایس ایس ان واقعات میں ملوث ہے۔ آر کے سنگھ کے مطابق سنیل جوشی دیواس (متوفی) اور مہو میں 1990ء سے 2003ء تک کارکن رہنے والا

سمجھوتہ ایکسپریس واقعے میں ملوث تھا۔ سندیپ ڈانگے (مفرور)، رام جی کلسنگر مفرور) سمجھوتہ ایکسپریس، مکہ مسجد اور درگاہ اجمیر شریف کے دھماکوں میں ملوث) ہیں۔ یہ 1990ء سے 2006ء تک مہو، اندور، اترکاشی اور ساجھاپور میں آر ایس ایس کے کارکن ہیں۔ معتمد داخلہ نے آر ایس ایس کے گرفتار شدہ کارکنان لوکیش شرما، سوامی اسیمانند، ومکیش باشانی دیویندر گپتا، شندر سیکھر لیوے اور کمل چوہان کا بھی ذکر کیا جو دہشتگردی کے واقعات میں ملوث اور حکومتی تحویل میں ہیں۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ جب معتمد داخلہ آر کے سنگھ نے پہلی بار سرکاری سطح پر ہندو دہشت گردی کے حوالے سے انکشافات کئے تو آر ایس ایس نے اپنے دس کارکنان کے تعلق جڑے جانے پر آر کے سنگھ پر شدید تنقید کی۔ آر ایس ایس کے ترجمان رام مادھو کا کہنا تھا کہ بیوروکریسی کے افسر نے اپنے آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے بڑی عجلت پسندی سے مشتبہ افراد کے نام ظاہر کئے ہیں۔ آر ایس ایس نے آر کے سنگھ کیخلاف قانونی چارہ جوئی کی دھمکی بھی دی ہے۔ دوسری جانب "ہندو دہشت گردی" کی اصطلاح استعمال کرنے پر وزیر داخلہ سشل کمار شنڈے کے خلاف ایک گرم محاذ کھل گیا تھا اور عوامی دباؤ سے مجبور ہو کر کانگریس نے شنڈے کے بیان سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا"۔ بھارتی جنتا پارٹی نے بھی حکومت کو دھمکی دی تھی

کہ اگر سشیل کمار شنڈے اپنا الزام ثابت نہیں کریں گے یا معافی نہیں مانگیں تو ان کیخلاف ملک گیر احتجاجی تحریک چلائی جائے گی۔جس سے کانگریس قیادت خائف ہو گئی اور کانگریس کے جنرل سیکرٹری جناردھن وریدی کو وضاحت پیش کرنا پڑی کہ "کانگریس نے کبھی بھی "ہندو دہشت گردی "یا "زعفرانی دہشتگردی "کے الفاظ استعمال نہیں۔جناردھن وریدی نے میڈیا سے بات کرتے ہوئے یہ وضاحت پیش کی کہ اُن کے نزدیک ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وزیر داخلہ کیجانب سے شاہذ زبانی لغزش ہوئی ہے" اس لئے کہ مالیگاؤں اور مکہ مسجد دھماکوں میں جو لوگ ملوث پائے گئے ہیں ، وہ آر ایس ایس سے جڑے ہیں۔جنار دھن وریدی کے اس بیان کے بعد ، وزیر داخلہ کو بھی موقع مل گیا کہ وہ اپنے بیان سے منحرف ہو جائیں لہٰذا انھوں نے بھی اپنے جنرل سیکرٹری کے بیان کو درست قرار دیا کہ " یہ ان کی زبان کی لغزش تھی۔اے آئی سی سی نے جو کچھ کہا وہ بالکل درست ہے"۔کانگریس اور وزیر داخلہ کے بیانات کی یہ تبدیلی ایسے وقت سامنے آئی جب بھارتی وزیر خارجہ سلمان خورشید بھی سشیل کمار شنڈے کے انکشاف کے حوالے سے تصدیق کر چکے تھے۔

جنار دھن وریدی سے جب یہ پوچھا گیا کہ وزیر داخلہ نے " ہندو دہشتگردی "کا لفظ کیوں استعمال کیا ؟ تو ان کہنا تھا کہ "اُن کا یہ مطلب نہیں تھا ،کوئی بھی کانگریسی لیڈر اس طرح کا بیان نہیں دے سکتا ، بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی

اظہارِ خیال کیلئے مناسب الفاظ نہ ملنے پر زبانی لغزش ہو جاتی ہے۔اب یہ تنازعہ یہیں پر ختم ہونا چاہیے"۔یہ کہتے ہوئے کانگریس کے جنرل سیکرٹری اس بات کو بھی نظر انداز کرگئے کہ دہلی صوبہ کے کانگریس صدر اور شمالی مشرقی دہلی سے ممبر پارلیمنٹ جے پی اگروال بھی وزیر داخلہ کے بیان کی تصدیق و حمایت کرتے ہوئے کہہ چکے تھے کہ "ملک کا وزیر داخلہ کوئی بھی بات بنا ثبوت کے نہیں بولتا اور ان کے پاس مکمل ثبوت ہیں جن کی بنیاد پر انھوں نے ہندو دہشتگردی کی بات کہی ہے"۔اب چاہے بھارتی حکومت اپنے اقرار اور اعتراف پر مکر جائے لیکن دنیا پر واضح طور پر یہ بات سامنے آچکی ہے کہ بھارت میں انتہا پسندی کے تربیت کیمپ موجود ہیں۔جو ہندو انتہا پسندی کو فروغ دے رہے ہیں جس سے خطے میں امن کو خطرات لاحق ہیں۔بھارت کو ہر وقت پاکستان پر الزامات لگانے سے قبل اپنے سرزمین میں موجود اُن علیحدگی پسندوں کی جانب توجہ مبذول کرنی چاہیے جو بھارتی حکومت کی جانبدارنہ پالیسیوں کے سبب ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوئے ۔پاکستان میں ایک پولیس اہلکار سے لیکر جی ایچ کیو ، مہران بیس ،
ائیرپورٹ حملے سمیت دہشت گردی کی ان گنت واقعات ہوئے لیکن کبھی بھی بھارت کی طرح غیر سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا کہ اگلے ہی لمحے بھارت پر الزام عائد کردیا ہو۔ حالاں کہ یہ بارہا ثابت ہوچکا ہے کہ بھارت بلوچستان ، خیبر پختونخوا، سندھ ، پنجاب اور افغانستان میں پاکستان کے خلاف سازشیں کرتا رہا ہے اور ان کے آلہ کار گرفتار ہوتے رہے ہیں ۔ حال ہی

میں ایک جاسوسی ڈرون طیارے کو پاکستانی سرحد کے اندر مار گرایا گیا اور نا قابل تردید ثبوت دنیا کے سامنے لائے گئے مشرقی پاکستان کو لسانی بنیادوں پر علیحدہ کرنے کی سازشوں اور انتہا پسند کاروائیوں کے ساتھ پاکستان میں جاری پراکسی وار میں بھارتی مودی سرکار کے اعترافات کے بعد خطے میں امن کیلئے پاکستان کی برداشت کو کمزوری سمجھنے کی بھول مودی سرکار کے دماغ میں پاکستان فوبیا کی صورت میں جا گزیں ہو چکی ہے۔ دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، وہ کسی بھی شکل میں کہیں بھی کی جا سکتی ہے، لیکن بھارت کی ہندو انتہا پسند حکومت جس طرح انتہا پسندی کو فروغ دیکر خطے کے امن کے درپے ہے اور بھارتی میڈیا انتہائی منفی کردار ادا کر رہا ہے وہ یقینی قابل مذمت ہے۔

12 اگست سانحہ بابڑہ، یہ خوں خاک نشیناں تھا... ؟

کبھی کبھار تاریخ میں ایسے واقعات رقم ہو جاتے ہیں جن کی تکلیف صدیوں تک یاد رہتی ہے۔ بلاشبہ پاکستان ایک دو قومی نظریئے کے تحت وجود میں آیا اور دو قومی نظریئے کی بنیاد پر مسلم اور غیر مسلم قوم کے نام پر برصغیر کی تقسیم ہوئی۔ انگریزوں کے نمایاں دشمن مسلمان تھے کیونکہ انگریزوں نے برصغیر پر مسلمانوں کو شکست دیکر حکومت قائم کی تھی۔ جنگ آزادی کی تاریخ میں کئی کردار تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں لیکن یہ تاریخ کی بد قسمتی ہے کہ نوجوان نسل اپنی تاریخ سے صرف اس وجہ سے بے خبر رہیں کیونکہ اس کے سامنے اصل تاریخ مسخ کردی جاتی ہو۔ ایک ایسا ہی کردار خان عبدالغفار خان المعروف باچا خان بابا اور ان کی تحریک، خدائی خدمت گار تھی۔
خدائی خدمت گار تحریک عدم تشدد کی انفرادیت کی وجہ سے جنگ آزادی میں اہم مقام رکھتی ہے۔ باچا خان بابا کی سربراہی میں اس تحریک نے عدم تشدد کے فلسفے پر گامزن رہتے ہوئے اسلامی تعلیمات کے عین مطابق سماجی خرابیوں کے خلاف اور پختون حقوق کیلئے آواز اٹھائی۔ اس تحریک کے کارکنان پر کئی مواقعوں پر ہندوؤں، سکھوں اور برطانوی تشدد کا سامنا کیا۔ باچا خان بابا کا ماننا تھا کہ نبی پاک ﷺ نے اس دنیا میں آکر ہمیں یہ سکھایا ہے کہ " مسلمان وہ شخص ہے جس کسی کو بھی زبان یا اپنے فعل سے نقصان نہ پہنچائے اور

وہ خدا کی بنائی مخلوقات کیلئے فائدہ اور خوشی کا پیغام لائے، خدا کی ذات پر ایمان دراصل اس کے پیدا کئے ہوئے انسانوں سے محبت کا دوسرا نام ہے۔" یہاں اس غلط فہمی کا بھی ازالہ کرلینا چاہیے کہ باچا خان بابا نے گاندھی کا نظریہ اپنایا تھا۔ یہ قطعی طور پر تاریخ سے نابلدی پر مشتمل ہے۔ باچا خان بابا کے اپنے الفاظ میں کہ آپ نے فرمایا مسلمان یا پختون کو عدم تشدد کا حامی سمجھتے ہوئے مجھے کوئی عار محسوس نہیں ہوتے۔ یہ" کوئی نیا فلسفہ نہیں ہے بلکہ یہ تو چودہ سو سال پہلے نبی پاک ﷺ نے فتح مکہ میں ثابت "کردیا تھا، ہم دراصل نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کر رہے ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے تاریخ کی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی ضرورت ہے کہ خدائی خدمت گار تحریک پاکستان کے خلاف تھی۔ قیام پاکستان کے بعد ستمبر 1947ء میں ’سروریاب‘ کے مقام پر خدائی خدمت گار تحریک کے مرکزی قائدین نے ایک قرار داد منظور کی تھی جس میں پاکستان کو تسلیم کرلیا گیا تھا، مزید یہ کہ اس سے پہلے ریفرنڈم کا بائیکاٹ کرکے صوبہ خیبر پختونخوا کی پاکستان میں شمولیت کے ساتھ ہی پاکستان کی وفاداری کا عہد کیا گیا تھا۔ خدائی خدمت گار تحریک کے سربراہ باچا خان بابا نے پاکستان کی قانون ساز اسمبلی میں پاکستان سے وفاداری کا حلف اٹھایا اور پاکستان کو ہی اپنا وطن قرار دیا۔ خدائی خدمت گار تحریک کے کارکنان نے انگریزوں سے آزادی کیلئے قربانیاں دیں تھیں وہ

نہیں چاہتے تھے کہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد کالے انگریز ان پر حکومت کریں ۔تاہم بین السطور تحریر کا مقصد خدائی خدمت گار تحریک کی برصغیر کی آزادی کیلئے قربانیوں کو خراج عقیدت پیش کرنا ہے کیونکہ برطانوی سامراج کے خلاف تحریک آزادی میں غیر مسلح جدوجہد کا تصور ناقابل یقین سے لگتا ہے لیکن اسے خدائی خدمت گار تحریک نے ممکن بنایا۔بینرجی مکولیکا جو کہ "غیر مسلح پٹھان "کے مصنف ہیں ان کے مطابق " خدائی خدمت گار تحریک مقامی طور پر چلائی جانے والی نہایت اثر انگیز تحریک تھی اس تحریک کے دو بنیادی اجزاء تھے ، اسلام اور پشتونولی۔ عدم تشدد کا فلسفہ دراصل اسلام اور پشتونولی کی اصل روح سے ملاپ کھاتا تھا اور یہی اس تحریک کی برطانوی راج کے دوران کامیابی کی ضمانت بھی بن گیا"۔ کہا جاتا ہے کہ خدائی خدمت گار تحریک اپنے جوبن میں ایک لاکھ سے زائد غیر مسلح سرخ پوشوں کی حمایت کے ساتھ برصغیر کی آزادی کیلئے جدوجہد کر رہی تھی۔ خدائی خدمت گاروں کے جلوسوں پر گاڑیاں اور گھوڑوں کے ذریعے چڑھائی کی جاتی تھی 1930ء میں ایک موقع پر گھروال رائفل کے سپاہیوں نے غیر مسلح خدائی خدمت گاروں پر گولی چلانے سے انکار کردیا تھا۔1931ء میں 5000خدائی خدمت گاروں کو گرفتار کیا گیا۔ 1932ء میں خواتین کو مرکزی کردار دیا گیا، خواتین رضاکاروں پر تشدد کیا جاتا رہا۔برطانوی افواج نے 1932ء میں باجوڑ کے گاؤں پر بمباری کرکے باچا خان بابا کو 4000خدائی خدمت گاروں کے ہمراہ گرفتار کرلیا۔ باجوڑ پر یہ بمباری 1936ء تک جاری رہی۔

.برطانوی افواج کے اس ظالمانہ اقدام کو ایک .برطانوی افسر نے 1933ء کی تجزیاتی رپورٹ میں تحریر کیا کہ "ہندوستان مشقوں کیلئے بہترین جگہ ہے ،.برطانوی سلطنت میں شائد ایسا کوئی مقام نہ ہوگا جہاں افواج .برطانیہ کو اپنی صلاحیتوں کو ہر طرح سے آزمانے کا موقع نہ ملتا ہو، حالیہ بمباری اس کی بہترین مثال ہے۔" خدائی خدمت گاروں اور عام پختونوں کے درمیان غلط فہمیاں اور نا اتفاقی پیدا کرنے کی .برطانوی سازشیں اب راز نہیں رہی ہیں، تاریخ ان کا پردہ چاک کرچکی ہے ۔ گورنر جارج کننگھم نے اپنے تجزیاتی پرچے میں حکومت .برطانیہ کو مراسلہ 1943ء ستمبر میں ارسال کیا جس میں لکھا تھا کہ "حکومت .برطانیہ کی یہ حکمت اب تک نہایت کامیاب ثابت ہو رہی ہے ، اس کی ایک "ہی وجہ ہے کہ یہ دراصل اسلام کے گرد گھومتی ہے۔

خدائی خدمت گاروں کی اس تحریک اور مسلم لیگ کی مقامی قیادت کے درمیان کچھ عناصر نے ایسی غلط فہمیاں پیدا کیں جیسے آج تک تسلیم کرنے سے تامل .برتا جاتا ہے۔ چونکہ خدائی خدمت گار تحریک تقسیم ہندوستان کی مخالف اس لئے تھی کیونکہ وہ ایسے مسلمانوں کے درمیان تقسیم گردانتے تھے اور مسلم اقلیت ہونے کے سبب مشکلات کا شکار ہوجائے گی اس نظریئے کو اپنایا تھا، لیکن قائداعظم محمد علی جناح دو قومی نظریئے کے تحت ایک ایسی ریاست کا حصول چاہتے تھے جس میں مسلمانوں کو تحفظ حاصل ہو اور انھیں مکمل مذہبی آزادی حاصل ہو۔ درست

کہا جاتا ہے کہ تاریخ ماضی کے ہر فیصلے کو میزان میں رکھ کر پیش کرتی ہے۔ آج کل بھارت میں مسلمانوں کے ساتھ ہندو انتہا پسند حکومت جس طرح پابندیاں اور مسلمانوں کو تیسرے درجے کا شہری بنا رہی اس نے قائداعظم کے پاکستان کے حصول کو درست ثابت کر دیا۔ تاہم خدائی خدمت گار تحریک نے برصغیر کی آزادی کیلئے برطانوی سامراج کے تمام ظلم و ستم برداشت کئے۔ خدائی خدمت گار تحریک کو کچلنے کیلئے برطانوی حکومت نے طاقت کا بے دریغ استعمال کیا اور قصہ خوانی بازار پشاور میں خدائی خدمت گار تحریک کے سرخپوش سینکڑوں غیر مسلح کارکنان پر برطانوی فوجیوں نے کھلے عام گولیاں چلائی ۔ جس میں ناقابل تلافی جانی نقصان ہوا۔ بدقسمتی سے 1947ء میں تقسیم ہند کے بعد خدائی خدمت گار تحریک باقاعدہ خاتمے کا نشان بن گئی ، گو کہ خیبر پختونخوا میں خدائی خدمت گار تحریک کی کانگریسی حمایت یافتہ حکومت قائم تھی لیکن بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر گورنر خیبر پختونخوا نے اس حکومت کو برطرف کر دیا۔ ڈاکٹر خانصاحب کی جگہ عبدالقیوم خان نے وزرات اعلی کا منصب سنبھال لیا۔ تلخ حقیقت ہے کہ عبدالقیوم خان پہلے خود بھی کانگریس میں شامل تھے اور بعد میں مسلم لیگ کا حصہ بنے ۔ عبدالقیوم خان نے خان عبدالغفار خان باچا خان بابا کے درمیان روابط کو ایک سازش کے تحت منسوخ کرادیا، کاش ایسا نہ ہوتا۔ باچا خان بابا کی گرفتاری کے خلاف خدائی خدمت گار تحریک نے رہائی کیلئے پرامن احتجاج کیا جس کو کچلنے کیلئے 12 اگست 1948ء کو پشاور میں بابڑہ

کے مقام پر قتل عام کا سانحہ رونما ہوا جیسے پختونوں کا کربلا قرار دیا جاتا ہے۔ مسلم لیگ کی مقامی قیادت نے مرکزی قیادت کو اندھیرے میں رکھا۔ بابڑہ کے اس سانحے میں سے زائد شہید اور 1000 سے زائد غیر مسلح خدائی خدمت گار زخمی 600 ہوئے۔ خواتین نے قرآن پاک سروں پر رکھ کر فائرنگ رکوانے کی کوشش کی لیکن بابڑہ کے اس سانحے میں خواتین کی بھی بڑی تعداد شہید اور زخمی ہوئیں۔ بابڑہ کا سانحہ انگریز دور کے قصہ خوانی بازار سے بھی زیادہ خونی و ہولناک تھا لیکن ان دونوں واقعات میں ایک نمایاں فرق تھا کہ قصہ خوانی بازار میں جب خدائی خدمت گار شہید و زخمی ہو رہے تھے تو انگریزوں ہندستان چھوڑ دو کے نعرے ببانگ دہل لگائے جاتے تھے لیکن جب بابڑہ کا سانحہ ہوا تو اس میں پاکستان سے علیحدگی کے نعرے یا کوئی تحریک شروع نہیں ہوئی۔ تاریخ گواہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد سے اب تک پاکستانی پختونوں نے تمام تر مصائب اور ہر طرح کے حالات کا سامنا کرنے کو ترجیح دی اور کبھی پاکستان سے علیحدگی کی مسلح یا غیر مسلح تحریک نہیں چلائی۔ سیاسی طور پر ہر حکمران نے باچا خان بابا کو پابند سلال رکھا لیکن باچا خان بابا نے کبھی بھی پاکستان کے خلاف کوئی ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ پاکستان کے قیام کے بعد ایک سچے پاکستانی کی حیثیت سے پاکستان کو اپنا وطن قبول کرلیا اور ان کی جدوجہد شمالی مغربی سرحدی صوبے کے نام کی اصولی تبدیلی اور صوبائی خود مختاری کے حصول تک محدود ہو گئی۔ ون یونٹ کے خلاف اصولی سیاست کی تو سقوط پاکستان کے

سانحے کو بچانے کیلئے ایک پاکستانی کا کردار ادا کیا۔ پاکستان سے محبت اور سچے پاکستانی کے تصور کو خیبر پختونخوا کی عوام سے بہتر کون جانتا ہے، لیکن جب تاریخ کو مسخ کرکے کسی کی شخصیت کو بدنام کرنا ہو تو تاریخ میں ردوبدل کردی جاتی ہے خدائی خدمت گار تحریک پر کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ انھوں نے اپنے حقوق کی جدوجہد کیلئے کبھی بھی تشدد کا سہارا لیا ہو اور گولیوں کا جواب گولیوں سے دیا ہو۔ قیام پاکستان کے بعد سانحہ بابڑہ کا رونما ہونا پختون قوم کیلئے انتہائی تکلیف دہ اور ناقابل فراموش ہے۔ 12اگست 1948ء کا دن پختونوں کیلئے یوم کربلا سمجھا جاتا ہے لیکن پختون کل بھی پاکستان سے وفادار تھا آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا۔ سانحہ بابڑہ ناقابل فراموش حقیقت ہے ایسے ہم فراموش نہیں کرسکتے کیونکہ یہ پرامن اور حقوق کیلئے غیر مسلح جدوجہد تھی جسے طاقت سے روندا گیا۔

آزادی تو ابھی باقی ہے !!

'دو قومی نظریئے کو عام مسلمانوں اور ہندوؤں میں اس طرح متعارف کرایا گیا کہ متحدہ ہندوستان میں دو قومیں آباد ہیں، ایک ہندو اور دوسری مسلمان، دونوں کی تہذیب، ثقافت، رہن سہن اور طرز معاشرت ایک دوسرے سے جداگانہ اور الگ ہیں۔اس لئے مسلمان اپنی مقابلے میں ہندوؤں کی عددی اکثریت کے ماتحت زندگی نہیں گذار سکتے۔جہاں ان کے معاشی، اقتصادی، تہذیبی، ثقافتی اور خصوصاً مذہبی حقوق و مفادات کو خطرہ لاحق ہونگے، لہٰذا ان وجوہات کی بناء پر دو قومی نظریہ پروان چڑھا اور اسی نظریئے کے تحت دس کروڑ مسلمانوں کیلئے پاکستان کا قیام امن میں لایا گیا۔لیکن اس کے بعد اس نظریئے کا کیا حشر کیا گیا کہ دو قومی نظریئے کے تحت بننے والے ملک میں مہاجرین کی آمد پر پابندی عائد کردی گئی اور 1951ء میں پاکستان کی سرحدوں کو بھارت سے لٹے پھٹے اور قربانی دینے والوں مہاجرین کیلئے آمد کے راستے بند کردیئے۔ کوئی بھی یہ کسی طور ثابت نہیں کرسکتا کہ پاکستان صرف پنجاب، سرحد، بلوچستان، بنگال اور سندھ کی عوام کیلئے بنایا جارہا تھا، کیونکہ برصغیر پاک و ہند میں صرف ایک ہی نعرہ تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ،۔ تحریک پاکستان میں سرکردہ اور قربانی دینے والے علاقے پاکستان کے مسلم

اکثریتی صوبے کے بجائے اقلیتی صوبے تھے ، تمام تر فسادات ، تکالیف اور جان و مال کی قربانی ہندوؤں اور سکھوں کی جانب سے اُن مسلمانوں کیلئے تھی جنھوں نے دو قومی نظریئے کیلئے آواز بلند کی اور جب پاکستان کا قیام عمل میں آگیا تو پھر ان ہی لوگوں کو اُن خونی ہندو بھیڑوں کے آگے جھونک دیا ، جن کی وجہ سے قائدِ اعظم محمد علی جناح نے جد وجہد کی اور ان کی ایک آواز پر لاکھوں مسلمانوں نے پاکستان کیلئے قربانیاں دیں اور پھر ہندو سکھ انتہا پسندوں کے ہاتھوں اپنے گھربار کو چھوڑ کر اپنی عزت و آبرو کی قیامت برداشت کرتے ہوئے اُس پاکستان کی جانب روانہ ہوئے جو دو قومی نظریئے کے تحت بنایا گیا تھا ، لیکن ان پر 1951ء میں پاکستان کے دروازے بند کردیئے گئے اور بھارتی مسلمانوں کو آج تک کہا جاتا ہے کہ تم لوگوں نے تو اپنے لئے ملک حاصل کرلیا تھا تو اب ہندوستان میں کیا کر رہے ہو ؟ اور پاکستان کے نام نہاد قوم پرست کہتے ہیں کہ واپس بھارت چلے جاؤ ، ہمیں تمھارا وجود برداشت نہیں۔ دراصل دو قومی نظریہ اسی روز دفن ہوگیا تھا جب 1951 میں ہندوستان کے مسلمانوں کیلئے آزاد پاکستان کے دروازے تعصب و لسانیت اور صوبائیت کے بنیاد پر بند کردیئے گئے تھے۔ اگر برصغیر کے مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنا ہی تھا تو پھر دو قومی نظریہ کا نعرہ ان صوبوں کیلئے تو نہیں ہو سکتا جہاں پہلے ہی مسلمانوں کی اکثریت تھی ، یہ یقینی ہے کہ دو قومی نظریہ ان مسلمانوں کیلئے تھا جو ہندوؤں کے ظلم و ستم کا شکار بنتے اور انھیں مذہبی و معاشرتی آزادی حاصل

کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا، جیسے آج کے انڈین مسلمان، تیسرے درجے کے شہری بن چکے ہیں اور اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہیں۔ تحریک پاکستان کیلئے مشرقی پاکستان کے مسلمانوں نے سب سے زیادہ قربانیاں دیں، لیکن ان کے ساتھ اقلیت مغربی پاکستان کا سلوک افسوس ناک تھا دو قومی نظریئے کو پاکستان دشمن عناصر سے زیادہ پاکستان کے نام نہاد ٹھیکداروں نے ہی نقصان پہنچایا۔اسلام کا دو قومی نظریہ یہی ہے کہ ان کا اللہ ایک، رسول ایک، قرآن ایک اور یوم آخرت پر سزا وجزاایک،نماز ایک، روزہ ایک، زکوۃ ایک، حج ایک، شرم وحیا اور روایات کے مطابق لباس کی مخصوص شرع ایک، قرآن کریم کے ابدی اور لازوال قوانین ایک،اللہ کو ایک جان کر اس کیلئے سجدہ ریزی ایک، تو پھر بالحاظ قوم امت مسلمہ، اپنے دائمی اصولوں کے تحت ایک تھی اس لئے اکابرین پاکستان نے ہندوؤں کے تمدن اور رہن سہن عبادات رسوم وراج کے تعین کرکے یہ فیصلہ کیا کہ مسلمان اپنی کمزور تعلیم اور معاشرے میں عددی قوت کی کمزوری کی وجہ سے ہندوستان میں پس سکتے ہیں اس لئے ان کیلئے دو قومی نظریئے کے تحت جداگانہ مسلم مملکت کا مطالبہ کردیا اور بڑی خوں ریزی اور جدوجہد کے بعد ایک ایسا ٹکڑا حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے جہاں دو قومی نظریئے کے تحت پاکستان کو ساری دنیا کیلئے مثالی بناسکیں۔دو قومی نظریئے کے تحت بننے والے ملک میں پھر لسانیت کیوں، صوبائیت کیوں، قوم پرستی کیوں ہے؟ بھارت کے مسلمان بے یارو مددگار کیوں ہیں، پاکستان میں قربانی دینے

والوں کو واپس بھارت یا سمندر میں پھینکنے کی دھمکیاں کیوں دی جاتیں ہیں، ان کو بھی پاکستانی تسلیم کرنے کے بجائے، دوسرے درجے کا شہری اور انھیں شک و شبے سے کیوں دیکھا جاتا ہے۔ دو قومی نظریئے کے تحت بننے والے ملک میں انڈیا سے ستائے جانے والے اور بنگلہ دیش میں سقوط ڈھاکہ کے بعد محصورین پاکستانیوں کو واپس کیوں نہیں لایا گیا۔ پاکستان کیلئے لڑنے والے کل ہیرو تھے تو یہ کون سا دو قومی نظریہ ہے کہ آج اساس پاکستان کے سب سے بڑے حامی اور قربانی دینے والے مشرقی پاکستان سے بنگلہ دیش میں ڈھل کر دو قومی نظریئے کے بجائے قوم پرستی کے ترانے گاتے ہیں۔ ہمیں یہ سب ٹھنڈے دل سے سوچنا ہوگا کہ سندھ، پنجاب، بلوچستان اور خیبر پختونخوا میں کیا سب دو قومی نظریئے کے تحت سیاست کرتے ہیں یا پھر لسانیت، صوبائیت یا قوم پرستی کو ترجیح دیتے ہیں، خیبر پختونخوا سے کوئی وزیر اعظم کیوں نہیں بن سکتا، سندھ میں اردو بولنے ولا وزیر اعلی بننے کیلئے کس طرح خود کو دو قومی نظریئے کے کسوٹی پر پورا اتارے ؟۔ یہاں دو قومی نظریہ کہاں گیا ؟۔ دو قومی نظریہ ایک خوش نما خواب ضرور ہے مجھے موجودہ پاکستان میں لسانیت، صوبائیت، فرقہ واریت اور قوم پرستی تو نظر آتی ہے، دو قومی نظریہ کہیں نظر نہیں آتا۔ جشن آزادی تو منا رہے ہیں لیکن حقیقی آزادی کا وہ خواب جو قائد اعظم نے دیکھا تو وہ کب حاصل ہوگی۔ اس کی منزل ابھی کافی دور ہے۔ جب تک ارض پاک سرزمین پر عصبیت، لسانیت، صوبائیت، فرقہ واریت، نسل پرستی اور فروعی

مفادات موجود رہیں گے، پاکستان کو حقیقی آزادی میسر نہیں آسکتی۔ پہلے ہم اپنی منزل کا تعین کرلیں پھر آزادی کا جشن بھی منالیں گے۔ کیونکہ ابھی آزادی ہوئی کہاں ہے؟۔

19اگست یوم استقلالِ افغانستان

افغانستان جس کے جنوب و مشرق میں پاکستان، مغرب میں ایران ، شمال اور مشرق میں چین ، شمال میں ترکمستان، ازبکستان اور تاجکستان واقع ہیں۔ جس طرح افغانستان ایک تاریخی ، مذہبی اور ثقافتی تعلق رکھتا ہے اسی طرح افغانستان کے اپنے پڑوسیوں سے بھی گرہے تاریخی علاقات ہیں۔افغانستان کی سرزمیں ایرانیوں، یونانیوں ، عربوں ، ترکوں ، برطانیوں ، روسیوں اور حالیہ امریکہ کی جارحیت کا شکار رہامگر افغانی قوم نے بیرونی طاقت کے خلاف بھرپور مزاحمت کی۔ ایک ملک کے طور اٹھارویں صدي کے وسط میں احمد شاہ درانی کے دور میں یہ ابھرا، اگرچہ بعد درانی سلطنت کے کافی حصے ارد گرد ممالک کے حصے بن گئے۔8اگست 1919ء میں امان اللہ خان نے انگریزوں کے صوبہ سرحد میں واقع لق و دق بے آب وگیا و چھوٹے سے شہر تھل پر قبضہ کرلیا،1949ء میں پاکستان نے تھل ڈیولپمنٹ پروجیکٹ بنایا، اس طرح اامان اللہ خان کے قبضے کے تیس برس بعد آبادکاری شروع ہوئی۔1990ء میں شاہ امان اللہ خان کی قیادت میں انگریزوں سے افغانستان آزاد ہوا، جس کے بعد افغانستان صحیح معنوں میں ایک ملک بن کر ابھرا، مگر انگریزوں کے دور میں اس کے بیشتر علاقے حقیقت میں آزاد ہی تھے اور برطانیہ کبھی اس پر مکمل قبضہ نہیں رکھ سکا۔

19اگست 1922ء کا دن یوم

آزادی کے طور پر منایا جاتا ہے۔ جبکہ 22 نومبر 1922ء کے دن افغانستان کی آزادی تسلیم کرکے ماہانہ سولہ ہزار روپیہ وظیفہ مقرر کردیا جو موجودہ وقت کے مطابق ماہانہ چار کروڑ روپیہ سے زائد بنتا ہے۔ بعض پختون افغان قوم پرست امان اللہ خان جیسے انگریز دشمن غیور حکمران کیلئے وظیفہ کے نام پر وصول رقم پر اظہار ناراضگی کرتے ہیں کہ اگر امان اللہ خان اس رقم کو قبول نہ کرتا تو اچھا ہوتا، بلکہ امیر یعقوب خان کے امیر بننے کے دن سے 21 فروری 1879ء سے 21 نومبر 1921ء تک یعنی ساڑھے اکتالیس برس۔

گو کہ 19 اگست کا دن افغانستان کیلئے انگریزوں سے آزادی کا دن قرار دیا گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ افغانستان کی آزادی کا دن بدھ 22 فروری 1708ء ہے یعنی جب میرویس غلزئی نے اسے ایران کے قبضے سے آزاد کرکے آزاد افغان کی بنیاد رکھی تھی۔ افغان قوم کی مکمل تاریخ دیکھی جائے تو 1738ء سے آج تک ترسٹھ سال سے زیادہ غیر پائیدار، نیم یا مکمل بیرونی جارحیت کی وجہ سے افغانستان کے کچھ حصوں پر بیرونی طاقتیں قابض رہ چکی ہیں۔ افغانستان عملی طور پر گذشتہ 36 سال سے زائد مسلسل حالت جنگ میں ہے، افغانستان کو تباہ و برباد کردیا گیا ہے، کئی نسلیں تباہ ہوگئیں۔ افغانستان کے پاس تیل یا دوسرے وسائل کی کمی ہے مگر اپنی جغرافیائی حیثیت کے سبب وہ وسطی ایشیا، جنوبی ایشیا اور مشرق وسطی کے درمیان واقع ہے اسی وجہ سے جنگ لحاظ سے استعماری طاقتوں نے ہمیشہ اپنا قبضہ

جمانے کیلئے افغانستان کی سرزمین پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی بھی تادیر تک اس مملکت پر قابض نہیں رہ سکا کیونکہ یہاں کی غیور قوم نے بیرونی طاقتوں کو کبھی مضبوط ہونے کا موقع نہیں دیا، نتیجے میں اس ملک کو کبھی بھی لمبے عرصے کیلئے امن نصیب نہیں ہوسکا۔642ء میں مسلمانوں نے اس علاقے کو فتح کیا مگر یہاں کے حکمران علاقائی لوگوں کو ہی بنایا۔ پہلے یہ حکمرانی خراسانی عربوں کے پاس رہی،998ء میں محمود غزنوی، جسے 1146ء میں غوریوں نے شکست دیکر غزنی تک محدود کردیا، یہ سب مسلمان تھے مگر 1219ء میں چنگیز خان منگولوں نے افغانستان کو تاراج کیا، ہرات، غزنی اور بلخ کو مکمل تباہ کردیا، بعد میں منگول خود مسلمان ہوگئے حتیٰ کہ تیمور نے چودھویں صدی میں ایک عظیم سلطنت قائم کرلی، اسی کی اولاد سے شہنشاہ بابر نے کابل کو سولہویں صدی کے شروع میں پہلی دفعہ اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ شمالی حصہ پر ازبک، مغربی حصے پر ہرات سمیت ایرانی صفویوں اور مشرقی حصہ پر مغل اور پشتون قابض رہے،1709 میں پشتونوں نے میرویس خان ھوتک کی قیادت میں صفویوں کے خلاف جنگ لڑی اور 1719ء میں ایرانی بادشاہ نادر شاہ نے انھیں واپس دھکیلااور ان کے قبضے سے تمام علاقے چھڑائے حتیٰ کہ 1738 میں قندھار اور غزنی پر بھی قبضہ کرلیا جو 1747 تک جاری رہا۔پشتونوں اور فارسی بولنے والوں کی یہ کشمکش آج بھی جاری ہے حالانکہ دونوں مسلمان ہیں۔

امیر دوست محمد خان نے کابل کی حکومت 1826ء میں سنبھال کر روس اور ایران سے تعلقات بڑھانا شروع کئے کیونکہ پنجاب پر سکھ قابض ہو چکے تھے اور انگریزوں نے اپنی روایتی چالاکی مکاری کے ہاتھوں مجبور ہو کر سکھوں اور دہلی کے شاہ شجاع کے ساتھ ملکر افغانستان میں سازشوں کے جال بُننا شروع کردیئے تھے۔ حالاں کہ دونوں بظاہر انگریزوں کے دشمن تھے لیکن شاہ شجاع انگریزوں کی جانب سے کابل کر قبضے کے سبز باغ کے جھانسے میں آچکا تھا۔ انگریز، روسیوں سے خائف تھا اس لئے اس نے افغانستان میں اپنا اثر قائم کرنے کیلئے مکارانہ سازش بنائی جیسے " عظیم چالبازیوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انگریزوں نے دو جنگیں لڑیں(The Great Game) " پہلی جنگ 1842-1839)) اس وقت ہوئی جب ایرانیوں نے ہرات کو لوگوں کے، ساتھ ملکر انگریزوں اور روسیوں کو افغانستان سے بے دخل کرنے کیلئے افواج پورے ملک میں روانہ کیں، انگریزوں نے کابل پر قبضہ کرکے دوست محمد خان کو گرفتار کرلیا، لیکن افغانیوں نے برطانوی فوج کے ایک حصے کو مکمل طور پر قتل کردیا جو سولہ ہزار افراد پر مشتمل تھی جس میں داستان سنانے کیلئے صرف ایک فرد کو زندہ چھوڑا گیا، انگریز مدتوں اس زخم کو چاٹتا رہا اور مجبوراً انگریزوں نے دوست محمد کو رہا کردیا، بعد میں دوست محمد خان نے ہرات کو بھی فتح کرلیا، دوسری جنگ 1878-1880 اس وقت ہوئی جب امیر شیر علی نے برطانوی سفارت کاروں کو کابل میں رہنے کی اجازت نہیں دی، اس جنگ کے بعد انگریزوں کی ایما پر 1880ء میں امیر عبدالرحمٰن نے

افغانستان کا اقتدار حاصل کرلیامگر عملاً حکومت کے خارجی معاملات انگریزوں کے پاس رہے۔اسی اثر کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریزوں نے افغانستان کے ساتھ سرحدوں کے تعین کا معاہدہ کرلیاتاکہ افغان قوم منقسم ہو کر کمزور ہوجائے ، امیر عبدالرحمٰن کے بیٹے امیر حبیب اللہ اغانستان کے بادشاہ بنے ، افغانستان میں مغربی مدرسے کھلے ، اثربڑھا اگرچہ بظاہر انگریزوں نے افغانستان کو ایک آزاد ملک کے طور تسلیم کیا۔ 1907ء ، میں امیر حبیب اللہ خان نے انگریزوں کی دعوت پر برطانوی ہند کا دورہ بھی کیا اور اس عمل کو سخت ناپسند کیا گیا اور امیر حبیب اللہ کو اس کے رشتے داروں نے 20فروری ء کو قتل کردیا ، اس کے قتل کے بعد امیر امان اللہ خان بادشاہ بن گیا اور 1919 انگریزوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی مگر 19اگست 1919 کو اس کے اور انگریزوں کے درمیان راولپنڈی میں ایک معاہدہ ہوا جس میں انگریزوں نے افغانستان پر اپنا کنٹرول ختم کیا اور اختیار واپس کردیا اسی وجہ سے افگانستان کی یوم آزادی کادن 19اگست ءکے طور پر 2007ء میں یوم استقلال یا جشن کابل منایا گیا۔جس میں ایک 1919 بڑی سرکاری تقریب میں پاکستان کے صدر ، وزیر اعظم ، گورنر بلوچستان خیبر پختونخوا اوپر پختون قوم پرست رہنماؤں کے علاوہ افغان جرگہ کے 600 اراکین نے بھی شرکت تھی۔ لیکن کیا واقعی یہ افغنستان کی آزادی کا دن ہے ، تاریخ افغان تو یہ ثابت نہیں کرتی ۔ ماضی کی سینکڑوں سال کی تاریخ میں جھانکنے کے بجائے اپنے حال پر ہی نظر ڈال لیتے ہیں کہ 27 دسمبر سال 1979ء روسی جارحیت) ماسکو میں ببیرک کارمل

کا افغانستان میں اقتدار حاصل کرنے کا دن)کے اگلے ہی دن 85ہزار روسی افواج نے افغانوں کی آزادی ختم کردی اور بعد میں پندرہ لاکھ سے زائد افغان جاں بحق ہوئے، لاکھوں عورتیں بیوہ، بچے یتیم، اور لاکھوں جسمانی معذور اور ذہنی مریض بن گئے، ستر لاکھ افغانی افغانستان سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔یا پھر 27دسمبر1996ء جب ملا محمد عمر نے افغانستان سے فرنگیوں کے نمائندوں کو قائم کرکے خلافت کی بنیاد رکھنے چاہی یا پھر دنیا کے نزدیک مذہبی انتہا پسندوں کی خلافت ہونے کا دن جب 16اپریل 2001ء امریکہ نے افغانستان کی آزادی ختم کرکے حامد کرزئی کو 22دسمبر2001ء میں اپنے نمائندے کی حیثیت سے افغانستان کا صدر بنا دیا۔افغانستان حقیقی معنوں میں آزاد کب ہوا کب آزادی سلب ہوئی، کب اس پر قبضہ ہوا اور پھر اس کی آزادی ہوئی، کیا اب بھی افغانستان آزاد ہے، لیکن دسمبر کا مہینہ افغانستان کی تاریخ میں آزادی و جارحیت کا مہینہ ضرور ہے۔آج افغانستان، پاکستان کیلئے حامد کرزئی کی پالیسی دوبارہ اپنا رہا ہے۔لیکن اس کا کیا فائدہ، افغانستان پر ہمیشہ بیرونی جارحیت ہوتی رہی ہے ۔ایران، یونانیوں، عربوں، ترکوں، ،برطانیوں، روسیوں اور حالیہ امریکہ نے ہی افغانستان کو تاراج کیا ہے، پاکستان اپنی خارجہ پالیسی استعماری طاقتوں سے آزاد کرانے میں مصروف ہے اس مرحلے پر افغانستان کو پاکستان کا ساتھ دینا چاہیے تاکہ افغانستان کے ساتھ پاکستان بھی امریکہ، بھارت، روس اور ایران کے افغانستان کے غلبے کی منصوبہ بندیوں

سے آزاد ہوگے۔ پر امن افغانستان اور پر امن پاکستان کی حقیقی آزادی جب ہی کہلائی جائے گی جب بیرونی استعماری طاقتیں پاکستان اور افغانستان کو اپنی سازشی منصوبوں اور جارحیت سے باز آجائیں۔

چانکیہ ’کوٹلیا‘ کا فلسفہ کالم

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک شخص نے، کسی دوسرے کے متعلق کہا
کہ وہ بڑا نیک اور شریف آدمی ہے تو آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم اس کے پڑوس
میں رہے ہو، اس نے کہا نہیں، پھر آپ نے پوچھا کہ کیا تم اس کے ساتھ کوئی کاروبار
کیا ہے، اس نے کہا کہ نہیں، پھر پوچھا کہ کیا تم نے اس کے ساتھ کبھی سفر کیا ہے، جب
اس نے اس پر بھی کہا کہ نہیں، تو آپ نے ڈانٹ کر کہا کہ پھر تم نے اسے مسجد میں سر
اٹھاتے اور سر جھکائے دیکھا ہوگا اور اس سے یہ فیصلہ کرلیا کہ وہ بڑا نیک اور شریف
انسان ثابت ہو۔ دراصل یہی آج کی ہماری سیاسی پالیسیاں ہیں کہ ہم سب کچھ جانتے
بوجھتے بھی انجان بن جاتے ہیں یا پھر نوجوانوں کے اذہان میں یہ بات سما جاتی ہے کہ
فلاں ملک سے، فلاں قوم سے ہمیں کیا لینا دینا، ہمارا ان سے کیا واسطہ، ماضی چھوڑو
اور مستقبل کی جانب چلو۔ زیادہ تر مخالفبھارت کے معاملے میں الجھن پیدا کرتی ہے کہ
جب پاکستان میں، پاکستان کا مطلب کیا، کے مفہوم کو ہی تبدیل کردیا گیا ہو تو موجودہ
پاکستان و بھارت میں دشمنی کیوں بڑھائی جائے اور ایسے پاکستان کا کیا فائدہ، جس میں
انھیں وہ آزادی نہیں، جو ان کے تئیں، بھات یا امریکہ میں ہے۔ مسئلہ یہ ہے
جانوروں میں پہچان کیلئے فطرت نے ان خُو

ڈال دی ہے اور وہ چہرے کو دیکھ کر سمجھ جاتی ہیں کہ سامنے جو جانور آ رہا ہے وہ بکری ہی ہے شیر نہیں ، اور جب شیر سامنے آتا ہے تو یہ بات بھی باآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ شیر درندہ ہے جس کا کام ضرر پہنچانا ہے۔ لیکن انسانوں میں یہ صورت حال مختلف ہے یہاں انسان دوسرے انسان کو اس کے افعال ، اقوال اور عملی اقدامات سے ہی پہچان سکتا ہے کہ ان کے سامنے جو انسان کھڑا ہے وہ کسی خونخوار درندے سے بھی زیادہ خطرناک ہے یا کسی بھی لومڑی سے بھی زیادہ چالاک ۔ ہمارے نوجوان انہیں بھی انسان ہی سمجھتے ہیں جو اپنے پیکروں کے پیرہن میں مہیب و اثر دار یا مکار لومڑیاں ہیں۔ پہلے ہم اکھنڈ بھارت کے اساسی سیاسی اصولوں کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ آخر اس کی طرز سیاست میں تبدیلی واقع کیوں نہیں ہو رہی۔ ہندوؤں کی ساری تاریخ ، اگر اس بھان متی کے تاریخ کہا جاسکے ، صرف ایک سیاسی فلاسفر پیدا ہوا ہے ، نام تو اس کا چانکیہ تھا لیکن وہ اپنے آپ کو نہایت فخر سے ' کوٹلیا کہتا تھا اور ہندو بھی اسے اسی لقب سے پکارتے ہیں ، کوٹلیا کے معنی ہیں " مکار اور فریب کار " ۔ انہوں نے اصول سیاست پر ایک کتاب لکھی ، جس کا نام ارتھ شاستر ہے۔ چونکہ یہ کتاب سنسکرت میں تھی جس کی وجہ سے ہندو جاتی ، اس میں درج شدہ اصولوں سے فیضاب نہیں ہو سکتی تھی ، اسی لئے اس کا انگریزی ترجمہ شائع کیا گیا جس میں سیاست کے جو اصول بطور ضابطہ ، ہدایت دیئے گئے ہیں وہ قابلغور ہیں۔

پہلا اصول ۔ حصول اقتدار اور ملک گیری کی ہوس کبھی ٹھنڈی نہ ہونے پائے۔

دوسرا اصول: ۔ہمسایہ سلطنتوں سے وہی سلوک رکھا جائے جو دشمنوں سے رکھا جاتا ہے۔ تمام ہمسایہ سلطنتوں پر ہمیشہ کڑی نگرانی رکھی جائے۔

تیسرا اصول:۔ غیر ہمسایہ سلطنتوں سے دوستانہ تعلقات قائم کئے جائیں۔

چوتھا اصول:۔ جن سے دوستی رکھی جائے ان سے دوستی میں ہمیشہ اپنی غرض پیش نظر رہے اور مکارانہ سیاست کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔

پانچواں اصول:۔ دل میں ہمیشہ رقابت کی آگ مشتعل رکھی جائے، ہر بہانہ سے جنگ کی چنگاریاں سلگائی جاتی رہیں، جنگ میں انتہائی تشدد سے کام لیا جائے حتیٰ کہ خود اپنے شہریوں کے مصائب و آلام کی بھی پروانہ کی جائے۔

چھٹا اصول:۔ دوسرے ملکوں میں مخالفانہ پراپگنڈا، تخریبی کاروائیاں، ذہنی انتشار پیدا کرنے کی مہم جاری رکھی جائے، وہاں اپنے آدمی ناجائز طریقہ سے داخل کرکے ففتھ کالم بنایا جائے اور یہ سب کچھ مسلسل انداز سے کیا جائے

ساتواں اصول:۔ رشوت اور دیگر اسی قسم کے ذرائع سے اقتصادی جنگ جاری رکھی جائے اور دوسرے ملکوں کے آدمیوں کو خریدنے کی کوشش کی جائے

آٹھواں اصول:۔ امن کا خیال تک بھی دل میں لایا جائے خواہ ساری دنیا تمہیں اس پر مجبور کیوں نہ کرے۔

عزیزانِ من یہ ہیں مختصراً الفاظ میں سیاست کے وہ اصول جو بھارت کے ایک

مہاتما نے انہیں دیئے ۔ یہ مہاتما ان کے ست جگ کے زمانے کے پیداوار تھے ، یعنی وہ زمانہ جس میں (ان کے عقیدے کے مطابق بھارت میں) سچائی کا دور تھا، اس کے بعد کل جگ میں ایک اور مہاتما پیدا ہوئے جنہیں گاندھی جی کہا جاتا ہے۔ان کی کیفیت قائدا عظم خود اس طرح بیان کرتے ہیں ، قائدا عظم نے مسلم اسٹوڈینٹس فیڈریشن جالندھرا کے اجلاس منعقدہ ۱۹۴۳ء) میں پبلک پلیٹ فارم سے کہا تھا کہ " مشکل یہ) ہے کہ گاندھی کا مقصد وہ نہیں ہوتا جو زبان سے کہتے ہیں اور جو ان کا در حقیقت مقصد ہوتا ، اُسے کبھی زبان پر نہیں لاتے۔ "اسی طرح انھوں نے اگست ۱۹۴۵ء میں اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ "ہمیں جس حریف سے پالا پڑا ہے وہ گرگٹ کی طرح اپنا رنگ بدلتا رہتا ہے، جب ان کے (یعنی گاندھی کے) مفید مطلب ہوتا ہے وہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ کسی کے نمائندہ نہیں ، وہ محض انفرادی حیثیت سے گفتگو کر رہے ہیں وہ کانگریس کے چار آنہ کے ممبر بھی نہیں، اور جن ضرورت ہوتی ہے تو سارے ، ہندوستان کے واحد نمائندہ بن جاتے ہیں ، جب اور حربوں سے کام نہی چلتا تو مرن بھرت رکھ لیتے ہیں ، جب کوئی دلیل بن نہیں پڑتی تو "اندرونی آواز" کو بدل لیتے ہیں ، کہیئے کہ ایسے شخص سے ہمکس طرح بات کر سکتے ہیں ، وہ تو ایک چیستان ہیں ، معمہ " ہیں۔

کوٹلیا کے طرز سیاست اور دوسرے مہاتما گاندھی کی سیمابی کیفیت نے ہی پاکستان کے وجود ہمیشہ خطرے میں رکھا ہوا ہے۔ حصول اقتدار کی ہوس میں

68 سال گزر جانے کے باوجود پاکستان کو واپس متحدہ ہندوستان بنانے کی خواہش بھارت سے ختم نہیں ہو سکی اور اس کی یہی جبلت کشمیریوں کو حق خود اداریت دینے میں حائل ہے کیونکہ ملک گیری کی ہوس کو وہ ٹھنڈی نہیں رکھنا چاہتے ۔ کوٹلیا کی سیاست کے دوسرے اصول کے تحت پاکستان کے ساتھ بھارت کا سلوک دشمنوں سے بھی بدتر ہے اور کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا جس میں پاکستان کو نقصان نہ پہنچاسکے، افغانستان کے داخلی معاملات میں کھلی مداخلت کے ساتھ پاکستان میں شر انگیزیاں کوٹلیا سیاست ہے۔

کوٹلیا کا تیسرا اصول دیکھ لیں کہ ہمسایوں سے دشمنی بڑھائی جائے اور اپنی غرض کی پیش نظر پاکستان دشمن ممالک سے دوستی مضبوط کی جائے۔ بھارت کے غیر ہمسایہ ممالک سے دوستی کا معیار خطے میں ہتھیاروں کی دوڑ اور پاکستان کی سلامتی کو نقصان پہنچانا ہے۔ کوٹلیا کے چوتھے اصول میں بھارت نے مکارانہ سیاست کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا، جہاں وہ مجبور ہوا کہ اس کی عالم میں سبکی ہو رہی ہے یا پھر کسی ورلڈ آرگنائزیشن میں پاکستان کے ساتھ دوستی کے پیغامات کی ضرورت ہے تو ہونٹوں پر مسکراہٹ آجاتی ہے۔ لیکن رات ڈھلتے ہی سرحدوں پر بے گناہوں کے خون سے پاک سرزمین لبریز کردی جاتی ہے۔ کوٹلیا کے پانچواں اصول نہایت قابل غور ہے کہ بھارت میں ہونے والی جتنی متشدد واقعات رونما ہوئے وہ خود ہندو انتہاپسندوں نے کروائے جس سے بھارتی عوام میں خوف و

ہراس پیدا ہوا، سمجھوتہ ایکسپریس، ممبئ حملہ، پارلیمنٹ حملہ، سمندری کشتی حملہ، گورداس پور پولیس اسٹیشن حملہ سمیت ان گنت واقعات، جس میں خود ہندو انتہا پسند تنظیمیں ملوث پائی گئیں، بغیر کسی شواہد کے بھارتی میڈیا کے ذریعے جنگ اور اشتعال کی چنگاری کو بجھنے نہیں دیا جاتا اور آگ کے شعلوں کو مزید بڑھا دیا جاتا ہے۔ کوٹلیا سیاست کے چھٹے اصول کے تحت پاکستان، بھارت کی مخالفانہ پراپیگنڈا اور تخریبی کاروائیوں کی آ جامگاہ بنا ہوا ہے، بلوچستان، کراچی، خیبر پختونخوا اور پنجاب میں دہشت گردی کے واقعات اور دہشت گرد تنظیموں کی سپورٹ کے ٹھوس شواہد کسی سے ڈھکے نیول ایئر بیس، ایئر فورس، ایئر پورٹ، GHQ چھپے نہیں رہے۔ حالاں کہ پاکستان میں حساس ادارے، قانون نافذ کرنے والے افسران اہلکار، سیاسی افراد، سمیت اہم، شخصیات کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا لیکن کبھی بھی بھارتی میڈیا کی طرح بغیر کسی ٹھوس شواہد کو حاصل کئے عوام میں اشتعال پیدا کرنے کیلئے براہ راست بھارت پر الزام نہیں لگایا گیا۔ کوٹلیا کا ساتواں اصول ہی دراصل بھارت کی جانب سے پاکستان کی معاشی شہ رگ اور اقتصادی معیشت کو نقصان پہنچانا اور مفلوج کرنا رہا ہے۔ پاک، چائنا اقتصادی راہداری معاہدہ، افغانستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات اور بین الاقوامی معاشی جائزے میں پاکستان کی معاشی صورتحال کی ترقی کو امریکہ سے بہتر بتائے جانا، بھارت کے سینے پر سانپ کی طرح لوٹ رہا ہے اور اسی اصول

کے تحت پاکستان میں اپنے زر خرید غلاموں کے ذریعے انارکی و بدامنی پھیلانے کی سازشوں کے تحت ایسے پاکستانیوں کو خرید لیا گیا ہے، جن کی رگوں میں بھارت کی رشوت کا خون دوڑ رہا ہے۔اور حاصل جمع کوٹلیا کا آٹھواں اصول کہ امن کا خیال تک بھی دل میں لایا جائے خواہ ساری دنیا تمہیں اس پر مجبور کیوں نہ کرے۔چانکیہ ' کوٹلیا' کے انہی اصولوں کی سیاست کو بھارت نے اپنے دل و دماغ پر حاوی کیا ہوا ہے۔سرسری جائزے سے ہی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ بھارت گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والا جانور ہے جہاں انسان جانوروں سے بھی بدتر حالت میں ہیں، شائد اب کسی نادان دوست کو بھارت سے دوستی کا مطلب سمجھ میں آ سکے۔

ستمبر: ابھی تو سوئے تھے مقتل کو سرخرو کرکے06

بھارتی انتہا پسند حکومت کوئی ایسا موقع نہیں جانے دیتی جس میں تشدد، جھوٹ اور انتشار نہ ہو۔ 6 ستمبر 1965ء کی جنگ میں پسپائی کے باوجود "موذی سرکار" کی جانب سے 'فتح کا جشن' منانے کا سرکاری اعلان کیا گیا ہے۔ یہ اعلان بھارتی انتہا پسند جارحیت پسند ملک کے صدر پرنب مکھرجی نے دار لحکومت دہلی میں دہلی گیٹ پر آنجہانی یادگار پر پھولوں کی چادر چڑھا کر کیا۔ حیران کن بات یہ ہے کہ بھارتی ہندو انتہا پسند حکومت اپنے مرنے والے فوجیوں کیلئے شہید کا لفظ استعمال کرتی ہے حالانکہ خالصتاً اسلام میں مسلمانوں کے لئے 'اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کو شہید کا درجہ قرار دیا ہے'۔ اسلام کے علاوہ شہید کی درست تعریف کسی بھی دوسرے مذہب میں نہیں ہے۔ اور پھر ہندو مذہب میں 'شہید' کا متبادل ہی موجود نہیں ہے، لیکن ڈھٹائی کے ساتھ اسلام کا سب سے بڑا درجہ 'شہادت' کو ہندو انتہا پسند سمیت دیگر غیر مسلم بھی اپنے لئے استعمال کرنے لگے ہیں۔ بھارتی انتہا پسند حکومت کو خود بھارتی ناقدین کی تنقید کا بھی سامنا ہے۔ بہرحال چھ ستمبر ٦٥ء کا دن پاکستان کیلئے یوم دفاع تھا اور کامیاب یوم فتح منانے کا حق بھی پاکستان کو ہی حاصل ہے کیونکہ اگر بھارت کو فتح حاصل ہوئی ہوتی تو آج بھارتی میجر جنرل نرنجن پرشاد کی جیپ اور ڈائری کی نمائش نہ ہوتی جو

جی او سی ۱۵ انڈین ڈویژن کے فرار کے بعد ۱۸ بلوچ رجمنٹ نے واہگہ سیکٹر سے قبضے میں نہ لی ہوتی۔ پاکستان پر حملے میں بھارتی نے دعوی کیا تھا کہ ' لاہور جم خانہ میں جشن فتح ' منائیں گے۔ ایک غیر ملکی نیوز چینل نے تو بھارت کے بڑے بول دعوے کو نشر بھی کر دیا تھا اور آج کل اسی حوالے سے پاکستان مخالف مضامین کو نمایاں طور شائع بھی کر رہا ہے اور تاریخ کو مسخ کرنے کی سازش سے باز نہیں آ رہا۔ جنگ ستمبر میں پاک افواج کے کامیاب دفاع پر پاکستان کی عوام فخر کرتی ہیں اور پاکستانی عوام نے اپنے تمام اختلافات بھلا کر اپنے سے کئی گنا فوج کو مسل کر رکھ دیا تھا۔ تین ہفتوں تک جاری رہنے والی اس جنگ میں بھارت کو عبرت ناک شکست ہوئی تھی۔۔ بزدل فوج کے رات اندھیرے میں حملے کو پاکستان نے زوردار انداز میں جواب اس طرح دیا کہ بھارت نے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لئے پراکسی وار میں پاکستان میں ایک قوم کے اتحاد کو زبان کی بنیاد پر تقسیم کرا دیا۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان، دو قومی نظریئے کے تحت انگریزوں و ہندوؤں کی غلامی سے آزاد ہوئے تھے۔

تقسیم ہند کے بعد سے ہی باونڈری کمیشن کی جانبداری کی وجہ سے پاکستان کے کئی سرحدی علاقوں میں نوزائیدہ پاکستان کو کمزور کرنے قائد اعظم محمد علی جناح کو کرم خوردہ پاکستان دیا گیا۔ پاکستان، بھارت کے درمیان تمام مسائل میں مسئلہ کشمیر سب سے بڑا مسئلہ رہا ہے، اسی مسئلے کی وجہ سے پاکستان چار

جنگیں بھارت سے لڑ چکا ہے۔ لیکن مسئلہ کشمیر کے علاوہ دوسرے سرحدی تنازعات بھی ساتھ ساتھ چلتے رہے ہیں جس میں ایک Rann of Kutch کا مسئلہ تھا۔ بھارت کی شر انگیزیاں اور سرحد پار بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ 8ء اپریل 1965ء میں سرحدی خلاف ورزیاں عروج پر پہنچ چکی تھیں، 6 ستمبر 1965 کی رات بھارت نے پاکستان پر اعلان جنگ کئے بغیر حملہ دیا ان پاکستان بے حملہ نہ صرف روک کر پسپا کر دیا بلکہ 1200 کلومیٹر بھارتی علاقہ پر قبضہ بھی کر لیا۔ پاکستانی فضائیہ اور توپخانے کی لڑائی کے دوران پاکستانی دفاع نے کلیدی کردار ادا کیا۔ اقوام متحدہ کے زیر نگرانی جنگ بندی عمل میں آئی اور معاہدہ تاشقند کا اعلان ہوا، پاکستان نے بھارتی جارحیت کے بعد لئے گئے مفتوحہ علاقہ واپس کر دیا۔ لائبریری آف کانگریس کے ملکی مطالعہ جات، جو امریکی وفاقی تحقیقی ڈویژن نے، کے مطابق جنگ غیر نتیجہ خیز ثابت ہوئی، اگرچہ پاکستان افواج اور بھارت جارحیت محض رولینا ہی اس دعوے کے تردید کیلئے کافی ہے۔ پاکستان بھارت کی جانب سے جارحانہ فکر سے بخوبی واقف تھا، جس کا نتیجہ بھارت کی جانب سے اچانک پاکستان پر لاہور پر حملہ کی صورت میں نکلا اور بھارت انتہا پسند اتنے پُر اعتماد تھے کہ اپنے فتح کا اعلان بھی کر دیا کہ لاہور جم خانہ میں فتح کا جشن منائیں گے لیکن بھارتی میجر جنرل نرنجن پرشاد کو اپنی جیپ اور ڈائری چھوڑ کر فرار ہونا پڑا، جو آج تک اس بات کا ثبوت ہے کہ پاکستانی افواج نے اپنی سرزمین کا کامیاب دفاع کیا اور بھارتی

نےHarold wilson جارحیت کو سبوتاژ کیا۔جون 1965ء میں برٹش پرائم منسٹر ٹریبونل بنایا تھا جس میں فیصلے کے مطابق 1968 میں آیا، پاکستان کو رن آف کچھ گجرات بھارت) کا 910 کلومیٹر (اسکوئر میل)کا علاقہ دے دیا گیا تھا۔ گو کہ پاکستان) کے علاقے کو اپنا حق سمجھتا ہے۔ یہ فیصلہ بھارت کیلئے نا قابل برداشت جنگ کا 9100 اہم سبب بنا مدفاع پاکستان میں کشمیریوں کو درگاہ حضرت بل کی بے حرمتی نے شدید مشتعل کردیا تھا اور بھارتی پارلیمان کی جانب سے پیش کردہ قانون کی وجہ سے بھی کشمیر کے مسلمانوں میں شدید اضطراب پایا جاتا تھا۔دفاع پاکستان میں ، پاکستانی افواج نے بھارتی بزدلوں کو ایسا سبق دیا کہ بھارت کو دیگر ممالک سے مدد لینا پڑی۔ سوویت اتحاد کے وزیر اعظم الیکسی کوسیجن نے ثالثی کا کردار ادا کیااور 4 جنوری 1966ء کو مستقل تصفیے کی کوشش کے طور پر تاشقند، ازبک سویت اشتراکی جمہوریہ، سوویت اتھاد موجودہ ازبکستان) میں اجلاس منعقد کیا گیا۔تاشقند کانفرنس کے نتیجے اقوام متحدہ،) امریکہ اور سوویت اتحاد کے دباؤ پر ہوئی اور پاکستان، بھارت نے اپنی سرحد اور کشمیر میں 1949ء کی جنگ لائن کو بحال کرنے پر راضی کرلیا۔ اس معاہدے پر ایوب خان کے خلاف عدم اطمینان اور احتجاجی مظاہرے ہوئے۔جبکہ بھارت وزیر اعظم بھارت کی شکست کی بنا پر اتنے دل گرفتہ ہوئے کہ اگلے دن ہی دل کا دورہ پر جانے کی وجہ سے انتقال کر گئے۔ کیونکہ تاشقند معاہدے میں کشمیر میں کوئی جنگ کا معاہدہ یا گوریلا جنگ کی کوئی بھی شق شامل نہیں تھی جس پر

اس معاہدے کو بھارت میں شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ بھارت اور اس کے حواری چاہیے جتنا مکارانہ پروپیگنڈا کریں، لیکن دنیا نے دیکھا ہے کہ ایک لاکھ فوج کے مقابلے میں پاکستان کی ساٹھ ہزار افواج اور کئی گنا زیادہ ہتھیاروں والے اُس ملک کو شکست دی جسے 1962 میں چین بھی بُری طرح شکست دے چکا تھا۔ لیکن بھوکی، تن پر ایک کپڑے پہننے والی گندھے کچروں سے بھی پیٹ نہ بھرنے والی اور افلاس زادہ کروڑوں بے گھر فٹ پاتھوں پر سونے والی عوام پر امیر طبقے کے ہاتھوں گاڑیوں سے کچل کر ہلاکت سے بچانے کیلئے زندگی کی بنیادی اور بہتر سہولت مہیا کرنے کے بجائے جنگی جنون میں مبتلا بھارتی انتہا پسند حکومت نے پاکستان پر ایک چھوٹا ملک سمجھ کر بزدلانہ حملہ کیا لیکن چھوٹے ملک کی بڑی عوام نے فوج کے شانہ بہ شانہ ملکر ایسی جنگ لڑی اور پاکستان کا ناقابل تسخیر دفاع کیا کہ آج بھی اسے اپنے زخم کو چھپانے کیلئے جھوٹے سہاروں کی تلاش لینی پڑتی ہے۔ اپریل 1965 میں رن آف کچھ کے مقام پر ایک مختصر جنگ بھی لڑی گئی، جس طرح آج کل بھارتی فوج کے سربراہ نے نام نہاد جشن فتح کی ایک تقریب میں دوران خطاب چھوٹی جنگوں کیلئے دھمکی دی۔ بھارت اتنا تو سمجھ چکا تھا کہ پاکستان کو زمینی محاذ پر شکست دینا ناممکن ہے اس لئے اس نے مشرقی پاکستان میں اپنے سازشوں کو تیز کردیا اور وہی حالات پیدا کردیئے جو آج بلوچستان، سندھ اور خیبر پختونخوا میں ہیں۔ بھارت میں چلنے والی علیحدگی پسند تحریکوں کی جانب سے، یا پھر خود بھارتی خفیہ ایجنسیوں

کی اپنے ہی ملک میں اپنے ہی ملک میں دہشت گردی کا ملبہ ہر بار پاکستان پر ڈالنے کی ناکام کوشش کی جاتی رہی ، لیکن بھارتی انتہا پسند حکومت کا وہی میڈیا جو جنگ کو ہوا دیتا ہے ، اپنی پھیلائی سازش کی ناکامی کا ذمے دار بھی بن جاتا ہے۔ گورداس پور واقعہ ، سمجھوتہ ایکسپریس ، قصاب کیس ، پارلیمنٹ حملہ کیس کے علاوہ مہاتما گاندھی ، اندرا گاندھی ، راجیو گاندھی کے قتل کا ذمے دار بھی پاکستان کو سمجھنے سے عار نہیں سمجھتا ، اس لئے آپریشن جبرالٹر ہو یا اپریشن کارگل ، سیاچن یا سرحدوں پر مسلسل گولہ باریاں یا پاکستان میں ملک دشمن عناصر کی دہشت گرد کاروائیوں کیلئے سرپرستی سمیت ہر معاملے میں بھارت کا خود معصوم بن جانا اور پاکستان کو ہی مورد الزام ٹھہرانا ، موذی سرکار کی سرشت اور بھارتی تاریخ کا حصہ ہے۔ جشن فتح کے نام پر بھارت کا 28 اگست سے دو ہفتے تک تقریبات کا آغاز بھارت کی عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنا ہے انھیں حقیقت سے دور لے جانا ہے۔ اس سازش میں جنگ ستمبر میں بھارت کی فتح کے ترانے گانے والے بھی شامل ہیں تو بھارت نواز ، پاکستان میں لابی بھی کسی سے کم نہیں ، جو 1947 سے 2015 تک مسلسل دفاع پاکستان پر پاک فوج کے خلاف ہرزہ سرائی سے باز نہیں آرہے۔

پاکستان نے صرف جنگ ستمبر میں ہی پاکستان کا کامیاب دفاع نہیں بلکہ قیام پاکستان سے لیکر آج تک پاکستانی افواج ، پاکستانی عوام کے ساتھ سرزمین

پاکستان کی ایک ایک انچ کا دفاع کر رہی ہے۔پاکستان قیام پاکستان سے لیکر آج بھی حالت جنگ میں ہے۔آج بھی ملک کے چپے چپے میں بھارت کے پھیلائے ہوئے دہشت گردوں کے خلاف عسکری طاقت بے پناہ قربانیاں دی رہی ہیں۔ لیکن جہاں جہاں مفاد پرست سیاست دانوں اور ان کے حواریوں پر ضرب غضب پڑتی ہے تو وہ بلبلا اٹھتے ہیں اور پاک فوج کے خلاف غیر ملکی نشریاتی اداروں کی مدد سے پروپیگنڈا کرتے نظر آتے ہیں۔نام نہاد دانشوروں کو پاک فوج کی قربانیاں پر لکھنے پر تکلیف ہوتی ہے اور سوشل میڈیا میں نوجوان اذہان میں پاکستان کی اساس اور 68 سالہ حالت جنگ کو خطا اور پاکستانی افواج کو ٹھہرانے میں " انوکھا انکشاف " خوشی محسوس کرتے ہیں بصورت دیگر پاکستان کے کامیاب دفاع پر بھارت کے اس پروپیگنڈے کی حمایت کرتے ہیں کہ پاکستان بہت جلد اکھنڈ بھارت کا حصہ بن جائے گا۔جمہوریت کے حامی ، آمریت کے خلاف ہوتے ہیں لیکن اپنی غلطیوں کو درست کرنے کی کبھی کوشش نہیں کرتے۔ پاک فوج کا کام ہی ملکی سرحدوں اور اساس کی نگہبانی ہے۔عوام کی نظریں قیام امن کیلئے فوج کی جانب رہتی ہیں۔ پھر سیاسی جمہوری حکومتیں بھی اپنی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کیلئے اہم دفاعی اداروں پر تمام ملبہ ڈالنے کی سازشیں کرتی ہیں۔پاکستان مسلسل حالت جنگ میں پاکستان کے کونے کونے میں ملکی اور غیر ملکی دشمن عناصر سے پاکستان کا کامیابی سے دفاع کر رہا ہے۔فتح کا جشن پاکستان کی عوام و حکومت کو ماضی کی روایات سے بھی بڑھ کر منانا چاہیے تاکہ آج کی نسل حقیقی تاریخ سے آگاہ ہو۔

آنکھیں بم، دل ڈرون ہوگیا

{ بدلتے زمانے اور بدلتے انداز تبدیل ہوتے نظر آتے ہیں۔ اس کا ایک مظاہرہ پشتو فلم 'غدار' میں ہے جس میں مشہور ہیرو ارباز خان پر مقبول گلوکار رحیم شاہ کی آواز میں پکچرائز فلم 'استرگی دے رواڑو، پہ زڑہ مہ بمباری اوکا، شابا تباہی اوکا' کا گانا، "آؤ سب تباہ کردو" میں وہ ہیروین سے فرمائش کرتے نظر آتے ہیں کہ "آؤ میری آنکھوں میں دیکھو اور سب کچھ تباہ و برباد کردو" اور ہیروئین جواب دیتی ہے، میرا دل 'بم' جیسا ہے، تم آؤ اور سب تباہ کردو۔

بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی بلکہ ہیرو گانے میں دنیا کو اپنی ہیروئین کی خوبیوں سے آگاہ کراتے ہوئے کہتا ہے، "میری لیلیٰ کی آنکھوں میں 'بم' ہیں، میری لیلیٰ مجھے ان 'بموں سے مارتی ہے۔

لیلیٰ، شرما کر جواب دیتی ہے کہ "میں آنکھوں سے وار کرتی ہوں، میری آنکھیں اتنی ہی ہلاکت خیز ہیں جتنا کہ ڈرون "

پشتو شاعری میں تشدد کا عنصر خطے میں جاری کئی عشروں سے شامل ہوئی ہے۔ ایک پشتو شعر کا ترجمہ ہے کہ "

ترجمہ : آؤ میرے کفن کی گرہیں کھول کر دیدار کرلو

وہ آنکھیں آج بند ہیں جن سے تم شرمایا کرتے تھے۔

شمالی وزیر ستان میں جب پر تشدد کاروائیاں بڑھتی چلی گئیں تو وہاں کے ایک مقامی شاعر
،، زوہیب وزیر جو پہلے شعر لکھتے تھے

ترجمہ : تم میرا ارمان ہو
ارمانوں سے کھیلا نہیں جاتا
آجاؤ، تم میری جان ہو
، اپنی جان سے کھیلا نہیں کرتے

اور جب شمالی وزیر ستانی سے نقل مکانی کرکے آئے تو یوں کہنے لگے کہ۔۔ " جو مجھے
، مارنا چاہتا تھا
تو نے مجھے انہی کے در کا ملنگ بنا دیا۔

حالات انسان کی سوچ بدل دیتے ہیں جہاں عشقیہ اور محبت کی شاعری ہوا کرتی تھی وہاں اب محبت کے صندوق گھروں میں بارود کی آگ سے جل اٹھے ہیں ، ذلف و رخسار کی داستانیں ، محبوب سے ملنے کی باتیں سب کچھ بارود میں جھلس کر جیسے رہ گیا ہو۔

رحمان بابا سے کون واقف نہ ہوگا ، حمان بابا کے حلقہ اثر میں بہت شاعر گذرے ہیں۔ عبدالحمید مہمند پشتو شاعری میں ایک نئے مکتب کا موسس ہے ، فارسی مثنوی وقصہ" شاہ و گدا "کا پشتو مثنوی میں ترجمہ کیا ، قلندر آفریدی کی شاعری سرتاپا عشق ہے ، مصری خاں گگیانی مختلف اصناف سخن کا قادر الالکلام شاعر ہے جبکہ احمد شاہ بابا جو" احمد شاہ ابدالی" کے نام سے مشہور ہیں صحیح معنوں

میں خوشحال خاں بابا کا جانشین سمجھا جاتا ہے۔ان کا دایون نوائے احمد کے نام سے شائع ہو چکا ہے اس عہد کے دیگر شعرا میں امحزاللہ خان مہمند، کاظم خان شیدا اور علی خان ہیں۔

وہ کہتے تھے۔

کرد گلونہ کڑہ چی سیمہ دی گلزار شی

اغزی مہ کرہ پہ خپو کے بہ دے خار شی

ترجمہ: پھولوں کی فصل اگاؤ کہ راستے گلزار ہو جائیں

کانٹے مت بوؤ کہ پیروں میں چھبیں

۔ایک جگہ اور کہتے ہیں کہ

،، آدمیت سہ بہ دولت نہ دے رحمانہ

بت کہ جوڑ شی د سروزرونہ انسان شہ۔۔۔

ترجمہ:. انسانیت دولت سے پیدا نہیں ہوتی ، رحمان

بت سونے کا ہو تو بھی انسان نہیں بن جاتا۔

پشتو ادب میں، خوشحال خان بابا نے پشتو غزل کا مقام بہت بلند کیا۔پشتو ادب کے درمیانی دور 1772-1638 میں خوشحال خان خٹک کا بڑا اثر ہے جنھیں "بابائے پشتو" کہا جاتا ہے، خوشحال خان بابا نے پشتو غزل کا مقام بہت بلند کیا ان کی تصانیف وتالیف کی تعداد سو کے لگ بھگ ہے۔ جن میں بازنامہ، فضل نامہ، دستار نامہ، ہدایہ اور آئینہ معلوم و معروف ہیں۔ خوشحال خان خٹک بابا کی

ایک شوخ غزل کا ایک شعر ہے۔

سو پہ باغ کے لایو گل د نو بہار شتہ

دَ بلبلو د طوطیانو پرے چغار شتہ

ترجمہ :جب تک باغ میں نو بہار کا ایک بھی پھول باقی ہے عنادل اور طوطوں کے چہچے" رہیں گے "۔

شیخ ملا دے زما غم پہ بہار نہ خوری

چی رباب او سریندے غوندے غم خوار شتہ

ترجمہ : شیخ و ملا کو وقتِ بہار میری فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ رباب اور" سارنگی جیسے غم خوار موجود ہیں"۔

جبکہ متاخرین کے دور1772-1900ایک جنگ وجدال کا دور تھا جس کی وجہ سے اس کا اثر شعر وادب پر بھی پڑا۔اور کلاسیکی شاعری ماند پڑ گئی ، اسکی جگہ عوامی گیتوں نے لی آزادی ، وطن اور شجاعت کے کارناموں کا اظہار بن گیا۔لیکن غزل اپنی ترقی کے مدارج برابر طے کرتی رہی۔

غزل گو شاعر میں تیمور شاہ جو احمد شاہ ابدالی کا بیٹا تھا اردو اور فارسی کے نو دیوان بھی انھوں نے ورثے میں چھوڑے۔ پیر محمد کاکڑ ، محمد رفیق ، حافظ رحمت اللہ ، نواب محبت خان ، سعادت یار خان ، دوست محمدی صاحبزادہ ، قاسم علی آفندی ، نواب رحمت خان، بیدل ، میآن نعیم،حافظ الپوری ، احمد کلاچوری ، عب العلی اخوانزہ ، نورلادین ، ملا مقصود اور حافظ عبدالعیم قابل ذکر شاعر

وادیب تھے جنھوں نے پشتو نثر و شاعری کی ترقی کی راہ میں اپنے کارناموں سے ایسی تصانیف تحریر کیں جو سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

دور جدید کے شعرا میں غلام محمد پوپائی اور سید راحت خیلی نشاۃ ثانیہ کے علمبردار مانے جاتے ہیں۔ راحت پہلے شخص ہیں جنہوں نے پشتو تراجم کے ذریعہ اقبال کے افکار کو پشتو بولنے والوں کو متعارف کرایا۔ نوجوان شعرا میں ایاز داؤ وزے، اجمل خٹک، ولی محمد، قلندر مومند، عفران اللہ جاوید اور مطیع اللہ ناشاد قابل ذکر ہیں۔ جبکہ جدید تعلیم یافتہ طبقے نے اعلیٰ پایہ کے اہل قلم اور محقق پیدا کئے۔ مثلاً امیر حمزہ شینواری، مولانا عبدالقادر، محمد اشرف مفتون، عبدالاکبر فضل رحیم ساقی، محمد نواز خٹک، میاں احمد شاہ اور میاں شہپر رسول، ، ڈاکٹر عبداللہ جان، پریشان خٹک، میاں عبدالرزاق، محمد اسلم خاں خٹک، عبدالکریم مظلوم، سمندر خان سمندر، پروفیسر عبدالرحیم نیازی، انوار الحق، ڈاکٹر احسان اللہ خان، پروفیسر محمد ادریس اور قاضی ندرت اللہ وغیرہ شامل ہیں۔

پشتو ادب میں صحافت کی ابتدا 1905 کے لگ بھگ ہوئی سب سے پہلے ہفتہ وار "افغان" کے نام سے سید مہدی علی شاہ نے پشاور سے جاری کیا جو پشتو اور اردو دونوں زبانوں سے شائع ہوتا تھا، سید راحت زخلی موجودہ دور کے ممتاز صحافی مانے جاتے ہیں۔

عہد حاضر میں دہشت گردی کی جاری لہر نے مقامی ادبی میدان کی ہیت کو کافی حد

تک تبدیل کردیا ہے اور اب ایسی کوئی کتاب نہیں ملتی کہ جس میں خیبر پختونخوا کی سرزمین پر بم دھماکوں اور خودکش حملوں کے نتیجے میں بے گناہ افراد کے بہتے خون کا ذکر نہ ہو۔تاہم عسکریت پسندوں کے ہاتھوں بے گناہ افراد کی خستہ اور اعضا بریدہ لاشوں پر مضطرب شاعروں نے مشاعروں کی روایت کو زندہ رکھا ہوا ہے۔

موجودہ حالات کے تناظر میں پختون کلچر کے حوالے سے تصویر کا وہ رخ دنیا کے سامنے لایا جائے جو موجودہ دور میں پختون، ماسوائے دہشت گرد، انتہا پسند اور شدت پسند سمجھنے کے تصور سے بالا ہے۔ایک دہائی پر مشتمل شدت پسندی اور انتہا پسندی کے منفی اثرات پختون ثقافت پر اثر انداز ہیں۔

مشہور پشتو شاعر اکبر سیال کہتے ہیں۔

چاچے خدے ثبا کولو پہ تسبحو پہ دانو۔
ن ہغہ خلق د سرنوں کاروباری کوی

ترجمہ : "جو لوگ تسبیح کے دانوں پر خدا کا ذکر کیا کرتے تھے ، وہ لوگ آج سروں کا کاروبار کر رہے ہیں"۔

جدید دور 1900 کے بعد میں پشتو ادب اپنے ارتقا کے کئی منازل طے کرچکا تھا، اب نئی سیاسی تحریکوں کے ساتھ علمی و ادبی میدان میں بھی نو ڈالی گئی ، انگریزی زبان اور مغربی ثقافت کے اثرات نے پشتو زبان کو نئی جہتوں سے روشناس کرایا، اس دور کے شعرا و ادبا نے غم دوسش کیساتھ فکر فردا کو بھی

موضوع قلم بنایا اور اس طرح پشتو ادب جدید دور کی فکر و نظر کا ترجمان بن گیا۔

دور حاضر میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم امن کے پیغام کے ساتھ محبت اور بھائی چارے کے اس پیغام کو عام کریں، جو اب ناپید ہوتی جا رہی ہے۔ ہمارے معاشرے میں ہونے والی تبدیلیاں اگر، آنکھوں اور دل میں بم اور ڈرون کے حملوں کے تذکروں سے آنے شروع ہو گئی تو پھر بہتر ہے کہ میں یہ کہہ دوں۔۔۔

آؤ میرے کفن کی گرہیں کھول کر دیدار کر لو

وہ آنکھیں آج بند ہیں جن سے تم شرمایا کرتے تھے۔

غیر قانونی و جعلی بھرتیاں ، میرٹ کا قتل

جرائم کا خاتمہ کرپشن کی روک تھام اور قانون کی بالا دستی ، سیاسی مداخلت کی بنا پر محض ایک خواب بن گیا ہے۔ ایف آئی اے جیسے ادارے میں ڈائریکٹر اور اسٹنٹ ڈائریکٹر کے عہدوں پر بہت سے ایسے افسران تعینات ہوئے جو فیڈرل سروس کمیشن کا امتحان دیئے بغیر گریڈ16,17 میں بھرتی ہو گئے ،وزیر اعظم نواز شریف کے خلاف بھی غیر قانونی بھرتیوں کا کیس نیب میں زیر التوا ہے ، جو نیب کے مطابق ابھی تک بند نہیں کیا گیا ، ڈپٹی چیئرمین اور تین ڈی جیز پر مشتمل کمیٹی اس معاملے کو کئی سالوں سے دیکھ رہی ہے۔اسلام آباد ہائی کورٹ نے ایف آئی میں غیر قانونی اور سیاسی بھرتیوں کیخلاف دائر کیس میں وفاق وزارت داخلہ ، ایف آئی اور دیگر کو ، رٹ پیٹشن 15/1801 کے تحت نوٹس جاری کئے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ڈی آئی جی ایس پی آر پی آفتاب پٹھان نے آئی جی سندھ کو ایک لیٹر کے ذریعے نے پولیس میں 500 اہلکاروں کی غیر قانونی بھرتیوں کا انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ قانونی تقاضے پورے کئے بغیر کانسٹیبلوں کو بھرتی کیا گیا اشتہار بھی نہیں دیا ان اہلکاروں کو تنخواہ کہاں سے ملے گی اس کا ذمے دار کون ہے ، خط میں ایس ، ایس آر پی سکھر کیخلاف محکمہ جاتی کاروائی کی درخواست بھی کی گئی۔ وفاقی وزارت پیداوار کے ماتحت ادارے "اینار پیٹرو ٹیکسروس لمیٹڈ" کے مینجنگ

ڈائریکٹر ثنا اللہ شاہ کی جانب سے پابندی کے باوجود 2010 ء میں بغیر اشتہار دیئے غیر قانونی بھرتیوں کا انکشاف ہوا لیکن ایم ڈی کے خلاف کاروائی کے بجائے سیاسی دباؤ پر انہیں ان کے عہدے پر پھر بحال کر دیا گیا تھا۔2014ء میں جھڈو تعلقہ کونسل میں نوکریوں پر پابندی کے باوجود سیاسی دباؤ اور افسران کی رشوت خوری کے سبب غیر قانونی بھرتیاں کیئں گیئں۔کونسل کے ملازمین جاوید کانی و دیگر نے بتایا کہ کونسل کا بجٹ کا 85 فیصد حصہ ملازمین کی تنخواہوں پر ہی خرچ ہو جاتا ہے، مزید بھرتیوں سے تعلقہ کونسل کا دلوالیہ نکل چکا ہے۔ جمعیت علمائے اسلام کے صوبائی ڈپٹی سالار صلاح الدین نے انکشاف کیا کہ چترال لیویز میں 25 فروری تک بے روزگار نوجوانوں کو درخواستیں دائر کرنے کا کہا گیا لیکن اس قبل ہی 30 جنوری 2015ء کو میرٹ اور قانون کے بغیر کثیر تعداد میں غیر قانونی طور پر بھرتی کر لیا گیا۔ ڈپٹی کمشنر نے تصدیق کہ حکام بالا کے حکم پر براہ راست نوجوان بھرتی ہوئے تھے۔ چیف سیکرٹری گلگت بلتستان یونس ڈاگا نے غیر قانونی اساتذہ کو گھر بھیجنے والی ضلع سکردو نے محکمہ تعلیم میں غیر قانونی بھرتیوں کی جب تحقیقات کیلئے کمیٹی تشکیل دیکر ابتدائی رپورٹ پیش کی تو سیاسی رہنماؤں میں بے چینی پھیل گئی۔اسی طرح دیامر میں غیر قانونی بھرتیوں کا اسکنڈل جنوری 2015ء میں سامنے آیا کہ 99 افراد غیر قانونی و غیر مقامی بھرتی کیے گئے، اصل متاثرین کی حق تلفی ہوئی، طلبا اتحاد کونسل کے رہنماؤں نے بتایا کہ دیامر بھاشہ ڈیم میں بغیر اشتہار غیر

قانونی بھرتیاں کرکے میرٹ کی دھجیاں اڑائی گئیں اور کوئی سنوائی کرنے والا نہیں۔
سپریم کورٹ نے جب گریڈ 16 کے سابق ٹرانزیشن آفیسر، سہون کو ہٹایا گیا تو انکشاف ہوا کہ سابقہ دور حکومت میں گریڈ ایک سے گریڈ 10 تک 443 ملازمین غیر قانونی طور پر بھرتی ہوئے، 443 ملازمین کے علاوہ آفس اسٹنٹ نے ایک سو زائد آڈر اپنے رشتے داروں میں تقسیم کئے، مسلمانوں کو سینٹیری ورکر ریگولر کیا گیا، ملازمین کی بھاری تعداد کی تنخواہوں کے سبب سہون میں ترقیاتی کام متاثر ہوئے۔ سیکرٹری تعلیم سندھ فضل اللہ پیچوہو نے بتایا کہ 2012ء کے بعد محکمے میں غیر قانونی بھرتیاں ہوئیں اور ایسے افراد کو مقرر کیا گیا جن کا ٹیچنگ سے کوئی واسطہ نہیں، نیب حکام اس پر تحقیقات کر رہے
ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ ایک معاملہ ایسا بھی آیا تھا کہ ایک پرائمری ٹیچر نے انگوٹھا لگا کر تنخواہ ووصول کرتا تھا، گھوسٹ سکولوں اور گھوسٹ ملازمین کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو غیر قانونی بھرتی ہوئی، یہ سب رشوت اور سفارش کے تحت کیا جاتا ہے۔ صنعتکاروں کے مطالبے پر سندھ انڈسٹریل اسٹیٹ لمیٹڈ (سائٹ) میں سیاسی بنیادوں پر غیر قانونی بھرتیوں اور ترقیوں کا اسکینڈل سامنے آیا جس میں چند سالوں میں سینکڑوں افراد کو غیر قانونی بھرتی کیا گیا۔ سندھ انڈسٹریل اسٹیٹ لمیٹڈ (سائٹ) کی دس سالہ آڈٹ کا مطالبہ اور گوسٹ ملازمین کو بھرتی کرنے والوں کے خلاف کوئی کاروائی تاحال نہیں کی جاسکی ہے۔ 2013ء میں پاکستان اسپورٹس بورڈ میں گریڈ ایک سے 17 گریڈ کے تین سو ملازمین کی بھرتی میں 150 سے

زائد غیر قانونی بھرتیوں کا انکشاف ہوا جس میں ملازمین کی بھرتی میں تعلیمی کوائف اور عمر کی حد تک کو نظر انداز کر دیا گیا۔ متعدد ملازمین، میر ہزار خان بجارانی، پیر آفتاب شاہ اور میر اعجاز جکھرانی کے دور میں ہوئے اس کا انکشاف وزیر بین الصوبائی رابطہ ریاض پیرزادہ کو دی گئی بریفنگ میں ہوا، وزرات بین الصوبائی رابطہ نے غیر قانونی بھرتیوں کی تحقیقات شروع کیں لیکن ذرائع کے مطابق ہنوز آج تک ملازمین سابق وزرا کے گھروں میں کام کر رہے ہیں اور تنخواہ سپورٹس بورڈ سے لے رہے ہیں۔ لاتعداد غیر قانونی بھرتیوں کی ایک طویل ترین فہرست میں واٹر بورڈ، کے ایم سی، کے ڈی اے، تحصلیں، ٹاؤن کونسلیں سرکاری ہسپتالوں اور دیگر قومی اداروں کی بھی ہے، لیکن سیاسی اثر رسوخ کی بناء پر باقاعدہ کوئی کاروائی نہیں کی جاتی کیونکہ ایسے سیاسی ایشو بنا دیا جاتا لیکن اس کے علاوہ سیاسی بنیادوں پر جعلی تقرر نامے دینے کا بھی انکشاف ہوا ہے۔ گذشتہ دنوں سندھ کے محکمہ بلدیات میں جعلی بھرتیوں کا انکشاف ہونے کے بعد 100 سے زائد ملازمین کو نوکریوں سے برطرف کر دیا۔ یہ بھریاں سیاسی سفارش پر گریڈ 1 سے گریڈ 14 تک 2012 سے 2013 کی گئی تھیں۔ محکمے کو نو کروڑ روپے کا نقصان ہوا، سندھ ایمپلائز سوشل سیکورٹی انسٹی ٹیوشن میں جعلی تقرر ناموں کا ایک بہت بڑا اسکینڈل ابھی تک انصاف کا منتظر ہے۔ گریڈ 2 سے گریڈ 16 تک کے متاثرین اپنے تقرر ناموں کے ساتھ ابھی تک در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ اندرون سندھ، سوشل سیکورٹی آفسوں اور اسپتالوں میں منصوبہ

بندی کے تحت سینکڑوں نوجوانوں کے تقرر ناموں کو جعلی قرار دیکر نوجوانوں کا مستقبل داؤپر لگا دیا گیا۔16 مارچ 2013ء کو سندھ حکومت کے خاتمے سے قبل محکمہ محنت میں ایک ہزار سے زائد نوکریوں کے آرڈر تیار کئے گئے لیکن ان تقرر ناموں پر دستخط کرنے والے مجاز ڈائریکٹر ایڈمنسٹریشن (میڈیکل) علی اکبر پلیجو اورڈائریکٹر ایڈمنسٹریشن جنرل) امیر حیدر رکی مسلسل غیر حاضریوں کے سبب 13 مارچ 2013ء کوان کی جگہ) سابق صوبائی وزیر محنت امیر نواب نے چیف سیکرٹری کوٹری سرکل اشتیاق خٹک اور کراچی سے علی اکبر منگی ڈائریکٹر لانڈھی ڈائیکوریٹ کراچی کو ایڈیشنل چارج دے دیا۔ ٹرانسفر اور پوسٹنگ پر کمشنر سیسی اور وزیر محنت امیر نواب کے دستخط موجود ہیں ،اصل تقرریاں کس طرح جعلی بن جاتی ہیں اس پر ایک ادارے کا مختصراً تجزیہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ سیسی کے کورنگ باڈی کے 138 ویں اجلاس کے ایجنڈے کے صفحہ نمبر17 میں اسکیل 2تا سکیل 19 نوکریوں کی اجازت دی گئی اور پھر سندھ ایمپلائر سوشل سیکورٹی انسٹی ٹیوشن نے قومی اخبارات میں باقاعدہ اشتہار دیا اور اس میں ان تمام گریڈ کے INFملازمیں کے لئے طریق کار وتاریخ 31 مئی 2012 مقرر کی گئی ۔ایک اشتہار ڈائریکٹر ایڈمنسٹریشن کے کمشنر نے جاری کیا جبکہ ایک اشتہار ڈاکٹر KRY -2261 12 -INF علی پلیجو ڈائریکٹر ایڈمنسٹریشن میڈیکل کے کمشنر نے قومی اخبارات میں جاری کیا۔ نمبر کے تحت مختلف گریڈ کیلئے اشتہار 23 مئی 2012ء کو جاری ہوا KRY2300/12 جس میں سیسی ہیڈ آفس کے لئے 05 جون 2012ء تک

درخواستیں طلب کی گئی تھی۔اس کے بعد 25 مئی 2012اور 25 مئی 2012ء کی مشتہر اسامیوں کیلئے قومی اخبارات میں ٹیسٹ شیڈول کیلئے 27 تا28 جون 2012ء سہ پہر گیارہ بجے سے دوپہر بارہ اور ساڑھے تین بجے کا وقت دیا گیا۔ تمام مراحل کے بعد منتخب امیدواروں کوآفر لیٹر جاری ہوئے جس میں جوائنگ کیلئے جگہ بتائی گئیں لیکن پھر یکدم سارے عمل کو جعلی قرار دے دیا گیا۔حیران کن بات یہ تھی کہ چیف میڈیکل آفسر کوٹری سرکل اشتیاق خٹک اورڈائریکٹر سوشل سیکورٹی کراچی علی احمد منگی نے بھی دستخطوں کو جعلی قرار دے دیا اور دوسری جانب یونین کے احتجاج پر سیکرٹری محنت نے ایکشن لیتے ہوئے مبینہ چیف میڈیکل آفسر کوٹری سرکل اشتیاق خٹک اورڈائریکٹر سوشل سیکورٹی کراچی علی احمد منگی کو فوری طور پر چارج چھوڑنے کا حکم دیتے ہوئے اپنے حکم میں کمشنر نے محکمہ کے تمام ڈیپارٹمنٹس،Admin2013/ 1637SS نامے نمبر ڈائریکٹرمیڈیکل ، سپریٹنڈنٹ اور سرکل چیف آفیسر کے دستخطوں سے جاری لیٹر پر کوئی کاروائی نہیں کی جائے۔ متاثرین نے متعدد اداروں میں درخواستیں دیں لیکن ہمیشہ کی طرح معاملات سرد خانے میں ڈال دیئے گئے۔ تمام تر قانونی طریقے کار پر عمل درآمد کے بعد تقرریاں کا جعلی ہونا حیران کن عمل ہے۔ ان اسامیوں کیلئے دوبارہ قومی اخبارات 2 جون 2015 کو اشتہارات جاری کئے گئے حالانکہ ان اسامیوں کے ٹیسٹ اور انٹرویو کئے جانے کے بعد آفرلیٹر اور جوائنگ لیٹر بھی جاری ہوچکے تھے۔ دوسری جانب ابھی تک سندھ کی تحقیقاتی کمیٹیاں سراغ نہیں لگا سکی ہیں کہ

سینکڑوں تقرر نامے جیسے جعلی قرار دیا گیا اس کے ذمے دار کون تھے اور کیا یہ تقرر نامے کسی خاص مقصد کے تحت جاری کئے گئے تھے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ جن افسران نے یہ دستخط کئے خود اپنے دستخطوں کو جعلی قرار دیکر معاملے کو سرد خانے میں کیوں ڈال دیا۔ چیف سیکرٹری سندھ، وزیر محنت محکمہ انسداد رشوت ستانی کی معنی خیز خاموشی نے اس بڑے اسکینڈل پر سوالیہ نشان کھڑا کردیا ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں جعلی دستخطوں سے تقرریوں میں دستخطوں کی فرانزک جانچ کیوں نہیں کرائی گئی اور جعلی دستخط کو فرانزک نتیجے کے لئے کیوں بھیجا نہیں گیا۔ جبکہ سوشل سیکورٹی کے ذرائع نے تصدیق کی کہ یہ تمام تقرریوں پر دستخط اصلی ہیں اور من پسند تحقیقات میں بیانات کی آڑ لیکر اس معاملے کو ابھی تک سرد خانے میں ڈالا ہوا ہے۔ سوشل سیکورٹی ایڈوائری کمیٹی کے رکن ڈاکٹر سلیم طاہر نے تصدیق کرتے ہوئے کہا تھا کہ اتنی بڑی تقرریوں کے ہونے اور جوائننگ رپورٹ دینے کے عمل سے افسران بے خبر ہوں یہ ہو ہی نہیں سکتا. جن محکموں میں ایک دن میں سات سو انٹرویو چند گھنٹوں میں لئے جائیں تو میرٹ کے قتل عام پر سوموٹو کب اور کون لے گا۔ غیر قانونی بھرتیوں و تقرریوں SESSI کسطرح بن جاتی ہے مثال ہے جس کے متاثرین کا کوئی پرسان حال نہیں۔

!! قائد اعظم اور آج کا پاکستان

پاکستان کی تمام عوام ایک ایسے نظام کی خواہش رکھتے ہیں جس میں بنیادی حقوق انھیں دیئے جائیں ، معاشی طور پر انھیں پریشانی کا سامنا نہ ہو۔ امن و سکون کی زندگی ہر پاکستانی کا دیرینہ خواب ہے۔اب چاہے دریا راوی ، یا دریا سندھ ، یا دریائے سوات کے کنارے ایک عورت اکیلی جائے یا خاندان کیساتھ ، لیکن پرامن جائے ۔ کیونکہ بلا امتیاز ، رنگ و نسل و مذہب ہر ایک انسان چاہتا ہے کہ اس کی مرضی کی زندگی کسی کے بیرونی مداخلت کے بغیر گذرے۔ نظریہ چاہیے کوئی بھی ہو ، جبر کے ذریعے کسی پر مسلط کرنے کی اجازت دنیا کا کوئی مذہب اپنے پیروکاروں کو نہیں دیتا۔اسلام تو خود امن و سلامتی کا نام اور مکمل نظام حیات ہے اور دین میں جبر کا از خود سب سے بڑا مخالف ہے لہٰذا کسی بھی قومیت کا شہری اس حوالے سے متضاد رائے نہیں رکھتا کہ اسلام کے نام لیوا کبھی بھی اصلاح کے نام پر فساد کے پھیلاؤ کا سبب نہیں بنیں گے۔ اسلامی تشخص میں اس بات میں کسی شک و شبے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے کیونکہ اسلام محبت ، خلوص اور تدبر کے ساتھ عملیت پسندی کی تعلیم دینے والا آفاقی

دین الٰہی ہے۔ جس میں تحریف کیلئے خود اس کے ماننے والوں نے اپنے درمیان تفرقے کی دیوار اونچی کی اور تفریق کے ذریعے اللہ کی رسی کو تھامنے کے بجائے مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ اب ان تفرقوں میں بٹ جانے والوں نے اپنے نظریات کو اسلام کا لبادہ دیکر دوسرے مسلک پر زبردستی حاوی کرنے کی کوشش کی ہے تو ایسے کوئی باشعور درست نہیں سمجھے گا۔ جب ہم قومیتوں کی بات کرتے ہیں تو میں ایسے اس طرح لیتا ہوں جیسے ایک پختون قوم ہے، اور اس میں پشتو زبان دوسروں کیلئے ایک زبان ہے لیکن سب اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ کسی بھی خطے کی زبان ایک جیسی نہیں ہے بلکہ ہر تھوڑے فاصلے کے بعد اس میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے اور بولنے والا ایسے جب اپنے علاقائی لب و لہجے میں بیان کریگا تو بادی النظر یہی لگے گا کہ پٹھان بات کر رہا ہے۔ لیکن نسلی طور پر پٹھان، پختون، پشتون، افغان ایک ہی ہیں اور اس میں بھی مختلف قبیلے ہیں۔ اسی طرح سندھ، پنجاب، بلوچ، اردو سمیت کسی بھی زبان کو لے لیں اس کی بنیادی ادائیگی زمینی فاصلوں کی وجہ سے تقسیم ہو کر تبدیل ہو جائے گی لیکن بحیثیت قوم اس کی نسل افغان، پنجابی، بلوچی،۔سروہی یا کوئی بھی ہو وہی قومیت کہلائے گی۔ پاکستان کی سلامتی بقاء کا کوئی بھی دشمن جس لبادے میں بھی ہو ایسے پاکستان سے زیادہ اپنے مقاصد کو پورا کرنے کیلئے ایسے عناصر کی ضرورت ہوتی ہے جن کے ذریعے بین الاقوامی ایجنڈے کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جاسکے۔ سیاسی طور پر پاکستان کی صورتحال معلق و غیر یقینی رہتی ہے۔

دفاعی طور پر مختلف طریقہ کار اختیار کرکے پورے پاکستان میں ایسی فضا پیدا کردی گئی ہے کہ مقاصد پاکستان کا حصول جن نظریات کے تحت کیا گیا تھا وہ مشرقی پاکستان کیساتھ ہی دریائے بنگال میں ڈبو دینے کی کوشش کی گئی۔پاکستان کی بنیاد صرف دو قومی نظریئے پر رکھی گئی تھی اور نظریہ کبھی بھی ایک دو سال کی پیداوار نہیں ہوتا کہ متحدہ ہندوستان کے حامی یکدم پاکستان کے بانی بن گئے بلکہ تاریخ میں پسنے والی قوموں میں انقلاب مختلف ادوار میں پیدا ہوتے ہوئے آتش فشاں بن جاتے ہیں اور ایک دن وہ لاوا پھوٹ کر تباہی مچا دیتا ہے۔تاریخی طور پر توجنگ آزادی 1857ء کے دس سال بعد 1867ء میں سید احمد خان نے اردو، ہندی جھگڑے کے باعث ہندو، مسلم علیحدہ علیحدہ اور کامل قوموں کا نظریہ پیش کردیا تھا۔یہ نظریہ انڈین نیشنل ازم پر یقین رکھنے والوں کے لئے دو قومی نظریہ صور اسرافیل بن کر گونجا اور پاکستان کی تخلیق کیلئے اس نظریہ کو اخذ کرکے 1947ء میں پاکستان کو ہندوستان سے الگ مملکت میں ڈھالا گیا ۔مکتبہ علی گڑھ کے قائدین نے اس دو قومی نظریئے کو منطقی انجام تک پہنچانے کیلئے 1906ء میں نہ صرف شملہ وفد کو منظم کیا بلکہ آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے مسلمانان ہند کیلئے ایک الگ نمائندہ سیاسی جماعت بھی قائم کردی۔دو قومی نظریہ کے خالق کے طور پر علامہ اقبال کا نام بھی لیا جاتا ہے جس میں 1930ء الہ آباد کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کے اکیسویں

سالانہ اجلاس کی صدارت میں دو قومی نظریے کا تفصیل سے ذکر کیا گیا۔1936ء سے 1938ء تک سر اقبال نے جتنے مکتوب جناح کو بھیجے ہیں اس میں بھی دو قومی نظریے کا عکس صاف نظر آتا ہے۔

محمد علی جناح خود دو قومی نظریے کے سب سے بڑے حامی تھے انھوں نے نہ صرف آل انڈیا نیشنل کانگریس کی تاحیات صدر رہنے کی پیش کش کو مسترد کیا بلکہ علماء دیو بند اور مسلم نیشنلسٹ رہنماؤں کی مخالفت بھی مول لی اور اسی بنیاد پر الیکشن میں حصہ لیا۔ قائد اعظم کے نظریات وہی ہیں جو اسلام کے ہیں ۔ اسلام تمام مذاہب کا احترام ، عبادات کی مکمل آزادی ، تفرقوں سے نفرت اور امن و سلامتی کا درس دیتا ہے اور 11 اگست کی تقریر بھی اسی نظریے کے متن کے تحت تھی ۔ قائد اعظم نے کبھی یہ نہیں کہا کہ پاکستان بننے کے بعد فلاں فرقے یا مسلک کی حکمرانی پر مبنی آئین بنایا جائے گا اور اگر کوئی نہیں مانے گا تو اس پر جبر سے نافذ کیا جائے گا۔ قصور صرف اُن مورخوں کا ہے جنھوں نے دو قومی نظریے کو متشدد بنا کر قوم کے سامنے پیش کیا۔ شدت پسند طبقہ جیسے ہم باہمی نفاق کے باوجود ایک سمجھتے ہیں وہ بھی دو قومی نظریے کے تحت اپنے اپنے مسلک کی اجارہ داری اس طرح چاہتا ہے کہ اس کے مسلک والے مسلم ، باقی دوسرے غیر مسلم ہیں۔پاکستان میں جو لہر شدت پسندی کی ابھری ہے وہ بھی چند مہینوں کی پیداوار نہیں ہے بلکہ غلط ملکی خارجہ پالیسوں نے آج قائد اعظم کے

گھر میں آگ لگا دی ہے۔

لادینیت،فرقہ کا کوئی تصور پاکستان کی اساس نہیں تھا ورنہ مسلم لیگ کے خالق خود قادیانی تھے اور آج قادیانی اسی ملک میں غیر مسلم ہیں جن کے جدامجد ان کے نظریات والے تھے۔جناح نے جب پاکستان کی کابینہ تشکیل دی تو اس میں بھی غیر مسلم شامل تھے۔لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ پاکستان کسی خاص شارح کے مطابق بنایا گیا ۔اگر ایسا ہوتا تو علمائے دیوبند پاکستان بننے کی مخالفت کیوں کرتے ؟۔انھیں تو ایک مسلم حکومت کیلئے بھرپور ساتھ دینا چاہیے تھا۔پاکستان مذہبی آزادی کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔جس میں تمام مذاہب کو اپنے عقیدے کے مطابق زندگی گذار سکے۔اُس وقت حالات و وقعات اس طرح رونما ہوچکے تھے کہ انگریزوں کے جانے کے بعد فرقہ وارانہ مذہبی تشدد کی بناء پر مذہبی آزادی ختم ہوجاتی اس لئے مذہبی آزادی کے نام پر حاصل کئے گئے پاکستان کو ہی ہر پاکستانی اپنانا چاہتا ہے۔پاکستان کی بنیاد مذہبی آزادی ، احترام انسانیت ، بھائی چارے، امن و سکون پر رکھی جائے۔کیونکہ یہی عوام چاہتے ہیں۔پاکستان کو دہشت گردی سے پاک "استاذ" بنانے کے لئے دو قومی نظریہ کی اساس کو تسلیم کرنا ہوگا۔دو قومی نظریہ سے مراد کسی مذہب کے پیروکاروں پر جبری اپنی مرضی کا نظام مسلط کرنا نہیں بلکہ امن و سلامتی کے تصور سے دلوں کو مسخر کرنا ہے۔

خدائے عظیم و برتر کی قسم ، جب تک ہمارے دشمن ہمیں اٹھا کر بحیرہ عرب میں نہ پھینک دیں ، ہم ہار نہ مانیں گے ۔ پاکستان کی حفاظت کیلئے میں تنہا لڑوں گا ، اسوقت تک لڑوں گا جب تک میرے ہاتھوں میں سکت ہے اور جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی موجود ہے مجھے آپ سے کہنا ہے کہ اگر کوئی ایسا وقت آ جائے کہ پاکستان کی حفاظت کیلئے جنگ لڑنے پڑے تو کسی صورت ہتھیار نہ ڈالیں ، پہاڑوں میں ، جنگلوں میں اور دریاؤں میں جنگ جاری رکھیں ۔" (ڈاکٹر ریاض علی شاہ کی کتاب ، قائد اعظم کے آخری ایام) ۔ قائد اعظم جانتے تھے کہ بیرونی جارحیت کیا ہوتی ہے اور اس کے لئے کس عزم کی ضرورت ہے ۔ انگریز مسلمانوں کے خلاف کیا کرنا چاہتا تھا اس کے متعلق قائد اعظم نے اکتوبر 1938ء سندھ مسلم لیگ کی سالانہ کانفرنس میں کہا تھا کہ "برطانیہ ہندوستان کے مسلمانوں کو بھیڑیوں کے حوالے کرنا چاہتا ہے ، اس میں شبہ نہیں کہ برطانیہ سے وہی بازی لے جا سکتا ہے جس میں قوت ہو ۔ "اب انھیں کیا معلوم تھا کہ ایسا وقت بھی آئے گا جب پاکستان کی سرزمیں ایسے بھیڑیوں کے ہاتھوں پامال ہو گی جہاں ڈالروں کے عوض سینکڑوں پاکستانیوں کو امریکہ کے حوالے کر دیا گیا ، جہاں امریکہ کی خوشنودی کیلئے اقتدار اسی قوتوں کو دے دیا گیا جن کے نزدیک پاکستانی جان کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ اپنے اقتدار کی طوالت کے لئے رسہ کشی 63 سال سے غریب عوام کی بد حالی کا موجب بن رہی ہے۔

متحدہ ہندوستان کے مشہور نیشنلسٹ اخبار "مدینہ" (بجنور) کی ۷ اپریل ۱۹۶۳ء کی اشاعت میں مولانا اسرار احمد آزاد دیو بندی کا ایک مقالہ شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے لکھا تھا "یہ الزام بے بنیاد ہے کہ علماء ہند اس ملک میں اسلامی حکومت کیلئے کوشاں رہے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے تعلق رکھنے والے علماء نے کم از کم اس صدی کے آغاز سے ہندوستان میں جمہوری اور سیکولر حکومت کو اپنا واضح نصب العین قرار دے لیا تھا "۔

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور جمعیت العلماء ہند کے صدر (مولانا) حسین احمد مرحوم) کا ارشاد تھا "ایسی جمہوری حکومت جس میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سب) شامل ہوں، حاصل کرنے کیلئے سب کو متحدہ کوشش کرنی چاہیے ایسی مشترکہ آزادی اسلام کے عین مطابق ہے اور اسلام میں اس آزادی کی اجازت ہے۔ (زمزم، مورخہ ۷ جولائی ۱۹۳۸ء) ۔" مولانا مدنی کا پمفلٹ، متحدہ قومیت اور اسلام کے صفحہ نمبر ۶۱ میں فرماتے ہیں "کانگریس میں ہمیشہ ایسی تجاویز آتی رہتی ہیں اور پاس ہوتی رہتی ہیں جن "کی وجہ سے مذہب اسلام کے تحفظ اور وقار کو ٹھیس نہ پہنچے۔

غیر مسلم پاکستانیوں کے حوالے سے ۱۹۶۴ء میں محمد منیر (ریٹائرڈ) چیف جسٹس

آف پاکستان نے روزنامہ "پاکستان ٹائمز" کے ایک مقالے میں لکھا جس کا عنوان تھا Day to Remember جیسے ۱۹۷۹ء اپنی کتاب From Jinnah to Zia میں دوہرایا گیا کہ " تشکیل پاکستان کے وقت کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ پاکستان "ایک اسلامی مملکت ہوگی۔

پاکستان میں کونسا طرز نظام رائج کیا جانا تھا اس پر بحث کے بجائے بین السطور اس بات کو موضوع بنانا مقصود ہے کہ کیا پاکستان جس نظریئے کے تحت حاصل کیا گیا وہ بنگلہ دیش بننے کے بعد ختم ہوچکا ؟۔ اب محمد علی جناح جیسا پاکستان بنانا چاہتے تھے، اس بچے کچے پاکستان کو نظریہ پاکستان کے مطابق ڈھالنے کی کوشش ضرور کی جاسکتی ہے۔ ۱۱ اگست ۱۹۴۸ء محمد علی جناح کی جس تقریر کو وجہ جواز بنا کر نظریہ پاکستان ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ہم ایسے بھی موضوع بحث نہیں بناتے کیونکہ نصابی کتابوں سے اس اقتباس کو بھی سیاق و سباق سے ہٹ کر شائع کرنے کے بعد طوطے کی طرح پاکستانیوں کو نظریہ پاکستان" رٹانے کی کوشش کی جاتی رہی بالا آخر اس اقتباس کو بھی نصاب سے" ختم کردیا گیا اور قوم کو قیاس آرائیوں پر بحث مباحثے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ لیکن تاریخ یوں آسانی سے مٹائی نہیں جاسکتی۔ کسی شک و شبے سے بالاتر کم از کم یہ بات طے شدہ ہے کہ محمد علی جناح نام نہاد خود ساختہ " مذہبی پیشوائیت" کی اجارہ داری نہیں چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ پاک و ہند کے تمام

تاریخ میں اس بات کو کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ شیعہ ہونے کے باوجود محمد علی جناح نے کبھی اپنے فقہ، یا مسلم لیگ کے بانی سر آغا خان نے اسمعیلی ہونے کی بناء پر "آغا خانی" طرز حکومت، یا سر ظفراللہ خان نے احمدی ہونے کی بناء پر "قادیانی" اسٹیٹ کا مطالبہ کیا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو لاکھوں مسلمانوں کا اجتماع اور قربانیاں تاریخ کا حصہ بننے کے بجائے فرقہ وارانہ فسادات کی روئیداد بن جاتی۔

پاکستان بننے کے بعد بحیثیت گورنر جنرل، فروری ۱۹۴۸ء میں اہل امریکہ کے نام براڈ کاسٹ پیغام میں واضح طور پر کہا کہ "پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے ابھی پاکستان کا آئین مرتب کرنا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس آئین کی آخری شکل کیا ہوگی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا آئینہ دار جمہوری انداز کا ہوگا۔ اسلام کے یہ اصول آج بھی اسی طرح عملی زندگی پر منطبق ہو سکتے ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے ہو سکتے تھے۔ اسلام نے ہمیں وحدتِ انسانیت اور ہر ایک کے ساتھ عدل و دیانت کی تعلیم دی ہے۔ آئین پاکستان کے مرتب کرنے کے سلسلہ میں جو ذمہ داریاں اور فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں ان کا ہم پورا پورا احساس رکھتے ہیں، کچھ بھی ہو، یہ امر مسلمہ ہے کہ پاکستان میں کسی بھی صورت میں بھی تھیا کریسی رائج نہیں ہوگی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے جاتی ہے کہ وہ (بزعم خویش) خدائی مشن کو پورا کریں۔" (تقاریر بحیثیت گورنر جنرل صفحہ ۶۵

محمد علی جناح نے واضح طور پر بتا دیا کہ وہ تھیا کریسی نظام کو رائج نہیں ہونے دیں گے۔ اس سے پہلے ۵ فروری ۱۹۳۸ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی یونین سے خطاب کرتے ہوئے نوجوان طالب علموں سے کہا تھا "اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ مسلم لیگ نے تمہیں اس ناپسندیدہ عنصر کی جکڑ بندیوں سے آزاد کر دیا ہے جیسے مولوی یا مولانا کہتے ہیں (تقاریرِ قائدا عظم حصہ اول صفحہ ۴۸)۔" یہ ناپسندیدہ عنصر کی جکڑ بندیاں فرقہ واریت تھی جو تھیا کریسی کی بنیاد ہے۔ ۱۱ اپریل ۱۹۴۶ء کو دہلی میں مسلم لیجسلیٹر کنونشن کے آخری اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے محمد علی جناح نے وضاحت کی "اِسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہم کس مقصد کیلئے یہ جنگ کر رہے ہیں۔ ہمارا نصب العین تھیا کریسی نہیں۔ ہم تھیا کریٹک سٹیٹ نہیں بنانا چاہتے۔ (تقاریر جناح، شائع کردہ شیخ محمد اشرف، جلد دوم صفحہ ۳۸۶)"

محمد علی جناح سے اپریل ۱۹۴۳ء میں صوبہ سرحد کی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے ایک پیغام کیلئے درخواست کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا "تم نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہیں کوئی پیغام دوں، میں تمہیں کیا پیغام دوں جبکہ ہمارے پاس پہلے ہی ایک عظیم پیغام موجود ہے جو ہماری راہنمائی اور بصیرت افروزی کیلئے کافی ہے، وہ پیغام ہے خدا کی کتاب عظیم، قرآن کریم۔" (تقاریر، جلد اول

(صفحہ ۵۱۶

نومبر ۱۹۳۹ء قوم کے نام عید کا پیغام نشر فرمایا۔ (اس زمانے میں ملک میں ہنگامہ ۱۳ اور فساد ہو رہے تھے) آپ نے قوم سے کہا "جب ہمارے پاس قرآن کریم ایسی مشعلِ ہدایت موجود ہے تو پھر اس کی روشنی میں ان اختلافات کو کیوں نہیں مٹا سکتے ؟ (تقاریر جناح ، شائع کردہ شیخ محمد اشرف ، جلد اول صفحہ ۱۰۸) " وہ بندھن ، وہ رشتہ ، وہ چٹان ، وہ لنگر ، خدا کی عظیم کتاب ، قرآن مجید ہے ، مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی ۔۔۔ایک خدا ، ایک کتاب ، ایک رسول ﷺ ، فلہذا ایک قوم۔ (تقاریر ، جلد دوم صفحہ ۵۰)۔

اب جو عناصر یہ سمجھتے ہیں کہ بزور طاقت کسی فرقے کے خلاف شدت پسندی کرکے وہ پاکستان کو اسلامی ریاست بنالیں گے تو ایسی سوچ خلاف اسلام ہے کیونکہ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام بزور طاقت نہیں پھیلایا اور اصحاب رسول ﷺ اسلامی حکومتوں یا تمام فقہ کے اماموں نے کبھی کسی فرقے کے خلاف قتل وغارت کو، جائز قرار نہیں دیا تو پھر پاکستان میں فرقہ وارانہ قتل و غارت اور حملوں کا واحد مقصد ، اسلامی نظام کا قیام نہیں بلکہ پاکستان کی بقاء اور سالمیت کو نقصان پہنچانا ہے۔ پاکستان کی بنیاد کو کمزور کرکے

بنگلہ دیش کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کرنا مقصود ہے۔پاکستان کے بانیان اور اکابرین نے کبھی بھی فرقہ وارانہ بنیاد پر انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد نہیں کی۔ایک فلاحی و رفاعی مملکت کا بہترین تصور اسلام کے سوا کون دے سکتا ہے اور دنیا میں لافانی اصولوں اور قوانین پر مشتمل نظام حیات قرآن کریم سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے ؟۔ محمد علی جناح نے کبھی کسی فرقہ وارایت کا پرچار نہیں کیا۔ موجودہ پاکستان "جناح کا پاکستان" تو نہیں رہا لیکن "بچے کچے پاکستان" کو جناح کے تصورات کا پاکستان ضرور بنا سکتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ نام نہاد خود ساختہ مذہبی پیشوائیت نے محمد علی جناح کے افکار کی بناء پر انھیں "کافر اعظم" اور قوم نے انھیں "قائد اعظم" خطاب دیا تھا۔

ملت اسلامیہ کا وہ چراغ جس نے نائن الیون 1948ء تک لاکھ اندھیروں کا مقابلہ کیا اور کامیاب و کامران دنیا سے رخصت ہوا ان کی وفات پر دنیا کے عظیم سیاست دانوں اور مفکروں نے ان کیلئے خراج تحسین پیش کیا۔ حتی کہ لندن ٹائمز جیسے اخبار نے لکھا ۔"انھوں نے اپنی ذات کو ایک بہترین نمونہ پیش کرکے اپنے اس دعوی کو ثابت کر دیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہے۔ ان میں وہ ذہنی لچک نہیں تھی جو انگریز کے نزدیک ہندوستانیوں کا خاصہ ہے۔ان کے خیالات ہیرے کی طرح قیمتی مگر سخت ، واضح اور بین ہوتے تھے ۔ ان کے دلائل میں ہندو لیڈروں جیسی حیلہ سازی نہ تھی بلکہ وہ جس نقطہ نظر کو ہدف بناتے تھے اس پر

براہ راست نشانہ باندھ کر وار کرتے تھے وہ ایک نا قابل تسخیر حریف تھے۔" قائدا عظم نے پاکستان بڑی مشقت اور لازوال قربانیوں کے بعد حاصل کیا پاکستان کو لگنے والے زخم کسی پرائے کے دَین نہیں بلکہ اپنے ہی لوگوں کی کارستانیاں ہیں ۔ ملکی خارجہ و داخلہ پالیسی اگر قائدا عظم کے افکار اور مقاصد تشکیل پاکستان کے تحت رکھی جاتی تو آج ایک فون پر دھمکی کے ڈر سے ملکی حرمت کو غیروں کے پاؤں تلے روندنے کی کوئی جرات نہیں کرتا ۔ اگر ہمیں پاکستان کو قائدا عظم کے خوابوں و افکار کے مطابق بنانا ہے تو ہمیں عملی طور پر اپنی ذات کو اُن کے افکار کو ڈھالنا ہوگا۔ قائدا عظم کا پاکستان صرف ان کے نظریات کی روشنی میں ہی کامیاب ہو سکتا ہے اگر ہم نے اب بھی اپنی غلطیوں سے سبق حاصل نہیں کیا تو تصورات جناح صرف ہماری داستانوں کی طرح کتابوں میں پڑھنے کے لئے رہ جائیں گے۔ ہمیں قائدا عظم کا پاکستان صرف جناح کے اصولوں کے مطابق بنانا ہوگا کیونکہ اساس پاکستان بھی یہی ہے۔

قائدا عظم محمد علی جناح کے یوم رحلت پر خصوصی مضمون ۔

نائن الیون: گردن میں طوقِ ستم اور پاؤں میں غم کی پازیب

پرویز جنرل مشرف کی جانب سے امریکی ابلاغ میں انٹرویو سامنے آچکا ہے کہ انھوں نے امریکہ کو پاکستان میں ڈرون حملوں کی اجازت دے دی تھی اس کی وجوہات کیا تھی اس پر اب بحث فضول ہے۔ کسی بھی گروپ سے معاۂدے کا یہ مطلب ہوتا کہ ہر حکومت دہشت گردی اور انتہا پسندی کو جڑ سے اکھاڑنے کے عزم رکھتی ہے، لیکن بے گناہوں کے قتل عام کا معاۂدہ بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی اور عالمی جرم ہے جس میں امریکہ اور مشرف برابر کے شریک ہیں بظاہر یہ بتایا گیا تھا کہ اندرون ملک یا بیرون ممالک سے ہر قسم کی دہشت گردی کی روک تھام کرنے کیلئے حکومتی رٹ قائم ہوسکے گی۔ امریکہ وافغانستان جنگ کے دوران دوسرے کئی ذرائع اور ممالک نے سابق صدر پرویز مشرف پر امریکی حمایت کا الزام عائد کیا تھا جیسے بعض وقت مشرف اور صدر بش کے بیانات زائل کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے اور دوسری جانب افغانستان میں تعینات پانچ ممالک امریکہ، برطانیہ، کینیڈا، ڈنمارک اور ہالینڈ کی نیٹو افواج کے کمانڈروں نے اپنی حکومتوں سے یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ طالبان کی حمایت پر پاکستان کے خلاف سخت رویہ اپنایا جائے۔ برطانوی اخبار ٹیلی گراف نے اپنی اشاعت میں طالبان کے خلاف کئے جانے والے "آپریشن میڈوسا" سے متعلق نیٹو رپورٹ میں پاکستانی ایجنسی پر ہتھیار فراہمی کا الزام

عائد کیا تھا۔ مختلف ادوار میں ایسی نوع کی خبروں کو اکھٹا کیا جائے تو تو اس صورتحال کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوتا کہ پاک، امریکہ اور افغانستان کے باہمی تعلقات میں عدم اعتماد کا عنصر زیادہ نمایاں رہا ہے۔ گو کہ 37 ممالک کی اکتیس ہزار سے زائد غیر ملکی افواج نے افغانستان میں قابض رہنے کیلئے بھرپور کوشش کیں لیکن طالبان کی جانب سے انھیں بڑا سخت رد عمل دیا گیا، پاکستان کی جانب سے جب بھی عسکریت پسندوں کے ساتھ معاہدات کئے جاتے ہیں تو پاکستانی عمل ان ممالک کیلئے پریشانی اور بے چینی کا سبب بن جاتا ہے جو پاکستان میں پائدار امن کے خواہاں نہیں ہوتے۔ سابق صدر پرویز مشرف ہمیشہ امریکہ کے منظور نظر رہے ہیں۔ ایک موقع پر امریکی وزیر خارجہ کونڈا لیزارائس نے امریکی ٹیلی ویژن کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ "انھوں نے ابھی ایسے پاکستان کے بارے میں نہیں سوچا جو صدر جنرل پرویز مشرف کے بغیر ہو۔ "امریکہ نے سابق صدر پرویز مشرف کو بطور اتحادی ہمیشہ داد تحسین بخشی ہے کہ نائن الیون کے بعد انھوں نے امریکی مفادات کے لئے ڈرامائی انداز میں ملکی صورتحال میں تبدیلی پیدا کی اور انتہا پسندی کو جڑ سے اکھاڑنے کیلئے بھرپور کوششیں کیں۔ حالاں کہ سابق صدر اس بات کا انکشاف کرچکے تھے کہ انھیں امریکی نائب وزیر خارجہ رچرڈ آرمیٹج نے ان کے ڈائریکٹر انٹیلی جنس کو دھمکی دی تھی کہ ا" گر پاکستان نے امریکہ کا ساتھ نہ دیا تو بمباری کرکے اسے پتھر کے دور میں پہنچا دیا جائے گا۔ " گو کہ بعد میں اس انداز کو تبدیل کرکے کہا

گیا کہ پاکستان فیصلہ کرے کہ ہمارے ساتھ ہے کہ خلاف، حیرت ناک بات یہ تھی کہ نیٹو نے اپنی رپورٹ میں جو ڈیلی ٹیلی گراف میں شائع ہوئی تھی ، نیٹو کمانڈر کے حوالے سے ایک بیان شائع کیا تھا کہ "اب وقت آگیا ہے کہ جنرل پرویز مشرف کو اعلی ترین سیاسی سطح پر یہ واضح پیغام پہنچا دیا جائے کہ وہ فیصلہ کریں کہ آیا وہ ہمارے ساتھ ہیں یا ہمارے خلاف "۔ یقینی طور پر اس وقت پرویز مشرف کے فیصلے نے خطے میں صورتحال تبدیل کرکے امریکہ کو افغانستان میں مداخلت کا جواز فراہم کردیا۔ امریکہ افغانستان میں براہ راست کبھی بھی داخل نہیں ہوسکتا تھا جب تک پاکستان کی حمایت اُس کے ساتھ نہیں ہوتی ۔ سابق صدر مشرف کے خدشات اپنے جگہ قابل غور ضرور ہیں کہ اُس وقت کیا جانے والا فیصلہ بڑا سخت تھا کیونکہ انکار کی صورت میں امریکہ بھارت کو استعمال کرسکتا تھا اور پھر پاکستان بیک وقت تین محاذ پر لڑنے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اب ہم ایسے پاکستان کی اپنی مرضی سمجھیں یا زبردستی ، لیکن تاریخ نے یہ ثابت کردیا ہے کہ فیصلہ بہرصورت پاکستان کی سلامتی کے خلاف گیا اور پاکستان بیرونی جنگ میں ایک بار، کچھ اس طرح الجھا کہ اب اُس کیلئے نکلنے کے راستہ انتہائی دشوار ہوچکا ہے۔امریکہ اپنی ناکامیوں کو چھپانے کے لئے ہر مرتبہ ملبہ پاکستان اور اس کے عسکری اداروں پر ڈالنے کی سعی کرتا رہتا ہے۔ جس کا لازمی پہلو یہی ہے کہ ہمیں مستقبل میں انھیں خطوط کو خاص طور پر غور کرنا ہوگا۔پاکستان میں قیام امن کی راہ میں سب سے رکاوٹ امریکہ اور افغانستان کا

سخت رویہ رہا ہے یہی وجہ ہے کہ افغانستان نے سرحدوں پر باڑ لگانے کی ہمیشہ مخالفت کی کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے افغانستان کا علاقہ کم ہوجائے گا اور سرحد کے دونوں جانب رہنے والے منقسم ہوجائیں گے۔امریکہ ،ملا عمر کی حکومت ختم کرکے پاکستان کی مدد سے افغانستان میں گھسنے میں کامیاب تو ہوگیا،اُس نے جس قسم کے لاجسٹک سپورٹ مانگی ، ہم نے چوں چرا کئے بغیر ان کا ہر مطالبہ پورا کیا اور دنیا کی واحد " سپر پاور "کے آگے لڑے بغیر گھٹنے ٹیک کردیئے۔مگر افغانوں نے اپنی روایت کے مطابق امریکہ کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیا اور تادم تحریر ہر سطح پر بھرپور مزاحمت جاری ہے۔ پھر صورتحال یہ ہوئی کہ افغان حکومت ،ملا عمر کو صدارتی منصب کیلئے انتخاب لڑنے کی پیش کش تک کی گئی اور دنیا ورطہ حیرت میں ہوئی کہ جس حکومت کے خلاف 37 ممالک یکجا ہوئے اور افغانستان کو تہہ وبالا کرڈالا آج وہی ممالک اُسی خطرناک شخصیت" کو صدارتی منصب کیلئے دعوت دے رہے تھے۔افغان حکومت کی " عمل داری صرف کابل تک محدود ہے اس لئے وہ اقتدار پر قابض رہنے کیلئے افغانستان میں ہونے والی ہر کاروائی کا الزام پاکستان پر لگا دیتے ہیں۔سابق صدر پرویز مشرف پر پاکستان سے غداری کا مقدمہ عدالت میں زیر سماعت ہے ، جبکہ اس سے قبل جامعہ حفصہ لال مسجد اور اکبر بگٹی قتل کیس جیسے معاملات ان کیلئے درد سر بنے ہوئے ہیں۔ یہ تسلیم، شدہ بات ہے کہ پاکستان نے اُن حالات میں جو بھی فیصلہ کیا ،اُس میں سراسر نقصان پاکستان کا ہوا۔مگر اس حقیقت کو افغانستان اور

امریکہ کی جانب سے بہت کم تسلیم کیا جاتا ہے۔پاکستان امریکہ مطالبات اور کرزئی الزامات کو بڑی بر باری سے برداشت کر رہا ہے،اب ضرورت اس امر کی ہے کہ امریکہ فیصلہ کرلے کہ ایسے پاکستان کا اتحادی بنے رہنے کیلئے افغانستان کی جانب سے پاکستانی علاقوں میں بم باری، جھڑپوں اور الزامات کی حوصلہ شکنی کرنا ہوگی۔اگر امریکہ اور افغانستان اپنا رویہ درست نہیں کرتا تو پھر ایسے اپنی جنگ خود لڑنے کیلئے ذہنی طور پر تیار ہو جانا چاہیے ۔ اگر ان کے رویئے درست نہیں ہوتے تو مزید نقصان بلا شبہ پاکستان کا بھی ہوگا لیکن اس مضمرات سے افغانستان اور امریکہ بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔

پاکستان اس وقت نت نئے سیاسی عمل کے نازک دور سے گذر رہا ہے ، سابق صدر پرویز مشرف امریکی خوشنودی حاصل کرکے پاکستان میں آنے کی غلطی کر چکے ہیں لیکن جس طرح انھیں خلاف توقع عوامی رد عمل کا سامنا ہوا ہے یہ عمل تمام سیاسی جماعتوں کے سربراہان کے لئے سبق آموز ہے کہ امریکہ ہو یا سعودیہ ہو۔پاکستانی امور میں مداخلت ضرور کر سکتا ہے لیکن عوامی راہ عامہ کو ہموار نہیں کر سکتا۔افغانستان، پاکستان اور امریکہ کو اپنے رویوں میں تبدیلی کرنا ہوگی۔پاکستانی عوام جمہوری شعور کے عمل سے گذر رہی ہے ایسے سبوتاژ کرنے کی کوشش نقصان دہ ہوگی۔پاکستان کی جانب سے افگانستان کو یہ مثبت پیغام دیا گیا کہ ایک دوسرے کے خلاف بیانات دینے کے عمل سے گریز کی راہ اپنانا ہوگی۔دونوں ممالک کی سرحدیں سینکڑوں سال سے ایک لڑی میں پروئی گئی ہیں ، ان کی اقدار ، ثقافت اور روایات مشترکہ ہیں ۔ ہمیں

زمینی حقایق کے مطابق اپنے ممالک کے عوام کیلیے مثبت و دیرپا اعتماد سازی کی فضا کو ساز گار بنانا ہوگا۔اگر ہم اس میں ناکام رہے تو نائن الیون جیسے واقعات ہوتے رہیں گی اور قومیں جنگوں کی آگ کا ایندھن بنتی رہیں گی۔ نائن الیون گزر گیا لیکن اس کے مضر اثرات سے افغانستان اور پاکستان ابھی تک باہر نہیں نکل سکا۔ ہمیں اب یہ تہہ کرلینا چاہیے کہ چاہے کوئی کتنی بڑی بھی دھمکی دے، ہزار سال کی گیڈر جیسی زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ شیر کی ایک دن کی باعزت زندگی کا پہلے پڑاؤ سے قدم دائمی منزل کی جانب بڑھادیں۔

نائن الیون ایک عالمی سیاست کا ہولناک مسلم ہولوکاسٹ بن چکا ہے۔ لاکھوں بے گناہ مسلمانوں و دیگر مذاہب سے وابستہ افراد دہشت گردی کی عالمی سیاست کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ ہمیں اب نائن الیون سے بڑھ کر سوچنا ہوگا، نائن الیون کیبعد اب کیا کیا جائے یہ طے کرلینا چاہیے، نائن الیون کے بعد بھی پاک، افغان کب تک گردن میں طوق ستم اور پاؤں میں غم کی پازیب ڈالیں رہیں۔ کیا صلیبی جنگوں کا تسلسل جنگ عظیم پر ختم ہوگا۔

نئے صوبے اور قومی اتفاق رائے

1955ء میں مغربی پاکستان کے جاگیرداروں ، مذہبی قیادت ، افسر شاہی اور اسٹیبلشمنٹ نے گٹھ جوڑ کرکے تمام صوبوں کو تحلیل کردیا تھاتاکہ مشرقی پاکستان سے آبادی کی بنیاد پر برابری کا تقابل کرسکیں۔1969ء میں نافذ کردہ لیگل فریم ورک آرڈر کے تحت بلوچستان ، شمالی مغربی صوبہ سرحد ، پنجاب اور سندھ کی صوبائی حیثیت بحال کردی گئی تھی لیکن اس کے بعد متواتر آبادی کے اضافے کے باوجود پاکستان کے وفاقی نقشے میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔اٹھارویں ترمیم کے تحت صوبہ سرحد کا نام تبدیل کرکے خیبر پختونخوار کھا گیا تو پاکستان میں ایک سیاسی تبدیلی کے بعد فوراًہزارہ ڈویژن کارد عمل سامنے آیاجو صوبہ خیبر پختونخوا کو تقسیم کرکے ہزارہ ڈویژن کو الگ صوبہ بنانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ عملی اقدام کے طور پر پنجاب اسمبلی میں بہاولپور صوبہ کی بحالی اور جنوبی پنجاب صوبے کی تشکیل کی دو الگ الگ قراردادیں 9 مئی 2012 کو منظور کی گئی دونوں قراردادیں پنجاب کے وزیر قانون ثنا اللہ نے پیش کی تھی جسے متفقہ طور پر ایوان نے منظور کرلیا۔دونوں قراردادوں کی مسلم لیگ (ن) ، پیپلزپارٹی ، مسلم لیگ (ق) سمیت تمام سیاسی جماعتوں نے حمایت کرتے وفاقی حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ حکومت ایک قومی کمیشن تشکیل دے جو پانی، دیگر وسائل اور جغرافیائی حدود کا تعین کرکے صوبے

کے قیام کو عملی جامہ پہنائے۔صوبہ بہاول پور کے حوالے سے قرارداد میں یہ کہا گیا کہ وہ کسی نئے صوبے کی تشکیل کا نہیں بلکہ اپنے صوبے کی بحالی کا مطالبہ کر رہے ہیں اس لئے وفاقی حکومت فوری اقدامات کرے۔دونوں قراردوں کو پنجاب میں الگ صوبے کے قیام کے حق میں تحریک چلانے والوں قائدین نے خوش آئند اقدام قرار دیا تھا جس سے واضح ہوگیا کہ تمام قومی جماعتیں پنجاب کی تقسیم پر متفق ہیں، لیکن وسائل کی منصفانہ تقسیم کیلئے قومی کمیشن کا مطالبہ ہر دو سیاسی جماعت کی جانب سے کیا گیا۔پی پی کے وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی تو باقاعدہ اپنے جلسوں میں سرائیکی صوبہ بنانے کی خوش خبریاں سناتے، پنجاب کی حکومت اور میاں نواز شریف پر شدید تنقید کرتے کہ ان کی پنجاب حکومت، جنوبی پنجاب کے وسائل پر قابض ہو کر احساس محرومی کو فروغ دے رہی ہے۔سندھ میں علیحدہ صوبہ کی پہلی باقاعدہ بازگشت تو کافی عرصہ سے موجود ہے، جس میں کراچی کی اردو صوبہ تحریک محدود حد تک مطالبہ کرتی رہی ہے۔لیکن بین الاقوامی طور پر 11 مئی 2012ء کو نیویارک شہر میں ایم کیو ایم کے سابق وزراء سابق اراکین رابطہ کمیٹی اور سابق اراکین اسمبلی نے سندھ کو انتظامی بنیادوں پر تقسیم، کرکے جنوبی سندھ نامی صوبہ بنانے کا مطالبہ کیا تھا۔ایم کیو ایم کے ان سابق منتخب نمائندوں کا کہنا تھا کہ سندھ میں شہری علاقوں کی آبادی پچاس فیصد سے زیادہ ہے اور سندھ کی شہری آبادی محصولات کا پچانوے فیصد پیدا کرتا ہے، لیکن اختیارات میں اس کا حصہ پانچ

فیصد سے بھی کم ہے"۔امریکہ کے شہر نیویارک میں کی گئی پریس کانفرنس پر پاکستان میں موجود ایم کیو ایم کے رہنما اور سندھ کے صوبائی وزیر فیصل سبزواری نے مطالبے سے لاتعلقی کا اعلان کرتے ہوئے، سابق نمائندوں کے حوالے سے اس موقف کو دوہرایا تھا کہ یہ ان کی ذاتی رائے ہوسکتی ہے، متحدہ قومی موومنٹ کا کوئی موجودہ رکن اسمبلی، رہنماء کارکن ایسی بات کرے تو پھر ایم کیو ایم کی ذمے داری ہوگی۔"ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کی جانب سے مملکت میں نئے صوبوں کے پر اتفاق رائے پیدا کرنے کیلئے آل پارٹیز کانفرنس کے انعقاد کے مطالبے کے بعد سندھ میں صورتحال کشیدہ اور سیاسی گرمی میں اضافہ ہوگیا تھا اور اب الطاف حسین کی جانب سے با قاعدہ کئی بار کراچی صوبے کا مطالبہ دوہرایا جاچکا ہے۔تاہم حیران کن بات یہی ہے کہ پاکستان کی تمام سیاسی جماعتیں پنجاب، بلوچستان، خیبر پختونخوا کی تقسیم پر پاکستان کے آئین کے مطابق متفق نظر آتی ہیں لیکن جب بات سندھ کی آتی ہے تو یہاں پاکستان کے آئین کے بجائے، ماں دھرتی کی بات کرتے ہوئے لسانی سیاست کو ہوا دیتے ہوئے بھول جاتے ہیں کراچی سندھ دھرتی کا حصہ نہیں بلکہ وفاقی دارالحکومت تھا اور قیام پاکستان کے بعد سال تک کراچی صوبہ سندھ کا حصہ نہیں تھا۔جبکہ سندھ میں بالخصوص کراچی میں دو 23 کروڑ سے زائد آبادی رکھنے والے شہر میں روز افزوں اضافے کیلئے بس یہی بیان دیا جاتا ہے کہ یا تو،" مہاجروں کو بھارت واپس بھیج دو یا ان کی جگہ سمندر میں ہے"، اسی طرح اگر

پختون ہیں، جن کا رہنا، جینا مرنا اور تمام اجداد و جائیداد کراچی میں ہیں ان سے کہا جاتا ہے کہ " تم پٹھان لوگ اپنے صوبے خیبر پختونخوا واپس جاؤ"۔ماہر سیاسیات پروفیسر رسول بخش رئیس کے مطابق کہ "جب تک تمام سیاسی جماعتوں میں چاروں صوبوں کو دوبارہ سے ترتیب دینے میں اتفاق رائے نہیں ہوگا، اس وقت تک اس طرح کی تجاویز آگے نہیں بڑھ سکتیں، اس پر کچھ لوگ سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش تو ضرور کریں گے تاہم اس طرح سے نئے صوبے بننا ممکن ہے "۔نئے صوبوں کے مطالبے میں مئی 2102ء کو فاٹا گرینڈ الائنس کی جانب سے پاکستان میں قبائلی علاقوں کے 20 مستقبل کے بارے میں بحث کی گئی۔خیبر پختونخوا اسمبلی میں قبائلی علاقوں کو نمائندگی کے حوالے سے اس تنظیم کے سربراہ خان مرجان نے خیبر پختونخوا اسمبلی میں نمائندگی کی قرارداد کو مسترد کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے وہ پسماندہ رہیں گے "۔خان مرجان کے مطابق قبائلی علاقوں کے بیس کے لگ بھگ نمائندے قومی اسمبلی اور سینٹ میں موجود ہیں لیکن انھیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ آئینی ترامیم میں کوئی حصہ لے سکیں اس لئے صوبائی اسمبلی میں ان کی نمائندگی سے انھیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا"۔فاٹا گرینڈ الائنس کی جانب سے یہ موقف اُس وقت سامنے آیا تھاجب خیبر پختونخوا حکومت نے قبائلی علاقوں کو اسمبلی میں نمائندگی اور ایف سی آر کے حوالے سے قرارداد منظور کی ۔تاہم یہاں بھی بعض قبائلی رہنماؤں کی جانب سے اعتراض کیاگیا کہ اس حوالے سے ایک کمیشن تشکیل دینا چاہیے کیونکہ وسائل و دیگر

بنیادی مسائل کے حل کے ادارے خیبر پختونخوا میں ہیں اس لئے قبائلستان کے حوالے سے اتفاق رائے پیدا کیا جائے ورنہ اس مطالبہ کو قابل عمل بنانا ممکن نہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کے علاوہ پنجاب کے وزیر اعلی میاں شہباز شریف نے وفاق کو یہی تجویز دی تھی کہ قومی سطح پر ایک کمیٹی تشکیل دی جائے، ان کے بقول یہ کمیٹی ملک میں نئے صوبوں کے حوالے سے اتفاق رائے پیدا کرے اور اپنی سفارشات مرتب کرے اور جس طرح اٹھارویں آئینی ترمیم اتفاق رائے سے منظور ہوئی اس طرح یہ معاملہ بھی طے ہو۔" آئین کے مطابق، شق 248 کی ذیلی شق، چار نئے صوبے بنانے یا کسی صوبے کی حدود کا از سر نو تشکیل دینے کے بارے میں رہنمائی کرتی ہے۔تاہم سابق صدر آصف زرداری نے اس حوالے سے ایک پارلیمانی کمیٹی بھی تشکیل دی تھی جس کا مسلم لیگ (ن) نے بائیکاٹ کیا تھا۔ یہاں اس بات ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ پاکستان میں بلوچستان، پنجاب، خیبر پختونخوا میں نئے صوبوں کے حوالوں سے پر تشدد واقعات دیکھنے میں نہیں آتے لیکن جب بھی نئے صوبوں کے حوالے سے ایم کیو ایم کے بیانات سامنے آتے ہیں تو سندھ کے اندرونی علاقوں میں پر تشدد کے واقعات میں اضافہ ہوجاتا ہے اور سندھی قوم پرست جماعتیں مشتعل ہو جاتی ہیں۔ بعض سیاسی جماعتوں کی جانب سے یہ اعتراض کیا جارہا ہے کہ ایم کیو ایم کی جانب سے اے پی سی کے انعقاد کے بعد قبل از وقت مطالبہ کیا ہے تو یہ بھی عوام نے دیکھا ہے نئے صوبوں کی تشکیل کے حوالے سے نئے انتخابات کے موقع پر

سیاست کی جاتی ہے اور ووٹ واقتدار حاصل کرنے کے بعد تمام بڑی جماعتیں اگلے پانچ سال کیلئے خاموش ہو کر بیٹھ جاتی ہیں، غیر جانبدارانہ قومی سیاسی تناظر میں دیکھا جائے کہ اگر امن و امان کے حوالے سے جس قدر انتظامی یونٹس زیادہ ہونگے، وفاق پر انحصار کم ہوگا اور نئے تشکیل پانے والے یونٹس اپنی علاقائی ضروریات کے مطابق تشکیل نو کر سکیں گے۔ مردم شماری کی غیر جانبدارانہ شماری اور بائیو میٹرک سسٹم کے تحت ڈیٹا کو محفوظ کرنے سے ملکی وسائل کی تقسیم اور صوبائی خودمختاری میں مدد ملے گی۔ قومی پالیسی کے تحت تمام سیاسی جماعتوں کی متفقہ رائے سے پاکستان کی مکمل تنظیم نو اور نئے یونٹس ہی امن و امان اور معیشت کی بحالی کیلئے اہم قدم ہے۔ نئے صوبوں کے حوالے سے قومی اتفاق رائے ضروری ہے، اس اہم ایشو کو ہر قومی انتخابات سے قبل سیاسی بنانے کے بجائے حل کی جانب توجہ دینی چاہیے۔

!تم حقیقت نہیں حسرت ہو

امریکی صدر کے ایلچی کارل رود کا بیان تھا کہ :
ہم اب ایک بادشاہت ہیں۔۔۔ہم اپنی حقیقت خود بناتے ہیں۔" we're an empire now we create our own reality" جبکہ امریکی صدر جارج بش نے 2001ء میں جب دہشت گردی کے خلاف جنگ (war on terror) کی اصطلاح استعمال کی تو اسی جنگ کو صلیبی جنگ (Crusade war) کہا گو کہ بعد اس اصطلاح سے اجتناب برتا گیا اور کہا گیا کہ یہ دو تہذیبوں کی جنگ نہیں ہے۔
2009ء میں جنوبی افغانستان کے پشتونوں کے خلاف جنگ کو تیز کرنے کیلئے میرین بریگیڈ روانہ کیا تو اس کے بعد سے آج تک قتل و غارت کا نہ رکنے والا ایک سلسلہ جاری و ساری ہے۔ٹریڈ سینٹر امریکہ میں گرا لیکن اس کے ملبے سے پوری ملت اسلامیہ دب گئی۔دنیا بھر سے مسلمانوں کو اغوا کرکے کیوبا کی خلیج گوانتانامو میں واقع امریکی فوجی اڈے کے زندانوں میں قید کئے جانے لگا، امریکہ جیسے اپنے نظام انصاف پر بہت ناز ہے لیکن یہ زندان خانے امریکی نظام انصاف کے ماتحت ہونے کے بجائے براہ راست اامریکی فوج اور اسکے خفیہ ادادرے سی آئی اے چلائے جاتے رہے۔ اس کے علاوہ سی آئی اے نے یورپ کے مما لک اور

بحری جہازوں میں ایسے اذیت خانے قائم کئے جو حکومتی مداخلت سے آزاد و خود مختار تھے۔، "پانی تختہ" کی اذیت کی اجازت امریکی حکومت کے بالائی ایوانوں نے دی۔ صلیب احمر (ریڈ کراس) سمیت ایف بی آئی کے کارندوں نے گوتانموبے میں امریکی فوجی اور سی آئی اے کے ہاتھوں ہونے والے تشدد پر ایک ملف کھولا جس کا عنوان " جنگی جرائم " تھا۔ عالمی سیاست میں terror اور terrorist کے الفاظ امریکہ اور مغربی طاقتوں کا عملی طور پر نشان تجارہ بن چکے ہیں کہ جس کو چاہیے "دہشت گرد" قرار دے دیں۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کئے جانے لگا اور اس ضمن میں مغربی ذرائع ابلاغ کی بھرپور حمایت بھی حاصل تھی۔ جامعات کے پروفیسر جھوٹے مقالات پر مبنی مقالے لکھ رہے تھے بقول جارج سمتھ کے "A significant and noticeable part of the US and European academy of terrorism studies is like a shark. If it stops swimming forward, it dies." امریکی اور یورپی اکادمی مطالعہ دہشت ایک " شارک کی مانند ہے، اگر یہ آگے کی طرف تیرنا بند کردے تو مَر جاتی ہے۔

اسی طرح حزب اختلاف نے بھی افغانستان جنگ میں امریکی پالیسیوں کی کھل کر حمایت کی۔ عدالتوں میں مسلمانوں کے خلاف قوانین کو سخت سے سخت انداز میں استعمال کئے جانے لگا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امریکہ کے خلاف عام مسلمانوں میں نفرت کے جذبات ابھرنے لگے اور جب پاکستان اس جنگ میں زبردستی

شامل کرادیا گیا تو اس کے تباہ کن نتائج نے پاکستانی معیشت کی بنیادیں ہلا دیں۔جہاں ایک طرف پاکستان کی معیشت تباہ و برباد ہوئی تو دوسری جانب دہشت گردی کے خلاف جنگ میں شمال مغربی سرحدی صوبہ کی عوام کو "جہاد" کے نام پر اس طرح استعمال کئے جانے لگا کہ طالبان کی اصطلاح صرف پختونوں کیلئے مختص ہو کر رہ گئی۔عسکری قوت کی جانب سے آپریشن راہ راست ، راہ نجات ، خیبر ون ، ٹو اور آپریشن ضرب عضب میں ان علاقوں کو نشانہ بنایا گیا جہاں دہشت گرد بڑی تعداد میں موجود اور خطے میں امن کی فضا کو خراب کرنے کے درپے تھے ۔گڈ طالبان اور بیڈ طالبان نے ایسی کنفوزیشن پیدا کردی کہ پاکستان کی عوام کو بھی کچھ سمجھ نہیں آنے لگا کہ یہ سب کیا ہے۔

بکھری اور منتشر قوم کو کراچی ایئرپورٹ حملے اور پھر آرمی پبلک اسکول کے بچوں کی شہادتوں نے یکجا کردیا اور قبائلی علاقوں میں کھلی جنگ شروع ہو گئی تو دوسری جانب ان عناصر کے خلاف سہولت کاروں کی ممکنہ مالی و سیاسی امداد کو روکنے کیلئے بھی کراچی تا خیبر ایک آپریشن شروع کردیا گیا۔اکیسویں صدی کے آغاز سے جس طرح مغربی ممالک میں مسلمانوں کو دہشت گرد سمجھے جانے لگا اسی طرح شمال، مغربی سرحدی علاقوں میں رہنے والے بھی اسی نفسیات کا شکار بننے لگے۔لاکھوں انسان گھر سے بے گھر ہوئے گولہ باریوں کے نتیجے میں جہاں گناہ گار ہلاک ہوئے تو یقینی طور پر بیگناہ بھی اس کی زد ، میں آجاتے

ہونگے۔ امریکی ڈرون حملوں میں جب خیبر پختونخوا میں بقول امریکہ، دہشت گردوں کو نشانہ بنایا جاتا تو غیر ملکی غیر جانبدار ذرائع ابلاغ اس بات کی تصدیق کرتے کہ ان حملوں میں بچوں، عورتوں اور معصوم بے گناہ افراد کی بہت بڑی تعداد بھی ہلاک ہوجاتی ہے۔ کراچی میں لسانیت کے نام پر پختونوں پر عرصہ حیات تنگ کردیا گیا اور 'را کے ایجنٹوں نے معاشی شہ رگ کو مفلوج بنانے کیلئے پختونوں کے ساتھ خون کی ہولی' کھیلی اور ہزاروں کی تعداد میں بے گناہ پختونوں کو ٹارگٹ کلنگ کرکے ہلاک کردیا گیا۔ خیبر پختونخوا میں خود کش بم دھماکے ہوں یا پھر پلانٹ بم، اس کا نشانہ بھی بدقسمتی سے پشتو بولنے والی قوم بنی اور ہزاروں کی تعداد میں بے گناہ عوام دہشت گردوں کا نشانہ بنی۔

یہاں اہم بات یہ ہے کہ پاکستان میں بسنے والے پختونوں نے تمام تر مصائب و مشکلات میں جہاں دہشت گردوں کے مظالم برداشت کئے اور سوات کے گرین چوک کو خونی لال چوک میں بدلتے اور ہر روز وہاں کسی نہ کسی فرد کی لاش کو لٹکتے دیکھا، سر کٹے جسموں اور سروں سے فٹ بال کھیلنے والوں کے ظلم کو برداشت کئے، روزگار کیلئے آنے والے یا مستقل آباد کراچی، بلوچستان میں یا پھر خیبر پختونخوا کے پشاور، کوہاٹ، بنوں وغیرہ کی عوام ہوں۔ ان سب میں ایک بات قدر مشترک دیکھی گئی کہ ان تمام مصائب، خوف ودہشت اور پھر پاکستانی عسکری طاقت کو سپورٹ کرنے کیلئے لاکھوں کی تعداد میں نقل مکانی کرنے والوں

نے کبھی پاکستان کے خلاف نعرے بلند نہیں کئے ، کسی نے بڑے سے بڑے لیڈر کی شہادت یا خود کش حملے میں شہید ہونے والے کارکنان و عوام کی آڑ لیکر بیرونی ملک دشمن قوتوں کو اپنی مدد کیلئے نہیں پکارا اور علیحدگی پسند تحریک شروع نہیں کی۔

اگر ہم پاکستان کی سرحدی صورتحال کا طاہرانہ جائزہ لیں تو ہمیں باآسانی سمجھ میں آجاتا ہے کہ سندھ کے ساتھ ان کی ثقافت و روایات کے رہنے والے ہی سینکڑوں سال سے آباد ہیں ۔ پنجاب میں رہنے والے مذہب کے فرق کے باوجود ایک ہی تہذیب سے وابستہ ہیں۔ بلوچستان کے سرحدی علاقوں کی صورتحال بھی مختلف نہیں ۔ جبکہ خیبر پختونخوا کی سرحدی صورتحال کے ساتھ سینکڑوں سال کی ثقافت و روایات کے ساتھ آج بھی ان کے درمیان خون کے رشتے بھی قائم ہیں۔ پنجاب میں اگر ہم دیکھیں تو فرقہ واریت کی فضا اور وسائل کی فروانی سمیت پاکستان کے ساٹھ فیصد رقبے کی ملکیت کے حوالے سے پنجاب ہمیشہ متنازعہ رہا ہے اور چھوٹے صوبے بڑے بھائی کی وجہ سے ناراض ہی رہے ہیں ۔ بلوچستان کے پاکستان سے الحاق کے بعد سے علیحدگی پسندوں نے پاکستان سے الگ جداگانہ مملکت کا مطالبہ کرتے ہوئے بھارت و پاکستان دشمن قوتوں کی سرپرستی میں فوج کے ایک حصے کو مستقل مصروف رکھا ہوا ہے اور پاکستانی سیاست دان و عسکری قوت بلوچستان کو قومی دھارے میں لانے کیلئے ہر جتن کر رہے ہیں۔ سندھ میں ایک بڑی سیاسی شخصیت کی

ہلاکت کے بعد سندھو دیش کے نعرے میں شدت پیدا ہوئی اور 'پاکستان نہ کھپے' کے نعروں کے ساتھ ، سندھ کے شہری علاقوں میں ملک دشمن عناصر سے مدد کئی بار طلب کی گئی اور کئی سنگین نوعیت کے ملزمان گرفتار بھی ہوئے۔ لیکن خیبر پختونخوا میں اس قسم کے کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا اور سینکڑوں سال سے آباد قوم نے پاکستان کو اپنا وطن اور اپنی ماں سمجھ کر اس کی حفاظت کیلئے ہر قسم کی قربانی کی تاریخ رقم کی۔ جہاں کبھی برٹش گورنمنٹ کے قدم علاقوں میں نہ پڑے تھے وہاں پاکستان کا جھنڈا لہرایا گیا۔

پاکستان کے تمام صوبوں نے آئی ڈی پیز کو اپنے صوبوں میں داخلے سے روکنے کیلئے حکمت عملیوں پر سختی سے عمل درآمد کرایا۔ ہڑتالیں تک ہوئیں لیکن پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ دہشت گردی سے لیکر ٹارگٹ کلنگ یا فوجی سخت سے سخت آپریشن اور امریکہ کی جانب سے پاکستانی حکومت کی جانب سے ڈرون حملوں کی اجازت دینے کے باوجود شمال، مغربی سرحدی علاقوں کی عوام نے پاکستان مخالف تحریک نہ بنائی اور نہ ہی ان کی جانب سے کوشش ہوئی۔ آج کراچی سمیت پورے پاکستان میں ایپکس کے فیصلوں کے تحت دیہاتوں ، قصبات ، شہروں ، مدارس میں ٹارگٹڈ آپریشن کئے جا رہے ہیں لیکن پاکستان سے اصل حب الوطنی کا یہ واضح ثبوت ہے کہ کسی پختون نے " را" سے مدد طلب نہیں کی اور نہ ہی اپنے اصلی وطن افغانستان کو مداخلت کیلئے کہا۔ یہ تقلید تمام علیحدگی پسندوں کیلئے مشعل راہ ہے کہ اگر پاکستان میں رہنا ، جینا ، مرنا ، کھانا پینا اور اپنا سب کچھ نچھاور کرنا ہے تو اسے پاکستانی

بن کر اپنی ملکی سرحدوں اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کرنا ہوگی۔امریکی جارحیت ، بھارت کی اشتعال انگیزیاں ، اسرائیل کی ریشہ دوانیاں ہوں یا کوئی بھی صورتحال ہو ہمیں با حیثیت مسلمان اپنے اللہ پر یقین ، اس کے دیئے گئے نظام اسلام کے حقیقی تصورات کے لئے کوشش ، لسانیت فرقہ واریت اور صوبائیت سے پاک اللہ تعالی کی زمین پر اللہ تعالی کا نظام نفاذ کرنا ہوگا۔ہمیں اپنی قوت منقسم کرنیکے بجائے فلاح انسانیت پر مرکوز کرنا ہوگی۔

دی پرفیکٹ گائے

ایک پرانی خبر میری نظروں کے سامنے گزری کہ ایکشن فلم ' دی پرفیکٹ گائے ' نے باکس آفس پر پہلی پوزیشن حاصل کرلی۔ قدرے چونک کر پڑھا اور فوراً خبر کی تفصیل میں گیا تو اپنی غلط بینی پر شرمندہ ہوا کہ دراصل یہ The Perfect Guy ہے جیسے اردو میں دی پرفیکٹ گائے لکھا ہوا تھا۔ دراصل آج کی دنیا کی اس قدر جدید ہو گئی ہے کہ کسی بھی خبر کو نظرانداز بھی نہیں کیا جاسکتا اور کسی اہم خبر کو اثرانداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بھارت نے جب سے گائے کی ذبیحہ پر پابندی لگائی ہے تب سے گائے باگائے مختلف نوعیت خبر پڑھنے کو ملتی رہی ہیں کہ دماغ میں گائے گائے ہونے لگی۔ ٹویٹر پر ایک ایش پڑھنے کو ملا کہ گائے خدا نہیں ، غذا ہے۔ سعودی عرب نے اونٹ کی قربانی پر امسال پابندی عائد کردی ، وجہ یہ بیان کی گئی کہ اونٹوں میں مڈل ایسٹ ریسپائریٹری سنڈروم کورونا وائرس پایا جاتا ہے جو انسانوں کیلئے مہلک ہے ۔ میرس وائرس کی وجہ سے اونٹوں کی قربانی کا فتوی سعودی مفتی اعظم نے کیا۔ ظاہر ہے کہ اس فتوی کے بعد کوئی جواز ہی نہیں رہ جاتا کہ کوئی سرتابی کرسکے۔ بھارت سے ایک خبر دارلعلوم دیو بند ہند کی جانب سے منسوب کی گئی کہ " دارلعلوم دیوبند ہمیشہ ہی سے گائے کے ذبیحہ کے خلاف رہاہے اور اس سلسلے میں مسلمانوں کو بھی تلقین بھی کرتا رہا ہے " اس

سلسلے میں دارالعلوم کے مہتمم مولانا ابوالقاسم نعمانی کا نام استعمال کرتے بھارتی میڈیا نے اس خبر کو خوب پھیلایا کہ ملکی قانون اور ہندو برادری کے جذبات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے عید الاضحیٰ کے موقع پر گائے کی قربانی نہ کی جائے۔ فوری طور پر دارالعلوم دیوبند ہند سے وضاحتی بیان 12 ستمبر کو جاری ہوا کہ "دارالعلوم دیوبند (ہند) نے اس سال عیدالضحی کے موقعہ پر گائے کی قربانی کرنے یا نہ کرنے کے سلسلہ میں کسی قسم کی کوئی اپیل یا بیان میڈیا کے ذریعے جاری نہیں کیا۔ دارالعلوم دیوبند (ہند) نے میڈیا میں شایع بیانات کی سختی سے تردید کی، بلکہ تفصیلی وضاحتی میں ایک قابل ذکر جو کہی گئ وہ تھی کہ، دارالعلوم دیوبند (ہند) ہر قسم کے معمولی و غیر معمولی سیاسی معاملات سے اپنے آپ کو ہمیشہ الگ رکھتا ہے۔ بدقسمتی سے پاکستانی میڈیا نے بھی جلد بازی سے کام لیا اور خبر کی مکمل تصدیق کئے بغیر ایسے شائع کردیا، لیکن سوشل میڈیا میں اس خبر کو جھوٹا ثابت کردیا گیا لیکن اس کے باوجود کچھ عناصر بھارتی اخبارات کے تراشے لگا کر عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگے رہے۔

عید الاضحیٰ میں ہر سال مسلمان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم قربانی کی یاد میں مختلف حلال چوپایوں، جیسے گائے، بیل، بکرے، مینڈھے، اونٹ اور دیگر جانوروں کی قربانی دیتے ہیں۔ گائے چونکہ زیادہ گوشت ہونے کی بانسبت

حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے اس لئے صاحب نصاب کے علاوہ متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے گائے کی قربانی میں دلچسپی رکھتے ہیں کیونکہ اس میں اخراجات کم ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہاں مسئلہ یہ نہیں تھا بلکہ بھارت کی جانب سے گائے کو مذہبی طور پر مقدس سمجھنے کے سبب انتہا پسند ہندوؤں نے گائے کے ذبیحہ پر پابندی عائد کردی۔ بھارت کی جانب سے اسے مذہبی رنگ دینے کی کوشش کی گئی حالاں کہ تاریخ ثابت کرتی ہے کہ بھارت میں گائے کا گوشت صرف مسلمان ہی نہیں کھاتے۔ قدیم ہندوستان کے ویدک ادب میں ایسے کئی شواہد مل جاتے ہیں کہ اُس دور میں بھی گائے کا گوشت استعمال کیا جاتا تھا،جب یگیہ (ایک مذہبی تقریب) ہوتی تھی تب بھی گائے کو قربان کیا جاتا تھا۔ عہد گپت (320-550 عیسوی) میں نئے گھر کی آباد ہونے کی رسم کے موقع پر بھی گائے کی قربانی دی جاتی تھی۔ پانچویں صدی سے چھٹی صدی عیسوی میں چھوٹی ریاستوں کے وجود میں آنے کے بعد زمینیوں کی کاشت کاری کیلئے گائے ، بیل کی اہمیت میں اضافہ ہوا لیکن پھر بھی اس میں یہ نظریہ نہیں تھا کہ گائے ہندو مذہب میں مقدس ہونے کے سبب قربان نہیں کی جاسکتی۔ اس نظریئے کو فروغ برہمنوں نے دیااور آہستہ آہستہ یہ نظریہ برہمن نے ایجاد کیا کہ جو گائے کا گوشت کھاتے ہیں وہ "دلت" ہیں ۔چونکہ "دلتوں" کی تعداد چھٹی عیسوی میں بڑھتی چلی گئی تھی اس لئے برہمن اصولوں نے مذہبی حکم کی جگہ لے لی کہ جو گائے کا گوشت کھائے گا وہ دلت ہوگا۔ اس دوران ایسے قانون کی شکل میں نافذ کردیا گیا کہ جو گائے ذبح کرے گا ایسے کفارہ

دینا ہوگا۔ لیکن گو کشی کی سزا ایسی بھی نہیں تھی جیسے کہ آج کل مودی سرکار کی جانب سے رکھی جا رہی ہے کہ گائے کو ذبح کرنے والے اگر گائے کا گوشت کھانا چاہتے ہیں تو پاکستان چلے جائیں یا پھر کچھ ریاستوں میں انسانی قتل کی سزا کم اور گو کشی کی سزا زیادہ ہے۔ ہندو مذہب کی کسی کتاب میں یہ کوئی بڑا جرم نہیں ہے، اس لئے زمانہ قدیم میں اس پر کبھی پابندی نہیں لگائی گئی۔ لیکن یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ مغلوں بادشاہوں کے دور میں جینیوں کا اثر و رسوخ کی وجہ سے بعض موقعوں پر گائے کی ذبیحہ پر پابندی بھی لگی۔ اصل تنازعہ 19 ویں صدی میں پیدا ہوا جب سوامی دیانند سرسوتی نے "گو رکشا" مہم چلا کر ہندو مسلم فسادات کی ابتدا کی، اور یہ امتیاز سامنے آیا کہ جو گائے کا گوشت کھاتا ہے وہ مسلمان ہے۔ حالاں کہ بھارت میں دلت بیف کھاتے ہیں، قبائلی بھی کھلے عام کھاتے ہیں،، برہمنوں کو چھوڑ کر سب بیف کھاتے ہیں، تمل ناڈو میں بھی بیف کھایا جاتا ہے۔

پابندی تو پاکستان میں بھی لگائی گئی کہ مادہ حاملہ جانوروں کو حلال نہ کیا جائے۔ لیکن بھارت نے مسلمانوں کے خلاف جو محاذ کھول رکھا ہے اس پر ان کی مذہبی جنونیت کو کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ بھارت میں غربت کا عظیم طوفان ہے اور جب بھارت کی مغربی ریاست مہاراشٹر نے گو ونش (گائے کی نسل کے کسی جانور) کے ذبیحے پر مکمل پابندی عائد کی تو اس کاروبار سے منسلک لاکھوں

افراد بے روزگار ہو گئے اور چمڑے کی صنعت میں بحران پیدا ہو گیا اور تاجر برادری کے مطابق چمڑے اور گوشت کا سالانہ 1.5 ارب روپے کا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا ور لاکھوں افراد بے روزگار ہو جائیں گے تو دوسری جانب یہ خدشات بھی سامنے آئے کہ جہاں بھارت جیسے غریب ملک میں انسانوں کو ایک وقت کی روٹی بھی وقت پر میسر نہیں ، وہاں ان جانوروں کی افزائش کیلئے کس قدر اقدامات کئے جا سکتے ہیں ، گو کہ بھارت نے اس کے لئے ایک وزرات بھی بنائی ہے لیکن بھارتی عوام خود بھی اس فیصلے پر نکتہ چینی کرتے نظر آتے ہیں۔ بھارت کے نائب وزیر داخلہ کرن ریجی جو پریس کانفرنس میں علی اعلان کہہ چکے ہیں کہ "میں گائے کا گوشت کھاتا ہوں اور مجھے کوئی گوشت کھانے سے نہیں روک سکتا، کیا مجھے کوئی روک سکتا ہے۔؟۔ بھارتی اداکارہ سونم کپور تو واضح طور پر کہہ چکی ہے کہ " ہمارا ملک تیسری دنیا کے ممالک میں شامل رہنا چاہتا ہے کیونکہ یہاں کچھ تنگ نظر لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔ بھارتیوں ! تم کبھی ترقی نہیں کرو گے۔" بھارت جہاں ایک دلہن کی قیمت گائے سے بھی کم ہے وہاں ہندو انتہا پسندی کی وجہ سے صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ ہندو مذہب سے تعلق رکھنے والے دلت اور دیگر فرقے بھی متاثر ہو رہے ہیں۔ قربانی رسم صرف مسلمانوں میں نہیں رہی ہے بلکہ مختلف مذاہب میں جانوروں کی قربانی دیوتاؤں کو خوش کرنے اور موسم میں تبدیلی لانے کی استدعا کے طور پر لگ بھگ تمام مذاہب کے پیروکاروں جیسے عبرانیوں ، یونانیوں ، رومنوں ، قدیم مصریوں ، مایا دیتے رہے ہیں ایزٹک میں

یونانی دیہاتی عیسائی آرتھوڈوکس، سینٹس کو خوش کرنے کیلئے بھی قربانی دیتے تھے اس رسم کو " قوربانیا" کہا جاتا تھا۔ قدیم اسرائیل میں بھی قربانی کا تصور واضح ہے اور بائیبل کے افتتاحی ابواب میں قربانی کا صحیح صحیح طریقہ تک موجود ہے۔ عیسائیت میں بھی قربانی کا تصور موجود ہے، بائیبل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے کی قربانی کا بیان موجود ہے، مسیحی عالم پادری عمانویل کھوکھر کہتے ہیں کہ بائیبل کے مطابق خدا تعالی دیکھنا چاہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایمان کس قدر پختہ ہے۔ بدھ مت میں قربانی کا تصور نہیں، وہ جانداروں کے ذبیحہ کے مخالف تھے، بدھا کا کہنا تھا کہ

اے برہمن، میں لکڑی ڈال کر آگ نہیں جلاتا

مُیں صرف اندر کی حرات سے آگ جلاتا ہوں

حتی کہ جنوبی امریکہ کے ازٹک دور میں دیوتاؤں اور ارواح کو کوش کرنے کیلئے انسانوں تک کو قربان کیا جاتا رہا ہے۔ زمانہ قدیم ہو یا زمانہ حاضرہ اب بھی توہمات کے ہاتھوں انسانوں کے ہاتھوں انسان قربان ہوتے رہے ہیں۔ یہاں صرف مقصود یہی تھا کہ ہندو مت سمیت تمام مذاہب میں گائے کے ذبیحہ پر پابندی کی کوئی روایت قدیم سے جدید دور تک نہیں رہی ہے۔ یہاں صرف یہی نظریہ ہے کہ مسلمانوں کو زک پہنچائی جائے، ان کے اسلامی شعائر کا مذاق اڑایا جائے اور

ان پر جس قدر مصائب لادے جا سکتے ہیں، ڈھائے جائیں۔ بھارت کی جنونی انتہا پسند مودی سرکار کا واحد مقصد صرف مسلمانوں کو ایذا دینا ہے اور اس کے لئے جو جس قسم کی بھی ہتھکنڈے استعمال کر سکتی ہے وہ مسلسل کئے جا رہی ہے۔ لیکن اس منفی عوامل سے بھارت میں خود اپنے لئے مشکلات پیدا کر رہی ہے۔ جس کی مثال ایک کشمیری خاتون نے بھارتی احکامات ہوا میں اڑاتے ہوئے اپنے گھر کے سامنے گائے کو بھارتی انتہا پسندی کی سوچ سمجھ کر قربانی کر دی۔

ٹوٹ جاتی ہیں رگیں خود سے لڑتے لڑتے

سال 2003ء میں ایرانی فوج کے ایک ہوائی جہاز کے حادثے میں 276 فوجی اور عملے کے ارکان ہلاک ہوگئے تھے جبکہ جولائی سال 2009ء میں شمالی ایران میں ہوائی جہاز کے ایک حادثے میں ایک سو ساٹھ سے زائد افراد ہلاک ہوئے تھے جبکہ جنوری 2011ء میں ایران کے مسافر بردار ہوائی جہاز کے حادثے میں کم از کم 70 افراد ہلاک ہوئے۔ 2008ء میں ایران کو جب یہ خطرہ لاحق ہوا کہ اسرائیل ایرانی تنصیبات پر حملہ کر سکتا ہے تو ایرانی جنگی طیارے عام پروازوں کو نشانہ بنادیا کرتے تھے اس ڈر کے ساتھ کہ اسرائیل عام طیاروں کے بھیس میں ان پر حملہ کر سکتا ہے۔اب فضائی حادثات کی عالمی خبروں کے بجائے اجمالی طور پر صرف بھارت کا ذکر کرتے ہیں کہ بھارت میں روزانہ اوسطاً 1235 ٹریفک حاثات ہوتے ہیں جس میں روزانہ کے حساب سے 388 افراد ہلاک ہوجاتے ہیں ، سرکاری اعداد و شمار کے مطابق سال 2014ء میں 4,50,898 سڑک حادثات میں 1.41 لاکھ افراد ہلاک ہوئے تھے اور 4,77.731 افراد زخمی ہوئے ۔ اب فضا و زمین کے بعد زیر زمیں حادثات کی مثال بیان کرتا ہوں ،تاریخ کا بدترین زلزلہ چین میں 23 جنوری 1556ء کو آیا تھا جس میں 8 لاکھ 30 ہزار افراد ہلاک ہوئے۔ 12 جنوری 2010 ہیٹی میں کم از کم 03 لاکھ افراد ہلاک اور 3 لاکھ زخمی ہوئے۔انڈونیشیا کے جزیرے ساٹرا پر آنے والے زلزلے میں 2 لاکھ

ہزار 898 افراد ہلاک جبکہ 17 لاکھ بے گھر ہوئے۔اس کے علاوہ بھی زلزلوں میں 27 ہلاک ہونے والوں کی لاتعداد تفصیلات ہیں۔سیلاب کے نتیجے میں ہلاک اور بے گھر ہونے والوں کی تعداد کا اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا۔یہ سب قدرتی حادثات ہیں جس میں انسان چاہیے کتنی بھی کوشش کرلے لیکن قدرت کے متعین کردہ اصولوں و قوانین سے بالاتر کوئی بھی نہیں ہوسکتا اور ان حادثات کا ذمہ دار کسی کو نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔اب انسانوں کے ہاتھوں انسانوں اور انسانیت کی تباہی کی مختصراً روداد بھی پڑھ لیجئے۔جنگ عظیم اول کا آغاز آسٹریا کے شہزادے فرڈی ننڈ کے ہلاک کئے جانے کے بعد ہوا اور اس جنگ کے دوران ایک کروڑ فوجی ہلاک جبکہ دو کروڑ دس لاکھ افراد زخمی اور معذور ہوئے۔دوسری جنگ میں 61 ممالک نے جنگ میں حصہ لیا، چالیس ممالک کی سرزمین متاثر ہوئی اور پانچ کروڑ کے لگ بھگ افراد ہلاک ہوئے، سب سے زیادہ نقصان روس کا ہوا جس میں دو کروڑ روسی مارے گئے۔اسی جنگ میں ایٹم بم کا استعمال بھی ہوا۔ایران عراق کی جنگ میں لاکھوں افراد ہلاک ہوئے اور مالی نقصانات کا تخمینہ اربوں ڈالر ہے۔ایوسی ایٹڈ پریس کی تحقیق کے مطابق عراقی جنگ میں 2005ء سے اب تک نو لاکھ سے زائد افراد عراقی شہری تشدد، بم پھٹنے، فائرنگ اور بمباری سے ہلاک ہوچکے ہیں۔2003ء میں عراقی جنگ شروع ہونے کے بعد ایک لاکھ دو ہزار چھ سو عراقی ہلاک ہوئے۔اقوام متحدہ کے انسانی حقوق سے متعلق ادارے کی ایک رپورٹ کے مطابق شام میں تشدد کے واقعات میں دو لاکھ، چالیس ہزار تین سو

اکیاسی شامی باشندے جن میں بارہ ہزار بچے بھی شامل ہیں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔پاکستان، افغانستان میں دہشتگردی کے ہاتھوں 2001ء سے گذشتہ سال تک ایک لاکھ 49ہزار افراد ہلاک اورایک لاکھ 62ہزار زخمی ہوئے۔پاکستان میں دہشت گردی سے پچاس ہزار سے زاید شہید ہوئے جوہری جنگ کی روک تھام کی خاطر انجمن کے مطابق امریکہ کی فوجی کاروائیوں کے نتیجے میں عراق، افغانستان اورپاکستان میں کل 13لاکھ سے زائد افراد جاں بحق ہوئے، عراق میں ہلاک زدگان کی تعداد دس لاکھ کے قریب ہے۔

تھوڑی توجہ عراق کے انصرام وانتظام کی بھی لے لی جائے جہاں ایرانی مداخلت اور عراق کے وزیراعظم نورالمالکی کی وجہ سے فرقہ وارانہ پُرتشدد واقعات میں اضافہ ہوا اور مسلم امہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔شام میں بشارالاسد کی ظالمانہ جابر حکومت کی نتیجہ میں فرقہ وارانہ قتل وغارت کے ناقابل بیان واقعات اور معصوم لوگوں پر کیمیاوئی ہتھیاروں کا بے دریغ استعمال کیا گیا۔یمن میں حوثی قبائل کے ساتھ ملکر جابرانہ قبضہ کیااور فرقہ واریت کو انتہاپر پہنچایا۔آج عراق، شام، یمن، الجزائر میں فرقوں کے نام پر جس طرح معصوم لوگوں کو ہلاک کیا جارہا ہے اس نے تو داعش کے مظالم کو بھی شرمادیا ہے۔اس عالم میں جبکہ اسلامی ممالک میں فرقہ واریت کے نام اور حکومتوں پر فرقوں کے نام پر قبضے کی جنگ جاری ہے۔اسلام دشمن عناصر کی ہاتھوں

پرورلیش پانے والی داعش کی جانب سے اسلامی شعائر کی پامالی شدت کے ساتھ جاری ہے اور ان کا ہاتھ روکنے والا کوئی نہیں۔ان فرقہ وارنہ پالیسوں کے سبب اور مخصوص عناصر کی آشیر باد کے سبب لاکھوں شامی باشندے اپنا ملک چھوڑ کر جانے پر مجبور ہوئے اور اسمگلروں کے ہاتھوں چڑھ کر اپنی قیمتی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ مغربی ممالک نے اسلام فوبیا کے باوجود مسلمانوں کو پناہ دے رہے ہیں جبکہ مسلمانوں کی پناہ کے حوالے سے بھی پروپیگنڈا کیا گیا کہ اسلامی ممالک ان شامی مسلمانوں کو پناہ کیوں نہیں دیتے ،
گوکہ سعودی عرب سمیت متعدد اسلامی ممالک نے پناہ گزینوں کی بہت.بڑی تعداد کو پناہ دے رکھی ہے حالاں کہ پاکستان جیسے غریب ممالک ان کے پناہ کے متحمل بھی نہیں ہو سکتے ہیں اس کے باوجود عالمی قوانین اور انسانی ہمدردی کے تحت لاکھوں انسانوں کو چھوٹے ممالک نے پناہ دے رکھی ہے۔ حالاں کہ ان پر جنگ مسلط کرنے والے اولاً مغربی ممالک ہی ہیں جس نے کبھی کیمیاوی ہتھیاروں کی آڑ لی تو کبھی اسامہ کا بہانہ بنایا تو کبھی کیا جواز تراشا۔
سانحہ منیٰ پہلی بار نہیں ہوا ہے اس سے قبل بھی ہجوم غفیر کی وجہ سے بد نظمی واقع پزیر ہوئے ہیں اور مختلف حالات میں سعودی حکومت کی جانب سے بہتر سے بہتر کوشش کی جاتی رہی ہے اور اس کی گواہی سعودی سے حج کرنے والے حجاج ہی بہتر دے سکتے ہیں۔
لیکن تف ہے ایسے دانشوروں پر جنھوں مسجد الحرام کی زمین

کو چھوا تک نہیں لیکن اس پر تبرا اس نیت سے کرتے ہیں کیونکہ وہ خود لبرل سمجھتے ہیں ، سیکولر کہتے ہیں، لیکن انھیں لبرلازم اور سیکولرازم کی الف ب سے بھی آگاہی نہیں ہے۔انھیں بس شعائر اسلامی سے تکلیف ہے لیکن شرم کی بات ہے کہ قربانی پر تنقید کرنے والے خود سب سے پہلے نئے کپڑے پہن کر سج دھج کے ساتھ باربی کیو کے مزے بھی اڑاتے ہیں ، سرکاری اور سیاسی جماعتوں کی عید ملن پارٹیوں میں بھی بڑے شوق سے جاتے ہیں۔اور اپنی مکروہ تصویریں فیس بک پر شیئر بھی کرتے ہیں کہ ان سے بڑا خیر خواہ اس ملت اسلام کا کوئی نہیں لیکن جب ان کا دوہرا چہرہ دیکھنا ہو تو ان کی تحریروں میں خوشامدانہ و مبلغانہ حاشیہ برادیوں کا ایک انبار لگا ہوتا ہے لیکن جب ان کے ذاتی مزاج کا معلوم کرنا ہو تو کبھی ان کی محفلوں میں بیٹھ جائیں تو اسلام کے خلاف زہر اگلتے نظر آئیں گے، تعصب ، لسانیت اور قوم پرستی کے زہر آلود جملے سوشل میڈیا پر بد بو پھیلا رہے ہونگے ۔ اگر ان پر مثبت تنقید کی جائے تو ناراضگی تو ان کی گھر کے لونڈی ہے۔سانحہ منی کو بھی لیکر جہاں نام نہاد دانشور ، لکھاری اپنے خیالات کا پرچار غیر ملکی ایجنڈے کے تحت اس لئے کر رہے ہوتے ہیں کیونکہ انھیں حجاز مقدس کو متنازعہ بنانا ہے اور انھیں یہ ایجنڈا مخصوص عناصر نے دیا ہوتا ہے۔اسی طرح سانحہ منی پر سیاست کرنے والوں نے یہ سوچے بغیر کہ اس سے اسلام کے خلاف کس قدر جگ ہنسائی ہوگی ، عظیم سانحے پر سیاست شروع کردی ہے اور آل سعود سے اپنی ذاتی عناد کو باہر نکال کر بین الاقوامی طور پر

دشنام طرازی کی حدود پار کر رہے ہیں۔کالم کی ابتدا میں صرف چند واقعات لکھنے کا واحد مقصد یہی تھا کہ ہمیں اس بات کو ضرور سوچنا چاہیے کہ قدرتی آفات ایک سانحہ ہوتا ہے ، اگر وہ آسمانی ، زمینی یا زیر زمیں ، اس سے انسان کسی طور نہیں بچ سکتا لیکن مستقبل میں احتیاط ضرور کر سکتا ہے۔سانحہ منیٰ میں صرف پاکستانیوں کے لاپتہ ہونے کے خبریں میڈیا میں گردش کرتی رہیں۔یقینی طور پر اس لاپرواہی، سستی اور کوتاہی کے ذمے دار وزرات مذہبی امور و حج مشن ہے، لیکن اس پر بھی ہمیں سیاست سے اس لئے گریز کرنا چاہیے کیونکہ یہ پاکستان کا معاملہ نہیں ہے کیونکہ سعودی عرب کے اپنے قوانین ہیں اور اس کے مطابق وہ عمل کرتی ہے۔غیر ملکی پروپیگنڈوں میں سعودی شہزادے کیلئے راستے بلاک کرنے سمیت حج کے بہانے رقم کے لالچ سمیت متعدد بیانات منظر عام پر صرف اس لئے لائے گئے تاکہ امت مسلمہ میں انتشار پیدا ہوسکے اور فرقہ واریت کو فروغ دیا جاسکے۔ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ حجاج اکرام کسی سیاسی جلسے میں نہیں بلکہ اللہ تعالی کے حضور اہم فریضے کی ادائیگی کیلئے آئے تھے ۔ اللہ تعالی کے گھر میں اپنے گناہوں کی بخشش اور امت مسلمہ کے اتحاد اور امت میں تفرقہ پیدا کرنے والوں کے خلاف یکجہتی کا عظیم مظاہرہ حج ہوتا ہے جسے دیکھ کر منکرین اسلام کے دل دہل جاتے ہیں اس لئے اسلام کے خلاف ان کی سازشیں مزید تیز ہو جاتی ہیں۔کسی نے کہا کہ سعودی عرب نے حج کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا اس میں دیگر ممالک کو بھی شامل کرنا چاہیے ان سے بھی مشاورت کرنی چاہیے ۔ ان

سے صرف یہ کہنا چاہوں گا کہ کیا ان کے ممالک میں جمہوریت کے نام پر جو جھوٹا نظام نافذ وہاں سب کچھ ٹھیک ہے۔ عوام سے کچھ پوچھا جاتا ہے۔ایک عید کے چاند پر تو متفق ہو نہیں سکتے اور چلے ہیں حج جیسے بڑے عظیم اجتماع کا ٹھیکدار بننے۔ اللہ تعالیٰ نے حرم پاک کیلئے جو جگہ مختص کی اور تمام عالم کیلئے نقطہ آغاز مقرر کیا اس کی ذمے داری بھی اسی سرزمین کے نگرانوں کو دی ہے۔پہلے اپنے گھر کی فکر واس پر توجہ دینی چاہیے۔نام نہاد دانشور بن کر اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی سے گریز کرنا چاہیے۔

سورج ایک نارنگی کی طرح نارنجی تھا

جب بات مہذب کی ہو اور جب اس میں شدت لسانیت کی آ جائے تو قوم پرستی کے ساتھ انتہا پسندی بنکر رگوں میں خون کی طرح دوڑنے لگتی ہے۔
ایک واقعہ بھارتی ریاست راجھستان کے شہر جودھ پور کے سرکاری اسکول میں معصوم بچے کو "دلت" ہونے کی سزا ملی ، دلت بچے پر اعلی جاٹ کے بچوں کی پلیٹ چھونے پر کلاس ٹیچر نے بُری طرح تشدد کیا، بھارت کی ایک مقامی این جی او کے مطابق بھارت میں ہر ہفتے 13 دِلت قتل کر دیئے جاتے ہیں ۔ بھارت میں ہی ایک چودہ سالہ لڑکی کو سر پر ڈوپٹہ نہ پہننے پر زندہ جلا دیا گیا۔ میرے لئے ایسے بیشتر واقعات سوہان روح بن جاتے ہیں جب کسی صنف نازک پر ظلم کی داستانیں ہم خوردد کہلانے والے رقم کرتے ہیں۔ میں Freeway سے Wilshire Wast پر نکل آیا اور پُل پر سے گذرتے ہوئے پہلی ٹریگ لائٹ پر westwood village کیلئے لفٹ ٹرن لیکر تین بلاک کے بعد میں یونیورسٹی آف کیلی فورنیا لاس اینجلس (اکلا) کے کیمپس میں داخل ہو رہا تھا "اکلا" ، امریکہ کی دس مشہور یونیورسٹیوں میں شمار ہوتی ہے اور میرے دووست احباب کی محافل بھی اکثر یہیں جما کرتی تھیں میرے بہترین موضاعات میں فلسفہ تھا، اکلا یونیورسٹی گو کہ ایک پبلک

یونیورسٹی ہے اُس وقت کی فیکلٹی کا اسٹاف 33 ہزار سے زائد تھی جن میں 5 نوبل پرائز یافتہ بھی شامل ہیں، میرے لئے سب سے بڑی دلچسپی کا سامنا اس کی لائبریری کی سات ملین کتابیں تھیں اس میں 174 بلڈنگ جو کہ چار سو انیس ایکڑ پر پھیلی ہوئی تھی۔

تعلیم مخصوصہ سے مراد: تعلیم کا استعمال، کسی مقصد کو حاصل کرنے میں، صنعت کار اس تعلیم سے دولت کماتا ہے۔ تعلیم ایک ایسی قوت کا نام ہے جب ایسے حصول کرکے ایک قوت بنا لیا جاتا ہے۔ سینکڑوں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی اسکول نہ جائے اور وہاں تعلیم حاصل نہ کرے تو تو وہ تعلیم یافتہ نہیں بن سکتا، دراصل ایجوکیشنایک اطالین "ایڈوکو" سے بنی ہے جس کے معنی ' اندر سے ابھرنا' انکشاف کرنا' ضروری یہ بھی نہیں کہ جس کے پاس تعلیم عامہ کی بہتات ہو تو اس تعلیم مخصوصہ کی بناپر ایسے تعلیم یافتہ ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ دراصل تعلیم یافتہ وہ شخص ہے جس نے اپنے ذہن کو تربیت دی ہے۔ تعلیم شخص کسی کا حق مارے بغیر ہر اس شخص کسی کو حق مارے بغیر ہر اس چیز کو حاصل کرلیتا ہے جو اس کو پسند ہے۔ یہاں میں ایک ایسے دوست کا ذکر ضرور کروں گا۔ مسٹر جوگن زاؤلس کالج کے طالب علم تھے، عمومی طور پر تعلیم کے نظام پر میری ان سے بڑی تنقیدی نشستیں ہوتی تھیں، ایک تو میرے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ میں مسلمان بھی تھا اور پختون بھی تھا اس لئے مغربی معاشرے میں ان کی

اقدار کے ساتھ گفت و شنید میں اپنی عادت کی مطابق کچھ جذباتی بھی ہو جاتا تھا لیکن مقصد تعمیری تحقیق کا تھا اس لئے ہم ایک دوسرے کو برداشت کر لیا کرتے تھے۔ اچانک بیٹھے بیٹھے ایک پروگرام دماغ میں آیا کہ از خود ایک کالج بنا کر اس میں پرانے رسمی طریق تعلیم کے بجائے جدید اور موثر تعلیم نظام نافذ کریں گے۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اس کے پاس رقم تو بالکل نہیں تھی لیکن خیالات کی بھرمار بہت تھی، کوئی ایک ملین سے دو ملین ڈالر کا تخمینہ ابتدائی طور پر لگایا گیا تھا۔ ایک دن ڈاکٹر نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں بھی وہی سوچ رہا ہوں، خان جو تم سوچ رہو، میں نے جواب دیا کہ دو سالوں میں اس کے علاوہ سوچنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں سوجھ رہا۔ پر ایک دم ڈاکٹر میں ایک ہیجانی کیفیت طاری ہو گئی اور اس نے کہا کہ میں ایک ہفتے میں ایک ملین ڈالر اکٹھا کر لوں گا، میں حیرانگی سے اس کی جانب دیکھنے لگا کہ دو سال کا عرصہ یہی سوچتے ہوئے گذار دیا اب یکدم ایسا کیا ہوا۔ بہرحال ہمیں ایک دوسرے پر اعتماد تھا، اس نے مقامی اخبارات میں ایک اشتہار چھپوا دیا کہ اگر میرے پاس ایک ملین ڈالر ہوں تو میں یہ کام کروں گا" ایک تقریب میں جلد بازی میں وہ اپنا وعظ گھر بھول آیا تھا لیکن جوش و جذبے نے اس کے الفاظوں نے ایک شخص مسٹر آرمر کو بہت متاثر کیا اور اس نے ڈاکٹر گن زاؤلس کو اپنے دفتر بلا کر ایک ملین ڈالر کا چیک دے دیا۔ آج اس کالج کا نام ILLLinois Institute of Technology ہے۔

بونا وینچر ہوٹل میں آرگنائزیشن پر ایک سلائیڈ پریزینٹیشن کرنا تھی بونا وینچر ہوٹل کا شمار پانچ اسٹار ہوٹل میں ہوتا ہے، بہت خوبصورت 25 منزلہ سلنڈریکل بلڈنگ ہے۔ تمام بیرونی کھڑکیاں سلور رنگ کی ہے مگر شیشے کی بنی ہوئی ہیں۔ یہ ہوٹل ڈاونٹاون لاس اینجلس کے فائنینشل دسٹریکٹ میں ہے۔ اسکاریولیوینگ لاؤنج اور روف ٹاپ اسٹک ہاؤس، ایل اے پرائم سے آپ لاس انجلس کا خوبصورت نظارہ کر سکتے ہیں۔ کیلئےappetizer میں نے lobsterlobster briscuit کیلئے Main Courseاور کیلئے newyork Sirlion Steak ساتھی دوست سادیہ کیلئے baked Oyster Rockfeller, Chilean, tiramisuکاآرڈر دیا۔

دراصل ثابتقدمی ہی کامیابی کی کنجی ہے ہر تکلیف میں ثابت قدم رہنے والے ہی کامیابی کی منزل کو پا لیتے ہیں، اپنی قوت ارادی اور صحیح عادت کی بنا پر ہی ہمیں کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ میرے ہمدرد طاہر نجمی صاحب اکثر مجھے کہا کرتے ہیں کہ پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ۔ تو اس کے اصل معنوں سے میں کماحقہ آگاہ ہوں، لیکن کچھ ایسے افراد بھی ہیں جن کی مجبوری مجھے انا پرستی نظر آتی ہے لیکن دراصل یہ انا پرستی نہیں بلکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جو کسی کو آگے بڑھنے سے روکتا ہے۔

1932ء میں 'محمت ایادبے' نے پیغمبر اسلام محمد ﷺ پر ایک کتاب لکھی "حیرت

انگیز محمد صلی اللہ علیہ وسلم " ہے۔ نبی اکرم ﷺ ایک نبی رسول خدا تھے۔ وہ صوفی نہیں تھے، انھوں نے اسکول مدرسہ کی تعلیم حاصل نہیں انھوں نے تو اسلام کی تبلیغ بھی چالیس سال قبل شروع نہیں کی تھی لیکن جب انھوں نے سچائی کا اپنی قوم کو بتایا تو کسی نے کیا مذاق اڑایا اور کسی نے کیا ایذا دینے کی کوشش کی، نعوذ باللہ انھیں ﷺ کو خطبی، پاگل، بے وقوف، بچوں نے اڑنگے لگائے عورتوں نے غلاظت، شہر مکہ سے ہجرت پر مجبور کیا، نبی اکرم ﷺ کو ماننے والوں کی جائیدادیں چھین لیں۔ دس سال تک پھیلانے کی کوشش کرنے کے بعد آپ وصرف گنے چنے لوگ تھے، جنوں نے اسلام قبول کیا وہ غربت میں رہے اور تحقیر آمیز زندگی بسر کر رہے تھے۔ مگر جب ثابت قدم رہے تو اگلے دس میں آپ ﷺ سارے عرب کے حکمران اور دنیا کے آخری صاحب الکتاب دین کے پیغمبر بن گئے۔ ضمناً ایک اور ذکر کرتے چلوں کہ پاکستانی امریکن کمیونٹی کے اہم و نمائندہ تنظیم پاکستان لیگ آف امریکہ کے ایک پروگرام گرینڈ روز ویلٹ بال روم میں کچھ وقت کیلئے رکا اور پھر نکل آیا۔ اس تقریب کے حوالے سے کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ آج کا کالم دراصل کراچی علاقے بنارس میں واقع گورنمنٹ ڈگری سائنس اینڈ کامرس کالج (عبدالحامد بدایونی کالج) کو لینڈ مافیا کی جانب سے قبضہ کرنے کیلئے نذر آتش کرنے کا المیہ سے متعلق ہے۔ 15 ایکٹر زمین پر پہلے بکرا پیڑی اور جوتوں کی مارکیٹ بنا کر قبضہ کرلیا گیا اور پھر یہیں پر بس نہیں چلا بلکہ کالج پر بھی قبضہ کرنے کیلئے ایسے آگ لگا دی گئی پندرہ

ایکڑ زمین پر قبضے کیلئے تقریباً ہر سیاسی و مذہبی جماعت کو لینڈ مافیا نے حصہ دیا تھا۔ یہاں تک ایک قوم پرست پارٹی کا صوبائی ہیڈ کوارٹر بھی اسی زمین پر قائم ہے اور اس پارٹی کے مرکزی جوائنٹ سیکرٹری کہہ چکے ہیں کہ ہمیں یہ زمیں عطیہ میں ملی۔ میں نے پی پی پی کے دو رہنماؤں کو فون کیا تو وہ غصہ ہوگئے راشد ربانی اور تاج حیدر کہنے لگے کہ آپ لوگوں کو گڑے مُردے نکالنے کے علاوہ کوئی اور کام نہیں۔ خدا کا خوف کرو ایک تعلیم درسگاہ کو جلا دیا اور ایسے گڑے مُردے کہا جا رہا ہے۔بڑی تکلیف ہوتی ہے کہ ایک پس ماندہ علاقے میں ایک عظیم درس گاہ جیسے جنرل ایوب نے امداد دی، ایک بڑی جگہ دی، لیکن اس کا یہ حال ہوا۔ مجھے یہاں مسٹر جوگن زاؤلس اور لاس انجلس کا خوبصورت صورت نظاروں میں تعلیمی درسگاہ کیلئے کی جانے والی جدوجہد یاد آجاتی ہے مجھے سر سید احمد خاں کی تاریخی جدوجہد یاد آجاتی ہے مجھے باچا خان بابا کی اصلاحی، تحریک افغانیہ کے مدارس یاد آجاتے ہیں، میں کس کس کو کتنا یاد کروں کتنی تاریخ پڑھوں، لیکن جب بدایوانی کالج کی آتشزدگی کو دیکھتا ہوں اور اپنی سیاسی و مذہبی جماعتوں کے ساتھ سماجی تنظیموں کے بے حس رویئے کو دیکھتا ہوں تو مجھے شدت پسند اور داعش میں کچھ فرق محسوس نہیں ہوتا کہ تعلیم سے کسی کو محروم کرنے کیلئے جو ہتھکنڈا وہ استعمال کرتے ہیں وہی لینڈ مافیا استعمال کرتے ہیں، ایک ایک الیکٹرونک میڈیا والے کے پاس گیا اینکر سے بات کی انھیں تصویریں دکھائیں انھیں تمام حالات سے آگاہی کرائی، لیکن

مجھے وسیم بادامی کا الٹا طعنہ ملا کہ کیا تم نے کچھ کالم لکھا۔ میں نے کہا کہ بھائی آپ الیکٹرک میڈیا کے ہو ، مرغی کے بچے کی تین ٹانگوں پر پورا تین گھنٹے کا پروگرام کر دیتے ہو ، ایک عظیم المیہ ہوا ہے اس پر کچھ اس لئے نہیں کر سکتے کیونکہ اس میں دلچسپی نہیں ہے۔ کئی اینکرز پرسن نے مغرورانہ انداز میں انکار کر دیا ، سیاسی جماعتوں کو واٹس اپ کو تصویر پوسٹ کرکے ایک ایک کو فون کرکے مذمتی بیان لگوائے ، حکومت کا تو کچھ پوچھیں ہی نہیں ۔ پی پی پی ایک وزیر ناصر حسین سے بات ہوئی تو کہنے لگے کہ بھائی ابھی بلدیاتی الیکشن ہیں ، فارغ ہونے کے بعد دیکھتے ہیں۔ سینکڑوں طالب علموں کا مستقبل داؤ پر لگ گیا لیکن کسی کو پرواہ نہیں ، امراکے پرائیوٹ اسکولوں کی فیس کیا بڑھیں کہ میڈیا کئی روز تک ہاتھ دھو کر پڑھ گیا ، یار کچھ تو شرم کرو حیا کرو ، یہ ہم سب کا المیہ ہے اس پر کسی بھی سیاسی جماعت سول سوسائٹی ، سرکاری سطح پر کوئی ایکشن نہیں لیا گیا کیونکہ ان کے ایجنڈے میں غریب بچوں کو تعلیم کا کوئی حق نہیں ہے۔ میں اپنی بیتی یادوں میں میں یونیورسٹی آف کیلی فورنیا لاس اینجلس (اکلا) کا ذکر نہیں کرتا ، لیکن کبھی کبھی یہ سوچنے پر ضرور مجبور ہو جاتا ہوں کہ ہزار مخالفتوں کے باوجود وہاں تعلیم کیلئے ایک زندہ انسانوں کی سوچ ضمیر کے ساتھ زندہ ہے ، یہاں ایسا نہیں ہے ۔

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی

جب مسلمان ابن رشد کی کتابیں جلا رہے تھے تو ابن رشد کا ایک شاگرد رونے لگا ، ابن رشد نے اسے کہا اگر تم ان لوگوں کی علم کی بے قدری پر رو رہے ہو تو یاد رکھو دنیا بھر کے سمندروں کے برابر آنسو بہانے سے بھی ان کی حالت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا اور اگر تم کتابوں کے جلائے جانے پر رو رہے ہو تو جان لو سوچ کے پَر ہوتے ہیں اور وہ اڑ کر اپنے قدردان کو تلاش کر ہی لے گی۔ابن رشد ایک فلسفی ، ریاضی دان، ماہر علم فلکیات ،ماہر فن طب اور مقنن تھے ہسپانوی خلیفہ المنصور نے کفر کا فتویٰ عائد کرکے ان کی تمام کتابیں جلادیں۔ابن رشد کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ " انسان کا ذہن محض ایک طرح کی صلاحیت یا طبع ہے جو خارجی کائنات سے ذہانت حاصل کرکے اُسے عمل شکل دیتا ہے ، انسان ازخود یا پیدائشی طور پر ذہین نہیں ہوتا۔ تمام انسانوں میں ذہانت مشترک ہے اور شخصی دوام کا نظریہ بے بنیاد ہے، نیز مذہب اور فلسفیانہ حقیقت میں تضاد ممکن ہے"۔ابو یوسف یعقوب المنصور کی فلسفیوں سے نفرت اور حاسدین کی سازشوں نے خلفیہ کو مجبور کردیا کہ وہ اپنے قاضی القضاہ اور طبیبِ خاص پر کفر کا الزام لگا کر اسے الیسانہ (قرطبہ کے پاس ایک چھوٹا سا شہر جس میں یہودی رہتے ہیں) ملک بدر کردے ، خلیفہ نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ان کی تمام فلسفیانہ تصانیف کو آگ

لگا دی اور طب ، فلک اور حساب کے علاوہ فلسفہ سمیت تمام جملہ علوم پر پابندی عائد کردی۔ایک عظیم دماغ کے نچوڑ اور برسا برس کی محنت کو جلا کر خاکستر کردیا گیا بعد میں خلیفہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انھیں دوبارہ دربار میں شامل کردیا لیکن زندگی کے چار دن پورے ہو چکے تھے اور ابن رشد اور خلفیہ المنصور دونوں ہی اسی سال یعنی1198ء عیسوی کو مراکش میں انتقال کرگئے۔

ابن رشد کا خاص تذکرہ اس لئے کر رہا ہوں کیونکہ آج کے ترقی یافتہ دور میں حقوق نسواں اور آزادی نسواں کا ہر طرف چرچا ہے۔ خاص طور پر یورپ و امریکہ میں ویمنزلب پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ انھوں نے حقوق نسواں کا آئیڈیا کہاں سے لیا۔شائد یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ یورپ میں حقوق نسواں کا سب سے پہلا علم بردار ابن رشد قرطبی تھا۔ افلاطون کی کتاب الجمہوریہ افلاطون کی شرح متوسط میں ابن رشد نے لکھا کہ عورتیں تمام معاملات میں مساوی ہیں امن اور جنگ میں مردوں اور عورتوں کی قابلیتیں ایک جیسی ہیں ۔ ان کے یہ نظریات الحاد قرار دیئے گئے جس کی پاداش میں جو ان کے ساتھ ہوا وہ تاریخ میں سیاہ حرفوں میں لکھا جائے گا۔ اسپین کے اس بڑے فلسفی و حکیم پر یہی الزام تھا کہ وہ کائنات کی قدرت ، بقا، روح اور حشر و نشر کے عقائد سے متعلق تھے وہ مر و عقائد اسلامی کے بالکل منکر نہ

تھے لیکن وہ ان کو عقل و فلسفہ سے مطابق کرنا چاہتے تھے وہ کہتے تھے کہ قرآن میں اگر کوئی بیان ایسا نظر آتا ہے جو عقل کے خلاف ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا مفہوم کچھ اور ہے جسے عقلی حیثیت سے سمجھنا چاہیے، علما ظواہر انہیں عقائد کی وجہ سے مخالف تھے اور ملحد کہتے تھے۔ایک smoker کا کہنا تھا کہ I always think to get red of smoking but for thinking , I need a cigarette. کچھ ایسا عمل اسلام کے ساتھ بھی ہو رہا ہے کہ آہستہ آہستہ اس کی نظریاتی اساس کو جلایا جا رہا ہے۔اس کی داخلی اور بیرونی پالیسوں کو الحاد سمجھ کر خاکستر کیا جا رہا ہے۔ہم مسلمان لوگ آگ سے آگ کو بجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کو باآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ ہماری یہ حکمت عملی ہمیں مستقبل میں کبھی کوئی فائدہ دے سکے گی۔ابھی تک ایسا ہی ہوتا رہا ہے کہ کسی مسلم ملک پر جب بھی کوئی الزام لگتا ہے تو ایسے گورنمنٹ کسی بھی طرح بھی respond کرنے کیلئے pro-actively تیار نہیں ہوتی اور ہمیشہ fumble کر جاتی ہے یا پریشانی میں ایسی بات کر جاتی ہے جس کو بعد میں exploit بھی کیا جاتا ہے۔کافی عرصے بعد ایسا ہوا ہے کہ پاکستان کی جانب سے اقوام متحدہ میں مسئلہ کشمیر پر بڑے ٹھوس انداز میں بات کی گئی اور پاکستان کی جانب سے دیئے جانے والے فارمولے کو جس طرح بھارت نے رد کیا اس سے پاکستان کی خارجہ پالیسی میں استحکام پیدا ہوا اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ پاکستان کا وزیراعظم جب اقوام متحدہ سے واپس آتا ہے تو اس پر تنقید کے بڑے ڈونگرے برسا دیئے جاتے

کیا جاتا ہے Hurt ہیں لیکن اس بار ایسا نہیں ہوا۔ ہمارے ملک کی خود مختاری کو ہمیشہ impair ہوتی ہے۔ پہلی بار پاکستان نے مغربی طاقتوں سے ڈو مور کا مطالبہ کیا جو یقینی طور پاکستان کی ٹھوس حکمت عملی کی جیت بن کر سامنے آئی ہے۔ کشمیری مسئلے کی اہمیت کو بڑی قوت کے ساتھ اجاگر کیا گیا اور بھارت کو مستقل سلامتی کونسل کی نشست نہ ملنے پر شدید خفت اور ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ بھارت ہمیشہ ہم پر پریشر ڈالنے کی کوشش کرتا رہا ہے لیکن ایسے یہ یاد کرانے کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے کہ پاکستان جب 1948ء میں جنگ لڑ سکتا ہے تو 2015ء میں ہمارے پاس وہ کچھ جو بھارت کے پاس نہیں ہے۔ اور سب سے بڑھ کر جو جذبہ ہے وہ دوسری کسی قوم میں نہیں ہے۔

ہمیں اس بات کو اچھی طرح سمجھنا ہوگا کہ صرف ہتھیاروں کی مدد سے کوئی جنگ نہیں جیتی جا سکتی بلکہ اس کے لئے مکمل تیاری کے ساتھ قوم کو بھی ساتھ دینا پڑتا ہے جب تک قوم ساتھ نہیں ہوتی تو 1971ء کی طرح کے سانحے کسی بھی وقت رونما ہو سکتے ہیں۔ ہمیں عقائد اور مسلک کے نام پر الجھا دیا گیا ہے اور بچے کچے دانشور قوم پرستی اور لسانیت کے پرچارک بن کر دو قومی نظریئے کو لگی آگ میں مزید ایندھن دینے کا سبب بن رہے ہیں۔ مسلم ممالک کو اپنے تعلیمی نظام میں اصلاحات لانے کی ضرورت ہے اور یہ مسلم قومیت کو ایک تشخص دے سکتا ہے لیکن جب کفر، الحاد اور مسالک پر مبنی ادارے ہزاروں کی تعداد میں انسانی

میزائیل پیدا کرتے رہیں گے تو کسی بھی مسلم ملک میں اسلامی تشخص درست طریقے سے پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ ہم نے اپنی منزل کھو دی ہے اور قوم جنگل میں گم ہو کر اپنے تئیں منزل کو تلاش کر رہی ہے جس کا لازمی نتیجہ سوائے ناکامی کے اور کچھ نہیں ہے۔ ہر معاشرے کے اپنے مسائل ہوتے ہیں دیگر معاشروں کے بھی ماضی میں اپنے مخصوص مسائل تھے تاہم ان معاشروں نے آزاد سوچ کے حامل مفکرین، نقاد اور فلسفیوں کو آگے آنے کا موقع دیا، ان لوگوں نے بغیر کسی قید و بند کے معاشرتی امراض پر کھل کر آزادانہ تنقید کی اور خرابیوں اکے اسباب و سدباب پر کھل کر روشنی ڈالی، یہودی معاشرے میں سپینوزا، کارل مارکس اور آئن سٹائن و دیگر جیسے نابغہ روزگار پیدا کیے تو عیسائی معاشروں نے بھی ڈیکارٹ، کانٹ، ڈیوڈ ہیوم اور برٹرینڈرسل جیسے بڑے مفکر پیدا کئے، ان مفکرین نے مذہب کے نام نہاد رہنماؤں کو بھی بُری طرح لتاڑا۔ بدقسمتی سے اسلامی معاشروں نے پانی تمام تر معاشرتی خرابیوں اور بدعات کے باوجود کبھی بھی سنجیدگی سے اپنے آزاد مصلحین و مفکرین کو آگے آنے کا موقع نہیں دیا خاص طور سے گذشتہ آٹھ سو سال میں۔ اسلامی دنیا میں ترقی کا ایک دور ایسا سنہرا بھی گذرا ہے جس میں ایجادات و ترقی نے انسانی سوچ کے پیمانوں کو پستی سے اٹھا کر آسمان تک پہنچا دیئے۔ 800 سے 1200 عیسوی کے بعد سے شریعت کو اپنے مزاج کے مطابق بنانے کی کوشش کی جاتی رہی حضرت نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ اجمعین کے بعد شریعت کے معنی بدلنا شروع ہوگئے اور ابن رشد

جیسے ان گنت فلسفیوں کی برسا برس کی تحقیق کو حسد کی آگ نے جلا کر خاکستر کر دیا۔
یہ آگ آج تک نہیں بجھی ہے ہم ایسے آج بھی مسلم ممالک میں دیکھتے ہیں ، سعودی عرب ہو یا ایران ، عراق ہو شام ، مصر ہو یا ترکی ، یمن ہو یا فلسطین ، لبنان ہو یا پاکستان جتنے بھی مسلم ممالک کو دیکھیں گے وہ خود اجتہاد کو اپنے مزاج کے مطابق ڈھالنے کی ، کوشش کرتے ہیں اور ناکامی کی صورت میں اس پر کفر کا فتوی لگا کر مار ڈالتے ہیں۔
پاکستان بھی ایسے ہی مسلم ممالک کی فہرست میں بد قسمتی سے شامل ہے۔